تفسیر نعیمی

مفسّر

صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان نعیمی

ناشر

نعیمی کتب خانہ

مفتی احمد یار خاں روڈ چوک پاکستان۔ گجرات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پنجتن پاک

محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ۔ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ

محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

حضرت جبرائیل علیہ السلام ۔ حضرت میکائیل علیہ السلام ۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام ۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام

محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ ۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ ۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

اشرف التفاسیر

تفسیر نعیمی

پارہ سولہواں

مفسر

صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان نعیمی

خلف الرشید

شیخ التفسیر حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

نعیمی کتب خانہ

مفتی احمد یار خان روڈ ○ چوک پاکستان ○ گجرات

نام کتاب ——— اشرف التفاسیر تفسیر نعیمی پارہ سولہواں

نام مصنف ——— صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان۔ ابن حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان بدایونی (یوسف زئی)

نام ناشر ——— نعیمی کتب خانہ گجرات پاکستان بمفتی احمد یار خان روڈ

نام پریس ——— لاہور پاکستان

پہلی بار طبع ——— تاریخ ۱۹۹۷ء ۱/۱۱

تعداد ——— ۱۱۰۰ (گیارہ سو)

کل صفحات ——— ۱۰۳۳

تصحیح و نظر ثانی کنندگان ——— (۱) مصنف (۲) صاحبزادہ محمد سید القادر (۳) مولنا نذیر احمد صاحب مغل راجوروی۔ باغ باوا گجرات سیلز منیجر نعیمی کتب خانہ گجرات

کتابت ——— سیف اللہ شاہد خوشنویس آف کیلیانوالہ

قیمت کتاب فی عدد ———

بائنڈر ———

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ

خضر نے کہا، کیا میں نے تم کو پہلے ہی نہیں کہدیا تھا کہ بے شک تم ہرگز میرے ساتھ صبر کی طاقت نہیں

کہا میں نے آپ سے نہ کہا تھا کہ آپ ہرگز میرے ساتھ نہ

صَبْرًا ﴿۷۵﴾ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ ۢ بَعْدَهَا

رکھ سکو گے، فرمایا موسیٰ نے، اگر آپ کچھ میں نے تم سے پوچھا اس سوال کے بعد تو تم

ٹھہر سکینگے، کہا اس کے بعد میں تم سے کچھ پوچھوں تو پھر میرے

فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ﴿۷۶﴾

مجھ کو اپنے ساتھ نہ رکھنا کہ پورا ہو چکا میری طرف سے عذر،

ساتھ نہ رہنا بے شک میری طرف سے تمہارا عذر پورا ہو چکا۔

فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهْلَ قَرْيَةِ ِۨاسْتَطْعَمَاۤ

پھر دونوں آگے چلے، یہاں تک کہ جب دونوں آئے ایک گاؤں والوں کے پاس، دونوں نے مسافری کھانا

پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب ایک گاؤں والوں کے پاس آئے ان دہقانوں سے کھانا مانگا انہوں نے

اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا

طلب فرمایا اس بستی والوں سے تو ان سب لوگوں نے بیک زبان انکار کر دیا ان دونوں کو مہمان بنانے سے پھر اسی گاؤں میں ان دونوں نے

انہیں دعوت دینی قبول نہ کی پھر دونوں نے گاؤں میں ایک دیوار

جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ

ایک پرانی دیوار پائی جو گرنے کے قریب تھی تو اسکو حضرت خضر نے درست کر کے سیدھا بنا دیا۔ فرمایا موسیٰ نے

پائی کہ گرا چاہتی ... موسیٰ نے کہا تم چاہتے

شِئۡتَ لَتَّخَذۡتَ عَلَیۡهِ اَجۡرًا ﴿۷۷﴾

اگر تم چاہتے تو اُس پر مزدوری لے لیتے
تو اُس پر کچھ مزدوری لے لیتے

تعلقات

اِن آیتِ کریمہ کا پچھلی آیت کریمہ سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیت میں حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السّلام کے درمیان علمِ طریقت کے سیکھنے سکھانے پر معاہدے کی پابندی کا ذکر تھا اب اِن آیت میں علمِ طریقت کے مشکل ہونے اور شریعت والوں کے نہ سیکھنے کی وجہ بیان ہو رہی ہے۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں شریعتِ موسوی کے کچھ بیانات اشارۃً ہوئے تھے جس کی بنا پر وہ خضر علیہ السّلام پر اُن کے انوکھے کام کی وجہ سے اعتراض فرماتے رہے اب اِن آیات میں موسیٰ علیہ السّلام کے آخری بار معذرت فرمانے کا ذکر ہو رہا ہے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں حضرت موسیٰ کی شریعت اور قانونی سوالات کا ذکر ہوا۔ اب اِن آیت میں خضر علیہ السّلام کے ایک انتہائی ہمدردانہ اور اخلاقی فطرتی کام کا ذکر ہو رہا ہے جس پر موسیٰ علیہ السّلام نے ذرا نرمی سے اعتراض بھی فرمایا۔

تفسیر نحوی

قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّكَ اِنَّكَ لَنۡ تَسۡتَطِيۡعَ مَعِیَ صَبۡرًا قَالَ اِنۡ سَاَلۡتُكَ عَنۡ شَیۡءٍۢ بَعۡدَهَا فَلَا تُصٰحِبۡنِیۡ قَدۡ بَلَغۡتَ مِنۡ لَّدُنِّیۡ عُذۡرًا ۔ قَالَ فعل ماضی مطلق قولٌ سے مشتق ہے اس کا فاعل ھُوَ ضمیر اس میں پوشیدہ ہے جس کا مرجع خضر علیہ السّلام ہیں۔ یعنی کہا خضر نے۔ اَ۔ ہمزہ استفہامیہ (سوالیہ) اَقُلۡ۔ دراصل اَقُوۡلُ تھا، لَمۡ حرفِ نفی نے اسکو جزم دیا تو آخری حرف لام کلمہ ساکن ہوا اور واؤ بوجہ ساکن ہو نیکے گر گئی، کیونکہ قانونِ نحو میں دو ساکن ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ لَكَ۔ لام جارّہ مفعولیت کا، كَ ضمیر مجرور متصل۔ یہ جار مجرور متعلق ہے۔ اَلَمۡ اَقُلۡ کا جملہ فعلیہ استفہامیہ ہو کر قول ہوا اِنَّكَ۔ اِنَّ حرفِ تشبیہ، كَ ضمیر اس کا اسم ہے اس لیے منصوب ہے۔ لَنۡ تَسۡتَطِيۡعَ، فعل نفی تاکید بلَن مستقبل۔ اس میں اَنۡتَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے جس کا مرجع حضرت موسیٰ، مَعِیَ، مَعَ اسم، ترجمہ ہے ساتھ۔ یَ ضمیر متکلم اس کا مضاف الیہ۔ یہ مرکبِ اضافی مفعول معہٗ یا ظرفِ معیت ہے۔ صَبۡرًا۔ اسم جامد، بحالتِ نصب مفعول بہٖ ہے۔ لَنۡ تَسۡتَطِيۡعَ سب سے ملکر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے۔ اِنَّ اپنے اسم خبر سے ملکر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ ہوا۔ قول مقولہ ملکر پھر مقولہ ہوا قَالَ کا۔ وہ سب ملکر جملہ فعلیہ قولیہ ہو گیا۔ قَالَ، یعنی موسیٰ نے جواباً فرمایا، اس میں ھُوَ ضمیر پوشیدہ فاعل ہے یہ فعل فاعل ملکر قول ہو گیا اِنۡ، حرفِ شرط۔ سَاَلۡتُ واحد متکلم کا صیغہ سُؤَالٌ، مہموز العین سے بنا ہے، ترجمہ ہے اگر پوچھوں میں، كَ، ضمیر منصوب متصل مفعول بہٖ ہے، عَنۡ حرفِ جر، ترجمہ ہے بارے میں شَیۡءٍ، اسم نکرہ غیر معینہ بمعنی کسی چیز کے بارے میں، بَعۡدَ اسم مفرد، ظرفِ زمانی ہے، مضاف ہے، ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب اس کا مرجع (مراد) سوال ہے یا وقت ہے بعض نے فرمایا سوال اس وقت ... مضاف الیہ مجرور ہے، فَ جزائیہ خیال

رہے کہ ان شرطیہ کے بعد جزا میں چار موقعوں پر فَ جزائیہ جزا سے پہلے لانی واجب ہے ۱ جب جزا کے جملے میں قد اور فعل ماضی ہو، جیسے قَدْ ضَرَبَ وغیرہ ۲ جب کہ جزا جملہ اسمیہ ہو ۳ جب کہ جزا کے جملے میں مضارع منفی بِلَنْ یا بِلَمْ ہو، جیسے فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۴ جب کہ جزا جملہ انشائیہ ہو (دس اقسام میں سے کوئی بھی) جیسے یہ ہی آیت فَلَا تُصٰحِبْنِیْ ایک موقعہ یہ ہے کہ جزا میں فَ لانا ممنوع ہے، اور ایک موقعہ یہ ہے جزا میں فَ لانا جائز ہے یعنی لاؤ یا نہ لاؤ اگر جزا کا جملہ صرف ماضی مطلق ہو قد کے بغیر تو فَ جزائیہ ممنوع ہوتا ہے۔ اور جائز تب جب کہ جزا کے جملے میں فعل مضارع مثبت یا منفی بِلَا ہو، تو گویا کہ فَ جزائیہ کی چھ حالتیں ہیں، کبھی فَ جزائیہ کی جگہ اِذَا بھی آجاتا ہے۔ لَا تُصٰحِبْ، فعل نہی واحد حاضر یہ صُحْبٌ سے مشتق ہے اس میں تین قرأتیں ہیں ۱ تُصٰحِبْنِیْ باب مفاعلہ بمعنٰی مجھ کو اپنے ساتھ نہ رکھنا ۲ فَلَا تَصْحَبْنِیْ، بابِ تفعّل بمعنٰی میرے ساتھ نہ رہنا ۳ فَلَا تُصْحِبْنِیْ مجھ کو ساتھ نہ رہنے دینا۔ اعلیٰ حضرت کا ترجمہ اسی دوسری قرأت پر ہے اور ہمارا پہلی قرأت پر نِیْ۔ نون وقایہ یٔ متکلم منصوب مفعول بہ ہے یہ فعل نہی اپنے فاعل اور مفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوکر جزا ہوئی شرط و جزا ملکر معلول ہوا اگلا جملہ اس کی علت ہوئی قَدْ بَلَغْتَ فعل ماضی قریب۔ اَنْتَ اس میں پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل مِنْ حرف جر۔ لَدُنِّیْ۔ یہ بھی لفظ ہیں ۱ لَدُن ۲ نون وقایہ ۳ یٔ ضمیر واحد متکلم، لفظ لدن کے تلفظ میں دس قول ہیں۔ ۱ مشہور قرأت لَدُنْ ہے، ۲ لَدَنْ۔ ۳ لَدِنْ۔ ۴ لُدْنٌ۔ ۵ لَدْنِ۔ ۶ لَدُ لَدُنِ۔ ۷ لَدُ۔ ۸ لَدَی۔ ۹ لَدُ۔ ۱۰ لِدَا۔ لَدَا اَلعلۃ۔ یہ اس کا مؤنث نفظی ہے۔ لِدَانٌ لُدُنٌ یہ جمع مذکر ہے۔ اس سے پہلے اکثر مِنْ جارہ آتا ہے اور یہ ہمیشہ مضاف ہوتا ہے۔ عامل نہیں ہوتا۔ بعض لوگوں نے اس کو عامل کہا ہے اور ذوالرمہ کے ایک شعر سے دھوکہ کھایا ہے۔ یہ کہ لَدُنْ غُدْوَۃً فرمایا گیا۔ حالانکہ صحیح لَدُنْ غُدْوَۃٍ ہے جس طرح لَدُنْ کے پڑھنے کے دس طریقے ہیں اسی طرح اس کے ترجمے اور معانی بھی چار طرح ہیں ۱ وقت ۲ قریب ۳ طرف سے۔ یہاں یہی معنٰی ہیں ۴ پاس یہ اسم غیر متمکن ہے۔ یائے متکلم اس کا مضاف الیہ ہوا مرکب اضافی لَدُنِّیْ ظرف مکانی ہے قَدْ بَلَغْتَ کا۔ عُذْرًا۔ اسم مفرد جامد بمعنٰی معذرت، مشہور قرأت میں عُذْرٌ بسکونِ ذال ہے اور ایک قرأت میں بضمہ ذال عُذُرٌ آیا ہے۔ اس کا معنٰی ہے معافی مانگنا یعنی اپنی غلطی وغیرہ کو ختم کرانا۔ نجاست اور ہر پلید شئی اور بیکار چیز کو عُذْرٌ کہدیا جاتا ہے بچے کی بڑھی ہوئی ختنے والی کھال کو بھی عذر کہتے ہیں (امام راغب مفردات القرآن) بحالتِ فتحہ ہے مفعول بہ ہے قَدْ بَلَغْتَ کا، یہ پورا جملہ فعلیہ ہوکر علت ہے لَا تُصٰحِبْنِیْ کی یعنی تم مجھ کو اپنے ساتھ نہ رکھنا کیونکہ میری طرف سے عذر پورا پہنچ گیا۔ یہ علت و معلول ملکر جملہ تعلیلیہ ہوکر شرط و جزا جملہ شرطیہ فعلیہ انشائیہ ہوکر مقولہ ہوا۔ قَالَ اپنے مقولے سے ملکر جملہ قولیہ ہوکر مکمل ہوا۔ فَانْطَلَقَا حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَیَاۤ اَهْلَ قَرْیَةِ ۣاسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ یُّضَیِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِیْهَا جِدَارًا یُّرِیْدُ اَنْ یَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ۔ فَ تعقیبیہ بمعنٰی ثُمَّ۔ اِنْطَلَقَا۔ بابِ انفعال ماضی مطلق معروف مثبت صیغہ تثنیہ۔ طَلْقٌ سے بنا ہے بمعنٰی چلنا۔ هُمَا ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے جس کا مرجع حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام۔ یہ جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ ہوا۔ حَتّٰی حرفِ عطف لغو یا حرفِ جر بعض نحوی کہتے ہیں کہ حَتّٰی عامل نہیں [illegible] حَتّٰی جارہ [illegible] ہے اور اس کا مجرور اِذَا اَتَیَا

کا پورا جملہ ہے۔ حرف حتیٰ اِلیٰ کی طرح انتہاءِ غایت کے لیے آتا ہے مگر تین صورتوں میں مختلف ہوتا ہے (۱) حتیٰ صرف اسم ظاہر پر آتا ہے حتیٰ کَ وغیرہ نہیں ہوتا (۲) اپنے سے پہلے کلام کے ختم ہونے کا پتہ دیتا ہے (۳) ابتداءِ غایت اس سے پہلے نہیں ہوتا، مثلاً مِنْ هٰنَا حَتّٰى هٰنَا نہیں ہوتا۔ اس کے معنی بھی تین طرح ہیں (۱) یہاں تک (۲) جب تک (۳) تاکہ۔ اِذَا ظرفیہ اَتَیَا فعل ماضی مطلق تثنیہ باب ضَرَبَ اَتْیٌ سے بنا ہے بمعنی آنا۔ اس کا مرجع بھی دونوں نبی علیہما السلام ہیں اَهْلَ مضاف اسم مفرد اس کی جمع ہے اَهَالِی قَرْيَةٍ اسم مفرد مؤنث لفظی بمعنی بستی (گاؤں) یہ مرکب اضافی مفعول فیہ ہے اَتَیَا کا اس لیے بحالتِ نصب ہے، یہ سب فعل فاعل اور مفعول فیہ ہے اور مابعد جملہ اس کا ظرف ہے اِسْتَطْعَمَا فعل ماضی مطلق تثنیہ باب استفعال طَعْمٌ سے بنا ہے۔ ترجمہ ہے تو ان دونوں نے کھانا طلب فرمایا یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ظرف ہوا اَتَیَا کا اور معطوف علیہ ہوا مابعد جملے کا فَ عاطفہ اَبَوْا۔ فعل ماضی جمع مذکر باب ضَرَبَ۔ اَبْیٌ سے مشتق ہے بمعنی انکار کرنا، متعدی ہوتا ہے اَنْ حرفِ ناصبہ يُضَيِّفُوْ فعل مضارع معروف جمع مذکر باب تفعیل ضَیْفٌ سے بنا ہے بمعنی مہمان بنانا مہمان نوازی کرنا، ھُم ضمیر اس میں پوشیدہ اس کا فاعل مراد بستی والے وہ قریبی لوگ ھُمَا ضمیر بارز (ظاہر) منصوب منفصل مفعول بہ ہے۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر مفعول آبے اَبَوْا کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے اِسْتَطْعَمَا کے جملے پر یہ دونوں مل کر ظرف ہوا۔ اِذَا اَتَیَا جملے کا ظرف ہوا۔ اَتَیَا فعل سب معمولات سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر ظرف ہوا۔ اِنْطَلَقَا کا۔ وہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ مکمل۔ فَ۔ تعقیبیہ بمعنی ثُمَّ یعنی پھر وَجَدَا فعل ماضی مطلق معروف مثبت تثنیہ بمعنی دونوں نے پایا۔ وَجْدٌ سے مشتق ہے فِیْ حرفِ جر ھَا ضمیر مؤنث مجرور دونوں متعلق ہوئے وَجَدَا کے، جِدَارًا اسم مفرد موصوف یا ذوالحال ہے۔ اگلا جملہ اس کی صفت یعنی ایسی دیوار جو گرنے کا ارادہ کر رہی ہے۔ يُرِيْدُ باب افعال مضارع معروف واحد مذکر اَنْ ناصبہ يَنْقَضَّ مضارع معروف باب انفعال اس کا مصدر ہے اِنْقِضَاضٌ۔ قَضٌّ (قَضَضٌ) مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے ترجمہ ہے یہ کہ ٹوٹ جائے اس لفظ میں تین مختلف قرأتیں ہیں (۱) يَنْقَضَّ یہی جمہور و مشہور ہے (۲) يُنْقَضَّ لِيُنْقَضَّ (۳) يَنْقَاصَ۔ فَ تعلیلیہ یعنی وجہ بیان کرنے والی اَقَامَ۔ باب افعال کا ماضی مطلق معروف اس کا مصدر ہے اِقَامَةٌ اور اِقْوَامٌ بمعنی کھڑا کرنا سیدھا، قوی و مضبوط کرنا ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل جس کا مرجع خضر علیہ السلام، ہٗ ضمیر متصل مفعول بہ ہے مراد ہے دیوار۔ یہ فعل فاعل مفعول سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معلول ہوا يُرِيْدُ فعل کا یہ فعل اپنے مفعول اور معلول سے مل کر جملہ فعلیہ تعلیلیہ ہو کر صفت ہوئی جِدَارًا کی موصوف صفت مل کر مفعول بہ ہوا وَجَدَا کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ۔ قَالَ فعل با فاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر قول ہوا، لَوْ حرفِ شرط شِئْتَ۔ باب سَمِعَ کا ماضی مطلق واحد مذکر حاضر۔ اس میں پوشیدہ ضمیر اَنْتَ کا مرجع خضر علیہ السلام ہیں شَيْءٌ سے مشتق بمعنی چاہنا۔ یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی اگلا

جملہ جزا مگر ف جزا پر لانا منع ہے کیونکہ جزا میں ماضی بغیر قد ہے لَتَّخَذْتَ لام گے بمعنی تو۔ اِتَّخَذْتَ باب افتعال کا ماضی مطلق حاضر اس میں اَنْتَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل عَلَيْهِ۔ عَلٰی حرف جر ہ۔ ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع ہے۔ دیوار بنانا۔ یہ جار مجرور متعلق ہے لَتَّخَذْتَ فعل کا۔ اَجْرًا اسم مفرد جامد مفعول بہ ہے لَتَّخَذْتَ کا سب ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوکر جزا ہوئی۔ شرط و جزا مل کر مقولہ ہوا قَالَ کا۔ قول مقولہ ملکر جملہ فعلیہ قولیہ ہوگیا۔

تفسیر عالمانہ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا جب خضر نے اُس بچے کو قتل کر دیا جس کا نام تفسیر میں شمعون بیان کیا جاتا ہے اور جس پر حضرت موسیٰ علیہما السلام نے پہلے اعتراض سے زیادہ سخت لہجے میں اعتراض کیا تب حضرت خضر نے بھی ذرا سخت لہجہ میں جواباً فرمایا۔ میں نے تو خاص تم کو پہلے ہی دو مرتبہ کہدیا ہے کہ تم میرے ساتھ نہیں چل سکتے اور تم اہل شریعت میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سفر میں صرف تین باتیں دیکھی جس پر آپ نے تینوں مرتبہ اعتراض یا سوال و احتجاج فرمایا پہلے کشتی کا توڑنا پھر بچے کو قتل کرنا پھر دیوار درست کرنا۔ لیکن حضرت خضر علیہ السلام نے صرف اس دوسرے قتل غلام کے اعتراض پر جواب دینے میں ذرا سخت لہجہ اختیار فرمایا اور اَقُلْ لَّكَ میں لَكَ کی زیادتی فرمائی دو وجہ سے ایک یہ کہ پہلے اعتراض میں نسیان ہو سکتا ہے مگر یہ دوسرا اعتراض جاننے بوجھنے کیا گیا ہے دوم یہ کہ پہلے اعتراض میں صرف سوال تھا مگر یہاں دوسرے واقعے میں شرعی سرزنش بھی ہے اور یہ حضرت موسیٰ کا حق تھا۔ مگر حضرت خضر چونکہ خود اپنے وقت کے نبی تھے وہ اس حق کے مکلف نہ تھے جواب میں لَكَ فرماکر اس لیے سختی کی کہ اے موسیٰ اپنے حق کو اپنی امت تک محدود رکھئے ہم اہل باطن علیحدہ شریعت والے ہیں آپ کے پاس وہ قانون نہیں جس کے ہم پابند اور عامل ہیں۔ یہ تھے بعض مفسرین کے اقوال مگر میرے نزدیک یہ بات درست نہیں اس لیے کہ اس طرح کی سخت کلامی اخلاق نبوت سے بعید ہے بلکہ یہاں لَكَ فرمانا فقط تاکید کے لیے ہے۔ اس لیے یہ بات سمجھتے ہوئے قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ فرمایا حضرت موسیٰ نے بس ایک دفعہ اور درگزر کر دو اگر اب کسی بات پر سوال کروں تو پھر مجھ کو اپنے ساتھ نہ رکھنا اور تم میری طرف سے عذر کو پہنچ گئے یعنی پھر تمہارا مجھ کو چھوڑ دینا بے مروّتی یا وعدہ خلافی نہ گنی جائیگی اور تمہاری معذرت اور علیحدگی اختیار کرنے کا عذر ہر اعتبار سے درست ہوگا۔ فَانْطَلَقَا حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهْلَ قَرْيَةِ اِۨسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ۔ اس عذر و معذرت کے بعد پھر یہ تمام صاحبان آگے روانہ ہوئے [illegible] استعمال ہوا ہے مگر احادیث و تفسیر سے یہ تین حضرات

ہی ساتھ ہیں ۱۔ حضرت یوشع (موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی) ۲۔ حضرت موسیٰ ۳۔ حضرت خضر علیہم السلام لیکن چونکہ مقصود
اور اہم کلام صرف یہ دونوں ہی ہیں اس لیے کلام پاک میں دونوں کے تذکرے کے لیے ہر جگہ صیغۂ تثنیہ ارشاد ہوا۔ اور یہ سب
ایک بستی میں تشریف لائے اس بستی کے متعلق پانچ قول ہیں ۱۔ یہ بستی ابلہ ہے۔ اور یہی صحیح ہے ۲۔ یہ انطاکیہ ہے ۳۔
برقہ ہے ۴۔ علاقۂ روم کا کوئی گاؤں ۵۔ علاقۂ آذربیجان کا کوئی گاؤں۔ اس وقت وہاں کے لوگ بہت کنجوس اور
مغرور قسم کے تھے۔ ان صاحبان نے دوپہر کا کھانا طلب کیا جو حقِ مسافری بنتا تھا اور اُس وقت اس محفل میں ایک جگہ کسی
خاص مقصد کے لیے تقریباً سب ہی لوگ جمع تھے اور کھانے کا وقت بھی تھا مگر سب نے اس مہمان نوازی سے انکار کر
دیا محض کنجوسی کی بنا پر (تفسیر فتح القدیر وغیرہ) تب یہ آگے بستی میں چل پڑے۔ تفسیر مظہری اور صاوی میں ہے کہ مردوں کا
انکار سن کر ایک عورت نے ان سب کو کھانا کھلایا تب خضر علیہ السلام نے وہاں کی عورتوں کو خیر و برکت کی دعا دی اور
اُن مردوں پر لعنت فرمائی۔ لیکن یہ قول غلط ہے دو وجہ سے ۱۔ یہ کہ اخلاق نبوت سے بعید ہے کہ اپنی ذاتی غرض و فائدے
کی بات پر کسی کو لعنت کریں دوم اس لیے کہ اگلا کلام بتا رہا ہے کہ حضرت موسیٰ نے کھانا نہ کھلانے کی وجہ سے تعمیر
دیوار کی اُجرت کا سوال کیا۔ اگر کسی نے بھی بستی میں سے کھانا کھلایا ہوتا تو اُجرت لینے کا سوال نہ ہوتا اور پھر وہ عورت
بھی تو کسی اُس بستی والے مرد کی بیوی تھی یہ کھانا بھی مرد کا ہی تھا۔ بستی میں چلتے جا رہے تھے کہ ایک ویرانے میں ایک
دیوار دیکھی جو گرنے کا ارادہ رکھتی تھی یعنی گرنے کے قریب تھی یہاں لفظِ یُرِیدُ مجازاً ہے ورنہ ارادہ کرنا دل کا کام
ہے اور دیواروں کا دل نہیں ہوتا مفسرین فرماتے ہیں کہ اِس دیوار کی اونچائی سو گز تھی اور لمبائی پانچ سو گز۔ (گز سے مراد
شرعی گز یعنی ڈیڑھ فٹ) خضر علیہ السلام نے اس دیوار کو درست کر دیا۔ اس درستگی کے طریقے میں تین قول ہیں ۱۔ یہ کہ
آپ نے سطحِ زمین تک دیوار کو گرا یا اتنے ہی حصے کو جو جھکا ہوا تھا یا ساری دیوار کو از سرِ نو گرایا مگر بنیادوں کو نہ اکھیڑا
اور تینوں صاحبان نے مٹی گارے سے دیوار بنا دی یہ دونوں گارا دیتے رہے اور حضرت خضر بناتے چنائی کرتے رہے
اور چونکہ اصل تعمیر معمار کی ہی ہوتی ہے اس لیے صیغہ واحد ارشاد ہوا ۲۔ یہ کہ دیوار گرائی نہیں بلکہ لکڑیوں بانسوں کی
مضبوطی سے ٹیکیں لگا دیں اور یہ کام صرف خضر علیہ السلام نے اکیلے ہی کیا کسی سے مدد نہ لی اسی لیے صیغہ واحد ارشاد
ہوا ۳۔ تیسرا قول ہے کہ حضرت خضر نے اپنا ہاتھ لگا کر معجزے سے درست کر دی مگر یہ قول درست نہیں اس لیے کہ
حضرت موسیٰ اس محنت پر اجرت لینے کا سوال کر رہے ہیں حالانکہ معجزے پر اُجرت مانگنا حرام ہے۔ اسی طرح بغیر
محنت کام پر اجرت مانگنا بھی ناجائز ہے۔ جب یہ حضرات کافی محنت مشقت سے دیوار تعمیر یا درست کر چکے تو
حضرت موسیٰ نے تیسرا اور آخری اعتراض پیش کر دیا کہ اگر تم چاہتے تو اس محنت پر ان گاؤں والے کنجوس لوگوں سے اُجرت
مانگ سکتے تھے تاکہ وہ اجرت کھانے کا بدل بن جاتا۔ روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ نے تین کاموں پر تین اعتراض کیے
ہر اعتراض پر ان کو غیب سے ندا آتی تھی ۱۔ کشتی توڑنے کا اعتراض فرمایا تو ندا آئی کہ بچپن میں تمہارا صندوق بھی تو نہیں ڈوبا

تھا حالانکہ اس میں زیادہ سوراخ تھے وہ کس نے بچایا تھا ۲۔ بچے کے قتل کے اعتراض پر ندا آئی کہ تم نے جوانی میں قبطی کو کیوں مارا تھا ۳۔ دیوار کی اجرت کے سوال پر ندا آئی کہ تم نے جب کوئیں کا بھاری پتھر اٹھا کر بکریوں کو پانی پلایا تھا تو کیا اُجرت مانگی تھی ہ واللہ ورسولہ اعلم۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں پہلا فائدہ۔ ایک نبی اپنی نبوت کے زمانے میں بھی دوسرے نبی کی اتباع کر سکتے ہیں خواہ تابع نبی صاحب شریعت بلکہ صاحب کتاب ہو یا بغیر شریعت پہلی مثال جیسے حضرت موسیٰ نے چند ساعتیں حضرت خضر کی اتباع کی دوسری مثال جیسے ہارون علیہ السّلام نے حضرت موسیٰ کی اور بہت سے انبیاء نے سلیمان علیہ السلام کی یا حضرت یحییٰ نے حضرت عیسیٰ کی علیہم السلام جب زمانہ نبوت میں دوسرے نبی کی اتباع جائز ہے اگرچہ تابع نبی متبوع نبی سے درجوں بلند مرتبہ ہو جیسے موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر سے درجوں بلند فضیلت والے تھے تو نبوت کی منسوخی کے بعد اور اپنے افضل نبی کی اتباع تو بدرجہ اولیٰ جائز ہوگی یہ فائدہ اس سارے واقعے سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ اگر دو شخص کوئی معاہدہ کریں اور ایک اس میں پابندی نہ کر سکے تو دوسرے کا وعدہ ختم کر دینا وعدہ خلافی نہ ہوگی یہ فائدہ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ اپنا حق وصول کرنا خواہ کسی شکل اور کسی طریقے سے ہو جائز اور ضروری ہے لیکن طریقت اور تصوّف میں حق چھوڑ دینا زیادہ افضل ہے یہ فائدہ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ الخ سے حاصل ہوا۔

احکامُ القرآن ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ دینی استاد پر اپنے شاگرد کا ادب کرنا ناجائز ہے اسی طرح پیر کو مرید کا ادب کرنا اور خاوند کو بیوی کا ادب کرنا منع ہے اگرچہ شاگرد اور مرید وغیرہ خاندانی اعتبار سے اپنے استاد و پیر یا خاوند سے درجہ میں بلند مرتبہ ہی ہو بلکہ شاگرد وغیرہ کو اپنے خاندان کا اظہارِ مرتبہ استاد کے سامنے کرنا ہی منع ہے، ہاں البتہ شاگرد اور مرید وغیرہ کو واجب ہے کہ اپنے استاد اور مرشد کا ہر حالت میں شان و مرتبے کے باوجود ادب اور خدمت کریں یہ مسئلہ حضرت خضر کے لکَ فرما کر کلام میں سختی پیدا کرنے اور حضرت موسیٰ کا فَلَا تُصَاحِبْنِيْ فرما کر معذرت کرنے سے مستنبط ہوا۔ حالانکہ حضرت موسیٰ مرسل ہونے کی وجہ سے کئی درجوں بلند و افضل ہیں علیہما السّلام۔ دوسرا مسئلہ۔ جن چیزوں کا رب تعالیٰ اپنے بندوں کو کرنے کا شریعت وغیرہ میں حکم عطا فرمائے ان کے کرنے پر کسی مسلمان کو اجرت مانگنی ناجائز ہے لہٰذا نماز پڑھتے تلاوت کرنے اور سننے پر قاری نمازی کو اُجرت مانگنی منع ہے یہ مسئلہ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ کے سوال اور اگلے جواب سے مُستنبط ہوا۔ تیسرا مسئلہ۔ غیر مسلموں کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا جائز ہے بشرطیکہ اس میں کوئی حرام چیز نہ ڈالی ہو اور غیر مسلموں پر بھی مہمان نوازی واجب ہے یہ اخلاقی واجبات میں سے ہے یہ مسئلہ اِسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا سے مستنبط ہوا اس لیے کہ وہ بستی والے [illegible] تھے نہ اُن کی کوئی اُمت تھی

اور حضرت موسیٰ کو وہ پہچانتے ہی نہ تھے اگر پہچانتے تو یقیناً ادب کرتے اور تشریف آوری کو اعزاز سمجھتے جب کہ اس دور میں تمام جہان کے لیے شریعت صرف موسیٰ علیہ السلام کی تھی بلکہ اگر کسی بھی نبی کی امت ہوتے تو اتنے کنجوس نہ ہوتے یہ کنجوسی ان کے کفر کی نشانی ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ بھیک مانگنا تو ہر شریعت میں حرام رہا ہے تو پھر ان دونوں بزرگوں نے بستی والوں سے کھانے کی بھیک کیوں مانگی آج تمام بھکاری بھی کھانا ہی مانگتے ہیں۔ **جواب**۔ یہ بھیک نہ تھی بلکہ حقِ مسافرت تھا جو طلب کرنا جائز تھا اور بستی والوں پر دنیا حق بنتا تھا۔ اور یہ طلب ضرورۃً تھی نہ کہ محض عادۃً بانفر یجا، مگر رواجی گداگروں کی طلب بلاضرورۃ محض عادۃً ہوتی ہے۔ **دوسرا اعتراض** یہاں دو دفعہ اَھل کیوں فرمایا گیا۔ مرا اَھْلَ قَرْیَۃِ ۛ اِسْتَطْعَمَآ اَھْلَھَا دوسری مرتبہ اِسْتَطْعَمَاھَا کہنا کافی تھا۔ **جواب** دو وجہ سے۔ پہلی یہ کہ ھَا ضمیر متصل ہے جو ہمیشہ عامل سے جڑ کر آتی ہے۔ اس کا عاملِ اھل ہے اس لیے اَھل کہنا ضروری ہے اگر اَھْلَ نہ کہا جاتا تو اس کا عامل اِسْتَطْعَمَا فعل ماضی تثنیہ بن جاتا اور اس میں الف تثنیہ ہے جو اتصالِ کامل سے مانع ہے نیز ھَا ضمیر کا مرجع قریہ ہے نہ کہ اَھلِ قریہ حالانکہ کھانے کی طلب قریہ سے نہیں تھی بلکہ اھلِ قریہ سے تھی جو حقیقۃً صرف مرد ہوتے ہیں۔ اگر ھَا صرف کہا جاتا تو مجازاً عورتیں اور بچے بھی شامل ہو جاتے حالانکہ ان سے طلب نہ کیا گیا تھا۔ دوم یہ کہ اَھْلَھَا کہنے میں تاکید بھی ہے۔ **تیسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا یُرِیْدُ اَنْ یَّنْقَضَّ یعنی دیوار ارادہ کرتی ہے گرنے کا۔ حالانکہ ارادہ کرنا عقل والوں کا کام ہے دیوار اہلِ عقل میں سے نہیں ہے تو یہ لفظ کیوں ارشاد ہوا۔ **جواب**۔ مشابہۃِ عقلاً کی وجہ سے مجازاً فرمایا گیا اس لیے کہ آدمی بھی جب بیٹھنے یا گرنے کا ارادہ کرتا ہے تو پہلے جھکتا ہے اسی طرح دیوار بھی پرانی تھی جھکی ہوئی گرنے کے قریب تھی اس جھکاؤ کو ارادہ سے تعبیر کیا گیا اور محاورۃً ہر زبان میں ایسا بول دیا جاتا ہے اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔ ایک عربی شاعر کہتا ہے۔

یُرِیْدُ الرُّمْحُ صَدْرَ اَبِیْ بَرَاءٍ وَیَعْدِلُ عَنْ دِمَاءِ بَنِیْ عَقِیْلٍ

یعنی ارادہ کرتا ہے تیر۔ حالانکہ تیر غیر ذوی العقول ہے۔ **چوتھا اعتراض**۔ یہاں خضر علیہ السلام نے پہلے اعتراض کے جواب میں اَلَمْ اَقُلْ اِنَّکَ فرمایا۔ لیکن دوسرے اعتراض کے جواب میں اَلَمْ اَقُلْ لَّکَ اِنَّکَ (۷۵) فرمایا یہاں لَکَ کیوں زیادہ کیا۔ **جواب**۔ اس کا جواب مختصراً تفسیر عالمانہ میں دیا گیا کہ یہ فقط تاکید کے لیے ہے یہاں اتنا اور سمجھ لو کہ یہ سختی کلام سابقہ وعدہ اور اس کی اہمیت بتانے کے لیے ہے۔ اور یہ بتانا مقصود ہے کہ ہمراہی مجھ پر شاق گزر رہی ہے کسی وقت بھی ختم ہو سکتی ہے گویا کہ آگاہی ماتقدّم ہے۔ **پانچواں اعتراض**۔ آپ نے لکھا ہے کہ دیوار سب نے مل کر درست کی اس طرح کہ حضرت خضر اینٹیں لگاتے رہے دوسرے ساتھی مٹی گارا لاتے رہے لیکن دیگر مفسرین نے لکھا ہے کہ صرف حضرت خضر نے اپنے ہاتھ سے ہاتھ لگا کر درست کر دی اور آیت

پاک میں واحد کا صیغہ فَاَقَامَهٗ بھی یہ ہی بتا رہا ہے اور شریعت میں معجزے پر اجرت مانگنی حرام ہے تو پھر حضرت موسیٰ نے لَوْ شِئْتَ کہہ کر خلافِ شریعت بات کیوں کی۔ جواب۔ اس کا جواب جو ہم نے تفسیر عالمانہ میں دیا ہے تب تو اعتراض ہی نہیں پڑتا لیکن اگر مفسرین کی معجزے والی بات کو ہی لیا جائے تب بھی کوئی اعتراض نہیں پڑتا کیونکہ مہمانی سے انکار کے بعد اب یہ معاوضہ لینا فقط اجرت نہ تھا بلکہ حقِ مہمانی وصول کرنا تھا جس کی صورت اجرت کی شکل میں ہوتی بظاہراً اگرچہ اجرت ہوتی مگر باطناً وحقیقتاً اپنے حق کی وصولی ہوتا۔ لہٰذا لَوْ شِئْتَ کہنا شرعاً درست تھا واللہ ورسولہ اعلم۔

از آیت ۷۵ تا آیت ۷۶

تفسیر صوفیانہ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا. قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَیْءٍۭ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِیْ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّیْ عُذْرًا شربِ صوفیا میں جسدِ عنصری کی عقلِ لدنی خضرِ راہ ہے اور قلبِ مسعود گویا موسیٰ ہمراہ ہے اس عالَمِ ناسوت دنیاءِ دوں میں عقلِ مقدس متقی ہی سچائی کی رہنماءِ صادق ہے مگر قلبِ مسعود مرید بینا وبصیر ہے اس کو راہ جوئی وتلاشِ منزل کے لیے سوالات کرتے پڑتے ہیں لیکن وادیِ معرفت خاموشی کا متقاضی کہ فرمایا آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مَنْ صَمَتَ نَجَا جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا۔ اسی لیے دن رات ہر وادیِ ابدان کا عقلِ خضر فرما رہا ہے بار بار قلبِ طالبِ راہ اور ملتجیِ منزل کو کہ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ۔ کیا پہلے ہی تجھ کو میں نے آگاہی وخبرداری نہ دیدی تھی کہ چونکہ تیری جبلت وفطرت منزل آشکار کی متلاشی ہے مگر میری راہ ستر افکار کی خاموشی ہے اس لیے تو میری ہمراہی کو جیرت سے برداشت کی طاقت نہیں رکھ سکتا۔ قلبِ مسعود نے قولِ مدرکی کی اس خبرداری سے باخبر ہو کر فرمایا کہ وادیِ سلوک کے آداب کی اب خلاف ورزی نہ ہوگی اگر اب کبھی سوالِ ظاہری کا صدور ہوا تو صحبت معرفت نہ بخشنا اور افتراقِ منازل کی معذوری ومجبوری مجھ کو پہنچی عقل وقلب کا یہ افتراق اس لیے ہے کہ علمِ قلب کتاب وسنت ہے۔ مشربِ قلب میں جو علم کتاب وسنت کے مطابق نہ ہو اس سے استفادہ نہ کرنا چاہیئے۔ اس لیے کہ قلبِ مومن رہبر ماضی وحال ہے اس کی نگاہ ماضی کی درستی اور حال کی تندرستی کی فکر میں لگی رہتی ہے اور یہ دونوں چیزیں قرآن وسنت سے میسر ہیں اگر کوئی شخص ان منبعِ فیوض وچشمہءِ برکات کے سمجھنے میں مددگار ومعاون نہ ہو سکے تو وہ کتنا ہی بڑا فاضل ہو سالکینِ معرفت کے مذہب میں برائی وذلت کا مجموعہ ہے۔ ایسے لوگوں میں باطن کی کوئی فضیلت نہیں ہوتی۔ بلکہ ان کی حرکتیں دنیا وآخرت میں ذلیل کرنے کا باعث بن جاتی ہیں۔ قلبِ مسعود طورِ موسیٰ کے مقامِ بلند پر پہنچ کر بھی علم کی تلاش میں عاجزی کے قدم چلتا رہتا ہے اور عذر خواہی کی عادت بناتا ہے اولیاء اللہ کے نزدیک قلبی علم تین قسم کے ہیں ۱ مذہب کا علم [illegible] علم فرعِ انتہا ہے اور تیسرا علم

ثمر مراد ہے ان علوم میں اخلاص ہے اور ان ہی کے ذریعے سفر و حضر قبر و حشر کی آفات سے حفاظت ملتی ہے۔ ان ہی علوم میں طریقت خضری و شریعت موسوی کا ساتھ نبھاؤ ہے۔ فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ اِۨسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ۔ بس چلے وہ دونوں عقل و قلب سفر تخیل سے یہاں تک کہ آئے وہ دونوں بستی جسم میں حواس انسانیت کے اہل قوی کے پاس اعمال افکار کی غذاء روحانیت کی طلب فرمائی کیونکہ اعضاء انسانیہ پر قلب و قول کا حق ہے کہ یہ اعضاء ظاہری اپنے اعمال صالحہ سے قلب و عقل کو نورانی غذائیں کھلائیں اور قوت دیں مگر نفس امارہ کے پیروکار نے عقل سلیم کے اس مطالبہ کا ہمیشہ انکار ہی کیا لیکن عقل منور قلب مسعود کے تعاون کے ساتھ محض اپنے لطف و کرم سے مخازن اسرار کی دیوار متخیلہ ازنو تعمیر کرتا ہی رہتا ہے جو دیوار حائل ہے نفس ناطقہ اور مجردات عالم کے درمیان اور ضعف اعمال کی بنا پر جسد عنصر یکی بنیاد سے وادی فنا میں گرنے کا ارادہ رکھتی ہو تو عقل بدنی نورانیت قلب کے تعاون کے ساتھ علاقاء بقا میں تقویت اعمال جسدی کی صلاحیت کے ساتھ حواس کے گارے سے شریعت کی آبیاری سے درستگی فرمائی تکمیل شریعت نے فرمایا لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا اے عقل مقدس تجھ کو چاہئے تھا کہ ان اعضاء بدنیہ سے ثواب جزیل کی اجرت ریاضت شدیدہ حاصل کر لیتا تاکہ انوار قدس کے کھانے کشف احوال کے دسترخوان پر میسر آتے۔ یہی غذائیں علم ملکوتی ہیں اور علم کا طلب کرنا فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ صوفیا فرماتے ہیں کہ کثافت کو ختم کرنے کے لیے اعمال دین اور اعمال کے لیے علم دین اور علم دین کے لیے صحبت صالحہ اور صحبت صالحہ کے لیے شریعت والوں کو اہل طریقت کی بیعت اور اہل طریقت کو اہل شریعت کی شاگردی لازمی ہے۔ اے بندۂ مومن اعمال میں اخلاص پیدا کر کیونکہ اخلاص سے عجز پیدا ہوتا ہے اور عجز کی سرنگوں سے پھل لگتا ہے اور یہی مقصد حیات ہے جیسا کہ پارہ نمبر ۳۰ سورۃ بینہ میں ارشاد ہے وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ ۔ بندوں کو فقط اخلاص فی الدین کا ہی حکم دیا گیا ہے تاکہ وہ پرخلوص عبادت کریں حدیث پاک میں جس علم کے سیکھنے کو فرض فرمایا گیا ہے وہ علم دین ہے اسی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان دنیا و آخرت کے مقام قرب و تعلقات کا پتہ لگتا ہے۔ دو ہی علم ہیں اور دو ہی عمل ۱ علم دین ۲ علم دنیا اور اعمال دین اکل حلال ہے اعمال دنیا اکل مشکوک ہے۔ (از تفسیر نیشاپوری مع زیادت)

قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ

خضر نے کہا۔ آپ کا یہ سوال فراق ہے میرے اور آپ کے درمیان ابھی عنقریب میں آپکو بتاتا ہوں

کہا یہ میری اور آپ کی جدائی ہے۔ اب میں آپ کو ان باتوں کا پھیر بتاؤں گا

بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٧٨﴾ اَمَّا

ان کاموں کی وجہ نہیں طاقت رکھی آپ نے جس پر صبر کی تو سنو ، لیکن

جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا ، وہ جو

السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِى

کشتی پس تھی وہ چند مسکینوں کے لیے صرف مزدوری کرتے تھے

کشتی تھی وہ کچھ محتاجوں کی تھی کہ دریا میں کام

الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ

دریائی آمد ورفت میں تو میں نے چاہا خراب کر دو اس کو اس لیے کہ تھا اُن سے آگے

کرتے تھے تو میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کردوں اور ان کے پیچھے

مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿٧٩﴾ وَاَمَّا الْغُلٰمُ

ایک بادشاہ جو ہر مضبوط کشتی کو چھین لیتا ہے ۔ اور لیکن وہ لڑکا

ایک بادشاہ تھا کہ ہر ثابت کشتی زبردستی چھین لیتا اور وہ جو لڑکا تھا

فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا

اس کا بیان یہ ہے کہ اس کے ماں باپ مومن تھے تو ہم نے اندیشہ کیا کہ یہ آج کا بچہ کل انکو مبتلا کردے گا

اس کے ماں باپ مسلمان تھے تو ہمیں ڈر ہوا کہ وہ ان کو

طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ﴿٨٠﴾ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا

گمراہی اور کفر میں ۔ اس لیے ہم نے خیال کیا کہ بدلہ دے ان دونوں کو ان کا رب

سرکشی اور کفر پر چڑھاوے [illegible] دونوں کا رب

خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ﴿۸۱﴾

اس سے بھی پیارا پاکیزگی خوب صورتی میں اور نرم دلی میں زیادہ قریب

اس سے بہتر ستھرا اور اس سے زیادہ مہربانی میں قریب عطا کرے

تعلقات اِن آیتِ کریمہ کا پچھلی آیتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں مذکور ہوا کہ حضرت خضر نے موسیٰ علیہ السلام کو اعتراضات سے روکا اور حضرت موسیٰ نے کہا کہ اگر اب کوئی سوال یا اعتراض کیا تو تم مجھ کو اپنے ساتھ نہ رکھنا موسیٰ علیہ السلام نے پھر سوال کر دیا تو اب اِن آیت میں خضر علیہ السلام کا علیحدگی اختیار کرنے کا ذکر ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں موسیٰ علیہ السلام کے وہ سوالات مذکور ہوئے جو آپ نے حضرت خضر علیہ السلام کے افعال پر کئے اب ان آیت میں خضر علیہ السلام کے جوابات ذکر ہو رہے ہیں۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں حضرت خضر کا یہ فرمان ذکر ہوا تھا کہ اے موسیٰ آپ میرے ساتھ صبر نہ کر سکیں گے کیونکہ تم صاحب شریعت ظاہری ہو۔ اب اِن آیت میں طریقتِ باطنی کو ظاہر کیا جا رہا ہے۔

تفسیر نحوی قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۔ اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ ۔ قَالَ فعل ماضی با فاعل پوشیدہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر قول۔ هٰذَا دو لفظ ہیں۔ ہا اور ذَا۔ هَا حرفِ تنبیہ ہے یہ ہر اسم اشارہ کے اوّل میں آتا ہے کلام کی طرف مخاطب کو توجہ کرانے کے لیے اس سے کلام میں سختی و مضبوطی پیدا ہوتی ہے۔ خیال رہے کہ حروفِ تاکید سے بھی کلام میں سختی پیدا ہوتی ہے اور حرفِ تنبیہ سے بھی مگر تاکید سے کلام میں وہ آتا ہے جب کہ تنبیہ سے بات سننے والی کی توجہ میں مضبوطی پیدا ہوتی ہے۔ ذَا اسم اشارہ واحد مذکر ہے اس کے تثنیہ اور جمع۔ مذکر و مؤنث مفتوح و مجرور ہر طرح کے صیغے ہوتے ہیں مثلاً۔ ذَا۔ ذَانِ۔ ذَيْنِ۔ تَا۔ تَانِ يَتَيْنِ۔ اُوْلَآءِ۔ اُولٰٓئِكَ ذٰلِكَ تِلْكَ هٰذَا۔ قریب و بعید و متوسط سب کے لیے آجاتا ہے۔ هٰذَا کا مشار الیہ حضرت موسیٰ کا یہ مزدوری لینے کا تیسرا سوال کرنا ہے۔ یعنی اے موسیٰ اب یہ تمہارا سوال میرے تمہارے درمیان جدائی کا سبب ہے۔ بعض نے کہا یہاں مشار الیہ وقت ہے۔ فِرَاقُ مصدر ہے بروزن فِعَال، قِتَال وغیرہ۔ بحالتِ رفع خبر ہے هٰذَا مبتدا کی۔ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ یہ مرکب عطفی مضاف الیہ ہے فراق مضاف کا۔ بَيْنَ اسم ظرف ہے، یہاں ظرفِ مکانی ہمیشہ مضاف ہو کر آتا ہے اس کا مضاف الیہ ضمیر بھی ہوتا ہے اور اسم ظاہر بھی۔ هٰذَا مبتدا اپنی خبر فراق وا لخ سے مل کر جملہ خبریہ ہو کر مقولہ ہوا۔ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو کر مکمل ہو گیا۔ سَ حرفِ تقریب اُنَبِّئُ۔ باب تفعیل کا

کا مضارع مثبت معروف واحد متکلم ہے نَبَأٌ سے بنا ہے بمعنی خبر دینا بتانا۔ یہاں مراد ہے غیبی خبر دینا۔ ایک قرأت سَأُنَبِّئُكَ ہے اور سین تاکید کے لیے ہے نہ کہ تقریب کے لیے یعنی البتہ ضرور خبر دوں گا۔ کَ ضمیر واحد مذکر حاضر بحالت نصب مفعول بہ ہے مرجع موسیٰ علیہ السلام۔ بِ حرف جر زائدہ ہے تَاْوِیْل۔ اسم مصدر باب تفعیل اَوْلٌ سے بنا ہے۔ بمعنی اصلیت، اصل وجہ، مرجع، ٹھیک بات درست ہونا، مضاف ہے۔ مَا موصولہ لَمْ تَسْتَطِعْ فعل مضارع نفی جحد بلم بمعنی ماضی مطلق دراصل تھا تَسْتَطِیْعُ لم جحد کی وجہ سے آخر ساکن ہوا تو ساکن گر گئی باب استفعال اس کا اصل مصدر اِسْتِطْوَاعٌ ہے تعلیل ہو کر اِسْتِطَاعَةٌ ہوا طَبْعٌ طَوْعٌ سے بنا ہے بمعنی طاقت رکھنا اَنْتَ۔ اس میں پوشیدہ اس کا فاعل عَلَیْهِ جار مجرور متعلق ہے ہٖ ضمیر کا مرجع کا ہے۔ یعنی وہ تمام کام جن پر آپ نے اعتراض کیا صَبْرًا اسم مفرد جامد بمعنی رکنا، روکنا یہاں مراد ہے اعتراض نہ کرنا۔ بحالت نصب مفعول بہ لَمْ تَسْتَطِعْ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر مضاف الیہ۔ دونوں مرکب اضافی مجرور متعلق ہے اُنَبِّئُكَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا اَمَّا حرف استدراک۔ تفصیل کے لیے۔ یہ لفظ چار طرح مستعمل ہے (۱) لٰکِنَّ کی مثل استدراک کے لیے تب دو جملوں کے درمیان آتا ہے (۲) شرط کے لیے تب دو جملوں کے شروع میں آتا ہے پہلے کو شرط بناتا ہے۔ (۳) تاکید کے لیے تب حصر پیدا کرتا ہے (۴) تفصیل کے لیے جیسے یہاں اَلسَّفِیْنَةُ الف لام عہد خارجی سفینۃ اسم مفرد جامد بمعنی کشتی مرفوع مبتدا ہے۔ فَ۔ بیانیہ کَانَتْ فعل تامہ ہی ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع سفینہ۔ لام جارہ نفع کا لیکن امام شافعی کے نزدیک ملکیت کا مسٰکین اسم جمع مذکر سالم مجرور اس کا واحد مسکین۔ خیال رہے کہ دنیا میں انسان پانچ قسم کے ہیں غنی۔ مالدار، فقیر، مسکین، محتاج اس کی تفصیل تفسیر عالمانہ میں کی جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ مولیٰ علی شیر خدا کی قرأت میں ہے مَسَّاكِیْنَ جمع ہے مَسَّاكٌ کی بمعنی مَلَّاحِیْنَ وَمَلَّاحٌ مساکین موصوف اگلا جملہ اس کی صفت یَعْمَلُوْنَ باب سَمِعَ کا مضارع معروف جمع مذکر اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر هُمْ، اس کا مرجع مَسَاكِیْن۔ فِیْ جارہ ظرفیہ مکانیہ البحر۔ الف لام استغراق یا جنسی بحر اسم مفرد جامد بمعنی دریا سمندر۔ یہ جار مجرور متعلق ہے یَعْمَلُوْنَ کا۔ وہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صفت ہوئی۔ مَسَاكِیْن اپنی صفت سے مل کر مجرور اور متعلق ہے کَانَتْ کا۔ یہ جملہ فعلیہ تامہ خبریہ ہو کر خبر ہے مبتدا اَلسَّفِیْنَةُ۔ کی وہ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ یَّاْخُذُ كُلَّ سَفِیْنَةٍ غَصْبًا۔ وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَیْنِ فَخَشِیْنَآ اَنْ یُّرْهِقَهُمَا طُغْیَانًا وَّكُفْرًا۔ فَ۔ بیانیہ بمعنی اس لیے اَرَدْتُّ۔ باب افعال کا ماضی مطلق واحد متکلم انا ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل۔ اَنْ حرف ناصبہ اَعِیْبَ۔ باب افعال کا مضارع واحد متکلم مثبت معروف۔ ھَا ضمیر واحد مؤنث کا مرجع سفینہ منصوب متصل [illegible] فعل فاعل مفعول مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مفعول بہ ہوا

اَرَدْتُ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا وَا ؤ تفسیر جملہ کان فعل تامّہ وَرَاءَ اسم مصدر ہے بروزن قَضَاء
عَشَاء۔ فَعَالَ۔ وَرْیٌ سے بنا ہے۔ وَرْیٌ ہمیشہ باب فتح میں گردان ہوتا ہے وَرَاءٌ مصدر مزید فیہ
ہمیشہ مضاف ہوتا ہے کبھی فاعل کی طرف تب معنی ہوتا ہے چھپا ہوا۔ اور کبھی مضاف ہوتا ہے مفعول کی طرف
تب معنی ہوتا ہے چھپنے والا اس کے آٹھ معنی ہیں ۱ آڑ ۲ آگے ہونا ۳ پیچھے ہونا ۴ حد فاصل اور حد بندی کرنا ۵
پس پشت ڈالنا ۶ علاوہ اور سوا ہونا ۷ بعد میں آنا ۸ چھپنا یہاں مراد ہے آگے ہُم ضمیر جمع کا مرجع وہی مسکین
یہ مرکب اضافی ظرف مکان ہے کانَ کا مَلِكٌ۔ اسم مفرد جامد موصوف ہے بمعنی بادشاہ یَأْخُذُ۔ باب نصر کا مضارع
واحد مذکر اس کا فاعل مَلِكٌ کی ضمیر هُوَ پوشیدہ ہے۔ کُلَّ سَفِيْنَةٍ۔ مرکب اضافی مفعول بہ ہے غَصْبًا اسم
مصدر بمعنی چھیننا، قبضہ کر لینا، بحالت نصب ہے یا مفعول لہ ہے یعنی لیتا ہے غصب کرنے کے لیے یا مفعول مطلق ہے
یَأْخُذُ ہم معنی فعل کا، یعنی چھین لیتا ہے چھیننا، یا خذ سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صفت ہوئی مَلِكٌ کی
یہ مرکب توصیفی کانَ تامّہ کا فاعل ہوا۔ کانَ اپنے فاعل اور ظرف سے مل کر جملہ فعلیہ مکمل ہوا۔ واؤ مستر جملہ الغلام الف لام
عہد خارجی خیال رہے کہ الف لام عہد خارجی وہ ہوتا ہے جس کے مدخول کا متکلم و مخاطب دونوں کو پتہ ہو۔ اور الف لام
عہد ذہنی وہ ہے جس کا پتہ صرف متکلم کو ہے الف لام کی کل نو قسمیں ہیں۔ ۱ زائدہ ۲ غیر زائدہ ۳ اسمی، ۴ حرفی ۵ تخصیص
۶ جنسی ۷ استغراقی، ۸ عہد ذہنی ۹ عہد خارجی۔ غلام بروزن فُعال بمعنی لڑکا، بیٹا۔ قریب بلوغ کو یا شیر خواری سے
سمجھداری تک بیٹے کو کہا جاتا ہے اس کی جمع تین طرح ہے ۱ غلمان ۲ اَغْلِمَةٌ ۳ غِلْمَةٌ۔ غلمٌ سے مشتق ہے صفت مشبہ
ہے لغوی ترجمہ روشنی والا۔ خوب صورت حسین۔ بحالت رفع مبتدا ہے۔ فَ تفسیریہ بیانیہ کانَ فعل ناقصہ اَبَوَا۔ اسم
تثنیہ دراصل تھا اَبَوانِ، مراد، باپ اور ماں (پرورش کرنے والے) مضاف کی وجہ سے نون آخری گر گئی ہُ ضمیر واحد
مجرور مضاف الیہ ہے۔ ہُ کا مرجع غلام۔ یہ مرکب اضافی اسم ہے کانَ ناقصہ کا۔ مؤمنین۔ اسم تثنیہ مؤمنٌ کا منصوب
ہے خبر ہے کانَ کی وہ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو گیا۔ فَ عاطفہ سببیہ توجیہی (تفریعی) خَشِيْنَا باب
سَمِعَ کا ماضی مطلق جمع متکلم، ترجمہ ہے اس وجہ سے اندیشہ کیا ہم نے مراد صرف خضر علیہ السلام ہیں۔ خَشْيٌ ناقص
یائی سے بنا ہے بمعنی۔ اندیشہ کرنا۔ ڈرنا رعب میں آ جانا عاجز ہونا یہاں پہلے معنی ہیں۔ اَنْ حرف ناصبہ یُرْهِقَ
باب افعال کا مضارع واحد مذکر رَهْقٌ سے مشتق ہے بمعنی اثر ڈال دینا۔ مجبور کر دینا مبتلا کر دینا، ورغلا دینا
پھنسا دینا، بے راہ کر دینا، یہاں سب معنی بن سکتے ہیں، اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر ہُوَ ہے جس کا مرجع غلام ہے
هُمَا اس کا مفعول یہ مراد والدین ہیں طُغْيَانًا۔ اسم مبالغہ بروزن فُعلانٌ عُثمانٌ۔ طغیٌ سے مشتق ہے اسی سے
ہے طاغی (فرعون کا آسمانی لقب) بمعنی سرکشی، نافرمانی، معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ کُفْرًا اسم مفرد بمعنی شرک بت پرستی
انبیاء اولیاء کی گستاخی خلاف ورزی معطوف ہے۔ دونوں عطف مل کر مفعول فیہ ہے یُرْهِقَ کا سب مل کر جملہ

فعلیہ ہو کر مفعول بہ ہے خَشِيْنَا کا یہ سب مل کر جملہ خبریہ ہو کر معطوف، گان کا جملہ معطوف علیہ دونوں مل کر خبر مبتدا۔ دونوں مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔ فَاَرَدْنَا اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا۔ ف تعقیبیہ اَرَدْنَا باب افعال کا ماضی مطلق جمع متکلم فاعل خضر ہیں اَن ناصبہ يُبْدِلَ۔ باب افعال کا مضارع مثبت مصدر ہے اِبْدَال بَدْل سے جا ہے بمعنی بدلے میں دینا ایک قرأت میں يُبَدِّلَ۔ ہے باب تفعیل سے هُمَا ضمیر تثنیہ مرجع والدین منصوب ہے، کیونکہ مفعول بہ ہے رب مضاف هُمَا مضاف الیہ یہ مرکب اضافی فاعل ہے يُبْدِلَ کا خَيْرًا اسم حاصل مصدر مِنْهُ۔ جار مجرور متعلق ہے خیرًا مصدر کا۔ یہ دونوں مل کر شبہ جملہ ہو کر ممیز زَكٰوةً، اسم حاصل مصدر بمعنی پاکیزگی تمیز ہے خیرًا کی واؤ عاطفہ اَقْرَبُ اسم تفضیل هُوَ اس کا فاعل مرجع ہے خَيْرًا یا مرجع ذہنی یعنی بدلہ رُحْمًا اسم حاصل مصدر ایک قرأت میں رَحْمًا فتحہ سے ہے مفعول تمیز ہے اَقْرَبَ ممیز تمیز سے مل کر معطوف ہوا خیرًا ممیز تمیز معطوف علیہ دونوں مل کر مفعول بہ دوم ہوا يُبْدِلَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مفعول بہ ہے اَرَدْنَا کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ مکمل ہوا۔

تفسیر عالمانہ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا۔ اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ۔ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا۔ تیسری مرتبہ وعدہ بھول کر اعتراض کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام سے خضر علیہ السلام نے فرمایا هٰذَا یعنی یہ وقت اب میرے تمہارے درمیان فراق اور جدائی کا ہے یا یہ تمہارا اعتراض جدائی کا سبب ہے یا تمہارا وہ قول فَلَا تُصٰحِبْنِيْ کے حسب وعدہ فراق وجدائی کا سبب ہے۔ ایک قول میں ہے کہ جب خضر علیہ السلام جانے لگے تو حضرت موسیٰ نے اُن کا ہاتھ پکڑ لیا کہ مجھ کو ان میرے سوالات کا جواب اور اپنے ان عجیب کاموں کی وجہ تو بتاتے جاؤ تب حضرت خضر نے سَاُنَبِّئُكَ فرمایا مگر یہ درست نہیں سیاقِ کلام سے ثابت ہے کہ خود ہی بتانا شروع کر دیا حدیث پاک میں ہے کہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ رحم فرمائے ہم پر اور موسیٰ علیہ السلام پر اگر تھوڑا صبر کر جاتے تو اور بہت سے عجیب کام دیکھتے یہاں سین حالیہ استقبال کے لیے یعنی ابھی بتاتا ہوں اُن تمام افعال کا مقصد جنھوں نے تم کو حیران و پریشان کر دیا، تاویل، تحویل، تحریف، تثبیت۔ تغییر، تبدل، سب کا معنی ہے ایک چیز سے ہٹ کر دوسری طرف جانا رجوع کرنا مگر فرق یہ ہے کہ دو معنی والے لفظ یا فعل کا ایک عام فہم معنی چھوڑ کر دوسرے خاص معنی لینا یہ تاویل ہے (۲) ایک چیز کو ایک جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھنا تحویل ہے (۳) صحیح مراد کو چھوڑ کر غلط معنی کرنا تحریف ہے (۴) ایک چیز کا مرتبہ اور شان دوسری چیز کو دے دینا۔ اور چیز کو اپنی جگہ سے نہ ہٹانا۔ جیسے تولیٔ قبلہ کہ بیت المقدس سے ہٹا کر قبلہ ہونے کی شان کعبہ کو دیدی گئی (۵) کسی چیز کے حالات وصفات ختم کر [illegible] ہی ختم کر کے وجود مٹا کر دوسری

چیز اس جگہ رکھ دینا تبدل ہے۔ اے موسیٰ چونکہ تم نے افعال کے ظاہری کیفیت کو دیکھا باطنی حقیقی راز کو نہ جانا لہٰذا صبر نہ کر سکے مجھ کو باطنی علم اور حکم دیا گیا ہے اس لیے مجھ کو ان سب افعال کی حکمتِ الٰہیہ معلوم ہے جو میں اب تم کو بھی بتاتا ہوں۔ پہلا کام کشتی کا توڑنا تھا۔ جس کا میں نے ایک تختہ اکھیڑ دیا تھا۔ ایک قول ہے کہ صرف سوراخ کیا تھا مگر یہ غلط ہے کیونکہ تختہ اکھیڑنا آسان ہے لیکن سوراخ کرنا مشکل ہے۔ تم کو تو اس کام پر افسوس ہوا کہ غریب کشتی والے نے بغیر کرایہ سفر کرایا مگر صلہ یہ دیا کہ بے چاروں کی کشتی توڑ دی جو اب ڈوب بھی سکتی ہے مگر میں نے اس لیے کیا کہ وہ کشتی نہایت ہی غریب لوگوں کی تھی جن کو مسکین کہا جاتا ہے۔ خیال رہے کہ مال و دولت کے لحاظ سے بندوں کی چار قسمیں ہیں ۱۔ غنی ۲۔ محتاج ۳۔ فقیر ۴۔ مسکین۔ غنی وہ ہے جو صاحبِ نصاب اور اس سے بھی زیادہ دولت مند ہو۔ محتاج وہ ہے جس کے پاس وہ چیز نہ ہو جس کی اس کو ضرورت ہو اور نہ وہ لے سکے۔ محتاج کی چار قسمیں ہیں ۱۔ محتاج حقیقی دائمی جو واقعتاً غریب قلاش ہو ۲۔ محتاج عارضی جو اپنے وطن میں مالدار ہو مگر سفر میں غریب ہو گیا ۳۔ محتاج کُلی جو اپنی تمام ضروریاتِ زندگی پوری مہیا نہ کر سکے ۴۔ محتاج جُزئی جو اپنی بعض ضروریات سفر یا حضر میں پوری نہ کر سکے۔ مسکین وہ ہے جس کے پاس بقدرِ ضرورت کچھ بھی نہ ہو نہ مال نہ گھر نہ پوری خوراک و لباس۔ فقیر وہ ہے جس کے پاس صرف اپنی حاجات و ضروریات کا مال ہو۔ زائد بالکل نہ ہو۔ یہ کشتی والے بھی مسکین تھے کیونکہ ان کے پاس نہ کشتی اپنی نہ ایک سالانہ گھر بس گزر اوقات کے لیے روزانہ کی معمولی سفری آمدنی یہ دس بھائی تھے ان میں پانچ اپاہج یعنی معذور تھے سب سے بڑا نابینا (اندھا) تھا دوسرا گونگا بہرا تیسرا صرف بہرا چوتھا لولا پیروں سے معذور۔ پانچواں دیوانہ پاگل۔ اور جو پانچ بھائی باری باری کشتی پر کام کرتے تھے وہ بھی پوری طرح صحت مند نہ تھے ایک مجذوم کوڑھی (یا مخبوں سے معذور) ایک کانا تھا ایک آنکھ سے معذور اور ایک لنگڑا تھا اور خارش زدہ۔ اور سب سے چھوٹا دائمی نزلہ بخار والا۔ یہ روزانہ دریائے فارس میں مسافر برداری کرتے تھے جو روم و فارس کے درمیان بہتا ہے کبھی کسی طرف کبھی کسی طرف آج جس طرف کو جا رہے تھے وہاں ایک ظالم اور کافر بادشاہ کا قلعہ تھا جو اپنی فوج کے لیے یا شکار و سیر و تفریح کے لیے لوگوں کی کشتیاں جو مضبوط اور خوب صورت ہوتیں چھین لیا کرتا تھا اس کے کارندے دریا پر کھڑے رہتے تھے۔ یہ کشتی بھی اگرچہ پرانی تھی مگر مضبوط اور صحیح حالت میں تھی اس لیے حضرت خضر نے فرمایا کہ میں نے اس کو تختہ اکھاڑ کر عیب دار کر دیا۔ اور میرا ارادہ اس سے یہی تھا کہ ظالم کافر چھین نہ لے اس لیے کہ ان کے وَرَاء یعنی ان کے اگلے سفر میں وہ بادشاہ تھا جو ہر کار آمد کشتی کو غصب کر کے لے لیتا تھا۔ یہ مُلکِ عَمّان کا کافر بادشاہ تھا اس کا نام جیور تھا یا جلیدن بن کرکر یا سولہ بن جلید ازدی یا صد بن بَدَدُ یا منولہ بن جندی ازدی تھا تفاسیر میں یہ پانچ اقوال ملتے ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ کشتی والوں کو مسکین اس لیے بھی کہا گیا کہ وہ بادشاہ کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے یا اس لیے کہ وہ بیمار اور کمزور تھے ایک قول میں وراء کا معنیٰ ہے پیچھے یعنی جب وہ لوٹ کر دوسرے راستے گھر کی طرف

خالی کشتی لاتے تب وہ بادشاہ غصب کرتا مسافر برداشت کرتا۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ جب حضرت خضر نے تختہ اکھیڑا تو
کشتی والوں کو آگاہ کر دیا تھا کہ میں نے اس لیے تختہ اکھیڑا تھا تم گھر جا کر درست کر لینا۔ مگر یہ قول غلط ہے کیونکہ اگر
ایسا ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی پتہ لگ جاتا اور اب یہ حکمت اور وجہ بتانے کی ضرورت نہ تھی۔ وَاَمَّا الْغُلٰمُ
فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا
خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ...... اور لیکن وہ لڑکا عربی اصطلاح میں غلام
اس بیٹے کو کہتے ہیں جو بہت لاڈلا ہو یہی اصطلاح قرآن مجید میں کئی جگہ استعمال فرمائی گئی ہے اردو زبان میں منتوں
مرادوں والے سگے نسبی بیٹے کو لاڈلا کہا جاتا ہے یہ بیٹا بھی اکلوتا اور بہت منتوں دعاؤں والا تھا اس لیے
اُس کو غلام فرمایا گیا اسی لیے حضرت عیسیٰ کو بھی غُلٰمًا زَكِيًّا فرمایا گیا فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ اس اکلوتے بیٹے کے دونوں
ماں باپ مومن تھے۔ یہاں لفظ تھے بلحاظ حکایت سنانے کے ہے یعنی جس لڑکے کو ہم نے فلاں بستی میں قتل کیا
اس کے والدین دین ابراہیم کے مومن تھے یا باعتبار بُعد مکانی کے لفظ تھے (كَانَ) فرمایا یعنی وہ اَبَوٰهُ جو اُس بستی
میں تھے۔ ورنہ حقیقتاً وہ ماں باپ ابھی اُس وقت زندہ مومن موجود تھے اور جب یہ بیٹا پیدا ہوا تھا تو دونوں نے
بہت خوشی منائی تھی ایک قول میں ہے کہ اس کا والد اپنی قوم کا سردار اور علاقہ کا رئیس تھا یہ بیٹا اکلوتا ہونے کی وجہ
سے بہت ہی پیارا اُس کا نام شمعون یا جیسور تھا والد کا نام زہیر اور والدہ کا نام شہدی تھا شمعون عبرانی میں اس کا ترجمہ
ہے محبت کا چراغ یا پسندیدہ، جیسور کا معنی ہے دو دلوں کو جوڑنے والا۔ اس انتہائی لاڈ پیار کی وجہ سے
فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ہم نے خطرہ محسوس کر لیا کہ یہ اگر زندہ چھوڑا گیا تو بڑا ہو کر اپنے جبلی
فطرتی دپیدائشی تقدیر ازلی کے، فتنۂ کفر و شرک سے ان دونوں والدین کو مجبور کر کے باگستاخانہ دباؤ ڈال کر
یا اپنی روزمرہ کی صحبت بد کے زیر اثر ورغلائے گا گمراہی سرکشی اور کفر میں۔ طغیان اور کفر میں عام خاص من وجہ
کی نسبت ہے یعنی بعض طغیان کفر ہیں بعض نہیں اسی طرح بعض کفر طغیان ہیں بعض نہیں فَخَشِيْنَا کا یہ پورا
قول حضرت خضر کا ہے اسی طرح اگلا کلام فَاَرَدْنَا (الخ) بھی حضرت خضر کا قول ہے بعض نے کہا یہ رب تعالیٰ
کا کلام ہے اور خَشِيْنَا کا معنی عَلِمْنَا ہے (ہم نے جانا) اور اَرَدْنَا ہم نے ارادہ کر لیا۔ مگر یہ تفسیر غلط ہے
کیونکہ خَشِيْنَا کا ترجمہ کسی لغت میں عَلِمْنَا نہیں ہے۔ اور اَرَدْنَا کے بعد والی عبارت بھی اس قول کی نفی کرتی
ہے خیال رہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کو بذریعہ وحی خفی اجازت تھی کہ جس کافر کو چاہیں جس عمر کا بھی ہو قتل کر دیں۔ اسی اجازت
کو انہوں نے استعمال کرنے کی حکمت بتائی چونکہ یہ مستقبل کی کیفیت نہایت خطرناک تھی کہ ان دونوں کے کافر ہونے کی
وجہ سے دیگر ماتحت عملہ اور قوم بھی کافر ہو کر مرتی تو بہتر ہے کہ اس اکیلے کو ہی ختم کر دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی ذات
سے یقین کی حد تک [illegible] بچے کے بدلے میں کہیں زیادہ

اچھا صاف ستھرا پاکیزہ خوب صورت اور نرم دل رحیم اس سے زیادہ لاڈلا پیارا قریب تر بچہ عطا فرما دے گا۔ روایتوں میں ہے کہ اَرَدْنَا فرمانا یقین کے معنیٰ میں ہے اور اس کے کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک لڑکی عطا فرمائی جس کی شادی ایک نبی علیہ السلام سے ہوئی اور پھر اس کی اولاد میں ایک نبی یا بارہ انبیاء یا ستر انبیا پیدا ہوئے جن سے لاکھوں انسانوں کو ایمان نصیب ہوا۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ (از تفاسیر صاوی۔ فتح القدیر، خازن، بیضاوی۔ نسفی ابن عباس، ظلال القرآن)

فائدے

ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں **پہلا فائدہ**۔ ہر استاد کو شاگردوں سے واسطہ پڑتا ہے اس میں اساتذہ اور مشائخ روحانیہ کو یہ سبق دیا جا رہا ہے کہ شاگرد کی پہلی ہی کسی غلطی پر سرزنش اور صحبت سے دور نہ کرنا چاہیئے یہی حکم مرید کا ہے بلکہ استاد کو بھی برداشت کا مادہ چاہیئے یہ فائدہ تین اعتراضوں کے بعد هٰذَا فِرَاقُ۔ کہنے سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ** جو کام ظاہراً اچھا نہ ہو اگرچہ باطناً اچھا ہو اس کو بھی رب تعالیٰ کی طرف نسبت نہ کرنا چاہیئے۔ یعنی یہ نہ کہنا چاہیئے کہ یہ برا کام اللہ نے کیا حالانکہ ہر کام کا فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ اسی کے حکم و ارادے سے بندے کے عمل ہوتے ہیں یہ فائدہ اَرَدْتُّ فرمانے سے حاصل ہوا کہ کشتی توڑنا ظاہراً برا تھا اس لیے اپنی طرف نسبت کیا نہ کہ رب کی طرف۔ **تیسرا فائدہ** درستی اور فائدے کے لیے کسی کی چیز میں بغیر اس کی اجازت خرابی یا تبدیلی کرنا یا ایسا نقصان کر دینا شرعاً منع نہیں ہے جس خرابی کے ذریعے بڑے نقصان سے بچ جائے۔ یہ فائدہ کشتی توڑنے سے حاصل ہوا کہ چھوٹے تختے کے نقصان کے ذریعے بڑے نقصان یعنی پوری کشتی کے غصب سے بچا لیا۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں **پہلا مسئلہ**۔ کسی کی چیز چھیننا حرام ہے اگرچہ چھیننے والا اپنے ہی ملک کا بادشاہ ہو۔ اس لیے اس غصب شدہ چیز کا بیچنا خریدنا حرام یونہی مالی جرمانہ لینا بھی حرام ہے۔ ایسے ظالم بادشاہ اور حکام سے اپنا مال بچانا ہر حیلے سے جائز ہے یہ مسئلہ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ** باطنی کفر یا کسی ظلم کے اندیشے پر کسی کو قتل کرنا یا سزا دینا شریعت اسلامیہ میں حرام ہے، اگر کوئی پیر فقیر ایسا کرے گا تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ اس زمانے میں بھی یہ چیز صرف خضر علیہ السلام کی فقط اسی وقت خصوصیت تھی اب خضر علیہ السلام بھی ایسا نہیں کر سکتے یہ مسئلہ فَأَرَدْنَا کے جمع متکلم فرمانے سے مستنبط ہوا **تیسرا مسئلہ**۔ فقہ حنفی میں مسکین وہ ہے جو کسی بھی چیز کا مالک نہ ہو امام اعظم کی بہت سی دلیلوں کے علاوہ یہ آیت بھی دلیل ہے ان کا استنباط يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ کے جملے کو مساکین کی صفت بنانے کی وجہ سے ہے اور لِمَسٰكِيْنَ کا لام جارہ نفع کا ہے نہ کہ ملکیت کا اگر ملکیت کا ہوتا جیسا کہ امام شافعی اپنے استدلال میں فرماتے ہیں تو يَعْمَلُونَ کے جملے کی ضرورت نہ تھی لہٰذا آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ کشتی ان مسکینوں کے لیے تھی

جو صرف دریا میں مزدوری کرتے تھے (اس کشتی کے ذریعے) امام شافعی کے نزدیک مسکین وہ ہے جس کے پاس ضرورت کے مطابق مال ہو زائد نہ ہو وہ بھی اسی آیت سے دلیل پکڑتے ہیں لام کو ملکیت کا بنا کر مگر ان کی دلیل کمزور ہے اگلے جملے کی وجہ سے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ حضرت خضر نے پہلے اور دوسرے اعتراض پر هٰذَا فِرَاقٌ (الخ) نہ فرمایا تیسرے اعتراض پر علیحدگی کر لی اس کی کیا وجہ۔ **جواب** مفسرین نے دو جواب دئیے ہیں ایک یہ کہ دوسرے اعتراض پر معذرت کرتے ہوئے حضرت موسیٰ نے خود ہی فَلَا تُصٰحِبْنِیْ کہہ کر علیحدہ کر دینے کا ذکر فرما دیا تھا اس لیے تیسرے اعتراض پر هٰذَا فِرَاقُ کہہ دیا گیا۔ یہ جواب درست ہے دوسرا جواب یہ کہ پہلے دو اعتراض صرف شرعی گرفت کی نوعیت کے تھے اس لیے هٰذَا فِرَاقُ نہ کہہ سکے تاکہ شرعی توہین نہ ہو۔ مگر یہ تیسرا اعتراض صرف ذاتی منفعت و فائدے کے لیے تھا یعنی تعمیر دیوار کی مزدوری سے اُجرت اور اُجرت سے زادِ سفر کھانا پینا وغیرہ جس میں ان سب کا فائدہ تھا۔ اس لیے فرمایا هٰذَا فِرَاقُ **دوسرا اعتراض**۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُّوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ ہر بچہ اللہ کے دین پر پیدا ہوتا ہے پھر کفر کی صحبت سے کافر ہوتا ہے مگر اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ یہ بچہ جس کو حضرت خضر نے قتل کیا کافر تھا تفاسیر میں بھی ایسا ہی لکھا ہے کہ اُس کے گوشت پر کافر ہونا لکھا تھا۔ لہٰذا حدیث و قرآن میں تعارض ہو گیا **جواب** اس کے بھی دو جواب ہیں اولاً یہ کہ خَشِیْنَا کا لفظ آئندہ کا حکم بتا رہا ہے کہ تقدیر الٰہی میں اُس کے کافر ہونے اور والدین کو کافر بنانے کا یقینی خدشہ تھا اگر زندہ چھوڑا جائے گا تو ایسا ضرور ہو گا۔ دوم یہ کہ اس بچے کا بچپن میں کافر ہونا اس کی خصوصیت تھی اور حدیث پاک میں عمومیت کا ذکر ہے۔ **تیسرا اعتراض**۔ یہاں پہلے فرمایا گیا فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَهَا بعد میں فرمایا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ حالانکہ کشتی توڑنے کا سبب یہ ظالم بادشاہ تھا سبب کا ذکر پہلے کرنا چاہیے تھا **جواب** کشتی توڑنے کے دو سبب ہیں چونکہ توڑنا مفید اور رحم دلی تھی اس لیے یہ توڑنا ان کی مسکینی کی وجہ سے بھی تھا اور بادشاہ کے غصب کی وجہ سے بھی اور بڑا سبب اُن کی غریبی مسکینی تھا اس لیے اس کا پہلے ذکر کیا تاکہ پتہ لگے کہ مسکینیت بڑا سبب ہے اور ان لوگوں کی مسکینیت کی وجہ سے ہی حضرت خضر کو ادھر کشتی میں بھیجا گیا تھا ورنہ امیروں کی کشتیاں تو بادشاہ روزانہ پکڑتا تھا جیسا کہ یَاْخُذُ كُلَّ سَفِیْنَةٍ کی ماضی استمراری سے ظاہر ہے۔

تفسیر صوفیانہ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَیْنِیْ وَبَیْنِكَ. سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِیْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا - اَمَّا السَّفِیْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِیْنَ یَعْمَلُوْنَ فِی الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ یَّاْخُذُ كُلَّ سَفِیْنَةٍ غَصْبًا یہی وہ مقام باطن و حال ظاہر ہے جہاں پہنچ کر عقلِ سلیم قلبِ مسعود کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے ... [illegible] ... جل جاتا ہے عقل کو برداشت

نہیں قلب کو صبر نہیں عقل کو تحمل نہیں قلبِ مسعود کو استطاعت نہیں باوجود قلب وعقل کے اختلاف کثیر کے یہ صحبتِ سعادت کا ہی ثمرہ ہے کہ ظاہر کو بھی لذتِ وصلِ باطن حاصل ہو جاتی ہے۔ اور ساتھ نبھانے کی خاطر رازہائے پنہاں سے خبرداری مل جاتی ہے بس قلبِ ظاہر کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اس کو بتا دیا جائے کہ اس بحرِ ظلماتِ دنیا میں عمل کے غریب نیکیوں کے مساکین کی حیاتِ جسدی کی کشتی ہے ان کی زندگی اسی بحر کی لہروں میں گزر جاتی ہے عالمِ ربوبیت کی خشکی پر ان کو کبھی سیر وسلوک میسر نہیں ہوتا۔ ان کے اعمالِ صالحہ کے مسافرانِ بے خلوص کی کشتی پر کبھی کسی نے الا اللہ کی ضرب نہ لگائی ان کی کشتی، عبادات میں نفاق وغرور نام ونمود ریا وتکبر کی سجاوٹ ہوتی ہے فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا پس میں نے چاہا کہ عشقِ حقیقی کی تڑپ وپھڑک سے الا اللہ کی ضرب لگا کر اخلاصِ باطنی کا تختہ اکھیڑ دوں تاکہ بے ثباتی سفینۂ دنیوی کا پردۂ ضعف آشکارہ ہو جائے کیونکہ یہی عجز وخلوص ظاہر بینوں کی نگاہ ہے عقل میں عیب ہے۔ اور اس دنیاءِ ظاہر میں ہر کشتیِ اعمال کے پیچھے ظلمتوں کا بادشاہ ابلیسِ لعین وشیطانِ رجیم لگا ہوا ہے جس عمل وعبادت میں عجز وانکسار انہماک توجہ اور خشوع خضوع نفسِ خودی کی تذلیل وتکسیر اور عشقِ الٰہی محبتِ مصطفائی کی توڑ پھوڑ نہیں ہوتی اُس نام ونمود کی ظاہری سجاوٹ والی کشتیِ عبادات واعمال کو شیطان قابو کر لیتا ہے وہ کشتی منزلِ رحمانی تک نہیں پہنچ پاتی درمیان سے ہی چھین لی جاتی ہے۔ ہر ساحلِ ناسوتی پر شیطان کے چیلے مختلف لباسوں میں تاک رہے ہیں اسی لیے ہر مومن کی سفینۂ اعمال کو کسی مرشدِ خضر کی ضرورت ہے جو حال ومراقبے کے ہتھوڑے سے کشتیِ فخر وریا کو توڑ مروڑ کر کفرِ نگاہِ ابلیسی میں ناکارا اور بیکار کر دے۔ خوش قسمت ہیں وہ مسافرانِ دنیا جن کی کشتیِ اعمال کو کسی مرشدِ خضر اور پیرِ کامل کے ہاتھ مل گئے اعمالِ صالحہ ہی بندے کی روحانی کمائی اور غذاءِ ایمانی ہے اس کے لیے علمِ باطن حاصل کرنا اَشَدُّ الاشد ضروری ہے۔ کیونکہ اس علم سے بندے کو یقین وایمان کی دولت حاصل ہوتی ہے اور یہ علم نیک بندوں اور علماءِ ربانی کے ساتھ رہنے سے حاصل ہوتا ہے۔ وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا۔ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا۔ لیکن اسی سفرِ جسدی میں روح وبدن کا وہ غلامِ نفسانیت اُس کے دونوں مُربی جو عالمِ ارواح سے فطرتِ اوّلین کے مومن تھے۔ ہم عقلیاتِ سلیم نے اندیشہ کیا کہ نفسانیتِ رزیلہ روح وبدن کو کفرِ اسرار اور گمراہیِ افکار میں مبتلا کر دے گا پس ارادہ کیا ہم نے کہ اس ناکارۂ ضمیر اور بیہودۂ شعور خواہشات کے غلام کو جو ابھی بچہ اور بھولا بھالا خوب صورت سپولیہ ہے فنا کر دیا جائے راہِ معرفت پر چلنے والے مریدوں کے لیے ضروری ہے کہ ان کا مرشدِ کامل درسِ سلوک سے پہلے اسی غلامِ ابلیس کو فنا کرے پھر دعاءِ ارادہ اور سراپا عقیدہ بارگاہِ قدس میں کی گئی کہ مولیٰ تعالیٰ اس روحی وبدنی مریدِ باصفا کو اس نفسِ امارہ سے اچھا ایک نفسِ مطمئنہ عطا فرما جو غسلِ انوار سے پاکیزگی والا بھی ہو اور بدن وروح کے لیے خیر وہ مقرب اور ہدایت کے رحم ومحبت والا بھی کیونکہ

حیاتِ دنیوی میں ہر روح جسم نفس کے تابع ہوتا ہے، کافر نفس امارہ کے اور مومن نفس مطمئنہ کے جس کا نفس امارہ فنا ہو جاتا ہے تب اس کو نفس مطمئنہ عطا کیا جاتا ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ حیاتِ دنیوی میں ہر قسم کے نفس کی دس خواہشات ہوتی ہیں اور ان ہی خواہشات پر ہر اچھا برا نفس روح و بدن کو چلنے پر مجبور کرتا ہے ۱۔ خریدنا ۲۔ بیچنا ۳۔ کھانا ۴۔ پینا ۵۔ رہنا ۶۔ پہننا ۷۔ کمانا ۸۔ جمع کرنا ۹۔ نکاح کرنا ۱۰۔ طلاق دینا۔ ان ہی خواہشات میں حلت نہی میں حرمت ہے یہی ثمراتِ بہشت ہیں یہی ثمراتِ جہنم ہیں۔ یہی خواہشات جب نفسِ امارہ کے حکم سے پوری کی جائیں تو یہی هِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ہیں۔ اور جب نفسِ امارہ کو حلال کر کے نفس مطمئنہ کی خواہش سے ادا کی جائیں تو یہی خواہشات اَقْرَبَ رُحْمًا ہیں۔ اس تفریق کو معلوم کرنے کے لیے بندۂ مومن کو چار علوم کی ضرورت ہے علم شریعت ۲۔ علم طریقت ۳۔ علم توحید ۴۔ علم رسالت۔ ان علوم کے حصول کے لیے غور و فکر اتباع۔ ہدایت، استدلال، نقل عقل کی چٹائیاں بچھانی پڑتی ہیں۔ ان علوم میں سب سے پہلے فرائض و واجبات نوافل و سنن کا علم ضروری ہے کیونکہ تمام حیاتِ روحانی کی بنیاد اسی پر قائم و دائم ہے۔

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي

اور لیکن وہ دیوار تو ہے وہ دو یتیم بچوں کی جو

رہی وہ دیوار وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی

الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا

اسی بستی میں ہے اور ہے اس دیوار کے نیچے اُن دونوں کا دفینہ اور تھا والد مربی ان دونوں کا

تھی اور اُس کے نیچے ان کا خزانہ تھا اور ان کا باپ

صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَ

نیک آدمی لہٰذا ارادہ فرمایا آپ کے رب نے اس بات کا کہ دونوں اپنی سمجھداری کی عمر کو پہنچیں اور

نیک آدمی تھا تو آپ کے رب نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچیں اور اپنا

يَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖق رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا

اپنے دفینے کو نکال لیں۔ یہ ہم کو بھیجنے کا ارادہ فرمانا رحمت کرتے ہوئے ہے آپ کے رب کی طرف سے اور نہیں

خزانہ نکالیں آپ کے رب کی رحمت سے اور یہ کچھ میں نے

فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ۭ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ

کیا میں نے یہ سب سفر اپنی مرضی سے یہ مقصود تھا، ان کاموں کا

اپنے حکم سے نہ کیا یہ پھیر ہے اُن باتوں کا

عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝۸۲ ع وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۭ

جس پر آپ کچھ صبر نہ کر سکے۔ اور اے محبوب آپ سے پوچھتے ہیں وہ لوگ ذوالقرنین کے بارے میں

جس پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔ اور تم سے ذوالقرنین کو پوچھتے ہیں

قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ۝۸۳ ۭ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ

فرما دیجئے عنقریب تلاوت کروں گا تمہارے سامنے اس قرآن سے کچھ ان کا ذکر بیشک حکومت دی ہم نے

تم فرماؤ میں تمہیں اس کا مذکور پڑھ کر سناتا ہوں بے شک ہم نے اسے

فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ۝۸۴ لا

اُس کو تمام زمین میں اور دیئے ہم نے اس کو ہر طرح کے اسباب

زمین میں قابو دیا اور ہر چیز کا ایک سامان عطا فرمایا

فَاَتْبَعَ سَبَبًا ۝۸۵

تو چلے وہ اُن کے ذریعے

تو وہ ایک سامان کے پیچھے چلا

تعلقات ان آیات کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق**۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کچھ سوالوں کا جواب پچھلی آیت میں ذکر ہوا اور اب باقی سوالات کا جواب ان آیت میں دیا جا رہا ہے **دوسرا تعلق**۔ یہودیوں اور مشرکین مکہ نے آپس میں مشورہ کر کے آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے تین سوال کیے تھے پہلے دو سوالوں کا جواب دیا گیا تھا اب ان آیات میں ان کے تیسرے سوال کا جواب دیا جا رہا ہے کہ حضرت ذوالقرنین کون تھے اور کتنا سفر فرمایا۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں موسیٰ علیہ السلام کے اعتراضات کا جواب حضرت خضر نے دیا کہ یہ یہ کام اس لیے کیے اب ان آیت میں ان کاموں پر جو محل اعتراض تھا کہ تم نے شریعت کے خلاف یہ کام کیوں کیے خواہ باطن میں کچھ بھی راز ہوتا۔ اس کا جواب دیا کہ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ میں نے کوئی بھی کام اپنی مرضی سے نہیں کیا بلکہ رب تعالیٰ مجھ کو بذریعہ وحی طریقت حکم فرماتا جاتا تھا اور میں کرتا جاتا تھا اس وحی کا آپ کو پتہ نہ چلا کیونکہ وہ باطنی علم سے تھی یہی علم تم مجھ سے سیکھنے آئے تھے۔

تفسیر نحوی وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ فِی الْمَدِیْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ یَّبْلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَیَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ۔ واؤ سر جملہ اَمَّا استدراکیہ بیان تفصیل کے لیے اَلْجِدَارُ الف لام، عہد ذھنی یعنی وہی دیوار جس کے مفت بنانے کا آپ نے مجھ پر اعتراض کیا ہے۔ بحالت رفع مبتدا ہے ف زائدہ كَانَ فعل ناقصہ ھُوَ پوشیدہ اس کا اسم یا كَانَ تامّہ ہے اور یہ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل جس کا مرجع جِدَارُ ہے لام جارہ ملکیت کا غُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ۔ موصوف صفت دونوں تثنیہ مجرور متعلق اول ہے فِی الْمَدِیْنَةِ جار مجرور متعلق دوم ہے كَانَ کا۔ اَلْمَدِیْنَة میں الف لام عہد ذھنی یعنی وہی شہر جس کے اہل نے ہم کو کھانا نہیں دیا تھا فَكَانَ فعل سب سے مل کر جملہ فعلیہ تامّہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ ایک قول میں واؤ حالیہ ہے اور اگلا جملہ فعلیہ اس کا حال ہے یا كَانَ کے فاعل کا حال ہے۔ كَانَ فعل تامّہ تَحْتَهٗ مرکب اضافی ظرف مکان ہے كَانَ۔ كَنْزٌ اسم مفرد مذکر جامد بمعنی دفینہ (دولت ہو یا سامان) جو خود دفن کیا جائے دبایا جائے۔ موصوف ہے اس کی جمع كُنُوْزٌ اور اَكْنَازٌ ہے لَهُمَا لام جارہ هُمَا ضمیر تثنیہ مرجع غُلٰمَیْنِ ہے یہ جار مجرور متعلق ہے مَمْلُوْكٌ پوشیدہ اسم مفعول کے۔ یہ جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہے، موصوف صفت مل کر فاعل ہے وَكَانَ تَحْتَهٗ۔ سب مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ كَانَ ناقصہ اَبُوْهُمَا یعنی ان دونوں کا پرورش کرنے والا باپ (والد) یہ مرکب اضافی اسم ہے كَانَ کا صَالِحًا اسم فاعل بحالت نصب ہے خبر ہے كَانَ کی۔ سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر معطوف، پہلا جملہ فَكَانَ اپنے دونوں معطوفوں سے مل کر خبر ہے جِدَارُ مبتداء کی وہ خبر یہ اسمیہ ہو کر مکمل [illegible] فَكَانَ پر اَرَادَ باب افعال

کا ماضی مطلق واحد مذکر رَبُّكَ یعنی تیرے رب نے یہ مرکب اضافی اَرَادَ کا فاعل ہے۔ اَنْ ناصبہ تَبْلُغَا باب نَصَرَ کا مضارع تثنیہ۔ دراصل تھا یَبْلُغَانِ۔ اَن کے نصب نے آخر سے نونِ تثنیہ اعرابی گرادی۔ بَلُغٌ سے بنا ہے بمعنی پہنچنا هُمَا ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ہے غُلَامَیْنِ۔ اَشُدَّ اسم جمع مذکر مکسر ہے اس کا واحد شِدَّةٌ ہے جیسے کہ نعمتٌ واحد اس کی جمع مکسر اَنْعُمٌ ہے یہ قول سیبویہ نحوی کا ہے اس میں چند قول دیگر ہیں ۲ یہ جمع مکسر ہے شَدٌّ کی ۳ یہ شِدٌّ کی جمع جیسے ذِئْبٌ کی جمع اَذْؤُبٌ ۴ یہ لفظ جمع ہی نہیں نہ لفظاً یعنی کسی جمع کے ہم وزن یا ہم شکل نہیں نہ معناً جمع ہے، بلکہ واحد ہے۔ اس کی بناوٹ میں پانچ قول ہیں ۱ یہ اَشُدٌّ ہے ۲ اَشِدَّاءُ ہے ۳ شَدَّ ۴ شِدَّ ہے ۵ اَشْتَدَّ ہے۔ اس کا ترجمہ ہے ہر طرح قلبی ذہنی عقلی جسمی عمری پختگی قوت سمجھداری۔ اس کی مدت میں چھ۶ قول ہیں ۱ امام اعظم نے فرمایا پچیس۲۵ سال کی عمر میں یہ پختگی آتی ہے ۲ بلوغت سے یہ پختگی آجاتی ہے ۳ اٹھارہ سالہ عمر سے ۴ پینتیس سالہ عمر سے ۵ چالیس سالہ زندگی سے ۶ ساٹھ سالہ عمر سے پختگی و سمجھ داری آتی ہے۔ مگر یہاں ان چھ اقوال میں امام اعظم کا قول درست ہے۔ یہ اَشُدَّ مضاف ہے هُمَا ان کا مضاف الیہ۔ دونوں مفعول بہ ہیں یَبْلُغَا کے وہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ یَسْتَخْرِجَا باب استفعال کا مضارع تثنیہ اصل میں یَسْتَخْرِجَانِ تھا۔ نونِ اعرابی اَن کے نصب سے گر گئی، مصدر ہے اِسْتِخْرَاجٌ۔ خَرُوْجٌ سے بنا ہے۔ اب ترجمہ ہوا نکالنا، استفعال نے متعدی بنایا۔ كَنْزَهُمَا مرکب اضافی مفعول بہ ہے، یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف، دونوں عطف مل کر مفعول بہ اَرَادَ کا رَحْمَةً اسم مصدر ہے مِنْ جارہ ابتدائیہ بمعنی طرف سے رَبِّكَ اب اسم مفرد جامد نام صفاتی ہے اللہ تعالیٰ کا بمعنی مربی پالنے والا ك ضمیر واحد مذکر مرجع موسیٰ علیہ السلام یہ مرکب اضافی جار مجرور متعلق ہے رحمۃً مصدر کا۔ وہ سب مل کر شبہ جملہ ہو کر مفعول لہٗ ہوا اَرَادَ کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف ہوا فَكَانَ کا جملہ اپنے سب معطوفوں سے مل کر خبر ہوئی اَلْجِدَارُ مبتدا کی وہ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ۔ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا۔ واؤ سر جملہ۔ یعنی جملوں کو علیحدہ کرنے والی خیال رہے کہ عربی میں واؤ کی دس قسمیں ہیں ۱ واؤ سر جملہ عبارت کو علیحدہ کرنے والی دو مختلف اور مکمل جملوں کے درمیان میں آتی ہے ۲ واؤ عاطفہ، دو مفرد یا دو جملوں کے بیچ میں آتی ہے اور متحد کرتی ہے ۳ واؤ تفسیریہ دو جملوں کے درمیان آتی ہے اور یعنی کا معنیٰ دے کر سابقہ کو مفسَّر اور مابعد کو مفسِّر بناتی ہے ۴ واؤ زائدہ یہ صرف حسنِ کلام کے لیے آتی ہے ۵ واؤ قسمیہ یہ حرفِ جر ہے اور صرف لفظ اللہ کے ساتھ آتی ہے جیسے وَاللّٰهِ اللہ کی قسم۔ ۶ واؤ حالیہ بمعنی حالانکہ ۷ واؤ وصلیہ بمعنی اگرچہ یہ ہمیشہ اِن شرطیہ لغویہ یا مخففہ کے ساتھ آتی ہے [illegible] واؤ تذکرہ یاد داشت کے لیے)

یہ ہمیشہ صیغہ واحد مذکر کے آخر میں ہوتی ہے جب کہ اس صیغے کو لمبا کرنا مقصود ہو مَا فَعَلْتُهٗ فعل ماضی مطلق منفی واحد متکلم، ہٗ ضمیر واحد مذکر جنسی یعنی یہ سب کام یا یہ پورا سفر۔ عَنْ جارّہ بمعنیٰ مِن ابتدائیہ یعنی اپنی طرف سے اَمْرِیْ مرکب اضافی مجرور۔ جار مجرور متعلق ہے مَا فَعَلْتُهٗ کا سب مل کر جملہ فعلیہ مکمل ہوا ذٰلِكَ اسم اشارہ بعیدی اس کا مشار الیہ پچھلا تفصیلی کلام، بحالتِ رفع ہے مبتدا ہے تَاْوِیْلُ مضاف مَا اسم موصول لَمْ تَسْطِعْ فعل مضارع نفی جحد بلم بمعنیٰ ماضی مطلق۔ دراصل ہے تَسْتَطِعْ۔ پہلی تَ واحد مذکر حاضر کی ہے اَنْتَ ضمیر کی نشانی دوسری تَ بابِ استفعال کی اس تَ کو تخفیف کے لیے حذف کر دیا گیا لَمْ تَسْطِعْ ہو گیا، اس کا مصدر ہے استطاعۃ دراصل تھا استطواع واو کو حذف کیا ثقل دور کرنے کے لیے اس کے بدلے میں آخر میں تاءِ مصدریہ لائی گئی۔ بمعنیٰ طاقت رکھنا علیہ جار مجرور متعلق ہے صَبْرًا مفعول بہ ہے لَمْ تَسْطِعْ کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر خبر مبتدا، دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنْ ذِى الْقَرْنَيْنِ ؕ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِى الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ سَبَبًا فَاَتْبَعَ سَبَبًا۔ واؤ سر جملہ يَسْئَلُوْنَكَ بابِ فَتَحَ کا مضارع معروف جمع مذکر غائب۔ سُئِلَ سے مہموز العین سے مشتق ہے بمعنیٰ پوچھتے ہیں زمانہ حال ہے اَنْ حرف جر بمعنیٰ بارے میں ذِىْ۔ اسماءِ ستہ مکبرہ میں سے ایک ہے بمعنیٰ والا بحالتِ کسرہ ہے اس لیے ذِیْ یاءِ علامت کے ساتھ آیا، بحالتِ فتحہ ذَا اور بحالتِ ضمہ ذُوْ ہوتا ہے۔ اَلْقَرْنَيْنِ۔ الف لام عہدِ خارجی قَرْنَيْنِ تثنیہ ہے اس کا واحد قَرْنٌ ہے اس کے پانچ معنی ہیں ۱۔ قرن کا معنیٰ زمانہ ۲۔ علاقہ ۳۔ سمت ۴۔ سینگ ۵۔ سلطنت یہاں کیا مراد ہے اس کی تفصیل تفسیر عالمانہ میں ہو گی اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تعالیٰ ذِیْ مضاف الْقَرْنَيْنِ مضاف الیہ مجرور ہو کر متعلق ہے يَسْئَلُوْنَ فعل اپنے پوشیدہ ھُمْ ضمیر فاعل جس کا مرجع کفارِ مکہ۔ یا یہودِ علاقہ اور كَ ضمیر مفعول بہ و متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ قُلْ، فعل امر واحد مذکر حاضر۔ اَنْتَ اس میں پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل۔ دونوں مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا سَ حرفِ تقریب بمعنیٰ عنقریب اَتْلُوْ باب نَصَرَ کا مضارع مثبت واحد متکلم تَلْوٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ تلاوت کرنا عَلٰی حرفِ جر بمعنیٰ عِنْدَ یعنی تمہارے پاس یا بمعنیٰ لام ہے یعنی تمہارے لیے یہ جار مجرور متعلق اوّل ہے اَتْلُوْ کا مِنْهُ مِنْ جر بعضیت کا ہٗ ضمیر کا مرجع قرآن مجید۔ ذِكْرًا مفعول بہ ہے۔ اَتْلُوْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ مستقبل ہو کر مقولہ ہوا قُلْ کا دونوں مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ اِنَّا۔ حرفِ مشبہ اور نَا ضمیر جمع متکلم اس کا اسم مَكَّنَّا بابِ تفعیل کا جمع متکلم ماضی مطلق مَكْنٌ سے مشتق ہے اس کا مصدر ہے تَمْكِيْنٌ۔ بمعنیٰ قدرت دینا۔ طاقت و حکومت دینا مکان بنانا۔ ٹھکانا دینا۔ لَهٗ۔ جار مجرور متعلقِ اوّل ہے فِى الْاَرْضِ متعلق دوم، ہٗ کا مرجع ذوالقرنین ہے۔ مَكَّنَّا۔ سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر اِنَّ۔ اِنَّ سب سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ اٰتَيْنَا ماضی مطلق جمع متکلم بابِ ضَرَبَ اَتْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ دینا، ہٗ ضمیر کا مرجع ذوالقرنین مفعول بہ ہے مِنْ جارّہ

لبعضیت کا شَیْءٍ مضاف الیہ مرکب اضافی مجرور، جار مجرور متعلق سَبَبًا۔ اسم مفرد بمعنیٰ ذریعہ، علم، قدرت آلات، سامان اٰتَیْنَا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ فَ تعقیبیہ، اَتْبَعَ باب افعال سے تب ہمزہ قطعی ہے اِتَّبَعَ ہو تو باب تفعیل سے ہمزہ وصلی ہے۔ ماضی مطلق تَبَعٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ پیچھے چلنا اس کا فاعل ہُوَ پوشیدہ ضمیر مرجع ذوالقرنین سَبَبًا۔ بحالت نصب مفعول بہ، سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ فِی الْمَدِیْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ یَّبْلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَیَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ۔ اور اے موسیٰ (علیہ السلام) لیکن وہ تیسرا اور آخری کام دیوار بلا معاوضہ درست کرنا تو وہ دو یتیم بچوں کی تھی۔ تفاسیر میں ان کے نام اصرم اور صریم لکھے ہیں اُسی شہر میں یعنی وہ بستی جو حقیقتاً آبادی کے اعتبار سے قریہ (گاؤں) ہے مگر نیک لوگوں کی نسبت کی بنا پر مدینہ کہا گیا یہ دیوار بستی سے کچھ باہر تھی اور اس کے نیچے اُن دونوں کی میراث والد کا ترکہ دفینے کی شکل میں تھوڑا خزانہ تھا حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ وہ سونے چاندی کی چھوٹی تختیاں تھیں۔ تفاسیر میں ہے کہ ان میں سے کئی تختیوں پر ایک طرف کلمہ طیبہ لکھا تھا۔ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اور دوسری بسم اللہ شریف اور یہ عبارت تھی عربی میں۔ تقدیر پر ایمان ہے پھر غمگین ہوتا ہے دنیا میں موت کو حق مانتا ہے پھر بھی ہنستا ہے۔ رازق پر ایمان ہے پھر بھی پریشان ہے۔ حساب قیامت پر یقین ہے پھر بھی غافل ہے۔ کتب فقہ میں کنز وہ ہے جس پر زکوٰۃ نہ دی گئی ہو اگرچہ وہ دفینہ نہ ہو بینک یا گھر میں رکھا ہو۔ جس کی زکوٰۃ دی جاتی ہو اگرچہ وہ مدفون ہو کنز نہیں ہے۔ مطلقاً کنز بغیر اضافت سے مراد مال و دولت ہوتا ہے اضافت کر کے ہر چیز کو کنز کہہ سکتے ہیں مثلاً کنز العلم کنز العقل۔ کنز الدقائق وغیرہ اتنی دور سے حضرت خضر کو بھیجنا اور ساتھ میں تعاون کے لیے حضرت موسیٰ اور ان کا ساتھی علیہم السلام کا آنا اور بچوں کی دیوار درست کرنا فقط اس لیے تھا کہ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا۔ ان دونوں کا والد نیک متقی تھا امانت دار عبادت گزار تھا شریعت میں صالح وہ ہے جو تین حقوق پورے کرے (۱) حقوق اللہ (۲) حقوق العباد (۳) حقوق النفس۔ اس والد کا نام کاشح تھا والدہ کا نام دنیا تھا یہ قریہ انطاکیہ تھا۔ تو اے حضرت موسیٰ آپ کے رب رحیم نے ارادہ فرمایا کہ یہ دونوں بچے اپنی پختہ اور مضبوط سمجھداری والی عمر کو پہنچیں تو دونوں اپنا یہ خزانہ نکال لیں شریعت میں لڑکے کی پکی عمر اٹھارہ سال فقہ حنفی میں پچیس سال ہے یہاں یہی مراد ہے یہ ہمارا آنا دیوار مرمت کرنا سب کچھ آپ کے رب کریم کی خاص رحمت اور ارادۂ خیر ہے۔ ورنہ اگر یہ دیوار گر جاتی تو بنیادوں کے اندر سے خزانہ ظاہر ہو جاتا اور لوگ خاص کر اسی بستی کے وہ کمینے کنجوس لوگ لوٹ کر لے جاتے اور ان یتیموں کا کوئی پرسان حال نہ ہوتا آج تک تو بجز میرے یا چند قریبیوں کے کسی کو خبر تک نہیں کہ یہاں خزانہ دفن ہے وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ

ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا اور یہ جو کچھ بھی اس سفر میں میں نے کیا اور تم نے دیکھا یہ اپنے ارادے اور مرضی سے نہیں کیا، بلکہ یہ سب وحی الٰہی اور مشیتِ خداوندی کے ماتحت کیا ہم سب انبیاء ظاہری شریعت والے ہوں یا باطنی طریقت والے سب ہی اللہ تعالیٰ کی مشیئت کے تحت چلتے ہیں۔ میرا یہ سب بیان ان کاموں کی وہ حکمت الٰہی بتانا تھا جس پر تم صبر کرنے کی طاقت نہ رکھ سکے اور یہ بتانا بھی کوئی ضروری نہ تھا مگر تمہاری جلد بازی کہ یہیں تک تم نے دیکھا اور مقصد جان لیا اب آگے کیا ہوگا اور میرا یہ سفر کہاں ختم ہوگا اس کو نہ کوئی دیکھنے والا ہوگا نہ جاننے والا۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِى الْقَرْنَيْنِ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ۔ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِى الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ سَبَبًا ۔ فَاَتْبَعَ سَبَبًا۔ اور اے محبوب یہ کفارِ مکہ یہودیوں کے کہنے پر آپ کے علمِ نبوت کا امتحان لیتے ہوئے اور یہ جاننے کے لیے کہ یہ قرآنِ مجید غیبی علوم کا خزانہ اور کلامِ الٰہی ہے یا نہیں آپ سے یہ تیسرا سوال کرتے ہیں ذی القرنین کے بارے میں خیال رہے کہ مختلف وقتوں میں مختلف لوگوں نے تقریباً بیس سوال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے کئے جن کا جواب قرآنِ مجید میں دیا گیا اُن میں سے آٹھ سوال تو صحابہ کرام کے ہیں جو مسائل کے لیے دریافت کئے گئے جیسے کہ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ وغیرہ اور تین سوال یہودیوں کے سکھائے ہوئے مشرکین مکہ کے ۱؎ روح کے بارے ۲؎ اصحابِ کہف کے بارے ۳؎ اور یہ تیسرا آخری ذوالقرنین کے بارے میں تو اے محبوب ہی فرما دیجئے عنقریب بہت جلدی میں تمہارے سامنے پوری وضاحت سے اِس کے بارے میں ذکر سناؤں گا، حضرت ذوالقرنین کے بارے تفاسیر اور تواریخ میں بہت ہی مختلف اقوال ملتے ہیں، ہم سب سے پہلے وہ صحیح قول نقل کرتے ہیں جو احادیث اور مولیٰ علیؓ سے ثابت ہے یہ کہ حضرت ذوالقرنین کا نام سکندر تھا انہوں نے اپنے ہی نام پر وسطِ زمین بابل کے قریب سکندریہ شہر آباد فرمایا جو پایۂ تخت (دارالخلافہ) تھا ابراہیم علیہ السلام کے صحابی مومن ولی اللہ تھے سام بن نوح کی اولاد میں سے تھے صبتی النسل تھے والدین کے ایک ہی ولد تھے کوئی بہن بھائی نہ تھا حضرت خضر کے خالہ زاد بھائی تھے جب انکو بادشاہت ملی تو پہلے وزیرِ اعظم خضر علیہ السلام ہی تھے جو کچھ عرصہ رہے۔ آپ کی ولادت روم میں ہوئی اور وفات بیت المقدس میں اور مزار قریبی گاؤں زور میں ہے آپ کی عمر ایک ہزار چھ سو سال ہوئی ہے تین سو سال قبل مسیح آپ کی وفات ہے روم کے باشندے تھے ساری دنیا کے جنات اور انسانوں کے بادشاہ بنائے گئے آپ کے زمانۂ شہنشاہی میں روئے زمین پر انسانوں کی چار قومیں آباد تھیں ۱؎ جنوب میں قوم ھاویل ۲؎ شمال میں یاجوج ماجوج ۳؎ مغرب میں قوم ناویل ۴؎ مشرق میں قوم ناسک آباد تھی۔ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِى الْاَرْضِ۔ بے شک ہم نے ہی اُس ذوالقرنین کو زمین میں طاقتِ بادشاہی عطا کی اس طرح ساری زبانیں اُس کو سکھا دیں اور امورِ سلطنت کے تمام اسباب سامان ضروریات مقصود ان کو عطا کر دیں [illegible] آلات [illegible] ہی انکو دیں تو اُن ہی اسباب

وذرائع کے پیچھے چل کر وہ دنیا کے ملکوں پر ملک فتح کرتے چلے گئے۔ شجرہ نسب اس طرح ہے سکندر فیلقوس یونانی بن رومی بن یونان بن یافث بن سام بن نوح خیال رہے کہ دنیا میں اب تک چار بادشاہ ایسے ہوئے جن کی بادشاہت تمام زمین پر ہوئی جن میں دو کافر دو مومن تھے ۱ نمرود یہ صرف انسانوں پر بادشاہ تھا ۲ حضرت سلیمان علیہ السلام یہ تمام زمین کی تمام مخلوق کے بادشاہ تھے یہاں تک کہ ہواؤں بادلوں فرشتوں جنوں اور کیڑے مکوڑوں کے بھی ۳ بخت نصر کافر بادشاہ ساری زمین علاقے اور انسانوں پر بادشاہ تھا بنی اسرائیل کا سخت دشمن اس نے فلسطین پر حملہ کر کے تمام اسرائیلیوں کو قیدی بنایا ہیکل سلیمانی اور بیت المقدس توڑ دیا ان کی قید میں اس وقت کے نبی بنی اسرائیل بھی تھے انہوں نے خواب دیکھا کہ ایک مینڈھا دو سینگوں والا بادشاہ بنایا جائے گا تب یہ قید ختم ہوگی کچھ زمانوں کے بعد حضرت ذوالقرنین کو بادشاہت ملی انہوں نے بخت نصر کو ھلاک کیا اور بنی اسرائیل کو آزاد کیا بیت المقدس اور ھیکل دوبارہ تعمیر ہوئے۔ بنی اسرائیل کے تمام علاقے ان کو واپس دے گئے اس لیے آج بھی یہود نصاریٰ ان کی بہت عزت کرتے ہیں ان کے سر کے اوپر دو جگہ کچھ ابھار تھے جو چھوٹے چھوٹے سینگ معلوم ہوتے تھے اسی لیے ان کا لقب ذوالقرنین مشہور ہو گیا۔ موجودہ بائبل میں ان کا نام خورس ہے یہودیوں کی تالمود میں ان کا نام سائرس ہے۔ اور تاریخ میں خسرو بھی آیا ہے سکندر یہ ایرانی علاقہ ہے اس لیے ان کو ایرانی فرمانروا کہا گیا ہے ان کی حکومت کا آغاز ۵۵۰ سال قبل مسیح ہے۔ ان کی سلطنت مشرق میں ایشیاء کوچک شام و فلسطین۔ مغرب میں۔ بلخ بخارا خوارزم وغیرہ شمال میں سندھ ترکستان کیشیا، قفقاز مصر لیبیا، جنوب چین میں سدِ سکندری تک پھیلی ہوئی تھی۔ واللہ ورسولہ اعلم حضرت ذوالقرنین کے بارے مفسرین سے مختلف اقوال ۱ یہ نبی تھے ۲ فرشتہ تھے ان کا نام نصر من تھا ۳ حر دلیس تھا ۴ ایک رومی نسل کا جوان تھا ۵ ان کا نام عبد اللہ بن ضحاک تھا ۶ ان کا نام مصعب بن عبد اللہ بن کہلان بن سبا تھا ذوالقرنین لقب کی وجہ ۱ قرن کے معنی علاقہ۔ یہ مغرب و مشرق دونوں علاقوں کے بادشاہ تھے ۲ یہ دو چوٹیں بالوں کی رکھتے تھے ۳ خاندانی اعتبار میں دونوں والدین کی طرف سے اعلیٰ شان والے تھے یعنی نجیب الطرفین ۴ جنات اور انسانوں کے بادشاہ تھے ۵ اندھیرے اور اجالے میں یکساں دیکھ سکتے تھے ۶ فارس و روم کے بادشاہ تھے اور اس وقت تمام دنیا میں یہ ہی دو بڑے علاقے تھے ۷ یا روم و ترک کے بادشاہ تھے ۸ ان کے تاج میں دو سینگ تھے ۹ ان کو ظاہری اور باطنی دو علم دئے گئے تھے۔ مگر یہ اقوال تحقیق نہیں تواریخ میں ایک اور بھی ذوالقرنین سکندر گزرا ہے جس کو سکندر اعظم کہا جاتا ہے یہ کافر تھا اس کا نام ابو کریب الحمیری مقدونی بن اسحق تھا یہ حضرت عیسیٰ کے زمانے میں تھا ارسطاطالیس حکیم کا شاگرد اور اسی کے کفریہ دین پر کافر تھا یہ بھی چھوٹا سا بادشاہ تھا اس کا وزیر فیلسوف تھا۔ مقدونیہ میں اس کا دار الخلافہ تھا اسی لیے قوم حمیر اس کو ذوالقرنین کہتی تھی۔

فائدے ان آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** بڑوں کا تقویٰ عبادت اور بزرگی اولاد کے کام آتی ہے یہ فائدہ اَبُوْهُمَا صَالِحًا۔ سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ** باغ فدک حضرت فاطمہ کی میراث نہیں تھی ورنہ رب تعالیٰ اس کی بھی حفاظت فرماتا کہ یہاں تو فاطمہ زہرہ خود بھی صالحہ بلکہ صالحین کی سردار ہیں اور والد کی تو شان ہی اعلیٰ و ارفع ہے یہ فائدہ اَبُوْهُمَا صَالِحًا۔ سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**۔ سیدوں کا احترام ہر مسلمان پر فرض ہے کہ جب ایک عام صالح آدمی کی اولاد کا یہ اہتمام فرمایا گیا تو سادات تو فخر مرسلین کی آل ہیں۔

احکام القرآن ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں **پہلا مسئلہ** غلام اللہ یا غلام رب نام رکھنا گناہ ہے کیونکہ غلام عربی لغت میں بیٹے کو کہتے ہیں۔ اسی طرح کسی نبی ولی یا عالم کو اللہ کا لاڈلا کہنا منع ہے کیونکہ اردو میں لاڈلا پیارے بیٹے کو کہتے ہیں یہ مسئلہ غلامین کی تفسیر سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ**۔ یتیم بچہ صرف نابالغی تک کی عمر کو کہتے ہیں بالغ ہو کر یتیمی کا حکم ختم ہو جاتا ہے یہ مسئلہ اَنْ يَّبْلُغَا اَشُدَّهُمَا فرمانے سے مستنبط ہوا **تیسرا مسئلہ**۔ یتیم کے مال میں کسی قسم کا تصرف کرنا اور اپنے فائدے کے لیے خرچ کرنا حرام ہے یہاں تک کہ اس پر زکوٰۃ بھی فرض نہیں، کوئی بھی سرپرست اس میں سے زکوٰۃ نہیں نکال سکتا ہاں البتہ فطرانہ ادا کیا جائے گا کیونکہ فطرانہ راس یعنی افراد پر ہوتا ہے اور زکوٰۃ نصاب پر یہ مسئلہ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا (الخ) سے مستنبط ہوا کہ ان دونوں بیٹوں کی دولت کو ان کے والد نے اپنے مرنے سے پہلے وقف کر کے دیوار میں دفن کر دی جب تک والد زندہ رہا اس نے اس لیے زکوٰۃ نہ دی کہ اس کی ملکیت سے نکل کر نابالغ بچوں کی ملکیت میں چلی گئی تھی اور نابالغ کے مال پر زکوٰۃ کسی شریعت میں فرض نہیں ہوئی اور والد کی وفات کے بعد بھی کئی سال تک اس کی زکوٰۃ نہ دی کیونکہ یتیم تھے ورنہ دفینے پر بھی زکوٰۃ فرض ہوتی ہے صرف معدن پر زکوٰۃ نہیں جب تک کہ قبضے میں نہ آ جائے یہ مسئلہ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا۔ سے مستنبط ہوا کہ زکوٰۃ نہ دینے کے باوجود صالح تھا۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ اَبُوْهُمَا سے مراد سگا والد ہے نہ کہ دسواں یا آٹھواں ساتواں دادا جیسا کہ بعض مفسرین نے غلط لکھ ڈالا۔ اس لیے کہ دادا کا مال كَنْزٌ لَّهُمَا کیسے ہو سکتا ہے درمیان والے وارث کیوں محروم رکھے گئے نیز اَبُوْ سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جو پرورش کرے تو آٹھواں یا دسواں دادا ان پوتوں کی پرورش کیسے کر سکتا ہے پرورش تو والد یا تایا یا چچا ہی کر سکتا ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض** ان آیت میں جس خضر کا ذکر کیا جا رہا ہے وہ کوئی انسان نہ تھا بلکہ فرشتہ تھا کیونکہ کشتی توڑنا اور بے گناہ بچے کو قتل کرنا ہر شریعت میں حرام ہے کوئی انسان اگرچہ نبی [illegible] خلاف [illegible] ف کام کرنا گناہ ہے اور قرآن

قرآن مجید میں ان کو عبد کہنا یا حدیث میں ان کو رجل کہنا انسان ہونے کا ثبوت نہیں کیونکہ فرشتے بھی عبد ہیں اور جنات کو بھی رجل کہا جا سکتا ہے اور بشری شکل میں ہونے کی وجہ سے بھی رجل کہا جا سکتا ہے۔ یہ کام جو یہاں خضر نے کئے وہ تکوینی امور ہیں جو مشیت کے تحت ہوتے ہیں نہ کہ شریعت کے حالانکہ تمام انبیاء اولیا شریعت کے پابند ہوتے ہیں مشیت کے تحت صرف فرشتے ہی ہوتے ہیں جیسے کسی کو بیمار کسی کو تندرست یا برباد یا تباہ کرنا مارنا وغیرہ لہٰذا تفکر قرآنی و تدبر ایمانی سے اس پیچیدگی کا حل یہی ہے کہ خضر کو فرشتہ مانا جائے جن مفسرین نے خضر کو انسان اور نبی ولی کہا ہے وہ سب غلط ہے (مودودی صاحب) **جواب** یہ کیسا عجیب تفکر و تدبر ہے جو اِسْتَطْعَمَا اَھْلَھَا کے ایک جھٹکے سے پاش پاش ہو گیا ایسے تدبر قرآنی پر صاحب تدبر اور اُس کے حواریوں کو تو فخر ہو سکتا ہے مگر ذرا سی عقل رکھنے والا تو حیران ہوگا کہ ان معترض صاحب کو اس پورے واقعہ میں خضر علیہ السلام کے عظیم الشان نبی اور آدمی ہونے کا ذرا ثبوت نہ ملا حالانکہ قرآن مجید صاف فرما رہا ہے خضر علیہ السلام کو بھوک لگی اور دونوں نے مسافرانہ حق کا کھانا طلب فرمایا کیا فرشتوں کو بھی بھوک لگتی ہے اور وہ بھی کھانا طلب کرتے اور کھاتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ ایسی لغو سوچیں اُسی بدعقیدگی کی پیداوار ہیں جو نبی کو اپنے جیسا مجبور انسان سمجھنے والے ظالموں گستاخوں کی ہیں یہ باتیں صرف اس لیے کی جاتی ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو با اختیار و با مشیت نہ سمجھا جائے لیکن حقیقی ایمان یہ ہے کہ انبیاء کرام فرشتوں سے بھی زیادہ مدبرات امر اور تکوینی امور مشیت الٰہیہ کے تحت انجام دینے والے ہوتا ہے شریعت تو امت کے لیے ضابطہ حیات ہوتا ہے۔ انبیاء کرام کے ذاتی اور اتفاقی افعال کو ہی تو شریعت کا اکثر حصہ بنا دیا جاتا ہے۔ جس کی بے شمار مثالیں ہیں۔ نبی کا کوئی بھی کام غلط اور گناہ نہیں ہوتا اگرچہ ظاہراً شریعت کے خلاف ہو گیا موسیٰ علیہ السلام نے ایک غیر مجرم قبطی کو قتل نہیں کر دیا مگر رب نے ان کو گناہگار نہ فرمایا نہ گرفت کی وغیرہ وغیرہ **دوسرا اعتراض**۔ ان آیت میں حضرت خضر نے خود اپنے ہاتھ سے تین کام کئے مگر پہلے کا ذکر اَرَدْتُّ واحد متکلم سے کیا دوسرے کا اَرَدْنَا جمع متکلم سے کیا تیسرے کا ذکر اَرَادَ رَبُّکَ فرما کر کیا یعنی واحد مذکر غائب اس کی کیا وجہ۔ **جواب**۔ اس طرح بیان کرنا بارگاہ الٰہیہ کا ادب کرنے اور سکھانے کے لیے ہے کہ پہلے کام یعنی کشتی توڑنے میں ہر طرح برائی ہی تھی اس لیے فقط اپنی طرف نسبت کی۔ دوسرے کام یعنی بچہ کا قتل اس میں دو پہلو تھے قتل اور نعم البدل۔ پہلا بُرا تھا اور دوسرا اچھا تھا لہٰذا جمع متکلم بول کر اپنا بھی اور اللہ تعالیٰ کا بھی ذکر کر دیا تیسرا کام دیوار ہر اعتبار سے اچھا تھا اس لیے صرف رب کا ذکر فرمایا۔ ہر مسلمان کو اسی طرح ادب کا خیال رکھنا چاہیئے۔ **تیسرا اعتراض** اس کی کیا وجہ ہے کہ دیوار والی بستی کو پہلے قریہ کہا گیا پھر مدینہ کہا گیا حالانکہ قریہ اور مدینہ میں آبادی کے اعتبار سے بڑا فرق ہوتا ہے **جواب** آبادی کا فرق ہوتا ہے اور شان و شوکت و عزت کا بھی اس لیے پہلے قریہ

فرمایا گیا اُس کی آبادی کے اعتبار سے اور پھر مدینہ فرمایا گیا اُس نیک بندے کی وجہ سے عزت افزائی کے لیے اسی دلیل قرآنی سے آج بھی نیک بندوں کی وجہ سے اجمیر شریف بغداد شریف وغیرہ کہا جاتا ہے **چوتھا اعتراض**۔ آیت ۸۲ میں لَمْ تَسْتَطِعْ۔ ہے افتعال کی "تا موجود ہے مگر آیت ۸۲ میں لَمْ تَسْطِعْ۔ ہے ت محذوف ہے اس کی کیا وجہ۔ **جواب** نحاۃ کے نزدیک جب مضمون ایک ہو اور کسی علامتی حرف کا قرینہ بھی پہلے موجود ہو تو تخفیف کے لیے علامت گرانا درست ہے یہاں یہی بات ہے کہ لَمْ تَسْتَطِعْ میں تاءِ افتعال کا قرینہ اس لَمْ تَسْطِعْ کی تَ ہے اس لیے یہ گرادی گئی باب کو سمجھنے کے لیے اُس پہلی تَ کو اس تَ کا قرینہ بنایا گیا

تفسیر صوفیانہ وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ فِی الْمَدِیْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا۔ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ یَّبْلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَیَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا۔ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ۔ ذٰلِكَ تَاْوِیْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا ۔

اس مملکت جسمانیہ میں جب تک تسلطِ شیطانیہ قائم رہتا ہے اُس وقت تک نفسِ مُطْمَئِنَّہ مُلْهِمَہ مثلِ یتیم بیکس و بے بس لاغر و کمزور رہتے ہیں خزانۂ اعمالِ صالحہ تک ان کی پہنچ نہیں ہوتی یہی دو نفس وادی جسدی کے دو غلامین یتیمین نابالغ ہیں۔ دیوارِ کرم کا پردہ ہی اُن کی ہر امانت کمالات و قوت کو وقتِ معین تک چھپائے ہوئے ہے جس کی تجدید و تعمیر کے لیے مجددِ عقل کو احکامِ اسرار عطا ہوتے رہتے ہیں۔ اسی دیوارِ کرم کے پردے میں انوار۔ اسرار اخبار کی تہوں کے نیچے کمالاتِ نظریہ و عملیہ کا خزانہ چھپا ہے۔ عقلِ مفارقہ یعنی جوان دونوں نفسہاءِ قدسیہ کا مُربّی ہے اپنے افعال کمال و اعمال جمال کی نوری ورا ثتیں اس وقت تک کے لیے پردہ راز میں چھپا کر رکھیں جب تک یہ نفوسِ قدسیہ معرفتِ الٰہیہ کے حصول کے لائق ہو جائے۔ علماء شریعت کے مذہب میں بچہ ۲۵ سال کا ہو جائے تو بلوغت کا اَشُدّ ہے۔ لیکن صوفیا کے مشرب میں بلوغتِ شدیدہ یہ ہے کہ اس کا نفس مُلْهِمَہ الہاماتِ ربّانی وصول و حصول کر کے نفسِ مطمئنہ کو عطا کر سکے اور نفسِ مطمئنہ کی قوت اُس کا راغب الی اللہ ہونا ہی ہے فَاَرَادَ رَبُّكَ۔ اے موسیٰ قلب تیرے ربِ غفور نے ارادہ فرمایا کہ اس بیابانِ وحشت اور جنگلاتِ حرص و ہوس میں نفوسِ مقدسہ کا یہ خزانۂ کمالات و عملیات شیطان و ذریۂ شیطان کے ہاتھوں سے بچا رہے اور نعمتِ انسانی کے یہ دو یتیم نفس اپنی بلوغتِ منزلِ قرب تک پہنچ جائیں تب خزانۂ کمالات کو دیوارِ عبادت و ریاضت سے نکالیں۔ اُس وقت بھی رب تعالیٰ کی رحمت ہی ہوتی ہے تب کچھ ہاتھ آتا ہے۔ خوش قسمت ہے وہ بندہ جس کو اس دنیاء دون میں شیخِ کامل و خضرِ راہ کی تربیت نصیب ہوئی اور جس کی دیوارِ عبادت و ریاضت کو خشوع و خضوع کا ارشاد و شفقت مروت رفق و مودت اور خاطر و مدارات کا دستِ محبت مل گیا۔ ہر مرشد کامل کا یہی آوازہ ہے کہ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ یہ تعمیر مرید اور تجدید مراد [illegible] ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ

یہ تھے وہ مفہوماتِ ازلیہ جن کو قلبِ مسعود سمجھ کر نہیں پاتا اس لیے عقلِ سلیم قلبِ جذباتی کو فراقِ بَیۡنِیۡ وَبَیۡنِکَ کا پیغام تقدیرِ ازلی سناتی ہے۔ اور یہ فراقِ عقل و قلب اس لیے بھی ضروری ہے کہ قلبِ شاکر کو خلوت و تنہائی سے تذکیۂ قلبی کا موقعہ نصیب ہو۔ شعر

اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل ۔۔۔ لیکن کبھی کبھی اُسے تنہا بھی چھوڑ دے

وَیَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنۡ ذِی الۡقَرۡنَیۡنِ قُلۡ سَاَتۡلُوۡا عَلَیۡکُمۡ مِّنۡہُ ذِکۡرًا۔ اِنَّا مَکَّنَّا لَہٗ فِی الۡاَرۡضِ وَ اٰتَیۡنٰہُ مِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ سَبَبًا۔ فَاَتۡبَعَ سَبَبًا۔ اس دنیا میں جو انسان بھی آتا ہے وہ اپنی قوتِ عمل کے لحاظ سے یتیم و بے کس بے بس ہوتا ہے اور رب تعالیٰ کی طرف اُس کے لیے کمالِ مکنون اور کنزِ مدفون پہلے ہی ودیعت ہیں جس کے حصول کا ممکن طریقہ تربیتِ شریعت اور ارشادِ طریقت ہے جب بندہ ان خزانوں کو پا کر خلافتِ ارضی کے لائق بن جاتا ہے تو اُس کو عالمِ ارواح اور عالمِ اشباح کا ذوالقرنین اور کاملِ انسان بنا دیا جاتا ہے اور مخلوقاتِ ارضی وسماوی اس کا احترام کرتی ہے۔ اے قلبِ منور تجھ سے اسی ذوالقرنین کے بارے سوال ہوتا ہے تو الہامِ عرشی کا اعلان فرما کہ عنقریب صبحِ وصول کا آفتابِ انوار تو طلوع ہونے دو اُس کونین کی دولت پانے والے بندۂ کامل کا پورا حال آشکارا کر دوں گا یہ وہی قوتِ قدسیہ ہے جس کو قدرت بخشی ہم خالقِ کائنات نے زمین اسباب اور ملکیت و مسائل و وسائل میں تو کامل فی نفسہٖ اور مکملِ لغیرہٖ کر دیا ہم نے اُس کو فَاَتۡبَعَ سَبَبًا تو اسی توفیقِ ربانی سے اسبابِ وصول کے ذریعے عبادت کے قدموں اور ریاضت کے لشکروں کے ساتھ چلنے لگا۔ کیونکہ منزلِ معرفت کی طرف چلنے کے لیے اعمال کا لشکر علمِ قرآن و حدیث کے ہتھیار اور فرائض و واجبات کے وسائلِ لازمہ جذباتِ عشق کے اسباب ضروری ہیں جب بندے کو یہ سب کچھ مل جائے تو وہی اپنے وقت کا سکندر ہے۔ آقائے کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ علم ہر مسلم پر فرض ہے اس سے مراد دنیوی صنعت و حرفت نہیں نہ معلوماتِ فلکیات وارضیاتِ مادی ہیں یہ تو بیابانِ دنیوی میں اُلجھاؤ کے جھاڑ جھنکار ہیں ان کو علم کہنا مجاز ہے اصل علم علوماتِ اسلامیہ ہے کہ فتوحاتِ باطنی اسی پر موقوف ہیں اس کے بغیر ایک قدم کی بھی ہمت نہیں ہو سکتی۔ خلافتِ ارض کی سلطنت و قانون کے لیے احکامِ شرعیہ مذہبی ضروریات ملکی پابندی مشرب کی حد بندی ہر مرید پر واجب ہے۔ اس سلطنت کا لشکرِ جرار اعمالِ صالحہ ہیں کیونکہ ان سے ہی ثوابِ اُخروی کا مالِ غنیمت ملتا ہے اور دشمن خونخوار کی یلغار اعمالِ خبیثہ ہیں کیونکہ ان سے ہی عذابِ جہنم ہے بندۂ مخلص کو ایسے دوست و دشمن کی پہچان ضروری ہے۔

حَتّٰٓی اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ

یہاں تک کہ جس وقت پہنچے وہ ذوالقرنین سورج کے مغربی علاقے میں محسوس کیا کہ وہ سورج

یہاں تک کہ جب سورج ڈوبنے کی جگہ پہنچا اسے ایک سیاہ کیچڑ کے چشمے میں

فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ؕ قُلْنَا یٰذَا

سیاہ دلدلی چشمے میں نیچے جا رہا ہے اور ذوالقرنین نے پایا اس چشمے کے پاس ایک قوم کو ہم نے فرمایا اے

ڈوبتا پایا اور وہاں ایک قوم ملی ہم نے فرمایا اے

الْقَرْنَیْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ

ذوالقرنین یا ان کافروں کو سخت مارے گا تو اور یا ان میں دین کی

ذوالقرنین یا تو انہیں سزا دے یا ان کے ساتھ بھلائی

فِیْهِمْ حُسْنًا ﴿۸۶﴾ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ

بھلائی جاری فرما ۔ کہا ذوالقرنین نے (قوم سے) جو بھی ظلم کمائے گا تو کچھ ڈھیل کے بعد ہم اس کو سزا ضرور دیں گے

اختیار کرے ۔ عرض کی وہ جس نے ظلم کیا تو ہم عنقریب سزا دیں گے

ثُمَّ یُرَدُّ اِلٰی رَبِّهٖ فَیُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸۷﴾ وَاَمَّا

پھر (آخرت میں) وہ کافر اپنے رب کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہ اُخروی سخت عذاب اُس کو دے گا اور لیکن

پھر اپنے رب کی طرف پھیرا جائے گا وہ اسے بُری مار مارے گا اور

مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰی ۚ

جو مومن بن گیا اور اچھے عمل کئے تو اُس کے لیے اچھی جزا ہے

جو ایمان لایا [illegible] کیا [illegible] بھلائی ہے

وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ﴿٨٨﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ

اور (دنیا میں بھی) ہم اس کو اپنے آسان قانون بتائیں گے پھر اس کے بعد آگے چل پڑے وہ سامان

اور عنقریب ہم اسے آسان کام کہیں گے۔ پھر ایک سامان کے

سَبَبًا ﴿٨٩﴾

(لاؤ لشکر) کے ساتھ

پیچھے چلا

تعلقات اِن آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیت میں یہود و مشرکین کے تیسرے سوال کا جواب دیتے ہوئے حضرت ذوالقرنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سلطنت اور حکومت کا ذکر فرمایا گیا اب اِن آیت میں حضرت ذوالقرنین کی سلطنت کی وسعت اور آپ کے اپنے دورے کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں دو یتیم بچوں کی دیوار درست کرنے کے لیے دو نبی تشریف لائے اور رب تعالیٰ نے انبیاءِ کرام کو بھیجا۔ اب اِن آیت میں ایک سرکش قوم پر دیوار بنانے کا تذکرہ ہے کہ ایک ولی اللہ بادشاہ کو دیوار سدِ سکندری بنانے کے لیے بھیجا گیا۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں ذکر ہوا کہ خضر علیہ السلام نے بتایا کہ میں نے یہ سب کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے کئے ہیں اب اِن آیت میں خود رب تعالیٰ کا ارشاد مذکور ہے کہ ہم نے فرمایا اے ذوالقرنین الخ۔

تفسیر نحوی حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ وَّ وَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا۔ قُلْنَا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِمَّاۤ اَنْ تُعَذِّبَ وَ اِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِیْهِمْ حُسْنًا۔ حَتّٰی ابتدائیہ اِذَا حرفِ شرط۔ اگلے دونوں جملے اس کی شرط و جزا ہیں۔ لیکن ایک قول میں اِذَا ظرف زمانی ہے۔ اس لیے کہ جب بات یقینی ہو اور خبریہ ہو تو اِذَا ظرفیت کے لیے آتا ہے نہ کہ شرطیت کے لیے۔ اب اگلا کلام شرط و جزا نہیں بَلَغَ فعل ماضی مطلق۔ بَلُغٌ سے بنا ہے بمعنی پہنچنا اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر ھُوَ جس کا مرجع ذوالقرنین مَغْرِبَ اسم ظرف واحد مذکر مضاف ہے غَرْبٌ سے مشتق ہے بمعنی غروب ہونا چھپنا۔ اَلشَّمْسِ اسم مفرد مؤنث لفظی مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی ظرف ہو گیا بَلَغَ کا اور وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ وَجَدَ فعل ماضی مطلق ھَا ضمیر مفعول بہ مراد سورج ہے تَغْرُبُ فعل مضارع حالی ھِیَ ضمیر اس کا فاعل مرجع شمس ہے فِیْ جارّہ ظرفیہ عَیْنٍ اسم

مفرد جامد لغوی اصلی معنیٰ آنکھ ہے۔ استعارۃً پانی کے چشمے کو اس لیے عین کہا جاتا ہے کہ آنکھوں کی طرح اس میں سے پانی نکلتا ہے سورج کو عین کہا گیا اس لیے کہ وہ گول آنکھ کی ہم شکل اور شفاف ہے چاند اگرچہ گول ہے مگر شفاف نہیں ستاروں میں یہ دونوں باتیں نہیں ہیں۔ یہاں مراد ہے کیچڑ جو گہرے پانی سے نکالی گئی ہو اس کا بہتا ہوا گاڑھا چشمہ۔ موصوف ہے حَمِئَۃٍ اسم مفرد جامد بمعنیٰ کالی مٹی کیچڑ (گادھ)، دلدل۔ ایک قرأت میں ہے حامِیَۃ بمعنیٰ گرم، یعنی گرم چشمہ۔ ایک قول میں یہ جامد نہیں بلکہ صفت مشبہ ہے بروزنِ فَعِلَۃ حَمِئَۃ، یہ مرکب توصیفی مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہے تَغْرُبُ کا۔ وہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر مفعول فیہ ہوا۔ اس کا ترجمہ اس طرح ہے کہ پایا سورج کو اس حالت میں کہ غروب ہو رہا ہے دلدلی چشمے میں وَجَدَ فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ، یہ جملہ۔ وَجَدَ فعل با فاعل عِنْدَ، اسم ظرف ہے اس میں صرف حرف قرب و نزدیک ہونے کے معنیٰ پائے جاتے ہیں۔ قرب بارہ ۱۲ قسم کا ہے ۱ قربِ مکانی ۲ قربِ زمانی ۳ قربِ حسی ۴ قربِ معنوی ۵ قربِ ملکیتی ۶ قربِ جسمانی ۷ قربِ روحانی ۸ قربِ تقرب مرتبہ ۹ قربِ اعتقادی ۱۰ قربِ ذاتی ۱۱ قربِ صفاتی ۱۲ قربِ حکمی عِنْدَ کی آٹھ خصوصیات ہیں ۱ یہ ہمیشہ مضاف ہو کر آتا ہے ۲ اس اسم کی تصغیر نہیں ہوتی ۳ یہ ظرفیت کو لازم ہے ۴ بغیر حرفِ جر بھی ہوتا ہے ۵ اس پر کبھی کبھی صرف مِن حرفِ جر آسکتا ہے اُس وقت بحالتِ جر ہوتا ہے بغیر جارہ ہو تو منصوب ہوتا ہے ۶ اس کا حرف ایک ہی وزن و شکل ہے یعنی عِنْدَ۔ بعض نے کہا یہ عَنْدَ اور عُنْدَ زبر اور پیش سے بھی آجاتا ہے وہ غلط ہے ۷ اس کی ظرفیت مبہم ہوتی ہے ۸ ہر قسم کا اسم اس کا مضاف الیہ بن جاتا ہے ظاہر بھی ضمیر بھی مبنی بھی معرب بھی ھا ضمیر مجرور متصل مضاف الیہ ہے اس کا مرجع مغرب الشمس ہے۔ یہ مرکب ظرفِ مکانی ہے وَجَدَ کا۔ قَوْمًا مفعول بہ۔ لفظِ قوم اسم متمکن جامد ہے لفظاً واحد معناً جمع ہے۔ وَجَدَ فعل ماضی سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ قُلْنَا۔ فعل ماضی مطلق فاعل نَا ضمیر جمع متکلم۔ دونوں مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر قول ہوا۔ یا حرفِ ندا قائم مقام اَدْعُوْ کے ذَالْقَرْنَیْنِ۔ ذا، اسم مکبرہ مضاف قَرْنَیْنِ اسم تثنیہ مضاف الیہ، یہ مرکب اضافی منادیٰ ہے یا کا اگلی عبارت حُسْنًا تک اس کا بیان ہے اِمَّا حرف عطف لغۃً تین ۳ باتوں کے لیے آتا ہے ۱ کبھی شک پیدا کرنے کے لیے ۲ کبھی ابہام و پوشیدگی کے لیے ۳ کبھی تفصیل بیان کرنے کے لیے ۴ کبھی اباحت و جواز بیان کرنے کے لیے ۵ کبھی اختیار دینے کے لیے یہاں اسی معنیٰ میں ہے۔ اباحت کے لیے بھی ہو سکتا ہے۔ اَنْ حرفِ ناصبہ تُعَذِّبَ۔ فعل مضارع باب تفعیل سے واحد مذکر حاضر اَنْتَ اس میں پوشیدہ ضمیر مرجع ذوالقرنین۔ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عطف زائدہ اِمَّا حرفِ عطف اختیار یہ پہلے اِمَّا کی وجہ سے دوبارہ آیا۔ اَنْ تَتَّخِذَ باب افتعال کا مضارع واحد مذکر حاضر۔ اِتِّخَاذٌ مصدر ہے اَخْذٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بنانا، لینا، پکڑنا۔ اختیار کرنا۔ یہاں یہ ہی معنیٰ مناسب ہیں فِیْهِمْ فِیْ جارہ ھِمْ ضمیر مجرور کا [illegible] ہی۔ دونوں متعلق ہے تَتَّخِذَ کا

حُسْنًا اسم مفرد جامد بحالتِ نصب مفعول بہ ہے بمعنی بھلائی اچھائی۔ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا۔ معطوف علیہ اور معطوف مل کر بیان ہوا اندا کا۔ ندا اپنے منادی اور بیان سے مل کر مقولہ ہوا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔

قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ یُرَدُّ اِلٰی رَبِّهٖ فَیُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ۔ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ِۨالْحُسْنٰی وَ سَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا یُسْرًا ۔ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۔

قَالَ فعل ھُوَ ضمیر اس میں پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ذوالقرنین یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا اَمَّا حرفِ شرط مَنْ اسم موصول مذکر ذوی العقول کے لیے مراد ہے انسان لوگ ظَلَمَ۔ فعل ماضی مطلق ظُلْمٌ سے مشتق ہے بمعنی نقصان کرنا فساد مچانا، ستانا ہلاک کرنا۔ ھُوَ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل مرجع مراد وہی قوم والے لوگ یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَنْ کا موصول صلہ مل کر شرط ہوئی۔ فَ جزائیہ سَوْفَ حرفِ تقریب ہے یہ فعل مضارع کے شروع میں آتا ہے اس کا معنٰی ہے عنقریب جلدی اب ابھی آخرکار۔ مضارع کو مستقبل کے لیے خاص کر دیتا ہے اور حال کے معنٰی ختم کر دیتا ہے عربی میں حرفِ تقریب صرف دو ہیں ۱ سَوْفَ ۲ سین۔ مگر ان میں تین طرح فرق ہے ۱ سَوْفَ میں زمانے مستقبل کی وسعت زیادہ ہوتی ہے س میں کم ہوتی ہے ۲ سَوْفَ پر لام تاکید آجاتا ہے س پر نہیں آسکتا۔ جیسے کہ وَلَسَوْفَ ۳ سَوْفَ اکثر اور اصلیت کے اعتبار سے وعید کے لیے استعمال ہوتا ہے مگر س اکثر اور اصلیت کے اعتبار سے وعدے کے لیے لیکن کبھی کبھی اس کا الٹ بھی ہوتا ہے۔ نُعَذِّبُ باب تفعیل کا مضارع جمع متکلم۔ مگر اس کا فاعل واحد متکلم یعنی ذوالقرنین ہے صرف فصاحتِ کلامی کے لیے جمع متکلم بولا گیا ہٗ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ ہے یہ سب فعل فاعل مفعول مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ثُمَّ حرفِ عطف تراخی کے لیے یعنی بعد میں یُرَدُّ فعل مضارع مجہول بابِ نَصَرَ۔ رَدٌّ سے مشتق ہے بمعنی لوٹنا مجہول کا ترجمہ ہے لوٹایا جانا اِلٰی حرفِ جر انتہائیہ رَبِّهٖ مرکب اضافی۔ یہ جار مجرور متعلق ہے یُرَدُّ کا جملہ فعلیہ ہو کر شرط فَ جزائیہ یُعَذِّبُ مضارع واحد مذکر غائب ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع رَبُّهٗ، ہٗ ضمیر مفعول بہ عَذَابًا اسم مصدر موصوف نُكْرًا اسم تفضیل مؤنث یا اسم صفت مشبہ مبالغے کے لیے بمعنی سخت ناپسندیدہ یا سخت مضبوط کڑا بحالتِ نصب صفت ہے یہ مرکب توصیفی مفعول مطلق ہے یُعَذِّبُ فعل اپنے سب معمولات سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہوئی یُرَدُّ کی وہ شرط و جزا جملہ شرطیہ ہو کر معطوف ہوا مَنْ ظَلَمَ کا وہ سب ملکر پھر معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ جمع کے لیے اَمَّا حرفِ استدراک شرط کے لیے مَنْ موصولہ اٰمَنَ فعل ماضی مطلق۔ یعنی مومن بنا ایمان لایا۔ اس میں ھُوَ ضمیر اس کا فاعل مرجع ہے مَنْ۔ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ عَمِلَ فعل با فاعل صَالِحًا اسم فاعل واحد مذکر۔ بمعنی نیک اچھے مفید۔ مفعول بہ ہے عَمِلَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا اٰمَنَ کا۔ دونوں مل کر صلہ ہوا مَنْ کا موصول صلہ مل کر شرطِ ثانی ہوئی فَ جزائیہ لَهٗ۔ لام جارّہ، ہٗ ضمیر [illegible] متعلق [illegible] فاعل کا جَزَآءً اسم مفرد بمعنی بدلہ ثواب

نون وقایہ۔ یعنی اعراب کو بچانے والی نون اس نون نے جَزَاءً کی تنوین کو بچایا اور لام سے بھی جوڑ دیا اگر یہ نہ ہوتی تو تنوین ختم ہو جاتی یا پھر لام سے علیحدگی رہتی اور یہ بھی منع ہے اَلْحُسْنیٰ۔ الف لام ذہنی حُسْنیٰ اسم تفضیل مؤنث۔ اس کی مذکر ہے اَحْسَنُ۔ حُسْنٌ سے مشتق بمعنی بہت اچھی جزا۔ یہ دونوں موصوف صفت ہیں۔ اور اسم ہیں پوشیدہ اِنَّ حرف مشبہ کا حاصلٌ پوشیدہ اپنے مستتر ھُوَ فاعل متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مقدم ہے اِنَّ پوشیدہ کی سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ۔ وَاوْ عاطفہ۔ سَ حرفِ تقریب نَقُوْلُ فعل مضارع۔ جمع متکلم فاعل نَحْنُ پوشیدہ ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ لَهٗ جار مجرور متعلق ہے نَقُوْلُ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر قول ہوا مِنْ اَمْرِنَا۔ یہ بھی نقول کا متعلق دوم ہے۔ یُسْرًا۔ اسم مفرد جامد۔ ترجمہ ہے آسان کام۔ یہ مقولہ ہے۔ دونوں مل کر جملہ قولیہ ہو کر معطوف ہوا فَلَهٗ کے جملہ پر۔ دونوں عطف مل کر جزا۔ مَنْ اٰمَنَ کی شرط و جزا مل کر معطوف ہے مَنْ ظَلَمَ پر۔ وہ دونوں مل کر مقولہ ہوا قَالَ کا۔ سب مل کر جملہ فعلیہ قولیہ خبریہ ہو گیا۔ ثُمَّ حرفِ عطف ہے تراخی کے لیے آتا ہے۔ تراخی چھ قسم کی ہے (۱) زمانی یہاں یہی مراد ہے (۲) مکانی (۳) ذاتی (۴) صفاتی (۵) رتبی (۶) مرتبے کے اعتبار سے (۶) وضعی۔ یہاں ثُمَّ بمعنی فَ تعقیبیہ ہے اور علیحدہ کلام میں ہے مگر ایک قول میں عاطفہ اور اگلے جملے کا عطف ہے سابقہ جملے حَتّٰی اِذَا بَلَغَ پر اَتْبَعَ۔ فعل ماضی مطلق باب افعال ھُوَ پوشیدہ اس کا فاعل سَبَبًا۔ اسم مفرد جامد مفعول فیہ۔ یعنی اسباب میں یا یہ مفعول معہٗ ہے یعنی اسباب کے ساتھ اَتْبَعَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ وَّ وَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا۔ قُلْنَا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِمَّاۤ اَنْ تُعَذِّبَ وَ اِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِیْهِمْ حُسْنًا۔

یہاں سے سکندر ذوالقرنین کی صرف اُن فتوحات کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جس کے نشانات آج تک موجود رہ کر قرآن مجید کے کلامِ الٰہی ہونے پر ایک عظیم ثبوت ہے کہ ایک نبی اُمّی صَلَّی اللہُ علیہ وآلہٖ وسلم جو علاقۂ عرب سے باہر نہیں نکلے جن کے ہاتھوں میں توریت و زبور انجیل یا کوئی اور تاریخ کی کتاب نہیں ہے جن کے پاس مورخین عالم کی محفلیں مجلس صحبتیں تو در کنار شناسائی تک نہیں وہ ہستی فی البدیہہ آج سے صدیوں پہلے ایک ایسے بادشاہ کی مختصر الفاظ میں ایسی سچی مضبوط اور مکمل سوانح زندگی پیش فرماتا ہے کہ جس سے اُس بادشاہ کی کامل شخصیت اور زندگی کا ہر پہلو نکھر کر سامنے آجاتا ہے۔ بچپن لڑکپن جوانی بڑھاپے۔ تہذیب و اَخلاق خدا ترسی۔ قربِ الٰہی دین و ایمان رحم دلی رعایہ پروری۔ قلبی غِنا۔ باطل کا مقابلہ اور فتوحاتِ عالم طریقۂ کارکردگی دنیا سے بےغرضی اور خداداد طاقت نیز عبادت و ریاضت حیاتِ ظاہری کے تمام کیفیاتی پہلو ایسی انداز سے اجاگر ہوتے ہیں کہ کسی کو انکار کی مجال نہیں رہتی اور ماننا پڑتا ہے کہ مَا هٰذَا الْكَلَامُ الْبَشَرُ۔ یہ انسانی کلام نہیں۔ سکندر کا ذکر تاریخوں میں بھی ہے مگر اتنے اختلاف کے [illegible] شخصیت گمنام ہو کر رہ گئی ہے قرآن مجید

نے یہ تاریخ ساز بیان صرف تقریباً سولہ آیتوں میں ذکر فرمایا یہ قرآن کریم کا ہی اعجاز وبلاغت و فصاحت ہے ان آیت میں ذوالقرنین کی فقط ان ہی تین فتوحات کا ذکر ہے جس کے نشانات آج تک موجود ہیں جن کو سیاحانِ عالم نے بنظرِ خود دیکھا اور حقانیتِ قرآن پر ایمان لانا پڑا اور یہی مقصود بھی ہے ورنہ قرآن مجید کسی بھی واقعہ کو محض افسانہ اور قصہ گوئی کے لیے بیان نہیں فرماتا۔ ان سولہ عدد آیت میں سکندر ذوالقرنین کی زندگی کا خلاصہ آٹھ پہلوؤں سے بیان کیا گیا ہے پہلے فرمایا گیا یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِی الْقَرْنَیْنِ ۔ لفظ ذوالقرنین وہ متفق علیہ لقب ہے جو یہود و نصاریٰ کی کتبِ مذہبی کے علاوہ صدیوں پرانی تاریخوں میں بھی منقول ہوتا چلا آرہا ہے اور اسی لقب سے اس عالمگیر بادشاہ کی شخصیت کا تعین ہوتا ہے یہ تعین ذاتی نام کے ذکر کرنے سے نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ ذاتی نام میں اختلاف ہے اہلِ فارس نے اس کو سکندر کہا اہلِ یونان نے قورس، عبرانیوں نے سائرس اور اہلِ عرب نے خسرو کہا اس اختلاف کی بنا پر نام لینے سے تعین ذات متاثر تھے اس لیے نام کو چھوڑ کر لقب مذکور ہوا نیز اسی لقب سے یہود و نصاریٰ کو انسیت اور الفت تھی کیونکہ سکندر کی سلطنت اور ظہور سے پہلے جس لفظ کے ذریعے پیشگوئی کی جاتی رہی وہ ذوالقرنین لقب ہی تھا چنانچہ توریت کے مطابق پہلی پیشگوئی جس میں بخت نصر کی یلغار عروج تباہ کاری و زوال ستر سال بنی اسرائیل کی قید بیت المقدس کی بربادی زوال اسن کر بنی اسرائیل کی قید بیت المقدس کی بربادی پھر ذوالقرنین کا ظہور بنی اسرائیل کی آزادی و باعزت آبادکاری ہیکل و بیت المقدس دوبارہ تعمیر کا ذکر تھا ایک اسرائیلی بزرگ یسعیاہ نے ایک سو ساٹھ سال قبل ظہور بیان کر دی تھی۔ دوسری پیش گوئی ذوالقرنین کے متعلق اور اس کی بادشاہت عدل و انصاف نیکی رحم دلی تقویٰ طہارت کا ذکر ظہور سکندر سے ساٹھ سال پہلے ایک اور بزرگ یرمیاہ نے بشارت دی کہ ذوالقرنین ہی بنی اسرائیل کا نجات دہندہ ہے یہ بزرگ خود بھی اس وقت بخت نصر کے قیدی تھے تیسری بشارت خواب میں ایک اسرائیلی بزرگ دانیال کو ملی یہ بخت نصر کے بعد اسی کی سلطنت کے وزیروں میں شامل ہو گئے تھے اور سکندر کی بابل فتح کے وقت بابل میں ہی تھے انہوں نے ہی سکندر ذوالقرنین کو ان کے متعلق یسعیاہ اور یرمیاہ کی پیش گوئیوں کے متعلق بتایا جس پر ذوالقرنین بہت حیران اور خوش ہوئے ان تینوں بزرگوں کو توریت میں نبی کہا گیا ہے وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ ان ہی بشارتوں کی وجہ سے آج تک یہود و نصاریٰ ذوالقرنین کا بہت احترام کرتے ہیں لیکن چونکہ تاریخی اختلافات کی بنا پر شخصیت بھی مختلف فیہ ہو گئی تھی مشرکین مکہ کے ذریعے یہودِ مدینہ نے لقب بول کر سوال کیا جس کو قرآن مجید نے ایسے شاندار طریقے سے واضح کیا کہ اب کوئی دوسرا سکندر نامی اصلیت کو گمنام نہ کر سکے اس لیے کہ جو نشانیاں سکندر کی قرآن نے بیان کیں وہ کسی دیگر سکندر میں نہیں پائی جاتیں انسائیکلوپیڈیا اور تاریخ کی دیگر کتب میں چار سکندروں کا ذکر ملتا ہے اور مفسرین نے اپنے ذہنوں کے مطابق مختلف سکندروں کو اس قرآنی ذوالقرنین سے منسوب کیا ہے ایک اصل فارسی ۱ سکندر ۲ مصعب بن قرین بن صمال ۳ قبیلہ

تخم کا سکندر منذر بن امرؤ القیس حمیری یہ بھی بادشاہ تھا ۔ ۲ سکندر بن فیلقوس ۔ قرآن مجید نے ذوالقرنین سکندر کی دوسری نشانی بتاتے ہوئے فرمایا ۔ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِی الْاَرْضِ ۔ یعنی ذوالقرنین کی حیران کن شخصیت اور پوری زمین کی سلطنت کسی درس گاہی بیرونی یا خاندانی شاہی تربیت کا نتیجہ نہ تھی بلکہ سب کچھ تربیت و ذہانت فطانت فنون شہنشاہی آداب لشکر کشی تہذیب و تمدن قوت و جبروت حوصلہ مندی اخلاق و آداب سب قدرت الٰہی کا عظیم شاہکار تھا کہ وہ بچہ جس کے پیدا ہوتے ہی اس کا اپنا سگا نانا استیاگس کسی نجومی کی بدخبری کی بنا پر اس کا جانی دشمن بن جاتا ہے اور گڈریا اس کو چھپا کر اپنے دور پہاڑی جنگلی علاقہ میں پرورش کرتا ہے اور اٹھارہ سال تک چرواہوں کی جاہلانہ غیر مہذب زندگی گزارتا ہے مگر جب اس کو اپنی خاندانی سلطنت کا پتہ لگتا ہے تو عقاب کی طرح جھپٹتا ہے اور آناً فاناً اپنی خداداد صلاحیت اُن کے بھروسے پر پورے ایران پر قابض ہو جاتا ہے اور اردگرد کے چھوٹے چھوٹے سلاطین اس کے سامنے گردنیں جھکاتے چلے جاتے ہیں یہی ہے اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ کا ظہور سکندر نے اپنے دور حکومت میں چھوٹی موٹی تمام جنگیں تقریباً ایک سو ساٹھ لڑیں جن میں پہلی جنگ دفاعی تھی جو ایشیاء کوچک زیونان ، لیڈیا ، کے عظیم سلطان کروئس کے حملے سے شروع ہوئی اور چند دن میں تمام ایشیا کو فتح کر لیا اب وہی کروئس جو شہنشاہ عظیم کہلاتا تھا قیدی بنا کھڑا ہے ، جس کو بعد میں معاف کر کے جان بخشی کر دی جاتی ہے اس کے بعد سے فتوحات کا دور شروع ہو جاتا ہے مگر بخت نصر کے بعد چنگیز اور ہلاکو خان کی جنگوں کی طرح ظالمانہ قاہرانہ خون ریزیوں اور تباہ کاریوں اور مار دھاڑ والی جنگیں نہیں جن کا مقصد فتوحات یا ملک گیری نہیں ہوتا بلکہ محض بربادی ہی ہوتا ہے ایسی سلطنتوں کا نشان بھی جلدی ہی مٹ جاتا ہے بلکہ ذوالقرنین کی فتوحات کا مقصد دنیا میں امن عدل و ایمان تقویٰ قائم کرنا مظلوموں یا مالوں کی دادرسی کرنا تھا یہی وجہ تھی کہ بارہ سال کی فتوحات میں پوری سرزمین کو مسخر کر لیا ۔ تیسری نشانی ۔ قرآن مجید میں ان ہی فتوحات کی تین اطراف عالم کی لشکر کشی کا ذکر ہوتا ہے اس طرح کہ سکندر ذوالقرنین پہلے فتوحات کرتا ہوا مغرب کی طرف لشکر کشی کرتے ہیں حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ ۔ یہاں تک کہ جب زمین خشک اور آبادی کے آخری کنارے تک پہنچ گئے جس کے آگے دل دل یعنی برف پانی یا مٹی پانی کی کیچڑ کا علاقہ تھا وہاں بوقت مغرب قیام ہوا سورج کو چھپتے دیکھا کہ حد نگاہ تک پھیلے ہوئے دل دل میں سورج چھپ رہا ہے یہ صرف نظر کا احساس تھا ورنہ سورج ڈوبتا نہیں ہے سورج زمین سے ایک سو ساٹھ گنا بڑا ہے ۔ اور یہ احساس ہر نظر کو ہوتا ہے مثلاً پہاڑوں پر جا کر لگتا ہے پہاڑوں میں ریگستان میں کھڑے ہو تو ریت میں ڈوبتا محسوس ہوتا ہے سمندر کے کنارے کھڑے ہو تو سمندر میں حالانکہ سورج مدار زمین سے کروڑوں میل دور وراء الافق ہے حَمِئَةٍ کا معنی چشمہ یا علاقہ ہے حمئہ کی مراد دلدل یا گرم پانی ہے وَوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ۔ وہاں ایک شہر تھا جس کے بارہ ہزار دروازے تھے اُس [illegible] جن کا لباس صرف جنگلی جانوروں

کی کھالیں تھیں وہ بھی آدھے بدن پر تہبند کی شکل میں۔ اور خوراک سمندری مچھلی تھی۔ قوم ثمود کے افراد میں سے تھے اس شہر کا نام حَرَ تجِسَا تھا اس دلدلی علاقہ کے پاس نرم زمین میں یہ شہر آباد تھا۔ بعض نے کہا عِندَهَا کا تعلق مَغرِبَ الشَّمسِ سے ہے مگر یہ غلط ہے وہ تو بہت دور تھا مَغرِبَ الشَّمسِ یعنی سورج ڈوبنے کا ذکر تو اس کے پجاریوں کو سنانے کے لیے فرمایا گیا کہ ان کا یہ معبود ڈوب رہا تھا۔ قُلنَا۔ ہم نے ذوالقرنین سے فرمایا۔ یا بذریعہ الہام یا بذریعہ اُس وقت کے نبی کے جو ساتھ ہی ہوں گے غالباً دانیال ہی ہوں۔ یا القاءِ قلبی ضمیر کی آواز کے ذریعہ یا بذریعہ وحی نبوی اگر وہ نبی ہوں تو۔ اے ذوالقرنین تم بااختیار بادشاہ اور صلاحیتِ خداداد والے ہو اپنی شریعت کے مطابق اس کافر قوم سے جو چاہو سلوک کرو یہ تمہاری رعایا ہے یا ان کو کفر کی وجہ سے سختی کرو کوئی لَو رعایت نرمی نہ کرو یا ان سے دین و ایمان کے کام لینے اور یہ علاقہ ان کے سپرد کرنے کے لیے ان کو اچھا مومن نیک تربیت یافتہ بنا دو تاکہ یہ جنگلی علاقہ بھی نورِ ایمانی سے جگمگا جائے اور ان کی کوتاہیوں جہالت کی سرکشیوں سے درگزر فرماؤ۔ قَالَ اَمَّا مَنۡ ظَلَمَ فَسَوۡفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكۡرًا ۔ وَاَمَّا مَنۡ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالۡحُسۡنٰى‌ ۚ وَسَنَقُوۡلُ لَهٗ مِنۡ اَمۡرِنَا يُسۡرًا ۔

حضرت ذوالقرنین نے یہ پیغام الٰہی سن کر اپنے لشکر کو خطاب فرمایا کہ اس قوم کو ایمان کی تبلیغ کرو جو شخص اپنے کفر پر اڑا رہے ضد کرے ہماری تبلیغ نہ مانے تو ہم اسی دنیا میں ابھی اس کو ایسی سزا دیں گے جو بندہ بنا دے یا قتل کر دیں گے پھر وہ کفر پر مرنے کی وجہ سے اپنے رب تعالیٰ کی طرف اس بدنصیبی کی حالت میں لوٹے گا کہ رب تعالیٰ اس کو ذلت آمیز سخت دائمی عذاب دے گا۔ اس بات سے بھی ان کفار کو آگاہ کر دو تاکہ کسی قسم کی بھول یا غفلت میں نہ رہیں ہاں البتہ جو ہمارے کہنے لگ کر ایمان لے آئے اور ہمارے بتائے ہوئے نیک پاک شریعت کے مطابق عمل کیے تو دنیا اور آخرت میں بہترین شاندار دائمی خوشیوں والی جزا اس کو ملے گی اور عنقریب ہم اس کو اپنی شریعت پاک کے نہایت آسان پاکیزہ کام بتائیں گے جو ان کی دنیا کے ساتھ دین بھی سنوارتے چلے جائیں گے۔ ان تمام تبلیغی کام ہدایات اور حسنِ سلوک سے فارغ ہو کر اور اس طرف کی تمام فتوحات حاصل کر کے ثُمَّ اَتۡبَعَ سَبَبًا ۔ پھر دنیا کے دوسرے کنارے کی طرف مع لشکر اور ساز و سامان چل پڑے۔

فائدے ان آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ۔ کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مَكَّنَّا لَهٗ کا انعامِ قدرت کا عطیۂ عظیم خوش بختی ہے یہ عزت تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام کو تو عطا ہوتی ہی ہے مگر ان کے صدقہ میں بعض اولیاء اللہ کو بھی اس خصوصیت سے نوازا جاتا ہے ان ہی میں سے ذوالقرنین تھے اسی تربیت الٰہیہ کا نتیجہ تھا کہ ایک بادیہ نشین اور جنگل کا پروردہ نوجوان آناً فاناً بے سروسامانی کے باوجود فتوحات کی وسعت حکمرانی کی عظمت اور اخلاقِ حسنہ کی فضیلت جیسی لامحدود طاقتیں لے کر پورے جہان

پر سلطانِ معظم بن جاتا ہے۔ دوسرا فائدہ کسی بزرگ ولی اللہ کو صاحبِ اختیار یا آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو مختارِ کُل کہنا شرک نہیں بلکہ یہ عقیدہ عینِ ایمان ہے مختار کا معنٰی یہ ہے کہ اختیار دیا ہوا۔ اور یہ بہرحال کسی بندے کی ہی صفت ہو سکتی ہے یہ فائدہ اِمَّا اَنْ تُعَذِّبَ (الخ) میں اِمَّا حرفِ عطف اختیاری اور صیغہ واحد مذکر حاضر اور قُلْنَا فرمانے سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ۔ کفار کی دنیوی سزائیں قتل و غارت یا اُن پر آسمانی عذاب اُخروی عذاب کا بدلہ یا کمی کا باعث نہیں ہے۔ آخرت کا مکمل اور دائمی عذاب ایک علیحدہ چیز ہے ہاں البتہ گناہگار مسلمان کی دنیوی سزا حد یا تعزیر کی صورت میں اُس کی اُخروی سزا کا بدلہ بن جاتا ہے۔ یہ فائدہ ثُمَّ یُرَدُّ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا لہٰذا آغا خانیوں کا قول باطل ہے۔

احکام القرآن

اِن آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر دین اور شریعت بندوں کے لیے ہر دور ہر علاقہ میں انتہائی آسان ہے لہٰذا اسلام یا شریعت کے کسی مسئلے و قانون کو سخت کہنا گناہِ عظیم ہے اور اسی طرح اپنی طرف سے نئی آسانیاں پیدا کرنا بددیانتی اور گمراہی ہے یہ مسئلہ مِنْ اَمْرِنَا یُسْرًا۔ کہنے سے مستنبط ہوا دوسرا مسئلہ۔ مزدور کو اُس کے کام کی اُجرت کام سے بہتر اور جلدی ادا کرنی چاہیئے اور اگر کچھ طے شدہ سے مزید دی جائے تو یہ اَخلاقِ حسنہ ہے یہ مسئلہ جَزَآءَ نِ الْحُسْنٰی اور اَمْرِنَا یُسْرًا۔ کی ایک تفسیر سے مستنبط ہوا تیسرا مسئلہ شریعت کا قانون یہ ہے کہ جب لشکرِ اسلام کسی غیر مسلم قوم پر فتح پائے تو اُس کی اسلامی اصلاح کو مقدم رکھے ایک دم قتل و غارت نہ شروع کرے اگرچہ بعض موقعوں پر اس کی بھی اجازت ہے مگر ایک دم قتال فتوحاتِ اسلامیہ کے مقصد کے خلاف ہے یہ مسئلہ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ۔ کے پورے کلام سے مستنبط ہوا۔ ہاں البتہ باغی، فسادی سرکش اور مرتدین یا آزمودہ کفار کو مہلتِ اصلاح دینی منع ہے کیونکہ نقصان دہ ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراضات کیئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض یہاں فرمایا گیا سورج کو چشمہ کے دلدل میں ڈوبتا محسوس کیا حالانکہ وہاں سمندر تھا جو پانی کا سب سے بڑا ذخیرہ ہے جب کہ چشمہ یعنی عَیْن سب سے چھوٹا ذخیرہ ہوتا ہے یہاں عین فرمانا کیونکر مناسب ہوا۔ جواب۔ لفظِ عین مشترک ہے یہاں معنٰی ہے علاقہ اور دلدلی علاقہ سارے سمندر کے مقابل واقعی بہت ہی چھوٹا ہے اس لیے اُس نسبت سے عین فرمانا بالکل درست ہے یعنی سمندر کا ایک حصہ۔ دوسرا اعتراض اس آیت میں دو جگہ فرمایا گیا۔ وَجَدَہَا تَغْرُبُ ۔۔۔ وَجَدَ عِنْدَہَا قَوْمًا۔ وَجَدَ۔ کا معنٰی کسی چیز کو موجود پا لینا۔ اور یہ معنٰی حقیقت پر دلالت کرتے ہیں کہ حقیقت میں ایسا ہی ہے حالانکہ دوسرا وَجَدَ تو درست ہے لیکن پہلا وَجَدَ یعنی سورج کا کیچڑ میں ڈوبنا عقل حقیقت اور سائنسی تجربہ [illegible] ہزاروں میل دور ہونے کے علاوہ

زمین سے ایک سو ساٹھ یا ایک سو پچاس یا ایک سو بیس گنا بڑا بھی ہے بڑی چیز چھوٹی میں کیسے ڈوب سکتی ہے اور سورج ڈوبتا ہی نہیں ہے کیا قرآن کو یہ بھی پتہ نہیں تھا۔ (آریہ ھندو) جواب یہ اعتراض انتہائی کم علمی کی بنا پر ہے۔ خیال رہے کہ وَجَدَ افعال قلوب میں سے ہے جو صرف قلبی حقیقت پر دلالت کرتا ہے قلبی حقیقت تین قسم کی ہوتی ہے ۱۔ حقیقت بصری ۲۔ حقیقت واقعی ۳۔ حقیقت ظنیہ پہلے وَجَدَ میں حقیقت بصری کا ذکر ہے جس کو ہم محسوس کرنا کہتے ہیں یعنی صرف آنکھ کا دیکھنا اور یہ کیفیت تا قیامت ہر انسان کے ساتھ قائم ہے اسی رویۃ بصری پر تمام علم فلکیات کا دارومدار ہے اسی سے چاند سورج کی رفتاری ڈگریاں دقیقے طول و عرض کی منزلیں گھنٹے اور گول نقشے بتائے جاتے ہیں بلکہ یہاں وَجَدَ فرما کر تو سائنسدانوں اور ماہرین فلکیات کے لیے راہ ہموار کیا گیا ہے ورنہ خود ھندو آریہ وغیرہ جُہلا نے تو اپنی مذہبی کتب میں اسی مفہوم کی تعال جیسے سورج کی ظاہری بصری شکل کی بنا پر سورج کو نہ جانے کس کس انداز کا دیوتا بنا دیا ذرا اپنی کتابوں کی خبر لو۔ تیسرا اعتراض جن لوگوں نے حضرت ذوالقرنین کو نبی نہیں مانا وہ غلطی پر ہیں کیونکہ یہاں فرمایا گیا قُلْنَا یعنی رب تعالیٰ نے فرمایا اور اللہ تعالیٰ کا فرمانا وحی ہوتا ہے اور وحی صرف انبیاء علیہم السّلام پر آتی ہے جواب قُلْنَا یا قَالَ کی وجہ سے کسی کو نبی کہنا بہت کمزور دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قول بلکہ لفظ وحی بھی کسی شخص کے لیے استعمال کرنا نبوت سے خاص نہیں اولیاء اللہ بلکہ شہد کی مکھی اور ابلیس کے لیے بھی لفظ قول استعمال ہوا ہے یہاں قُلْنَا سے مراد یا تو الہام یا اس وقت کے کسی ہمراہی نبی علیہ السلام کے ذریعے یہ پیغام دینا ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

تفسیر صوفیانہ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ وَّ وَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا قُلْنَا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِمَّاۤ اَنْ تُعَذِّبَ وَ اِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِیْهِمْ حُسْنًا ۔

یہاں تک کہ جب بندۂ سالک خدا داد قوتوں سے عالم علیٰ کے کناروں تک پہنچتا ہے جو روحِ انسانی کا مغربِ شمس ہے وہاں روح کو انکارِ باطل کے دلدلِ بدمزاج میں ڈوبتا محسوس کرتا ہے جو گناہوں کی کیچڑ ہے۔ اور اسی دلدلِ فنا کے پاس عالمِ اجساد میں قواہِ بدنیہ، نفوسِ ارضیہ اور طبیعتِ ناسوتیہ کی قوم کو موجود پایا تب اپنے مخلص متفکر بندۂ عشق سے ہم نے فرمایا کہ اے لاہوت و ناسوت کے فاتح سلطان یا اس قوم میں ناسوتیہ غفلتِ ارضی کے نفوس سے ہمت کر مجاہدۂ خلوت کی تلوار اور عبادتِ شرعیہ کی چھری و ریاضتِ شاقہ کے خنجر سے قتل کا عذاب دیدے یا رفق و مدارات کے آغوش کی صحبتِ صالح و حسنِ تدبیر کی تربیت عطا کر دے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ انسان میں یہ تین خصلتیں ہونی چاہئیں پہلی یہ کہ جب مدِ مقابل حریف ناخوشگوار بات کرے تو ناراض نہ ہو نہ ناراضگی کی کیفیت ظاہر کرے بلکہ طبیعتِ حسن سے خوش ہونا چاہیئے۔ دوم یہ کہ موجودہ حریف جب غلط بات کرے رنجیدہ ہونا چاہیئے کیونکہ رب تعالیٰ نے اس کو استعدادِ ہدایت اور لشکرِ کرامت و اسبابِ امامت کی بادشاہت اسی لیے عطا فرمائی ہے کہ وہ بیہودوں کی اصلاح کرے [illegible] اپنے نفس کو [illegible] کے خلاف کسی بھی جہالت سے

بچانا چاہیئے ورنہ اللہ تعالیٰ کے عطیۂ نعمت و قوت کا غلط استعمال اور ناشکری ہو گی۔ چار بندوں کو چار چیزیں چار مقاصد کے لیے دی گئیں ہیں ۱۔ امرا کو دولت غریب پروری کے لیے ۲۔ بادشاہوں کو سلطنت رعایہ پروری کے لیے ۳۔ علماء کو علم کا نور ظلمتِ جہالت کو دور کرنے کے لیے ۴۔ اولیا صوفیا کو خزانہ معرفت قربِ الٰہی کی منزل تک پہنچانے کے لیے یہ چاروں اپنے اپنے مقام پر سکندرِ ناسوتی اور ذوالقرنین لاہوتی ہیں۔ اور ہر ایک کے اسباب ولایت و وراثت جداگانہ جب تک فَاَتْبَعَ سَبَبًا۔ پر عملِ خلوص ہوتا رہے گا زمین پرامن و امان قائم رہے گا ورنہ فسادِ فِی الْاَرْض کا طوفان اٹھتا رہے گا۔ بزرگوں نے فرمایا کہ اُس وقت تک جہان میں امن قائم نہیں ہو سکتی جب تک کہ چار قسم کے حُسن عالمِ شہود اور زمینِ مخلوق میں قائم نہ ہوں ۱۔ جہلا کی نادانیوں جہالتوں کو معاف کرنے کا رواج قائم کرو ۲۔ اپنے آپ کو جہالت کے ارتکاب اور انتقام لینے سے بچاؤ ۳۔ اپنی چیزیں ضرورت مند لوگوں پر خرچ کرو ۴۔ عوام کے احسانات لینے سے بچو۔ بلکہ مایوس ہو جاؤ۔ اگر بندوں میں یہ خصائلِ حمیدہ پیدا ہو جائیں تو جہاں میں سلامتی و حفاظت کی شاہی ہو۔ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا۔ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ِالْحُسْنٰى وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا۔ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا۔

سکندرِ بدنی نے عرض کیا کہ جس نفس نے اپنی خاصیات اور خواہشات کو اپنے مقصدِ حیات کے خلاف استعمال کیا اور غیر موضوع جگہ میں برتنے کا ارادہ کیا اُس ظالم نفس کو اس کی ھوا و ہوس سے دوری قہر و قہر کا سزاءِ عذاب دیں گے اُس سزا اور اُس کی درازی تا قیامت سے نجات نہ پا سکے گا پھر اپنے ربِّ قہار کے حضور پیش کیا جائے گا تو وہ فراق و تنہائی کا ایسا سخت عذاب دے گا کہ ساری خواہشات مٹا کر فنا ہو جائیں گی یہی دوری اور قطعِ تعلق کا عذابِ جہنم ہے لیکن جس نفس باطن نے ضمیرِ سکندری کی آوازِ حیات کو تسلیم کیا اور حواس صالحہ کئے تو اُس کے لیے سینۂ ظاہر میں وصلِ انوار اور وصولِ اسرار کی اچھی و سچی جزاءِ انعام ہے اور ایسے نفوسِ مطیع کو مجاہدۂ عبادات و فنائے خواہشات کے بعد تخفیفِ عمل اور استراحت ابدی کا امرِ بشر کا پیغام سنائیں گے۔ مملکتِ صدور کے علاقہ ظلمات میں یہ احکام روحانی نافذ فرما کر پھر وہ مرشد باطنی اسباب ازلی تقریری کے ساتھ چلا جسم انسانی کے اندرونی علاقہ باطنی میں فتوحاتِ روحانی کی اور سفر و حضر پکڑ دھکڑ اس لیے ہے تاکہ بندے کا ظاہر و باطن ایک ہی سلطانِ عشق کے ماتحت ہو کر منافقتِ آوارہ مزاجی ختم ہو جائے۔ جس شخص کو یہ تربیت نصیب نہیں ہوتی وہ ذلتِ ناکامی میں ہی مر جاتا ہے۔ ورنہ بندہ ذکر لا الٰہ الا اللہ بھی کرتا ہے۔ ذکرِ الٰہی کے وظیفے بھی پڑھتا ہے لیکن مہم کسی صفتِ الٰہی سے متصف نہیں ہوتا۔ انسان کی فضیلت علم سے ہے اور اعمال کی قدر و قیمت خلوصِ تربیت کی حیثیت سے لگائی جاتی ہے علماءِ آخرت کو استراحت کاملہ سکینہ سے نوازا جاتا ہے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔

(از تفسیر نیشاپوری مع زیادت)

حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ

پھر جب وہ پہنچ گئے سورج کے مشرقی علاقے میں پایا اس سورج کو طلوع ہوتا ہوا

یہاں تک کہ جب سورج نکلنے کی جگہ پہنچا اسے ایسی قوم پر

عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿۹۰﴾

ایسی قوم کے اوپر کہ نہیں بنایا ہم نے ان لوگوں کے لیے اس سورج کے مقابل کوئی پردہ

نکلتا پایا جن کے لیے ہم نے سورج سے کوئی آڑ نہ رکھی

كَذٰلِكَ ؕ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿۹۱﴾ ثُمَّ

ذوالقرنین کا سب کام اسی طرح ہوتا رہا اور ہم نے علم کے گھیرے میں لے لیا ہے اُن کی تمام باتوں کو پھر

بات یہی ہے اور جو کچھ اس کے پاس تھا سب کو ہمارا علم محیط ہے۔ پھر

اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ

وہ آگے چل پڑے اسباب کے ساتھ پھر وہ پہنچ گئے دوطرفہ پہاڑوں کے درمیان تو اُن دو طرفہ پہاڑی

ایک سامان کے پیچھے چلا۔ یہاں تک کہ جب دو پہاڑوں کے بیچ پہنچا

مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿۹۳﴾

دروں کے قریب ہی پایا ایک ایسی قوم کو جو عقلی باتیں سمجھنے کے قریب بھی نہ تھے۔

اُن سے اُدھر کچھ ایسے لوگ پائے کہ کوئی بات سمجھتے معلوم نہ ہوتے تھے

قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ

ان کے کچھ لوگ بولے اے ذوالقرنین بے شک یاجوج وماجوج

انہوں نے کہا اے ذوالقرنین بے شک یاجوج وماجوج

مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا

لوگ فساد پھیلانے والے ہیں اس علاقے میں تو کیا ہم لوگ کچھ چندہ کر کے آپ کو خرچہ دیں

زمین میں فساد مچاتے ہیں تو کیا ہم آپ کے لیے کچھ مال مقرر کر دیں

عَلٰٓی اَنْ تَجْعَلَ بَیْنَنَا وَ بَیْنَهُمْ سَدًّا ﴿۹۴﴾

اس مقصد کے لیے کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی سخت آڑ بنا دیں

اس پر کہ آپ ہم میں اور ان میں ایک دیوار بنا دیں

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** کفار کی طرف سے ہی سوال تھا کہ وہ کونسا شخص ہے جس نے مشرق اور مغرب میں سفر کیا یعنی اُس کی سلطنت ساری روئے زمین پر ہوئی وہ مشرق و مغرب کا حکمران تھا، یہاں اس تیسرے سوال کا جواب ارشاد فرماتے ہوئے پچھلی آیت میں علاقہ مغرب کی طرف سفر کا ذکر ہوا اب ان آیت میں علاقہ مشرق کی طرف سفر کا ذکر ہے **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں نیک و بد دو قسم کے لوگوں کا ذکر ہوا کہ جو بد ہیں اُن کا بُرا انجام اور سزا و عذاب اور جو نیک ہیں ان کے لیے ہر جگہ آسانیاں سہولتیں ہیں۔ اب ان آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ برے لوگوں کو کس طرح دیوار کے پیچھے قید کرنے کے منصوبے سے سزا کی تجویز بنائی گئی تھی۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں مفسدین اور اہل شر کا صرف تذکرہ ہوا ہے اب ان آیت میں اس وقت کی اُس فسادی قوم کا نام بتایا گیا کہ وہ یاجوج و ماجوج تھے۔ **شان نزول**، مشرکین مکہ نے یہود مدینہ سے پوچھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طریقہ سے سوال کیا کہ وہ کونسا نبی ہے جس کا ذکر توریت میں صرف ایک بار آیا ہو۔ چونکہ ذوالقرنین نبی نہیں تھے اس لیے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا کہ تم نام بتاؤ مشرکین نے کہا وہ ذوالقرنین ہیں آپ اس کے حالات بتائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وحی آئیگی تو بتاؤں گا۔ تھوڑی دیر بعد سوکہ آیت نازل ہوئیں از آیت ۸۳ تا ۹۸، کفار مکہ اتنے دور دراز کے قدیمی حالات سن کر حیران ہوئے اور دل میں جان گئے کہ یہ واقعی رب تعالیٰ کا کلام ہے۔

تفسیر نحوی حَتّٰٓی اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰی قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا۔ كَذٰلِكَ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَیْهِ خُبْرًا ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا۔

حرفِ حتّٰی ابتدائیہ بمعنی پھر [illegible] مفعول [illegible] مطلع [illegible] اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر جس کا

مرجع ذوالقرنین۔ مَطْلِعَ اسم ظرف واحد مذکر باب فتح طَلَعُ سے مشتق ہے ترجمہ ہے چڑھنا طلوع ہونا مضاف ہے الشَّمْسِ الف لام عہد خارجی شمس اسم مفرد جامد اس کی جمع ہے شموسٌ یہ مؤنث لفظی ہے اس کی تصغیر شُمَیْسَۃٌ ہے ترجمہ ہے سورج مَطْلِعَ الشمس مرکب اضافی ظرف مکانی ہے بَلَغَ کا مراد ہے مشرقی علاقہ۔ یہ سب ملکر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوا۔ وَجَدَ۔ باب ضرب کا ماضی مطلق اس کا فاعل ذُوالقرنین کی پوشیدہ ضمیر هُوَ۔ هَا ضمیر واحد مؤنث کا مرجع الشمس ہے منصوب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے وَجَدَ کا، اور ذوالحال ہے اگلی عبارت کا تَطْلُعُ باب نصر مضارع معروف بمعنٰی حال اس کا فاعل ھِیَ ضمیر مؤنث عَلٰی قَوْمٍ، عَلٰی جارّہ فوقیت کا۔ قَوْم موصوف اگلی عبارت صفت لَمْ نَجْعَلْ فعل مضارع نفی جحد بلم بمعنٰی ماضی مطلق نَحْنُ ضمیر جمع متکلم پوشیدہ مرجع اللہ اللہ تعالٰی لَھُمْ جار مجرور متعلق ہے لَمْ نَجْعَلْ کا اس میں ھُمْ کا مرجع قوم ہے وہ معنًی جمع ہے اس لیے لَھُمْ کی ضمیر جمع ہے مِنْ حرفِ جر زائدہ دُوْنِ اسم مفرد جامد۔ اس کے آٹھ معنی ہیں ۱؎ علاوہ ۲؎ مقابل ۳؎ سوائے ۴؎ بغیر ۵؎ قریب ۶؎ حفاظت ۷؎ گھٹیا ۸؎ حد سے بڑھنا تجاوز کرنا، یہاں مراد ہے مقابل (سامنے) نحات کے اس کے تلفظ میں چار قول ہیں ۱؎ یہ دَنُوٌّ سے منقلب ہے ۲؎ یہ اصلیت پر ہی جامد ہے ۳؎ یہ ظرفیت کے لیے مستعمل ہے فَوْقَ کے مخالف یعنی نیچے کے معنی میں ہے ۴؎ نیز یہ معرب ہے مبنی نہیں ہے اس لیے اس پر تینوں اعراب آجاتے ہیں دُوْنَ۔ دُوْنِ۔ دُوْنُ یہ ہمیشہ مضاف ہوتا ہے اس کا مضاف الیہ ہر اسم ہو سکتا ہے۔ ظاہر بھی ضمیر بھی معرّف باللام بھی نکرہ بھی مبنی بھی معرب بھی۔ هَا ضمیر اس کا مضاف الیہ مرجع ہے الشمس، سِتْرًا اسم مفرد جامد بمعنیٰ یہاں یہ لفظ حاصل مصدر ہے۔ اس کے مصدر سے تمام مشتقات صادر ہوتے یہ باب نصر میں گردان ہوتا ہے۔ بحالتِ نصب ہے مفعول بہ ہے لَمْ نَجْعَلْ کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہوئی قَوْمٍ کی موصوف صفت مل کر مجرور اور جار مجرور مل کر متعلق ہے تَطْلُعُ کا وہ جملہ فعلیہ حالیہ خبریہ ہو کر حال ہوا ھَا ضمیر کا۔ وَجَدَ اپنے فاعل اور ھَا مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہوئی اس جزا میں فَ لانا ممنوع ہے کیونکہ وَجَدَ فعل ماضی بغیر قدْ ہے۔ یہ شرط و جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ انشائیہ ہو گیا۔ ایک قول میں یہ شرط و جزا نہیں لیکن جو کہتے ہیں یہ شرط و جزا نہیں وہ کہتے ہیں چونکہ تطلع میں اسی طرح شک ہے جس طرح تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَۃٍ کے سابقہ جملہ میں اور جہاں شک ہو وہاں شرطیت ہوتی ہے۔ اور جنہوں نے اس کو شرط و جزا نہیں مانا وہ اِذَا حسبِ سابق ظرفیہ مانتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یہاں تو قطعًا کسی قسم کا شک نہیں۔ لیکن پہلے جملے مغربَ الشمس میں شرط و جزا اولاً شک نہیں وہ اگر مگر والا دونوں میں شک ہوتا ہے۔ جب کہ اس جملے میں آنکھ کے دھوکے کا شک ہے۔ بہرکیف ظرفیت کا قول زیادہ مضبوط ہے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ کَذٰلِکَ۔ اسم اشارہ بعیدی واحد مذکر کے لیے یہ چار حرفوں کا مجموعہ ہے ۱؎ کَ حرفِ تشبیہ ۲؎ ذَا اسم اشارہ ۳؎ لِ حرفِ بعیدی ۴؎ کَ ضمیر مخاطبہ اب یہ سب جڑ کر ایک اسم اشارہ کہلائے لیکن چاروں حرفوں کا معنی اس میں شامل ہے یعنی اے مخاطب ۱؎ وہ ۲؎ ایسے ۳؎ طرح۔ ترجمہ اُلٹا ہو گا۔ اب استعمال صرف چار

صیغوں کے لیے ہوتا ہے ۱ واحد مذکر کیلئے کَذٰلِكَ ۲ واحد مؤنث کے لیے کَذٰلِكِ ۳ جمع مذکر کیلئے کَذٰلِكُمْ
۴ جمع مؤنث کیلئے کَذٰلِكُنَّ یہ الفاظ مبہمات میں سے ہے اس لیے مبنی ہے یہاں اس کی نحوی ترکیب میں چھ قول ہیں اول
یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ دراصل ہے۔ وَاَمْرُہٗ کَذٰلِكَ۔ یعنی ذوالقرنین کا پورا قانون اسی طرح ہے۔ دوم یہ
مصدر محذوف کی صفت ہے۔ یعنی ذوالقرنین نے پایا سورج کو قوم پر۔ اس طرح پانا۔ یا طلوع ہوا اس طرح طلوع ہونا
سوم۔ یہ صفت ہے نَجْعَلْ کے مفعول مطلق جعلاً مصدر کی یعنی نہ بنایا ہم نے سورج کو آڑ بنانا اس طرح چہارم یہ صفت
ہے سِتْرًا۔ یعنی آڑ اس طرح۔ (ایسی آڑ) پہلی ترکیب میں کَذٰلِكَ مرفوع ہے باقی ان تین ترکیبوں میں منصوب ہے
پنجم یہ کَذٰلِكَ صفت ہے قَوْمٍ کی۔ ترجمہ ہے کہ علاقۂ مغرب میں ایسی ہی کافر قوم پائی جس طرح کہ علاقۂ مطلع الشمس
میں۔ اس ترکیب میں یہ مجرور ہے ششم، یہ بَلَغَ کا جار مجرور بیان ہے۔ یعنی پہنچے اسی طرح جس طرح پہلے پہنچے
مگر پہلی ترکیب زیادہ درست ہے۔ وَقَدْ اَحَطْنَا۔ واؤ سیر جملہ قَدْ اَحَطْنَا۔ باب افعال کا ماضی قریب جمع
متکلم۔ اس کا مصدر ہے اِحَاطَةٌ مادہ ہے حَیْطٌ بمعنی گھیرنا یہ دراصل تھا اَحْیَطْنَا۔ مصدر ہے اِحْیَاطٌ
یٰ پر فتحہ ثقیل ہوا ماقبل حرف صحیح کے سکون کی وجہ سے، فتحہ منتقل کیا گیا ماقبل کی طرف اب دو ساکن جمع ہوئے
۱ یٰ ۲ طٰ۔ یٰ کو گرا دیا یہی تعلیل اس کے مصدر میں ہوئی بِمَا۔ جار مجرور موصول لَدَیْهِ مرکب اضافی صلہ ہے سب
مل کر متعلق ہے قَدْ اَحَطْنَا۔ کا خُبْرًا۔ اسم حاصل مصدر مفعول فیہ ہے قَدْ اَحَطْنَا۔ کا یہ سب جملہ
فعلیہ ہے ثُمَّ بمعنیٰ فٖ تعقیبیہ ابتدائیہ، عاطفہ نہیں ہے اَتْبَعَ فعل سَبَبًا اس کا مفعول معہٗ سب ملکر جملہ
فعلیہ ہو گیا۔ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَیْنَ السَّدَّیْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا لَّا یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ قَوْلًا۔
قَالُوْا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِنَّ یَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ
خَرْجًا عَلٰۤى اَنْ تَجْعَلَ بَیْنَنَا وَبَیْنَهُمْ سَدًّا۔
حَتّٰی۔ حرف عطف مگر ابتدائیہ ثُمَّ کے معنی میں اِذَا ظرفیہ زمانیہ۔ بَلَغَ فعل با فاعل هُوَ پوشیدہ مرجع ذوالقرنین۔ بَیْنَ
اسم ظرف مکانی، السَّدَّیْنِ، الف لام عہدی، سَدَّیْنِ، اسم تثنیہ اس کا واحد ہے سَدٌّ، بمعنی روک، سِتْرٌ اور سَدٌّ میں چھ
طرح فرق ہے ۱ سِتْرٌ آنکھ کے لیے پردہ سَدٌّ پورے جسم کے لیے پردہ ۲ سِتْرٌ کپڑے کی آڑ۔ سَدٌّ کسی ٹھوس
چیز دیوار۔ پہاڑ وغیرہ کی آڑ ۳ سِتْرٌ عارضی آڑ سَدٌّ مستقل آڑ ۴ سِتْرٌ موسمی آڑ سَدٌّ دائمی آڑ ۵ سِتْرٌ غیر ضروری
آڑ سَدٌّ ضروری آڑ ۶ سِتْرٌ پردہ سَدٌّ حد بندی یہاں دونوں لفظوں سے پہلے معنی مراد ہیں تثنیہ کا معنی ہے
دور کا وہی دائیں بائیں بیچ میں خلا دروازہ وغیرہ یہ مرکب ظرف ہے۔ بَلَغَ کا وَجَدَ فعل با فاعل مِنْ جارہ تبعیضیہ معنی
کچھ تھوڑی یا بیانیہ ہے دُوْنَ اسم مفرد جامد۔ یہاں معنی ہے قریب هُمَا ضمیر تثنیہ کا اعراب کسرہ مرجع سدین ہے یہ
مرکب اضافی مجرور ہے جار مجرور متعلق قَوْمًا ... فعل مضارع منفی معروف جمع مذکر غائب

کَوْدٌ سے مشتق ہے یہ افعالِ مقاربہ سے ہے افعال مقاربہ کل چھ عدد ہیں اور معناً اُن کی تین قسمیں ہیں ۱ امید کی قربت اس کے لیے صرف ایک فعل عَسٰی آتا ہے ۲ ابتدا اور اَخذ کے معنی میں اس کے لیے صرف طَفِقَ۔ جَعَلَ۔ کَرَبَ آتے ہیں ۳ حصول کے لیے۔ ایک فعل کَادَ۔ ہے اَوْشَکَ حصول اور امید دونوں معنی میں مشترک ہے۔ کَادَ فعل متصرفہ ہے اس کے تمام مشتقات اسمی و فعلی ہوتے ہیں، قرآن مجید کی مختلف چوبیس۲۴ آیت میں کَادَ کے صیغے آئے ہیں ھُمْ اس میں پوشیدہ اس کا فاعل اگلا جملہ اس فعل مقاربہ کے بعد ہمیشہ مضارع اَنْ کے بغیر ہوتا ہے۔ یَفْقَھُوْنَ۔ فعل مضارع ھُمْ پوشیدہ فاعل مرجع قومٌ ہے عربی میں سمجھنے کے لیے تین لفظ مرادف ہیں ۱ فَھْمٌ ۲ دَرْکٌ ۳ فِقْہٌ مگر تینوں میں فرق یہ ہے کہ لغت اور زبان کو جاننا فہم ہے لیکن عقل اور سمجھ داری سے جاننا فقہ، اور اپنی سوچ و فکر سے جان لینا ادراک ہے قَوْلًا اسم مصدر حاصلِ مفعول بہ یہ جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے مقاربہ کی وہ فعل اپنے فاعل اور خبر سے ملکر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے قَوْمًا یہ مرکب توصیفی مفعول بہ ہے وَجَدَ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر بیان ہے اِذَا بَلَغَ کا سب ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا قَالُوْا فعل فاعل ملکر جملہ قول ہوا یَا حرف ندا ذَا الْقَرْنَیْنِ اس کا منادی۔ اگلا پورا کلام اس کا بیان ہے۔ اِنَّ حرفِ مشبہ یاجوج اسم مفرد جنسی واؤ عاطفہ یاجوج اسم مفرد مبنی یہ دونوں لفظ غیر منصرف ہیں علم و عجمی ہونے کی وجہ سے یہ دو قوموں کے قومی نام ہیں یاجوج و ماجوج کا تفصیلی بیان تفسیر عالمانہ میں ہوگا۔ انشاء اللہ یہ دونوں لفظ با ہمزہ بھی پڑھے گئے ہیں جھٹکے سے یعنی یأجوج مأجوج یہ دونوں عطف اسم ہے اِنَّ کا مُفْسِدُوْنَ باب افعال کا اسم فاعل جمع مذکر ھُمْ ضمیر پوشیدہ فاعل ہے جس کا مرجع یاجوج ماجوج فِی الْاَرْضِ یعنی زمین یہ جار مجرور متعلق ہے مُفْسِدُوْنَ کا یہ سب ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی اِنَّ اپنے اسم و خبر سے ملکر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ فَ عاطفہ ھَلْ حرف استفہام (سوالیہ) نَجْعَلُ۔ باب فتح کا مضارع معروف جمع متکلم فاعل وہ قوم والے ہیں جَعْلٌ سے بنا ہے بمعنی مہیا کرنا، ادا کرنا، لَکَ۔ لام جارّہ۔ کَ ضمیر واحد مذکر حاضر مراد ہے ذُو القرنین۔ یہ جار مجرور متعلق ہے نَجْعَلُ کا خَرْجًا۔ اسم مفرد جامد بمعنی خرچہ مال و دولت اخراجات اِسی سے ہے خراج بمعنی ٹیکس، خرج اور خراج میں دو طرح فرق ہے ۱ جو خوشی سے دیا جائے وہ خرج ہے جس کا دینا واجب ہو وہ خراج ہے ۲ خرج افراد پر ہوتا ہے خراج زمینی پیداوار پر ۳ خرج ہنگامی بوقت ضرورت چندہ مفعول بہ عَلٰی جارّہ اَنْ حرف ناصبہ تَجْعَلَ۔ فعل مضارع واحد مذکر حاضر بَیْنَ مضاف نَا ضمیر جمع متکلم مضاف الیہ یعنی ہمارے درمیان یہ مرکب اضافی معطوف علیہ واؤ عاطفہ بَیْنَھُمْ یعنی ان کے درمیان یہ مرکب اضافی معطوف ہوا دونوں مل کر تَجْعَلَ کا ظرف مکانی ہوا سَدًّا، اسم مفرد جامد۔ مفعول بہ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مجرور ہوا عَلٰی سے۔ جار مجرور متعلق دوم ہے نَجْعَلُ کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا یہ دونوں عطف مل کر بیان ہوا حرف ندا کا ندا اپنے منادی اور بیان سے مل کر مقولہ ہوا قَالُوْا کا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ | حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰی قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ

مِنْ دُوْنِهَا سِتْرًا۔ كَذٰلِكَ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا۔ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۔

یہاں تک کی آیت میں چار باتیں ذکر ہوئیں ۱ ذوالقرنین نے ہی یاجوج ماجوج کو روکنے کے لیے سدِ سکندری تعمیر فرمائی جو ابھی تک مکمل قائم ہے بعض مفسرین نے اسی کو دیوارِ چین سمجھا ہے مگر یہ دیوارِ چین نہیں دیوارِ چین اس کے کئی سو سال بعد ۲۱۴ سال قبل مسیح چین کے بادشاہ ہوانگ ٹی نے اپنے باغی قبیلوں کے حملوں کو روکنے کے لیے پندرہ سو میل لمبی بنوائی مگر ٹوٹ پھوٹ چکی ہے وہ پتھروں سے بنائی گئی تھی اب کچھ کھنڈرات اس کے ملتے ہیں یورپ کے بد دیانت مؤرخین نے اسلام دشمنی میں قرآن مجید کی بیان کردہ سدِ سکندری کا ذکر تک نہیں کیا اور اپنے سکندرِ اعظم کی طرف اسی دیوارِ چین کو منسوب کرتے ہوئے اسی کو سدِ سکندری کہا ہے یہ ان کا مذہبی تعصب اور تاریخ سے خیانت ہے لیکن یہ ایک سچی نشاندہی ہے اگر کوئی طرح طرح کی مخالفانہ باتیں اور اٹکل پچو مارتا پھرے تو اس کا کوئی علاج نہیں ۲ وہ ایک سچا نیک اور عادل بادشاہ تھا اور ادوارِ عالم کے شہنشاہی ظلم و ستم تشدد و تباہ کاری سے نفرت کرنے والا تھا اس کے دورِ حکومت میں اچھے سچے لوگوں کے لیے سکون و راحت تھی ان کو کوئی ڈر خطرہ نہیں تھا لیکن بدمعاش بدخصلت کمینہ ظالم اور تخریب کار لوگوں کے لیے اس کا قانون قہر تھا ۳ وہ خود بھی عابد زاہد نیک متقی خدا پرست آخرت پر ایمان والا تھا غیر مسلم مؤرخین نے قرآن پاک کے اس بیان کردہ واقعہ کی مخالفت میں کئی قسم کے سکندر بنا ڈالے مگر نیکی و امن و محبت کے یہ نشانات وہ اپنے سکندروں میں ثابت نہ کر سکے ان سکندروں کی بادشاہی زندگی ظلم و ستم کفر و شرک قتل و غارت تباہ کاری اور بدمعاشیوں سے بھری پڑی ہے یہی وجہ ہے کہ ان ظالم بادشاہوں کی کسی فتوحات کا نام و نشان بھی باقی نہیں ہے کیونکہ ظالم شخص کبھی تعمیری کام نہیں کر سکتا ۴ وہ دیگر بادشاہوں کی طرح نفس پرست لالچی حریص دولت کی لوٹ کھسوٹ کرنے والا بھی نہ تھا۔ جیساکہ عَلٰۤى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا (الخ) کی آیت سے اس کے فضائل حمیدہ کی نشاندہی کی جا رہی ہے وہی سکندر ہے جس کے متعلق حقیقی شواہد جاننے کے لیے امتحاناً یہود لوگوں نے بالواسطہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا کیونکہ جس شخصیت میں نیکی کے یہ فضائل جمع ہوں وہ ہی انبیاء علیہم السلام کی بشارتوں اور کتب الٰہیہ کے تذکروں میں آسکتا ہے اور ایسی عاداتِ پاکیزہ کا حامل قوموں کا نجات دہندہ ہو سکتا ہے۔ اسی سکندر کی یہ خصوصی شان ہے کہ اس کی پوری حدود و سلطنت میں کبھی کسی طرف سے بغاوت نہیں ہوئی بلکہ بعض فتوحات میں عوام شہریوں کو پتہ بھی نہ چلتا تھا کہ ان کے شہر پر حملہ ہوا ہے اور حکومت بدل چکی ہے یہی اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ۔ کی تربیت خداوندی کی شان ہے جب ذوالقرنین اپنی مغربی فتوحات سے فارغ ہوئے تو اپنے دار السلطنت ہمدان سے ہو کر دوسری مہم کے لیے مشرق کی جانب چلے حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ (الخ) یہاں تک کہ طلوع آفتاب کی سرحدِ زمینی تک پہنچ گئے وہاں بھی ایک قوم ملی یہ ایران کا انتہائی مشرقی علاقہ ہے خیال ہے کہ سکندر کا یہ مشرقی بارہ سالہ مہماتی علاقوں

ہیں سینکڑوں قوموں اور لوگوں سے واسطہ پڑا ہوگا مگر قرآن کریم نے صرف چار اہم قوموں کا ذکر فرمایا کیونکہ ان ہی کے نشانات وکھنڈرات تا قیامت موجود ہیں جو صداقت قرآنی پر دال ہیں ۱ مغربی قوم لیجا سوس ۲ مشرقی خانہ بدوش رنجی قبیلوں کی قوم ان کے نام بلخ۔ مکراق۔ گدریا۔ سندھو رتیبا۔ ۳ تیسری قوم شمال میں قوم ترک اور تارج روم یافث بن نوح کی اولاد سے ان کا نام ۱ کاپیین۔ کوشل ۲ شا کرل ۳ شی یہ وہیں ریگستان میں رہتے والی نہ گھر نہ لباس انسانی ریگستانی غاروں میں رہتے والے بحر خزر کے قریب بجز سکندر کے کوئی ان کی زبان نہ جان سکا سکندر ذوالقرنین کو رب تعالیٰ نے تمام قوموں کی زبانیں پہلے ہی اپنی مکنا لہٗ والی ترتیب میں سکھا دیں یہ خداداد قوت وکرامت تھی ۴ یہیں پہاڑوں کے پیچھے یاجوج ماجوج قوم تھی یہ بھی یافث بن نوح کی اولاد ہے ان سے ملاقات نہیں ہوئی پہلی تین قوموں مغربی مشرقی شمالی سے ملاقات ہوئی۔ مشرقی قوم کے پاس پہنچ کر سکندر نے دیکھا کہ یہاں سورج سے کوئی آڑ نہیں نہ سایہ نہ درخت نہ گھر نہ خیمہ نہ پورا لباس جنگلی لوگ نرم ریتلی کمزور ناقابل عمارت زمین ٹیلوں میں چھپکر گزارہ کرنے والے آفتاب کی بلندی کے وقت چھپجاتے ڈھلنے پر نکلتے اور شکار سے خوراک ولباس حاصل کرتے۔ کَذٰلِكَ۔ ذوالقرنین کا سلوک ومعاملہ ان کے ساتھ ویسا ہی ہوا جیسا مغربی قوم کے ساتھ مذکور ہوا۔ یا تمام واقعات وکیفیات اس جگہ کی ایسی ہی ہیں بے شک جاکر دیکھ لو۔ وَقَدْ اَحَطْنَا۔ اور سکندر کی تمام لشکری قوت وصلاحیت تو ہماری نگاہ میں تھی ہی یعنی اس کی عظیم دولت لشکر قوت سیاست حکمت علم وعقل کو رب تعالیٰ کے سوا کوئی عام انسان نہیں جان سکتا ان دونوں مغربی اور مشرقی سمتوں کی تمام فتوحات کے بعد ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا۔ پھر جانب شمال سفر فرمایا۔ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ۔ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۔ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰۤى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ۔

یہاں تک کہ اپنے دارالخلافہ علاقہ ایران کے شہر ہمدان سے جانب شمال دو ایسے پہاڑی سلسلے کے پاس راستے کا تمام علاقہ فتح کرتے ہوئے پہنچے یہاں ایک طرف آرمینیہ کا پہاڑ ہے دوسری طرف آذربیجان، ان کے درمیان بہت دراز کھلا راستہ ہے جس کے پار جنگلات اور بے آباد گنجان علاقہ ہے اس راستے کو دونوں پہاڑوں میں تقسیم کیا تو سدین کہا گیا ان دونوں پہاڑوں کے پاس ایک بہت بڑی قوم کو آباد پایا۔ وہ قوم سکندر اور ان کے لشکر کی زبان نہ جانتی تھی لیکن سکندر ان کی زبان جانتے تھے یا معنیٰ یہ ہے کہ وہ عقل اور سمجھ داری نہیں رکھتی تھی انہوں نے اپنی زبان میں اس زبردست ساز وسامان ولشکر والے بادشاہ کو اپنا مشکل کشا سمجھ کر التجا کی کہ اے ذوالقرنین بے شک پہاڑوں کے اس پار سے ایک بہت زبردست تندآور وحشی قوم یاجوج اور ماجوج اپنے بڑے گروہ اور افراد کے ساتھ ہماری اس سرزمین میں آکر لوٹ مار قتل وغارت کا فساد مچا دیتے ہیں۔ تو کیا آپ ہم پر یہ مہربانی کر سکتے ہیں کہ اس پہاڑی درے

کو جو اُن کے اور ہمارے درمیان ہے ایک مکمل اور مضبوط سد یعنی رکاوٹ والی دیوار بنا دیں تاکہ کبھی بھی اُن لوگوں کو اس طرف آنے کا قطعاً کوئی راستہ نہ ملے اور اس کے لیے جو کچھ ساز و سامان اینٹ پتھر اور ہمارا ذاتی سامان مال و دولت جو بھی جس شکل میں ہے وہ ہم سب کچھ آپ کو دے دیں گے اس مظلوم قوم کا نام اور برگزرا۔ ظالم قوم کا نام یاجوج ماجوج یافث بن نوح کی اولاد سے پانچ قومیں پیدا ہوئیں ۱ ترک اس کو اس لیے کہا گیا کہ یہ پہلے یاجوج ماجوج کے ساتھ ہی رہائشی تھے پھر رہائش ترک کر کے مہذب دنیا میں آگئے ۲ بربر ۳ صقالیہ ۴ یاجوج ۵ ماجوج یاجوج بہت دراز قد اور ماجوج عام اُس وقت کے انسانی قد کے برابر ان کے متعلق اور بہت سی افسانوی باتیں مشہور ہیں کہ ان کے کان بہت بڑے ایک کو گدیلا دوسرے کو لحاف بنا کر سو جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ مگر یہ سب لغویات ہیں یہ لوگ موسم بہار میں اس طرف نکلتے تھے اور سامان کے علاوہ جو ہاتھ لگتا انسان و حیوان وغیرہ کو بھی اُٹھا کر لے جاتے تھے یاجوج ماجوج یافث کے دو بیٹوں کا نام ہے۔ طوفان نوحی کے بعد تمام دنیا میں تاقیامت نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں کی اولاد ہے ۱ سام کی اولاد عرب و عجم۔ روم ۲ حام بن نوح کی اولاد۔ حبشہ، زنج۔ نوبہ ۳ یافث بن نوح کی اولاد ترک۔ بربر۔ صقالیہ۔ یاجوج۔ ماجوج۔ پوری دنیا میں کل چالیس ہزار قومیں ہوئی ہیں۔ ان کی عددی تقسیم اس طرح ہے کہ ۲۹ ہزار قوموں کی تعداد ایک طرف اور ان تمام کے برابر یاجوج ماجوج کی تعداد ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نہ ان میں کوئی مرتا ہے نہ جنگ و قتال نہ چوری ڈکیتی نہ گھریلو مار کٹائی بعض نے فرمایا کہ ہر ایک شخص کے ایک ہزار اولاد ہو جاتی ہے تو والد کو موت آتی ہے۔ ماجوج کا قد ساٹھ بالشت یعنی تیس فٹ (دس گز) کے برابر ہے اور یاجوج کا اس سے دگنا یعنی بیس گز۔ ان کی مردم شماری تعداد کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ محققین نے پوری زمین کو اس طرح تقسیم کیا ہے کہ سمندر اور زمین کے تین سو حصے ان میں خشکی کے ایک سو اسی حصے ان میں سے پینتالیس ۴۵ یعنی ۱/۴ کا چوتھائی ربع مسکون ہے مہذب انسانوں کی رہائشی دنیا۔ دس ۱۰ حصے پر دلدلی علاقہ تین حصوں پر پہاڑ۔ تیس ۳۰ حصوں پر ریگستان و جنگلات پندرہ ۱۵ حصوں پر آتش فشانی علاقہ بقیہ بچاس حصوں پر یاجوج ماجوج ہیں کل ایک سو اسی پوری زمین کا چکر پیدل انسان کا پانچ سو سال فاصلہ ہے۔ قرآن مجید میں صرف دو جگہ یاجوج ماجوج کا ذکر آیا ہے ایک یہاں ان کی حرکتوں بدتہذیبوں اور سد سکندری کے ذریعے ان کو تاقیامت ان کے اپنے علاقہ میں نظر بند کرنے کا تذکرہ ہوا۔ دوسری جگہ سورۂ انبیاء آیت ۹۶ حَتّٰٓی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ اُس آیت میں اس قوم کے قریب قیامت کھلنے باہر نکلنے اور کثرت تعداد کا ذکر ہے۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں پہلا فائدہ۔ قانون نافذ کرنے والے حکام کو شرعاً جائز ... کے لیے بے شکل جیل یا بشکل

گھریلو نظر بند کر دے تاکہ فساد بند ہو یہ فائدہ بَيْنَهُمْ سَدًّا (الخ) کی پوری آیت کے ارشاد سے حاصل ہوا دوسرا فائدہ دنیوی ساز و سامان کے ساتھ علم و عقل کی دولت بھی بہت ضروری اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتِ عظیم ہے یہ فائدہ بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ۔ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا اسی علم و حکمت کا نام سچی سیاست ہے۔ تیسرا فائدہ بادشاہ اور حاکم یا سپہ سالار پر واجب اسلامی ہے کہ وہ اپنے مفتوحہ علاقہ کو رعایہ کے لیے پُر امن بنائے اور ظاہری ظلم و فساد کے سدِباب کے لیے وہ حاکم وغیرہ ہر طرح کے اخراجات کے لیے شرعًا با اختیار ہے۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوئے ہیں پہلا مسئلہ۔ سرمایہ دار اور دولت مند رعایہ پر واجب ہے کہ وہ ملکی سلامتی کے لیے اپنی دولت و سرمائے سے بادشاہِ وقت کا ہاتھ بٹائیں اور ہر طرح مالی تعاون کریں یہ مسئلہ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا (الخ) سے مستنبط ہوا۔ دوسرا مسئلہ اگرچہ کسی مفتوحہ علاقہ سے بادشاہِ اسلام کو کوئی مالی منفعت یا حصول نہ ہو پھر بھی اپنے شاہی خزانے سے اس علاقہ میں خرچ کرنا بادشاہ پر واجب ہے ورنہ فتح کر کے قبضے میں لینا ناجائز ہوگا۔ دینِ اسلام نے صرف مالِ غنیمت لوٹنے کی ہی اجازت نہیں دی خرچ کرنا واجب قرار دیا ہے یہ مسئلہ عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا ۔ کی ایک تفسیر سے مستنبط ہوا۔ تیسرا مسئلہ، کام دینی ہو یا دنیوی ہر مسلمان پر واجب ہے کہ ظاہری مال و دولت اسباب و سامان اپنے ساتھ رکھے اور بوقتِ ضرورت علم و حکمت و سیاست کے ساتھ اس کو منصب کثرت سے خرچ اور استعمال کرے کسی قسم کی کنجوسی و تنگ نظری نہ دکھائے یہ مسئلہ بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ۔ کے بیان سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔ پہلا اعتراض، یہاں شانِ نزول میں ہے کہ جب کفارِ مکہ نے ذوالقرنین کے متعلق سوال کیا کہ وہ کونسا نبی ہے جو توریت میں ایک ہی دفعہ مذکور ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان سے پوچھا کہ اس کا نام بتاؤ کفارِ مکہ نے کہا کہ اُس کا نام ذوالقرنین ہے تب نبی کریم نے فرمایا کہ اس کے حالات وحی کے آنے سے بتاؤں گا جب وحی آئی تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مذکورہ فی القرآن حالات بتائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ نبی کریم غیب نہیں جانتے اگر غیب جانتے ہوتے تو کفارِ مکہ سے ذوالقرنین کا نام کیوں پوچھتے اور اُن کے حالات بتانے میں وحی کا انتظار کیوں فرماتے (دیوبندی وہابی) جواب، ان تمام باتوں سے آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کی نفی ثابت نہیں ہوتی۔ اوّلاً اس لیے کہ کفارِ مکہ نے ذوالقرنین کا نام نہیں پوچھا تھا بلکہ صرف حالات اور سفری فتوحات کا سوال تھا اور سوال کے الفاظ اس طرح تھے کہ اُس نبی کے حالات بتائیے جس کا ذکر توریت میں فقط ایک ہی جگہ آیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ وہ عنداللہ نبی نہیں تھے لیکن یہودی اور عیسائی اپنے غلط عقیدے سے ان کو نبی کہتے تھے اس لیے [illegible] بتاؤ جس کو تم اپنے

موتیوں سے بنی کہہ رہے ہو وہ کون ہے۔ نبی کریم نے ان ہی سے پوچھا اگر یہ نہ پوچھتے اور روح کی آیتیں اترتیں تو یہ بات صاف نہ ہوتی دوم اس لیے کہ کفارِ مکہ اور یہودی عیسائی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کے کلامِ الٰہی ہونے کی بھی منکر تھے۔ اس لیے یہ حالات خود نہ بتائے بذریعہ قرآن مجید بتائے تاکہ دونوں کی حقانیت ثابت ہو جائے اور وہ واقعات بتائے جو توریت میں بھی نہ تھے لیکن وہاں آج بھی نشانات موجود ہیں جن کا ذکر فرمایا گیا چونکہ سوال نبوی علم غیب کے متعلق نہ تھا اس لیے نبی کریم نے اپنی معلومات سے کچھ جواب نہ دیا۔ اور اگر علم غیب کا ہی امتحان مقصود تھا تو اُن کے لیے تو یہ آیت غیب کا ہی درجہ رکھتی تھیں۔ کیونکہ جبریئل کو تو کوئی نہیں دیکھتا تھا۔ **دوسرا اعتراض** یہاں فرمایا گیا کہ حضرت ذوالقرنین نے اتنا دراز سفر فرمایا کہ مطلعِ شمس تک پہنچ گئے جس سے ثابت کیا جا رہا ہے کہ مطلع الشمس یعنی طلوعِ آفتاب بہت دور ہے حالانکہ سب مانتے ہیں کہ زمین گول ہے اور گول ہونے کی وجہ سے زمین کا ہر انچ مطلع الشمس ہے اس لیے ہر شہر ہر ملک ہر جگہ ہر علاقے کا مطلع الشمس علیحدہ ہے وقت کے اعتبار سے بھی اور جگہ کے اعتبار سے بھی یہی اعتراض مغرب الشمس پر بھی پڑتا ہے **جواب** دراصل مغرب اور مشرق علاقہ کی سرحد کا نام ہے، یہاں خشک زمین کی حد بندی کا ذکر ہے یعنی وہ مطلع اور مغرب جہاں زمین بری ورہائشی کا آخری کنارہ ہے جس کے آگے پھر کوئی خشک مطلع نہیں ہے۔ **تیسرا اعتراض**، پہلے فرمایا کہ یہ تیسری قوم کچھ سمجھتی ہی نہ تھی پھر ساتھ فرمایا گیا قَالُوا یعنی وہ سب ذوالقرنین اور قوم کے لوگ آپس میں بات چیت کرنے لگے نیز اُن لوگوں نے اس بادشاہ کا نام کیسے جان لیا۔ **جواب** اس کے تین طرح جواب دئے گئے اوّلاً یہ کہ مترجم کے ذریعہ بات ہوئی دوم یہ کہ اشاروں سے بات ہوئی۔ سوم یہ کہ حضرت ذوالقرنین اُن کی بات سمجھتے تھے اس لیے ان کی ہی زبان میں یہ گفتگو ہوئی اور نام بھی خود آپ نے بتایا بعض نے کہا کہ لَا یَفْقَھُوْنَ سے مراد زبان دانی نہیں بلکہ انکی بے عقلی اور جاہلی ہے۔

تفسیر صوفیانہ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا كَذٰلِكَ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ۔

یہاں تک کہ جب قوتِ سرمدی، عالمِ ارواحِ بیرانی کے کنارۂ انتہا تک پہنچتا ہے جہاں نفسِ انسانیت کا مطلع شمس ناطقہ ہے وہ شمسِ نفسِ ناطقہ اعضاءِ باطنی کی ایسی قوم پر طلوع ہوتا ہے جو علائقِ جسمانیہ اور عوائقِ جسدیہ سے مجرد اور خالی ہیں نہ شریعت کے پردے نہ طریقت کی چار دیواری ویسے ہی آوارہ وناکارہ بے عمل و باعمل نیکی و بد اپنے بندۂ ارشاد و ہدایت کی قوتوں ہمتوں جرأتوں کے تمام حال و احوال کیفیات و مضمرات سے فقط ہم ہی واقف وخبیر رکھنے والے ہیں اس لیے کہ ہم ہی یہ تمام سعادتیں بخشنے والے ہیں جو مومنوں کے قلوب پر نازل ہو کر ان کو سکون بخشنے والا اور اطمینانی قوت پہنچانے والا ہوتا ہے۔ یہ عالمِ خفی کے تمام انتظام و اہتمام اس لیے ہوتے ہیں تاکہ ان مسافرانِ راہِ طلب کے موجودہ ایمان میں اضافہ ہو۔ اور یہی ایمان اپنے اس وصفِ خاص کے مطابق دیگر تمام قسم کے [illegible] ورغا [illegible] صادق اپنے محبوب ومطلوب

کی ہر ہر بات کو تسلیم کرنے میں لذت اور سکون محسوس کرتا ہے بلکہ شکر کرتا ہے کہ محبوب نے کسی بھی نوعیت کی توجہ فرمائی اسی طرح دعوتِ حق تعالیٰ کو مومنِ صادق و کامِل بدِل وجان قبول و تسلیم کرتا ہے وہ مجاہدہ عبادت اور مراقبۂ مشقت کو غذاءِ لذیذ سمجھتا ہے لیکن دوسروں کے لیے یہ ہی دعوتِ حق زحمت و کلفت ہوتی ہے۔ اس لیے کہ ان کے پاس کوئی پردۂ حمیت اور حجابِ غیرت نہیں ہوتا۔ جب رب تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ اُس کی سرکشی کی بنا پر برائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس پر عملِ صالحہ کا دروازہ بند کر دیتا ہے اور وہ بے پردہ وادیِ مطلع میں بھٹکتا پھرتا ہے لَمْ نَجْعَلْ لَهُمْ مِنْ دُوْنِهَا سِتْرًا میں ایسے ہی بدنصیبوں کا ذکر ہے یہی لوگ ہیں جن کے لیے شستیوں کا دروازہ کھلا رہتا ہے۔ اور عمرِ حیات برباد ہوتی رہتی ہے ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَیْنَ السَّدَّیْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا لَّا یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ قَوْلًا۔ بدنِ انسانی کی ان شستیوں غفلتوں کو فتوحاتِ غالبیہ کے بعد مرشدِ کامل کا دستِ ہدایت اپنے اُن ہی اسبابِ نظر و فکر رُشد و ہدایت کے ساتھ سفر احیاء فرماتا ہے، یہاں تک کہ وادی ظلم و ستم کفر و شرک کے دو دروں کے درمیان جہاں حِلّت و حرمت جائز و ناجائز نیک و بد کے درمیان کوئی تفریق تمیز نہیں، خنّاس و ضمیرِ جہالت کے درمیان راہ رسم کے فراخ راستے کھلے ہیں۔ ضمیرِ روشن کے متاعِ عمل کو لوٹنے کے لیے خنّاسِ لعین کے ظلم غارت گری قائم اور جاری رہیں عالمِ تعیش اور وادیِ تمدن کو مسمار جو لانے کے اُس علاقۂ وارداتِ قوامِ بدن کی گہری کھائیوں میں اور وجہِ جسمانیہ کے قیام ہیں۔ مرکز و معاد کی اصلاح و نظام کے لیے مرشد منزلِ فطرت کا انتقام و قیام ہوتا ہے۔ وہاں جہلِ بسیط کی مظلوم نفسانیت افکارِ پریشان کی قوم پائی جاتی ہے۔ جو اپنی بے حسی میں مبتلا و ملوث نہیں جب انسان کے جسم میں شک کی بیماریاں سرایت کر جاتی ہیں تو اس کو کسی بھی عمل سے فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ شک کے چور شبہات کے ڈاکو اندیشوں کے لٹیرے اُس کے سارے اعمالِ محنت لوٹ کر وادیِ سدّین میں لے جاتے ہیں۔ لیکن اگر آدمی کا شک اُس کے نیک اعمال کو ضائع کر سکتا ہے تو یقینِ ایمانی کا سکندر اُس کے گناہوں کو بھی بیکار کر سکتا ہے ہر بندہ اپنے یقین کے مطابق ہی عمل کرے تو ترقی و مقید ہوتا ہے۔ اور کوئی بندہ عمل و فعل کرتے والا اُس وقت تک عمل میں کوتاہی و لغزش نہیں کرتا جب تک کہ اُس کے یقین میں فتور نہ آجائے یقین ہی علم و عمل کا محرکِ حقیقی ہے اس لیے یقین علم سے افضل ہے کیونکہ یہ عمل کا ذریعہ ہے اور جو ذریعۂ عمل ہے وہی خدا تعالیٰ کی بندگی کا ذریعہ بنے گا اور جو عبودیت کا سبب ہوگا وہ ربوبیتِ الٰہیہ کے حقوق بھی بجا لائے گا۔ اعلیٰ حضرت نے بحوالۂ حدیثِ مقدس فرمایا کہ جو بندہ یہ جاننا چاہتا ہے کہ بارگاہِ صمدیت میں اس کی قدر کتنی ہے وہ یہ غور کرتا رہے کہ اُس کے دل میں اللہ تعالیٰ اور اُس کی شریعت طریقت احکام و قوانین فرائض و واجبات کی قدر کتنی ہے۔ اس دنیاء خیر و شر میں جب تفکراتِ اعداءِ باطنیہ و ظاہریہ سے بندے گھبرا جاتے ہیں تو تلاشِ اطمینان کے لیے دامنِ ذوالقرنین بارگاہ میں [illegible] کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں۔ قَالُوْا

یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِنَّ یَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓی اَنْ تَجْعَلَ بَیْنَنَا وَ بَیْنَهُمْ سَدًّا ۔ اَلنفاسِ مُلہمہ کی مظلوم عبادت و مجبور ریاضت قوم باطنی نے کہا اے قوتِ الٰہیہ کے دو خزانوں والے حاکم بااختیار بے شک یاجوجِ امّارہ اور ماجوجِ ابلیسیہ یا جوجِ قولی اور ماجوجِ طبیعت یاجوجِ خواہشات ماجوجِ لذات۔ یاجوجِ حرص اور ماجوجِ ہوس ہماری زمین بشری میں فسادِ مخالفت مچانے والے ہیں ہر کام خلافِ فطرت کرتے ہیں اور حواسِ جسمانیہ کو مقصدِ خلقت کے مخالف استعمال کرتے ہیں تو کیا ہم انفاسِ مطمئنہ وَ انفاسِ مُلہمہ ترکِ وجود اور بذلِ موجود کا تمام مال و دولت تیرے حضور پیش کر دیں اور اپنے اعمالِ خیر کو تیرے لیے خریج بنا دیں تاکہ تو اپنے دستِ استطاعت سے ہمارے خیر اور اُن کے شر کے درمیان سدِّ جبر و قہر کی دیوارِ بقاء اور پردۂ بقا بنا دے تاکہ انفاسِ خبائث کا غرور ٹوٹ جائے اور تکبرِ شیطانی ختم ہو جائے۔ جب انسان یہ سمجھنے لگے کہ وہ تمام دوسروں سے بڑا ہے تو یہ غرورِ شیطانی ہوتا ہے یہ غلط سوچ ہی اُس کے لیے بابِ فساد ہے اِس راہ سے وہ فسادِ فی الارض کے لیے نکلتا ہے اور یہ عملی اظہارِ تکبر ذلت ہے اور جب ارادۂ فساد کیا تو عملاً تکبر کیا ہر سینۂ بشری میں تکبر و غرور کے یاجوج ماجوج کا بسیرا ہے اور آمادگیٔ گناہ فسادِ فی الارض ہے قوتِ عقلی سکندرِ باطنی ہے۔ فرمانِ نبوی ہے کہ اگر ممکن ہو تو صبح شام اس طرح زندگی گزارو کہ تمہارے دل میں کسی کے خلاف کوئی کھوٹ نہ ہو۔ اگرچہ وہ غیر مسلم یا تمہارا ذاتی دشمن ہی ہو۔ (از تفسیر نیشاپوری مع زیادت)

قَالَ مَا مَكَّنِّیْ فِیْهِ رَبِّیْ خَیْرٌ فَاَعِیْنُوْنِیْ

فرمایا جو سلطنت مجھ کو دی ہے اس روئے زمین میں میرے رب نے وہی اچھی کافی ہے پس تم فقط مجھے

کہا وہ جس پر مجھے میرے رب نے قابو دیا ہے بہتر ہے۔ تو میری مدد

بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَیْنَكُمْ وَ بَیْنَهُمْ رَدْمًا ﴿۹۵﴾ اٰتُوْنِیْ

تعاون کرو اپنی جسمانی قوت سے تاکہ بنا دوں میں تمہارے اور ان کے بیچ دوہری تہری آڑ۔ اُٹھوا لاؤ

طاقت سے کرو میں تم میں اور ان میں ایک مضبوط آڑ بنا دوں میرے پاس

زُبَرَ الْحَدِيدِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ

تم میرے پاس لوہے کی سلیں یہاں تک کہ جب ذوالقرنین نے اوپر تک چن دیا برابر دونوں دروں کے درمیان

لوہے کے تختے لاؤ یہاں تک کہ وہ جب دیوار دونوں پہاڑوں کے کناروں سے برابر کر دی

قَالَ انْفُخُوْا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِيْٓ

فرمایا پھونکنیاں چلاؤ، پھر جب سب کے تعاون سے بنا دیا اس بھراؤ کو مثل آگ تو فرمایا کہ لاؤ دو مجھ کو کہ

کہا دھونکو یہاں تک کہ جب اسے آگ کر دیا کہا لاؤ

اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ؕ ﴿۹۶﴾ فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَ

انڈیلوں میں اس پر یہ پگھلا تانبہ پھر ان یاجوج و ماجوج نے کبھی طاقت نہ پائی اسکی کہ اس بند پر غلبہ کرتے

اس پر گلا ہوا تانبہ انڈیل دوں۔ تو یاجوج و ماجوج اس پر نہ چڑھ سکے اور

مَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿۹۷﴾ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ

اوپر چڑھنے اور نہ ہمت پائی اس میں سوراخ کرنے کی۔ فرمایا انہوں نے یہ سب کچھ رحمت ہے میرے

نہ اس میں سوراخ کر سکے۔ کہا یہ میرے رب کی رحمت ہے

رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ

رب تعالیٰ کی طرف سے تو جب آئے گا میرے رب کا آخری وعدہ خود رب ہی بنا دے گا اس بند کو ٹکڑے ٹکڑے اور ہوتا

پھر جب میرے رب کا وعدہ آئے گا اسے پاش پاش کر دے گا۔ اور میرے

وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ؕ ﴿۹۸﴾

گا میرے رب کریم کا وعدہ سچا۔

رب کا وعدہ سچا ہے

تعلقات

اِن آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق۔** پچھلی آیت میں حضرت ذوالقرنین کی اس گفتگو کا ذکر ہوا جو دیوار بنانے کے لیے ہوئی علاقۂ مغرب کے شرفاء نے اپنے حالِ زار اور مظلومیت بیان کرتے ہوئے کچھ مال کی پیشکش اور فریاد کی اب اِن آیت میں حضرت ذوالقرنین کی جوابی گفتگو کا ذکر ہے کہ آپ نے مالی پیشکش کو منع کرتے ہوئے جسمانی وجانی قوت کا تعاون طلب فرمایا۔ اور فرمایا کہ مالی اعتبار سے مجھ کو میرے رب نے بہت قوت وقدرت عطا فرمائی ہے۔ **دوسرا تعلق۔** پچھلی آیت میں یاجوج ماجوج کو روکنے کے لیے ایک رکاوٹ بنانے کا ذکر ہوا۔ اب اِن آیت میں اُس کو بنانے کا طریقہ اور اُس کی بناوٹ اور سامان کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جس سے اُس سدِّ سکندری کی مضبوطی اور حضرت سکندر ذوالقرنین کی خدا داد ذہانت کا پتہ چلتا ہے۔ **تیسرا تعلق۔** پچھلی آیت میں قوم یاجوج وماجوج کے ظلم وسرکشی کا تذکرہ ہوا اب ان آیات میں اُن کے بے بس قیدی ہو جانے کا ذکر ہے۔

تفسیر نحوی

قَالَ مَا مَكَّنِّیْ فِیْهِ رَبِّیْ خَیْرٌ فَاَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَیْنَكُمْ وَ بَیْنَهُمْ رَدْمًا۔ اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ حَتّٰۤى اِذَا سَاوٰى بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ قَالَ انْفُخُوْا۔

قَالَ فعل اس کا فاعل ھُوَ ضمیر پوشیدہ جس کا مرجع مراد ذوالقرنین ہیں، یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ مَا اسم موصول ترجمہ وہ جو کچھ مَكَّنِّیْ۔ بابِ تفعیل کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب نون وقایہ۔ یْ ضمیر واحد متکلم منصوب متصل۔ دراصل مَكَّنَ نِیْ تھا، دونوں کو مدغم یعنی جوڑ کر مشدد کر دیا مَكْنٌ سے بنا ہے اس کا مصدر ہے تمکین بمعنیٰ مکان دینا جگہ دینا۔ قدرت، طاقت اختیار، سلطنت دینا۔ دولت دینا، یہاں مراد ہے سلطنت ومال دولت۔ یْ ضمیر ظاہر مفعول بہ۔ فِیْ۔ حرف جر ظرفیہ یا بمعنیٰ علیٰ فوقیت، ہٖ ضمیر واحد غائب کا مرجع علاقہ سلطنت کی زمین۔ رَبِّیْ مرکب اضافی بمعنی میرے رب نے فاعل ہے مَكَّنَ کا مَكَّنَ اپنے فاعل مفعول فیہ متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر مبتدا خَیْرٌ اسم مفرد جامد بمعنیٰ کافی ہے، اچھا ہے، بہتر ہے، یہ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ۔ فَاَعِیْنُوْنِیْ۔ فَ عاطفہ تعقیبیہ بمعنی پس، فقط اَعِیْنُوْا۔ بابِ افعال کا امر حاضر جمع مذکر اس کا مصدر ہے اِعَانَةٌ اِعْیَانٌ عَیْنٌ۔ یا عَوْنٌ سے بنا ہے بمعنیٰ مدد کرنا تعاون کرنا۔ عربی میں مدد اور تعاون کے لیے چار الفاظ ہیں عَوْنٌ غَوْثٌ۔ نَصْرٌ۔ مددٌ۔ مگر فرق یہ ہے ضرورت مند کو دینا غوثٌ ہے بلا ضرورت اپنے اور دوسروں کے فائدے کے لیے کسی کی مدد عَوْنٌ ہے جس کو اُردو میں ہاتھ بٹانا کہتے ہیں اس میں مدد لینے والے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا یہاں یہی مقصد ہے، ضرورت کے وقت ضرورت پوری کرنا نصرت ہے اور لفظ مدد شامل ہے ہر قسم کی امداد کو۔ نون وقایہ ضمیر مفعول بہ بِ جارہ سببیہ قُوَّةٍ اسم مفرد جامد بمعنی جسمانی قو[illegible] [illegible] مجرور متعلق ہے اَعِیْنُوْا کا اپنے فاعل پوشیدہ ھُمْ ضمیر

اور مفعول بہ متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر سبب ہوا۔ اَجْعَلْ۔ بابِ فَتَحَ کا مضارع واحد متکلم مجزوم ہے کیونکہ یہاں لام کے پوشیدہ ہے دراصل ہے لِاَجْعَلْ۔ ترجمہ تاکہ بنا دوں میں۔ بَیْنَ اسم ظرف مکانی مضاف، کُمْ ضمیر جمع مذکر مظروف مضاف الیہ یہ مرکب اضافی معطوف علیہ، بَیْنَهُمْ مرکب اضافی معطوف۔ دونوں ملکر ظرف مکانی ہوا اَجْعَلْ کا رَدْمًا اسم مفرد جامد بمعنی موٹی تہہ در تہہ، دوہری تہری چوہری سخت مضبوط آڑ۔ عربی میں کسی جگہ کی حد بندی کرنے کے لیے چھ الفاظ مستعمل ہیں مگر ان میں فرق ہے۔ ۱۔ منعٌ، صرف لکیر یا بند، باندھ دینا، متنٌ ہے۔ جس سے اصل اور فرع میں فرق ہو جائے ۲۔ صرف دیکھنے میں رکاوٹ کرنا سترٌ ہے ۳۔ چاروں طرف دیوار بنا کر مکمل قید اور آڑ کرنا حصنٌ ہے ۴۔ کپڑے کی دیوار بنانا حجابٌ ہے ۵۔ مضبوط دیوار بنانا سدٌ ہے ۶۔ اور خوب موٹی دوہری ناقابل شکست دیوار بنانا رَدمٌ ہے۔ گہرے بادل اور کپڑے پر کپڑا ایسکر دوہا چار تہیں بنا کر موٹا کرنے کو عربی میں مردم کہتے ہیں بہت موٹے شخص کو اسی لیے متردم کہا جاتا ہے۔ گویا کہ ڈبل سد کو ردما کہا گیا بحالتِ نصب ہے مفعول بہ اَجْعَلْ کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر مسبب اور بیان ہوا اَعِیْنُوْا کا مسبب اور سبب مل کر معطوف پچھلا اَنَّکِیْ کا دونوں ملکر مقولہ ہو قول متعلہ جملہ قولیہ ہو گیا۔ اٰتُوْنِیْ، اٰتُوْا۔ باب افعال کا امر حاضر جمع مذکر اِیْتٌ سے۔ بنا ہے اِیْتَاءٌ اس کا مصدر ہے۔ بمعنی لانا۔ ن وقایہ یٰ ضمیر واحد متکلم ترجمہ میرے لیے لاؤ، یا میرے پاس لاؤ یا اٰتُوْا کا معنیٰ ہے ۲۔ دو تم یعنی مجھ کو دو پہلے معنیٰ میں متکلم نہیں مفعول لہٗ ہے دوسرے معنیٰ میں مفعول معہ یا ظرف مکانی ہنبرے میں مفعول بہ زُبَرَ۔ جمع ہے زُبْرَةٌ کا، اسم جمع مکسر۔ زُبْرَۃٌ کا ترجمہ ہے جمع کرنا ہاتھ سے کتاب لکھنا، حروف جمع کرنا۔ زبور کو زبور بھی اس لیے کہتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام نے یہ کتاب اپنی حفظ سے وحیِ الٰہی کو اپنے قلم سے لکھا تھا۔ زمین پر یہ پہلی آسمانی کتاب ہے جو دستِ نبوت سے لکھی گئی۔ زُبَرَ، بروزن غُرَفٌ، مضاف ہے الحدید الف لام جنسی حَدِیْدٌ اسم مفرد جامد بمعنی لوہا مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے اٰتُوْا کا۔ اٰتُوْا فعل سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔ حَتّٰی یہاں عبارت کو مختصر فرمایا گیا۔ یعنی قوم نے لوہے کی بڑی بڑی سلیں اکٹھی کیں اور آپ نے بنائی اور بنوائی شروع کی حَتّٰی اِذَا سَاوٰی، حَتّٰی عاطفہ ابتدائیہ اِذَا ظرفیہ زمانیہ سَاوٰی بابِ مُفَاعَلَةٌ کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب، سَوِیٌّ سے مشتق ہے اس کا مصدر ہے مُسَاوَاۃٌ جو دراصل مُسَاوِیَۃٌ تھا ی کو الف سے بدلا یا گیا۔ بمعنی برابر کرنا، برابر ہونا۔ یہ مصدر لازم و متعدی دونوں طرح مستعمل ہے۔ اگر یہاں متعدی ہے تو ذوالقرنین یعنی انہوں نے وہ دیوار برابر کر دی اگر یہاں یہ فعل لازم ہے تو فاعل سَدًّا اور رَدْمٌ ہے۔ بَیْنَ۔ اسم ظرف یہاں مکانی ہے مضاف ہے اَلصَّدَفَیْنِ۔ الف لام عہد ذہنی صَدَفَیْنِ اسم تثنیہ، اس کے تلفظ میں چھ قول ہیں ۱۔ یہ صُدُفَیْنِ ہے ۲۔ صَدَفَیْنِ یہ ہی مشہور قرأت ہے ۳۔ صُدْفَیْنِ ۴۔ صَدُفَیْنِ ۵۔ صُدُفَیْنِ ۶۔ صَدَفَیْنِ۔ اس کا واحد صدف اور جمع اَصْدَافٌ ترجمہ ہے دو طرفہ پہاڑوں کے دونوں اوپر کے کناروں تک کا درمیانی خلا یہ مضاف الیہ ہے [illegible] پوشیدہ جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا

اُنْفُخُوْا۔ باب نَصَرَ کا امر حاضر جمع مذکر۔ نَفْخٌ سے مشتق ہے بمعنی پھونکیں مارنا، ہوا دینا، یہاں مراد ہے دھونکنا آگ تیز کرنے والی دھونکنیوں اور مشکیزوں سے۔ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ ہوا۔ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو کر مظروف (بیانِ ظرف)، ہوا ساوی سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ حَتّٰۤى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا قَالَ اٰتُوْنِیْۤ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا۔ فَمَا اسْطَاعُوْۤا اَنْ یَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا۔ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّیْ حَقًّا۔ حتّٰی بمعنی ثُمَّ، اِذَا ظرفیہ، جَعَلَ فعل بمعنی بنا دیا، کر دیا، صَارَ کے مثل۔ ہٗ ضمیر کا مرجع رَدْمًا، جَعَلَ ماضی مطلق، یہاں متعدی بدو مفعول ہے ہٗ اس کا پہلا مفعول بہ نَارًا اسم مفرد جامد دوسرا مفعول بہ اگلی عبارت اس کا مظروف اور بیانِ ظرف قَالَ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا فاعل ذوالقرنین یعنی ذوالقرنین نے فرمایا۔ اٰتُوْا فعل امر جمع مذکر حاضر اس کے مادۂ اشتقاق میں دو قول ہیں (۱) یہ اَتٰی سے بنا ہے بمعنی آؤ تم یہ لازم ہے (مدد و تعاون ہاتھ بٹانے کے لیے) (۲) اِیْتَ سے بنا ہے یعنی لاؤ تم یہ متعدی ہے، یہاں ایک قِطْرًا پوشیدہ ہے اور تنازع فعلین کی صورت ہے بصریوں کی دلیل بنتی ہے کہ دوسرے فعل اُفْرِغْ کو عمل دیا اور اٰتُوْا کے لیے ایک پوشیدہ مفعول مانا گیا۔ اور موجودہ قِطْرًا اس کا قرینہ بن گیا نون وقایہ۔ یٖ ضمیر متکلم واحد مفعول لہٗ اگر اٰتُوْا بمعنی دینا کہا جائے تو یہ مفعول بہ ہے یعنی دو تم مجھ کو دوسرے معنی زیادہ درست ہیں یہ جملہ فعلیہ ہو کر مسبب ہوا اُفْرِغْ۔ فعل مضارع واحد متکلم مجزوم ہے کیونکہ یہاں لامِ کَےْ جازم پوشیدہ یعنی تاکہ انڈیلوں میں فَرْغٌ مادہ بمعنی لوٹنا، انڈیلنا، اوندھانا، عَلَیْهِ اس پر۔ مراد ہے زُبَرَ الْحَدِیْد کی بنی ہوئی سد اور ردم دیوار قِطْرًا، اسم مفرد جامد، ترجمہ ہے پگھلائی ہوئی دھات، مراد پگھلا تانبہ، ٹھنڈے تانبے کو تُحاس کہتے ہیں (۲) بعض نے کہا یہاں اس دھات سے مراد پیتل ہے (۳) ایک قول میں رانگ ہے (۴) ایک قول میں رصاص (سیلور) مراد ہے۔ مگر پہلا قول درست ہے۔ دنیا میں کل کتنی دھاتیں ہیں اس کی تفصیل تفسیر عالمانہ میں ہو گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ قِطْرًا مفعول بہ ہے اُفْرِغْ کا۔ یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر مسبب ہوا سبب مسبب مل کر مقولہ ہوا قول مقولہ مظروف ہوا۔ حتّٰی اِذَا جَعَلَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ فَ بیانیہ مَا اسْطَاعُوْا باب استفعال کا ماضی مطلق جمع غائب ھُمْ اس میں پوشیدہ ضمیر کا مرجع یاجوج ماجوج۔ دراصل ہے اِسْتَطَاعُوْا ت اور ط ہم مخرج ہیں اس لیے تخفیف کے لیے تَ کو حذف کر دیا گیا یہ حذف جائز ہے ضروری نہیں اسی لیے آگے اسْتَطَاعُوْا میں حذف نہ کیا گیا۔ اَنْ ناصبہ یَظْهَرُوْ فعل مضارع منصوب دراصل یَظْهَرُوْنَ تھا۔ اَنْ کی وجہ سے آخری نون اعرابی گر گئی ظَهْرٌ سے مشتق ہے بمعنی ظاہر ہونا۔ غالب آنا۔ ہٗ ضمیر بارز (ظاہر)، کا مرجع دیوار ردم مفعول تا ہے یَظْهَرُوْا کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر مفعول بہ ہے مَا اسْطَاعُوْا کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ واؤ مِر جملہ مَا اسْتَطَاعُوْا یہ بھی سابقہ صیغہ کی مثل باب استفعال کا ہی فعل ہے یہاں ت نہ گری جس سے حذف کا جواز ثابت ہوا لَهٗ جار مجرور

متعلق ہے۔ نَقْبًا۔ اسم مفرد بمعنی سوراخ یا مصدر متعدی ہے بمعنی سوراخ کرنا، مفعول بہ ہے یہ سب فعل فاعل متعلق مفعول مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوگیا۔ قَالَ۔ جملہ فعلیہ ہوکر قول ہوا۔ ھٰذا اسم اشارہ قریبی، رَحْمَۃٌ، مبتدا مِن جارۃ غایت کے لیے بمعنی اطراف سے رَبِّی میرے رب یہ مرکب اضافی مجرور بہ جار مجرور متعلق ہے ثَابِتٌ اسم فاعل پوشیدہ کا۔ وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہوکر خبر ہے مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہوکر مشار الیہ اشارہ ومشار الیہ مل کر مفعول قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ خبریہ ہوگیا ف تعقیبیہ۔ اِذَا شرطیہ ظرف زمانی۔ جَاءَ فعل ماضی لازم، وعدُ مضاف رَبِّ، مضاف، یْ متکلم، مضاف الیہ یہ ڈبل مرکب اضافی فاعل ہے جاءَ کا یہ جملہ فعلیہ ہوکر شرط ہوئی۔ جَعَلَ فعل ماضی مگر خبر ہونے کی وجہ سے بمعنی مستقبل ہے ھُوَ ضمیر اس میں پوشیدہ مرجع رَبِّی ہے ہٗ ضمیر مفعول بہ مرجع رَدْمًا۔ (سَدًّا) دَکَّاءَ اسم مصدر منصوب مفعول بہ۔ دم ہے۔ دَکٌّ (دُکٌّ) مضاعف ثلاثی بمعنی ٹکڑے ہونا، کرنا، یہاں مصدر بمعنی مدکوکٌ ہے یعنی ٹکڑے اور ریزہ کیا ہوا جَعَلَ فعل سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ، واؤ، عاطفہ۔ کَانَ فعل ناقصہ بمعنی مستقبل وَعْدُ رَبِّی یہ ڈبل مرکب اضافی اسم ہے حَقًّا۔ اسم مفرد جامد بمعنی سچا۔ خبر ہے کَانَ کی یہ جملہ فعلیہ ناقصہ ہوکر معطوف سب عطف مل کر جزاء شرط و جزا مل کر جملہ ہوگیا۔

تفسیر عالمانہ

قَالَ مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا۔ آتُونِي زُبَرَ الْحَدِيدِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا سَاوَىٰ بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوا۔

حضرت سکندر ذوالقرنین کی تقریباً بارہ سالہ اس فتوحاتی سفر میں جب اس آخری سفری منزل پر پہنچے تو یہاں کی خانہ بدوش جنگلی قوم نے ذوالقرنین سے ان کا لشکرِ جرار دیکھ کر کہا تھا کہ ہمیں اس قوم یاجوج ماجوج کی غارت گری سے بچایئے یہ فریاد اس لیے تھی کہ اس سے پہلے کوئی بادشاہ یہاں تک پہنچا ہی نہ تھا۔ یا اگر پہنچا تھا تو اس کا لشکر اتنا بڑا نہ ہوگا جو یاجوج ماجوج پر قابو پاسکتا یہ پہلا موقعہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک خاص بندے کو لشکر کثیر جس کی تعداد تقریباً ایک لاکھ تھی غالباً اسی کام کے لیے بھیجا تھا کہ قیامت تک کے لیے اس حیوانی درندہ صفت قوم کو انہی کے رہائشی جنگلاتی علاقہ میں پہاڑوں کے پیچھے قید کردیں۔ اگرچہ الٰہی منصوبہ یہی تھا مگر ذریعہ اس مظلوم قوم کی اپنی فریاد بن گیا اور انہوں نے مالی یا جسمانی تعاون کی یقین دہانی بھی کرائی لیکن وہ مالی تعاون کس طرح کرسکتے تھے یا ان کے پاس اتنے بڑے کام کے لیے کیا مال تھا اس کا کہیں تذکرہ نہیں ملتا غالباً وہ موسمی قدرتی پیداوار اور اینٹ پتھر مٹی گارا یا جانوروں کی چربی وغیرہ دینے کا ہی ارادہ رکھتے ہوں کیونکہ ایک جنگلی بے سروسامان اُجڈ بے عقل قوم کے پاس اس کے سوا کیا ہوگا جب کہ ہر سال بیچارے لوٹے بھی جاتے تھے مگر ذوالقرنین نے اس کی تفصیل پوچھے اور جانے بغیر قَالَ مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فرمایا کہ آپ کے کسی مالی تعاون کی ہمیں ضرورت نہیں اس لیے کہ جو قدرت طاقت عقل وحکمت دولت لشکر اور وسائل واسباب وغیرہ اس تمام کام وعمل کے بارے

میں مجھ کو میرے رب تعالیٰ نے اپنے پاس سے دی ہے وہ دنیا بھر سے کہیں اچھی
اور بہتر ہے بس تم اگر تعاون کرنا ہی چاہتے ہو اور کام میں شریک ہونا ہی چاہتے ہو تو اپنی جسمانی قوت اور مفید مشوروں
بھاگ دوڑ کی مزدوری کارکردگی اور میرے حکم کی پابندی سے کرو میں یقیناً تمہارے اور اُن کے درمیان ایک
بہت ہی بلند و بالا دراز و عریض مضبوط و قوی ٹھوس آڑ بنا دوں گا۔ انہوں نے درخواست کی تھی کہ سد یعنی کسی
بھی قسم کی دیوار بنا دی جائے لیکن چونکہ سکندر اُس ظالم قوم کو دور سے دیکھ کر اس کی وحشت و بربریت و جسمانی
قوت کو جان چکے تھے اس لیے فرمایا کہ سد نہیں بلکہ ردما بناؤں گا تاکہ قیامت تک اُن سے نہ ٹوٹ سکے بس تم لوگ ایسا
کرو کہ ہمارے ساتھ جو لوہے کی موٹی چادریں ہیں وہ ہمارے سپاہیوں کے ساتھ مل کر اٹھا اٹھا کر یہاں درے کے
پاس لا ڈالو۔ پھر جب کام شروع ہوا تو بہت چوڑی اور کھلی اور گہری نیچے پانی نکلنے تک نیو میں بنیاد کھودی گئی اور
تمام لوگوں سے اردگرد کے جنگلات میں سے پتھر اور لکڑی منگائی گئی اور نیچے سے اس طرح بنیاد بھرتے ہوتے آئے
کہ درمیان میں لوہے کی چادریں کہیں کہیں پتھروں کا چناؤ کیا گیا اور آس پاس دو طرفہ لکڑیاں بھری گئیں جب زمین
کی سطح تک یہ بھراؤ ہو گیا تو قَالَ انْفُخُوْا۔ فرمایا ان دو طرفہ لکڑیوں پر آگ پھونکو تاکہ سب لکڑیاں جل کر لوہے
اور پتھر کو مثل آگ بنا دیں اور ایک جان دیوار بن جائے حَتّٰۤى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا۔ جب لکڑیاں جل گئیں اور ان کی
تیز آنچ سے لوہا سرخ اور نرم مثل آگ ہو گیا تو قَالَ اٰتُوْنِیْۤ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا۔ فرمایا کہ دیکھو وہ جو تانبہ پگھلایا
جا رہا ہے وہ اُٹھا کر ادھر دیوار کے پاس لے آؤ جس کو میں اپنے حساب سے مزدوروں کے ذریعے ڈالوں گا اس
لوہے کی دیوار پر۔ وہ تانبہ بہہ بہہ کر اس لوہے کی دیوار کے رگ رگ اور ہر اونچے نیچے سوراخ میں گھس کر
سپاٹ پلاستر ہو گیا۔ اس دیوار کا میٹیریل لوہا پتھر تانبہ سلور مٹی لکڑی کا یہاں تک کہ یہ اسی طرز پر یکساں تقریباً
دو سو نوے فٹ بلند دیوار بنا دی گئی جس کی موٹائی پچاس گز اور لمبائی ایک کوس یعنی تین میل خیال رہے کہ دنیا
میں قدرتی دھاتیں جو پہاڑوں سے نکلتی ہیں وہ کل آٹھ عدد ہیں ۱ سونا ۲ چاندی ۳ لوہا ۴ تانبہ ۵ رانگ
۶ سلور ۷ سکہ ۸ گلٹ اور ان کو ملا کر مصنوعی دھاتیں آٹھ قسم کی بنائی جاتی ہیں ۱ جست ۲ پیتل ۳
رولڈ گولڈ ۴ ایلومینیم ۵ تام چینی ۶ پلاٹینیم ۷ پارہ مصنوعی ۸ دیگی لوہا اس طرح کل سولہ قسم کی دھاتیں
دنیا میں مستعمل ہیں۔ اس وقت سکندر کی عمر ۲۵ سال تھی یا ایک ہزار ۲۵ سال فَمَا اسْطَاعُوْۤا اَنْ یَّظْهَرُوْهُ وَمَا
اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ
وَكَانَ وَعْدُ رَبِّیْ حَقًّا۔ اور جب یہ دیوار مکمل تیار ہوئی تو اس کی
شان و کیفیت ایسی تھی کہ بلندی میں وہ لوگ قد آور و زور آور ہونے کے باوجود اس کو پھلانگ نہ سکتے
تھے سپاٹ اور چکنی تھی لہٰذا چڑھ [illegible] سکتے تھے [illegible] بھی نہ کر سکتے تھے سد

سکندری کی یہ شان وحال دیکھ کر رب تعالیٰ کا شکریہ اور تبلیغ دین فرماتے ہوئے فرمایا اے لوگوں یہ سب کچھ میرے رب تعالیٰ کی رحمت وکرم ہے کہ اتنی شاندار حفاظت کرنے والی دیوار بن گئی اور تاقیامت رہیگی پھر ایک وقت آئے گا جب میرے رب کا وعدۂ آخرت ہوگا تو اس بی دیوار کی کچھ حیثیت نہ ہوگی اور توڑ پھوڑ کر رکھ دی جائے گی اور ازل سے ابد تک میرے رب کا ہر وعدہ بجا ہے پورا ہو کر رہے گا۔ یہ دیوار بحر اسود کے قریب علاقہ قفقاز میں ہے اس کا نام ۱ سدِ سکندری ۲ دربند ۳ سدِ ذوالقرنین ۴ بابُ الابواب اس پر پگھلا تانبہ یا پگھلا لوہا یا رانگ ڈالا گیا تھا۔ یاجوج ماجوج کے بائیس قبیلے تھے ایک قبیلہ دیوار بناتے وقت لشکر سکندری سے ڈر کر نکل بھاگا ان کا نام ترک رکھا گیا یہی آج کل ترک لوگ ترکستانی ہیں اس وقت اکیس قبیلے قید ہیں ان میں بعض لوگ نہایت ہیبت ناک چہرے لمبے قد دانت داڑھیں درندوں کی طرح کان بہت بڑے بڑے جانوروں کی طرح برسرِ عام وطی کرتے لباس کچھ نہیں عورت مرد برابر تعداد ہے اس وقت اسی ہزار تھے اب کروڑوں اربوں ہیں جب ایک جوڑے کے ہزار بچے پیدا ہو جاتے ہیں تو والدین مر جاتے ہیں پورے جسم پر ریچھ نما بال ان میں صنعتا کوئی نہیں جانتا۔ بقول ایک روایت جب سے دیوار بنی ہے باری باری لوگ اس کو صبح سے شام تک چاٹتے ہیں جس سے وہ گھستی جاتی ہے شام کو تھک کر کہتے ہیں کل پھر چاٹیں گے صبح کو وہ قدرتی پھر اتنی موٹی ہو جاتی ہے تاقیامت ایسا ہوتا رہے گا جب فیصلہ الٰہیہ کے مطابق کھلنے کا وقت آئے گا تو کہیں گے انشاءاللہ باقی کل چاٹیں گے۔ انشاءاللہ کی وجہ سے وہ پھر موٹی نہ ہوگی اور تھوڑی محنت کے بعد دیوار گھس کر ٹوٹ جائے گی اور سب نکل آئیں گے جس کا سورۃ انبیاء میں ذکر ہے۔ ذوالقرنین کی کرامت تھی کہ دیوار بناتے وقت آگ پھونکنے والوں کو تپش نہ لگتی تھی وہ اطمینان سے کام کرتے تھے۔ سکندر ذوالقرنین نے کل تہتر حکومتیں فتح کیں جن میں اٹھائیس بڑی سلطنتیں تھیں۔ پہلی بادشاہت چھوٹا سا شہر انشان جس کا رئیس سکندر کو بنایا گیا پھر فتوحات میں ۲ علاقہ منگولیا ۳ ڈربیدی ۴ آریا ۵ صندوا ۶ بحیرۂ عرب ۷ علاقۂ عرب ، ۸ جاری ۹ فارس ۱۰ سومیری ۱۱ علاقۂ شور ۱۲ بحر اسود ۱۳ اکاکیشیا ۱۴ استیھین ۱۵ اقبائل علاقہ ۱۶ سلاؤ ۱۷ اسکندری ۱۸ ٹیوٹن ۱۹ ونڈل ۲۰ حملانی ۲۱ متنی ۲۲ لبڈیا ۲۳ علاقۂ شام ۲۴ عراق ۲۵ مصر ۲۶ لیبیا ۲۷ بحر احمر ۲۸ اطالی ۲۹ خرانا ۳۰ گال ۳۱ میڈیا ۳۲ مغربی ایشیا ۳۳ افریقہ ۳۴ داریاں ۳۵ بافز ۳۶ خراسان ۳۷ میشیا ۳۸ سارڈیس ۳۹ انڈیا دریائے سندھ تک ۴۰ اراگوسیا ۴۱ مکران ۴۲ سغد ۴۳ مگدیانا ۴۴ سیحون ۴۵ جیحون ۴۶ اوریاں ۴۷ پارتھیا ۴۸ کرمانیا ۴۹ کاسپین (چین) ۵۰ دربند ۵۱ باکو ۵۲ خلیج فارس ۵۳ ہمدان (ایران کا دارالخلافہ) ۵۴ واجد اشور ۵۵ بابلونیا ۵۶ بابل ۵۷ آرمینیا ۵۸ مکیشیا ۵۹ دمشق ۶۰ قبرص ۶۱ یروشلم ۶۲ بحر متوسط ۶۳ علاقۂ نیل ۶۴ تھیبس ۶۵ میطس ۶۶ بارگا ۶۷ کورٹ ۶۸ بحر ایجین ۶۹ شارولیبن ۷۰ بیزنطیا

۱ مقدونیا ۲ یونان ۳ پسارٹا۔ اُس وقت دنیا میں بس یہی بستیاں تھیں ذوالقرنین کے سولہ سو ۱۶ سالہ عمر میں مندرجہ ذیل ادیان اور مذاہب تھے۔ ۱ دین ابراہیمی یہی سکندر ذوالقرنین کا دین تھا یہی اللہ کا سچا دین تھا ۲ مجوس اس کے تین فرقے تھے ۱ ایک مشہور فرقہ زردشتی تھا اس کا اوتار (پیغمبر) زردشت تھا اس نے اپنی مذہبی کتاب کا نام اوستا رکھا تھا کہتے ہیں کہ بارہ ہزار بیلوں کی پختہ (مدبوغہ) کھال پر آب زر سے لکھی ہوئی تھی ان کے معبود کا نام اہورمزدہ تھا جو آگ میں سمایا تھا (جلوہ گر تھا) ۲ دوسرا فرقہ موگرشش ان کا معبود بھگوان دمش سپند تھا ۵ آریہ قدیم ان کے تین معبود تھے ۱ سورج ۲ آگ ۳ دھرتی یعنی زمین اور اُس کی مٹی اسی لیے زمین کی مٹی پتھر لکڑی اور دھات کی مورتیں بناتے تھے اُن ہی میں سے آج کل کے ھندو ہیں ۶ آریہ مذہب ان کے معبود مناظر قدرت کہکشاں وغیرہ ۷ مورگسن۔ ان کے دو معبود ۱ سورج آسمانی معبود ۲ آگ زمینی معبود یہ دونوں بہن بھائی ہیں اَسْتَغْفِرُاللّٰهَ تَعَالٰی مِنْ كُلِّ شَرِّ نَفْسِیْ سکندر ذوالقرنین کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا کیقبا د آٹھ سال تک تخت نشین ہوا اس کی مصر میں وفات کے بعد اُس کا چچازاد بھائی سکندر کا بھتیجہ دارا ابن گشتاسپ تخت نشین ہوا یہ سب مومن ہوئے ہیں۔ سکندر کی خصوصیات میں سے یہ بھی تھی کہ اُس کے پورے دورِ سلطنت میں کسی مفتوحہ علاقہ میں بغاوت نہیں۔ تاریخوں میں ہے کہ چار شہنشاہوں کی مفتوحہ سلطنتوں میں اُن کی زندگی میں بغاوت کبھی نہیں ہوئی ۱ سلیمان علیہ السلام ۲ سکندر ذوالقرنین ۳ فاروق اعظم ۴ محمود غزنوی۔ اِس کی وجہ غالباً رعایہ کے ساتھ ان کا حُسن سلوک فیاضی انصاف پسندی وغیرہ تھا۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ**۔ غیر اللہ سے مدد مانگنی جائز ہے شرک یا کفر نہیں یہ فائدہ فَاَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّةٍ۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔ دیوبندی وہابی لوگ اس کو شرک کہتے ہیں۔ بلکہ کفار وغیرہ سے یہ وہابی بھی مدد مانگنا جائز کہتے ہیں صرف انبیاء کرام اور اولیاء اللہ سے مدد مانگنے کو شرک کہتے ہیں یہ ہی انکو شیطان کا بھلاوا ہے **دوسرا فائدہ**، بعض اولیاء اللہ کو بھی علم غیب عطائی حاصل ہوتا ہے یہ فائدہ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ۔ فرمانے سے حاصل ہوا جس سے ثابت ہوا کہ حضرت ذوالقرنین کو قیامت تک اس دیوار کے حال کا اپنے خدا داد علم غیب سے پتہ تھا کہ یہ پہلے نہیں ٹوٹ سکتی **تیسرا فائدہ** ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا نام لینا مفید ہے مومن تو مومن کافر کو بھی اللہ تعالیٰ اور ایمانی و اسلامی طریقوں پر عمل کرنا مفید ہو جاتا ہے یہ فائدہ تفسیر عالمانہ میں یاجوج و ماجوج سے متعلق اُس روایتِ مشہورہ سے حاصل ہوا جس میں اُن کے روزانہ دیوار کھودنے یا چاٹتے کا ذکر ہے کہ جب وہ آخر زمانے میں کبھی شام کو انشاء اللہ کہہ کر کام چھوڑیں گے تو پھر ان کی دن بھر کی محنت ضائع نہ جائیگی حالانکہ وہ کافر ہیں۔

احکام القرآن ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط [illegible] مسئلہ اگرچہ قرآن و حدیث کو سمجھنا

علم اور تفقہ حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے لیکن بغیر سمجھے بھی نماز اور تلاوت ادا کرنا واجب و لازم ہے اور بے سمجھے کے بھی فائدہ و ثواب ملے گا جو بدبخت لوگ مسلمانوں کو عربی نہ جاننے کی وجہ صرف اس لیے تلاوت کرنے سے منع کرتے ہیں کہ بے سمجھے تلاوت یا نماز بے فائدہ ہے وہ لوگ گمراہ اور غلط ہیں یہ مسئلہ بھی یاجوج کے اِنْ شَاءَ اللّٰهُ کہنے سے مستنبط ہوا کہ وہ بھی بلا جانے سمجھے انشاء اللہ کہیں گے جس کا فائدہ حاصل کریں گے **دوسرا مسئلہ**۔ کفار سے دینی کاموں میں مدد لینا جائز ہے بغیر اجرت رضاکارانہ طور پر لہٰذا جو کفار اپنے شوق سے مسلمانوں کے دینی کاموں میں مثلاً تعمیر مساجد مدارس یا محافلِ اسلامیہ کی زیب و زینت کرنے میں اپنی خدمات پیش کرتے ہیں وہ جائز ہے بشرطیکہ مقاماتِ مقدسہ کے تقدس و پاکیزگی کا خیال رکھا جائے اور کسی تخریب کاری کا اندیشہ نہ ہو یہ مسئلہ فَاَعِیْنُوْنِیْ کے فرمان سے مستنبط ہوا کیونکہ وہ قوم بھی کافر تھی **تیسرا مسئلہ**۔ کام دینی ہو یا دنیوی مسلمان کو ہر وقت خدمتِ دین کی نیت سے کرنا چاہیئے اور ہر محفل و اجتماعِ عوام کو تبلیغ دین کا ذریعہ بنانا چاہیئے اور اس کو فرض یا واجب لازم سمجھ کر کرنا چاہیئے یہ مسئلہ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ کے تبلیغی الفاظ سے مستنبط ہوا کہ اپنی تمام عقلی فکری علمی فنی محنت و مزدوری اور تعمیری کام کو رب تعالیٰ کی رحمت فرما کر کفار قوم میں دینِ حنیف کی تبلیغ فرمائی۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ جب سکندر کے پاس اس دیوار کی تعمیر کا تمام ساز و سامان اور لشکرِ کثیر میں ہر طرح کے کارندے موجود تھے تو پھر وہاں کی کم عقل گنوار جانگلی اور کفار کو اس کارِ خیر میں کیوں شامل کیا گیا دیوار بنانا قانون الٰہیہ کے مطابق تھا لہٰذا اس میں کافر لوگوں کو شامل کرنا جائز نہ تھا۔ **جواب** اس میں بہت سی حکمتیں تھیں ۱۔ یہ دیوار تقریباً تین ماہ تک بنتی رہی اس عرصہ میں ان کفار کو صحبتِ ذوالقرنین سے دین و ایمان اور عقل و علم کا فائدہ پہنچانا طریقہ عبادات سکھانا تہذیب اور ایمان بخشنا۔ ۲۔ اِن کی رضاکارانہ پیشکش کو پذیرائی بخش کر دلجوئی کرنا ۳۔ اِس تعمیری کاموں میں مشغول کر کے اتنا عرصہ اپنے قریب رکھنا ۴۔ اس علاقہ کے تمام جنگلاتی راستوں سے وہی زیادہ واقف تھے لکڑی وغیرہ سامان اکٹھا کرنے میں وہی زیادہ ماہر تھے ۵۔ اور ان پر احسان کے ساتھ ساتھ مومن باعمل بنانا مقصود تھا۔ **دوسرا اعتراض**۔ جب اُس قوم نے خرچ دینے کا کہا تب تو منع کر دیا گیا اور فقط مزدوری میں شامل ہونے کو کہا مگر پھر ساتھ ہی کہدیا کہ لوہے کے ٹکڑے لاؤ لوہا بھی تو قیمتی مال ہے پھر مالی تعاون کیوں مانگا۔ **جواب**۔ اٰتُوْنِیْ کا معنیٰ صرف اٹھانا اور اٹھا کر لانا ہے یہ لوہا ان کا مال نہ تھا بلکہ یہ سکندر کا اپنا مال تھا جو کہیں سے اٹھائے لا رہے تھے اور ایسے سامان ہر لشکر کے ساتھ ہوتے ہیں اصلحہ سازی کے لیے وغیرہ وغیرہ۔ **تیسرا اعتراض**۔ یہاں پہلے فعل فَمَا اسْطَاعُوْا میں افتعال کی ت کو ہم مخرج ہونے کی وجہ سے طٰ بنا دیا گیا۔ مگر دوسرے وَمَا اسْتَطَاعُوْا میں ایسا نہ

کیا گیا اس کی کیا وجہ ہے؟ جواب۔ پہلے فعل میں صرف اپنی جسمی طاقت کا اظہار ہے جو کم ہے اس لیے مخفف فعل کافی تھا دوسرے فعل میں تین طاقتوں کا اظہار ہے ۱۔ جسمانی ۲۔ عقلی ۳۔ ان دونوں کا مقابلہ دیوار کی طاقت سے۔ اس لیے یہاں صیغہ فعل بھی مکمل اور مضبوط چاہیئے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

تفسیر صوفیانہ

قَالَ مَا مَكَّنِّیْ فِیْهِ رَبِّیْ خَیْرٌ فَاَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَیْنَكُمْ وَ بَیْنَهُمْ رَدْمًا۔ اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ حَتّٰۤى اِذَا سَاوٰى بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ قَالَ انْفُخُوْا۔ حَتّٰۤى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا قَالَ اٰتُوْنِیْۤ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا۔ فرمایا مردِ عرفانی نے جو کچھ قوت و کرامت مجھ کو میرے خالق تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے اس اصلاحِ عالمِ جسمانی کے بارے میں وہ ہی دولتِ رشد و ہدایت خیرِ ابدی ازلی ہے۔ ہاں اے مریدانِ غالبِ ناسوتی تم سب اپنے اپنے عزائمِ صادقہ اور قوتِ بصیرۃ کو اس صراطِ مستقیم میں صرف کر کے میرے ساتھ تعاون بر والتقویٰ قائم رکھو اور میرے پاس اپنے قلوبِ حدید ملکاتِ راسخہ و ہیئاتِ ثابتہ لے کر آؤ کیونکہ مرید باصفا کے لیے تین قسم کی مضبوط ہمتیں ضروری ہیں ۱۔ قلب اور دل لوہے کی طرح باہمت ہو کر باطل کے مقابل سخت اور حق کی تپشِ عشق کے سامنے نرم ہو ۲۔ ملکہ راسخ ہو یعنی منزلِ شوق چلنے کا شاندار طریقہ و تجربہ ہو ۳۔ ہیئاتِ ثابتہ ہو یعنی کیفیت اور مستقل مزاجی ہمیشہ ایک جیسی پائیدار رہے۔ تب ہی مرشدِ کامل سے تعاون رہبری کر سکتا ہے ردمًا وہ قوتِ ارادی ہے جو خیر و شر مکر و فن، حیلہ و ظن کے درمیان ایسی مضبوط حدِ فاصل ہے جس سے ہزاروں بار یاجوجِ باطل ماجوجِ شر بھی ٹکرائیں تو بھی مرشدِ کامل کی یہ آڑ و پردہ ذہنِ مرید سے ہٹا نہیں سکتے۔ یہاں تک کہ حفاظتِ مخلصین کی دیوارِ تصورِ شیخ جب اوقاتِ حیات کے تمام لمحات دھر یہ برابر محیط ہو جاتی ہے اور بنیادِ ظلمۃ بابِ فکریاتِ خبیثہ کا دروازہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جاتا ہے تو مرشدِ کامل کا دوسرا سبق پیشوائی شروع ہوتا ہے قَالَ انْفُخُوْا فرماتا ہے کہ اے مریدانِ معاونین ورد و ذکر۔ اوراد و وظائف عشقِ الٰہی کے انفاسِ جارہ اور تپشِ جلالِ محبت کی پھونکیں مارتے رہو۔ یہاں تک کہ جب حرارۃ ذکرُ اللہ اور اطاعۃ فکرُ اللہ سے تمام اعضاءِ باطنی شعلۂ عشق سے مثل نار ہو جائیں اور نارِ عشق ان تمام کو بھی اپنی مثل بنا دے یہاں سے مرشد و رہبر کا تیسرا سبق شروع ہوتا ہے قَالَ اٰتُوْنِیْ فرماتا ہے اب لاؤ میرے حضور میں جو ہر محبتِ صادقہ کا پگھلا تانبۂ خلوص اور کیمیاءِ اخلاص میں خود مریدانِ باصفا کے قلب و جگر پر انڈیلیں تاکہ سویداتِ قلوب کی گہرائی کے گوشے گوشے میں وہ نارِ قطران داخل و نافذ ہو جائے اس طرح کہ پھر تا قیامت کی کیدِ شیطانی اور مکرِ ابلیسی کا دخول ذہنِ مومن میں نہ ہو سکے اور کوئی وسوسہ خناسی اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِیْقٌ بِالْقَلْبِ کی دیوار سَكَّاِیْنِ وَبَنَّا دِمِّنَا فَیْنِ کو کسی طرح عبور نہ کر سکے فَمَا اسْطَاعُوْۤا اَنْ یَّظْهَرُوْهُ

وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ۔ تو اشرار یاجوجی و اغیار ماجوجی نہ طاقت پا سکتے ہیں کہ دیوار سکندر باطنی پر چڑھ سکیں علیہ یا قبضہ پاسکیں نہ یہ قوت و ہمت رکھتے ہیں کہ اُس میں اعمالِ خباثت سے نقب زنی کر سکیں اس فتح و کامیابی پر بھی مرشد و صادق کا یہ ہی وردِ آگاہی ہوتا ہے کہ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ حَقًّا ۔ احیاءِ حق کے یہ تمام انتظام و انصرام میرے ربِ کریم خَالِقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِيْنَ ۔ کی طرف سے بخشش و عطا ہے۔ اب یہ حفاظتِ مُلکی تا قیامت قائم ہے پھر جب صبح وصورِ آخری وجود ناسوتی پر ظاہر ہوگا جو ازلی تقدیری وعدہ ربی ہے تو اسی جدارِ جسد و دم کو امرِ کُن سے فنا کے حصّوں میں شامل کر دے گا۔ اور میرے رب قہار کا وعدہ ابدًا حق ہے فرمایا آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سیلابِ شیطنیت کو روکنے کے لیے سب سے بڑی دیوار عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ ہے جس نے اپنے اوپر سنتِ مطہرات کو زندہ کیا اُس نے دین اسلام کو ظاہر و باطن میں زندہ کیا اور جس نے دین کو زندہ کیا وہ کل قیامت میں سرکارِ غوثیہ کے جھنڈے کے نیچے ہوگا غلامانِ شہنشاہِ بغداد کی صفوں میں شامل ہوگا۔ اہلِ اسرار نے فرمایا کہ ظاہر ارضی کا سکندر ذوالقرنین کل زمین جسمانیت کا فاتح و مالک ہوا لیکن عالمِ روحانیت کا ذوالقرنین لاثانی شہنشاہ بغداد عبدالقادر جیلانی کہ نقشبندیت کا خلوت گاہِ مغرب الشمس اور چشتیت کا عالمِ جلوت کا مطلع الشمس اور سہروردیت کا مقامِ بعید بین السدین ان ہی کی فتوحاتِ روحانی و مملوکاتِ عرفانی و ملفوظاتِ ایمانی ہیں۔ یہ وہ سب سے بڑی عزت و دولت اور فضیلت و ثروت ہے جو آقاء قلب و عقل روح و بدن صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس مردِ کامل شخصِ خالق کو عطا فرمائیں جس کا اسم ظاہری محی الدین ہے اور لقب باطنی ماحی سُنّت ہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ ہر قالبِ بشری کے چار ہی کنارے ہیں (۱) مقامِ ولایت سکندری یہ قلب شاہی ہے (۲) مَغْرِبَ الشَّمْسِ یہ فناءِ نفسِ اَمّارہ کا مقبرہ ہے (۳) مَطْلِعَ الشَّمْسِ یہ بستیِ عقلِ سلیم کا علاقہ ہے (۴) بَيْنَ السَّدَّيْنِ جسدی یہ سدِّ سکندری مرشدِ ضمیرِ باطنی کی دیوارِ حرم کا کوہسار حدودِ شریعت اور پابندیٔ طریقت کا مقامِ اسرار ہے یہیں پر مرید صادق کو اَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ۔ اور اٰتُوْنِيْٓ اُفْرِغْ ۔ کے تین اسباق پڑھائے جاتے ہیں۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ ۔ (از تفسیر نیساپوری مع زیادت)

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ

اور گویا چھوڑ دیا ہم نے ان یاجوج ماجوج کے بعض کو بعض میں کہ اس دن موج در موج بھیڑ کرتے نکلیں گے اور پھر پھونکا جائیگا

اور اُس دن ہم انہیں چھوڑ دیں گے کہ ایک گروہ دوسرے پر ریلا آوے گا اور صور

فِی الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿۹۹﴾ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ

صور میں پھر جمع کریں گے ہم ان انسانوں کو ایک دم جمع اور سامنے پیش کریں گے ہم اس دن

پھونکا جائے گا تو ہم سب کو اٹھا کر لائیں گے اور ہم اس دن جہنم

یَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِیْنَ عَرْضًا ﴿۱۰۰﴾ الَّذِیْنَ كَانَتْ اَعْیُنُهُمْ

جہنم ان کافروں کے لیے پیش کرنا جن کی آنکھیں

کافروں کے سامنے لائیں گے وہ جن کی آنکھوں پر

فِیْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِیْ وَكَانُوْا لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ

میرے ذکر قرآن سے موٹے پردوں میں چھپی تھیں اور نہیں ہمت کرتے تھے وہ

میری یاد سے پردہ پڑا تھا اور حق بات سن نہ سکتے

سَمْعًا ﴿۱۰۱﴾ اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَنْ یَّتَّخِذُوْا

سننے کی بھی، تو کیا کفار نے یہ وہم کر لیا ہے کہ میری مخلوق کو

تھے۔ تو کیا کافر یہ سمجھتے ہیں کہ میرے بندوں کو میرے سوا

عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْۤ اَوْلِیَآءَ ؕ اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ

میرے مقابلے کے لیے اپنا مددگار بنا لیں گے بے شک ہم نے تو جہنم کو تیار کر رکھا ہے

حمایتی بنا لیں گے بے شک ہم نے کافروں کی مہمانی کو جہنم

لِلْكٰفِرِیْنَ نُزُلًا ﴿۱۰۲﴾ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ

تمام کافروں کے لیے ہمیشہ کا مہمان خانہ آپ فرمائیے کیا ہم تم کو بتا نہ دیں اعمال میں بہت ہی نقصان والوں

تیار کر رکھی ہے تم فرماؤ کیا ہم تمہیں بتا دیں کہ سب سے بڑھ کر ناقص عمل

اَعۡمَالًا ﴿۱۰۳﴾

کے بارے میں

رکن کے ہیں

تعلقات اِن آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیت میں یاجوج وماجوج کو دیوار کے پیچھے قید کر دینے کا ذکر ہے اور فرمایا گیا کہ اپنے زور و قوت سے نکل نہیں سکتے اب اِن آیات میں قریب قیامت اُن کے نکالے جانے کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں اس دیوار کی مضبوطی کا ذکر اور پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اس دیوار کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کا ذکر ہوا۔ اب اِن آیات میں ان کے انجام اور باہر نکلنے کی وجہ کا ذکر ہو رہا ہے کہ ان کا نکلنا میدان محشر کی حاضری کی بنا پر ہے۔
تیسرا تعلق پچھلی آیت میں ایک بہت مضبوط اور جابر ظالم طاقتور قوم یاجوج وماجوج کا ذکر اور اُن کی مجبوری بے بسی بیکسی کا ذکر ہوا۔ اب اِن آیات میں ذکر فرمایا گیا کہ اے کافرو تم اللہ تعالیٰ کے مقابل اُس کے بندوں کو اس کی مخلوق کو مددگار بناتے ہو جب اِن کے طاقتوروں کی یہ بے بسی ہے تو دوسروں کی کیا ہمت۔

تفسیر نحوی وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا۔ وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضَا۔ اَلَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا۔ واؤ سر جملہ تَرَكْنَا فعل ماضی مطلق بمعنی مستقبل، کیونکہ آئندہ کی خبر کو یقینی بتانے کے لیے فعل ماضی کا استعمال ہو جاتا ہے۔ نَا ضمیر جمع متکلم اس کا فاعل ہے مراد اللہ تعالیٰ ہے بَعْضَ اسم مفرد جامد بمعنی کچھ کُل کے مقابل جز آدھے کو بھی بعض کہا جاتا ہے اور آدھے سے کم کو بھی آدھے سے زیادہ کو بعض نہیں کہا جاتا۔ لہٰذا لاکھوں تک بھی بعض کی تعداد ہو سکتی ہے جب کہ کُل اُس سے دگنا ہو، مضاف ہے ھُم مضاف الیہ اس کا مرجع یاجوج ماجوج یہ مرکب اضافی مفعول یہ یوم مضاف بمعنی دن اِذْ اسم ظرف زمانی مبنی مضاف الیہ ترجمہ ہے اس دن یہ مرکب اضافی موصوف ہے یَمُوْجُ فعل مضارع باب نَصَرَ، مَوْجٌ مصدر ہے بمعنی لہریں اُٹھنا، مضطرب اور پریشان ہونا پریشان کرنا، سمندر کے پانی کا زوردار اُٹھنا دریا کی موجیں، مراد ہے کثرت اور تیزی سے دوڑنا، ھُوَ ضمیر اس میں پوشیدہ جس کا مرجع بَعْضَهُمْ ہے فِيْ بَعْضٍ جار مجرور متعلق ہے یَمُوْجُ کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے یَوْمَئِذٍ کی مرکب توصیفی ظرف ہوا تَرَكْنَا کا، سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا، واؤ سر جملہ، نُفِخَ، ماضی مطلق مجہول باب نَصَرَ، نَفْخٌ سے مشتق ہے بمعنی پھونکنا پھونک مارنا بجانا فِیْ حرفِ [illegible] مد، بمعنی اکھو کھلا کیا ہوا

سینگ یا دھات کی بنی ہوئی پھونکنی، جس میں پھونکنے سے ناقوس جیسی اریک چیخ یا ناقوس جیسی موٹی بھدی چنگھاڑ کی مثل آواز نکلتی ہے جیسے پہلے زمانے میں جنگی بگل یا قوسِ رحلت کی آواز یا آج کل خطرے کا الارم یہاں مراد قیامت کا وہ نفخہ ہے جو حضرت اسرافیل علیہ السلام پھونکیں گے۔ اس بگل کی بناوٹ کی حقیقت رب تعالیٰ بہتر جانتا ہے مرقات شرح مشکوٰۃ میں اس کو صرف سینگ اور قرن فرمایا گیا ہے۔ ایک قرأت میں صُوَر ہے صُوْرَۃٌ بمعنی انسانی جسم کی جمع مگر یہ غلط ہے کیونکہ ایک آیت میں نُفِخَ فِيْهِ ۔ بھی واحد کی ضمیر سے ارشاد ہوا ہے جس سے صور کا واحد ہونا ثابت ہے۔ یہ جار مجرور متعلق ہے نُفِخَ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا، ف تعقیبیہ، جَمَعْنَا ، فعل ماضی مطلق جمع متکلم نا ضمیر اس کا فاعل مرجع اللہ تعالیٰ بابِ فَتَحَ، جَمْعٌ سے مشتق ہے متعدی ہے ترجمہ ہے جمع کرنا هُمْ ضمیر جمع غائب کا مرجع تمام انسان یا صرف یاجوج ماجوج جَمْعًا۔ اسم مصدر مفعول مطلق ہے۔ جَمَعْنَا کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ سے جملہ عَرَضْنَا، فعل ماضی مطلق جمع متکلم عَرْضٌ سے مشتق ہے بمعنی پیش کرنا جَهَنَّمَ اسم مفرد معرب جامد۔ یعنی عجمی لفظ کو عربی بنایا گیا، مفعول بہ ہے يَوْمَئِذٍ، مرکب اضافی ظرف ہے لِلْكٰفِرِيْنَ۔ کافروں کے لیے یہ جار مجرور متعلق ہے عَرَضْنَا کا عَرْضًا، اسم مصدر مفعول مطلق ہے۔ اَلَّذِيْنَ۔ اسم موصول جمع مذکر كَانَتْ فعل تامہ، اَعْيُنُ اسم جمع مکسر اس کا واحد ہے عَيْنٌ بمعنی آنکھ هُمْ ضمیر مجرور متصل مضاف الیہ اس کا مرجع کٰفِرِيْنَ یہ مرکب اضافی فاعل ہے كَانَتْ کا فِيْ جارہ ظرفیہ مکانی کے لیے غِطَآءٍ اسم مفرد جامد بمعنی موٹے کپڑے کا پردہ یا کسی دھات کا ڈھکن۔ یہاں مراد ہے جہالت اور غفلت۔ یہ جار مجرور متعلق اوّل ہے عَنْ حرف جر زوال ذِكْرِيْ مرکب اضافی یعنی میرے ذکر سے یہ جار مجرور متعلق دوم ہے كَانَتْ فعل اپنے فاعل دونوں متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ تامہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر صفت ہے کافرین کی وہ موصوف صفت مل کر متعلق ہے عَرَضْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ سے جملہ بیانیہ تب یہ اگلا جملہ علیحدہ مکمل ہے بعض نے کہا واؤ عاطفہ اور عطف ہے كَانَتْ پر كَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ فعل ماضی استمراری منفی جمع مذکر غائب هُمْ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل مرجع کافرین ہے سَمْعًا، اسم مصدر، مفعول بہ ہے، یہ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا۔ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ۔ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ۔ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۔ اَ ۔ ہمزہ سوال انکاری وجھڑک ذو توبیخ کے لیے [illegible] عبارت اس طرح ہے کہ کیا

کفار نے اس لیے عقلی ہیں کفر کیا کہ گمان کر بیٹھے، حَسِبَ، فعل ماضی مطلق باب شاذ کا پہلا حَسْبٌ سے مشتق ہے بمعنی گمان وخیال اور وھم کرنا، دو مقابل مخالف چیزوں میں سے ایک کو صحیح سمجھنا حَسْبٌ ہے اور جب دونوں چیزوں پر ایک برابر خیال ہو تو ظن ہے یہاں حَسْبٌ بمعنی ظن ہے یہ فعل افعالِ قلوب میں سے ایک ہے افعالِ قلوب کل سات ہیں ۱ عِلْمٌ ۲ ظَنٌّ ۳ خِلٌّ ۴ رَأْیٌ ۵ وَجْدٌ ۶ زَعْمٌ ۷ حَسْبٌ یہ فعل ہمیشہ دو اسموں یا دو جملوں سے پہلے آتا ہے اور وہ دونوں اس کے مفعول بہ ہوتے ہیں ان کی چار خصوصیات ہیں ۱ یہ کہ اس کے دونوں مفعول ظاہراً یا معناً حکماً باقی رہتے ہیں ۲ اگر یہ افعال درمیانِ کلام یا آخر میں آجائیں تو عملاً لغو ہونا بھی جائز ہے ۳ اگر ان کے بعد سوال یا حرفِ نفی (منفی کلام) یا لامِ ابتدا آجائے تو ان کا عمل معلق ہوتا ہے ۴ کبھی ان کا فاعل ومفعول ایک ہی شخص ہوتا ہے مثلاً میں نے یا تو نے یا اس نے اپنے بارے میں خیال کیا عقل اور دل کے کاموں کو افعالِ قلوب کہتے ہیں خواہ غلط ہو یا صحیح یہاں اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا حَسِبَ کا فاعل ہے اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْ یہ مفعول بہ اول ہے، اور اَوْلِیَاءَ، یہ مفعول بہ دوم اصلاً معنیٰ یہ ہے کہ گمان کیا کافروں نے میرے بندوں کو اپنا مددگار، اگرچہ ظاہری ترکیب میں اَوْلِیَاءَ یَتَّخِذُوْا کا مفعول دوم ہے

بابِ افتعال مضارع معروف اَخْذٌ سے بنا ہے اس کا مصدر ہے اِتِّخَاذٌ دراصل اِئْتِخَاذٌ تھا اِیْتِخَاذٌ ہوا پھر اس کو اِتِّخَاذٌ بنایا گیا، اس کا لغوی ترجمہ ہے بنانا، پکڑنا، لینا، مگر یہاں مراد حاصل کرنا۔ یعنی کیا کفار سمجھتے ہیں کہ ان کی دوستی یا مدد حاصل کر لیں گے۔ حَسِبَ فعل اپنے فاعل اور مفعول ظاہری وباطنی سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا لفظ دُوْن پانچ معنی میں مشترک ہے ۱ مقابل ۲ سوا ۳ حفاظت ۴ بغیر ۵ بدلہ، یہاں پہلے معنی میں ہے اس لحاظ سے مِنْ دُوْنِ بھی چند قسم کا ہو گیا اِنَّا اِنَّ حرف مشبہ نَا ضمیر جمع متکلم اس کا اسم منصوب متصل، اَعْتَدْنَا بابِ افعال کا ماضی مطلق جمع متکلم، اس کا مصدر ہے اِعْتَادٌ۔ عَتَدٌ۔ سے بنا ہے بمعنی تیار کرنا ہر حالت میں متعدی ہوتا ہے (مصدر بھی مادہ بھی) جَہَنَّمَ۔ اس کا مفعول بہ اول ہے۔ لِلْکٰفِرِیْنَ یعنی کافروں کے لیے۔ لام نفع کا، یہ جار مجرور متعلق ہے، نُزُلًا۔ اسم مبالغہ مفرد ہے ظرفِ مکانی کے لیے بمعنی مہمان خانہ مفعول بہ دوم ہے اَعْتَدْنَا کا ایک قول میں یہ جمع ہے نَزِیْل کی بمعنی مہمان، تب لام لِلْکٰفِرِیْنَ کا مفعولیت کا ہو گا۔ اور ترجمہ ہو گا ہم نے بنایا جہنم کے لیے کافروں کو مہمان، مگر پہلا قول درست ہے، ایک قرأت میں نُزْلًا ہے، اسی سے ہے تَنْزِیْلٌ نَازِلٌ۔ مُنْزِلٌ نُزُوْلٌ۔ اَعْتَدْنَا۔ اپنے فاعل دونوں مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر ہوئی اِنَّ کی سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا قُلْ۔ فعل امر حاضر واحد مذکر، یا فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا ھَلْ حرفِ استفہام ہے۔ حروفِ سوالیہ چار ہیں ۱ ھَلْ ۲ اَمْ منصلہ ۳ اَ (ہمزہ) ۴ کَمْ استفہامیہ۔ ھَلْ کبھی خبریہ بھی ہوتا ہے تب اس کا ترجمہ ہوتا ہے بے شک قَدْ کے مثل اس میں سوال صرف موجود ہو یا ثبوت کی تصدیق کا ہوتا ہے انکاری یا تصدیقی

وغیرہ سوال نہیں ہوتا حل ہمیشہ فعل مضارع پر آتا ہے بمعنی مستقبل مگر کبھی ماضی پر ہی آجاتا ہے نُنَبِّئُ، باب تفعیل کا مضارع جمع متکلم نَبِیٌّ یا نَبَأٌ سے مشتق ہے بمعنی غیبی خبر دینا۔ کُمْ ضمیر جمع حاضر مرجع ہے کافرین۔ بِ حرفِ جارّہ بمعنی فی ظرفیہ، ترجمہ ہے بارے میں۔ الف لام استغراقی بمعنی تمام اَخْسَرِیْنَ، اسم تفضیل جمع مذکر بحالت کسرہ خُسْرٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے گھاٹے والے یہ جار مجرور متعلق ہے نُنَبِّئُکُمْ کا۔ اَعْمَالًا۔ اسم جمع مکسّر۔ اس کا واحد ہے عَمَلٌ۔ بمعنی ہاتھ پیر و دیگر اعضاءِ جسمانی کے اُخروی کام۔ بحالتِ نصب ہے تمیز ہے اَخْسَرِیْنَ کی ممیز تمیز مل کر مجرور ہو کر متعلق ہے نُنَبِّئُ کا فعل اپنے پوشیدہ فاعل کُمْ و مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا ۝ وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِلْكَافِرِينَ عَرْضًا ۝ الَّذِينَ كَانَتْ أَعْيُنُهُمْ فِي غِطَاءٍ عَنْ ذِكْرِي وَكَانُوا لَا يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا۔ اِن آیت کی مراد میں مفسرین کے تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ تَرَكْنَا بَعْضَهُمْ سے یاجوج ماجوج مراد ہیں اور معنیٰ ہے کہ قریبِ قیامت جب یہ دیوار ٹوٹے گی تو یاجوج و ماجوج اس بھیڑ بھاڑ سے بھاگتے دوڑتے وحشیانہ انداز میں نکلیں گے اور اپنی بے انتہا کثرت کی بنا پر سمندر کے بے انتہا پانی کی طرح ٹھاٹھیں مارتی ہوئی موجوں کے مشابہ ایک دوسرے پر چڑھتے چلے آئیں گے جیسا کہ احادیثِ مبارکہ میں آتا ہے کہ یہ قوم سیلاب کی طرح ہر ٹیلے اور درخت مکان دکان کھیت کھلیان در و دیوار جمادات و حیوانات و انسانات کو روندتے توڑتے پھوڑتے کھاتے چباتے مٹاتے مٹاتے ساری زمین پر پھیلتے ہی چلے جائیں گے گویا کہ اُس دن روئے زمین پر اُن کی تخریبی حکومت قائم ہو گی جو چالیس دن تک رہے گی ان کے مقابل نہ کوئی آسکے گا نہ کوئی بچ سکے گا۔ زمین پر کوئی اونچی نیچی جگہ مکان تعمیرات وغیرہ کا نام و نشان بھی نہ رہے گا چٹیل میدان کی طرح ہموار ہو جائے گی غالباً حشر قائم کرنے کے لیے قدرت کے انتظامات ہوں گے اور اس وحشی قوم سے بلا اُجرت یہ کام لیا جائے گا تمام دریاؤں نہروں تالابوں کا پانی پی کر ختم کر جائیں گے یہاں تک کہ سمندر بھی ان کے پینے سے یا قدرتِ الٰہی سے ختم ہو جائے گا۔ یہ واقعہ دجّال کے قتل کے بعد ہو گا۔ دجّال کے تمام ماننے والے کفار کو یہ یاجوج و ماجوج ہی کھا جائیں گے۔ اس طرح بہت سی ظاہری باطنی غلاظتوں سے زمین پاک ہو جائیگی۔ یاجوج و ماجوج کا سدِ سکندری سے باہر نکل آنا قیامت کی نشانیوں میں سے ایک ہے چنانچہ ابوداؤد شریف جلد دوم میں باب امارات قیامت کے اندر نو چیزیں قیامت کی بڑی نشانیوں میں مذکور ہیں ۱۔ دجال کا آنا ۲۔ امام مہدی کا پیدا ہونا ۳۔ عیسٰی علیہ السّلام کا نزول ۴۔ دابۃ الارض کا ظاہر ہونا ۵۔ دہشت ناک زلزلے آنا ۶۔ جگہ جگہ سے زمین دھنسنا ۷۔ سدِ سکندری ٹوٹنا ۸۔ یاجوج ماجوج کا نکل آنا یاجوج ماجوج صرف تین شہروں میں نہ جا سکیں گے ۱۔ مدینہ [illegible] کسی مسجد میں پوشیدہ بیٹھا یا عبادت

میں مشغول ہوگا۔ دجال ان چار جگہ نہ جا سکے گا۔ ۹ زمین کے اندرونی خزانے نکلنا، ہمارے زمانے کے کچھ اردو مفسرین و مصنفین نے لکھا ہے کہ یاجوج ماجوج سے مراد چنگیز اور ہلاکو خان کے لشکر ہیں اور تَرَکْنَا بَعْضَهُمْ (الخ) سے مراد تاتاری حملے ہیں یہ سب غلط اور اوٹ پٹانگ باتیں ہیں۔ اور ایسی بیہودہ باتیں لکھنا تفسیر نہیں بلکہ قرآن مجید کی تحریف اور گستاخی ہے۔ اس لیے کہ جب تک دیوارِ سکندر قائم وہ نکل نہیں سکتے اور دیوار تو ابھی بھی قائم ہے۔ جو تسلیم ہے تو پھر نکلنا کیسے ہوا اور پھر جب اب تک تاتاریوں کے روپ میں یاجوج ماجوج ہر جگہ دندناتے پھر رہے ہیں تو دیوار بنانے کا فائدہ ہی کیا ہوا۔ بہرکیف اس طرح کے مفسرین ہر دور میں ہوتے ہی رہتے ہیں دوسرا قول یہ ہے کہ تَرَكْنَا (الخ) سے مراد ہے کہ سدِ سکندری کی تعمیر و تکمیل کے وقت ہم نے تمام قوم یاجوج ماجوج کو ان کے اپنے کوہستانی رہائشی علاقے دیوار کے اس پار چھوڑ دیا کہ اب وہ تا قیامت اپنے ہی علاقے میں دندناتے پھریں گے نہ دوسری طرف آ سکیں گے نہ ہی وہ ظلم ڈھا سکیں گے نہ ان کو کوئی دیکھ سکے گا اور یہ غیبی خبر اب تک بالکل درست ثابت ہو رہی ہے کہ اتنی سائنسی ترقی کے باوجود اتنی بڑی قوم کا پتہ آج تک کوئی نہ لگا سکا نہ جہاز نہ راکٹ ان پر اڑان کر سکا۔ پہلی تفسیری بات آیات کے سیاق کے بنا پر ہے اور درست بھی ہے۔ یہ دوسرا تفسیری قول تَرَكْنَا کے فعل ماضی فرمانے کے ظاہری اعتبار پر کیا گیا تیسرا قول جو ان آیت کے سیاق اور اگلی روش ذکرِ قیامت اور نفخِ صور کی مماثلت میں یہ کہا گیا کہ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ (الخ) سے مراد ہے قیامت کے دوسرے صور پھونکنے کے وقت تمام انسان، جنات، جنتی دوزخی اچھے بُرے چھوٹے بڑے مُردوں کا زندہ ہو کر میدان محشر کی طرف بھاگنا دونوں نفخوں کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہوگا یہ بھی سمندر کی بیکراں موجوں کی طرح عجیب صیبت ناک نظارہ ہوگا وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب اس تفسیر کے مطابق نُفِخَ سے دوسرا صور مراد ہے کیونکہ اس کے بجنے پر تمام لوگ زندہ ہو کر قبروں سے نکل پڑیں گے۔ اس کے بعد میدانِ محشر کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے کہ جن کافر لوگوں نے دنیا میں اپنی آنکھوں کو ضد فساد کفر شرک گستاخیٔ نبوت کے پردوں میں لپیٹ لیا ہے کہ ان کی آنکھیں چاروں طرف سے موٹے پردوں میں ہیں اور یہ دشمن و مخالف ان خود ساختہ پردوں کو ہٹانے کی کوشش بھی نہیں کرتے ہم قیامت میں ان کی انہی آنکھوں پر بصارت کی تیز دوربین لگا دیں گے اور جہنم کو سامنے بالمقابل کر دیں گے کہ چونکہ تمہاری آنکھوں نے حیاتِ دنیوی میں حقانیت ایمانیت روحانیت اور شانِ نبوت کو نہ دیکھا تھا لہٰذا اب اپنے دائمی ٹھکانے جہنم کو خوب دیکھ لو دنیا میں حق سے تو تم نے آنکھیں بند کر لیں تھیں (مگر اب نہ بند کر سکو گے۔) یہ دیدار صرف کفار کو ہوگا مومن جہنم کو نہیں دیکھ سکیں گے یہ دیکھنا ایسا ہی ہوگا جیسا کہ آنکھوں پر دوربین لگانے والا ان دور کی چیزوں کو بھی بالکل قریب دیکھ لیتا ہے جو دوسروں کو نظر نہیں آتیں یہ مطلب نہیں کہ دوزخ کو اٹھا کر میدان محشر میں لایا جائے گا دوزخ اپنے مقام پر ہی رہے گی مگر

آڑھت جائے گی اور کفار کی نگاہیں مثل دوربین تیز ہو جائیں گی عرضنا کے تین معنی ہیں ۱ میدانِ محشر ہی سے ہی جہنم کو دیکھ لیں گے اسی مشاہدہ کو مجازاً عرضنا یعنی پیش کرنا فرمایا گیا ۲ عرضنا کا معنی ہے عطا کرنا جیسے کہا جاتا ہے کہ میں نے فلاں کو اپنا مکان پیش کیا ۳ یہ کلام داخلے کے بعد کا ہے یعنی جہنم میں داخل کرنا وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ ذِکْرِیْ سے مراد قرآن مجید ہے چونکہ قرآن کریم یا دو چیزیں ہیں آنکھوں سے دیکھنا اور کانوں سے سننا۔ مگر کفار دونوں میں سے کچھ بھی حاصل نہیں کرتے خود تو اس لیے نہیں دیکھتے کہ اُن کی آنکھیں پردے میں ہیں اور کسی کی سنتے بھی نہیں اگر کوئی دوسرا بھی اُن کو سناتے سمجھانے کی کوشش کرے کتنی ہی محبت شفقت کا زور لگا کر بولے اور اللہ رسول کے احکام فرمان وکلام سنانے کی کوشش و تبلیغ کرے مگر توجہ نہیں دیتے اس لیے کہ وَکَانُوْا لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَمْعًا وہ سننے کی طاقت و قوت ہی نہیں رکھتے بہرے نہیں ہیں بہرہ تو پھر کچھ چیخ دھاڑ سن لیتا ہے مگر ان کے پاس تو کان ہی نہیں ہیں وہ آلہ ہی نہیں جس سے سننے کی کچھ ہی طاقت آجائے اور یہ ان کی اپنی حرکت ہے کہ انہوں نے حق سننے والی آنکھوں کو پھوڑا اور کانوں کو توڑا اسی کے بدلے میں آج میدانِ محشر میں جہنم کو دیکھنے اور اس کی بھڑکتی آوازوں کو سننے کے لیے آنکھوں پر بصارت اور کانوں میں سماعت بھر دی گئی کہ دوزخ کو قریب سمجھ کر دیکھیں بھی اور اُس کی بھڑکیلی آوازیں سنیں بھی اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْٓ اَوْلِیَآءَ ۔ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِیْنَ نُزُلًا قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا ۔ تو کیا یہ اندھے بہرے کفار یہ یقینی بھروسہ کر بیٹھے ہیں کہ میرے ہی مقرب بندوں کو یا کسی مخلوق کو میرے مقابل مددگار بنا لیں گے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نیک اور پاکیزہ بندوں سے جھوٹی اور ناجائز محبت کر کے اُمید اور آس لگا بیٹھیں کہ ہمارے کفر و شرک کے باوجود یہ مقربین مددگار بن جائیں جیسا کہ یہودیوں نے حضرت موسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام سے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ سے شیعوں نے حضرت علی سے فرقہ غوثیہ نے غوث پاک سے جھوٹی محبت بنا کر یہ بھروسہ کر لیا کہ یہ بزرگ ہمارے سارے کفر مٹا کر اللہ کے عذاب سے بچا لیں گے یہود نے عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہا نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کو شیعوں نے مولیٰ علی کو رب کہا فرقہ غوثیہ نے غوث پاک کو سارے انبیاء علیہم السلام سے افضل کہا۔ اس جھوٹی اور کفریہ محبت سے سمجھا کہ یہ ہم کو اللہ سے چھڑا لیں گے اس کی تردید فرمائی جا رہی ہے اَفَحَسِبَ میں سوال انکاری ہے یعنی ایسا گمان غلط نہ کرنا چاہئے۔ یا یہ سوال خبری ہے۔ کہ اگر یہ اولیاء بفرضِ محال بن بھی جائیں تب بھی مفید نہ ہوگا نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔ عِبَادِیْ سے مراد انبیاء اور ملائکہ ہیں اور یہ پاک بازہستیاں تو کافروں کے دلی مددگار بن سکتے ہی نہیں۔ یا مراد ہے عام [illegible] یہ [illegible] پاک [illegible] ب کاہن وغیرہ یعنی یہ

لوگ اگرچہ دنیا میں تو اولیاء بن جاتے ہیں مگر آخرت میں مدد نہ کر سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے عام مخلوق کو بھی عباد فرمایا چنانچہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ۔ یہاں حیوانات نباتات جمادات سب مراد ہیں اولیا بنانے سے مراد ہے معبود بنانا، یا مقابلے کا مددگار یا شفیع بنانا یعنی کسی قسم کا بھی ولی ہو اللہ کے مقابل مفید نہیں ہو سکتا اور کفار کا کسی ہستی پر یا غیر اللہ پر بھروسہ کر کے کفر و شرک کرتے رہنا سراسر نقصان دہ ہے اس لیے کہ اِنَّآ اَعْتَدْنَا بے شک ہم نے ہر قسم کے کافروں کے لیے جہنم کو بہت بُرا دائمی رہائشی ٹھکانہ مہمان خانہ بنا رکھا ہے۔ یہ کلام استہزائی ہے اسی طرح ایک جگہ ارشاد ہے کہ کفار کو خوش خبری سنا دو عذابِ اَلِیْم کی اور کہیں ارشاد ہے کفار سے کہ اے کافر تو عذابِ جہنم چکھتا رہ کیونکہ تو عزیز و کریم جو ہوا۔ وغیرہ وغیرہ فرما دیجئے اے محبوب کریم ان مشرکین مکہ سے جو یہودیوں سے پوچھ پوچھ کر امتحان کی غرض سے حضرت خضر اور ذوالقرنین کی واقعاتی و فتوحاتی خبریں پوچھتے ہیں کہ یہ سچی خبریں تو تم نے سن لیں کیا ہم کو ان بدنصیب اور بدبخت سرکشی اندھے بہرے اور گستاخ لوگوں کی بھی خبر نہ بتا دیں جو دنیا میں اعمال کے اعتبار بہت ہی گھاٹے والے ہیں جن کی آنکھیں عداوتِ مصطفیٰ کے موٹے پردوں میں اور گستاخی نبوت کی ڈاٹ کانوں میں ہے۔ مولیٰ علی شیرِ خدا نے فرمایا اَخْسَرِیْنَ سے مراد خارجی رافضی ہیں۔ ابن عباس نے فرمایا راہب پادری، کاہن جوگی سادھو اور ساحر و جادوگر ہیں۔ حضرت مقاتل نے فرمایا کہ دنیا پرست ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔ یہ سب ہی اقوال درست ہیں کیونکہ ان سب کے تمام دینی دنیوی اعمال اور مشقتیں محنتیں چلّے وظیفے، فاقہ کشی جو بھی دنیوی زندگی میں کرتے رہے آخرت میں سب برباد اور فنا ناکارہ ہوگا، گویا عمل دنیا میں خسارہ آخرت میں اَلْعِیَاذُ بِاللّٰهِ تعالیٰ ۔ (از تفسیر مظہری۔ فتح القدیر۔ ظلال القرآن، معانی۔ خازن مدارک صاوی)

فائدے ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں پہلا فائدہ۔ قیامت میں دوزخ مومنوں کی نگاہوں سے چھپی رہے گی میدانِ محشر میں صرف کافروں کو نظر آئیں گی ثابت ہوا کہ برا نظارہ بھی عذاب کی ایک ہلکی جھلک ہے جس سے مومن محفوظ رہیں گے یہ فائدہ عَرْضًا کے بعد لِلْکٰفِرِیْنَ کی تخصیص سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ۔ جن کے دلوں میں اللہ کے نبیوں اور ولیوں کی گستاخی اور بے ادبی بسی ہوئی ہے وہ بدنصیب اللہ کے پیارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چیزوں، قرآن و حدیث اور مناظرِ قدرت آیاتِ الٰہیہ کو نہ دیکھ اور سن سکتے ہیں نہ سمجھ سکتے ہیں یہ فائدہ فِیْ غِطَآءٍ کی پوری آیت سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے انبیاءِ کرام علیہم السّلام اور اولیاءِ مقربین ہر وقت ہر طرح امداد فرماتے رہتے ہیں لہٰذا اہلِ ایمان کو ان سے ان کی حیاتِ دنیوی اور حیاتِ برزخی میں مزارات پر جا کر مدد مانگی جا سکتی ہے مومنین کو تو دنیا و آخرت میں فائدہ پہنچتا ہی ہے دنیوی فائدہ غیر مسلم کو بھی پہنچ جاتا ہے۔ ہاں غیر مسلموں کافروں کو اُخروی فائدہ نہیں ملتا۔ یہ فائدہ عِبَادِیْ کے بعد مِنْ دُوْنِیْ فرمانے سے حاصل ہوا۔ جس نے ثابت کر دیا کہ اولیاء بھی

دو قسم کے ہیں اور اولیاء بنانے والے بھی دو قسم کے ہیں ۱ اولیاء اللہ ۲ اولیاء من دون اللہ - اہل ایمان اولیاء اللہ کا دامن پکڑتے ہیں کفار من دون اللہ کا۔

احکام القرآن ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ۔ مسلمانوں پر دیگر فرائض اور واجبات کے علاوہ یہ چیز بھی لازم اور ضروری ہے کہ اپنی دنیوی زندگی میں اچھی اور پاکیزہ چیزیں دیکھنے اور سننے کی عادت ڈالیں فلموں تماشوں اور بری کتابوں بدعقیدہ تحریروں سے اپنی آنکھ کان کو بچائے رکھیں۔ جو لوگ قرآن و حدیث کو چھوڑ کر گندی کتابیں پڑھنے کا شوق کرتے ہیں خطرہ ہے کہ بروز قیامت اُن کو بصیرت جہنم کا عذاب نہ پہنچے یہ مسئلہ عرضنا جہنم کے نفسیاتی اُخروی عذاب کے ذکر سے مستنبط ہوا اسی لیے کفار کی صحبت سے بچنے کا حکم ہے۔ **دوسرا مسئلہ**۔ شریعت اسلامیہ میں سب سے بڑا جرم ذکر اللہ سے غفلت ہے۔ کیونکہ اس غفلت کو کفار کی نشانی بنایا گیا لہٰذا ہر مسلمان کو ایسی غفلتوں سے بچنا چاہیے قیامت میں بھی سب سے بڑا عیب اور لائق سزا جرم شمار کیا جائے گا یہ مسئلہ فی غطاء عن ذکری کو کفار کی طرف منسوب کرنے اور مسلمانوں کو قرآن مجید کے ذریعے سنانے کی اشارۃ النص سے مستنبط ہوا **تیسرا مسئلہ** دنیوی کاموں میں مشغول ہو کر آخرت کو بھول جانا شریعت کے احکام میں سب سے بڑا حرام اور نقصان وہ ہے جو غافل مسلمان دین کے فرائض و عبادات کے وقت بھی دنیا کے دھندوں کاروبار اور تجارتوں میں اُلجھا رہے اور نمازوں عیدوں اور اوقات جمعہ کی پرواہ نہ کرے اُس کی سب کمائی حرام ہے یہ مسئلہ بالاخسرین اعمالا کی ایک تفسیر سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا للکفرین نزلا - لغوی اور تفسیری اقوال سے نزلا کا معنیٰ ہے مہمان خانہ۔ اور مہمان خانہ دوستوں کے لیے ہی ہوتا ہے۔ اور چند دن کے لیے عارضی طور پر ہوتا ہے۔ اگر کوئی مہمان خانہ اپنی عمارت کے اعتبار سے دائمی بنا بھی دیا جائے تب بھی اس میں آنے والے مہمان ہی ہوتے ہیں اور مہمان بذات خود بھی عارضی آتا ہے نہ کہ دائمی اس وضاحت سے ثابت ہوا کہ جہنم کفار کے لیے عارضی ٹھکانہ ہے نہ کہ دائمی (مرزائی قادیانی) **جواب**۔ اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ الزامی تو یہ ہے کہ تمہارے اعتراض اور وضاحت کے مطابق تو پھر جنت اور جنت کی رہائش بھی چند روزہ عارضی ہو کیونکہ اگلی آیت میں جنت فردوس کو بھی نزلا فرمایا گیا ہے تو تم جو جواب وہاں دو گے وہی ہم یہاں دے سکتے ہیں۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ یہ کلام استہزائی ہے جیسا کہ تفسیر عالمانہ میں بیان کیا گیا۔ یعنی کفار کو مزید شرمندگی اور حقارت کا عذاب دینے کے لیے طعن اور جھڑک کے الفاظ بولے گئے جس کی مزید مثالیں اور بھی بیان کی گئیں لہٰذا یہ حقیقی نزلا نہیں۔ ایک جواب یہ بھی ہو

سکتا ہے کہ نُزُلًا سے مراد ہے ملکیت نہ ہو تا یعنی جہنم کی رہائش دائمی جیل کی طرح ہو گی نہ کہ ملکیتی علاقہ کی طرح کفار اپنے اپنے جہنمی علاقہ کے مالک نہ ہوں گے۔ دوسرا اعتراض نبی ولی غوث قطب پیر فقیر اور ان کے تعویذ دھاگے کچھ فائدہ نہیں دے سکتے جو بھی ان کی مدد یا دستگیری کی آس امید لگائے رکھے وہ مشرک ہے اللہ نے قرآن میں یہاں صاف فرما دیا۔ اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا (الخ) اس لیے سنیوں کا عقیدہ غلط اور شرکیہ ہے کہ نبی ولی مدد کرتے ہیں (وہابی دیوبندی) جواب عجیب احمقانہ اعتراض ہے کہ استمدادِ اولیاءُ اللہ کا اس پوری آیت میں ذکر تک نہیں خود ہی مراد لے کر خود ہی اعتراض کرتا ہے یہاں ذکر ہے ولی بنانے کا اور وہ بھی مِنْ دُوْنِیْ ولی نہ کہ وَلِیَّ اللہ یعنی فرمایا یہ جا رہا ہے کہ انبیاء اولیاء علیہم السّلام کفار کے ولی نہیں بن سکتے نہ مدد کرتے ہیں ہاں البتہ مومنوں کے ولی بھی بنتے ہیں اور مدد بھی کرتے ہیں۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ۔ یعنی جہنم صرف کفار کے لیے بنائی گئی ہے۔ تو پھر مجرم فاسق مسلمان کیوں جہنم میں جائیں گے جواب اَعْتَدْنَا کا معنی ہے رہائش کے لیے تیار کرنا۔ رہائش صرف کفار کے لیے ہے مسلمان گناہگار تو صرف دھلنے کے لیے جائے گا۔ جیسے کہ صراف کی بھٹی میں کوئلہ ایندھن بھی گیا مگر مستقل رہنے جلنے ختم ہونے کے لیے اور سونا بھی گیا صاف ہونے کے لیے۔

تفسیر صوفیانہ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَاۗءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا۔ اور جب ابتلاء و آزمائش کی ساعاتِ قیامت آئیں گی تو ہم بیابانِ جسدی میں خواہشات حرص و ہوس کے قیدیوں کو نفس و شیطان کے میدان میں چھوڑ دیں گے تب اس دن شیطانیتِ ابلیس عروج پر ہو گی طوفانِ بے تمیزی سیلاب بے مزاجی کی موجیں اٹھیں گی اور ایک دوسرے کی فنا کا باعث بن جائیں گے بعض کی بعض میں قبض و بسط کی موت ہو گی۔ یہی دنیا اور اہلِ دنیا کا انجام ہے۔ اس عالمِ ناسوت میں دنیائے فانی کو صرف دنیا داروں کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے کہ موج در موج دنیاءِ ذلیل کے پیچھے بھاگتے ہیں کسی حرام و حلال جائز و ناجائز کی تمیز و پرواہ نہیں کرتے اہل طریقت کی اصطلاح میں یہی یاجوجِ نعیم و ماجوجِ لعین ہیں کینہ اور نفاق ان کی خصائلِ رذیلہ ہیں کیونکہ کینہ اور منافقت دنیا کی محبت اور جاہ و مطلب پرستی کا نتیجہ ہے دنیا کو ارشادِ نبوت میں اس لیے جیفہ فرمایا گیا ہے کہ دنیا پرست کو اپنے مقدس رشتے بھی یاد نہیں رہتے۔ اور جب حُبّ دنیا کے ضَافی الدنیا لوگوں پر عذابِ قہر و سزا و جبر کا صورِ آخریں پھونکا جائے گا تب گوشِ غفلت و ہوشِ رحلت بیدار ہو گا۔ پھر جمع فرمائیں گے ہم ان بھٹکے مزاج اور بکھری خواہشات اور ابلیسی آرزو والوں کو۔ اور جہنم فراق و عذابِ افتراق پر اس روزِ حسرت میں ایسے ہی کفرانِ نعمت کرنے والے کو پیش کریں گے جن کی چشمِ عبرت

لذاتِ دنیوی تمنائے خسروی کے غطاءِ ظلمت میں اندھی و بے بصیرت ہو چکی تھیں رہبران شریعت اور مرشدانِ حقیقتِ باطنی اور پیغاماتِ روشن ضمیری کے آوازِ لاہوتی کے باوجود میرے ذکر سے آنکھیں موڑ چکے تھے۔ غفلت کے موٹے پردوں میں اندھے بن چکے تھے اور انجامِ آخری کے سننے سے کانوں کی ہمت و طاقت نہ رکھتے تھے۔ ایسے بد نصیب کافرانِ مطلق غفلت کے پردوں میں جکڑے ہوؤں کا یہی انجام ہوتا ہے۔ حُبِ دنیا زہرِ قاتل ہے حُبِ دنیا کے چار ناسور ہیں ۱ ہوس ۲ لالچ ۳ کینہ ۴ غصہ۔ جب کسی کے دل سے دنیا کی محبت اور عزت کی طلب جاہ پرستی کی طمع نکل جاتی ہے تو وہ سا عاتِ دنیا کے کسی بھی علاقہ لمحات میں ہو مغرب الشمس کی شام ہو یا مطلع الشمس کی صبح بَیْنَ السَّدَّیْنِ کی دوپہر ہو یا ظلوتِ قلبِ سکندر کی آدھی رات کسی وقت بھی اُس مردِ منور کے دل میں کسی کے خلاف کینہ غصہ و انتقام کا جذبہ باقی نہیں رہتا مگر یہ مقامِ قدسی صرف محبتِ الٰہیہ سے حاصل ہوتا ہے اور محبتِ الٰہی صرف آستانہ اتباعِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہوتی ہے اسی لیے تمام عبادتوں میں ان دونوں نعمتوں کو شامل کرنا مومن کا فرضِ عظیم ہے پہلے اتباعِ آقائے کائناتِ صلی اللہ علیہ وسلم پھر محبتِ الٰہی اور پھر عبادات کی ریاضت فرضیہ نفلیہ واجبیہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کا خزانہ اتباعِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں ملتا ہے۔ اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْۤ اَوْلِیَآءَ ؕ اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِیْنَ نُزُلًا ۔ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا ۔ عجائباتِ عالم میں سب سے عجیب تر شخصیتِ انسانی ہے کہ دنیا پروری کے اعتبار سے ساری مخلوق میں سب سے زیادہ عقلِ کثیر کا مالک ہے آسمان و زمین کے قلابے ملا دیئے لیکن یہی انسان اپنی وجہ خلقت اور سببِ پیدائش کے بھولتے میں ظَلُوْمًا جَهُوْلًا اور اَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا ہے۔ اپنی بدعقلی کثیر کی بنا پر دشمن کو دوست اور کانٹوں کو پھول سمجھ جاتا ہے کبھی تو اتنا چالاک بنتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی نبوت کو بھی تسلیم نہیں کرتا اور کبھی اتنا احمق و بیوقوف کہ مٹی پتھر کو خدا اور الٰہ بنا لیتا ہے اپنے ہاتھوں کی تراش خراش اور گوندھی مٹی کی مورتی کو ہی بھگوان اور اوتار کے بناوٹی نام دے لیتا ہے کبھی ان ہی مورتیوں کو اللہ کا پیارا اور ولی سمجھ لیتا ہے اور کبھی محبوبانِ مقربین اولیاء اللہ کو اپنے کفر و شرک فسق و فجور لہو و لعب، عیش و طرب کا حامی سمجھ بیٹھتا ہے ایسے ہی بد نصیب ازل کے مردود دین کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ کیا کفارِ باطن مشرکین حقی نے اپنے ذہن شریر و تخیل خبیث میں یہ آس لگا رکھی ہے کہ میرے ہی محبوب بندوں کو میرے مقابل میری رضا و حکم اور ارادے کے بغیر اپنا دوست بنالیں گے کبھی کسی اہلِ عقل شریف النفس نے کسی بھی گندے مندے بدبودار غلیظ و نجس العین نجاستِ ظاہری میں لتھڑے ہوؤں کو دوست بنانا تو درکنار اسے قریب بھی پھٹکنے دیا ہے ایسے ہی کفر کی غلیظ

نجاست لگے بدبودار سڑاند کے بھبھو کے پھوٹے ہوؤں کو کوئی اپنے قربِ خاص میں جگہ دینے کو تیار نہیں ہو سکتا۔ ایسے نجس لوگوں کے لیے بس وہی قعرِ مذلت ہے جو اِنَّا اَعْتَدْنَا بے شک ہم نے ہی تیار فرمائی ہے جہنم رسوائی و ذِلّت کُفرانِ نعمت کرنے والوں کے لیے قبض و لبسط و حبسِ دائمی و خلودِ اَبدی مہمان خانہ۔ اے محبوبِ ازلی قلبِ منوّر فرما دے کہ کیا تم جیسے مُخْلِیْ عَنِ النَّفْسِ کو ہم آج اسی دنیاءِ فریب میں خبر نہ سنا دیں کہ کون لوگ اعمال کے سب سے زیادہ نقصان نما والے ہیں۔ ہمارے پیاروں کی دوستی کو اگر چاہتے ہو اور محبوبِ بندگانِ الٰہی کی ولایت و حمایت کے اگر طلب گار ہو تو اس دنیاءِ ناسوتی میں فقط وہی رزقِ صراط کا طریقہ و ذریعہ حاصل و اختیار کرو جو ہمارے رسول تم کو عطا فرمائیں اور اُن تمام اَشیاء سے دور ہٹ جاؤ جس سے ہمارے ازلی ابدی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تم کو روکیں اگرچہ تمہاری عقلِ فتور میں وہ اَشیاء کتنی ہی اچھی مفید لگتی ہوں اسے دنیاءِ رذیل کے عیاشو ہمارے محبوب بندوں کی دوستی حاصل کرنے کے لیے تم کو خود پہلے عبادتی بننا پڑے گا۔ جو صرف غلامیِ رسالت پناہِ عالم میں ہے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔ (از تفسیر ابن عربی مع زیادت)

اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ

وہ اخسرین وہ لوگ ہیں کہ سچی راہ سے ہٹ گئی جن کی عملی محنت کرنی دنیوی زندگی میں حالانکہ وہ یہی گمان کرتے رہے

اُن کے جن کی ساری کوشش دنیا کی زندگی میں گم ہو گئی اور وہ اس خیال میں ہیں

اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

کہ بے شک وہ آخروی مفید اور اچھے کام کر رہے ہیں۔ وہی ہیں یہ لوگ کفر کیا جنہوں نے

کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں۔ یہ لوگ جنہوں نے اپنے رب کی آیتیں

بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ

اپنے رب کی آیتوں کا اور اس کے سامنے حاضر ہونے کا اسی وجہ سے ضائع ہو گئے ان کے تمام آخروی اعمال تو نہ عزت قائم

اور اس کا ملنا نہ مانا تو اُس کا کیا دھرا سب اکارت ہے تو ہم ان کے لیے قیامت کے دن کوئی تول

لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ﴿۱۰۵﴾ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ

کریں گے ہم ان کے لیے قیامت کے دن کچھ بھی اہمیت کی — وہی ان کا صحیح بدلہ جہنم ہے

نہ قائم کریں گے — یہ ان کا بدلہ ہے جہنم اس پر

بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ﴿۱۰۶﴾ اِنَّ

اس وجہ سے بھی کہ سمجھا انہوں نے میری آیتوں اور میرے انبیاء کو بیکار فضول ہاں بے شک

کہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیتوں اور میرے رسولوں کی ہنسی بنائی بے شک

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ

وہ لوگ جو مومن بن گئے اور نیک کام کئے ہیں ان کے لیے فردوس کی جنتیں

جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے فردوس کے باغ

الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿۱۰۷﴾

مہمان خانہ ہیں

ان کی مہمانی ہے

تعلقات اِن آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں نقصان اور گھاٹے والے اعمال کا ذکر ہوا اب اِن آیت میں اُن لوگوں کی نشاندہی کی جا رہی ہے جن کے اعمال خسارے والے ہیں۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ ہم لوگوں کو جمع کریں گے اور جہنم میں پیش کریں گے اب اِن آیت میں اس کی وجہ بیان کی جا رہی ہے گویا کہ پچھلی آیت میں مجرموں کی سزا کا ذکر ہوا اور اب اس کی وجہ کا۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں دنیا کے انسانوں کے دو فرقوں میں سے ایک بدکردار فرقے اور اُس کی سزا کا ذکر ہوا۔ اب اِن آیت میں انسانوں کے دوسرے گروہ یعنی نیک کردار [illegible] کیا جا

تفسیر نحوی

اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۔ اَلَّذِيْنَ اسم موصول جمع مذکر۔ بحالت رفع اس سے پہلے ھُمْ ضمیر جمع پوشیدہ ہے مبتداء ہے یہ اگلی عبارت اس کی خبر ہے۔ ضَلَّ فعل ماضی مطلق واحد غائب مذکر ضَلَالٌ سے مشتق ہے بمعنی سیدھی راہ سے ہٹنا، سَعْیٌ اسم مفرد مصدر بمعنی کوشش۔ ارادہ۔ محنت۔ مزدوری، دوڑ دھوپ سے کمائی کرنا ایک قول میں یہ جامد ہے بمعنی کوشش وغیرہ مضاف ہے ھُمْ مضاف الیہ کا مرجع اَلَّذِيْنَ اس ھُمْ کی وجہ سے ہی پہلا ھُمْ مبتدا پوشیدہ رکھا گیا کیونکہ یہ ضمیر اس کے قائم مقام ظاہر موجود تھی سَعْيُهُمْ مرکب اضافی فاعل ضَلَّ کا فی حرف جر اَلْحَيٰوة موصوف الدُّنْيَا صفت ترجمہ ہے دنیوی زندگی۔ یہ مرکب توصیفی مجرور ہو کر متعلق ہے سَعْیٌ مصدر کا مصدر مضاف اپنے فاعل مضاف الیہ اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر فاعل ہے ضَلَّ کا ضَلَّ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ذوالحال ہوا۔ واؤ حالیہ۔ ھُمْ، مبتدا يَحْسَبُوْنَ باب حَسِبَ کا مضارع معروف جمع مذکر غائب ھُمْ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل اَلَّذِيْنَ ۔ اَنَّ حرف تنبیہ ھُمْ ضمیر اس کا اسم يُحْسِنُوْنَ باب افعال کا مضارع معروف جمع غائب اس کا مصدر ہے اِحْسَانٌ بمعنی اچھے کام کرنا حُسْنٌ سے بنا ہے ھُمْ ضمیر فاعل ہے صُنْعًا ۔ باب فتح کا اسم مبالغہ۔ ترجمہ ہے بہت اچھی کارکردگی۔ عقل کے کام مفید کام۔ یہاں صرف کام اور کاریگری مراد ہے کیونکہ اچھائی کا معنی يُحْسِنُوْنَ میں آگیا ہے۔ بحالت نصب ہے مفعول بہ ہے يُحْسِنُوْنَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے اَنَّ کی وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہ ہے يَحْسَبُوْنَ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے مبتدا ھُمْ کی، وہ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے ضَلَّ کے جملہ کا۔ ذوالحال حال مل کر صلہ ہوا۔ موصول صلہ مل کر خبر ہے پوشیدہ مبتدا ھُمْ ضمیر کی وہ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا اُولٰٓئِكَ وہ سب لوگ، یہ اسم اشارہ بعید کے لیے مستعمل ہے اس میں دو لفظ جوڑے گئے ہیں (۱) اُولَآءِ (۲) كَ ضمیر واحد حاضر ہے مگر لغو بے معنی۔ اس کا مقصد مخاطب کو مشار الیہ کے متعلق بتاتا ہے اور مخاطب یعنی جس کے لیے اشارہ کیا جا رہا ہے وہ چونکہ بہر حال حاضر ہوتا ہے اس لیے كَ خطاب کی ضمیر لائی جاتی ہے ضمیر واحد حاضر جیسے یہاں اور کبھی جمع مذکر حاضر جیسے اُولٰٓئِكُمْ ہے ترجمہ دونوں کا ایک جیسا ہوتا ہے یعنی وہ سب۔ اگر بغیر ضمیر حاضر ہو تو قریبی مشار الیہ کے لیے ہوتا ہے مثلاً اُولَآءِ (یہ سب) یہاں اُولٰٓئِكَ مرفوع مبتدا ہے اَلَّذِيْنَ اسم موصول كَفَرُوْا ۔ فعل ماضی مطلق جمع غائب ھُمْ پوشیدہ اس کا فاعل بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ ۔ یہ ڈبل مرکب اضافی معطوف علیہ واؤ عاطفہ لِقَآءٌ اسم حاصل مصدر بمعنی ملاقات لَقْیٌ سے بنا ہے ترجمہ ہے ملنا، قریب

ہونا، ملاقات کرنا۔ ہ ضمیر واحد غائب کا مرجع ربّہم۔ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی معطوف ہے اٰیٰت کا۔ یہ سب جار مجرور ہو کر متعلق ہے کفروا کا وہ سب جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر سبب ہوا۔ فَ تعلیلیہ (سببیہ) حَبِطَتْ فعل ماضی مطلق واحد مؤنث حبطٌ سے بنا ہے فعل بمعنی مٹنا فنا برباد ہونا ضائع ہونا زیادہ کھا جانے سے جانور کا پیٹ پھول جانا یا پھٹنا لازم ہے باب سمع سے ہے اَعْمَالُہُمْ۔ اس کا فاعل سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ فَ عاطفہ۔ لَا نُقِیْمُ باب افعال کا مضارع مستقبل منفی بِلَا جمع متکلم مرجع اللہ تعالیٰ لَہُمْ جار مجرور ترجمہ ہے ان کفار کے لیے یہ متعلق ہے لَا نُقِیْمُ کا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ بمعنی قیامت کے دن یہ مرکب اضافی ظرف زمانی ہے لَا نُقِیْمُ کا۔ وَزْنًا۔ اس کا مفعول بہ ہے۔ اسم مفرد جامد حاصل مصدر بمعنی۔ تولنا جانچنا عزت کرنا۔ قابل توجہ ہونا۔ یہاں سب معنی مراد ہیں۔ لَا نُقِیْمُ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا حَبِطَتْ کا وہ سب مل کر سبب ہوا کَفَرُوْا کے جملے کا وہ سبب مسبب مل کر صلہ ہوا موصول صلہ خبر مبتدا۔ دونوں مل کر جملہ اسمیہ مکمل ہوا۔ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْۤا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا۔ ذٰلِكَ۔ اسم اشارہ بعید مشار الیہ کے لیے آتا ہے۔ یہ دو لفظ ہیں ذا اور كَ۔ ضمیر مخاطب واحد۔ یہاں خطاب کی ضمیر لانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جس حاضر شخص کے لیے اشارہ کیا جا رہا ہے اور جس کو مشار الیہ کے متعلق بتایا جا رہا ہے اس کا تذکرہ تصوری ہو جائے۔ اس میں حاضر کی تمام ضمیریں آجاتی ہیں مثلاً۔ ذٰلِكَ۔ ذٰلِكُمَا۔ ذٰلِكُمْ ذٰلِكِ۔ ذٰلِكُمَا۔ ذٰلِكُنَّ بجز حاضر کے لیے کوئی دوسری ضمیر یا ظاہر اسم اس کے ساتھ اس طرح نہیں جڑ سکتا ترجمہ سب کا ایک ہی ہوتا ہے۔ یعنی وہ بحالت رفع خبر ہے پوشیدہ مبتدا کی دراصل تھا۔ اَلْاَمْرُ ذٰلِكَ۔ یعنی فیصلہ وہ ہے کہ ان کی جزا۔ ایک قول میں یہ خود مبتدا ہے جَزَآؤُهُمْ۔ اس کا مشار الیہ جَہَنَّمُ عطف بیان ہے جَزَآؤُہُمْ کا عطف بیان، تابع کی پانچ قسموں سے ایک قسم ہے۔ بعض نحات نے عطف بیان کو تسلیم ہی نہیں کیا وہ کہتے ہیں کہ عطف بیان درحقیقت بدل ہے۔ مگر یہ غلط ہے کیونکہ عطف بیان اور بدل الکل میں دو طرح فرق ہے اوّلاً یہ کہ بدل اپنے ذکر میں بذاتِ خود مقصود ہوتا ہے اور عطف بیان مقصود نہیں ہوتا بلکہ اپنے متبوع کی وضاحت کرتا ہے دوم یہ کہ بدل میں تابع و متبوع دونوں مشہور و معلوم ہوتے ہیں مگر عطف بیان میں متبوع مشہور نہیں ہوتا، تابع اس کا تعارف کراتا ہے۔ یہاں لفظ جہنم بدل الاشتمال بھی ہو سکتا ہے مگر پہلا قول زیادہ صحیح ہے جَزَآؤُهُمْ متبوع جَهَنَّمُ۔ عطف بیان تابع دونوں مشار الیہ ذٰلِكَ اسم اشارہ اپنے مشار الیہ سے مل کر مبتدا ہوا بِ جارہ عوضی بمعنی بدلہ دراصل تھا جار صلہ بعوض مَا۔ یا بِبَدَلِ مَا۔ مَا اسم موصول کَفَرُوْا فعل ماضی مطلق با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ و[illegible] باب اَخْذٌ سے بنا ہے بمعنی بنانا

کرنا، قلبی اور عقلی فعل کے لیے ہوتا ہے ہاتھوں سے بنانے کے لیے جَعَلَ اور صَنَعَ عَمَلَ وفَعَلَ کے مصدر مستعمل ہیں ھُمْ پوشیدہ ضمیر فاعل ہے آیٰت جمع ہے اٰیَۃٌ کی بمعنی نشانی کلامِ الٰہی۔ اور معجزاتِ نبوت۔ دین باری تعالیٰ یا خود انبیاء کرام علیہم السلام کی ذات ہٖ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکبِ اضافی معطوف علیہ واؤ عاطفہ رُسُلُ۔ جمع مکسر ہے رسول کی مراد انبیاء کرام علیہم السلام۔ یَ۔ واحد متکلم۔ مضاف الیہ ترجمہ ہے میرے رسول یہ مرکب اضافی معطوف دونوں مل کر مفعول بہٖ اوّل ہوا۔ ھُزُوًا۔ اسم مصدر بمعنی اسم مفعول۔ یعنی مذاق بنائے ہوئے مذاق سمجھے ہوئے بیکار ناقابلِ توجہ۔ جس کی بات کی کوئی اہمیت نہ ہو۔ بحالتِ فتحہ مفعول بہٖ دوم ہے اِتَّخَذُوْا کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا کَفَرُوْا کا۔ دونوں مل کر صلہ ہوا مَا موصولہ کا۔ دونوں موصول صلہ مجرور۔ جار مجرور متعلق ہے حَاصِلٌ پوشیدہ اسم فاعل کا۔ وہ اپنے باطنی فاعل اور متعلق سے مل کر خبر ہے ذٰلِکَ مبتدا کی یہی وہ دونوں مبتدا و خبر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ اِنَّ۔ حرف مشبہ۔ اَلَّذِیْنَ موصول۔ اٰمَنُوْا فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ عَمِلُوْا فعل با فاعل اَلصّٰلِحٰتِ۔ اسم جمع مؤنث سالم اس کا واحد صَالِحَۃٌ ہے بمعنی نیک عمل اچھے کام۔ معرف باللام بحالتِ فتحہ مفعول بہٖ ہے۔ فعل فاعل مفعول مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف۔ دونوں مل کر صلہ۔ موصول صلہ مل کر اسم اِنَّ۔ کَانَتْ فعل ناقصہ لَھُمْ جار مجرور متعلق ہے کَانَتْ کا جَنّٰتُ۔ جمع مکسر جَنَّۃٌ کی مراد ہے اللہ تعالیٰ کی آسمانی جنت۔ اَلْفِرْدَوْسِ۔ الف لام عہدِ ذہنی یا خارجی دو قول ہیں۔ فِرْدَوْس۔ اسم مفرد جامد۔ یہ عربی لفظ ہے اور جنتِ اخروی کا لقب ہے اس کے دیگر مشتقات بھی عرب میں مستعمل ہیں۔ ا مَفَرْدَسٌ چوڑائی والا ۔۲ فَرْدَسَۃٌ کشادہ۔ فریق ۔۳ فَرْبَدَسٌ زمین پر پٹخنا۔ یہ رباعی مصدر ہے اس کے تلفظ میں بعض نے کہا یہ فارسی لفظ ہے۔ بعض نے کہا یہ قبطی لغت کا لفظ ہے مگر یہ غلط ہے۔ اس کی حقیقت میں بھی چند قول ہیں ۔۱ اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کیوں جنت کا یہ لقب رکھا گیا دنیا کے کسی باغ کو فردوس نہیں کہا جا سکتا ۔۲ بعض نے کہا چھوٹی نہر جس میں ہر طرح کا سبزہ اُگا ہو ۔۳ پھیلے ہوئے سایہ دار درختوں کا باغ ۔۴ انگور کی گھنی بیلیں ۔۵ آسمانی جنت کا اونچا طبقہ۔ اور یہی معنی روایت سے ثابت ہیں۔ کسی نے کہا یہ سریانی لفظ ہے مگر صحیح یہ ہے کہ یہ عربی ہے اس کی جمع ہے فرادیس بحالتِ کسرہ مضاف الیہ ہے یہ مرکبِ اضافی کَانَتْ کا اسم ہے۔ نُزُلًا۔ اسم مفرد جامد بمعنی ہمیشہ کا مہمان خانہ بحالتِ نصب ہے خبر ہے کَانَتْ کی۔ کَانَتْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی اِنَّ اپنے اسم و خبر کے جملوں سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مکمل ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَھُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّھُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّھِمْ وَلِقَآئِہٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فَلَا نُقِیْمُ لَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَزْنًا۔ وہ لوگ جن کے دنیوی زندگی کے تمام اچھے

بُرے رات دن صبح و شام عقل و دماغ کے سارے کام دنیا میں ہی ان کی تمام آرزؤں خواہشوں کے ساتھ فنا ہو گئے اور اس سے بھی زیادہ نقصان و خسارہ یہ ہے کہ ان کو احساسِ زیاں بھی جاتا رہا کہ ہزار سمجھانے بجھانے سنانے منانے آگاہ کرنے کے باوجود وہ بدبخت موت تک یہی سمجھتے گمان کرتے رہیں گے کہ ہم بہت عقل والے ہیں ہمارے سب کام مفید اور شاندار ہیں ہم اچھے کام ہی کر رہے ہیں ہم کو سمجھانے روکنے منع کرنے والے غلط ہیں۔ اس کم عقلی کو عقل جہالت کو علم غلطی کو درست نقصان کو فائدہ اور تباہی بربادی کو منافع آخر کیوں اور کس وجہ سے سمجھ لیا کن لوگوں کے دماغ اس طرح اُلٹ پڑے فکر و تدبر والے تو ایسا نہیں کر سکتے یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب تعالیٰ کی تمام آیتوں مشاہدوں مناظرِ قدرت کلامِ الٰہی کے احکام و فرامین زبانِ نبوت کے اشاروں آگاہیوں خبرداریوں کو جانتے بوجھتے انکار کیا۔ یہاں تک کہ اپنے انجام کی آخرت اور بارگاہِ صمدیت کی حاضری حشر نشر قیامت قبر عذاب ثواب جنت دوزخ حساب و کتاب سب کے ہی منکر ہو بیٹھے یہی لوگ ہیں جنہوں نے اعتقاداً یا عملاً کفر کیا لہٰذا ان کے تمام اعمال کردار افعال افکار محنت مشقت ریاضت دنیا میں ہی برباد بیکار ہو گئے۔ اس کا نقصان و نتیجہ یہ ہوگا کہ قیامت کے دن ہم اُن کو کوئی وزن مرتبہ اور اہمیت ہی نہ دیں گے اس طرح کہ کفار کے عمل تو تولے ہی نہ جائیں گے۔ منافقین کے اعمال اُن کے منہ پر مار دیئے جائیں گے فاسقین کے عمل بالکل ہلکے ہوں گے۔ ظالمین کے اعمال مظلومین میں تقسیم کر دیئے جائیں گے۔ ریاکاروں کے عمل کوئی عزت نہ پائیں گے۔ باطلین کے عمل کو ذلت ملے گی۔ مغرورین کے اعمال کو ٹھوکروں میں پھینکا جائے گا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ کے بارے میں صحابہ کرام کے مختلف اقوال ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خاسرین قیامت سات قسم کے ہیں ۱ دنیا پرست جن کی ساری زندگی تجارت عمارت محلات و مکانات میں گزرتی ہے نہ اللہ رسول قرآن و حدیث شریعت و طریقت کا دھیان آیا نہ مرنے اور قبر و حشر کا خیال آیا ۲ ریاکار جنہوں نے اچھے کام فلاحی ضروریات تعمیر کیں بھی تو صرف دنیا کے رکھ رکھاؤ اور نام و نمود کے لیے ۳ گستاخِ انبیاء و اولیاء و صحابہ جنہوں نے ظاہراً بڑی بڑی دینی خدمات انجام دیں مدارس و مکاتب بنا ڈالے تصانیف و تشاریح بھی لکھیں مگر عداوتِ نبوت نے سب کچھ تباہ کروا ڈالا ۴ باطل دینوں کے عوام جنہوں نے اپنے رہنماؤں اور ابلیس شیطان کے وسوسوں و رغلاہٹوں کے زیر اثر اپنے خود ساختہ دینوں کی مصنوعی رسومات کی عمر بھر پابندی کی اور سمجھتے رہے کہ ہم بہت نیکیاں کر رہے ہیں ۵ باطل دینوں کے مذہبی لیڈر۔ راہب۔ پنڈت۔ سادھو کاھن۔ پوپ پادری جو تارک الدنیا ہو کر لباس خوراک اور شہری آبادی کی رہائش چھوڑ کر جنگلوں میں وحشیانہ جانوروں جیسی زندگی گزارتے ہیں اور بے تحاشہ خلافِ [illegible] محنتوں کی مشقت میں پڑے

پڑے دنیا سے چلے جاتے ہیں (۴) دنیا بھر کے غیر مسلم جو خالصتاً انسانی ہمدردی اور خدا ترسی میں انسانوں حیوانوں کی ہمدردانہ خدمت و پرورش کرتے مگر ایمان و اسلام نہ ہونے کی وجہ سے اُن کو اُن کے ان اچھے کاموں کا صلہ دنیا میں ہی عزت دولت شہرت ثروت ناموری کی شکل میں دے دیا جاتا ہے مگر آخرت میں یہ سب عمل بیکار گھاس پھوس وہاں کوئی قدر و قیمت نہیں وہاں کی قدر و منزلت کے لیے تو ایمان و اسلام شرط ہے کیونکہ یہی حیاتِ ابدی کی جڑ ہے یہ عالیشان عمارتیں کالج سکول یونیورسٹیاں گلیاں سڑکیں۔ ریلیں پل بنوانے میں عمر بھر خرچ کرتا اُخروی نیکی نہیں بن سکتی (۵) اہلِ عداوت وہ لوگ جو بلا وجہ بغیر منفعت محض ضد ہٹ دھرمی حسد بغض عناد میں حق اور اہلِ حق کی مخالفت اور اندازِ بیانی میں دن رات ہر طرح کی محنت مشقت کرنے میں لگے رہتے ہیں اور اسلام کی دشمنی میں ہمیشہ کفار و مشرکین کا ہی ساتھ دیا جیساکہ پاکستان کے وقت دیوبندی احراری مولویوں نے گاندھی اور ہندوؤں کا ساتھ دیا قائداعظم اور مسلمانوں کی مخالف اور دل میں سمجھتے ہیں کہ ہم بہت اچھے کام میں لگے ہیں۔ (العیاذ باللہ) پانچ قسم کے لوگ میدانِ حشر میں ہوں گے (۱) جن کے اعمال کا وزن ہوگا یہ لوگ نیکی اور بدی والے مومن ہوں گے (۲) جن کی کوئی نیکی بدی نہ ہوگی ان کے اعمال کا بھی وزن نہ ہوگا (۳) جن کی نیکی زیادہ برائی کم وزن ہوگا (۴) برائی زیادہ نیکی کم وزن ہوگا (۵) نیکی برباد بالکل ہلکی پھلکی مثل دھنکی روئی کے وزن کیا جائے گا۔ یہ لوگ یہودی ہیں جن کا کفر تکذیبِ نبوت اور عیسائی ہیں جن کا کفر تکذیبِ جنت اور جنت کی نعمتیں۔ تفسیر مظہری میں ہے کہ جو دنیا کو دین اور آخرت پر مقدم رکھے وہ بھی منکرینِ قیامت میں سے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ بعض لوگ تہامہ پہاڑی کے برابر عمل حسن لائیں گے لیکن وزن کچھ نہ ہوگا۔ (نعوذ باللہ) غرضکہ مسلم اور غیر مسلم لوگوں میں سے ہزارہا قسم کے وہ لوگ ہوں گے جو بروزِ قیامت فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا کا آوازہ سنیں گے اور اپنے ایسے ہی دنیوی اعمال کا عذاب بھگتیں گے کوئی چند روزہ عارضی اور کوئی دائمی۔ ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا ۔ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۔ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۔ وہ جہنم اور اس کا عذاب اسی قسم کے منکرین قیامت اور بے عمل بدکردار لوگوں کی جزا اور پورا پورا بدلہ ہے اُس دائمی ذلت و رسوائی اور جہنمی زندگی کی وجہ یہ ہے کہ وہ کھلم کھلا کافر بھی ہوئے اور میری آیتوں کو اور میرے انبیاء و مرسلین کو مذاق بنایا کلامِ الٰہی کا انکار شریعت طریقت اور قانونِ اسلامی کو ناپسند کرتے ہوئے نافذ و جاری کرنے کی طرف توجہ نہ دی نہ اپنے معاشرہ پر نہ خاندان نہ ملک پر نہ آل اولاد پر نہ خود اپنے آپ پر اور انبیاء کرام علیہم السلام کی گستاخی مذاق بازی بے ادبی کرنے اپنے جیسا بشر کہتے رہے عام انسان سمجھتے رہے جو رحم و کرم کے پیکر عدل و

والصاف کے نمونۂ الٰہیہ عقل کل علم تمام مرکزِ تجلیات گہوارۂ عملیات ہیں جن کا عمل شریعت الٰہی جن کا فرمان آئینِ خداوندی جن کی پُرنور ذات انسانیتِ کائنات کے لیے اُسوۂ حسنہ جن کے اَخلاق قدرت کا شاہکار، ایسے محبوبین کے گستاخوں منکروں کی سزا کے لیے جہنم ہی سزاوار ہے۔ لیکن بے شک وہ لوگ جو ہمارے ان محبوب انبیاء مرسلین کے ہر فرمان ہر ادا ہر عمل ہر طریقے پر دل وجان سے ایمان لائے اور ہر وقت ہر جگہ آیاتِ الٰہیہ احادیث نبویہ کے مطابق اچھے اور ستھرے پاکیزہ نورانی عمل کیے اُن خوش قسمت پیارے بندوں با ادب باکردار لوگوں کے لیے فردوس کے باغات ہیں جو عزت افزائی قدر دانی خاطر ودلجوئی محبت والفت میں شان وشوکت میں قدرتِ الٰہی کا عظیم دائمی ابدی ہر ہر آن میں مہمان خانہ ہے اور یہ لوگ ہمیشہ کے لیے خوش خرم شادان وفرحاں مرتبہ وشان میں مہمان ہیں۔ قرآنِ مجید میں دو جگہ جنتِ فردوس ارشاد فرمایا گیا ہے ایک یہاں اور دوسری جگہ سورۂ مومنون کی آیت ۱۱ میں۔ احادیث میں بھی فردوس کی بہت شان بیان فرمائی گئی ہے آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرو کہ یا اللہ مجھ کو جنتِ فردوس عطا فرما۔ ایک قول ہے کہ فردوس پوری جنت کا ایک صفاتی نام ہے یہ عبرانی کا لفظ ہے یا عجمی یا سریانی یا فارسی مختلف لغوی ترجمہ ہے پھلوں سے بھرا ہوا باغ اس کی جمع ہے فَرَادِیس۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ عربی لفظ ہے۔ تقریباً ہر زبان میں جنت کے مختلف نام ہیں چنانچہ فارسی میں ۲ بہشت بریں اردو میں ۳ جنت عبرانی ۴ میں پوردیہ ایرانی میں پیری دائزہ ۶ سریانی میں فردیسو ۷ یونانی میں پارہ داسوس ۸ لاطینی (چینی) میں پارہ ڈائس ۹ سنسکرت (صندی) میں پردیشا ۱۰ انگریزی میں پیراڈائز ۱۱ کلدانی (موجودہ برمی) زبان میں پردیسا ۱۲ ارمنی زبان میں پردیز سب کا معنی ہے چار دیواری میں چھپا ہوا باغ۔ احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے کہ فردوس پوری جنت کا نام نہیں بلکہ ایک طبقے کا نام ہے جنت کے کل آٹھ طبقے ہیں ۱ جنت فردوس ۲ جنتِ ماویٰ ۳ جنتِ عدن ۴ جنتِ نعیم ۵ جنتِ علیین ۶ جنتِ دارالسلام ۷ جنتِ صدق ۸ جنتِ خلد۔ ان تمام میں فردوس سب سے اعلیٰ وبالا ہے۔ جنت فردوس کی خصوصیات پہلی خصوصیت یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فردوس کو اپنے دستِ اقدس سے بنایا۔ باقی جنتیں ملائکہ نے بنائیں سنوارین بیہقی شریف میں حضرت انس اور عبداللہ بن حارث بن نوفل سے مروی ہے کہ تین چیزیں رب تعالیٰ نے اپنے دستِ قدرت سے بنائیں ۱ جنتِ فردوس ۲ حضرتِ آدم ۳ توریت کی لکھائی (فردوس کی دوسری خصوصیت) یہ جنت سب سے اونچی ہے اور درمیانی جنت ہے اس کے اوپر عرش ہے۔ یعنی زمینِ جنت کے حساب سے درمیان میں ہے اوپر ہے تیسری خصوصیت تمام جنت کی چاروں نہریں یہیں سے جاری ہو رہی ہیں چوتھی خاصیت فردوس [illegible] ہیں سونے کے برتن

تیسرے میں چاندی کے زیور چوتھے میں چاندی کے برتن پانچویں خاصیت جنت فردوس میں چار قسم کے بندے نہیں جا سکتے ۱۔ مشرک خفی وجلی اگرچہ مرنے سے پہلے تائب ہو جائے ۲۔ شرابی کسی قسم کا نشہ کرنے والا ۳۔ حرامی ۴۔ دیوث (بے غیرت) چھٹی خاصیت حضرت آدم کو اسی جنت میں رکھا گیا تھا ساتویں خاصیت انبیاء کرام اسی میں قیام فرما ہوں گے آٹھویں خاصیت یہ جلال کبریائی سے بنائی گئی نویں خاصیت اس میں ایک نور رضا کا چوبارہ ہے جس کا نام مقام محمود ہے اسی میں وسیلہ کا تخت ہے یہ رہائش گاہ محبوب اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک قول کے مطابق جنت فردوس میں انبیاء کرام علیہم السّلام کے وہ خدام ہوں گے جو دنیا میں صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہے خیال رہے کہ جنت کا سب سے نچا طبقہ جو پل صراط سے گزر کر جانا ہے اس کا نام دار الخلد ہے اور سب سے اونچا فردوس ہے اور مقام علیین میں بازار زیارت ہے یہاں کبھی کبھی رب تعالیٰ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا کرے گا۔ فرمان حدیث کے مطابق پوری جنت کے ایک سو حصے ہیں ہر ایک کا فاصلہ زمین وآسمان کے فاصلے کے برابر ہے۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ بری صحبت اور باطل فرقوں سے بچے کہ یہ ایمان واعمال کے لیے زہر قاتل ہے یہ فائدہ یُحْسِنُونَ صُنْعًا کی تفسیر سے حاصل ہوا باطل فرقوں کی صحبت اندھا بہرہ کر دیتی ہے۔ اسلام میں سب سے پہلا فرقہ خوارج کا پھر روافض کا یہ دونوں منافقوں سے پیدا ہوئے پھر ان دونوں سے شیعہ معتزلی وہابی دیوبندی قدریہ مرجیہ فرقے بنتے رہے دوسرا فائدہ۔ اگرچہ ہر بدکار بھی نقصان اور گھاٹے میں ہو گا مگر وہ نیکوکار جو اپنی عبادت ریاضت دکھلاوے اور دنیوی نعرے بازی کے لیے کرے وہ زیادہ خسارے والا ہے اس کو زیادہ حسرت ہو گی اللہ بچائے۔ یہ فائدہ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فرمانے سے حاصل ہوا تیسرا فائدہ۔ گستاخی نبوت سب سے بڑا کفر ہے کیونکہ گستاخوں کو اَخْسَرِيْنَ کا خطاب ملا جو سب سے بدتر انجام ہے یہ فائدہ وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ کی تفسیر سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن ان آیت کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ عبادت و ریاضت صرف وہی قابل قبول اور مفید ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام کے فرمودات اور عملی قولی طریقوں کے مطابق ہو یہی شریعت و طریقت ہے۔ اس طریقے کو چھوڑ کر خواہ کتنی ہی محنت مشقت فاقہ کشی اور خاک دھول گھاس پھونس پھانک کر یا کنوؤں میں لٹک کر اور جنگلوں میں حیوانی دنیا گزار کر کی جائے سب فضول بلکہ مسلمانوں کے لیے ایسی جوگیانہ راہبانہ سادھوانہ ریاضتیں کرنا ہی حرام ہے یہ مسئلہ ضَلَّ سَعْيُهُمْ اور يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا سے مستنبط ہوا دوسرا مسئلہ قرآن مجید میں تقریباً تمام جگہ ایمان کے ساتھ اعمال اور صالحہ کی قید لگائی گئی ہے جس سے یہ بات ثابت اور مستنبط ہوتی ہے کہ نہ ہر ایمان اللہ تعالیٰ کو قبول ہے نہ ہر عمل بلکہ وہی ایمان پسندیدہ

ہے جو اعمال سے بھرا پڑا ہو اور اعمال بھی وہ پیارے ہیں جو صالحہ ہوں اور اچھے اعمال صالحہ صرف وہ ہیں جو انبیاء کرام علیہم السلام کے فرمان اور حکم کے مطابق ہوں۔ یعنی کام بندے کا ہو اور نقشہ مصطفیٰ کا ہو اس لیے ہر کام کرتے وقت خواہ دنیوی کام ہو یا دینی ہر مسلمان کو اپنے نبی آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال رکھنا چاہیئے یہاں تک کہ نماز قیام رکوع سجدہ سجود میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال واجب ہے اس خیال کے بغیر کوئی عبادت مکمل کوئی عمل صالحہ ہی نہ بنے گا۔ نماز درست ہی نبی کریم رؤف ورحیم کے خیال سے ہوتی ہے گویا کہ عبادت اللہ تعالیٰ کی ہو خیال احمد مجتبیٰ کا ہو صلی اللہ علیہ وسلم ؎

سجدہ کرتا ہے تو یوں کر کہ ہو سجدے میں جھکا سر خدا کے سامنے دل مصطفیٰ کے سامنے

خیال مصطفیٰ کی نوعیت یہ ہو کہ یہ فلاں کام روزہ نماز، رکوع سجدہ حقوق العباد اس پڑوس سے حسن سلوک رحم انصاف صدقات خیرات وغیرہ میں اس لیے کر رہا ہوں کہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے اور اس طرح ادا فرماتے تھے اس خیال مصطفیٰ کے دو فائدے ہیں ایک یہ کہ عمل میں باقاعدگی اور تسلسل پایا جائے گا دوم یہ کہ ادا صحیح طریقے سے ہوگا۔ عمل کو صالح اور دنیا کو دین بنانے کا فقط بس یہی ایک طریقہ ہے تیسرا مسئلہ خیال رہے کہ غیر مسلموں کے عمل دو چیزوں سے برباد ہوتے ہیں آیت کلام الہیہ اور لقاء ربانی کے انکار سے لیکن مسلمانوں کے اعمال برباد اور تباہ ہو جاتے ہیں آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب و احترام کا خیال نہ رکھنے سے یہ مسئلہ یہاں کفار کے لیے فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ اور وہاں مسلمانوں کے لیے اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ فرمانے سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں پہلا اعتراض کفار کی نیکیاں برباد کیوں ہو جاتی ہیں حالانکہ محنت مشقت اور خلوص میں بعض دفعہ وہ مسلمانوں سے بڑھ جاتے ہیں۔ جواب قرآن مجید میں اکثر جگہ انسانی دنیوی زندگی کی کھیت کھلیان اور درختوں سے مثال دی گئی ہے یعنی جڑ شاخیں پتے پھل پھول۔ اور بتایا گیا ہے کہ جڑ کے بغیر کسی بھی درخت کا کوئی پھل پھول ثابت وقائم نہیں رہ سکتا گویا کہ شجر انسانی کی جڑ ایمان ہے اور اعمال وافعال پھل پھول ہیں۔ کفار کی جڑ یعنی ایمان ہی موجود نہیں اس لیے اس کے تمام عمل خواہ کتنی ہی محنت مشقت اور پُر خلوص ہوں میدان محشر تک قائم نہیں رہ سکتے دنیا میں ہی تھوڑا بہت نفع دے کر یہاں دنیا کے ساتھ فنا ہو جاتے ہیں یہ تو کمال ہی ہے جو مومن کے چھوٹے سے چھوٹے عمل کو بھی تا ابد قائم رکھتا ہے اس لیے کہ ایمان نبوت سے رشتہ جوڑتا ہے اور کفر یہ رشتہ توڑتا ہے جڑ سے کٹی ہوئی شاخ کو کوئی کوئی زمین یا کوئی کھاد ہرا نہیں کر سکتی۔ دوسرا اعتراض یہاں ضَلَّ سَعْيُهُمْ کی تفسیر میں بتایا گیا کہ جوگی راہب سادھو کی عبادتیں بے کام ہیں مسلمانوں کو بھی ایسا کرنا کہ عبادت فاقہ کشی کرتے ہیں

میں لٹکنا۔ کچا آٹا۔ گھاس پھونس کھا کر گزارہ کرنا اور عبادت میں مشغول رہنا وغیرہ حالانکہ یہ عبادتیں تو بعض اولیاء اللہ نے اپنی زندگی میں کیں مثلاً خواجہ اجمیری۔ صابر کلیر شریف۔ سلطان باہو وغیرہ جیسا کہ ان کی سوانحات میں لکھا ہے جب یہ عبادات عند اللہ ناجائز ہیں تو ان اولیاء اللہ نے کیوں کیں؟ **جواب** سوائے چند مجذوبین اولیاء اللہ کے کسی بھی ولی اللہ سے اس قسم کی عبادت و ریاضت ثابت نہیں وہ بھی صرف حالت جذب میں۔ ایسی باتیں بعض مصنفین کی جھوٹی بناوٹی ہیں اسلام کی تو اپنی دن رات کی ایسی عبادتیں ہیں کہ کوئی مسلمان ان کو چھوڑ کر جنگل میں جا کر ترک دنیا نہیں کرسکتا۔ بھلا کوئی ولی اللہ ایسا کس طرح کرسکتا ہے۔ تمام اولیاء اللہ نے مسجدوں مکانوں حجروں اور گوشوں میں عبادتیں کر کے ولایت کبریٰ کے مقام کو حاصل کیا ہے۔ اور ان کی بھوک بھی فاقہ کشی نہیں بلکہ روزہ ہے **تیسرا اعتراض** یہاں فرمایا گیا۔ لَا نُقِيمُ لَهُمْ (الخ) یعنی کفار کے اعمال کے لیے قیامت میں ترازو نہ ہوگی مگر دوسری آیت میں فرمایا گیا۔ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ (الخ) یعنی جس کے عمل قیامت میں ہلکے ہو گئے ہلکا بھاری ہونا ترازو سے پتہ چلتا ہے اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ ان کے لیے ترازو ہوگی **جواب** اس کے چند جوابات ہیں درست جواب یہ ہے کہ یہاں آیت میں صرف کفار کا ذکر ہے چونکہ ان کی نیکی کوئی نہیں ہوگی گناہ ہی گناہ اس لیے تولنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اس دوسری آیت میں صرف مسلمانوں کا اور مومنوں کا ذکر ہے ان کے اعمال کو تولا جائے گا تو گناہگار کے ہلکے ہو جائیں گے۔

تفسیر صوفیانہ اَلَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا۔ اس وادیٔ فنا کے سب سے بڑے نقصان روحانیت والے وہی محروم ازلی اور بدنصیب ابدی ہیں جنہیں کسی مرشد برحق رہبر کامل پیر مشفق کا دست دستگیر ہاتھ نہ لگا وہ اِس جنگلات دشت میں منزل تقرب کو اپنی ہی فکر متقرب تخیل مبرد سے طے کرنے کی سعی بیکار کرتے رہتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں برباد ہو گئے جن کی تمام کوشش عمل و اقدام۔ اسی دنیوی جھاڑ و جھنکاڑ میں تباہ ہو گئے ان کے سارے اچھے برے افعال اور اسی حیات ادنیٰ لمحات دنیا اوقات کثیفہ میں سب کچھ ہلاک ہو گیا۔ حالانکہ وہ سب پیروان نفس خبیس اپنے اعمال باطنیہ روحانیہ سریہ پر یہی گمان کرتے رہے کہ ان کے افعال عبادت ریاضت صوم و صلوٰۃ صدقہ و خیرات خشت عمل بہت شاندار تھا عمل بہت شاندار تھا عزت سخاوالی ہے۔ اس لیے کہ ابلیس لعین اور نفس لعین نے ان کے کردار خبیس کمتاع خبیث کو بھی انکی نظر حماقت میں درست اور شاندار بنا یا سمجھایا تھا ان کی نمازیں ریا۔ نیازیں دغا۔ دعائیں خطا۔ سجدے منکر۔ خلوت ... اختلاط ... تسبیح عیارانہ تصورات غدارانہ

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا۔ یہی وہ کافرانِ مجورو مردود ہیں جنہوں نے اپنے غفور و کریم رؤف و رحیم رب تعالٰی کے محبوب صاحب اسرارِ محبوب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سینۂ اطہر کے انوارِ آیات و معجزاتِ برکات و اقوالِ متبرکات کا بھی اعتقاد میں انکار کیا اور مکاشفۂ قربِ ذات کی لقاء و حاضری کے بھی منکر تکفیری ہوئے صرف اسی گستاخی و کفر و انکار و شرکِ خفی کی بنا پر اُن کے تمام محنت و ہمت کے اعمال جبر ریا و نمود کی بھڑکتی آگ میں خاکستر ہو گئے تو محشر افکار اور قیامتِ اسرار کے یومِ ابتداء و ساعتِ تغابن نفسی میں حسابِ عاشقاں عذابِ غافلاں کی میزانِ معرفت میں ان اعمالِ رذیل کا کوئی بھی وزن ہم قائم نہ فرمائیں گے صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جس طرح عالمِ اجسام میں آئینہ رہبرِ ظاہر بدنی ہے کہ سامنے کی تمام اچھائیوں برائیوں کو ظاہر کر کے اپنے دیکھنے والے کو اسی کے احوال بتا کر اسی کے ہاتھ سے درستگی کراتا ہے اور زبانِ کیفیت سے سب اچھائی برائی بتا دیتا ہے اگر آئینہ نہ دیکھا جائے تو کوئی بھی نہ بدصورتی و برائی دور کر سکے نہ خوب صورت و اچھائی اپنا سکے بلکہ آئینہ کے بغیر محافلِ دنیا میں رُسوائی و ذلت ہی کا اندیشہ گندے اور بدنما چہرے اور گندگی میل کے دھبوں والے کی نہ کوئی قدر و قیمت ہوتی ہے نہ اُس کے اقوال و افعال کی اسی طرح دنیاءِ باطن میں اپنے اعمال کو قیمتی اور خوب صورت قابلِ تکریم وزن دار بنا سکنے کے لیے مرشد کامل کی رہنمائی و ہدایت ارشادات اشد ضروری ہیں کوئی بندہ کتنا ہی پڑھا لکھا عقل مند ہو اپنے اچھے بُرے اعمال کو نہیں پہچان سکتا۔ رہبرِ مخلص و کامل کے بغیر اعمال برباد اور ابلیس کا شکار بنتے ہیں۔ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰیٰتِیْ وَرُسُلِیْ هُزُوًا ۔ جو مردودانِ ازلی اس صراطِ مستقیم کو اختیار نہیں کرتے اور بیعتِ مرشد کی دستگیری سے دور بیٹھے رہتے ہیں ابلیس اُس کا راہ مار دیتا ہے وہ اپنے اعمالِ خراب پر حُسنِ صنعًا کے گمان میں مگن و مغرور پھرتا ہے ایسے بدمستوں کی سزاءِ بدلہ جہنمِ افتراق و اضطراب ہی ہے اُسی وجہ سے حقیقت قلب و عقل کے وعظ دل پذیر کے باوجود انہوں نے کفرانِ امارہ ہی کیا۔ راہِ تخریب ہی اختیار کیا۔ اور میری آیتِ باطن اور نشاناتِ نصرت کا بھی مذاق رو گردانی بنایا اور میرے رسولانِ مشفقان کی بھی گستاخیاں بے ادب بیان کرتے و کراتے رہے اس لیے اب جلیں وہ ہمیشہ کی جہنم محرومی و مردودی ہیں اللہ تعالٰی کے قہر و غضب کی چار نشانیاں ہیں ۱ دل میں سختی اور اکڑ پیدا ہو جاتی ہے ۲ خیر کی توفیق نہیں ملتی ۳ اگر کوئی اچھا کام کرے بھی تو اس میں نجاستِ ریا پلیدی نام و نمود ڈال دیتا ہے جس سے اس کا سب کیا دھرا اکارت و غارت ہو جاتا ہے ۴ صرف یہیں تک نہیں رہتا بلکہ اللہ رسول کا کھلے عام مذاق اڑاتا ہے فریب کماتا ہے لیکن اس کے برعکس۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۔ بے شک وہ خوش بخت اور خوشبو طبع عرفانی والے جو ایمانِ الست ... کے مطابق اعمالِ نورانیہ کرتے

رہے اور توفیقِ معرفت کے دروازے جن پر کھولے گئے اُن ہی کے لیے منزلِ قرب کی جنت فردوس یا رضائے الٰہی ہیں۔ جو بندہ مرشدِ عقلِ سلیم کے ذریعے سنتِ نبوی پر فہم و شعور سے عمل پیرا ہو اور اپنے آقائے مربّی سے نفوسِ اَمّارہ کی شرارتوں سے بچنے اور پناہ لینے کا طلب گار ہو یہ اصل مومن کی تعریف ہے مرشدِ کامل کی ہی یہ پہلی تعلیم ہے کہ آستانۂ نبوی سے ہمیشہ دنیا و آخرت مانگتے رہو اور بوسیلۂ محبوبِ کائنات بارگاہ ربوبیت سے یہ دعا مانگتے رہو کہ اے مولیٰ تعالیٰ تو مجھے ایک لمحہ کے لیے بھی میرے نفس کے حوالے نہ کر بلکہ میری اسی طرح حفاظت فرما جس طرح چھوٹے کمزور نادان بچے کی حفاظت کی جاتی ہے۔ یہی مقامِ بندگی اور مقامِ عجز ہے یہ راہِ عرفانی کا پہلا فن ہے۔ یہاں جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اُس نے اپنے رب تعالیٰ کو پہچان لیا اور مومن باصفا کی پہچان یہ ہے کہ اس کی زندگی مثلِ شجرات ہوتی ہے۔ اس کا قیام مثلِ درختانِ ثمرات اس کا پھلنا پھولنا لمحاتِ حیات اسرار گزارنا مثلِ باغات اس کا چلنا مثلِ بادِ بہار اس کی رہبری ستاروں کی مثل اُس کی روشنی آفتابِ عالمتاب کی مثل اُس کی منزلیں قمرِ شبِ بیدار کی مثل کہ یہ سب مخلوق چاند سورج ستارے درخت ہوائیں فضائیں اپنے لیے کچھ نہیں کرتیں ان کے سب فیوضات و ثمرات دوسروں کے لیے ہوتے ہیں۔ درختوں کے پھل پھولوں کی خوشبو دریاؤں کی لہریں ہواؤں کے جھونکے اور سب چمک دمک روشنی دیگر مخلوقات کے لیے ہوتی ہے یہ اپنی نعمتوں سے خود کچھ نہیں لیتے۔ ان کی پرورش ان کا پروردگار خود فرماتا ہے۔ واللہ و رسولہ اعلم۔ (اقوال غوث پاک و خواجہ اجمیری)

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿۱۰۸﴾ قُلْ لَّوْ

ہمیشہ ہی رہیں گے وہ مومن اُن جنتوں میں کبھی نہ پسند کریں گے وہ اُن اپنی اپنی جنتوں سے منتقل ہونا فرما دیجئے اگر

وہ ہمیشہ ان ہی میں رہیں گے اُن سے جگہ بدلنا نہ چاہیں گے۔ تم فرما دو اگر

كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ

بن جائے پورا سمندر کا پانی سیاہی میرے رب کی سلوٰت لکھنے کے لیے البتہ ختم ہو جائے سب سمندر

سمندر میرے رب کی باتوں کے لیے سیاہی ہو تو ضرور سمندر ختم ہو جائے گا اور میرے

اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾

اس سے پہلے کہ مکمل لکھے جائیں میرے رب کی معلومات اگرچہ ہم پیدا کر دیں اسی کے برابر اور سیاہی

رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی اگرچہ ہم ویسا ہی اور اس کی مدد کو لے آئیں

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ

فرما دیجئے فقط میں ہی ایسا بشر ہوں جو تم سب کی مثل ہوں وحی کی جاتی ہے میری ہی طرف کہ فقط تمہارا معبود

تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک

اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ

ایک معبود ہی ہے تو جو شخص آرزو کرتا ہے اپنے رب سے ملنے کی تو وہ ضرور

ایک ہی معبود ہے تو جسے اپنے رب سے ملنے کی امید ہو اسے چاہیئے کہ

عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾ ع

نیک عمل کرے اور نہ شریک کرے اپنے رب کی عبادت میں کسی کو

نیک کام کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں اہل ایمان کے اعمال صالحہ کی جزا یعنی جنت کا داخلہ مذکور ہوا۔ ان آیت میں جنت میں رہنے کی مدت بیان فرمائی گئی یعنی ہمیشہ ہمیشہ۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ کفار میری آیتوں کو اور میرے رسولوں کو کمزور سمجھتے ہوئے ان کا مذاق بناتے ہیں۔ اب ان آیت میں باری تعالیٰ کے کلمات و آیت کی شان بتائی جا رہی ہے کہ اس کے کلمات کو سات سمندروں کی سیاہی سے بھی پورے لکھے نہیں جا سکتے اور اس کے رسولوں کی شان یہ ہے کہ اس کے ایک پیارے رسول بھی تمام کائنات انسانیت کے تمام بشروں کی مثل ہیں ... صفات ... رسول مکرم میں موجود ہیں

بھلا ایسے شان والے رسولوں کا مذاق بنانا کب مناسب لگتا ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی کمزور شخص کسی پہلوان کا یا نابینا اندھا کسی آنکھوں والے کا، یا جاہل گنوار کسی خوب صورت پڑھے لکھے عالِم کا مذاق کرے۔

شانِ نزول جیسا کہ ہم نے اس سورۃ کی ابتدا میں عرض کر دیا ہے کہ یہ سورت مکمل طور پر پوری ایک دم نازل ہوئی تھی اس لیے اس کا شانِ نزول اور نزول بھی صرف ایک ہی دفعہ ہے علیحدہ علیحدہ آیت کا شانِ نزول یا نزول نہیں ہے مگر چونکہ امام جلال الدین سیوطی اور ان کے تتبع میں جناب حضرت صدر الافاضل سید نعیم الدین شاہ صاحب محدّثِ مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی حاشیہ تفسیر میں اس سورت کی چند آیت کا شانِ نزول بیان فرمایا ہے اس لیے ہم آخر میں وہ تمام آیت بیان کرتے ہیں جن کے شانِ نزول امام سیوطیؒ نے اپنی کتاب لُبابُ النقول فی اسباب النزول میں علیحدہ علیحدہ بیان فرمائے ہیں جب کہ امام جلال الدین سیوطیؒ نے ابتدا میں یہ تسلیم کیا ہے کہ یہ سورۃ ایک دم نازل ہوئی۔ چنانچہ ص۱۸۳ پر حاشیہ تفسیر ابن عباس پر لکھا ہے ثُمَّ جَاءَهُ جِبْرِيلُ مِنَ اللّٰهِ بِسُوْرَةِ اَصْحَابِ الْكَهْفِ (الخ) ترجمہ جب انشاء اللہ نہ کہنے کی وجہ سے پندرہ دن وحی بند رہی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت رنج و غم ہوا تو اللہ کی طرف سے جبریل پوری سورۃ کہف لے کر نازل ہوئے۔ اور تمام مفسرین و محققین کے نزدیک یہ ہی درست ہے لیکن آگے چل کر امام سیوطی چھ آیت ۲۲ آیت ۲۵ آیت ۲۹ آیت ۲۸ آیت ۱۰۹ آیت ۱۱۰ کا علیحدہ علیحدہ شانِ نزول بیان فرماتے ہیں اور صدر الافاضل نے صرف آیت ۲۵ و ۱۰۹ کا علیحدہ شانِ نزول بیان فرمایا۔ چونکہ اس جگہ ہم آیت ۱۰۹ اور ۱۱۰ آخری آیتوں کی تفسیر میں ہیں اس لیے یہاں صرف ان ہی دو آیتوں کا شانِ نزول نقل کریں گے باقی چار آیتوں کا مذکورہ شانِ نزول اس سورۃ کے اختتام پر درج کر دیں گے اور بجائے انکار کرنے کے ہم دونوں تضادی قولوں میں اتفاق و مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کریں گے انشاء اللہ امام سیوطی ص۱۸۰ پر لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ عیینہ بن حصن بارگاہِ نبوت میں آیا تو دیکھا کہ حضرت سلمان فارسی غریب فقیر کی حالت میں حاضرِ بارگاہ ہیں تو یہ گھمنڈ سے غرور سے کہتا ہے کہ جب ہم آپ کے پاس آیا کریں تو ان غریبوں اور گھٹیا لوگوں کو نکال دیا کرو اس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی ۱۰۹ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ (الخ) یعنی اللہ کی حکمتوں تدبیروں کی کچھ انتہا نہیں ہے وہ جانتا ہے کون بارگاہ کے لائق ہے کون نالائق یہاں امیری غریبی کا فرق نہیں ہے۔ اس کا ہی علم زیادہ ہے ایک دفعہ جب يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ والی آیت نازل ہوئی تو یہود نے کہا ہمارا علم بہت زیادہ ہے کیونکہ ہمارے پاس توریت ہے تب یہ آیت ۱۰۹ نازل ہوئی تفسیر صاوی نے اس طرح فرمایا کہ یہودیوں نے اعتراض کیا کہ تمہارے پیغمبر کیسے کہتے ہیں وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا تم لوگوں کو بہت [illegible] کو خیر کثیر ملا اور یہ بھی کہتے

کہتے ہیں توریت میں حکمت ہے اور یہ باتیں تضاد و بیانی ہے تب یہ آیت لَوْ کَانَ الْبَحْرُ نازل ہوئی کہ انسان کا علم اللہ کے مقابل قلیل سے قلیل ہے یہ مکہ مکرمہ ہی میں نازل ہوئی اور امام سیوطی فرماتے ہیں کہ آیت منا کا شانِ نزول اس طرح ہے کہ ایک شخص نومسلم صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا دل چاہتا ہے کہ اپنا اُخروی ٹھکانہ اور رہائشی وطن دیکھوں تو یہ آخری آیت کریمہ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ (الخ) نازل ہوئی۔

تفسیر نحوی خٰلِدِیْنَ فِیْهَا لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا۔ خَالِدِیْنَ یہ باب نصر کا اسم فاعل جمع مذکر خُلْدٌ سے مشتق ہے معنیٰ ہے ہمیشہ رہنے والے بحالتِ نصب ہے یا اس لیے کہ حال ہے پوشیدہ ھُمْ ضمیر ذوالحال کا، دراصل ہے ھُمْ خَالِدِیْنَ یا یہ کَانُوْا پوشیدہ کی خبر ہے۔ اور یہ ہی درست ہے فِیْهَا جار مجرور ترجمہ ہے اُس جنت میں متعلق ہے خٰلِدِیْنَ کا۔ یہ جملہ اسمیہ ہو کر ذوالحال اگلی عبارت لَا یَبْغُوْنَ کا جملہ حال ہے پھر خبر ہے کَانُوْا پوشیدہ کی وہ اپنے اسم ضمیر ھُمْ اور اس خبر سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو گیا لَا یَبْغُوْنَ باب ضَرَبَ کا فعل مضارع نفی بلا۔ بَغْوٌ سے مشتق ہے ترجمہ نہیں پسند کریں گے وہ مومن اگر یہ بَغْیٌ سے مشتق ہے تو معنیٰ ہے پسند کرنا۔ بغاوت کرنا حد سے بڑھنا۔ اور مراد ہے کہ وہ مومن لوگ جنت سے نکلنا۔ یا بغاوت کرنا یا اس کی حدوں سے نہ نکلنا چاہیں گے عَنْ حرف جر زوالی یعنی دوری کرنے کے لیے ھَا سے مراد جنت یہ جار مجرور متعلق ہے لَا یَبْغُوْنَ حِوَلًا۔ اسم مصدر بروزنِ عِوَج بمعنیٰ پھرنا، منتقل ہونا جگہ بدلنا، مفعول بہ ہے لَا یَبْغُوْنَ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر حال ہوا خَالِدِیْنَ کا وہ اس حال سے جڑ کر جملہ اسمیہ قُلْ لَّوْ کَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ۔ قُلْ فعل امر، قَوْلٌ سے مشتق ہے، اَنْتَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل دونوں مل کر جملہ ہو کر قول ہوا۔ لَوْ حرفِ شرط ہے دو جملوں پر آتا ہے وہ دونوں جملے ماضی سے تعلق رکھتے ہیں۔ دونوں آپس میں یا سبب اور مسبب ہوتے ہیں یا شرط و جزا۔ اس طرح کہ پہلا جملہ سبب یا شرط ہوتا ہے اور دوسرا جملہ بزمانۂ ماضی پہلے پر معلق ہوتا ہے کہ اگر وہ ہوتا تو یہ ہوتا اس میں زمانہ حال یا مستقبل نہیں آسکتا حرف لَوْ سے دونوں جملوں میں تین چیزیں ثابت کی جاتی ہیں ۱۔ امتناع۔ یعنی شرط و جزا کا نہ ہونا ۲۔ تعلیق۔ کہ دوسرے کا ہونا پہلے کے ہونے سے ہوتا ۳۔ مساوات یعنی دونوں جملوں کی برابری مثلاً اگر ایسا ہوتا تو ایسا ہو جاتا۔ یا اگر ایسا ہوتا تو بھی ایسا نہ ہوتا۔ لَوْ سے جزا کے تین درجے حاصل ہوتے ہیں ایک یہ کہ کبھی جزا کا شرط پر انحصار ہوتا ہے دوم کبھی جزا کی قوت ثابت کی جاتی ہے اگر ایسا ہوتا تب بھی یہ نہ ہوتا۔ مثلاً اگر شیر بھی آجاتا تب بھی زید نہ ڈرتا۔ سوم کبھی جزا کی اولویت ثابت کی جاتی ہے۔ یہاں اسی مقصد کے لیے لَوْ ارشاد ہوا کہ اگر سمندر سیاہی بن [illegible] ختم ہو جاتے [illegible] کلمات [illegible] انتہا کا پتہ نہ لگتا تو اب جب

کرنہیں لکھے گئے بدرجہ اولیٰ انتہا کا پتہ نہیں لگ سکتا۔ لَوْ کی چھ قسمیں ہیں ۱ لَوْ شرطیہ ۲ لَوْ وصلیہ، یہاں پہلے واؤ وصلیہ آنا ضروری ہے ۳ بمعنی آن ناصبہ مگر یہ لَوْ نصب نہیں دیتا۔ اس کو لَوْ تمنائی کہتے ہیں بمعنی کاش ۵ لَوْ عرض اور آمادگی کے معنی میں۔ اگر تو ایسا کرتا تو اچھا ہوتا ۵ لَوْ تعلیلیہ بمعنی خواہ کچھ بھی ہو ۶ لَوْ امتناعیہ۔ اس کے بعد لا نافیہ ہوتا ہے مثلاً لَوْلَا کَانَ۔ کَانَ فعل نَاقِص اَلْبَحْرُ و الف لام جنسی بَحْرٌ بمعنی تمام سمندر۔ اسم ہے کَانَ کا مِدَادًا اسم مصدر بروزن فِعَالٌ مَدٌّ سے بنا ہے بمعنی زیادہ ہونا، معاون بننا ۲ کتابت کی سیاہی ۳ چراغ کا تیل ۵ ایک شی کے بعد دوسری شی کا آنا اسی سے ہے مَدَدٌ مدد کرنا، چونکہ سیاہی اور دوات لکھنے میں معاون و مددگار ہیں اس لیے اس کو مِدَادًا کہا گیا لِکَلِمٰتِ رَبِّیْ۔ یہ ڈبل مرکب اضافی مجرور ہوا۔ جار مجرور مل کر متعلق ہے مِدَادًا کا۔ یہ شبہ جملہ ہو کر خبر ہے کَانَ کی سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر شرط ہوئی۔ لام سببیہ جزائیہ نَفِدَ۔ باب سَمِعَ کا ماضی مطلق واحد غائب نَفَدٌ سے مشتق ہے بمعنی ختم ہو جانا۔ اَلْبَحْرُ اس کا فاعل ہے قَبْلَ اسم ظرف زمانی مضاف ہے۔ اَنْ ناصبہ تَنْفَدَ باب سَمِعَ کا مضارع واحد مؤنث، کَلِمٰتُ مضاف رَبِّیْ، بمعنی میرے رب کے کلمے۔ یہ ڈبل مرکب اضافی فاعل ہے تَنْفَدَ کا یہ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مضاف الیہ قَبْلُ کا۔ دونوں مل کر ظرف ہے نَفِدَ کا۔ وہ جملہ فعلیہ ہو کر جزا، شرط و جزا مل کر علت ہوئی وَلَوْ۔ وصلیہ جملے کی۔ جِئْنَا فعل ماضی مطلق جمع متکلم مرجع نبی کریم یا اللہ تعالیٰ۔ یعنی اللہ فرماتا ہے وَلَوْ جِئْنَا ہم لے آئیں۔ بِمِثْلِهٖ متعلق ہے جِئْنَا کا اور مَدَدًا اسم مفرد جامد بمعنی سیاہی۔ مفعول بہ ہے جِئْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معلول ہوا۔ علت و معلول مل کر قول ہوا قُلْ کا۔ دونوں مل کر جملہ فعلیہ قولیہ ہو گیا۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۔ قُلْ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ اِنَّمَا۔ اِنَّ حرف مشبہ ما کافہ اس نے اِنَّ کے عمل کو لغو کر کے حصر پیدا کیا ترجمہ ہو گیا بس، فقط، اَنَّ کے ساتھ بھی ما کافہ آ جائے تو یہی کچھ ہوتا ہے۔ اِنَّمَا اَنَّمَا دونوں کا ترجمہ ہے صرف فقط۔ اَنَا ضمیر واحد متکلم مرفوع منفصل مبتدا ہے۔ بَشَرٌ۔ اسم مفرد جامد بمعنی کھلی ظاہر کھال بغیر بال کے بجز انسان کسی کی کھال بغیر بالوں کے نہیں ہوتی بھینس کے بھی پہلے سارے جسم پر بال ہوتے ہیں اس لیے صرف انسان ہی بشر ہے۔ بشریت صفت ہے نہ کہ ذات، انسانیت اور آدمیت ذات ہے۔ بحالت رفع موصوف ہے مِّثْلُكُمْ، تم سب کی مثل۔ یہ مرکب اضافی صفت ہے بَشَرٌ کی دونوں مل کر خبر ہے۔ مبتدا خبر جملہ اسمیہ ہو کر پہلا مقولہ ہوا۔ یُوْحٰی۔ باب افعال کا مضارع مجہول۔ اِلَیَّ، ترجمہ میری طرف۔ جار مجرور متعلق ہے۔ اَنَّمَا۔ اسم حصر بمعنی صرف فقط اِلٰہُ مضاف کُمْ ضمیر متعلق الیہ مرکب اضافی مبتدا ہے اِلٰہٌ موصوف وَاحِدٌ صفت یہ

بہ مرکب توصیفی خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر نائب فاعل یوحیٰ کا وہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ ف عاطفہ تعقیبیہ مَن اسم موصول شرطیہ، کَانَ فعل ناقصہ زائدہ محض تاکید کرنے کے لیے۔ یَرۡجُوۡا باب نصر کا مضارع مثبت معروف۔ لِقَاءَ، اسم مصدر مضاف ہے رَبِّ مضاف ہ ضمیر نفسی یعنی اپنے مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مفعول مضاف الیہ لِقَاءَ۔ یہ مصدر مضاف اپنے مفعول مضاف الیہ سے مل کر شبہ جملہ ہو کر مفعول بہ ہے یَرۡجُوۡا کا وہ اپنے پوشیدہ فاعل اور ظاہر مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر شرط ہوئی ف جزائیہ لِيَعۡمَلۡ فعل امر غائب واحد مذکر باب فتح عَمَلًا موصوف صَالِحًا صفت یہ مرکب توصیفی مفعول بہ ہے لِيَعۡمَلۡ کا جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ لَا يُشۡرِكۡ فعل نہی واحد مذکر غائب باب افعال سے ہے بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ۔ ڈبل مرکب اضافی مجرور جار مجرور متعلق ہے لَا يُشۡرِكۡ کا۔ اَحَدًا، اسم نکرہ عمومی بمعنیٰ کسی کو مفعول بہ ہے لَا يُشۡرِكۡ کا، سب مل کر معطوف ہوا فَلۡيَعۡمَلۡ کا دونوں عطف مل کر جزا ہوئی کَانَ يَرۡجُوۡا۔ کی شرط و جزا مل کر صلہ ہوا مَنۡ کا موصول صلہ مل کر معطوف ہے یُوۡحیٰ کا دونوں مل کر مقولہ دوم۔ قُلۡ اپنے دونوں مقولوں سے مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا لَا يَبۡغُوۡنَ عَنۡهَا حِوَلًا۔ قُلۡ لَّوۡ كَانَ الۡبَحۡرُ مِدَادًا لِّـكَلِمٰتِ رَبِّىۡ لَنَفِدَ الۡبَحۡرُ قَبۡلَ اَنۡ تَنۡفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّىۡ وَلَوۡ جِئۡنَا بِمِثۡلِهٖ مَدَدًا۔

اے منکر و مغرور و کافرو تم جن غریب مسکین مومن مسلمانوں سے نفرت کرتے ہو ان کی آن شان عزت خوبصورتی لباس زیب و زینت کل جنت میں دیکھنا کہ وہ جنت فردوس اتنی دل پسند جگہ ہے کہ اہل جنت باوجود اس خوشخبری سنائے جانے کے کہ وہ ہمیشہ اَبَدَ الۡاٰبَاد تک اسی میں رہیں گے پھر بھی ایک لمحہ ایک منٹ کے لیے بھی جنت سے باہر کہیں اور جانے کی خواہش نہیں کریں گے نہ آس پاس کے برزخی اعرافی دوزخی پڑوسیوں سے ملنے ملانے کی نہ سیر سیاحت یا سفر کی نہ جنت ہی کے اندر ایک طبقے سے دوسرے طبقے میں گھر بار رہائش بدلنے کی۔ اس کی تین وجہ۔ اول یہ کہ خلود اور ہمیشگی چار قسم کی ہے ۱ خلودِ علاقائی یعنی جنت کے اندر ۲ خلودِ رہائش یعنی جنتی رہائش گاہ ۳ خلود طبقاتی یعنی جنت کے جس طبقے کا جنتی ہوگا اُسی میں رہے گا ۴ خلودِ مرتبہ یعنی جس مرتبے کا جنتی ہوگا سدا اسی مرتبے کا رہے گا اس لیے لَا يَبۡغُوۡنَ عَنۡهَا حِوَلًا۔ بھی خلود ہی کی تاکید ہے ان چاروں چیزوں میں کبھی تبدیلی نہ ہوگی ویسے ملنے ملانے کے لیے جنت میں ایک دوسرے کے گھر علاقہ اور طبقہ کے اندر سیر سیاحت ہونا اور آنا جانا سلام دعا میل ملاقات لَا يَبۡغُوۡنَ عَنۡهَا حِوَلًا کے منافی نہیں۔ دوم وجہ یہ کہ ہر جنت اتنی خوب صورت اور آرام [illegible] کا دل چاہے گا نہ طبقہ اور

گھر بدلنے کا ارادہ کرے گا کیونکہ ہر چیز ہر ضرورت خواہشِ قلبی کے مطابق اس کے اپنے ہی گھر میں ہر وقت موجود ہوگی سوم یہ کہ سیاحت ریاضت سفارت اور تغیر تبدل، نقلِ مکانی۔ طلبِ غیر، رشک۔ حسد یہ تمام حیاتِ دنیوی میں انسانی جبلی کمزوریوں میں سے ہیں جنت میں جس طرح کہ انسان کی دیگر تمام جسمانی نفسی طبعی قلبی روحی کمزوریاں ختم کر دی جائیں گی اسی طرح یہ کمزوریاں بھی ختم کر دی جائیں گی، دنیوی زندگی میں ہر انسان تقریباً عمر کے ہر سمجھ بوجھ والے حصے میں چھ طرح کی تبدیلیوں کی خواہش کرتا ہے اور یہ خواہش تین وجہ سے ہوتی ہے ۱ ضرورۃً جب کہ ایک جگہ یا ایک موجودہ حالات میں ضروریاتِ زندگی پوری نہ ہوتی ہوں ۲ محض طبیعت کے میلان اور عیاشی کی بنا پر ۳ رشک یا حسد کی بنا پر۔ چونکہ جنت میں یہ تینوں وجوہ نہ ہوں گی اس لیے لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا۔ ہر انسان چاہتا ہے کہ موجودہ حالات بدل جائیں ۲ تبدیلِ مکان ۳ تبدیلی مشاہدات نئی نئی چیزیں دیکھوں ۴ تغیرِ انکشافات زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کروں ۵ تغیر لباس ۶ تغیر انتظامات ہر انسان ایک دوسرے سے دنیا میں بازی لے جانا چاہتا ہے۔ اسی خواہش یا رشک وحسد کی بنا پر دنیا کی بھاگ دوڑ اور چہل پہل ہے مگر یہ جائز ناجائز خواہشات جنت میں نہ ہوں گی لہٰذا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا فرمانے میں تین چیزوں کا شاندار تعارف کرایا گیا۔ جنت کی شان کا۔ جنتیوں کی شان کا ۳ ہمیشگی رہائش کا دنیا و آخرت کی ان مختلف کیفیات میں کیا راز ہے کیا حکمتیں و قدرتیں ہیں یہ اللہ کے کلمات ہیں ان کی حقیقت کو کوئی مخلوق نہیں پا سکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کلمات غیر منتہی ہیں اے پیارے محبوب قل، ان کائناتِ مخلوق کے سامنے فرما دیجئے کہ کلماتِ الٰہیہ یعنی اللہ تعالیٰ کے تخلیقی شاہکار۔ انبیاء کرام علیہم السلام وغیرہ سب سے بڑے کلمات انہی کے اجسام مقدسہ ہیں ۲ اللہ تعالیٰ کی قدرتیں ۳ حکمتیں ۴ صفاتِ ازلی قدیمی ۵ علم ۶ معلوماتِ باری تعالیٰ ۷ کلامِ الٰہی ان کو سمجھنا تو در کنار اگر کبھی کوئی فقط لکھنے اور ضبطِ تحریر و مجموعۂ کتاب بنانے کا ہی ارادہ کرے تو آشکارا ہو جائے کہ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا۔ اگر یہ موجودہ دنیا کا پورا لبالب بھرا ہوا سمندر اپنے سات سمندری حصوں اور کروڑوں قسموں کے پانیوں کے ساتھ پورا کا پورا سیاہی بن جائے میرے رب تعالیٰ کے کلمات لکھنے کے لیے اور لکھنے والے لکھنا شروع کر دیں تو البتہ یقیناً پورا سمندر ختم ہو جائے۔ پہلے اس گمان سے کہ کلمات ختم ہوں یعنی کلمات کے ختم ہو جانے اور سب لکھے جانے کا انسانی خیال و گمان صحیح نہ ہو اور سب سیاہی لکھتے لکھتے ختم ہو جائے اگرچہ ہم سب لکھنے والے یعنی انبیاء اولیا علماء ملائکہ جنات مل کر اس پورے سمندر کے برابر اور سیاہی جمع کر لیں کہیں نہ کہیں سے اکٹھی کر لیں یا اللہ تعالیٰ سے مانگ لیں وہ دوسری پورے سمندری پانی کے برابر سیاہی بھی ختم ہو جائے گی مگر رب تعالیٰ کے کلمات و معلومات کتابت سے پھر بھی ختم نہیں ہو

سکتے کتابت مکمل نہیں ہو سکتی اس لیے کہ اجسام و اقلام اور سیاہی سب منتہی ہیں اور کلمات غیر منتہی بے انتہاء تو منتہی چیز غیر منتہی کو بھلا کسی طرح ختم کر سکتی ہے امام مجاہد نے فرمایا کہ آیت کا منشا یہ ہے کہ سمندر سیاہی ہو تمام نباتات قلم ہوں اور تمام مخلوق یعنی انسان جنات اور فرشتے کاتب بن جائیں تب بھی رب تعالیٰ کے کلمے ختم نہ ہوں گے خیال رہے کہ ہر وہ چیز جو جسم اور بدن ہو کثیف یا لطیف وہ منتہی ہوتی ہے اگرچہ اُس کی انتہاء اجسام کتنی ہی دور کیوں نہ ہو۔ مفسرین کا ایک قول یہ ہے کہ جِئْنَا کی ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے اور یہ کلام قُلْ کا مقولہ ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا۔ کائناتِ عقل کے لیے لَوْ كَانَ الْبَحْرُ دالخ کا کلامِ الٰہی حیران کن ہے جس کا نتیجہ عقلِ سلیم کے لیے تو عجز سے تسلیم کرنا ہے لیکن عقلِ خبیث کے لیے انکار ہے منکرینِ ابلیین کے ثبوت کے لیے ساتھ ہی بُرہانِ ربانی کی مثلیت کا تذکرہ اس شان سے فرمایا جا رہا ہے کہ مفسرین اس کی تفسیر کرتے ہوئے ورطۂ حیرت میں پریشان پھر رہے ہیں فرمایا قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ رب تعالیٰ کے کروڑوں بے انتہا کلمات میں سے یہ چھ کلمات بھی ایسی معجزانہ شان والے ہیں کہ چودہ سو سال سے آج تک اہلِ علم اس کی تشریح و معانی بیان کرتے چلے آرہے ہیں مگر کوئی بھی تسلی بخش تکمیل کا دعویٰ نہ کر سکا۔ اس کلام کا ایک کلمہ لفظ مثل ہی اپنے معانی میں اتنا وسیع ہے کہ مثلیت کی کروڑوں قسمیں ہیں اور ہر جگہ علیحدہ نوعیت ابھی تک یہ تعین نہیں کیا جا سکا کہ یہاں متکلم کا حقیقی مقصد کیا ہے۔ نیز حیرانی اسبات کی ہے یہ آیت نہ توریت میں تھی نہ زبور و انجیل میں نہ صحفِ آدم و نوح ہیں نہ صحفِ ابراہیم و موسیٰ ہیں علیہم السلام یہ جملہ نہ آدم علیہ السلام سے کہلوایا گیا نہ نوح و یعقوب یوسف، داؤد و سلیمان سے علیہم السلام، قرآن مجید میں یہ آیت کریمہ دو جگہ مذکور ہوئی اور بالکل اسی طرح ان شان و کلمات سے ایک یہاں سورۃ کہف کی آخری آیت میں اور دوم سورۃ حٰم سجدہ (فصلت) کی آیت ۶ میں۔ لفظ مثل اور اُس کے مشتقات قرآن مجید میں تقریباً ایک سو اکہتر آیات میں آئے ہیں اور صرف لفظ مثل تقریباً ایک سو آٹھ جگہ مذکور ہیں اور ہر جگہ علیحدہ نوعیت کا معنیٰ اور قرآن کریم میں بھی یہ کلمات کسی اور شخصیت کے لیے نہیں فرمائے گئے کسی اور انسان نبی ولی عالم کو حکم نہ فرمایا گیا کہ قل فرمایا گیا تو کس نبی کو جس کی بے مثلیت قرآن کریم کی آیت آیت سے ظاہر فرمائی گئی، جس کا مثل انسانوں اور زمین والوں میں تو درکنار ملاءِ اعلیٰ کے انبیاء مرسلین میں کوئی نہیں جس کی بے مثلیت قدم قدم سے ظاہر جسکے پاس عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔ کا تمغہ علومِ الٰہیہ کی امانتیں جن کے سینے میں غیوبِ عالمین کے خزا[illegible] جبریل سے آگے کردار ہیں

مخلوق سے برتر جس کے دربان ملائکہ جس کے غلام شمس و قمر جس کے حکم پر بادل برسیں شیاطین لرزیں جس کے دیدار کو مرسلین ترسیں۔ ایسے بے مثل کو فرمایا گیا قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اہلِ علم و عقل کو آخر حیرانی کیوں نہ ہوتی۔ یہ حیرانی ہی تو ہے کہ کسی نے اس کی تفسیر میں کچھ کہہ دیا کسی نے کچھ، کسی نے کہا یہ خبر ہے کسی نے کہا یہ خبر ہے کسی نے کہا یہ اظہارِ عجز ہے کسی نے کہا یہ بندگی میں مشابہت مراد ہے کسی نے کہا یہ اس لیے فرمایا گیا تاکہ یہود و نصاریٰ کی طرح مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی معبود نہ بنالیں سُنیوں نے ڈر کے مارے اس آیت کو ہاتھ نہ لگایا کہ کہیں کوئی گستاخی کی بات نہ نکل جائے اور گستاخ فرقہ نے اس آیتِ پاک سے ناجائز سہارے لے کر خوب اچھل کود مچائی اور جہنم کی خبیث روحوں نے طرح طرح کی گستاخیاں بنا ڈالیں اور خود کو نبی علیہ السلام کے برابر سمجھ لیا اور بڑے بھائی یا گاؤں کے چوہدری سے زیادہ اہمیت نہ دی اور دلیل میں ہر متقدمین و متاخرین کی عقلی تفاسیر کو پیش کیا اور واقعتاً بغیر سوچے سمجھے بزرگوں کی اسی اچٹتی تفسیروں سے آخر ایسے ہی گستاخ فرقوں نے جنم لیا تھا، لیکن اگر تدبر و تفکر اور احادیث مبارکہ کی روشنی سے اس آیت پاک کو دیکھا جائے تو اظہر من الشمس ہوتا ہے کہ یہ آیت بھی میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک عظیم نعت و شان بیان فرما رہی ہے۔ اور ثابت ہو رہا ہے کہ یہ آیت نہ تو خبر ہے نہ اظہارِ عجز ہے نہ انکسار ہے بلکہ ایک عظیم دعویٰ اور ایک کائناتی چیلنج ہے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو قرآن مجید اسی محبوب کو جبریل و میکائیل کی صفوں سے بھی اونچا ارفع بلند حیثیت و شخصیت کا مقام بیان فرمائے اور پھر وہی قرآن مجید اسی محبوبِ بے مثل کو آناً فاناً ایک عام آدمی کی صف میں لا کھڑا کرے اور ایسی بات بیان فرما رہے جس کا ثبوت بجز اس آیت کے کسی اور آیت و حدیث سے نہ میسر ہوا۔ اس لیے میری عقل میں اس آیت کی تفسیر اس طرح ہے قُلْ۔ اے محبوب و حبیب محمد مصطفیٰ علی الاعلان ساری کائناتِ انسانیت و آدمیت کو فرما دے سنا دے بلا جھجک فرما کیونکہ یہ اعلان ہم کرا رہے ہیں ہمارے فرمانے سے فرما دے، اِنَّمَآ اَنَا۔ اللہ کی پوری مخلوق میں فقط میں ہی وہ بشر ہوں جو تم سب کی مثل ہوں اور تم سب کی تمام صفتیں عزتیں عظمتیں شانیں قوتیں طاقتیں لیاقتیں فضیلتیں جو جو نعمتیں رب تعالیٰ نے تاقیامت تم لوگوں میں تقسیم فرمائیں یا جو عطا فرمائیگا خواہ وہبی صفات ہوں یا کسبی فطرتی جبلی ہوں یا اپنی محنت سے حاصل کردہ لیاقتیں ڈگریاں ہنر صنعت و حرفت ہوں وہ سب رب تعالیٰ نے مجھ کو ازل میں ہی عطا فرما دیں اس لیے فقط یہ دعویٰ میں ہی کر سکتا ہوں کہ میں ہر صفت ہر قوت طاقت لغت زبان دانی علوم فیوض میں تم سب کی مثل ہوں یہ دعویٰ یہ چیلنج نہ کوئی اولین میں کر سکا نہ آخرین میں نہ تم آپس میں۔ دنیا میں کوئی انسان کتنی ہی عقل و لیاقت اور محنت والا ہو وہ اپنی محنت مشقت اور لگن سے دو چار صفات اور سندات سے زیادہ حاصل

نہیں کر سکتا اور دس بارہ زبانیں جاننے والا بھی پورے ایک جلسے کو یا ایک شہر کو بھی چیلنج نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی سو دو سو صفتوں والا یہ مِثْلُکُم کا دعویٰ کر بھی دے تو کوئی دوسرا آدمی کہہ سکتا ہے کہ مجھ کو فلاں ہنر آتا ہے تجھ کو وہ نہیں آتا مِثْلُکُم کہنے والے کو خاموش ہونا پڑے گا۔ یہ تو صرف آقاء کائنات کی ہی ذات مقدسہ ہے جن سے رب تعالیٰ نے یہ دعویٰ کروایا اور آج تک کوئی بھی مغرب مشرق شمال وجنوب بلکہ فرش وعرش لوح وقلم میں کوئی گردن نہیں اُٹھا سکا اس آیت میں اگرچہ چیلنج سب عرشیوں فرشیوں ملائکہ جنات کو سنایا جا رہا ہے مگر "بشر" کہہ کر اس چیز کا اظہار مقصود ہے انسانوں کو ہی زیادہ صفات اور لیاقتیں ملتی ہیں وہ ہی زیادہ مغرور اور متکبر بھی بنا پھرتا ہے اس لیے خاص اُس کی صفتِ بشریت کا ذکر کیا گیا۔ دوسری مخلوق کے پاس نہ ڈگریاں اور سندیں ہیں نہ سکول وکالج یونیورسٹیاں اور فیکٹریاں ہنر سازیاں ہیں نہ غرور وتکبر ہے۔ اس آیت پاک میں پانچ لفظ قابلِ غور ہیں ما قُلْ۔ یہ فعل امر ہے اس میں حکم پایا جاتا ہے۔ حکم کرنے کے دو ہی مقصد ہوتے ہیں یا انکار کرنے کی صورت میں حکم دیا جاتا ہے یا جھجکنے کی صورت میں۔ اگر یہاں عاجزی وانکساری مراد ہوتی تو وہ تو پہلے ہی ہر ہر بات قول وفعل سے ظاہر ہو رہی ہے مزید امر کی ضرورت نہ تھی کردارِ نبوت سے اظہارِ عجز وبندگی بشریت میں نہ انکار رہے نہ جھجک پس ثابت ہوا کہ یہ امر اظہارِ عجز کے لیے نہیں بلکہ شانِ مصطفیٰ اور نعتِ عظیم بیان کرنے کے لیے ہے یعنی اے محبوب تم یہ دعویٰ کرو کیونکہ ہم نے تم کو اس دعوے کے لائق پہلے ہی بنا دیا ہے اپنی قدرت سے ساری صفاتِ کمالیہ تمہاری ذاتِ یکتا وبے مثل میں بھر دی ہیں، قرآنِ کریم میں لفظِ قُلْ تقریباً تین سو تینتیس ۳۳۳ آیت میں ارشاد ہوا ہے اور ہر جگہ ہی کسی نہ کسی طریقے پر نعتِ محبوب کا بیان ہے صلی اللہ علیہ وسلم صرف سمجھنے کے لیے عقلِ سلیم چاہیے ما۲ اِنَّمَا اَنَا، فقط میں ہی۔ یہ لفظِ حصر ہے جس نے بتایا کہ کائنات میں صرف ایک میری ہی ذات رب تعالیٰ نے ایسی بنائی جو یہ ہر ایک کی مثلیت کا دعویٰ کر سکتی ہے ما۳ "بَشَرٌ" بشریت صفت ہے نہ کہ ذات۔ اس نے اس بات کا اشارہ فرمایا کہ مثلیت صفات میں ہے نہ کہ ذات میں صفات ہی سے درجہ مرتبہ شرافت لیاقت عزت عظمت قوت طاقت ہنر۔ فضیلت حرفت فصاحت بلاغت حاصل ہوتی ہیں۔ نبوت، ولایت، اقامت وزارت امارت بادشاہت طبابت مہارت علمیت، عقلیت یہ تمام صفتوں کے ہی نام ہیں یہ سب صفات بشر کی صفت والی مخلوق کو عطا ہوئیں کسی کو ایک دو کسی کو دس بیس۔ لیکن کائنات کی تمام صفات کمالیہ کا مجموعہ محمدِ مصطفیٰ کو بنایا گیا صلی اللہ علیہ وسلم ما۴ مِّثْلُكُمْ۔ لفظ مثل کے معنی ہیں برابری۔ یعنی اے کائنات کے سابقہ موجودہ، آئندہ تا قیامت انسانو۔ صرف میں ہی ہر صفت میں تمہاری مثل ہوں۔ ہر صفت میں تمہارے برابر ہوں تم جو کمال [illegible] یا کرو گے یا جو قدرتی کمال

تم کو مل جائے وہ تمام کمالات میرے پاس ہیں تم ایک دو کمال میں کسی ایک دو کی ہی مثل ہو سکتے ہو وہ بھی مکمل مثلیت سے نہیں مگر میں تم سب کی مثل بدرجۂ اتم ہوں ہاں البتہ تم کوئی بھی نبی ولی صدیق و فاروق، فصیح و بلیغ عالم و فقیہ دنیا کا بڑے سے بڑا بھی میری مثل نہیں ہو سکتا۔ یہ آیت سن کر خدشہ تھا کہ شاید کوئی ابوجہلی نسل کا نادان بے عقل جاہل خود کو نبی اکرم کے برابر سمجھے۔ اس لیے صوم وصال کی حدیث میں اس خدشہ زبانی کو پہلے ہی بند فرما دیا گیا چنانچہ بخاری جلد اول کتاب الصوم باب الوصال ص ۲۶۳ پر ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوِصَالِ فِی الصَّوْمِ فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ اِنَّكَ تُوَاصِلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ قَالَ وَاَیُّكُمْ مِثْلِیْ اِنِّیْ اَبِیْتُ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِیْ۔ (الخ) ترجمہ روایت ہے حضرت ابوہریرہؓ سے منع فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملے ہوئے (بغیر افطار و سحری) روزے رکھنے سے ایک مسلمان نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ تو رکھتے ہیں۔ تو فرمایا کہ تم میں سے میری مثل کون ہو سکتا ہے۔ اس آیت اور حدیث کو جوڑنے سے ثابت ہوا کہ نبی کریم سب کی مثل ہیں لیکن کوئی دوسرا نبی کریم کی مثل نہیں ہو سکتا کسی بھی چیز صفت یا ذات میں اس لیے میرے ظاہر ظہور ہونے کے باوجود تم میری حقیقت کو نہ سمجھ سکتے ہو نہ بیان کر سکتے ہو اور نہ میری صفات کما لیہ کو احاطۂ تحریر میں لا سکتے ہو میری ذات و صفات کلماتِ الٰہیہ کے مَا نَفِدَتْ ہونے کی برھانِ ربانی ہے یعنی قُلْ لَّوْ كَانَ (الخ) دعویٰ ہے اور قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اس کی دلیل ہے جب تم میری صفات کا احاطہ نہیں کر سکتے تو سمجھ لو کہ کلماتِ الٰہی کی کیا شان ہو گی۔ ۵ فرمایا گیا۔ یُوْحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ یوحیٰ کا جملہ بھی اَنَّمَا کے حصر کے تحت ہے یعنی یہ وحی بھی صرف میری طرف ہوئی ہے کہ فقط تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے پوری کائناتِ عالم میں کہیں بھی کوئی دوسرا معبود موجود نہیں نہ مجھ کو کہیں نظر آیا کیونکہ میں نے ہی کائنات کا تمام گوشہ گوشہ دیکھا ہے یہ حصر تین قسم کا ہو سکتا ہے ۱ حصر اوّلیت۔ یعنی سب سے پہلے مجھ کو ہی وحی ہوئی تھی کہ معبود ایک ہی ہے۔ اس اوّلیتِ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبوت حدیث پاک میں بھی ہے اور قرآنِ مجید میں حدیث میں فرمایا گیا۔ كُنْتُ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الطِّیْنِ وَالْمَآءِ اور قرآنِ کریم میں ہے قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہوتا تو ساری مخلوق اس کی عابد ہوتی مگر میں اُن سب سے پہلے عابد ہوتا ۲ یا یہ حصرِ زمانی ہے کہ اب اس زمانے میں صرف مجھ کو ہی وحی آتی ہے اب میری بات ہی وحیِ الٰہی ہے اب کبھی کوئی اور نبی نہ ہو گا نہ ہے ۳ یا یہ حصر تخصیصی ہے کہ میری وحی دیگر انبیاء علیہم السلام کی وحی سے اس لیے خاص ہے کہ مجھ کو معراج کی تمام جگہ کا مشاہدہ کرایا گیا اور

میں نے مبلغطرِ خود اللہ کے سوا کسی اور معبود کا نام نشان بھی نہ دیکھا۔ لہٰذا جو شخص یَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ۔ تمنا اور آرزو کرتا ہے یا اپنی کوتاہیوں کمزوریوں لغزشوں کی وجہ سے بارگاہِ رب تعالیٰ میں حاضری اور اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی سے ڈرتا ہے تو اُس کو چاہیئے کہ اپنی اس دنیا چند روزہ زندگی میں سُستی غفلت کسل مندی کو چھوڑ کر ہر وقت اچھے نیک صالح اور صحیح عمل کرے اور اپنے رب کریم کے لیے خالص کرے کسی غیر کو اُس کی عبادت میں کسی بھی طرح شریک نہ کرے، نہ شرکِ اکبر یعنی بت پرستی سے نہ شرکِ اصغر یعنی لوگوں کو دکھلاوے ریا سے سوا اللہ تعالیٰ کے کسی کی خوشنودی کی تمنا نہ کرے۔ انسان چار قسم کے ہیں نمبر۱ اکھڑ طبیعت بد دماغ جو کسی کو بھی نہیں مانتے اس قسم کے لوگ دھریہ کافر بن جاتے ہیں نمبر۲ اوندھی عقل اور غلط سوچ اندیش والے لوگ ہر سخت رعب دار اور انوکھی ہیبت ناک چیز کے سامنے جُھک جانے والے ایسے لوگ مشرک بن جاتے ہیں جیسے بت پرست اور یہود نصاریٰ کہ انہوں نے جھوٹے معبود اور اللہ کے بیٹے بیٹیاں بنا ڈالے نمبر۳ عقل سلیم اور قلب ایمان والے انہوں نے ہی لَا یُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا۔ پر پورا عمل کیا نمبر۴ ظاہر پرست نام نمود والے دنیا کی تعریف کے متمنی نعرے باز۔ یہ دنیا پرست مسلمانوں کا حال ہے ہر عمل ریا کاری کے لیے کر کے شرک اصغر میں مبتلا ہو جائے اس آیت میں ان کو ہی سمجھانا مقصود ہے۔ لَا یُشْرِكْ کے تین معنیٰ کیے گئے ہیں اوّل بت پرستی نہ کر دوم ریا کاری اور دکھلاوہ نہ کر سوم غیر اللہ سے اعمال کی جزا یا سزا مت طلب کر نہ اپنے جیسے نہ کسی کے لیے یَرْجُوْا کے تین معنیٰ کیے گئے ہیں نمبر۱ امید کرنا نمبر۲ خواہش کرنا نمبر۳ خوف کرنا۔ ایک دفعہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے جندب بن زہیر عامری صحابی نے عرض کیا یا رسول میں نیک عمل تو اللہ تعالیٰ کے لیے کرتا ہوں لیکن دل میں خواہش پیدا ہوتی ہے کہ لوگوں کو میرے اس اچھے عمل کا پتہ لگ جائے یا اگر وہ دیکھ لیں تو دل میں خوشی ہوتی ہے اور کوئی اچھائی کرے تو زیادہ خوشی ہوتی ہے۔ تب آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی اور فرمایا یہ شرکِ اصغر ہے ان خیالات سے بھی بچو اور نفرت کرو۔

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے اور سبق حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو انعام کے طور پر مختلف صفاتِ کمالیہ سے نوازا ہے کسی کو ایک کسی کو چند وغیرہ کوئی بھی آدمی صفتِ کمالیہ سے خالی نہیں خواہ وہی صفت ہو یا کبھی ان ہی صفات سے صفاتی نام بن جاتا ہے یہ صفت نہ ملائکہ کو عطا ہوئی نہ جنات کو نہ کسی حیوانات کو صرف انسانوں میں تقسیم ہوئیں تو جس کو جتنی صفتیں عطا ہوئیں اتنے ہی اس کے صفاتی نام ہوں گے وہی صفات ملا کر کسی بھی آدمی کو دس بیس یا چالیس پچاس سے زیادہ صفاتِ کمالیہ حاصل نہیں ہو سکتیں یہ عالم قاضی مفتی محدث مفسر ولی غوث قطب ڈاکٹر طبیب فلسفی منطقی بادشاہ وزیر امیر ہونا سب صفاتی نام ہی تو ہیں جس کو جتنی ... ہوں گے۔ بڑے سے بڑا

انسان بھی اپنی زندگی میں صرف چند ہی صفاتی نام حاصل کر سکتا ہے یہ تو پیارے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی خصوصی شان ہے کہ رب تعالیٰ نے آپ کو ہزاروں صفاتی نام عطا فرمائے۔ ننانوے نام پاک تو دنیا میں ہی ظاہر فرمائے ہزار ہا نام وہ ہیں جو آسمانوں زمین میں مشہور و معروف ہیں جن سے ہم علم قلیل والے ابھی لاعلم ہیں۔ یہ فائدہ اَنَا بَشَرٌ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ باری تعالیٰ کے کروڑ ہا اسماءِ پاک بھی اُس کی صفات کے مظہر ہیں۔ دوسرا فائدہ، آقاءِ کائنات نبی کریم بشر بھی ہیں نور بھی آپ کی بشریت بھی بے مثل ہے اور نوریت بھی نہ کوئی دوسرا البشر آپ کی مثل ہو سکتا ہے نہ کوئی نورانی فرشتہ آپ کی مثل ہو سکتا ہے مگر آپ صفاتِ ملکوتی میں تمام کی مثل ہیں کیونکہ رب تعالیٰ نے آپ کو تمام ملکوتی نورانی اور بشری صفاتِ کمالیہ عطا فرما دی ہیں، چونکہ آپ مظہر ذات و صفاتِ الٰہیہ ہیں اس لیے آپ کو بشریت و نورانیت دونوں چیزیں عطا کی گئیں شیشہ کو آئینہ بنانا ہو تو اُس کے ایک طرف مسالہ لگا دیا جاتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب حق کا آئینہ بنایا گیا تو آپ کو بھی صفتِ بشری کا جسم کثیف والا مسالہ عطا کیا گیا یہ فائدہ بھی اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اور صوم وصال کی ممانعت والی حدیث مِثْلِی سے حاصل ہوا۔ کوئی انسان فرشتہ جن نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل نہیں ہو سکتا۔ تیسرا فائدہ، قیامت میں اللہ تعالیٰ کا کلام تو سب ہی انسان سے ہوگا اور سب سُن بھی سکیں گے مگر دیدار صرف نیک اور متقی مومن مسلمان کو ہوگا۔ یہ فائدہ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا (الخ) سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن ان آیت کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ، ہر مسلمان کو یہ عقیدہ رکھنا واجب ہے کہ تمام مخلوق میں انبیاء کرام علیہم السلام کا علم سب سے زیادہ ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام میں آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا علم سب سے زیادہ مگر یہ تمام علوم رب تعالیٰ کے ایک علم کے مقابل کوئی نسبت نہیں رکھتے ایک قطرے سے بھی مشابہت دینا جائز نہیں، کیونکہ سب علوم متناہی یعنی کسی انتہا پر ختم ہونے والے مگر رب تعالیٰ کے علوم غیر متناہی ہیں اور غیر متناہی کو متناہی سے کوئی مشابہت دینا بھی ناجائز ہے ہر جسم حادث متناہی ہوتا ہے۔ اللہ کی صفات جسمیت سے پاک ہیں دوسرا مسئلہ۔ انبیاءِ کرام کو بشر کہنا اور کہکر لکھنا یا پکارنا حرام ہے اور اپنے جیسا عام بشر سمجھنا کفر ہے اور اپنے آپ کو نبی علیہ السلام جیسا اور کسی صفت میں برابر سمجھنا اشد کفر ہے کیونکہ یہ بات حقیقت کے خلاف ہے انبیاء کرام کی بشریت بھی بے مثل ہے۔ خاص کر آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات یہ مسئلہ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کی ہماری تفسیر سے مستنبط ہوا۔ تیسرا مسئلہ، ریاکاری، اور غرور و تکبر۔ دکھلاوا نام و نمود کے لیے کوئی دینی دنیوی عمل کرنا حرام اور شرکِ اصغر ہے یہ مسئلہ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهٖ (الخ) سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں پہلا اعتراض یہاں فرمایا گیا قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ جس سے ثابت ہو رہا ہے کہ کلمات الٰہیہ سیاہی کے ختم ہونے سے پہلے ختم نہیں ہوں گے

مگر بعد میں ختم ہو جائیں گے لفظ قبل ہر محاورے میں بعد کی ثبوتیت پر دلالت کرتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے کہ دن رات سے پہلے کبھی نہیں آسکتا یعنی بعد میں آتا ہے۔ اسی طرح یہاں ثابت ہو رہا ہے۔ اگر یہ بات ہے تو پھر کلمات ربی بھی متناہی ہوئے۔ **جواب**۔ اس کے تین جواب دئیے گئے ہیں ایک یہ کہ اس آیت کی وضاحت سورۃ لقمان کی آیت ۲۷ نے بیان فرمادی وہاں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَۃٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّہٗ مِنْ بَعْدِہٖ سَبْعَۃُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ کَلِمٰتُ اللّٰہِ (الخ) ترجمہ۔ اگر زمین کے تمام درخت قلم بن جائیں اور ان کی پورا سمندر سیاہی بن جائیں اُس کے بعد دوسرے سات سمندر بھی سیاہی بن جائیں پھر بھی اللہ کے کلمے ختم نہیں ہو سکتے۔ اس آیت سے اعتراض ختم ہو گیا جواب دوم یہ ہے کہ یہاں قبل معنی غیر ہے (صاوی) اور لفظ غیر نفی کے لیے آتا ہے یعنی نہیں ختم ہوں گے (تفسیر صاوی) جواب سوم یہ ہے کہ محاورۃً لفظ قبل نفی کے لیے آتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے کہ زید نے آنا تھا مگر اس سے پہلے بکر آگیا اور زید نہیں آیا۔ اس آیت میں قبل نفی کے لیے ہے اور اس طرح بولنا عام محاورہ ہے اور مراد نفی ہی ہوتی ہے۔ اس لیے اعتراض غلط ہے **دوسرا اعتراض**۔ لَوْ کَانَ الْبَحْرُ (الخ) کی تفسیر اور شانِ نزول سے ثابت کہ مخلوق اور خاص کر انسانوں کا علم بہت تھوڑا ہے اور آیتِ روح میں وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا۔ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ انسان کو علم بہت تھوڑا ملا ہے مگر مَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا۔ کے ارشادِ باری سے ثابت ہوتا ہے کہ انسانوں کو علمِ کثیر ملا ہے (یہودی عیسائی آریہ) **جواب**۔ اس اعتراض کی وضاحت پوری تو تفسیر عالمانہ میں بیان کر دی گئی ہے یہاں اتنا اور سمجھ لو کہ علم اور خیر میں بہت فرق ہے ان میں عام خاص من وجہ کی نسبت ہے یعنی ہر علم تو خیر ہے مگر ہر خیر علم نہیں۔ اس لیے کثرتِ علم کی نفی بھی درست ہے اور کثرتِ خیر کا ثبوت وایجاب بھی درست ہے علم اور چیز ہے خیر اور چیز ہے۔ **تیسرا اعتراض** آپ نے اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ کی جو تفسیر بیان کی ہے وہ اس سے پہلے نہ کہیں سنی نہ پڑھی نہ کسی مفسر محدث عالم نے بیان فرمایا لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ تفسیر بالرائے ہے اور تفسیر بالرائے القرآن حدیث پاک گناہ ہے جیسا کہ ابو داؤد شریف جلد دوم کتاب العلم ص ۱۵۵ پر ہے اگر رائے سے تفسیر صحیح بھی ہو تب بھی غلطی اور خطا ہے۔ **جواب** یہ تفسیر بالرائے نہیں ہے۔ تفسیر بالرائے وہ ہوتی ہے جو آیتِ قرآن کی روش اور منشاء سیاق وسباق کے بھی خلاف ہو روایت درایت نیز اور متواتر و مشہور احادیث کے مخالف ہو۔ لیکن ہماری تفسیر لغت اور دیگر آیات کے عین مطابق ہے نیز ہم نے احادیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے۔ چنانچہ بخاری شریف جلد اول کتاب الصوم باب الوصال فی الصوم ص ۲۶۳ پر ہے۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوِصَالِ فِی الصَّوْمِ فَقَالَ لَہٗ رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ اِنَّکَ تُوَاصِلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ [illegible] ۔ (الخ)

اس حدیث میں اَیُّکُمْ مِثْلِی۔ ارشاد ہوا۔ یعنی تم میں سے میری مثل کوئی نہیں ہے۔ یہ فرمان ہماری تفسیر کی تائید فرما رہا ہے نیز اس آیت کی وہ تفسیریں جو سابقہ مفسرین نے فرمائیں وہ بھی آپس میں ایک دوسرے کی تفسیر سے مختلف اور کسی بھی مفسر نے اپنے قول کی تائید میں کوئی دلیل نہ لکھی۔ ہم نے تو کثیر دلائل مندرجہ فی التفسیر عالمانہ کے علاوہ یہ حدیث مبارکہ پیش کر دی نیز یہ تفسیر بہت سے علما کے جلسوں میں میں نے خود دورانِ تقریر بیان کی تو کسی نے بھی تنقید یا اعتراض نہ کیا بلکہ پسند فرمائی۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالْقَوَاآس سورہ کہف کی چار آیت کا شانِ نزول اگرچہ یہ سورہ یکدم نازل ہوئی تھی اس لیے اس کا ایک ہی شانِ نزول ہے لیکن چونکہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے چھ آیتوں کا شانِ نزول علیحدہ بیان کیا ہے اس لیے ہم بھی یہاں اُس کا تذکرہ اور مطابقت بیان کئے دیتے ہیں آیت ۱۰۸، ۱۰۹ اور ۱۱۰ کا شانِ نزول کچھ چند سطور پہلے بیان کر دیا گیا۔ آیت ۲۳، ۲۳ و ۲۴ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی آئندہ بات میں انشاء اللہ کہنا بھول گئے تب یہ دو آیتیں نازل ہوئی از وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ تا۔ مِنْ ھٰذَا رَشَدًا شانِ نزول آیت ۲۶ تا ۲۷۔ از۔ قُلِ اللّٰہُ اَعْلَمُ۔ تا۔ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِہٖ مُلْتَحَدًا ۲۷ نجران کے عیسائیوں نے اعتراض کیا کہ ثَلٰثَ مِائَۃٍ سِنِیْنَ کو ہم سمجھتے مانتے مگر وَازْدَادُوْا تِسْعًا۔ کون سی مدت ہے اُن کے جواب میں یہ دو آیتیں نازل ہوئیں۔ آیت ۲۸ کا شانِ نزول کفارِ مکہ نے مطالبہ کیا تھا کہ جب ہم آیا کریں۔ تو آپ اپنے پاس سے غریب مسلمانوں کو اٹھا دیا کریں۔ ان کے مطالبے کو مسترد کرتے ہوئے یہ آیت نازل ہوئی از۔ وَاصْبِرْ نَفْسَکَ تا۔ وَکَانَ اَمْرُہٗ فُرُطًا۔ یہ تھا امام سیوطیؒ کا دوسرا قول جو جمہور علما کے خلاف ہے ہم مطابقت اس طرح کرتے ہیں کہ سورۃ تو سب کی سب ایک دم نازل ہوئی لیکن جب کبھی کسی بھی کافر نے کوئی اُسی قسم کا اعتراض کیا جیسے پہلے کفارِ مشرکین، یا یہودی عیسائی لوگوں نے کیا تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ کہف کی یہ ہی آیت موقع بموقع سنادیں اور صحابہ نے احادیث کے ضمن میں ان کو روایت کر دیا۔ جس کو امام سیوطی وغیرہ بزرگوں نے علیحدہ شانِ نزول سمجھ لیا۔ اور اپنی کتابوں میں لکھ دیا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ تمام سوالات و اعتراضات مختلف موقعوں پر پہلے ہوتے رہے آخر میں ایک دم یہ سورۃ نازل فرما کر سب کا جواب دیا گیا اور ہر جواب مختلف آیت میں مذکور ہوا۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

تفسیر صوفیانہ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا لَا یَبْغُوْنَ عَنْھَا حِوَلًا۔ قُلْ لَّوْ کَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّکَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ کَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِہٖ مَدَدًا۔

وہ مریدانِ باصفا عاشقانِ باوفا مکاشفاتِ لقا کے باغاتِ فردوسِ روحانیت وچمنستانِ محبت میں ہمیشہ رہنے والے دنیائے ناسوت کے ہزار ہا مناظرِ حسین بھی دیکھیں تب بھی وہ ان مراقباتِ خلوت سے علیحدہ ہونا نہ چاہیں گے عالمِ اجسام کے دلفریب نظارے ان کی نظروں کو کس طرح کھینچ سکتے ہیں جنہوں نے ایک جھلک جلوۂ محبوب کا نظارہ کر

کیا دنیا کی زیب و زینت جاہ و حشم تاج و تخت ۔ کرسی سلطنت تو چیز ہی کیا ہے درویشان راہ الٰہی تو نظارۂ کلمات الٰہیہ سے بہرہ مند ہونے کی تمنا و آرزو میں کرسی نو فلک کی طرف بھی آنکھ پھیر کر نہیں دیکھتے ۔ اے محبوب حق کلمۃ من کلمات اللہ مرشد عالمیان اپنے زبان چشمۂ علم و حکمت سے ان مشتاقان قرب مسجد زبان بُعد مجنونان اسرار بے خبران دنیا و لذات دنیا سے فرما دے کہ اے کلمات الٰہیہ کے مشاہدات کا شوق حقانی رکھنے والو کلمات الٰہیہ بحر بیکراں ہے اس کی ابتدا تو ہے مگر انتہا کوئی نہیں ایک کلمۂ الف کے نظارے میں ہی ستر ہزار عالم پر صدیاں بیت جاتی ہیں دوسرے کلمۂ ب تک تو عمریں فنا ہو جاتی ہیں اگر کائنات عالم کا پورا سمندر اپنے تمام ساتوں حصوں کے ساتھ سیاہی بن جائے کلمات اسرار و انوار عالم اظہار میں لکھنے بیان کرنے کے لیے بحار ناسوتی و ملکوتی و جبروتی خرچ ہو کر ختم ہو جائیں مگر رب تعالیٰ کے کلمات اسرار کی انتہا نہ ہو سکے اگرچہ کائنات کی ہم ساری مخلوق اسی بحار سبعہ کی مثل اور بھی کہیں سے اتنی ہی سیاہی حاصل کریں اہل کشف کے سات سمندر یہ ہیں ۱ بحر ناسوت ۲ بحر لاھوت ۳ بحر ملکوت ۴ بحر جبروت ۵ بحر عملیات ۶ بحر فکریات و جذبات ۷ بحر ظلمات، یہ سب قالب بشری کے عالم امور عالم مخفیہ سریہ میں موجزن ہیں بحر عملیات میں مومن کا چہرہ بشاش و ترو تازہ رہتا ہے مگر دل بحر جذبات و فکریات میں غمگین و افسردہ صوفیاء معرفت کے نزدیک حقوق بھی کلمات الٰہیہ میں سے ہیں مقام مغفرت کی جنت اعلیٰ اس کو ملتی ہے جو تمام اور ہر قسم کے حقوق ادا کرے کیونکہ یہی اعمال صالحہ ہیں ۔ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حقوق عمومی ہیں ۱ سلام کا جواب ۲ چھینک کا جواب بشرطیکہ چھینکنے والا اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہے ۳ بیمار پرسی کرنا ۴ جنازہ پڑھنا ۵ ہدیہ و دعوت دینا و قبول کرنا ۔ مومن اور اہل ایمان کی تین نشانیاں ہیں ۱ صبر و استقامت یہ دونوں ایمان کے ساتھ ایسے جڑے ہوئے ہیں جیسے جسم کے ساتھ سر اور سر کے ساتھ دھڑ ۲ سادگی ۳ پڑوسی کی حفاظت و عزت یہ امانت اخروی ہیں جس کی دیانت بقاء کلمات ربانی کا ذریعہ اور خیانت محرومی و مردودی کا سبب ۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۔ اے قلب و جگر عقل و شعور کائنات مخلوق کے ابدی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم تیری ہی شان بلند کے لائق ہے کہ بحکم رب تعالیٰ تمام عالم بشریت میں اعلان عظیم بذریعہ کتاب دائمی قرآن قدیم فرما دے کہ فقط میں ہی ہوں جو تمام صفات بشریت میں تم سب عالم مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ کی مثل ہوں قیامت تک جس بشر کو بھی ظاہری یا باطنی وہبی کسبی خفی و جلی جسدی روحی خلوت مراقبہ جلوت مظاہرہ کی صفت مشاہدہ عطا ہو گی وہ تمام صفات عالیہ کمالات تامہ مجھ کو میرے رب قدیم نے پہلے ہی عالم ازل میں عطا فرما دیں ہیں لیکن آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تو بشریت بھی بے مثل ہے کہ تمام انبیاء [illegible] ہی کافی دوافی ہے مگر

بشریت مصطفیٰ کو سمجھنے کے لیے مقاماتِ ثلثہ سے گزرنا پڑتا ہے (۱) مقام علم (۲) مقام انکشاف (۳) مقام شہود و مشاہدہ بقولِ امام بوصیری۔

وَمَبْلَغُ الْعِلْمِ فِيْهِ اَنَّهٗ بَشَرٌ - وَاَنَّهٗ خَيْرُ خَلْقِ اللّٰهِ كُلِّهِمِ

معرفت کبریائی اور معرفت مصطفائی دونوں کے لیے یہ تینوں مقامات حاصل کرنے پڑتے ہیں صوفیا فرماتے ہیں کہ معرفتِ کبریائی کے یہ تینوں مقام نبی کریم کو حاصل ہیں اور معرفتِ مصطفاء جو آئینۂ جمالِ کبریائی ہے اس کے یہ تینوں مقام صرف انبیاء علیہم السلام کو حاصل، اور معرفتِ نبوت کے ہر نبی کے صحابہ علیہم الرضوان کو پھر وسیلہ در وسیلہ اولیاکو اور اب تاقیامت صرف مجھ کو ہی وحیِ القاءِ باطنی الہامِ ظاہری کی جاتی ہے کہ تم تمام عالمین ظاہر و باہر اسرار و اخفیٰ کا معبود فقط ایک ہی معبود ہے میں نے ساری کائناتِ موجود و معلومِ معراجِ اسرار کا گوشہ گوشہ دیکھا چشمِ جسمانی و روحانی سے مشاہدہ کیا مجھ کو کوئی بھی کہیں بھی دوسرا معبود نظر نہ آیا پس جو مومن اللہ تعالیٰ کا تجلیاتِ جمال سے ایسا قربِ نورانی اور وصلِ روحانی چاہتا ہے کہ مثلِ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ہو جائے تو فناءِ نفسِ امارہ اور ازالۂ خصائلِ ذلیلہ و طبیعتِ رذیلہ کو ختم کر کے اعمالِ صالحہ شروع کر دے کیونکہ رذائلِ نفس اعمالِ صالحہ کو بگاڑ دیتا ہے ہر عمل فنائے نفسِ امارہ کے بعد ہی اچھا صالحہ اور قابلِ قبول بنتا ہے اور بقاءِ عمل کے لیے سب سے اہم و ضروری کام یہ ہے کہ کسی بھی موقعہ پر اللہ کی عبادت میں کسی قسم کا شرک نہ کرے یعنی تیرے قلبِ مُزکّٰی کا تعلق علمی یا محبوبی یا تحسینی غیر اللہ کو دکھلاوے کا نہ ہو کیونکہ تعلقِ قلبی ذکرِ قلبی ہے اور اصل عبادت ذکر ہی ہے اور تعلقِ محبوبی تقاضہ کرتی ہے عبادتِ بے ریاکاری کیونکہ مومن کا محبوب صرف اللہ تعالیٰ ہے نہ کہ غیر اللہ صوفیاء کے نزدیک عاجزی اور تذلیلِ نفس کا نام ہی عبادت ہے مردِ مقبول مسعود نفسانیت کو ہمیشہ ذلیل رکھتا ہے اور لَا مَقْصُوْدَ اِلَّا اللّٰهُ کا مدعا یہ ہے کہ بارگاہِ محبوب میں عجز کامل ہو۔ یہ کہنا درست نہیں ہے کہ انبیاء کرام اور اولیاء اللہ سے علم غیر اللہ جدا نہیں ہوتا اس لیے کہ جب قلب مقامِ فنا کے درجہ میں آجاتا ہے تو محلِ علم نہیں رہتا بلکہ مہبطِ تجلیاتِ رحمٰن بن جاتا ہے مگر مادۂ بشری کی بنا پر غیر اللہ سے حکمتِ الٰہیہ کے بموجب صرف متعلقِ خفیفہ رہتا ہے۔ واللہ و رسولہ اعلم (از تفسیر)

سورۂ کہف شریف کے عملیات، وظائف اور تعویذ اور کچھ آیات کی تلاوت کے فوائد

سورۂ کہف کے بارہ ۱۲ رکوعوں کا مختصر تفسیری بیان تو ہم نے اس سورۃ کے شروع میں پارہ پندرہ میں لکھ دیا ہے۔ یہاں اس سورت کے چند عملیات درج کئے جاتے ہیں (۱) حضرت ابو درداء سے روایت ہے کہ فرمایا آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ جس شخص سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیات حفظ کر لیں اور روزانہ کسی مقررہ وقت پر ان کو نیت تلاوتِ قرآن مجید پڑھے [illegible] مسلم ابو داؤد اور نسائی نے روایت

فرمایا۔ ۲ ترمذی شریف میں ہے کہ جس نے ابتدائی تین آیتیں یاد کرلیں اور روزانہ تلاوت کیں تو وہ بھی فتنۂ دجال سے
بچا رہے گا یہ حدیث پاک حسن صحیح ہے ۳ مسند احمد، مسلم شریف، نسائی ابو درداء سے ہی روایت ہے کہ جو شخص
سورۃ کہف کی آخری دس آیتیں یاد کرکے ہمیشہ تلاوت کرلیا کرے وہ بھی دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا انشاء اللہ
تعالیٰ ۴ امام بغوی نے اپنی تفسیر میں روایت فرمایا کہ حضرت انسؓ سے روایت ہے فرمایا انہوں نے کہ فرمایا آقاء دو جہاں
صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص سورۃ کہف کی اوّل آخر سے دس دس آیتیں روزانہ تلاوت کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو
سر سے پیر تک نور کی چادر میں ڈھانپے گا یا تو دنیا میں ہی یا قیامت میں ۵ اور اسی کتاب میں ہے کہ جو شخص روزانہ ایک
بار پوری سورۃ کہف تلاوت کرے تو اس کے لیے زمین سے آسمان تک نور ہو گا۔ اس کو ابن سنی نے بھی روایت کیا ہے
اپنے رات و دن کے اعمال والی کتاب میں ۶ مسند احمد میں روایت ہے کہ فرمایا نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم
نے جو شخص رات کو سوتے وقت اپنے بستر کے پاس یا بستر میں بیٹھ کر باوضو ایک بار روزانہ سورہ کہف تلاوت کرے
تو اس کو صبح تک اتنا نور ملے گا جو اس کے بستر سے مکہ مکرمہ تک پھیلا ہوگا۔ اور ملائکہ اس کے جاگنے تک اس پر رحمت
کی دعائیں کرتے رہیں گے۔ اور اگر اس کا بستر مکہ مکرمہ میں ہوگا تو نور مکہ شریف سے ساتویں پر آسمان فرشتوں کی
مسجد بیت المعمور تک پھیلا ہوگا۔ اس حدیث پاک کو ابن مردویہ نے بھی اپنی مسند میں روایت فرمایا۔ ۷ امام بیہقیؒ
نے اپنی کتاب دعوات کبیر میں اور امام حاکم نے اپنی مستدرک میں حضرت ابو سعیدؓ سے روایت فرمایا کہ آقاء کائنات
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جمعہ کے دن اس کو تلاوت کرے گا تو اگلے جمعہ تک اس کے لیے
اس کو ایک نور دیا جائے گا۔ ۸ امام بیہقی نے روایت فرمایا اپنی کتاب شعب الایمان میں کہ جس مسلمان نے (مرد یا
عورت نے) جمعہ کے دن باوضو پوری سورۃ کہف تلاوت کی تو اس کو اتنا نور دیا جائے گا جو اس کے پاس سے
بیت عتیق یعنی خانۂ کعبہ تک پھیلا ہوگا۔ ۹ حضرت براءؓ ابن عازب نے روایت فرمایا کہ ایک صحابی نے بارگاہ
رسالت میں حاضر ہو کر کہا کہ یا رسول اللہ آج فجر سے میں سورۃ کہف تلاوت کر رہا تھا کہ باہر آنگن میں میرے گھوڑے نے
چیخنا اور اچھلنا شروع کر دیا میں گھبرا کر باہر نکلا تو کچھ بھی نہ تھا اور گھوڑا ابھی پرسکون ہو گیا میں نے اندر آ کر جب
پھر تلاوت شروع کی تو پھر اسی طرح گھوڑے نے شور مچایا میں پھر باہر نکلا تو ادھر ادھر زمین پر کچھ نظر نہیں آیا میں
نے آسمان کی طرف دیکھا تو نور کی طرح ایک روشنی اوپر کو جا رہی تھی آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا
کہ وہ فرشتوں کی سکینہ جماعت تھی جو سورۃ کہف کی تلاوت کی وجہ سے تمہارے لیے نور کی چادر لے کر آئی تھی جس کو دیکھ
کر تمہارا گھوڑا ڈر گیا (از تفسیر مظہری)

۱۰۔ جس شخص نے کسی خاص سخت مجبوری میں قرضہ لیا ہو اور غربت کی وجہ سے اترتا نہ ہو قرض خواہوں کا خوف اور
دھڑکا لگا رہتا ہو ادائے قرض کی [illegible] پڑھنے کے فوراً بعد باوضو تین

مرتبہ سورۃ کہف صحیح تلفظ سے تلاوت کرے آہستہ یا تھوڑی آواز سے شور و غل سے دور ہو کر دوران تلاوت بات نہ کرے عصر کا وقت شروع ہونے سے پہلے پہلے تلاوت ختم ہونی ضروری ہے، بعدہٗ اپنے قرضے کے لیے دعا مانگے انشاءاللہ چند جمعہ اس طرح وظیفہ کرنے سے اللہ تعالیٰ ادائے قرض کے غیبی اسباب مہیا فرما دے گا۔ ۱۱ جو شخص بعد نماز فجر طلوع آفتاب سے پہلے پہلے ایک مرتبہ ہمیشہ پڑھا کرے تو طاعون برص، جذام کی اور دیگر ناگہانی بلاؤں مصیبتوں سے رب تعالیٰ اس کو محفوظ فرمائے گا اور کشادگی رزق، دشمن کی زبان بندی، اور گناہ معاف عبادات الٰہیہ میں لذت میسر ہوگی ۱۲ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جو شخص چاہتا ہے کہ اس کا ایمان سلامت رہے تاقیامت اور شرک اکبر و شرک اصغر۔ یعنی ریا غرور تکبر نام نمود سے اس کا دل و دماغ بچا رہے تو اس کو چاہیئے کہ ہر نماز کے بعد تین مرتبہ یہ دعا پڑھا کرے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ اُشْرِكَ بِكَ شَيْئًا وَّاَنَا اَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا اَعْلَمُ تو اللہ تعالیٰ اس کو ہر قسم کے شرک اور ہر قسم کی ریاکاری سے بچائے گا اور اس کا کوئی دینی دنیوی عمل بیکار یا برباد نہ ہوگا۔ اَللّٰهُمَّ وَفِّقْ لَنَا یَا نَحْبِیْرِ۔ اگر کسی عامل کامل متقی صحیح عقیدہ اہل سنت بزرگ سے اس کا تعویذ بنوا کر پاس یا گھر یا دکان میں رکھے تو ہر چیز آل اولاد سامان ہر قسم کی مصیبت سے بچا رہے گا اور کثرت خیر و برکت ہوگی انشاءاللہ تعالیٰ چور ڈاکو دشمن سے محفوظ رہے گا۔ خیال رہے ہر وظیفہ کے اوّل آخر گیارہ دفعہ درود شریف ضرور پڑھا جائے درود شریف کے بغیر کوئی وظیفہ کامیاب نہیں ہوتا سورۃ کہف کے عدد ۱۱،۵۵،۵ ہیں اور پانچویں خانے میں ایک عدد بڑھایا جائے گا۔

۱۲۶۳۷۹	۱۲۶۳۸۲	۱۲۶۳۸۵	۱۲۶۳۷۱
۱۲۶۳۸۴	۱۲۶۳۷۲	۱۲۶۳۷۸	۱۲۶۳۸۳
۱۲۶۳۷۳	۱۲۶۳۸۷	۱۲۶۳۸۰	۱۲۶۳۷۷
۱۲۶۳۸۱	۱۲۶۳۷۶	۱۲۶۳۷۴	۱۲۶۳۸۶

یہ مسئلہ ہر مسلمان کو یاد رکھنا چاہیئے کہ ہر دعا اور ہر وظیفے کے اول اور آخر درود شریف ضرور پڑھنا چاہیئے اور اس کی تعداد میں عاملین بزرگوں کا اختلاف ہے کم از کم ایک بار یا تین بار یا پانچ بار یا گیارہ مرتبہ۔ اور یہ مسئلہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ نماز والا اور درود ابراہیمی صرف نماز میں پڑھ سکتے ہیں نماز کے علاوہ پڑھنا گناہ اور ناجائز ہے اس لیے کہ اس میں سلام نہیں ہے حالانکہ بحکم قرآنی سلام پڑھنا بھی درود شریف کے ساتھ اسی طرح واجب ہے جس طرح درود شریف وہ درود ناقص ہے جس میں سلام نہ ہو۔ درود ابراہیمی نماز میں اس لیے جائز ہے کہ تشہد میں سلام پڑھ لیا گیا وہاں آیت صلوٰۃ پر مکمل عمل ہو گیا۔ وہابی دیوبندی حضرات چونکہ سلام کے منکر اور دشمن ہیں اس لیے وہ درود ابراہیمی پڑھنے پر زور دیتے ہیں۔ ان کی دیکھا دیکھی بعض جاہل پیر اپنی حماقت سے درود ابراہیمی پڑھنے کا حکم لگاتے ہیں مگر قرآن مجید کی آیت پر غور نہیں کرتے، ہر وظیفہ کے لیے سب سے مکمل اور مختصر درود شریف خضری ہے وہ پڑھنا چاہئے [illegible] درود شریف کا [illegible] ہماری کتاب [illegible] اربعین نعیمیہ کا مطالعہ فرماؤ۔

تفسیر صوفیانہ سورۃ کہف کی آیت ۱۰۸ تا ۱۱۰

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ۔ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جس خوش نصیب مومن مسلمان کو رب تعالیٰ اپنی عبادت تلاوت کی لذت میں مشغول فرما دیتا ہے اور عشقِ الٰہی محبتِ مصطفائی کے انوار کی بہاریں ہر سمت سے اُس کے چمن سینہ و قلب پر نازل ہوتی رہتی ہیں اُس کے لیے حیاتِ دنیوی میں ہی مقامِ فردوس کی لذتِ روحانی حاصل ہو جاتی اور ہر قسم کی دنیا میں بھی اپنی خوش نمائیاں لے کر آ جائیں تب بھی یہ مومنین صالحین لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ۔ ان جلووں مراقبوں عبادتوں سے نکلنا برداشت نہیں کریں گے اس کی وجہ یہ کہ ہر لحظہ قلبِ جبروتی کو صوتِ سرمدی کا حکم ملتا ہے کہ کائناتِ دہر میں اعلان فرما دے کہ اگر عالمِ ناسوت کا بحر یکبار سیاہی بن جائے اپنے رب کے اسرار معرفت اور علومِ مغیبات و افکارِ باطنی کے لکھنے کے لیے تو سب سمندر ختم اور خشک ہو جائے گا لیکن میرے علومِ باطنی مکمل نہ ہو سکیں گے اگرچہ اتنی ہی سیاہی اور مہیا کر لی جائے وہ علمِ مخلوق جو رب تعالیٰ نے بندوں کو عطا فرمایا اُس کی چار قسمیں ہیں ۱ علمِ لدنی روحانی ۲ علمِ لدنی نفسانی ۳ علمِ وہبی ۴ علمِ کسبی اگر ظواہرِ عالم کا علم بغیر تصور بغیر تصدیق بغیر نظر کسب بلا بداہت و نظریات کے حاصل ہو جائے تو وہ علمِ لدنی ہے اگر یہ علم بذریعہ وحی ملے تو علمِ نبوت ہے اگر بذریعہ الہامت مکاشفات مجاہدات ریاضت سے ملا تو علمِ ولایت ہے یہ دونوں علم زمین و آسمان پر محیط ہیں اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ ۔ ان کی جڑیں تحت الثریٰ میں اور شاخیں آسمانوں تک اگر یہی لدنی باطنی علم صرف زمین تک محدود رہا تو سفلی ظلماتی نفسانی علم یعنی جادو ہے اگر بندے کی محنت مشقت سے کچھ حاصل ہوا تو وہ علمِ کسبی ظاہری ہے جیسے دنیوی علوم پڑھنا لکھنا معلوماتِ تصوری تصدیقی بدیہی نظری حرفت و صنعت ہنر فن ۔ علمِ وہبی جو بغیر محنت مشقت کے خود بخود حاصل ہو جائیں جیسے فطری جبلی پیدائشی علوم اور محسوسات بھوک پیاس سردی گرمی لذت تکلیف ، رونا ہنسنا اور معلوماتِ چرند پرند حیوانات حشرات یہ اگرچہ کروڑوں کی تعداد بے شمار میں ہیں مگر محدود و منتہی ہیں علومِ ربانی سے ان کو کچھ نسبت نہیں مخلوق کے تمام کلمات و علوم و معلومات کو فنا و اختتام ہے اے قلبِ مزکّٰی و محبوب قُلْ فرما دے کہ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ بے شک میں ہی وہ ظاہر ظہور برہانِ ربانی دلیلِ رحمانی ہوں جو تم سب کی شکل ہوں اللہ تعالیٰ نے جو ظاہری ، باطنی کشفی صدری قلبی کشفی غیبی علوم و معلومات صفات و کمالات تمام عالمِ بشریت میں تقسیم کر کے عطا فرمائے ان تمام کا خزانہ میرے قلب و دماغ میں جمع فرما دیا تم میں سے کون ہے جو یہ دعویٰ برہانی کر سکے اور کون تم میں سے میرے برابر یا میری مثل ہو سکتا ہے اے عالمِ ناسوت کے انسانو تم تو آپس میں یہ دعوے نہیں کر سکتے تم بجز چند صفات کے کسی چیز کے حامل نہیں مگر میں رب تعالیٰ کا وہ بندہ ہوں کہ یُوْحٰۤى اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۔ کہ کائناتِ عالم میں اب صرف مجھ کو ہی وحیِ الٰہی [illegible] گیا ہے کہ عالمین کے مکان ولا

مکان میں تم سب کا معبود فقط ایک ہی معبود ہے اس کے علاوہ کہیں کوئی کسی جگہ دوسرا معبود نہیں دیکھا۔ اب جسنے توحید کا درس لینا سمجھنا ہے وہ فقط میرے پاس میرے آستانے اور میرے دامن میں آئے میرے ہی پاس تم سب کائنات والوں کو سمجھانے پڑھانے کے لیے تم سب انسان حیوان جنات جمادات نباتات چرند پرند درند و حشرات کے علوم و معلومات ہیں اور میں ہی تم سب کی بولیاں زبانیں لغتیں جانتا ہوں۔ جسنے رب تعالیٰ کا پتہ پوچھنا ہو تو میں ہی بتا سکتا ہوں اور جس کو دیدار الٰہی کا شوق حیاتِ دنیوی میں ہو وہ میری ذات آئینہ حق نما کو دیکھ لے کیونکہ مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَءَ الْحَقَّ کا کلمہ میری ہی زبان سے مخلوق نے سنا اور فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا ۔ پس جو بندۂ عاشق اپنے رب سے ملنے زیارت کرنے قریب ہونے مقرب بارگاہ ہونے کی تمنا کرتا ہے تو اُس کو چاہیئے کہ عالمِ ذوق و شوق میں گوشۂ خلوت و جلوت میں حالتِ عسرت و یسرت میں طریقتِ احمدی شریعتِ محمدی کے مطابق اچھے عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت ریاضت مراقبے مجاہدے میں کسی بھی نام، غدر، ریاء و غرور کے بت کو شریک نہ بنائے۔ صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ دنیا میں اٹھارہ قسم کے علوم مشہور ہیں ۱ علم سحر ۲ علم طلسم یہ کفار کے علوم ہیں ۳ علم بازیگری ۴ علم شعبدہ بازی یہ فساق کے علوم ہیں ۵ علم نجوم ۶ علم رمل یہ فلاسفہ کے علوم ہیں ۷ علم ریمیا ۸ علم کیمیا یہ حکما کے علوم ہیں ۹ علم سیمیا ۱۰ علم جفر یہ علما کے علم ہیں ۱۱ علم جوتش ۱۲ علم ہپناٹزم یہ عوام کے علوم ہیں ۱۳ علم حساب ۱۴ علم رقبات یہ تاجروں کے علوم ہیں ۱۵ علم کرامات ۱۶ علم عبادات یہ اولیاءُ اللہ کے علوم ہیں ۱۷ علم معجزات ۱۸ علم ارہاصات۔ یہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کے علوم ہیں نیز نبوت تمام علوم سے آشنا ہوتی ہے چونکہ قربِ الٰہی کے لیے اعمال صالحہ اور اعمال صالحہ کے لیے ایمان اور ایمان کے لیے اسلام اور اسلام کے لیے دامنِ مصطفیٰ اور دامنِ مصطفیٰ کے لیے عشق و ادبِ مصطفیٰ و احترام آل و اصحاب اشد ضروری ہے اس لیے اہلِ طریقت نے اعمالِ نیک و بد کی اس طرح تقسیم فرما دی تاکہ راہِ سلوک کے سالکین کے لیے راہِ منزل آسان ہو جائے ۱ سب سے اعلیٰ عمل ایمان و اسلام لانا ہے ۲ سب سے بدتر عمل شرک اکبر و اصغر ہے ۳ اچھا عمل مخلوقِ خدا کو آرام و ہدایت دینا ۴ بُرا عمل مخلوق خدا کی ایذا رسانی ہے ۵ بہترین عمل مومن و مسلمان کو سلام کرنا کہ اس سے رنجشیں دور ہوتی ہیں ۶ بدترین عمل دنیوی تمناؤں میں پھنسنا ہے کیونکہ یہ بیوقوفوں کی نشانی ہے ۷ سب سے زیادہ مفید عمل لقاءِ رب تعالیٰ کی تمنا ہے ۸ مسلمان کو چاہیئے کہ اپنے پیٹ کا خیال رکھے سب سے خطرناک برتن پیٹ ہے کیونکہ ظاہری بدن سے حرام چیز اتاری اور صفائی جا سکتی ہے مگر پیٹ میں پہنچی ہوئی نکالی نہیں جا سکتی ۹ سب سے زیادہ پلید زہر حرام چیز مل ہیں ۱۰ سب سے زیادہ پاکیزہ تریاق حلال چیزیں ۱۱ گناہ جہنم کی آگ ہے ۱۲ راہِ سلوک کے سفر کے لیے چار چیزیں ضروری ہے ۱ راست گفتاری ۲ [illegible] ۳ خوش اخلاق ۴ حلال غذا ۱۳ ہر گناہ و خطا کی جڑ محبتِ

دیتا ہے ۱۲ میانہ روی ہر کام میں مفید ہے کبھی مفلس نہ ہو گے آدمی کے تین ساتھی ہیں۔ مال آل اعمال۔ پہلا موت تک ساتھی، دوسرا قبر تک ساتھی، تیسرا قیامت تک ساتھی۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ انسانوں کو دنیوی زندگی قرب الٰہی کے حصول کے لیے ملی ہے یہی مومن کا مقصود و مطلوب ہے مگر نادان لوگوں دنیوی قرابتوں میں زندگی برباد کر دیتے ہیں قرب کی بارہ قسمیں ہیں ۱ قرب مکانی مثلاً گھر کے قریب ۲ قرب زمانی مثلاً شام کے قریب ۳ قرب حسی مثلاً زید پاس ہے ۴ قرب معنوی مثلاً علم میرے پاس ہے ۵ قرب ملکیتی مثلاً میرے پاس خزانہ ہے ۶ قرب جسمانی مثلاً دولت میری جیب میں ہے ۷ قرب روحانی مثلاً پیر کامل پاس ہوتا ہے ۸ قرب اعتقادی مثلاً اسلام ہمارے پاس ہے ۹ قرب ذاتی مثلاً زید دو دن میرے پاس ٹھہرا ۱۰ قرب ظاہری مثلاً اس کے پاس حسن ہے ۱۱ قرب صفاتی مثلاً زید کے پاس عدل و انصاف ہے ۱۲ قرب حکمی مثلاً میرے نزدیک وہ افضل ہے بکر سے ۱۳ قرب رتبی (مرتبہ وشان) مثلاً اولیاء اللہ کے قریب اور مقرب بارگاہ ہوتے ہیں۔ اسی قرب کا ذکر فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهٖ (الخ) میں ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے آمین بجاہ نبی الکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا۔

جو مومن اللہ تعالیٰ سے ایسا وصل روحانی و قرب نورانی چاہتا ہے کہ مثل قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی ہو جائے تو فنائے نفس امارہ اور ازالۂ خصائل ذلیلہ و طبیعت رذیلہ جیسے اعمال صالحہ شروع کر دے کیونکہ رذائل نفس اعمال صالحہ کو بگاڑ دیتا ہے ہر عمل فنائے نفس کے بعد ہی اچھا صالح اور قابل قبول بنتا ہے اور سب سے اہم و ضروری کام بقائے عمل کے لیے یہ ہے کہ کسی بھی موقعہ پر اپنے اعمال اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی قسم کا جلی خفی اکبر اصغر شرک نہ کرے یعنی تیرے قلب مزکّٰی کا تعلق علمی یا حجوبی یا تحسینی و آفرینی اور دکھلاوے نام و نمود و ریاکاری کا نہ ہو یعنی اے راہ سلوک کے مسافر اعمال تیرا زاد سفر ہے تجھ کو کسی کی شاباش یا شکریے اور خوشنودی کی طرف مطلقاً قطعاً توجہ نہ ہونی چاہئے۔ اس لیے کہ تعلق عملی و علمی قلب کا ذکر ہے اور اصل عبادت ذکر ہی ہے اور محبت قلبی تقاضہ کرتی ہے عبادت کا مومن کا محبوب صرف اللہ تعالیٰ ہے نہ کہ غیر اللہ، اولیا صوفیا کے نزدیک انتہائی عاجزی اور نفس امارہ کو جھکانے ذلیل کرنے کا نام ہی عبادت ہے مرد مقبول و مسعود نفس و نفسانیت کو ہمیشہ ذلیل رکھتا ہے اور اپنے محبوب و مطلوب و مقصود کی بارگاہ میں کامل عجز و انکسار کرتا ہے۔ نیز یہ کہنا نادانی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السّلام اور اولیاء اللہ سے غیر اللہ کا علمی تعلق ختم و جدا نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ جب قلب مقام فنا کے درجہ میں آ جاتا ہے تو قلب محل علم نہیں رہتا بلکہ محیط تجلیات رحمٰن بن جاتا ہے مگر مادۂ تکلیفی بشری کی بنا پر غیر اللہ سے صرف متعلق رہتا ہے وہ بھی حکمت الٰہیہ کے تقاضہ کے بموجب۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔ (از تفسیر مظہری)

رکوعاتھا ۶	نزولھا ۴۴ ۱۹ سورۃ مریم مکیۃ	ایاتھا ۹۸

سورۃ مریم مکی ہے اس میں ۹۸ آیات اور ۶ رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا

سے نام اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا

کٓہٰیٰعٓصٓ ﴿۱﴾ ذِکۡرُ رَحۡمَتِ رَبِّکَ عَبۡدَہٗ زَکَرِیَّا ﴿۲﴾

ان سب حروف مقطعات کا معنی رسول اللہ جانتے ہیں۔ یہ تلاوت شدہ آیت ذکر ہے آپ کے رب کی ایسی رحمت کا جو عطا فرمائی اپنے محبوب بندے زکریا

یہ مذکور ہے تیرے رب کی اس رحمت کا جو اس نے اپنے بندے زکریا پر کی

اِذۡ نَادٰی رَبَّہٗ نِدَآءً خَفِیًّا ﴿۳﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ وَہَنَ

کو جب کہ مناجات کی اُسنے بے شک میں ایسا ہوں کہ ضعیف ہو گئیں

جب اس نے اپنے رب کو آہستہ پکارا۔ عرض کی اے میرے رب میری ہڈی کمزور

الۡعَظۡمُ مِنِّیۡ وَاشۡتَعَلَ الرَّاۡسُ شَیۡبًا وَّلَمۡ اَکُنۡ

ہڈیاں مجھ میں اور چمک گیا سر بڑھاپے کے ساتھ۔ اور آج تک کبھی بھی نہ ہوا

ہو گئی اور سر سے بڑھاپے کا بھبھو کا پھوٹا اور اے میرے رب میں تجھے پکار

بِدُعَآئِکَ رَبِّ شَقِیًّا ﴿۴﴾ وَاِنِّیۡ خِفۡتُ الۡمَوَالِیَ

میں تجھ سے دعا مانگتے ہیں ناکام اے میرے رب اور بے شک میں فکرمند ہوں وارثوں کے بارے میں

کر کبھی نامراد نہ رہا اور مجھے اپنے بعد اپنے قرابت والوں کا ڈر ہے

مِنْ وَّرَآءِیْ وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ

اپنے بعد اور میری بیوی ناقابلِ اولاد ہے پس عطا فرما مجھ کو

اور میری عورت بانجھ ہے تو مجھے اپنے پاس سے کوئی ایسا

مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ۙ﴿۵﴾ یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ

اپنے قربِ خاص سے جانشین ایسا جو میرا وارث ہو اور تمام نسلِ

دے ڈال جو میرا کام اٹھائے، وہ میرا جانشین ہو اور اولادِ یعقوب

یَعْقُوْبَ ۖۗ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا ﴿۶﴾

یعقوب کا نگہبان ہو اور بنا لینا اس کو اے میرے رب اپنا مقبولِ بارگاہ بھی

کا وارث ہو اور اے میرے رب اسے پسندیدہ کر

تعلقات اس سورۃِ مریم کا پچھلی سورۃ کہف سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی سورۃ کہف میں چند واقعات عجیبہ بیان ہوئے تھے جیسے اصحابِ کہف کا واقعہ اور کچھ لوگوں کی حقیقی کہانیں وغیرہ اس سورۃ مریم میں واقعاتِ عجیبہ بیان فرمائے جا رہے ہیں۔ جیسے حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا واقعۂ ولادت کہ ایک کی پیدائش دعاءِ نبوت کے معجزے اور دوسری پیدائش قدرت الٰہیہ کے اظہار سے ہوئی۔ دوسرا تعلق پچھلی سورتِ کہف میں اصحابِ کہف کا ذکر ہوا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اُمت تھے اب اس سورۃِ مریم میں ولادتِ عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے اور شانِ مسیح کا تذکرہ یعنی امتی کی شان بیان کرنے کے بعد اُن کے نبی کی شانِ عظمت بیان فرمائی گئی۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی سورۃ کہف میں حضرتِ اصحابِ کہف کی زندگی کا ذکر فرمایا گیا تھا کہ اتنے سو سال بعد زندہ ہوئے اس سورۃِ مریم میں حیاتِ مسیح کا تذکرہ ہے چوتھا تعلق۔ پچھلی سورۃِ کہف میں ایک علمِ طریقت کے نبی حضرت خضر علیہ السلام کا ذکر ہوا۔ اب اس سورۃ میں دوسرے نبیِ طریقت کا ذکر فرمایا گیا یعنی حضرت یحییٰ علیہ السلام گویا کہ یہ سورت پچھلی سورۃ کا تتمہ ہے وہاں اجمال تھا یہاں تفصیل ہے۔

تفسیر نحوی بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ كٓهٰیٰعٓصٓ ۔ ثَمَانِیَةٌ وَّتِسْعُوْنَ وَرُكُوْعَاتُهَا

سِتَّة - بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ كٓهٰیٰعٓصٓ - ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِیَّا - اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِیًّا - لفظِ سورۃ اسم مفرد مؤنث ہے سُورہ سے بنا ہے بمعنی گھیرنے والی شرعی اور اصطلاحی قانون ورواج میں ہر وہ عبارت جو کسی مضمون کو اپنے گھیرے میں چاروں طرف سے پوری طرح مکمل سمیٹ لے اس کو سورۃ کہا جاتا ہے۔ ترکیب نحوی سے یہ مضاف ہے۔ اور لفظِ مریم اب اس سورت کا نام ہے اور چونکہ نام کا کسی بھی زبان میں ترجمہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے یہاں ہر زبان میں مریم ہی لکھا جائے گا۔ ہمارے ایک دوست نے اعلیٰ حضرت کا ترجمہ قرآن مجید کنز الایمان کا انگریزی ترجمہ کرتے ہوئے سورۃ بقرہ کو لکھا (انگریزی میں) سورۃ الکاؤ یہ ان کی نادانی ونا سمجھی ہے میں نے ان کو سمجھایا اور کہا کہ اگر اسی طرح آپ ناموں کا لغوی ولفظی ترجمہ کریں گے تو پھر دیگر سورتوں میں کیا کرو گے۔ کہیں عبرانی لفظ ہے کہیں سریانی وغیرہ۔ مثلاً سورۃ ابراہیم سورۃ بنی اسرائیل، یوسف، یونس وغیرہ اُس ترجمے میں اور بھی بہت سی غلطیاں ہیں جس پر علما نے گرفت فرمائی تھی پسیج فرمایا علماء کرام نے کہ زبان دانی سے علم آنا ضروری نہیں یہاں یہ لفظ مریم ترکیب میں مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مبتدا۔ مَکِّیَّۃٌ، اسم مفرد جامد نہیں لفظ ہی۔ مَکَّۃٌ، ی کی نسبت کی ر ۃ تاء تانیث سورۃ مؤنث کی وجہ سے۔ مکہ ایک شہر کا نام ہے یا ایک علاقے کا نام اس ۃ کو ی سے بدلا اور یاء نسبت میں ادغام کر دیا مَکِّیَّۃٌ ہو گیا بحالتِ رفع خبر ہے، مبتدا خبر ملکر جملہ اسمیہ ہو کیا آیاتٌ اسم۔ جمع مکسر آیتٌ واحد، مضاف ھَا ضمیر واحد مؤنث کا مرجع سورۃٌ۔ مضاف الیہ مرکب اضافی مبتدا ثَمَانِیَۃٌ معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ تسعٌ، معطوف دونوں مل کر خبر۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ واؤ، ہر جملہ رُکُوْعًا تھا۔ مرکب اضافی مبتدا۔ ترجمہ ہے اُس سورۃ کے کُل رکوع، سِتَّۃٌ، اسم عددی مفرد، یہ خبر ہے۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مکمل۔ یہ تینوں علیحدہ جملے مکمل ہیں۔ بِ جارہ اسم بمعنی عَلَمٌ (نا) مضاف اللہ موصوف الرحمٰن، الف لام اسمی بمعنیٰ اَلَّذِیْ، رحمٰن صفت اول الرحیم، صفت دوم۔ اسم مشتق صفت مشبہ موصوف اپنی دونوں صفتوں سے مل کر مضاف الیہ، اسم مضاف کا دونوں مل کر مجرور جار مجرور متعلق ہے یا پوشیدہ اَشْرَعُ کا ترجمہ ہے میں شروع کرتا ہوں یہ جملہ فعلیہ خبریہ ہے یا پوشیدہ مصدر ابتدائی کا۔ تب یہ شبہ جملہ ہے۔ یا پوشیدہ ثابتٌ اسم فاعل کا تب یہ جملہ اسمیہ ہے اور اس کا عامل ہر سہ میں سے ایک پوشیدہ اس لیے ہے کہ اس کا قرینہ (نشانی) بِ جارہ موجود ہے اس لیے کہ

کھیٰعص۔ یہ پانچ حروف ہیں ان کو مقطعات یعنی ٹکڑے۔ کہتے ہیں، یہ پانچ حروف پانچ عبارتوں کے مخفف وابتدائی لفظ ہیں ان کا ترجمہ اور اصل عبارت صرف نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی بتایا گیا ہے۔ مخلوق میں اور کوئی نہیں جانتا اور نہ ہی اپنے ذہن سے ان کا ترجمہ کرنا چاہئے۔ بعض مفسروں نے ترجمے کئے ہیں وہ غلط اور اختراعی ہیں جو سراسر گناہ ہے بعض وہابی جہلا کہتے ہیں کہ رسول پاک بھی اس کا معنیٰ مفہوم نہیں جانتے مگر یہ ان کی گستاخانہ غلطی ہے اور قرآن مجید کی بہت سی آیت کریمہ کے خلاف ہے۔ مثلاً اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔ اللہ رحمٰن نے

اپنے نبی کو قرآن سکھایا۔ اور یہ حروف بھی قرآن ہے۔ ذِکْرُ رحمتِ رَبِّکَ، ذِکْرُ اسم حاصل مصدر۔ اس اگلے پورے جملے کی ترکیب نحوی میں مفسرین نحویوں کے پانچ قول ہیں۔ مگر اُن میں آسان واضح اور زیادہ ترجیح و درستی والی ترکیب مندرجہ ذیل ہے۔ ذِکْرُ مضاف رحمتِ مضاف الیہ مضاف رَبِّکَ مرکب اضافی مضاف الیہ یہ سب اضافت مل کر موصوف ہے۔ عَبْدَہٗ۔ اسم مفرد مصدر بمعنیٰ اسم فاعل عابدٌ اس کی جمع عِبَادٌ ہے عبد پانچ قسم کا ہے ۱؎ عبد لغوی اشتقاقی یعنی عبادت کرنے والے بمعنیٰ عابد اس کی جمع ہے عِبَادٌ ۲؎ عبدِ فعلی بمعنیٰ خادم خدمت کرنے والا۔ اس معنیٰ میں عبدالنبی کہا جاتا ہے۔ پہلے معنیٰ کے اعتبار سے عبدُ اللہ کہا جاتا ہے اُس معنیٰ کے اعتبار عبدُ النبی عبدُ الرسول کہنا منع ہے یہاں عبد پہلے ہی معنیٰ میں ہے ۳؎ عبد شرعی۔ بمعنیٰ غلام و لونڈی جس کی خرید و فروخت جائز ہو اس کو عبد مالی و عبد مملوک بھی کہا جاتا ہے اس کی جمع عُبَیْدٌ ہے جب عُبَیْدٌ کی نسبت اللہ کی طرف ہو تو مراد ہوتا ہے مخلوق اور جب انسانوں کی طرف ہو تو مراد ہوتا ہے مملوک (غلام و لونڈی) پہلے دوسرے معنیٰ میں لفظ عبد مذکر مؤنث دونوں کے لیے ہے مگر تیسرے معنیٰ میں لفظ عبد صرف مذکر یعنی غلام کے لیے اور مؤنث کے لیے جاریۃٌ وَ اَمَۃٌ ہے ۴؎ عبدِ اصطلاحی بمعنیٰ عاجز مسکین حقیر ۵؎ عبد ایجادی بمعنیٰ مخلوق اس اعتبار سے ہر حیوانات نباتات جمادات زمین پہاڑ شجر حجر چاند سورج سب عبد ہیں اس معنیٰ میں صرف اللہ تعالیٰ کی ہی طرف نسبت ہو سکتی ہے۔ قرآن مجید میں مختلف جگہ ان سب معنیٰ میں عبد کا ذکر ہوا ہے یہاں بمعنیٰ عابد زاہد متقی مخلص ہے ترکیب میں مضاف ہٗ ضمیر مضاف الیہ اس کا مرجع رَبّ یعنی رَبّ کا بندہ یہ مرکب اضافی مُبدَل منہ ذکریا اسم مفرد جامد نام ہے ایک نبی علیہ السّلام کا بدلُ الکل ہے۔ دونوں مل کر مفعول بہ ہے فعل پوشیدہ اَعْطٰی کا ترجمہ ہے ایسی رحمت جو عطا فرمائی اپنے بندے ذکریا کو فعل با فاعل مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صفت ہے رَحْمَتَ کی یہ مرکب توصیفی مضاف الیہ ذِکْرُ کا یہ مرکب اضافی خبر ہے پوشیدہ مبتدا ہٰذَا مَتْلُوٌّ کی۔ ہٰذَا اسم اشارہ مَتْلُوٌّ اسم مفعول بمعنیٰ تلاوت کیا ہوا۔ ہُوَ ضمیر اس میں پوشیدہ اس کا نائب فاعل اس کا مرجع ھٰذَا ہے۔ مَتْلُوٌّ جملہ اسمیہ ہو کر مشار الیہ دونوں مل کر مبتدا اور پھر دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ ایک قول میں یہاں پوشیدہ مبتدا ھٰذَا قُرْآنٌ ہے ایک میں ہٰذَا سورۃٌ ہے ایک میں بَیَانٌ ہے ایک میں ہٰذَا آیتٌ ہے ایک ھٰذَا عَطَاءُ رَبِّ ہے مگر ترجیح ھٰذَا مَتْلُوٌّ کو ہے کیونکہ وہ سب کو عام شامل ہے اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ۔ اس کی ترکیب میں پانچ قول ہیں ۱؎ یہ سب عبارت ظرف ہے رَحْمَۃِ کا ۲؎ یہ ظرف ہے ذِکْرُ کا ۳؎ یہ بدل اشتمال ہے زکریا کا ۴؎ یہاں اُذکر پوشیدہ ہے اور ظرف ہے اُس کا ہمارا ترجمہ پہلی ترکیب سے ہے ۵؎ یہ ظرف ہے اَعْطٰی پوشیدہ کا۔ اعلیٰ حضرت کا ترجمہ اس ترکیب سے ہے اِذْ۔ اسم ظرف نَادٰی فعل ماضی مطلق باب مفاعلۃٌ اس کا مصدر ہے مُنَادَیۃٌ نِدَیٌ یا نَدَوٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ پکارنا ہمیشہ متعدی ہوتا ہے ھُوَ ضمیر واحد مذکر اس میں پوشیدہ اس کا فاعل رَبَّہٗ اپنے رب کو یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے نِدَاءً [illegible] نِدَاءً خَفِیًّا [illegible] خَفِیٌّ سے مشتق ہے

بمعنی چھپنا، چھپانا، تنہا ہونا، آہستہ بولنا یہاں سب معنی درست ہیں صفت ہے نِدَاءً کی یہ مرکب توصیفی مفعول مطلق ہے
نَادٰی کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر ظرف زمانی ہوا اُذْکُرْ پوشیدہ کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔ قَالَ رَبِّ
اِنِّیْ وَھَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا وَّلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِیًّا وَاِنِّیْ
خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ۔
قَالَ فعل ماضی مطلق اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر غائب ھُوَ ہے جس کا مرجع ذکریا قَوْلٌ سے مشتق ہے بمعنی عرض کیا بیان ہے
ندا کا یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ رَبِّ، دراصل ہے یَا رَبِّیْ اے میرے رب تخفیف کے لیے حرف ندا اور
یاء متکلم کو حذف کیا۔ ب کا کسرہ دونوں کا قرینہ ہو گیا۔ یَا پوشیدہ ندا۔ رَبِّ معنوی مرکب اضافی منادٰی اگلی ساری عبارت
عطف در عطف ہو کر ندا کا بیان۔ اِنَّ حرف مشبہ عاملہ یاءِ متکلم ضمیر اسم اِنَّ۔ وَھَنَ باب سَمِعَ کا ماضی وَھْنٌ مثال واوی
سے مشتق ہے بمعنی کمزور ہونا اندرونی اور قدرتی کمزوری کے لیے مستعمل ہے اَلْعَظْمُ مفرد اسم معرفہ بمعنی ہڈی واحد مبنی
ہے ترجمہ ہے تمام ہڈیاں۔ اس کی جمع ہے عِظَام۔ فاعل ہے وَھَنَ کا۔ مِنِّیْ۔ مِنْ زائدہ۔ یہ جار مجرور متعلق ہے وَھَنَ کا
سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ اِشْتَعَلَ۔ باب افتعال کا ماضی مطلق۔ اس کا مصدر ہے اشتعال شُعْلٌ
سے بنا ہے بمعنی آگ لگنا شعلے بھڑکنا۔ کسی کا آگ بگولہ ہونا چمکدار ہونا۔ اسی معنی میں بڑھاپے کے سفید بالوں کو رأس
مشعولہ یا مُشْتَعِلَہ کہتے ہیں۔ اَلرَّاْسُ اس کا فاعل شَیْبًا۔ اسم مفرد جامد بمعنی بڑھاپا۔ مفعول معہٗ یا مفعول فیہ یعنی بڑھاپے
کے ساتھ یا بڑھاپے میں یا یہ حال ہے یا تمیز ہے۔ یعنی بڑھاپا ہو کر یا ازروئے بڑھاپے کے۔ اِشْتَعَلَ سب سے
مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واو عاطفہ لَمْ اَكُنْ فعل ناقصہ مضارع نفی جحد بلم واحد متکلم بِدُعَآئِكَ بَ حرف جر بمعنی فی ظرفیہ
دُعَاءِ اسم مصدر مضاف بمعنی دعا مانگنا كَ ضمیر واحد مذکر حاضر مرجع رَبّ ہے مفعول مضاف الیہ بمعنی تجھ سے یہ
مرکب اضافی جار مجرور ہو کر متعلق ہے لَمْ اَكُنْ کا رَبِّ۔ دراصل ہے۔ یَا رَبِّیْ۔ یَا ندائیہ رَبّ مضاف یٖ متکلم واحد
مضاف الیہ مرکب اضافی منادٰی یہ جملہ بیچ میں آیا مگر ترکیبًا اول ہے شَقِیًّا، اسم صفت مشبہ بروزن فَعِیْلٌ۔ بمعنی
اسم مفعول ترجمہ ہے رد کیا ہوا، نامراد لوٹایا ہوا۔ خبر ہے فعل ناقصہ لَمْ اَكُنْ کی۔ اور پوشیدہ ضمیر واحد متکلم اَنَا
اسم ہے یہ فعل ناقصہ اپنے اسم خبر اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ خبریہ ہو کر بیان ہوا یا رَبّ کا، یا اپنے منادٰی
اور بیان سے مل کر معطوف ہوا اِشْتَعَلَ پر وہ دونوں عطف معطوف ہوئے وَھَنَ پر وہ عطف مل کر خبر اِنَّ وہ جملہ
اسمیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اِنَّ حرف مشبہ یاءِ متکلم اس کا اسم خِفْتُ فعل ماضی مطلق واحد متکلم باب سَمِعَ سے
خَوْفٌ سے مشتق ہے بمعنی فکر مند ہونا اندیشہ ہونا اصلاً خَوِفْتُ تھا بروزن سَمِعْتُ اَلْمَوَالِیَ۔ اسم جمع مکسر اس کا
واحد ہے مولا بمعنی والی وارث۔ دوست، مددگار، قریبی رشتے دار، میراث کے حقدار جانشین یہاں آخری
معنی مراد ہیں، مفعول بہ [illegible] ہے وَرَآءِ اسم مفرد جامد مصدر

بمعنی ظرفِ زمان ترجمہ میرے بعد اپنے بمعنی مضاف ہے یاء متکلم مضاف الیہ مرکب اضافی جار مجرور متعلق ہے خِفْتُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ کَانَتْ فعل ناقصہ واحد مؤنث غائب اِمْرَاَتِیْ یہ مرکب اضافی ہے بمعنی میری بیوی، اِمْرَاَۃٌ اسم مفرد مؤنث جامد اس کا تثنیہ اِمْرَاَتَانِ۔ اس کی جمع اِمْرَاَتٌ، اس کا مذکر اِمْرَءٌ۔ یہ مرکب اضافی اسم ہے کَانَتْ کا۔ عَاقِرًا اسم مفرد مشتق مذکر، اسم فاعل بمعنی اسم مفعول یعنی عقر کی ہوئی، عقر سے مشتق تین بابوں میں گردان ہو جاتا ہے (۱) بابِ ضرب (۲) سمع (۳) کرم، ایک قول میں عاقر اسم فاعل بمعنی حاصل مصدر اضافت معنوی سے ترجمہ ہے عقر والی۔ یہ لفظ مذکر ہے مگر صرف مؤنث کے لیے مستعمل ہے کیونکہ مرد عقر نہیں ہو سکتا خیال رہے کہ ہر وہ حالت یا صفت جو مرد کو نہ ہو سکے صرف عورت کو ہو تو اس کا مذکر صیغہ بھی عورت کے لیے ہی استعمال ہو گا، مثلاً حائضٌ حاملٌ طالقٌ عاقرٌ نافسٌ وغیرہ۔ اس کا مؤنث عاقرۃٌ بھی مستعمل ہے۔ عقر کا معنی خشک ہونا، کاٹنا، کٹنا، زخمی کرنا، بانجھ ہونا یہاں آخری معنی مراد ہیں۔ بحالتِ فتحہ ہے خبر ہے کَانَتْ کی یہ جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر معطوف ہوا خِفْتُ پر دونوں عطف مل کر خبر ہے اِنَّ کی اِنِّیْ اسم خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے پہلے اِنِّیْ پر دونوں مل کر معطوف علیہ ہے۔ فَهَبْ۔ فَ عاطفہ تعلیلیہ ھَبْ فعل امر حاضر واحد مذکر، وَھْبٌ سے مشتق ہے بابِ فتح سے بمعنی بخشش کرنا دینا، بلا معاوضہ عطا کرنا، اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر اَنْتَ ہے اس کا مرجع رب تعالیٰ۔ لِیْ مجھ کو یہ جار مجرور متعلق اول ہے۔ مِنْ لَّدُنْكَ۔ یہ تین لفظ ہیں (۱) مِنْ حرفِ جر ابتدائیہ بمعنی سے (۲) لَدُنْ اسم مفرد جامد بمعنی پاس (۳) كَ ضمیر واحد مذکر حاضر بمعنی اپنے۔ یہ مرکب اضافی جار مجرور متعلق دوم ہے ھَبْ کا۔ وَلِیًّا اسم مفرد صفت بمعنی مشبہ وارث، دوست، مددگار، محافظ، نگہبان، حاکم ساتھی، حمایتی، بیٹا یہاں اسی آخری معنی میں ہے۔ صفت مشبہ جو وزنِ فعیلٌ ہے، اس کا مصدر ہے وَلْیٌ وِلَایَۃٌ، ترکیب نحوی میں موصوف ہے اگلی عبارت صفت ہے۔ یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ ۔ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا۔ یَرِثُ بابِ حَسِبَ کا فعل مضارع معروف واحد غائب وَرْثٌ سے مشتق اس کا مصدر میمی میراثٌ ہے اس کا حاصل مصدر وِرَاثَۃٌ ہے لغوی ترجمہ ہے "قائم مقام ہونا" شرعی ترجمہ ہے کسی کی موت کے بعد اس کی جائداد کا مالک ہونا اصطلاحی ترجمہ ہے مالک و مختار و قابض ہونا، نون وقایہ۔ یِ ضمیر متکلم اس کا مفعول بہ یَرِثُ کا فاعل پوشیدہ ھُوَ ضمیر اس کا مرجع وَلِیًّا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ یَرِثُ فعل با فاعل مِنْ زائدہ یا تبعیضیہ آل اسم مفرد جامد اس کی جمع ہے اٰھَالِیْ یا اٰثَارِیْ یا اٰوَالِیْ۔ یہ دراصل اَھْلٌ یا اَوْلٌ اَءْ لٌ تھا مگر پہلا قول زیادہ قوی ہے اس لیے کہ اس کی تصغیر اُھَیْلٌ ہوتی ہے۔ یہ لفظاً واحد ہے معناً جمع کہ سب اولاد اور متبعین کو شامل ہے۔ جیسے لفظ قوم ترجمہ ہے۔ نسل ذریت۔ اولاد۔ فرزند ار۔ خاندان مضاف ہے۔ یَعْقُوْبَ۔ اسم مفرد [illegible] لفظ ہے عَقْبٌ سے بنا

ہے مگر یہ درست نہیں ہے کیونکہ غیر منصرف ہونا یقینی ہے جیسا کہ بحالت کسرہ فتحہ کی موجودگی سے دلیل ہے مضاف الیہ۔ ہے یہ مرکب اضافی جار مجرور ہو کر متعلق ہے یَرِثُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا یَرِثُنِیْ پر۔ دونوں پھر معطوف علیہ ہوئے واؤ عاطفہ اِجْعَلْ باب فَتَحَ کا امر حاضر ہُ مفعول بہ ضمیر کا مرجع۔ وَلِیًّا۔ ربِّ، یا رَبِّیْ تھا یہ ندا منادی مل کر فاعل ہے اِجْعَلْ کا، یا اَنْتَ ضمیر پوشیدہ فاعل کا عطف بیان ہے۔ رَضِیًّا اسم صفت مشبہ بروزن فَعِیلًا قَبِیلًا وَلِیًّا۔ رَضِیٌّ سے مشتق ہے بمعنی اسم مفعول۔ یعنی مرضی کے مطابق مقبول پسندیدہ مفعول ہے اِجْعَلْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف، سب عطف مل کر صفت ہے وَلِیًّا کی یہ مرکب توصیفی مفعول بہ ہے هَبْ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے رَبِّ اِنِّیْ پر سب عطف مل کر مقولہ ہوا قَالَ کا، قول مقولہ مل کر جملہ فعلیہ قولیہ خبریہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

كٓهٰيٰعٓصٓ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا - اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا۔ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۔ كٓهٰيٰعٓصٓ

یہ حروف مقطعات ہیں ان کی مراد اور معنی مقصد مخلوق ہیں آقا و کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ رب تعالیٰ نے اپنے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان حروف میں کوئی خاص علوم سکھائے ہو سکتا ہے کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کسی خاص صحابی یا کسی ولی اللہ کو ان علوم مخفیہ خصوصیہ کی تعلیم فرمائی ہو مگر یقیناً کچھ نہیں کہا جا سکتا حضرت حکیم الامت بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ کی آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام حروف مقطعات کا علم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے کیونکہ یہ حروف بھی مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ایں عِلْم میں پورا قرآن مجید بھی شامل ہے۔ گستاخ فرقہ بلا دلیل کہتا پھرتا ہے کہ ان کا معنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں آتا۔ لیکن یہ بات جھوٹ ہے قرآن مجید کے خلاف حروف مقطعات مختلف سورتوں کے اول میں کل چودہ جگہ ہیں سابقہ مفسرین نے اپنے اپنے ذھن سے ان حروف کے معنی بنائے ہیں اور تقریباً چالیس پچاس اقوال تو کھٰیٰعص کے بارے میں ہی مذکور ہیں وہ ان کی اپنی ذاتی اختراع ہے کوئی دلیل نہیں ہے۔ اے حبیب آپ کے رب کا رحمتوں قدرتوں اور جبران کن تخلیق والا تذکرہ جو اس کے بندے زکریا کو پیش آیا اس کے بعد جب کہ زکریا نے نہایت خفیہ جگہ مخفی الفاظ میں اپنے رب تعالیٰ سے دعائیہ ندا عرض کی اس دعاءِ مناجات کو لوگوں سے چھپاتے رہے رب تعالیٰ کو مناتے رہے تاکہ خلوص میں ریا نہ سمجھی جائے اور بڑھاپے کی اس دعا سے شرمندگی بھی نہ ہو عرض کیا کہ بے شک میں اپنی کمزوری کو سمجھتا ہوں کہ میری تمام ھڈیاں تک بوڑھی کمزور خشک ہو چکی ہیں۔ کھال گوشت پٹھے تو خود ہی لاغر ہوں گے مکمل بڑھاپے کی نشاندہی تو میرا سر اور سر کے بال دے رہے ہیں کہ پورے سر میں بڑھاپا پھوٹا پڑا ہے اور آگ کے شعلوں کی مثل مزید پھیلتا جا رہا ہے لیکن اے میرے رحیم کریم رب میں نے احساس

کیا ہے اور میری پوری زندگی کا مشاہدہ ہے کہ میں تجھ سے دعائیں مانگ کر کبھی ناکام نہ رہا بلکہ ہر ہر دعا تو نے قبول فرمائی اور مجھ کو اس سے بڑھ کر بھیک و خیرات عطا فرمائی جو میں نے تجھ سے مانگی۔ حضرت زکریا علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے صاحبِ شریعت نبی رسول تھے آپ کی کتاب توریت ہی تھی مگر شریعت علیحدہ تھی جس میں چند احکام توریت سے مختلف تھے مثلاً نماز اور عبادت کا طریقہ وغیرہ آپ ہارون علیہ السلام کی اولاد سے ہوتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھے زکریا ابن آذن یا اون یا اخیاہ ابن مسلم ابن صدون آپ کی ولدیت میں یہ تین قول ہیں اسلامی تاریخ میں ابن آذن ہے۔ بائبل میں اوّن اور اسرائیلیات میں اخیاہ ہے مطابقت اس طرح ہے آذن صحیح لفظ ہے اوّن اُس کا بگڑا لفظ ہے اور اخیاہ لقب ہے۔ پورا شجرہ نسب پارہ سوم سورۂ آلِ عمران آیت ۳۷ میں ملاحظہ کریں حضرت زکریا کا ذکر قرآن مجید میں سات جگہ آیا ہے ۱۔ سورۂ آل عمران آیت ۳۷ ۲۔ سورۂ انعام آیت ۸۵ ۳۔ اس جگہ آیت ۲ و ۷ ۴۔ سورۂ انبیاء میں آیت ۸۹ یعنی پانچ آیتوں میں سات بار اسم مبارک مذکور ہے تقریباً ستر ہزار انبیاء کرام علیہم السلام آپ کی خاندانی سلسلے اور لڑی میں ہوئے۔ آپ حضرت مریم کے خالو تھے یہ علاقہ فلسطین کا تھا۔ یہاں ہی بیت المقدس ہے اس وقت فلسطین بارہ صوبوں میں تقسیم تھا اور تمام صوبوں پر حضرت یعقوب کے بارہ بیٹوں کی اولاد جو بارہ قبیلوں میں بٹی ہوئی تھی اِن بارہ صوبوں پر علیحدہ علیحدہ بادشاہ تھے اس طرح فلسطین اُس وقت بارہ سلطنتوں کا نام تھا، لیکن پورے فلسطین کا مذہبی ادارہ الگ تھا۔ یہ ادارہ قبیلہ بنی لاوی بن یعقوب کے سپرد تھا۔ بنی لاوی قبیلے کے چار بیٹوں کی نسل چار شعبوں میں تقسیم تھی۔ تین شعبے پورے ملک کی تمام عبادت گاہوں (کنیسوں) اور ہیکلوں کے انتظام اور دیگر مذہبی ڈیوٹیوں ذمہ داریوں پر مقرر تھے جن میں امامت خطابت، درس، تدریس کے علاوہ دینی تبلیغ بھی شامل تھی۔ لیکن مذہبی مرکز مقام بیت المقدس کا تمام انتظام دیکھ بھال زیب و زینت چراغاں اور خوشبو جلانا۔ یہ سب کام صرف شعبہ قبیلہ بنی ہارون کے سپرد تھا۔ ان کے علاوہ کسی بھی موقعہ پر بیت المقدس کے اندر کسی بھی قبیلے کا کوئی فرد نہیں جا سکتا تھا دیگر بنی لاوی کے تین شعبوں کے افراد بھی مسجد بیت المقدس کے صحن باغیچہ اور زائرین مسافرین و عابدین راہبین کی رہائش گاہوں کی دیکھ بھال صفائی و انتظامات کرتے تھے ہر شعبے کا ایک سردار ہوتا تھا جس کی ذمہ داری اپنے عملے کے ساتھ پانچ قسم کی تھی ۱۔ مہمانداری ۲۔ یوم سبت کی عبادت کا انتظام ۳۔ اور سالانہ عیدوں پر قربانی کرانا ۴۔ پہاڑوں پر جا کر قدرتی آگ سے جلانے کے لیے رکھنا ۵۔ اور بیت المقدس کی چوکیداری کرنا تھی۔ بنی لاوی کے چار شعبوں میں سب سے معزز و محترم شعبہ بنی ہارون تھا اس کے افراد چوبیس ۲۴ خاندانوں میں تقسیم تھے جن میں سے ایک خاندان کا نام ابیاہ تھا اس کے سردار حضرت زکریا تھے بیت المقدس کی خدمت کے لیے ان چوبیس ۲۴ خاندانوں کی پندرہ پندرہ [illegible] ہفتے کے بعد باری بدلتی

تھی ہر سردار اپنی باری پر اپنے گیارہ خاندانی راھبوں اور زرگروں کے ساتھ بیت المقدس میں عبادت اور چراغاں
وخوشبو جلانے کا انتظام کرتا تھا۔ جس کا خرچہ تمام بارہ سلطنتیں ادا کرتی تھیں خاندانِ ابیاہ کے سردار حضرت زکریا
علیہ السلام ہی اپنے عملے کے ساتھ اپنی باری پر بیت المقدس میں تشریف لاتے تھے قانون یہ تھا کہ ہر سردار کا بیٹا
ہی اس کا جانشین اس سرداری میں ہوتا تھا اگر سردار لاولد ہوتا تو جس کو سردار منتخب اور لائق سمجھتا اپنا جانشین بنا
سکتا تھا۔ اس وقت پورے بنی اسرائیل کے نبی زکریا علیہ السلام ہی تھے مگر بہت تھوڑے آپ پر ایمان لائے
اور اکثریت مرتدین اور فاسقین فاجرین کی تھی بیت المقدس کی سرداری کے لیے پوری دینی تعلیم طریقہ تبلیغ وعبادت
ضروری شرط تھی جس کے لیے جانشین کو پہلے تیار سے کیا جاتا تھا۔ مگر حضرت زکریا علیہ السلام کی کوئی اولاد نہ تھی
نہ بیٹی نہ بیٹا اور نہ اپنے خاندان میں کوئی ایسا نیک پاک متقی شخص نظر آتا تھا جس کو اس جانشینی کے لیے نامزد
اور تیار کیا جاسکتا ہوسکے تب آپ نے یہ خفیہ دعا مانگی اور بارگاہِ ربوبیت میں عرض کیا۔ وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ
مِنْ وَّرَآءِیْ وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ۔ یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ
مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا ۔ اور یہ دعاءِ خفیہ اس لیے ہے کہ
مجھ کو اپنے فوت ہونے کے بعد اپنے رشتے داروں کی طرف سے اندیشہ ہے کہ وہ یہ دینی کام اور تقوے
طہارت شریعت کی تعلیم کی طرف راغب نہ ہوں گے نہ ابھی تک ایسا کوئی فرد تمام قبیلے میں نظر آتا ہے
جو میری جانشینی کا اہل ہو اور اس کو ان دینی خدمات کے لیے تیار کیا جاسکے یہ کام باعتبار فرمانبرداری
کے تو بطریقہ احسن اولاد ہی نبھا سکتی ہے بیٹا ہی سچا جانشین اور کہنے پر چل کر مقام اہلبیت واستحقاق حاصل
کرسکتا ہے۔ لیکن اولاد کی اب اس لیے امید نہیں کہ میری بیوی شروع کی بانجھ ناقابل اولاد ہے یہ دعا
خفیہ یا اس لیے مانگی گئی تاکہ کوئی دوسرا نہ سنے اور بڑھاپے میں اولاد کی دعا پر مذاق بازی نہ مشہور ہو
جائے یا اس لیے کہ دعا عبادت ہے اور عبادتِ نفلی کو پوشیدہ رکھنا بہتر تاکہ ریا اور دکھلاوے کا اندیشہ
نہ رہے۔ تو اے میرے رب کریم اپنے ہی پاس سے کہیں سے بھی رشتے داروں میں سے یا لوگوں
میں سے قرابت داروں افرادِ قبیلہ میں سے ایسا ولی جانشین عطا فرما جو میرا بھی وارث ہو میری اس
بیت المقدس کی سرداری کا مستحق میری شریعت کا عالم معلم مبلغ ہو۔ اور حضرت یعقوب کی آل کا دینی علمی فکری
شرعی ایمانی عرفانی امانتوں کو سنبھالنے کی طاقت رکھنے والا کتاب توریت اور صحفِ موسیٰ کو جاری ونافذ کرنے
والا۔ اور اے میرے رحیم وکریم پروردگار اس میرے جانشین ومستحق وراثتِ نبوت کو ایسا بنانا کہ
دنیا وآخرت میں ہر جگہ پسندیدہ ہو۔ ولیا کے بارے میں مفسرین کے چار قول ہیں صحیح قول یہ ہے کہ یہ
دعا اولاد کے لیے مانگی تھی اور [illegible] بیٹا [illegible] المقدس کے اندر حضرت مریم کے

پاس کھڑے ہو کر رات کے وقت حضرت مریم کی کفالت کے زمانے میں اپنے ڈیوٹی والے دنوں میں مانگی محراب مریم میں کھڑے ہو کر حضرت مریم کے پاس بے موسمی پھل دیکھ کر۔ جیسا کہ سورۃ آل عمران آیت ۳۷ میں بیان ہے حضرت زکریا کی زوجہ پاک کا نام ایشیع بنت فاقود۔ انگریزی میں ایشیع کو ایلز بتھ کہا گیا ہے یہ بھی اسی قبیلے بنی لاوی سے تھیں مگر خاندان جدا تھا یہ مریم کی والدہ حنہ بنت ناقوبن میل کی سگی بہن تھیں اور مریم کی سگی خالہ اس دعا کے وقت حضرت زکریا کی عمر ایک سو بیس سال تھی اور بیوی صاحبہ کی عمر اٹھانوے سال تھی۔ نِدَاۗءً خَفِيًّا میں پانچ قول ہیں ۱ دعا اس لیے خفیہ مانگی کہ ہر دعا خفیہ اور آہستہ مانگنی افضل اور مستجاب ہے ۲ بڑھاپے میں اولاد کی دعا مانگنے سے شرم آئی اس لیے لوگوں سے چھپایا ۳ ریا سے بچنے کے لیے ۴ چونکہ دعا اولاد کے لیے تھی اور اولاد دنیوی چیز ہے دنیا کی چیز آہستہ مانگنی چاہیئے دینی چیز کی دعا زور سے ۵ اتفاقاً خفیہ ہو گئی کیونکہ مریم کے پھل دیکھ کر مانگی وہ جگہ خلوت کی تھی آل یعقوب سے مراد تمام بنی اسرائیل ہیں گزشتہ موجودہ آئندہ۔ بعض نے کہا مراد یعقوب بن ماثان یعنی عمران بن ماثان کے بھائی آل دینی تعلق داروں کو بھی کہا جاتا ہے اور دنیوی رشتے داروں کو بھی یہاں دونوں قسم کے مراد ہیں۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ۔ آداب دعا یہ ہے کہ رب کی بارگاہ میں اٹھا کر پہلے اپنی محتاجی کمزوری کا اظہار ہو پھر حمد باری تعالیٰ پھر سابقہ نعمتوں کرم نوازیوں کا تذکرہ پھر دعائیہ الفاظ اور کسی کا وسیلہ قولاً یا اشارۃً ضرور کرنا چاہیئے۔ یہ فائدہ حضرت زکریا علیہ السلام کی طرز دعا اور مقام دعاء اور حُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا کے سابقہ آیت میں اشارے سے حاصل ہوا کہ آپ نے اپنی دعا میں بے موسمی جنتی پھلوں اور اس جگہ کو اپنی بے موسمی اولاد کے لیے اشارۃً وسیلہ بنایا۔ **دوسرا فائدہ** نیک بیٹا اللہ کی رحمت ہے اسی طرح برا بیٹا اللہ تعالیٰ کا عذاب اس لیے ہمیشہ اولاد کے نیک ہونے اور نیک ملنے کی دعا مانگنی چاہیئے۔ خاص کر بیٹا۔ یہ فائدہ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ اور وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا۔ فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہاں بیٹے کو رحمت فرمایا گیا **تیسرا فائدہ**۔ انبیاء کرام کی ہر دعا قبول ہوتی ہے یہ فائدہ لَمْ أَكُنْ بِدُعَائِكَ (الخ) سے حاصل ہوا **چوتھا فائدہ**۔ ہم تو اپنی کم عقلی سے غلط دعائیں بھی مانگ لیتے ہیں جو قبول ہونے کے قابل نہیں ہوتیں اور رد ہو جاتی ہیں اگر کوئی نیک متقی پیارا مسلمان ولی اللہ کوئی غلط دعا مانگ لے تو دنیا میں قبول نہیں ہوتی مگر از راہ کرم اس کا بدلہ آخرت میں دیا جائے گا۔ لیکن انبیاء علیہم السلام کبھی غلط دعا مانگ سکتے ہی نہیں۔ وہ جس طرح ہر گناہ ہر غلطی لغزش سے معصوم ہوتے ہیں اسی طرح غلط دعا سے بھی معصوم و محفوظ ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کی ہر دعا قابل قبول ہونے کی وجہ سے یقیناً لازماً رب تعالیٰ اپنے کرم سے قبول فرما لیتا ہے۔ یہ فائدہ بھی لَمْ أَكُنْ بِدُعَائِكَ سے حاصل ہوا

احکامُ القرآن ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ**۔ اولاد میں صرف بیٹے کی دعا مانگنا جائز ہے جب کہ بیٹی سے نفرت کی بنا پر نہ ہو بلکہ دینی خدمات کے لیے اپنا جانشین بنانا مقصود ہو تو دعا مانگنا کارِ ثواب ہے یہ سنتِ انبیا ہے اگر بیٹی سے نفرت کی بنا پر ہو تو بیٹے کی دعا حرام ہے۔ اور کفار کا طریقہ ہے جیسا کہ دیگر آیات سے ثابت ہے۔ یہ مسئلہ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا (الخ) سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ** بیٹے کو اپنا جانشین بنانا جائز ہے خواہ دینی یا دنیوی روحانی یا جسمانی شریعت کے علم کا یا طریقت کی پیری مریدی کا جب کہ بیٹے میں استحقاق اور صلاحیت نظر آتی ہو۔ اور جانشین۔ ولی عہد یا خلیفہ بنانے وقت کچھ شرعی عیب نظر نہ آتا ہو۔ یہ مسئلہ يَرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ**۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی شخص کی حقیقی برائی بیان کرنا جائز ہے غیبت نہیں۔ اسی طرح بغیر نام لیے کسی کی برائی کو ظاہر کرنا بھی غیبت نہیں لہٰذا جائز ہے یہ مسئلہ خِفْتُ الْمَوَالِيَ کی تفسیری وضاحت سے مستنبط ہوا کیونکہ حضرت زکریا علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی بدکاریوں کا ذکر کر کے اپنے جانشین کی دعا عرض کی۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں **پہلا اعتراض** یہ کہنا غلط ہے کہ انبیاء کرام کا بعد وفات کوئی دنیوی مال جائیداد کا وارث نہیں ہو سکتا بلکہ اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے انبیاء کرام کا ذاتی مال بھی میراث بن جاتی ہے اور اسی طرح اولاد میں تقسیم ہوتی ہے جس طرح دیگر لوگوں کا مال دیکھو اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا کی دعا کس شان سے ذکر فرمایا کہ انہوں دعا عرض کی فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا يَّرِثُنِيْ۔ مجھ کو ولی وارث عطا فرما جو میرا وارث بنے میراث اور وراثت کے حقیقی لغوی معنیٰ مال و دولت ہے مجازاً جو چاہو معنیٰ کر لو۔ اور بلا وجہ حقیقی معنیٰ چھوڑ کر مجازی معنیٰ مراد لینا غلط ہے لہٰذا اس آیت کی دلیل سے ثابت ہوا کہ باغِ فدک جو نبی کریم کی ذاتی ملکیت تھا بعد وفات شریف فاطمہ زہرا کو ملنا چاہیئے تھا نہ دینے والے خلفا نے ظلم کیا۔ (شیعہ لوگ) **جواب**۔ وراثت و میراث کا حقیقی معنیٰ مال دولت نہیں بلکہ مستحق ہونا ہے عقل اگر اپنی کمزور ہو تو اس کا کوئی علاج نہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اس آیت کریمہ کے کسی لفظ سے بھی مالی میراث مراد نہیں ہوتی بلکہ صاف صاف ظاہر ہے کہ نہ مالی میراث مراد ہے نہ علمی بلکہ یہاں جانشین ولی عہدی سرداری کی اہلیت خدمت بیت المقدس کی استحقاقی میراث مراد ہے یعنی اے رب مجھ کو ایسا بیٹا دے جو سرداری قوم خدمت دین و شریعت تبلیغ توراۃ میں میرے بعد میری ذمہ داریوں کا منصب سنبھال سکے علمی میراث ہوتی ہی نہیں کیونکہ میراث بغیر محنت ملتی ہے جب کہ علم خود اپنی محنت سے حاصل کرنا پڑتا ہے اسی طرح نبوت بھی میراث نہیں بن سکتی۔ یہاں مالی میراث تین وجہ سے مراد نہیں ہو سکتی ۱۔ حضرت زکریا کے [illegible] ہوتا تھا کچھ بچتا ہی نہ

تمام مکان بھی اپنا نہ تھا بیت المقدس کے مشرقی حجروں میں رہائش رکھتے تھے ۲۔ اگر مالی میراث ہوتی تو یَرِثُنِی کہنا بیکار تھا کیونکہ اولاد خود بخود ہی وارث مال بن جاتی ہے اولاد کی دعا ہی کافی تھی ۳۔ مالی میراث صرف والد کا مال بنتا ہے اس کے لیے اگر وضاحت ہی مقصود تھی تو یَرِثُنِی کہنا کافی تھا وَ یَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ فرمانا غلط اور بیکار تھا کیونکہ دادا پڑدادا اور پورے آلِ یعقوب کے مال پر ایک شخص کیسے قابض ہو سکتا ہے۔ رہا باغِ فدک کا مسئلہ تو اگر بقولِ شیعہ مذہب وہ میراث تھا تو اس کی حقدار پہلے ازواجِ مطہرات بنتی ہیں پھر فاطمہ زہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن اجمعین۔ دوسرا اعتراض یہاں فرمایا گیا نِدَآءً خَفِیًّا۔ لفظ ندا کا معنیٰ ہے زور سے پکارنا چیخنا گڑگڑانا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے زور سے دعا مانگی اور خفیا سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے بہت آہستہ دعا مانگی یہ تضاد کیوں ہے۔ جواب۔ اس کے دو جواب دیئے گئے ۱۔ یہاں نداء بمعنیٰ دعا ہے ذکر بلند آوازی ۲۔ خفیا کا معنیٰ آہستہ آواز نہیں بلکہ مقام خلوت تنہائی پوشیدگی ہے یعنی دعا تو بلند آواز سے تھی مگر خفیہ جگہ میں تھی۔ تیسرا اعتراض یہاں کہا گیا وَهَنَ الْعَظْمُ میری ہڈیاں بوڑھی ہو گئی ہیں چاہیے تھا کہ وَهَنَ الْجِسْمُ کہتے کیونکہ بوڑھا تو سارا جسم ہوتا ہے جواب جسم تو بیماری سے کمزور ہو جاتا ہے مگر بڑھاپہ ہڈیوں کو کمزور کرتا ہے ہڈیوں کی وجہ سے باقی جسم کمزور ہوتا ہے۔ تو چونکہ بڑھاپے کی اصل نشاندہی ہڈیوں سے ہوتی ہے اس لیے وَهَنَ الْعَظْمُ کہنا بالکل درست ہے اور اعتراض غلط ہے۔

تفسیر صوفیانہ كٓهٰيٰعٓصٓ ۔ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۔ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۔ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّىْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۔

یہ حروفِ مقطعات رازہائے پنہانی ہیں طالب و مطلوب محب و محبوب رَبُّ الْعٰلَمِیْن و رحمۃ للعٰلمین کے مابین اور دلیل بڑھاتی ہیں اس بات کی کہ محبوبِ ربِّ قدیم کا علم تمام مخلوقِ فرشی ارضی و سماوی شرقی و غربی شمالی و جنوبی بری و بحری آبی و ناری نوری و خاکی سے زیادہ ہے اور تفسیر ہیں عَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ کی کہ ان حروف میں وہ علوم پوشیدہ ہیں جن کو بجز محمد مصطفیٰ عالم مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ میں کوئی نہیں جانتا اور یہ ہی حروف تشریح ہیں اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ کی۔ اے قلبِ منور یہ تمام کلامِ ازلی ابدی و قدیمی تیرے پروردگار کی وہ رحمتِ خصوصی ہے جس نے پرورش و تربیت فرمائی ربوبیت کمال سے اپنے عبدِ خاص زکریا اسرار روحِ ایمان کی عالمِ انوار میں۔ (از تفسیر نیساپوری) پس یاد فرما اور تذکرہ و چرچہ کر دے عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا کا (از ابن عربی) جب محرابِ صدرِ مومن میں انوارِ اشجار کے ثمراتِ ابرار دیکھا کہ سِرّ اسرار سے نداءِ خفیہ و دعاءِ حقیہ عرض کی کہ اے میرے ظاہر و باطن خفی و جلی کے ربِّ قدیر میری عظماءِ روحانیت کے مضبوط ارادے کمزور و ضعیف ہو گئے ہیں [illegible] کا نظام [illegible] پھوٹ کر پھیل چکا ہے۔ اور

اے میرے رب محبوب مونس شبہاءِ ظلمات میں کبھی بھی خلوت وجلوت کی کسی بھی دعا میں شقاوتِ نفس وضمیر میں نہ پڑا
نہ کبھی نامرادی کی مایوسی ہوئی۔ خیال رہے کہ قرآن مجید میں کل اٹھائیس جگہ لفظ عبد مذکور ہوا ہے۔ جن میں صرف
لفظ عبد تیرہ آیت میں ہے ان میں سے پانچ آیت میں مختلف انبیا علیہم السلام کو عبد فرمایا گیا۔ اور لفظ عَبْدُ اللہ
تین آیت میں انبیاء علیہم السلام کے لیے ہی ارشاد ہوا اول سورۃ نساء آیت ۱۷۲ دوم مریم آیت ۳۰ سوم سورۃ
جن آیت ۱۹ بناء میں عبد اللہ ہے۔ اور مختلف میں عَبْدَنَا پانچ جگہ ارشاد ہوا یہ بھی صرف انبیاء علیہم السلام
کے لیے۔ اور قرآن مجید میں سات جگہ عَبْدُہٗ فرمایا گیا۔ اول سورۃ ۱۷ اسرای آیت ۱ دوم سورۃ ۱۸ کہف
آیت ۱ سوم مریم یہی جگہ، یہاں عَبْدَہٗ حضرت زکریا علیہ السلام کو فرمایا گیا۔ چہارم سورۃ فرقان ۲۵ آیت ۱ پنجم سورۃ
۳۹ زمر آیت ۳۶ ششم سورۃ ۵۳ نجم آیت ۱۰ ہفتم سورہ ۵۷ الحدید آیت ۹۔ ان باقی چھ آیات میں
عَبْدُہٗ سے آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہی مراد ہیں۔ ثابت ہوا کہ قرآن مجید میں انبیاء کرام علیہم السلام کو عبد
بھی فرمایا گیا عبد اللہ بھی عبد اللہ بھی اور عَبْدَنَا بھی عَبْدُہٗ بھی یہ بھی ثابت ہوا کہ عام مومنین فقط عبد ہیں خاص مومنین
فقط عبد ہیں خاص مومنین عبدُ اللہ ہیں اور خاص الخاص عبدنا ہیں مگر اخص الخاص یعنی انبیاء علیہم السلام عبد بھی
ہیں عبد اللہ بھی عبدنا بھی اور عبدہٗ بھی۔ علامہ اقبال صاحب نے اپنی ایک چودہ مصرعی نظم میں عبد اور عبدہٗ کا
فرق بیان کیا ہے وہ ان کی اپنی رائے ہے قرآن وحدیث سے ثابت نہیں۔ بلکہ اس نظم کے پہلے شعر میں بھی
اختلاف اضطراب ہے۔ عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر لیکن دوسرا مصرعہ بعض کہتے ہیں۔ این سراپا انتظار او منتظر
اور کچھ کہتے ہیں۔ ما سراپا انتظار او منتظر۔ مگر یہ علمی لغوی اعتبار سے غلط ہے کیونکہ یہاں لفظ عبد کے لیے
ما ضمیر جمع متکلم نہیں آسکتی۔ این سراپا انتظار درست ہے اور ان اشعار کا معنی وتشریح یہ کی جاتی ہے کہ موسیٰ
علیہ السلام فقط عبد ہیں اس لیے وہ طور پر انتظار کیا کرتے تھے محمد مصطفیٰ عبدہٗ ہیں اس لیے معراج میں ان
کا انتظار کیا گیا۔ میں کہتا ہوں کہ اقبال صاحب کا اگر یہی منشا ہے تو غلط ہے اور آیت قرآنیہ کے خلاف
ہے۔ اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔ وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ
مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا۔ یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا ۔
اور بے شک مجھ روحِ حیات کو خوف ہے کہ کہیں صفاتِ نفسانیہ اعضاءِ بدنیہ پر غالب نہ آجائیں میری
خلوتِ مکاشفات کے بعد اور میری خلوتِ عملیہ میجہ زوجہ جیدی ضعفِ عمل سے بانجھ وناکارہ ہے اس میں
عملِ صالحہ کی ودیعت رکھنے کی توفیقِ خیر نصیب نہیں اے پروردگار ظاہر وباطن عطا فرما دے اپنے
ہی قربِ خاص وکرمِ عام سے ایک والی اجسام اور منتظمِ آبدان قلبِ ملکی جو وارثِ انوار لائقِ اسرار
الہامات میں امانتِ نبوت کا امین رضیا ہو یہ روحِ حیات ہے بھی اور الہامت عاقبت کے خزانہ اعمال

کے لیے اے رب کائنات بنا دے اُس ہمارے قلب سئول و مطلوب کو علم لدنی کا معادن کیونکہ یہی قلب روح منوّر اور جسم مطہر کا مولود عطیہ ربانیہ ہے اور سعادت متصف ہے صفت روح ذات اور یعقوب روحانیات کی تمام صفات الٰہیہ کا اور اسی قلب مولود مسعود وسئول کو اپنی صفات ربوبیت کا تجلی گاہ وطنیت کا رضیا یعنی راضی برضا اور راغب الی اللہ بنا دے۔ ہر مومن صادق کی روح حیات یہی التجاء خفیہ حفاظت اعضاء بدنیہ کے لیے بارگاہ قدس میں عرض کرتی رہتی ہے رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔

(از تفسیر غرائب القرآن نیشا پوری)

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ اِسْمُهٗ يَحْيٰى لَمْ

ہم نے پکارا اے زکریا بے شک ہم خوش خبری دیتے ہیں تم کو ایک بیٹے کی اس کا نام یحییٰ ہوگا۔ نہیں

اے زکریا ہم تجھے خوشی سناتے ہیں ایک لڑکے کی جس کا نام یحییٰ ہے اس کے پہلے

نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝٧ قَالَ رَبِّ اَنّٰى

رکھا ہم نے اس یحییٰ لفظ کا پہلے کوئی نام۔ عرض کیا اے میرے رب کیسے

ہم نے اس نام کا کوئی نہ کیا۔ عرض کی اے میرے رب میرے

يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ

ہوگا میرے لیے بیٹا حالانکہ ہے میری بیوی ناقابل اولاد اور خود ہیں

لڑکا کہاں سے ہوگا میری عورت تو بانجھ ہے اور میں

بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝٨ قَالَ كَذٰلِكَ قَالَ

پہنچ گیا ہوں بڑی عمر ہونے کی وجہ سے بہت بڑھاپے کو۔ فرمایا فیصلہ اسی طرح ہے فرمایا

بڑھاپے سے سوکھ جانے کی حالت کو پہنچ گیا۔ فرمایا ایسا ہی ہے تیرے رب نے فرمایا

رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ

تمہارے رب نے یہ کام میرے لیے انتہائی آسان ہے اور تم کو بھی تو اس یحییٰ سے پہلے پیدا کر دیا ہے

وہ مجھے آسان ہے اور میں نے تو اس سے پہلے تجھے اس وقت بنایا

وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ﴿٩﴾

حالانکہ تم بھی کچھ نہ تھے

جب تو کچھ بھی نہ تھا

تعلقات ان آیت کریمہ کا پچھلی آیت پاک سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں حضرت زکریا علیہ السلام پر اللہ کی رحمت فرمانے کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں اس رحمت کی وضاحت فرمائی جا رہی ہے کہ وہ رحمت آپ کا فرزند ارجمند حضرت یحییٰ علیہ السلام تھے۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں اس دعا کی قبولیت کا ذکر ہے تیسرا تعلق پچھلی آیت میں حضرت زکریا کی فرمودہ اپنی اور اپنی زوجہ محترمہ کی ان کمزوریوں کا ذکر کیا گیا جو اولاد پیدا ہونے سے مانع ہوتی ہیں یعنی خاوند کا بوڑھا ہونا اور بیوی کا بانجھ ہونا۔ اب ان آیت میں ذکر ہے کہ ان کمزوریوں کے باوجود جب بیٹے کی خوش خبری ملی تو حضرت زکریا نے تعجب کرتے ہوئے اپنی انہیں کمزوریوں کو ذکر عرض کیا اور قبولیت دعا کی کیفیت معلوم کی۔

تفسیر نحوی یٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ِۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا۔ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا۔ یا، حرف ندا قائم مقام اُدْعُوْا یا اس کے مشتق دیگر صیغے مثلاً نَدْعُوْا یا دَعَوْتُ دَعَوْنَا، ماضی مضارع معروف ہر دو کے صرف متکلم کے صیغے آسکتے ہیں ذَكَرِيَّا۔ بحالت فتحہ غیر منصرف ہے کیونکہ عجمی اعلم ہے اس لیے تنوین سے مانع ہے منادیٰ ہے اِنَّا، دو لفظ ہیں اِنَّ حرف مشبہ بہ ا نا ضمیر جمع متکلم اسم اِنَّ نُبَشِّرُ، باب تفعیل کا فعل مضارع۔ جمع متکلم پوشیدہ ضمیر نَحْنُ کا مرجع رب تعالیٰ ہے اس کا مصدر ہے تَبْشِیْرٌ۔ بُشْرٌ سے مشتق ہے بمعنی خوش خبری دینا ك ضمیر مفعول بہ ب حرف جر غُلٰم، اسم مفرد جامد بمعنی لڑکا۔ بیٹا، یہ مذکر ہے اس کی مؤنث غلامۃ ہے مگر مستعمل نہیں اس بنا پر بعض نے کہا کہ اس کی مؤنث

ہوتی ہی نہیں۔ غُلَامٍ موصوف اِسمِ مضاف ۂ مضاف الیہ یہ مرکبِ اضافی مبتدا۔ یَحْیٰی موصوف اِسم مفرد جامد نام ہے ایک نبی اللہ علیہ السّلام کا۔ اَصْلًا یہ فعل مضارع معروف واحد مذکر غائب بمعنی مستقبل ترجمہ ہے زندہ رہے گا۔ بابِ سَمِعَ سے ہے مگر یہ نام رکھا گیا اس لیے مشتق نہ رہا جامد ہو گیا ایک قول میں عجمی علم ہے کیونکہ عرب میں اس طرح مضارع کے صیغے سے نام نہیں رکھے جاتے مگر صحیح یہ ہے کہ عربی میں بہت سے اس طرح کے نام فعل مضارع سے رکھے گئے ہیں مثلاً یَعْمُرُ، یَعِیْشُ بلکہ نام تو پورا جملہ بھی رکھا جا سکتا ہے جیسے ایک شہر کا نام حضرموت اور کتاب کا نام جاء الحق وزھق الباطل ہے اور یَمُوْتُ بن مزرع تو بہت بڑا شاعر حافظ نحوی کے بھانجے کا بیٹا ہوا ہے۔ یہ یَحْیٰی نام بھی آئندہ زندگی کی بشارت کے طور پر ہے۔ لَمْ نَجْعَلْ۔ فعل نفی حجد بلم مستقبل۔ لَهٗ۔ یہ جار مجرور متعلق اوّل ہے۔ ترجمہ ہے اُس کو۔ ضمیر ہ مجرور کا مرجع لفظ یَحْیٰی سَمِیًّا اسم مفرد صفت مشبہ بروزن شبیھاً۔ سَمُوٌ یا سَمَیٌ سے مشتق ہے بمعنی مضبوط نام یعنی اسم باسمی نام مع صفات یہ تمیز ہے لَهٗ کی یہ تمیز تمیز مل کر مجرور ہوا مِنْ جارہ ابتدائیہ یعنی پہلے زمانوں سے ہی قَبْلُ اسم ظرفِ زمانی ضمہ پر مبنی ہے کیونکہ اس کا مضاف محذوف منوی ہے دراصل تھا مِنْ قَبْلِهٖ یہ جار مجرور متعلق دوم ہے لَمْ نَجْعَلْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صفت ہے لفظ یَحْیٰی کی یہ موصوف صفت مل کر خبر ہے استقبالی ہے مبتدا اِسْمُهٗ کی یہ جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہے غُلٰم کی دو مرکب توصیفی متعلق ہے نُبَشِّرُ فعل کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی یہ جملہ اسمیہ ہو کر بیان ہے یا ندائیہ کا۔ ندا منادی اور بیان مل کر مفعول بہ ہوا فعل پوشیدہ کا سب مل کر جملہ فعلیہ مکمل ہوا قَالَ فعل ماضی مطلق اپنے پوشیدہ ضمیرِ فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا رَبِّ اصل میں یا رَبِّیْ ہے۔ یا ندائیہ رَبِّ منادی۔ اَنّٰی، اسم ظرف ہے اس کا استعمال چار طرح ہوتا ہے ۱ ظرفِ مکانی یعنی ظرفِ خبریہ مکانیہ ۲ ظرفِ استفہامیہ مکانیہ ۳ ظرف زمانیہ خبریہ ۴ ظرف زمانیہ استفہامیہ، پہلی صورت میں بمعنی جہاں جس جگہ اُس جگہ۔ دوسری میں بمعنی کہاں سے کس جگہ سے تفسیری صورت میں آپ اِس وقت، چوتھی میں بمعنی کب۔ کس وقت، کس طرح۔ لفظِ اَنّٰی یہاں ظرف مکانیہ استفہامیہ کے لیے ہے۔ کَیْفَ یا مِنْ اَیْنَ کے ہم معنیٰ۔ یہ ظرفِ مقدم ہے یَکُوْنُ فعل تامہ کا۔ لِیْ۔ لام جارہ ملکیت کا ترجمہ ہے۔ میرا یا میرے لیے یا متکلم ذوالحال۔ وَکَانَتْ واؤ حالیہ۔ کَانَتْ فعل ناقصہ واحد مؤنث اِمْرَاَتِیْ۔ اسم مفرد مؤنث جامد۔ اس کا مذکر ہے اِمْرُءٌ۔ یٖ متکلم۔ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی اسم ہے کَانَتْ کا عَاقِرًا اسم مفرد لفظاً مذکر معنیً مؤنث خبر ہے۔ کَانَتْ کی دونوں سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ قَدْ بَلَغْتُ۔ فعل ماضی قریب معروف واحد متکلم مِنَ الْكِبَرِ جار مجرور متعلق ہے عِتِيًّا۔ اسم حاصل مصدر جامد بمعنی سخت بڑھاپا جس میں ہڈیوں کی مینگ بھی خشک ہو جاتی ہے۔ بڑھاپا۔ سٹھیا جانا۔ دراصل تھا عُتُوًّا دوسرے رفع کو کسرہ بنایا تو [illegible] اعراب ایک قریبی جگہ جمع

ہو سکنے خواہ ساکن (جزم) ہوں یا زبر، زیر، پیش ہوں۔ پھر مجبوراً تاکید کے لیے عین کو بھی کسرہ دیا۔ عِتِیًّا ہو گیا ترجمہ ہے۔ اکڑ، اتر، سرکش، بوڑھا یہاں یہ آخری معنی ہے جب یہ عاتٍ کی جمع عِتِیًّا ہو تو پہلے معنی ہوتے ہیں۔ یہاں ترکیب میں مفعول بہ ہے قَدْ بَلَغْتُ فعل اپنے فاعل متعلق اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا کَانَتْ پر دونوں مل کر حال ہے لِیْ کا یہ دونوں مل کر مجرور متعلق ہے غُلَامٌ فاعل ہے یَکُوْنُ فعل اپنے فاعل ظرف اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر بیان ہوا، رَبِّ کا، ندا منادٰی اور بیان مل کر مقولہ ہوا قول کا قول مقولہ مل کر جملہ فعلیہ قولیہ ہو گیا۔ قَالَ کَذٰلِکَ قَالَ رَبُّکَ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُکَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَکُ شَیْئًا۔

قَالَ فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا اس قَالَ کا فاعل هُوَ ضمیر کا مرجع رب تعالیٰ ہے ترجمہ ہے رب تعالیٰ نے فرمایا۔ کَذٰلِکَ خبر ہے مبتدا محذوف اَلْاَمْرُ کی یعنی فیصلہ اسی طرح ہے۔ یہ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ ہو کر جملہ قولیہ ہو کر مکمل ہوا۔ ایک قول میں اس قال کا فاعل مبشر فرشتہ ہے اور یا ذکریا کا منادی نُبَشِّرُ کا فاعل بھی فرشتہ ہے مگر یہ قول کمزور ہے، اس قول کی صورت میں کَذٰلِکَ مقولۂ اول ہے اور اگلی تمام عبارت مقولہ دوم مگر ہماری ترکیب میں دونوں قول علیحدہ جملے ہیں۔ قَالَ بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہے رَبُّکَ کَ ضمیر کا مرجع زکریا یہ مرکب اضافی اس قَالَ کا فاعل ہے۔ هُوَ ضمیر مرفوع منفصل واحد مذکر اس کا مرجع ہے اَلْاَمْرُ پوشیدہ یا بشارت غلام کی تکمیل۔ هُوَ مبتدا عَلَیَّ بمعنیٰ مجھ پر، میرے لیے هَیِّنٌ۔ اسم صفت مشبہ بروزن قَیِّمٌ، هَوْنٌ سے مشتق ہے باب نَصَرَ سے ہے بمعنیٰ نہایت آسان۔ معمولی کام۔ عَلَیَّ عَلٰی حرف جر فوقیت یعنی مجھ پر یا علٰی بمعنیٰ لام جارہ یعنی میرے لیے جار مجرور اس کا متعلق، یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ مقرر۔ واؤ عاطفہ تقریری یعنی ثابت کرنے اور دلیل بنانے کے لیے یہ واؤ اپنے دوسرے مابعد جملے سے ماقبل جملے کو ثابت کرتی ہے۔ قَدْ خَلَقْتُ۔ فعل ماضی قریب معروف واحد متکلم اس کا فاعل اَنَا ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ کَ ضمیر واحد مذکر حاضر کا مرجع زکریا۔ ذوالحال ہے۔ وَلَمْ تَکُ۔ واؤ حالیہ لَمْ تَکُ فعل ناقصہ نفی جحد بلم واحد مذکر حاضر۔ اس کی تعلیل نحوی اس طرح کہ یہ تھا تَکُوْنُ لَمْ جازمہ نے جزم دے کر نون کو ساکن کیا تو واؤ ساکنہ گر گئی۔ لَمْ تَکُنْ ہو گیا۔ کثرت استعمال کی وجہ سے نون بھی تخفیفاً کے لیے گرا دیا گیا۔ باب نَصَرَ سے ہوتا ہے۔ اس میں اَنْتَ پوشیدہ اس کا اسم ہے شَیْئًا۔ اسم مفرد نکرہ بمعنیٰ کچھ۔ خبر ہے۔ فعل ناقصہ اپنے اسم و خبر سے مل کر معطوف مقرر ہوا دونوں مل کر مقولہ ہوا قَالَ ثانی کا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ | یٰزَکَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ نِ اسْمُهٗ یَحْیٰی لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا۔ قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّکَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْکِبَرِ عِتِیًّا۔

اس کے دعا کے فوراً بعد وحیِ الٰہی آئی بذریعہ ملائکہ اور جبریل علیہم السّلام جیسا کہ آلِ عمران کی آیت ۳۹ میں بیان کیا گیا۔ اے زکریا یہ آواز فرشتے کی تھی مگر پیغام رب تعالیٰ کا تھا۔ ہم نے مفسرین کے دو مختلف قول کی مطابقت کر دی۔ اور یہی قول درست ہے۔ بے شک ہم تم کو خوشخبری دیتے ہیں ایسے بیٹے کی جس کا نام یحییٰ ہو گا۔ اس لفظ یحییٰ کو ہم نے اس لڑکے سے پہلے کسی بھی شخص کا نام نہیں بنایا۔ ایک قول میں لہٗ کی ضمیر کا مرجع علم ہے اور سَمِیًّا کا معنٰی ہے مثل۔ برابر یعنی اس لڑکے کی مثل کوئی افضل انسان اس سے پہلے نہیں بنایا۔ بعض نے کہا کہ سمیًا کا معنٰی بے مثل ولادت یعنی اس سے پہلے بانجھ عورت سے محض قدرتِ الٰہی کے کرشمہ سے بغیر نطفہ صرف خاوند کی صحبت سے کہ نہ والدہ کا نطفہ ہو بوجہ بانجھ ہونے کے نہ والد کا نطفہ ہو بوجہ سخت بوڑھا ہونے کے یہ ولادت قدرت کا بے مثل کرشمہ ہے۔ مگر پہلا قول درست ہے۔ دوسرا اس لیے غلط ہے کہ حضرت ابراہیم، موسیٰ داؤد علیہم السّلام حضرت یحییٰ سے افضل ہیں کیونکہ وہ خلیل ہیں اور موسیٰ و داؤد صاحبِ کتاب مرسل ہیں حضرت یحییٰ صاحبِ شریعت رسول ہیں یا فقط نبی اور مرسل کا درجہ رسول و نبی سے زیادہ ہوتا ہے۔ تیسرا قول جمہور علماء کا نہیں یہاں حضرت یحییٰ کی دو فضیلتیں بیان ہوئیں ۱ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے خود نام رکھا والدین کے سپرد نہ کیا یہ آپ کی خصوصیت ہے ۲ نام کسی اور کو نہ پہلے ملا نہ بعد میں یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ نام کسی دوسرے آدمی کا نہ رکھا۔ یحییٰ کا معنی زندہ رہنے والا یا زندہ ہونے والا یا زندہ کرنے والا تینوں اعتبار سے حضرت یحییٰ اسم بامعنی ہیں۔ اوّلاً اس لیے کہ آپ ابدی زندہ ہیں اور شہادت میں قتل کے بعد بھی آپ لوگوں کو دیکھنے اور حرام نکاح کا مسئلہ بتاتے رہے کئی سو سال تک آپ کا خون پرستا رہا یہاں تک کہ ایک نبی علیہ السّلام نے کچھ فرمایا تو بند ہوا دوم اس لیے کہ آپ کے لیے شکمِ مادر زندہ کیا گیا۔ سوم اس لیے کہ آپ نے دلوں کو زندگی بخشی۔ حضرت یحییٰ کی ولادت اس بشارت کے تیرہ سال بعد ہوئی (تفسیر صاوی) ایک قول میں انیس ۱۹ سال بعد ہوئی۔ اس کا پورا بیان تفسیر نعیمی پارہ سوم سورۃ آلِ عمران میں ملاحظہ کیجئے۔ یہ خوشخبری سن کر حضرت زکریا اتنے مسرور ہوئے کہ جذبات کو قابو نہ رکھ سکے یہ انداز بھی شکرِ الٰہی کا ایک طریقہ ہے اور اسی جذبے میں شاداں و فرحاں ہو کر عرض کرتے ہیں اے میرے رحیم کریم ربِ جلیل کس نوعیت سے ہو گا میرے لیے بیٹا۔ اور تو جانتا ہی ہے کہ میری بیوی شروع جوانی سے ہی بانجھ یعنی سوکھے رحم والی ہے۔ خیال رہے کہ علم طب کے مطابق عورت کے رحم میں بلوغت کے وقت چکنا پانی پیدا ہوتا ہے اسی میں نطفہ پرورش پاتا ہے وہ پانی دو رنگ اور دو قسم کا ہوتا ہے۔ مختلف جسمانی اعتبار سے پانی اپنی مقدار میں مختلف ہوتا ہے اوسطاً پانی تقریباً ایک سیر ہوتا ہے۔ اگر عورت کی جسمانیت و رحم کے اعتبار سے پانی تھوڑا ہو تو نطفہ کبھی نہیں ٹھہرتا مگر اس کا علاج ممکن ہے۔ اگر [illegible] ۔ اسی کو عقر و عاقر اور بانجھ

کہتے ہیں۔ اگر بیماری یا لیکوریا وغیرہ سے پانی کم ہو جائے تو علاج ممکن ہے ختم ہو جائے تو علاج ناممکن ہوتا ہے۔ ان بیوی صاحبہ کا نام ایشبع (ایلزبتھ) تھا۔ اس کمزوری کا ذکر کرنے کے بعد اپنی حالت بیان فرمائی۔ کہ اے میرے رب مولیٰ کریم اور میں بھی تو عمر رسیدہ بڑی عمر ہونے کی وجہ سے ہڈیوں کی میننگ۔ چربی سوکھنے کے بڑھاپے تک پہنچ گیا ہوں ان حالات میں تیری اس عظیم اور مہربان قدرت کا کس طرح ظہور ہوگا۔ کیا مجھ کو جوانی والی قوت سے نوازا جائے گا اور میری بیوی کو مکمل صحت مند قابل اولاد عورت بنا دیا جائے گا۔ یا کچھ اور کرشمہ ہوگا تو تو ہزار قدرتوں والا ہے اپنی اس قدرت کا بھی میرے لیے اظہار فرما دے تاکہ خوشی کے ساتھ اطمینان قلبی مجھ کو نصیب ہو جائے اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمًا ۔ میں مفسرین کے چار قول ہیں ۱ یہ سوال اطمینان قلبی کے لیے تھا۔ ۲ طریقہ ولادت معلوم کرنے کے لیے تھا کیونکہ اتنی عمر میں بانجھ بیوی سے اولاد ہونا فطرۃ الہیہ کے خلاف اور خرق عادت تھا۔ ۳ مزید خوشی حاصل ہونے کے لیے تھا۔ ۴ رب تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف حاصل کرنے کے لیے تھا۔ قَالَ كَذٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ۔ رب تعالیٰ نے جواب فرمایا۔ بذریعے وحی خفی یا بذریعہ فرشتہ۔ یہ کلام جلی یا تکلم بالمشافہ نہ تھا۔ تکلم بالمشافہ موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت ہے اسی لیے اُن کو کلیم اللہ کہا جاتا ہے۔ اور وحی قدسی یعنی ظاہر بلا واسطہ جبرئیل یا فرشتہ یہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے اسی لیے لِیْ مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ کی خلوت و کیفیت صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے فرمایا۔ اے زکریا ولادت اسی طرح ان ہی حالات میں ہوگی تم بوڑھے ہی رہو گے تمہاری بیوی بانجھ ہی رہےگی رحم سوکھا ہی رہے گا۔ بغیر والدین کے نطفے کے۔ ایک قول یہ ہے کہ پہلا قَالَ جبرئیل علیہ السلام کا قول ہے دوسرے قَالَ کا فاعل رَبُّكَ ہے۔ یعنی جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ تمہارے رب نے جواب فرمایا ہے هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۔ ایسی پیدائش بھی میرے لیے آسان ہے کچھ مشکل نہیں۔ یہ تو صرف ایک جسم کی پیدائش ہے کہ رحم مادر میں فقط گوشت پوست کا ایک مجسم بنتا ہے دوسری تمام جاندار اور غیر جاندار مخلوق کو چھوڑو صرف اپنی طرف ہی غور کر لو کہ بے شک میں نے تمہاری روح کو ازل میں اس سے پہلے اُس وقت پیدا کر دیا تھا جب تم کسی لحاظ سے کچھ بھی نہ تھے۔ نہ عالم ارواح میں تمہاری روح تھی۔ بلکہ ایک وہ وقت تھا کہ عالم ارواح ہی نہ تھا نہ تمہارے جسم کے عناصر اربعہ تھے تمہاری روح، تمہارے عناصر اربعہ پھر تمہارا نطفہ پھر مضغہ، علقہ، لحمًا، عظمًا، وہ خلقتیں اس سے زیادہ تعجب خیز نہیں، مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک، صغیر کبیر، حقیر، جلیل۔ انشا اور اعادہ سب یکساں ہیں یہ سب کی سب طرح خلقتیں اُس کے لیے صغیرہ نہایت ہی آسان ہیں ذرہ بھر مشکل نہیں۔ جب اول انشا میں تم کو پیدا کر دیا تو یہ اعادہ ہے اس میں کیوں متعجب و حیران ہو خیال رہے کہ رب تعالیٰ کی خلقتیں دو طرح سے ظہور وجود میں آتی

ہیں ۱ فطرت وعادت اور قانونِ الٰہیہ ازلیہ کے مطابق ۲ خلافِ فطرت وعادت محض کرشمۂ قدرت سے، فطرت وقانون کا ظہور تو تمام مخلوق پر ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ مگر شاہکارِ قدرت اور محیرُ العقول کرشمۂ خلاقیت صرف اجسامِ انبیاءِ کرام علیہم السّلام پر ہی ظاہر ہوئے۔ رب تعالیٰ نے اپنی صفاتِ قوت وقدرت کو ظاہر فرمانے کے لیے از ابتدا تا انتہا اجسامِ انبیاء کو ہی منتخب فرمایا۔ گویا کہ وجودِ انبیاء ہی مظہر ومنفعِ صفاتِ الٰہیہ ہے۔ مثلاً قانون تو یہ ہے کہ ہر ذی روح مخلوق جاندار اشیاء والدین کے نطفے اور ماں کے رحم سے مخلوق ومولود ہو، مگر اللہ ربُّ العزت کی قدرت اور قوت یہ ہے۔ بغیر والدین کے واسطہ کے جس طرح چاہے پیدا فرما دے۔ حضرت آدم کو ظاہر طہور مٹی سے گوندھ کر پتلا بنا کر سکھا کر روح ڈال کر پہلی انسانی مخلوق بنایا۔ یہ قدرت جسم نبی پر ظاہر ہوئی۔ سینۂ آدم علیہ السلام میں دو طرفہ چھبیس ۲۶ پسلیاں بنائی گئیں تھیں۔ پھر اِن کی ہی ایک پسلی دائیں جانب سے نکال کر حضرتِ حوا کو بنا دیا گیا۔ پچیس ۲۵ پسلیاں باقی رہ گئیں وہی اب سب انسانوں میں چلی آتی ہیں۔ حضرت آدم کی ولادت میں نہ والدین کا نطفہ تھا نہ رحمِ والدہ حضرتِ حوا کی ولادت میں نہ نطفہ نہ رحمِ مادر نہ مٹی کا پُتلا۔ پس ایک نبی کی پسلی کو جاندار مخلوق بنا دیا اور حضرتِ حوا کی روح کو اُس پسلی میں ڈال دیا۔ تو وجودِ عورت کا ظہورِ اولین ہو گیا ۳ قانون تو یہ ہے کہ خاوند بیوی کا ملاپ ہو نطفہ سے مخلوق بچہ یا بچی بنے۔ مگر حضرتِ یحییٰ علیہ السّلام کو ایسی قدرت سے پیدا فرما دیا کہ خود والد کو تعجب ہو رہا ہے کہ صحبت ہوئی مگر نہ والد کا نطفہ نہ والدہ کا ظرف رحم کا مسکن بنا دیا گیا۔ اس قدرتِ عظیم معجزہ کا ظہور بھی جسم نبوت پر ہوتا ہے۔ ۴ قانون تو یہ ہے کہ خاوند بیوی ہوں تب بچہ مولود ہو گا مگر قدرت یہ ہے کہ خاوند سرے سے ہی نہ ہو صرف والدہ کے نطفے سے ہی عیسیٰ علیہ السّلام کو پیدا کر دیا جائے۔ اِس قدرتِ الٰہیہ کا ظہور بھی جسم نبوت پر ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ بھی جتنی قدرتیں معجزات کی صورت میں ظاہر ہوتی رہیں اُن کے لیے اجسامِ انبیاء علیہم السّلام کو ہی چُنا گیا۔ کیا شان عظمت ہے وجودِ انبیاء علیہم السّلام کی سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْم حضرت زکریا عَلَیْہِ السّلام کی اِس دعا اور بشارتِ خداوندی کا پورا بیان قرآن مجید میں دو جگہ بیان فرمایا گیا کچھ یہاں سورۃ مریم کی ابتدائی پندرہ آیت میں اور پھر اِس کے بعد سورۃ آلِ عمران مدنیہ کی چار آیت ۳۸ تا آیت ۴۱۔ رب تعالیٰ نے اِس دعا اور بشارت کی دو نوعیتیں سمجھانے کے لیے اِس کو دو جگہ بیان فرمایا۔ پورا قرآنی بیان اس طرح ہے کہ حضرت مریم اپنے خالو حضرتِ زکریا نبی علیہ السّلام کی پرورش کے ساتویں یا آٹھویں سال اپنے مخصوص حجرہ بیت المقدس کے محراب میں بیٹھی تھیں اور آپ کے پاس حسب روز مرّہ جنّت کے غیبی پھل رکھے ہوئے تھے کہ زکریا علیہ السّلام تشریف لائے اور بے موسمے تازہ پھل دیکھ کر فرمایا۔ اے مریم اَنّٰی لَکِ ھٰذَا تمہارے لیے یہ پھل اتنے شاندار تازہ تازہ [illegible] اللہ تعالیٰ کے پاس سے آئے

ہیں تب اس مقام اور بے موسمے جنتی پھلوں کی نسبت اور وسیلے سے آپ نے اپنے لیے بے موسمی اولاد کی دعا مانگی لیکن چونکہ انبیاء علیہم السّلام کی ہر خواہش دینی کاموں کے لیے ہوتی ہے اس لیے آپ نے اولاد بھی دنیا و دنیا داروں کی طرح دنیوی اغراض کے لیے نہ مانگی بلکہ دعا عرض کرتے ہیں ایسے الفاظ عرض کئے جس سے تین چیزیں متعین ہوگئیں۔ عرض کیا اے میرے رب عطا فرما۔ هَبْ لِیْ۔ یعنی بلا مشقت و بلا معاوضہ بخشش فرما مجھ کو اولاد پاک ستھری صحت مند خوب صورت متقی نیک عابد زاہد خاص اپنے پاس سے جو وَلِیًّا یعنی میرا جانشین بننے کے لائق لڑکا ہو جو لڑکی ہو اور نہ نالائق فضول لڑکا ہو اور مجھے بے موسم پھلوں کی طرح بے موسمی اولاد عطا فرما کیونکہ اس میں اپنے بڑھاپے کی وجہ سے اور میری بیوی اپنے بانجھ پن کی وجہ سے بے موسمی ہو چکے ہیں بے شک تو ہی تو دعاؤں کو سننے والا ہے، خاص کر میں تو کبھی بھی اس سے پہلے کسی بھی دعا کی قبولیت میں تیری بارگاہ سے ناکام نہ ہوا یہ وَلِیًّا ایسا ہو جو میرا بھی سچا اور مستحق جانشین بن سکے اور پوری آلِ یعقوب علیہ السّلام کا جانشین بن سکے۔ اتنی دعا عرض کرنے کے بعد آپ وہیں محرابِ مریم میں ہی اپنی نفلی نماز اور اذکار تسبیح تہلیل ورد وظائف میں مشغول ہوگئے ابھی فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ رب تعالیٰ کے فرشتے جبرئیل علیہ السّلام کے ساتھ جلوس بشارت مناتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا پیغامِ بشارت لے آئے اور خدمتِ نبویہ عالیہ میں ندا عرض کی کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی تم کو یحییٰ بیٹے کی بشارت عطا فرماتا ہے یہ وحی اسی کا قول مبارک ہے ہم تو صرف وحی لانے اور سنانے والے ہیں، سورۃِ آلِ عمران میں یحییٰ علیہ السّلام کو آل زکریا ثابت کیا گیا ہے اور یہاں جانشین اور ولی وارث ثابت کیا گیا۔

فائدے

ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے ہیں پہلا فائدہ انبیاء کرام اور ان کے پورے اجسام و ابدان اور وجود سب خاص رب تعالیٰ کے لیے ہوتے ہیں۔ ان کا ہر فعل صرف رب کے لیے ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ ان کا کھانا پینا سونا جاگنا شادی بیاہ بھی رب تعالیٰ نے ان کو خاص اپنے لیے پیدا فرمایا ہے اُن پر ہی اپنی تمام قدرتوں کا اظہار فرماتا ہے۔ اُن کی خلقت خاص اپنے دستِ کرم سے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے خَلَقْتُ بِیَدَیَّ۔ میں نے اُن کو اپنی دستِ قدرت سے پیدا فرمایا۔ تمام انبیاءِ کرام کے نام بھی خود رب تعالیٰ ہی وضع فرماتا ہے والدین نہیں رکھتے یہ فائدہ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا کے ارشادِ پاک اور قَالَ كَذٰلِكَ کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی مخلوق زمینی و آسمانی فرشتہ غلمان انبیاء کرام علیہم السّلام سے افضل نہیں۔ جبرئیل و میکائیل جیسے سردارانِ ملائکہ بھی اُن کے خدام ہیں۔ اور اُمت کے اولیا غوث و قطب اُن کے دروازۂ اقدس کے گدا ہیں۔ دوسرا فائدہ انبیاء کرام علیہم السّلام کی یہ بھی ایک خصوصی شان ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کام بطریق الہام یا بجواب عرض و معروض کے عاجزانہ طریقے

پر رب تعالیٰ سے استفسار کر بیٹھتے ہیں کہ یہ کیسے ہے اور کیسے ہوسکتا ہے یا کیونکر ہوگا۔ مولیٰ تعالیٰ اِن استفساری سوال وجواب پر ناراضگی نہیں فرماتا بلکہ محبت سے تسلی بخش جواب عطا فرماتا ہے یہ فائدہ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ۔ اور قَالَ كَذٰلِكَ فرمانے سے حاصل ہوا۔ یہ اعزازی جرأت کسی اور شخص کو حاصل نہیں یہاں تک کہ کوئی فرشتہ بھی یہ جرأت نہیں دکھا سکتا۔ یہ عظیم دلیل ہے محبوبیت کی تیسرا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے کام رب تعالیٰ کے ہی کام ہیں اسی لیے اولیاء اللہ کے کام میں عظمت وقوت اور مقبولیت ومنظوریت ہوتی ہے اور مولیٰ کریم اپنے بندوں کے کام کو بھی اپنی طرف منسوب فرمالیتا ہے۔ یہ فائدہ اِنَّا نُبَشِّرُكَ فرمانے سے حاصل ہوا۔ دیکھو۔ خوش خبری فرشتوں نے دی تھی۔ جیسا کہ آلِ عمران کی آیت ۳۹ میں ہے فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ مگر رب تعالیٰ نے فرمایا۔ بے شک ہم نے خوش خبری سنائی۔

احکام القرآن اِن آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ اپنے مُربی یا ڈاکٹر طبیب معالج کو اپنی اور اپنی بیوی کی خفیہ بیماری۔ اور اندرونی شرمگاہ کی بیماری بتانی اور ظاہر کرنی جائز ہے جب کہ بغرضِ علاج ایسا کیا جائے یا علاج کا مشورہ وطریقہ پوچھنا مقصود ہو۔ نہ یہ غیبت ہے نہ پردہ دری نہ عیب جوئی نہ گناہ اور عام مسلمانوں کے تجرباتی فوائدِ نافعہ کے لیے ڈاکٹر طبیب کو بھی جائز ہے کہ اُس بیماری کے کامیاب علاج اور دوا کو دیگر مریض لوگوں کو بتانے کے لیے اُس مجرب مریض کو بھی مشہور کرسکتا ہے کہ فلاں بیمار شخص پر اِس دوا اور علاج کا تجربہ کامیاب رہا ہے۔ یہ مشہوری شرعاً گناہ نہیں۔ نہ ہی ڈاکٹر طبیب ومعالج دنیوی یا اُخروی پکڑ میں آسکتا ہے اگرچہ وہ خفیہ شرمناک بیماری عورت میں ہو یا مرد میں۔ لیکن اِس کے علاوہ کسی اور شخص کو نہ اپنی شرمناک بیماری خواہ مخواہ بلاوجہ بتانا جائز نہ کسی کو کسی کی بیماری مشہور کرنا جائز۔ بلاوجہ کوئی شخص کسی دوسرے کی ایسی بیماری کو اگر ظاہر اور مشہور کرے جس سے اُسی بیمار کی ذلت ورسوائی اور معاشرے میں سب کی بے عزتی ہو تو یہ گناہ بھی ہے اور قابلِ تعزیر جرم بھی۔ یہ مسئلہ حضرت زکریا کا اَنّٰى عاقِرًا عرض کرنے اور رب تعالیٰ کا اس کو بذریعے قرآن مجید تاقیامت عالم میں مشہور کرنے اور ہمیں سنانے سے مستنبط ہوا۔ دوسرا مسئلہ۔ مسلمان والدین کو چاہیے کہ ہمیشہ اپنے بچوں کے اچھے الفاظ اور بابرکت اور بہترین معنیٰ والے نام رکھیں اور ولادت کے بعد فوراً رکھیں بلکہ اگر کسی طرح یقین سے پتہ لگ جائے کہ پیدا ہونے والا بچہ لڑکا ہے یا لڑکی تو ولادت سے پہلے ہی نام رکھنا جائز بلکہ بہتر ہے اس لیے کہ بفرمانِ حدیث پاک نام کا اثر نام والے کی شخصیت اور آئندہ زندگی کے کردار پر پڑتا ہے بلکہ بعض مبارک لفظوں یا بزرگ کی نسبت کی وجہ سے بچے کی زندگی دراز اور صحت والی ہوجاتی ہے۔ اسی لیے غلط الفاظ اور غلط معانی یا غلط اور برے لوگوں [illegible] ع اور گناہ میں آقاء کائنات

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم برے ناموں کو تبدیل فرما دیتے تھے۔ کیونکہ برے اور شر بر ناموں کا اثر بھی نام والے کی شخصیت پر پڑتا ہے۔ جیسا کہ بارہا کا تجربہ و مشاہدہ ہے۔ یہ مسئلہ اِسْمُهٗ یَحْیٰی (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا کہ مولیٰ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ کا نام بذات خود تجویز فرما کر ان کو اسم با مسمّٰی بنا دیا۔ اور اس نام پاک کی شان و عظمت و فضیلت ظاہر فرمائی۔ کہ فرمایا گیا۔ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا ۔ لفظ یحییٰ بہت پُر وقار با عظمت اور شاندار معنیٰ والا نام ہے۔ اسی طرح تمام انبیاء کرام کے نام اپنی اپنی لغت کے اعتبار سے بہت ہی با عظمت و فضیلت کے معنیٰ والے نام ہیں بلکہ اسم با مسمّٰی ہیں۔ مسلمانوں کو قرآن مجید احادیث مبارکہ۔ صحابہ کرام اولیاء اللہ کے ناموں کی مثل نام رکھنا چاہیئے۔ نمرود شدّاد ہامان فرعون۔ یزید شمر پرویز اور کفار کے معاشرے میں مشہور نام نہیں رکھنے چاہئیں۔ مثلاً۔ بھگوان داس یا تارا سنگھ وغیرہ نام رکھنا حرام ہیں۔ اسی طرح وہ نام رکھنا بھی ناجائز ہے جس کے معنیٰ سے جھوٹ کذب بیانی یا نفرت و حماقت ظاہر ہوتی ہو۔ مثلاً خالد نام رکھنا جائز ہے مگر خالد بن ولید نام رکھنا ناجائز ہے۔ اور ایسے ہی حلیمہ نام رکھنا جائز ہے مگر حلیمہ سعدیہ یا صرف سعدیہ نام رکھنا ناجائز ہے۔ کیونکہ بن ولید نام نہیں بہ ولدیت ہے۔ ایسے ہی سعدیہ نام نہیں بلکہ قبیلے اور قوم کی نسبت ہے ایسے لفظوں کو نام بنا لینا جھوٹ بھی ہے حماقت بھی بلکہ بے غیرتی اور گناہ بھی کہ اس خالد کا والد مثلاً زید ہے مگر یہ اپنا باپ ولید کو کہہ رہا ہے یا دوسرے پکارنے بلانے والے اس کو ولید کا بیٹا کہہ کر پکار رہے ہیں۔ نام رکھنے کا پورا شرعی بیان ہمارے فتاوی العطایا دوم میں اور اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی کی کتاب ملفوظات اور احکام شریعت و فتاوی رضویہ میں دیکھئے۔ تیسرا مسئلہ۔ شخصیت اور شئی یعنی چیز روح مع الجسد کا نام ہے۔ فقط روح کو یا فقط جسم کو نہ کوئی نام دیا جا سکتا ہے نہ اس کو شخصیت کہا جا سکتا ہے۔ نہ شئی عربی لغت میں۔ اَنْتَ اَنْتُمْ اَنْتُمَا۔ کَ کُمَا۔ کُمْ۔ فارسی میں مامَن۔ تو شما اور اردو میں تو۔ تم آپ۔ جناب وغیرہ ضمیری الفاظ روح مع الجسد ہی کو کہا جاتا ہے اور اسی کو زندہ کا نام دیا جاتا ہے۔ فقط رُوح نہ کَ ہے نہ کُمَا نہ کُمْ نہ مادَمَن نہ آپ جناب۔ یہ مسئلہ قَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَیْئًا۔ سے مستنبط ہوا کہ دیکھو رب تعالیٰ نے حضرت زکریا کی ولادت کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا کہ اس سے پہلے تم کوئی چیز بھی نہ تھے۔ حضرت زکریا کو یحییٰ علیہ السّلام کی ولادت پر ہی تعجب اور حیرانگی ہوئی اور اسی کے بارے میں استفساری سوال عرض کیا تھا۔ اسی کا جواب دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے لَمْ تَكُ شَیْئًا۔ فرمایا۔ نیز ولادت میں روح مع الجسد کی پیدائش ہوتی ہے۔ ورنہ حضرت زکریا و یحییٰ کی روح اور تمام روحیں تو کروڑوں سال پہلے ایک دم سب کلمۂ کُنْ فَیَکُوْن سے پیدا فرما دی گئیں تھیں وہاں نہ کوئی باپ نہ کوئی بیٹا۔ نہ کوئی مِنْ قَبْلُ نہ کوئی مِنْ بَعْدُ۔ لہٰذا مرزائیوں قادیانیوں اور مرزا غلام قادیانی کا یہ کہنا کہ وَ رَافِعُكَ اِلَیَّ۔ میں عیسیٰ علیہ السّلام کی صرف روح کا اٹھانا مراد ہے اور یہ کہ معاذ اللہ عیسیٰ علیہ السّلام فوت ہو گئے ہیں اور آپ کی

روح کو آسمان پر اٹھایا گیا ہے نہ کہ جسم کو غلط ہے جہالت ہے۔ رَافِعُكَ میں کَ ضمیر سے حضرتِ عیسٰی علیہ السّلام پورے زندہ مراد ہیں قادیانیوں کا کفریہ اور شیطانیہ عقیدہ قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ حضرت زکریا نے بشارت سنا کر اپنے بیٹے کی ولادت پر حیرانی اور تعجب سے سوال عرض کیا تو رب تعالیٰ نے اس کے جواب میں خود زکریا علیہ السلام کی ولادت کا ذکر فرمایا۔ حالانکہ حضرت زکریا کی ولادت کوئی تعجب خیز نہ تھی اسی طرح کی ولادتیں مطابق عادت و قانون دن رات ہزاروں لاکھوں ہوتی رہتی ہیں۔ چاہیئے کہ حضرت آدم علیہ السّلام کا ذکر کیا جاتا۔ اور بتایا جاتا کہ تم کو بغیر نطفہ کے پیدائش پر تعجب ہو رہا ہے ہم نے تو تم سے پہلے بالکل ہی ابتداءِ انسانیت میں آدم کو بغیر والدین اور بغیر رحم مادر کے پیدا فرما دیا۔ وہ پیدائش اس پیدائش یحیٰی سے کہیں زیادہ تعجب خیز تھی جب وہ ہمارے لیے مشکل نہیں تو یہ کیوں مشکل ہو گی یہ بھی ھَیِّن۔ مگر یہاں زکریا علیہ السّلام کی ولادت کا ذکر فرمایا گیا اس کی کیا وجہ۔ **جواب**۔ چونکہ سوال میں ولادت کا ذکر تھا اس لیے جواب میں بھی ولادتِ زکریا علیہ السّلام کا ذکر کیا گیا۔ اصل مقصود سمجھانا یہ تھا کہ لَمْ تَكُ شَيْئًا۔ یعنی نیست سے ہست کرنا عدم سے وجود میں لانا لہٰذا کسی بھی پہلی انسانی ولادت کا ذکر کر دیا جاتا تب بھی نیست و ہست کا مسئلہ حل ہو جاتا لیکن خود حضرت زکریا کا ذکر کرنا جلدی سمجھ آنے کے لیے فرمایا گیا۔ اس لیے کہ اپنی واردات جلدی سمجھ آتی ہیں۔ حضرت آدم کا ذکر اس لیے نہ فرمایا کہ وہاں ولادت نہیں ہے۔ **دوسرا اعتراض**۔ حضرتِ زکریا علیہ السّلام نے پہلے تو خود بیٹے کی ولادت کی دعا مانگی کیونکہ دعا میں ذُرِّيَّةً۔ طَيِّبَةً۔ اور وَلِيًّا۔ جیسے الفاظ ہیں لفظ۔ ذُرِّيَّةً اگرچہ ہر قسم کی اولاد کو شامل تو ہے لڑکی ہو یا لڑکا۔ مگر وَلِيًّا کے لفظ نے لڑکے کو خاص کر دیا کیونکہ لڑکی وَلِيًّا۔ یعنی جانشین نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا بیٹے کی دعا مانگنے کے بعد جب بشارت ملتی ہے تو خود ہی حیرانی سے انکاری سوال بھی کر دیتے ہیں کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ اس کی کیا وجہ؟ **جواب**۔ ہم نے تفسیر میں اس کی وضاحت کر دی ہے کہ یہ سوال نہ انکاری تھا نہ تعجب اور حیرانی کا۔ بلکہ خوشی کے جذبات سے سرشار ہو کر طریقۂ ولادت اور نوعیت و کیفیت کا سوال تھا کہ کس طرح ولادت ہو گی قانونی عادت کے مطابق والدین کے نطفہ سے اور یہ کہ صرف نطفہ پیدا کر دیا جائے گا یا کہ میرا بڑھاپا اور بیوی کا بانجھ پن (عقر) ختم کر کے یا دونوں کو جوان کر کے یا اس طرح قدرت الٰہیہ کے کرشمہ سے یہ سوالِ انکاری نہیں کیونکہ قدرت الٰہیہ پر سوالِ انکاری کفر ہے اور کفر تو در کنار انبیاء کرام سے تو معمولی خطا بھی ناممکن و محال ہے کیونکہ وہ ہستیاں معصوم ہوتی ہیں۔ **تیسرا اعتراض**۔ یہاں ارشاد فرمایا گیا کہ لَمْ نَجْعَلْ لَهُ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا۔ مفسرین اسلام نے اس آیت کی ایک تفسیر یہ بھی فرمائی ہے کہ نہیں بنایا ہم نے اس یحیٰی جیسا کوئی بھی اس [illegible] افضل [illegible] نبی تو بہت سے ان سے پہلے

گزرے بلکہ ان سے بھی افضل انبیاء کرام پہلے ہوئے ہیں۔ مثلاً حضرت ابراہیم۔ موسیٰ۔ اور داؤد علیہم السلام ان سے افضل تھے۔ تو پھر ان کو سمیًّا یعنی بے مثل کیوں فرمایا گیا۔ ؟ جواب۔ سابقین مفسرین تو اپنی عادت کے مطابق ہر سچا جھوٹا۔ درست۔ اور غلط قول نقل کرتے چلے جاتے ہیں نقل کر دینے سے یہ ضروری نہیں کہ صاحب تفسیر کے نزدیک یہ قول درست بھی ہو۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ تفسیری اقوال بالکل غلط ہیں پھر بھی نقل کر دیتے ہیں یہی حال ہمارے شارحین کا ہے مگر فقہاءِ اسلام کا یہ کام ہے کہ وہ سچے جھوٹے اور صحیح۔ غلط کی نشاندہی کرتے جائیں ہماری یہ تفسیر چونکہ فقیہانہ طرز و طریقے پر ہے اس لیے ہم نے اپنی تفسیر میں اس قول کی تردید کی ہے۔ اور بتا دیا ہے کہ سمیًّا کا صحیح معنیٰ ہے نام۔ یعنی لفظِ یحییٰ پہلے کسی کا نام نہ رکھا گیا۔ یہی تمام جمہور علما کا قول ہے۔ لیکن اگر سمیًّا کا معنیٰ بے مثل و بے نظیر ہی کیا جائے تب اعتراض کا جواب اس طرح ہے کہ یہاں بے مثل سے افضیلت مراد نہیں۔ بلکہ مقصود مراد یہ ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام میں بعض خصوصی صفات رب تعالیٰ نے ایسی پیدا فرمائیں تھیں جو ان کے علاوہ ان سے پہلے کسی انسان میں نہیں ہوئی نہ کسی نبی علیہ السلام میں نہ کسی امتی میں۔ مثلاً خصوصی اور بے مثل ولادت۔ اور زاہدانہ زندگی شرم۔ و ترکِ دنیاداری و گھر بار سے قطعاً علیحدگی۔ دنیا کی ہر چیز سے بے رغبتی۔ ہمہ وقتی تبلیغ سیدًا و حصورًا۔ ہونا۔ بچپن نابالغی میں ہی نبوت کی تبلیغ کا حکم مل جانا اور تینوں وقتوں میں سلامتی کا اللہ کی طرف سے تذکرہ فرمایا جانا اور خنّان ہونا۔ یہ وہ خصوصیات ہیں جو پہلے کسی اور شخص کو بھی نہ ملیں مگر ان خصوصیات سے افضلیت لازم نہیں واللہ و رسولہٗ اعلم۔

تفسیر صوفیانہ

آیت ۷، ۸: یٰزَکَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ نِ اسْمُهٗ یَحْیٰی۔ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا ۔ قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّکَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْکِبَرِ عِتِیًّا ۔

اے روحِ حیاتِ جسمیہ۔ بے شک ہم فلکِ اعلیٰ سے تجھ کو بشارتِ قبولیت التجا سے تحفۂ انوار عطا فرماتے ہیں ایک قلبِ مطیع کا جس کا اسم ذاتی حیاتِ ایمانی و عرفانی کا یحییٰ ہے جس کو رب کریم نے اپنے نور سے زندگی بخشی اور مقامِ قرب کی جلا بخشی اور اس کو آغوشِ معرفت میں زندہ کیا ایسی حیات خصوصیہ عالمِ جدیدیہ میں اس سے پہلے کسی کو نہ ملی نہ عقولِ عشر کو نہ نفوسِ اربعہ کو نہ حواسِ خمسہ کو نہ دنیا و حیوانیات میں نہ عالمِ ملائکہ میں جسدِ عنصری میں قلبِ عارفین ہی وہ عضوِ مبارک ہے جو بلا واسطہ فیضِ الوھیت قبول کرتا ہے اور یہی یحییٰ بدنی امانۃ اسرار کو اٹھانے والا ہے حدیثِ قدسی میں ہے کہ میری امانت لاھوتی لامکانی کو صرف میرے بندۂ عارف کا قلبِ مطیع ہی اٹھانے کی گنجائش رکھتا ہے اور ایسے ہی قلبِ مومن میں تجلیاتِ رب سما جاتی ہیں چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے وَلٰکِنْ یَسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِی الْمُؤْمِنِ ۔ اُس ہی عقل و فکر نے رب تعالیٰ

کو پہچانا جس نے اپنے قول و فعل تصوّر اور ارادے میں سنتِ نبوی کو حاکمِ اجسام بنایا ایسا ہی قلب و عقل نفس و ضمیر کے دھانِ باطنی سے حکمت کی باتیں نکلتی ہیں۔ اور ایسا ہی دل حیاتِ ابدی کا یحییٰ قلبی ہوتا ہے اور جس نے اپنے نفس اور قول و فعل میں خواہشاتِ ذلیلہ دنیویہ کو مسلط کیا اُس نے بدعتِ سیئہ کا ارتکاب کیا۔ ان ہی بدعاتِ سیئہ سے روحِ سیاٰت کو خفتُ الموالیہ کا خدشہ و اندیشہ ہوتا ہے اُس جسم پر عذابِ الٰہی جلدی آتا ہے جو ظلم کرتا دیکھے اور ظالم کو نہ روکے بہت بڑا جہادِ روحانی و جسمانی یہ ہے کہ ظالم بادشاہ اور جابر حاکم کے سامنے بھی حق و انصاف عدل و سچائی کی بات کہدی جائے۔ کہ یہ مظلوم کا حق ہے مظلوم کی بددعاؤں سے ہر عضو باطن و ظاہر اور افرادِ انسانی کو بچنا چاہیئے کیونکہ یہ بارگاہِ صمدیت تک بہت جلدی جاتی ہے اگرچہ نداءِ خفیہ ہو۔ مغفرت اور رحمت و برکت کے خزانوں کی بشارتیں کشادہ روئی اور شیریں زبانی سے ملتی ہیں۔ زیادہ بلا وجہ قسمیں کھا کھا کر تجارتِ دنیا اور مالِ فانیہ تو بڑھایا جا سکتا ہے مگر رحمت و برکت کی کمائی گھٹ جاتی ہے اور اسرارِ الٰہیہ کی بشارتیں بند ہو جاتی ہیں درس گاہِ صمدانی کی بشارۃِ عظمیٰ کو سن کر روحِ حیات کی قوتِ تازگی خوشنودیِ ایمانی سے لبریز ہو کر تسکین و قرار کے لیے زکریاءِ باطنی عرض سوال کرتا ہے کہ خلفشارِ جسمانی کے اس یلغارِ ضعیفی میں قلبِ منور کی عطا کس طرح ہوگی میری قوتِ بدنیہ بانجھ ہے اور میں روحِ حیات تعلقِ قالب کا طولِ زمانی کے سبب انفاسِ عمرِ طویل کے گزرنے کی وجہ سے خشک مزاجی کے ضعفِ عناصر کی دہلیزِ شیبۃِ کبر باطن پر ہوں جہاں افتراقِ روح و جسم کا تقربِ یقینی کا ظہور عیناً ہوتا ہے۔ ان عناصرِ عمل کی کمزوریوں میں قوتِ قلبی کا ظہورِ ولادت کس طرح ہو۔ قَالَ كَذَٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ۔ عاطفِ غیبی سے جواب یہی آتا ہے کہ سب کچھ عالمِ امر سے اسی طرح ہوتا چلا آرہا ہے اور ہوتا چلا جائے گا محبوبانِ بارگاہ کے ہر سوال کا احترام کیا جاتا ہے جوابِ تسکین عطا فرمایا جاتا ہے اے سائلِ روحِ حیات تیرے رب نے تیرے سوالِ ناز کا جواب کریمانہ عطا فرمایا کہ یہ خلقتِ قلب اور اُس کے اوصافِ حمیدہ و قوتِ لازوال اور وسعتِ باکمال کا پیدا کرنا مجھ پر نہایت ہی آسان ہے اور ان کی دلیلِ لمی یہ ہے کہ بے شک میں نے ان تمام اشیاءِ نفس و نفوس فکر و سرور خیر و شرور، عقلِ غیور سے پہلے تجھ کو پیدا فرمایا حالانکہ تو کچھ بھی نہ تھی تیرا مادہ نہ مصدر نہ منبع نہ مخزن نہ معدن نہ اصل نہ فرع نہ تو تیرے لیے دعا نہ التجاء نہ تیری طلب نہ خواہش نہ کسی کو تیری آس نہ اُمید نہ تیرا نام نہ نشان تو کسی اعتبار سے کچھ بھی تو نہ تھی میں ہی تجھ کو بنانے والا میں ہی پیار کرنے والا میں نے ساری مخلوق کو کُن فیکون سے بنایا مگر تجھ کو خَلَقْتُ بِيَدَيَّ کا اعزاز و اختصاص بخشا اسی لیے تو نے اَمرِ ربّی کا لقبِ قربِ جمال پایا خلوص اطمینان تصوّف [illegible] قلبی تیرے نومولود قلب

مزکی کے خزانے ہیں جو تبری وراثت اجداد ہے۔ شریعت ان خزانوں کی چابی ہے اور طریقت ان کا مخزن و معدن ہے علم اُس قلب کی قابلیتِ ولایت ہے اسی علم معرفت کے ذریعے قلب منور روحِ حیات کا سچا اور ابدی جانشین بنتا ہے علم کلام الٰہی قلب کی حیاتِ طویل ہے۔ اجسام واعضاء کی زندگی روح کے موجود اور تعلق بدنی سے ہے مگر قلب روح کے بغیر بھی یحیٰی ؑ اسرار ہے روح کی تخریج وتفریق بدن کی موت ہے ان کی نہیں بہت سے مردہ دل لوگ روح وبدن کے باوجود مردہ ہیں مگر زندہ دل لوگ تخریجِ روح کے باوجود بھی بل اَحْیَاءٌ ہیں۔ (از تفسیر معانی وبیان)

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْٓ اٰیَةً ؕ قَالَ اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ

عرض کیا اے میرے رب سمجھا دے مجھ کو کوئی علامت فرمایا کہ تمہاری علامت یہ ہوگی کہ تم کلام

عرض کی اے میرے رب مجھے کوئی نشانی دیدے۔ فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ تو تین

النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا ﴿۱۰﴾ فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ

لوگوں سے نہ کر سکو گے مسلسل تین راتیں حالانکہ کامل تندرست ہو گے۔ پھر کبھی وہ نکلے اپنی امت کے سامنے

رات دن لوگوں سے کلام نہ کرے بھلا چنگا ہو کر تو اپنی قوم

مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓی اِلَیْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً

سے تو اشارہ کیا ان کی طرف کہ تم لوگ خود ہی اپنی عبادت ادا کرو فجر والی بھی

پر مسجد سے باہر آیا تو انہیں اشارے سے کہا کہ صبح وشام

وَّعَشِیًّا ﴿۱۱﴾ یٰیَحْیٰی خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَاٰتَیْنٰهُ

اور مغرب والی۔ اے یحیٰی پکڑے رہو اسی کتاب کو قلبی قوت سے اور دی ہم نے انکو

تسبیح کرتے رہو۔ اے یحیٰی کتاب مضبوط تھام اور ہم نے اسے بچپن ہی

الْحُكْمَ صَبِيًّا ⑫ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۭ وَ

ایک شریعت شیر خوارگی میں ہی اور دی ہم نے عقل کامل اپنے قرب خاص سے اور پاکیزگی اور

میں نبوت دی۔ اور اپنی طرف مہربانی اور ستھرائی اور کمال

كَانَ تَقِيًّا ⑬ وَّبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا

تھے وہ ابتدا سے متقی اور فرمانبردار اپنے والدین کے اور نہ تھے وہ تنگ مزاج نہ تھے

ڈر والا تھا اور اپنے ماں باپ سے اچھا سلوک کرنیوالا تھا۔ زبردست

عَصِيًّا ⑭ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ

گنا ہگار ۔ اور ہر شان کی سلامتی و بقا ہے ان پر اُن کی ولادت کے وقت سے اور وفات کے وقت سے

نافرمان نہ تھا اور سلامتی ہے اُس پر جس دن پیدا ہوا اور جس دن مرے گا

وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ⑮

اور قیامت کے ابدی زندگی کے تمام وقت میں

اور جس دن زندہ اُٹھایا جائے گا

تعلقات ان آیت پاک کا پچھلی آیت پاک سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق۔ پچھلی آیت کریمہ میں حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ سے اولاد ملنے پر حیرت کا اظہار عرض کیا تھا جس کا جواب رب تعالیٰ نے فرمایا کہ جب تم کچھ نہ تھے تو تم کو پیدا کر دیا۔ لہٰذا تمہاری بڑھاپے اور بانجھ پن میں اولاد پیدا کرنا کیا مشکل ہے اب ان آیت میں حضرت زکریا کا فقط اطمینان قلبی کے لیے پیدائش فرزند کے دن کی علامت معلوم کرنے کا ذکر ہے دوسرا تعلق پچھلی آیت میں اولاد جیسی نعمت ملنے کا تذکرہ ہوا۔ اب ان آیت میں نعمت ملنے پر شکریہ اور تسبیح و تہلیل اور ذکر الٰہی کرنے کا ذکر ہے کہ یہی مومن کی شان ہے تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں حضرت زکریا سے گفتگو کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں اُن کو ملنے والے فرزند ارجمند کی جوانی اور ان کو بچپن [illegible] حضرت یحییٰ سے رب تعالیٰ

کی گفتگو کا ذکر ہو رہا ہے۔

تفسیر نحوی قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْۤ اٰیَةً ؕ قَالَ اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا ۔ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤى اِلَیْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّ عَشِیًّا ۔ قال ۔

فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا رَبِّ۔ یا رَبِّیْ ہے۔ یا ندائیہ رَبِّیْ مرکب اضافی منادیٰ ہے اِجْعَلْ۔ فعل امر حاضر معروف واحد مذکر، جَعْلٌ سے بنا ہے۔ یہاں اس کے معنی ہیں۔ بتانا۔ دینا۔ سمجھانا۔ یہ مصدر بہت معنی میں مشترک ہے۔ کیفیتاً کبھی لازم، کبھی متعدی بیک مفعول، کبھی بدو مفعول۔ یہاں بدو مفعول ہے۔ لِیْ جار مجرور اس کے پہلے مفعول کی جگہ۔ اٰیَةً۔ اسم مفرد مؤنث، بمعنیٰ نشانی۔ علامت یہ دوسرا مفعول ہے۔ اِجْعَلْ دونوں مفعولوں اور فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ قَالَ فعل با فاعل جملہ فعلیہ قول آیَتُ۔ مضاف کَ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مبتدا، اَلَّا۔ دراصل ہے اَنْ لَّا تُکَلِّمَ۔ اَنْ حرف مضارع کو نصب دزبر دینے والا لَا تُکَلِّمَ۔ باب تفعیل کا فعل مضارع معروف منفی بِلا واحد مذکر حاضر اَنْتَ اس میں ضمیر اس کا مرجع زکریا ہے فاعل ذوالحال سے اَلنَّاسَ۔ الف لام جنسی ہے یعنی جنس انسان۔ یا استغراقی ہے یعنی تمام انسان۔ مفعول بہ ثَلٰثَ۔ اسم مفرد عددی جامد، ممیز مضاف لَیَالٍ، اسم۔ جمع مکسر۔ اس کا واحد لَیْلٌ ہے بمعنی رات یہاں مراد ہے رات دن۔ یعنی اتنا وقت اتنا مسلسل زمانہ یہ تمیز مضاف الیہ۔ دونوں مل کر ظرف زمانی ہوا لَا تُکَلِّمَ کا۔ سَوِیًّا۔ اسم صفت مشبہ مبالغہ یعنی زیادتی بیان کرنے کے لیے بروزن قَوِیًّا اس کی جمع مکسر ہے اَسْوِیَا۔ بمعنیٰ برابر۔ سَوِیٌّ سے مشتق ہے۔ ہر وہ چیز جس میں کسی قسم کی کمی زیادتی، کمیت کیفیت میں اعتدال ہو نہ افراط ہو نہ تفریط، ہر اعتبار سے درستی ہو۔ یہاں مراد ہے صحت مندی تندرستی۔ یہ حال ہے لَا تُکَلِّمَ کے فاعل اَنْتَ پوشیدہ کا۔ یہ فعل سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر مبتدا۔ دونوں جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ ہوا قَالَ کا دونوں مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ فَ تعقیبیہ خَرَجَ فعل ماضی مطلق واحد غائب باب نَصَرَ هُوَ ضمیر اس میں پوشیدہ اس کا فاعل عَلٰی قَوْمِہٖ۔ مرکب اضافی جار مجرور متعلق اوّل ہے مِنْ حرف جر ابتدائیہ یا بمعنیٰ فِیْ بعض میں سے یا بمعنیٰ اِلٰی یعنی طرف سے۔ الف لام عہدِ خارجی یعنی وہ محراب جس کا سب کو پتہ ہے۔ مِحْرَابِ اسم آلہ بروزن مِفْعَالٌ، بمعنیٰ اسم ظرف۔ حَیْثُ کی جگہ۔ حَرْبٌ سے مشتق ہے۔ لفظ حرب تین معنیٰ میں مشترک ہے (۱) آرام سکون پانا (۲) آگے ہونا (۳) جنگ کرنا چبارے اور بالا خانے کو عربی میں محراب پہلے معنیٰ کے اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ انسان سب سے علیحدہ ہو کر سکون میں چلا جاتا ہے خصوصی عبادت وِرد وظیفہ بھی۔ بندہ ایسی ہی خلوت گاہ میں آرام سے کرتا ہے۔ یہاں یہ ہی مراد ہے اس کی جمع مکسر ہے محاریب۔ مسجد کی اگلی [illegible] کی جگہ [illegible] ہے کہ یہ مسجد میں سب سے

آگے ہے یا اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہاں شیطان سے نفسیاتی غائبانہ جنگ ہوتی ہے۔ قلعوں اور محلوں کو محاریب فرمایا گیا اس اعتبار سے کہ وہاں دشمن سے جنگیں ہوتی ہیں۔ یہ جار مجرور متعلق دوم ہے خَرَجَ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ فَ تعقیبیہ بمعنی ثُمَّ یعنی پھر اشارۃً کہا۔ اَوْحٰی۔ باب افعال ماضی مطلق واحد غائب اس کا فاعل ذکریا ہیں هُوَ پوشیدہ کا مرجع اِلٰی حرف جر ہِمْ ضمیر بارز (ظاہر) کا مرجع قوم ہے یہ جار مجرور متعلق ہے اَوْحٰی کا۔ اَنْ تفسیریہ سَبِّحُوْا۔ باب تفعیل کا فعل امر حاضر جمع مذکر تَسْبِیْحٌ سے بنا ہے اس کا مصدر ہے تَسْبِیْحٌ بمعنی سُبْحَانَ اللہ پڑھنا۔ یا مطلقاً اللہ تعالیٰ کی حمد کرنا یا عبادت کرنا بُکْرَۃً۔ باب نصر کا صفت مشبہ بروزن فُعْلَۃٌ قُبْلَۃٌ فُضْلَۃٌ بمعنی ابتدائی وقت یا ابتدائی عبادت یا ابتدائی حالت یہاں مراد ہے بہت صبح سویرے۔ معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ عَشِیًّا۔ اسم مشتق صفت مشبہ۔ بروزن فعیلاً وَلِیًّا وغیرہ۔ بمعنی شام۔ رات۔ اس کا لغوی ترجمہ ہے۔ جھکنا۔ اترنا۔ آسانی ہونا۔ سورج کے ڈھلنے سے رات کے آخری حصے تک عشا اسی معنی میں کہتے ہیں رات کے کھانے کو عَشَا اسی معنی میں کہا جاتا ہے وہ سب کاموں سے فارغ ہو کر آسانی سے کھایا جاتا ہے یہاں مراد ہے نماز مغرب کا وقت معطوف ہے۔ بُکْرَۃً وَعَشِیًّا دونوں مل کر ظرف ہوا سَبِّحُوْا کا۔ وہ جملہ فعلیہ ہو کر مفعول بہ ہے اَوْحٰی کا۔ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۔ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۭ وَكَانَ تَقِيًّا ۔ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۔ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۔ یا حرف ندا قائم مقام دعی فعل۔ یعنی پکارا اللہ نے یَحْیٰی۔ اسم مفرد معرفہ یہ منادیٰ اگلی عبارت بیان ندا ہے۔ خُذْ۔ فعل امر حاضر واحد مذکر۔ اَنْتَ پوشیدہ ضمیر۔ ترجمہ ہے تو تھام لے۔ پکڑ لے۔ لے لے۔ اَلْكِتٰبَ۔ الف لام عہد خارجی کِتَابٌ اسم مفرد جامد بمعنی مکتوب یعنی لکھی ہوئی تحریر یا۔ لکھی جانے کے قابل، معاہدہ کیا ہوا۔ فرض کیا ہوا۔ یہاں پہلے معنی میں ہے مفعول بہ ہے بِقُوَّةٍ۔ اسم مفرد جامد بمعنی ہمت۔ قُوًی سے ہے دس معنی میں مشترک ہے۔ طاقت ہمت۔ غلبہ پانا۔ خالی ہونا۔ رک جانا۔ مضبوط ہونا۔ قدرت ہونا۔ کوشش کرنا، قابلیت۔ استعداد ہونا۔ اس کا صفت مشبہ ہے قَوِیٌّ۔ اس کی جمع ہے اَقْوَاتٌ تثنیہ ہے قُوَّتَیْنِ۔ یہ جار مجرور متعلق ہے خُذْ فعل امر کے۔ سب مل کر جملہ ہو کر بیان ہوا ندا۔ منادیٰ اور بیان مل کر مفعول بہ ہوا دعی فعل ماضی پوشیدہ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا بعض نحات۔ جملہ فعلیہ نہیں بناتے بلکہ یا کو اپنے منادیٰ اور بیان سے ملا کر جملہ ندائیہ کر کے مکمل کر دیتے ہیں۔ مگر ہماری ترکیب عام مروج ہے۔ واؤ سے جملہ فعلیہ اٰتَیْنَا فعل ماضی مطلق جمع متکلم فاعل اللہ تعالیٰ یعنی ہم نے دیا۔ ہٗ ضمیر واحد غائب مفعول بہ اول صَبِیًّا اسم مفرد مشتق صفت مشبہ۔ بروزن فعیلاً قَوِیًّا۔ صَبْوٌ سے مشتق ہے تعلیل نحوی ا[illegible] کر کے بدل کر ادغام

کر دیا گیا صِبیًا ہو گیا۔ اس کا مؤنث صَبِیَّۃٌ یا صِبیَۃٌ ہے اس کی جمع مذکر مکسّر صِبیَانٌ ہے اور جمع مؤنث صبیاتٌ ہے
ترجمہ ہے بچپن۔ بچہ بچی۔ ولادت سے بلوغت تک زمانۂ بچپن ہے۔ مگر صحیح قول میں ولادت سے ڈھائی سال تک
جو حرمتِ رضاعت کا زمانہ ہے وہ صُبُوَّۃٌ یعنی بچپنہ ہے۔ ایک قول میں دودھ کی شیر خوارگی و رضاعت کی مدتِ
دو سالہ زمانے کو صَبِیًّا کہا جاتا ہے۔ مگر پہلا حرمت والا قول درست ہے۔ یہ مفعول فیہ ہے اَلْحُکْمَ اسم مفرد جامد
معطوف علیہ ہوا۔ واؤ عطفِ جمع کے لیے حَنَانًا۔ اسم مفرد حاصل مصدر۔ بابِ ضَرَب میں گردان ہوتی ہے۔ بمعنیٰ
شفقتِ قلبی۔ نرم دلی شوقِ عبادت عقل و شعور۔ رحم دلی یہاں سب معنیٰ مناسب ہیں۔ مِنْ لَدُنَّا مِنْ حرفِ جر لَدُنْ
مضاف نَا مضاف الیہ۔ یہ مرکبِ اضافی مجرور۔ جار مجرور مل کر متعلق ہے اٰتَیْنٰا کا۔ واؤ عاطفہ زَکٰوۃً اسم حاصل مصدر
زَکُوٌّ سے بنا ہے بمعنیٰ پاکیزگی۔ قدرتی فراوانی و کثرت و برکت یہاں پہلے معنیٰ ہیں معطوف ہے حَنَانًا پر۔ اَلْحُکْمَ
اپنے دونوں معطوف سے مل کر مفعول بہٖ دوم ہوا اٰتَیْنٰا کا۔ سب مل کر جملہ فعلیہ مکمل ہوا۔ واؤ سرِ جملہ کَانَ ناقصہ تَقِیًّا
صفت مشبہ بروزنِ فعیلًا بمعنیٰ متقی معطوف علیہ واؤ عاطفہ بَرًّا۔ اسم مفرد مصدر۔ بمعنیٰ اسم فاعل بَارٌّ۔ اس کا مصدر مادہ
اصلًا بَرَرٌ مضاعف ثلاثی ہے ر ر کا ر میں ہم مخرج و ہم جنس ہونے کی وجہ سے اِدغام کیا گیا۔ اس کا ایک تلفظ
بِرٌّ بے کے کسرے سے بھی ہے بمعنیٰ فرمانبرداری اطاعت عَقٌّ اور عُقُوقٌ بمعنیٰ نافرمانی کی ضد یہاں بَرٌّ کا ترجمہ
فرمانبرداری خدمت گزاری کر کے خوش رکھنے والا۔ یہ معطوف ہے تَقِیًّا پر دونوں مل کر خبر ہے کَانَ کی
بِوَالِدَیْہِ بِ جارہ متعدی یعنی مفعول بہٖ بنانے والا۔ وَالِدَیْ اسم تثنیہ مذکر۔ دراصل والدین تھا یعنی والد
اور والدہ، ہٖ ضمیر کا مرجع یحیٰی ہے یہ مرکبِ اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے کَانَ اپنے پوشیدہ ضمیر ھُوَ۔ اسم اور
خبر و متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ خبریہ ہو گیا و سرِ جملہ لَمْ یَکُنْ فعل مضارع مستقبل معروف نفی جحد بلَمْ بمعنیٰ
ماضی ناقصہ ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا اسم۔ جَبَّارًا اسم مبالغہ بروزن فعّالًا جَبْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ سخت طبیعت
جبرا[illegible] ہے عَصِیًّا۔ اسم صفت مشبہ بمعنیٰ فاسق فاجر گنا ہگار خبر دوم ہے۔ لَمْ یَکُنْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ
ناقصہ ہو کر مکمل واؤ سرِ جملہ (استینافیہ ابتداءِ کلام کے لیے) سَلٰمٌ۔ اسم فاعل کا یَوْمَ اسم مفرد جامد حاصل مصدر
بمعنیٰ سلامتی۔ حفاظت۔ بقاء (فنا سے دور) یہاں تینوں معنیٰ ہیں سَلْمٌ مادہ ہے بروزنِ فعالٌ قِتَالٌ۔ کِتَابٌ
وغیرہ مبتدا ہے۔ علیہ جار مجرور متعلق ہے حَاصِلٌ پوشیدہ اسم فاعل کا یَوْمَ اسم مفرد جامد ظرفِ زمانی کے لیے
بمعنیٰ وقت مضاف ہے وُلِدَ فعل ماضی با فاعل غائب جملہ فعلیہ ہو کر مضاف الیہ یہ مرکبِ اضافی معطوف علیہ واؤ
عاطفہ یَوْمَ۔ اسم بمعنیٰ وقت مضاف ہے یَمُوْتُ۔ بابِ نَصَرَ کا مضارع مثبت معروف با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر
مضاف الیہ مرکبِ اضافی معطوف علیہ واؤ عاطفہ یَوْمَ اسم مفرد ظرفیہ بمعنیٰ وقت یُبْعَثُ فعل مضارع مجہول
ان تینوں فعلوں میں [illegible] فاعل [illegible] ہے۔ بَعْثٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ

اٹھایا جاتا حَیًّا۔ اسم مفرد حاصل مصدر بمعنیٰ اسم فاعل یا یہ خود صفت مُنجیاً بروزن فَعِیلٌ۔ در اصل حَیِیٌّ تھا بمعنیٰ زندگی والا۔ ترجمہ ہے زندہ ہو کر یہ حال ہے یُبعثُ کے پوشیدہ فاعل کا یُبعثُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مضاف الیہ۔ یَوْمَ کا یہ مرکب اضافی معطوف ہوا سب عطف مل کر حاصِلٌ کا ظرف ہوا۔ حاصِلٌ اپنے پوشیدہ ھُوَ ضمیر جس کا مرجع سَلامٌ ہے۔ اور اپنے متعلق و ظرف سے مل کر خبر ہے مبتدا کی سلامٌ مبتدا خبر سے مل کر جملہ اسمیہ مکمل ہوا۔

تفسیر عالمانہ

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا۔ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا۔

جب حضرتِ زکریا علیہ السّلام نے اللہ تعالیٰ کا جواب سُن لیا۔ تو خوشی سے سرشار ہو کر عرض کیا کہ اے میرے محسن و منعم ربِ کریم میں چاہتا ہوں کہ بیٹا ہونا کہ اُس نعمت کا شکریہ تیری بارگاہِ قدس میں ظہورِ ملاقات کے وقت سے ہی شروع کر دوں لہٰذا اپنے کرم سے مجھ کو یہ بھی ارشاد فرما دے کہ فرزند کے قیامِ حمل کی نشانی کیا ہوگی۔ ویسے تو حمل کا پتہ تین ماہ بعد لگتا ہے مگر اے میرے رب میرے لیے کوئی پہلے ہی نشانی بنا دے جس سے اُس وقت اور اُس لمحہ اُس دن کا پتہ لگ جائے جس دن حمل ٹھہرے اور میں اُس کے شکر انے کی عبادت میں مشغول ہو جاؤں۔ یہ حضرت زکریا کا انتہائی انکسار ہے۔ ورنہ انبیاءِ کرام کا ہر لمحہ ہر سانس ہی عبادتِ الٰہیہ سے معمور مشغول ہوتی ہے بلکہ انبیاء علیہم السّلام کا ہر ذاتی عمل ہی عبادت ہے اگرچہ ہنگامی حادثاتی اتفاقی عمل ہو۔ اسی لیے کبھی کوئی اُمتی خواہ کسی بھی نبی کا ہو کسی نبی سے اعمال میں کبھی بھی بڑھ نہیں سکتا۔ کتنا گستاخ و گمراہ ہے وہ شخص جس نے اپنی کفریہ کتاب میں لکھ ڈالا کہ کبھی کبھی اُمتی اعمال میں اپنے نبی سے بڑھ جاتا ہے۔ اُس دشمنِ ایمان کو یہ پتہ نہیں کہ یہ ناممکن و محال ہے رب تعالیٰ نے اس عرض و معروض پر آیہ ارشاد فرمایا تمہارے لیے نشانی یہ ہوگی کہ تم مسلسل تین رات تک کسی سے بات نہ کر سکو گے۔ دنیوی بات تمہارے منہ سے ادا نہ ہو سکے گی اللہ تعالیٰ کا ذکر تسبیح تہلیل ورد وظائف توراۃ کی تلاوت عبادت نفل و فرض۔ اور ہر وقت کی نماز وغیرہ سب کچھ اپنی زبان سے ادا کرتے رہو گے صرف لوگوں سے مخاطب و متکلم نہ ہو سکو گے نہ پڑھا سکو گے نہ بتا سکو گے نہ دینی احکام حسبِ دستورِ روزمرہ سکھا سکو گے نہ دنیوی بات سمجھا سکو گے نہ گھر والوں سے نہ باہر والوں سے۔ ہاں البتہ خود سب کی سن بھی سکو گے اور سمجھ بھی سکو گے یعنی گونگے بہرے نہ ہو گے۔ سَوِیًّا کا معنیٰ میں دو قول ہیں ۱۔ مسلسل بغیر فاصلہ اور اس کا تعلق راتوں (لَیَال) سے ہے اور یہی صحیح قول ہے ۲۔ تندرست صحت مند۔ گونگے نہ ہو گے نہ زبان کی لکنت ہوگی اور نہ بہرہ پن۔ اس دعا۔ بشارت۔ عرض و معروض سوال و جواب کے بعد [illegible] لگ گئے [illegible] لگ گئے۔ بشارت کے وقت حضرت

مریم کی عمر تقریباً چھ سال تھی اور ظہور حمل کے وقت انیس سال تھی وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ غرضیکہ تیرہ سال گزرنے کے بعد جب ایک دن آپ عبادت کے لیے اپنے اہل خانہ کو آگاہ فرمانے لگے تو بات نہ ہو سکی اچانک آپ کو وہ علامت بشارت یاد آ گئی۔ آپ بہت ہی خوش ہوئے باہر اپنے منتظر نمازیوں کے پاس آئے تب بھی آپ بات نہ کر سکے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی وحیِ عبادت کا پیغام بتایا۔ یا اشارہ سے یا زمین پر لکھ کر اور یہ ہی درست ہے کیونکہ سورۃ آلِ عمران میں رمزاً فرما کر اس کی وضاحت کر دی گئی یا چمڑے و کاغذ پر لکھ کر ان لوگوں کو فرمایا کہ آج تم اکیلے ہی سَبِّحُوْا اپنی تسبیح کر لو تمازمراد ہے یا ذکر اذکار و وظیفہ یا تلاوتِ کلامِ پاک۔ اپنے اپنے وقتوں میں بوقتِ فجر۔ عَشِیًّا سے مراد یا مغرب ہے یا عشا۔ بعض نے عصر سے عشا تک کا ابتدائی وقت مراد لیا ہے۔ حضرت زکریا اس سے پہلے صبح شام کی عبادت باہر مسجد میں آکر لوگوں کو کراتے تھے۔ یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ وَ اٰتَیْنٰہُ الْحُکْمَ صَبِیًّا وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَکٰوۃً ۔ وَکَانَ تَقِیًّا وَّبَرًّا ۢ بِوَالِدَیْہِ وَلَمْ یَکُنْ جَبَّارًا عَصِیًّا۔ وَسَلٰمٌ عَلَیْہِ یَوْمَ وُلِدَ وَیَوْمَ یَمُوْتُ وَیَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا ۔

اس علامت کے ظاہر ہونے کے پورے نو ماہ بعد حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت ہوتی ہے آپ کی ولادت سکندر ذوالقرنینؑ کے حملۂ بابل کے تین سو تیس سال بعد اور ولادتِ مسیح علیہ السلام سے چھ ماہ پہلے ہوئی (تفسیر طبری) اور ابھی آپ پانچ سال کے نابالغ ہی تھے ایک قول یہ ہے کہ پندرہ سال کے بالغ ہوئے ہی تھے کہ آپ کو تبلیغِ نبوت کی اجازت مل گئی اس طرح ان کے بھانجے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو بھی پندرہ سال کی عمر میں اعلانِ نبوت اور تبلیغِ احکام کی اجازت مل گئی تھی یہ ان کی خصوصیات میں سے ہے اسی خصوصیت کا ذکر یہاں ہو رہا ہے کہ اے یحییٰ خُذِ الْکِتٰبَ۔ کتاب یعنی توریت کو یا توریت و زبور دونوں کو یا مراد ہے شریعت اور خُذْ سے مراد ہے اس کتاب کی تلاوت اور عملی زندگی اور اپنی مبعوث الیہ موجودہ امت بنی اسرائیل کی ہدایت میں اپنے والد بزرگ حضرت زکریا علیہ السلام کی جانشینی۔ یہاں رب تعالیٰ نے یحییٰ علیہ السلام کی گیارہ صفات مبارکہ ذکر فرمائیں نو صفاتِ مثبتہ یعنی ہونے والیں اور دو صفت نہ ہونے والیں دسا لبہ، ۱ہم نے ان کو بالکل بچپن میں ہی اعلانِ نبوت کی اجازت دے دی یعنی بلوغت سے پہلے ہی اور انہوں نے عملاً قولاً تعلیماً اور علمِ توریت و زبور کی تدریس و تفہیم لوگوں میں شروع فرما دی اس وقت آپ کی عمر شریف مختلف اقوال سے دو یا تین یا پانچ سال کی تھی زیادہ درست قول پانچ سال کا ہے کیونکہ صَبِیًّا یہاں تک کی عمر کو ہی عموماً کہا جاتا ہے ۲ حَنَانًا شفقت محبت نرم دلی والا یا علمی۔ عملی و مالی برکتوں والا خیال رہے کہ برکتِ مالی ہمیشہ ہی اچھی ہوتی ہے اس لیے کہ رحمت و رافت ہے اور وہ اچھی ہی ہوتی ہے مگر کثرتِ مالی اکثر نقصان دِہ برکتِ مالی کی [illegible] کثرت مال کی [illegible] ۳ پاکیزگی زکوٰۃ ہر قسم کی پاکیزگی و طہارت

کو شامل ہے ظاہری باطنی روحی قلبی مالی دینی دنیوی ۴ متقی یعنی اللہ کی اطاعتِ کاملہ اس کی ہیبت دبدبہ خشیت میں رہنا ۵ بَرًّا بِوَالِدَیْہِ وَالِدین کے سامنے عاجزی وانکساری سے خدمت گزاری کرنا ہمہ تن خدمت میں مشغول رہ کر خدمت گزاری کرنا۔ پورا پورا خیال ہر ضرورت کا ہر وقت رکھنا ۶ جَبَّار یعنی سخت مزاج نہ ہونا ۷ کبھی نافرمانی نہ کرنے والا ۸ ولادت کے وقت شیطانی شرارت سے سلامتی ملی کہ جس طرح ہر بچہ ولادت کے وقت روتا ہے وہ ابلیس یا کسی ابلیسی شیطان کی شرارت کی وجہ سے ہوتا ہے حدیث پاک میں ہے کہ شیطان بچہ کو انگلیاں مارتا ہے اس لیے ولادت کے وقت ہر بچہ روتا ہے مگر تمام انبیاء کرام علیہم السلام اس سے محفوظ ہیں بلکہ کسی شیطان کی ہمت ہی نہیں پڑتی وہاں تک آنے کی انبیاء کرام کی تو اپنی قوت کا عالم یہ ہے کہ اگر وہ بوقتِ ولادت یا کسی وقت ابلیس اور اس کی ذریت کو غضب کی نگاہ سے دیکھ بھی لیں تو وہ سب جل کر خاک ہو جائیں ۹ بوقتِ وفات ہر قسم کی سلامتی ۱۰ میدانِ محشر میں ہر طرح کی سلامتی نہ اپنی فکر نہ کسی اور کی ۱۱ ان سب صفات کو رب تعالیٰ کا خود ذکر فرمانا یہ وہ خصوصیت ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی حاصل نہیں کیونکہ یہ صفات حضرت عیسیٰ کی قرآن کریم میں مذکور ہیں مگر انہوں نے اپنی زبان پاک سے خود ادا فرمائیں۔ انسان پر تین دن ہی سخت رکھے گئے ۱ ولادت کا دن ۲ وفات کا دن ۳ محشر کا دن مگر انبیاء کرام پر یہ تینوں دن بھی سلامتی کے دن ہوتے ہیں اس لیے خصوصیت سے ان تین دنوں کا ذکر کیا گیا۔ تفسیر فتح القدیر میں ہے کہ جو مسلمان بچہ پانچ چھ سال کی عمر میں پورا قرآن مجید ناظرہ پڑھ لے اس کو بھی وَاٰتَیْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِیًّا کا انعام ملتا ہے۔ روایت میں ہے کہ خُذِ الْكِتٰبَ کا معنیٰ ہے۔ قوتِ قلبی جیدی اور مستقل مزاجی اور کوشش سے کار بند رہنا۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی شہادت کے بعد حضرت یحییٰ علیہ السلام تقریباً پچیس سال حیات رہے اور بہت اچھے طریقے سے اپنے والد پاک کے جانشین ثابت ہوئے دن رات خدمتِ بیت المقدس کی ذمہ داری نبھائی اور تبلیغ رسالت ادا فرمائی یہاں تک کہ نہ گھر بنایا نہ شادی کی نہ کوئی کاروبار بنا دین ذات چالیس سال چھ ماہ کی عمر پا کر شہادت کی وفات پائی خیال رہے کہ دنیا میں صرف یہودی قوم ہی وہ بد ذات قوم ہے جس نے انبیاء کرام کو قتل کیا۔ کُل چار سو انبیاء کرام یا چار سو ستر یا صرف ستر انبیاء علیہم السلام شہید کئے گئے جن میں پانچ کا نام مشہور ہوا ۱ یوشا ۲ یَبْعِیَا ۳ شعیب علیہ السلام ۴ زکریا ۵ یحییٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہا مگر رب تعالیٰ نے ان کو آسمان پر بلا لیا آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو دو دفعہ شہید کرنے کا منصوبہ بنایا مگر ناکام رہے ایک دفعہ یہودیوں کے مشورے سے کفارِ مکہ نے ہجرت کی رات اور دوسری دفعہ یہود مدینہ نے دعوت میں بلا کر دھوکہ سے قتل کرنا چاہا مگر نبی پاک کہ اپنی غیبی قوت سے جا [illegible] لڑھکانا چاہا آپ کے

قتل کا واقعہ اس طرح ہے کہ ھیرودوس یہودی اسرائیلی بادشاہ اپنی سگی بھتیجی سے نکاح کرنا چاہتا تھا اُسکی بیوہ بھابھی بھی اس پر لالچ میں آ کر راضی تھی اور یہ بیوہ عورت اپنے خاوند کی موت کے بعد فاحشہ و کافرہ بھی ہو چکی تھی لیکن شریعتِ توریت اور شریعتِ زکریا و یحییٰ میں یہ نکاح قطعاً حرام تھا حضرت یحییٰ سختی سے منع فرماتے تھے، بیوہ بھابھی نے مشورہ دیا کہ اُن کو قتل کرا دیا جائے ھیرودوس نے جوشِ عشق میں ایک آدمی کو مقرر کر دیا کہ جب رات کو آپ بیت المقدس میں اپنی عبادت میں مشغول ہوں تو خفیہ انداز سے ان کو قتل کر دینا اور سر کاٹ کر میرے پاس لے آنا۔ چند دن بعد اس ظالم کافر نے آپ کو رات میں بحالتِ سجدہ شہید کر دیا اور سر کاٹ کر بادشاہ کے پاس لایا۔ بادشاہ نے وہ سر اپنی فاحشہ بھابھی کے پاس بھیج دیا۔ اس بیوہ جس کا نام نفرہ تھا اپنے بالا خانے سے اُتر کر خوشی خوشی نیچے آ رہی تھی کہ سیڑھیوں سے پاؤں پھسلا جس سے دماغ پھٹا اور وہیں مر گئی اور قدرت خداوندی سے زمین میں دھنستی چلی گئی تھی اور آپ کا سر مبارک بھی ساتھ ہی دھنس گیا۔ اس کی بیٹی یعنی ھیرودوس کی سگی بھتیجی فحرہ نامی کو آتی یا نوّے دن بعد جنگل میں جاتے ہوئے کسی زہریلے کیڑے نے کاٹ لیا وہ اُس کے زہر سے تیسرے دن مر گئی ھیرودوس پر بخت نصر بادشاہ نے حملہ کر کے شکست دی اور قیدی بنا کر ساتھ لے گیا، روزانہ اس کو اپنے غلاموں کے ذریعے کوڑے لگواتا تھا اور ذلیل کرنے کے لیے لونڈیوں سے سر پر جوتے لگواتا۔ بھوکا رکھتا جب وہ روتا بلبلاتا تب تھوڑا کھانا پانی دیتا۔ اسی حالت میں نہایت ذلت آمیز زخمی پیپ اور پھوڑوں کی حالت میں وہ کپڑے نہ پہن سکتا تھا۔ ننگا ایک کمرے میں پڑا رہتا۔ ایک سال بعد ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرا۔ خود کہتا تھا کہ میری اور میرے خاندان کی یہ ذلت آمیز تباہی بربادی قتلِ یحییٰ کی وجہ سے ہے۔ بخت نصر نے ایک دن میں ستر ہزار قتل کروائے بیت المقدس میں توڑ پھوڑ کی آگ لگوائی اور بقیہ تمام بنی اسرائیلی حکومتوں کو برباد کیا اور سب کو قیدی بنا لیا۔ لیکن حضرت یحییٰ کے گلے سے خون بند نہ ہوتا تھا۔ اور بنی اسرائیل جانتے تھے کہ جب تک خون بند نہ ہوگا بنی اسرائیل کو اسی طرح قتل کیا جاتا رہے گا چنانچہ اُس دور کے ایک ولی اللہ جو آپ کی اُمت کے ہی ولی تھے حضرت ارمیاہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے لوگوں نے عرض کیا اتنا عرصہ ہو گیا ہے بدنِ یحییٰ سے خون بند نہیں ہوتا اور جب تک خون بند نہ ہو دفن نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی بخت نصر کے حملے و قتلِ عام بند ہو سکتا ہے دمشق (فلسطین) تمام فتح ہو چکا تھا ظلم کا بازار گرم تھا بنی اسرائیل کی تمام بدمعاشیاں فنا ہو چکی تھیں تب حضرت ارمیاہ نے جسمِ مبارک کے پاس عرض اور التجا کی کہ اے خون اب بند ہو جا بہت قتلِ عام و ذلت ہو چکی ہے۔ تو خون بند ہوا انہی یہودیوں نے تقریباً پچیس سال پہلے ولادتِ مسیح

علیہ السلام کے دنوں میں حضرت زکریا کو ان کی تبلیغ دین ایمان اور شریعت کی پابندیوں سے تنگ آکر ایک بری تہمت لگا کر آپ کو شہید کیا تھا۔

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں پہلا فائدہ۔ عبادت الٰہیہ اور اطاعت انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے بڑی نیکی والدین کی خدمت ہے جو انبیاء کرام پر بھی فرض ہے یہ فائدہ وَبَرًّا بِوَالِدَیْهِ فرمانے سے حاصل ہوا اس نیکی کا ذکر قرآن مجید کی بہت سی آیت میں ہوا ہے۔ دوسرا فائدہ۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی ہر ادا ہر حالت ہر طریقہ دین کی شریعت اور اللہ تعالیٰ کا قانون ہے یہاں تک کہ ان کی اپنی بات اور اشارہ بھی وحی اور کلام الٰہی ہے، یہ فائدہ فَاَوْحٰۤى اِلَیْهِمْ فرمانے سے حاصل ہوا کہ حضرت زکریا نے عبادت کرنے کا اشارہ فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے اشارہ کو وحی کا لقب عطا فرمایا۔ اب سوچو کہ جس کا محض اشارہ بھی بے مثل ہو وہ خود کیوں نہ بے مثل ہوگا۔ تیسرا فائدہ۔ انبیاء کرام علیہم السلام کو کبھی کوئی ایسی بیماری نہیں لگ سکتی جو ان کی تبلیغ میں رکاوٹ بنے، یہ فائدہ سَوِیًّا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جب اس کا معنی تندرست وصحت مند کیا جائے

احکام القرآن ان آیت پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ انبیاء کرام صرف رب تعالیٰ کے شاگرد ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان ہستیوں کو عالم باطنی میں اپنے قرب خاص سے تمام کائنات کے علوم سے درس عطا فرما دیتا ہے یہ تمام علوم کے جاننے والے بن کر دنیا میں تشریف لاتے ہیں ان کو کسی سے کچھ سیکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لہٰذا ان کے متعلق یہ کہنا کہ فلاں علم نہیں آتا یا جبرئیل سے کچھ سیکھا یہ گناہ ہے ایسا عقیدہ رکھنا گمراہی ہے یہ مسئلہ اٰتَیْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِیًّا اور حَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا سے مستنبط ہوا۔ دوسرا مسئلہ۔ تمام انبیاء کرام کو پیدائشی طور پر ولادت کے وقت بلکہ شکم مادر میں ہی نبوت مل جاتی ہے اور ہر نبی علیہم السلام کو اسی وقت بچپن سے ہی پتہ ہوتا ہے کہ میں نبی ہوں اور اپنے علم نبوت سے وہ زمین وآسمان کی ہر چیز کو جانتے پہچانتے ہیں، ہر ہر فرشتے کو پہچانتے ہیں جو ایسا عقیدہ نہ رکھے وہ بدترین گمراہ ہے یہ مسئلہ خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ سے مستنبط ہوا۔ کہ رب تعالیٰ نے حضرت یحییٰ کو ان کی چھوٹی سی تین یا پانچ سالہ عمر میں خذ الکتاب فرما کر۔ پوری توریت زبور اور شریعت طریقت کے جاری کرنے تبلیغ کرنے کی اجازت فرما دی نہ اس وقت پڑھایا اور نہ کسی سے پڑھنے کا حکم دیا۔ نہ حضرت زکریا نے پڑھانے کی طرف توجہ فرمائی۔ تیسرا مسئلہ صفات تین قسم کی ہیں (۱) بعض وہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اچھی صفت ہیں مگر بندوں کیلئے بری (۲) بعض بندوں کے لیے اچھی ہیں رب تعالیٰ کے لیے بری (۳) بعض وہ صفات ہیں جو دونوں [illegible] جاتا ہے۔ ایسی صفت بندوں

کے لیے بھی ماننا جائز ہے یہ مسئلہ، وَلَمْ یَكُنْ جَبَّارًا سے مستنبط ہوا کہ دیکھو۔ جبّار ہونا اللہ تعالیٰ کی ایک بہت اچھی صفت ہے اور یہ لفظِ جبّار رب تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں شامل ہے۔ مگر یہاں حضرت یحییٰ کا جبّار نہ ہونا اُن کی اچھائی ہے۔ لہٰذا بندے کا جبّار ہونا اُس کا عیب ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی شاندار صفت اس لیے بندے کو جبّار کہنا گناہ ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں پہلا اعتراض۔ کیا وجہ ہے کہ یہاں ثَلٰثَ لَیَالٍ فرمایا گیا اور آلِ عمران آیت ۴۱ میں ثَلَاثَةَ اَیَّامٍ فرمایا گیا حالانکہ ایک ہی واقعہ ہے۔ جواب دونوں جگہ بالکل درست ہے اور دونوں سے مراد زمانہ ہے جس کا مجموعہ وقتی دن رات ہوتا ہے۔ اور چونکہ ترتیب رفتار میں رات پہلے ہوتی ہے دن بعد میں اس لیے رات کا ذکر پہلی سورتِ مریم میں کیا گیا کیونکہ یہ سورت مکی ہے اور باعتبارِ ترتیبِ نزول مکی سورتیں پہلے آئیں۔ اور دن کا ذکر بعد والی مدنی سورۃ آلِ عمران میں ہوا۔ ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ چونکہ یہ نہ بول سکنے کی شہ روزہ علامت بشارت اندر باہر اپنے پرائے ہر ایک سے تھی اس لیے لَیَالٍ فرما کر گھر کے لوگ مراد لیے گئے کیونکہ ہر شخص عموماً رات میں گھر ہی پر رہتا ہے۔ اور وہاں آلِ عمران میں اَیَّامٍ سے باہر کے لوگ مراد لیے گئے اور گھریلو افراد سے انسان کو پہلے واسطہ پڑتا ہے باہر والوں سے بعد میں اس لیے لَیَالٍ پہلی سورۃ میں مذکور ہوا اور اَیَّام بعد والی سورۃ میں۔ دوسرا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ یہاں یحییٰ علیہ السلام کے لیے وَسَلٰمٌ عَلَیْهِ میں سَلٰمٌ نکرہ فرمایا گیا۔ مگر اس کے آگے آیت ۳۳ میں عیسیٰ علیہ السلام کے لیے وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ۔ السلام معرفہ ارشاد ہوا۔ جواب قانونِ نحو کے مطابق نکرہ میں قِلّت یعنی مقدار اور تعیین ہوتی ہے مگر معرفہ میں کثرت ہوتی ہے۔ بتایا جا رہا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو دنیا میں بھی سلامتی ہے کہ کفار ان کو قتل نہ کر سکیں گے بلکہ آسمان پر اٹھا لیا جائے گا اور آخرت میں بھی ان کو سلامتی ہے یعنی ظاہری عقلی بھی سلامتی اور باطنی بھی سلامتی یہ ہے سلامتی کی کثرت لیکن حضرت یحییٰ کو دنیوی سلامتی جس کو انسانی عقل سلامتی سمجھتی ہے وہ حاصل نہیں کیونکہ ظالم کافر ان کو شہید کر دیں گے بدیں وجہ یہاں سَلٰمٌ نکرہ ہے اور وہاں اَلسَّلٰمُ معرفہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رفعت کے آسمان پر اٹھائے جانے سے چھ ماہ پہلے ہوئی۔ تیسرا اعتراض رب تعالیٰ نے فرمایا وَسَلٰمٌ عَلَیْهِ یعنی اُن پر سلامتی ہے تو پھر قتل کیوں کئے گئے۔ یہ تو سلامتی کے خلاف ہے جواب اس کے تین جواب دیئے گئے ہیں۔ پہلا جواب یہ کہ قتل ہو کر شہید ہونا بھی سلامتی ہے۔ رب تعالیٰ نے صرف شُہَدَا کے لیے فرمایا بَلْ اَحْیَاءٌ۔ شہادت ابدی دائمی زندگی کا نام ہے اور سب سے بہتر زندگی ہے صحابہ کرام اور حقیقت کو جاننے والے تو شہادت کی تمنا کرتے ہیں۔ یہ تو ظاہری عقل والا شہادت

کو غیر سلامتی سمجھ لیتے ہیں اس لیے اس قسم کے اعتراض کر ڈالتے ہیں **دوسرا جواب** اگر ظاہراً ہی دیکھا جائے تو سلامتی سے مراد ہے اُخروی اور دین وایمان کی سلامتی اور عملاً وقولاً مقصدِ حیات کو پالینا یہ کامیابی حقیقی سلامتی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ میدانِ کربلا میں یزید اور یزیدیت کو تبا ہی اور بربادی ملی مگر امام حسین رضؓ اور حسینیت کو ابدی دائمی سلامتی ملی **تیسرا جواب** یہ کہ وَسَلَامٌ کو یَوْمَ وُلِدَ سے مقید کر دیا گیا۔ یعنی پوری دنیوی زندگی کی ہر مصیبت بیماری پریشانی سے سلامتی مراد نہیں بلکہ صرف بوقتِ ولادت شیطان وغیرہ کے حملوں سے سلامتی۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ **چوتھا اعتراض** اگر سلامتی سے مراد اُخروی میدانِ محشر کی سلامتی ہے تو یہ بھی درست نہیں۔ کیونکہ روایتوں میں آتا ہے کہ ہر نبی بھی میدانِ محشر میں پریشان اور حیران اور گھبرائے ہوں گے۔ انبیاء علیہم السّلام بھی نفسی نفسی کہیں گے۔ تو پھر سلامتی کیسی سلامتی اور اطمینان کیسے ملا ان میں یحییٰ علیہ السّلام بھی شامل ہوں گے کیونکہ روایات میں کسی کی کوئی تخصیص یا استثنا نہیں ہے۔ **جواب** یہ نفسی نفسی کسی اندیشے یا خطرے اور بے اطمینانی کی وجہ سے نہ ہوگی نہ ہی میدانِ محشر کی کسی تکلیف کی وجہ سے بلکہ ہیبت الٰہی کے رعب والی گھبراہٹ اور یہ گھبراہٹ اصل سلامتی کے منافی نہیں۔ ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ نفسی نفسی گھبراہٹ کے لیے نہ ہوگی بلکہ جب لوگ ان سے شفاعت طلب کریں گے تو فرمائیں گے کہ آج ہم تشفیع نہیں ہیں تشفیع المذنبین کوئی اور ہی ہے۔ آج ہم صرف اپنے ہی حال میں ہیں یا اپنے ہی لیے ہیں اِذْهَبُوْا اِلٰى غَيْرِىْ ۔ اور یہ جواب نہایت اطمینان سے ہوگا نہ کہ کسی گھبراہٹ سے **پانچواں اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا کہ زکریا علیہ السّلام نے اپنے بیٹے کی دعا مانگی جو ان کی وفات کے بعد ان کا جانشین اور وارث ہو اور یہ دعا قبول ہوئی مگر روایتوں اور تاریخوں میں ہے کہ یحییٰ علیہ السّلام اپنے والد زکریا علیہ السّلام کی زندگی میں ہی شہید کر دیئے گئے تو پھر دعا قبول کب ہوئی اور بیٹا جانشین اور وارث کب بن سکا **جواب** یہ روایت اور تاریخ غلط ہے حضرت زکریا علیہ السّلام کی شہادت اور وفات بہت پہلے ہے آپ کی شہادت قبل ولادتِ عیسیٰ علیہ السّلام کے چند دن بعد ہوئی اُس وقت یحییٰ علیہ السّلام کی عمر چھ ماہ اور چند دن کی تھی لیکن یحییٰ علیہ السّلام کی شہادت اور وفات حضرت مسیح کے رفعت آسمانی سے صرف چھ ماہ پہلے تقریباً پینتیس سال بعد اس وقت یحییٰ علیہ السلام کی عمر شریف تقریباً بتیس ۳۲ سال کچھ ماہ تھی **چھٹا اعتراض**۔ علمِ نحو کا قانون یہ ہے کہ جب ظرف مستقر ہو یعنی کسی حاصل شدہ یا ٹھہری ہوئی موجود شی کا ہو تو وہاں کوئی فعل یا اسم فاعل پوشیدہ ضرور ماننا پڑتا ہے نحات بصری کہتے ہیں کہ فعل اِسْتَقَرَّ یا حَصَلَ پوشیدہ ہوگا۔ اور کوفہ کے نحوی کہتے ہیں کہ اسم فاعل حَاصِلٌ یا مُسْتَقِرٌ پوشیدہ ہوگا اور اس قسم کے ظرف کے لیے زمانہ یا ماضی [illegible] یا حال [illegible] نہ تو مستقبل [illegible] اور [illegible] کہ کسی میں ماضی کسی میں حال

وغیرہ ہو۔ ایسا بھی نہیں ہو سکتا بلکہ ایک وقت میں سب ظروف کا ایک زمانہ مقرر و معین ہو گا۔ یَوْمَ وُلِدَ۔ یَوْمَ یَمُوْتُ۔ یَوْمَ یُبْعَثُ یہ تینوں ظرف حاصل اور مستقر ہیں کیونکہ سلامتی بھی حاصل اس کا وقت بھی ثابت ہے یہ تینوں عطفاً ایک ہیں مگر اُن کے زمانے ایک نہیں ہو سکتے اس لیے کہ یوم وُلِدَ میں حال نہیں ہو سکتا اور یَوْمَ یَمُوْتُ اور یَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا۔ میں ماضی نہیں ہو سکتا۔ تو یا تو نحوی قاعدہ غلط ہے یا اس عبارت میں کوئی رد و بدل ہے جواب محققین نحوی کہتے ہیں کہ تمام ظروف میں عامل معنوی ہوتا ہے جس کو اصطلاح میں حاصل مصدر کہا جاتا ہے اور حاصل مصدر میں کوئی زمانہ نہیں ہوتا نہ زمانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یعنی حَصَلَ یا حاصل سے ثابت ہوا حصول اور اِسْتَقَرَّ یا مُسْتَقِرٌّ سے ثابت ہوا اِسْتِقْرَارٌ۔ لہٰذا یہاں یوم ظرف ہے۔ اس کا عامل اِسْتَقَرَّ مُسْتَقِرٌّ۔ یا حَصَلَ و حَاصِلٌ نہ ہو گا ان کا مَاحَصَلَ وَمَا ثَبَتَ جو ایک معنوی اور باطنی پوشیدہ چیز ہے وہ عامل ہو گا وہ حصولٌ و اِسْتِقْرَارٌ ہے یہ مصدر ہے اور مصدر کو کسی زمانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مثلاً کہا جاتا ہے۔ زید گھر میں ہے یعنی زید کا وجود گھر میں حاصل ہے۔ لیکن کب سے ہے کب تک ہے اس کا کوئی تذکرہ نہیں اور نہ ہی ظرفیت کے ثبوت کے لیے زمانے کی ضرورت۔ اسی طرح یہاں ہے کہ سلامتی قائم ہے کوئی زمانہ آئے جائے رہے گزرے۔ اور اگر مان بھی لیا جائے کہ یہاں حَصَلَ یا حَاصِلٌ وغیرہ پوشیدہ ہے تو بھی جب ظرف اُس کے قائم مقام و معین ہو گیا تو زمانے کی قید ختم ہو کر خود بخود سلامتی عام ہو گئی رہی ظرفیت کا فائدہ ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْ اٰیَةً قَالَ اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤى اِلَیْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِیًّا۔ روحِ حیات عرض کرتی ہے اے میرے مربّی و خالق بدنِ مومن میں ظہورِ قلبِ بیدار کی نشانیاں کیا ہیں رہبرانِ قوائے ظاہر و باطن کو کیسے معلوم ہو کہ اس جسم ناسوتی میں قلبِ لاہوتی جلوہ گر ہونے والا ہے ہاتف غیبی نے جواباً فرمایا کہ اے سائل محبوب تیرے لیے نشانی تین راتوں کی خاموشی ہے پہلی رات لیلِ خلوت جب بندہ راہِ معرفت پر پہلا قدم رکھتا ہے اور سب ماسوا اللہ سے ہٹ کر مراقبات کی تنہائی میں گم ہو جاتا ہے اسی کو لیلِ حجابات کہتے ہیں دوم لیلِ ہجرت جب بندہ مسافرِ راہ سلوک بن جاتا ہے ماسوا اللہ سے دور بہت دور وادیٔ حیرت کے اندھیروں میں اپنے پرایوں سے بیگانہ ہو جاتا ہے اسی کو لیلِ حیوانیات کہتے ہیں۔ سوم لیلِ غفلت۔ جب بندہ منزلِ عشق کے قریب پہنچ کر اپنے تن بدن سے بھی غافل و بےخبر ہو جاتا ہے اسی کو لیلِ روحانیت کہتے ہیں ان ثَلٰثَ لَیَالٍ کے سَوِیًّا اور متواتر مسلسل ورود و نفوذ سے سالکِ معرفت کو تین مقام اور مرتبے حاصل ہوتے ہیں اور بندۂ مطلوب حق اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے کلام کر سکتا ہے نہ کسی طرف التفاتِ روحانی پہلا مرتبہ مرید دوسرا

صاحبِ تیسرا غافل سالک کا یہ مرتبۂ غافلین خوش نصیبی کی نشانی ہے قربِ الٰہی کا سب سے بلند مقام ہے۔ اہلِ شریعت کے نزدیک غفلت عادتِ مذموم ہے مگر اہلِ طریقت کے نزدیک صفتِ محبوب ہے۔ روحِ حیات بیلِ اوّل مسجدی محراب خواہشات وطبیعات سے نکل کر قوم صفاتِ انانیت وطالبات قلبیت کو صوتِ ربانی کی محنتی کا پیغام سناتی ہے اور رموزِ عقلیہ کے اشارے فرماتی ہے کہ اے مریدین اعضاءِ ظاہر وحواس باطن اپنے خالق ومالک کے قرب کی مسجدِ صدری میں صبحِ ازل سے عشاءِ ابد تک ہر پاسِ انفاس میں غیر اللہ سے ہٹ کر متوجہ الی اللہ ہو کر تسبیح جلال وجمال کا ورد کرو کیونکہ تمہارے قلوب کے منور ومعطر ہونے کی نشانیاں ظاہر ہو گئیں۔ پھر جب قلبِ عارفین پر خزانۂ اسرار کا نزول مکمل ہو جاتا ہے اور کتابِ عشق کا عطیہ خسروانہ اس کو حاصل ہو جاتا ہے تب احکامِ معرفت کا ورودِ مسعود ہوتا ہے کہ۔ يَا يَحْيٰى خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً وَكَانَ تَقِيًّا وَّ بَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا - وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا۔ یہاں عارفِ کامل کے زندہ دل کی دس صلاحیتوں کا اشارہ ملتا ہے اے یحییٰ قلب تو کرم رحمانیہ وطاقتِ فیضانیہ کے ذریعہ فیضِ الٰہی کی وہ کتاب مضبوطی سے پکڑ لے جو ازلِ دہر میں تیرے لیے لکھی گئی تھی اس پکڑنے میں قوتِ جدیدیہ کو شامل نہ کرنا کیونکہ وہ پیدائشی ضعیف ہے ہم نے قلبِ مومن کو ابتداءِ موہبۃ میں تلقینِ الہامی عطا فرما دی جس وقت ظلماتِ بطنی میں نسلِ خاکی پیدا کی گئی تھی اس وقت ہی اس قلب پر نور برسایا گیا تھا اور ہم نے قربِ جمال سے سعادتِ فکر ونظر تدبر وتخیل تصور وتصدیق کی حنانا اور ارادوں کی پاکیزگی اور ماسوا اللہ سے بے رغبتی کا تقویٰ عطا فرما دیا تھا اور یہ قلبِ مومن اپنے والد روحِ حیات اور والدہ قالبِ ناسوتی سے حسنِ سلوک کرنے والا ہے اس طرح کہ فیضِ الٰہی کا حصہ روح اور جسم تک پہنچانے والا قلب ہی ہے۔ اس لیے کہ روحِ حیات اپنی لطافتِ محضہ کی وجہ سے حاصل نہیں کر سکتی جیسے صاف بے غبار ہوا اپنی لطافت کی وجہ سے روشنی کو قبول نہیں کر سکتی مگر قلب میں دو شان ہیں لطافت اور کثافت، لطافت کی وجہ سے قلبِ مومن فیض کو وصول کر لیتا ہے اور کثافت کی وجہ سے امانتِ روح کو روک رکھتا ہے اس لیے قلب ہی محلِ فیضِ الٰہی ہے۔ اور قلبِ عارف کی برِ والدہ یہ ہے کہ شریعت وطریقت کی توفیق ملنے پر قالب اپنے قلب کو احکامِ الٰہیہ کے موافق استعمال کر لیتا ہے قلبِ مومن نفسِ امارہ کی طرف نہ جبارِ ظلم ہے نہ عصیانًا فسق وفجور ہے اس لیے سلامتی ہے اس پر عالمِ وجود میں آنے کے وقت محرومی مراد ہے۔ اور سلامتی ہے اس کو زمانۂ خرافات میں استعمالِ معاصی کی موت سے توبہ پر قبول کو وصال کے ذریعے [illegible] مقام میں جگا یا اٹھایا

بلایا جائے گا۔ (از تفسیر نیشاپوری)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا

اور تذکرہ فرماؤ اس سورۃ میں مریم یعنی اُس کے اس واقعے کا کہ جب تنہا ہو گئی تھی اپنے گھر والوں سے

اور کتاب میں مریم کو یاد کرو جب اپنے گھر والوں سے

مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿۱۶﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۚ

تھوڑی دور علیحدہ۔ مشرقی حصے میں پھر لگا لیا تھا اُس نے اپنے ان گھر والوں کے مقابل پردہ

پورب کی طرف ایک جگہ الگ گئی۔ تو اُن سے اُدھر ایک پردہ کر لیا

فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿۱۷﴾

پھر ہم نے بھیجا اس مریم کی طرف اپنا محبوب فرشتہ تو اس فرشتے نے اُس مریم کی وجہ سے اپنی صورت بنالی ایک مکمل بشر جیسی

تو اس کی طرف ہم نے اپنا روحانی بھیجا وہ اُس کے سامنے ایک تندرست آدمی کے روپ میں ظاہر ہوا

قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿۱۸﴾

کہا مریم نے بے شک میں پناہ پکڑتی ہوں رحمٰن کی تجھ سے اگر تو اللہ سے ڈرنے والا ہے

بولی میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں۔ اگر تجھے خدا کا ڈر ہے۔

قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا

روح نے کہا میں تو فقط کا بندہ ہوں تیرے رب کا۔ تاکہ میں عطا کروں۔ تجھ کو

بولا میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں کہ میں تجھے ایک ستھرا بیٹا

زَكِيًّا ⑲ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ

پاکیزہ بیٹا ۔ مریم نے کہا کہاں سے ہوگا میرا بیٹا حالانکہ ہاتھ تک نہیں لگایا مجھ کو کسی

دول ۔ بولی میرے لڑکا کہاں سے ہوگا مجھے تو کسی آدمی نے ہاتھ

بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ⑳

مرد نے اور نہ ہوں میں بغاوت کرنیوالی

نہ لگایا نہ میں بدکار ہوں

تعلقات اِن آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں ایک تعجب خیز ولادت کا ذکر ہوا۔ اب اِن آیت میں اُس سے بھی زیادہ تعجب خیز ایک اور ولادتِ فرزند کا ذکر ہے تاکہ معلوم ہو کہ رب تعالیٰ کی قدرت کے لیے عجیب سے عجیب چیز بھی مشکل نہیں۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں دعاؤں سے فرزند مانگنے کا ذکر تھا اب اِن آیت میں بغیر دعا اور بغیر ضرورت کے فرزند ہونے کا ذکر ہو رہا ہے تیسرا تعلق پچھلی آیت میں ایک صاحبِ شریعت نبی حضرت یحییٰ کا تذکرہ ہوا اب اِن آیت میں اُن سے پہلے ہم زمانہ صاحبِ کتاب نبیٔ مرسل حضرت عیسیٰ کا ذکر ہو رہا ہے۔ ان دونوں کے حالات زندگی تقریبًا ایک جیسے ہیں۔

تفسیر نحوی وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا۔ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۔ واؤ تُبرجملہ۔ اُذْكُرْ۔ بابِ نَصَرَ کا فعل امر حاضر واحد مذکر ذِکْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ یاد کرنا یاد رکھنا ذکر کرنا۔ یہاں تینوں معنیٰ مناسب ہیں فی جز ظرفیۃ کے لئے اَلْکِتٰبِ۔ الف لام عہدی کتاب سے مراد یا قرآنِ مجید ہے یا یہ سورۃ مریم۔ یہ جار مجرور متعلق ہے اُذْکُرْ کا۔ مَرْیَمَ۔ اسم مفرد جامد غیر منصرف کیونکہ عجمی علَم ہے سریانی زبان کا لفظ ہے اس کا ترجمہ خدمت گزار۔ یا خلوت پسند یا ترجمہ ہے پاکیزہ یا پاک دامن۔ مختلف اقوال ہیں۔ قرآن مجید کی مختلف آیت میں تقریبًا چونتیس ۳۴ دفعہ یہ لفظ مذکور ہے مفعول بہ ہے۔ اِذْ اسم ظرف۔ اگلی عبارت سے مل کر یا بدل اشتمال ہے مریم کا یا اضافتِ بیانیہ ہے ذکر کر پوشیدہ مفعول بہ دو [illegible] اس کا مصدر ہے اِنْتِبَاذٌ

نَبْذٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ تنہائی اور خلوت میں علیحدہ ہونا جدا ہونا ہیَ ضمیر واحد مؤنث غائب اس میں پوشیدہ اس کا فاعل ہے اس کا مرجع مریم ہے مِنْ اَھْلِھَا اپنے گھر والوں سے یہ مرکب اضافی جار مجرور ہو کر متعلق ہے اِنْتَبَذَتْ کا مَکَانًا اسم ظرف لم باب نَصَرَ کَوْنٌ تامّہ سے مشتق ہے موصوف ہے شَرْقِیًّا اسم ظرف مکانی معدد سے حاصل مصدر جامد ہے بمعنیٰ مشرقی جانب سورج طلوع ہونے کی سمت صفت ہے یہ مرکب توصیفی ظرف ہے اِنْتَبَذَتْ کا سب ملکر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا فَ عاطفہ اِتَّخَذَتْ۔ باب افتعال کا ماضی مطلق واحد مؤنث اَخْذٌ سے مشتق ہے باب کا مصدر ہے اِتِّخَاذٌ دراصل تھا اِئْتِخَاذٌ دو ہمزہ ثقیل ہوئیں دوسری کو یٰ بنایا اِیْتِخَاذٌ ہو گیا قریب المخرج ہونے کی وجہ سے یٰ کو تَ بنایا اور ادغام کر دیا۔ بمعنیٰ بنانا ترجمہ ہے اُس نے بنایا۔ پوشیدہ فاعل ضمیر کا مرجع وہی مریم ہے مِنْ دُوْنِھِمْ مِنْ جارہ بمعنیٰ عَنْ زوالیہ، یعنی اُن سے دور علیحدہ دُوْنِ اسم مفرد معرب بمعنیٰ علیحدہ علاوہ ھِمْ ضمیر جمع غائب کا مرجع اہل ہے یہ اہل لفظاً واحد ہے معنًا جمع ہے معنیٰ کے لحاظ سے ضمیر جمع آئی۔ یہ مرکب اضافی جار مجرور ہو کر متعلق ہے اِتَّخَذَتْ کا حِجَابًا۔ اسم مفرد معرب نکرہ۔ صفت مشبّہ بروزن فِعَالًا۔ حَجْبٌ سے مشتق ہے یا یہ خود مصدر ہے بروزن کِتَابًا قِتَالًا تب یہاں حاصل مصدر ہے بمعنیٰ مضبوط یا موٹا پردہ ایک قول میں چار دروں کا پردہ تھا جیسے اعتکاف کی جگہ کہ نہ کوئی اس کے پار دیکھ سکے نہ آسانی ہٹایا جا سکے۔ مفعول بہ ہے اِتَّخَذَتْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ فَ عاطفہ تعقیبیہ خیال رہے کہ عربی زبان میں فَ تین قسم کی ہے اور قرآن مجید کی مختلف آیات میں تقریبًا تین سو پچاس دفعہ ارشاد ہوئی ہے۔ ۱ فَ حرفِ عطف ۲ فَ حرفِ جزائیہ ۳ فَ عاطفہ یہ فَ سات مقاصد کے لیے استعمال ہوتی ہے ۱ کبھی ترتیب کے لیے ۲ یہ فَ عاطفہ کبھی سببیت کے لیے کبھی ۳ زائدہ یعنی بغیر علت کے لیے ۴ کبھی استیناف یعنی کلام کی ابتداء کے لیے ۵ کبھی سابقہ عبارت کا جواب بنانے کے لیے ۶ کبھی علتِ غائی بنانے کے لیے ۷ کبھی تعقیب یعنی بعد میں ہونے کے لیے جیسے حرفِ ثُمَّ۔ یہاں اسی معنیٰ میں ہے۔ اَرْسَلْنَا۔ باب افعال کا فعل ماضی مطلق جمع متکلم اس کا مصدر ہے اِرْسَالٌ۔ بمعنیٰ بھیجنا ہے متعدی ہے رُسُلٌ سے بنا ہے۔ اس کا فاعل متکلم اللہ تعالیٰ ہے۔ اِلَیْھَا۔ اِلیٰ حرفِ غایت مکانی کے لیے ھَا ضمیر کا مرجع مریم۔ رُوْحَنَا یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے اَرْسَلْنَا فعل سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ فَ عاطفہ بیانیہ (تفصیلیہ) یا سببیہ۔ تَمَثَّلَ باب تَفَعُّلٌ کا ماضی مطلق اس کا مصدر ہے تَمَثُّلٌ "مِثْلٌ" سے بنا ہے۔ بمعنیٰ مشابہ ہونا۔ ہم شکل اور ہم شباہت یا ہم وصف ہونا۔ یہاں پہلے معنیٰ میں ہے یعنی ظاہری مشابہت پوری طرح۔ باب تفعّل یہاں لازم ہے یعنی وہ مشابہ ہو گیا۔ یا یہ متعدی بالام ہے۔ لَھَا۔ اُس کے لیے۔ لام حرفِ جر تعلیلیہ سببیہ۔ یا بمعنیٰ مع یعنی اس کے پاس ھَا ضمیر [illegible] ہے بَشَرًا [illegible] ہے سَوِیًّا۔ اسم صفت مشبّہ

بمعنیٰ درست۔ برابر۔ مکمل یہاں بمعنیٰ مکمل ہے یعنی ہر طرح جسم قد کاٹھ۔ خوب صورتی۔ جوانی۔ تندرستی میں مکمل مرد ظاہری گوشت پوست کے ساتھ یہ صفت ہے، مرکب توصیفی حکماً و معنیٰ مفعول فیہ ہے یعنی بشری مشابہت میں تمثّل فعل بہ فعل سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا اَرۡسَلۡنَا کے جملے پر وہ سب عطف ہوا اِتَّخَذَتۡ کے جملے پر وہ سب عطف ہوا اِنۡتَبَذَتۡ پر، سب عطف مل کر بیان ہے اُذۡکُرۡ کا یا ظرف ہے، زیادہ درست یہ ہے کہ بدل اشتمال ہے مریم کا اور لفظ مریم مبدل منہٗ اپنے بدل سے مل کر مفعول بہ ہے۔ اُذۡکُرۡ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ قَالَتۡ اِنِّیۡۤ اَعُوۡذُ بِالرَّحۡمٰنِ مِنۡكَ اِنۡ كُنۡتَ تَقِيًّا۔ قَالَ اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوۡلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا۔ قَالَتۡ اَنّٰى يَكُوۡنُ لِىۡ غُلٰمٌ وَّلَمۡ يَمۡسَسۡنِىۡ بَشَرٌ وَّلَمۡ اَكُ بَغِيًّا۔ قَالَتۡ۔ فعل ھِیَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل دونوں مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ اِنَّ حرفِ مشبّہ بالفعل (عمل میں فعل کی طرح رفع نصب دینے والا) یٖ ضمیر اس کا اسم۔ اَعُوۡذُ۔ فعل مضارع حال واحد متکلم مؤنث بابِ نَصَرَ عُوۡذٌ سے مشتق ہے۔ اَنَا ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے۔ عُوۡذٌ مصدر تین معنیٰ میں مشترک ہے (۱) پناہ مانگنا (۲) التجا کرنا (۳) قریب اور متعلق ہونا یہاں پہلے معنیٰ میں ب جارّہ اِسۡتِعَانَت کی خیال رہے کہ حرفِ بٖ عربی میں چودہ قسم کی ہے، اور ہر طرح اس کا معنیٰ علیحدہ ہے (۱) بٖ اِسۡتِعَانَت یعنی مدد مانگنے کے لیے بمعنیٰ سے یہاں اسی معنیٰ میں ہے یا بمعنیٰ ساتھ۔ ذریعہ (۲) اِلۡصَاقِ حقیقی یعنی ملانے کے لیے ترجمہ ہے کا (۳) اِلۡصَاقِ مجازی ترجمہ ہے پاس (۴) تعدیہ بمعنیٰ کو (۵) سببیت کی بمعنیٰ وجہ سے (۶) مصاحبت کی بمعنیٰ ساتھ (۷) ظرفیہ بمعنیٰ میں (۸) فوقیت کی بمعنیٰ پر (۹) مجاورت کی بمعنیٰ ساتھ (۱۰) تبعیضیت بمعنیٰ کچھ (۱۱) انتہائیہ بمعنیٰ تک (۱۲) عوضی بمعنیٰ بدلے (۱۳) تاکیدیہ بمعنیٰ ضرور (۱۴) زائدہ یہ بہت جگہ آجاتی یہاں تک کہ فاعل اور مفعول اور مبتدا پر بھی عمل کر دیتی ہے مگر فائدہ نہیں ہوتا۔ الرَّحۡمٰن اسم مفرد معرّف، یہ جار مجرور متعلق اوّل ہے مِنۡكَ۔ یہ جار مجرور متعلق دوم اَعُوۡذُ کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزاء مقدّم ہے۔ اِنۡ حرفِ شرط كُنۡتَ۔ فعل ناقصہ ماضی مطلق واحد مذکر حاضر اَنۡتَ اس میں پوشیدہ اس کا اسم مرجع رُوۡحَنَا یا بَشَرًا تَقِيًّا۔ اسم صفت مشبّہ مبالغے کے لیے بمعنیٰ بہت نیک متقی (اللہ رحمٰن سے ڈرنے والا) یہ خبر ہے۔ كُنۡتَ کی سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ انشائیہ ہو کر شرطِ مؤخّر ہے شرط و جزا مل کر خبر اِنَّ، اِنَّ سب سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ ہوا قول مقولہ جملہ قولیہ ہو گیا۔ قَالَ۔ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول۔ یہاں فاعل ضمیر پوشیدہ کا مرجع بَشَرًا ہے۔ اِنَّمَا۔ یہ دو لفظ جڑ کر ایک اسم حصری بنا ہے۔ (۱) اِنَّ حرفِ مشبّہ (۲) مَا۔ اسم کافہ۔ اس مَا کافہ نے اِنَّ کو عملاً [illegible] واحد متکلم مرفوع منفصل

مبتدا ہے۔ رَسُوْلُ اسم صفت مشبّہ مبالغے کے لیے بروزنِ فعول۔ بمعنیٰ مُرْسَل اسم مفعول۔ ترجمہ ہے بھیجا ہوا یعنی قاصد پیغام رسان۔ کارندہ۔ یہاں تیسرے معنیٰ میں ہے۔ کیونکہ اس وقت یہ رسول کوئی پیغام نہ لائے تھے بلکہ کچھ کام کرنے آئے تھے۔ یہ اسم مفعول عامل مضاف رَبِّكِ۔ مرکب اضافی فاعل مضاف الیہ۔ لام حرف کَیْ تعلیلیہ۔ اَهَبَ۔ بابِ فتح کا مضارع معروف واحد متکلم۔ وَهْبٌ سے مشتق ہے ترجمہ بخشش دینا۔ عطا کرنا۔ بلا عوض کچھ دینے کو وھب کہتے ہیں۔ دراصل اَوْهَبُ تھا یَوْهَبُ کی ہم وزنی تناسب کی بنا پر واؤ کو حذف کر دیا گیا۔ لام کَیْ سے آخر کو نصب آیا۔ اَنَا ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل۔ لام جارّہ تعدیہ کا۔ ترجمہ ہے تجھ کو یہ جار مجرور متعلق ہے۔ غُلٰمًا زَكِيًّا موصوف صفت مفعول بہ ہے لِاَهَبَ فعل سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر علت ہوئی رَسُوْل کی رَسُوْلُ مضاف اپنے فاعل مضاف الیہ اور علت سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا دونوں مبتدا خبر مل کر مقولہ ہوا۔ قول مقولہ جملہ قولیہ ہو گیا۔ قَالَتْ۔ ترجمہ ہے اُس نے کہا۔ مراد ہے مریم۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ اَنّٰی۔ اسم ظرف مکانی بمعنیٰ کَیْفَ۔ ترجمہ ہے کہاں سے۔ کس طرح۔ کیسے یہ ظرف مقدم ہے۔ یَكُوْنُ فعل مضارع مستقبل تامہ۔ لِیْ۔ جار مجرور۔ ترجمہ ہے میرے لیے یا مجھ کو۔ میرا متعلق ہے۔ غُلٰمٌ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ وَلَد بیٹا۔ واؤ حالیہ لَمْ یَمْسَسْ فعل مضارع نفی جحد بلم بمعنیٰ ماضی۔ بابِ سَمِعَ یَسْمَعُ مَسٌّ سے مشتق ہے بمعنیٰ ہاتھ سے یا پورے جسم سے جسم کو چھونا مراد ہے صحبت وطی کرنا۔ نون وقایہ۔ یْ ضمیر واحد متکلم مفعول بہ بَشَرٌ اسم مفرد مراد ہے مرد۔ یا خاوند فاعل ہے لَمْ یَمْسَسْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ لَمْ اَكُ۔ فعل مضارع منفی جحد بلم ناقصہ۔ اس کا اسم پوشیدہ ضمیر۔ بَغِيًّا۔ اسم صفت مشبّہ مؤنث بروزنِ فعیلاً۔ بَغْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ بغاوت سرکشی بدکاری کرنے والی ایک قول میں بَغُوْيًا بروزنِ فعولاً سے تعلیل ہو کر بغیا ہوا خبر ہے۔ لَمْ اَكُ اسم خبر سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر معطوف ہے لَمْ یَمْسَسْ پر دونوں مل کر حال ہے لِیْ کی یاءِ متکلم کا۔ یَكُوْنُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ تامہ ہو کر مقولہ ہوا قول مقولہ جملہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ مَرْیَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِیًّا فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا فَاَرْسَلْنَآ اِلَیْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا۔

اور اے محبوب کریم اس کتاب قرآن مجید میں خصوصی طور پر مریم کا ذکر کرو تاکہ حضرت مریم کے متعلق جو خرافات یہودیوں نے اور ان سے سن کر عیسائیوں نے اپنی حماقت سے ان گستاخیوں کو سچ سمجھ کر تسلیم و تصدیق کر لیا ہے [illegible] اُمّتی بننے والے یہ عیسائی۔ یہ

گستاخیاں اس وقت سے شروع ہوئیں جب مریم اپنے سب اہلِ خانہ متعلقین سے علیحدہ ہو کر جانبِ مشرق ایک گوشۂ تنہائی میں بالکل اکیلی جا بیٹھی تھیں اس علیحدگی کی وجہ میں مفسرین کے چھ قول ہیں ۱ عبادتِ الٰہیہ کے لیے ۲ غسل طہارت کرنے کے لیے حیض کے بعد اور ہمیشہ آپ اسی جگہ غسل فرماتی تھیں ۳ یا صرف تنہائی کی پیدائشی عادت کی بنا پر ۴ روشنی اور دھوپ لینے کے لیے یہ صبح اشراق کا وقت تھا سردی کا موسم تھا اور چڑھتے سورج کی روشنی و دھوپ اسی جانب تھی ۵ یا اس لیے مریم ادھر آئیں کہ بیت المقدس کی یہ جانب بنی اسرائیل کے نزدیک مبارک خیال کی جاتی تھی مگر یہ غلط ہے بلکہ حضرتِ مریم کے اکثر ادھر آنے کی وجہ سے عیسائیوں میں یہ مشرقی جانب متبرک ہے اسی وجہ سے دنیا کے اکثر گرجے اور چرچ (عیسائیوں کے عبادت خانے) ایسے بنائے جاتے ہیں کہ پادری جب تقریر (جو ان کی اصل عبادت ہے) کرنے کھڑا ہو تو اس کا منہ مشرق کی طرف ہوتا ہے ۶ مریم شروع بچپن سے خلوت و تنہائی پسند تھیں اسی لیے ادھر تنہائی کی وجہ سے آگئیں اور یہ آنا کوئی حسبِ عادت معمول نہ تھا بلکہ اسی دن خصوصیت سے ادھر آئیں اور اکثر وہ بیت المقدس کے بالاخانہ والے اس ہی محراب میں رہتی تھیں جو ان کے پیدا ہونے کے دن بیت المقدس کی کفالت و تربیت میں آنے کے بعد خصوصی طور پر ان کے لیے ہی بنایا گیا تھا۔ بجز ان کے کفیل مربی حضرتِ زکریا کے کسی کو اس میں جانے کی اجازت نہ مرد کو نہ عورت کو نہ دایہ کو نہ والدہ کو بلوغت تک آپ نیچے نہ اتریں نہ۔ بعد بلوغت صرف ایامِ حیض میں محراب سے نکل کر اپنے خالو زکریا علیہ السلام کے گھر چلی جاتیں اور بعد فراغت اسی جانبِ شرقی غسل خانے میں غسلِ طہارت کے بعد پھر خالہ سے اجازت لے کر اپنے اسی محراب میں آجاتیں اور مہینہ بھر نیچے نہ اترتیں۔ اہل سے مراد یہی خالہ اور زکریا ہیں جب وہ آج غسل خانے میں گئیں تو حسبِ معمول آپنے پردہ کھینچ لیا اور اپنے اہلِ خانہ سے مکمل پردے میں ہو گئیں تب ہم نے ان کی اسی خلوت گاہی مقامِ غسل میں غسل کے فوراً بعد جب وہ کپڑے پہن کر نکلنے والی تھیں ان کی طرف ان کے دروازہ کے راستے اپنے روح الامین یعنی جبریل فرشتے کو ایک مکمل جوان بشری شکل انسانی لباس میں ان کی طرف بھیجا اس جبریلی آمد سے بعض لوگوں نے دھوکا کھایا اور حضرتِ مریم کو نبی کہنا شروع کر دیا۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے عورت نبی ہو سکتی ہی نہیں۔ یہ عقیدہ حدیث قرآن کے سراسر خلاف ہونے کی وجہ سے کفر یہ ہے۔ ان احمق لوگوں کی دلیل یہ ہے کہ حضرت جبریل چونکہ صرف انبیاءِ کرام علیہم السلام کے پاس آتے ہیں اس لیے مریم بھی نبی ہیں (معاذ اللہ) اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ بشری اور ہوبہو کی خصوصی شکل میں آنا نبوت [illegible] ہے نیز جبریل علیہ السلام

کفار کے پاس عذاب لے کر بھی آتے رہے اور طالوت بادشاہ کے لشکر میں تابوت سکینہ لیکر بھی آئے اور پھر یہ ثابت بھی کہیں نہیں کہ جبرائیل علیہ السلام صرف انبیاء علیہم السلام کے پاس ہی آتے ہیں کسی اور کے پاس نہیں آتے۔ بہرکیف یہ باطل عقیدہ ہے اس کی کچھ مزید وضاحت ہم انشاء اللہ ابھی آگے اعتراضات میں بیان کریں گے۔ رُوْحَنَا میں بھی دو قول ہیں ۱ یہ کہ جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں احادیث میں ان کو رُوْحُ وُرُوْحُ الْاَمِیْن کا لقب دیا گیا ہے کیونکہ وحی الٰہی روح یعنی زندگی ہے اور یہ اس کے امانت دار ہیں یہی قول مدلل اور صحیح ہے ۲ یہ کہ رُوْحَنَا سے مراد عیسٰی علیہ السلام ہیں جو اس وقت شکم مریم میں امانت رکھی جانی تھی یعنی عیسٰی علیہ السلام کا جسم و روح دونوں بیک وقت۔ حضرت عیسٰی کا لقب ہے روح اللہ مگر یہ قول تَمَثَّلَ بَشَرًا کے خلاف ہے کیونکہ حضرت مسیح تمثل بشر نہیں حقیقی بشر ہیں۔ حضرت مریم کی خصوصیات سات ہیں۔ پہلی یہ کہ ان کا نام تقریباً چونتیس ۳۴ دفعہ قرآن مجید میں آیا ہے ان کے سوا کسی عورت کا نام قرآن مجید میں نہیں آیا۔ خود ان کا تذکرہ گیارہ ۱۱ جگہ۔ لفظ عیسٰی ابن مریم سولہ ۱۶ جگہ۔ لفظ مسیح ابن مریم پانچ آیت میں۔ لفظ ابن مریم دو آیت میں۔ قرآن مجید کی سورۃ التحریم کی آیت ۱۲ میں ان کو مریم بنت عمران کہا گیا ہے عمران پورے بنی اسرائیل کے اس وقت سردار تھے ۲ حضرت مریم یتیم پیدا ہوئیں تھیں۔ ۳ حضرت مریم نے پوری زندگی دنیا کی غذا نہیں کھائی نہ والدہ کا دودھ پیا۔ پیدا ہوتے ہی ان کی والدہ نے ان کو بیت المقدس چڑھاوا چڑھا کر وقف کر دیا اور کچھ بحث تمحیث کے بعد ان کے خالو اللہ کے نبی حضرت زکریا کی کفالت میں دیدی گئیں آپ نے اسی وقت ان کو ایک محراب نما کمرے میں منتقل کر دیا۔ تیسری خصوصیت یہ کہ پہلے دن سے آپ کے پاس جنتی غذائیں آتی رہیں جو حضرت زکریا ان کو شیر خوارگی اور نابالغی تک کھلاتے پلاتے رہے۔ بعد بلوغت جنتی پھل بھی آتے تھے۔ چوتھی خصوصیت آپ پیدائش کے پانچویں سال بالغ ہو گئیں تھیں۔ پانچویں یہ کہ آپ بہت جلدی اپنے مکمل قد میں پہنچ گئیں آپ مہینے میں سال کے برابر اور ہفتہ میں مہینے کے برابر بڑھتی تھیں چھٹی یہ کہ آپ ساری کفالتی عمر ولادت مسیح علیہ السلام تک بیت المقدس کی حدود سے کبھی باہر نہ نکلیں۔ جبرئیل علیہ السلام کے آنے کے وقت تک اپنی عمر کے تیرھویں سال میں یا انیسویں سال میں تھیں۔ ساتویں خصوصیت یہ کہ آپ پیدائشی ولی ہیں بعض بزرگوں نے آپ کو اس دور کا قطب عالمین کہا ہے اس خصوصیت کی کوئی عورت نہیں ہوئی۔ ان کا مزید ذکر تفسیر نعیمی پارہ سوم میں مطالعہ کیجئے۔ قَالَتْ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِیًّا ۔ قَالَ اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ﳓ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِیًّا ۔ قَالَتْ اَنّٰى یَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّ لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّ لَمْ اَكُ بَغِیًّا ۔

حضرت مریم اطمینان سے وہاں سے نکلنے والی تھیں کہ ایک جوان اجنبی مرد کو سامنے دیکھ کر گھبرا گئیں پے مثل پردہ نشین تھیں کبھی کسی بھی شخص کو دیکھا نہ تھا اس لیے پریشانی و گھبراہٹ میں عرض کرتی ہیں کہ میں اُس رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں تجھ سے اگر تو متقی اور اللہ سے خوف و خشیت رکھنے والا ہے جو رحم والا بھی ہے مہربان بھی اس لیے تو فوراً چلا جا۔ جواباً بشراً سویّاً نے فرمایا اے مریم تم پریشان مت ہو میں کوئی آدمی نہیں رب تو اللہ کے پاس سے اُسی کے حکم سے قاصد بن کر آیا ہوں صرف اس لیے کہ تم کو میں ایک ذہین و علیم بچہ عطا کروں جو دین و دنیا کے اعتبار سے پاکیزہ بیٹا ثابت ہوگا۔ مریم مزید حیران ہو کر پوچھتی ہیں کہ میرا بیٹا کس طرح ہوگا نہ تو مجھ کو کسی خاوند نے چھوا ہے نہ میں بدکار ہوں نہ گھر بار سے باغیہ ہوں۔ تقیّاً میں تین قول ہیں ۱ متقی ۲ تقیاً ایک نیک آدمی کا نام تھا بیت المقدس کے خدمت گاروں میں سے تھا آپ کو اسی کا شبہ ہوا اس لیے شرطیہ جملہ فرمایا۔ یعنی اِن کُنْتَ ۳ اُس علاقے میں تقیاً ایک بدمعاش آدمی کا نام جس کو آپ نے کبھی دیکھا نہ تھا صرف اِس کا اس قسم کا ذکر سنا تھا۔ مگر پہلا قول درست ہے کیونکہ بیت المقدس کی حدود میں اور خاص کر حضرت زکریا سردارِ علاقہ کے گھر میں کوئی داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ حضرت جبرئیل کا لِاَھَبَ کہہ کر اپنی نسبت کرنا یا اس لیے تھا کہ سبب و ذریعہ یہ بنے تھے یا اس لیے کہ انہوں نے پھونک مار کر دم کرنا تھا۔ یا اس لیے کہ رب تعالیٰ نے اسی طرح کہنے کا حکم فرمایا تھا ایک قرأت میں لِیَھَبَ ہے اور نسبت رب تعالیٰ کی طرف کہ وہ رب تم کو بیٹا دے گا میں صرف رسول و پیغام رساں ہوں۔ مگر پہلی قرأت و قول درست ہے۔ غلام سمجھ دار بچہ کو کہتے ہیں جو اگرچہ چھوٹا ہو مگر سمجھ دار ہو۔ یا سمجھ داری کی عمر کو پہنچا ہوا ہو جب کسی کی درازی عمر کا یقین ہو تو اُس کو ولادت سے پہلے بھی اور بوقتِ ولادت بھی غلاماً کہہ سکتے ہیں زکیّاً۔ زکیّاً کے تین معنیٰ کیے گئے۔ ۱ پاک ستھرا خوب صورت ۲ عالم علیم ظاہری و باطنی ۳ نبی مکرم لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ کا معنیٰ شادی نکاح اور خاوند سے جماع صحبت وطی۔ اور لَمْ اَکُ بَغِیّاً سے مراد ہے حرام و ناجائز وطی۔ اَنّٰی یَکُوْنُ میں سوال انکاری نہیں بلکہ سوالِ تعجب و سوالِ توعیت ہے۔ حضرت مریم ایامِ حیض زکریا علیہ السلام کے گھر جو حدودِ بیت المقدس میں ہی تھا اپنی خالہ ایشاع کے گھر منتقل ہو جاتی تھیں ولادتِ مسیح سے پہلے آپ کو صرف دو دفعہ حیض آیا اور یہ ہی دوسری بار جس کا غسل کر کے فارغ ہوئی تھیں۔ رُوح کے معنیٰ محبت والا بھی ہیں۔ زندگی دینے والا۔ زندگی۔ اور روح بھی یا وحی لانا بھی۔

فائدے اِن آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ۔ بزرگوں کا تذکرہ کرنا اُن کے حالات [illegible] بھی اور مفید بات ہے

لہٰذا محفلِ عیدِ میلاد النبی گیارھویں شریف اور عرس اولیاء اللہ کی محفلیں بہت بابرکت ہیں اُن بزرگوں کے نیک اور پاکیزہ حالاتِ زندگی سن کر مسلمانوں کو اپنی اسلامی تاریخ سے واقفیت کے علاوہ عملی زندگی سنبھالنے کا موقعہ ملتا ہے اپنے بزرگوں سے غافل مسلمان تو بے عمل اور بدکردار ہو جاتے ہیں یہ فائدہ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ فرمانے سے حاصل ہوا اس طرح کہ یہ احکام قرآن مجید میں بہت جگہ مذکور ہیں یہاں رب تعالیٰ نے اپنی ایک بے مثل و لبیہ کاملہ کے ذکر کی محفل منعقد کرنے کا اشارۃً حکم فرمایا۔ دوسرا فائدہ۔ اللہ کے کام بندہ اپنی طرف نسبت کر سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے مقرب بندوں کو نعتیں بانٹنے کا اختیار عطا فرماتا ہے اور وہ مقرب بندہ اپنی مرضی و اختیار خداداد سے جسے چاہتا ہے اللہ تعالیٰ کی نعمت بخش سکتا ہے یہ فائدہ لِاَهَبَ لَكِ فرمانے سے حاصل ہوا۔ لہٰذا اہل سنت والجماعت کا مسلک اولیاء اللہ کی بارے میں عطا و اختیار کا عقیدہ اس آیت کے مطابق ہے اور حق ہے دیو بندی وہابی عقیدہ غلط ہے۔ تیسرا فائدہ۔ جو خصوصی فضائل اور عظمتیں رب تعالیٰ نے اپنے بندوں کو عطا فرمائی ہیں ان کا اظہار کرنا یا اپنی عزت بچانے کے لیے یا پاک دامنی کا اظہار کرنے کے لیے اپنی تعریف اور شان بیان کرنا درست ہے یہ تکبر یا مغروریت نہیں نہ گناہ ہے اسی طرح اپنی قومیت کا اظہار کرنا بھی جائز ہے جب کہ صرف تعارف مقصود ہو نہ کہ بڑائی یہ فائدہ لَمْ اَكُ بَغِيًّا سے حاصل ہوا کہ حضرت مریم نے اپنی پاک دامنی بیان فرمائی جس سے ان کی شانِ ارفع معلوم ہو گئی۔

احکام القرآن ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ بندے پر کتنی بھی مصیبت پڑے ہر حال میں رب تعالیٰ کی یاد اور اسی کی پناہ پکڑنی چاہیے۔ دیکھو حضرت مریم پر بشری شکل میں جبرئیل کے آنے سخت مصیبت تھی گھبراہٹ ہوئی چاہتیں تو شور مچا کر گھر والوں کو بلا لیتیں مگر پہلے اپنے رب تعالیٰ کو یاد فرمایا اسی کی پناہ پکڑی یہ مسئلہ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔ دوسرا مسئلہ عورت پر اسلام میں پردہ فرض ہے مگر صرف بالغ اجنبی یعنی غیر محرم انسان سے فرشتوں۔ جنوں۔ جانوروں سے پردہ فرض نہیں۔ یہ مسئلہ فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا سے مستنبط ہوا۔ جب شکل انسانی میں جبرئیل ظاہر ہوئے اس وقت حضرت مریم نہا کر کپڑے پہن چکی تھیں تیسرا مسئلہ۔ بوقت ضرورت عورت بالغ اجنبی مرد سے ضروری بات چیت کر سکتی ہے مگر بلا ضرورت غیر مردوں کو اپنی آواز سنانا بھی حرام ہے۔ یہ مسئلہ قَالَتْ اِنِّيْ اَعُوْذُ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ اس وقت تک حضرت مریمؑ نے ان کو پہچانا نہیں تھا۔

اعتراضات پہلا اعتراض ... روایتوں میں آتا ہے کہ ملائکہ

چار جگہ نہیں جاتے ۱ جہاں کتا ہو ۲ جہاں فوٹو تصویر ہو ۳ جہاں بدبو ہو ۴ جہاں ننگا بدن مرد یا عورت ہو تو یہاں جبریل علیہ السلام کیوں آ گئے حالانکہ حضرت مریم غسل کر رہی تھیں اور غسل ننگے بدن ہی ہوتا ہے۔ جواب۔ اس کے تین جواب دئے گئے ہیں۔ پہلا یہ کہ آپ وہاں غسل کے لیے نہ گئیں تھیں بلکہ عبادت کے لیے گئی تھیں دوم یہ کہ غسل کے لیے گئی تھیں مگر ابھی غسل شروع نہ کیا پہنچی ہی تھیں بالباس تھیں سوم یہ کہ غسل سے فارغ ہو کر کپڑے پہن چکی تھیں باہر نکلنے ہی والی تھیں۔ یہ جواب صحیح و قوی ہے دوسرا اعتراض۔ ڈرنا اور اللہ کی پناہ تو فاسق و فاجر سے مانگی جاتی ہے۔ نیک لوگوں سے پناہ مانگنا تو درست نہیں تو پھر یہاں تقیاً کہہ کر پناہ کی دعا کیوں کی گئی۔ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا کی بجائے اِنْ كُنْتَ فَاجِرًا۔ کہنا چاہئیے تھا جواب۔ یہ ٹھیک ہے کہ پناہ کی دعا فاسق و فاجر سے بچنے کے لیے مانگی جاتی ہے۔ لیکن یہ دعا نہیں بلکہ سامنے موجود شخص سے ملتجیانہ انداز میں سوال ہے اور اس کے نیک و بد ارادے کا اندازہ کرنا ہے اور پتہ لگانا ہے کہ وہ کیا چاہتا ہے بد ہے یا نیک جان کر آیا ہے یا بھولے سے اور چونکہ ایسی التجاؤں کا اثر ان ہی لوگوں پر ہوتا ہے جو دل کے نیک یعنی متقی ہوں اگرچہ اس وقت عارضی بدی کا ارادہ ہو۔ ایسی التجاؤں اور اللہ کے خوف دلانے سے دل کا متقی باز آ جاتا ہے۔ اس لیے اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا۔ کہنا بالکل درست ہے۔ تیسرا اعتراض حضرت مریم کی ساری پریشانی اور خوف فقط جبریل علیہ السلام کے کلام بشارت کرتے ہی ختم ہو گئی کہ اب اطمینان سے باتیں شروع کر دیں جواب یا اس لیے ختم ہو گئی کہ رب تعالیٰ کا رسول ہے اب عزت و آبرو کو کوئی خطرہ نہیں رہا اور اسی کی پریشانی و خوف تھا۔ اس لیے بھی پریشانی جاتی رہی کہ پہلے زکریا علیہ السلام کے لیے بشارت کا ذکر سن چکی تھیں یا الہام الٰہی کی وجہ سے اطمینان ملا یا یہ عیسیٰ علیہ السلام کا ارہاصی معجزہ تھا جو قبل ولادت ظہور میں آیا۔ واللہ اعلم۔

تفسیر صوفیانہ

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا۔

پوری کتاب ازلی میں صرف مریم روشن ضمیری کا نام مکتوب ہے عالم اجسام کے پورے علاقے میں فقط یہی تیوم نظام اعلیٰ ہے اسی کی یاد منانے چرچہ کرنے اور ذکر سنانے کا حکم ربانی ہے سلطان قلب کی بادشاہی میں یہی قطب عالم ہے روشن ضمیری مومن کا سرمایہ خسروی اور عارف کامل کا تمغۂ محنت ہے اے شہنشاہ آبدان قلب منور اس نعمت کا تذکرہ کتاب سینہ میں بیان فرما جب یہ مریم ضمیر روشن اپنے اہل یعنی تعلق دنیا و لوازمات حواس و تعلیات سے دور منفرد ہوتی ہے اور انوار الٰہی کے مشرق اور فیضان ربانی کے طلو [illegible] رت سے ہٹ کر حجاب

خلوت بنا لیتی ہے کیونکہ زندہ ضمیر کی روشنی عزت کے اندھیروں میں ہی چمکتی ہویدا ہوتی ہے اس رازِ سلطنتِ سرمدی کو صرف روحِ حیات ہی جانتی ہے تب ہم ضمیرِ اصل معرفت کی طرف الہامِ ربانی کی وحی روح اور خاطرِ رحمانی کا روح الامین بھیجتے ہیں اُس رُوحنا کو حروفِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا لباسِ وحدت پہنایا اور بشریتِ مثلیہ کی چادر اور انسانیتِ سَوِیًّا کا کمبل اُڑھا کر مشرقِ انوارِ خلوت گاہِ اسرار وضمیرِ روشن کے پاس نزولِ اجلال فرمایا۔ قَالَتْ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِیًّا۔ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِیًّا۔ قَالَتْ اَنّٰى یَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّ لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّ لَمْ اَكُ بَغِیًّا۔ ضمیرِ روشن نے اجنبی قالب کو خلوتِ وحدت میں تخیلِ غیر اور تمثلِ فکر و تشکلِ وہمی میں دیکھا تو قَالَتْ۔ فرمایا میں اپنے رحمٰنِ قدیم کی پناہ مانگتی ہوں تجھ اجنبی افکار سے کہ کہیں تو مجھ فکر یاتِ طاہرہ و تصوراتِ پاکیزہ کو اپنے مربیٔ ابدی ازلی کی یاد سے ہٹا کر غیر اللہ میں مشغول نہ کر دے۔ میری خلوتِ مراقبہ اور انتباذِ تنہائی تو فقط اپنے رحمٰن ابدی کے لیے ہے تیرا آنا اِس خلوتِ ذکرِ الٰہی کو جلوتِ اغیار بنانا مجھے ناگوار اور ناپسند ہے۔ قَالَ اجنبی تمثل اور غیریتِ سَوِیًّا نے فرمایا کہ واردات احوالِ سالکین کا قاصدِ ربانی اور تیرے ربِ کریم ہی کا پیغامِ بشارت لانے والا ہوں تاکہ میں تجھ کو نفسِ مطمئنہ قدسیہ کا غلامِ مذکی عطا کروں وہ نفسِ مقدسہ جو ظلمتِ انسانیت کی تلویثِ مادیہ سے پاک اور منزہ ہو۔ قَالَتْ اس مکالمۂ مخفیہ میں ضمیرِ روشن کی صوتِ باطنی نے سوالاً فرمایا اے میرے ربِ جلال کے قاصدِ الہامات میرے بطنِ طائفِ نفسی مطمئنۂ مقدسہ کی نزولِ ولادت کس طرح ہو سکتی ہے۔ مجھ کو عالمِ شعور میں کسی امتزاجِ بشریت نے مسامِ دخول نہ کیا نہ میرے اوقاتِ لطائف کو کسی بھی اوہامِ باطل نے چھوا نہ میں نے عالمِ روحِ مجرد سے نکلنے کی بغاوتِ لاشعوری کا ارتکاب کیا۔ نفسِ مولود کے وُرُود و نزول کے تو اس باطنِ وادیٔ اعمال میں کسی بھی عملِ مسعود یا نامسعود کے آنے کے بس یہی دو طریقے ہیں۔ صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ از آدم علیہ السلام تا اُمۃِ مسلمہ ہر اُمتِ نبی علیہ السلام میں ایک قطب الاقطاب اور غوث الاغوات ہوتا رہا ہے اُمتِ آدم علیہ السلام کے قطب الاقطاب۔ حضرتِ ہابیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُمۃ سلیمان علیہ السلام کے آصف بن برخیا اور اُمتِ زکریا علیہ السلام کا قطب الاقطاب حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا گیا۔ اُمتِ مسلمہ کا قطب الاقطاب پہلے دور میں حضرت رابعہ بصریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پھر سید الاولیاء اولین و آخرین سید عبدالقادر شہنشاہِ بغداد تا قیامت قطب الاقطاب اور غوث الاغواث ہیں۔ سید الاولیا شروع زمانوں سے ہمیشہ ہر اُمت میں چار ہوئے ان ہی چار میں ایک سید السیادت ہوتا ہے اُمتِ مسلمہ [illegible] غوث [illegible] جیلانی یہی سید السیادت ہیں

دوم خواجہ سید معین الدین چشتی یہ بھی سید الاولیاء ہیں سوم خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی یہ بھی سید الاولیا ہیں چہارم خواجہ شہاب الدین سہروردی یہ بھی سید اولیا تا قیامت ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین مسافران معرفت کے لیے بھی چار ہی عرفانی منزلوں کے چار لباس ریاضت ہوتے ہیں پہلا لباس زہد دوم لباس فقر سوم لباس درویشی چہارم اور آخری منزل قرب کا لباس تصوف۔ فقیری یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے سوا کسی اور چیز کی پرواہ نہ کرے مفلسی کے وقت مطمئن ہو مال ہو تو سخاوت کرے۔ زاہد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی کوئی حاجت پیش نہ کرے اور نہ کسی کا مالک نہ اس کا کوئی مالک دنیوی ہو۔ حاجت پیش نہ کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کو فرائض بندگی کی مشغولیت سے فرصت دعا ہی نہ ملے اپنے رب رحیم پر پورا بھروسہ کرتا ہے اس لیئے وہ سوال کرتا ہے نہ اس کی ضرورت سمجھتا ہے۔ اور درویشی عارف کا اونچا مقام ہے، اپنے آپ کو رضاء مولیٰ پر فنا کرنے کا نام درویشی ہے۔ تصوف یہ ہے کہ بندہ اللہ کے ساتھ بغیر کسی حاجت کے رہے تصوف حقائق کو اختیار کرنے اور لوگوں کی چیزوں سے مایوس ہونے کے ہم معنیٰ ہے۔ تصوف فقر زہد جداگانہ چیزیں ہیں لیکن تصوف ان تمام پر ہر معنیٰ میں حاوی ہے اور اس میں معرفت کے تمام اجزاء موجود ہیں مگر تصوف میں زہد فقر درویشی کے علاوہ بھی بہت سے کٹھن مقامات ہیں لہٰذا زاہد فقیر پیر درویش بننے کے باوجود بھی بہت سے عارفین صوفیا کے مقام تک نہیں پہنچ سکتے۔ حالات مسیح اور بیانات مریم و تذکرۂ کتاب میں عارفین ابتدا کو ہی اسباق تصوف پڑھائے جا رہے ہیں۔ (از تفسیر نیشاپوری مع زیادت)

قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗ

بولا دہ کار ندہ (رسول) فیصلہ اسی طرح ہو چکا ہے کہ فرمایا تیرے رب نے یہ کام مجھ پر نہایت آسان ہے اور البتہ بنائیں گے ہم اس کو

کہا یوں ہی ہے تیرے رب نے فرمایا ہے کہ یہ مجھے آسان ہے اور اس لیے کہ ہم اسے لوگوں کے واسطے

اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿٢١﴾

اپنی نشانی تمام انسانوں کے لیے اور رحمت اپنی اور ہو چکی ہے یہ تقدیر فیصلہ کی ہوئی۔

نشانی کریں اور اپنی طرف سے ایک رحمت اور یہ کام ٹھہر چکا ہے۔

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۲﴾ فَاَجَآءَهَا

فوراً ہی حاملہ ہوگئی اُس بچے سے اُس وقت علیحدہ چلی گئی وہ مریم اس حمل کے ساتھ کچھ دور جگہ پھر لے گیا اس کو

اب مریم نے اسے پیٹ میں لیا پھر اُسے لیے ہوئے ایک دور جگہ چلی گئی پھر اُسے

الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ

دردِ زہ ایک پرانی کھجور کے تنے کی طرف۔ بولی وہ مریم ہائے کاش میں مرگئی ہوتی

جننے کا درد ایک کھجور کی جڑ میں لے آیا۔ بولی ہائے کسی طرح میں اس سے پہلے

قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿۲۳﴾ فَنَادٰىهَا مِنْ

اس وقت سے پہلے کبھی کی اور ہو چکی ہوتی میں مدتوں کی بھولی ہوئی تب پکارا اُس کو فرشتے نے اُس کی

مرگئی ہوتی اور بھولی بسری ہو جاتی تو اُسے اُس کے تلے سے پکارا

تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ

ڈھلان کی جانب سے کہ غم نہ کر نکالی ہے تیرے رب نے تیرے قدموں کے نیچے

کہ غم نہ کھا تیرے رب نے تیرے نیچے ایک

سَرِيًّا ﴿۲۴﴾

ایک نہر

نہر بہا دی ہے۔

تعلقات اِن آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں حضرت مریم کو بیٹے کی پیدائش کی خبر سنائی گئی تھی جس پر آپ نے رنج غم فکر پریشانی اور تعجب کا اظہار کیا تھا۔ اب اِن آیات میں حضرت مریم کی فی الفور حاملہ ہوتے اور وقتِ ولادت

بھی فی الفور قریب آگئے پر جو پریشانی پیدا ہوئی اس کو تسلی آمیز طریقے سے دور کرنے کا ذکر ہے **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں حضرت مریم کا گھر کے ہی ایک حصے میں پردہ کرنے کا ذکر تھا۔ اب اِن آیت میں حضرت مریم کا گھر سے نکل کر باہر کچھ دور جنگل میں آنے کا تذکرہ ہے۔ اور انتہائی پریشانی اور اس دنیا سے پہلے ہی کبھی فنا ہو جانے کے خواہش کا ذکر ہے **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں حضرت جبرئیل کی اُن باتوں کا ذکر ہوا جو انہوں نے حضرت مریم سے کیں تھیں۔ اِن آیت میں اُن باتوں کا ذکر ہے جو خود رب تعالیٰ نے حضرت مریم سے بذریعہ الہام فرمائیں تھیں۔

تفسیر نحوی قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ۔ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ۔

قَالَ فعل اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر ھُوَ اس کا مرجع رُوْحَنَا ہے یہ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا کَذٰلِكِ۔ اسم اشارہ واحد مؤنث کے لیے، یہ چار لفظ ہیں ۱ کاف تشبیہی ۲ ذا اسم اشارہ ۳ لام جارہ زائدہ علامتی ۴ كِ ضمیر واحد مؤنث حاضر۔ یہ سب مل کر مستقل اسم اشارہ بعیدی ہے یہاں لفظ اَمْر پوشیدہ ہے دراصل تھا اَمْرٌ كَذٰلِكِ امر مضاف كَذٰلِكِ مضاف دونوں مقولہ اوّل ہے قَالَ رَبُّكِ مرکب اضافی ترجمہ ہے تیرے رب نے۔ كِ ضمیر کا مرجع مریم رَبُّكِ فاعل ہے قَالَ اپنے اس ظاہر فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ ھُوَ ضمیر واحد مذکر منفصل کا مرجع وہ بیٹا ہونا یعنی یہ کام۔ عَلَيَّ بمعنی مجھ پر میرے لیے۔ یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے هَيِّنٌ اسم صفت مشبہ ھَوْنٌ سے مشتق دراصل هَيْوِنٌ تھا بروزن کریم واؤ کو یٰ بنایا۔ اور دونوں یٰ میں اِدغام کر دیا۔ ترجمہ ہے بہت ہی آسان۔ هَيِّنٌ اپنے متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لام کَے بمعنی اَلْبَتَّہ۔ تاکہ اس لیے نَجْعَلَهٗ، فعل با فاعل، مفعول بہ اوّل۔ نَجْعَلُ فعل متعدی بدو مفعول ہے۔ اٰيَةً۔ اسم مفرد جامد بمعنی نشان قدرت معجزہ۔ دلیل قدرت۔ معطوف علیہ ہے لِلنَّاسِ۔ ترجمہ ہے لوگوں کے لیے یہ جار و مجرور متعلق اوّل ہے۔ واؤ عاطفہ رَحْمَةً۔ اسم مفرد جامد بمعنی شفقت۔ ترس مہربانی محبت نفع۔ فائدہ یہاں ہر معنی مناسب ہے یہ معطوف ہے اٰيَةً پھر دونوں مل کر مفعول بہ ہوا۔ مِنَّا۔ دراصل ہے مِنْ نَا۔ بمعنی اپنی طرف سے یہ جار مجرور متعلق دوم ہے، نَجْعَلُ کا۔ نَجْعَلُ اور مِنَّا دونوں جگہ ضمیر جمع متکلم کا مرجع رب تعالیٰ ہے۔ نَجْعَلُ سب سے مل کر جملہ ہو کر معطوف، ہوا ھُوَ عَلَيَّ کے جملے پر۔ دونوں عطف مل کر مقولہ ہوا قَالَ رَبُّكِ اپنے مقولے سے مل کر مقولۂ دوم ہوا پہلے قَالَ کا۔ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا واؤ عاطفہ۔ یہاں مفسرین [illegible] یعنی فرشتے نے کہا کہ فیصلہ

ربانی ہو چکا ہے۔ دوم یہ کہ یہ فرمان رب تعالیٰ کا ہے۔ پہلی صورت میں یہ جملہ عطف ہو گا کذالک پر اور مقولہ
ہو گا پہلے قَالَ کا دوسری صورت میں یہ عطف ہو گا ھُوَ عَلَیَّ ھَیِّنٌ پر اور مقولہ ہو گا دوسرے قَالَ پر اعلیٰحضرت
کے ترجمے سے اشارہ ملتا ہے کہ یہ قول فرشتے کا ہے کانَ فعل ناقصہ ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا اسم مرجع
ہے غلام کی عطاء اَمْرًا موصوف مَقْضِیًّا۔ باب ضَرَبَ کا اسم مفعول واحد مذکر قَضْیٌ سے مشتق ہے بمعنی فیصلہ
ہو جانا۔ اگر عمل سے پہلے ہو تو مراد ہوتا ہے قولی فیصلہ اور اگر عمل کے بعد فیصلے کا ذکر کیا جائے تو مراد ہوتا ہے عملی
فیصلہ یہاں قولی فیصلہ مراد ہے یعنی تقدیر لکھی جا چکی ہے۔ یہ صفت ہے۔ موصوف صفت مل کر خبر ہے کانَ
کی سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر عطف ہے کذالک پر دونوں مل کر مقولہ اول ہوا قول کا سب قول مقولے
مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ فَ استینافیہ (ابتدائیہ) حَمَلَتْ فعل ماضی مطلق واحد مؤنث غائب ہی پوشیدہ ضمیر
کا مرجع مریم یہ ضمیر فاعل ہے باب ضرب سے لازم ہے ترجمہ ہے حاملہ ہو گئی۔ ایک قول میں متعدی بیک
مفعول ہے ترجمہ ہے حمل لے لیا۔ حمل اٹھا لیا ہُ ضمیر واحد مذکر غائب پہلے قول میں مجرور متصل ہے مِن جارہ
پوشیدہ سے اصل میں تھا مِنْہُ، ترجمہ ہے حاملہ ہو گئی اس سے دوسرے قول میں یہ ضمیر منصوب متصل ہے
ترجمہ ہے حمل لے لیا اس کا، ہُ کا مرجع دونوں قول میں غلام ہے وَ تعقیبیہ بمعنی تب۔ تو۔ اُس وقت یہ اگلا
جملہ ظرف زمانی ہے اِنْتَبَذَتْ باب افتعال کا ماضی مؤنث بِ جارّہ بمعنی مَعَ یعنی ساتھ۔ ہُ ضمیر کا مرجع
حمل، ترجمہ ہے اس حمل کے ساتھ یہ جار مجرور متعلق ہے۔ مَکَانًا اسم ظرف واحد مذکر بمعنی جگہ موصوف
ہے قَصِیًّا۔ اسم صفت مشبہ بروزن فعیل، قَصْیٌ سے مشتق بمعنی الگ ہونا علیحدہ ہونا دور ہونا کنارہ
پر ہونا۔ یہاں معنی ہے اور دور گھر یہ بستی کے کنارے پر۔ یہ صفت ہے مکانًا کی موصوف صفت
مفعول فیہ ہوا۔ اِنْتَبَذَتْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر ظرف زمانی ہوا حَمَلَتْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو
گیا۔ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ
نَسْيًا مَّنْسِيًّا فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَاۤ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا فَ تعقیبیہ
بمعنی پھر۔ اَجَآءَ باب افعال کا ماضی مطلق واحد مذکر اس کا مصدر تعلیل سے اِجَاءَۃٌ ہے اور بعد تعلیل نحوی
اَجَاءَۃٌ بمعنی لانا۔ آنے پر مجبور کر دینا متعدی ہے ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب کا مرجع مریم مفعول بہٖ ہے
اس لیے منصوب متصل ہے اَلْمَخَاضُ اسم مصدر مزید فیہ جامد حاصل مصدر بروزن رِکَابٌ فِعَالٌ مَخْضٌ
سے رحم میں درد ہونا جو بچے کی پیدائش کے وقت ہوتا ہے (دردِ زہ) یہ فاعل ہے اَجَاءَ کا اِلٰی حرف
جر انتہاء غایت کے لیے جِذْعِ۔ اسم مفرد جامد بمعنی درخت تنا (یعنی جڑ کے ساتھ والی موٹی شاخ
جس میں نیچے جڑ لگی ہوتی ہے اور اوپر شاخیں پتے پھل پھول وغیرہ) اس کی جمع جُذُوعٌ ہے مضاف

ہے اَلنَّخْلَۃِ۔ الف لام عہد خارجی یا ذہنی۔ نَخْلَۃٌ اسم مفرد جامد مؤنث لفظی بمعنی کھجور یا اس میں تَ وحدت کی ہے تب یہ مذکر ہے یہ مضاف الیہ۔ یہ مرکب اضافی مجرور۔ جار مجرور متعلق ہے اَجَآءَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا قَالَتْ۔ فعل ماضی مؤنث ھِیَ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل جس کا مرجع مَرْیَمُ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر قول ہوا۔ یَا حرف ندا لَیْتَ حرف مشبہ۔ اسم کو فتح دیتا ہے خبر کو ضمہ۔ مبنی اصل ہے اس لیے اس کا وزن یعنی تمام حرکات و سکنات باقی رکھنا ضروری ہیں۔ اسی بنا پر اس کو یاءِ متکلم ضمیر سے متصل کرنے کے لیے نون وقایہ لانا ضروری ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو لَیْتِیْ پڑھا جائے اور یہ ممنوع ہے یِ ضمیر منصوب ہے کیونکہ اسم ہے مِتُّ۔ باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق مَیْتٌ سے مشتق ہے بروزن بِعْتُ عربی لغت میں یہ واحد مصدر مادہ ہے جو اجوف واوی بھی اور اجوف یائی بھی یعنی مَوْتٌ سے مَاتَ یَمُوْتُ اور مَیْتٌ سے مَاتَ یَمِیْتُ۔ پہلا باب نَصَرَ سے ہے۔ ترجمہ دونوں کا ہے مرتا۔ اس کا فاعل اَنَا ضمیر واحد متکلم مؤنث قَبْلَ اسم ظرف زمانی مضاف ہے ہٰذَا اسم اشارہ قریبی مضاف الیہ یہ مرکب اضافی ظرف ہے مِتُّ کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر اگلے کلام کا معطوف علیہ واوٗ حرف عطف کُنْتُ۔ فعل ماضی مطلق ناقصہ واحد متکلم مؤنث اس کا پوشیدہ ضمیر ہے۔ نَسْیًا۔ اسم مصدر حاصل مصدر بھولنے کے لائق ناقابل یاد ناقابل ذکر یہ تابع تاکیدی میں مؤکد ہے۔ مَنْسِیًّا اسم مفعول باب سَمِعَ سے ہے نَسِیَ اس کا مصدر مجرد ہے بمعنی بھلایا جانا۔ ترجمہ بھولی ہوئی اسی سے ہے نِسْوَۃٌ بمعنی عورت کیونکہ عورتیں بھی بھلکڑ زیادہ ہوتی ہیں اسی لیے ان کی ایک گواہی دو عورتوں سے مکمل ہوتی ہے یہ تاکید ہے دونوں کا معنیٰ ہے مدتوں کی بھولی ہوئی۔ یہ دونوں متبوع اور تابع خبر ہے کُنْتُ فعل ناقصہ کی یہ جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر معطوف ہے مِتُّ کے جملے پر دونوں مل کر خبر ہے لَیْتَ کی اس لیے ان جملوں کا اعراب محلاً نصب ہے۔ لیت اپنے اسم خبر سے مل منادیٰ ہوا۔ یَا ندائیہ اپنے منادیٰ سے مل کر مقولہ ہوا قَالَتْ کا وہ جملہ قولیہ ہو گیا خیال رہے کہ اگر حرف ندا سے پہلے کوئی فعل موجود ہو جس سے حرف ندا کو ملایا جا سکے تو پھر پوشیدہ اَدْعُوْ یا نَدْعُوْ کا جملہ فعلیہ بنانے کی ضرورت نہیں ہے فَ تعقیبیہ ابتدائیہ۔ نَادٰی فعل ماضی مطلق واحد مذکر غائب باب مُفَاعَلَۃٌ اس کا مصدر تعلیل نحوی سے پہلے مُنَادَیَۃٌ تعلیل کے بعد مُنَادَاۃٌ نِدَیٌ سے بنا ہے بمعنی پکارنا۔ بلانا اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر ھُوَ ہے جس کا مرجع رُوْحَنَا ہے۔ ھَا ضمیر مفعول بہ ہے مِنْ حرف جر ابتداءِ غائیہ کے لیے بمعنی طرف سے تَحْتَ اسماءِ ظروف میں سے ایک ہے وہ کل آٹھ ہیں ۱ قبل ۲ بعد ۳ فوق ۴ تحت ۵ یمین ۶ یسار ۷ خلف ۸ امام۔ اگر ان کا مضاف الیہ ظاہر ہو تو یہ معرب ہوتے ہیں ورنہ مبنی ہیں [illegible] ھَا ضمیر مجرور مضاف الیہ

اِن دونوں ھَا ضمیر کا مرجع مَرْیَمْ ہے۔ یہ مرکبِ اضافی مجرور ہوا اور جار مجرور متعلق ہے نَادٰی کا۔ اَلَّا۔ دراصل اَنْ لَا ہے۔ اَنْ مخففہ ہے اَنَّ تھا اس کا ترجمہ ہوتا ہے شان یہ ہے کہ۔ یعنی یہ نہ ہونا چاہئیے اگر بعد میں جملہ مثبتہ ہو تو معنی ہوتا ہے ایسا ہونا چاہئیے۔ لَاتَحْزَنِیْ۔ باب فَتَحَ کا فعل نہی واحد مؤنث حاضر حُزْنٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے غم نہ کر۔ لَاتَحْزَنِیْ کا فاعل اَنْتِ ضمیر پوشیدہ اس کا مرجع ہے مریم یہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہوکر معلول ہوا۔ قَدْ جَعَلَ فعل ماضی قریب واحد مذکر رَبُّکِ مرکب اضافی فاعل ہے تَحْتَکِ مرکب اضافی ترجمہ ہے تیرے نیچے یا تیرے ماتحت تیرے قبضے میں تیرے اختیار میں یہ ظرف مکانی سَرِیًّا۔ اسم صفت مشبہ ہے واحد ہے اس کی جمع اَسْرِیَۃٌ بھی ہے اور سُرْیَانٌ بھی۔ یہ سَرْیٌ سے مشتق ہے یعنی تیز چلنا۔ مراد ہے چھوٹی نہر جو بڑی نہر سے نکل کر باغ بغیچہ میں آتی ہے مفعول بہ ہے جَعَلَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر علت ہوئی لَاتَحْزَنِیْ معلول علت مل کر بیان ہوا نَادٰی کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا سَرِیًّا میں ایک قول ہے کہ یہ سَرْوٌ سے مشتق ہے یعنی بلند شان والا، اور مراد حضرت عیسٰی ہیں۔ ترجمہ ہے کہ تیرے ماتحت ایک رفیع الشان بیٹا ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

تفسیر عالمانہ قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا۔

فرمایا اس بشر سَوِیًّا نے یہ سب کچھ یعنی حمل وضع حمل اور بیٹا پیدا ہوتا۔ اسی طرح بغیر کسی ظاہری قانونی فطری اسباب کے خود بخود اور ابھی ہی سب کچھ ہوگا کیونکہ تیرے رب تعالیٰ نے جس نے مجھ کو بشری شکل بنا کر بھیجا ہے یہ فرمایا ہے یہ کام میرے لیے بہت ہی آسان ہے اے مریم تجھ کو اس میں حیرانی کی ضرورت نہیں رب تعالیٰ کی قدرتیں تو اس سے بھی زیادہ وسیع و عظیم ہیں۔ تو میری کیفیت اور کمزوری کو نہ دیکھ رب تعالیٰ کی قدرت پر نظر کر۔ اس ولادتِ معجزانہ میں رب تعالیٰ کی بہت سی حکمتیں ہیں جن میں سے ایک یہ کہ اس پیدا ہونے والے مولود مسعود کی ذات موجودہ اور آئندہ تمام انسانوں کے لیے قدرت کی ایک عظیم نشانی ہے خالق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم اس مخلوق و مولود کو آیت تا قیامت بنائیں گے۔ ان عقلیات والے موجودہ لوگوں کے لیے جو اپنے علم و کسب صنعت و حرفت کاریگری تجربہ کاری پر مغرور بنے پھرتے ہیں اور اپنے اسباب و علل پر ہی رب تعالیٰ کی تخلیق کو قیاس کرتے ہیں اور کہتے پھرتے ہیں کہ جس طرح ہم انسان باوجود علم کثیر صنعت مزید حرفت وغیرہ کے باوجود اسباب کے محتاج ہیں اسی طرح معاذ اللہ رب تعالیٰ خالق کائنات بھی اسباب کا تابع و محتاج ہے۔ یہ مولود ان تمام بدعقیدگیوں کو باطل کرتے والا ہے اور اس مولود مبارک کی زندگی جا بجا بنا بہت کام پھر رفعت و نزول

حیاتِ ثلاثہ پہلی زمینی دوسری آسمانی پھر تیسری زمینی پھر شادی بیاہ وفات اور تدفین وغیرہ سب کچھ بعد والے انسانوں کے لیے قدرتِ الٰہی کی عظیم حیران کن آیۃً لِلنَّاس ہے۔ اور اس کا وجود جہان کے لیے رحمت ہے خاص ہماری طرف سے اور اے مریم گھبرانے کی ضرورت نہیں یہ فیصلہ تو ازلِ قدیم میں ہو چکا ہے۔ انبیاء بنی اسرائیل کے پہلے نبی یوسف علیہ السّلام اور آخری نبی عیسٰی علیہ السّلام۔ مسیح علیہ السّلام کا آیتِ الٰہی ہونا سات طرح سے ہے ۱۔ پشتِ آدم علیہ السّلام سے جب ذریّتِ آدم نکالی گئی اور حضرت آدم نے اپنی ساری ذریّت دیکھ لی تو پھر سب داخل کر دی گئی مگر حضرت عیسٰی کو دوبارہ داخل نہ کیا گیا ۲۔ آپ کی صحبت وہمراہی اور آپ کا جسم بھی ہدایت تھی جو چند منٹ عقیدت سے بیٹھتا مومن بن جاتا ۳۔ آپ کے چار نام ذاتی ہیں جو اللہ کی طرف عطا ہوئے۔ عیسٰی۔ مسیح۔ کلمۃ اللہ۔ روح اللہ ۴۔ آپ کی کنیت والدہ کی طرف منسوب ہے یعنی ابنِ مریم۔ کائنات انسانیت میں صرف آپ ہی ہیں جن کی یہ خصوصیت مِنَ اللہ تعالیٰ ہے ۵۔ رب تعالیٰ نے آپ کو چار صفات سے مزیّن فرمایا اوّل وَجِیۡهًا فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَةِ دوم مقربِ الی اللہ سوم مہد اور کہولت میں کلام کرنا چہارم صالح یعنی زمینی آسمانی عابد زاہد۔ ۶۔ اُمتِ سابقین کے خاتم الرُّسل اور اُمتِ مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الاولیاء۔ آپ کی جسمانیت میں نہ نطفہ کی شمولیت نہ عناصر اربعہ کی۔ آپ کا جسمِ مقدس صرف لفظِ کُن سے ہے اور ظاہر و باطن صرف روح ہے۔ آگ پانی مٹی ہوا کچھ نہیں ۷۔ آپ ہی صرف مہاجرِ آسمانی ہیں جن کو اپنے قومی دشمنوں کی وجہ سے آسمان کی طرف ہجرت کرنی پڑی۔ اس لیے اے مریم بے شک اَصلاً نسلاً تو یہ تیرا اور صرف تیرا بیٹا ہے مگر حقیقتاً یہ آیۃً لِلنَّاسِ وَرَحۡمَةً مِّنَّا ہے فَحَمَلَتۡهُ بس اتنی مختصر گفتگو کے بعد حضرت جبرئیل نے کچھ پڑھ کر یا بغیر پڑھے ہی پھونک ماری آپ کے چہرے پر وہ منہ کے راستے سینے سے ہوتی ہوئی پیٹ اور رحم میں پہنچی اور اسی وقت محسوس ہو گیا کہ حمل کا بوجھ ہو گیا جبرائیل غائب ہو گئے۔ اور آپ سمجھ گئیں کہ یہ سب کچھ ابھی ہی ہونا ہے۔ اب آپ کچھ سمجھ نہ پا رہی تھیں کہ کیا کروں اسی پریشانی میں بجائے گھر کے افراد کے پاس آنے کے باہر جنگل بیابان کی طرف نکل گئیں۔ فَانۡتَبَذَتۡ بِهٖ مَكَانًا قَصِیًّا اس حمل کے ساتھ ہی آپ ہی تقریباً آٹھ دس میل چلتی چلی گئیں اور اپنے ننھیال مقامِ ناصرہ کے پاس اسی گاؤں کے کنارے پر بیت اللحم تھا۔ ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئیں تن تنہا نہ کوئی آدمی نہ موالی نہ مددگار نہ پُرسانِ حال مریم کے والد کا نام عمران بن ماثان تھا یہ حضرت زکریا کے ہم زلف تھے اور بہت بڑے ولی اللہ تھے والدہ کا نام حنّہ تھا۔ خود مریم بھی بڑھاپے کی منتوں مرادوں والی اولاد ہیں اور عورتوں میں صرف مریم نے شیر خوار [illegible] المقدس میں چھوڑ گئیں یعنی

نے کہا مریم ایک میل دور جنگل میں نکل گئیں ایک پہاڑی کے دامن میں چھپ کر بیٹھ گئیں۔ بعض نے کہا کہ بیت المقدس کے ایک خادم عابد زاہد کے ساتھ گئیں جس کا نام یوسف نجار تھا اور منگیتر تھا مریم کا مگر یہ سب کذبیات و اسرائیلیات ہے حضرت مریم کو دم جبریل کے تھوڑی دیر بعد ہی دردِ زہ شروع ہوگیا تھا۔ اسی لیے ارشاد ہے۔ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ۔ قَالَتْ يٰلَيْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا۔ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِیْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا۔ قدرتِ الٰہیہ کا یہ ظہور اتنی جلدی ہوا کہ چند ساعت کے بعد تقریباً ایک گھنٹہ بعد دردِ زہ ہی لے آیا اُس پاک دامن کنواری پاک مریم کو دور ایک صحرائی خشک کھجور کے بے برگ و ثمر ٹنڈ منڈ تنے تک حضرت مریم نے چار وجہ سے گھبرا کر اپنے آپ سے کہا۔ ہائے کاش میں اس وقت کے آنے سے پہلے مرگئی ہوتی اور آج کے دن تک بھولی بسری ہوچکی ہوتی ایک وجہ یہ کہ گھر سے بغیر بتائے اتنی دور چلی آئی شاید گھر والے پریشانی میں ہوں ڈھونڈتے پھرتے ہوں یہ ایک بدنامی دوم یہ کہ بچے کی پیدائش جب کہ نہ شادی نہ نکاح یہ دوسری بدنامی بلکہ سخت ترین ذلت سوم یہ کہ ایسے حالات میں کوئی خدمت گار یا مشورہ تسلی دینے والا بھی پاس نہیں۔ نہ اس شدتِ تکلیف میں ملنے دبانے والی دوا دارو کرنے والی دل جوئی و غم گساری کرنے والی دائی وغیرہ بھی نہیں چہارم یہ کہ شدتِ تکلیف جو عورت کی برداشت سے باہر ہو جاتی ہے بلکہ چیخیں نکلتی ہیں یہ آواز جس کا دبانا مشکل ہوتا جا رہا تھا اگر نہ دبا سکی تو صحرائی گونج کہاں تک پہنچ سکتی ہے اور کتنے رہ گزر جمع ہو سکتے ہیں اس خیال سے ہی لرزہ طاری تھا۔ اور تکلیف دگنی محسوس ہوتی ہے۔ اس لیے زبانِ اقدس سے یہ الفاظ لازمی امر تھا۔ تب ندا کی اس نخلہ کے نیچے نہر کے کنارے سے اے مریم غمگین نہ ہو ایسے حالات کے تمام سامان تیرے پروردگار نے مہیا فرما دئے ہیں صرف تیری خاطر وہ نہر جو زمانوں سے خشک پڑی تھی بغیر کسی ظاہری اسباب (بادل وغیرہ) کے جاری فرما دی جو تیرے قدموں و نگاہوں کے نیچے ڈھلان میں جاری ہوگئی ہے یہ ایک نہر ہی تیری بہت سی پریشانیوں کا مداوا ہے ۱ لہلہاتی ٹھنڈی ہوائیں ۲ میٹھا ٹھنڈا قدرتِ الٰہی کا غذائیت سے بھرپور پانی ۳ آنکھوں کی تازگی ۴ جسم کی قوت ۵ ذہنی خیالات کا پھیرنا، کیونکہ نعمت کا وجود اور حقیقی تصور بھی بہت بڑا غمگسار ہوتا ہے۔ سَرِيًّا میں تین قول ہیں ۱ رواں دواں خوب صورت صاف پانی کی نہر ۲ آنے والا بچہ مراد ہے کہ بہت عظمت والا شان و شوکت و شہرت والا ہے تَحْتَكِ یعنی تیری گود میں تیرے پیے۔ ۳ سَرِيًّا بمعنی سخاوت والا ہر حال میں مفید خیال رہے کہ قرآن مجید

میں انسان کی ولادت و پیدائش چھ قسم کی مذکور ہے ۱۔ بغیر خاوند بیوی جیسے حضرت آدم کی پیدائش ۲۔ بڑھاپے کی دہلی سے جب نطفہ بھی خشک ہو جاتا ہے جیسے حضرت اسحاق کی ولادت ۳۔ خاوند بیوی کی صحبت اور نطفے کے بغیر جیسے حضرت یحییٰ کی ولادت ۴۔ بغیر والدہ بغیر والدہ صرف مرد کی ہڈی کو انسان بنا دیا گیا جیسے حضرت حوا کی پیدائش کہ جسم آدم علیہ السلام سے ایک لمبی پسلی کی مع گوشت ھڈی نکالی اور اس کو حوا بنا دیا ۵۔ بغیر والد صرف والدہ کے نطفے سے جیسے حضرت عیسیٰ کی ولادت ۶۔ خاوند بیوی کے ملاپ اور نطفے سے مدتِ معینہ میں جیسے عام انسانوں کی پیدائش اور ولادت أَمْرًا مَقْضِيًّا یعنی اٹل فیصلہ مدتِ حمل میں چار قول ہیں ۱۔ حمل۔ ولادت اسی دن تین گھنٹے کے اندر اندر سب کچھ ہوا ۲۔ چھ ماہ بعد ولادت ہوئی ۳۔ آٹھ ماہ بعد ہوئی ۴۔ نو ماہ بعد ہوئی مگر پہلا قول درست ہے اس وقت حضرت مریم کی عمر تیرہ سال تھی یہی قول صحیح ہے ۲۔ دس سال تھی ۳۔ سولہ سال تھی۔ یَا لَیْتَنِی کہنے کی وجہ نہ حمل ہے نہ حمل کی بشارت نہ درد نہ تنہائی بلکہ صرف قوم کی طرف سے بدنامی و ذلت کا خوف تھا۔ قدرتِ الٰہی کی اس نشانی یعنی ولادتِ مسیح کو سمجھنے کے لیے رب تعالیٰ نے ابتداہی سے نشانات قائم فرمانے شروع کر دئے تھے پہلا یہ کہ مریم کو بچپن سے ہی بہت سے لوگوں کی نگہبانی کے اندر بیت المقدس میں رکھا گیا وہ بھی بالائی منزل میں تنہا۔ بجز بوڑھے خالو حضرت زکریا کے کوئی بھی دیکھ نہ سکتا تھا کسی سے بھی شناسائی نہ تھی نہ بے پردگی ۲۔ انتہائی بوڑھے خالو پر شک کا تصور بھی نہ ہو سکتا تھا جو خود لاولد تھے سوم یہ کہ چھ ماہ قبل بوڑھے اور بانجھ خاوند بیوی (زکریا اور ان کی عاقرہ بیوی) کے رحم سے بغیر صحبت و نطفہ ایک قدرتی بیٹے کی ولادت کا مشہور کیا جانا اس کی علامتیں تین دن رات کی خاموشی وغیرہ کا تمام قوم کو پتہ بتایا جانا اور شہرت دیا جانا چہارم یہ کہ مریم کو حیض آنا اور اس کا مشہور کیا جانا کہ ان دنوں مریم اپنے حجرے سے نکل کر دوسرے گھر میں ایامِ حیض گزارتی تھیں اور حیض حمل کی نفی کرتا ہے۔ پنجم یہ کہ اب اس دفعہ چند دن حیض گزار کر ایک دم صحت مند بچے کو لے آنا کسی بدکاری کا شائبہ تک نہیں ہونے دیتا ششم یہ کہ کبھی کی خشک نہر بغیر برساتی موسم بغیر بارش بغیر قریبی دریا بغیر سمندر ایک دم سے بھرپور جاری ہو جانا اور پھر کئی عرصہ جاری بہتا رہنا ہر رہ گزر کا دیکھ کر اس قدرتی نہر پر تعجب و حیرانگی کرنا۔ ہفتم یہ کہ ایک پرانا خشک مردہ شجر کھجور کا ایک دم سے زندہ ہرا بھرا بے موسم کھجوروں سے لد جانا اور ہر شخص کا اس کو دیکھنا تعجب ہونا قدرت کے یہ سارے کرشمے ولادتِ مسیح کے قدرتی کرشمے کو سمجھانے کے [illegible] لوں نے ولادتِ عیسیٰ علیہ السلام

کو اٰیَۃً لِّلنَّاس سمجھنے سے انکار کر دیا۔ اور اس قسم کی ابلیسی خباثتیں ہر دور میں ہر نبی علیہ السلام کے ساتھ کسی نہ کسی طرز پر ہوتی رہی ہیں۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں **پہلا فائدہ** ثابت ہوا کہ بزرگوں سے دم کرانا اچھی بات ہے اور بزرگوں کو دم کرنے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت رحمت برکت اور شفا ہے یہ حضرت جبرئیل کے پھونک مارنے کے ذریعے حمل ٹھہر جانے سے حاصل ہوا گویا کہ پھونک بھی مظہر قدرتِ الٰہیہ ہے۔ **دوسرا فائدہ** حضرت مسیح علیہ السلام بشر بھی ہیں اور روح اللہ بھی اور دونوں میں کاملیت ہے یہ فائدہ اٰیَۃً لِّلنَّاس فرمانے سے حاصل ہوا بلکہ آپ کی پوری حیات اور حیات کی ہر ہر ادا ایاتِ الٰہی ہے یہاں تک کہ آپ کی سانس بھی **تیسرا فائدہ** ہر فرع میں اصل کا اثر آجاتا ہے جبرئیل کی پھونک کا اثر تھا کہ آپ کی جسمانیت بن گئی اور آپ کی پھونک کا اثر یہ تھا کہ مردہ زندہ اور بیجان میں جان پڑ جاتی تھی اسی لیے جبرئیل کا نام روح الامین تو آپ کا نام روح اللہ ہوا۔

احکام القرآن ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں **پہلا مسئلہ**۔ اللہ تعالیٰ نے دو قسم کی تقدیر پیدا فرمائی ایک تقدیر مبرم دوسری تقدیر معلق و شرعی اور حقیقی طور پر تقدیر مبرم نہیں بدل سکتی نہ کسی دعا سے نہ التجا سے ہاں البتہ تقدیر معلق دعا وَ التجا سے بدل جاتی ہے یہ مسئلہ۔ وَکَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا۔ سے مستنبط ہوا۔ لہٰذا بہار شریعت نے جلد اول صہ۶ پر اور ان کی دیکھا دیکھی بعض جہلا نے جو یہ لکھا کہ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی کو فرماتے ہیں۔ میں قضاءِ مبرم کو رد کر دیتا ہوں۔ اور اسی کی نسبت حدیث میں ارشاد ہے اِنَّ الدُّعَاءَ یَرُدُّ الْقَضَاءَ الْمُبْرَمَ بے شک دعا قضاءِ مبرم کو ٹال دیتی ہے۔ یہ بات قطعاً درست نہیں حضور غوث پاک علیہ الرضوان کا فرمان ان لفظوں میں کہیں ثابت نہیں۔ صحیح مسئلہ اس طرح ہے کہ صرف قضاءِ معلق ٹل سکتی ہے اور وہ بھی بندہ نہیں ٹال سکتا ٹالتا رب تعالیٰ ہی ہے بندہ فقط دعا اور التجا کرتا ہے بہارِ شریعت کی یہ بات تو قصیدہ غوثیہ شریف کے بھی خلاف ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

وَلَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّیْ فَوْقَ مَیِّتٍ ۔۔۔ لَقَامَ بِقُدْرَۃِ الْمَوْلٰی تَعَالٰی

ترجمہ: اگر میں اپنا بھید مردے پر ڈالوں تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کھڑا ہو جائے یعنی میری قدرت سے نہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے زندہ کر کے کھڑا کرنے والا میں نہیں۔ اگلی حدیثِ مبارکہ میں بھی تقدیر ٹلنے کا ذکر دعا سے ہے۔ اور یَرُدُّ مَا اُبْرِمَ کا تعلق دعا سے ہے نہ کہ قضاء سے ہے بہار شریعت کا ترجمہ بھی غلط ہے کیونکہ [illegible] مشتق [illegible] ط اور پاکیزہ ازلغات کشوری ص۹۵

مقصدِ حدیثِ مبارکہ یہ ہے کہ جب دعا انتہائی پاکیزہ اور محکم ہو جائے تو رب تعالیٰ تقدیرِ معلق کو ٹال دیتا ہے اور پاکیزہ دعا مرف ولیِ کامل کی ہوتی ہے اور محکم دعا صرف مظلوم کی ہوتی ہے اس حدیث پاک کے الفاظ لَیَرُدُّ بتا رہے ہیں کہ اَبْرَم کا تعلق دعا سے ہے نہ کہ قضا سے کیونکہ قضا کا مفہوم یا معلق ہوتا ہے نہ درمیانی نہیں ہوتا بلکہ ایک دم ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے لیے بَعْدَمَا یا قَبْلَ مَا کا استعمال عبث ہے وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ غوث پاک کی شانِ ارفع کے لائق نہیں کہ تقدیرِ مبرم اور رب تعالیٰ کے امرِ مقضیًّا کے بارے یہ فرمائیں کہ اللہ کے اٹل فیصلے کو میں رد کر دیتا ہوں (معاذ اللہ تعالیٰ) رہا یہ کہ صاحب بہارِ شریعت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایسی مصنوعی بات فرما کر پھر مُبْرَم کی تقسیم کرنا کہ فرشتوں کے نزدیک مُبْرَم ہو یا حقیقی ہو۔ یہ تقسیم بھی کہیں ثابت نہیں اس لیے یہی کہنا صحیح ہے کہ بہارِ شریعت کی یہ بات سرے سے غلط ہے اور پھر وہ حضور غوث پاک جو قصیدہ غوثیہ لکھتے ہوئے اتنے محتاط ہیں کہ بار بار اپنی انا کو رب تعالیٰ کی قدرت وقوت اور سرکارِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے قدوم میمنت کے وسیلۂ عظمیٰ کی طرف پھیر رہے ہیں حالانکہ اس قصیدئہ پاک کے لکھنے کا حکم ان کو ربِّ جلیل کی طرف سے تقریباً سات مرتبہ الہاماً ومناماً ہوا تھا تب آپ نے لکھنے کی ہمت پائی تھی علاوہ ایسا بے باک جملہ کس طرح فرما سکتے ہیں بندہ اپنی مرضی سے تو تقدیرِ معلق بھی نہیں ٹال سکتا ہاں رب تعالیٰ خود ہی اپنے محبوب بندوں کی ناز نیازانہ دعاؤں سے تقدیرِ معلق کو ٹال دیتا ہے یہ اُس کا کرم اور بندوں کی محبوبیت ہے ہر ایک کی دعا کی یہ شان نہیں۔

دوسرا مسئلہ قانونِ شریعتِ اسلامیہ کے مطابق عورت پر صرف انسانی مردوں سے پردہ واجب ہے فرشتوں جنات یا دیگر مذکر حیوانات سے پردہ واجب نہیں یہ مسئلہ فَتَمَثَّلَ لَهَا (الخ) اور پہلی گذشتہ آیت فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا۔ سے مستنبط ہوا یعنی فرشتہ اگرچہ شکلِ انسانی میں ہو تب بھی پردہ ضروری نہیں یہی فقہ حنفی کا مسلک ہے۔ جنات کا حکم بھی یہی ہے دیکھو حیوانات مذکر بھی اور ننگے بھی پھرتے رہتے ہیں مگر کسی مسلمان عورت پر پردہ لازم نہیں ہوتا۔ ان سب کا حکم ایک ہے۔ **تیسرا مسئلہ**۔ زمانۂ ماضیہ کی خواہشِ موت کرنا جائز ہے مگر حال یا مستقبل یا مستقبل میں دعاءِ موت منع اور ناجائز ہے یہ مسئلہ يَا لَيْتَنِي مِتُّ (الخ) سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں **پہلا اعتراض** جب رب تعالیٰ کی طرف سے حضرت مریم کو پتہ لگ گیا تھا کہ یہ آنے والا مولود بچہ اللہ تعالیٰ کی بشارت ہے اور قدرتِ الٰہیہ کا اَمْرًا مَّقْضِيًّا۔ اٰيَةً لِّلنَّاسِ اور رَحْمَةً مِّنَّا ہے تو پھر حضرت مریم کو اتنی گھبراہٹ اور پریشانی کیوں تھی اور گھر کو چھوڑ کر ... نکل کر اپنی خالہ ہی کے پاس

آجاتیں تو اس سے کہیں زیادہ بہتر ہوتا۔ قوم کے پاس آنے کا موقعہ ہی نہ آتا نہ اس طرح کے طعنے اور زچگی کی
تکلیف اٹھانا پڑتی۔ **جواب** اگرچہ یہ بشارت مل چکی تھی اور آپ منشاءِ الٰہیہ کو جان چکی تھیں مگر یہ پتہ نہیں
تھا کہ ابھی سب کچھ ہو جائے گا۔ سنبھلنے مشورہ کرنے کا موقعہ ہی نہ ملے گا۔ ایسا سخت خطرناک واقعہ زندگی
میں پہلا موقعہ نا تجربہ کاری۔ جس کی ساری زندگی تنہائی و خلوت میں گزری جس نے کبھی کسی غیر عورت کی شکل
بھی نہ دیکھی ہو۔ کبھی خالہ سے کھل کر بات نہ کی ہو۔ عورت کے پاس عصمت وعفت ہی کا تو سرمایہ ہوتا
ہے وہ بھی بے گناہی میں لٹتا نظر آئے تو آخر اتنی جلد بازی میں کیا کرے گی اس وقت جو مریم پر گزر رہی
ہو گی وہ ایک پاک دامن خلوت نشین باعفت عورت ہی سمجھ سکتی ہے۔ آپ کو گھبراہٹ میں کچھ سمجھ
نہیں آرہا تھا کہ کیا کریں وہ تو خالہ سے بات کرتے بھی خوف زدہ تھیں کہ نہ معلوم خالہ کیا اثر لیں کیا کہیں نیز وہ خالو
کو اس میں ملوث نہ کرنا چاہتی تھیں کہ آج نہیں تو کل یہ بات کھلے گی تو قوم کے سامنے خالو کیا جواب دیں گے
اگرچہ وہ بچے کی طرف سے تو مطمئن تھیں مگر قوم کے رویے سے پریشان تھیں اس لیے دور نکل کھڑی ہوئیں
اور چلتی ہی چلی گئیں لیکن پریشانی بڑھتی ہی جاتی تھی۔ **دوسرا اعتراض**۔ موت کی تمنا گناہ ہے تو پھر حضرت
مریم نے يٰلَيْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا کیوں کہا۔ **جواب** موت کے لیے دعا کرنا گناہ ہے اور دعا زمانہ حال کے
لیے ہوتی یا مستقبل کے لیے۔ حضرت مریم کا یہ قول زمانۂ ماضی کے لیے تھا اور تمنا تھی نہ کہ دعا اور ان حالات
میں اپنی موت کی خواہش و تمنا بالکل جائز ہے۔ لہٰذا یہ اعتراض غلط ہے۔ **تیسرا اعتراض** حضرت عیسٰی
علیہ السلام کو اس طرح پیدا کرنے میں کیا حکمت تھی کہ ایک عورت باعفت وعصمت کو بے پردہ کر کے ساری
قوم کے سامنے بدنام اور تاقیامت رسوا کر دیا گیا۔ کیا اپنی قدرت طاقت و قوت کے اظہار کے لیے
کسی نیک بی بی کو بدنام کرنا مناسب ہے یہ بھی کوئی انصاف ہے (نیچری منکرین معجزات اور
قدرتی ولادتِ مسیح کے منکر لوگ) **جواب**۔ اولاً تو یہ ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ تمام انبیاء اولیاء
علیہم السلام اور ہم تم سب مخلوق بلا شرکتِ غیرے فقط اللہ تعالیٰ کی ہی مملوک و مخلوق ہیں اللہ تعالیٰ
جس طرح چاہے استعمال کرے کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں ہے دوم یہ کہ ولادتِ مسیح اور اس کے لیے
حضرت مریم کا انتخاب غیبی بے شمار حکمتوں کے علاوہ ظاہراً بھی بہت حکمتیں ہیں ایک یہ کہ زمانۂ عیسوی کے
لوگ بنی اسرائیل یہودی اپنی فنکاری صنعت کاری شعبدہ بازی اور علم طب میں بہت ماہر اور کاری گر تھے۔
جالی نوس۔ ارسطو افلاطون اسی دور کے طبیب گزرے ہیں اور ان کو اپنی اس علمی قابلیت پر بہت ناز تھا
اور ایسے نباض تھے کہ چہرے کو دیکھ کر پیٹ کی کھائی ہوئی خوراک کا کئی دفعہ صحیح اندازہ لگا لیتے تھے
یعنی تعداد خوراک کا وہ دقیق اندازہ کھانے کے فوراً [illegible] اس کو اپنے قیافہ سے

معلوم کر لیتے تھے ان کو اپنے فن پر غرور و تکبر اس حد تک بڑھا ہوا تھا سمجھتے تھے کہ ہم سے بڑھ کر کوئی نہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کے منکر تھے اور علانیہ کہتے کہ ہم اتنے بڑے فنکار ہو کر بھی اسباب کے محتاج ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی اسباب کے سہارے پر تخلیق فرماتا ہے مثلاً بادل برسے گا تو رب تعالیٰ کھیت وغیرہ اُگا سکتا ہے بیج پڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ پودا لگاتا ہے، خاوند بیوی کا ملاپ ہوتا ہے تب ہی رب تعالیٰ بچہ پیدا کر سکتا ہے، ان اسباب کے بغیر تخلیق ناممکن۔ ان کفریات میں بنی اسرائیل مبتلا ہو چکے تھے ان تمام بدعقیدگیوں اور کفریات کو توڑنے کے لیے کنواری پاک مریم کے بطنِ مقدس معصوم و عفت سے آناً فاناً چند لمحات میں ایک انسان کامل کو بشکلِ مسیح علیہ السلام تخلیق فرما دیا۔ اور اس شاہکارِ قدرت کو سمجھنے کے لیے رب کریم نے دو اور قدرتیں ظاہر فرمائیں ۱۔ نہر کی غیبی پانی سے روانگی ۲۔ پرانے کھائے ہوئے تنے کا درخت بنا شاخیں پتے پھول پھل لگنا اور دراز عرصہ تک باقی رہنا کہ سب دیکھیں۔

تفسیر صوفیانہ قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا. فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا. واردات ربانیہ نے فرمایا فطرتِ اللہ نے اسی طرح کا فیصلۂ قدیمیہ فرما دیا ہے کہ رب قدیم و عظیم پر یہ وارداتِ مخفیہ کا فیصلہ آسان ہے اور فرمانِ بشارت انسانانِ ناسوت کے لیے نشانِ عبرت ہے اور مردانِ لاہوت کے لیے رحمتِ ابدی ہے اور ہو چکا ہے عالمِ جبروت سے تقدیرِ مبرم کا امرِ ربی۔ تو فوراً قلبِ معصومہ قوتِ قربِ جمال سے بھرپور ہو گیا۔ اور اس قربِ جمال کے لقا و بقا کی وجہ سے کنارہ کش ہوا بیابانِ انفاس میں قلبِ صوفی محفلِ تنہائی میں مثلِ مریم زہد ہے اُس کا تصوف سراپا آداب کا مجموعہ ہے۔ اس میں ہر وقت کے لیے ایک ادب ہے اور حالات کی پریشانیاں تفکراتِ غم و اندوہ کا مجموعہ ہے ہر حال کا ایک مقام ہے اور ہر مقام کا ایک علیحدہ ادب ہے یہ آدابِ خلوت ازلِ حادث سے مقرر ہیں عارفین فرماتے ہیں کہ خلوتِ مریم کے چار مقامِ عرفانی ہیں پہلا مقام محرابِ رحمِ والدۂ روح دوسرا مقام حجرۂ بیت تربیت ہر بیاءِ روح تیسرا مقام مکانِ تذکیہ و طہارتِ شرقیہ کہ یہاں قلبِ مومن تذکیہ و طہارت حاصل کر کے حمل انوارِ الٰہیہ کے لائق بنتا ہے چوتھا مقام مکانِ قصیاً جو امتیازِ اعمالِ صالحہ کی تکمیل کے لیے ہے یہاں عبدیت کا درجہ حاصل ہوتا ہے اور عبدیت ہی کمالِ انسانیت ہے لہٰذا جس نے اوقات کے آداب کی پابندی کی وہ انسانوں کے درجہ تک پہنچ گیا۔ اور جس نے آداب کو ضائع کر دیا وہ مقامِ قرب سے دور ہٹا دیا گیا اور قبولیت کی توقع میں ناکام رہا۔ یہ اعمال و افکار تدبیر و ترجیبِ اخلاق و آداب ہی آیۃً للناس ہیں۔ ظاہری [illegible] مقدس ہے کہ جس کے

میں خشوع خضوع وعجز وانکساری نرمی وگرمی یعنی جمالی کی نرمی جلالی کی گرمی آفکار کی بنش ہو۔ اُس کے اعضاؤ جواہر پر بھی اسی کا اثر ہوگا۔ تو گویا باطنِ رَحۡمَةً مِّنَّا اور ظاہر انسانیت آیَةً لِّلنَّاسِ سے ہو۔ انسانیت کا دوسرا نام تصوف تیسرا نام تفکر۔ چوتھا نام تدبر ہے۔ پانچواں نام تحمل۔ تصوف مع خلاقِ تصوف کا خلاقِ اعلیٰ کو اختیار کرنا۔ پست اور گھٹیا عادات وخصائل سے بچنا پرہیز کرنا ہے۔ عارف کی تین کیفیات ہیں جن کو وارداتِ ظاہری کہا جاتا ہے۔ فقر زہد تصوف۔ تصوف کا درجہ بلند تر ہے۔ صوفی کا وجود قائم باللہ ہو جاتا ہے اپنے کو فنائیت حصولِ بقائیت ہے۔ جو منزلِ بقا پر پہنچ گیا وہ باقی باللہ بن گیا جس نے یہ قدم اٹھایا وہ اپنے کو کھو چکا۔ پھر اُسے کسی بھی چیز کی خواہش وطلب تنگ نہیں کرتی اور نہ کسی چیز کی حاجت وضرورت اور اُس کی نایابی اسے پریشان کرتی ہے۔ اس کو خلوت وتنہائی، صیام وصمات انتباہ واختلاع اُنس بخشتا ہے۔ فَاَجَآءَهَا الۡمَخَاضُ اِلٰى جِذۡعِ النَّخۡلَةِ قَالَتۡ يٰلَيۡتَنِىۡ مِتُّ قَبۡلَ هٰذَا وَكُنۡتُ نَسۡيًا مَّنۡسِيًّا۔ فَنَادٰٮهَا مِنۡ تَحۡتِهَاۤ اَلَّا تَحۡزَنِىۡ قَدۡ جَعَلَ رَبُّكِ تَحۡتَكِ سَرِيًّا۔ مریدِ حقیقت کو انتباذ من الخلق اس لیے بھی ضروری ہے کہ وہ منازلِ شریعت مدارجِ طریقت کو عبور کر کے مقصودِ اعلیٰ تک پہنچنے میں محتاج ہے مکانِ قصیا کا۔ ان منازلِ صدق وصفا کو پانے طے کرنے کے لیے قلبِ مومن میں دردِ الفت شدتِ کلفت پیدا کرائی جاتی ہے اسی لیے مرشد کامل کو گریبانِ طالبِ صادق میں عشقِ الٰہی روحِ ایمانی کا پھونک مارنی پڑتی ہے یہ پھونک سینۂ عشاق سے رحمِ مخفیۂ یزدانی میں دردِ جستجو پیدا کر دیتا ہے۔ وہی دردِ قلبی مریدِ صادق پیکرِ وفا کو کہاں کہاں لیے پھرتی ہے جستجوئے حبیب، یہاں تک کہ کلمۂ طیبہ کے جذعِ النخلہ کے سایۂ عاطفت میں لے آتا جس کی اصل وفرع ارضِ نفسانی میں قدیم وکہنہ ہو چکی ہے۔ کلمۂ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ تو ہر مومن کے بیابانِ ارضی میں فطرتِ ازلی سے قَالُوۡا بَلٰى کے آبِ تسنیم سے جلوہ گر رہتا ہے مگر موسمِ نفسانی کی خزاں سے اپنے پتے لذتِ قربِ جمالی کے پھل پھول کی عطا بند کر دیتا ہے۔ روحِ اعمال قلبِ افکار اپنے دردِ عشق غمِ فراق سے تڑپ کر پکار اُٹھتی ہے کہ ہائے کاش اس صدمۂ جدائی سے پہلے فنا کی موت سے مر جاتی۔ اور مقابرِ لاھوت فناءِ اذکار کے بیابان میں نَسۡيًا مَّنۡسِيًّا ہو جاتی مرید کی طلب اور مراد کی یہ اِنتفاتی مِتُّ قَبۡلَ هٰذَا کے نعرۂ غمگینی پر مجبور کر دیتی ہے شدتِ فراق سے مریمِ قلب پکارتا ہے کہ جسمانیت کی لذتوں کے حصول اور لذاتِ حقیقیہ کی محرومی سے آغوشِ فنا میں نَسۡيًا مَّنۡسِيًّا ہو جاتی کیونکہ شہرتِ دنیوی آفت ہے۔ اور مَنۡسِيًّا ءِ گمنامی راحت ہے۔ جب طالبِ شوق بیابانِ محرومی میں اس طرح تڑپتا پھڑکتا ہے تب آلاتِ قوتیہ کے تصرف سے زبانِ حال میں تجلیِ اِلَّا اللہ کی اصل سے الست کے تحت رشد ارشادی فرماتا ہے۔ کہ نہ گھبرا دیکھ اپنے

نیچے سینۂ انوار کی طرف تیر سے خالق جسد مُرّی اُبجد رب قدیر نے تیرے تصرفاتِ عملیہ کے ماتحت مدد کی تحت علوم معرفت کی لہر کا نوار ستعبر کمیسر لیا اور قمر انفکار جاری فرما دیا ہے یہی صوفیا کا راستہ ہے تصوف کی اصلیت یہ ہے کہ اس کو مولیٰ تعالیٰ کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے تصوف خودی کی فنا کا نام ہے جب تک بندہ خودی میں ہے وہ اپنے ارادوں کے جال میں جکڑا رہتا ہے اور خودی کی بلندی کا شوق وسوسۂ ابلیس ہے صوفی اور ابلیس آمنے سامنے کے مخالف دشمن ہیں جب تک بندہ اپنے وقت کے مطابق دفیقین کا کام جیت رہا ہے ابلیس پر غالب رہتا ہے لیکن جیسے خودی کا بندہ ہو گیا اور تصوف کا دشمن ہو گیا تب اس پر ابلیس غلبہ پا لیتا ہے نیا تنبیا کی پکار خودی کی موت ہے اور خودی کی موت ہی بقا باللہ ہے اس لیے کہ تصوف کی ابتدا علم ہے اس کا وسط و درمیان عمل ہے اور اس کا آخری انجام بخشش الٰہی ہے غرضیکہ تصوف تکلفات کو چھوڑ دینے اور ذاتِ صفاتی روحانی قربانی کا دوسرا نام ہے، کدورت کی بدوجہ سلوک کا نتیجہ ہے۔ واللہ اعلم

وَهُزِّيٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ

اور جھنجھوڑ تو (۱) اپنی طرف اس کھجور کے تنے کو جھڑیں گی تجھ پر

اور کھجور کی جڑ پکڑ کر اپنی طرف ہلا تجھ پر تازی پکی

رُطَبًا جَنِيًّا ﴿٢٥﴾ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا

پکی تازہ کھجوریں پھر تو کھا لینا اور پانی پی لینا اور آنکھ کی ٹھنڈک پا لے، پھر اگر

کھجوریں گر پڑیں گی تو کھا اور پی اور آنکھ ٹھنڈی رکھ پھر اگر تو

تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ

تو دیکھے لوگوں میں سے کسی واقف کو تو اشارۃً کہہ دینا کہ بے شک میں نے اللہ رحمن کے لیے

کسی آدمی کو دیکھے تو کہہ دینا میں نے رحمن کا روزہ مانا

لِلرَّحۡمٰنِ صَوۡمًا فَلَنۡ اُكَلِّمَ الۡيَوۡمَ اِنۡسِيًّا ﴿۲۶﴾ فَاَتَتۡ

منت مانی ہے ایک چپ کے روزے کی لہذا ہرگز بات نہ کروں گی میں آج کی ملاقاتی سے بھرلائی

ہے تو آج ہرگز کسی آدمی سے بات نہ کروں گی۔ تو اسے

بِهٖ قَوۡمَهَا تَحۡمِلُهٗ ؕ قَالُوۡا يٰمَرۡيَمُ لَقَدۡ جِئۡتِ

وہ اس بچہ کو اپنی برادری میں اٹھائے ہوئے تھی اس کو۔ بول پڑے سب اے مریم تو تو بہت سخت

گود میں لئے اپنی قوم کے پاس آئی۔ بولے اے مریم تو نے

شَيۡـًٔـا فَرِيًّا ﴿۲۷﴾ يٰۤاُخۡتَ هٰرُوۡنَ مَا كَانَ اَبُوۡكِ امۡرَاَ

کام کر لائی۔ اے ہارون کی بہن تیرا والد تو برے کام کرنے والا نہ تھا

بہت بری بات کی۔ اے ہارون کی بہن تیرا باپ برا آدمی نہ تھا

سَوۡءٍ وَّمَا كَانَتۡ اُمُّكِ بَغِيًّا ﴿۲۸﴾ ج صلے

اور نہ تھی تیری والدہ ہی بدکاری کی خواہش کرنیوالی

اور نہ تیری ماں بدکار

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیت میں حضرت مریم کے حاملہ ہونے کا ذکر ہوا اب ان آیت میں حمل کی ولادت کا ذکر ہے **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں حضرتِ مریم کے ایک خشک کھجور کے درخت کے پاس آنے کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں قدرتِ الٰہیہ اور کرامتِ مریم سے اس درخت کے سرسبز ہونے کا ذکر ہے **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں حضرتِ مریم کے آناً فاناً حاملہ اور پھل دار و سرسبز ہونے کی قدرتِ الٰہی کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں مدتوں کے خشک ٹنڈ منڈ درخت کے آناً فاناً سرسبز و پھل دار ہونے کا تذکرہ ہے۔

تفسیر نحوی وَهُزِّيۡۤ اِلَيۡكِ بِجِذۡعِ النَّخۡلَةِ تُسٰقِطۡ عَلَيۡكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۔ فَكُلِىۡ وَاشۡرَبِىۡ وَقَرِّىۡ عَيۡنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الۡبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوۡلِىۡۤ اِنِّىۡ نَذَرۡتُ

لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا۔ واؤ سے جملہ۔ هُزِّىْ فعل امر حاضر واحد مؤنث باب۔ نصر هَزٌّ مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے دراصل تھا اُهْزُزِىْ۔ دو حرف ایک جنس کے جمع ہوئے تو پہلی ز کو دوسری میں ادغام (مشدد) کردیا اور اس کا ضمہ ماقبل ف کلمہ ہ کو دیدیا۔ ہمزہ چونکہ صرف ساکن حرف سے پہلے آسکتی ہے جب ف کلمہ ساکن نہ رہا مضموم متحرک ہوگیا تو امر کی ہمزہ وصلی گرگئی۔ هُزِّىْ ہوگیا هَزٌّ کا معنیٰ ہے ہلنا ہلانا جھومنا۔ جھموانا جھنجھوڑنا۔ یا ہنڈی سالن کا آگ پر جوش مارتے ابلتے ہوئے کھدبدانا۔ یہ لازم بھی ہوتا ہے متعدی بھی۔ ہانڈی کے ابلنے کی ہلنے کی آواز کو هزہزہ کہتے ہیں قوالی میں حال ڈالنے کو هزهزة کہا جاتا ہے۔ اس میں ضمیر اَنْتِ پوشیدہ ہے مرجع ہے مریم۔ ترجمہ ہے جھنجھوڑ تو۔ ہلا تو۔ اِلَيْكِ۔ اپنی طرف بِ تعدیہ کی زائدہ ہے جِذْعِ اسم مفرد جامد اس کی جمع جذوع ہے بمعنی درخت کا تنا بغیر پتوں اور شاخوں کے یہ تب ہی ہوتا ہے کہ یا تو کوئی شخص سارے پتے جھاڑ دے یا درخت بہت زیادہ بوڑھا یا سخت پرانا ہوجائے یہاں تک کہ اندر سے کھوکھلا ہو جائے تب وہ جَذْعٌ بنتا ہے ہر درخت کے ایسے تنے کو جَذْعٌ کہتے ہیں یہاں یہی عمر رسیدہ تنا مراد ہے۔ اَلنَّخْلَةِ اسم معرف۔ یہاں الف لام نون میں مدغم ہوگیا۔ ترجمہ ہے وہ قریبی کھجور کا تنا ٹنڈ منڈ۔ خیال رہے ادغام ہمیشہ حروف صحاح میں ہوتا ہے اور عربی میں ادغام و تشدید۔ دو قسم کا ہے ۱ ادغام ہم جنسی۔ یہ تمام حروف میں ہو جاتا ہے جیسے اَتَّا۔ بَتَّا۔ اَبَّا۔ اَمَّا وغیرہ ۲ ادغام لامیہ یعنی معرفہ کا لام مابعد میں مدغم ہوکر غائب ہو جاتا ہے۔ وہ کل تیرہ حروف ہیں۔ تَ، ثَ۔ د۔ ذ، رَ، زَ۔ س، ش، ص، ض، ط، ظ۔ ن۔ اَلنَّخْلَةِ۔ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے هُزِّىْ کا تُسٰقِطْ باب مُفَاعَلَةٌ کا مضارع مستقبل واحد مؤنث غائب سَقْطٌ سے بنا ہے بمعنی اوپر سے نیچے گرنا۔ هِیَ ضمیر اس میں پوشیدہ اس کا فاعل ہے مرجع نَخْلَةٌ۔ ایک قول میں مرجع جِذْعِ مگر یہ غلط ہے عقلاً و ادراکاً بھی اور قانوناً بھی عَلٰى جارہ بمعنی عِنْدَ یعنی تیرے پاس یہ جار مجرور متعلق ہے تُسٰقِطْ کا۔ رُطَبًا۔ اسم مفرد ذکر۔ اس کی جمع ہے۔ اَرْطَابٌ اور رِطَابٌ۔ صفت مشبہ ہے بروزن فُعَلٌ کُبَرٌ، رطب سے مشتق اسی سے رطوبتٌ بمعنی تری۔ گیلا ہونا۔ شیرہ آجانا۔ اب یہ نام ہے مکمل پکی کھجور کا یہ موصوف ہے جَنِيًّا۔ صفت مشبہ بروزن فَعِيْلًا جَنْىٌ سے مشتق ہے بمعنی تازہ۔ صفت ہے یہ مرکب توصیفی حال ہے تُسٰقِطْ کے فاعل کا۔ تُسٰقِطْ فعل اپنے فاعل اور حال و متعلق سے مل کر سبب اور علت بیان ہوا هُزِّىْ کا۔ اسی لیے تُسٰقِطْ مضارع مجزوم ہے کیونکہ هُزِّىْ امر مجزوم کا عطفی اور سببی تابع ہے یعنی حکماً شرط و جزا ہیں۔ هُزِّىْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا۔ فَ تعقیبیہ بمعنی تب۔ تو۔ پھر۔ اب كُلِىْ فعل امر حاضر مؤنث۔ اَكْلٌ سے [illegible] مشتق [illegible] دراصل تھا اُؤْكُلِىْ بروزن

اُنْصُرِیْ۔ باب نَصَرَ۔ اس کی تعلیل دو قسم کی ہے ۱ قانونی قیاسی۔ وہ یہ کہ پہلی ہمزہ اُکُرِی کی دوسری اصلی دیاد رہے کی ۲
اس کو واؤ سے بدلا۔ اُوْکُلِیْ ہو گیا۔ مگر یہ تعلیل متروک ہے ۲ اوّل کی دونوں ہمزہ ثقیل تھیں لہٰذا خلاف قیاس
دونوں کو حذف کر دیا۔ کُلِیْ ہو گیا یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اِشْرَبِیْ۔ باب
ضَرَبَ کا۔ امر حاضر مؤنث فعل با فاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ قَرِّیْ۔ باب تفعیل کا امر
حاضر معروف ان تینوں افعال اَمر اِ کُلِیْ وَاشْرَبِیْ وَ قَرِّیْ۔ کا فاعل اَنْتِ ضمیر پوشیدہ ہے جس کا مرجع
مریم ہے۔ دراصل قَرِّرِیْ تھا بروزن صَرِّفِیْ۔ قَرٌّ سے بنا ہے اس کا مصدر ہے تقریر۔ بمعنی سکون پانا
یا لینا۔ خنکی پانا یعنی ھلکی ٹھنڈک پانا۔ ثبوت پانا۔ ثابت کرنا۔ یہاں پہلے معنیٰ ہیں ہے عَیْنًا اسم مفرد جنس
یعنی عام آنکھ ایک یا دو جسمی یا قلبی۔ مفعول بہ ہے قَرِّیْ کا۔ فعل فاعل مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ
ہو کر معطوف ہوا سب عطف مل کر جملہ فعلیہ عاطفہ ہو کر مکمل ہوا۔ فَ تعقیبیہ بمعنیٰ پھر۔ اِمَّا یہ دو لفظوں کا
مرکب ہے ۱ اِن شرطیہ بمعنیٰ اگر ۲ مَا موصولہ زائدہ۔ اب یہ سب ایک لفظ ہے ترجمہ ہے اگر، یا ترجمہ
دونوں کا ہے۔ اگر اُس وقت۔ تَرَیِنَّ۔ باب فتح کا فعل مضارع واحد مؤنث حاضر با نون ثقیلہ بلا لام تاکید
کیونکہ یہ شرطیہ جملہ ہے رَأٰی مہموز العین و ناقص یائی ہے۔ بمعنیٰ دیکھنا۔ یہاں مراد ہے ملاقات کرنا
دُمُدُ بھیٹر ہونا، تَرْئِیِیْنَ تھا۔ آخر میں نون ثقیلہ لگا تو دو ساکن جمع ہوئے دوسری یاء اصلیہ گر گئی۔ مِنَ
جارّہ تبعیضیہ الف لام جنسی بمعنیٰ کسی بھی۔ بَشَر بمعنیٰ انسان یہ جار مجرور متعلق ہے اَحَدًا۔ اسم مفرد عددی
بمعنیٰ ایک یا بمعنیٰ کسی نکرہ غیر معین ہے مفعول بہ ہے تَرَیِنَّ فعل با فاعل اپنے متعلق و مفعول بہ سے
مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوا ف جزائیہ قُوْلِیْ فعل امر حاضر معروف واحد مؤنث حاضر۔ اَنْتِ ضمیر اس میں پوشیدہ
اس کا فاعل فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ اِنِّیْ حرف مشبہ ی ضمیر واحد متکلم اس کا اسم نَذَرْتُ
باب نَصَرَ کا ماضی مطلق واحد متکلم۔ لِلرَّحْمٰنِ لام حرف جر ملکیت کا بمعنیٰ لیے یہ جار مجرور متعلق ہے صَوْمًا
اسم مفرد نکرہ بمعنیٰ روزہ مفعول بہ ہے۔ نَذَرْتُ فعل با فاعل اپنے متعلق اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ
ہو کر معطوف علیہ ہوا ف حرف عطف لَنْ اُکَلِّمَ۔ فعل مضارع نفی تاکید بلن واحد متکلم مؤنث اس کا مصدر
ہے تکلیم۔ بمعنیٰ بات کرنا۔ اَلْیَوْمَ۔ اسم مفرد ظرف زمانی بمعنیٰ آج یہ ظرف ہے اِنْسِیًّا۔ اسم مفرد نکرہ یہ تین
لفظ ہیں ۱ اِنس بمعنیٰ محبت اور واقفیت پہچان ۲ ی نسبت کی بمعنیٰ والا ۳ آخر میں الف تنکیری۔ سب
کا ترجمہ ہے واقف جان پہچان والا۔ یہ مفعول بہ ہے لَنْ اُکَلِّمَ فعل با فاعل اپنے ظرف و مفعول بہ سے مل کر
جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر عطف ہوا نَذَرْتُ پر دونوں مل کر خبر اِنَّ۔ وہ اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ
ہوا قول مقولہ مل کر جزا ہوا۔ اِمَّا تَرَیِنَّ کی شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا

تَحْمِلُهٗ قَالُوْا یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْـًٔا فَرِیًّا یٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِیًّا۔
فَ اتت بہ فاء ابتداءِ کلام کے لیے ہے اَتَتْ۔ باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق مؤنث اَتْیٌ سے مشتق ہے بمعنی آنا
لانا یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ بِ جارہ معیت کا یعنی ساتھ اُس کے۔ یا مفعولیت کا یعنی اُس کو
یہ جار مجرور متعلق ہے۔ ہ ضمیر بارز کا مرجع بچہ یعنی حضرت عیسیٰ قوم اسم مفرد جنسی معنا جمع ہے ھا
ضمیر کا مرجع مریم ترجمہ ہے اپنی قوم یہ مرکب اضافی مفعول فیہ ہے اَتَتْ کا فاعل ھی ضمیر پوشیدہ
ذوالحال تحمل باب ضرب کا مضارع بمعنی ماضی استمراری دراصل ہے کانت تحمل۔ ہ ضمیر کا مرجع بچہ
یعنی عیسیٰ علیہ السلام مفعول بہ۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر حال ہوا۔ ذوالحال حال مل کر فاعل ہے اَتَتْ کا سب سے مل کر
جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ قَالُوْا۔ فعل ماضی مطلق جمع مذکر غائب ہم پوشیدہ اس کا فاعل مراد ہے قوم والے
یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ قول ہوا۔ یا حرف ندا مریم منادیٰ لام ہے گے یعنی اَلْبتہ بے شک۔ قد جئت
فعل ماضی قریب واحد مؤنث حاضر اَنْتِ پوشیدہ ضمیر مخاطبہ اس کا فاعل جیئۃ سے مشتق اس کا مصدر
بمعنی آنا ہے کبھی لازم ہوتا ہے کبھی متعدی پہلی صورت میں ترجمہ ہے آنا دوسری میں لانا۔ یہاں متعدی
بمعنی فعل کے معنی میں بھی ہو جاتا ہے اعلیٰ حضرت نے یہی ترجمہ فرمایا شیئاً موصوف فریاً اسم صفت مشبہ
مبالغہ بمعنی بہت سخت شدید عجیب افسوس ناک یہاں آخری معنی ہیں ہے۔ فَرْیٌ یا فَرْدٌ یا فَرْوٌ سے
مشتق ہے لغوی ترجمہ کھال کھینچنا۔ حیرانی میں چہرے وغیرہ کی کھال کھنچ جاتی ہے اس لیے یہ لفظ
استعمال ہوتا ہے اچھے کام کے لیے استعمال ہوتا ہے اور برے کام کے لیے بھی یہاں برا کام
مراد ہے صفت ہے یہ مرکب توصیفی مفعول بہ ہے لقد جئت کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر منادیٰ کا
بیان۔ ندا منادیٰ اور بیان مل کر مقولہ اول۔ یا حرف ندا اُخْتَ اسم مفرد جامد مؤنث، بمعنی
بہن مضاف ھٰرُوْنَ اسم مفرد غیر منصرف کیونکہ عجمی اور عَلَم ہے۔ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی منادیٰ
ہے ما کان فعل ناقصہ منفی واحد مذکر غائب بمعنی ماضی بعید اَبُوْ۔ اسماءِ ستہ میں سے ایک اسم مکبرہ
اَبُوْکِ ترجمہ ہے تیرا باپ یہ مرکب اضافی اسم ہے ما کان کا۔ اِمْرَاً یعنی مرد اس کی مؤنث ہے
اِمْرَأَۃٌ پوشیدہ۔ عربی کا واحد اسم ہے جس کا اعراب بیک وقت حرکت و حرف دونوں سے ہوتا
ہے مثلاً بحالت فتحہ زبر بھی اور الف بھی بحالت ضمہ پیش بھی اور واؤ بھی وغیرہ وغیرہ سوءٍ اسم مفرد
جامد حاصل مصدر بمعنی برائی کرنے والا۔ یہ مرکب اضافی خبر ہے۔ ما کان اپنے اسم خبر سے مل کر
جملہ فعلیہ ناقصہ منفیہ ہو کر معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ ما کانت۔ فعل ناقصہ منفی واحد مؤنث غائب اُمُّکِ
یعنی تیری ماں یہ اسم ہے ما کانت کا بغیاً [illegible] سے مشتق ہے۔ لغوی ترجمہ ہے

حد سے بڑھنا۔ بڑھنے والا خواہ اس بڑھنے کو صحیح سمجھتا ہو یا غلط۔ اس کو بغاوت کہتے ہیں یہاں مراد ہے بدکاری۔ یا بدکاری کی خواہش۔ یہ خبر ہے۔ مَا كَانَتْ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ منفیہ ہو کر معطوف ہوا مَا كَانَ پر دونوں مل کر بیانِ ندا ہوا۔ يَا اُخْتَ کا۔ ندا اپنے منادی اور بیان سے مل کر جملہ ندائیہ ہو کر مقولۂ دوم ہوا۔ قَالُوا کا۔ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا اور مکمل ہوا۔

تفسیر عالمانہ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا

اور اسے ذرا سا ہلا جھنجھوڑ اس کھجور کے ٹُنڈ کو جس پر اس وقت بجز خشکی خستگی پرانی کھائی ہوئی لکڑی کے کچھ نظر نہیں آ رہا ہے ایک تنا کھڑا ہے جو عمر رسیدہ ہے اپنی طرف جھاڑ۔ بعض نے کہا کہ هُزِّيْ کا معنیٰ ہے ہاتھ لگا مگر یہ غلط ہے کہ ہاتھ لگانے میں اِلَيْكِ نہ ہوتا۔ یہ ندائیہ کلام جبرئیل علیہ السلام کا تھا جو آپ نے مِنْ تَحْتِهَا۔ مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نچلی سطح نہر کے کنارے ظاہر ہو کر فرمایا ایک قول ہے کہ حضرت عیسٰی نے پیٹ کے اندر سے بات کی یہ غلط ہے کیونکہ حدیث پاک میں ہے کہ حضرت عیسٰی نے بچپن میں صرف ایک دفعہ ہی قوم کے سامنے کلام فرمایا نہ پہلے نہ بعد۔ یہ حضرت مریم کے ہاتھ کی کرامت کہ لگتے ہی وہ تنا زندہ درخت بنا اس میں شاخیں نکلیں پتے پھوٹے کلیاں پھول پھل بن کر تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا۔ اسی وقت تازہ مکمل پختہ اور بہترین میٹھی کھجوریں ایک گچھے کی شکل میں ٹوٹ کر ایک قریبی پتھر پر یا آپ کی جھولی میں گر پڑیں۔ دردِ زہ کی حالت میں عورت کو چلنا اور معمولی محنت کرنا زچگی کے لیے بہت مفید ہوتا ہے اس لیے اس حالت میں یہ دونوں کام آپ سے کرائے گئے چھ یا آٹھ یا نو میل کا سفر اور کچھ دیر آرام سے بیٹھنے کے بعد هُزِّيْ کا تھوڑا سا عمل اے مریم اب ان کھجوروں کو کھاؤ جس سے سارے دن کی بھوک بھی ختم ہو گی اور اس کی غذائیت سے قوت آئیگی اور نہر کا ٹھنڈا عمدہ پانی بھی پیو۔ روایت ہے کہ آپ نے گیارہ کھجوریں کھائیں اور پانچ گھونٹ خود نیچے چند قدم جا کر پانی پیا تو جن لوگوں نے سَرِيًّا کا ترجمہ عظیم شخصیت کیا اور مراد عیسٰی علیہ السلام لیا وہ لوگ وَاشْرَبِيْ کا پانی کہاں سے لائیں گے یہ معنیٰ اچھا نہ ہے اس کھانے پینے کی برکت و رحمت و قوتِ غذائیہ سے قَرِّيْ عَيْنًا اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کر اس طرح کہ دردِ زہ سے سکون یا برداشت کی قوت دل میں قدرتی فرحت و خوشی اور نومولود بچہ کے تصور سے اندرونی مشفقانہ ماں متانہ لذت محبت خوشی کے آنسو بھی ٹھنڈے ہوتے ہیں جب کہ غم کے آنسو گرم دن اتوار کا تھا بعد زوالِ آفتاب اس دن سے ٹھیک تینتیس سال بعد جمعہ کے دن حضرت عیسٰی علیہ السلام کو بوقت عصر آسمان پر اٹھایا

گیا۔ توریت اور انجیل کی آمد میں تقریباً سترہ سو سال کا فاصلۂ زمانی ہے اس مقام سے تین میل پر بیت اللحم کا علاقہ ہے جو بیت المقدس سے تقریباً دس یا بارہ میل ہے حضرت مسیح صورتاً و جسماً کامل بشر و انسان ہیں سیرتاً و باطناً کامل فرشتہ ہیں حیاتِ عیسوی تین حصوں میں منقسم ہے (۱) پہلی زمینی کہ بعد ولادت والدہ کی موجودگی کی زندگی شیر خوارگی سے جوانی تک دوسری آسمانی تقریباً ڈیڑھ ہزار سالہ زندگی پھر واپسی پر زمینی کی تقریباً تیس (۳۰) سالہ زندگی اس طرح آپ کی زمینی ساٹھ سالہ زندگی ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ۔ پہلی زمینی زندگی میں توریت و انجیل کے عالم عامل مبلغ تھے بعد کی زندگی میں قرآنِ مجید احادیث پاک کے عالم، عامل و مبلغ ہوں گے۔ بیت المقدس کے شہر کو اس وقت ایلیا کہتے تھے اب اس کا نام یروشلم ہے اس جگہ سے چھ یا آٹھ میل دور مریم بوقتِ اشراق اپنے خالو زکریا کے گھر سے چلیں راستے میں کوئی شخص نہ ملا ویران راستہ تھا۔ ایک روایت ہے کہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج یہاں کچھ دیر قیام فرمایا اور دو نفل ادا فرمائے فَاِمَّا تَرَیِنَّ۔ پھر اے مریم جب تم اس بچہ کو گود میں لے کر گھر واپس جاؤ گی تو راستے میں اگر کسی شخص کو دیکھو جو تم سے اس بچہ کے بارے میں سوال کرے تو تم اشارے سے کہہ دینا کہ آج میں اپنے اللہ رحمٰن و رحیم کے لیے روزے کی منت پوری کر رہی ہوں اس لیے میں آج کوئی انسانی کلام نہیں کر سکتی اور یہ روزہ تمہارا ابھی سے شروع ہو جانا چاہیئے حضرت مریم جب واپس چلیں تو صبح سحر کا وقت تھا اس شریعت میں ہر روزہ کھانے پینے کی ممانعت کے ساتھ ساتھ خاموشی کا ہوتا تھا روزے دار نہ کھا سکتا نہ پی سکتا تھا اور نہ انسانی آپس کی بات کلام کر سکتا صرف ذکر اللہ تلاوت وغیرہ کر سکتا تھا۔ پہلی شریعتوں میں چار قسم کے متفق روزے ہوتے تھے (۱) صوم طعام یہ شرعی فرض سالانہ روزہ تھا کہ صبح سے شام تک کھانا پینا صحبت بند (۲) خاموشی کا روزہ یہ نفلی عبادت کی شکل تھا کہ جب چاہا رکھ لیا مگر صبح سے شام تک ہی ہوتا تھا (۳) صوم سفر یا سیر اس میں صبح سے شام تک خلوت و اعتکاف میں بیٹھنا پڑتا تھا جیسے آج کل مسجدوں کا اعتکاف اب ہماری اسلامی شریعت میں صرف کھانے پینے صحبت کا روزہ جائز ہے خواہ فرض خواہ واجب نفلی، حضرت مریم نے صرف کلام کا روزہ رکھا تھا اور صرف کہنے کے وقت کا نہیں بلکہ صبح سے شروع کر دیا تھا فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ قَالُوْا یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْـًٔا فَرِیًّا یٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِیًّا۔ قیام حمل سے تین چار گھنٹے بعد ولادتِ باسعادت ہوئی تب ایک آدھی شب قیام کے بعد واپس لوٹیں اور اپنے بچہ شیر خوار کو لیئے اپنے گھر کی طرف پلٹیں اُدھر ابلیس نے شیخ نجدی [illegible] سب قوم بوڑھے جوان

عورت و مرد غم و غصے میں صبح تڑکے نکل کھڑے ہوئے اور حضرت مریم وگود کے بچے کو دیکھتے
ہی شور مچا دیا۔ یَامَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْئًا فَرِیًّا ۔ اے مریم تو نے بہت ہی افسوسناک کام کیا
تو نے اپنے مدح خوانوں اور تیری پاکدامنی کے گن گانے والوں کو غم میں مبتلا کر دیا تو نے عجیب و
ذلیل حرکت کی جس نے پوری قوم کو ذلیل کر دیا۔ اے مریم تو تو ہارون علیہ السلام کے باعزت قبیلے
کی فرد ہے۔ اور تیرا اپنا سگا بھائی ہارون بھی عابد و زاہد ولی اللہ مشہور ہے کم از کم اس کی ہی لاج
رکھتی بعض نے کہا اس علاقہ میں ایک بہت ہی پلید شیطان صفت بدمعاش آدمی ہارون نامی تھا
یہ نسبت اس کی طرف بطور گالی بولا گیا جیسے کہا جاتا ہے اور چور کی بچی۔ شیطان کی خالہ یعنی او ہارون
جیسے بدمعاش شخص کی بہن مگر یہ غلط ہے پہلا اور دوسرا قول درست ہے۔ ارے تیرا باپ عمران تو
برا آدمی نہ تھا اور نہ تیری ماں حنہ بدکارہ تھی ان دونوں کی پاکدامنی اور عزت و عفت کی لوگ قسمیں
کھاتے ہیں کیا تجھ میں ان کا ذرا بھی اثر نہ آیا غرضکہ بھرے مجمع میں ہزار ہا قسم کی گالی گلوچ طعن اور
تشنیع ہو رہی ہے ایک بدبخت عورت نے مارنے کے لیے پتھر اٹھایا اس کا ہاتھ سوکھ گیا اور گر کر
تڑپنے لگی ایک بابا جی نے لکڑی سے مارنے کی کوشش کی تو اس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی اور وہیں
ہلاک ہوا ان باتوں کو دیکھ دیکھ کر بھی بدنصیب قوم کو ہوش نہ آیا حالانکہ یہ لوگ کہیں زیادہ بدمعاش
و بدکار و بدطینت اور کافر و ظالم تھے لیکن آج سب سے بڑی عزت کا لبادہ سنبھالے آ جمع ہوئے
یہ سب کام ان ہی ایک دن رات میں ہوا بعض نے کہا ہے کہ چالیس دن بعد ایام نفاس گزار کر آپ بچے
کو لے کر قوم کے پاس آئیں مگر یہ غلط ہے تین وجہ سے پہلی یہ کہ آپ کو نفاس آیا ہی نہیں نفاس
آتا ہے نطفے کی ولادت سے یہاں تو نطفہ ہے ہی نہیں دوم یہ کہ اتنے عرصہ بیابان جنگل میں گزارنا
مشکل ہوتا ہے جب کہ تنہائی بھی ہو۔ سوم یہ کہ پھر تو قوم میں مریم کی تلاش شروع ہو جاتی کہ اچانک
کہاں غائب ہو گئی گھر والے بھی پریشان ہو جاتے۔ ان آیت میں مفسرین کے مختلف اقوال قالوا
باہر والے لوگوں نے کہا یہ ہی قول درست ہے دوم یہ سب طعنے گھر والوں نے دئے یہ غلط قول
ہے اس لیے کہ گھر میں دو ہی فرد تھے خالو زکریا جو نبی تھے اور ہر حال سے باخبر تھے دوسری آپ کی
خالہ ایشا ان پر خود بشارت الٰہی کا دور گزر چکا ہے اس لیے وہ بھی اس قدرت الٰہی سے واقف
ہیں۔ اُخْتَ هٰرُوْنَ میں پانچ قول ایک یہ کہ ہارون علیہ السلام مراد ہیں اور اُخت سے مراد قبیلے
کا فرد دوم یہ کہ مریم کا سگا بھائی ہارون تھا بہت نیک ولی اللہ مگر یہ غلط ہے کیونکہ مریم اکلوتی اولاد
تھی سوم یہ کہ اس زمانے میں ایک بہت نیک [illegible] ہارون نامی تھا مریم کی ساری اب تک کی زندگی اسی

کی طرح عبادت میں گزری تھی اور اس نسبت سے ان کو اختِ ھرون کا لقب ملا ہوا تھا تفاسیر میں ہے کہ جس دن یہ ھرون فوت ہوا تو اس کے جنازے میں چالیس ہزار اولیاءُ اللہِ بنی اسرائیل تھے چہارم۔ یہ کہ اس زمانے میں ایک بدکار آدمی تھا جس کا نام ہارون تھا وہ بدمعاشی بے غیرتی میں مشہور تھا مگر پہلا قول درست لگتا ہے واللہُ اَعلَم اس چوتھے قول میں یٰاُختَ ھرون کا فقرہ بطور طعنہ یا گالی بولا گیا۔ جیسے قرآنِ مجید میں فرمایا گیا اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ۔ فضول خرچ لوگ شیطانوں کے بھائی ہیں۔ [illegible] کے وقت حضرت عیسٰی کی عمر ایک دن کی تھی۔ بعض نے کہا چالیس دن مگر یہ غلط ہے پہلا قول درست ہے۔

فائدے اِن آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں **پہلا فائدہ**۔ علما فضلا عقلا شرفا کو یہ مناسب نہیں کہ کسی بات یا کسی شرعی قانونی بات میں جہلا حمقا سفہا بطلا لوگوں سے بحث مباحثہ مناظرہ یا مکالمہ کریں بیہودہ لوگوں سے کسی بھی مسئلے میں نہ اُلجھنا چاہیے کیونکہ اس میں توہینِ علما کے علاوہ توہینِ علم بھی ہے یہ فائدہ قرآن وحدیث کی دیگر آیت وروایت کے علاوہ فَقُوْلِیْٓ اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ (الخ) سے بھی حاصل ہوا کہ قوم کے بیہودہ بدطینت لوگوں کی گفتگو کا جواب دینے سے حضرت مریم کو منع فرما دیا گیا اور اُس کے لیئے خاموشی کا روزہ رکھوا دیا گیا۔ **دوسرا فائدہ** خاموشی تکلم سے بہتر ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے مَنْ صَمَتَ نَجٰی۔ جو چپ رہا وہ نجات پا گیا یہاں تک کہ خاموشی کا ذکر اللہ بھی ذکرِ الفاظی سے درجوں بہتر ہے۔ اولیاءُ اللہ کی زبانِ اصطلاحی میں خاموشی کے ذکرُ اللہ کو پاسِ انفاس کہتے ہیں یہ خواص ومحبوبین کا ذکر ہے اسی سے قلب کو جلا ملتی ہے یہ فائدہ بھی لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا اور فَلَنْ اُکَلِّمَ الْیَوْمَ اِنْسِیًّا۔ سے حاصل ہوا۔ خاص کر دنیوی گفتگو اور فضول مناظروں سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔ **تیسرا فائدہ** انسان کو چاہیے کہ کسی چیز کو برا کہنے اور طعنہ دینے ملعون کرنے سے پہلے اُس کی تحقیق وتفتیش اور چھان بین کر لینی چاہیے اور بات اور کام کی حقانیت وبطلان کی تہہ تک پہنچنا چاہیے اور اُس کے نشانات ومشاہدات پر غور وتدبر کر لینا چاہیے پھر زبان کھولنا چاہیے۔ بغیر تحقیق وتفتیش کسی چیز کو برا کہنا تہمت ہے اور اسلام میں تہمت لگانے کی سخت سزا ہے۔ یہ فائدہ قَالُوْا یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْئًا فَرِیًّا (الخ) کے ارشادِ ربانی سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان بدبخت لوگوں کی برائی فرمائی کیونکہ ان بے عقلوں نے اتنی کثیر علاماتِ صداقت وپاک دامنی دیکھ کر بھی مریم کی پاک دامنی اور عیسٰی علیہ السلام کی سچائی تسلیم نہ کی خیال رہے کہ حضرت مریم [illegible] کی از ابتدا تا ایندم

چھ نشانیاں قوم کے خواص و عوام کے سامنے ظاہر ہوئیں۔ مگر بدبختوں نے توجہ نہ دی۔ ۱ مریم کی باپردہ خلوت کی پوری زندگی ایسے حجرے میں جہاں کسی کا سایہ تک نہ پڑے بجز خالو حضرت زکریا اور وہ کبر عتیا سخت ترین بوڑھے ۲ حیض آنا اور ایام حیض گزارنے کے لیے قریبی خالہ کے گھر حسب سابق منتقل ہونا حیض مانع حمل ہے علامت ہے حمل نہ ہونے کی ۳ صدیوں کی خشک نہر کا بغیر موسم جاری و ساری ہونا قدرتی طور پر نشانی ہے قدرتی حمل کی ۴ عرصہ سے کھجور کے سوکھے مردہ جزع کا آناً فاناً زندہ ہو کر ہرا بھرا شاخوں پتوں والا ہو کر پھلوں سے لد کر پکی کھجوریں پھینکنا۔ درخت میں قدرت کے تین کام ہوئے اول ہرا ہوا دوم بھرا ہوا سوم پھل پیدا ہوئے۔ یہی تین قدرتیں مریم کے ساتھ ہوئیں اولاً حمل ہوا دوم مکمل ہوا سوم ولادت ہوئی ۵ ایک عورت نے پتھر مارنے کی کوشش کی تو وہ خود تڑپ کر مرگئی ۶ ایک بوڑھے نے لاٹھی مارنے کی کوشش کی تو وہ خود ریڑھ کی ہڈی ٹڑوا بیٹھا پہلی چار نشانیاں خواص اور راہ گزروں نے آتے جاتے دیکھیں یہ دو نشانیاں سب موجودہ لوگوں نے دیکھیں عوام خواص سب ہی یہاں موجود تھے مگر قدرت الٰہی کو کوئی نہ سمجھ سکا جان بوجھ کر اندھے بن گئے۔

احکام القرآن ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ افضل اور بڑے بزرگ کے ہوتے ہوئے چھوٹی شخصیت اور فضول کو کسی سے بات کلام یا جوابات دینا جائز نہیں۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام مقام و مرتبے میں حضرت مریم سے اعلیٰ اکمل و افضل تھے اور آپ کا کلام حضرت مریم کے کلام سے بہتر و مضبوط و مدلل تھا۔ اس لیے حضرت مریم کو کلام و جواب سے روک دیا گیا یہ مسئلہ اِنِّیْ نَذَرْتُ۔ سے مستنبط ہوا۔ دوسرا مسئلہ جس طرح رب تعالیٰ نے ان آیات میں اُن تمام لوگوں کو بدترین گمراہ اور بے دین قرار دیا جن لوگوں نے حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بدکارہ کہا اور حضرت عیسٰی کو غلط اولاد سمجھا۔ باوجود اتنے معجزے و قدرتیں دیکھنے کے اسی طرح فی زمانہ وہ لوگ بھی بدترین گمراہ اور بے دین ہیں جو مسلمان ہونے کے باوجود حضرت عیسٰی علیہ السلام کی ولادت کو قدرتی اور آیۃً لِّلنَّاس نہیں مانتے بلکہ نامعلوم شخص کو حضرت مریم کا خاوند اور عیسٰی علیہ السلام کا والد کہتے پھرتے ہیں اور کسی نے عیسائیوں کی دیکھا دیکھی یوسف نجار کو مریم کا خاوند اور عیسٰی کا والد کہنا شروع کر دیا۔ جب کہ خود عیسائی بھی یوسف نجار کو مریم کا صرف منگیتر کہتے ہیں خاوند وہ بھی نہیں مانتے اور بن والد ہی مسیح کی ولادت کے قائل ہیں بہر کیف یہ سب باتیں و عقیدے باطل و گمراہ ہیں تیسرا مسئلہ ہمارے بعض مفسرین نے حضرت مریم کے متعلق لکھا ہے کہ ان کی نبوت میں اختلاف ہے اور اس بنا پر کہتے ہیں کہ مریم کو مریم علیہا السلام کہنا چاہیے اس لیے کہ جن کی نبوت میں اختلاف ہوا کہ

علیہ السّلام کہنا جائز ہے اور اُس اختلافی نبوت کی فہرست میں حضرت مریم رضی کا بھی ذکر کرتے ہیں مگر یہ سب غلط ہے نہ حضرت مریم معاذ اللہ نبی ہیں نہ آپ کی نبوت میں کسی کا اختلاف۔ اور یہ قاعدہ بھی غلط ہے کہ جس کی نبوت میں اختلاف ہو اُس کو علیہ السّلام کہنا جائز۔ بلکہ صحیح شرعی بغیر اختلافی مسئلہ یہ ہے کہ لفظِ عَلَیْہِ السَّلَام کا دعائیہ لقب صرف معصومین کے ساتھ مخصوص ہے کسی اور دیگر شخص ولی صحابی تابعی تبع تابعی یا امام اور کسی اہلِ بیت مثلاً اصل اہل بیت ازواجِ مطہرات اُمہات المومنین اور فرع اہلِ بیت فاطمۃُ الزہرا، امام حسن، حسین مولا علی مشکل کشا یا کسی بعد والے اَئمّہ دوازدہ میں سے۔ علیہ السّلام یا علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کہنا ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ یہ شیعہ رافضیوں کی مذہبی نشانی ہے لہٰذا اہلِ سنت خواص وعوام کو بچنا چاہیئے اور جو اہلِ سنت بن کر کسی اہلِ بیت کو علیہ السّلام کہتا ہے یا لکھتا ہے وہ بدترین گمراہ ہے یا دس پردہ شیعہ رافضی ہے اور دھوکے بازی کرتا ہے۔ یہاں ایسے شرعی اَلقابات میں لغت کام نہیں دیتا یہاں اِصطلاح پر قانون نافذ ہوتا ہے۔ دیکھو لفظِ اِصطفیٰ قرآن مجید میں آدم۔ نوح۔ ابراہیم علیہ السّلام اور آلِ عمران سب کے لیے ارشاد ہوا مگر اسی فعل کا اسم مفعول مصطفیٰ صرف آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ السّلام کا اسم صفاتی ہے کسی اور کو مصطفیٰ نام دینا اُس آیت قرآنی کی بنا پر جائز نہیں۔ اسی طرح لفظِ رسول تعالیٰ یعنی لفظِ جَلَّ جَلَالُہٗ اگرچہ ترجمۂ لغوی کے اعتبار سے ہر ایک کے لیے درست مگر اصطلاحی قانون کے لحاظ سے انبیاءِ کرام کے لیے نبی رسول مختص کسی اور کے واسطے نہیں جَلَّ جَلَالُہٗ اللہ تعالیٰ سے خاص کسی اور کو جائز نہیں قرآنِ مجید میں ہے ھُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ یہ سب کے لیے ہے مگر صلی اللہ علیہ وسلم بجز آقاءِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کے لیے رواجاً مستعمل نہیں ہوتا سب سے بڑی اصطلاح تو لفظِ مرحوم کی مشہور ہے لفظاً اگرچہ اس کا ترجمہ رحم کیا ہوا ہے اور ہر شخص رحمت کا طالب مگر کسی زندہ کو مرحوم کہہ کر تو دیکھو اسی طرح السّلام علیکم سب کے لیے مگر علیہ السلام مخصوص ہے انبیاء و ملائکہ کے لیے نیز علیہ السّلام کا ثبوت نہ قرآنِ پاک میں نہ احادیث میں اور سب کے لیے قرآنِ مجید میں تقریباً پانچ آیات میں رضی اللہ عنہ ارشاد ہوا ہے۔ اس لیے حضرت مریم سے لے کر امام حسن و حسین تک سب کو رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کہا جائے۔ علیہم السّلام کہنا ناجائز ہے یہ مسئلہ حضرت مریم کے آلِ عمران ہونے اور حضرت مریم کو بات کرنے سے روک کر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام سے کلام کروا لینے کی وجہ سے مستنبط ہوا کہ اگر مریم بھی بقول شخصے نبی ہوتیں تو آپ کا کلام بھی کلام مسیح کی طرح ہوتا اور آپ کو چپ کا روزہ نہ رکھوایا جاتا۔ واللہ اَعْلَم۔

اعتراضات یہاں ... حضرت مریم نے کہا۔ اِنِّی

نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا۔ (الخ) یہ کہنا بھی تو کلامِ انسانی ہے اور انسانوں سے بات کرنا ہے تو یا تو روزہ اسی وقت ٹوٹ گیا اور یا پھر شروع سے درست ہی نہ ہوا اور دونوں صورتوں میں آپ کلام سے مانع کوئی چیز نہ رہی جواب یہ اعتراض قطعاً ناسمجھی کی بنا پر ہے اور جن لوگوں نے اِدھر اُدھر سے کچھ جواب دئے وہ بھی سب غلط ہیں کسی نے جواب دیا کہ یہاں مجازی کلام مراد ہے یعنی اشاروں سے جیسے حضرت زکریا علیہ السلام کا اَوْحٰی اِلَیْھِمْ۔ اِلَّا رَمْزًا یعنی ہاتھ کے اشارے کے معنی میں ہے ایسے ہی یہاں بھی قُوْلِیْ کا معنی اشارہ کرنا کسی نے جواب دیا کہ یہ کلامِ اصطلاحی نہیں بلکہ کلامِ آگاہی مراد ہے یعنی کسی بھی طریقے سے اپنے روزے کی اطلاع و خبر کر دینا کسی نے جواب دیا کہ روزۂ خاموشی اس بتانے کے بعد شروع ہوا اور یہ کلام انشاءِ روزہ ہے نہ کہ درمیانِ نذر۔ اور اِنْسِیًّا سے مراد صرف انسانوں سے بات چیت کرنا ہے۔ ذکرِ الٰہی یا فرشتوں سے گفتگو اس میں شامل نہیں نہ اس سے روزہ ٹوٹے یہ چند جواب دئے گئے مگر سب سے بہتر جواب یہ ہے کہ حضرت مریم نے کوئی کلام کیا ہی نہیں نہ فرشتے سے نہ قوم سے یہ قُوْلِیْ فرمانا تو حضرتِ مریم کو مشورہ دیا جا رہا ہے کہ تم ایسا کہہ دینا کسی انداز اور کس طریقے سے کہنا تو وہ قوم کے پاس پہنچ کر خود ہی اختیار فرمایا کہ بولنے اور بتانے کی کچھ ضرورت ہی پیش نہ آئی جیسا کہ اگلی آیت فَاَشَارَتْ اِلَیْہِ کا جملہ بتا رہا ہے اگر معترض فَاَشَارَتْ پر غور کر لیتا تو اعتراض کی نوبت ہی نہ آتی۔ دوسرا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ کہ تذکرہ میں سَرِیًّا یعنی پانی کا ذکر پہلے اور ھُزِّیْ۔ یعنی کھجور کا ذکر بعد میں اور استعمال کرتے وقت کُلِیْ یعنی کھجور کھانے کا ذکر پہلے اور وَاشْرَبِیْ۔ یعنی پانی پینے کا ذکر بعد میں۔ جواب۔ چند وجوہ سے۔ ایک وجہ یہ کہ طبی اور نفسیاتی قوانین کے مطابق پریشانی اور غم و اندوہ میں ٹھنڈی چیز کا ذکر سکون بخشتا ہے یہ گویا فنی و نفسیاتی علاج ہوا مگر عرف و رواج میں کھانا پہلے کھایا جاتا ہے پانی بعد میں کھانے کو نگلنے مخلوط اور نرم کرنے کے لیے۔ دوسری وجہ یہ کہ بحالتِ زچگی بوقتِ درد و تکلیف کھجور کھانا پہلے بہت ضروری ہے اور کھجور کو گلول بنا کر حلق سے نیچے اتارنے کے لیے پانی فوراً بعد میں نہایت ضروری۔ سوم وجہ یہ کہ دیگر اشیاء جانے میں پانی پہلے ہوتا ہے مگر غذا لیتے وقت پانی بعد میں ہوتا ہے اس لیے تذکرے میں پانی کا ذکر پہلے کھاتے وقت کھجور کا تذکرہ پہلے۔ یہ دونوں سَرِیًّا اور ھُزِّیْ یا معجزۂ زکریا تھا یا کرامتِ مریم یا اِرہاصِ عیسیٰ علیہم السلام۔ کھانے پینے سے قوتِ قلبیہ ہے اور قلبی قوت سے قوتِ نظر اس لیے بعد میں قَرِّیْ عَیْنًا فرمایا گیا۔ آج کل پاکستان میں پیٹ کے اور گیس کے علاج کے لیے ایک اشتہار بڑے زور شور سے چھپتا ہے کہ پانی پہلے پیو جس کی حدیث

شریعت کا بھی حوالہ دیا جاتا ہے اور لقمان حکیم کا بھی واللہ اعلم یہ دونوں حوالے صحیح ہیں یا نہیں اور اس طرح مریض کو فائدہ ہوتا ہے یا نہیں مگر قرآن کریم کی اس آیت اور دیگر تمام آیت کے خلاف ہے رب تعالیٰ نے ہر جگہ گلو اپہلے ہی فرمایا ہے۔ اور حدیث آج تک میری نظر سے نہیں گزری نہ اشتہار میں ہی نشاندہی کی گئی۔

تیسرا اعتراض۔ حضرت مریم کو کھجوروں کا کھانا کیوں کھلایا گیا۔ کچھ اور کھلا دیا جاتا یا غیبی دستر خوان یا من وسلویٰ نازل ہو جاتا۔ یا کوئی جنگلی پھل حضرت جبریل لے آتے یا جس طرح مشہور ہے کہ آپ کے پاس جنت کے بے موسمے پھل آتے تھے آج کیوں نہ آئے جواب تیرہ[13] وجہ سے ایک یہ کہ کھجور کا درخت بنی اسرائیل کے نزدیک متبرک ہے دوم یہ کہ کھجور انار انگور کو حضرت آدم علیہ السلام کی بچی ہوئی مٹی سے پیدا کیا گیا۔ سوم یہ کہ تمام پھل جنت میں بھی ہیں چہارم یہ کہ کھجور کے درخت پر ہی موسیٰ علیہ السلام کو نورِ الٰہی نظر آیا تھا بقولِ یہود پنجم یہ کہ ہر آسمانی کتاب میں کھجور کے شجر و ثمر کی تعریف و ثنا کی گئی ہے ششم یہ کہ اسی درخت کو صابر وشاکر مومن مسلمان درخت کہا گیا ہے۔ تمام پھلوں اور غذاؤں سے زیادہ اس میں قوتِ غذائیت ہے بلکہ جن تیرہ قسم کی غذائیت کی جسمِ انسانی کو ضرورت ہے وہ سب مناسب مقدار اس میں موجود ہوتی ہیں ہفتم یہ کہ یہ پھل بھی ہے فروٹ بھی مٹھائی بھی خوراک بھی سالن بھی ہشتم یہ کہ مسافرین مجاہدین کا عرصہ تک نہ خراب ہونے والا بہترین لذیذ کھانا کھجور ہی ہے نہم یہ کہ کھجور کی ہر چیز قابلِ استعمال اور بہت سی بیماریوں میں دوا مثلاً کھجور کی جڑ پتے گٹھلی کا برادہ بطورِ منجن استعمال ہوتا ہے اس کی گٹھلی شوگر کے مرض کے لیے مفید اس کی گٹھلی جانوران شیر کی خوراک بنا کر زیادہ مکھن بنایا جاتا ہے دہم یہ کہ کھجور کی تقریباً چار سو[400] اقسام ہیں اور لغت عربی میں بلحاظ عمر اس کے تیرہ[13] نام ہیں ۱ النخل ۲ بلح ۳ بُسر ۴ طلع ۵ رطب ۶ تمر ۷ جمار ۸ شت ۹ بسرہ ۱۰ زہول ۱۱ القنو ۱۲ غریض ۱۳ الزہو۔ یازدہم یہ کہ کھجور گرم علاقوں اور گرم موسم میں پیدا ہوتی ہے یہ وہی درخت ہے جس کے متعلق روایت میں فرمایا گیا کہ اس کا آگ میں سر اور پیر قدم پانی میں ہیں۔ یعنی پھول پھل تپتی دھوپ میں اور جڑیں نہایت پانی کی تہہ تک ہیں اس میں نر مادہ ہوتے ہیں اور ہواؤں کے ذریعہ نطفہ منتقل ہوتا ہے چھوٹے ذرات کی صورت میں۔ دوازدہم یہ کہ اس کی فضیلت میں تقریباً نوے احادیث مبارکہ ارشاد ہوئیں اور قرآن مجید کی اُنیس[19] آیتوں میں اس کا ذکرِ خیر ہے۔ سیزدہم یہ کہ طبی اعتبار سے تقریباً چالیس[40] مرضوں میں مفید اور چالیس[40] تکالیف میں شفا ہے ۱ دردِ زہ (زچگی کا درد) کے لیے بہت مفید ۲ دردِ قولنج کے لیے ۳ ہر قسم کی چوٹ ۴ سہولتِ ولادت ۵ زچگی کی کمزوری کے لیے ۶ ضعفِ بدن کے لیے ۷ خون کی زیادتی و صفائی ۸ اس کا نبیذ ہر قسم کی گرمی و بلغمی بیماری کا علاج ۹ جسمی توانائی و قوت کے لیے ۱۰ اجابت غلیظ قبض کے لیے ۱۱ فتور معدہ کے لیے ۱۲ منہ کے زخموں کے لیے

۱۳ مسوڑھوں کی سوزش کے لیے ۱۴ افاقہ اور روزے کی کمزوری کے لیے ۱۵ اسہل زود ہضم فوری اثر کے لیے ۱۶ اسہال روکتی ہے ۱۷ پیٹ کے کیڑے مارتی ہے ۱۸ ظاہری زخموں پر مرہم ۱۹ نفاس میں مفید ۲۰ یرقان کے لیے ۲۱ پتے کو درست کرتی ہے نیز ابیت دور کرتی ہے ۲۲ جگر کے لیے ۲۳ حمل کو درست و خوب صورت تندرست بنانے کے لیے تامدت حمل والدہ کھائے ۲۴ درخت کھجور کے قریب قبر بنانے سے مسلمان میت کو راحت و تخفیف عذاب ۲۵ مردمی کمزوری کے لیے ۲۶ مقوا کے لیے ۲۷ پیٹ کے گیس کے لیے ۲۸ اس کا گوند کے مشابہ شیرہ کا مرہم بہترین ۲۹ اندرونی خشکی کو دور کرتی ہے ۳۰ کھجور سے پندرہ دوائیاں اور پندرہ مٹھائیاں بنتی ہیں ۳۱ اس کی چھال عورتوں کے دانتوں کے لیے مفید ہے ۳۲ اس کا شیرہ آنتوں گردوں پیشاب کی نالیوں کے لیے مفید ہے ۳۳ منہ کی بدبو (بغل گند) کو دور کرتی ہے ۳۴ غذائیت سے بھرپور ہے ۳۵ مخرج بلغم ۳۶ پیشاب آور ۳۷ تپ دق کے لیے مفید ۳۸ دل کے درد کے لیے مفید ہے ۳۹ مسلسل استعمال سے آنکھوں کے موتیا کے لیے مفید ہے ۴۰ دمہ کے لیے اور پرانی قبض کے لیے مفید ہے مارچ اپریل میں پھول لگتے ہیں اگست ستمبر میں پھل پک کر تیار ہوتا ہے مگر یہ تا سردی کے موسم میں پھلدار ہوتا ہے سب سے بڑی وجہ یہ کہ اس کو مریم کی کرامت بنانا تھا تاکہ دیکھنے والے مدبر ذی عقل ولادت مسیح پر دلیل بنائیں۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

تفسیر صوفیانہ وَهُزِّيٓ إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُولِيٓ إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا ۔ اے قلب عارف پاس انفاس سے کلمہ طیبہ کے جذع نخلہ کو مداومت ذکر خفی وجلی کے ذریعے جھنجھوڑ مشاہدات ومکاشفات کے رطبا جنیا تجھ پر وارد و نازل ہوں گے تب دسترخوان غیبیہ کے افضال اپنی غذاء روحانی اور قوت ایمانی وقوت لامکانی کو حاصل کر اور نہر معرفت سے کوثر جمال و شربت نوال کا سرور ابدی حاصل کر تاکہ أَبِيتُ عِنْدَ رَبِّي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِي کے ارشاد والے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار جمال سے اپنی نظرت بصیرت کی آنکھیں ٹھنڈی کر کے پھر جب اس شفقت وسکون کی حالت سرمدی میں کسی سوانح بشری طبیعت بشری کو دیکھ لے تو اس کی طرف ہرگز توجہ عقلی و دماغی نہ پھرانا بلکہ طریقہ فکری کے کلمات سے بتا دینا کہ الدُّنْيَا يَوْمٌ وَلَنَا فِيهِ صَوْمٌ اس دنیا اور لذات دنیا سے میرا ابدی روزہ فراق ہے توجہ رحمن کی وجہ سے کسی دنیوی ناسوتی تول میں مشغولیت نہیں ہو سکتی فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ قَالُوا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا يٰٓأُخْتَ هٰرُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا ۔ جب قلب عفت اپنے واردات خفیہ کو

اَعمالِ جلیلہ کی آغوشِ فطانت میں لے کر جہالِ عقلیات و نفسیات اور منکرینِ احوالِ اہلِ کمال قوم شریر کے پاس لایا تو اہلِ شر نے شور و طرب مچایا کہ اے عروسِ مطمئنہ کی ہمشیرۂ زہد و تقویٰ تیرا قالبِ مفارق تو ایسا نہ تھا تیری روح ایسی مفسد فی الابدان تھی اے قلبِ بے قیمت تو نے عالمِ طبیعت کے خلاف کسی نفسِ امارہ سے انس مجلسی قائم کیا کہ ان اعمالِ مطعونہ کو جنم دیدیا۔ فکر و شوق اور مستیٔ ذوق، زہد درویشی، فقیری و تصوف، عارف کی یہ چھ نشانیاں ہیں۔ جن کی اصلیت اور حقیقت کو اغیار قوم نہیں سمجھ پاتے اسی بنا پر مخزنِ عفت معدنِ عصمت پروردۂ فطرت کو اپنے خصائلِ رذیلہ کی چشمِ نابینا سے دیکھتے اور طعنۂ شر و فساد کے اقوالِ خباثت سے دامِ اہلیت بچھانا و لگانا چاہتے ہیں۔ ایسے حالات میں مریدِ خلوص کے لیے صومِ ذکرِ خفی ہی مفید ہے اسی سے شفاءِ باطن ہے۔

فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ؕ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ

تب اشارہ کیا اس نے اس بچے کی طرف قوم والے بولے ارے ہم کیسے بات کر سکتے ہیں اس سے جو

اس پر مریم نے بچے کی طرف اشارہ کیا وہ بولے ہم کیسے بات کریں اس سے جو

فِی الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿۲۹﴾ قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰنِیَ

جھولے میں ہے بحالتِ بچپن بچے نے فرمایا بے شک میں اللہ کا خاص بندہ ہوں اس نے مجھ کو دی ہے

پالنے میں بچہ ہے۔ بچے نے فرمایا میں ہوں اللہ کا بندہ اس نے مجھے

الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِيًّا ﴿۳۰﴾ وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا

اپنی ایک کتاب اور بنایا مجھ کو نبی اور بنایا اس نے مجھ کو ہمیشہ کا برکتوں والا جہاں کہیں بھی

کتاب دی اور مجھے غیب کی خبریں بتانے والا (نبی) کیا۔ اور اس نے مجھے مبارک کیا میں کہیں

كُنْتُ ص وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ

رہوں میں اور تاکید فرمائی اس نے مجھ کو عبادت اور خیرات کرنے کی جب تک میں

ہوں اور مجھے نماز و زکوٰۃ کی تاکید فرمائی جب تک

حَيًّا ﴿٣١﴾ وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا

زندہ رہوں اور تلقین فرمائی اچھے برتاؤ کی اپنی والدہ سے اور نہ بنایا مجھ کو اس نے سخت طبیعت والا

جیوں اور اپنی ماں سے اچھا سلوک کرنے والا اور مجھے زبردست و

شَقِيًّا ﴿٣٢﴾ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ

بدقسمت اور حفاظت ہے مجھ پر میری ولادت کے دن سے میرے فوت ہونے تک اور زمانہ کے دن سے لیکر

بدبخت نہ کیا۔ اور وہی سلامتی مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں

وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ﴿٣٣﴾

دوبارہ قیامت میں زندہ ہو کر اٹھنے تک۔

اور جس دن زندہ اٹھایا جاؤں

تعلقات ان آیات کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیت میں حضرت مریم کا لوگوں سے دور تنہائی میں ایک کھجور کے درخت کے نیچے بیٹھنے کا ذکر ہوا۔ اب ان آیات میں حضرت مریم کا اپنے گھر کے پاس لوگوں کے قریب آنے کا ذکر ہو رہا ہے۔

دوسرا تعلق پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کی طرف سے حضرت مریم کا بے وقوف لوگوں سے بچنے کا ایک طریقہ شرعیہ بتایا گیا تھا۔ اب اس طریقے کو استعمال کرنے کا ذکر ہو رہا ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں ذکر ہوا کہ حضرت مریم پر لوگوں نے بچہ دیکھ کر کیا طعنہ بازی کی معاذ اللہ حضرت مریم کو تہمت بدکاری لگائی۔ اب ان آیات میں اسی بچے کی زبانی اصل حقیقت حال کی وضاحت اور حضرت مریم کی پاک دامنی کا شاندار بیان ہو رہا۔

تفسیر نحوی فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا. قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۔ فَ ترتیبیہ ہے ظرف زمانی بمعنی تب اشارت۔ باب افعال کا ماضی مطلق واحد مؤنث اس کا مصدر ہے اِشَارَۃً۔ اِشْبارٌ۔ شَیرٌ سے بنا ہے بمعنی اشارہ کرنا کسی کی طرف اشارہ کی دو قسمیں ہیں

۱؎ اشارہ ظاہری یعنی زبان سے کہنا یہ چیز وہ چیز ۲؎ اشارہ معنوی یعنی ہاتھ آنکھ یا کسی بھی عضو سے
کسی کو کچھ بتانا خواہ مختصر ہو جیسے متکلم کا زبان سے نہ بولنا لفظاً اشارہ کر دینا یہی مراد ہے یا گونگے
انسان کا پوری بات سمجھانا۔ اَشَارَتْ کا فاعل ھِیَ ضمیر پوشیدہ ہے اس کا مرجع مریم ہے اِلَیْہِ ۔
جار مجرور بمعنی اس بچے کی طرف مراد ہیں عیسیٰ علیہ السلام یہ فعل فاعل اور متعلق مل کر جملہ فعلیہ خبریہ مثبتہ
ہو کر مکمل ہوا۔ قَالُوْا ۔ فعل ماضی جمع مذکر غائب با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ کَیْفَ ۔ کَیْفَ کے بارے
میں علماءِ نحات کے بہت اختلافی اقوال ہیں ۱؎ کَیْفَ حرف ہے فاءِ عطف کے معنی میں مگر یہ غلط ہے
حضرت حکیم الامت والدِ محترم بدایونی اس کی تردید فرماتے تھے ۲؎ کیف اسم مبہم غیر متمکن مبنی ہے
اصلاً ۳؎ یہ ظرف ہے کبھی زمانی کبھی مکانی ۴؎ یہ زمانی مکانی ظرف نہیں ہوتا بلکہ جار مجرور کی طرح صرف
مجازی ظرف ہے ۵؎ کَیْفَ دو قسم کا ہے ایک کَیْفَ شرطیہ دوم سوالیہ۔ شرطیہ کے لیے چار پابندیاں
ہیں اول ۱ یہ کہ کَیْفَ ابتدا میں ہو اور اس کے شرط و جزا دونوں فعل ہوں دوسری ۲ پابندی کوئی فعل مجزوم
نہ ہو تیسری پابندی دونوں فعل لفظاً اور معناً ایک طرح کے ہوں مثلاً کَیْفَ تَجْلِسُ اَجْلِسُ وغیرہ
۶؎ اگر کَیْفَ درمیان میں آجائے تو یہ پابندیاں نہیں ہوتیں ۷؎ کَیْفَ سوالیہ چار قسم کا ہوتا ہے
ایک سوالِ حقیقی کے دوم سوالِ تعجب کے لیے سوم سوالِ تنبیہ کے لیے یعنی کسی کو خبردار کرنے
کے لیے چہارم توبیخ یعنی جھڑکنے کے لیے چہارم علماءِ نحو کے نزدیک کَیْفَ کے درجے بھی مختلف
ہیں ۱؎ کبھی مبتدا کی خبر کے درجہ میں مثلاً کَیْفَ اَنْتَ ۲؎ کبھی کَانَ فعل ناقصہ کی خبر کے درجہ
میں ۳؎ کبھی متعدی کے مفعولِ دوم ۴؎ کبھی مفعولِ سوم کے درجہ میں ۵؎ کبھی فعل کے مفعول مطلق کے
درجہ میں ۶؎ کبھی حال کے درجہ میں ۷؎ کبھی صرف حالت کو بیان کرنے کے لیے اس وقت یہ
کَیْفَ نہ سوالیہ ہوگا نہ شرطیہ اور اس کا ترجمہ ہوگا جس طرح۔ یا جیسے بھی مثلاً اُنْظُرْ اِلَیْهِ كَیْفَ
یَکُوْنُ۔ کَیْفَ جِئْتَ وغیرہ ترجمہ میں اس کو دیکھتا ہوں جیسے بھی وہ ہو یا جیسے بھی پھرے۔ کَیْفَ سوالیہ کا
ترجمہ ہے کس طرح یا کیسے اور شرطیہ کا ترجمہ ہوتا ہے جیسے یہاں کَیْفَ سوالیہ حالیہ تعجب کے لیے
ہے۔ خبرِ مقدم ہے نُکَلِّمُ۔ باب تفعیل کا فعل مضارع جمع متکلم حقیقی اس کا فاعل نَحْنُ ضمیر جمع متکلم
پوشیدہ مرجع ہے قوم۔ مَنْ اسم موصولہ واحد مذکر بحالتِ نصب کیونکہ مفعول بہ ہے نُکَلِّمُ کا۔ کَانَ ۔
فعل تامہ ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ذوالحال ہے فِیْ ظرفیتِ مکانیہ کے لیے۔ الف لام عہدی یا جنسی
مَهْدِ اسم مفرد جامد حاصل مصدر۔ مَهْدٌ کا لغوی ترجمہ ہے پھیلانا۔ واضح کرنا۔ ابتدائی وضاحتی کلام
کو تمہید اسی معنی میں کہا جاتا ہے کہ اگلے سارے کلام کی اس میں وضاحت کر دی جاتی ہے۔ بستر کو

مہاڈ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بھی پھیلا ہوتا ہے ماں کی گود اور پنگھوڑے (جھولنے) کو بچے کے آرام دہ حفاظتی بستر کی وجہ سے مَہْدًا کہا جاتا ہے یہاں مراد ہے ماں کی گود۔ یہ جار مجرور متعلق ہے صَبِیًّا۔ اسم صفت مشبہ بروزن فعیل، صَبْوٌ یا صَبِیٌّ سے مشتق ہے لغوی ترجمہ ہے نادان ہونا۔ چمٹنا چسکی بھرنا۔ مراد ہے والدہ کا شیر خوار بچہ۔ پیدائش سے ڈھائی سال تک کا بچہ صبیّ ہوتا ہے بعض نے کہا بلوغت تک صبیًّا ہے۔ اس کا مؤنث ہے صَبِیَّۃٌ۔ بحالت نصب ہے کیونکہ حال ہے کَانَ تامہ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مفعول بہ نُکَلِّمُ۔ جملہ فعلیہ ہو کر مبتدا کَیْفَ اس کی خبر دونوں جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ۔ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ مکمل ہوا۔ قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ۔ قَالَ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ فاعل ھُوَ کا مرجع، صَبِیًّا ہے اِنَّ حرف مشبہ کی ضمیر واحد متکلم اسم ہے اِنَّ کا خیال رہے کہ اَنَّ کَاَنَّ لَعَلَّ لٰکِنَّ میں نون مشدد کا فتحہ ضروری نہیں ہے اس لیے کبھی نون وقایہ آجاتا ہے جیسے اِنَّنِیْ اَنَّنِیْ کَاَنَّنِیْ لٰکِنَّنِیْ لَعَلَّنِیْ اور کبھی نہیں آتا جیسے اِنِّیْ۔ اَنِّیْ کَاَنِّیْ۔ لٰکِنِّیْ۔ لَعَلِّیْ۔ مگر لَیْتَ کا فتحہ لازمی ہے اس لیے جب اس کو یائے متکلم سے ملایا جاتا ہے تو نون وقایہ ضروری آتا ہے۔ جیسے لَیْتَنِیْ، یہاں لَیْتِیْ جائز نہیں۔ عَبْدُ اللّٰہِ۔ یہ مرکب اضافی موصوف ہے۔ اٰتٰنِیَ۔ باب افعال کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب متعدی بدو مفعول ہے۔ اَتْیٌ سے مشتق ہے بمعنی دینا۔ نون وقایہ ی متکلم منصوب ہے کیونکہ مفعول بہ اول ہے۔ اَلْکِتٰبَ۔ الف لام عہدی ذہنی۔ کِتَابٌ صفت مشبہ بمعنی مکتوب (لکھی ہوئی) مراد ہے اللہ کا کلام۔ جو لوحِ محفوظ پر لکھا ہے اس کا نام انجیل ہے۔ یہ مفعول بہ دوم ہے۔ اٰتٰنِیَ فعل فاعل اور دونوں مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ واؤ عاطفہ جَعَلَ فعل ماضی مطلق جَعْلٌ سے مشتق ہے بمعنی بنانا۔ بدلنا پھیرنا۔ گھڑ لینا۔ پیدا کرنا پہلے تین معنوں میں متعدی بدو مفعول ہوتا ہے اور آخری معنی پیدا کرنا میں متعدی بیک مفعول نیز پہلے معنی میں صفت غیر خصوصی ہے ہر شخص بنا سکتا ہے۔ لیکن پیدا کرنا کے معنی میں یہ صفت خصوصی ہے اللہ تعالیٰ کی نون وقایہ ی متکلم مفعولِ اول نَبِیًّا۔ اسم مفرد صفت مشبہ نکرہ معین ترجمہ ہے خبر دینے خبر رکھنے خبر جاننے والا مراد ہے علمِ غیب کی خبر اس لیے ریڈیو اخبار یا محکمہ موسمیات یا نجومیوں کو نبی نہیں کہا جاسکتا نَبْؤٌ مہموز اللام سے ہے یہ مفعول بہ دوم ہے جَعَلَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ دوسرا جَعَلَ بھی اپنے فاعل دونوں مفعولوں اور اَیْنَمَا کُنْتُ کے ظرفِ مکانی سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ مُبٰرَکٌ۔ باب مُفَاعَلَۃٌ کا اسم مفعول واحد مذکر ہے بَرَکٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی قدرتی مفید اور نہ ختم ہونے والا فائدہ۔ اَیْنَمَا۔ اسم ظرفِ مکانی۔ دو لفظ ہیں اَیْنَ شرطیہ۔ مَا موصول ہے دونوں

مل کر اسم ظرفیہ ہو گئے ترجمہ ہے جہاں کہیں۔ کُنْتُ فعل تامہ۔ واؤ عاطفہ۔ اَوْصٰی۔ باب افعال کا۔ ماضی مطلق واحد مذکر غائب ھُوَ اس میں پوشیدہ اس کا فاعل ہے مرجع اللہ تعالیٰ۔ وَصِیٌّ سے مشتق ہے سطیف مفروق ہے۔ وَصِیٌّ کا لغوی معنٰی ہے اٹل بات کرنا۔ تاکید کرنا حرفِ آخر فیصلہ۔ ایسا حکم یا کلام جس کو بدلا نہ جائے۔ مرنے وقت کی خواہش اور حکم کو وصیت اسی لیے کہتے ہیں کہ پھر مرنے والا مرجاتا ہے اور وہ بات یا خواہش ٹالی اور بدلی نہیں جاسکتی۔ نون وقایہ یاءِ متکلم اس کا مفعول بہٖ۔ بِالصَّلٰوۃِ نماز سے مراد مطلقاً عبادت ہے جو بھی اُس دین میں تھی۔ زکوٰۃ۔ اسم مفرد جامد بمعنٰی مالی صدقات یہ عطف مجرور متعلق ہے۔ مَا دُمْتُ۔ فعل ناقصہ واحد متکلم اَنَا ضمیر اس میں پوشیدہ اس کا اسم حیًا۔ اسم مفرد جامد بمعنٰی پوری ضروری قوتوں کے ساتھ موجود ہونا۔ موجود رہنا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے اور بندے کی عطائی یہاں عطائی صفت مراد ہے جب تک کسی میں اس کی تمام قوتیں موجود رہیں تو وہ زندہ کہلاتا ہے۔ خواہ انسان ہو حیوان ہو درخت ہو۔ زمین ہو۔ کافر ہو یا مومن اور قوتیں ختم ہو جائیں تو مردہ کہلاتا ہے۔ حَیًّا خبر ہے مَا دُمْتُ کی۔ یہ جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر ظرفِ زمانی ہوا اَوْصٰی کا یہ فعل سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہے اگلی عبارت پر۔ وَبَرًّا ۢ بِوَالِدَتِیْ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا۔ واؤ عاطفہ۔ بَرًّا۔ اسم مبالغہ۔ ترجمہ ہے وسیع قلبی اور کھلے دل سے بہت اور ہمیشہ فائدہ پہنچانے والا۔ بِرٌّ (بِرٌّ) سے مشتق ہے۔ کھلی زمین کو اسی وسعت کی وجہ سے بَرٌّ کہا جاتا ہے۔ اسی معنٰی میں ہے بِرِّ اعظم بِرِّ صغیر۔ بَ جارہ تعدیہ کی بمعنٰی ساتھ وَالِدَتِیْ ترجمہ ہے اپنی والدہ سے یہ مرکّب اضافی مجرور متعلق ہے بَرًّا کا۔ یہ اسم مبالغہ اپنے پوشیدہ اَنَا ضمیر متکلم فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَمْ یَجْعَلْنِیْ۔ فعل نفی جحد بلَمْ بمعنٰی ماضی با فاعل ی مفعول بہٖ اوّل جَبَّارًا مفعول بہٖ دوم شَقِیًّا مفعول بہٖ سوم۔ یہ سب فعل فاعل اور تینوں مفعول مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا۔ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ سے لے کر شَقِیًّا تک سب عطف مل کر صفت ہوئی عَبْدُ اللّٰہِ کی وہ مرکّب توصیفی اِنَّ کی خبر۔ اِنَّ اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ۔ قول مقولہ جملہ قولیہ ہو کر مکمل خیال رہے کہ جَبَّارًا بروزنِ فَعَّالًا جَبْرًا ڈالی صفتِ مشبہ۔ جَبْرٌ سے مشتق ہے بمعنٰی کسی کو کسی کام کے لیے جائز یا ناجائز دباؤ ڈالنا اگر جائز دباؤ ڈالا جائے تو اس کو جابر کہتے ہیں اور اگر کوئی بندہ کسی پر ناجائز دباؤ ڈالے تو وہ جبار ہے۔ اسی وجہ سے مخلوق کو جبار کہنا یا جبار ہونا غلط اور برا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی صفت ہے جیسے کہ متکبر خصوصی صفت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی دباؤ بندوں پر ناجائز نہیں ہوتا۔ شَقِیًّا بھی صفت مشبہ ہے بروزنِ فَعِیْلًا شَقِیٌّ سے بنا ہے بمعنٰی بدبخت تنگ، سخت دل، سرکش۔ یہاں سب معنٰی مناسب وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا۔

واؤ بر جملہ الف لام تخصیصی۔ یعنی خصوصی سلامتی۔ سَلٰمٌ اسم مصدر جامد حاصل مصدر۔ ترجمہ ہے ہر ظاہری باطنی آفت ویرانی سے محفوظ۔ ہر وقت قابلِ تعریف عَلٰی جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ اسم فاعل ثابتٌ یا قائمٌ یا حاصلٌ کے۔ یَوْمَ۔ اسم ظرفِ زمانی مراد ہے وقت۔ مضاف ہے۔ وُلِدْتُ۔ بابِ ضَرَبَ کا ماضی مطلق مجہول واحد متکلم یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہوکر مضاف الیہ یَوْمَ کا یہ مرکبِ اضافی معطوف علیہ واؤ عاطفہ یَوْمَ مضاف اَمُوْتُ بابِ نَصَرَ کا ماضی مطلق معروف واحد متکلم۔ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہوکر مضاف الیہ یَوْمَ کا۔ یہ مرکبِ اضافی معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ یَوْمَ مضاف۔ اُبْعَثُ۔ بابِ انفعال کا فعل مضارع مجہول واحد متکلم۔ اس میں پوشیدہ ضمیر واحد متکلم اَنَا ذوالحال ہے حَیًّا۔ اسم مفرد نکرہ صفت مشبہ یعنی زندہ ہوکر یا زندہ کرکے حال ہے اَنَا پوشیدہ کا ذوالحال حال مل کر فاعل ہوا۔ اُبْعَثُ کا۔ وہ جملہ فعلیہ ہوکر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی معطوف ہے سب عطف مل کر ظرف ہے حَاصِلٌ پوشیدہ کا۔ وہ جملہ اسمیہ ہوکر خبر ہے مبتدا اَلسَّلٰمُ کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ مکمل ہوا۔

تفسیر عالمانہ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا۔ قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا - حضرت مریم سیدھی گھر کی طرف تشریف لا رہی تھیں ابھی گھر والوں کو کچھ پتہ نہ تھا کہ مریم نے کل کا دن اور آج کی رات کہاں گزاری وہ یہی سمجھ رہے تھے کہ مریم اپنے اسی گھر کے خلوت خانے میں ہے لیکن ابلیس نے قوم کے شریر لوگوں کو خبر کر دی لوگ دروازۂ شہر بیت المقدس کے شرقی دروازے کے قریب جمع تھے مریم منہ سر لپیٹے باپردہ اُسی جگہ آئیں تاکہ گھر چلی جائیں مگر قوم نے وہیں پر اُن سے سوالات اور طعنے بازیاں شروع کر دیں آپ نے باتیں سن کر اس طرح اشارہ کیا جس سے لوگوں نے سمجھ لیا کہ مریم نے چپ کا روزہ رکھا ہوا اور کہنا یہ چاہ رہی ہیں کہ میں تو بول نہیں سکتی بوجہ روزہ تم اسی سے پوچھ لو کہ یہ کون ہے کہاں سے آیا ہے قوم نے اس کی فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ کو مذاق کرنا سمجھا۔ کہ مریم ہم سے مذاق کر رہی ہے اس لیے وہ اور غضبناک ہوئے کہ ایک تو یہ بے غیرتی اور دوسرا یہ مذاق بازی۔ حالانکہ یہ بھی اُس خبیث قوم کا اندھاپن تھا اگر ذرا بھی تدبر و سمجھ داری سے کام لیتے تو حضرت مریم کا متفکر و پریشان چہرہ دیکھ کر ہی اندازہ لگا لیتے کہ یہ فَاَشَارَتْ مذاق سے نہیں۔ لیکن بحالتِ غضب و غصہ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ سب نے شورِ بیہودہ برپا کر دیا کہ ہم اس شیر خوار دودھ پیتے بچے سے کیسے بات کریں جو ابھی چند گھنٹوں کا ماں کی گود میں پڑا ہوا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُس وقت منہ چھپائے دودھ پی رہے

تھے۔ روایتوں میں آتا ہے حضرت عیسیٰ اُس وقت حُسنِ قدرت سے چمک رہے تھے چہرہ سرخ و سفید آنکھیں دمکتی پیشانی چمکتی جسمِ اطہر سے حُسنِ اطہر کے حُسن کی شعاعیں نکل رہی تھیں ویسے تو ہر بچہ ہی بوقتِ ولادت خوب صورت ہوتا ہے مگر مسیح علیہ السّلام کی اس وقت کی خوب صورتی بے مثل تھی اور یقیناً یہ حسن بھی معجزۂ ارہاص تھا۔ خیال رہے کہ نومولود بچہ کے بلوغت تک بے لحاظ عمر چھ نام ہوتے ہیں ۱ حمل ۲ صبی ۳ غلام ۴ طفل ۵ نابالغ ۶ مُراھق ۷ اس کے بعد بلحاظ عمر پانچ نام ہیں بالغ ۸ شاب ۹ شیخ ۱۰ کھول ۱۱ شیب کل گیارہ نام۔ اس وقت عیسیٰ علیہ السلام باعتبار عمر صبی تھے اس لیے فی المھد صبیًا کہا یہ سب باتیں سن کر ایک دم حضرتِ عیسیٰ نے دودھ پینا چھوڑ کر اپنا خوب صورت بھولا بھالا پیارا چہرہ باہر نکالا اور اپنی شہادت کی انگلی اٹھا کر قوم کو خطاب فرمایا۔ اے میری والدہ پر عیب جوئی طعنہ بازی زبان درازی کرنے والو۔ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ۔ میں اللہ تعالیٰ کا حقیقی سچا صادق بندہ ہوں اور معمولی عام بندہ نہیں بلکہ مجھ کو اُس نے بہت بڑی اپنی کتاب عطا فرمائی ہے جو اُس وقت میرے سینۂ فیض گنجینہ میں ہے۔ اور مجھ کو میرے اللہ نے انسانیت کا سب سے اونچا و ارفع مقام نبوت پر فائز کر کے مجھ کو نبی بنایا ہے۔ اور ہر مقام ہر زمانے میں میرے اللہ تعالیٰ نے مجھ کو برکتوں رحمتوں عزتوں عظمتوں بلندیوں مرتبوں اور فائدوں ترقیوں والا بنایا ہے۔ اور حکم ارشاد فرمایا ہے مجھ کو میرے اللہ کریم نے کہ ابھی سے تا قیامت دنیوی (زمینی یا آسمانی) نمازِ عبادت نیازِ صداقت قائم کروں یہ تمام عقلِ کامل شکمِ مادر میں عطا کر دی گئی توریت کی فہم اور انجیل کی حفظ عطا ہوئی اور یہ بھی حکم دیا گیا کہ میں ہمہ وقت بدنی مالی سِرّی خفی ظاہری باطنی ہر قسم کی زکوٰۃ خیرات صدقہ و طہارت پاکیزگی جاری رکھوں اور اپنی اُمت کو تبلیغ کرتا رہوں کفروں شرکوں سے بچاتا رہوں توریت و انجیل سکھاتا رہوں مفسرین فرماتے ہیں عیسیٰ علیہ السّلام کی چار زندگیاں ہیں جن میں چار کتابیں آپ کو پڑھائیں گئیں ۱ شکمِ مادر میں انجیل حفظ کرائی گئی ۲ بعدِ ولادت توریت سکھائی گئی ۳ زمانۂ حیاتِ آسمانی میں قرآن مجید سکھایا گیا ۴ بعد نزول دریں گاہِ رسالت سے احادیث سمجھائی گئیں۔ حضرت مسیح کی یہ تمام گفتگو اگرچہ اپنے متعلق ہے مگر پاک دامنی والدہ محترمہ عفیفہ صالحہ کی بیان ہو رہی ہے کہ ایسا بچہ بدکاری سے نہیں ہو سکتا مُبَارَکًا کے تیرہ معنی ۱ ہر خیر میں زیادتی والا ۲ اعلیٰ مرتبہ والا ۳ ہر برائی سے روکا ہوا ۴ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے والا ۵ معلم خیر و فضل برکت ۶ برکت یعنی بقاءِ خیر ۷ عطا میں کثرت ۸ شی قلیل میں نفع کثیر ۹ عظمت و کرم ۱۰ بھلائی خوشی خیریت کا سبب اس کا مقابل منحوس ہے ۱۱ [illegible] ۱۲ معلم خیر جَعَلَنِیْ نَبِیًّا کا معنیٰ

ابھی ابھی نبی بنایا یا شکمِ مادر میں یا عالمِ ازل میں یا لوحِ محفوظ پر دیکھ کر فرمایا کہ میں مستقبلِ قریب میں نبی بنایا جاؤں گا۔ جَعَلَ یَجْعَلُ کے معنی ہیں اَیْنَمَا کُنْتُ یعنی جدھر بھی میں توجہ کروں۔ مسیح علیہ السلام سے زمین پر انسانوں نے فائدہ حاصل کیا اور بعدِ نزول کریں گے آسمانوں پر فرشتوں کو فائدہ ہوا۔ صلوٰۃ سے مراد نماز۔ ذکرُ اللہ ہر قسم کی عبادتِ بدنی اور تلاوت کلام اللہ۔ زکوٰۃ سے مراد پاکیزگی۔ صدقہ و خیرات ہر وقت ہر چیز میں۔ یہاں تک کہ اپنی روٹی و سالن میں تھوڑی بہت خیرات مَا دُمْتُ حَیًّا۔ تینوں زندگیاں مراد ہیں۔ پہلی زمینی پھر آسمانی پھر بعدِ نزول۔ وَّ بَرًّا ۢ بِوَالِدَتِیْ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا۔ وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا۔ اور میرے رب تعالیٰ نے مجھ کو یہ بھی وصیت یعنی تاکیدی اٹل حکم فرمایا ہے کہ اپنی والدہ مکرمہ کا فرمان بردار خدمت گزار ہر وقت ہر حال میں خوش رکھنے والا۔ بَرًّا یعنی ہر طرح سے نیکی اور نیک سلوک کرنے والا ہی رہوں۔ اور مجھ کو میرے اللہ نے جبار نہ بنایا یعنی نہ زبردستی کرنے والا نہ جنگجو نہ لڑاکا نہ قتل کرنے والا۔ نہ متکبر نہ ظالم نہ تنگ دل نہ سخت طبیعت نہ اکھل کھرا۔ اور مجھ کو شقی بھی نہ بنایا۔ یعنی اکڑباز بے عجز کنجوس سخت دل، گناہگار، آوارہ اور بزرگوں کا نافرمان۔ گناہوں پر فخر کرنے والا اور کسی بھی بری خصلت والا نہ بنایا۔ احادیث پاک میں ارشادِ مقدس ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نہایت سخی اور نرم دل تھے ہمہ وقت عاجز مسکین بنے رہتے خود فرمایا کرتے تھے اے غریبو حاجت مندو مجھ سے مانگا کرو آپ میں جباریت کی کوئی نشانی نہ تھی عجز و انکسار پسند تھے زمین پر بیٹھ جایا کرتے حالانکہ بہت قوی صحت مند چوڑے چکلے گٹھیلے جسم والے تھے غریبوں کے کاموں میں ہاتھ بٹاتے سبزیاں اور پتے کھا کر گزارہ فرما لیتے تھے ہر چیز بانٹ دیا کرتے تھے گھر تک نہ بنایا۔ لکڑیاں چیر کر بیچا کرتے تھے اگر کوئی دشمن یا ظالم آپ کی لکڑیاں اٹھا کر بھاگ جاتا تو باوجود طاقت کے نہ پیچھا کرتے نہ چھینتے۔ بلکہ معاف کر دیتے۔ آپ پر جہاد فرض نہ ہوا نہ کسی کو کبھی قتل کیا نہ کرایا بلکہ ساری عمر کسی کو جھڑکا تک نہیں۔ روایتوں میں ہے کہ ایک دفعہ چند یہودی ایک بے گناہ لونڈی کو پکڑ کر لے آئے اور عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ اس نے بدکاری کی ہے اس کو سنگسار فرمایئے آپ کو اس کی بے گناہی کا کسی طرح علم ہو گیا آپ نے فرمایا کہ تم میں جو شخص پاک باز ہے اور اس نے کبھی بدکاری نہ کی ہو وہ اس کو پہلا پتھر مارے۔ یہ سن کر سب شرمندہ ہو کر بھاگ گئے اور اس بے گناہ کی جان بچ گئی یہ ہے جبار نہ ہونے کی شان کہ نہ ظلم کیا نہ کرنے دیا۔ وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ۔ اے میری قوم والو مجھ کو میرے پروردگارِ عالم کی طرف سے ابدی دائمی سلامتی ہے ہر وقت ہر قسم کی سلامتی جس دن میں پیدا ہوا ہوں میرے ساتھ اور میرے پاس ہر طرح کی سلامتی

آگئی ہے۔ ابلیس سے بچاؤ کی سلامتی گناہوں خطاؤں لغزشوں سے عصمت کی سلامتی دشمنوں سے حفاظت کی سلامتی جان وعزت آبرو کی سلامتی ناگہانی آفتوں بیماریوں مصیبتوں ابتلاؤں سے سلامتی اور جس دن میں اپنی دنیوی زندگی ہزاروں سال کی پوری کر کے وفات پاؤں گا تب قبر کی تکالیف سے سلامتی اور پھر جب زندہ کر کے قیامت میں اٹھایا جاؤں گا تو حشر ونشر کی تمام پریشانیوں اور نفسانفسی سے امن وسلامتی۔ اور صرف میری ہی نہیں جو بھی کبھی بھی میرے دامن سے لگ کر تابع فرمان ہو کر مومن متقی بن گیا۔ اس کو بھی سلامتی ہے دینی ایمانی اور دنیوی اور دشمنوں نافرمانوں کو سلامتی نہیں بلکہ قہر الٰہی کی ذلت ورسوائی روایت ہے کہ جب قوم بھیڑ کر کے حضرتِ مریم سے سوالات کر رہی تھی اور حضرت مریم بوجہ روزۂ خاموشی چپ تھیں اُس وقت حضرت یحییٰ علیہ السلام بھی وہاں موجود تھے انہوں نے خدمتِ عیسٰی علیہ السلام میں عرض کیا یا سیّدی کلم اے میرے دار برور۔ تب عیسٰی علیہ السلام نے یہ گفتگو فرمائی اور اتنی بلند آواز سے فرمائی کہ سب قریبی لوگوں نے سن لی یہ شیر خوارگی اور گود کے گہوارے کا کلام ہے پھر آپ نے تین سال تک حسب فطرت کوئی کلام نہ کیا نہ اس سے پہلے کوئی کلام والدہ سے کیا تھا۔ اِس کلام کے بعد اکثریت مطمئن ومسرور ہو کر چلی گئی مگر یونانی یہودی سرکاری لوگوں کا ٹولہ چلا تو گیا مگر مطمئن نہ ہوا بلکہ مخالفانہ معاملہ بدمعاشانہ رویہ ہی رکھا۔ اور یہی لوگ بعد میں بھی عیسٰی علیہ السلام کے دشمن ہی بنے رہے اور دنیا وآخرت میں ذلیل وخوار ہی ہوئے۔ (از تفسیر مظہری صاوی نیشاپوری مدارک خازن۔ فتح القدیر وغیرہ)

فائدے ان آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں پہلا فائدہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام بوقتِ ولادت ہی نبی بنا دئے جاتے ہیں اور ہر نبی کو شکمِ مادر ہی میں اپنی نبوّت کا علم ہوتا ہے یہ فائدہ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا کے صیغۂ ماضی فرمانے سے حاصل ہوا لیکن ہمارے نبی آقاء کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تو عالمِ ازل حادث سے ہی نبی بنا دیے گئے ہیں چنانچہ صرف آپ نے ہی ارشاد مقدس فرمایا کہ کُنْتُ نَبِیًّا وَّ آدَمُ بَیْنَ الطِّیْنِ وَ الْمَاءِ رواہ طبقات ابونعیم فی الحلیہ وطبرانی۔ نیز ذریتِ آدم ہونے کے لیے حسبِ فطرت ولادت ہونا ضروری نہیں۔ خرقِ عادت تحتِ قدرت خلافِ قانون ولادت سے بھی ابنِ آدم ہی میں شمار ہوگا۔ دیکھو حضرت یحییٰ حضرت عیسٰی خلافِ عادت پیدا ہوئے مگر پھر بھی ذریتِ آدم ہیں اسی طرح ہمارے آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کُنْتُ نَبِیًّا وَّ آدَمُ بَیْنَ الطِّیْنِ وَالْمَاءِ فرمانے کے باوجود پھر بھی ذریتِ آدم ہیں اس کے پورے دلائل باوضاحت ہمارے العطایا جلدِ دوم میں دیکھئے۔ دوسرا فائدہ انبیاء کرام علیہم السلام کو تمام علومِ غیبیہ وخفیہ اور معلوماتِ کائنات حاصل ہوتی ہیں۔ یہ فائدہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی اس پوری گفتگو سے حاصل [illegible] ئی مگر تمام انبیاء کرام کی

شانِ علیت کا اظہار ہو گیا۔ اس لیے کہ یہ صفات حضرت مسیح کی خصوصیات نہیں ہیں تمام انبیاء علیہم السّلام اِن ہی پاکیزہ صفات وفوقیتِ شان وخزانۂ علمی سے موصوف ہوتے ہیں۔ تیسرا فائدہ انبیاءِ کرام علیہم السّلام اپنی ولادت قبلِ ولادت موت وحیات قبر وحشر کے تمام حالات اور اپنے انجام سے مکمل باخبر ہوتے ہیں یہ فائدہ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا اور یَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا ۔ فرمانے سے حاصل ہوا نیز قرآن مجید میں سابقہ انبیاءِ کرام علیہم السّلام کے علم وفضل شان وفوقیت کا تذکرہ دراصل نعتِ محبوب محمدِ مصطفیٰ بیان فرمانا ہے کہ جب انبیاءِ کرام علیہم السّلام کے علم غیب شان وفوقیت اور معلومات کی یہ حالت ہے تو سردارِ انبیاء وامام المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالاتِ عالیہ وفوقیتِ سلطانیہ کی کیا شان ہوگی۔

احکام القرآن اِن آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ۔ اپنے فضائل بیان کرنے شرعاً جائز ہیں جب کہ فخریہ نہ ہوں بلکہ بسلسلۂ تعارف وتبلیغ اور اظہارِ شکرِ نعمت ہو یہ مسئلہ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا کے پورے کلامِ مسیح علیہ السّلام سے مستنبط ہوا اسی نوعیت میں علما ومشائخ کو اپنا تعارف کرانا جائز ہے جب کہ یہ نیت ہو کہ لوگ شریعت کے سچے مسائل پوچھیں اور ہدایت حاصل کریں شیطانی پھندوں سے بچ جائیں جھوٹے گمراہ پیروں مولویوں سے بچ جائیں۔ خیال رہے کہ فی زمانہ جو پیر یا مولوی تصویر فوٹو وغیرہ کی عیاشیوں بُت پرستیوں کے جواز اور عملاً مبتلا وملوث ہے وہی ابلیس کا بندہ ہے فوٹو تصویر اور سجدہ تعظیمی ہر شریعت میں حرام رہا ہے۔ میری دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ موجودہ پیروں مولویوں کو اس گمراہی اور صراطِ جہنّم سے بچائے۔ دوسرا مسئلہ۔ والدین کی خدمت بہت بڑا فریضہ ہے جو انبیاءِ کرام پر بھی لازم ہے۔ یہ مسئلہ وَبَرًّا بِوَالِدَتِیْ (الخ) سے مستنبط ہوا نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ عیسیٰ علیہ السّلام بغیر والد کے پیدا ہوئے۔ کیونکہ یہاں صرف والدہ سے حسنِ سلوک وخدمت گزاری کا ذکر ہوا جب کہ حضرت یحییٰ کو وَبَرًّا بِوَالِدَیْہِ کا حکم ہوا یعنی والد اور والدہ دونوں کو۔ تیسرا مسئلہ۔ نبوت اور رسالت میں فرق ہے نبی پر ایمان فرض ہے اطاعت فرض نہیں لیکن رسالت پر ایمان بھی فرض اطاعت بھی فرض ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءِ کرام سب مسلمانوں کے نبی ہیں مگر رسول نہیں۔ مسلمانوں کے رسول صرف آقاءِ کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اسی لیے کلمہ طیبہ میں محمد رسول اللہ۔ پڑھا جاتا ہے۔ محمد نبی اللہ نہیں پڑھا جاتا نیز آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی ابتدا کا ذکر فرمایا تو ارشادِ اقدس ہوا کُنْتُ نَبِیًّا (الخ) وہاں رَسُوْلًا نہیں فرمایا۔ یہ مسئلہ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا فرمانے سے مستنبط ہوا کہ آپ نے نبیًا فرمایا رسولًا نہ فرمایا آپ کو رسالت تیس سال بعد ملی مگر نبوت شکمِ مادر میں ہی عطا ہوئی۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ نبوت کا تعلق رب تعالیٰ سے لینے کا ہے اور رسالت کا تعلق بندوں کو دینے کا ہے وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ ۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ اَوْصَانِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ یہ دونوں حکم تشریعی و تکلیفی ہیں تو بچپن میں کیوں فرض کئے گئے اور یہ وصیت یعنی اٰل رحمت حکم ابھی شیر خوارگی سے کیوں فرمایا گیا۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ نابالغ بچے۔ مجنون اور مجذوب پر کچھ فرض اور واجب نہیں ہوتا وہ کسی شرعی حکم کے مکلف نہیں ہوتے۔ نیز یہاں زکوٰۃ دینے کا بھی تاکیدی حکم ہے حالانکہ انبیاءِ کرام علیہم السّلام پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی تو یہ دونوں حکم بعمرِ طفلگی کیوں دیئے گئے۔ جواب چونکہ عیسٰی علیہ السلام نے اپنی نبوت کا ذکر فرمایا تھا اور کتاب کا ذکر بھی کیا تھا جس سے ثابت و ظاہر ہوتا تھا کہ آپ نئی شریعت نیا قانون لے کر تشریف لائے ہیں۔ اس لیے اس کی وضاحت فرماتے ہوئے آپ نے نئی شریعتِ انجیل کے قوانین و عبادت میں سے چیدہ اور اہم مسائل کی فہرست ارشاد فرما دی جن کا نفاذ اپنے اپنے وقتوں پر ہونا تھا اور حسبِ حیثیت شخصیات پر گویا کہ یہ ایک نئے قوانینِ الٰہیہ کی مختصر اور عوام متبعین کے لیے وضاحتی و تعارفی فہرست تھی یہ صرف حضرت عیسٰی کے لیے نہ تھی اور نہ ہی اُسی کلام کے وقت اس کا وجوب لازم نہ ادائیگی فرض تھی۔ رسالت کی اجازت کے وقت اِن احکام کا نفوذ ہوتا ہے اصالیانِ نماز پر نماز۔ اصالیانِ زکوٰۃ پر زکوٰۃ جس کی صرف والدہ ہے اُس پر صرف والدہ کی فرماں برداری جس کے والدین اس پر دونوں کی۔ جباریت کی نفی فرما کر اشارہ کر دیا کہ مجھ کر میری شریعت میں جہاد فرض نہ ہوگا۔ اور جب شریعت کے نبی پر جہاد نہیں تو امت پر بھی نہیں۔ اس لیے کسی کو کسی پر جبر و ظلم کی اجازت نہ ہو گی شقیًّا کی نفی کر کے بدبختی و نحوست کی نفی فرما دی کہ میری اتباع کرنے والے نہ بد بخت ہو سکتے ہیں نہ منحوس دشمن اگرچہ الزام لگاتے پھریں۔ یہ جواب سب سے بہتر اور مضبوط ہے اب کوئی کسی قسم کا اعتراض باقی نہ رہا۔ اس کی مثال ایسی ہی سمجھو جیسے کوئی صبح کے وقت کہے کہ تمام بالغ عاقل مسلمانوں پر ظہر عصر وغیرہ نمازیں فرض ہیں اس کا معنٰی یہ ہوگا کہ ابھی نہیں بلکہ اپنے اپنے وقت پر۔ بعض مفسرین نے یہ جواب دیا کہ نماز سے مراد ذکر اللہ تسبیح و ظائف وغیرہ اور زکوٰۃ سے مراد طہارت ہے یہ بھی ٹھیک ہے مگر پہلا جواب زیادہ بہتر کہ یہ کلام صرف اطلاع ہے، ابھی کسی پر کچھ فرض نہیں حضرت عیسٰی پر زکوٰۃ تاعمر نہیں دو وجہ سے ایک یہ کہ نبی پر زکوٰۃ فرض ہی نہیں کیونکہ ان کا تمام مال ہی وقف ہوتا ہے۔ دوم یہ کہ عیسٰی علیہ السّلام کے پاس کبھی مال جمع ہی نہ ہوا۔ نیز اُمت کے غریبوں پر بھی زکوٰۃ نہیں دوسرا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ

یہاں فرمایا گیا وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ معرفہ کے ساتھ اور یحییٰ علیہ السّلام کے تذکرہ میں فرمایا گیا وَسَلٰمٌ عَلَیْہِ نکرہ کرکے۔ جواب: اس لیے کہ عیسٰی علیہ السلام کی سلامتی مشابہ اور مثل ہے پہلی سلامتی کے لہٰذا الف لام عہد خارجی لگایا گیا۔ یعنی مجھ پر اُس طرح کی سلامتی ہے جس طرح یحییٰ علیہ السّلام کی بعض نے جواب یہ دیا کہ پہلی سلامتی عمومی ہے جس کا تعلق دینی امور سے ہے دنیوی سلامتی ضروری نہیں اس لیے نکرہ ارشاد ہوا اور یہاں الف لام جنسی ہے یعنی ہر قسم کی خصوصی طور پر سلامتی۔ جان مال عزت وآبرو۔ ابلیس۔ انسان۔ جنات اور نباتات جمادات حیوانات کے شر سے قبر وحشر کی گھبراہٹ وملائکۂ عذاب اور عتاب سے۔ اسی لیے آپ کو آسمان پر اٹھا کر انسانی شر سے سلامتی عطا ہوئی مگر یحییٰ علیہ السّلام کو یہ سلامتی نہ ملی اور شہید کر دیے گئے۔

تیسرا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ کہ یہاں عیسٰی علیہ السّلام نے اپنے لیے فرمایا۔ لَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا۔ اور پہلے یحییٰ علیہ السّلام کے لیے فرمایا گیا لَمْ یَکُنْ جَبَّارًا عَصِیًّا۔ جَبَّارًا دونوں جگہ لیکن وہاں عَصِیًّا یہاں شَقِیًّا یہ فرق کیوں۔ جواب اس کی وجہ یہ کہ لفظ عَصِیًّا اور لفظ شَقِیًّا میں تین طرح فرق ہے ایک یہ کہ عصیًّا کا معنیٰ نافرمان گناہگار اور شقیًّا کا معنیٰ بدبخت اور نامراد ناکام دمنحوس حضرت یحییٰ کے لیے جب دعا مانگی تو زکریا علیہ السّلام نے عرض کیا تھا وَاجْعَلْہُ رَبِّ رَضِیًّا۔ اے اللہ اس کو رضی یعنی مقبول بارگاہ اور پسندیدہ بنانا۔ اور پسندیدہ ومقبول بننا نیک اعمالِ اختیاری سے ہوتا ہے بندے کے اپنے اختیار میں ہے پسندیدہ بننا اور عصیًّا بننا بھی بندے کے اپنے اختیار میں ہے لہٰذا وہاں یحییٰ علیہ السلام کے لیے عَصِیًّا زکریا کی دعا کی طرف اشارہ فرمایا گیا کہ وہ دعا قبول ہو گئی ہے اور یحییٰ ساری عمر رَضِیًّا ہی بنیں گے ایک آن کے لیے عَصِیًّا نہ ہوں گے اور حضرتِ عیسٰی کی غیر اختیاری صفت کا ذکر کیا گیا کیونکہ بدبخت یا خوش بخت ہونا بندے کے اختیار میں نہیں یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے دوم یہ کہ عَصِیًّا کا تعلق صرف دنیا کی زمینی زندگی سے ہے جس میں نابالغی اور سخت بڑھاپے کی مدت نیز نیند کی مدت شامل نہیں۔ مگر شقیًّا میں تمام زندگی خواہ کہیں ہو زمین پر یا آسمان پر شامل شقیًّا سے آسمانی زندگی کا اشارہ ملتا ہے۔ زکریا علیہ السّلام نے اپنے لیے شَقِیًّا کی نفی فرمائی وہاں رب تعالیٰ کے انعام وکرم کا ہی ذکر ہے جس میں بندے کے اختیار کو دخل نہیں ہوتا۔ عصیًّا کی نفی سے رضیًّا کا ثبوت مقصود تھا اس لیے وہاں عصیًّا فرمایا گیا۔ اور یہاں نبوت کے لیے اللہ تعالیٰ کے خصوصی انعامت کا ذکر مقصود تھا اس لیے شقیًّا فرمایا۔ رضیًّا وہ جو عصیًّا نہ ہو اور نبیًّا وہ جو شقیًّا نہ ہو سوم یہ کہ عصیًّا عمل ہے شقیًّا عادت چونکہ عیسٰی علیہ السّلام کے ہم پہلے کوئی دعا ثابت نہیں اس لیے شقیًّا ہی

درست تھا۔ چوتھا اعتراض۔ یہاں ارشاد ہے۔ قَالُوْا کَیْفَ نُکَلِّمُ مَنْ کَانَ فِی الْمَهْدِ صَبِیًّا قوم نے کہا ہم کیسے بات کریں اس سے جو جھولے کا بچہ ہے یا جھولے میں ہی بچہ ہے۔ جھولے میں ہی بچہ ہوتا ہے گویا جھولے میں بڑا آدمی تو نہیں ہو سکتا۔ اور جو جھولے میں بچہ ہو گا وہ جھولے سے باہر نکالا جائے تب بھی بچہ ہو گا تو یہ فقرہ نحوی قواعد سے کَانَ ناقصہ کی خبر نہیں بن سکتا تو پھر یہاں کَانَ ناقصہ کیوں مستعمل ہوا؟ جواب یہاں کَانَ ناقصہ نہیں ہے نہ یہ لفظ صَبِیًّا اس کی خبر ہے جیسا کہ ہم نے تفسیر نحوی میں اس کی مکمل وضاحت کر دی۔ بلکہ ہماری تشریح میں یہ کَانَ تامہ ہے اور لفظ صَبِیًّا کَانَ کے فاعل کا حال ہے اور ترجمہ اس طرح ہے کہ ہم اس سے بات کیسے کریں جو بچپن کی حالت میں ہے۔ یعنی صبی شخصیت نہیں بلکہ صبی حالت ہے بات کرنا شخصیت سے ہے اور شخصیت اس حالت میں ہے کہ نہ بول سکتی ہے نہ جواب دے سکتی ہے نہ ہماری بات سمجھ سکتی ہے جیسا کہ ہر آدمی اس حالت میں ہوتا ہے۔ اور نُکَلِّمُ کا معنیٰ ہے اپنی بات سمجھانا اور بات کا جواب لینا۔ اب اس ترکیب سے کوئی اعتراض نہیں پڑتا۔ امام محمد بن رازی نے اپنی کتاب مسائل الرازی میں یہ جواب دیا کہ کَانَ زائدہ ہے یا بمعنیٰ وقع۔ یا وجد۔ اور صبیًا مَنْ موصولہ کا حال ہے اصل عبارت اس طرح تھی کَیْفَ نُکَلِّمُ مَنْ فِی الْمَهْدِ فِیْ حَالِ صَبَاهُ۔ یا مَنْ وَقَعَ فِی الْمَهْدِ۔ یا مَنْ وَجِدَ فِی الْمَهْدِ۔ لیکن پہلا جواب درست ہے بلا ضرورت تقدیری عبارت بنانا صحیح نہیں۔

تفسیر صوفیانہ فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ قَالُوْا کَیْفَ نُکَلِّمُ مَنْ کَانَ فِی الْمَهْدِ صَبِیًّا. قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا اَیْنَ مَا کُنْتُ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّکٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا. وَّبَرًّا بِوَالِدَتِیْ. قلب معصوم نے قالب جسمی میں وسواس نفسانی سے بچنے کے لیے عقل سلیم کی طرف اشارہ کر دیا کہ میرے عمل و حمل فعل نقل کا مدار یہی ہے۔ اہل اشارات بولے کہ مہد سیری میں جو ابھی نفخ روح کا طفل صبیًّا ہے ہمارے سامنے اس کی کچھ حقیقت و قوت نہیں وہ ضمیر انسانی مثل صبی ہے ہم اس سے اسرار خودی کی گفتگو باطنی نہیں کر سکتے ضمیر ابدان نے فرمایا بے شک میں ہی عالم اجسام میں خلوت و جلوت کا عبد لاہوتی ہوں نہ ابن اللہ نہ نفس اللہ نہ ولی الٰہی۔ مریم قلب کا فرزند مطیع۔ کتاب اسرار مجھ کو ہی عطا ہوئی۔ مخبر کائنات واقف غیوبیات مجھ کو ہی بنایا گیا منبع برکات بھی مجھ کو بنا دیا گیا ہے زمین عفت آسمان فطرت میں جہاں کہیں بھی رہائش محلی علاقہ ناسوتی میں اختیار کروں میں۔ امر تاکیدی ہے میرے لیے اعمال عبدیت کی نماز کا طہارت سنت کی زکوٰۃ کا باطن جسمانی و روحانی کی نفس آخری تک

کہ زبین اعمال صالحہ سے جسم انسانی کو معطر و مزین کرتا رہوں۔ اور افکار ایمانی کی شیریں کلامی کی تقسیم عوارض و جوارح سے کرتا رہوں۔ اور ہر دم اطاعت قلب کرتا رہوں۔ مسیح ضمیر کی حیات برزخی کی پہچان یہ ہے کہ بندہ انسانوں سے الگ ہو کر صرف رب تعالیٰ سے لو لگا بیٹھا ہو اور اس کی نظر میں سونا مٹی۔ اعلیٰ و ادنیٰ برابر ہو ہی ہیں اِنّی عبداللہ کا نعرہ صادقہ لگانے والے جن کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نہ تجارت نہ خرید و فروخت غافل کر سکے نہ دنیا کی دولت چمک دمک مائل کر سکے وہ مولیٰ تعالیٰ سے ایسے وابستہ ہوتے ہیں کہ اس کے علاوہ کسی سے کوئی تعلق ہی نہیں رہتا۔ اِنّی عبداللہ کہنا آسان نہیں۔ مقصد ذات کو بدلنا پڑتا ہے تمام رشتوں کو توڑنا اور اللہ سے جوڑنا پڑتا ہے یہ نقب وحدت ذات سے ہے اور اس کا مقصد خالق تعالیٰ اور مالک تعالیٰ کی ذات ہے جب بندہ حقیقی معنیٰ میں اس بے نیاز ذات کو اصل مقصد بنا لیتا ہے تو کلمۃٌ مِن کلمات اللہ ہو جاتا ہے اور یہی نفسیات کی عمدہ صلوٰۃ و زکوٰۃ ہے پھر بندے کو دنیا کے جھگڑوں اس کی دولت عزت اولاد کھانے پینے اور دوسری لذتوں بلکہ گھر بار عمدہ لباس پہننے کا کچھ شوق نہیں ہوتا۔ وہ گوشہ خلوت میں بھی اَیْنَمَا کُنْتُ ہوتے ہیں۔ منازل روحانیت کا سفر ان کی خوشی سے ان کی خوشی دربدر قریہ بہ قریہ شہر بہ شہر پھرتے ہیں نہیں بلکہ کوچۂ محبوب و مطلوب کے اَیْنَمَا کُنْتُ کی رہائش ابدی ہے۔ تاکہ دائمی قربت الٰہی کی مسافت کم کر سکیں۔ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا۔ وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا۔ جب مرید صادق منزل عبدیت پر خلوص شوق سے ارادۂ پیہم کا قدم رکھتا ہے تو ہر قدم پر اس کو معبود قدیم کی طرف سے ایک انعام عطا فرمایا جاتا ہے۔ پہلے قدم پر عبدیت کا سہرہ لگایا جاتا ہے دوسرے قدم پر کتاب معرفت کا عطیہ تیسرے قدم پر مرشد و ہادی بنایا جاتا ہے۔ چوتھے قدم پر اعلان ہدایت۔ ہدایت مرشد تین قسم کی ہے ۱: خبر رکھنا۔ کہ مرید کے ہر حال کی مکمل خبر ہو۔ ۲: مرید کو ہر حال و واردات کی خبر دے سکے۔ ۳: بارگاہ ربوبیت سے خبر حاصل کر سکے۔ یہ تینوں قوتیں سب سے زیادہ بلکہ مکمل طور پر انبیاء کرام علیہم السلام کو حاصل ہوتی ہیں۔ سب انبیاء علیہم السلام کے ھَادِیْ مِنَ اللہ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ھادی خود رب تعالیٰ۔ اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام ہادی اولیاء اللہ انبیاء علیہم السلام کی تربیت سے ہدایت کی یہ تینوں قوتیں اولیاء اللہ کو حاصل ہوتی ہیں اسی طرف اشارہ ہے غوث اعظم کے اس شعر پاک کا۔

لِکُلِّ وَلِیٍّ قَدَمٌ وَّاِنِّیْ عَلٰی قَدَمِ النَّبِیِّ بَدْرِ الْکَمَالِ

یہی معنٰی ہے ترجمۂ مجدد بریلوی علیہ الرضوان کا نبی کی خبر وہ مخصوص و بے مثل ہے جس سے کوئی انسان
ازخود واقف نہیں ہو پاتا۔ اس لیے کسی بھی دنیوی مخبر کو نبی نہیں کہا جا سکتا۔ اولیاء اللہ کی خبریں
و معلومات تربیت گاہِ نبوت سے حاصل ہوتی ہیں۔ اس لیے ان سے بھی کوئی دنیوی خبر رساں واقف نہیں۔
پانچویں قدم پر خیر و برکت کا انعام ابدی دائمی چھٹے قدم پر صلوٰۃِ عشق کا تحفہ جو مومن کی معراجِ قرب ہے۔
ساتویں قدم پر تزکیۂ نفس کا غسلِ قبولیت و زینت۔ آٹھویں قدم پر۔ اطاعتِ مرشد کا نواں
قدم پر۔ نجاستِ نفس کے جبر و غرور کے فنا کی بشارت دسویں قدم پر شقاوتِ نفس اور نحوستِ بدنی
کا خاتمہ گیارھویں قدم پر نشانِ منزل کی سلامتی کا سرمایۂ ابدی دائمی۔ سلامتی کی تین قسمیں پہلی سلامتی صحرا
معرفت و طریقت کے راہ گزر کی۔ دوسری سلامتی رحلتِ فنا سے حصولِ بقا کی جب بندہ مُوْتُوا
قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا کا جامِ عشرتِ شوقِ لقا میں پیتا ہے۔ تیسری سلامتی۔ بقاءِ وجود اور وصل الی المطلوب کی
منزلِ بارگاہ تک بعثت و تمکنت کا مرتبہ یہ گیارہ قدم ہیں جو مرید کو مراد اور مہدی کو ہادی اور
عیسٰی ضمیر کو حیاتِ جمال سے مراتبِ سماوی عطا فرما دیتے ہیں جس سے ظاہر بیں تا کی نظر
آتا ہے باطن میں نور کا ملا محض بیں جنگل بادیہ اور وادیوں کی زمین پر نشین ہوتا ہے مگر شانِ
علوی میں نور کے پہاڑوں قرب کے آسمانوں پر جلوہ افروز خیمہ زن ہوتا ہے صرف گوزر کو بدنی کی
وصیت و تاکید فرمائی جاتی ہے تاکہ وہ ہر وقت اور ہمیشہ تزکیۂ نفس اور اعمالِ صالحہ کا صدقہ
و خیرات کرتا رہے اور اپنے باطن کو نفسانی آلائشوں سے صاف کر کے اپنے اوقاتِ حیاتِ
چند روزہ کو کدورتوں سے خالی کر کے برکاتِ الٰہیہ کے لیے جگہ بنائے اور اپنے مربی کے حضور
فرمانبرداری کا سر نیاز خم کئے رہے اور مرید کی یہ برّ اُمّ لوالدتی ہی اس کی باطنی کدورتوں کو
مٹا دیتی ہے۔ بندے کے لیے جباریت و شقاوت و عداوت وہ دیمک ہے جو چمنِ اعمال
و گلشنِ افکار کے ہر تصورِ شجرِ بہار کو چاٹ کر فنا کر دیتی ہے۔

ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِىْ فِيْهِ

وہ عیسٰی ابن مریم ہیں۔ (جس نے کہی یہ) سچی بات ایسی کہ جس میں (کافر لوگ)

یہ ہے عیسٰی مریم کا بیٹا سچی بات جس میں

يَمْتَرُوْنَ ﴿۳۴﴾ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهٗ

شش و پنج میں پڑے ہوئے ہیں نہیں ہے کچھ حاجت اللہ کو اس کی کہ کچھ بیٹے بنائے، پاکیزگی ہے اُس کو

شک کرتے ہیں۔ اللہ کو لائق نہیں کہ کسی کو اپنا بچہ ٹھہرائے پاکی ہے اس کو جب کسی کام کا حکم

اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۳۵﴾

(ہر کمزوری سے) جب بھی اُس نے ارادہ فرمایا کسی بھی چیز کا تو فقط اتنا فرماتا ہے کہ ہوجا، تو فوراً وہ ہوجاتی ہے

فرماتا ہے تو یوں ہی کہ اُس سے فرماتا ہے ہو جا وہ فوراً ہو جاتا ہے

وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ

اور بے شک میرا اور تمہارا رب فقط اللہ ہی ہے تو اُس کی عبادت کرو کہ یہ ہی

اور عیسیٰ نے کہا بے شک اللہ رب ہے میرا اور تمہارا تو اُس کی بندگی کرو یہ راہ

مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۳۶﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ

سیدھا راستہ ہے۔ پس علیحدہ عقیدے بنا بیٹھے بہت سے فرقے اپنے درمیان

سیدھی ہے پھر جماعتیں آپس میں مختلف ہو گئیں

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۳۷﴾

پس ہلاکت ہے (ان میں سے) ان لوگوں کے لیے جو منکر ہوئے بڑے سخت دن کی موجودگی سے۔

تو خرابی ہے کافروں کے لیے ایک بڑے دن کی حاضری سے

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیت میں حضرت مریم کے فرزند ارجمند کا ذکر ہوا۔ اور فی المھد صبیا سے تذکرہ شروع ہوا۔ اب ان آیت میں اس بچہ کا پورا تعارف کرایا جا رہا ہے کہ وہ بچہ حضرت عیسیٰ

ابن مریم تھا دوسرا تعلق سابقہ آیت میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے اپنے زبانی تعارفی الفاظ کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں باری تعالیٰ کی طرف سے ان الفاظ کی تصدیق فرمائی جارہی ہے۔
تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں حضرت عیسٰی کے تعارفی الفاظ میں اِنِّی عَبْدُ اللّٰہ کا فرمان موجود تھا کہ حضرت یسوع مسیح اپنی عبدیت کا اعتراف اور تعارف بیان فرمارہے ہیں جس سے ثابت کے شرکیہ عقیدے کی تردید مقصود ہے۔ اب ان آیت میں باری تعالیٰ کا فرمان مذکور ہوا کہ اللہ کا کوئی بیٹا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ سب اس کے بندے ہیں اور بندے اولاد نہیں بن سکتے۔

تفسیر نحوی ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِىْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۔ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهٗ اِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ذٰلِكَ

اسم اشارہ بعیدی اس کا مشارالیہ غُلٰمًا زکیا ہے۔ چونکہ یہ عبارۃً بھی بعید ہے اور رتبۃً نیز مکاناً مراتباً بھی اس لیے ذٰلِكَ بعیدی اسم اشارہ فرمایا گیا یہ مبتدا۔ عیسٰی اسم مفرد جامد۔ اسم مقصورہ کی شکل ہے مگر مقصورہ نہیں اس لیے کہ مقصورہ اسماء عربی مؤنث الفاظ ہیں لیکن موسٰی ۔ عیسٰی یہ عجمی اور علم ہے غیر منصرف ہے عبرانی یا سریانی زبان کا ہے اس کی تینوں حالتیں (زبر۔ زیر۔ پیش) تقدیری ہوتی ہے۔ اصلاً ایشوع تھا بمعنی سردار۔ پردہ پوش۔ نرم دل۔ برکتوں والا پھر اہل عرب نے اس کی تعریب (یعنی عربی بنانا) کر کے اس کو عیسٰی کہنا شروع کیا۔ اسی طرح ایشوع سے یشوع ہوا پھر یسوع کہا گیا ترجمہ سب کا ایک ہی ہے یعنی ایشوع۔ یشوع۔ یسوع۔ عیسٰی بمعنی مبارک وغیرہ۔ ایک قول میں ایشا تھا پھر عیسٰی مُعَرَّب ہوا۔ ایک قول میں یہ عربی لفظ ہے یعنی بروزن فِعلٰی یا بروزنِ فِعلَل ہے عَيَسٌ سے مشتق ہے بمعنی سرخ سفید ہونا بعض نے کہا یہ عَیْسٌ سے مشتق ہے عیسٰی میں پہلی ی مزید فیہ ہے اور آخری مادے کی اصل ہے جس کو الف سے بدلا گیا۔ اور جب اس میں یاءِ نسبت لگائی جاتی ہے تو یہ الف واؤ سے بدل جاتا ہے جیسے عیسٰی سے عیسوی موسٰی سے موسوی۔ اسی طرح ہر اسم مقصورہ میں یہی قانون ہے مثلاً دنیا سے دنیوی۔ بعض کاتب یا مصنفین دنیاوی لکھ دیتے ہیں۔ وہ غلط ہے۔ حضرت عیسٰی۔ یسوع۔ مسیح کے حالات واقعات خصائل فضائل۔ مراتب وحلیہ شباہت تفسیر عالمانہ میں بیان ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ یہ لفظ عیسٰی مبدل منہ۔ ابنُ مضاف مریم مضاف الیہ۔ بدل الکل ہوا عیسٰی کا دونوں مل کر خبر مبتدا۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہوگیا۔ قَوْلَ۔ اسم مفرد حاصل مصدر جامد۔ بمعنی بات۔ بحالت نصب ہے یا اس لیے کہ پوشیدہ فعل مدح نَعَمْ کا مفعول بہ ہے یا حال ہے لفظ عیسٰی کا اور قول بمعنی کلمۃ اللہ ہے

یا مصدر مفعول مطلق ہے پوشیدہ فعل اَقُوْلُ کا۔ یا یہ مصدر تاکیدی ہے پہلے جملے قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ کا الف لام عہدی یا جنسی حق سے مراد اللہ تعالیٰ تب یہ اضافت اصلیہ ہے یا حق سے مراد سچائی ہے تب یہ اضافت توصیفیہ ہے۔ لیکن آسان اور درست ترکیب یہ ہے کہ قَالَ پوشیدہ کا یہ مرکب اضافی اگلی عبارت صفت سے مل کر اس کا مفعول بہ ہے۔ اَلَّذِیْ اسم موصول مذکر فِیْہِ جار مجرور ضمیر سے مراد ہے قَوْلَ الْحَقِّ متعلق مقدم ہے یَمْتَرُوْنَ کا۔ باب افتعال کا فعل مضارع معروف جمع مذکر مَرْیٌ سے مشتق ہے لغوی ترجمہ ہے جانور کا پستان سہلانا یعنی پَسْمانا۔ اصلاحی ترجمہ ہے گہرا اور سخت شک یعنی مخمسہ اور شش و پنج و تردد میں پڑ جانا دراصل تھا یَمْتَرِیُوْنَ ی پر ضمہ ثقیل تھا لہٰذا ی گر گئی اور ضمہ بوجہ واو جمع ماقبل کو دیدیا گیا اس کا مصدر ہے اِمْتِرَاءٌ ناقص یائی ہے ی ہمزہ سے بدل گئی خیال رہے کہ شکٌّ۔ رَیْبٌ وَظَنٌّ اور مَرْیٌ میں یہ فرق ہے کہ ظاہر وہم شک ہے باطن وہم ریب ہے اور بنا ٹوٹی وہم ظن (گمان) ہے اور ظاہری باطنی بنا ڈالی عقیدتاً وہم مرْیٌ ہے یَمْتَرُوْنَ اپنے فاعل پوشیدہ ھُمْ ضمیر اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ۔ موصول صلہ صفت ہے قول کی وہ مرکب توصیفی قَالَ پوشیدہ کا مفعول یہ سب مل کر جملہ قولیہ فعلیہ ہو گیا۔ مَاکَانَ فعل ناقص منفیہ ماضی مطلق واحد مذکر یہاں لفظ حاجتٌ یا لفظ صَحِیْحٌ پوشیدہ ہے جو اس کا اسم ہے دراصل تھا۔ مَاکَانَ صَحِیْحٌ یا مَاکَانَ حَاجَۃٌ لِلّٰہِ لام جارہ جوازیہ۔ جار مجرور متعلق ہے مَاکَانَ کا۔ اَنْ حرفِ ناصبہ یَتَّخِذَ۔ باب افتعال کا فعل مضارع۔ اس کا مصدر ہے اِتِّخَاذٌ۔ اَخْذٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بنانا لینا۔ اختیار کرنا۔ ھُوَ پوشیدہ اس کا فاعل ہے مرجع اللہ تعالیٰ۔ مِنْ جارہ تبعیضیہ وَلَدٍ اسم مفرد جامد جنسی بمعنیٰ اولاد۔ یہ جار مجرور متعلق ہے یَتَّخِذَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر خبر ہے مَاکَانَ کی وہ اپنے اسم خبر متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو گیا سُبْحٰنَہٗ۔ اسم مصدر ہے بروزن فُعْلَان غُفْرَان۔ سَبْحٌ سے بنا ہے اس کے باقی مشتقات باب تفعیل سے آتے ہیں۔ آخر کا الف نون زائدتان ہے۔ یہ ہمیشہ مضاف ہوتا ہے اس کا مضاف الیہ اسم ظاہر واحد بھی آتا جیسے سُبْحٰنَ اللّٰہِ اسم موصول واحد مذکر بھی جیسے سُبْحَانَ الَّذِیْ اور واحد مذکر حاضر یا غائب کی ضمیر بھی جیسے سُبْحَانَکَ یا سُبْحٰنَہٗ۔ یہ ہمیشہ منصوب ہوتا ہے۔ کیونکہ مفعول مطلق ہوتا ہے پوشیدہ فعل اُسَبِّحُ یا نُسَبِّحُ یا یُسَبِّحُ کا دراصل اس کی پوری عبارت اس طرح ہے اُسَبِّحُ اللّٰہَ سُبْحٰنَہٗ اس کا ترجمہ ہے پاکیزگی بیان کرنا۔ چونکہ اس کا فعل ہمیشہ پوشیدہ رہتا ہے اس لیے یہ حاصل مصدر کے معنی میں ہوتا ہے ترجمہ ہے اس اللہ کی پاکیزگی ہے ہر عیب سے یہ

مضاف ہے ہ ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ۔ یہ مرکب اضافی اپنے پوشیدہ فعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ اِذَا اسم ظرفِ زمانی شرطیہ۔ قَضٰی۔ بابِ ضَرَبَ کا ماضی مطلق قَضْیٌ کے مشتق ہے بمعنی فیصلہ کرنا ارادہ کرنا۔ ہفت اقسام میں سے ناقص یائی ہے۔ ھُوَ پوشیدہ اس کا فاعل ہے اَمْرًا۔ اسم مفرد جامد بمعنی چیز کام مفعول بہ ہے۔ یہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر شرط ہوئی فَ جزائیہ اِنَّمَا حرفِ حصر یَقُوْلُ۔ فعل با فاعل لَہٗ۔ بمعنی اس کو ہ ضمیر کا مرجع اَمْرًا ہے یہ جار مجرور متعلق ہے یقول کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ کُنْ فعل امر حاضر معروف واحد مذکر تامّہ۔ کُ ضمیر واحد حاضر اس میں پوشیدہ فاعل۔ جملہ ہو کر سبب ہوا۔ فَ۔ سببیہ۔ یَکُوْنُ۔ فعل مضارع حال۔ ھُوَ پوشیدہ کا مرجع اَمْرًا ہے اس کا فاعل ہے۔ فعل فاعل ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر مسبب ہوا دونوں مل کر مقولہ ہوا۔ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو کر جزا شرط و جزا جملہ شرطیہ ہو گیا

وَاِنَّ اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ۔ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْ بَیْنِھِمْ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ مَّشْھَدِ یَوْمٍ عَظِیْمٍ۔ وَاِنَّ اسْتینافیہ یہاں فعل قُلْ پوشیدہ ہے اِنَّ حرفِ تحقیق اللہ اس کا اسم ہے اس لیے اس پر فتحہ ہے رَبِّیْ۔ بمعنی میرا رب۔ وَاوٌ عاطفہ ہے۔ رَبُّکُمْ۔ بمعنی تمہارا رب۔ یہ دونوں مرکب اضافی معطوف علیہ معطوف ہو کر خبر اِنَّ ہے اِنَّ اپنے اسم خبر سے مل کر سبب ہوا۔ فَ سببیہ۔ اُعْبُدُوْا۔ بابِ نَصَرَ کا امر حاضر جمع مذکر۔ ھُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع تمام کفار یا تمام انسان (اُمّتِ دعوت) ہ ضمیر واحد کا مرجع اللہ مفعول بہ ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر مسبب۔ سبب مسبب مل کر قُلْ پوشیدہ کا مقولہ ہو کر جملہ قولیہ انشائیہ ہو گیا۔ ھٰذَا۔ اسم اشارہ قریبی مشارالیہ کے لیے مراد ہے عبادتِ الٰہیہ یہ مبتدا ہے صِرَاطٌ۔ اسم مفرد جامد بمعنی کھلا سیدھا آسان راستہ۔ دراصل تھا سِرَاطٌ س کو ص سے بدلا تاکہ قربِ مخرج کی مطابقت ہو جائے۔ ترجمہ ہے نگلنا اسی معنی میں حلق اور نرخرے کو سَرَیط یا صَرَیط کہا جاتا ہے راستہ اپنے اندر مسافر و سیاح و سیار کو نگل لیتا ہے یہ موصوف مُسْتَقِیْمٌ باب استفعال کا اسم فاعل واحد مذکر۔ استقامۃٌ سے مشتق ہے بمعنی باقی اور قائم رہنے والا۔ مراد ہے مضبوط اور پختہ سنگلاخ، جس کو جنگل کے نباتات جھاڑ جھنکاڑ خود رو پودے فنا نہ کر سکیں۔ مراد شریعتِ اسلام یہ صفت ہے۔ موصوف صفت مل کر خبر مبتدا ر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ فَ استینافیہ (ابتدائیہ) اِخْتَلَفَ باب افتعال کا فعل ماضی مطلق واحد مذکر غائب مثبت۔ اس کا مصدر اِخْتِلَافٌ [illegible] بمعنی منہ موڑنا۔ چہرہ پھیرنا

مراد ہے نظریہ و عقیدہ بدلنا اَلْاَحْزَابُ۔ الف لام عہدی خارجی یا استغراقی اَحزاب جمع ہے حِزْبٌ کی بمعنی فرقہ یہ فاعل ظاہر ہے اِخْتَلَفَ کا۔ مِنْ حرف جر زائدہ یا تبعیضیہ بَیْنِ اسم ظرف مکانی معرب متمکن ہے مضاف ہے ھِمْ ضمیر جمع غائب متصل مضاف الیہ یہ مرکب مجرور متعلق اِخْتَلَفَ کا۔ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ فَ زائدہ وَیْلٌ۔ اسم مفرد گیارہ معنی میں مشترک ہے مصیبت، ہلاکت، افسوس، سختی، جھڑک، عذاب، حسرت، ندامت۔ ذلت، تباہی، جہنم کا ایک حصہ۔ اس کا مؤنث لفظی ہے وَیْلَۃٌ۔ جب یہ کسی اسم ظاہر یا ضمیر حاضر و غائب کی طرف مضاف ہو تو ہمیشہ منصوب ہوتا ہے اگر یاء متکلم کی طرف مضاف ہو تو مکسور ہوتا ہے اگر مضاف نہ ہو تو معرب متمکن (ہر طرح کا اعراب) آجاتا ہے لیکن اس کا مؤنث مفرد ہو یا مضاف اسم معرب متمکن ہی ہوتا ہے۔ یہاں وَیْلٌ مبتدا ہے۔ لِلَّذِیْنَ۔ جار مجرور۔ کَفَرُوْا۔ باب نصر کا ماضی جمع غائب کُفْرٌ سے مشتق ہے بمعنی حق پسیح کا انکار کرنا۔ مِنْ جارہ زائدہ مَشْہَدِ۔ باب سَمِعَ کا اسم ظرف مکانی۔ شُہُوْدٌ سے مشتق ہے بمعنی حاضر ہونا۔ مشہد کے معنی حاضر ہونے کی جگہ مراد ہے میدانِ حشر مضاف ہے۔ یَوْمٍ۔ اسم مفرد جامد بمعنی دن۔ موصوف ہے عَظِیْمٍ اسم صفت مشبہ مبالغہ۔ یعنی بہت ہی بڑا۔ انتہائی سخت دن عِظَمٌ سے مشتق ہے۔ ھَڈی کو عربی میں عَظْمٌ کہتے ہیں اسی سختی کی وجہ سے یہ صفت ہے یہ مرکب توصیفی مضاف الیہ اور مرکب اضافی مجرور۔ جار مجرور متعلق ہے کَفَرُوْا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا اَلَّذِیْنَ کا۔ موصول صلہ مجرور ہوا۔ جار مجرور متعلق ہے وَاجِبٌ یا لَازِمٌ پوشیدہ اسم فاعل مذکر کا۔ وہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے وَیْلٌ مبتدا کی ہے دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ | ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ۔ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهٗ اِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔

وہ نومولود بچہ اور غلاماً زکیاً جس نے والدہ کی گود میں ایسی عالمانہ فاضلانہ فصیحانہ اپنے تعارف اور اپنی والدہ کی پاک دامنی کی دلیل لمیّ میں تقریر فرمائی عیسیٰ ابن مریم ہے سب سے پہلے آئندہ کے لیے اپنے بارے میں ظاہر ہونے والے کفریات و شرکیات کا دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ میں اللہ تعالیٰ کی سچی بندگی عبادت کرنے والا بندہ ہوں اے میری عقیدت والو مجھ کو ابن اللہ نہ سمجھ لینا شریعت کی اصطلاح میں بندے چھ قسم کے ہیں صالح مطیع، سعید، شقی، رَضِیًّا، عَصِیًّا۔ صالح وہ جو شوق و ذوق عشق و محبت لگن و فکر سے بلا تکلف و کسل

خوشی خوشی عبادت کرے اور ہر طرح سے سچی صحیح قابلِ قبول عبادت کرے۔ مطیع وہ جو کسل مندی سستی سہونت سے یا جبر و قہر پکڑ دھکڑ ڈانٹ ڈپٹ سے عبادت کرے سعید وہ جو ازل سے خوش نصیب اچھی تقدیر والا ہو یا برکت ہو بلکہ اس کے نام سے برکتیں حاصل کی جاتی ہوں۔ شقی وہ جو بد قسمت اور منحوس ہو کہ جہاں ہو بے برکتی اور نحوست پھیل جائے۔ رضی وہ بندہ جس کا ہر کام رب تعالیٰ کی پسند کے لیے ہو کسی غیر اللہ کی پسند ارادے میں شامل نہ ہو عصیاً وہ جو سمجھتے جانتے ہر کام رب تعالیٰ کی ناپسندیدگی کا کرے۔ اور بہ عقلِ نو مولود صرف ابن مریم ہے شرعاً۔ قانوناً۔ لغتاً۔ رسماً۔ رواجاً۔ اصطلاحاً جب کوئی بچہ دنیا میں پیدا ہوتا ہے تو تعلق داری کے اعتبار سے والدین میں تقسیم ہوتا ہے اور تعلق داری آٹھ قسم کی ہے ۱ اہل بیت ہونا ۲ آل ہونا ۳ اولاد ہونا ۴ عیال ہونا ۵ ذریت ہونا ۶ عترت ہونا ۷ نسل ہونا ۸ اصلیت والا ہونا۔ اہل بیت اصولاً صرف بیوی کو کہا جاتا ہے قرآنِ مجید میں صرف بیوی یا ایک آیت میں والدہ کو اہل بیت کہا گیا ہے بالتبع اور لغوی لحاظ سے اولاد کو گھر میں رہنے والے زیرِ تربیت افراد کو بھی ارشادِ حدیث پاک کی وجہ سے اہل بیت کہدیا گیا ہے۔ آل ہر فرماں بردار کو کہا جاتا ہے چونکہ اولاد سب سے زیادہ ہمہ وقتی فرماں بردار ہوتی ہے اس لیے اصطلاحاً اولاد کو بھی آل کہہ دیا جاتا ہے اس اعتبار سے آل عام ہے بیٹے کی اولاد یعنی پوتا پوتی کو اور بیٹی کی اولاد یعنی نواسا نواسی کو بھی۔ اولاد صرف اپنی نطفے والی اولاد کو یعنی سگے بیٹوں بیٹیوں کو کہتے ہیں پوتا پوتی نواسہ نواسی اولاد نہیں۔ عیال۔ ہر وہ شخص جس کی پرورش کی جاتی ہو۔ تو زیر پرورش تمام افراد پرورش کرنے والے کی عیال ہیں۔ خواہ قریب ہوں یا بعید ہوں چھوٹی عمر کے ہوں یا اپنے سے بڑی عمر کے اپنے ہوں یا غیر ہوں تمام فروعی خاندان تا قیامت ذریت ہے خواہ بیٹے سے چلے یا بیٹی سے۔ عترت صرف بیٹے کی پوری نسل کو کہتے ہیں لیکن آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت سے اپنی بیٹی فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد کو اپنی عترت فرمایا یہ صرف خصوصیت ہے۔ نسل والد کی طرف سے چلنی چاہیے ذریت کے لیے اور اصل والدہ کی طرف سے چلنی چاہیے تمام احکام عام انسانوں کے ہیں مگر کائناتِ انسانیت میں صرف عیسیٰ علیہ السلام کی ہی وہ خصوصی قدرتی معجزاتی شخصیت ہے جن کے یہ سارے تعلق آل اولاد عترت، ذریت۔ اہل بیت، عیال اصل۔ نسل سب کچھ حضرت مریم سے ہی وابستہ ہے یہ بالکل حق سچ ہے رب تعالیٰ نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام نہ ابن اللہ

ہیں نہ ابنُ الرَّجل۔ صرف ابنِ مریم ہیں۔ یہی وہ حقیقت ہے جس میں عیسائی شک میں پڑ گئے بلکہ عیار دشمن یہودیوں کی طرف سے عیسیٰ کی رفعت آسمانی کے تقریباً بیس سال بعد پولوس یہودی بناوٹی منافق عیسائی کی جانب سے شک میں ڈالا گیا۔ اور عیسائی لوگ آج تک اس مکاری کے جال میں پھنستے چلے آرہے ہیں اور اپنا دین وایمان برباد کئے ہوئے ہیں۔ یہودی خفیہ منصوبے کے تحت پولوس یہودی نے جھوٹا عیسائی بن کر سات طرح سے عیسائیوں کو گمراہ اور بے دین کیا اولاً ابنیت کا عقیدہ بنایا۔ دوم شریعت موسوی کو لعنت قرار دے کر دینی توانین اور احکام وعبادات سے ہٹایا۔ سوم کفارے کا مسئلہ منگھڑت کہا۔ چہارم تمام حرام چیزیں حلال کر کے عیسائیوں کو کھلائیں اس غلط عیسائیت کو تمام دنیا میں پھیلانے کا ڈھونگ رچایا۔ ششم۔ صلیب کا جھوٹا مسئلہ ایجاد کیا۔ ہفتم قتل مسیح کا جھوٹ باندھا اور عیسائیوں کو ورغلایا۔ سب سے بڑا کفر ابن اللہ کہنے کا ہے کیونکہ مَا کَانَ لِلّٰہِ۔ اللہ تعالیٰ کو قطعاً حاجت وضرورت نہیں ہے کہ اپنی اولاد بیٹا یا بیٹی بنائے یہ عقیدہ تو مریحی شرکِ اعظم ہے کیونکہ اولاد باپ کی شریک بلکہ وارث ہوتی ہے سُبْحٰنَہٗ۔ وہ جَلَّ شَانُہٗ تو ہر کمزوری سے پاک ومنزہ ہے اولاد تو والد کی ضعیفی ہوتی ہے اسی کمزوری کے وقت کے لیے حصول کی تمنا ہوتی ہے اولاد تو بےبسی بےکسی محتاجی کی نشانی ہے۔ لیکن رب تعالیٰ جَلَّ مجدُہٗ تو کسی چیز کے حصول میں نہ مجبور نہ منتظر نہ محتاج نہ مُسْتَعِیْن۔ بلکہ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا اس کی شانِ اعلیٰ تو یہ ہے کہ جب کسی امر کا فیصلہ کر لیا تو بس اتنا ہی ہوتا ہے کہ فرماتا ہے اے فلاں ارادے ہو جا تو لمحہ دیر نہیں ہوتی وہ ارادہ عالم وجود میں ظاہر ہو جاتا ہے وہ ارادہ خواہ ذرۂ ناچیز کا ہو یا آسمان زمین جیسی بڑی اشیاء کا۔ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ۝ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَیْنِهِمْ ۚ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝ اور اے دنیا بھر کے یہودیو، عیسائیو۔ بے شک اللہ تعالیٰ نہ کسی کا والد ہے نہ کسی کا ولد نہ کسی کا باپ ہے نہ اس کا کوئی بیٹا نہ کسی کا خاوند نہ کوئی اس کی بیوی بلکہ ازل سے وہ میرا رب ہے اور ابد تک تمہارا بھی رب ہے اور سچی حقیقی ربوبیت اسی کے لائق کیونکہ تمام کائنات ارضی وسماوی کی ساری مخلوق کے تمام رزق ضروریات۔ اسباب اور وسائط ہر وقت ہر آن ہر لمحہ اور پوری مخلوق جمادات نباتات حیوانات حشرات بحریہ۔ بریہ۔ جنات وملائکہ کا سب علم کہ کون کس وقت کہاں ہے کس حال میں ہے اور کس کو کس وقت کیا ضرورت وحاجت ہے ان کا کلی وجزئی علم وخبر صرف رب جَلَّ وعُلٰی ہی کو ہے اور جس کو قدرت کاملہ کی یہ شان ہو وہی

رَبُّ العالمین ہے اور ربوبیت ہی سببِ عبادت ہے جو رب نہیں ہو سکتا وہ معبود بھی نہیں ہو سکتا۔ ربوبیت کی یہ شان صرف اللہ ہی کے پاس ہے لہٰذا وہ ہی عبادتِ مخلوق کا سچا مستحق اس کے علاوہ کوئی بھی نبی ولی فرشتہ علیہم السلام یا پیر فقیر عالم انسان جنات یا کوئی بھی دیوی دیوتا گرو چیلا یا کوئی بھی بُت مورتی شجر حجر چاند سورج گائے بیل بکری بندر ذرہ بھر ایک لمحہ کے لیے بھی کسی قسم کی بھی عبادت یا سجدہ کے لائق و مستحق نہیں اور جب رب تعالیٰ ہی معبودیت کے لائق و سزاوار پس۔ فَاعْبُدْهُ۔ اُسی کی عبادت میں جُٹ جاؤ اور ہر ہر کام کو اُس اللہ خالق مالک معبود کی رضا میں عبادت بنا لو۔ اور یقینِ قلب و عقل سے سمجھ لو کہ بس یہ ہی صراطِ مستقیم ہے بارگاہِ قدس تک لے جانے والا یہی سچا سیدھا راستہ ہے۔ یہ کلام آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے یہاں قُل پوشیدہ اور خطاب موجودہ اور تا قیامت تمام یہود و نصاریٰ کو ہے۔ ایک قول میں یہ کلام عیسیٰ علیہ السلام کا اُسی بچپنے کا ہے۔ بعض نے کہا کہ آپ نے جوانی میں کلام تبلیغی فرمایا۔ مگر پہلا قول درست ہے اتنے سمجھانے بتانے سنانے پڑھانے کے باوجود فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ عیسائیوں کے بہت سے آپس میں مذہبی دینی عقائدی فرقے بنتے ہی چلے گئے۔ تفسیری عبارتوں کی تحقیق و تفتیش کے مطابق ویسے تو چھوٹے موٹے بہت سے فرقے عیسائیوں میں ہوتے اور ہوتے رہے مگر چار بڑے فرقے بنیادی مرکزی اب تک چلے آ رہے ہیں ۱۔ نصاریٰ جس کا انگریزی نام کیتھولک ہے۔ ان کا مذہب ہے مسیح ابن اللہ ہے (معاذ اللہ) دوسرا فرقہ یعقوبیہ ان کا مذہب ہے کہ مسیح اللہ اور الٰہ ہے اور آسمان سے بھیس بدل کر زمین پر آیا (معاذ اللہ) تیسرا فرقہ نسطوریہ۔ ان کا مذہب ہے کہ آسمانوں زمینوں میں تین معبود ہیں ایک باپ دوم بیٹا سوم روح القدس (معاذ اللہ)، ان تینوں فرقوں میں صلیب اور کفارہ کا مسئلہ مسلمہ ہے۔ چوتھا فرقہ۔ ملکانیہ۔ اِن کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ اللہ کے بندے اور نبی و رسول ہیں۔ ابن اللہ اور کفارہ کا عقیدہ غلط ہے۔ یہ حضرت مسیح کی سچی تعلیم پر ہیں ان کا کفر نزولِ قرآن مجید اور بعثتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلامیات کا انکار کرنے کی وجہ سے ہے۔ پہلے تینوں فرقے اس فرقے کے سخت دشمن ہیں پانچواں ٹولہ یہودیوں کا جنہوں نے اپنے کانوں سے حضرتِ مسیح علیہ السلام کی وہ بچپن کی تقریر سنی مگر پھر بھی اُس وقت سے آج تک کسی طرح پر بھی عیسیٰ علیہ السلام کو نہ مانا۔ بلکہ جانتے بوجھتے ہوئے کسی نے کہا یہ زکریا کا بیٹا ہے اور بادشاہی حکومت سے جھوٹی شکایت اِلزام تراشی تہمت بازی کر کے [illegible] مسیح [illegible] حضرت زکریا علیہ السلام کو لکڑیاں چیرنے

ہوئے جنگل میں گھیر لیا جب آپ نے اس ہتھیار بند حملہ آوری کا سبب پوچھا تو بڑی بے غیرتی اور ڈھٹائی سے کہنے لگے کہ تونے مریم سے بدفعلی کی ہے اور یہ نومولود تیرا بیٹا ہے۔ آپ نے ہزار طرح اپنی صفائی اپنی عمر اپنی ضعیفی کمزوری بتائی جس کو وہ خود بھی سب سمجھتے تھے مگر چونکہ شیطانیت و حکومت کا رعب سوار تھا اس لیے کسی دلیل کو نہ مانا تب آپ بھاگ کر ایک قریبی درخت کی کھوہ میں چھپ گئے قدرتِ الٰہی سے درخت بند ہو گیا۔ تب ابلیس نے مشورہ دیا کہ اس درخت کو آرے سے چیر دو اس طرح حضرت زکریا درخت کے ساتھ ہی چیر دیئے گئے اور آپ نے شہادت پائی بعض اقوال میں ہے کہ درخت چیرنے کے بعد دیکھا گیا کہ جسم زکریا غائب تھا یعنی ہو سکتا ہے کہ زندہ ہی جسم مع روح غائب ہو گیا ہو یا بعد شہادت واللہ اعلم بالصواب۔ بعض یہودیوں نے یوسف نجار جو بیت المقدس ہی کا ہمہ وقت حاضر عابد و زاہد تھا ولی اللہ سے مریم کو تہمت لگائی اور کہا کہ یہ نومولود یوسف کا بیٹا ہے (معاذ اللہ) بعد کی زندگی میں یہودی یونانی تمام عمر حضرت مسیح کو ستاتے ہی رہے کسی نے آپ کو جادوگر کہا کسی نے کاذب۔ اور صرف انکارِ مسیح و کتابِ انجیل ہی نہیں بلکہ شریعتِ توریت۔ ایمان عبادت بلکہ قیامت حشرِ محشر کے بھی منکر ہو گئے اور جنت و دوزخ کے نقشے اور ملکیت و استحقاق کے خود مرضی کے قائم کیے فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا لہٰذا اس قسم کے تمام کافروں کے لیے جہنم کا علاقہ وَیل یعنی وادیٔ ہلاکت اتنا سخت مصیبت ناک علاقہ کہ جس سے خود جہنم بھی پناہ مانگتی ہے۔ یہ علاقۂ جہنم اُن کفار کے لیے ہے ظاہر ظہور کھلے لفظوں میں یومِ عظیم کی حاضری اور اس روزِ قیامت کے حساب کتاب سزا و جزا کا انکار و کفر کیا۔ یعنی یوم حاضری بارگاہِ الٰہی اور مشاہدۂ اعمال و جزا اور زیارتِ انبیا و ملائکہ کا انکار کیا بڑے دن کے مشاہدے کا جو بڑا ہے حقیقتاً بھی درازی میں بھی مصیبت میں بھی۔ اور اُس دن حاضری اور مجرموں کی پیشی ہے اعضا کی گواہی ہے۔ تفسیر ظلال القرآن میں ہے رفعتِ مسیح علیہ السلام کے وقت دو ہزار ایک سو ستر عیسائی سردار اور مذہبی لیڈر و رہنما تھے ان میں مذہبی جھگڑا اور اختلاف یہودی شرارت سے ڈالا گیا اور چار فرقے ہو گئے ہر فرقے میں اس وقت تقریباً چار سو افراد تھے باقی سب سے علیحدہ رہے۔

عیسیٰ علیہ السّلام کے کچھ فضائل خصائل اور حلیہ شریف

قرآن مجید۔ حدیث پاک اور واقعۂ معراج شریف میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حلیہ پاک کچھ اس طرح ہے کہ بچپن سے ہی بہت خوبصورت اور وجیہہ یعنی نرگانہ حسن والے

نہایت کم گو نرم دل منکسر محبت کرنے والے لمبا قد چوڑا سینہ سینے اور کلائیوں پر ہلکے بال گٹھا ہوا جسم نہایت باہمت طاقت ور آپ نے ساری عمر سر پر زلفیں رکھیں داڑھی مبارک چار انگل گھنی اور چوڑی۔ حدیثِ معراج میں ارشادِ اقدس ہے کہ عیسٰی علیہ السلام سرخ سفید رنگت والے۔ ایسے لگتے تھے جیسے ابھی نہا کر آئے ہیں۔ قرآنِ مجید نے فرمایا۔ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ یعنی دنیا اور آخرت میں وجاہت کی شان والے۔ وجاہت سے مراد چہرے کی بشاشت تروتازگی آپ کی وجاہت میں رعب اور مرعوبیت نہ تھی بلکہ بزرگانہ شان تھی ویسے تمام انبیاءِ کرام ہی نہایت خوب صورت اور ہمہ صفتِ عظمت موصوف ہوتے ہیں مگر بعض انبیاءِ کرام علیہم السلام کی کچھ خصوصی حیثیت ہوتی ہے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کو حسنِ کثافت ملا یعنی چمک اور روشنی والا حسن کہ اندھیرے کمرے میں اندھیرا نہ رہتا۔ عیسٰی علیہ السلام کو ملاحت ملا یعنی آپ کا رنگ اور ناک نقشے کی بناوٹ حسین وجمیل تھی۔ باقی انبیاءِ کرام علیہم السلام کو حسنِ ظاہر عطا ہوا ہمارے آقا حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حسنِ ملاحت یعنی ظاہری باطنی حسن بعض حسن کا اپنا ایک رعب ہوتا ہے کہ دیکھنے والا جھلک تابناک سے ششدرو مرعوب ہو جائے اس کو حسن ملاحت کہتے ہیں۔ حسنِ ظاہر میں دیکھنے والے کا دل چاہتا ہے کہ دیکھتے رہیں مگر حسنِ ملاحت میں دیکھنے کی تاب نہیں رہتی خود بخود نگاہیں نیچی ہو جاتی ہیں اسی کو اردو میں حسن نمکین کہتے ہیں جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت دولت قدرت زمین پر اجسامِ انبیا علیہم السلام کے وسیلے و ذریعہ ہی سے بشکلِ معجزہ اِرہاص نعمات سوغات وتحائف نازل ہوئی اسی طرح ہر قسم کا حسن بھی بارگاہِ رب العزت سے ابدانِ انبیا علیہم السلام ہی کے واسطہ وسیلہ سے زمین پر نازل ہوا پھر انبیاء مرسلین سے دیگر ذریتِ انسانی کو بحسبِ تقدیرِ ازلی حصہ ملتا رہا ہے۔ زمین پر آٹھ قسم کے حسن نازل ہوئے جو انبیا اپنے اجسام پر لے کر آئے ۱۔ حسن کثیف (چمک والا) ۲۔ حسن مداحت ناک نقشہ کی خوب صورت والا ۳۔ حسن جمال ۴۔ حسن جلال ۵۔ حسنِ ظاہر ۶۔ حسن باطن ۷۔ حسن صباغت۔ (رنگ کی خوب صورتی) ۸۔ حسنِ ملاحت یہ حسن تمام حسنوں کا جامع ہوتا ہے یہ ہی آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا اس حسن سے بندہ مجسمۂ حسن بن جاتا ہے۔ کہ کبھی اس حسن سے سوزنِ گمشدہ مل جاتی ہے اور کبھی دو ماہ کی مسافت تک کائنات مخلوق کو مرعوب کر دیتا ہے اور کبھی حضرت جابر و حضرت ابو ہریرہ قمر آسمانی و قمر مدنی کا تقابل کرتے ... صلی اللہ علیہ وسلم اس حسن کو حسن

اوّل بھی کہا گیا ہے یہ حسن کائنات میں بجز آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو نہ ملا۔ قرآن مجید میں رب تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی تینتیس صفات بیان فرمائیں اور مختلف احادیث و روایات میں تقریباً بیس عادات و خصائل بیان ہوئے۔ ۱ عابد ۲ زاہد ۳ تارک الدنیا ۴ ہمہ وقت دینی دنیوی سخی ۵ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا ۶ وَجِيهًا فِي الْآخِرَةِ ۔ ۷ نمازی ۸ مزکی طیب طاہر ۹ نبی ۱۰ مرسل یعنی صاحب کتاب ۱۱ رسول یعنی نئی شریعت والے ۱۲ جبار نہیں تھے۔ ۱۳ شقی نہ تھے ۱۴ والدہ کے فرماں بردار ۱۵ ولادت سے رفعت آسمانی تک سلامتی والے ۱۶ بعد نزول وفات تک سلامتی والے ۱۷ قبر سے حشر تک پھر حشر سے ابدالآباد تک سلامتی والے ۱۸ عیسیٰ ابن مریم ہوتے والے ۱۹ غیب کی خبریں کھلی چھپی باتیں بتانے والے ۲۰ مردے زندہ کرنے والے ۲۱ مٹی کے پرندے بنا کر اس میں پھونک مار کر جان ڈالنے والے ۲۲ اندھوں کوڑھیوں، بیماروں کو ہاتھ پھیر کر اچھا کرنے والے اسی وجہ سے آپ کا لقب مسیح ہے ۲۳ بچپن میں کلام کرنے والے۔ احادیث پاک میں یہ ارشاد پاک فرمائے گئے ۲۴ بچپن و جوانی میں نہایت حسین و جمیل ۲۵ عاجزی مسکینی والے ۲۶ مہمان نواز ۲۷ گھونگھر بالوں والے ۲۸ صائم الدھر یعنی ہمیشہ روزے دار ۲۹ ساگ پتے کھا کر گزارہ کر لینے والے ۳۰ کسی پر ظلم نہ کرنے والے ۳۱ دشمن کو معاف کرنے والے ۳۲ آپ پر جہاد فرض نہ ہوا ۳۳ کبھی کسی کو نہ جھڑکا ۳۴ مظلوم کی مدد فرمانے والے ۳۵ اکثر مسکراتے رہتے ۳۶ صابر و شاکر ۳۷ زمین پر ہی قیام فرماتے ۳۸ جب آسمان سے تشریف لائیں گے تو صلیب کو توڑیں گے اور اس جھوٹ کو دنیا سے ختم فرمائیں گے ۳۹ خنزیر کو روئے زمین سے ختم فرمادیں گے ۴۰ دجال کو قتل کریں گے ۴۱ رفعت آسمانی سے پہلے آپ کی پھونک اور سانس شفا بخش تھی لیکن جب دوبارہ تشریف لائیں گے تو آپ کی پھونک اور سانس ہلاکت خیز ہوگی کہ جہاں تک آپ کی سانس جائیں گی کافر اور یہود و نصاریٰ مرتے چلے جائیں گے یہاں تک کہ دنیا سے سب ناپید ہو جائیں گے ۴۲ جب پہلے آئے تو بنی اسرائیل کے آخری نبی بن کر تشریف لائے۔ ۴۳ آپ جب آئیں گے تو امت مصطفیٰ کے آخری ولی بن کر تشریف لائیں گے

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ دنیوی زندگی میں سب سے زیادہ خطرناک زہر قاتل صحبت بد اور عیار دشمن ہے کہ یہ دین

دنیا تباہ کر دیتے ہیں اُن سے بچنا ہر مسلمان کو ضروری ہے عبرت آمیز فائدہ۔ فِیْہِ یَمْتَرُوْنَ الخ فرمانے
سے حاصل ہوا کہ دیکھو عیسائی امت جو عیسیٰ علیہ السلام کے سچے اور مضبوط پیروکار و اُمتی تھے ایک
مکار یہودی کے کہنے ورغلانے میں آکر اُس کو دوست سمجھ بیٹھے اور اپنی دین دنیا تباہ آخرت
برباد کر ڈالی اور حضرت عیسیٰ کی اتنی فصیح بلیغ ظاہر ظہور حقیقی یقینی باتیں سننے کے باوجود صحبتِ
بد کے اثر سے شک میں مبتلا ہو گئے اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ کو بُھلا کر۔ ابنُ اللہ بنا بیٹھے اور مردودِ ازلی ابدی
ہو گئے دوسرا فائدہ۔ عیسیٰ علیہ السلام رَحْمَۃً لِّلنَّاسِ ہیں۔ لیکن آقائے کائنات حضور اقدس
صلی اللہ علیہ وسلم رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ ہیں عالمین میں عیسیٰ علیہ السلام بھی شامل یعنی نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم۔ جنابِ عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کی والدہ ماجدہ حضرت مریم کے لیے بھی رحمت ہیں
اور یہ رحمت ہی کا ظہور ہے کہ آج دنیا کے سامنے حدیث و قرآن کے ذریعے جناب
عیسیٰ و محترمہ پاک مریم کی جو سچی تصویر سیرت و سوانح کا جو سچا نقشہ اسلام نے پیش کیا وہ
نہ خود عیسائی پیش کر سکے نہ کوئی محقق و مورخ اور یہودی تو پہلے ہی ازل کے دشمن۔ بائبل
کو پڑھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ والدہ کے نافرمان گستاخ و بے ادب تھے بَرًّا بِوَالِدَتِیْ
اور یہ مندرجہ بالا چالیس پچاس صفات پاکیزہ بجز اسلام کسی نے بھی ظاہر نہ فرمائیں۔ بائبل سے
ثابت ہوتا ہے کہ حضرتِ عیسیٰ بزدل ڈرپوک قاتلوں دشمنوں سے ڈرتے چھپتے پھرتے۔ ایلی ایلی
لما شبقتنی کی فریادیں کرتے اور قتل سے بچنے کی دعائیں کرتے پھرتے تھے۔ مگر قرآنِ کریم نے
فرمایا وَجِیْہًا فِی الدُّنْیَا وہ انتہائی دلیر بہادر نڈر اور طاقت ور قوت والے جنہوں نے بچپن میں دشمن کی
پرواہ نہ کی وہ جوانی کی قوت میں کب ڈرتا ہے۔ بائبل کہتی ہے کہ مسیح کو خود ڈر کے مارے خوف
زدہ ہو کر اپنی صلیب خود اٹھا کر قتل گاہ تک آنا پڑا اور کانٹوں کا تاج پہنایا گیا اور مارتے
ہوئے قربان گاہ تک لایا گیا۔ اور اس بزدلی کا نام بیوقوفوں بدبختوں نے کفارے کا نام رکھا
مگر اسلام کہتا ہے وَمَا قَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ۔ حضرتِ مسیح کو نہ کوئی قتل کر سکے نہ سولی دے سکا
اور ساری عمر انھوں نے کبھی کسی کے آگے گردن نہ جھکائی بلکہ علی الاعلان جابر ظالم حکام سلاطین
کے سامنے کلمۂ حق بلند کرتے رہے یہ فائدہ اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ کی ایک تفسیر اور قرآن مجید کی
دیگر آیت سے حاصل ہوا تیسرا فائدہ عیسیٰ علیہ السلام بغیر والد پیدا ہوئے جو اس بات میں
شک کرے عیسائی ہو یا یہودی یا کوئی مسلمان کہلانے والا سب مردود ہیں اور مرتد کافر
یہ فائدہ ابنِ مریم فرمانے

احکام القرآن ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ اگرچہ ہر حق بات میں کسی قسم کا وہم اور شک کرنا گناہِ عظیم و ایمان کی کمزوری بلکہ بربادی ہے مگر خاص کر جس کے بارے میں حقانیت کے دلائل روزِ روشن کی طرح واضح اور صاف ہوں ان کے متعلق کسی کے ورغلانے سے شک میں آجانا تو بہت بڑا جرم اور گناہ ہے یہ مسئلہ فِیهِ یَمْتَرُونَ سے مستنبط ہوا۔ دوسرا مسئلہ۔ زمانۂ اسلام سے پہلے ہر عیسائی کافر نہ تھا بلکہ چار فرقوں میں ایک فرقہ مومن تھا لہٰذا۔ ارشاد باری تعالیٰ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوا میں تمام عیسائی مراد نہیں صرف وہ عیسائی داخلِ عتاب ہیں جنہوں نے اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ کا انکار کیا۔ اسی لیے یہاں لِلَّذِیْنَ تَحَزَّبُوا (الخ) کی دراز عبارت ارشاد ہوئی اگر ہر عیسائی داخل و شاملِ عتاب ہوتا تو اتنا ہی کہنا کافی تھا فَوَیْلٌ لِّلنَّصَارٰی تیسرا مسئلہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو رب یا رب کریم کہنا گناہِ کبیرہ ہے۔ اس لیے کہ لفظِ رب کی شرعی اصطلاحی جامع مانع تعریف کے اعتبار سے بجز خالق تعالیٰ کوئی کسی کا رب ہو سکتا ہی نہیں۔ لہٰذا رافضیوں کا۔ مولیٰ علی شیرِ خدا کو۔ رب کہنا۔ یا علی رب کا نعرہ لگانا اور لغوی معنی مراد لینا کہ رب بمعنی مربی ہے یہ سب باتیں غلط جھوٹ اور جہالت ہیں۔ اور کفر کے قریب گناہ ہے یہ مسئلہ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ۔ (الخ) سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں پہلا اعتراض یہاں فرمایا گیا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے تو کُن فرماتا ہے اور چیز ہو جاتی ہے یعنی لمحہ بھی دیر نہیں لگتی۔ یعنی آسمان زمین عرش و فرش اللہ تعالیٰ نے لمحہ سے بھی پہلے بنا دیئے۔ مگر آیت واحادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ چھ دن میں آسمانوں کو بنایا گیا۔ یہ تضاد اور تعارض کیوں؟ جواب وہاں قانون کا ذکر ہے۔ یہاں قدرت کا۔ یعنی قانون یہ ہے کہ ہر چیز آہستہ آہستہ بنائی اور اُگائی جائے۔ لیکن قدرت و قوت آنِ واحد میں سب کچھ کر سکتی ہے لہٰذا آیت میں نہ تضاد ہے نہ تعارض نوعیتِ مختلفہ کا علیحدہ علیحدہ ذکر ہے۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا کُنْ فَیَکُوْنُ اور کُنْ فعل امر خطاب ہے خطاب کے لیے مخاطب ضروری ہے تو یہاں اگر مخاطب معدوم ہے اور یقیناً معدوم ہے تو خطاب عبث اور بیکار ہوا۔ اور اگر مخاطب موجود ہے تو خطاب یعنی کُنْ۔ تحصیلِ حاصل (اور یہ بھی غلط ہے۔ جواب یہ اعتراض ان لوگوں پر پڑتا ہے جنہوں کُنْ کو کلامِ معنوی مانا ہے اور کلام لفظی مانا تب بھی غلط اس لیے کہ کُنْ صفت ہے اور اللہ کی ہر صفت قدیم ہے جب کہ کلام لفظی ہر طرح لفظاً و معناً حادث ہوتا ہے

اور اگر کلام نفسی کہا جائے تب بھی غلط کیونکہ کلامِ نفسی میں ظہور سے حروف کا صدور لازم اور حروف حادث
یہ ہی معتزلہ کا مذہب تھا۔ اہل سنت کے نزدیک۔ لفظِ کُن کلام نہیں نہ لفظی نہ نفسی نہ معنوی بلکہ نفاذِ
قدرت ہے یعنی رب تعالیٰ جب اپنی قدرت کسی چیز پر نافذ فرماتا ہے تو وہ ایک دم ہو جاتی ہے
بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ کُن سے مراد صفتِ تکوینی ہے جو صفتِ قدرت پر زائد ہے
کیونکہ رب تعالیٰ اس جہان کے علاوہ دیگر بے شمار جہانوں پر قادر ہے ان لوگوں نے قادر و
مقدور کے تعلق کا نام تکوین رکھا ہے مگر پہلا جواب درست ہے۔ تیسرا اعتراض اس کی کیا وجہ
کہ یہاں فرمایا گیا فَوَیۡلٌ لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لیکن سورۂ زخرف آیت ۶۵ میں فرمایا گیا فَوَیۡلٌ لِّلَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا
حالانکہ واقعہ ایک ہے۔ جواب۔ تفسیر فتح القدیر اور نیشاپوری نے یہ جواب دیا کہ کفر زیادہ ظاہر
ہے ظلم سے یہاں عیسائیوں کا کفر مراد ہے یعنی ابن اللہ کہنا اور وہاں یہودیوں کی گستاخی مسیح کا
ظلم مراد ہے جو اس کفر سے کمتر اور ہلکا ہے نیز یہاں واقعۂ مسیح ذرا تفصیل سے ہے وہاں
اجمالاً و مختصراً اس لیے ظلم کا ذکر کیا گیا جو کفر سے مختصر ہے دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ظلم سے
مراد بھی کفر ہے مگر ظلم مخصوص کفر ہے اور کفر ہر قسم کی نافرمانی الٰہی پر عام اس لیے یہاں پہلے عام
اور ہر قسم کے کفر کا ذکر کیا گیا اور بعد میں وہاں صرف مخصوص کفر کا ذکر ہوا۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ اَعۡلَمُ بِالصَّوَاب

تفسیر صوفیانہ

ذٰلِكَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ قَوۡلَ الۡحَقِّ الَّذِیۡ فِیۡهِ یَمۡتَرُوۡنَ ۔ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنۡ یَّتَّخِذَ مِنۡ وَّلَدٍ سُبۡحٰنَهٗ ۔ اِذَا قَضٰۤی اَمۡرًا فَاِنَّمَا یَقُوۡلُ لَهٗ كُنۡ فَیَكُوۡنُ ۔

وہ مسیحِ قالب جو مربوبِ قلب ہے اسی کی صوتِ صداقت حق ہے مگر اہلِ نفسِ امارہ ایسے
واضح کلماتِ الہامیہ میں بھی ہزار قسم کے شکوک شبہات ڈال کر باطل کا راستہ ہموار کرتے ہیں
جب کبھی نفسانی حرکات و صفات نمودار ہوتی ہیں تو شانِ الٰہیہ کو پہچاننے والا بندہ بے ریا
کیفیاتِ قلب سے اس کو بھانپ لیتا ہے۔ اور تب وہ رب تعالیٰ کی طرف راہِ فرار اختیار
کرتا ہے۔ اور افلاکِ بسیط میں چرچہ کرتا ہے کہ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنۡ یَّتَّخِذَ مِنۡ وَّلَدٍ رب سُبۡحٰنَهٗ وتعالیٰ
کو کسی شئی کی حاجت نہیں۔ والدیت و ولدیت سے پاک و منزہ اس کے حضور میں ورد و وظیفے
چلّے مراقبے۔ تسبیح و تہلیل کرنے والے کروڑوں افراد و انساب۔ جن انس پیر و مرید صوفی و
صافی۔ اشراف و اخیار۔ تمام ارضی و سماوی مخلوق ہر آن سجدہ ریز ہیں وہ ان عظیم قوتوں قدرتوں
طاقتوں والا ہے کہ اِذَا قَضٰۤی اَمۡرًا۔ جب کسی امر خفی و جلی اعلیٰ و اسفل اقرب و ابعد کا ارادہ فرماتا
ہے تو اپنی قدرتِ صفاتی کو کلمۂ کُن سے جاری و نافذ فرماتا ہے اور صفتِ قدرت عالمِ امکان

میں ظاہر ہو جاتی ہے نیست سے ہست۔ معدوم سے موجود فنا سے بقا کے بنا دیے ہیں اور تصفیہ قلب کے ذریعہ اُس کی دلجمعی ہوتی ہے روح و روحانیات سے لگاؤ ہوتا ہے۔ نفسانی حرکات سے اُس کے دل کو پریشانی لاحق ہوتی ہے۔ کدورتوں کے بازاروں سے نفرت ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے وہ صرف اللہ تعالیٰ سے اپنا قلبی تعلق قائم کرتا ہے جو اُس کے قلب کو اُس کے نفس پر حاوی و غالب رکھتا ہے۔ کُنْ صفت ہے فَیَکُوْنُ موصوف ہے کُنْ واحد ہے فَیَکُوْنُ کثرت ہے کُنْ صادر ہے فَیَکُوْنُ مصدر ہے۔ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَیْنِهِمْ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ یَوْمٍ عَظِیْمٍ۔ بے شک اے مسافرانِ راہِ سلوک صراطِ مستقیم صرف یہ ہے کہ تم ایک اللہ کی ہی عبدیت میں قدم ہمت رکھو۔ اُس کی پرستش صرف اس کی ذات کے لیے کرو۔ جیسا کہ خود رب کریم کا ارشاد ہے۔ كُوْنُوْا قَوّٰامِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ اے مریدانِ راہِ صفا اللہ تعالیٰ کے لیے مضبوط بن جاؤ اپنے جسموں اور روحوں کے ساتھ پورا انصاف کا معاملہ و مشاہدہ کرو اس طرح کہ نفس کی تذلیل اور قلب و روح کی تزئین کرو۔ یہی صوفیانہ اخلاق ہے۔ حقیقی عبادت یہی ہے لہٰذا اُسی خالق تعالیٰ معبودِ کائنات کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ ربوبیتِ ظاہری و باطنی ازلی ابدی سری و خفی اسی کے لائق ہے۔ عوام اجسام سے خواص ارواح سے خاص الخواص پاسِ انفاس سے اُسی مولیٰ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ احادیث میں ہے کہ دو فرشتے کاتبینِ اعمال ہیں اور چالیس فرشتے ذکر کی محفلیں ڈھونڈتے ہیں بندوں کو چاہیئے کہ ذکرِ الٰہی میں متحد ہو جائیں پچھلی قومیں اسی لیے تباہ برباد ہوئیں کہ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَیْنِهِمْ - انہوں نے اپنی نیتوں اور قلبی ارادوں میں اختلافاتِ کثیرہ کر کے اپنی خلوت و جلوت تباہ کر ڈالی کسی کا ذکر و عبادت حصولِ بہشت کے لیے کسی کی عبادت و زہد خواہشاتِ دنیوی کے لیے کسی کی عبادت ریا و نمود کے لیے۔ پس بربادی ہے اُن لوگوں کے اعمال کو جنہوں نے سب محنت اغراضِ دنیوی کے لیے کی اور قربِ معرفت حاصل ہونے والے مشاہدۂ جمال کے دن کو نہ مانا۔ اور اللہ کی عبادت اللہ تعالیٰ کے لیے نہ کی صوفیاء کرام کی اصطلاح میں قالبِ انسانی میں گیارہ تمثیلیں ہیں ۱ زکریا سے مراد روح ۲ زوجۂ زکریا سے قالب ۳ یحییٰ سے ذکر اللہ ۴ مریم سے قلب مومن ۵ غلاماً سے وارداتِ تجلیات ۶ بشراً سویاً سے مرشدِ کامل ۷ جذع النخلہ سے غذاءِ روحانی ۸ سریا سے علوم معرفتِ ایمانی ۹ کتاب سے اسرارِ لامکانی ۱۰ قوم سے ارادۂ نفسانی ۱۱ سلامتی سے مراد بقاء جاودانی ہے واللہ اعلم۔

أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَأْتُونَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُونَ

کیسا ہوگا سننا ان کا اور کیسا ہوگا دیکھنا ان کا جس دن آئیں گے وہ سب ہماری بارگاہ میں لیکن آج تو سب ظالم

کتنا سنیں گے اور کتنا دیکھیں گے جس دن ہمارے پاس حاضر ہوں گے مگر آج ظالم

الْيَوْمَ فِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ﴿٣٨﴾ وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ

ظاہر بظہور گمراہی میں مشغول ہیں۔ اور اے پیارے محبوب ڈرا دیجئے ان کو پشیمانی کے دن سے

کھلی گمراہی میں ہیں اور انہیں ڈر سناؤ پچھتاوے کے دن کا

إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ ۘ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٩﴾

جب فیصلہ کر دیا جائے گا انجام کا وہ سب ظالم اسی غفلت کے حال میں رہیں گے اور وہ کبھی ایمان نہ لائینگے

جب کام ہو چکے گا اور وہ غفلت میں ہیں اور وہ نہیں مانتے

إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا

بے شک ہم ہی قبضہ و اختیار رکھتے ہیں تمام زمین کے اور ان تمام لوگوں کے جو اس پر موجود ہیں اور ہماری طرف ہی

بے شک زمین اور جو کچھ اس پر ہے سب کے وارث ہم ہوں گے اور وہ

يُرْجَعُونَ ﴿٤٠﴾ ع وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ إِبْرٰهِيمَ ۚ إِنَّهُ

سب لوگ لوٹائے جائیں گے۔ اور تذکرہ فرمایئے اس کتاب میں ابراہیم کا بے شک وہ

ہماری ہی طرف پھریں گے۔ اور کتاب میں ابراہیم کو یاد کرو۔ بے شک وہ

كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا ﴿٤١﴾ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يٰٓأَبَتِ لِمَ

تھے سراپا سچائی (اللہ کی) خبریں بتانے والا۔ یاد کیجئے اس وقت کو جب فرمایا تھا اس نے اپنے باپ (مربی) کو

صدیق تھا نبی (غیب کی خبریں بتاتا) جب اپنے باپ سے بولا اے میرے باپ کیوں

۵

تَعۡبُدُ مَا لَا یَسۡمَعُ وَ لَا یُبۡصِرُ وَ لَا یُغۡنِیۡ عَنۡکَ شَیۡـًٔا ﴿۴۲﴾

پوجتے ہو تم ان پتھروں کو جو نہ سن سکے اور نہ دیکھ سکے اور نہ بچا سکے تم کو کسی چیز سے

ایسے کو پوجتا ہے جو نہ سنے نہ دیکھے اور نہ کچھ تیرے کام آئے

تعلقات اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں اشارۃً کفار کے چند کفریہ عقیدوں کا ذکر ہوا کہ خدا تعالیٰ کے لیے اولاد بناتے پھرتے ہیں اور دین کے معاملات میں جھگڑا کرتے ہیں۔ اب اس آیت میں ان ظالم کافروں کے لیے ظلم کا انجام بیان فرمایا جا رہا ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں مَشۡهَدِ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ یعنی قیامت کی حاضری کا ذکر ہوا۔ اب اس آیت میں اس روز قیامت سے ڈرانے کا تذکرہ ہے تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں حضرت مسیح کا ذکر تھا جن کو ان کی بعد والی قوم نے ابن اللہ کہہ کر شرک عظیم کیا۔ اب اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ ہے جن کی قوم نے نمرود کو معبود بنا کر شرک کیا۔

تفسیر نحوی اَسۡمِعۡ بِهِمۡ وَ اَبۡصِرۡ یَوۡمَ یَاۡتُوۡنَنَا لٰکِنِ الظّٰلِمُوۡنَ الۡیَوۡمَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ وَ اَنۡذِرۡهُمۡ یَوۡمَ الۡحَسۡرَةِ اِذۡ قُضِیَ الۡاَمۡرُ وَ هُمۡ فِیۡ غَفۡلَةٍ وَّ هُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ اَسۡمِعۡ افعال تعجب میں سے ایک فعل ہے افعل تعجب کے صرف دو صیغے ہوتے ہیں ان کی گردان نہیں ہوتی ۱۔ مَا اَفۡعَلَ ۲۔ اَفۡعِلۡ بِہٖ یہاں یہ دونوں فعل ۱۔ اَسۡمِعۡ اور ۲۔ اَبۡصِرۡ دوسرے صیغے کے وزن پر ہیں ان کی بناوٹ اور اشتقاق اسم تفضیل کی مثل ہے یعنی ثلاثی مجرد کے مصدروں سے خود ان مصدروں کو مذکورہ بالا صیغوں کے وزن پر لایا جاتا ہے مثلاً حُسۡنٌ مصدر سے مَا اَحۡسَنَ اور اَحۡسِنۡ وغیرہ۔ لیکن ثلاثی مزید فیہ کے مصدر کو بذات خود لا کر اس سے شدت کے مصدر کو ان وزنوں پر پہلے لگایا جاتا ہے مثلاً مَا اَشَدَّ اِسۡتِغۡرَاجًا اور اَشۡدِدۡ بِاِجۡتِنَابِہٖ وغیرہ پہلے صیغے مَا اَفۡعَلَ کی ترکیب اس طرح ہوتی ہے کہ مَا سوالیہ هُوَ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل اور اس کے بعد ایک ظاہر اسم یا ضمیر واحد غائب بارز اس کا مفعول بہ مثلاً۔ مَا اَفۡعَلَہٗ یا مَا اَفۡعَلَ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور دوسرے صیغے اَفۡعِلۡ کی ترکیب اس طرح ہوتی ہے کہ فعل کے بعد حرف جر بِ ہوتی ہے اور اس کے ساتھ اس کا مجرور اسم ظاہر یا واحد ضمیر یا جمع غائب یا حاضر کی ضمیر ہوتی

ہے اور یہ جار مجرور اس کے متعلق ہوتے ہیں اور یہ صیغہ مصدری معنی میں ہوتا ہے اس لیے اس کا فاعل نہیں ہوتا۔ نیز دونوں صیغوں میں اکثر سوالیہ تعجب ہوتا ہے لیکن تعجب خبریہ بھی ہوتا ہے پہلی صورت میں ترجمہ ہے مثلاً مَا اَحْسَنَ زَيْدًا کس چیز نے اچھائی دی زید کو اور اَحْسِنْ بِزَيْدٍ کتنی اچھائی ملی زید کو یا کتنا اچھا ہونا ہے زید کا۔ دوسری صورت میں ترجمہ۔ کیا اچھا ہے زید اور اَحْسِنْ بِزَيْدٍ کیا خوب حسن ہے زید کا۔ یہاں تعجب سوالی ہے نہ کہ خبری۔ بعض نے فرمایا یہ خبریہ تعجب دلانے کے لیے ہے اور قیامت کے دن کے فرمان الٰہی کا ذکر ہو رہا ہے یا ملائکہ یا انبیا یا مومنین کی گفتگو کا بیان ہے کہ قیامت کے دن وہ کہیں گے کہ دیکھو آج کیسے دیکھ رہے ہیں اپنی اس حالت کو دنیا میں مانتے ہی نہ تھے۔ نیز دونوں صیغوں کے معمولوں میں تقدم و تاخر یا کسی چیز کا فاصلہ جائز نہیں ہے۔ اَسْمِعْ سَمْعٌ سے مشتق ہے بِهِمْ۔ جار مجرور متعلق ہے دونوں مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَبْصِرْ بَصَرٌ سے بنا ہے۔ اس کا متعلق بِهِمْ پوشیدہ ہے پہلے بِهِمْ کے قرینے سے اس کا پوشیدہ رکھنا تخفیف کے لیے جائز ہے۔ يَوْمَ مضاف يَأْتُونَ باب ضَرَبَ کا مضارع معروف مستقبل جمع مذکر غائب اَتْيٌ مہموز الفا اور ناقص یائی سے بنا ہے لازم ہے بمعنی آنا۔ اصل میں تھا۔ يَأْتِيُونَ۔ یٰ ثقیل تھی گر گئی اس کا ضمہ ماقبل پر آگیا۔ هُمْ پوشیدہ اس کا فاعل نَا ضمیر جمع متکلم اس کا مفعول بہ یہ جملہ فعلیہ ہو کر مضاف الیہ يَوْمَ کا مرکب اضافی معطوف علیہ لٰكِنْ حرف عطف استدراک کے لیے یہاں جملے کا جملے پر عطف ہے لٰكِنْ دو قسم کا ہوتا ہے ۱ حرف تشبیہ مثقلہ سے مخفف کیا ہوا۔ ۲ حرف عطف (پہلے اور اصل سے مخففہ) یہاں یہی ہے اس کی نون کا کسرہ اگلے لفظ سے ملانے کی وجہ سے ہے۔ اَلظّٰلِمُوْنَ۔ الف لام استغراقی یعنی تمام تا قیامت ظالم۔ ظالمون اسم فاعل جمع مذکر هُمْ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل یہ جملہ اسمیہ ہو کر مبتداء اَلْيَوْمَ۔ اسم ظرف زمانی۔ ظرف ہے پوشیدہ اسم مفعول مَشْغُوْلُوْنَ جمع مذکر کا۔ فِيْ جارہ ظرفیہ مکانی کے لیے ضلال موصوف مُبِيْنٍ اسم فاعل واحد مذکر باب افعال سے یہ صفت ہے موصوف صفت مجرور متعلق ہے مَشْغُوْلُوْنَ سب سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہوا يَأْتُوْنَنَا کا دونوں مل کر مضاف الیہ يَوْمَ کا یہ مرکب اضافی ظرف ہوا اَفعال تعجب کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔ واؤ نیز جملہ اَنْذِرْ۔ باب افعال کا فعل امر حاضر معروف اس کا مصدر ہے اِنْذَارٌ نَذَرٌ سے [illegible] ڈرانا۔ هُمْ ضمیر جمع

غائب کا مرجع ظَالِمُونَ ہے۔ يَوْمَ مضاف اَلْحَسْرَةِ۔ الف لام عہد ذھنی حسرت اسم مفرد جامد بمعنیٰ پچھتاوا، پشیمانی مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مفعول بہ دوم ہے۔ اور مفعول بہ اوّل ھُمْ ضمیر ہے اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ۔ اِذْ، اسم ظرف ہے یہاں زمانِ مستقبل کے لیے۔ قُضِيَ ماضی مطلق مجہول بابِ ضَرَبَ سے ہے یہ ماضی بمعنیٰ مستقبل ہے۔ اِذْ کی وجہ سے، حقیقۃً یقینیہ کے لیے ماضی فرمایا گیا۔ گویا ایسا ہو ہی گیا۔ اَلْاَمْرُ، اسم مفرد معرفہ بمعنیٰ خصوصی تیصلہ انجام یہ نائب فاعل ذوالحال ہے واؤ حالیہ ھُمْ ضمیر مبتدا فِي جارّہ ظرفِ مکانی کے لیے غَفْلَةٍ اسم مفرد جامد حاصل مصدر غَفْلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ کسی چیز کا ذھن سے اتر جانا۔ یعنی علم ہو یا بتایا گیا ہو مگر ذھنی کمزوری یا ناتجربہ کاری یا لاپرواہی۔ یا نادانی یا بے خبری کی وجہ سے ذھن سے بات اتر جائے۔ بعض جہلا نے غفلت کا معنیٰ بے علمی کیا ہے وہ غلط ہے۔ بے علمی تو جہالت کو کہا جاتا ہے۔ یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ اسم مفعول مَوْجُوْدُوْنَ کا سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے مبتدا خبر مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ ھُمْ ضمیر مبتدا لَا يُؤْمِنُوْنَ فعل مضارع منفی بِلَا۔ ھُمْ پوشیدہ اس کا فاعل۔ جملہ فعلیہ خبر مبتدا۔ دونوں مل کر معطوف سب عطف مل کر حال ہوا اَلْاَمْرُ کا۔ ذوالحال حال مل کر نائب فاعل قُضِيَ کا سب جملہ فعلیہ ظرف ہوا اَنْذِرْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ۔ اِنَّا۔ دراصل اِنَّنَا ہے اِنَّ حرفِ مشبّہ۔ نَا ضمیر جمع متکلم متصل نَحْنُ، ضمیر جمع متکلم منفصل تاکیدِ حصر کے لیے ترجمہ ہے۔ بے شک ہم ہی یہ دونوں ضمیر تاکید و مؤکَّد مؤکِّد مل کر اسم ہے اِنَّ کا۔ نَرِثُ، ثلاثی مجرد شاذ کا پہلا باب حَسِبَ کا فعل مضارع جمع متکلم۔ وَرْثٌ سے مشتق ہے۔ لغوی ترجمہ ہے۔ بلا عوض کسی استحقاق کی وجہ سے کسی چیز کا مالک ہونا استحقاق چار قسم کا ہے ۱ قرابت داری کا حق میت پر ۲ عقل کی ذھانت کا حق علما اولیا صوفیاء پر ۳ سیاسی ملکی حق سلاطین پر ۴ خالق تعالیٰ کا حق مخلوق پر۔ ہر وراثت اپنے اپنے معنیٰ کے اعتبار سے ہے یہاں مراد حقیقی دائمی ازلی وراثت ہے نَرِثُ کا فاعل ضمیر پوشیدہ کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے اَلْاَرْضَ۔ الف لام جنسی یا استغراقی اَرْض بمعنیٰ زمین معطوف علیہ واؤ عاطفہ مَنْ اسم موصول عَلَيْهَا۔ جار مجرور متعلق ہے مَوْجُوْدٌ اسم مفعول واحد مذکر کا موجودٌ اپنے متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہوا۔ موصول صلہ معطوف ہوا۔ دونوں مل کر مفعول بہ ہے نَرِثُ کا۔ یہ تمام جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اِلَيْنَا ترجمہ ہے۔ ہماری طرف یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے اس مقدم یعنی پہلے ہونے سے حصر

کا فائدہ حاصل ہوا۔ یَرْجِعُوْنَ۔ باب ضَرَبَ کا مضارع جمع مذکر غائب رَجْعٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ لوٹنا۔ ھُمْ پوشیدہ کا مرجع مَنْ ہے فاعل ہے۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا سب عطف مل کر خبر ہے اِنَّ کی۔ اِنَّ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ مکمل ہوا۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْئًا۔

واؤ۔ یہ جملہ۔ بعض نے فرمایا یہ عاطفہ ہے اور عطف ہے سابقہ فعل اَنْذِرْ پر۔ اُذْكُرْ فعل امر حاضر معروف واحد مذکر۔ اَنْتَ اس میں پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل ہے مرجع آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم باب نَصَرَ سے ہے ذِكْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ تذکرہ کرنا۔ بتانا۔ فِي الْكِتٰبِ۔ جار مجرور۔ کتاب سے مراد قرآن مجید۔ ابراہیم اسم مفرد غیر منصرف، مفعول بہ اول ہے فی الکتاب متعلق ہے اُذْكُرْ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ اِنَّ حرف مشبہ ہٗ ضمیر کا مرجع اِبْرٰهِيْمَ اسم ہے اِنَّ کا كَانَ۔ فعل ماضی ناقصہ ھُوَ پوشیدہ ضمیر اس کا اسم۔ صِدِّيْقًا۔ بروزن فِعِّيْلًا اسم مبالغہ ہے بمعنی سراپا سچائی۔ اتنا سچا کہ جو کہہ دے وہی ہو جائے۔ صِدْقٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ سچ بولنا خبر اول ہے كَانَ کی نَبِيًّا اسم مفرد صفت مشبہ بروزن فعیل اسم صفاتی ہے تمام رُسُلِ کرام علیہم السلام اس کی جمع ہے انبیاء۔ نَبَأٌ سے مشتق ثلاثی مجرد مطرد کے پانچویں باب سے ہے۔ ترجمہ ہے اللہ تعالیٰ کی باتوں کی خبر دینے والا۔ یہ خبر دوم ہے كَانَ کی كَانَ جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی وہ اپنی اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ اِذْ۔ اسم ظرف زمانی۔ اس سے پہلے اُذْكُرْ پوشیدہ ہے یہ تمام عبارت جملہ قولیہ اس کا ظرف ہے۔ قَالَ۔ فعل ماضی ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ابراہیم لام حرف تعدیہ جارہ اَبِیْ۔ اسم مکسرہ بحالت کسرہ بمعنیٰ مُرَبِّی (رشتے دار پرورش کرنے والے) عربی زبان میں ہر مربی مرد کو اَبٌ اور ہر مربیہ عورت کو اُمٌّ کہہ دیا جاتا ہے وَالِدٌ اور اَبٌ۔ والدہ اور اُمٌّ میں عام خاص من وجہ کی نسبت ہے یعنی ہر والد اَبٌ ہوتا ہے لیکن ہر اَبٌ والد نہیں ہوتا۔ یہ جار مجرور متعلق ہے قَالَ کا۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ یا حرف ندا۔ اَبَتِ اس کی اصلیت میں دو قول ہیں ۱۔ یہ دراصل یَا اَبُ تھا۔ بمعنیٰ اے باپ تَ مکسورہ آخر میں ندا کی وجہ سے زائد کی ۲۔ دراصل تھا یَا اَبِیْ۔ بمعنیٰ اے میرے باپ یاءِ متکلم گرا کر اس کے عوض تَ لگائی اور تَ کو کسرہ دیا تاکہ یٰ کا نشان قائم رہے۔ اور یہ ہی درست ہے یہ منادٰی ہے۔ لِمَ۔ یہ مرکب لفظ ہے لام تعلیلیہ اور مَا استفہامیہ ہے۔ تخفیف کے لیے مَا کا [illegible] سوال انکاری کے لیے

یعنی ایسا نہ کرو۔ تَعۡبُدُ۔ بابِ نَصَرَ مضارع معروف واحد مذکر حاضر حال۔ اَنۡتَ پوشیدہ اس کا فاعل ہے۔ مَا اسم موصول بحالتِ فتحہ کیونکہ مفعول بہ ہے ما قبل فعل کا۔ لَا یَسۡمَعُ۔ مضارع حال منفی اس فاعل ھُوَ پوشیدہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَا یُبۡصِرُ۔ فعل ھُوَ پوشیدہ فاعل یہ بھی جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَا یُغۡنِیۡ۔ بابِ افعال کا مضارع حال منفی بلا۔ غَنِیٌّ سے بنا ہے اس کا مصدر ہے اِغۡنَاءٌ بمعنی بے پرواہ بے محتاج بنا دینا۔ یا بمعنی محفوظ کر دینا بچانا ہٹانا یہاں سب معنی درست ہیں۔ عَنۡ حرفِ جر زوالی یعنی دور کرتا کَ ضمیر حاضر کا مرجع اَبَتِ ہے۔ یہ جار مجرور متعلق ہے لَا یُغۡنِیۡ۔ شَیۡئًا۔ اسم مفرد نکرہ۔ مفعول بہ لَا یُغۡنِیۡ سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف۔ سب مل کر عطف صلہ ہوا مَا کا۔ موصول صلہ مل کر مفعول بہ ہوا تَعۡبُدُ کا وہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر بیان ہوا ندا کا۔ حرفِ ندا اپنے منادیٰ اور بیان سے مل کر مقولہ ہوا۔ قول مقولہ مل کر ظرف ہوا اُذۡکُرۡ پوشیدہ کا۔ وہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ اَسۡمِعۡ بِهِمۡ وَاَبۡصِرۡ يَوۡمَ يَاۡتُوۡنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوۡنَ الۡيَوۡمَ فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ وَاَنۡذِرۡهُمۡ يَوۡمَ الۡحَسۡرَةِ اِذۡ قُضِىَ الۡاَمۡرُ وَهُمۡ فِىۡ غَفۡلَةٍ وَّهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ۔

اے پیارے محبوب آج یہ کفار و بدکار۔ اپنی قوت طاقت دولت حکومت کے غرور میں اپنا سب انجام بھولے بیٹھے ہیں جو شیطان ان کو سنا دے بس وہی سنتے مانتے ہیں اور جو دنیوی روشنیوں کی چکا چوند جھلک ان کو دکھاؤ بس وہی دیکھتے ہیں۔ سننا تو وہ ہو گا جب اپنی سزاءِ دائمی کا اعلانِ قیامت سنیں گے اور دیکھنا بھی ہو گا جب وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم کے ویل کو دیکھیں گے آج کیا دیکھنا آج کیا سننا دنیا کی تو ہر چیز ہی پلک جھپکتے لمحہ گننے کی ہے اس دن کیا سننا اور کیا دیکھنا ہو گا جب وہ سب کے سب ہمارے پاس پکڑے جکڑے گرتے پڑتے آئیں گے مگر آج کتنا ہی ڈراؤ سمجھاؤ دامنِ اسلام میں بلاؤ کبھی نہ آئیں ظالم اپنی گمراہی میں ہی مست پھریں گے۔ گمراہی کو ہی درست راہ اور دشمن کو ہی دوست سمجھتے رہیں گے۔ اور اے محبوب آپ پھر بھی ان کو حسرت و مایوسی کے دن سے ڈراتے ہی رہو کہ اے بدبختو انجام کا فیصلہ تو کر دیا گیا ہے۔ تقدیر تو مبرم ہو چکی ہے کسی کے ٹالے سے نہ ٹلے گی نہ کسی دعا سے نہ التجا سے نہ فریاد سے۔ قیامت والے آخری حسرت کے دن تو سنایا جائے گا بتایا جائے گا کہ کفر پر مرنے والے کے لیے یہ عذابِ الیم ویل جہنم کا فیصلہ کیا گیا تھا چونکہ آج وہ ابلیس کے پھندوں میں پھنسے ہوئے ہیں اور ہر طرح کے عیش و آرام

بس ہیں اس لیے غفلت کی تہوں میں دبے ہیں آخرت کی سختی اور آپ کی نصیحتوں کو کبھی بھی نہ مانیں گے نہ مومن بننے کی دائمی شان و عزت حاصل کریں گے۔ تمام مفسرین کرام اس بات پر متفق ہیں کہ اَنْذِرْھُمْ میں تمام انسان تا قیامت مراد ہیں کافر غافل گناہگار فاسق فاجر سب ہی قسم کے انسان کو ڈراتے خوف دلانے کا حکم فرمایا جا رہا ہے اور اگرچہ اَنْذِرْ امر واحد کا صیغہ جس سے مراد آقاء کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی خطاب مگر بالتبع خطاب میں تمام علماء و مشائخ شامل کہ اپنے اپنے حلقے کو یَوْمَ الْحَسْرَۃِ سے ڈراؤ یوم الحسرت سے مراد اکثریت کے نزدیک قیامت کا دن ہے اور یہی قول جمہور درست ہے اس لیے کہ اصل حسرت اور مایوسی اسی آخری وقت آخری دن ہوگی۔ کفار کو حسرت ہوگی کہ کاش ہم ایمان لے آتے اس حسرت اور افسوس میں اُن کے کلیجے پھٹ جائیں گے۔ فاسقین غافلین کو بھی حسرت ہوگی کہ کاش ہم ہمہ وقت اللہ کی عبادت میں وقت گزارتے ایسے رحیم کریم اپنے خالق مالک رازق کی ذرہ بھر نافرمانی نہ کرتے اور ذرہ بھر گناہ کے قریب نہ جاتے یہ غفلتیں سُستیاں لمبی نیندیں اُس دن بہت پریشان کریں گی رُلائیں گی اور حسرت و افسوس کے پسینے بہائیں گی عابدین کو حسرت ہوگی کہ کاش ہم اور زیادہ عبادت کر لیتے۔ یہ دنیا کی قیمتی سانسیں پھر کب ملنا ہیں ایک سانس بھی ضائع نہ کرتے۔ قیامت کے دن کے انیس ۱۹ نام ہیں ۱ یوم الحسرۃ ۲ یومُ القیامۃ ۳ یوم الساعۃ ۴ یوم الحساب ۵ یومُ الحشر ۶ یومُ الجزاء ۷ یومُ الفرقان ۸ یومُ المیزان ۹ یومُ الفراغ ۱۰ یومُ الدّین ۱۱ یومُ الفرار ۱۲ یومُ الفزع ۱۳ یومُ الجزع ۱۴ یومُ العظیم ۱۵ یومُ المشہد ۱۶ یومُ الغرّط ۱۷ یومُ الموعود ۱۸ یومُ القارعۃ ۱۹ یومُ الحاقۃ بعض نے فرمایا کہ جنت میں اونچے مقام لینے کی حسرت ہوگی۔ مگر یہ قول غلط ہے اس لیے کہ جنّت مقامِ سُرور ہے اور حسرت باعثِ کُلفت و دل تنگی جنّت میں دل تنگی نہ ہوگی ہر جنتی کو اتنا آرام و راحت ہوگا کہ کسی مقام کے بدلنے کا تصوّر بھی نہ آئے گا جیسا کہ پچھلی آیت کہف میں گزرا۔ بعض لوگوں نے کہا یومُ الحسرت سے مراد فتوحاتِ اسلامیہ کا زمانہ ہے مگر یہ بھی غلط ہے اس لیے کہ اوّلًا تو دنیوی فتوحات کوئی صداقت کی دلیل نہیں دوم یہ کہ فتوحات کے نقشے بدلتے رہتے ہیں بدر و اُحد کے علاوہ بعد کی تاریخیں کتنے مختلف رنگ دکھاتی چلی آرہی ہیں کبھی کفر کا غلبہ تو کبھی مسلمانوں کا۔ سوم یہ کہ شکست سے حسرت نہیں ہوتی بلکہ یا تو یا تو بزدلی پیدا ہو جاتی [illegible] انتقام [illegible] کی تیاریِ جنگ اور

اگر کسی موقعہ پر تخت و تاج چھوڑتے وقت حسرت ہو بھی تو وہ صرف بادشاہ اور اُس کے خاندان یا اہلِ دربار اُمرا و وزرا کو رعایا کو اس حسرت سے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا۔ اور پھر یہ حسرت تو اپنوں کے ہاتھ سے بھی ہو سکتی ہے۔ اس وقتی خصوصی ناپائیدار سلطنت کے لیے ناپائیدار حسرت سے ڈرانے کے لیے اللہ تعالیٰ کو اَنذِرْهُمْ فرمانے کی ضرورت نہ تھی۔ اور یہ حسرت تو کئی دفعہ کفار کے ہاتھوں مسلمان بادشاہوں کو بھی کرنی پڑی ان تاریخی شکست و ریخت اُکھیڑ پکھیڑ سے کون ناواقف ہے لہٰذا ایسی تفسیریں کرنا حماقت و جہالت و مضحکہ خیزی ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ اس بات میں کوئی شک تردد امتراء اور ریب نہیں ہے کہ بیشک ہم ہی خالق مالک رازق ہونے کی حیثیت سے صرف اور صرف اِس پوری کائناتِ ارضی کے ازلی ابدی قدیمی وارث اور بالاستحقاق بلاعوض مالک و متصرف ہیں۔ جسے چاہیں دیں جس کو چاہیں نہ دیں جس سے چاہیں چھین لیں کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں اور صرف روئے زمین ہی نہیں بلکہ وہ تمام جمادات نباتات حیوانات۔ جنات۔ انسانات جو اس زمین پر بسے ہوئے ہیں اُن کے بھی ہم ہی وارث مربی و نگہبان ہیں۔ اُن کے ہر ہر حال و ضرورت سے خبردار ہیں۔ اور یہ سب نافرمان منکر و کفار جن و انس کل بروزِ حسرت ہماری طرف ہی قبروں سے اُٹھ اُٹھ کر لوٹائے جائیں گے۔ یہ سب ہماری ہی بارگاہ سے نیست سے ھست معدوم سے موجود ہو کر ہماری عبادت کرنے کے لیے زمین پر بھیجے اور بکھیرے گئے تھے۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا۔ اور اے چشمۂ علم و حکمت کی زبان والے محبوب اپنی کتاب قرآن و حدیث میں ہمارے ملکوت و ملک کے خلیل ابراہیم کا ساری مخلوقِ انسانیت کے سامنے چرچہ فرمایئے اُن کی شان و کمال صفات و حالات۔ تعلیم و تربیت۔ شریعت و ملت سب کے سامنے تذکرہ کیجئے تاکہ یہود و نصاریٰ کی اُن عیاریوں مکاریوں کا پردہ چاک ہو جائے جو انہوں نے توریت و انجیل کی آیتوں میں تغیر و تبدل کر کے ابراہیم کی سچی توحیدی عقیدت اور مضبوط کردار مربوط اعمال بہترین خصائل چمک دار فضائل پر کذب و افترا کے پردے ڈال رکھے ہیں خاص کر ان سردارانِ مکہ اور عرب دنیا کے سامنے جن پر اُن کا حق ہے۔ اَنساباً۔ نسلاً۔ قرابتاً دیناً ملتاً۔ عقلاً۔ فکراً ہر طرح ابراہیم علیہ السّلام کی اتباع اور پیروی فرماں برداری واجب ولازم ہے کیونکہ ابراہیم علیہ السّلام ہی اَبُو العرب اور تمام عربیوں کے جدِ اعلیٰ ہیں۔ نسل عربی کی بنیاد رکھنے والے اسماعیل علیہ السّلام کے والدِ محترم ہیں۔ اے عربیو اس وجہ سے بھی

تم کو بت پرستی چھوڑنی لازم ہے کیونکہ تمہارے جدِ اعلیٰ ابراہیم بت ساز و بت پرست نہ تھے۔ اور
اِن کی ملت کی وجہ سے ان سے تعلق کا دعویٰ کرتے ہو تب بھی تم کو بت پرستی چھوڑنی واجب
و لازم اے اہل عرب اگر تم خاندانیت ابراہیم پر فخر کرتے ہو تو مذہبی دینی تعلق اور حسبی نسبی
دنیوی تعلق غرضکہ ہر تعلق اخلاقاً فطرتاً تم کو اتباعِ ابراہیم علیہ السلام پر مجبور کرتا ہے۔ ہمارے
ابراہیم جامع صفاتِ کمالیہ تھے ہمہ صفت موصوف تھے۔ وہ صادق بھی تھے صدیق بھی نبی بھی تھے
رسول بھی۔ صدیق اور نبی میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے یعنی ہر نبی صدیق ہوتا ہے مگر ہر صدیق
نبی نہیں ہوتا صدیق کی چھ۶ نشانیاں ہیں ۱ بہت زیادہ سچ بولنے والا ۲ ہمیشہ سچ بولنے
والا ۳ سچائی اُس کے ساتھ لازم اور اس کا نشان و علامت بن جائے ۴ سراپا سچ بن جائے
۵ اپنے قول فعل عقیدے سے حق کی تصدیق کرنے والا ۶ ایسا سچا اور مقبولِ بارگاہ
کہ جیسا اُس کے منہ سے نکل جائے تو رب تعالیٰ اپنے کرم سے اُس کی لاج رکھ لے اور
ویسا ہی ہو جائے۔ رب تعالیٰ نے چار گروہ کو انعامِ خصوصیہ سے نوازا ۱ انبیاءِ کرام علیہم السلام
۲ صدیقین ۳ شہداءِ عظام ۴ صالحین۔ اسی طرح ولایت اور صدیقیت میں نسبت
عام خاص مطلق کی ہے یعنی ہر صدیق ولی اللہ ہے مگر ہر ولی اللہ صدیق نہیں ہوتا۔ نبوت
کے بعد صدیقیت کا درجہ ہے پھر شہدا پھر صلحا کا۔ نسبتیں چار قسم کی ہوتی ہیں ۱ نسبتِ
تساوی ۲ تباین ۳ عام خاص من وجہ ۴ عام خاص مطلق۔ (تفسیر فتح القدیر و معانی) اِذْ قَالَ
لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَلَا یُبْصِرُ وَلَا یُغْنِیْ عَنْكَ شَیْـًٔا اے مشاہدِ عالم حبیبِ دوجہان
اِن تمام اہلِ عرب اولادِ ابراہیم کو اپنا وہ مشاہدہ بھی یاد کراؤ جب فرمایا تھا ابراہیم نے
اپنے پرورش گاہ بھرے گھر میں اپنے مربی آذر سے کہ اے میرے مربی۔ تو کیوں پوجتا
پرستش کرتا ہے ان اپنے ہاتھ کے بنائے ہوئے بتوں مورتیوں کو جو نہ کچھ سن سکتے ہیں
اور نہ کچھ دیکھ سکتے۔ اور نہ تجھ کو کسی بھی چیز سے بچا سکے یا تجھ کو کچھ بھی غنی کر سکے نہ ہی بھرے کسی
معرکہ میں آئے نہ خود ہی تیرے ہاتھ سے بچ سکے جب چاہے تو ہی اُس کو رکھے پھینکے یا توڑے پھوڑے۔ کیا ایسی
ناقص کمزور بے بس چیز معبود ہو سکتی ہے۔ معبود تو وہ ہو سکتا ہے جس میں یہ سولہ صفات
قویہ ہوں ۱ خالقیت ۲ رازقیت ۳ زندہ کر سکنا ۴ مردہ کر سکنا ۵ مقتدر ہونا ۶
معاقِب یعنی نافرمان کو عذاب دے سکنا ۷ مثیب ہونا ۸ اِستغنا ۹ اِغنا۔ یعنی غنی کر
بھی سکے ۱۰ صمدیت ۱۱ مالکیت ازلیہ ۱۲ عالمیت تمام عالمین کے ذرے ذرے کو جانتا

پہچاننا ۱۳ تمام اسباب کا مالک ہونا ۱۴ اور چھپا ہونا ۱۵ انیت سے ہست معدوم کو موجود کرسکنا ۱۶ غالب ہونا۔ انسان کی الوہیت کے بارے کتنی سخت حماقت ہے اور خود ساختہ انتخاب کتنا غلط اور بیہودہ اور احمقانہ ہے۔ کتنا کرم ہے رب کریم کا کہ اُس نے اپنے دین وعبادت کے کام بندوں کے سپرد نہ فرمائے اور اُس کے لیے اپنے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا کسی کو صفی کسی کو خلیل کسی کو ذبیح کسی کو نجی کسی کو کلیم کسی کو مسیح اور کسی کو حبیب اللہ بنا کر وغیرہ وغیرہ صلی اللہ علیہ وآلہ وعلیہم اجمعین وسلم علیہم۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ بدقسمت انسان وہ ہے جو حق بات نہ سمجھ سکے اور گمراہی میں پڑا رہے دیکھو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ایک روزہ عمر کے ہانے میں اتنے فصیحانہ طریقے سے وعظ فرمایا جس میں سب سے پہلے اِنِّی عَبْدُ اللّٰہِ فرمایا۔ اتنی ہی عمر کا یہ کلام بجز معجزہ نہیں ہوسکتا چاہیئے تو یہ تھا کہ سب سننے والے اس کو قدرت الٰہی کا کلام سمجھ کر اس پر سچا پکا ایمان لے آتے مگر جن کی قسمت میں بدنصیبی تھی ایسے معجزانہ کلام کو سن کر بھی گمراہی رہے اور جن کو عقیدت و محبت بھی آئی تو وہ بھی مشرکانہ کہ حضرت مسیح کو اللہ یا ابن اللہ کہنا شروع کر دیا۔ یہ سب کچھ نفس امارہ اور صحبت بد کا اثر تھا۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو صحبت بد سے بچائے آمین یہ فائدہ لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْیَوْمَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ۔ یہ بھی رب تعالیٰ کا کرم ہے کہ مولیٰ تعالیٰ نے قرآن وحدیث کے ذریعے اپنے تمام بندوں کو دنیا و آخرت قبر و حشر کی ہر چیز ہر واقعہ سے مکمل طور پر آگاہ اور خبردار فرما دیا ہے تاکہ بچنے والے بچنے کی کوشش اور فکر کریں اور ضد کرنے والوں کو کوئی عذر باقی نہ رہے یہاں تک احادیث مبارکہ میں خبر دیدی گئی ہے کہ جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے اور میدان حشر اٹھا لیا جائے گا تب کچھ عرصہ کے بعد ایک جگہ موت کو دنبہ کی شکل میں لایا جائے گا۔ اور سب جنتی۔ جہنمی لوگوں کو اپنے اپنے میدان میں جمع کر کے وہ دنبہ دکھایا جائے گا اور اعلان ہوگا کہ یہ ہے موت۔ پھر اُس کو بھی سب کے سامنے ذبح کر دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ آج کے بعد اب کسی کو موت نہ آئے گی بس جو جہاں ہے وہ وہیں پر ابدالآباد تک رہے گا۔ یہ عبرتناک فائدہ اِذْ قُضِیَ الْاَمْرُ۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔ کیا عجیب وہ وقت ہوگا۔ اللہ اکبر۔ تیسرا فائدہ رب تعالیٰ نے اپنے چار قسم کے بندوں کو دنیا و آخرت کے انعامات ومراعات و درجات اور

ذکرِ خیر سے نوازا ہے جن میں تین کا حصول تو مشکل یا ناممکن ہے مثلاً نبوت کا حصول ناممکن صدیقیت کا مقام بھی وھبی ہے۔ شہادت پانے کا مقام دشوار و مشکل ہے لیکن عام بندوں کو صالحین کا مقام حاصل کرنا آسان ترین اور اختیار میں ہے صرف قلبی لگن اور محنت کی ضرورت ہے۔ ہر مسلمان کو اپنی دنیوی زندگی میں اس حصول کی کوشش کرنی چاہیئے اللہ سب کو توفیق عطا فرمائے یہ فائدہ صِدِّيقًا نَّبِيًّا۔ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء کرام علیہم السّلام دنیا کے تمام مراحل زندگی کے ہر لمحہ ہر آن صادق۔ اَصْدَق بلکہ صِدِّیق ہیں جو سچائی اور حقانیت کا سب سے اونچا اور بلند ترین مقام ہے۔ جو بدبخت شیطان نما انسان کسی نبی کو یا ابراہیم علیہ السّلام کو جھوٹ بولنے کی تہمت لگائے وہ بدترین گمراہ ہے ایسے ہی وہ شخص بدترین گستاخ و مردود ہے جو یہ کہے کہ انبیاء کرام جھوٹ بول سکتے ہیں مگر اپنی مرضی سے بولتے نہیں۔ انبیاء کرام علیہم السّلام کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ انبیاء علیہم السّلام تمام گناہ صغیرہ کبیرہ کے علاوہ جھوٹ سے بھی معصوم ہیں اور کذبِ انبیاء محال ہے ہر مسلمان کا فرضِ اوّلین ہے ایمانِ صحیح کے لیے یہ ہی عقیدہ لازم ہے پس جو شخص ابراہیم علیہ السّلام کے متعلق کہے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں تین جھوٹ بولے ۱۔ بیوی کو بہن کہا ۲۔ بتوں کو خود توڑ کر کہا کہ بڑے نے یہ کام کیا ۳۔ تندرست ہونے کے باوجود کہا اِنِّي سَقِيمٌ میں بیمار ہوں ایسا شخص جاہل اور بے علم ہے یہ اقوال جھوٹ نہ تھے بلکہ توریہ تھے اس کی تفصیل اور وضاحت اُن ہی آیت کی تفسیر میں دیکھی جائے۔ یہ مسئلہ یہاں۔ صِدِّيقًا فرمانے سے مستنبط ہوا۔ انبیاء کرام کے لیے تو امکانِ کذب بھی ناجائز ہے اعلیٰحضرت مجدد بریلوی فرماتے ہیں کہ جب کذب ممکن تو صدق ضروری نہیں رہا۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص۲۷۶ مسئلہ امکانِ کذب کا رد) دوسرا مسئلہ تبلیغ کئے جانا ہر عالم کا فرض ہے کوئی مانے یا نہ مانے۔ یہ مسئلہ وَأَنذِرْهُمْ کے بعد وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ تیسرا مسئلہ۔ دینی احکام کی تبلیغ میں کسی بھی شخصیت کی رورعایت جائز نہیں بلکہ ہر غلط کار انسان کو سمجھانا علما کا فرض ہے خواہ وہ غلط کار انسان دینی بزرگ ہو یا دنیوی امیر وزیر ہو یا بادشاہ و حاکم یہ مسئلہ اِذْ قَالَ لِأَبِيهِ کی پوری آیت سے مستنبط ہوا۔ کہ دیکھو ابراہیم علیہ السّلام نے حق تبلیغ میں اپنے مربی چچا آزر کی بزرگی کا خیال نہ کیا نہ یہ خوف کیا کہ چچا مجھے ابھی گھر سے نکال دے گا نہ یہ رعایت کی کہ امیر بزرگ ہے مجھے

بچپن اور یتیمی سے پرورش کرنے والا ہے۔ اس سے وہ علما اور مشائخ عبرت پکڑیں جو اپنی انجمن یا مریدوں کے ڈریا رعایت سے دینی مسائل چھپا لیتے ہیں یا توڑ موڑ کر دیتے ہیں۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔ پہلا اعتراض اَسۡمِعۡ بِہِمۡ وَاَبۡصِرۡ یہ دونوں فعل تعجب کے صیغے ہیں، رب تعالیٰ کے کلام میں یہ تعجب کیوں اللہ تعالیٰ تو تعجب فرمانے سے پاک ہے اس لیے کہ تعجب بے خبر کو ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ ماضی حال مستقبل سب سے باخبر ہے ہر ایک کے عمل و ثمر کو جانتا ہے بھلا اُس کو تعجب کیونکر ہو سکتا ہے۔ جواب اس بات کی وضاحت تفسیر نحوی میں کر دی گئی ہے۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ یہاں تعجب کرنا مراد نہیں بلکہ تعجب دلانا مراد ہے۔ کفار کو تو عبرت و غیرت دلانے کے لیے اور مسلمانوں و اہل ایمان کو حالاتِ اُخروی کی آگاہی و علمی معلومات و تبلیغِ احکام کے لیے یہ جواب تفسیر فتح القدیر نے دیا ہے بعض نے یہ جواب دیا کہ یہ افعالِ تعجب نہیں ہیں بلکہ صیغۂ امر ہیں ترجمہ ہے سنواُن کی اور دیکھو کفار کو از تفسیر مظہری بعض نے فرمایا کہ یہ صیغے تو فعل تعجب کے ہی ہیں مگر مقصود تعجب دلانا نہیں بلکہ تھدید اور جھڑک ہے اور محاورے میں اس طرح جھڑک دینا مشہور ہے۔ بعض نے جواب دیا کہ یہ تعجب کرنا یا دلانا مراد نہیں بلکہ کفار جب میدانِ محشر کی ہولناکی اور اپنی بے بسی و بلا کی خبریں دیکھیں سنیں گے تو خوف و ڈر کی بنا پر تعجب و حسرت آمیز گفتگو کرتے رہیں گے یہاں اُس تعجب کی حکایت کی جا رہی ہے۔ تعجب کی تعریف یہ ہے کہ کسی چیز کو کسی بڑائی کی وجہ سے بڑا سمجھ لینا۔ محاورۃً صرف بڑا سمجھنے کو تعجب کہا گیا اس کا کوئی سبب یا تو سرے سے ہی نہ ہو یا ہو مگر پوشیدہ ہو۔ وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ بِالصَّوَابِ۔ دوسرا اعتراض لَا یُغۡنِیۡ عَنۡکَ شَیۡئًا ۔ یعنی یہ لکڑی پتھر وغیرہ جن کے تم نے بُت تراش لیے ہیں تم کو کچھ فائدے نہیں پہنچا سکتے حالانکہ لکڑی پتھر تو بہت کارآمد چیز ہے اس سے بہت فائدے پہنچتے ہیں یہ چیزیں بہت مفید بھی ہیں اور ان کے ذریعے لوگ بہت زیادہ غنی و مالدار ہو جاتے ہیں تو یہاں غنا کی نفی کیوں کی گئی۔ جواب۔ معترض نے محض اپنا اعتراض بنانے کے لیے آیت کا مطلب و منشا غلط کر دیا۔ اگر صحیح معنیٰ دیکھا جائے تو کوئی اعتراض نہیں پڑتا۔ صحیح معنیٰ یہ ہے کہ لکڑی پتھر سے جب یہ دو کوڑی کے بُت تراش لیے تو اب یہ بحیثیت معبود بنائے جانے کے کیا فائدہ دے سکتے ہیں۔ کچھ بھی نہیں۔ جو ذمہ داری سچے معبود کی ہوتی ہے وہ یہ بت ذرہ بھر ادا نہیں کر سکتے آیت میں اُس لکڑی و پتھر کی معبودیت کا ذکر ہے نہ کہ اُن کی مالیت و جسمیت کا معترض نے اُن کی مالیت کے اعتبار سے اعتراض کیا ہے نیز مالیت کے لحاظ سے بھی جتنا پتھر یا جتنی لکڑی بُت میں لگتی ہے وہ بھی کوئی حیثیت

نہیں رکھتی۔ پھر یہاں آیت پاک میں۔ لَا یُغْنِیْ باب اِفعال سے ہے یعنی وہ مورتی اور بت اپنے ارادے
واختیار سے کسی کو غنی۔ اور محفوظ نہیں کر سکتے کسی آفت سے بچا نہیں سکتے۔ رہا یہ کہ لکڑی
پتھر سے نفع حاصل ہو جاتا وہ نفع بندہ اپنی تدبیر سے خود حاصل کر لیتا ہے بلکہ یہ نفع تو لکڑی
پتھر کو توڑ پھوڑ کر جلا کر فنا کر کے ذلیل کر کے حاصل کیا جاتا ہے خود لکڑی پتھر کی رضا کا قطعاً
اس میں دخل نہیں ہوتا۔ جب کہ آیت میں رضا و ارادے سے نفع دینے کا ذکر ہے
تیسرا اعتراض یہاں فرمایا گیا۔ وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ اِبْرٰهِیْمَ۔ اے نبی کتاب میں ابراہیم کا ذکر
بھی کرو۔ یہ اور اس طرح کا حکم اس وقت دیا جاتا ہے جب کوئی ذکر نہ کرنا چاہتا ہو یا بھول
جائے ذکر چھوڑ جانے کا اندیشہ ہو یا ذکر کرنا اور چھوڑنا اس کے اختیار میں ہو۔ جیسے
کسی خط یا کتاب لکھنے والے سے کہا جاتا ہے کہ اس خط یا کتاب میں میرا بھی ذکر کر دینا
یا فلاں کا بھی تذکرہ کر دینا۔ حالانکہ قرآن مجید میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قسم کا کوئی اختیار
نہیں نہ کم کرنے کا نہ کسی ذکر کو بڑھانے کا تو پھر یہ اس طرح حکم کیوں دیا گیا۔ جواب یہ امر
صرف آئندہ شخصیت اور اس کے تذکرے کی اہمیت بیان کرنے کے لیے تاکیدی طور پر
فرمایا گیا اور اس طرح عام محاورہ و رواج ہے یہ زیادتی کرنا نہیں ہے۔ اور پھر یہ امر صرف
نبی کریم آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہی نہیں ہے بلکہ تا قیامت ہر تلاوت کرنے والے
کے لیے ہے۔ چوتھا اعتراض اکثر مفسرین اہل سنت حضرت ابراہیم کے باپ آزر کو ابراہیم
علیہ السلام کا چچا کہتے ہیں کہ چچا تھے اور باپ تارخ تھے مگر دیوبندی وہابی حضرات کہتے
ہیں کہ آزر باپ ہی تھے چچا نہ تھے۔ عربی لغت میں چچا کو عَمّ کہتے ہیں اور باپ کو اَب کہتے
ہیں۔ اگر یہاں چچا مراد ہوتا تو اللہ تعالیٰ لفظ عَمّ ہی ارشاد فرماتا۔ قرآن مجید میں یہ تذکرہ چند
بار ہوا ہے کم از کم وضاحت کے لیے کہیں تو عَمّ کہا جاتا۔ ہر جگہ باپ ہی فرمایا گیا۔ اور مترجمین
اس کا ترجمہ بھی باپ ہی کرتے ہیں کہیں انھوں نے بھی چچا نہیں کیا صرف تفسیروں میں چچا لکھا ہے
اور تعجب ہے کہ جن مفسرین نے آزر سے مراد چچا لیا ہے وہ بھی ترجمہ کرتے وقت باپ ہی
ترجمہ کرتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ۔ جواب۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ عربی لغت میں چچا کو عَمّ
اور سگے نطفے والے باپ کو والد کہتے ہیں تو جس طرح آزر کے لیے عم کا لفظ ارشاد کہیں
بھی نہ ہوا اسی طرح لفظ والد بھی ارشاد نہ ہوا پس جن لوگوں نے آزر کو والد کہہ دیا ہے ان کے
پاس والد ہونے کی کوئی دلیل نہیں وہ والد ہونا کس طرح ثابت کریں گے۔ جواب تحقیقی یہ

ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد مرحوم کا نام حضرت تارخ ہے جو مومن تھے اور ایمان پر ہی فوت ہوئے۔ آزر چچا تھا جو کافر تھا اور کفر پر ہی فوت ہوا۔ لیکن اُس کو قرآنِ مجید میں عم نہ کہنا اَب کہنا اس لیے ہے کہ قرآنِ مجید ایک مختصر لفظ قرابت بول کر پوری تعلق داری سمجھانا چاہتا ہے کہ حضرت ابراہیم نے سارے مشرکین میں سب سے پہلے اُس کو تبلیغ کیوں فرمائی اور ابراہیم اُس کے گھر میں کیوں رہتے تھے۔ خیال رہے کہ لفظ اَبٌ مشترک ہے چند معنی ہیں ۱ اس کا معنی ناظمِ اعلیٰ ۲ منتظم الامور ۳ مالک ۴ منسوب الی الشی اور مربّی۔ یہاں آزر کو اب اس لیے کہا گیا کہ ابراہیم یتیم ہو گئے تھے تو آپ کے چچا نے اپنے گھر میں ہی جوانی تک انکو پرورش کیا پہ چچا کا رشتہ بھی تھا اور پرورش کرنے والے مُربّی بھی تھے اس لیے دونوں معنی کو ظاہر کرتے کے لیے اس کو اَبٌ کہا گیا۔ اُردو میں چونکہ اس کا ترجمہ باپ ہی کیا جاتا ہے اس لیے مترجمین نے قلّتِ لفظی سے مجبور ہو کر باپ کیا ہے لفظ اَبٌ جامع ہے بہت سے معنی کا اس لیے دونوں معنی کیلئے اَبٌ کہا گیا اگر عم کہا جاتا تو مربّی ہونے کا پتہ نہ چلتا اگر مربّی کہا جاتا تو عم ہونے کے رشتے کا پتہ نہ چلتا اس کی دلیل یہ کہ مسلم شریف کتاب الایمان جلد اوّل ص۱۱۴ اور ابو داؤد جلد دوم ص۲۹۳ کتاب السنۃ میں ہے کہ مولیٰ علی شیرِ خدا نے اپنے والد ابو طالب کی وفات کے بعد عرض کیا یارسول اللہ میرے باپ کہاں ہیں۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّ اَبِیْ وَ اَبَاكَ فِی النَّارِ بے شک میرا مُربّی اور تیرا مربّی نار میں ہے حدیثِ پاک میں اِنَّ رَجُلًا ہے شارحین فرماتے ہیں رَجُلًا سے مراد مولیٰ علی ہیں۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دل جوئی کے لیے اپنا بھی ذکر فرما دیا۔ اور چونکہ سوال صرف ایک شخص ابو طالب کے بارے میں ہے اس لیے جواب میں اِنَّ اَبِیْ اور اَبَاكَ دونوں لفظوں سے مراد ابو طالب ہی ہیں کہ اے علی تمہارے والد اور مربّی اور میرے چچا اور مربّی۔ یعنی پرورش عذابِ کفر کو ختم نہیں کر سکتی بالکل یہی نوعیت آزر کی ہے۔ (از شرح ابو داؤد فتح الودود) اَبِی کی نسبت بتا رہی ہے کہ ابو طالب چچا اور مربّی تھے ورنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کا نام تو عبد اللہ رضی اللہ عنہ مشہور ہے مگر اَبٌ ابو طالب کو کہا جا رہا ہے۔ بالکل اسی طرح آزر کا معاملہ ہے اس کے اور بھی دلائل ہیں مثلاً یہاں تو ہر جگہ اَبٌ فرمایا گیا مگر مغفرت والی دعا میں ابی نہ فرمایا وہاں وَ لِوَالِدَیَّ ارشاد ہوا ثابت ہوا کہ اَبٌ اور وَالِدٌ میں فرق ہے اسی طرح اَبٌ کی جمع آباء آجاتی ہے مگر والد کی جمع نہیں آتی۔ وغیرہ وغیرہ واللہ اعلم

تفسیر صوفیانہ اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۔ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۔

یہ جہانِ دنیوی بحرِ ظلمات ہے یہاں ہرجگہ اہلِ حق کے لیے رکاوٹیں اور مخالفتیں کھڑی کی جاتی ہیں مگر سلامتی دائمی انہیں کے لیے ہے ظاہری باطنی جسمی روحی عملی علمی اُن ہی اہلِ حق کی آواز سو سلامتی ہے اُن کی ہی شانِ وَرَفَعْنٰہُ کو بلندیوں تک سلامتی ہے آج عالمِ ناسوت میں بندگانِ نفس وابلیس نہ حق بات سننا چاہتے ہیں نہ اہلِ حق کی شانِ عظمت دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ یہاں تو باطل اپنا شور دکھا کر وقتی غلبہ حاصل کر لیتا ہے مگر وہ صرف باطل کا شور ہی ہوتا ہے لیکن زور و قوت ہر مقام پر حق کا ہی ہوتا ہے بحمدہٖ تعالیٰ اور پھر ایک وقت آتا ہے کہ طاغوتی طاقتیں ذلت کی بستی میں چلی جاتی ہیں اور اُن کو اِن ہی رذیل وخبیث آنکھوں سے آوازِ حق اور شانِ رفعت سننی اور دیکھنی پڑتی ہے کیسا وہ سناہے جب حسرت کے قلوبِ عبرت کے قالب میں پھٹ پڑیں اور ندامت کی آنکھیں پھوٹ جائیں اور جبر وقہر سے دھکلاتے پکڑ اتے بارگاہِ جلال میں ہمارے حضور حاضر ہوں گے۔ مگر آج میٹھی نیند میں ضلالِ مبین کے کھلے بستروں میں دُبکے پڑے ہیں۔ یہی نیند ہی تو اُن کا اپنی جانوں پر ظلم ہے اور اے محبوب ازلی ابدی اِن قسمت کے نامرادوں کو اُس دن اُس وقت اُس ہولناک ساعت سے ڈرائیے جب مُنعمِ حقیقی جلّ مجدہٗ کی طرف سے امرِ قدیمی کا فیصلہ پورا کر دیا جائے گا۔ بندگانِ مخلصین طالبانِ صادقین کو اُن کے عمل و مجاہدات زہد و ریاضات فکر و مراقبات کے ثواب وانعام میں مکاشفات و مشاہدات کے تحفے اور تمغے۔ خیر و صدا یا تقسیم فرمائے جائیں گے وہ محرومین و مغلوبین کے لیے یاس و حسرت عبرت وعُسرت کا یومِ عظیم ہوگا۔ اور اب اپنی خرمستی میں غافل و مدہوش مخمور و مغرور ہیں۔ اسی لیے کبھی ایمان نہ لائیں گے آج کے وقت یاد کریں گے پچھتائیں گے ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۔ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْئًا ۔ صوتِ صمدی جو مومن کے گوشِ سماعت میں الہامِ عرشی سے ہر وقت گونجتی رہتی ہے کہ بے شک ہم ہی مالکِ حقیقی ذاتی ازلی ابدی قدیمی ہیں ارضِ قالب اور اُن تمام قوتوں صفتوں خصلتوں کے جو اُس قالب پر ودیعت سارضی ہماری ہی طرف سے عطاءِ خسروانہ ہیں اور پھر ہماری ہی طرف ان سب کا لوٹنا ہے۔ لہٰذا نہ کسی شخص

کو ان طاقتوں پر مغرور ہونا چاہیے نہ غافل نہ ناجائز کام لینا چاہیے۔ بلکہ شکر الٰہی کی محفلیں قائم کرنا چاہئیں۔ روایت میں ہے کہ شکر کی محفلوں کو تمام مخلوق پسند کرتی ہے یہاں تک کہ چرند پرند شجر حجر بھی ان ذکر و شکر کی آوازوں سے اپنی لذت فرحت حاصل کرتے ہیں اور ملائکہ عرشی و فرشی انکو ڈھونڈتے رہتے ہیں جب کہیں پا لیتے ہیں تو نور کے گھیرے میں اس تمام اہل محفل کو ذکر الٰہی تک لیے رہتے ہیں جب محفل ختم ہوتی ہے تو رب کے حضور بارگاہ میں ان لوگوں کی سفارش بخشش کے لیے حاضر ہوتے ہیں رب تعالیٰ جو خود ہر شئی کا دانا و راز ہے فرشتوں سے پوچھتا ہے تم نے زمین پر کیا دیکھا عرض کرتے ہیں مولیٰ تعالیٰ ہم نے تیری حمد تسبیح تہلیل ذکر و شکر کی محفلیں دیکھیں ارشاد ہوتا ہے وہ کیوں میرا ذکر کرتے ہیں عرض کرتے ہیں مولا صرف تیری رضا کی خاطر ارشاد ہوتا ہے تم گواہ رہو ان سب کو میں نے بخش دیا۔

يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ

اے میرے مُربّی (پرورش کرنے والے) آگئے ہیں مجھ کو کچھ وہ علم جو تجھ کو نہیں آتے لہٰذا تو میری پیروی کر

اے میرے باپ بے شک میرے پاس وہ علم آیا جو تجھے نہ آیا۔ تو تو میرے پیچھے چلا آ

اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿۴۳﴾ يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ۭ

میں ہدایت دوں گا تجھ کو صحیح راستے کی۔ اے میرے مربی نہ عبادت کر تو ابلیس کی

میں تجھے سیدھی راہ دکھاؤں۔ اے میرے باپ شیطان کا بندہ نہ بن

اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿۴۴﴾ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْٓ

بے شک ابلیس اللہ تعالیٰ کا سخت نافرمان ہے۔ اے میرے مربی بیشک میں

بے شک شیطان رحمٰن کا نافرمان ہے۔ اے میرے باپ میں

أَخَافُ أَن يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ

اندیشہ کرتا ہوں کہ پڑے تجھ کو اُخروی سخت سزا اللہ تعالیٰ کی طرف سے

ڈرتا ہوں کہ تجھے رحمٰن کا کوئی عذاب پہنچے

فَتَكُونَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿٤٥﴾ قَالَ أَرَاغِبٌ أَنتَ

تو اس سبب سے لگ جائے تو ابلیس کے ساتھ۔ اس نے کہا کیا نفرت کرنے والا ہے تو

تو تو شیطان کا رفیق ہو جائے۔ بولا کیا تو میرے خداؤں سے

عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ

میرے معبودوں سے اے ابراہیم۔ البتہ اگر تو نے یہ نفرت ختم نہ کی تو یقیناً ضرور میں پتھروں سے ہلاک کر ڈالوں گا تجھ کو

منہ پھیرتا ہے۔ اے ابراہیم بیشک تو اگر باز نہ آیا تو میں تجھے پتھراؤ کروں گا

وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ﴿٤٦﴾

اور بس تو دور ہو جا مجھ سے بہت زمانوں تک۔

اور مجھ سے زمانہ دراز تک بے علاقہ ہو جا۔

تعلقات ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم الٰہی ہوا کہ آپ اپنی قوم کو قیامت کے حساب کتاب و عذاب و عتاب سے ڈرائیں۔ اب ان آیات میں فرمایا جا رہا ہے کہ حضرت ابراہیم نے بھی اپنے مربی چچا کو روز قیامت سے ڈرایا تھا۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں ذکر فرمایا گیا کہ زمین اور زمین کی ہر چیز و ہر شخص کا والی وارث مالک اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کی طرف ہر شخص نے لوٹنا ہے۔ اب ان آیات میں فرمایا جا رہا ہے کہ کفار نے اپنا والی وارث شیطان کو سمجھا ہوا ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیتوں سے حضرت ابراہیم کی وہ تبلیغی گفتگو شروع تھی جو آپ نے ... ان آیات میں چچا کی بھی تھوڑی

سی گفتگو کا ذکر ہے جو جوابًا اس نے کی۔

تفسیر نحوی

یٰاَبَتِ اِنِّیْ قَدْ جَآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ یَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِیْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِیًّا ۔ یٰاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِیًّا ۔ یَا حرفِ ندا، قائم مقام ہے فعل پوشیدہ اَدْعُوْا۔ واحد متکلم مضارع حال معروف کا، ترجمہ ہے میں بلاتا ہوں اے میرے باپ۔ (مربی) اَبَتِ مرکب اضافی مُنادیٰ ہے۔ اِنَّ حرفِ مشبہ، یٰ ضمیر واحد متکلم اِنَّ کا اسم ہے قَدْ جَآءَ۔ ماضی قریب واحد مذکر غائب لازم ہے جَیْئٌ سے مشتق ہے باب ضَرَبَ۔ نون وقایہ عربی میں نو قسم کی نون ہوتی ہے ۱۔ نون اعرابی ۲۔ نون جمع ۳۔ نون تثنیہ ۴۔ نون زائدہ ۵۔ نونِ تنوین ۶۔ نون ثقیلہ ۷۔ نون خفیفہ ۸۔ نون وقایہ ۹۔ نون عوضی۔ مثلاً ۱۔ یَضْرِبَانِ یَضْرِبُوْنَ ۲۔ یَضْرِبْنَ ۳۔ زَیْدَانِ رَجُلَانِ ۴۔ عثمان غفران ۵۔ غلامٌ ۶۔ لَیَنْصُرَنَّ ۷۔ لَیَنْصُرَنْ ۸۔ جیسے یہاں جَآءَنِیْ ۹۔ حِیْنَئِذٍ اِطْمَئَنَّ۔ یٰ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ ہے یا مفعول معہ، مِنْ حرف بعضیت کا۔ اَلْعِلْمِ۔ اسم مفرد معرفہ الف لام عہد ذہنی ہے۔ موصوف ہے۔ مَا اسم موصول بحالتِ جر کیونکہ صفت تابع ہے ماقبل کا۔ لَمْ یَاْتِ۔ فعل مضارع نفی حجد بلم بمعنیٰ ماضی مطلق بحالتِ جزم ہے دراصل تھا یَاْتِیْ اَتْیٌ سے مشتق ہے باب ضَرَبَ سے ہے لَمْ نے جزم دیا اس لیے آخر کی ی گرگئی ترجمہ ہے نہیں آیا۔ كَ ضمیر مفعول بہ ہے اس کا مرجع ہے اَبَتِ۔ لَمْ یَاْتِ۔ اپنے پوشیدہ ھُوَ ضمیر فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا۔ موصول صلہ مل کر صفت ہوئی عِلْم کی مرکب توصیفی مجرور ہو کر متعلق ہے جَآءَ کا یہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر اِنَّ۔ وہ جملہ اسمیہ ہو کر عطفی سبب ہوا۔ فَ سببیہ عاطفہ اِتَّبِعْ۔ بابِ افتعال کا امر حاضر معروف واحد مذکر تَبْعٌ سے بنا ہے بمعنیٰ پیچھے چلنا نقشِ قدم پر آنا۔ ہر قسم کا حکم ماننا اس کا مصدر ہے اِتِّبَاعٌ۔ تَ کا تَ میں ادغام کیا گیا ہم مخرج کی وجہ سے نون وقایہ یٰ ضمیر واحد متکلم اس کا مفعول بہ ہے یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر عطفی مسبب ہوا دونوں مل کر بیانِ اوّل ہوا اِنَّ کا اَهْدِ۔ فعل مضارع مستقبل واحد متکلم هَدْیٌ سے مشتق ہے بابِ ضَرَبَ بمعنیٰ ہدایت دینا راہ دکھاتا۔ دراصل تھا اَهْدِیْ۔ یٰ تخفیف کے لیے حذف ہوئی یہ فعل متعدی بدو مفعول ہے پہلا مفعول بہ كَ ضمیر ہے جس کا مرجع اَبَتِ ہے دوسرا مفعول بہ صِرَاطًا سَوِیًّا۔ مرکب توصیفی ہے صِرَاطًا اسم مفرد جامد بمعنیٰ راستہ موصوف ہے سَوِیًّا صفت مشبہ بروزنِ فَعِیْلًا سَوِیٌّ سے مشتق ہے بمعنیٰ برابر ہونا۔ ہر قسم کی کمی اور زیادتی سے پاک ہونا مراد ہے اللہ کا راستہ شریعت اور دین کا طریقہ یہ جملہ فعلیہ ہو کر بیانِ دوم

ہوا ندا کا حرفِ ندا اپنے دونوں بیانوں اور منادیٰ سے مل کر مفعول بہٖ ہوا اَدعُوا پوشیدہ فعل کا اور وہ جملہ فعلیہ ہو گیا۔ یَا اَبَتِ۔ حرفِ ندا اور منادیٰ۔ لَا تَعبُدِ فعل نہی واحد مذکر حاضر۔ اَنتَ اس میں پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل مرجع اَبَتِ لَا تَعبُدُ تھا۔ اگلے کلام سے جڑنے کی وجہ سے کسرہ ہوا۔ الف لام عہدِ خارجی مراد ہے ابلیس شَیطَانَ۔ مفعول بہٖ ہے لَا تَعبُدُ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر بیانِ اوّل ہوا ندا کا۔ اِنَّ حرفِ مشبہ بالفعل الشیطٰن اس کا اسم کَانَ فعل ناقصہ ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا اسم ہے جس کا مرجع شیطٰن ہے۔ لِلرَّحمٰنِ جار مجرور متعلق مقدم ہے عَصِیًّا صفت مشبہ کا۔ بروزنِ فَعِیلًا۔ وَلِیًّا قَوِیًّا۔ عَصِیًّا عَصیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ نافرمانی کرنے والا۔ یہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے کَانَ کی وہ جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی وہ جملہ اسمیہ ہو کر مکمل ہوا۔ بعض لوگوں نے کہا یہ اِنَّ کا تاکید ہے یا تعلیل ہے اپنے سابقہ جملے لَا تَعبُدِ کی مگر یہ درست نہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو سابقہ عبارت مؤکد یا معلول ہوتی اور یہ جملہ اِنَّ کو بیچ میں سے آتا۔ پھر وہ اِنَّ نہ رہتا اَنَّ ہو جاتا۔ اِنَّ کی ابتدائیت ختم ہو جاتی۔ یَا اَبَتِ۔ حرفِ ندا اور منادیٰ۔ اِنِّی حرفِ مشبہ اور یٓ متکلم اس کا اسم، اَخَافُ بابِ سَمِعَ کا فعل مضارع حال واحد متکلم خَوفٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ اندیشہ کرنا۔ تشویش ناک ہوتا فکر مند ہونا ڈرنا علم ہونا۔ یعنی میں جانتا ہوں جیسے واقعۂ خضر میں خَشِینَا بمعنیٰ عَلِمنَا ہے یہاں ہر معنیٰ مناسب ہے اس میں اَنَا ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے اس کا مرجع ابراہیم ہے۔ اَن ناصبہ یَمَسَّ۔ بابِ نَصَرَ کا مضارع واحد غائب مَسٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے۔ بمعنیٰ چھو جانا لگ جانا۔ پہنچنا۔ کَ ضمیر اس کا مفعول بہٖ۔ عَذَابٌ اسم مفرد جامد۔ یہ باب تفعیل کا حاصل مصدر ہے۔ دراصل ہے عَذَابٌ بروزنِ فَعَالٌ اس کا مصدر ہے تَعذِیبٌ عَذبٌ سے بنا ہے۔ لغوی ترجمہ میٹھا اور لذات دار ہونا جب یہ باب تفعیل میں آیا تو سلب کے معنیٰ پیدا ہو گئے باب تفعیل کی چھ خصوصیات ہیں ۱ متعدی ہونا ۲ کبھی مبالغہ ہونا ۳ کبھی نسبت کے لیے ہوتا ہے ۴ کبھی دعا کے لیے ۵ کبھی یہ ابتداءِ فعل کے لیے ہوتا ہے ۶ اور کبھی سلب اور ختم کرنے کے لیے۔ یہاں اسی معنیٰ میں ہے۔ یعنی زندگی کی لذت اور مٹھاس ختم کرنے والی سزا۔ گدلے پانی کو ماءِ تعذیب یا ماءِ عذاب کہتے ہیں اصطلاح میں اُخروی یا آسمانی سزا کو عذاب کہتے ہیں۔ یہاں یہی مراد ہے یہ فاعل ہے یَمَسَّ کا مِنَ الرَّحمٰنِ۔ یعنی اللہ رحمٰن کی طرف سے یہ جار مجرور متعلق ہے یَمَسَّ کا۔ یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر سبب ہو [illegible] ناقصہ واحد مذکر حاضر

اَنْتَ پوشیدہ اس کا اسم اس کا مرجع اَبَتِ ہے تَکُوْنَ منصوب یَمَسَّ پر عطف کی وجہ سے اور وہ منصوب ہے اَنْ ناصبہ کی وجہ سے۔ لِلشَّیْطٰنِ۔ جار مجرور متعلق مقدم ہے وَلِیًّا بمعنیٰ دوست ساتھی صفت مشبہ بروزنِ فَعِیْلًا کا۔ یہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے تَکُوْنَ کی یہ جملہ فعلیہ ناقصہ انشائیہ ہو کر معطوف مسبّب ہوا۔ یَمَسَّ کا دونوں مل کر مفعول بہ ہوا اَخَافُ کا وہ سب جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی وہ اِنَّ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر بیان ہوا نِدا کا۔ نِدا منادیٰ اور بیان مل کر اُدْعُوْا پوشیدہ کا مفعول بہ ہوا۔ پھر سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یٰاِبْرٰهِیْمُ۔ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِیْ مَلِیًّا قَالَ قَوْلٌ سے مشتق ہے ماضی مطلق فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ اَ۔ ہمزہ سوالیہ انکاریہ یہ سوال نفرت و تعجب کا ہے رَاغِبٌ باب سَمِعَ کا اسم فاعل واحد مذکر۔ رَغْبٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ پسند کرنا۔ خواہش کرنا۔ دلچسپی لینا جب اس کے بعد عَنْ زوالیہ حرفِ جر آ جائے تو اصل معنیٰ کا زوال یعنی خاتمہ ہوتا ہے۔ یہاں چونکہ عَنْ جارّہ زوالیہ ہے اس لیے ترجمہ ہوا بے رغبتی۔ ناپسندیدگی۔ نفرت۔ بیزاری منہ پھرانا اَنْتَ اس کا فاعل اور مرجع ابراہیم ہے عَنْ جارّہ فعل کے معنیٰ کی نفی اور زائل کرنے کے لیے اٰلِهَةٌ اسم جمع مکسر اس کا واحد ہے اِلٰهٌ بمعنیٰ معبود عَنْ اٰلِهَتِیْ کا ترجمہ ہوا میرے معبودوں سے یہ جار مجرور متعلق ہے رَاغِبٌ کا وہ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر بیانِ مقدّم ہوا۔ یا حرف ندا اِبْرٰهِیْمُ۔ اسم مفردِ غیر منصرف عجمی اَعْلَمُ ہے چونکہ یہ مضاف نہیں ہے اس لیے ضمہ آیا۔ اگر منادیٰ مضاف ہو تو فتحہ آتا ہے جیسے یَارَسُوْلَ اللّٰہِ۔ وغیرہ کہنا۔ حرفِ ندا اپنے منادیٰ اور بیانِ مقدم سے مل کر مقولۂ اوّل ہوا مقولۂ دوم اگلی عبارت ہے۔ لَامِ کے حرفِ زائدہ ہے کوئی عمل یا ترجمہ نہیں کرتا صرف شرط کی سختی ظاہر کرنے کے لیے ہے اِنْ حرفِ شرط لَمْ تَنْتَهِ باب افتعال کا مضارع واحد مذکر حاضر نفی جحد بلم بمعنیٰ ماضی لیکن اِنْ شرطیہ نے اس میں مستقبل کے معنیٰ پیدا کر دئیے یعنی آئندہ اگر ایسا ہوا۔ اس کا مصدر ہے اِنْتِهَاءٌ نَهْیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ باز رہنا منع ہونا۔ رک جانا۔ اَنْتَ پوشیدہ اس کا فاعل یہ جملہ فعلیہ ہو کر شرط لَاَرْجُمَنَّ۔ باب نَصَرَ کا فعل مضارع لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ واحد متکلم۔ رَجْمٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ پتھروں سے ہلاک کرنا اَنَا ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ہے اَبَتِ جو قَالَ کا فاعل ہے۔ کَ ضمیر واحد حاضر اس کا مفعول بہ مرجع ہے ابراہیم یہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا۔ شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ انشائیہ ہو کر مقولۂ دوم ہوا۔ واؤ۔ زائدہ اُهْجُرْ۔ باب نَصَرَ کا فعل امر حاضر معروف اَنْتَ پوشیدہ مرجع

ابراہیم نون وقایہ ی ضمیر مفعول ہے۔ مَلِيًّا۔ باب سَمِعَ کا صفت مشبہ بروزن فَعِيل۔ اس کا مادہ مصدر مَلْیٌ ہے لغوی ترجمہ ہے بھرنا۔ اب اگر حرفوں سے بھرا ہو تو اس کو اِمْلَاءٌ کہتے ہیں اگر بیابانی ریت سے بھرا ہو تو مَلَاۃٌ ہے۔ آدمیوں سے بھرا مَلْوٌّ ہے اس کا تثنیہ ہے مَلَوَانِ بمعنیٰ دن رات اس کی جمع کا ئیون درختوں سے بھرے جنگل کو مَلَا کہتے ہیں اور دن رات بیتتے ماہ و سال سے بھرے ہوئی مدت کو مَلِيًّا کہتے ہیں۔ اسم مبالغہ سے مراد ہے بہت ہی دراز مدت یہ ظرف ہے اُهْجُرْ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ سوم ہوا قال اپنے تینوں مقولوں سے مل کر جملہ قولیہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ عَصِيًّا۔

اے میرے مربی بے شک میں ہی وہ قوت و طاقت علم و فکر والا ہوں جس کے پاس اللہ تعالیٰ خالق کائنات کی طرف ایسا عظیم علم کا حصہ آیا ہے جو تیرے پاس نہیں آیا اور جس کی تجھ کو خبر تک نہیں نہ تجھ کو کسی سے مل سکتا ہے کیونکہ وہ غیبی علم اس وقت روئے زمین پر کسی کے پاس نہیں۔ خیال رہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام میں صرف ابراہیم علیہ السلام اور آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت ہے کہ ولادت کے وقت سے تبلیغ نبوت تک روئے زمین پر کوئی نبی کسی قوم میں نہ تھا تمام دنیا نبوت سے خالی تھی مگر فرق یہ ہے کہ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تو تا قیامت کوئی نبی نہ ہوگا لیکن ابراہیم علیہ السلام کے اظہار نبوت کے بعد دیگر انبیاء علیہم السلام بھی مبعوث ہوئے۔ دوسری تخصیص یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی تبلیغ بیس یا پچیس سال کی عمر میں شروع ہو گئی اس خصوصیت میں عیسیٰ علیہ السلام شریک ہیں۔ اس تبلیغ کے وقت آپ کی عمر شریف تقریباً بیس سال تھی یا پچیس سال جب آپ نے اپنے چچا مربی آزر سے فرمایا کہ اے چچا میری اتباع کریں تجھ کو بتا تا چلوں گا سیدھا سچا مضبوط و محفوظ سلامتی والا راستہ۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مربی کی عمر اور بزرگی بڑے پن کا احترام قائم رکھتے ہوئے اطاعت کرنے کا ذکر نہ فرمایا بلکہ فرمایا فَاتَّبِعْنِي۔ اطاعت کرانے میں اپنی بڑائی کا اظہار ہو سکتا ہے اتباع میں یہ بات نہیں یعنی یہ نہ فرمایا کہ جو میں کہوں وہ تم کرو بلکہ فرمایا کہ اے چچا جو میں کروں وہ تم بھی کرو اور وہ بھی میری شخصیت کی وجہ سے نہیں بلکہ میرے اس عطائی علم کی وجہ سے جو رب تعالیٰ نے مجھ کو دیا ہے۔ اس علم نبوت کی بنا پر میں کہتا ہوں کہ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ۔ ابلیس کو معبود نہ سمجھ لے نہ اس طرح کہ ہر شیطانی بات کو اچھا سمجھ کر اس پر عمل کرے۔ نہ کفار [illegible] کر اس کو معبود بنائے ہوئے

ہیں نہ اُن کفار کی طرح جو شیطان کی تصوراتی شکل کی مورتیں بنا کر پوجتے ہیں اور برا بھی سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اُس کے شر سے بچنے کے لیے ہم اُس کی پوجا کرتے ہیں۔ آج بھی ہندوؤں میں ایک فرقہ ایسا ہے۔ کوئی بھی طریقہ ہو سب کفر ہے کیونکہ۔ اِنَّ الشَّیْطٰنَ کَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِیًّا بے شک ابلیس (اصل شیطان) رحم و کرم فرمانے والے ہر مصیبت و معصیت سے بچانے والے اللہ خالق و مالک کا سراسر نافرمان ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اپنے اس تبلیغی کلام میں سات چیزیں واضح فرمائیں اَوّلاً یہ کہ چچا کے ذھن میں اپنے عمر رسیدہ اور بڑپن کی وجہ سے عقل و علم کی زیادتی کا وھم و گھمنڈ تھا جس کو مِنَ الْعِلْمِ فرما کر ختم کیا گیا دوم یہ کہ چچا اگرچہ سخت ترین و بدترین کافر تھا مگر ابراہیم علیہ السّلام نے عزت و احترام کو قائم رکھا یہ ہی اَخلاقِ نبوت ہے اپنے کو عالم اور چچا کو جاہل نہ کہا اگرچہ حقیقت یہی تھی۔ بلکہ علم ملنے اور نہ ملنے کا با ادب کلام فرمایا۔ ثالثاً اَھْدِكَ فرما کر ہدایت کی نسبت اپنی طرف کی اللہ کی طرف نہ کی کیونکہ آزر بھی اور ہر کافر بھی اللہ کی ہدایت کے منکر نہیں بلکہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ بتوں کی پوجا اللہ ہی طرف سے ہدایت ہے فرمایا کہ وہ ہدایت ہی نہیں جس پر تم ہو ہدایت وہ ہوگی جو میں بتاؤں گا جس پر میں چلاؤں گا۔ ہدایت تین قسم کی ہوتی ہے (۱) ہدایتِ شریعت و قرآن (۲) ہدایتِ انبیاء علیہم السّلام (۳) ہدایتِ باری تعالیٰ۔ پہلی ہدایت انبیاء علیہم السلام کی ہوتی ہے اگر وہ نہ ملے تو نہ قرآن و کتاب سے ہدایت ملے نہ رب تعالیٰ اس کو ہدایت عطا فرمائے۔ قرآن و کتاب و شریعت کی ہدایت راستہ دکھاتا ہے انبیاء علیہم السّلام کی ہدایت راستے پر چلاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت منزل تک پہنچاتا ہے۔ قرآنِ مجید کی ہدایت کا نام اَعمال ہے انبیاء علیہم السّلام کی ہدایت کا نام عقیدہ اور رب کریم کی ہدایت کا نام توفیق ملنا ہے چہارم یہ کہ یَا اَبَتِ اضافت کے ساتھ فرماتے میں تین خوبیاں ہیں (۱) ادب ہے (۲) وضاحت ہے (۳) عذاب اور اس کی نوعیت یا مکمل بیان ہے دوسری بار یَا اَبَتِ فرمانا علت ہے پہلی نصیحت کی۔ یہ ہے فصاحتِ کلام اَلْکَلَامُ مَا قَلَّ وَدَلَّ (۵) عَصِیًّا۔ فرما کر حق تعالیٰ کا اظہار فرمایا۔ اور شیطان کا انسانی دشمن ہونا حق العبد ہے (۶) اللہ کے حق کو مقدم رکھا اہمیت بتانے کے لیے ششم لِلرَّحْمٰنِ سے صفتِ رحمت کا اظہار ہے جو مصدرِ کُلِ خیر ہے۔ ابلیس نہ فرمایا کیونکہ یہ ذاتی نام ہے شیطان صفاتی نام ہے جو مظہرِ کُلِ شر ہے۔ ہفتم یہ کہ یہ نصیحت اپنے ذھن و عقل و سمجھ سے نہیں بلکہ مِنَ الْعِلْمِ اس علمِ عطائی سے ہے جو تم کو نہ ملا یعنی امیری کم عمری و کم تجربی سے کم عقلی و کم علمی پر دلیل نہ بنانا

اور اپنی درازِ عمری کے ترازو میں نہ تولنا۔ یَا اَبَتِ۔ اے میرے مربی میرے پیارے چچا مجھے بچپن دس سالگی یا پانچ سالگی یا شیر خوارگی سے پرورش کرنے والے میری اس تمام نصیحت کا باعث کوئی اپنی بڑائی ظاہر کرنا نہیں بلکہ وجہ صرف یہ ہے کہ اِنِّیْ اَخَافُ اَنْ یَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّیْطٰنِ وَلِیًّا۔ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یٰۤاِبْرٰهِیْمُ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِیْ مَلِیًّا۔ بے شک میں فکر مند ہوں اور خطرہ محسوس کر رہا ہوں کہ تیری اس مذہبی بد عقیدگی شرک و کفر کی گمراہی کی وجہ سے کہیں تجھ کو رحمٰن و رحیم کے پاس سے سزا و عذاب ابدی دائمی لگ جائے جو دنیا میں لعنت قبر میں ذلت حشر میں دُرکار و نامراد اور جہنم میں پھٹکار کا باعث ہو میں یقین سے نہیں بتاتا مگر میرے اسی علمِ غیبی سے مجھ کو ایسے کفر و بت پرستی کا انجام معلوم ہے۔ اور اگر یہی تیرا انجام ہوا۔ تو پھر یاد رکھ کہ تو شیطان کی مثل شیطان کا ساتھی معاون اور اسی کے دوستوں میں سے ہو جائے گا کیونکہ یہ سب شرکیات و کفریات شیطان کی ولایت و دوستی اور اسی کی اتباع سے اسی کی خوشی سے ہے اور صرف دنیوی مختصر زندگی تک ہی نہیں بلکہ جہنم کی ابدی زندگی تک اسی کے ساتھ رہنا ہوگا اور یہ بھی سمجھ لے کہ ابلیس کی دوستی بنانا کوئی معمولی جرم نہیں اس کی اتباع و دوستی تو بہت بڑے عذاب اور ذلت و مصیبت کا سبب ہے اس لیے کہ ولایتِ شیطان رضاءِ رحمٰن کے مقابل ہے۔ جنت میں رِضْوَانُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنَ النَّعِیْمِ ہے اور جہنم میں ولایتِ شیطان اَعْظَمُ مِنَ الْعَذَابِ ہے اے چچا تیرے یہ سب کام۔ تصویریں بنانا لکڑی پتھر کپڑے چمڑے لوہے پیتل سونے چاندی اور کاغذوں دیواروں پر جانداروں دیوتاؤں پچھلے بزرگوں کی شکلیں تراشنا اور پھر ان کو لگانا سجانا اچھے بھلے کمرے کو مندر اور بت خانہ بنا دینا۔ اور پھر حماقت سے اپنی ہی تراش خراش کو خود ہی پوجنا شروع کر دینا یہ سب کچھ ہی کفر شرک ہے اور کفر و شرک بھی ہے اور کفر و شرک اتنا بڑا ظلم و جرم ہے کہ وہ اللہ سچا معبود رحمٰن و رحیم ہونے کے باوجود شرک و کفر کبھی معاف نہ فرمائے گا۔ اے پیارے چچا یہ بت صرف لَا یَسْمَعُ وَلَا یُبْصِرُ وَلَا یُغْنِیْ عَنْكَ کے بے نفع ہی نہیں۔ بلکہ اِنِّیْ اَخَافُ اگر تو کفر پر رہا کفر پر مرا تو یہ بت بہت نقصان دہ بھی ہیں ابدی پچھتاوا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے ان آیت میں چار دفعہ۔ یَا اَبَتِ۔ فرمایا۔ یہ بتانے کے لیے کہ یہ وعظ و نصیحت علمی قابلیت یا استادی شاگردی یا اعلیٰ و ادنیٰ ہونا جتانے کے لیے نہیں بلکہ سمجھانے کے لیے تھا کہ میں تمہارا ہمسفر رفیقِ سفر ہوں۔ اتنی مؤدبانہ نصیحانہ

بلیغانہ تبلیغ کا بجائے اثر ہونے کے کفر یہ غرور و حماقت سامنے آگئی اور بجز ابا چچا نے انتہائی
غضب ناک لہجے غصیلے انداز میں قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ۔ کہا ارے کیا تو نفرت سے منہ پھیرتا
ہے میرے معبودوں سے اے ابراہیم۔ ارے تو کل کا بچہ تجھ کو میں نے پالا جب کہ تیرے
والد نے نمرودی نجومیوں کی خبر پر نمرود سے ڈر کر تجھ کو میری گود میں لا ڈالا تھا میں نے تم کو
صحراؤں میں پھرایا غاروں میں چھپایا تیرے لیے غاروں میں حفاظت کے سارے سامان مہیا
کئے راتوں کو چھپا چھپا کر تیری والدہ سے تجھ کو دودھ پلوایا پانچ سال تک کسی کو کانوں کان
خبر تک نہ ہونے دی کہ تو میرا بیٹا ہے یا میرے بڑے بھائی تارخ کا میں نے تجھ کو اپنا
دست و بازو اور بڑھاپے کا سہارا سمجھا تو پانچ سال کا یتیم ہوگیا تھا مگر میں نے تجھے اور
تیری والدہ کو کبھی محسوس نہ ہونے دیا نہ تیرا بوجھ پرورش اس پر ڈالا نہ پانچ سالا خرچہ
تیرے والد سے مانگا اپنی اولاد سے بڑھ کر تجھ کو آرام و آسائش اور پیار دیا میں نے تو تجھ سے
یہ امید باندھی تھی کہ میں اب ستر سالہ بوڑھا ہو چکا ہوں تو اب پچیس سالہ جوان ہے تو
میرے یہ سارے کام یہ بتوں کی فیکٹری یہ کارخانہ یہ دکان اور میری خاندانی سرداری قومی
ذمے داری سنبھالے گا۔ مگر ہائے افسوس ہائے غضب تو کس رستہ پر چل پڑا دیکھ میں
تجھے سمجھاتا ہوں اگر تو ان باتوں نصیحتوں تقریروں نفرتِ بتاں سے باز نہ آیا اور میرے
دین پر نہ لگا تو تجھے بددعاؤں سے برا بھلا کہنے اور گالیوں کے علاوہ پتھروں سے مار
مار کر ہلاک کر دوں گا یا یہ گھر محلہ شہر بلکہ ملک چھوڑنے پر مجبور کر دوں گا۔ لہٰذا بہتر یہ ہے
کہ تو خود ہی میرے گھر سے دور میری نگاہوں سے اوجھل ہو جا اور اپنے آپ کو مجھ سے
اور میری مار وغیرہ سے بچا لے۔ تجھے گھر کے عیش و آرام میں میری اور ان بتوں کی قدر نہ ہوئی
اب تھوڑے دنوں میں ہی تجھے پتہ چل جائے گا میری شفقت کیسی تھی جب بھوکوں مرے گا
سردی ٹھٹھرے گا۔ پھر اگر ہوش ٹھکانے آگئی تو واپس آجانا کچھ دنوں باہر کی تکلیفیں دیکھ
لے اگر پھر بھی یہ باتیں دماغ سے نہ نکلیں تو پھر ہمیشہ کے لیے مجھے دور و نفور رہنا۔ لَاحَوْلَ وَلَا
قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ کتنا سخت رویہ تھا ایسے پیارے بھولے بھالے بے ضرر با ادب حلیم
منیف بھتیجے کے ساتھ کہ بار بار یَا اَبَتِ کے جواب میں ایک بار بھی یَا بُنَیَّ (اے میرے
بچے) نہ کہا۔ اگر سگے والد زندہ ہوتے تو کم از کم ایسی بات پر گھر سے نہ نکالتے۔ بیٹا
کتنا ہی ناراض کرے مگر والد کا دل نرم ہوتا ہے۔ اگر نکال بھی دیتے تو پھر رقت بھرے

دل کے ساتھ خود ہی ڈھونڈتے تلاش کرتے پھرتے ملتا تو چمکارتے پچکارتے واپس لے آتے سمجھاتے بجھاتے۔ اپنی راہ پر لانے کی کوشش کرتے مگر نگاہوں کی جدائی برداشت نہ کرتے والدین کی اس کیفیت کا ہزار بار تجربہ ہے۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ۔ دنیوی اعتبار سے عقل و علم تجربہ عمر کی زیادتی سے ہوتا ہے مگر تمام انبیاء عظام اور بعض اولیاء کرام کا علم و عقل عمر کی زیادتی سے نہیں بلکہ عالم غیب سے عطیہ ہوتی ہے جو علم و عقل انبیاء کرام علیہم السلام کو بچپن میں ہی مل جاتا ہے وہ دنیا جہان آسمانوں زمین میں کسی بھی ہستی کو کسی بھی عمر میں نہیں مل سکتا نہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو نہ غوثوں قطبوں ولیوں کو عام آدمی کی تو حیثیت ہی کچھ نہیں یہ فائدہ قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ (الخ) سے حاصل ہوا دوسرا فائدہ جہنم میں کفار کی سزا کا نام عذاب ہے اور فاسق مسلمان و اہل ایمان کی سزا کا نام عتاب ہے۔ عتاب کی معافی کے لیے حسب نسب کام آجاتا ہے مگر اللہ کے عذاب سے کسی کو کسی کی رشتے واری نہیں بچا سکتی بلکہ کافر سے مومن کی رشتے داری و حسب نسب دنیا میں ہی ختم ہو جاتا ہے اگرچہ نبی کی قرابت ہو علیہم السلام کافر رشتے دار اہل نبی نہیں رہتا یہ فائدہ اِنِّي اَخَافُ (الخ) سے حاصل ہوا اسی لیے فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اگر سید زادہ بد عقیدہ ہو جائے تو وہ سید نہیں رہتا۔ جو حدیث پاک میں آتا ہے کہ كُلُّ حَسَبٍ وَّنَسَبٍ يَنْقَطِعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَّا حَسَبِي وَنَسَبِي یعنی آقاء کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حسب و نسب اپنے سادات سے قیامت میں بھی منقطع نہ ہوگا اس حدیث پاک کا معنیٰ یہ ہے کہ جو سید قبر تک اپنا حسب نسب سلامت لےگیا وہ قیامت میں بھی منقطع نہ ہوگا لیکن جو دنیا میں رشتہ توڑ بیٹھا تو اس کا یہاں ذکر نہیں تیسرا فائدہ۔ اللہ کی دوستی کو بقا ہے شیطان کی دوستی کو فنا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ جَلَّ مَجْدُهٗ کی دوستی حاصل کرنا چاہیئے یہی عقل مندی ہے۔ یہ فائدہ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ فرمانے کے بعد فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا فرمانے سے حاصل ہوا کہ شیطان کی دوستی کفار و بد عقیدہ کو حاصل ہوتی ہے۔ مومن اگرچہ گناہگار ہو شیطان کا ولیاً نہیں بنتا۔ کفر و ایمان کا یہ فرق واضح ہے کہ کفر میں قساوت۔ کثافت۔ غلاظت۔ نجاست۔ تکذیب۔ تقلید اور فساد ہے۔ ایمان میں۔ لطافت۔ حلاوت۔ شرافت۔ طہارت۔ صداقت تکریم و تہذیب ہے۔

احکام القرآن ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ علم والے

کی اتباع لازم اور واجب ہے۔ بشرطیکہ علم اصلی و یقینی ہو۔ علم اصلی و یقینی صرف انبیاء کرام علیہم السلام کے پاس ہی ہوتا ہے اسی لیے بحکم الہٰی شرعاً صرف انبیاء کرام علیہم السلام ہی کی اتباع جائز و لازم ہے غیر نبی کی اتباع جائز نہیں۔ عالم ولی اور بزرگوں کی دینی یا دنیوی فرماں برداری کا نام اطاعت ہے نہ کہ اتباع اور یہ اطاعت بھی تب جائز ہے جب کہ وہ پیر مولوی وغیرہ خود متبع فرمان نبوت ہوں۔ اگر کوئی پیر یا مولوی یا کوئی دینی رہنما ذرہ بھر اتباع نبوت سے ہٹ گیا تو اس کی اطاعت جائز نہ رہے گی۔ یہ مسئلہ فَاتَّبِعْنِيٓ اَهْدِكَ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ دوسرا مسئلہ تبلیغ کی میں تما چند چیزیں علما کو ملحوظ اور محفوظ خاطر رکھنی چاہئیں ۱۔ یہ کہ جس چیز کی تبلیغ کرتی ہے اس کا پورا علم بھی ہو اور عمل بھی بے عمل مبلغ کی تبلیغ کا اثر نہیں ہوتا اور جاہل کی تبلیغ کا نقصان ہوتا ہے ۲۔ اچھے اخلاق نرم گفتار سے تبلیغ کرنی چاہیے ۳۔ تبلیغ کرتے وقت ان کے بزرگوں کی مثالیں اور زندگی کے اچھے واقعات سنانے جائز بلکہ ضروری ہیں جن کو تبلیغ کی جا رہی ہو۔ یہ سب احکام و قواعد۔ یَا اَبَتِ۔ اور فَاتَّبِعْنِيٓ اور ابراہیم علیہ السلام کا یہ واقعہ کفار مکہ کو سنانے سے مستنبط ہوا۔ یَا اَبَتِ سے اچھے اخلاق نرم گفتار کا ثبوت ہے جَآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ میں بتایا کہ تبلیغ سے پہلے علم ضروری۔ فَاتَّبِعْنِيٓ سے اپنے عمل کا اظہار ہے کیونکہ اتباع کا معنیٰ ہے نقش قدم پر چلنا نقش قدم تو تب ہی پڑیں گے جب کہ چلانے والا خود بھی آگے آگے چلتا ہوگا یہ واقعہ بطور دلائل کفار مکہ کو سنایا جا رہا ہے کہ اگر تم قرابت سے نہیں مانتے تو ان دلائل سے مانو۔ جو تمہارے جدِ اعلیٰ تمہارے بزرگ حضرت ابراہیم نے اپنے چچا آزر کو بتائے سمجھائے۔ تیسرا مسئلہ جاندار کی تصویر فوٹو اور شکل بنانا ہر طرح ہر دور میں ہر شریعت میں حرام رہی خواہ بنانے کا طریقہ اپنے اپنے دور میں کسی بھی طرح بنا اور بگڑتا رہا۔ خواہ کپڑے کاغذ دیوار پر مصوری کر کے یا کیمرہ۔ وڈیو کے بٹن دبا کر پتھر کو تراش کر یا پتھر پیس کر پوڈر مٹی پلاسٹر بنا کر ڈھال کر پکا کر کسی بزرگ کا فوٹو ہو یا عام جانور۔ یا انسان با بے نام گڑیا گڈا ہو اگر پوجا پاٹ کی نیت سے بنایا بیچا تو کفر و شرک ہے اگر اپنے کاروبار یا عیاشی یا تبلیغی بہانے بازی کے بنایا تو فسق ہے۔ اور جس طرح حرام دوائی میں شفا نہیں ہو سکتی اسی طرح حرام ذرائع سے تبلیغ اسلام نہیں ہوتی یہ مسئلہ لَا یُغْنِیْ عَنْكَ شَیْـًٔا اور لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ۔ فرمانے سے مستنبط ہوا کہ لَا یُغْنِیْ میں بتایا گیا کہ فوٹوؤں تصویروں سے کسی قسم کا کوئی ظاہری باطنی دینی دنیوی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ لہٰذا۔ ان کی تراش خراش

بناوٹ کھنچاوٹ سب حرام اور ان کے ذریعے تبلیغ بھی شیطان کی عبادت ہے دیکھو آزر تین کام کرتا تھا ۱ بُت بنانے ۲ بیچنے ۳ پوجا پاٹ۔ ان تینوں کو لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ میں شامل کیا۔ یہی شیطان جس نے آزر کو خراب کیا۔ آج ہمارے مولویوں پیروں کو خراب کر رہا ہے جھوٹے وسوسوں سے ورغلا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی مسلمانوں کو اس قیامت کے دور میں بچانے والا ہدایت دینے والا ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔ پہلا اعتراض یہاں لَا تَعْبُدِ الشَّیْطَانَ کیوں فرمایا گیا۔ شیطان کی عبادت تو کوئی بھی کافر نہیں کرتا۔ بلکہ ہر شخص شیطان کو برا ہی کہتا ہے **جواب**۔ شیطان کی طرف عبادت کی نسبت چھ وجہ سے ہے اَوَّلاً اس لیے کہ ہر زمانے میں ہر شخص مومن و کافر شیطان کو بُرا قابلِ نفرت ہی سمجھتا رہا ہے۔ تو بتوں کی عبادت کو شیطانی عبادت کہہ کر حقیقتِ حال کے ساتھ ساتھ نفرت و عار و شرم دلائی جا رہی کہ شیطان کو برا بھی کہتے سمجھتے ہو اور کام پھر بھی شیطان کی مرضی کے کرتے ہو۔ دوم اس لیے کہ بتوں کی عبادت ابلیس شیطان کی خوشی اور رضا کا باعث ہے وہ یہ ہی چاہتا ہے تو گویا یہ پوجا منہ طرف بُت کے واسطے شیطان کے ہوگئی۔ سوم یہ کہ یہ عبادت پوجا پاٹ تو بتوں کی ہی ہے مگر اطاعت شیطان کی ہے۔ اور جس اطاعت سے شرک ظاہر ہو وہ اطاعت بھی مثلِ شرک ہے۔ اور شرک کسی قسم کا بھی ہو اُس کا دوسرا نام عبادتِ غیرُ اللہ ہے جو سراسر ہمہ وقت کفر ہے۔ فرمایا یہ گیا کہ یہ اعتقادی شرک بھی ہے نہ کہ فقط عملی۔ خیال رہے کہ کفر شرک اَصْلاً اعتقاد ہی کا نام ہے اعتقاد کے ساتھ عمل تو فقط اظہارِ کفر و شرک ہے اگر اعتقاد نہ ہو فقط شرکیہ کفریہ باتیں اور کام ہوں تو وہ کفر شرک نہ بنیں گے۔ یہی فرق ہے لزومِ کفر اور التزامِ کفر میں۔ چہارم یہ کہ بتوں کی عبادت شیطان ہی کے وسوسوں سے ہوتی ہے اس لیے گویا اُسی کی عبادت ہے پنجم یہ کہ عبادت بمعنی اطاعت ہے ششم یہ کہ ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر آج تک بُت پرستوں میں ایسا گروہ بھی ہوتا رہا ہے جو شیطان کی مورتی کو پوجتے ہیں۔ اور ابلیس کی تخیلاتی بہت ڈراونی شکل کا بُت بنا کر اس کی پوجا کرتے ہیں اور اس کو برائیوں کا خالق بدیوں کا دیوتا مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر شیطان کی پوجا نہ کی گئی تو وہ زمین پر قہر قحط طوفان اور بیماریوں وباؤں کی شرارتیں پھیلا دے گا۔ بعض کفار کو سورج کے ڈوبتے اور نکلتے وقت سورج کی طرح سجدہ کرتے دیکھا گیا ہے وہ شیطان

ہی کو سجدہ کرتے ہیں مسلمانوں کو اسی لیے اُس وقت سجدہ و سجدے والی نماز منع ہے کہ وہ شیطٰن کے خروج کا وقت ہے۔ دوسرا اعتراض۔ انبیاء کو غیب کا علم نہیں ہوتا دیکھو ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے کہا اِنِّیْ اَخَافُ۔ مجھے ڈر ہے اندیشہ ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ کو اپنے باپ کے کفر پر مرنے کا علم نہ تھا۔ اسی لیے آپ نے باپ کو تبلیغ بھی فرمائی۔ اگر کفر پر فوت ہونے کا علم و یقین ہوتا تو کیوں تبلیغ فرماتے۔ (وہابی شیعہ مرزائی)۔ جواب اَخَافُ کا معنیٰ ہم نے تفسیر میں ایک قول کے حوالے سے بتا دیا کہ بمعنیٰ اَعْلَمُ ہے یعنی جانتا ہوں۔ جیسا کہ سورۃ کہف میں خضر علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ فَخَشِیْنَا۔ ہم نے جانا۔ اسی طرح یہاں ہے اس ترجمہ کی بنا پر اعتراض تو بالکل ختم ہو گیا۔ رہا تبلیغ فرمانا تو اس کے لیے ایمان لانا انبیاء عظام علیہم السلام کی ذمہ داری نہیں کوئی ایمان لائے یا نہ لائے تبلیغ کرتے ہی رہتا ہے۔ اگرچہ کفر پر مرنے والا ہو دیکھو ابھی پچھلی آیت ۳۹ میں فرمایا گیا کہ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ۔ اے نبی محمد مصطفیٰ آپ ان کفار کو یوم حسرۃ سے ڈراتے ہی رہیے۔ آگے ارشاد ہے۔ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ حالانکہ وہ ایمان نہیں لائیں گے تفسیر خازن نے فرمایا کہ یہ تبلیغ تین مقصود سے تھی ۱۔ حقِ اُبوّۃ و تربیت (پرورش) ادا کرنے کے لیے ۲۔ اپنی ذمہ داری (ڈیوٹی) پوری کرنے کے لیے ۳۔ پہلی تبلیغ گھر والوں سے شروع کرنے کے لیے اور آپ کے اس گھر میں ان دنوں صرف آپ کا چچا ہی تھا۔ یَاَبَتِ کہہ کر اظہارِ شدتِ محبت و رغبت کیا تیسرا اعتراض۔ یہاں پہلے فرمایا گیا اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ پھر فرمایا گیا فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا۔ اس کا معنیٰ یہ ہوا کہ جب تجھ کو عذاب پہنچ جائے تب تو شیطان کا دوست بن جائے۔ فَ تعقیبیہ تو یہی بتا رہی ہے۔ حالانکہ شیطٰن کی دوستی کی وجہ سے عذاب آتا ہے تو دوستی سببِ عذاب ہوئی اور سبب پہلے ہوتا ہے مُسَبَّب بعد میں اس لیے یہاں فَ تعقیبیہ بھی درست نہیں فَ سببیہ بھی درست نہیں کیونکہ فَ سببیہ مسبب سے پہلے ہوتی ہے وَلِیًّا ہونا سبب ہے نہ کہ مسبب جواب یہاں وَلِیًّا کا معنیٰ دوست نہیں بلکہ ساتھی ہے۔ اور ساتھی ہونا واقعی بعد میں ہے۔ کیونکہ عذاب کا فیصلہ میدانِ محشر میں پھر جہنم میں داخلہ اور یہیں سے عذاب شروع اور دھکیلتے ہانکتے شیطٰن کے ساتھ پہنچا دیا جانا ہو گا۔ اور سب سے سخت عذابِ الیم یہیں پر ہو گا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

تفسیر صوفیانہ | يٰۤاَبَتِ اِنِّیْ قَدْ جَآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِیْۤ اَهْدِكَ

صِرَاطًا سَوِيًّا ۔ يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ۔

ابراہیم قلب نے طبیعتِ نفس سے کہا اے مُربیِ خواہشاتِ دنیوی بے شک خالقِ اسرار جَلّ مَجدہٗ کی بارگاہِ اقدس سے ایک عظیم علم لدنی مجھ کو عطا ہوا ہے جو تجھ کو نہیں ملا بے شک قلبِ مومن فیضِ الٰہی کا محلِ خاص ہے نفسِ امّارہ اپنی کثافتِ ناسوتی کی وجہ سے ان فیوضاتِ انوار کو نہیں پا سکتا نفسِ امّارہ کو ہدایتِ معرفت دینے کے لیے اور نفسِ مطمئنّہ بنانے کے لیے مُتبعِ قلب بنانا چاہیئے۔ اے نفس اتباع کر قلبِ مسعود کی تاکہ سالک راہِ معرفت کو صراطِ سَوِیًّا کی ہدایت مل سکے۔ اے مربیِ خواہشات اصنامِ دنیوی کے پیچھے لگ کر ابلیسِ باطنی کی عبادت نہ کر بے شک ابلیسِ باطن خالقِ اسرار کا مخالف ہے۔ بندے کے لیے سب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ پہلے اپنے ساتھی کو دیکھے کہ کیسا ہے کیونکہ ساتھی ہی جنت ہے ساتھی ہی جہنم ہے۔ شداد نمرود آزر فرعون ہامان اور سامری قارون و یزید سب بُرے ساتھیوں کی پیداوار ہے۔ نیک لوگوں سے محبت رکھنے والا اور ہم نشینِ صراطِ سَوِیًّا کی ہدایت پانے میں بدنصیب اور نامراد نہیں ہوتا نہ رہ سکتا ہے۔ خالق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اخلاص میرا بھید ہے اور قلبِ مومن میرا خلیل ہے۔ بھید ایک وسیع سے وسیع تر علم ہے جس کو اپنے محبوبوں کے قلب میں امانت رکھا ہوا ہے قلب چاہتا ہے کہ میں نعمتِ معرفت کی تقسیم کروں مگر نفسِ امّارہ اپنی ذلت و خباثت کی وجہ سے اس نعمتِ عقبیٰ کا طالب نہیں بنتا نہ پسند کرتا ہے مگر قلب باربار پکارتا ہے عذابِ محرومی سے ڈراتا ہے کہ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا عوام کے نزدیک عذابِ جسمانی سخت تر اذیت ہے مگر خواص کے نزدیک عذابِ روحانی شدید تر ہے عوام کے نزدیک جنت سے محرومی عذابِ عظیم ہے مگر خواص کے نزدیک قربِ بارگاہ سے محرومی عذابِ الیم ہے اسی لیے قلبِ منوّر التجا کرتا ہے کہ اے قالبِ جسمانیہ میں خواہشات کے مربی مجھ کو تیرے متعلق اندیشہ و فکر ہے کہ تجھ کو قربِ جمال سے دُھتکار دیا جائے اور اسرارِ باطنی کے انعام فرمانے والے رب تعالیٰ رحمٰن و رحیم کی طرف عذابِ فراق پہنچے تب پھر تجھ کو بلانے بچانے منزلِ سلوک تک پہنچانے والا کوئی نہ ہوگا اور تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قعرِ مذلّت میں ابلیسِ باطنی کا ساتھی بنا دیا جائے گا۔ اندر کا آزر مغرور و ریاکار ہے خناس نمرود کی خوشی اور دکھلاوے کے لیے قلبِ مزکی کا دشمن بن جاتا ہے قلبِ مخلص کی نصیحتوں کو چھوڑ کر اس کو اپنا

بد خواہ سمجھتا ہے باطل کی یہی بد بختیاں شروع سے چلی آرہی ہیں۔ مخلص و ریاکار میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ مخلص کے لیے لوگوں کی تعریف اور برائی یکساں ہے مخلص نیکی کر کے اُسے بھول جاتا ہے راہِ معرفت کے مخلصین کو آخرت میں اعمالِ صالحہ کے ثواب کی بھی خواہش نہیں ہوتی اخلاص کی تین قسمیں ہیں (۱) خلوصِ قلب (۲) خلوصِ عقل (۳) خلوصِ فکر خلوصِ قلبی خاصُ الخاص کا عقلی خواص کا اور خلوصِ فکری عوام کا۔ خلوصِ قلب یہ ہے کہ حالات مخالف ہزار ہا بیماریاں دشواریاں ہوں مگر بندہ نام و نمود کے بغیر دروازۂ عبادت سے نہ ہٹے۔ نفس و نفسانیت کو پیغاماتِ الٰہی پہنچاتا عذاب سے ڈراتا ہے علماء کی تبلیغ لسانِ صدق و علم سے ہے صوفیا کی تبلیغ فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ سے ہے اپنے اندر کے آزرِ بت تراش پر کڑی نظر رکھنا ہے۔ نیکیوں کو بھولنا گناہوں کو یاد رکھنا ہے حضرت حکیم الامت بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ شعر غور و فکر اور وِردِ میں رکھنا چاہیئے

اے کریم از ما جفا از تو وفا ۔ اے رحیم از ما خطا از تو عطا

خلوصِ عقل یہ ہے کہ بدعتوں سے بچائے سب سے بڑی بدعت گستاخی ہے جو شیطانِ رجیم سے سرزد ہوتی چلی آرہی ہے خلوصِ فکری یہ ہے کہ بندہ کبھی بھی اپنے آپ کو مخلص ہی نہ سمجھے جب انسان اپنے خلوص کو دیکھنے لگتا ہے تو اخلاص میں خلا پیدا ہو جاتا ہے اس عادتِ بد سے وہ بندہ مخلص نہیں رہتا بلکہ ریاکاری کا مخلص بن جاتا ہے۔ سچا خلوص یہی ہے کہ یار کے لیے اغیار سے ہجرت کر جائے۔ اغیارِ باطن یہی چاہتے ہیں۔ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یٰۤاِبْرٰهِیْمُ لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِیْ مَلِیًّا ابراہیمِ قلب کی ان صداؤں کو آزرِ نفس نہیں سمجھتا اور خلوصِ قلب کو حقارتِ طبعی سے حکم دیتا ہے اے ناصحِ قلب تو میری خواہشاتِ نامونیہ سے نفرت کرتا ہے۔ نفسِ امارہ کو شیطان ابلیس نے راہِ گمراہی اور دینِ باطل پر چلایا۔ اور اُس کے بداعمال بُری خواہشات کو اُس کی کور چشمی میں مزین کیا اور صوفیا کے مقابل قلندری فرقہ بنایا ہر بُرے کام کو خوش دلی کا نام دیا بری محفلوں برے ہم نشینوں کو اچھا سمجھا ترکِ نماز و طہارت کو اختیار کیا اور اس بدی کو ملامتِ ضمیر کا نام دے کر قتلِ نفس ٹھہرا لیا چھوں کو بُرا اور بروں کو اچھا سمجھا خواہشاتِ دنیوی کے بتوں کی خانہ سازی کی اور اس ابدی ذلت و خباثت سے بچانے والے ناصحین کو دور ہٹایا کہ اگر تو اپنی نصیحتوں سے باز نہ آیا تو بدعملیوں حرام خوریوں کے پتھروں سے تجھ کو مردہ و فنا کر دوں گا اور قالبِ انسانی میں قلب کی موت سارے جسم کی ہلاکت ہے۔ اس دنیاءِ دون میں ہر ایک کو فنا ہے۔ كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ۔ رب تعالیٰ کی ذات کے سوا ہر چیز ہی فنا ہونے والی ہے دور ہٹ جا میری راہِ ملامت سے اور بے توجہ ہو جا مجھ سے ہمیشہ کے لیے اور

ترکِ وراثتِ اعمال سے ہجرت کرلے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ نفسِ امارہ قابض ہونا چاہتا ہے میراثِ جسمانی پر پندرہ قوتوں کا نام میراثِ جسمانی ہے ۱ قوتِ ماشیہ ۲ قوتِ حاسہ ۳ قوتِ لامسہ ۴ قوتِ ذائقہ ۵ قوتِ شامہ ۶ قوتِ باصرہ ۷ قوتِ سامعہ ۸ قوتِ نفسانی ۹ قوتِ ادراک ۱۰ قوتِ فہم ۱۱ قوتِ تخیل ۱۲ قوتِ حفظ ۱۳ قوتِ عقلیہ ۱۴ قوتِ قلبیہ ۱۵ قوتِ قدسیہ یہ قوتیں پھل ہیں ان کی زمین جسم ہے انسانی اور انکا بیج روحِ انسانی ہے مگر مرشدِ کامل نفس و نفسیات سے قلب کو دور کر دیتا ہے لیکن ہجرتِ ابدی نہیں کرنے دیتا کیونکہ قلب کی ہجرت قالب کی ویرانی ہے۔ قالب وہی مبارک ہے جہاں قلب کی حکمرانی ہو۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ

بولے ابراہیم آخری سلام ہے تجھ پر عنقریب میں تو تیرے لیے بخشش ہی مانگ سکتا ہوں اپنے رب سے بیشک وہ

کہا بس تجھے سلام ہے قریب ہے کہ میں تیرے لیے اپنے رب سے معافی مانگوں گا بیشک وہ

بِيْ حَفِيًّا ﴿٤٧﴾ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ

رب ہے مجھ پر بہت محبت فرمانیوالا اور علیحدہ ہو رہا ہوں میں تم سب لوگوں اور ان سب بتوں سے جنکو تم پوجتے ہو

مجھ پر مہربان ہے۔ اور میں ایک کنارے ہو جاؤں گا تم سے اور اُن سب سے جن کو اللہ کے سوا

اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ۖ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ

اللہ کے مقابل اور میں تو اپنے رب کو ہی پوجتا رہوں گا یقین کے قریب ہوں کہ

پوجتے ہو۔ اور اپنے رب کو پوجوں گا قریب ہے کہ میں اپنے رب کی

رَبِّيْ شَقِيًّا ﴿٤٨﴾ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ

نہیں ہوں گا میں کبھی بھی اپنے رب کی عبادت کی وجہ سے بدبخت پھر جب دور چلے گئے وہ ان لوگوں اور انکے

بندگی سے بدبخت نہ ہوں۔ پھر جب ان سے اور اللہ کے سوا ان کے معبودوں سے

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ

بتوں سے جن کو پوجتے تھے تو ہم نے عطا فرمایا ان کو اسحٰق پھر یعقوب

کنارہ کر گیا ہم نے اس کو اسحاق اور یعقوب عطا کیئے

وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿۴۹﴾ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا

اور ان سب کو بنا لیا تھا ہم نے بہت بڑا نبی۔ اور صبہ کر دیں ہم نے ان کو اپنی کچھ رحمتیں

اور ہر ایک کو غیب کی خبریں بتانے والا (نبی) کیا۔ اور ہم نے انہیں اپنی رحمت عطا کی

وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿۵۰﴾ ع

اور جاری کر دیا ہم نے اُن کے لیے تا قیامت سچائی کا اعلیٰ تذکرہ

اور ان کے لیے سچی بلند ناموری رکھی۔

تعلقات اِن آیات کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیت میں ابراہیم علیہ السّلام کے پرورش کرنے والے چچا کی گفتگو اور جھڑک اور گستاخی کرنے کا ذکر ہوا۔ اب اِن آیات میں حضرت ابراہیم کا تحمل آمیز با اخلاق جواب کا ذکر فرمایا جا رہا ہے دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں بُت پرست باپ یعنی مربی کا تعلق بتوں اور شیطٰن سے بیان کیا گیا۔ اب اِن آیت میں اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا فرما کر ابراہیم علیہ السّلام کا تعلق رب تعالیٰ سے بیان فرمایا جا رہا ہے تیسرا تعلق پچھلی آیت میں حضرت ابراہیم کے حقیقی چچا اور مربی کے چھوٹ جانے کا ذکر ہوا کہ اُس نے ابراہیم علیہ السّلام کو نکال دیا اور ہر قسم کے تعلق و رشتے داری سے منہ موڑ لیا جس کا فطری طور پر حضرت خلیلُ اللہ کو غم ہوا۔ اب اِن آیت میں ابراہیم علیہ السّلام کو بیٹے پوتے ملنے اور عطا فرمانے کا ذکر ہو رہا ہے کہ ان اصل کے رشتوں کے ٹوٹتے چھوٹنے کے غم و افسوس کو مٹانے کے لیے ہم نے اپنے خلیل کو ایسی نسل کے رشتے [illegible] ی دنیا پر چھا جانے

والے ہوئے۔

تفسیر نحوی قَالَ سَلٰمٌ عَلَیْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّیْ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّیْ شَقِیًّا۔

قَالَ فعل ماضی اس میں ھُوَ پوشیدہ اس کا فاعل ہے مرجع ابراہیم ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا اگلی تمام عبارت شقیا تک مختلف ترتیب وار اس کے مقولے ہیں۔ سَلَامٌ۔ مبتدا اسم نکرہ ہے دراصل تھا سلامی یعنی میرا سلام یا میری طرف سے سلام۔ یٰ ضمیر متکلم مضاف الیہ کو حذف کر دیا گیا اس کے بدلے میں تنوین لگا دی گئی اس کو تنوین عوضی کہتے ہیں۔ علیٰ جارہ فوقیت کاف ضمیر حاضر کا مرجع اَبَتِ یہ جار مجرور متعلق ہے ثابتٌ یا وارِدٌ پوشیدہ اسم فاعل واحد مذکر کا۔ ثابتٌ اپنے پوشیدہ ھُوَ ضمیر فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا دونوں مل کر پھر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ اول۔ سَ حرف تقریبی اس کو حرف تنفیسی، توسیعی بھی کہتے ہیں یہ حرف فعل مضارع پر داخل ہوتا ہے اور فعل کا جز بن جاتا ہے اس لیے اس کو حرف تنفیس کہتے۔ یہ حرف مضارع کو زمانۂ حال کی تنگی سے نکال کر زمانۂ مستقبل کی وسعت میں لے جاتا ہے اس لیے اس کو حرف توسیع کہتے ہیں اور مستقبل میں یقینی قرب پیدا کرتا ہے اس لیے اس کو حرف تقریب کہتے ہیں بعض نحویوں نے اس کو استقبال استمراری کا بھی لقب دیا ہے جس کا معنیٰ آئندہ بار بار ہونا اس قول سے یہاں ترجمہ ہو گا۔ عنقریب میں تیرے لیے بخشش مانگتا رہوں گا اَسْتَغْفِرُ۔ باب استفعال کا مضارع معروف واحد متکلم۔ سِیْن نے مستقبل بنایا ہے غَفْرٌ سے مشتق ہے اس کا مصدر ہے اِسْتِغْفَارٌ۔ لَكَ جار مجرور بمعنیٰ تیرے لیے مراد ہے اَبَتِ۔ رَبِّ۔ مضاف ہے یٰ ضمیر واحد متکلم مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے۔ یہاں مِنْ جارہ پوشیدہ ہے اصل میں تھا۔ مِنْ رَبِّیْ (اپنے رب سے) اور بقاعدۂ نحو یہ جب حرف جر پوشیدہ ہو تو مجرور مفعول بہ ہوتا ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ ۃٗ ضمیر واحد مذکر اس کا اسم کَانَ فعل ناقصہ ھُوَ پوشیدہ ضمیر اس کا اسم۔ بِ حرف جر بمعنیٰ علیٰ یٰ ضمیر مجرور متعلق مقدم ہے حَفِیًّا اسم صفت مشبہ کا۔ بروزن وَلِیًّا۔ فَعِیْلًا۔ باب کَرُمَ سے ہے حَفِیٌّ سے مشتق ہے۔ پانچ معنیٰ میں مشترک ہے ۱ تلاش کرنا ۲ باخبر ہونا ۳ کرید کرنا ۴ بحث کرنا ۵ مہربان ہونا یہاں آخری معنیٰ میں ہے ترجمہ ہے مجھ پر بہت ہی مہربانی فرمانے والا ہے۔ حَفِیًّا اپنے متعلق سے مل کر جملہ ہو کر خبر ہے کَانَ کی وہ جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی یہ اپنے اسم و خبر سے مل کر حال سببی ہوا رَبِّیْ کا وہ ذو الحال اپنے حال سے مل کر مفعول بہ ہوا اَسْتَغْفِرُ

کا جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ واؤ عاطفہ اَعۡتَزِلُ۔ باب افتعال کا مضارع واحد متکلم مستقبل اسی سین تقریبی کی وجہ سے عزل سے بنا ہے مصدر ہے اعتزال بمعنی علیحدہ ہونا چھوڑنا اسی معنی میں ہے نوکری سے معزول ہوتا۔ ابلیس کو عزازیل اور گمراہوں کو معتزلی اسی لغوی معنی میں کہتے ہیں کُمۡ ضمیر جمع مذکر حاضر منصوب متصل معطوف علیہ واؤ عاطفہ مَا اسم موصول مراد بت ہیں تَدۡعُوۡنَ باب نصر کا مضارع جمع مذکر حاضر۔ دَعۡوٌ سے بنا ہے بمعنی پکارنا۔ پوجنا معبود سمجھنا دعا مانگنا کُمۡ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل مرجع ہے ابت اور آیت کی پوری کافر قوم۔ مِنۡ جارہ زائدہ دُوۡنِ اسم مفرد نکرہ معرب مضاف ہے اللہ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے تَدۡعُوۡنَ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ، مَا موصولہ اپنے صلے سے مل کر معطوف ہے کُمۡ پر۔ دونوں مل کر مفعول بہ ہے اَعۡتَزِلُ کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ۔ اَدۡعُوۡا باب نصر کا مضارع واحد متکلم اَنَا پوشیدہ ضمیر کا مرجع ابراہیم ہے یہ تمام فعل عطف کی وجہ سے سین کے تحت ہو کر بمعنی مستقبل ہیں۔ دَعۡوٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے میں عبادت کرتا ہوں گا رَبِّیۡ۔ مرکب اضافی مفعول بہ ہے۔ یہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف ہوا تینوں، معطوف ع۱ مَا تَسۡتَغۡفِرُ ع۲ اَعۡتَزِلُ ع۳ اَدۡعُوۡا مل کر مقولۂ دوم ہوا عَسٰی فعل ماضی مقاربہ بمعنی مستقبل متصرفہ ہے یعنی اس کی ماضی کے پورے چودہ صیغے گردان ہوتی ہے۔ بعض نے اس کو جامد کہا ہے۔ وہ اس معنی میں کہ اس کے دوسرے مشتقات نہیں ہوتے مضارع امر وغیرہ نہ یہ کسی مصدر یا مادے سے بنتا ہے یہ فعل امید اور کبھی اندیشے کا قرب بیان کرتا ہے اس بنا پر بعض نے اس کو حرف قرار دیا ہے یعنی یہ فعل بمعنی حرف ہے کبھی آہا۔ واہ وا کے معنی میں کبھی ہائے ہائے کے معنی میں یہ جب خبر کے لیے ہو تو صیغہ واحد ہوتا ہے جب استفہام یعنی سوال کے لیے ہو تو جمع یا تثنیہ کا صیغہ آتا ہے مثلاً عَسَیۡتُمۡ۔ عَسَیۡتُمَا۔ عَسَیَا۔ عَسَیۡوۡا اکثر امور واجبی اور ضروری کے لیے آتا ہے کبھی ایسے کام کے لیے بھی آجاتا ہے جو نہ ہوئے ہوں صرف امید دلائی جائے۔ حضرت حکیم الامت بدایونی فرماتے تھے کہ باری تعالیٰ کے کلام میں فعل عسٰی قرب یقینی کا معنی دیتا ہے اور انسان کے کلام میں فقط قرب امید کے لیے۔ یہ فعل افعال ناقصہ کی طرح صرف فاعل پر عمل کرتے ہوئے مابعد اسم کو رفع دیتا ہے اس کا فاعل کبھی اسم ظاہر ہوتا ہے جیسے عَسٰی زَیۡدٌ۔ کبھی ضمیر بارز جیسے عَسَاہُ کبھی جملہ فعلیہ جیسے یہاں آیت کبھی جملہ اسمیہ ہوتا ہے جیسے عَسَی اللّٰہُ اَنۡ یَّاۡتِیَ [illegible] کبھی [illegible] سے پہلے سوال تاکیدی

پیدا کرنے کے لیے ھَلْ لگا دیتے ہیں جیسے ھَلْ عَنَیْتُمْ۔ اَنْ ناصبہ۔ لَا اَکُوْنَ۔ فعل مضارع ناقص واحد متکلم اَنَا پوشیدہ ضمیر اس کا اسم ہے۔ بِ جارّہ۔ دُعَاءِ اسم مضاف بمعنیٰ عبادت۔ فریاد۔ التجا پکارنا پہلے معنیٰ مناسب ہیں۔ رَبِّیْ یہ مرکب اضافی مضاف الیہ ہے دعاءِ کا وہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق مقدم ہے شَقِیًّا۔ اسم صفت مشبّہ کا۔ بروزن فعیل شَقْوٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ بدنصیب۔ نامراد نامقبول منحوس اسی سے ہے شقاوت بمعنیٰ بدبختی۔ اس کی جمع مکسّر ہے اَشْقِیَا۔ یہ اپنے متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے لَا اَکُوْنَ کی۔ وہ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر فاعل ہوا عسٰی کا وہ جملہ فعلیہ مفار بہ ہو کر مقولہ سوم ہوا۔ قَالَ اپنے تینوں مقولوں سے مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا۔ ف۔ تعقیبیہ بمعنیٰ ثُمَّ لَمَّا۔ اسم شرطیہ ظرفیہ ترجمہ ہے پھر جب اِعْتَزَلَ باب افتعال کا ماضی مطلق ھُوَ پوشیدہ اس کا فاعل ھُمْ ضمیر جمع منصوب متصل مفعول بہ ہے اور معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ مَا اسم موصول یَعْبُدُوْنَ باب نصر کا فعل مضارع جمع غائب مِنْ حرف جر زائدہ۔ دُوْنِ اللّٰہِ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے یَعْبُدُوْنَ کا یہ فعل فاعل متعلق جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر معطوف ہوا ھُمْ ضمیر کا۔ اِعْتَزَلَ فعل فاعل مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی۔ وَھَبْنَا۔ باب فتح وَھْبٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ بہت دینا بلا عوض دینا ھبہ اور تحفہ دینا ماضی مطلق جمع متکلم۔ مراد واحد متکلم ہے مرجع اللہ تعالیٰ صرف فصاحتِ کلام کے لیے جمع متکلم بولا جاتا ہے دوسرے جمع کے صیغے واحد کے لیے بولنے فصاحت کے خلاف ہے انسانوں وغیرہ کے لیے ادب کے طور پر جائز ہے مگر اللہ تعالیٰ کے لیے جمع حاضر یا غائب بولنا۔ ناجائز مشابہ شرک ہے توحید کے خلاف ہے۔ اکثر وہابی اور دیوبندی اس شرک میں مبتلا ہیں۔ لَهٗ۔ جار مجرور متعلق ہے اِسْحٰقَ اسم غیر منصرف عجمی علم ہے واؤ عاطفہ یَعْقُوْبَ اسم غیر منصرف عجمی علم ہے یہ دونوں عبرانی زبان کے لفظ ہیں اب عربی میں استعمال ہیں اس لیے عجمی ہو گئے۔ اسم مبارک ہیں دو نبیوں کے یہ عطف مفعول بہ ہے وَھَبْنَا کا سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا ہوئی۔ شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔ واؤ سے جملہ بمعنیٰ ثم كُلًّا۔ اسم کلیہ مفعول بہ مقدم ہے۔ یہ لفظاً واحد ہوتا ہے معناً جمع ہر مذکر و مؤنث کے لیے مستعمل ہے اس کا مؤنث کُلَّۃٌ شاذ [illegible] اگر [illegible] ترجمہ ہے ہر ایک مثلاً

کُلُّ الشَّیْءِ ہر ایک چیز۔ اگر اس کے بعد مفرد لفظی معرفہ ہو تو ترجمہ ہے سب مثلاً کُلُّ القوم۔ اگر اس کے بعد فردِ واحد معرفہ ہو تو ترجمہ ہے پورا یہاں کُلًّا افرادی ہے بمعنی ہر ایک کو مراد ۱ ابراہیم ۲ اسحاق ۳ یعقوب ہیں علیہم السّلام۔ جَعَلْنَا فعل ماضی با فاعل نَبِیًّا اسم مفرد نکرہ مفعول بہ دوم ہے اس پر تنوین تعظیمی ہے سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واو سر جملہ (ابتدائیہ) وَهَبْنَا فعل ماضی با فاعل لَهُمْ جار مجرور متعلق اوّل مِن رَّحْمَتِنَا۔ یہ مرکب اضافی جار مجرور متعلق دوم یہاں ہُم ضمیر کا مرجع تین شخصیات ہیں ۱ ابراہیم ۲ اسحاق ۳ یعقوب یہ جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا۔ واؤ سر جملہ۔ جعلنا فعل با فاعل لَهُمْ۔ لام متعدی کا ھُمْ ضمیر کا مرجع تین انبیا علیہم السّلام یہ جار مجرور متعلق ہے۔ لِسَانَ اسم مفرد جامد بمعنی جسمانی زبان مراد ہے گفتگو کلام مضاف ہے یہ لفظ مذکر مؤنث دونوں کے لیے مستعمل ہے اس کی مذکر اَلْسُنٌ اور لُسُنٌ ہے جمع مؤنث اَلْسِنَۃٌ ہے یہ چھ معنی ہیں استعمال ہوتا ہے ۱ جسمانی زبان (گوشت کا ٹکڑا) ۲ قوتِ گویائی ۳ تذکرہ چرچہ اور ذکر۔ یہاں یہی مراد ہے ۴ اپنی اپنی بولی (لغت) ۵ لہجہ ۶ وعدہ۔ مثلاً کسی کو زبان دینا۔ صِدْقٍ اسم مفرد جامد حاصل مصدر بمعنی سچائی مضاف الیہ یہ مرکب اضافی موصوف ہے۔ عَلِیًّا۔ اسم صفت مشبّہ مبالغہ عُلُوٌّ سے مشتق ہے بروزنِ فعیل بمعنی بہت ہی بلند اعلیٰ۔ صفت ہے یہ مرکب توصیفی مفعول بہ ہے۔ جَعَلْنَا لَهُمْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ قَالَ سَلٰمٌ عَلَیْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّیْ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّیْ شَقِیًّا۔

فرمایا ابراہیم نے اچھا اے چچا اگر تم میری اتنی بہترین مفید اور دائمی کامیابی والی بات کو بھی ماننے پر تیار نہیں تو تم کو دور سے ہی سلام ہے میں عنقریب اپنے رب تعالیٰ سے تمہارے لیے سابقہ گناہوں اور کفریات و شرکیات کی بخشش مانگوں گا (کفار کے لیے یہی استغفار ہوتی ہے) اگر میری تمہارے لیے یہ سفارشانہ آرزو بارگاہِ الٰہیہ میں منظور ہو گئی تو تم کو ہدایتِ خیر بھی مل جائے گی اور جو کام میری اتنی لمبی چوڑی تقریری نصیحت فصیحانہ مؤدبانہ اندازِ التجا کی باتیں نہ کر سکیں وہ میرے رحیم کریم رب کی توفیق کر دے گی۔ میں اور میری گفتگو تم کو ہدایت نہ دے سکی لیکن میرا اللہ جَلَّ مَجْدُہٗ قادر و قیوم ہے جس کو پسند فرماتا ہے ہدایتِ ایمان عطا فرما دیتا ہے۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں اور قرابت داری کی محبت کرتا رہوں گا میری طرف سے تم کو سلامتی ہی ملے گی میں کسی حال میں تم کو دکھ تکلیف نہ پہنچاؤں گا۔ میرا رب مجھ سے بہت

ہی محبت فرمانے والا ہے۔ میری محبت تم سے بوجہ قرابت داری ہے اور میرے رب تعالیٰ کی
محبت مجھ سے بوجہ بندگی ہے۔ یہی بات میں تم کو سمجھانا چاہ رہا تھا کہ مولیٰ تعالیٰ کی محبت کا نقطہ
یہی راستہ ہے جو میں نے اپنایا ہے اس کی محبت ہر وہ شخص درجہ بدرجہ لے سکتا ہے
جو اس کی سچی خالص عبادت کرے۔ شریعت میں سلام نو قسم کا ہے ۱۔ سلام دعا ۲۔ سلام تعظیم
۳۔ سلام تحیۃ ۴۔ سلام اذن ۵۔ سلام خبریت ۶۔ سلام علامت ۷۔ سلام وداع ۸۔ سلام نفرت
جیسے آیت میں ہے وَ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۹۔ متارکہ یہاں یہی سلام مراد ہے
یعنی الوداعی اور چھوڑنے کے وقت بیزار ہو کر سلام کرنا۔ اے چچا تم کو تو مجھ سے نفرت ہے ہی
مگر اب میں بھی تم سے اور تمہاری قوم اور تمہارے تمام چھوٹے بڑے جھوٹے معبودوں بناؤٹی
خود تراشے خداؤں سے بیزاری و نفرت کرتے ہوئے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دور جا رہا ہوں
اور کہیں بہت ہی پاکیزہ ستھرے مقام مقدس علاقہ میں نہایت خوشی و اطمینان سے خشوع و خضوع
اور پیار و دلجمعی کے ساتھ اپنے رب العٰلمین کی ایسی شاندار دعاؤں التجاؤں والی عبادت
کروں گا کہ یقیناً بہت جلدی ایسا ہو گا کہ میں پھر کبھی کسی بھی کام و تبلیغ و ہدایت دینے میں ناکام
نہ رہوں گا۔ اور اس عبادتِ حنیفہ کے طفیل تمام نحوستیں بے برکتیں، کسلتیں غفلتیں سب دور ہو
جائے گی۔ اور وہ دولتیں عزتیں حکومتیں ملینگی کہ تم اور تمہاری عبادت کیہ قوم حیران رہ جائے گی
آج تو تم نے اپنے اس گھر وطن اور دولت ساز و سامان پر غرور کر کے مجھ کو مارنے مرنے اور نکل
جانے کی دھمکی دے ہی دی ہے مگر میری طرف سے تمہارے لیے ہمیشہ سلامتی ہوگی نہ
بات سے ایذا دوں گا نہ ہاتھ سے نہ کسی کام سے حضرت ابراہیم کی یہ ہجرت اور ترک وطن
جدی میراث اللہ تعالیٰ کی خاطر چھوڑ جانے کا یہ واقعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تا قیامت
کفر کے ستائے وطن سے نکالے بھگائے ہوئے مہاجرین مسلمانوں کو تسلی دینے کے لیے
سنائے جا رہے ہیں کہ اے ایمان والو اس ظلم و تشدد اور ہجرت سے گھبرانا مت تمہارے
جدِ اعلیٰ پر بھی یہ غریبُ الوطنی کا زمانہ گزرا ہے۔ اور جس طرح ان کی شان و عزت دولت کم نہ
ہوئی تھی بلکہ ہماری رحمتیں برکتیں انعامات اور زیادہ ہوتے رہے اسی طرح تم دیکھنا تمہاری
بھی کتنی شانیں بڑھتی ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ گفتگو اپنے چچا آزر بت تراش کے
گھر میں ہوئی ایک روایت میں ہے کہ یہ حضرت ابراہیم کا ہی جدی اور والد تارخ کا گھر تھا۔
ابراہیم کو یہ علم بھی تھا مگر چچا پرورش کی آڑ میں اسے اپنے قابض ہو گیا تھا اب اس وقت

چچا نے ابراہیم علیہ السلام کو نکل جانے کی دھمکی دی مگر ابراہیم علیہ السلام نے جانتے ہوئے بھی اس سے نہ فرمایا کہ یہ گھر تو میرا موروثی ہے تم نکلو دو وجہ سے پہلی یہ کہ اگر میں نے چچا سے نکلنے اور اپنا بت سازی کا سارا سامان اٹھانے کا کہا تو میری سب سچی ایمانی تبلیغ پر پانی پھر جائے گا اور بات یہ بن جائے گی کہ سب تبلیغ وغیرہ محض چچا کو نکالنے کی ایک چال اور سازش تھی پھر کوئی بھی آئندہ آپ کی تبلیغ کا اثر قبول نہ کرتا بلکہ یہی ہر طرف سے جوابًا واعتمادًا کہا جاتا کہ اسی تبلیغ کے بہانے پہلے چچا کو نکالا گھر سے اب ہم کو نکالنا چاہتا ہے ملک سے اور خود حکومت پر قابض ہونا چاہتا ہے۔ دوم یہ بھی کہا جا سکتا تھا کہ دیکھو بہت بد اخلاق احسان فراموش ہے بوڑھے چچا مربی کو نکال دیا۔ اس لیے آپ نے اپنی کسی چیز کی پرواہ نہ کی اور اپنے گھر بلکہ اپنے اس شہر گلدانیہ سے نکل کر شام کے ایک شہر یروشلم بیت المقدس جہاں مسجد اقصا بنائی گئی ہجرت کر گئے یہ گلدانیہ آپ کا آبائی وطن مضافات بابل کا ایک قصبہ تھا علاقہ عراق کا ہے۔ شام فلسطین کے قریب گلدانیہ سے جانب جنوب پہلے آپ ایک گاؤں حاران میں کچھ عرصہ مقیم رہے یہیں پر آپ نے پہلی شادی حضرت سارہ سے کی فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِنْ رَحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا۔

پھر جب ہمارا خلیل اپنا سب کچھ چھوڑ کر دور علیحدہ چلا گیا ان تمام بت سازوں بت پرستوں سے اور ان کے ان باطل جھوٹے معبودوں دیوی دیوتاؤں سے متنفر بیزار ہو کر جن کو وہ اللہ کے مقابل پوجتے تھے۔ تو ہم نے بھی اس کو کسی وقت کسی جگہ کوئی تکلیف نہ ہونے دی اس کی جان شان عزت آبرو کی پوری پوری حفاظت فرمائی اور جو کچھ اس نے ہماری خاطر چھوڑا تھا اس کے بدلے میں ہم نے بھی اس کو اسحاق جیسا بے مثل فرزند اور یعقوب جیسا ابن فرزند بخش دیا عطا فرما دیا۔ اور ایسی شان و مرتبے والے کہ ان سب کو ہم نے اپنا نبی بنایا ہوا تھا اس طرح کہ ابراہیم خلیل سے لے کر عیسٰی علیہ السلام تک سب ہی ازلی تقدیر میں اولوالعزم انبیاء کرام بنا دیئے گئے تھے بلکہ بعد کے تمام انبیاء و رسل تو بنی اسرائیل میں ہی بھیجے گئے اور یہاں تک ابراہیم پر کرم ہوا کہ آخری مرسل انبیاء و رسل کا سراج منیر چمکتا سورج ان کے ہی فرزند اسماعیل کی نسل میں مبعوث فرما دیا۔ اور اس کے علاوہ بھی ان سب پر ہم نے اپنی بے شمار خاص رحمتیں حسبہ فرمائیں اور ان نبیوں کے لیے تا ابد ہم نے کائنات ارض

وسماوی میں ہر زبان پر سچائی کا چرچہ جاری فرما دیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے یعقوب علیہ السلام کو اپنی زندگی میں پا لیا تھا بلکہ پرورش بھی پوتے کی خود ہی فرمائی یہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر نہ فرمایا اس کی وجہ صرف یہی ہو سکتی ہے کہ آپ کی فضیلت شان ظاہر کرنے کے لیے آپ کا ذکر علیحدہ فرمایا گیا دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ انعام اس ہجرت کے بدلے میں تھا اور اس ہجرت میں حضرت سارہ سے نکاح ہوا۔ اور سارہ سے اسحاق اور اسحاق سے یعقوب پیدا ہوئے۔ اگرچہ اسماعیل کے بعد ہوئے مگر ہوئے سارہ کے ذریعے حضرت ہاجرہ بھی اگرچہ اسی ہجرت میں اگلے سفر میں ملیں مگر وہ سارہ کو ملیں نہ کہ ابراہیم کو ابراہیم سے نکاح تو بہت عرصہ بعد ہوا واللہ اعلم بالصواب۔ حضرت یعقوب کی ولادت کے وقت ابراہیم علیہ السلام کی عمر مبارک ایک سو پچھتر سال تھی۔ آپ کا زمانہ پاک آدم علیہ السلام سے دو ہزار سال اور نوح علیہ السلام سے ایک ہزار سال بعد تھا۔ رَحْمَتِنَا سے مراد حلال طیب پاکیزہ مال دولت اولاد پاکیزہ اولاد نسل نبوت ہے۔ لِسَانَ صِدْقٍ سے مراد ہر کافر مومن کے دل میں تا قیامت آپ کی عقیدت اور زبان پر تعریف۔ ابراہیم علیہ السلام نے اس ہجرت میں سات چیزوں سے علیحدگی اور اعتزال فرمایا ۱ اپنے سگے مربی چچا سے ۲ اپنی قوم سے ۳ اپنے وطن سے ۴ بلکہ پورے ملک سے ۵ قوم کے باطل مذہب اور بتوں سے ۶ ان کی باطل کفریہ عبادت سے ۷ اپنی پوری آباؤ اجداد کی میراث سے۔ اس کے انعام میں رب تعالیٰ نے خلیل علیہ السلام کو سات عظیم ابدی نعمتوں سے نوازا ۱ خلیل بنایا ۲ امام بنایا ۳ اصل چھوڑنے کے بدلے عظیم نسل دی یعنی اولاد عیسیٰ علیہ السلام تک بنی اسرائیل اور آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے تا قیامت سادات اسماعیل آپ ہی کی نسل اولاد ہیں ۴ دولت دی ۵ تا قیامت عزت اور اچھی شہرت عطا فرمائی ۶ اولاد میں نبوت قائم فرمائی کہ چھ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ باقی تمام انبیاء علیہم السلام آپ کی نسل میں آئے باقی دنیا کی اس وقت آباد موجود قومیں۔ چینی۔ فرعونی۔ حامی۔ یافثی۔ سامیانی۔ آریائی اور آزری وغیرہ نبوت سے بالکل خالی رہیں ۷ وطن چھوڑنے کے بدلے ملکوت آسمانی کی سیر کرائی۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مختصر حالات

یہ بات ابتداء تاریخ سے چلی آ رہی ہے کہ [illegible] رب تعالیٰ کسی کو کائنات میں عزت و شہرت

عطا فرماتا ہے تو ابلیس اپنی حسد و غضب میں جل مرتا ہے اور اس شخصیت مبارکہ کے خلاف طرح طرح کے ہتھکنڈے اور منصوبے بنا کر اپنی ذریت خبیثہ کے ذریعہ صرف اس غرض سے پھیلاتا ہے تاکہ حقیقت واقعی کو شکوک و شبہات سے مسخ کر دیا جائے مگر یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ کے فرمان الٰہیہ کے مطابق خبثاء و شیاطین کے تمام منصوبے تحریر میں تاریخیں تفسیریں باطل ہو جاتی ہیں اور حق ظاہر ہو کر رہتا ہے۔ یہی کچھ معاملہ تاریخ ابراہیمی کے ساتھ کیا گیا چونکہ رب تعالیٰ جَلَّ مجدُہٗ نے تا قیامت لِسَانَ صِدْقٍ عَلِیًّا کا انعام خلت عطا فرما دیا تھا۔ بھلا شیطان کو یہ کب برداشت تھا۔ اس نے اپنی انسانی ذریت کے قلم سے ہی ایسی ایسی چالیں چلوائیں کہ دل دنگ عقل حیران فکر پریشان ہو گئی۔ کبھی آپ کے خاندان میں کبھی آپ کے وجود حقیقت میں کبھی آپ کی زندگی میں کبھی آپ کے نام میں کبھی کام میں کبھی دین و مذہب میں کبھی وطنی نسبت میں کبھی آپ کے والدین کریمین طیبین ساجدین طاہرین کے ایمان میں۔ اور پھر یہ سب چالیں مخالف اغیار اور دشمن بن کر نہیں بلکہ عقیدت محبت و الفت کے منافقانہ لباس پہن کر۔ اور یہ بہروپیانہ چالیں حضرت ابراہیم اور ان کے والدین تک ہی محدود نہ رہیں بلکہ آپ کی نسل پاک اسماعیل و اسحاق کی شخصیات کی عظمت و شان میں بھی محض آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے تعصب حسد اور جلن کی وجہ سے کئی قسم کے شکوک و شبہات پیدا کرنے کی ناپاک جسارت کی یہ سب خرافات اگر یہود و نصاریٰ ہندوؤں مجوسیوں صابیوں کی اسرائیلیات۔ تالمود۔ اناجیل باطلہ تک ہی محصور رہتیں تو بھی ہم کو تردید میں اپنا استدلالی قلم استحقاق اٹھانے کی ضرورت نہ تھی غم تو اس بات کا ہے کہ خود بعض مسلمان مؤرخ و مفسر تاریخ و تفسیر کے بہانے ان اقوال باطلہ میں شامل و ملوث ہو گئے۔ جن میں پیش و پیش دیوبندی وہابی فرقے کے مؤرخ و مفسر ہیں بلکہ یہ فرقہ تو تقریباً ہر مذہبی دینی عقیدے میں اسرائیلیات سے اتنا متاثر ہے کہ معلوم ہوتا ہے یہودیت عیسائیت ہی کا دوسرا نام وہابیت ہے۔ خرافات تو بہت سی قسم کی ہیں مگر سب سے زیادہ سخت جو ایمان بگاڑنے والی ہیں وہ تین ہیں۔ پہلی حضرات والدین کا ایمان دوسری حضرت سارہ و حضرت ہاجرہ کا خاندانی مرتبہ تیسرا حضرت اسماعیل کے ذبیح اللہ ہونے کی عظمت و شان۔ یہ تو کرم ہے قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کا کہ انہوں نے خاندان ابراہیمی کی صحیح حقیقت بیان فرما کر صرف یہودیت۔ عیسائیت کا ہی نہیں وہابیت کا بھی منہ توڑ دیا ورنہ یہ چاروں اپنے نجس قلم رگڑ رگڑ کتابیں لکھ لکھ کر قسمیں کھا

کھا کر ایڑی چوٹی کا زور لگا ڈالا ہے کہ معاذ اللہ ابراہیم علیہ السلام کے والدین کریمین کافر و مشرک تھے۔ اور یہ باطلانہ عقیدہ اسلامی فرقوں میں صرف دیوبندی وہابی ٹولے نے آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی اور گستاخی میں بنایا کہ آقائے کائنات حضورِ اقدس نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین سیدنا عبد اللہ اور سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما معاذ اللہ معاذ اللہ کافر و مشرک تھے۔ حالانکہ ان دونوں کے تو نام ہی بتا رہے ہیں کہ مومن تھے اور ہیں آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی محض اس جلن میں ہے کہ میرے آقا غیب دانِ عالمین نے نجدیوں کی برائی فرمائی اور ان کو شیخ نجدی کا ٹولہ اور قرن الشیطن فرمایا۔ اپنے اس باطل عقیدے پر کوئی قرآن وحدیث کی دلیل تو میسر نہ آئی اس لیے بائبل، تالمود اور اسرائیلیات کے اقوال کو اپنا جزوِ ایمان بنایا یہی حال ان کے دوسرے اور تیسرے عقیدے کا ہے بہرحال ہم ان کے علی الترتیب تینوں باطل عقیدوں کی تردید قرآن وحدیث کے دلائل سے کرتے ہیں پہلا عقیدہ والدین ابراہیم علیہ السلام کے ایمان کے متعلق۔ پہلی دلیل تمام اہل سنت علماء قدماء مجتہدین ائمہ اربعہ کا متفقہ مسلک ہے کہ کسی بھی نبی کے والدین کافر اور مشرک نہ ہوئے اس لیے کہ کفر رجس ہے اور شرک نجس لہٰذا کافر جسًا پلید اور شرک نجاست کا پلید جب کہ انبیاءِ عظام علیہم السلام جسمًا وروحًا عرش و فرش لوح و قلم سے زیادہ پاکیزہ باعظمت اور نورِ الٰہی ہوتے ہیں یہ کیسے ہوسکتا ہے نور کو نجاست سے بنایا اور نجاست میں رکھا جائے۔ دیوبندیوں کی اہلیت تو اسی ایک ہی قرآنی آیت سے ظاہر ہو جاتی ہے مگر ان کے باطل عقیدے کی تردید میں اور بھی دلائل ہیں۔ دوسری دلیل قرآن مجید میں ابراہیم کے اس مربی چچا کو اَبٌ کہا گیا۔ وَالِدٌ کسی بھی آیت یا حدیثِ پاک میں نہ کہا گیا۔ صرف پانچ آیت میں اس چچا کا ذکر ہوا۔ ایک یہی سورۃ مریم کی آیت ۴۲ تا ۴۵ لِاَبِیْهِ یٰاَبَتِ۔ یٰاَبَتِ۔ چار دفعہ دوم سورۃ توبہ آیت ۱۱۴ وَمَا کَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِیَّاهُ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ۔ سوم سورۃ زخرف آیت ۲۶ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖۤ اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ۔ چہارم۔ سورۃ ممتحنہ آیت ۴۔ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ۔ پنجم سورۃ انعام آیت ۷۴۔ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً۔ ان تمام آیت میں ابراہیم علیہ السلام کے مخاطب کو اَبِیہ اور اَبَتِ ہی فرمایا گیا حالانکہ لفظِ اَبٌ مشترک ہے بہت سے معنی میں ۱ اصل لغوی معنی ہے والا اسی معنی میں مولیٰ علی رض کا لقب

ہو ابو تراب یعنی مٹی والا ۲؎ اَبٌ کا اصطلاحی معنیٰ مالک ہے جیسے ابو المال ۳؎ آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ابو المساکین فرمایا (از مشکوٰۃ شریف ص۵۷۳) یہاں ابو کا معنیٰ ہے مربی ۴؎ اَبٌ چچا کو بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ حدیث پاک میں چچا کو والد کی مثل کہا گیا ہے چنانچہ مشکوٰۃ شریف ص۱۴۶ و ص۵۷۳ و ص۵۷۵ میں بحوالہ ترمذی ہے عَمُّ الرَّجُلِ صِنْوُ اَبِیْہِ۔ اور صنو کا معنیٰ لمعات میں مثل ہے ۵؎ اَبٌ کا رواجی معنیٰ والد بھی ہیں۔ اس تفصیل سے ثابت ہو کہ اگر کسی شخص کو کسی کا اَبٌ یا اَبِیْہ یا کوئی خود کو ابنا۔ اَبَت کہے تو چھان بین کرنی پڑے گی کہ یہاں اَبَت اور اَبٌ و اَبُو سے کیا مراد ہے۔ بلا تحقیق اُس کو والد نہ کہا جائے گا۔ وہاں لوگ آزر کے متعلق اسی لفظ سے دھوکہ دے کر والدین ابراہیم علیہ السلام کی گستاخیاں کرتے اور کراتے ہیں اس دھوکے سے بچانے کے لیے رب تعالیٰ نے ایک آیت میں اَبِیْہِ کی وضاحت فرماتے ہوئے صاف صاف نام بھی ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص دھوکہ نہ کھائے۔ اَبِیْہِ سے مراد والد تارخ نہیں بلکہ چچا آزر ہے۔ اس کے علاوہ کسی بھی حدیث۔ روایت۔ درایت یا تاریخ تفسیر اور آیت میں والد کو آزر نہ لکھا گیا۔ ہر جگہ والد کا نام تارخ ہی منقول و مکتوب ہے یہاں تک کہ جن اسرائیلیات کے سہارے یہ دیوبندی اپنے عقیدے بناتے پھرتے ہیں ان اسرائیلیات میں بھی والد ابراہیم کا نام تارخ ہی لکھا ہے نہ کہ آزر۔ غرضکہ کسی بھی مقام سے ان کو اپنے باطل و کاذب عقیدے پر کوئی دلیل ہاتھ نہ آئی تو بچنے بچانے کے لیے اگر مگر اور ممکنات کا تانا بانا بُننے لگے جس سے ثابت ہوا کہ یہ کوئی خلوص اور تلاش حق نہیں محض ضد ہے کبھی کہتے ہیں ممکن ہے تارخ اور آزر ایک ہی شخص کے دو نام ہوں۔ کبھی کہتے ہیں ممکن ہے تارخ نام ہو آزر لقب ہو۔ کبھی کہتے ہیں ہو سکتا ہے تارخ بچپن کا نام ہو آزر بعد میں رکھ لیا ہو۔ کبھی کہتے ہیں اصل نام آزر ہے۔ اس سے بگڑ کر عاذر ہوا پھر عادر پھر بگڑ کر غارخ کو غلطی سے طارخ لکھ دیا گیا جو بعد میں تارخ ہوا۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ اور پھر اپنی ان ممکناتی خرافات پر کوئی دلیل نہیں بس اندھے کی لاٹھی ہے جدھر چاہی گھما دی۔ بھائی نہیں میں تو کہتا ہوں دیوبندیت وہابیت کے پورے عقلے کے پورے دین کا یہی حال ہے۔ یہ تمام اقوال ہم نے دیوبندی کتب سے اخذ و نقل کئے ہیں۔ مضبوط دلائل تو بحمدہٖ تعالیٰ ہر ہر مسلک و عقیدے پر اہل سنت حنفی بریلوی علما کے پاس ہیں۔ تیسری دلیل اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ نے پوری کائنات اصل ایمان کے لیے ایک ابدی قانون قائم فرمایا۔ یہ قانون تمام عوام خواص صوفیا

اولیاء علماء، تابعین تبع تابعین صحابہ، اہل بیت بلکہ انبیاء و مرسلین پر بھی نافذ ہے۔ چنانچہ سورۃ توبہ آیت ۱۱۳ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ۔ ترجمہ کسی نبی اور کسی بھی مومن کے لیے یہ جائز نہیں کہ مشرکین کے لیے بخشش کی دعا مانگیں اگرچہ وہ مشرکین اُن انبیاء اور مومنین کے بہت ہی قریب رشتے دار ہی ہوں اس کے بعد کہ اُن انبیاء اور مومنین کو ظاہر ہو چکا ہو کہ یہ قرابت دار جہنم والوں میں ہو چکے ہیں یہ قانونِ الٰہیہ سب انبیاء جانتے ہیں ابراہیم علیہم السلام بھی جانتے ہیں۔ اس کے باوجود قرآنِ مجید میں ابراہیم علیہ السلام کی دو قسم کی استغفار مذکور ہے۔ پہلی استغفار لِأَبِيهِ چنانچہ ارشاد ہے سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي بہت جلدی تمہارے لیے اپنے رب سے استغفار کی دعا مانگوں گا۔ اور سورۂ ممتحنہ کی آیت ۴ إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ۔ مگر ابراہیم کا قول اپنے ابی سے کہ میں البتہ ضرور تمہارے لیے بخشش مانگوں گا۔ ان دونوں آیتوں نے بتایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مربی کے لیے اُن کی زندگی میں ہی بخشش مانگنے کا وعدہ کیا تھا چچا کی زندگی میں ہی پورا کر دیا ابی کا لفظ ہے نہ کہ والد کا اس دعا کا ذکر سورۂ شعراء آیت ۸۶ میں وَاغْفِرْ لِأَبِي إِنَّهُ كَانَ مِنَ الضَّالِّينَ اس آیت کی تفسیر میں صاوی جلد سوم ص ۱۴۵ پر ہے کہ یہ توفیقِ ایمان کی دعا تھی اور کفر سے توبہ کی چچا کی زندگی میں ہی لیکن جب کفر پر خاتمے کا بذریعہ وحی بتایا گیا تب آپ نے دعا ترک کر دی اس دعا کے وقت ابراہیم کی عمر دس گیارہ سال تھی إِلَّا قَوْلَ۔ سے پتہ چلا کہ صرف ایک دفعہ یہ استغفار کا وعدہ ہوا پھر اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأَبِي۔ اور کہیں ثابت نہیں، سین حرف تقریب بتا رہا ہے کہ اس تخاطب کے تھوڑی دیر بعد استغفار مانگی جب کہ ابراہیم علیہ السلام نوجوان تھے آزر زندہ تھا یعنی یہ استغفار زندہ مشرک کیلئے ہوئی۔ اور زندگی میں مشرک و کافر کے لیے استغفار مانگنی جائز ہے کیونکہ مندرجہ بالا سورۃ توبہ کی جس آیت میں ممانعت فرمائی گئی اُس میں یہ قید ہے کہ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ یعنی جب یقین سے معلوم ہو جائے کہ یہ شخص اصحابِ جحیم میں سے ہے تب کافر کے لیے استغفار منع ہے۔ اس چیز کا پختہ یقینی علم یا انبیاء کرام کو دیا جاتا ہے یا پھر کفر پر مر جانے کے بعد سب کو ہوتی ہے لِأَبِيهِ کے لیے استغفار کی وجہ بتاتے ہوئے رب تعالیٰ نے فرمایا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ۔ یعنی ابراہیم نے اَبِیہ کے لیے اُس کی زندگی میں استغفار مانگی لیکن جب ابراہیم علیہ السلام

نے یقینی علم پالیا کہ یہ اب ہمیشہ اللہ کا دشمن ہی رہے گا اور اسی حالت میں مرے گا تو آپ اس سے متنفر ہو گئے استغفار چھوڑ دی۔ یہ تھی اَبِیۡہِ والی دعا جو آپ نے اپنی جوانی میں ہی دو چار بار مانگی پھر اسی دوران اِسی ممانعتِ الٰہیہ کی وجہ سے چھوڑ بھی دی۔

دوسری استغفار کا ذکر

قرآن مجید سورۃ ابراہیم آیت ۳۹ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ وَہَبَ لِیۡ عَلَی الۡکِبَرِ اِسۡمٰعِیۡلَ وَ اِسۡحٰقَ اِنَّ رَبِّیۡ لَسَمِیۡعُ الدُّعَآءِ ترجمہ۔ تمام حمد اور شکر اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے بخشا عطا فرمایا مجھ کو بڑھاپے میں اسمٰعیل اور اسحاق بے شک میرا رب میری دعائیں ہمیشہ سننے والا ہے۔ تاریخی لحاظ سے ولادتِ اسماعیل کے وقت حضرت ابراہیم کی عمر ننانوے ۹۹ سال اور ولادتِ اسحاق کے وقت آپ کی عمر ایک سو بارہ ۱۱۲ سال تھی اور اس اعتبار سے یہ دعا تقریباً ایک سو تیرہ ۱۱۳ یا ایک سو چودہ ۱۱۴ سال کی عمر میں ہوگی اس وقت حضرت ابراہیم علیہم السلام کے تمام افرادِ اُصولی فوت ہو چکے ہیں۔ والد۔ والدہ، چچا، چچی وغیرہ وغیرہ اس کے بعد حضرت ابراہیم اسی کلام میں عرض کرتے ہیں۔ رَبَّنَا اغۡفِرۡ لِیۡ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَوۡمَ یَقُوۡمُ الۡحِسَابُ۔ اے ہمارے رب مجھ کو بخشش دے اور میرے والدین کو بھی بخشش دے اور تمام اہلِ ایمان کو بھی تا قیامت بخشش دے یہاں اِغۡفِرۡ اور بخشنے سے مراد ہے عطاءِ رحمت یعنی مجھ کو میری والدین کو تمام مومنین کو اپنی رحمت میں چھپالے۔ تینوں کے لیے ایک صیغہ بولنا یہ ہی ثابت کرتا ہے کہ تینوں کے لیے ایک جیسی مغفرت ہو۔ یعنی شرک کفر سے مغفرت نہیں، شرک پہلی جگہ محال ہے تیسری جگہ ناممکن ہے لہٰذا دوسری جگہ بھی ناممکن۔ اَبِیۡ کی مغفرت کا معنیٰ چونکہ شرک سے بچانا اور توبہ کی توفیق تھی اس لیے وہاں صرف اَبِیۡ کہا کسی دوسرے مومن کو شامل نہ کیا۔ اتنی عظیم وضاحت کے باوجود بھی کسی دیوبندی وہابی کا دماغ اُلٹا ہی چلے تو اس کی مرضی یہاں اَبِیۡہِ نہیں۔ وہاں والد نہیں۔ یہاں ابراہیم علیہ السلام کا بڑھاپا زندگی کے آخری لمحات وہاں جوانی یہاں بعدِ وفات وہاں زندگی میں۔ یہاں دونوں والدین کے لیے استغفار ہے وہاں صرف آزر کے لیے وہاں مخصوص وعدے کی دعا ہے یہاں عام دعا۔ رب تعالیٰ نے کس شان سے وضاحت فرما دی کہ آزر اور ہے وَالِدَیۡن اور ہیں۔ بھلا کیسے ہو سکتا ہے کہ ممانعت کے باوجود آخری عمر میں آپ کافر کے لیے دعائیں مانگتے۔ اتنی وضاحت کے باوجود اب بھی کوئی ظالم بدبخت نہ مانے تو اس کی خباثت و کم بختی کو کیا کہا جا سکتا ہے۔ چوتھی دلیل ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا۔ وَ لِوَالِدَیَّ۔ اے اللہ میرے والد اور والدہ دونوں کو بخشش دے

یہ دعا بڑھاپے میں ہے جب کہ والد تارخ اور والدہ متلی بنت کرناب یا ایمنا لی کبھی فوت ہو چکے ہیں۔ والد میں تو شک ڈال دیتے ہیں کہ یہ آزر مراد مگر والدہ کا کفر یا شرک کس طرح ثابت کرو گے اِن کا ایمان تو ہر اعتبار سے ثابت ہے۔ جب والدہ مومن ہیں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خاوند کافر مشرک ہو اور بیوی مومنہ ہو۔ ہر شریعت میں مومنہ عورت سے کافر مرد کا نکاح حرام ہے مومن مرد تو کافرہ مشرکہ یعنی یہودیہ عیسائیہ سے نکاح کر سکتا ہے شریعت اِس کی اجازت دیتی ہے مگر کسی قسم کے کافر مرد سے کسی مسلمان عورت کا نکاح جائز نہیں ہے۔ اور وَالِدَیَّ کا ترجمہ تمام مترجمین نے یہی کیا ہے کہ میری والدہ اور والد۔ بالکل اِن ہی الفاظ کی دعا حضرت نوح علیہ السلام سے بھی سورۂ نوح آیت ۲۸ میں منقول ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ نوح علیہ السلام نے عرض کیا رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ یہاں بھی تمام مترجمین ترجمہ کرتے ہیں۔ اے اللہ مجھ کو اور میرے دونوں والدین کو بخشش دے۔ یہاں بھی کفر کی بخشش مراد نہیں بلکہ خطاؤں کی یا مقرّبِ بارگاہ ہونے کی استغفار مراد ہے کیونکہ کفر کی بخشش ناممکن اس کے لیے دعا حرام مَاکَانَ لِلنَّبِیِّ (الخ) سے ممانعت و حرمت ثابت۔ اشرف علی تھانوی محمود الحسن۔ عاشق الٰہی میرٹھی تمام دیوبندی صاحبان اور شاہ ولی اللہ، مُلّا کاشفی بھی اس کا ترجمہ والد والدہ کرتے ہیں۔

پانچویں دلیل۔ اِبِیْہِ کی استغفار میں صرف آزر کا ذکر ہے۔ نہ اپنے آپ کو شامل کیا نہ مومنوں کو۔ لیکن والدین کی استغفار میں اپنا ذکر کیا اور تمام تا قیامت مومنوں کو تاکہ والدین کو اپنے اور اہلِ ایمان کے مشابہ و مماثل ثابت کیا جائے۔ ان تمام دلائلِ قرآنیہ سے ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیم کے والدین مومن متقی بلکہ اَولیاءِ کاملین میں سے ہیں۔ **چھٹی دلیل۔** تمام شریعتوں کا یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ کافر مومن قرابت دار کا اور مومن۔ کافر قرابتدار کا وارث نہیں ہو سکتا۔ اس کی دلیل (۱) اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ اَھْلِکَ۔ اے نوح تمہارا یہ بیٹا کنعان تمہارا اہل یعنی وارث وغیرہ نہ رہا اور (۲) حدیث پاک میں ہے لَیْسَ الْمُؤْمِنُ وَارِثُ الْکَافِرِ وَلَا کَافِرٌ لِمُؤْمِنٍ اس قانون کے باوجود ابراہیم علیہ السلام اپنے والد کے آبائی ایک گھر اور کچھ سامان کے وارث ہوئے جس پر چچا آزر قابض تھا۔ اس ترکِ میراث کا اشارہ اِسی آیت سے ملتا ہے کہ چچا نے کہا وَاھْجُرْنِیْ مَلِیًّا۔ تو میرے پاس سے ہجرت کر جا۔ ہجرت وطنِ اصلی سے ہوتی ہے اور وطنِ اصلی دو چیزوں سے بنتا ہے (۱) جائیداد سے (۲) بیوی کی رہائش سے یہاں بیوی تو ہے نہیں ماننا پڑے گا کہ جائیداد تھی۔ چچا ابراہیم علیہ السلام خریدی نہ تھی وراثتاً تھی ثابت ہوا

کہ والد مومن تھے ورنہ میراث نہ ملتی تفسیر مظہری ۲۶۲ پر سورۃ حج آیت ۲۵ عَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ کے تحت لکھا ہے کہ حضرت ابو طالب کے چار بیٹوں میں سے بوقت وفات ابو طالب کے دو بیٹے ۱ طالب ۲ عقیل کافر تھے ان کو ابو طالب کی ساری میراث مل گئی دوسرے دو بیٹے علی اور جعفر یہ مومن ہو گئے ان کو نہ ملی۔ جس مکان میں آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ پاک ہوئی تھی وہ مکان آپ کے والد کی جدی میراث سے آپ کے والد سیدنا عبد اللہ کو ملا تھا بعدہٗ تا ہجرت وہ مکان آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت و تصرف میں رہا ہجرت کے بعد طالب و عقیل نے اُس پر قبضہ کر لیا۔ طالب بحالتِ کفر بدر میں قتل کیا گیا۔ عقیل نے وہ گھر بیچ دیا مگر فتح مکہ کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ واپس لیا کیونکہ بیع صحیح نہ تھی۔ بعد وفاتِ مبارکہ وہ وقف کر دیا گیا جو آج تک وقف چلا آ رہا ہے حکومتِ ترکیہ تک وہ تبرکات میں شامل تھا حکومتِ سعودیہ نے اس کو تبرکات سے خارج کرتے ہوئے اس کو لائبریری بنا دیا۔ اس حقیقت سے بھی ثابت ہوا کہ حضرت عبد اللہ مومن موحد تھے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذَالِكَ الدَّلَائِلِ حضرت ابراہیم کا شجرہ نسب و مختصر حالات۔ **دوسری بات** جس میں اسرائیلیات نے بہت شکوک و شبہات بھر دیئے اور مؤرخین دیو بند اس گڑبڑ پھیلانے میں ان کے شانہ بشانہ چلے۔ کبھی آپ کے نام میں شکوک پیدا کیے اور ھندؤں کے دیوتا رام کو ابراہیم کی شکل کہتے ہوئے لکھا کہ ابراہیم کا اصل نام اَبْ رام تھا جو بگڑ کر ابراہیم ہو گیا۔ (معاذ اللہ) اور اَبْ کا معنیٰ باپ۔ رام کا معنیٰ دوست حبیب محبوب۔ ان غلط بیانیوں سے غالباً ھندؤں کو خوش کرنا مقصود ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کو ابراہیم ہی ہر جگہ فرمایا ہے چنانچہ یہ احادیث کے علاوہ قرآن مجید کی مختلف سورتوں تقریباً ۶۹ جگہ لفظ ابراہیم مذکور ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے رکھے ہوئے نام کو بگڑا ہوا لفظ کہنا سراسر گستاخی ہے یہ حوالے ہم نے عباس محمود العقاد کی کتاب ابو الانبیاء سے نقل کیے ہیں۔ حضرت ابراہیم بن تارخ بن ناحور بن سروج بن رعو بن فالغ بن عابر بن شالخ بن ارفکشاد بن سام بن نوح علیہ السلام۔ اس شجرے میں مع آپ کے نوح علیہ السلام تک گیارہ نام ہیں تارخ کی کل عمر ۲۰۵ سال اور ولادتِ ابراہیم کے وقت ۷۵ سال تھی۔ سارہ حاران کی سوتیلی بیٹی تھی لوط علیہ السلام اور سارہ سوتیلے بہن بھائی تھے نہ علاتی نہ اخیافی نہ سگے۔ سارہ کی عمر ایک سو ستائیس سال ہوئی وفات اور قبر شریف اوبہ گاؤں میں ہے۔ حضرت ہاجرہ کی قبر حطیم کعبہ کے نیچے ہے حضرت تارخ کی قبر بستی حرّان میں ہے اس کا پرانا نام دمشق بھی کہتے ہیں یہ شہر عوص بن ارام (ارمی

بن سام بن نوح نے بسایا تھا) آزر کی قبر کنعان یا بابل میں ہے۔ نمرود کی لاش کو آگ میں جلا یا گیا تھا۔ جسے ہندوؤں میں رسم چلی ہے۔ واقعہ ولادت اس طرح ہے کہ نمرود کو نجومیوں نے کہا کہ تارخ کے گھر اُس کا اب ایک بیٹا پیدا ہو گا جو تیری سلطنت کو تباہ کر دے گا۔ آپ تین بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے ماران۔ ناحور۔ ابراہیم سگے تھے بہن کوئی نہ تھی، نمرود نے یہ سن کر تارخ کے اس بیٹے کو ہوتے ہی قتل کا حکم دیدیا کہ جب کبھی پیدا ہو قتل کر دیا جائے۔ جب حمل ظاہر ہوا تو حضرت تارخ نے بیوی کو روپوش کر دیا چھ ماہ بعد ایک غار میں آپ کی ولادت ہوئی تارخ نے یہ بچہ آزر کو دے دیا اور ظاہر کیا کہ یہ اُس کی بیوی نے جنم دیا ہے۔ ایک قول میں ہے آپ نے کسی بھی عورت کا دودھ نہ پیا بلکہ آپ انگوٹھا چوستے تھے جو جنتی دودھ نکالتا تھا صرف چھ مہینے یہ دودھ پیا۔ آپ ہفتہ میں مہینے کے برابر اور مہینے میں سال برابر بڑھتے تھے۔ آپ زمین پر ساتویں نبی تھے۔ آپ نے دس سالہ عمر میں تبلیغ فرمائی اور سولہ سال کے تھے تب نمرود نے آگ میں ڈالا (مظہری جلد ششم ص ۲۰۸) چچا آزر کو تبلیغ اس سے پہلے فرمائی۔ نمرود کے خوف سے چچا کو مربی بنایا گیا تیسری چیز جس میں یہودی اور عیسائی اور اُنکے تتبع میں دیوبندی علما پیش پیش ہیں حضرت ہاجرہ کی شخصیت میں بے حد لغویات بولتے ہیں محض اس لیے کہ وہ آقائے صلی اللہ علیہ وسلم کی جَدَّۃٌ اَعْلیٰ ہیں۔ اس جلن میں یہودیوں عیسائیوں نے اپنی اپنی تواریخ میں ہر طرح حقیقت مسخ کرنے کی کوشش کی دیوبندی مؤرخین کی اسرائیلیات میں حضرت ہاجرہ کو فرعونِ مصر کی لونڈی اور مستعملہ کہا گیا ہے۔ اور یہ کہ فرعونِ مصر نے سارہ کو جب باعزت رہا کیا تو یہ ہی اپنی لونڈی ھاجرہ بھی سارہ کی خدمت میں دے دی۔ اور جب ہاجرہ اسماعیل سے حاملہ ہوگئیں تو بہت مغرور بہت متکبر اکڑ باز اپنے پر فخر کرنے لگیں اور اپنی آقا مالکہ کو حقارت سے دیکھنے لگی۔ اور ابراہیم کی منظورِ نظر بننے کے لیے اپنی مالکہ کی گستاخی اور لڑائی پر اتر آئی اور جب اُس کو سارہ نے جھڑکا تو گھر سے بھاگ گئی اور کئی راتیں گھر سے باہر رہی پھر جب ایک فرشتے نے اللہ تعالیٰ کا پیغام سنایا کہ اپنی مالکہ کی خدمت میں واپس چلی جا ورنہ تجھ کو اور تیرے حمل کو ہلاک کر دیا جائے گا تب ہاجرہ گھر واپس آئی مگر سارہ نے اب اُس کو

گھر رکھنے سے انکار کر دیا اور اپنے خاوند سے کہا کہ میں نے تم کو یہ اپنی لونڈی صرف اولاد کے لیے دی تھی یہ میری نافرمان ہے اس کو اب میں اپنے گھر نہیں رکھ سکتی ابراہیم نے کہا کہ میں اس کو ضرور نکال دوں گا مگر اس کا حمل پیدا ہونے کے بعد پھر جب اسماعیل پیدا ہوا تو سارہ نے اپنا مطالبہ پھر دہرایا۔ تب ابراہیم ہاجرہ کو لے کر کسی شہر سے جانے کے بہانے جنگل کی طرف لے گیا اس کے ساتھ ہی ہاجرہ کا بچہ بھی تھا۔ ابراہیم بغیر بات کئے ہاجرہ کو بیچ راستے میں چھوڑ کر کہیں اور چلا گیا۔ یہ تھی یہودیوں عیسائیوں کی کذبیات و لغویات۔ ان گستاخوں پر ہمیں نہ افسوس نہ تعجب یہ تو انبیا کی گستاخی سے نہیں باز آتے بائبل و تالمود ان کی گستاخیوں بے شرمیوں سے بھری پڑی ہے افسوس تو ان نادان مسلمان مؤرخوں پر ہے جو ان خرافات کو قبول کر کے اپنی کتابوں کی زینت بنا لیتے ہیں۔ حقیقتِ حال جو روایات و احادیث اور اسلامی تاریخوں سے ثابت ہے یہ ہے کہ حضرت ہاجرہ قبیلہ بنی جُرہم کے سردار بلکہ بادشاہ سدوم اول کی بیٹی تھیں جو یمن کا بادشاہ شریعتِ ادریس علیہ السلام کا مومن تھا یہ شہزادی براستہ مصر یمن جا رہی تھی کہ فرعونِ مصر نے جو خوب صورت عورتوں کا شیدائی تھا حضرت ہاجرہ کو ان کی خوب صورتی کی وجہ سے پکڑ والیا اور اہلِ قافلہ کو قتل کرا دیا۔ پھر جب حضرت ہاجرہ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس کا ہاتھ سوکھ کر اکڑ گیا۔ بڑا گھبرایا اور کہا تو جادوگرنی ہے تو مجھے اچھا کر دے میں تجھے کچھ نہ کہوں گا حضرتِ ہاجرہ نے رب تعالیٰ سے دعا کی تو وہ اچھا ہو گیا۔ مگر پھر دوسرے دن اس کے دل میں شیطانیت آئی اور پھر ہاتھ بڑھایا تو وہ پہلے سے بھی زیادہ سخت اکڑ گیا اس نے پھر معافی مانگی کہ اب اچھا کر دے میرا پکا وعدہ آپ نے دعا فرمائی تو وہ پھر اچھا ہو گیا لیکن اچھا صحت مند ہو کر شیطانیت پھر غلبہ کر لیتی اس طرح تقریباً سات مرتبہ ہوا۔ تب وہ سخت ڈرا اور پھر آپ پر ہاتھ نہ ڈالا مگر اپنے محل میں ان کو نظر بند کر دیا جب کوئی مصیبت پڑتی تو ان سے دعا کراتا جو قبول ہوتی کچھ عرصہ بعد حضرت سارہ اور ابراہیم کا ادھر سے گزر ہوا تو حضرت سارہ کے حسن کا سن کر ان کو بھی گرفتار کر لیا اور لوگوں سے پوچھا کہ اس کے ساتھ کون ہے لوگوں نے حضرت ابراہیم سے پوچھا کہ تم سارہ کے کیا لگتے ہو آپ نے سن رکھا تھا کہ یہ حسین عورتوں کا شیدائی اگر خاوند والی حسینہ ہو تو خاوند کو قتل کرا کے بیوہ بنا کر اس سے نکاح کا جواز ڈھونڈ لیتا ہے اگر بھائی یا باپ ہو تو انہیں لالچ دے کر

رشتہ مانگتا ہے حضرت ابراہیم نے سارہ کو بھی یہ سمجھا دیا تھا کہ تم بیوی نہ بتانا بہن کہہ دینا۔ اس نے بہن بھائی کا سن کر حضرت ابراہیم کو بہت کچھ انعام دیا اور نکاح کی اجازت چاہی مگر آپ خاموش رہے۔ اِدھر جب حضرت سارہ پر ہاتھ ڈالنے لگا تو اب بھی اس کا اسی طرح ہاتھ سوکھ کر اکڑ گیا تب بہت گھبرایا کہ یہ بھی جادوگرنی ہے گھبرا کر آپ کو بھی چھوڑ دیا اور ساتھ ہی کہا کہ میرے پاس بالکل تیری ہی طرح کی ایک جادوگرنی ہے تو اُس کو بھی ساتھ لے جا یہ کہہ کر حضرت ہاجرہ شہزادی یمن کو آپ کے ساتھ کر دیا جب سارہ خوش و خرم واپس ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچیں اور تمام واقعہ سنایا تو آپ نے سجدۂ شکر کیا حضرت ہاجرہ کی بات سنائی اور ساتھ ہی اُسی وقت عرض کیا کہ یہ رب تعالیٰ نے آپ کو انعام دیا ہے شاید اللہ تعالیٰ اِن کے ذریعے آپ کو اولاد سے نواز دے آپ ان سے شادی کرلیں آپ نے وہیں پر اُسی دن اِن سے شادی کرلی اور فلسطین آکر علاقۂ کنعان میں رہائش اختیار کرلی حضرت سارہ اور ہاجرہ میں کبھی لڑائی یا تلخ کلامی نہ ہوئی حضرت سارہ نے ابراہیم علیہ السلام کو نکاح کی اجازت دیتے وقت تین شرطیں لگا کر ابراہیم علیہ السلام سے وعدہ لیا تھا کہ وہ اِن شرطوں کی پابندی میری زندگی بھر کریں گے۔ پہلی شرط یہ کہ گھر میں مجھ کو ہی بڑا سمجھا جائے گا میرا ہی حکم چلے گا۔ دوم یہ کہ ہاجرہ کو گھر میں کوئی اختیار نہ ہوگا وہ میری چھوٹی بن کر رہیں گی سوم یہ کہ اگر آپ کو ہاجرہ سے رب نے لڑکا دیا تو میری زندگی میں اُس بچے کو کبھی پیار نہ کریں گے صرف دور سے دیکھ سکیں گے۔ ابراہیم علیہ السلام نے پہلی شرطیں تو بخوشی مان لیں مگر تیسری شرط پر آپ خاموش ہو گئے زمانہ گزرتا گیا دو سال بعد حضرت ہاجرہ کو رب نے خوشی دکھائی اور بیٹا پیدا ہوا۔ تقریباً پانچویں دن ابراہیم علیہ السلام بچہ دیکھنے آئے تو اُس پر اتنا پیار آیا کہ آپ قابو نہ رکھ سکے اور اٹھا کر پیار کر لیا۔ یہ بات حضرت سارہ نے دیکھ لی اور آپ سخت ناراض ہوئیں اور کہا کہ آپ نے وعدہ خلافی کی ہے لہٰذا اب میں ہاجرہ اور اُس کے بچے کو اس گھر میں برداشت نہیں کر سکتی فوراً ان دونوں کو بیابان جنگل میں چھوڑ آؤ آپ نے بہت سمجھایا تب بھی سارہ کا غصہ کم نہ ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اچھا میں رب سے پوچھتا ہوں جو جواب اور حکم ہوگا اسی پر ہم دونوں کو عمل کرنا چاہئیے اس تمام جھگڑے کا حضرت ہاجرہ کو کچھ پتہ نہ تھا۔ آپ نے استخارہ فرمایا تو خواب میں رب تعالیٰ کے دیدار سے شرف زیارت حاصل ہوا اور حکم ہوا کہ جیسا سارہ کہتی ہے ویسے ہی کرو۔ پھر دوسرے دن آپ نے

استخارہ کیا تو وہ جگہ بیابان دکھائی گئی جہاں ہاجرہ اور اُن کے بچے کو چھوڑنا تھا۔ تیسرے دن پھر یہی حکم ہوا اور اُسی جگہ میں عظیم نور دکھائی دیا۔ آپ نے حضرت سارہ کو صرف اتنا بتایا کہ رب تعالیٰ کا حکم بھی یہی ہے کہ میں ہاجرہ اور اُس کے بچہ کو کہیں چھوڑ آؤں حضرت سارہ یہ سن کر خوش ہو گئیں۔ اور مزید حکم یہ لگایا کہ آپ تمام راستہ اُن سے بات نہ کرینگے واپسی پر بھی اُن سے کچھ کلام نہ کریں گے اور پھر بھری زندگی بھر اُن سے ملنے بھی نہ جائیں۔ آپ نے ان باتوں کو حکم ربی اور حکمتِ الٰہی رازِ خداوندی سمجھتے ہوئے سب باتوں کو تسلیم کیا۔ اس وقت جب حضرت ابراہیم اپنی بیوی ہاجرہ اور گیارہ دن کے شیر خوار بچے کو لے کر جا رہے تھے تب سارہ نے ایک چھوٹی سی پوٹلی دی کہ یہ انکا زادِ راہ ہے آپ جہاں اُن کو چھوڑیں گے تو یہ چند دن اس پر گزارہ کر لیں گے اس میں کچھ کھجوریں اور تھوڑے ستو ہیں جناب ہاجرہ کو تیار کیا اُس وقت تک اُن کو کچھ پتہ نہ تھا کہ کہاں جانا ہے کیوں جانا ہے جب آپ وادیِ غیر ذی زرع میں کوہِ صفا کے قریب پہنچے تو آج جہاں حطیم کعبہ ہے حضرت ہاجرہ کو جو آپ کے پیچھے بیٹھی ہوئی تھیں اتار دیا گود میں اسماعیل تھے اور وہ پوٹلی بھی آپ نے پکڑا دی اور خاموشی سے واپس جانے لگے تب حضرت ہاجرہ دوڑیں اور عرض کیا اے اللہ کے خلیل پیارے نبی ہمیں کیوں اور کس کے سہارے اس بیابان ویران جنگل ریگستان میں چھوڑے جا رہے ہو۔ حضرت خلیل علیہ السّلام نے خچر روک تو لیا مگر نہ اُترے نہ مڑے نہ جواب دیا۔ حضرت ہاجرہ نے پھر عرض کیا یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے سر کے اشارے سے فرمایا ہاں۔ تب حضرت ہاجرہ نے عرض کیا تو ٹھیک اب ہمیں کچھ غم فکر نہیں وہی ہمارا نگاہ بان ہے۔ حضرت ہاجرہ کی قبر شریف اسی حطیم کی جگہ ہے یہ اصل حقیقت اور سچا واقعہ۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں پہلا فائدہ اگرچہ بندہ کتنا ہی پڑھا لکھا علم والا ہو مگر پھر بھی اس کو بری صحبت اور غلط لوگوں سے بچنا دور ہی رہنا چاہیے۔ یہ فائدہ وَاَعْتَزِلُكُمْ فرمانے سے حاصل ہوا کہ دیکھو چچا نے کہا۔ وَاهْجُرْنِیْ تو میرے پاس سے ہجرت کر جا مگر آپ نے جدا ہوتے وقت اَهْجُرُكُمْ نہ فرمایا بلکہ اَعْتَزِلُكُمْ فرمایا۔ یعنی میں تم لوگوں اور تمہاری صحبت سے دور علیحدہ ہو رہا ہوں صحبت اور عزلت میں یہ بھی فرق ہے کہ ہجرت بمعنی وطن و وراثت چھوڑنا اور

عزلت بمعنی قلبی و عملی ظاہری و باطنی طور پر بری صحبت ناپسندیدہ لوگوں کو چھوڑنا۔ بری صحبت مثل بدبو کے ہے کہ اگرچہ جسم پر نہ لگے۔ مگر ماحول کو گندہ کر دیتی ہے جس سے اچھے لوگ بھی متاثر ہوتے ہیں۔ دوسرا فائدہ دعا کیسی ہی ہو اور کسی کی بھی ہو اللہ تعالیٰ پر اس کو قبول کرنا واجب ولازم نہیں۔ اگرچہ دعا مانگنے والے انبیاء کرام علیہم السلام کی ہی دعا ہو۔ دعا کی قبولیت کا مدار بندے کی نیت۔ خلوص۔ التجا۔ فریاد اور تقرب الی اللہ کی وجہ سے محض اللہ تعالیٰ کے کرم پر موقوف ہے اور یہ کرم قبولیت درجہ بدرجہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام کی ہر دعا قبول ہوتی ہے یہ فائدہ عَسٰٓی اَلَّآ اَكُوْنَ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ۔ بزدلی مومن مسلمان کے شایانِ شان نہیں۔ مسلمان کو ہر میدان میں بہادری دلیری کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ یہ فائدہ حضرت ابراہیم کا دشمن چچا اور پوری دشمن برادری اور دشمن قوم میں گھرے ہوتے کے باوجود نہایت بہادرانہ انداز میں تبلیغ دین فرماتے ہوئے۔ ان کی عبادت ان کے بتوں ان کے عقیدے مذہب و دین کو برا کہہ کر وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فرمانے سے حاصل ہوا۔ اسی سے اندازہ لگا لیجئے کہ تقیہ کتنی بڑی بزدلی ہے۔ اگر تقیہ جائز ہوتا تو ابراہیم علیہ السلام تقیہ کرکے اپنی جائیداد بچا لیتے۔

احکام القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے کافر چچا آزر کے لیے معافی ملنے اور توبہ کی توفیق و قبولیتِ توبہ کی دعاءِ مغفرت مانگی۔ اور عرض کی رَبِّ اغْفِرْ لِاَبِیْ اے میرے رب میرے مربی کو بخش دے معاف کر دے۔ مگر رب تعالیٰ کی طرف سے بتا دیا گیا کہ یہ کفر پر مرے گا۔ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ تو حضرت ابراہیم نے دعا مانگنی چھوڑ دی۔ ثابت ہوا کہ تقدیرِ مبرم انبیاء علیہم السلام کی دعاءِ خصوصیہ سے بھی نہیں ٹلتی۔ بلکہ ان پیارے رحمت والے انبیاء علیہم السلام کو دعا سے ہی منع کر دیا جاتا ہے۔ تو پھر دوسرا کوئی یہ دعویٰ کیسے کر سکتا ہے کہ میں تقدیر مبرم ٹال سکتا ہوں۔ ایسے اقوال اغیار کے مصنوعی ہوتے ہیں احادیث سے بھی ثابت ہے کہ تقدیر مبرم نہیں ٹل سکتی ہاں البتہ نیک بندے کی دعا سے تقدیر معلق کو رب تعالیٰ ٹال دیتا ہے۔ بندہ صرف دعا کر سکتا ہے یہ مسئلہ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ اور فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ یہی امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا مسلک ہے دوسرا مسئلہ کافر کے لیے کافر کی زندگی میں اس کے لیے مغفرت کی دعا مانگنا جائز ہے۔ لیکن مرنے کے

بعد وعاءِ مغفرت مانگنا منع وحرام ہے یہ مسئلہ سَاَسْتَغْفِرُ لَکَ (الخ) اور سورۃ توبہ کی آیت ۱۱۳ ما کَانَ لِلنَّبِیِّ (الخ) سے مستنبط ہوا کیونکہ یہاں زندگی کی مغفرت مراد ہے اور وہاں بعدِ موت کی دعاءِ مغفرت مراد ہے اس کی وجہ یہ کہ کفر وایمان کا دار ومدار خاتمے اور موت پر ہے جب تک کافر زندہ ہے اس کے ایمان کی امید ہے لہٰذا دعا جائز لیکن جب مرگیا تواب کفر پر خاتمے کا یقین ہوگیا اور یقینی کافر کے لیے دعاءِ مغفرت حرام بلکہ ایسے کو سلام کرنا بھی حرام ہے اسی طرح جس زندہ کافر کے کفر پر خاتمے کا بذریعہ وحی یا کشف یا الہام پتہ لگ جائے اس کے لیے بھی دعاءِ مغفرت حرام ہے جیساکہ جب تک ابراہیم علیہ السلام کو چچا کے خاتمے کا علم نہ آیا کہ یہ کفر پر مرے گا اس وقت تک مغفرت کی دعا مانگتے رہے کہ اے اللہ اس کو معاف کر دے توفیقِ توبہ وایمان عطا فرما دے مگر جب اللہ کی طرف سے علم آگیا تب پھر آپ نے قطعًا ذرہ بھر دعا نہ کی ہاں البتہ مومن مسلمان کے لیے زندگی میں بھی دعاءِ مغفرت جائز ہے اور بعدِ وفات بھی یہ ختمات اور ایصالِ ثواب وغیرہ مغفرت کی ہی ایک شکل ہے۔ خیال رہے کہ دعاءِ مغفرت کی تین قسمیں ہیں ۱ معصومین اور بے گناہوں کے لیے اور انبیاءِ کرام خود اپنے لیے دعاءِ مغفرت کریں تو معنیٰ ہے مقربِ بارگاہ ہونے اور اللہ کی رحمت میں چھپانے کی دعا ۲ عوام مسلمانوں یا گناہگاروں کی مغفرت کے لیے یہ گناہوں کی معافی اور بخشش کی دعا ہوتی ہے کہ گناہ مٹ جائیں یہ دونوں قسم کی دعائیں ہمیشہ زندگی و بعد زندگی ہر وقت جائز ہے ۳ کافر کے لیے دعاءِ مغفرت کا معنیٰ ہے اس کی معافی اور توفیقِ ایمان وتوبہ کی دعا۔ یہ دعا دو صورتوں میں حرام ہے ایک یہ کہ کافر زندہ ہے مگر اس کے کفر پر مرنے کا یقین مِنَ اللہ کسی کو مل جائے دوم یہ کہ کافر مر چکا ہے۔ یہ سب مسائل اور مسائل کی نوعیں قسمیں سَاَسْتَغْفِرُ لَکَ کے تخاطب اور آزر کی زندگی کی گفتگو سے مستنبط ہوئے نمبر ۲ مسئلہ۔ انبیاءِ کرام علیہم السلام پر سلام بھیجنے کا مقصد سلامِ دعا نہیں ہوتا۔ باقی مسلمانوں کو اور اہلِ ایمان کو سلام کرنے کا معنیٰ سلامتی کی دعا دینا ہے مگر انبیاءِ کرام علیہم السلام کو سلام کرنا سلامِ تحیتہ اور تعظیمی ہے یا سلامِ خبریت یعنی سلامتی کی خبر دینا۔ ہر نمازی تشہد میں آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے سلام کرتا ہے اس کا معنیٰ ہے اے نبی آپ پر سلام ہے۔ اسی طرح تقریبًا چودہ جگہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء پر سلام فرمایا وہاں بھی سلامِ خبریت ہے نہ کہ سلامِ دعا کیونکہ رب تعالیٰ دعا سے پاک ہے۔ مثلاً سورۃ صافات آیت ۱۸۱ میں سَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ

آیت ۱۳۰ میں سَلَامٌ عَلٰٓی اِلْ یَاسِیْنَ آیت ۱۲۰ میں سَلَامٌ عَلٰی مُوْسٰی وَھٰرُوْنَ آیت ۱۰۹ سَلَامٌ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ آیت ۷۹ میں سَلَامٌ عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعٰلَمِیْنَ سورۃ مریم آیت ۱۵ سَلٰمٌ عَلَیْہِ یَوْمَ وُلِدَ آیت ۳۳ میں۔ وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ۔ سورۃ ھود آیت ۴۸ میں قِیْلَ یٰنُوْحُ اھْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا۔ ان تمام مقامات میں سلام خیریت ہے اسی لیے علیہ السلام کہنا صرف انبیاء و ملائکہ کے لیے جائز ہے کسی انسان غیر نبی کو علیہ السلام کہنا قرآن و حدیث کے خلاف ہے اس لیے کہ یہ سلام خیریت ہے یہ مسئلہ قَالَ سَلٰمٌ عَلَیْکَ سے مستنبط ہوا ایک آیت نے سلام کی تین قسمیں کردیں ۱ سلام متارکہ کافر کے لیے ۲ سلام دعا مومن کے لیے ۳ سلام خیریت انبیا علیہم السلام کے لیے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں پہلا اعتراض۔ احادیث میں ہے کہ کفار کو سلام کرنا منع ہے اور ہماری شریعت ملت خلیل علیہ السلام کے مطابق ہے تو پھر خلیل علیہ السلام نے اپنے کافر چچا کو سلام کیوں کیا؟ جواب۔ کفار کو سلام دعا منع ہے یہ سلام سلام متارکہ یا سلام نفرت و علیحدگی ہے اس کی وضاحت تفسیر میں کردی گئی ہے بعض نے کہا کہ یہ سلام تالیف قلب کے لیے تھا تاکہ محبت آمیز نرم سلوک سلام و دعا سے سخت دل چچا کا دل نرم پڑ جائے اور ایمان پر آمادہ ہو جائے اور بعض مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ چچا نے ایمان لانے کا وعدہ اور اپنے لیے دعا کرنے کا کہا تھا۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بہر کیف اعتراض نہیں پڑتا۔ دوسرا اعتراض کافر مشرک کے لیے مغفرت کی دعا مانگنی حرام ہے پھر ابراہیم علیہ السلام نے۔ سَاَسْتَغْفِرُ لَکَ۔ کہہ کر وعدہ کیوں کیا۔ بلکہ رَبِّ اغْفِرْ لِاَبِیْ۔ کہہ کر دعا مانگی۔ جواب اس کا ایک جواب ہم نے تفسیر میں بالوضاحت دے دیا۔ اور اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی نے اپنے ترجمہ میں دیا کہ یہ دعا کفر کی بخشش کی نہیں بلکہ کفر سے توبہ ایمان کی توفیق ملنے اور کفر پر مصر ہوتے اور اتنا عرصہ بت سازی کی معافی مانگنے کے معنی میں ہے کہ یا اللہ وہ قائل یہ ایمان ہے میں اس کی طرف سے معافی مانگتا ہوں تو معافی قبول فرمالے۔ بعض نے کہا کہ چچا آزر نے خود کہا تھا کہ میں ایمان کا وعدہ کرتا ہوں تو میرے لیے بخشش کی دعا مانگنا۔ مگر یہ جواب کمزور ہے اس لیے کہ ایمان لانا ہی سابقہ تمام کفریات و فسقیات کو معاف کرا دیتا ہے دعا کی حاجت ہی نہیں رہتی۔ تیسرا اعتراض۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی ہر دعا قبول ہوتی ہے بلکہ وہ ناقابل قبول دعا مانگتے ہی نہیں تو پھر ابراہیم علیہ السلام

نے عَسٰی اَلَّا اَكُوْنَ کہہ کر شک کی بات کیوں کہی۔ جواب۔ صرف یہ بتانے کے لیے کہ اگرچہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کی کوئی بھی دعا رد نہیں ہوتی مگر پھر بھی اللہ پر انبیاء علیہم السلام کی دعائیں قبول کرنا واجب نہیں چاہے تو رد فرمادے یہ اُس کا کرم ہے کہ کوئی دعا رد نہیں فرماتا۔

تفسیر صوفیانہ

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ عَسٰى اَلَّا اَكُوْنَ بِدُعَاءِ رَبِّيْ شَقِيًّا۔

قلبِ مسعود نے آزرِ نفس سے فرمایا تجھ کو صرف چند لمحاتِ ناسوتی کی سلامتی ہے چونکہ تو قالبِ روح کا حصہ اور جزُ ہے اس لیے ہم اپنی کا صلہ دیتے ہوئے تیرے لیے اپنے منعم حقیقی سے توفیقِ معرفت کی التجا کروں گا کہ کاش تو بھی اُس رحمن و رحیم سچے معبود کی کچھ پہچان کرے بے شک سچا معبود مجھ جیسے ہر قلبِ عاجز و مسکین مخلص و مہین کو محبوب رکھنے والا ہے ہے۔ لیکن ابھی میں تیری ان خصائلِ رذیلہ عاداتِ خبیثہ کی بنا پر تجھ سے اور تیری ان خواہشاتِ نفسانیہ سے متنفر اور بیزار ہوں جن کو تو نے کائنات کے سچے معبودِ حقیقی مالک خالق ربِّ قدیم اللہ قدیر کے مقابل معبود سمجھ لیا ہے۔ ایک گمراہ ٹولے نے اپنے آپ کو ملامتیہ کا نام دے کر صوفیوں کا لباس پہن لیا تاکہ وہ صوفی کہلائے جائیں مگر حقیقت میں وہ نفس و شیطان کے بندے ہیں ان کا صوفیاءِ کرام سے کوئی تعلق نہیں۔ خواہشاتِ دنیا کے پجاری اور تخیلاتِ باطلہ کے بُت تراش ہیں بلکہ وہ دھوکے اور غلطی میں ہیں راہ گمراہی کے مسافرانِ عیاشی و متلاشیانِ فحاشی ہیں لباسِ صوفیت سے وہ قلبِ منور کو دھوکہ نہیں دے سکتے خود دھوکے میں ہیں کہ اس لباسِ مکر کے ذریعے جھوٹے اور بلند دعوے کرتے ہیں اور عیاش و آزاد رندانہ مسلک بنائے پھرتے ہیں۔ یہی وہ مخبوط الحواس و مردہ ضمیر ہیں جو تصوراتِ باطل میں ہیں کہ ان کے ضمیر بارگاہِ قدس میں پہنچ گئے اور پہنچ کر روشن ضمیری پا گئے ہیں۔ حالانکہ یہ کھوٹی عقلوں کو عقلِ خالص سمجھتے ہیں۔ اسی قسم کے مکرِ ابلیس سے بھٹکے ہوئے گمان کرتے ہیں کہ بس ہم ہی منزلِ مقصود تک پہنچے ہوئے ہیں۔ اور متقیانِ شریعت اور طریقت و معرفت کے پیروکاروں کو کم عقل سمجھتے ہیں اور مقلدینِ حقائق کو تنگ نظر مُلّا کہہ کر رجعت پسند اور مذہب کی تنگ گھاٹی میں پھنسے ہوتے کا طعنہ دیتے ہیں۔ یہی وہ سراسر الحاد و بیدینی ہے جو آزرِ نفسانی کا شروع سے وطیرہ ہے۔ صوفیاءِ کاملین کے مشرب میں وہ طریقت جو شریعت کے خلاف ہو اور وہ پیری جو علمِ ظاہر کے خلاف ہو وہ جہالت و بے دینی ہے عارف رومی

نے فرمایا۔

کارِ شیطاں می کند نامش ولی گر ولی این است لعنت بر ولی

محققین فرماتے کہ خیر و اخیار میں طبعاً نرم دلی عجز و مسکینیت ہوتی ہے۔ شر و اشرار میں سختی و اکڑ و غرور ہوتا ہے خیر کہتا ہے اَدْعُوْا رَبِّیْ میں عجز و انکسار سے اپنے سچے رب کے حضور اسی رب کریم کی پکار اور بندگی کروں گا وہی میرا ملجاو ماویٰ اور ٹھکانہ اصل ہے یہی وہ دروازہ ہے جو ہر سائل پر ہر وقت کھلا ہے رات کی تنہائیوں میں بھی دن کی پہنائیوں میں بھی سب آستانوں پر دیر ہے مگر میرے کریم رب کی آستانے پر عَسٰۤی اَلَّاۤ اَكُوْنَ بہت ہی قریب ہے کہ ہرگز ہرگز نہیں ہوں گا میں اپنے اللہ تعالیٰ سے کسی بھی دعا میں نامراد و ناکام یا مایوس۔

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا۔

نفس سرکش کی بدعملیوں شرارتوں خباثتوں سے پژمردہ اور ناامید صلاحیت ہو کر جب قلب مسعود تمام نفس و نفسانیت اور اُن کے جھوٹے عباد و معبودان سے دور اور متنفر علیحدہ غم و افسوس کی تنہائیوں میں چلا جاتا ہے۔ تب انعامات لاھوتیہ کی پُربہار بارشیں ہوتی ہیں۔ اور کلام جلیل سے خلیل کو نوازا جاتا ہے کہ بخش دیا ہم نے عطا فرما دیا ہم نے اُس قلب مغموم و مہجور کو اسرار الٰہی کا اسحاقِ انوار اور یعقوبِ اخفیٰ۔ اور ان سب قلب محبوب و اسحاق سرور اور یعقوبِ معرفت کو ہم نے خزانۂ غیوب کا معدن مخزن بنا دیا اور مزید انعاماتِ رحمت سے ہم نے اُن کو نوازا۔ اور اِن سب کے لیے ہم نے ابدی دائمی حیاتِ طیبہ کے ساتھ صداقتِ اعلیٰ کی غالبیت عطا فرمائی۔ اصل زندگی اور فرحت و سلطنت تو یہ ہی ہے نفسِ امارہ اپنی کثافتِ باطنی کی وجہ سے فریب خوردہ ہے لذتِ حقیقیہ اور عظمتِ ابدیہ اور دولت صمدیہ و صوتِ لاھوتیہ سے ناآشنا ہے۔ شریعت حق بندگی ہے اور طریقت بندگی کی اصل ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ مُوْسٰۤى اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّ

اور تذکرہ فرمائیے اے محبوب اس کتاب میں سے موسیٰ کا بے شک وہ تھے مقرب بارگاہ اور

کتاب میں موسیٰ کو یاد کرو بے شک وہ چنا ہوا تھا اور

كَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿٥١﴾ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ

تھے شریعت والے اللہ کی خبر دینے والے اور پکارا ہم نے ان کو طور کی

رسول تھا غیب کی خبریں بتانے والا۔ اور اسے ہم نے طور کی داہنی جانب سے

الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿٥٢﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ

داہنی طرف سے اور بہت ہی قرب بخشا ہم نے اُن کو جب وہ مناجات کر رہے تھے اور

ندا فرمائی اور اسے اپنا راز کہنے کو قریب کیا اور اپنی رحمت سے اُسے اس کا

رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿٥٣﴾ وَاذْكُرْ فِي

ساتھی بنا دیا ہم نے ان کا خاص اپنے کرم سے اُن کے بھائی ہارون کو جو نبی تھے اور ذکر کرو اس

بھائی ہارون عطا کیا غیب کی خبریں بتانے والا نبی) اور کتاب میں

الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ

کتاب میں سے اسماعیل کا بے شک وہ تھے ہر وعدے کو پورا کرنے والے اور تھے

اسماعیل کو یاد کرو بے شک وہ وعدہ کا سچا تھا اور رسول

رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿٥٤﴾ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَ

وہ شریعت والے اللہ کی خبر دینے والے۔ اور حکم دیا کرتے تھے اپنے تمام اہل کو جسمانی عبادت اور

تھا غیب کی خبریں بتاتا۔ اور اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا

الزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿٥٥﴾

صدقہ خیرات کا اور تھے وہ اپنے رب کے قریب مقبول بارگاہ۔

حکم دیتا۔ اور اپنے رب کو پسند تھا۔

تعلقات ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں خلیل اللہ کا ذکر ہوا جو ملکوت کی سیر کرنے والے تھے جن پر آگ بَرْدًا وَّسَلٰمًا ہو کر گلزار ہوئی۔ اب ان آیات میں کلیم اللہ کا ذکر ہو رہا ہے جو طور کی سیر کرنے والے تھے اور جن کو آگ دکھا کر تجلیات الٰہی کا نظارہ کرایا گیا خلیل وہ جنہوں نے نمرود کی آگ دیکھی کلیم وہ جنہوں نے شجر طور کی آگ دیکھی۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں حضرت ابراہیم کی تبلیغ کا ذکر ہوا جو آپ نے اپنے چچا کو فرمائی۔ اب ان آیت میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تبلیغ کا ذکر فرمایا گیا جو آپ نے آپ نے اہل خانہ کو فرمائی **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چھوٹے بیٹے اور پوتے کا ذکر فرمایا گیا جن سے نسل بنی اسرائیل جاری ہوئی۔ اب ان آیت میں حضرت ابراہیم کے بڑے اکلوتے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے نام کام اور شان کا ذکر ہوا جن سے نسل مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تا قیامت جاری ہوئی

تفسیر نحوی وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰىٓ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ۔ واؤ سرجملہ اُذْكُرْ۔ باب نصر کا امر حاضر معروف واحد مذکر، خطاب ہے آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ اَنْتَ پوشیدہ فاعل ہے ذِکْرٌ سے مشتق ہے ترجمہ تذکرہ فرمایئے فِیْ حرف جر ظرفیت مکانی کے لیے اَلْكِتٰبِ الف لام عہد خارجی کِتٰب بروزن فعال مصدر مزید فیہ بمعنی اسم مفعول یعنی مکتوب لکھی ہوئی مراد ہے قرآن مجید یہ جار مجرور متعلق ہے موسیٰ۔ اسم مقصورہ اس کے تینوں اعراب۔ زبر زیر پیش تقدیری ہوتے ہیں یہاں بحالت زبر ہے کیونکہ مفعول بہ ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا۔ اِنَّ حرف مشبہ حقیقیہ ہٗ ضمیر اس کا اسم اسلیئے منصوب ہے کَانَ فعل ماضی مطلق ناقصہ ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا اسم ہے مرجع ہے مُخْلَصًا۔ باب افعال کا اسم مفعول واحد مذکر۔ یعنی چنا ہوا برگزیدہ۔ اس کا مصدر ہے اخلاص یہ خبر کَانَ ہے۔ یہ جملہ فعلیہ ناقصہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ کَانَ ناقصہ کَوْنٌ اجوف واوی سے مشتق ہے ھُوَ پوشیدہ اس کا اسم ہے اور رَسُوْلًا۔ نَبِيًّا۔ دونوں خبریں ہیں یہ جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر معطوف ہوا۔ دونوں مل کر اِنَّ کی خبر ہوئی وہ سب ملکر جملہ اسمیہ ہوگیا واؤ سرجملہ نَادَيْنَا بلِ عاطفہ کا فعل ماضی مطلق جمع متکلم اس کا فاعل نَحْنُ پوشیدہ ضمیر ہے مرجع اللہ تعالیٰ۔ نِدَاءٌ سے مشتق ہے اس کا مصدر ہے مُنَادَاتٌ دراصل مُنَادَيَۃٌ ی کو الف سے بدل دیا ما قبل فتحہ کی وجہ سے ترجمہ ہے ندا کی

کی ہم نے۔ پکارا بلایا ہم نے ہٗ ضمیر کا مرجع موسیٰ مفعول بہ ہے مِنْ جارہ ابتداءِ غایت کے لیے جانب اسم ظرفِ مکانی جَنْبٌ سے اسم فاعل ہے بمعنی کروٹ والا۔ یہاں جامد ہے بمعنی ایک طرف ہر زبان میں انسانی اعضا کی سمتوں سے ہی ہر جگہ کی سمت مقرر ہوتی ہے اس لیے کروٹ کا لفظ ہی طور کی ایک سمت کو دیا گیا۔ یہ مضاف ہے اَلطُّوْرِ اسم مفرد معرفہ نام ہے فلسطین کے ایک پہاڑ کا جو مدین کے پاس ہے اُحد پہاڑ کے برابر بڑا ہے۔ مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی موصوف اَلْاَیْمَنِ۔ اسم مفرد ظرفِ مکانی یُمْنٌ سے بنا ہے اسی سے ہے یَمِیْنٌ بمعنی دائیں اور سیدھی یہ صفت ہے مرکب توصیفی مجرور متعلق ہے نَادَیْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ واؤ پر جملہ قَرَّبْنَا۔ بابِ تفعیل کا ماضی مطلق جمع متکلم۔ فاعل ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہٗ ضمیر بارز منصوب متصل مفعول بہ ہے قَرَّبْنَا کا اور ذوالحال ہے نَجِیًّا۔ اسم صفت مشبہ مبالغے کے لیے بمعنی بہت مناجات کرنے والا یہ حال ہے ہٗ ذوالحال اپنے حال سے مل کر مفعول بہ ہے قَرَّبْنَا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ پر جملہ وَہَبْنَا۔ فعل ماضی با فاعل ضمیر پوشیدہ جمع متکلم۔ لَہٗ جار مجرور متعلق اول مِنْ جارہ تبعیضیہ رَحْمَتِنَا مرکب مجرور متعلق دوم ہے۔ اَخَاہُ۔ اسم مفرد مکبرہ بحالتِ نحو ہے آخر کا الف اعرابی ہے مضاف ہے ہٗ ضمیر مجرور متصل مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مُبْدَل مِنْہُ ہٰرُوْنَ اسم غیر منصرف کیونکہ عجمی عَلَم ہے ذوالحال ہے نَبِیًّا۔ حال ہے۔ یہ دونوں ذوالحال وحال مل کر بدل اَلْکُل ہوا اَخَاہُ کا دونوں مل کر مفعول بہ ہوا وَہَبْنَا کا۔ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ اِسْمٰعِیْلَ۔ واؤ پر جملہ اُذْکُرْ فعل امر اَنْتَ پوشیدہ فاعل فِی الْکِتَابِ جار مجرور متعلق ہے۔ اِسْمٰعِیْلَ۔ اسم مفرد غیر منصرف کیونکہ عجمی اور عَلَم ہے مفعول بہ ہے۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔ اگلی عبارت علیحدہ ہے۔

اِنَّہٗ کَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَکَانَ رَسُوْلًا نَّبِیًّا۔ وَکَانَ یَاْمُرُ اَھْلَہٗ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ۔ وَکَانَ عِنْدَ رَبِّہٖ مَرْضِیًّا۔ اِنَّ حرفِ تحقیق فی المعنیٰ اور حرفِ مشبہ بالفعل ہٗ ضمیر اس کا اسم منصوب متصل مرجع ہے کَانَ فعل ناقصہ ھُوَ پوشیدہ اس کا اسم مرفوع صَادِقَ باب نَصَرَ کا اسم فاعل واحد مذکر صِدْقٌ سے مشتق ہے بمعنی سچا کرنا۔ متعدی ہے الف لام استغراقی یعنی تمام وَعْدِ یہ مفعول مضاف الیہ یہ مرکب اضافی خبر ہے کَانَ کی وہ جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ کَانَ فعل ناقصہ ماضی مطلق ھُوَ ضمیر پوشیدہ اسم اس کا رَسُوْلًا کَانَ

کی پہلی خبر نبیًا دوسری خبر۔ یہ دونوں صفت کے صیغے ہیں رسول بروزن فعول اور نبی بروزن فعیل دراصل نَبِیْئہ تھا نَبْئہ سے بنا ہے آخری ہمزہ کو ی بنایا اور دونوں ی کا ادغام کر دیا کان سب سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ کان یامُرُ۔ باب نصر کا ماضی استمراری واحد مذکر غائب ھُوَ ضمیر اس کا فاعل پوشیدہ اَھْلَ اسم مفرد نسبتی۔ بمعنی برادری والے لفظًا واحد ہے معنًی جمع ہے جیسے کہ لفظ قوم مذکر سب کے لیے مستعمل ہے ہمیشہ مضاف ہوتا ہے اس کا مضاف الیہ اسم ظاہر بھی ہوتا ہے مثلًا اَہلِ کتاب اور ضمیر بھی جیسے یہاں اہل اور ذُو میں فرق یہ ہے کہ اہل ہر دینی دنیوی نسبت کے لیے مستعمل ہے مگر ذُو صرف نسبتِ ملکیتی کے لیے ظاہری نسبتیں آٹھ قسم کی ہوتی ہیں ۱ نسبی ۲ نسلی ۳ علاقائی ۴ وطنی ۵ مذہبی ۶ دینی ۷ خاندانی ۸ گھریلو۔ یہاں آخری تین مراد ہیں یا صرف آخری۔ یہ مضاف ہے ہٗ اس کا مضاف الیہ مفعول بہ ہے بِ حرفِ تعدیہ جارہ الصلوٰۃ اسم مفرد معرفہ بمعنی جسمانی تمام عبادات واؤ عاطفہ الزکاتِ اسم مفرد معرفہ بمعنی تمام مالی عبادات یہ سب عطف مجرور ہو کر متعلق ہے کان یامُرُ کا یہ سب مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ کانَ فعل ناقصہ اسم پوشیدہ ہے عِنْدَ۔ اسم مفرد ظرف مکانی اور زمانی دونوں کی قربت کے لیے مستعمل ہے۔ قربت آٹھ قسم کی ہوتی ہے ۱ قربت جسمانی ۲ اعتقادی ۳ احساسی ۴ معنوی ۵ حکمی ۶ رتبی (مرتبے کی) ۷ تعظیمی ۸ قبولیت یہاں یہ ہی مراد ہے عندہ ہمیشہ مضاف ہوتا ہے اس کا مضاف الیہ ہر قسم کا ظاہر و ضمیر اسم ہوتا ہے رَبِّ مضاف ہٖ ضمیر مجرور متصل واحد مذکر مضاف الیہ یہ ڈبل (دوہری) اضافت ظرفِ مقدم ہے مَرْضِیًّا۔ باب سَمِعَ کا اسم مفعول واحد مذکر۔ دراصل تھا مَرْضُوْوٌ۔ واؤ نُ طرف میں یعنی آخر کنارے میں ایک ساکن واؤ کے بعد دونوں کو دو ی سے بدل دیا اور دونوں ی کا اِدغام کر دیا۔ رِضیٰ سے مشتق ہے بمعنی راضی کیا جانا۔ مقبولِ بارگاہ ہونا ھُوَ پوشیدہ ضمیر کا مرجع اسماعیل ہیں مَرْضِیًّا اپنے نائب فاعل اور ظرفِ مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے کَانَ کی۔ یہ جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر معطوف ہوا اب چاروں جملے ناقصہ عطف ہو کر خبر ہے اِنَّ کی۔ اِنَّ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مُوسَىٰ إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا۔ وَنَادَيْنَاهُ مِن جَانِبِ الطُّورِ الْأَيْمَنِ وَقَرَّبْنَاهُ نَجِيًّا۔ وَوَهَبْنَا لَهُ مِن رَّحْمَتِنَا أَخَاهُ هَارُونَ نَبِيًّا [illegible] ابدی چرچہ فرمایئے

اور مشہور کیجئے اپنی اس ہمیشہ رہنے والی کتاب قرآن مجید میں ہمارے پیارے کلیم اللہ
کا اور ان صفات موسیٰ کو ظاہر فرما دیجئے جو سچی حقیقی تعلیم موسیٰ نے قوم کو دی اس لیے کہ
یہود و نصاریٰ نے توریت کی صحیح تعلیم کو بگاڑ دیا۔ بے شک موسیٰ خالص اپنے رب کے
لیے تھے مُخْلَصًا اسم مفعول کا معنیٰ ہے ۱ خالص کیا ہوا ۲ چُنا ہوا ۳ پسندیدہ ۴ مختارًا
اختیار دیا ہوا ۵ معصوم عَنِ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ وَالْمَعَاصِي وَالْفَوَاحِشِ ایک قرأت میں مخلِصًا اسم
فاعل ہے تو معنیٰ ہے بغیر ریا نمود خالص عبادت کرنے والا اور خوش دلی سے اطاعت
کرنے والے اور وہ اپنے ہی زمانے میں فقط اپنی قوم کے لیے تھے رسول بھی تھے نبی
بھی۔ فقہاءِ کرام نے انبیاءِ کرام علیہم السّلام کی تین شانیں بیان فرمائی ہیں پہلی شانِ نبوّت
ان کی تعداد بفرمانِ حدیث پاک ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ دوسری شانِ رسالت
انبیاءِ عظام میں سے ان کی تعداد تین سو تیرہ۔ تیسری شانِ مُرسلیت۔ ان کی تعداد رُسلِ انبیاء
میں سے چار ہے۔ مُرسَل جو صاحبِ کتاب یا صحیفہ بھی۔ صاحبِ شریعت اور صاحبِ
تبلیغ ہو۔ اور ان کے دین کا نام بھی جداگانہ ہو۔ رسول وہ انبیاء ہیں جو نئی شریعت لے کر مبعوث
ہوں مگر کتاب اور دین سابقہ مرسلِ پاک کا ہی اختیار فرمایا ہو۔ نبی وہ ہیں جو سابقہ شریعت
اور اپنے سے پہلے رسول نبی کے دین کی ہی تبلیغ فرمائیں۔ حضرت موسیٰ انبیاءِ عظام میں
پہلے مُرسَل رسول نبی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی پہلی کتاب توریت معظم ان کو عطا فرمائی
قرآن مجید میں ان کا اسم پاک اور واقعۂ زندگی مختلف انداز میں تقریبًا پچیس ۲۵ جگہ بیان فرمایا
گیا۔ یہاں وہ واقعہ بیان فرمایا جا رہا ہے جب آپ شعیب علیہ السّلام سے رخصت لے
کر واپس مدین سے مصر جا رہے تھے واقعاتِ موسیٰ علیہ السّلام میں یہ واقعہ سب سے
زیادہ اہم ہے پانچ وجہ سے پہلی یہ کہ اس تمام سفر اور آمد و رفت میں شعیب علیہ السّلام
کی صحبت میسر آئی دوسری یہ کہ آپ کو آدم علیہ السّلام کا لایا ہوا جنتی عصا عطا ہوا۔ جو
صرف جنت سے موسیٰ علیہ السّلام کے لیے آیا تھا تیسری یہ کہ اسی مبارک سفر میں معجزات
عطا ہوئے۔ اسی سفر میں آپ کو کلیم اللہ بنایا گیا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ اور
ہم نے موسیٰ کو ندا فرمائی جب کہ موسیٰ علیہ السّلام کی دائیں جانب طور پہاڑ تھا۔ دوسرا انعام
یہ فرمایا کہ اپنے قربِ خاص کے راز و اسرار تنہائی میں ان کو عطا فرمائے اور تیسرا انعام یہ
فرمایا کہ ہم نے خاص اپنی رحمت سے ان کا بڑا بھائی ہارون ان کو ہی دیدیا جو نبی تھا

یعنی جو حضرات اوّل سے نبوت اور ہمارے دین کی تبلیغ کسی امتِ مستقلہ کی طرف مبعوث ہونے کے لیے پیدا کئے گئے تھے اُن سب سے تبلیغیں اور اُمتیں چھڑا کر فقط موسیٰ علیہ السلام کو دیدیا کہ اے هرون تمہاری ذمہ داری صرف یہ ہے کہ تم اپنے بھائی موسیٰ کلیم اللہ کے ساتھ رہو ہر بات کلام آپ نے جانتے ہیں ان سے تعاون کرو۔ بخلاف دیگر انبیاءِ کرام علیہم السلام کے کہ ہر نبی کسی اُمت کسی علاقہ کی طرف مبعوث ہوتا ہے کوئی نبی کسی دوسرے نبی کا وزیر نہ ہوا بجز حضرت ہارون کے علیہم الصلوٰۃ والسلام یہ آپ کی خصوصیت ہے، جزیرہ نمائے سینا کے داھنی جانب عرب ہے اور بائیں جانب مصر ہے۔ اسی داھنی جانب کے ساحل پر اُس وقت قبیلہ مدین کی بستی آباد تھی جہاں مصر سے جاکر موسیٰ علیہ السلام مقیم ہوئے تھے حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس یہاں جانبِ طور ایمن کا معنیٰ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کی جانب ایمن پہاڑ تھا، ورنہ کسی بھی مقام کی اپنی کوئی جانب نہیں ہوتی۔ قرآن مجید میں صراحتاً صرف پچیس ۲۵ انبیاءِ کرام کا نام پاک مذکور ہوا جن میں چار ۴ مرسلین کرام اور اکیس ۲۱ رسولانِ عظام کے اسماءِ طیبات ہیں۔ احادیثِ پاک میں اُن سات انبیاءِ کرام علیہم السلام کے اسماءِ مقدسہ صراحتاً مذکور ہیں جن کا صرف واقعہ اور تذکرہ قرآن مجید میں ذکر فرمایا گیا۔ نداءِ الٰہیہ کا یہ واقعہ اُس وقت پیش آیا جب حضرت موسیٰ مدین سے مصر واپس جا رہے تھے آپ پیر کے دن اپنے سُسر حضرت شعیب علیہ السلام سے رخصت ہو کر اپنی بیوی صفورا کو لے کر کوہِ طور کی جنوبی سمت کے راستے سے روانہ ہوئے اور یہ بات سیاح لوگ اور جغرافیہ دان جانتے ہیں کہ جب طور کو اُس کی جنوبی سمت سے دیکھو تو دیکھنے والے کی داہنی جانب سورج کا مشرق اور بائیں جانب سورج کا مغرب ہوگا لہٰذا یہاں جانبِ ایمن کی نسبت حضرت موسیٰ کی طرف ہے خیال رہے کہ جمادات نباتات کی چار سمتیں مشرق و مغرب شمال و جنوب ہیں یہ سمتیں انسان و حیوان کی نہیں ہوتیں۔ انسان و حیوان کی سمتیں داہنی بائیں اور آگے پیچھے ہیں یہ سمتیں جمادات نباتات کی نہیں ہوتیں اور دو سمتیں مشترک ہیں ۱ اوپر ۲ نیچے یعنی کل سمتیں دس عدد ہیں جن میں چار ۴ سمتیں نباتات وجمادات کی اور چار ۴ انسانات وحیوانات کی اور دو ۲ مشترک۔ موسیٰ علیہ السلام دس سال مدین میں شعیب علیہ السلام کی بکریاں چراتے رہے آٹھ سال معاہدے کے گزار کر آپ کا نکاح صفورہ بنتِ شعیب سے ہوا یہ آپ کی [illegible] بیٹی تھیں دو سال آپ نے اپنی مرضی

سے گزارے پھر آپ مصر کو لوٹے۔ نداء الٰہیہ کا یہ واقعہ جمعہ کے دن ہوا اس پورے سفر میں آپ کو پندرہ دن لگے۔ یہ سفر دو خچروں پر تھا رات کے پہلے حصہ میں آپ یہاں پہنچے سردیوں کا موسم تھا۔ اس لیے آگ کی ضرورت محسوس ہوئی بعض راویوں نے کہا ہے کہ آپ کی زوجہ محترمہ اُمید سے تھیں مگر صحیح روایت سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ طور مدین اور مصر کے درمیان ایک پہاڑی وادی ہے طور کا ذاتی نام ہے زُبیر اسی میں سے ندا آئی تھی ایمن کا معنیٰ جانب بھی ہے اور میمون بھی یعنی برکت والا حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام دو ہی بھائی تھے ہارون علیہ السلام ایک سال بڑے تھے یا چار سال وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ فرعون ایک سال بیٹے قتل کراتا تھا ایک سال زندہ چھوڑ دیتا تھا۔ ہارون چھوڑنے کے سال پیدا ہوئے اور موسیٰ علیہما السلام قتل کے سال پیدا ہوئے اس ترتیب سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ہٰرون ایک سال بڑے تھے۔ لہٰذا یہ قول ہی صحیح ہے ایک قول میں ہے تین سال بڑے تھے روایت صحیحہ میں ہے کہ رب تعالیٰ نے اُس رات موسیٰ علیہ السلام کو اتنا قرب عطا فرمایا کہ ستر ہزار حجابات میں سے چھ ہزار حجاب اُٹھا دیئے گئے تھے۔ بعض نے فرمایا کہ صرف ایک حجاب رہ گیا تھا مگر یہ قربِ تعظیمی تھا نہ کہ مکانی گویا یہ معراجِ موسیٰ تھی سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم وَوَهَبْنَا سے مراد وزارتِ ہٰرون ہے نہ کہ نبوت۔ کیونکہ نبوت تو آپ کو پہلے ہی عالمِ ازل میں ودیعت تھی جس کا آپ کو شکمِ مادر سے علم تھا۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا۔ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا۔ اے ہمارے حبیب اور مخلوق کے محبوب چرچہ فرمایئے اس قرآنِ مجید کتابِ مبین کے ذریعے اسماعیل کا۔ قرآنِ مجید میں کل سولہ مقامات پر وَاذْكُرْ کا لفظ ارشاد ہوا ہے لیکن معنیٰ میں بہت سی نوعیتیں اور مختلف مقاصد ہیں جہاں صرف اِذْ لکھا ہوتا ہے اُذْكُرْ پوشیدہ ہو وہاں معنیٰ ہوتا ہے یاد کرو اُس واقعہ کو جہاں ہوتا ہے وَاذْكُرْ رَّبَّكَ وہاں معنیٰ ہوتا ہے تسبیح پڑھو جہاں ارشاد ہوا وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ وہاں معنیٰ ہوتا ہے چرچہ کرو لوگوں کو بتاؤ۔ یہاں اسی معنیٰ میں ہے قرآنِ پاک میں صرف اسی جگہ پانچ مرتبہ آیت ۱۶ سے آیت ۵۶ تک اور آیت ۱۶ میں ہے اسی طرح جہاں ارشاد ہوا وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وغیرہ۔ وہاں دونوں معنیٰ ہو سکتے ہیں۔ یاد کرو۔ یا بتاؤ۔ اسماعیل علیہ السلام کا ذکر علیحدہ فرمایا گیا سات وجہ سے پہلی یہ کہ آپ شان و فضیلت میں حضرت اسحاق و یعقوب علیہم السلام

سے زیادہ ہیں دوم یہ کہ آپ کی شریعت آپ کی امت مستقل علیحدہ ہے سوم یہ کہ آپ ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں ہی مبعوث ہو گئے تھے جب کہ اسحاق علیہ السلام وفات ابراہیم علیہ السلام کے بعد اُن کی ہی شریعت کے مبلغ و جانشین ہوئے چہارم یہ کہ یہود و نصاریٰ آپ کی نبوت و شان کے منکر ہیں اُن کو جھٹلانے کے لیے اہتمام سے علیحدہ ذکر کیا گیا۔ پنجم یہ کہ آپ معمارِ کعبہ اور بانیِ مکۃ المکرمہ ہیں ششم یہ کہ حضرت ابراہیم جدّ العرب ہیں اور آپ ابو العرب ہیں ہفتم یہ کہ آبِ زمزم آپ کا معجزہ ارہاصی ہے جو تا قیامت باقی ہے قیامت تک دو ہی معجزے باقی رہنے والے ہیں، ایک آبِ زمزم کا چشمہ جو اسماعیل علیہ السلام کی ایڑی سے نکلا یہ ارہاصی معجزہ ہے دوم دینِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی قرآن کریم حدیث پاک اور اُن کے قوانین و عبادات قرآنِ مجید میں آپ کا اسمِ گرامی بارہ[12] جگہ ارشاد ہوا ہے اور ہر جگہ آپ کی شانِ ارفع کا تذکرہ ہے یہاں آپ کی پانچ صفاتِ عالیہ کا ذکر ہے ۱ آپ صَادِقُ الْوَعْدِ یعنی سچے وعدے کرنے والے تھے۔ آپ کا پہلا وعدہ نو سالہ بچپنے کی عمر میں ذبح کے وقت اپنے والد ابراہیم علیہما السلام سے ہوا کہ سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ مِنَ الصَّابِرِیْنَ اور پورا کر دکھایا یہی آپ کا خصوصی وعدہ تھا یہاں اسی کی طرف اشارہ ہے ورنہ ہر نبی ہی صادق الوعد ہوتے ہیں۔ دوم یہ کہ آپ بہت وعدے کرتے تھے اور ان کو پورا کرتے تھے بلکہ غریبوں کے گھر جا جا کر وعدہ کرتے بھی تھے اور اُن سے نماز زکوٰۃ روزے کی پابندی کا وعدہ لیتے بھی تھے۔ اور اس طرح بھی ہوتا تھا کہ کسی سے وعدہ کیا مگر وہ شخص بھول گیا تو اس کو یاد کراتے تھے کہ میرے پاس آ اور اپنا وعدہ پورا کرا لے یا اس طرح بھی ایک دفعہ ہوا کہ ایک شخص نے کہا کہ آپ یہیں ٹھہریں میں ابھی آیا مگر وہ بھول گیا تو آپ تین دن اسی جگہ ٹھہرے رہے جب وہ آیا تو آپ نے اس کو وعدہ یاد دلایا جس کو وہ بھول چکا تھا تب اس نے معافی مانگی آپ نے معاف کر دیا صحیح قول تو یہی ہے کہ یہ اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کا تذکرہ ہے مگر ایک قول ہے کہ یہاں اسماعیل بن حزقیل علیہ السلام مراد ہیں وہ حزقیل نبی علیہ السلام کی اُمت کے ولی تھے حضرت حزقیل نے اپنے اس ولی اللہ بیٹے کو ایک قوم کی طرف مبلغ بنا کر بھیجا قوم نے آپ کو سخت مارا اور سر کی کھال اتار دی رب تعالیٰ نے الہام فرمایا کہ تم کو ثواب پورا مل گیا اور اس کے بدلے تمہیں ہم اپنا انتا قرب عطا فرمائیں گے مگر ساتھ ہی تم کو اختیار ہے کہ جو چاہو اس بدبخت کافر قوم کے لیے عذاب نازل کرواؤ اور بددعا دو مگر آپ نے قوم کو معاف کر دیا اور ثواب پر راضی ہو گئے

اور عرض کیا کہ مولیٰ اس قوم کو نرمی دل عطا فرما اور ہدایت و توفیق ان کے لیے آسان فرما دے یہ دعا قبول ہوئی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ امتِ حزقیل کے نبی تھے۔ مگر ان کا تذکرہ قرآنِ مجید میں کہیں نہیں ہے جہاں لفظ ہی اسماعیل ارشاد ہوا ہے وہاں حضرت ابراہیم کے بڑے بیٹے ہی مراد ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی دوسری شان آپ رسول یعنی علیحدہ مستقل شریعت والے نبی تھے۔ بعض نے کہا کہ رسول مستقل علیحدہ شریعت لے کر نہیں آتے وہ دلیل یہ دیتے ہیں کہ حضرت ہارون علیہ السلام سے کہ ان کو ایک جگہ قرآنِ پاک میں رسول بھی فرمایا گیا مگر آپ صاحبِ شریعت نہ تھے اسی طرح اسحاق علیہ السلام کو رسول بھی فرمایا گیا مگر آپ کی علیحدہ شریعت نہ تھی مگر یہ قول غلط ہے صاحبِ شریعت نہ ہونا نبی کی تعریف ہے ہارون علیہ السلام کی یہ خصوصیت تھی کہ آپ کو دعاءِ موسیٰ کی وجہ سے وزیر بنا دیا گیا۔ اور اسحاق علیہ السلام کو جب مبعوث فرمایا گیا تو ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کو ان کی شریعت بنا دیا گیا اور بذریعہ وحی کچھ نئے احکام عطا فرمائے ایک قول ہے کہ آپ پر تین صحیفے نازل ہوئے نزولِ صحف بھی رسول علیہ السلام کی خصوصیت ہے۔ اسماعیل علیہ السلام کی تیسری شان یہ کہ آپ نبی۔ یعنی غیب کی خبریں دینے والے تھے ہر نبی غیب دان اور صاحبِ تبلیغ اور صاحبِ امت ہوتا ہے خواہ مستقل امت ہو یا کسی رسول کی وفات کے بعد ان کی امت کے لیے مبعوث کئے جائیں تاکہ اصلاح ہوتی رہے۔ ہر رسول نبی ہوتا ہے مگر ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔ یہاں عام خاص مطلق کی نسبت ہوتی ہے۔ آپ کی چوتھی شان يَأْمُرُ أَهْلَهُ۔ آپ بہت اہتمام سے اپنے اہل کو ہر بدنی عبادت مثلاً نماز، روزہ، تلاوتِ صحفِ ابراہیم ورد وظائف تسبیح و ذکرِ الٰہی اور مالی عبادت یعنی زکوٰۃ فرضی صدقہ، وخیرات قربانی وغریب پروری نذر و نیاز ختم و درود کا حکم دیتے رہتے تھے آپ کے رعب و ڈر سے کوئی شخص غافل نہیں رہ سکتا تھا آپ کے دور میں رات و دن عبادت کی چہل پہل رہتی تھی۔ آپ کی پانچویں شان عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا یہ آپ کی سب سے بڑی شان ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سے آپ کو مَرْضِيًّا کا لقب عطا ہوا۔ مَرْضِيًّا کا معنیٰ ۱ راضی برضاءِ الٰہی ۲ اللہ تعالیٰ کو ہی پسند کرنے والے ۳ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ ۴ وہ اللہ تعالیٰ سے ہر امر میں راضی اور اللہ تعالیٰ ان کے ہر عمل سے راضی (از تفسیر فتح القدیر مظہری صاوی مدارک خازن)

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں پہلا فائدہ چھٹے انبیاءِ کرام

علیہم السّلام کو معراجِ جسمانی عطا ہوئی ۱۔ آدم علیہ السّلام کو جنت میں ۲۔ ابراہیم علیہ السّلام کو سیر ملکوت میں ۳۔ ادریس علیہ السّلام کو فردوس میں ۴۔ عیسیٰ علیہ السّلام کو چوتھے یا دوسرے یا پہلے آسمانی رہائش میں ۵۔ موسیٰ علیہ السّلام کو کوہِ طور پر ۶۔ آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو لامکان پر۔ یہاں موسیٰ علیہ السّلام کی جسمانی معراج کا ذکر ہے مگر معراجِ موسیٰ اور معراجِ مصطفیٰ میں چھ طرح فرق ہے ۱۔ معراجِ موسیٰ میں قربِ تعظیمی تھا اور معراجِ مصطفیٰ میں قربِ مکانی تھا ۲۔ معراجِ موسیٰ زمینی کوہِ طور پر لیکن معراجِ مصطفیٰ آسمانی لامکان پر ۳۔ معراجِ موسیٰ قَرَّبْنٰہُ کے باوجود ایک ہزار حجاب تھے معراجِ مصطفیٰ میں قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنیٰ کی بے حجابی تھی ۴۔ معراجِ موسیٰ میں اُن کی زوجہ پاک ہمراہ تھیں جن کو چالیس گز دور چھوڑ کر آگے بڑھے۔ مگر معراجِ مصطفیٰ میں جبریل ہمراہ تھے جن کو سدرہ پر چھوڑ کر آگے بڑھے ۵۔ معراجِ موسیٰ میں مثلِ نار نظر دیکھا۔ مگر معراجِ مصطفیٰ میں اصل نور دیکھا ۶۔ یہ کہ معراجِ موسیٰ میں رب تعالیٰ نے جو باتیں موسیٰ علیہ السّلام سے فرمائیں وہ قرآن مجید میں سب کو بتا دیں مگر لامکان کی معراجِ مصطفیٰ میں جو باتیں اپنے حبیب محمد مصطفیٰ سے فرمائیں وہ کسی کو نہ بتائیں وَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی کہہ کر سب کو خاموش کر دیا صلی اللہ تعالیٰ علیہما وبارک وسلّم یہ فائدہ وَقَرَّبْنٰہُ نَجِیًّا سے حاصل ہوا دوسرا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ نے ہدایتِ مخلوق کے لیے انبیاءِ کرام علیہم السّلام کو دنیا میں مبعوث فرمایا۔ اور ان کی ہدایت کو تین طرح پر تقسیم فرمایا اوّلاً ازل میں ہی سب کو نبی بنا دیا پھر اُن سب کو وہ قوت بخش دی جس سے وہ اقوامِ عالم کو ہدایتِ راہِ صراط دے سکیں اور قربِ الٰہی کا خزانہ بندوں میں تقسیم کر سکیں۔ پھر اُن ہی انبیاءِ میں سے اپنے انعامات شریعت وطریقت ومعرفت اور احکامِ الٰہیہ اسرارِ مخفیہ کے لیے کچھ کو چن لیا جن کو لفظِ رسول کا لقب عطا فرمایا پھر اُن ہی رسولانِ معظّمین میں سے مرسلین کا انتخاب فرما کر اُن کو اپنی کتابِ مکمل سے نوازا تو نبی وہ جو اللہ کے رسول علیہ السّلام سے لے اور بندوں کو دے رسول وہ جو اللہ تعالیٰ سے شرعی احکام لے اور انبیاء علیہ السلام کو بھی دے تبلیغِ نبوت کے لیئے اور بندوں کو (اپنی امت کو) دے ہدایتِ کاملہ کے لیے اور مُرسَل وہ جو اللہ تعالیٰ سے شریعت بھی لے اور کتاب بھی اور اپنی امت کو ہدایت رسولانِ عظام کو شریعت اور انبیاءِ کرام کو احکامِ الٰہیہ عطا فرمائے۔ یہ فائدہ رَسُوْلًا نَّبِیًّا فرمانے سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے فرمایا۔ اے بندو یہ ہمارے رسول ہیں اور تمہارے نبی ہیں تیسرا فائدہ۔ انبیاءِ کرام علیہم السّلام اپنی امت کے مربّی اور مثل باپ

ہوتے یہی وجہ ہے کہ دین دنیا کی جو ذمہ داریاں باپ پر عائد ہوتی ہیں تقریباً اسی شفقت و محبت و پیار۔ الفت و حسن سلوک سے انبیاء کرام اپنی امت سے نبھاتے ہیں اور باوجود قوت و طاقت کے پھر بھی امت کفار کا ظلم سہتے برداشت کرتے ہوئے بھی ان کو ہر برائی بھلائی سمجھاتے بتاتے ہی رہتے ہیں۔ یہ فائدہ۔ یَامُرُ اَهْلَهٗ (الخ) سے حاصل ہوا

احکام القرآن ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ** سب سے بڑی اور اہم عبادت اور خوشنودی رب تعالیٰ کی باعث ثواب اپنی آل اولاد خدام مریدین شاگردان ولواحقین کو ہدایت ایمان و عبادت دینا ہے یہ مسئلہ یَامُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ الخ سے مستنبط ہوا **دوسرا مسئلہ**۔ عید میلاد النبی منانا اور اس کے لیے محفلیں منعقد کرنا۔ خوشی کا اظہار اور جشن کا سماں پیدا کرنا اگر فرض نہیں تو واجب ضرور ہے یہ مسئلہ وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا کہ رب تعالیٰ نے کئی مقامات پر اپنے پیارے حبیب کی زبان اقدس سے کتاب لاریب کے ذریعہ ولادت انبیاء کرام علیہم السّلام سے لے کر پوری حیات طیبہ اقوال افعال معجزات ارہاصات کا پورا پورا شاندار طریقے سے چرچہ و تذکرہ کرادیا کہ سارے عالم میں شان نبوت و فیضان رسالت کی دھومیں مچ گئیں اور ذکر نبوت کی دھومیں مچانے جشن منانے کا نام ہی عید میلاد النبی ہے جو پروردگار عالم کو اتنا پسند ہے کہ بار بار اس کا حکم دیا جارہا ہے **تیسرا مسئلہ**۔ آج مسلمانوں کو دیگر عملی بیماریوں کی عادت کے علاوہ وعدہ خلافی کی بیماری بھی شدید طریقے سے پیدا ہوتی جارہی ہے حالانکہ وعدہ خلافی اور پھر جان بوجھ کر وعدہ خلافی اکبر الکبائر گناہوں میں سے ایک گناہ کبیرہ ہے وعدہ نبھانا حق العبد بھی ہے اور حق اللہ بھی فقہاء عظام علیہم الرضوان فرماتے ہیں کہ وعدہ نبھانا واجبات اسلامیہ اور اخلاقی فرائض میں شامل ہے یہ مسئلہ صَادِقَ الْوَعْدِ (الخ) ارشاد فرماتے سے مستنبط ہوا کہ رب تعالیٰ نے اخلاق نبوت اور سیرت طیبہ صادق الوعد جیسی صفت عظیمہ کو نہایت شان و اہتمام سے ذکر فرمایا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جاسکتے ہیں **پہلا اعتراض**۔ اللہ تعالیٰ کی عبادتیں تو بہت سی قسم کی ہیں جو تقریباً سب ہی فرض و واجب اور مستحب ہیں تو یہاں حضرت اسماعیل علیہ السّلام کے تذکرے میں صرف یَامُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ

و اٰتُوا الزکوٰۃ ہی کیوں فرمایا گیا باقی عباداتِ ضروریہ و اعمالِ صالحہ و اخلاقِ پاکیزہ کا حکم نہ دیتے تھے۔ جواب۔ تمام عبادات عملیات اخلاقیات صالحات صدقات و خیرات مل ملا کر دو قسم کے بنتے ہیں ۱ عباداتِ بدنیہ ۲ عبادتِ مالیہ۔ اور عباداتِ بدنیہ میں افضل ترین عبادت نماز ہے اور عباداتِ مالیہ میں اہم ترین عبادت زکوٰۃ ہے ان کے تذکرے سے باقی کا ذکر خود بخود آگیا درا صل یہ دو قسم کے حقوق کو شامل ہے حقوق اللہ اور حقوق العبد لہٰذا نماز سے تمام حقوق اللہ مراد ہی لئے گئے اور زکوٰۃ سے تمام حقوق العبد مراد لیے گئے ہیں **دوسرا اعتراض** اس کی کیا وجہ کہ موسیٰ علیہ السلام کا ذکر پہلے ہے اسماعیل علیہ السلام کا بعد میں حالانکہ اسماعیل پہلے ہیں موسیٰ بعد میں اسی طرح اُن کے بھی بعد ادریس علیہ السلام کا ذکر ہے جب کہ وہ ان سب سے ہی پہلے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ ترتیب وار ذکر کیا جاتا یہ بے ترتیبی کلامِ اللہ ہونے کے خلاف ہے آخر یہ کیوں۔ (یہودی عیسائی ہندو) **جواب** ۔ جس ترتیب کو تم تلاش کرتے ہو وہ ترتیب تم کو ناولوں۔ قصوں۔ کہانیوں اور تاریخی کتابوں میں ملے گی۔ قرآنِ مجید نہ تو تاریخی کتاب ہے نہ افسانہ نگاری، ترتیب یہاں بھی ہے مگر سمجھنے کے لیے عقل و شعور چاہیئے۔ قرآنِ مجید کی اپنی طرزِ بیانی اور اپنی ترتیب ہے جس میں کوئی معنی اور مقصد ہوتا ہے اور کچھ سمجھانا بتانا ہوتا ہے مثلاً اس سورۂ مریم میں رب تعالیٰ نے دس انبیاءِ کرام علیہم السلام کا ذکر فرمایا جو بالکل بامقصد ترتیب کے ساتھ اور دورِ نبوت کی عرب اقوام سے لے کر تا قیامت تمام اقوامِ عالم کو کچھ سمجھانا مقصود ہے سورۂ مریم کی ابتداء حضرتِ زکریا کے واقعے سے ہوتی ہے اقوامِ عرب مذہبی اعتبار سے تین قسموں پر منقسم تھیں ۱ مشرکین ۲ یہودی ۳ عیسائی (نصاریٰ) اور تینوں ہی بنیادی کفریہ عقیدے تھے ۱ اللہ اپنی قدرتوں میں مجبور ہے دیوی دیوتاؤں کا محتاج ہے۔ معاذ اللہ یہ مشرکین کا عقیدہ تھا ۲ عیسیٰ اور مریم غلط ہیں معاذ اللہ یہ یہودیوں کے عقیدے تھے ۳ عیسیٰ ابن اللہ ہے موسیٰ نے گناہ کیا۔ معاذ اللہ یہ نصاریٰ کا عقیدہ تھا۔ ابراہیم مشرک تھے۔ یہودی تھے عیسائی تھے۔ یہ ان تینوں کے مختلف عقیدے تھے ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں۔ اسماعیل ذبیح اللہ نہیں بلکہ اسحاق ہیں یہ یہود و نصاریٰ کے عقیدے اور غلط پیے تھے۔ ان تمام عقائد کو رَد کرنے کے لیے تردیدی لحاظ سے ترتیب دی گئی اسی لیے زمانۂ ولادت کی ترتیب نہ رکھی گئی پہلے زکریا یحییٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کا ذکر فرما کر تخلیقِ قدرت کا اظہار ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ مجبور ہے نہ محتاج جس طرح چاہے جس کو چاہے پیدا فرمائے۔ یہودیوں کی

گستاخیوں کا جواب دیا کہ عیسٰی و مریم غلط نہیں بلکہ اُن کے نبی موسٰی علیہ السّلام ہی کی طرح عیسٰی بھی صاحبِ کتاب نبی رسول مرسل ہیں موسٰی علیہ السّلام سے مرتبے میں برابر ہیں کسی طرح کم نہیں اور یہ کہ مسیح علیہ السّلام ابنُ اللہ نہیں بلکہ عبدُ اللہ ہیں یہاں ابتدا میں عرب کی تینوں قوموں کے عقائد کو باطل کر دیا گیا پھر ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ اور شرک و کفر توڑ۔ دین و عقیدہ بیان فرما کر اہلِ عرب کو اُن کے جدِّ اعلیٰ کا دین بتایا گیا کہ دلائل سے مانو یا رشتے داری سے ہر طرح ایمان لانا تم پر لازم آتا ہے ابراہیم علیہ السّلام کے تذکرے میں اُن کا دین بھی بتا دیا اور اُن کے دلائل بھی گنا دیئے۔ پھر حضرت ابراہیم کے انعامات کا ذکر فرماتے ہوئے اسحاق اور یعقوب علیہم السّلام کا ذکر فرمایا گیا۔ مزید انعام یہ کہ یعقوب علیہ السّلام کی نسل اور اولاد کو ہی رب تعالیٰ کی پہلی کتاب توریت دی گئی جو حضرت یعقوب کے اسرائیلی پوتے در پوتے موسٰی علیہ السّلام کو ملی اور وہ بھی بقولِ نصارٰی گناہ گار نہ تھے بلکہ مخلصًا (معصومًا) رسولاً نبیًّا مقربًا نجیًّا تھے اس کے ساتھ ہی دعاءِ موسٰی کی شان بیان فرمائی گئی کہ دیکھو اے عیسائیو تم تو ان کی برائیاں کرتے ہو مگر وہ ہمارے اتنے پیارے تھے کہ ان کے دعا سے ہم نے اپنے نبی ھٰرون کو ان کا وزیر بنا دیا۔ ابراہیم علیہ السّلام کے یہ انعامات بیان کرنے کے بعد آپ کی دعاؤں کی قبولیت کا تذکرہ فرمایا کہ ابراہیم کو اسحاق و یعقوب تو ہجرت کے انعام میں ملے لیکن اسماعیل دعاءِ ابراہیم کی قبولیت میں ملے اور پھر اے اہلِ عرب اگر تم اپنے جدِّ اعلیٰ ابراہیم جدُّ العرب کا دین نہیں مانتے تو کم از کم اَبُو الْعَرَب حضرت اسماعیل کا ہی دین اختیار کر لو کہ وہ صَادِقُ الْوَعد، رَسُولاً نبیًّا تھے اور اپنے اہل کو جو تمہارے ہی باپ دادا تھے ان کو نماز و زکوٰۃ کا حکم دیتے اور پابندی سے پڑھواتے دلواتے تم دعویٰ کرتے ہو کہ ہم باپ دادا کا دین نہیں چھوڑیں گے تو سنو یہ تھا تمہارے باپ دادا کا دین وہ تو عِنْدَ رَبِّہٖ مَرْضِیًّا تھے تو تم عِنْدَ رَبِّہٖ مَرْدُوْدًا کیوں بنتے ہو سُبْحَانَ اللہ کیسی شاندار با مقصد ترتیب ہے صرف سمجھنے کے لیے عقل چاہیئے۔ اس کے بعد اُن ادریس علیہ السّلام کا ذکر کیا گیا جو ان سب میں پہلے تھے مگر اس ترتیب میں سب سے آخر کیوں رکھا اس کی حکمت ان کے تذکرے میں بیان کی جائے گی انشاءَ اللہ۔ **تیسرا اعتراض** یہاں فرمایا گیا وَوَهَبْنَا لَهٗ (الخ) یعنی موسٰی علیہ السلام کو عطا کیا ہم نے ھٰرون نبی اور اس سے پہلے فرمایا گیا وَهَبْنَا لَهٗ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ یعنی ابراہیم کو عطا کیا ہم نے اسحٰق و یعقوب تو ہبہ کا معنیٰ ہوا اولاد بخشنا اسحٰق و یعقوب کے لیے تو یہ معنیٰ

درست بنتے ہیں مگر ہارون تو موسیٰ سے بڑے تھے وہ ھبہ کیسے بن سکتے ہیں۔ **جواب** دونوں جگہ ھبہ کے معنی درست ہیں۔ اسحاق و یعقوب میں ذات کا ھبہ مراد ہے اور ھٰرون میں خدمات کا ھبہ مراد ہے یعنی ہارون علیہم السلام بذات خود ھبہ نہ ہوئے صرف ان کی خدمات اور ہمراہی کام کاج مشورے بشکل وزارت موسیٰ علیہ السلام کے سپرد کئے گئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تفسیر صوفیانہ

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مُوسَىٰ إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا۔ وَنَادَيْنَاهُ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ الْأَيْمَنِ وَقَرَّبْنَاهُ نَجِيًّا۔ وَوَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَحْمَتِنَا أَخَاهُ هَارُونَ نَبِيًّا۔ اے حبیب عالمین کی روح مقصود سینۂ الم نشرح کی کتاب مبین موسیٰ عقل سلیم کا تذکرہ بھی جاری و ساری فرمایئے بے شک یہ چمنستان مصر معرفت کا گوہر خالص ہے اور معقولات غیوب کا مخزن ہے وہی مدین جسدی کا پیغام سرمدی سنانے والا رسول ہدایت ہے طور انوار کی برکات لدنی ہے ہم نے اس جوہر عقل کو ندا فرمائی اور قرب مقال سے اس کو اسرار و رموز سکھائے اور ہم نے ہی اپنی رحمت خاص سے اس عقل سلیم کو اس کا ہم نشین ضمیر ھارون غیوبات عرشی کا وزیر و معاون عطا فرمایا تخفیفات عقل بالغہ کے یہی خزانے ہیں لہٰذا جو اہل حقیقت بننا چاہے وہ اپنے آپ کو حقوق بندگی میں جکڑ لے کیونکہ علم مکاشفہ و کلام عرشی کے علاوہ بھی اس سے بہت زائد و ضروری کام لیے جائیں گے ہم نے اس کو خالص الٰہی بنا پیدا کیا ہے کہ شریعت دل کی ہو حکومت عقل کی ہو کتاب قانون دل کی ہو عصاء نفوذ عقل کا ہو شہنشاہی عقل کی ہو وزارت ضمیر روشن کی ہو یہی منشاء قدرت لم یزلی ہے عارفین فرماتے ہیں کہ ہر جسد انسانی میں جانب ایمن کہ شریعت دل کی ہو جانب ایمن بھی ہے اور جانب آیسر بھی جانب ایمن نفس مطمئنہ ہے جہاں شجر طیبہ ہے جس میں نار عشق فروزاں ہے اور جانب آیسر نفس امارہ ہے جہاں فرعونیت کا قلزم ہے۔ الہامات الٰہیہ کی ندائیں اور نغمات قدس کی صدائیں جانب طور انوار کے ایمن سے ہی قلب مسعود پر وارد ہوتی ہیں اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ بِھٰذَا الْاَنْوَارِ وَبِھٰذَا الْاَحْسَن خائب و خاسر و محروم ہیں وہ بد نصیب جو حقیقت تک نہیں پہنچے نہ اس حقیقت کے درجے کو سمجھ سکے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان بدبختوں کی گردن سے شریعت کی پابندیوں ذمہ داریوں کا بوجھ اتر جائے گا اور ان کا باطن آزادی۔ آوارگی۔ تحریف اور گمراہی سے بھرا رہے گا۔ آج کل اس قسم کے

پیر مرید اور جھوٹے دعویدار ہر جگہ ملتے ہیں جو لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں اور گمراہ ہونے والوں میں ان پڑھ اور جاہل گنوار غریب مسکین لوگوں سے زیادہ وہ لوگ ہیں جو دیوی پڑھے لکھے بنتے ہیں اور دولت مندی کے غرور میں مبتلا ہیں۔ حالانکہ جس ذی عقل نے گمراہی کے الزام اور بدخصلتی بری ہم نشینی کی تہمت سے بچنے کی خود کوشش نہ کی وہ لوگوں کی اپنے پریدگانی سے کسی کو ملامت نہ کرے کیونکہ یہ کام اُس کا اپنا تھا۔ ہر شخص جس طرح خود ہی سردی گرمی تپش وجلن سے بچ کر صحیح اور بہتر بن جگہ سیدھے سچے راستے کو تلاش کر لیتا ہے اور پوچھتا پچھاتا منزلِ مقصود مقامِ مطلوب پر پہنچ جاتا ہے۔ عارف بدایونی حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہر بندہ اسی طرح بندۂ مسافر ہے اور ہر مسافرِ راہ کو ہر وقت چار چیزوں کی ضرورت ہے ۱ سواری ۲ چراغ (بیٹری) کی روشنی ۳ جغرافیائی نقشہ کی کتاب ۴ اور وہ شخص جو واقفِ راہِ منزل ہو۔ مسافرانِ اہلِ ایمان کے لیے نور اور روشنی ذاتِ محمد مصطفیٰ ہے صلی اللہ علیہ وسلم ہے ۲ اور کتاب قرآنِ مجید ہے ۳ سواری شریعت وطریقت ہے اور ۴ واقفِ منزل مرشدِ کامل ہے۔ پہلی تین چیزوں میں خطرہ نہ سمجھو وہاں اندیشوں کی ضرورت نہیں ہاں چوتھی چیز میں خوب سوچ سمجھ کر کیونکہ لباسِ یار میں اغیار بھی ہوتے ہیں اور راہبر کے لبادے میں راہزن بھی بیٹھے ہیں ان دھوکوں ٹھوکروں فریبوں مکاریوں سے بچنے کے لیے۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا۔ اور تذکرہ فرمایئے تمام کائنات کے لوگوں کو بتایئے اس روشن کتاب سینہ فیضِ گنجینہ میں سے اسماعیلِ شعور پُر نور کا جو رہتا ہے اپنے اہلِ ابدان اور آلِ اجسام کا جس کا ہر وعدہ سچا ہر کلام روشن ہر نصیحت شاندار ہر ادا پیاری ہر لقا نیاری ہے اور جو اپنے منعمِ حقیقی رب تعالیٰ سے لینے والا مقبول ہے اور جو اپنی اعضاءِ ظاہری واعمالِ باطنی کی امت کو مغیباتِ عالم کی غیبی خبریں دینے والا نبی ہے اور وہ شعورِ مصفا جو ہر وقت اپنے اجسادِ اصلیہ واعضاءِ بدنیہ کو نمازِ عشق صلوٰۃِ معراج اور زکوٰۃِ روح وتذکیۂ نفس ہی کا حکم واشارہ فرماتا ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ عالمِ ابدان کا اسماعیلِ مزکی شعورِ بیدار ہے اور اس کا وعدہ عالمِ ارواح میں قالوا بلیٰ کا وعدہ ہے اور اس کے اہل چار قوتیں ہیں ۱ قوتِ جسم ۲ قوتِ نفس ۳ قوتِ قلب ۴ قوتِ روح۔ اور اس کی نماز ما سوا اللہ سے بے توجہ ہو کر متوجہ

الی اللہ ہوتا ہے۔ اور اس کی زکوٰۃ تذکیۂ نفس۔ طہارت روح۔ پاکیزگی اعضا اور قوت قلب کی جلا ہے۔ قوت قلب ابراہیم معرفت کی ملت ہے۔ نفس امارہ کی تین قوتیں ہیں جن کو ختم کرنا شعور ایمانی کی ذمہ داری ہے (۱) شرعی حدود میں دخل اندازی (۲) اعمال آخرت میں سستی (۳) فرائض میں غفلت جب یہ قوتیں غالب کرتی ہیں تو بندے کو عبادت ریاضت۔ تلاوت اور نماز میں لذت وحلاوت نہیں آتی۔ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا جب تعلیم شعور سے بدن مومن جلا و نسفا پاتا ہے تو عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا اپنے رب کا پسندیدہ بن جاتا ہے۔

وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا

اور ذکر کیجئے اس کتاب میں سے ادریس کا بے شک وہ تھے سراپا سچائی

اور کتاب میں ادریس کو یاد کرو بے شک وہ صدیق تھا

نَّبِيًّا ﴿۵۶﴾ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

اللہ کی خبریں دینے والے اور ہم نے پہنچا دیا ہے ان کو بہت اونچے گھر میں وہی مذکورہ انبیا وہ ہیں کہ

غیب کی خبریں دیتا اور ہم نے اسے بلند مقام پر اٹھا لیا یہ ہیں جن پر اللہ نے

اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ق

انعام فرمایا اللہ نے ان پر انبیاء میں سے حضرت آدم کی نسل میں سے

احسان کیا غیب کی خبریں بتانے والوں میں سے آدم کی اولاد سے

وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۡ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ

اور اس نسل سے کہ کچھ لوگوں کو سوار کیا تھا ہم نے نوح کے ساتھ اور کچھ ابراہیم

اور ان میں جن کو ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا اور ابراہیم اور یعقوب کی

وَاِسْرَآءِيْلَ ۫ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ؕ اِذَا

اور اسرائیل کی نسل میں سے اور کچھ لوگوں کو ان میں سے اپنے قرب کی ہم نے راہ دکھائی اور چن لیا کہ جب

اولاد سے اور ان میں سے جنہیں ہم نے راہ دکھائی اور چن لیا۔ جب

تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ

رحمٰن کی آیتیں پڑھی جائیں ان کے سامنے تو فوراً زمین سے لگ جاتے سجدہ کرتے ہوئے اور

رحمٰن کی آیتیں پڑھی جائیں گر پڑتے سجدہ کرتے اور

بُكِيًّا ۩ ﴿۵۸﴾

آنسو بہاتے ہوئے۔

روتے

تعلقات ان آیت کریمہ کا پچھلا آیت کریمہ سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی چند آیات میں تسلسل کے ساتھ انبیاء و مرسلین کا نام بنام ذکر چلا آرہا ہے۔ اب ان آیات میں ان کی عنداللہ شان بتائی جارہی ہے گویا یہ آیت سابقہ آیت کا تتمہ ہیں۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں شانِ انبیا بیان فرماتے ہوئے صادق کا لقب استعمال فرمایا گیا۔ اب ان آیت میں صدیق کا لقب ارشاد ہوا۔ اور صادق و صدیق کا فرق انشاء اللہ تعالیٰ ہم ان ہی آیت کی تفسیر نحوی میں بیان کریں گے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں شانِ نبوت کا ذکر قرب الٰہی کے شرف سے بیان فرمایا گیا اب ان آیت میں رفعتِ مکانی سے انبیاء کرام علیہم السلام کی محبوبیت کا ذکر فرمایا گیا۔

تفسیر نحوی وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا وَّ رَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ واؤ عاطفہ یہ جملہ اُذْکُرْ فعل با فاعل فِی الْکِتٰبِ جار مجرور متعلق ہے اُذْکُرْ کا اِدْرِیْسَ اسم مفرد غیر منصرف کیونکہ عجمی اور علم ہے نام پاک ہے ایک نبی علیہ السلام کا عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ ایک قول میں ہے یہ سریانی زبان کا لفظ ہے یہ قول زیادہ درست ہے ایک قول میں یہ عربی لفظ ہے دَرْسٌ سے مشتق ہے بروزن اِفْعِیْلُ

بمعنیٰ بہت پڑھنے والا۔ پڑھانے والا صفت مشبہ مگر یہ قول غلط ہے کیونکہ قرآن مجید میں اس لفظ کو غیر منصرف بنایا گیا جس سے عجمی ہونا واضح ہے۔ مفعول بہ ہے اُذْکُرْ فعل امر اپنے پوشیدہ فاعل اَنْتَ ضمیر اور متعلق اور مفعول بہٖ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ اِنَّ حرف مشبہ ہٗ ضمیر اس کا اسم کَانَ فعل ھُوَ پوشیدہ ضمیر مرفوع اس کا اسم صِدِّیْقًا کَانَ کی پہلی خبر۔ بروزن فِعِّیْلًا اسم مبالغہ ہے صِدْقٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے اتنا سچا کہ جو کہہ دے وہی ہو جائے نَبِیًّا دوسری خبر کَانَ سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ رَفَعْنَا۔ باب فَتَحَ کا ماضی مطلق جمع متکلم فاعل متکلم اللہ تعالیٰ ہے رَفْعٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ بلند کرنا، اٹھانا اوپر لے جانا۔ رَفْعٌ ہر بلندی کو کہا جاتا ہے جو صرف جسمانی ہو سکتی ہے ہٗ ضمیر اس کا مفعول بہٖ ہے مَکَانًا۔ اسم ظرف باب نَصَرَ یَکُوْنُ اجوف واوی سے مشتق ہے اس کی جمع مذکر اَمَاکِنُ اس کی مؤنث لفظی مَکَانَۃٌ اور جمع مؤنث اَمْکِنَۃٌ اس کا اسم فاعل مَکِیْنٌ۔ اسی سے کَانَ ہے اس کی چار قسمیں ہوتی ہیں ۱ کَانَ ماضی بعید کی علامت ۲ کَانَ ماضی استمراری کی علامت یہ دونوں اسم کے درجہ میں ہیں ۳ کَانَ ناقصہ ۴ کَانَ تامہ۔ یہ دونوں فعل ہوئے ہیں۔ یہ موصوف ہے عَلِیًّا۔ اسم صفت مشبہ عُلُوٌّ سے مشتق ہے بمعنیٰ بہت بلندی۔ صفت ہے یہ مرکب توصیفی مفعول فیہ ہے رَفَعْنَا سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف ہوا کَانَ صِدِّیْقًا پر، سب عطف مل کر خبر اِنَّ جملہ اسمیہ ہو گیا۔ خیال رہے کہ صرف دس مشتقات سے جملہ انشائیہ بنتا ہے۔ امر، نہی، استفہام تمنی۔ ترجی۔ عقود۔ ندا عرض۔ قسم۔ تعجب۔ اور مصدر مضاف عامل سے مشتبہ جملہ ہوتا ہے باقی تمام مشتقات افعالیہ و اسمائیہ اور جوامد سے جملہ خبریہ بنتا ہے۔ اُولٰٓئِکَ۔ اسم اشارہ بعید مشار الیہ کے لیے بمعنیٰ وہ بہت سے مشار الیہ کے لیے آتا ہے بحالت رفع ہے کیونکہ مبتدا ہے اسم غیر متمکن ہے اس لیے اس کا اعراب ظاہر نہیں ہوتا۔ اس کا مشار الیہ وہ نو انبیاء کرام علیہم السلام ہیں جن کا ذکر پاک اسی سورۃ مریم کی پچھلی آیت میں فرمایا گیا ۱ زکریا ۲ یحییٰ ۳ عیسیٰ ۴ ابراہیم ۵ اسحاق ۶ یعقوب ۷ موسیٰ ۸ اسماعیل ۹ ادریس علیہم الصلوٰۃ والسلام اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر۔ اَنْعَمَ فعل ماضی مطلق باب افعال سے ہے مصدر ہے اِنْعَامٌ نِعَمٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بلا معاوضہ اور بلا استحقاق قابلیت و لیاقت کی بنا پر کوئی فائدے والی چیز عطا کرنی اسی سے ہے نعمت اللہ اس کا فاعل ہے عَلَیْہِمْ یہ جار مجرور متعلق اول ہے مِنَ النَّبِیّٖنَ۔ یہ جار مجرور متعلق دوم ہے مِنْ ذُرِّیَّۃِ مِنْ جارہ بعضیت کے لیے ذُرِّیَّۃٌ اسم مفرد

یعنی واحدِ مؤنث ہے معنًا جمع ہے جیسے لفظِ قوم۔ مگر فرق یہ ہے کہ لفظِ قوم تو صرف جمع کے لیے
استعمال ہے لیکن لفظِ ذرّیت واحد کے لیے بھی مستعمل اور جمع کے لیئے اسی طرح یہ مذکر افراد
کے لیے بولا جاتا ہے اور مؤنث کے لیے اس کی لفظی جمع ذریات اور ذَرَارِیُّ۔ اس کے اشتقاق
میں تین قول ہیں ۱ ذَرْءٌ سے بنا ہے ۲ ذَرْوٌ سے ۳ یا ذَرَرٌ (ذَرٌّ) سے بنا ہے۔ بہر حال
صفت مشبہ ہے بروزنِ فُعْلِیَّةٌ قُمْرِیَّةٌ اس سے مراد ہے نسل یعنی چھوٹی بڑی مذکر مؤنث
اولاد۔ یہ مضاف ہے آدَمَ۔ اسم مفرد غیر منصرف۔ اَدَمٌ سے بنا ہے۔ عجمی اور عَلَم ہے پہلے نبی علیہ السلام
کا یہ ہی پہلے انسان اور نسلِ انسانی کے جَدِّ اعلیٰ ہیں۔ مضاف الیہ ہے بحالتِ کسرہ ہے مگر غیر منصرف
کو بحالتِ کسرہ نصب (زبر) ہوتا ہے۔ یہ جار مجرور معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ ہے۔ اور یہ مِنْ جارہ
تبعیضیہ مَنْ اسم موصول حَمَلْنَا۔ بابِ ضَرَبَ کا ماضی جمع متکلم با فاعل مَعَ اسم ظرفِ مکانی مَعَ کبھی
مضاف ہوتا ہے کبھی مفرد یعنی بغیر اضافت اس کی عین کبھی ساکن مفتوح کبھی مجرور ہوتی ہے
ہمیشہ معیت (ساتھ رہنے) کے معنیٰ دیتا ہے۔ معیت چھ قسم کی ہے ۱ معیت مکانی یہاں یہ
ہی ہے ۲ معیت زمانی ۳ معیت ذاتی ۴ معیت مرتبہ ۵ مدد و تعاون ۶ معیت اجتماعی
نُوحٍ۔ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی ظرف ہے حَمَلْنَا کا۔ وہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا۔ مَنْ موصولہ
صلے سے مل کر مجرور۔ جار مجرور معطوف علیہ واؤ عاطفہ مِنْ حرفِ جر تبعیضیہ ذُرِّیَّةِ مضاف
اِبْرَاهِیْمَ وَاِسْرَآئِیْلَ یہ دونوں اسم غیر منصرف ہیں عجمی اور عَلَم ہیں۔ اسرائیل لقب ہے یعقوب
علیہ السلام یا اس کا اُلٹ یعنی یعقوب لقب ہے اسرائیل نام عبرانی لفظ ہے ترجمہ ہے اے اللہ
فریاد سُن لے یہ دونوں آپس میں عطف ہیں مضاف الیہ ہے ذُرِّیَّةِ کا پھر مجرور ہے مِن سے
جار مجرور معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ مِنْ جارہ بیانیہ یا تبعیضیہ۔ مَنْ اسم موصول هَدَيْنَا باب ضَرَبَ
ماضی مطلق جمع متکلم نَحْنُ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل متعدی بیک مفعول ہے اس کا مفعول بہ هُمْ
ضمیر جمع مذکر غائب پوشیدہ ہے هُدًی سے بنا ہے بمعنیٰ ہدایت دینا۔ راستہ دکھانا
سمجھانا۔ واؤ عاطفہ اِجْتَبَيْنَا۔ بابِ افعال کا ماضی مطلق جمع متکلم۔ فاعل اللہ تعالیٰ۔ هُمْ پوشیدہ
ہے مفعول بہ دراصل ہے هَدَيْنَاهُمْ وَاجْتَبَيْنَاهُمْ اس کا مصدر ہے اِجْتِبَاءٌ۔ جَبْیٌ سے بنا ہے
بمعنیٰ چُن لینا خالص و برگزیدہ کر لینا۔ یہ دونوں جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ معطوف ہوئے
پھر صلہ ہو کر موصول صلہ مجرور ہو کر جار مجرور معطوف چاروں عطف ۱ مِنْ ذُرِّیَّةِ آدَمَ ۲
وَمِمَّنْ حَمَلْنَا ۳ وَمِنْ ذُرِّیَّةِ اِبْرَاهِیْمَ ۴ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا۔ مل کر متعلق دوم ہوا اَنْعَمَ کا وہ سب مل کر

صلہ ہوا اَلَّذِیْنَ کا۔ موصول صلہ مل کر خبر مبتدا۔ وہ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا۔ حرفِ ظرفیہ شرطیہ عربی میں حرفِ اِذَا سات طریقوں سے مستعمل ہے ۱ ظرفِ زمانی کے لیے ۲ ظرفِ مکانی کے لیے ۳ مفاجات یعنی اچانک کے لیے ۴ قسم کے ساتھ ۵ زمانۂ ماضی کے لیے ۶ زمانۂ حال کے لیے ۷ زمانۂ مستقبل کے لیے۔ یہاں ظرفِ زمان مطلقہ شرطیہ ہے اس کا ترجمہ ہے جب بھی یا جب کبھی ایسا ہوا تب فوراً ایسا ہوا۔ تُتْلٰى۔ بابِ نَصَرَ کا فعل مضارع مجہول واحد مؤنث غائب تُلُوٌّ سے مشتق ہے بمعنی تلاوت کرنا پڑھنا۔ یہ ہمیشہ متعدی بیک مفعول ہوتا ہے۔ عَلٰى جارہ بمعنی عِنْدَ ظرفِ مکانی یعنی ان کے پاس ان کے سامنے ھم ضمیر کا مرجع اُولٰٓئِكَ ہے یہ جار مجرور متعلق ہے۔ اٰيٰتُ اسم جمع مکسر اس کا واحد ہے اٰيَةٌ مضاف اَلرَّحْمٰن مضاف الیہ یہ مرکب اضافی نائب فاعل ہے تُتْلٰى سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی خَرُّوْا۔ بابِ ضَرَبَ کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب ھُمْ پوشیدہ اس کا فاعل سُجَّدًا اسم مبالغہ صفت مشبّہ جمع مذکر اس کا واحد ہے سَجَّادٌ بمعنی ایک دم سجدہ کرنے والا بہت سجدے کرنے والا اَلسُّجُوْدُ سے بنا ہے ترجمہ ہے زمین پر پیشانی لگانا۔ ہر امت کا سجدہ مختلف رہا مگر پیشانی کا لگنا ہر امت کے سجدے میں ہوتا رہا بعض نے فرمایا یہ ساجدٌ کی جمع ہے مگر یہ درست نہیں کیونکہ ساجدٌ کی جمع سَاجِدُوْنَ وَسَاجِدِیْنَ ہے یہ معطوف علیہ واؤ عاطفہ بُكِيًّا اسم مبالغہ صفت مشبّہ جمع مذکر اس کا واحد ہے بَكَّاءٌ بہت رونے والا۔ بُكًا سے مشتق ہے یہ معطوف ہے دونوں مل کر حال ہے خَرُّوْا کے فاعل ھُمْ پوشیدہ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر جزا مظروف زمانی شرط ظرفِ زمانی اپنی جزا مظروف سے مل کر جملہ شرطیہ زمانیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا۔ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ۔ اور اے محبوبِ کائنات چرچہ فرمایئے اس قرآن مجید کے ذریعہ ادریس کا بھی بے شک دنیا زمین پر وہ بڑے صدیق اور نبی تھے حضرت ادریس علیہ السلام سے پہلے تین نبی گزرے پہلے حضرت آدم علیہ السلام دوم حضرت شیث علیہ السلام اور سوم ہود علیہ السلام چہارم ادریس علیہ السلام ایک قول ہے کہ آپ تیسرے نبی ہیں ان کے نزدیک آدم علیہ السلام نبی نہیں کیونکہ قرآن مجید میں آدم علیہ السلام کا تقریباً ستر مرتبہ نام آیا مگر کہیں بھی آپ کو نبی یا رسول نہ کہا گیا مگر یہ قول غلط اور کفر ہے مشکوٰۃ شریف ص ۵۱۱ پر بحوالہ مسند احمد حنبل اس طرح

حدیث پاک ہے عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔ اَیُّ الْاَنْبِیَاءِ کَانَ اَوَّلَ قَالَ اٰدَمُ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَنَبِیٌّ کَانَ۔ قَالَ نَعَمْ نَبِیٌّ مُکَلَّمٌ۔ اَیُ اُنْزِلَ عَلَیْہِ الصُّحُفُ۔ اس روایت مقدسہ سے ثابت ہوا کہ آدم علیہ السلام بھی رسول اور نبی ہیں کیونکہ صحیفہ صرف اللہ تعالیٰ اپنے رسول نبی کو عطا فرماتا ہے۔ تفسیر فتح القدیر میں ایک قول ہے کہ آپ پہلے نبی ہیں مگر یہ سب غلط اقوال ہیں صحیح یہی ہے کہ آپ چوتھے نبی ہیں لفظِ ادریس آپ کا لقب ہے دَرْسٌ سے بنا ہے اس لیے کہ آپ نے ہی زمین پر سب سے درس و تدریس لوگوں کو لکھنا پڑھانا شروع فرمایا آپ کا ذاتی عَلَم (نام شریف) اَخنوخ یا خَنوخ ہے یا اَجنوخ یا خُوک ہے۔ آپ کا نسب نامہ اس طرح۔ ادریس بن یارد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم علیہما السلام نوح علیہ السّلام آپ کے پڑپوتے تھے۔ آپ پر تیس صحیفے نازل ہوئے اس لیے آپ رسول بھی تھے۔ آدم علیہ السّلام سے سو سال بعد آپ کی ولادت ہوئی ایک قول میں لفظ ادریس یونانی لغت کا لفظ ہے دراصل تھا آدریس اسی سے معرب ہوا ادریس، جیسے یُوحنّا سے یحییٰ یوشع سے یسع۔ احادیث میں ہے کہ چار نبی علیہم السّلام از ولادت سے تا قیامت زندہ رہیں گے دو زمین پر ۱ خضر علیہ السّلام ۲ الیاسین علیہ السلام اور دو آسمانوں پر ۱ عیسیٰ ۲ ادریس علیہما السّلام جنت میں اور حضرت عیسیٰ پہلے یا دوسرے یا چوتھے آسمان پر عیسیٰ، خضر، الیاسین علیہم السلام کی وفات کفن دفن زمین پر ہوگا۔ ادریس علیہ السّلام کی خصوصیات۔ پہلی خصوصیت وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا۔ ہم نے اپنے ادریس کو خصوصی طور پر بہت اونچی جگہ رہائش عطا فرمائی یعنی جنت میں اور اب تک بلکہ تا قیامت وہ وہیں رہیں گے ایک قول ہے کہ آپ چوتھے آسمان مقام عزرائیل کے پاس ہیں وہ استدلال کرتے ہیں حدیثِ معراج سے کہ معراج میں آپ کو چوتھے آسمان پر دیکھا گیا مگر یہ استدلال اس لیے کمزور ہے کہ وہ حاضری و ملاقات اور آمد و رفت عارضی اور اس رات کی خصوصیت تھی اس رات تو زمین پر بھی اور بیت المقدس میں بھی دیکھا گیا۔ بعض کہتے ہیں یہاں رَفَعْنٰهُ سے مراد مراتب اور درجوں کی اور شان و عزت کی بلندی ہے مگر یہ کمزور بات ہے کیونکہ ہُ ضمیر اور مکانًا کا لفظ اس کی تائید نہیں کرتا بلکہ روح مع الجسد بلندیِ مکان مراد ہے۔ نہ کہ شان۔ شان و مرتبہ تو سب انبیاء علیہم السّلام کا پہلے ہی خیال و گمان سے وراء ہے۔ بہرکیف پہلا قول درست ہے واقعہ اس طرح ہے کہ ایک دفعہ ملائکہ نے عرض کیا۔ یا اللہ زمین پر وہ کون سا تیرا پیارا بندہ ہے جس کے اعمالِ پاکیزہ روئے زمین کے جن و انس سے زیادہ آتے ہیں ارشاد ہوا کہ یہ ہمارا بندہ ادریس ہے ملائکہ نے شوق زیارت کا اظہار کیا اجازت مل گئی تو ایک دفعہ عزرائیل علیہ السّلام حاضر بارگاہ ہوئے ادریس

علیہ السلام نے پوچھا اے عزرائیل تمہاری کیا ڈیوٹی ذمہ داری ہے کس کام پر مامور ہو عرض کیا جان نکالنے پر آپ نے فرمایا میری جان نکال کر مجھے بتاؤ کہ تم کیسے جان نکالتے ہو اور جسم انسانی کو اس کی کیا تکلیف ہوتی ہے۔ عزرائیل علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے اجازت مانگی اللہ تعالیٰ نے فرمایا جیسا میرا بندہ کہتا ہے ویسا ہی کرو۔ عزرائیل علیہ السلام نے جان نکال کر دوبارہ زندہ کیا پھر آپ نے پوچھا اے عزرائیل تم کہاں رہتے ہو مجھ کو اپنا گھر دکھاؤ۔ حضرت عزرائیل نے رب تعالیٰ سے اجازت مانگی جو مل گئی آپ اپنے نور کے ھالے میں بٹھا کر ادریس علیہ السلام کو چوتھے آسمان پر لے گئے پھر آپ نے فرمایا مجھے جنت دکھاؤ حضرت عزرائیل نے مولیٰ تعالیٰ سے اجازت مانگی ارشاد ہوا۔ جیسا میرا بندہ کہتا ہے ویسے ہی کرو۔ حضرت ادریس پل صراط سے گزرنے لگے تو نیچے دیکھا جہنم ہے گھبرا کر پوچھا اے عزرائیل یہ کیا خوفناک جگہ ہے حضرت عزرائیل نے کہا یہ دوزخ ہے اور جہاں ہم چل رہے ہیں یہ پل صراط ہے پھر آپ جنت کے دروازے پر پہنچے دروازہ کھلوایا گیا آپ نے جی بھر کر جنت کی سیر کی حضرت عزرائیل نے کہا کہ اب واپس زمین پر چلیئے آپ نے فرمایا اب تو میرا واپس جانے کو دل نہیں چاہتا اور آپ درخت طوبیٰ کے نیچے بیٹھ گئے عزرائیل علیہ السلام نے بار بار عرض کیا مگر آپ واپسی پر آمادہ نہ ہوئے تب عزرائیل علیہ السلام نے ایک اور فرشتے کو بلایا کہ ان کو سمجھاؤ اُن فرشتے نے عرض کیا یا حضرت جنت میں ٹھہرنے کا ابھی وقت نہیں آیا جنت کی رہائش کے لیے چند شرطیں ہیں پہلی یہ کہ موت طاری ہو جائے دوم یہ کہ دوبارہ زندگی ملے سوم یہ کہ جہنم پر سے گزرنا ہو جائے۔ چہارم یہ کہ پل صراط کو طے اور عبور کر لیا جائے پنجم یہ کہ رب تعالیٰ کی اجازت سے جنت کھولی جائے حضرت ادریس علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھ پر تو یہ سب وارد ہو چکا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے کہ جنت میں داخل ہونے کے بعد نکالا نہ جائے گا۔ لہٰذا اب میں کیوں نکلوں۔ دونوں فرشتے لاجواب ہو گئے اور مولیٰ تعالیٰ سے عرض کی کہ یا الٰہ العلمین یہ بندہ تو نہیں نکلتا رب تعالیٰ نے ارشاد پاک فرمایا کہ جیسا میرا بندہ کہتا ہے تم وہی مانو یہ ہماری ہی اجازت سے ہے۔ اس وقت سے آپ جنت میں ہیں۔ اللہ اکبر سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ کیا شان ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ قدس میں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی۔ (از تفسیر صاوی مدارک خازن وغیرہ) ادریس علیہ السلام کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ پہلے آپ پر جہاد فرض ہوا

اور آپ نے قابیل ابن آدم کی اولاد اور زمین کی پہلی کافر قوم سے جہاد فرمایا (از روح البیان و نور العرفان) بعض اقوال میں ہے کہ قابیل ایک جنگ میں آپ کے کسی سپاہی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ تیسری خصوصیت آپ نے علم حساب ایجاد فرمایا۔ خصوصیت ۴ آپ نے علم نجوم ایجاد فرمایا ۵ لکھنا پڑھنا اور خوشنویسی آپ نے ایجاد کی خیال رہے کہ عربی کے ۲۸ حروف ا ب ت ث حضرت ہود علیہ السلام پر بذریعہ وحی مکتوبہ نازل ہوئے اسی لیے فقہا فرماتے ہیں کہ حروف کا بھی احترام کرنا چاہیے کیونکہ یہ وحی الٰہی ہیں لیکن اس کی ترتیب کہ الف پہلے ب آخر میں ی اور اس کا لکھنا پڑھنا اور آوازیں ادریس علیہ السلام کی الہامی ایجاد ہے اسی لیے آپ کا نام ادریس یعنی بہت بڑے مدرس درس دینے والے یہی معنیٰ ہے یونانی لفظ اُورِیس کا۔ لہٰذا یہ لفظ معرب نہیں بلکہ ترجمہ ہے۔ چھٹی خصوصیت آپ زمین کے مدرس اول ہیں خصوصیت ۷ کپڑا کاٹنا اور سینا لباس بنانا اور پہننا یہ بھی آپ کی ایجاد ہے۔ لیکن کپڑا بُننا۔ بنانا اور کھیتی باڑی کرنا یہ آدم علیہ السلام کی ایجاد ہے ادریس علیہ السلام سے پہلے لوگ مثل احرام کپڑا جسم پر لپیٹ لیتے تھے احرام سنت آدم ہے جس کی یادگار میں حجاج کو احرام واجب ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا ادریس علیہ السلام سے پہلے لوگ جانوروں کی کھالیں پہنا کرتے تھے مگر یہ درست نہیں دو وجہ سے پہلی یہ کہ ہر شریعت میں مومن پر ستر ڈھانکنا فرض ہے اور کھال سے ستر نہیں ڈھک سکتا۔ دوم یہ کہ بڑے جانور کی کھال اتنی سخت ہوتی ہے کہ جسم پر لپیٹ سکتی ہی نہیں اور چھوٹے جانور کی کھال اتنی چھوٹی ہوتی ہے کہ صرف لنگوٹ باندھا جا سکتا ہے اور لنگوٹ غیر مہذب لباس بھی ہے اور اس کے ساتھ عبادت بھی نہیں ہو سکتی حالانکہ ابتدائی انسان بہت ہی مہذب نیک خوب صورت اور عبادت گزار تھے کیونکہ نبی اور اُن کے تعلیم یافتہ صحابی تھے۔

آٹھویں خصوصیت۔ جنگی ہتھیار بھی آپ کی ایجاد ہے آپ نے پانچ چیزیں بنائیں ۱ تلوار ۲ خنجر ۳ تیر ۴ چھری ۵ قینچی۔ نویں خصوصیت عمامہ پگڑی، حضرت آدم کی ایجاد ہے آپ سبز عمامہ باندھا کرتے تھے۔ اور ٹوپی ادریس علیہ السلام کی ایجاد ہے دسویں خصوصیت ادریس علیہ السلام نے ناپنے کے گز فٹ، اور تولنے کے باٹ پتھر ایجاد فرمائے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تلوار قابیل کی ایجاد ہے اور اس نے اپنی ہی تلوار سے ہابیل کو شہید کیا تھا مگر یہ غلط ہے۔ بلکہ پتھر سے سر توڑ کر ہلاک کیا یا تیز دھار پتھر سے ذبح کیا اس زمانے میں تیز دھار پتھروں سے ہی ذبح کیا جاتا تھا۔ گیارھویں خصوصیت۔ یہودیوں کی کتاب تالمود کی ایک

اسرائیلی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ رتھ، ٹانگہ بگھی، گھوڑے سے جوت کر چلنے والی گاڑی آپ کی ہی ایجاد ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ پہیہ بھی آپ کی ایجاد ہے۔ واللہ اعلم بالصواب ادریس علیہ السلام کی عمر شریف زمین پر چار سو سال گزری۔ آپ نے چالیس یا سینتالیس کی عمر میں تبلیغ شروع فرمائی اس طرح تقریباً ساڑھے تین سو سال آپ نے تبلیغ نبوت فرمائی۔ ادریس علیہ السلام کا ایک لقب نبی القانع بھی ہے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ اے اہل مکہ تم اپنے عرب ہونے اور اہل زبان ہونے یا بنی اسماعیل ہونے پر غرور تکبر کرتے ہو اور اے یہود ونصاریٰ تم اپنے بنی اسرائیل ہونے پر اکڑے پھرتے ہو حالانکہ یہ دس حضرات ہمارے پیارے اور محبوب بندے ۱ زکریا ۲ یحییٰ ۳ عیسیٰ ۴ ابراہیم ۵ اسحاق ۶ یعقوب ۷ موسیٰ ۸ ہارون ۹ اسماعیل ۱۰ ادریس (علیہم السلام) جن پر ہم نے انعام فرمائے اپنی رحمت ورافت محبت شفقت۔ عزت شہرت کی دولتیں عطا فرمائیں انبیا میں سے بنایا تاج رسالت پہنایا یہ سب کے سب ہمارے پیارے بنی آدم علیہ السلام کی ہی تو ذریت اور اولاد ہیں اس سلسلے سے تم سب ایک ہی نسل ہو بھائی برادر ہو پھر کس کو غرور کس پر غرور۔ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ وَّمِنْ ذُرِّیَّةِ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْرَآءِیْلَ وَمِمَّنْ هَدَیْنَا وَاجْتَبَیْنَا اِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِمْ اٰیٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِیًّا۔ اور اے محبوب کائنات ان نسب پر فخر و غرور کرنے والوں کو یہ بھی بتائیے کہ تم جیسے مغرورین نوح علیہ السلام کے زمانے میں بھی تھے اُن سب کو طوفان میں غرق کر دیا گیا اور ذریت آدم میں سے صرف اُن بعض کو جو اہل ایمان تقوے طہارت والے نیک پاک تھے اُن مخلص لوگوں کو سوار کر دیا تھا ہم نے نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں یعنی صرف اُسی کو بچایا گیا جو مغرور و متکبر نہ تھا۔ زمانے گزرتے رہے یہاں تک کہ دس قرن دس صدی یعنی ایک ہزار سال کے بعد ابراہیم علیہ السلام دنیا میں مبعوث ہوئے پھر تھوڑے عرصہ بعد ہی اسرائیل یعنی یعقوب ابراہیم کے پوتے علیہما السلام اپنی اپنی قوم کی ہدایت کے لیے بھیجے گئے۔ اور اُن کی ذریت میں سے اور ان کے علاوہ بعد کی قوموں میں سے بھی جن کو ہم نے اپنے دین ایمان شریعت طریقت معرفت اور قرب خاص کی ہدایت عطا فرمائی اور اپنی محبت نبوت رسالت یا اپنی ولایت کے لیے چن لیا اُن سب کی شان وکیفیت یہ ہے کہ جب اُن کے پاس ہماری آیتیں تلاوت کی جائیں یا وہ خود اپنے رب رحمٰن رحیم وکریم اللہ تعالیٰ کی آیت کلام مقدس تلاوت کریں تو فور عشق وجذبات

محبتِ الٰہی سے اتنے جھکے کہ زمین سے لگ گئے سجدہ کرتے ہوئے اور شکرِ باری تعالیٰ میں خوشی کے آنسو بہاتے روتے ہوئے۔ یہاں لفظ ذُرّیت فرمایا گیا۔ ذریت پورے اگلے خاندان کو کہتے ہیں ذریت کی چار قسمیں ہیں ۱ اولاد ۲ آل ۳ اہلِ بیت ۴ عترت۔ اولاد اپنے نطفے کی نسل کو کہا جاتا ہے۔ آل پوری نسل کو مگر فقط بیٹے کی جانب سے اور عترت بیٹی کی اولاد در اولاد کو بھی کہا جاتا ہے۔ اہلِ بیت صرف بیوی کو۔ یہ تو عام قانون ہے مگر آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت سے اپنے نواسے نواسیوں کو اپنے اہلِ بیت میں شامل فرمایا بلکہ اپنے داماد مولیٰ علی کو بھی ورنہ حضرت عثمانِ غنی کی طرح مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی اہلِ بیت میں شامل نہ تھے۔ ذریت تمام خاندان کو شامل خواہ بیٹے سے ہو یا بیٹی سے۔ یہاں ذریت فرما کر عیسیٰ علیہ السلام کو بھی شامل کیا گیا حالانکہ آپ بیٹی کی طرف سے بنی اسرائیل ہیں۔ اِذَا تُتْلٰى عَلَیْھِمْ کی ضمیر میں دو قول ہیں ایک یہ کہ ہم سے مراد سابقہ انبیاء و صالحین بھی مراد ہیں اور آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام اور پوری اُمتِ مسلمہ تا قیامت مراد ہے سابقہ کتبِ الٰہیہ میں اگرچہ سجدوں کی آیت نہ تھیں مگر انبیاء علیہم السلام اور صالحینِ اُمت اپنی کتابوں کی تلاوت کی ابتدا و انتہا پر سجدہ تحیۃً یا تشکرًا یا تعظیمی فرمایا کرتے تھے اسی کا یہاں ذکر ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ پچھلی کتب میں بھی سجدے تھے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ بعض نے فرمایا سجدے کی آیتیں تو نہ تھیں مگر اِذَا تُتْلٰى کا عموم بتا رہا ہے کہ سابقہ لوگ ہر آیت پر سجدہ کرتے تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اِذَا تُتْلٰى چونکہ فعل حال ہے نہ کہ ماضی لہٰذا یہاں سابقین کا ذکر نہیں بلکہ موجودہ اُمت مراد ہے۔ اس لیے کہ یہاں تمام انبیاءِ کرام کے ذکر کے بعد علیحدہ عطفی جملہ ارشاد ہوا کہ وَمِمَّنْ ھَدَیْنَا وَاجْتَبَیْنَا۔ پس ھَدَیْنَا سے مراد صحابہ کرام اور اِجْتَبَیْنَا سے مراد احمدِ مجتبیٰ محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

فائدے ان آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ تلاوتِ قرآن مجید کے وقت رونے کی کوشش کرنی چاہیئے اور اللہ تعالیٰ کے عشق اور آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و یاد کا تصور رکھنا چاہیئے اور ہمہ تن گوش ہو کر سننے یا پڑھنے میں توجہ اور دل لگانا چاہیئے اس سے رقتِ قلبی پیدا ہوتی ہے اور آنسو نکلتے ہیں خاص کر سجدۂ تلاوت کی آیت اور سجدے میں۔ حدیث پاک میں ہے کہ سجدے میں رونے کی کوشش کرے اگر رونا نہ آئے تو رونے والا منہ بنالے۔ دوسرا فائدہ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ بُکِیًّا سے حاصل ہوا

دوسرا فائدہ۔ قرآن مجید میں دس قسم کے رونے کا ذکر ملتا ہے ۱۔ غم کا رونا ۲۔ ندامت کا رونا ۳۔ خوفِ الٰہی کا رونا ۴۔ اپنے گناہوں پر رونا ۵۔ پچھتاوے کا رونا ۶۔ انجام پر رونا ۷۔ بخشش مانگنے اور قبولیتِ دعا کے لیے رونا ۸۔ دنیا میں رونا ۹۔ آخرت میں رونا ۱۰۔ شکر کا رونا یہاں یہی مراد ہے کیونکہ آیت کی نسبت اسم رحمٰن کی طرف ہے جو رحم و کرم والا جمالی نام ہے خیال رہے کہ غم اور خوف کے آنسو گرم ہوتے ہیں اور خوشی و شکر کے آنسو ٹھنڈے ہوتے ہیں۔ **تیسرا فائدہ۔** مسلمانوں کو چاہیے کہ ہمیشہ نیک لوگوں کے ساتھ رہنے۔ اُٹھنے بیٹھنے کی کوشش کریں نیک لوگ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے انعام والے ہیں۔ یہ فائدہ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ سے حاصل ہوا بلکہ سورۃِ فاتحہ میں اِھْدِنَا کی دعا بنا کر انعام والوں کے راستے پر رہنے کی ہم کو التجا کرنے کا حکم دیا گیا۔ نیک اولاد سے تو والدین کو بھی شرف حاصل ہو جاتا ہے۔ اس لیے یہاں انعام والوں کی تفصیل بتاتے ہوئے ارشاد ہوا مِنْ ذُرِّیَّۃِ آدَمَ اور مِنْ ذُرِّیَّۃِ اِبْرَاھِیْمَ وَاِسْرَائِیْلَ فرمایا گیا۔

احکام القرآن ان آیتِ پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں **پہلا مسئلہ** قرآن مجید میں سجدے کی چودہ آیت ہیں اور حنفی مسلک میں ہر آیت کے پڑھنے سننے سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے جو فوراً کرنا مستحب ہے یہ مسئلہ اِذَا تُتْلٰی میں اِذَا کے عموم سے مستنبط ہوا کیونکہ فرمایا جا رہا جب بھی تلاوت کی جاتی تو سجدہ کرتے کبھی چھوڑتے نہیں۔ اسی طرح وجوب ثابت ہوتا ہے اس طرح سنتِ مؤکدہ ثابت نہیں ہو سکتی کیونکہ یَسْجُدُوْنَ جمع ہے اور فاعل معلوم۔ حالانکہ سنتِ مؤکدہ صرف وہ کام ہے جو آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کیا ہو۔ سجدۂ تلاوت امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک واجب ہے۔ امام احمد بن حنبل، امام شافعی کے نزدیک سنت ہے۔ امام مالک کے نزدیک مستحب ہے پہلا سجدہ نویں پارے میں اور آخری دو سجدے ۱۳۔ ۱۴ انیسویں پارے میں یہاں پانچواں سجدہ ہے تلاوت کے سجدے میں پانچ مرتبہ سجدے کی تسبیح اور پھر استغفار یا نماز والی دعا رَبَّنَا اٰتِنَا (الخ) ایک بار پڑھنی چاہیے **دوسرا مسئلہ** بزرگوں کی نقل کرنا واجب ہے یہ مسئلہ اِذَا تُتْلٰی کی ایک تفسیر سے مستنبط ہوا کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کے سجدوں کا ذکر فرما کر ہم پر سجدہ واجب کیا گیا **تیسرا مسئلہ** تلاوتِ کلام اللہ ہر شریعت میں لازم ہے ہر نبی علیہ السلام کی سنت رہی ہے۔ اور یہ کہ تلاوت میں غور و توجہ خشوع خضوع اشد ضروری ہے یہ مسئلہ اِذَا تُتْلٰی کی پہلی تفسیر اور خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُکِیًّا سے مستنبط ہوا۔ خشوع

خضوع توجہ کی نشانی روتا آنسو بہانا ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں پہلا اعتراض یہاں فرمایا گیا اِذَا تُتْلٰی عَلَیْھِمْ اٰیٰتُ الرَّحْمٰنِ جب سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی امت کے نیک لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیتیں تلاوت کی جاتی تو وہ روتے ہوئے سجدہ ریز ہو جاتے۔ اصطلاحی لحاظ سے آیت تو صرف قرآن مجید کی ہوتی ہیں اور قرآن اُن کے سامنے پڑھا نہیں گیا پھر یہ تُتْلٰی کیونکر درست ہے **جواب** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ہر کلام کے پڑھنے کو تلاوت کہا جاتا ہے اور ہر کتاب الٰہی کا کلام و عبارت آیٰتُ الرَّحْمٰنِ ہے۔ آیت کا نام عبارتِ قرآن سے مخصوص نہیں دوسرا جواب یہ ہے کہ مِمَّنْ ھَدَیْنَا وَاجْتَبَیْنَا سے عبارت بدل گئی اِذَا تُتْلٰی کا تعلق صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ و امت تا قیامت سے ہے۔ **دوسرا اعتراض**۔ ادریس علیہ السلام تو بہت پہلے گزرے ہیں موسیٰ عیسیٰ زکریا یحییٰ ابراہیم اسحاق یعقوب سب سے پہلے تو یہاں ان کا ذکر سب سے آخر میں کیوں لایا گیا **جواب**، غالباً اس میں حکمتِ الٰہی یہ ہو کہ اس سے پہلے دو رفعتوں کا ذکر گزرا ایک رفعت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی میں۔ اور دوسری رفعت عیسیٰ علیہ السلام یہ دونوں نبی مرسل صاحبِ کتاب آخر میں ہیں اور دونوں کی رفعت روح مع الجسم ہے۔ اور کفار و منافقین ان دونوں رفعتوں کے منکر ہیں۔ اس لیے ان دونوں کو مدلل ثابت فرمانے کے لیے رفعت ادریس علیہ السلام کو دلیل بنایا جا رہا ہے۔ اس طرح کہ رَفَعْنٰہُ میں ہٗ ضمیر کا مرجع ادریس علیہ السلام روح مع الجسد مراد ہیں اس لیے کہ سب ضمیروں کا مرجع مراد نہ صرف روح ہے نہ صرف جسم یہ ھُوَ۔ ھُمَا۔ ھُمْ، ھَا، ھُمَا، ھُنَّ۔ کَ۔ کُمَا۔ کُمْ۔ کِ۔ کُمَا۔ کُنَّ۔ یِ۔ نَا۔ یعنی، وہ تم میں، ہم یہ سب کیا ہیں روح مع الجسم ہی کا نام وخطاب ہیں۔ رفعتِ ادریس میں باوجود روح مَعَ الْجَسَدِ کے کسی کا اختلاف نہیں سب تسلیم کرتے ہیں لہٰذا دلیل ہوگئی اس بات کی کہ جو قدرتوں والا ادریس علیہ السلام کو جنت تک اٹھا کر لے جا سکتا ہے وہی ربِّ کریم جَلَّ مَجْدُہٗ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو لا مکان تک بُلا سکتا ہے۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کو مع جسم زندگی و حیاتی کے ساتھ چوتھے آسمان تک پہنچا سکتا ہے اس کے علاوہ حضرت ادریس کے آخر میں ذکر کرنے کی اور بھی حکمتیں ہو سکتی ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں **تیسرا اعتراض** وَرَفَعْنٰہُ مَکَانًا عَلِیًّا سے مراد جنت میں لے جانا اور پہنچنا سائنس اختیار کرنا نہیں بلکہ مرتبے اور شان و عظمت کی رفعت و بلندی مراد ہے اور لفظ عَلِیًّا مکانًا

کی صفت نہیں بلکہ ہُ ضمیر واحد مذکر کا حال ہے اور مکاناً سے مراد ان کا وطن اور زمینی علاقہ ہے یعنی ہم نے اُن کو اُن کے وطن میں ہی اونچی شان میں اچھا تذکرہ اور بلند مرتبہ عطا فرما دیا جواب یہ اعتراض علمی اعتبار سے بھی غلط ہے اور تحقیقی تاریخی واقعاتی اعتبار سے بھی غلط ہے علمی اعتبار سے تو اس لیے کہ یہاں فرمایا گیا رَفَعْنٰہُ۔ رَفَعَ کا عملی تعلق جب کسی ضمیر سے ہو تو وہاں رفعت کا معنیٰ ہوتا ہے۔ اونچا اُٹھانا۔ اوپر لے جانا اور ہر ضمیر کا معنیٰ ہوتا ہے کہ اس کا مرجع مکمل ہو اور انسان کی تکمیل روح مع الجسم ہے نیز لفظِ علیاً ہٗ ضمیر کا حال نہیں بلکہ مکاناً کی صفت ہے۔ اگر یہ حال ہو مفعول بہ ہُ ضمیر کا تو لفظِ مکاناً نکرہ موصوفہ ہی کے بغیر رہ گیا اور خالی نکرہ مطلق عام ہوتا ہے۔ تو پھر وطن بھی مراد نہیں لیا جا سکتا۔ اور مطلق نکرہ مجہول ہو جاتا ہے۔ اب یا تو تمام کائنات مراد لی جائے جو حقیقت کے خلاف ہے یا پھر اس کو کسی دوسری صفت سے معین و مقید کیا جائے وہ ہے ہی نہیں لہٰذا یہی درست ہے کہ علیاً صفت ہے مکاناً کی اور مراد ہے بہت اونچی جگہ آسمانوں سے بھی اونچی وہ جنت ہی ہے۔ تحقیقی اعتبار اس لیے یہ اعتراض غلط ہے کہ اگر یہاں شان و مرتبے کی رفعت مراد ہوتی تو رَفَعْنَا کا مفعول بہ ہُ ضمیر نہ ہوتی بلکہ لفظ شان یا لفظِ تذکرہ یا عزت یا عظمت ہوتا اور عبارت اس طرح ہوتی وَرَفَعْنَا لَہٗ ذِکْرَہٗ۔ یا۔ شَانَہٗ یا عِزَّتَہٗ وغیرہ۔ جیسا کہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بلندیِ شان کا بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوا وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ تاریخی اعتبار سے اس لیے غلط ہے کہ دنیوی لحاظ سے حضرت ادریس کو اُن کے اہلِ وطن ہمیشہ ستاتے ہی رہے آپ نے ساڑھے تین سو سال تبلیغ کی مگر صرف چار سو آدمی مومن بنے باقی سب قوم دشمن۔ اس کے لیے آپ کی دنیوی طریقے پر کوئی ایسی خاص عزت شہرت یا حکومت نہ تھی۔ ہاں دینی لحاظ سے بارگاہِ ربوبیت میں آپ کی بہت شان و عزت تھی مگر یہ کوئی اُن کی خصوصیت نہ تھی ہر نبی رسول مرسل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کروڑوں درجوں اور شانوں عزتوں عظمتوں والے ہیں علیہم الصلوٰۃ والسلام پس ثابت ہوا کہ یہاں خصوصیت سے وَرَفَعْنٰہُ فرمانا کسی خصوصی بلندی کو ثابت فرما رہا ہے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

تفسیر صوفیانہ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِدْرِيسَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ مِنْ ذُرِّيَّةِ آدَمَ۔

ذکرِ اخیار اور تذکرہ ابرار سے دل کی جِلا سینے کی ضیا باطن کی بقا ہے اسی لیئے ربّ قدیر بار بار وَاذْكُرْ کے خطاب سے اپنے بندوں کو نواز رہا ہے کلام علما اور تفاسیر مفسرین میں اگرچہ معنیٰ ظاہری کے اعتبار سے وَاذْكُرْ کا فاعلِ مخاطب آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات ہے مگر چونکہ رب تعالیٰ نے اس کا مخاطب فاعلِ ظاہر اسم کو نہیں بنایا بلکہ ضمیر غائب مستتر کو بنایا اِس

یہ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ وَاذْکُرْ کی ضمیر کا مرجع ہر بندۂ مومن مرید با صفا اور منزل معرفت کا مسافر اور راہِ عشق ومستی کا طالب ہے اور تا قیامت ہر عابد وزاہد مخلص وصادق پر فرائض بندگی میں سے ہے کہ اپنی طلب میں کامیابی وکامرانی کے لیے ہر وقت لسانی جنانی نظری فکری تصوراتی تخیلاتی تنہائی محفلائی انفرادی اجتماعی تذکرۂ ابرار کرتا رہے۔ انبیاء کرام اولیاء عظام علماء فہام علیہم السلام کے ذکر مقدسات سے اپنی خلوت وجلوت کو سجاتا رہے کیونکہ اس سے کشفِ صدر، راہ بارگاہ کی صعوبتوں پر صبر اور استقامتِ عمل اور انعاماتِ ربانی کی قدر حاصل ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں پچیس ۲۵ انبیاء پاک علیہم السلام کا اسمِ گرامی صراحتاً ذکر فرمایا گیا۔ عاملین وکاملین فرماتے ہیں جو مرید طالب اپنے مرشد کی ہدایت و اسباق کشف ومراقبے میں مشغول ہونے سے پہلے ان اسماء پاک کا وِرد ان کی ابجدی تعداد کے مطابق کر لیا کرے تو مکاشفاتِ اسرار اور شرحِ صدر کی کامیابی بہت جلد حاصل ہو جاتی ہے اسماءِ مقدسات یہ ہیں ۱ آقاء کائنات محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۲ آدم علیہ السلام ۳ حضرت ہود علیہم السلام ۴ حضرت ادریس ۴ حضرت الیاس ۵ حضرت نوح ۶ حضرت ابراہیم ۷ حضرت اسماعیل ۸ حضرت اسحاق ۹ حضرت یعقوب ۱۰ حضرت یوسف ۱۱ حضرت یسع ۱۲ حضرت یونس ۱۳ حضرت ایوب ۱۴ حضرت لوط ۱۵ حضرت شعیب ۱۶ حضرت ہرون ۱۷ حضرت موسیٰ ۱۸ حضرت داؤد ۱۹ حضرت سلیمان ۲۰ حضرت ذوالکفل ۲۱ حضرت صالح ۲۲ حضرت زکریا ۲۳ حضرت یحییٰ ۲۴ حضرت عیسیٰ ۲۵ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیہم اجمعین اور چار اسماء مقدس ان انبیاء کرام علیہم السلام کے جن کا صرف ذکر اور مختصر واقعہ قرآن مجید میں آیا ہے مگر ان کے نام احادیث میں ارشاد ہوئے ۱ خضر علیہ السلام ۲ شیث ۳ یوشع ۴ حزقیل علیہم السلام اور چوتھ فرمائے اے مرشد کل حاوی سُبل اُمی معلم باطنی مفکر قلبی ادریس لاصُوتی دماغ جبروتی کا بے شک وہ معرفتِ جلال وجمال کی سچی غیبی خبریں سناتے بتانے سکھانے والا ہے تمام عالم اجسام میں اس کو بلند مکانی عطا فرمائی ہم نے یہی سب قواءِ باطنی قوتِ قلب قوتِ عقل قوتِ ضمیرِ روشن قوتِ نفسِ مطمئنہ قوتِ روح قوتِ فکر قوتِ صدرِ مکاشفہ قوتِ دماغ قوتِ شعور قوتِ ذہن جن کو انعاماتِ قربیہ عطا فرمائے ان کے خالقِ مالک ربِ قدیر نے یہ سب عالمِ انوار آدم کی ذریت ہیں۔ جو بندہ ان قوتوں کا مطیع ہوگا وہ پسندیدہ اور قربِ بارگاہ کے لائق ہوگا۔ لیکن جو ان اعضاء رئیسہ سے دوران کی اطاعتوں سے نفور رہے گا اور ناپسندیدہ افعال اشیاءِ محرمات میں داخل ہوگا اس کو مردود ابدی کر دیا جائے گا ایسے بدخصلت لوگوں کے لیے سب دعوے دلیل نامقبول ونا کارہ

صوفیا فرماتے ہیں کہ جو شخص اہلِ معرفت کا لباس اور بھیس اختیار کرے اور صفائیِ باطن تذکیۂ نفس کا دعویٰ کرے مگر تقویٰ اور اعمالِ شریعت اختیار نہ کرے اور ادریسِ باطنی کی درس گاہ کی پابندی نہ کرے اور کہتا پھرے کہ وہ اعمالِ عبدیت اور شرعی پابندیوں سے آزاد ہو گیا ہے تو ایسا شخص بندۂ ابلیس ہے اور چور ڈاکو زانی سے زیادہ بدتر ہے۔ مقامِ ارفع اسی مرید کو ملتا ہے جو ادریسِ وقت کا مطیع و متبع ہو کیونکہ ادریسِ باطنی کو ہی مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ کی بارگاہ میں مقعدِ صدق کی کرسی عطا ہوتی ہے۔ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَائِيلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا۔ إِذَا تُتْلَى عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَٰنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا۔ اور عالمِ امثال میں جن خوش نصیبوں کو بصیرت کے نوح نجی کی ہم نشینی میں قَائِمَ اللَّيْلِ وَصَائِمَ الدَّهْرِ بنایا ہم نے اور ہمارے کچھ خوش نصیب بندے ابراہیم قلب کی ہم نشینی اور کچھ روشن ضمیری یعقوبی کی ہم نشینی کی نعمت پا گئے یہی سچی حقیقی آل اور ذریت صادقہ ہے شرب سالکین میں اتباع و اطاعت ہی کا نام آل و ذریت اور اہل وعیال ہے جو شخص متبع نبوت نہیں وہ ذریت۔ عترت آل و اہلِ بیت کہلانے کا حقدار نہیں۔ ان ہی مردانِ طلب اور مسافرانِ شوق و جذبہ میں کچھ ایسے خوش بخت و بامراد ہیں جن کی اطاعت شعاری نے قبولیتِ بارگاہ سے قربِ جمالی کی صلاحیت پالی تو ہم نے ان کو ہدایتِ ابدیہ عطا فرما کر مقربِ الی اللہ کر لیا۔ اور کسی جوہرِ خالص کو ہم نے اپنی بارگاہِ قدسیہ کے لیے چن لیا۔ ان سب کی شان و علامت یہ ہے کہ جب ان کے سننے صفاتِ رحمٰن کی آیتِ معرفت کا نزول ہوتا تو یہ مسعودین و مخلصین اپنے قلوبِ عاشقین کو عبدیت کی چوکھٹ پر احکامِ ازلیہ کے تسلیم و رضا کے سجدوں میں گرا دیتے ہیں قوتِ سمع کے آنسوؤں سے عشق و محبت کی آگ میں وجودِ فانی کو پگھلا کر خود جذبات سے روتے ہوئے۔ یہ نفوسِ مبارکہ کائناتِ انسانیت کے لیے عرشِ لامکانی و فرشِ بے زمانی کے وسیلۂ عظمیٰ ہیں کیونکہ اہلِ معرفت کو یہ انفاسِ قدسیہ مولیٰ تعالیٰ سے ملاتے ہیں اور ان ہی کے ساتھ کل افکارِ صادقہ کے حشرِ قیامتِ عشاق کے دن رجوعِ اسرار ہوگا۔ سجدے کی چودہ ۱۴ قسمیں ہیں (۱) سجدۂ نماز (۲) سجدۂ شکر (۳) سجدۂ سہو (۴) سجدۂ تلاوت (۵) سجدۂ تحیۃ (۶) سجدۂ تعظیم (۷) سجدۂ استقبال (۸) سجدۂ سرور (۹) سجدۂ ریاضت (۱۰) سجدۂ ظاہری (۱۱) سجدۂ باطنی (۱۲) سجدۂ عقل (۱۳) سجدۂ قالب (۱۴) سجدۂ کفر۔

فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ

پھر پیچھے پیدا ہوئے ان کے بعد ایسی بری نسل والے ضائع کردیں جنہوں نے تمام عبادتیں

اور اُن کے بعد ان کی جگہ وہ ناخلف آئے جنہوں نے نمازیں گنوائیں

وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوۡفَ يَلۡقَوۡنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾ اِلَّا

(بدنی) اور بری خواہشات کے پیچھے لگے تو عنقریب پائیں گے وہ بُرا بدلہ ۔ مگر

اور اپنی خواہش کے پیچھے ہوئے عنقریب دوزخ میں غیّ کا جنگل پائیں گے ۔ مگر

مَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ

جو ان سے توبہ کر گیا اور ایمان لایا اور نیک کام کرتا رہا ۔ تو وہی لوگ

جو تائب ہوئے اور اور ایمان لائے اور اچھے کام کئے تو یہ لوگ

يَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ وَلَا يُظۡلَمُوۡنَ شَيۡـًٔا ﴿۶۰﴾ جَنّٰتِ

داخل ہوں گے جنت میں اور نہ ظلم کئے جائیں گے وہ کچھ بھی ذرہ بھر ۔ بیشک دائمی رہائش کے

جنت میں جائیں گے اور انہیں کچھ نقصان نہ دیا جائے گا ۔ بسنے کے باغ

عَدۡنِ اِۨلَّتِىۡ وَعَدَ الرَّحۡمٰنُ عِبَادَهٗ بِالۡغَيۡبِ ؕ

باغ وہ ہیں جن کا وعدہ فرمایا اللہ رحمٰن نے اپنے عبادت گزاروں سے غیبی فرمان کے ذریعہ

جن کا وعدہ رحمٰن نے اپنے بندوں سے غیب میں کیا

اِنَّهٗ كَانَ وَعۡدُهٗ مَاۡتِيًّا ﴿۶۱﴾ لَا يَسۡمَعُوۡنَ فِيۡهَا

بے شک شان یہ ہے کہ اس کا وعدہ یقیناً آنے والا ہے ، نہیں سنیں گے جنتی اس جنت میں

بے شک اُس کا وعدہ آنے والا ہے ۔ وہ اس میں کوئی بیکار بات نہ سنیں گے

لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً

کوئی بری بات ہاں صرف سلامتی کی آوازیں۔ اور ہوگا ان کے لیے ان کا کھانا اس میں صبح سویرے

مگر سلام ۔ اور انہیں اس میں ان کا رزق ہے صبح

وَّعَشِيًّا ﴿۶۲﴾

اور رات کے کھانے جیسا

و شام

تعلقات ان آیات کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیت میں انبیاء کرام علیہم السلام کے ایمان افروز زمانوں کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت کریمہ میں ان کے بعد آنے والی غافل اور بدکار نسلوں کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں ان ہستیوں کا ذکر ہوا جن پر رب تعالیٰ نے بلا وسیلہ انعام فرمایا۔ اب ان آیت میں ان نیک بختوں کا ذکر ہو رہا ہے جو ان ہستیوں کے متبع فرمان ہو کر ان کے وسیلے سے کامیابیوں کامرانیوں کے انعامت پا گئے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں مَكَانًا عَلِيًّا کا ذکر ہوا جو جنت میں ایک جگہ ہے اب ان آیت میں مقام غَيًّا کا ذکر ہو رہا ہے جو جہنم کا ایک خطرناک حصہ ہے۔ پہلی جگہ فرمانبرداروں کی دوسری نافرمانوں کی۔

تفسیر نحوی فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا ۔

فَ ابتدائیہ کلام بمعنیٰ ثُمَّ یا بمعنیٰ واؤ ترتیبی ۔ خَلَفَ بابِ نَصَرَ کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب خَلْفٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے پیچھے آنا بعد میں ہونا کسی کا جانشین اور خلیفہ بننا۔ یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں مِنْ جارّہ زائدہ بَعْدِ اسم ظرف زمانی اسماءِ ظروف میں سے ہے جب یہ مضاف ہو تو معرب ہوتا ہے یہاں یہی ہے اور جب مفرد (اکیلا) ہو تو اکثر رفع پر مبنی ہوتا ہے کبھی کبھی منصوب تنوینی ہوتا ہے هِمْ ضمیر مضاف الیہ کا مرجع ذریت ہے۔ یہ جار مجرور مرکب اضافی متعلق ہے خَلَفَ کا خَلْفٌ اسم مفرد جامد واحد مذکر ہے مگر جمع اور مؤنث کے لیے بھی مستعمل ہے یہاں جمع مذکر کے لیے ہے بمعنیٰ اولاد۔ نسل۔ پیرو کار مقتدی متبعین۔ اس کو تین طرح سے پڑھا گیا ہے اور ہر ایک وزن کا علیحدہ ترجمہ ہے ۱ خَلْفٌ

بمعنی بری اولاد اور نسل یہاں یہی مراد ہے ۲ خَلَفٌ بمعنی اچھی اولاد نیک نسل ۳ خِلْفٌ بمعنی آگے پیچھے مسلسل قطار در قطار چلنے والے آنے والے۔ یا بمعنی پیرو کار متبعین یہ مرفوع ہے کیونکہ فاعل ہے خَلَفَ کا مگر اگلی ترکیب میں تین قول ہیں ۱ یہ موصوف اور اَضَاعُوا کا جملہ صفت یہ قول درست ہے ۲ یہ مبدل منہ ہے اَضَاعُوا بدل ۳ یہ دونوں عطف بیان ہیں مگر یہ دونوں قول غلط ہیں۔ صفت بدل۔ اور عطف بیان میں فرق یہ ہے کہ اگر پہلا لفظ یعنی متبوع کا معنی اور حالت دوسرے لفظ یعنی تابع میں پائی جائے اور تابع اپنا معنی متبوع میں ظاہر کرے تو صفت موصوف ہیں مرکب توصیفی کے ذکر میں مقصود موصوف ہوتا ہے نہ کہ صفت ۲ مبدل منہ اور بدل میں مقصود بیان کرنا تو بدل تابع ہی کا ہوتا ہے۔ تابع یعنی بدل کی طرف وہی منسوب ہوتا ہے جو متبوع کی طرف منسوب ہوتا ہے ۳ عطف بیان میں پہلا یعنی متبوع ہی مقصود ہوتا ہے مگر وہ مشہور نہیں ہوتا تو تابع مشہور کو بلایا جاتا ہے تاکہ سننے والے کو تعارف ہو جائے۔ خَلَفٌ موصوف اَضَاعُوا۔ باب افعال ماضی مطلق جمع مذکر غائب ضَیْعٌ سے بنا ہے بمعنی خراب کرنا۔ ضائع کرنا۔ ہلاک کرنا۔ بیکار کام کرنا۔ یہاں سب معنی ٹھیک ہیں اس کا مصدر ہے اِضْیَاعٌ اور اِضَاعَۃٌ اس کا فاعل ھُم ضمیر پوشیدہ کا مرجع خَلْفٌ ہے اَلصَّلٰوۃَ اسم مفرد جامد واحد مؤنث لفظی۔ مراد ہے تمام بدنی عبادات خاص کر ذکر اذکار والی عبادات۔ الف لام استغراقی ہے مفعول بہ ہے۔ اَضَاعُوا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ۔ اِتَّبَعُوا باب افتعال فعل ماضی مطلق جمع غائب۔ اس کا مصدر اِتِّبَاعٌ۔ پیچھے چلنا۔ نقشِ قدم لینا۔ بلا سوچے چلنا۔ تَبْعٌ سے بنا ہے بمعنی پیچھے ہونا یہ مصدر متعدی ہے اور مادہ لازم ہے۔ الف لام عہد خارجی شَہَوَاتِ۔ اسم جمع مؤنث سالم اس کا واحد ہے شَہْوَۃٌ۔ بمعنی بری خواہشات بحالتِ نصب ہے کسرہ آیا اس لئے جمع مؤنث کا اعراب یہی ہے کہ نصب و فتحہ اور کسرہ میں کسرہ ہی ہوتا ہے مفعول بہ ہے اِتَّبَعُوا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف سب عطف مل کر صفت ہے خَلْفٌ کی یہ مرکب توصیفی فاعل ہے خَلَفَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ فَسَوْفَ فَ تعقیبیہ یا عاطفہ دو قول ہیں۔ اگر تعقیبی ہو تو یہ جملہ علیحدہ ہے اگر عاطفہ ہو تو یہ جملہ معطوف ہے خَلْفٌ پر۔ ہم نے فَ تعقیبی مانا ہے سَوْفَ حرف تقریب اس کے اوّل میں فَ تعقیبیہ عاطفہ جزائیہ سببیہ ہر طرح کی آجاتی ہے اور لام تاکیدی آجاتا ہے جیسے وَلَسَوْفَ۔ یہ فعل مضارع پر آتا ہے اور اس کو مستقبل کر دیتا ہے اس میں زمانے کی درازی زیادہ ہوتی ہے وعدے کے لیے آتا ہے اور وعید کے لیے بھی یہاں وعید کے لیے ہے یَلْقَوْنَ باب سَمِعَ کا مضارع معروف جمع مذکر غائب۔ لَقْیٌ سے مشتق ہے بمعنی ملنا۔ ملاقات کرنا۔ پانا

غَیًّا اسم فعل ہے یعنی لفظاً اسم جامد ہے معناً فعل عربی میں اسماءِ افعال کل چودہ ہیں جن میں سے چھ
عدد بمعنی ماضی واحد غائب ہیں ۱ اُفٍّ ۲ اوہ ۳ وائے ۴ غیاً ۵ صمات ۶ تستان۔ اور
گیارہ عدد بمعنی امر حاضر واحد مذکر ہیں ۱ امین ۲ رُوَیْدَہ ۳ صَہٖ ۴ فعالِ ۵ نزالِ ۶ قوامِ ۷ تعادِ
۸ بلہ ۹ علیک ۱۰ حیھل ۱۱ مدعان۔ کل دونوں کی تعداد سترہ عدد ہوئی۔ غیاً کا ترجمہ ہے شریر
ہوگیا۔ شرپسند۔ گمراہ۔ یہاں مراد ہے جہنم کا ایک میدان سبب بول کر مسبّب مراد لیا گیا کیونکہ گمراہی
سبب ہے جہنم پانے کا۔ اہلِ عرب شر کے لیے غیاً اور خیر کے لیے رشاداً بولتے ہیں۔ یہ مفعول بہ ہے
اِلَّا حرفِ استثنیٰ یَلْقَوْنَ کا فاعل ھُمْ مستثنیٰ منہ ہے۔ مَنْ اسم شرطیہ موصول تَابَ نصر کا ماضی معروف تَوْبٌ
سے مشتق ہے بمعنی لوٹ آنا۔ بندہ بن جانا توبہ کرنا۔ ھُوَ پوشیدہ ضمیر فاعل جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ واؤ
عاطفہ اٰمَنَ بابِ افعال کا ماضی مطلق واحد فاعل ھُوَ پوشیدہ دونوں ھُوَ ضمیروں کا مرجع مَنْ ہے اس کا
مصدر ایمان اَمْنٌ سے بنا ہے بمعنی مان لینا اللہ کے دین کو۔ امن میں آجانا۔ یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر
عطف عَمِلَ باب سَمِعَ کا ماضی فاعل پوشیدہ کا مرجع مَنْ ہے صَالِحًا۔ اسم فاعل بابِ ضَرَبَ صَلُحٌ سے مشتق
ہے لازم ہے بمعنی اچھے ہوتا نیک ہونا مفعول بہ ہے ترجمہ ہے اچھے کام یہ بھی جملہ ہوکر معطوف ہے
تینوں عطف مل کر صلہ ہوا مَنْ موصولہ شرطیہ کا فَ جزائیہ اُولٰٓئِكَ۔ اسم اشارہ مبتدا یَدْخُلُوْنَ بابِ نصر
کا مضارع مستقبل جمع مذکر غائب دَخْلٌ سے بنا ہے ھُمْ ضمیر پوشیدہ کا مرجع اُولٰٓئِكَ ہے اور
اُولٰٓئِكَ کا مشار الیہ مَنْ ہے۔ لفظ مَنْ چونکہ لفظاً واحد ہے اس لیے تَابَ۔ اٰمَنَ۔ عَمِلَ واحد فعل
آئے اور معناً جمع کے لیے ہوجاتا ہے اس لحاظ سے اُولٰٓئِكَ جمع اشارہ آیا اَلْجَنَّةَ۔ اسم مفرد مؤنث لفظی
بمعنی بہشت اُخروی اچھا عالم اعلیٰ مقام۔ مفعول فیہ ہے یَدْخُلُوْنَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر
معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ لَا یُظْلَمُوْنَ۔ بابِ ضَرَبَ کا مضارع مجہول جمع غائب۔ شَیْئًا۔ اسم مفرد نکرہ
بمعنی کوئی چیز۔ کچھ۔ ذرہ بھر۔ مفعول بہ دوم پہلا مفعول ھُمْ ضمیر پوشیدہ نائب فاعل بن گیا ہے۔ لَا یُظْلَمُوْنَ
اپنے نائب فاعل اور مفعول دوم سے مل کر جملہ فعلیہ منفیہ خبریہ ہوکر معطوف۔ دونوں عطف مل کر خبر مبتدا
جملہ اسمیہ ہوکر جزا شرطیہ مَنْ اور جزا مل کر مستثنیٰ ہوا یَلْقَوْنَ کے فاعل کا یَلْقَوْنَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ
ہوگیا۔ جَنّٰتِ عَدْنِ ﹰالَّتِیْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَیْبِ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِیًّا۔ لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا
لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِیْهَا بُكْرَةً وَّعَشِیًّا۔ جَنّٰتِ اسم جمع مؤنث اس کا واحد ہے جَنَّةٌ۔ بمعنی چھپا
ہوا۔ پوشیدہ باغ۔ دنیا میں چاردیواری والے باغ کو جنت کہا جاتا ہے۔ اصطلاحاً اچھے لوگوں
کے اُخروی دائمی ٹھکانے کو جنت کہا جاتا ہے کیونکہ انسانوں کی نگاہ سے قطعاً پوشیدہ ہے بجز انبیاء علیہم السلام

اور ملائکہ کہ کسی مخلوق نے نہیں دیکھا۔ نہ قیامت سے یا موت سے پہلے کوئی انسان دیکھ سکے۔ چونکہ جنتیں آٹھ علاقوں میں منقسم ہیں اس لیے جنّٰت فرمایا گیا۔ بحالتِ فتحہ ہے اس لیے کہ اِنَّ پوشیدہ کا اسم ہے یا اس لیے کہ پہلی آیت یَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّۃَ کا بدل اشتمال ہے مگر اعلیٰ حضرت نے اس کو علیحدہ جملہ بتایا اس لیے اِنَّ پوشیدہ مانا گیا۔ ایک قول میں مرفوع ہے خبر ہے مبتدا محذوف کی مضاف ہے اس لیے بحالتِ فتحہ ایک کسرہ آیا عَدۡنٍ۔ یہ مصدر ثلاثی (مادۃ) ہے بمعنیٰ ہمیشہ رہنا۔ دائمی بسنا۔ ٹھیرنا ایک قول میں یہ اسم جامد ہے اور جنتوں کے ناموں میں سے ایک جنّے کا نام۔ دونوں قول درست ہیں عدن مضاف الیہ مرکب اضافی اسم اِنَّ الَّتِیۡ۔ اسم موصول مؤنث واحد۔ وَعَدَ۔ باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق اَلرَّحۡمٰنُ۔ اسم مبالغہ ہے بروزنِ فعلان شعبان۔ ندمان۔ لغتِ عربی سے ہے رَحۡمٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ عام رحم کرنے والا بخشنے والا۔ صفت خصوصی ہے اللہ تعالیٰ کی۔ عِبَادَ۔ اسم جمع مکسّر مذکر ہے عَبۡدٌ کی بمعنیٰ عبادت گزار لوگ ہٗ ضمیر کا مرجع رحمٰن ہے مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے بِالۡغَیۡبِ یہ جار مجرور متعلق ہے وَعَدَ فعل سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا اَلَّتِیۡ موصول اپنے صلے سے مل کر خبر اِنَّ عَدۡنٍ میں یہاں چھوٹی نون تنوینی ہے جو تنوین کی حفاظت اور لام سے جڑنے کے لیے آئی۔ اِنَّ پوشیدہ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ اِنَّہٗ۔ حرفِ مشبہ ہٗ ضمیر شان اِنَّ لغو ہے کَانَ فعل ناقصہ وَعۡدُہٗ مرکب اضافی اس کا اسم ہے۔ مَاۡتِیًّا۔ باب ضَرَبَ کا اسم مفعول اور واحد مذکر بمعنیٰ اسم فاعل اَتیٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے آنے والا اسم مفعول کو استعمال فرمایا گیا بیقین ثابت کرنے کے لیے ہے کہ یہ آنے والا مثل آئے ہوئے کے ہے گویا آ ہی چکا۔ دراصل مَاۡتُوۡیٌ تھا واؤ کو ی بنایا دونوں یاؤں کو ادغام کیا اور ضمّہ کو کسرہ بنا دیا ہو گیا مَاۡتِیًّا یہ خبرِ کَانَ ہے یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو گیا۔ لَا یَسۡمَعُوۡنَ۔ فعل مضارع منفی مستقبل جمع غائب ھُمۡ پوشیدہ ضمیر فاعل فِیۡہَا بمعنیٰ اُس جنتِ عدن میں متعلق ہے۔ لَغۡوًا مستثنیٰ منہٗ اِلَّا حرفِ استثنیٰ بمعنیٰ مگر سَلٰمًا۔ اسم مصدر ہے۔ بمعنیٰ امن چین سلامتی۔ ہر عیب سے پاک ہر مصیبت سے بچا ہونا یہ اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں سے بھی ایک نام ہے بمعنیٰ ہر عیب سے پاک۔ یہاں مصدری معنیٰ میں ہے یہ مستثنیٰ منقطع ہے کیونکہ مستثنیٰ منہ میں شامل نہیں۔ سب استثنیٰ مل کر مفعول بہ لَا یَسۡمَعُوۡنَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ تیسرا جملہ یَکُوۡنُ فعل مضارع تامّہ پوشیدہ ہے لَہُمۡ جار مجرور متعلق اوّل ہے رِزۡقُہُمۡ مرکب اضافی ترجمہ ہے اُن کی خوراک یہ فاعل ہے یَکُوۡنُ پوشیدہ کا۔ فِیۡہَا یہ جار مجرور متعلق دوم ہے۔ بُکۡرَۃً معطوف علیہ واؤ عاطفہ عَشِیًّا معطوف دونوں مل کر ظرفِ زمانی ہوا یَکُوۡنُ پوشیدہ کا سب مل کر جملہ فعلیہ تامّہ خبریہ ہو گیا۔ بُکۡرَۃً اور عَشِیًّا دونوں صفت مشبہ ہیں بروزنِ فُعۡلَۃٌ اور بروزنِ فَعِیۡلًا۔ بُکۡرَۃً

بمعنی دن کا شروع ابتدائی وقت یعنی سحری یا ناشتہ، عَشِیًّا مغرب سے عشاء تک کا وقت۔ اور مراد ہے رات کا کھانا۔ تشبیہ ہے دنیا کے کھانوں کے وقفے سے ورنہ جنت میں وقتِ عشا نہیں ہوگا۔ نہ ہی اندھیرا۔

تفسیر عالمانہ

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا

انبیاء کرام علیہم السلام کا وجودِ بعثت بہارِ زمین ہے کہ جب تک یہ مقدس ہستیاں جلوہ افروز رہتی ہیں اُس وقت تک زمین پر صُلحا کے پھول عُلما کے غنچے اور اولیا کے پھل عرصۂ فرش کو عرش بنائے رکھتے ہیں اذانیں نمازیں عبادتیں ریاضتیں مکاشفے مراقبے اِن ہی آقاؤں کے قدوم میمنت کی برکتوں سے ہیں ان کے وجود سے زمین چمنِ بہاری ہے لیکن جو خطہ بھی ان کے فیوضاتِ بعثت سے خالی ہوا بس وہیں اِس انسانی مخلوق نے حیوانیت کا بھیس بدلا۔ اور زمینِ فرشی کو جنگلی جھاڑ جھنکاڑ بنا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ۔ جو لوگ اِن کے وجودِ مسعود کے بعد دنیا میں آئے یا جو اُن کی تعلیم سے نفع نہ پا سکے اور بدنصیبی سے پیچھے ہی ہٹے رہے انہوں نے اِسی زمینِ پُر بہار کو جس میں نمازوں کی کلیاں اذانوں کی مہک ذکرِ الٰہی کی صدائیں گونجتی تھیں اُن ظالموں نے بے تمیزی کی چیخم دھاڑ بدمعاشی کا فساد اور ترکِ نماز نحوست پھیلا دی۔ اور شہواتِ ابلیسیہ خواہشاتِ نفسانیہ کے پیچھے لگ گئے اس لیے کہ ان کو کوئی بتانے سمجھانے والا ہزاروں والدین سے زیادہ شفقت و محبت پیار کرنے والا المحسن قوم نبی رسول نہ تھا جو اُن کی گستاخیاں بے ادبیاں بدزبانیاں سُن کر بھی پیار سے چمکارتا مسکرا کر بلاتا گالیاں سن کر بھی دعائیں دیتا بستیوں کی راتوں میں بیابانوں کی غاروں میں عجز کے سجدوں میں اللہ تعالیٰ سے اُمت کی بخشش کی دعائیں مانگتا۔ روتا گڑگڑاتا۔ رب کریم کے حضور فریادیں کرتا اور اُمت فاسقہ فاجرہ کافرہ کے لیے معافی مانگتا اور توفیقِ توبہ و ہدایتہ ایمان کی التجائیں کرتا۔ اور اپنی نافرمان امت کو بتاتا کہ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا۔ دنیا میں کتنی بھی فحاشی بدمعاشی آوارہ گردی کرلیں اللہ تعالیٰ جبار وقہار کی پکڑ سے نہ بچ سکیں گے۔ پس عنقریب بعدِ قیامت اِن ہی خرمستیوں کی کفریہ حرکتوں کے بدلے و سزا میں جہنم کی وادیٔ غیؔ میں گر پڑیں گے خلف سے مراد یہودی عیسائی ہیں ایک قول میں قربِ قیامت کے مسلمان ہاں البتہ وہ خوش نصیب افراد جنہوں نے تعلیم نبوت کی ہدایت سے ترکِ نماز اور تمام بدعملیوں گناہوں فسق و فجور سے سچی پکی توبہ کر لی اور شہواتِ نفسانی کے کفریات اور بدعقیدگی سے نفرت کرتے ہوئے صدقِ دل سے ایمان قبول کر لیا پھر یہ دونوں گروہ تائبین و مومنین اعمالِ صالحہ

کریں اور پوری زندگی اسی پاکیزگی میں گزاریں تو وہ سب لوگ جنتوں میں ابدی دائمی حیاتِ طیبہ کے ساتھ رہائش پائیں گے اور سابقہ گناہوں یا کفریات کا بدلہ نہ لیا جائیگا بلکہ ان کی دنیوی لمحات کی توبہ اور تجدیدِ ایمان کی وجہ سے سابقہ گناہ و کفریات مٹا دیئے جائیں گے اور اعمالِ صالحہ اور اُن کے ثواب میں ذرہ بھر ظلم اور کمی نہ کی جائے گی۔ یہاں چھ چیزوں کا ذکر فرمایا گیا ۱۔ نماز کو ضائع کیا یا انکار کر کے کافر ہوئے یا نمازوں کی فرضیت پر تو ایمان لائے مگر بے رغبتی اور ترکِ نماز سے فاسق ہوئے یا بے وقت اور غلط پڑھ کر فاجر ہوئے یا نماز تو صحیح پڑھی مگر غیبت چغلخوری حسد بغض کر کے اپنے اعمال نیکیاں برباد کر کے خاسر ہوئے یہ تمام صورتیں نماز کو ضائع کرنے کی ہیں ۲۔ خواہشاتِ نفسانی میں پڑ گئے سب سے بڑی خواہشِ نفس کفر و شرک ہے ۳۔ غیّا میں ڈالے جائیں گے۔ دنیا میں بھی غیّا ہے اور آخرت میں بھی دنیوی غیّ۔ ذلت خسارہ اور شر ہے۔ اُخروی غیّ۔ جہنم کی ایک سب سے نیچے وادی جس کے سخت عذاب سے دوزخ کے دوسرے طبقے بھی پناہ مانگتے ہیں یا جہنم کا ایک کنواں بہت ہی گہرا یا جہنم کی ایک بڑی نالی جس میں جہنمیوں کی پیپ و خون بول براز اور اس کی بدبو کا عذاب ہوگا۔ کفار کو دنیا میں بھی غیّ اور آخرت میں بھی یہ تین چیزیں کفار کی ہیں تین چیزیں مومنین کی مذکور ہوئیں ۱۔ سچی توبہ ۲۔ ایمانِ صادق ۳۔ اعمالِ صالحہ یہاں بدکاروں کی بدعملیوں میں سب سے پہلے بربادیِ نماز کا ذکر فرمایا گیا۔ اس لیے کہ ایمان کے قالب میں مثل ریڑھ کی ہڈی نماز ہے ۱۔ نماز تمام عباداتِ اسلامیہ کا مجموعہ ہے اس میں کلمہ بھی ہے زکوٰۃ بھی روزہ بھی حج بھی عبادتِ بدنی بھی مالی بھی شریعت بھی طریقت بھی خلوت بھی جلوت بھی مراقبہ بھی مکاشفہ ترکِ دنیا بھی مجاہدہ بھی ۲۔ نماز بندگی کا اصل مقام ہے ۳۔ بندگی اِتباعِ نبوت کا نام ہے اور اتباع نام ہے نقشۂ نبوت کا ۴۔ نماز معراجِ مومن اس لیے ہے کہ اس کے ذریعے بندے کا اللہ تعالیٰ سے ظاہری عملی اور باطنی قلبی تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ ترکِ نماز سے دنیوی اور اُخروی نقصانات پہلا یہ کہ اُمّت کے زوال کا پہلا قدم دوم۔ ترکِ نماز سے نقشۂ نبوت ختم ہیں جب یہ نقشہ پاک ختم تو اتباعِ نبوت ختم چہارم۔ اور جب اِتباع ختم تو عبادت و بندگی ختم۔ پنجم اور جب بندگی ختم تو تعلق باللہ ختم ششم جب بندے کا اللہ تعالیٰ سے تعلق ختم ہو گیا تو تصور ذاتِ الٰہی یعنی اللہ تعالیٰ ذات و صفات کا خیال و یقین سب کچھ ختم ہو گیا۔ ہفتم جب یقینِ ذاتِ باری ختم تو پورے ایمانی معاشرے کا بگاڑ شروع ہشتم ترکِ نماز سے انسان میں پانچ عیب پیدا ہو جاتے ہیں ۱۔ آزادی کی بیماری۔ اِنسان اس دنیا میں مثل بکری ہے اور ابلیس (شیطان) اُس کا شکاری، بھیڑیا۔ نماز حفاظت کا باڑہ ہے بکری جب ریوڑ سے باہر آزاد و آوارہ ہو تو بھیڑئیے کا شکار بن جاتی ہے۔ نماز مومن کو شیطان سے بچاتی ہے ۲۔ ترکِ نماز گناہوں کا دروازہ کھولدیتا ہے ۳۔ آوارگی بدمعاشی بدچلنی اور

پلیدی پیدا ہوتی ہے۔ ۴ ترکِ نماز گندگی کی عادت ڈالتی ہے اور گندگی سے بیماریاں پیدا ہوتی ہیں ۵ ترکِ نماز سے انسان شہواتِ نفسانی میں مبتلا ہوتا ہے۔ شہوات کا آخری مقام کفر ہے گویا کہ ترکِ نماز کا دنیوی نتیجہ اور انجام کفر ہے اور اُخروی انجام یَلْقَوْنَ غَیًّا ہے غَیًّا۔ فرما کر سات چیزوں کو بیان فرمایا اوّلاً جہنم پھر اُس کی کیفیت پھر نوعیت پھر حالت پھر رہائش دائمی پھر وہاں کی گفتگو، اور وہاں کی دوزخی خوراک یہ سب کچھ اشارۃً بیان فرما دیا گیا اس لیے کہ بُری اشیا کی تفصیل ضروری نہیں ہوتی چونکہ ان کا کفر دنیا میں لذاتِ شہوات ہے اس لئے ان کا عذاب بھی آخرت میں جہنم غیّاہے شہوات کی دو قسمیں ہیں ۱ شہواتِ ھَوٰی یہ ہمیشہ نفسِ امارہ کی طرف سے ہوتی ہیں شہواتِ ھَوٰی سات قسم کی ہیں ۱ شراب نوشی ۲ حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر لینا ۳ بلا دلیل باتیں وعقیدے بنانا ۴ ہر وہ چیز جو نماز اور عبادت وذکر اللہ سے روکے ۵ پہلے زمانوں کے یہودیوں اور عیسائیوں نے حرام کو حلال کیا کہ سگی بہن اور سگی بھتیجی سے نکاح حلال کیا ۶ آج کل پیروں و پیرزادوں نے کھیل کود، ریس جوا اور فوٹو بُت سازی کو جائز سمجھ لیا ۷ مولیٰ علی نے فرمایا کہ فخریہ عمارتیں خوشنما سواریاں فیشن کے لباس بھی شہواتِ ھَوٰی ہیں۔ جب وہ شہوات میں پڑ گئے تو اپنے بزرگوں کی جسمانی روحانی میراث سے محروم ہو گئے یہی خسارہ ہے آج بھی ایسا ہی ہے کہ پیری مریدی بہت ہے مگر روحانی قوت ختم ہے ۲ شہواتِ ھُدٰی یہ ہمیشہ اچھی ہوتی ہیں عقلِ سلیم کی طرف ہوتی ہیں۔ خوش قسمت ہے وہ بندہ جسنے اپنی دنیا میں توبہ کر لی ایمان کامل کر لیا اور اعمالِ صالحہ سے خود کو مزین کر لیا۔ ایسے خوش نصیبوں کا پہلا انعام لَا یُظْلَمُوْنَ شَیْئًا دوسرا انعام۔ جَنّٰتِ عَدْنِ الَّتِیْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَہٗ بِالْغَیْبِ۔ تیسرا انعام۔ اِنَّہٗ کَانَ وَعْدُہٗ مَاْتِیًّا۔

چوتھا انعام۔ لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا۔ پانچواں انعام۔ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِیْهَا بُكْرَةً وَّعَشِیًّا۔ وہ عالی بارگاہ جو دنیوی زندگی میں عاملین کاملین صادقین صالحین عاجزین بن کر رہے اور جنہوں نے حقیقتِ عبادات کا اہتمام کیا ان کو رب تعالیٰ کی طرف سے یہ پانچ انعامات عطا ہوں گے حقیقتِ عبادت آٹھ چیزیں ہیں پہلی چیز یہ کہ عبادت کو قرۃ عین سمجھ کر ادا کی دوم ذوق سے ۳ شوق سے ۴ خشوع سے ۵ خضوع سے ۶ عجز سے تمام عبادات ادا کیں ۷ عبادات خاص کر نماز کو غذاءِ قلب اور معراجِ روح جانا ۸ عبادات میں تہذیب آداب و اصول کا خیال رکھا۔ ایک نماز ہی وہ عملِ صالحہ ہے جو انسان کو مکمل طور پر مہذب بناتی ہے تہذیب کی پانچ قسمیں ہیں ۱ پاکیزگی ۲ پابندی ۳ زینت ۴ خوراک کی دیکھ بھال ۵ لباس کی تکمیل

نماز کا مکمل لباس یہ ہے کہ سر سے قدم تک بجز تین اعضا کے کچھ نہ کھلا ہو۔ صرف قدم ہتھیلی اور
چہرہ کے باقی سب جسم ڈھکا ہوا اسی لیے ننگے سر نماز مکروہ تحریمی ہے جو ننگے سر نماز پڑھے اُس نے
اپنی نماز ضائع کر دی۔ صحیح نماز پڑھنے سے بندہ اپنے رب تعالیٰ کے چار حقوق ادا کرتا ہے ۱ سنت
۲ واجب ۳ فرض ۴ مستحبات و مندوبات۔ نماز ایمان کا جوہر یعنی عرق ہے جس نے نماز ضائع
کی اُس نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا اور اللہ تعالیٰ سے دور ہوا اور جس نے شہواتِ نفسانیہ کی اتباع
کی اس نے شیطان کو خوش کیا۔ عبادت خدا پرستی ہے شہوات شیطان پرستی ہے جنت کی پہلی نعمت
یہ ہے کہ کسی مومن پر ظلم نہ ہوگا یعنی بلاوجہ نہ کسی کے اعمال کم ہوں گے نہ ثواب ظلم کے معنی یہاں کمی کرنا
ہے میدانِ محشر میں کسی بندے کے اعمال میں کمی تب ہوگی جب اُس پر حقوق والعباد واجب ہوں
اور ثواب میں کمی تب ہوگی جب اُس کے خلوص میں کمی و غلطی ہوا اور ثواب کی یہ کمی بھی عدل ہوگا نہ کہ
ظلم جنت کی دوسری نعمت جَنّٰتِ عَدْنٍ ہے یہ جنت کا ایک اعلیٰ طبقہ ہے یہاں چار قسم کے بندے
نہیں جا سکتے۔ سود خور، شرابی۔ والدین کا نافرمان۔ جھوٹی گواہی دینے والا عدن کا معنیٰ ہے دائمی ملکیتی
رہائش اسی معنی کی بنا پر مفسرین نے یہ بھی فرمایا کہ عدن نام نہیں بلکہ پوری جنت کی صفت ہے۔ رب تعالیٰ
نے توبہ کرنے ایمان لانے اور اعمالِ صالحہ کرنے والوں کو عِبَادَہٗ کے پیارے لقب سے نوازا یہ عطاءِ
شرفیت ہے اور اسی سے مخلصین مراد ہیں ان ہی پیاروں کے لیے جنت وہ جو عدن ہے اور ایسی
جنت کے لیے ایمان کونسا جو بِالْغَیْبِ ہے سب سے عظیم خوشخبری وَعْدُہٗ مَاْتِیًّا ہے کہ رب تعالیٰ
کے یہ وعدے یقیناً حق سچ کے ساتھ آنے والے ہیں یہ خوشخبری دنیا میں بھی سنائی گئی اور میدانِ محشر
میں بھی سنائی جا گی جنت میں عظیم نعمت سَلَام ہے سلام بمعنی سلامتی و حفاظت۔ سلامتی توجان وجسم
ایمان کی ہوگی اور حفاظت جنت کی اور اُس کی تمام چیزوں لباس رہائش خوراک آرام و سکون لذت
عزت عظمت کی ہوگی دنیا میں ہر انسان کو نو نعمتیں ملیں ۱ دیکھنے کی نعمت ۲ سونگھنے کی ۳
چکھنے کی ۴ پکڑنے کی ۵ چلنے کی ۶ چاہنے کی ۷ سمجھنے کی ۸ بولنے کی ۹ سننے کی ان میں سب
سے بڑی دو نعمتیں ہیں اوّلاً سننے کی نعمت دوم بولنے کی ان پر ہی تمام ایمانیات اسلامیات عبادات
دینیات دنیویات عقلیات فکریات کا دارومدار ہے بلکہ انسانیت کے پورے معاشرے
پر ان دونوں کا اثر ہے اگر یہ دونوں اچھی ہوں تو زندگی کا پورا ماحول مہذب، پاکیزہ اور صاف
ستھرا ہوتا ہے۔ اور افراد و اقوام سلیم الطبع و سنجیدہ ہوتے ہیں اور اگر یہ دونوں بولنے اور
سننے کی قوتیں بری ہو جائیں تو معاشرے کا پورا ماحول گندہ بیہودہ، فضول اور بد تمیز بد تہذیب

ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے جھوٹ، غیبت، گالی، گلوچ، شرارت، فتنہ، فساد، بغض، حسد، گندگی۔ شہوتیں جنم لیتی ہیں فرمایا یہ جا رہا ہے کہ جنت میں بولنا بھی سچا ہوگا اور سننا بھی اچھا۔ وہ بھی سلامًا۔ یہ بھی سلامًا۔ مگر جہنم میں یہ دونوں چیزیں بُری ہوں گی۔ اس لیے یہی دونوں جنت میں نعمت ہیں اور جہنم میں عذاب، جنت میں عمدہ سلام اور جہنم میں بیہودہ کلام ایک قول میں اِلَّا سَلٰمًا کا استثنیٰ منقطع ہے یعنی جنت میں لغو بیہودہ بیفائدہ کلام نہ ہوگا بلکہ نہایت پاکیزہ مہذب مفید شائستہ با اخلاق محبت وخلوص کا کلام ہوگا۔ یہ ہی قول درست ہے بعض نے فرمایا یہ استثنا متصل ہے یا اس لیے کہ سلام ایک دعا ہے اور جنت میں دعا بیکار و لغو ہے یعنی جنت میں فقط یہی ایک غیر مفید کلام ہوگا اس کے علاوہ کوئی غیر مفید نہ ہوگا یا اس لیے اس کو لغو کہا گیا کہ جنت میں ایک دوسرے کو سلام کرنا مثل تکیہ کلام ہو جائے گا کہ بلا ارادہ نکلا کرے گا عربی محاورے میں ہر ایسے کلام کو لغو کہہ دیا جاتا ہے جیسے کہ دنیا میں بعض لوگوں کے منہ سے بلا ارادہ قسمیں نکلتی رہتی ہیں۔ مثلاً واللہ ایسا ہوا واللہ ویسا ہوا۔ ایسی قسموں کو بھی یمینِ لغو کہا جاتا ہے۔ جنت کا پانچواں انعام بُكْرَةً وَّعَشِيًّا کا رزق ہے۔ قرآن کریم نے جنت کی تین خوبیوں کا ذکر فرمایا ایک جگہ ارشاد ہوا۔ وہاں سونے چاندی کے زیور پہنائے جائیں گے۔ دیگر آیت میں سُرُرٍ اور عَرَآئِك کا ذکر ہے کہ جنتی لوگ خوبصورت تختوں اور مسہریوں پر بیٹھا کریں گے اور آیت یہاں ارشاد ہوا کہ ان کو صبح شام کی مثل رزق ملا کرے گا اس کی وجہ یہ کہ دنیا میں اب تک تین قومیں ہوئیں ہیں جو تا قیامت رہینگی۔ پہلی قوم اہل یمن یہ دنیا کی پہلی قوم ہے، دوسری قوم اہل عجم۔ تیسری قوم اہلِ عرب یمنی لوگ اچھے پلنگوں مسہریوں اور خوشنما تختوں پر بیٹھنا پسند کرتے ہیں۔ اُن کے لیے جنت کی اُس نعمت کا ذکر فرمایا گیا اہل عجم سونے چاندی کا زیور پسند کرتے ہیں اُن کے لیئے جنت کی اس نعمت کا ذکر کیا گیا۔ اور اہل عرب کھانے پینے کے شوقین ہیں یہاں تک کہ اہلِ عرب کے نزدیک جس کو دو وقت عمدہ کھانا مل جائے وہ منعم وخوش بخت ہے۔ ان کے لیے یہاں بُكْرَةً وَّعَشِيًّا فرمایا گیا۔

فائدے

ان آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ** انسانِ اولین نہایت مکمل اکمل خوب صورت ذی علم مہذب با اخلاق طیب صالح متقی بلکہ تکمیلِ انسانیت کی اعلیٰ شخصیات نبی اور رسول تھے۔ بد صورتی بد اخلاقی بعد کے لوگوں میں اُن کے گناہوں بد کاریوں شقاوتوں کی وجہ سے ہوئی۔ لہٰذا جو غیر مسلم سائنسدان وغیرہ اور ان کی سُنی سنائی میں چند احمق مسلمان بھی یہ کہتے پھرتے ہیں کہ پہلے انسان بندر تھا یا بندر کی ہم شکل وہ غلط اور اُس کا یہ عقیدہ کفر

ہے۔ خیال رہے کہ گناہ کی رنگت سیاہ ہے اور گناہگار فاسق گناہوں کی وجہ سے قلبی سیاہی کے بعد ظاہر میں بدصورت منحوس بدنما و بدشکل ہو جاتا ہے۔ گناہ کی رنگت کا ثبوت حدیث پاک سے ہے کہ فرمایا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حجر اسود جب جنت سے لایا گیا تو سفید تھا جب لوگوں نے اس کو چومنا اور اس پتھر تے ان کے گناہ چوسنا شروع کئے تو وہ سیاہ ہوتا چلا گیا۔ یہ فائدہ فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ۔ سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ نمازوں میں سستی غفلت اور غلطیاں کرنی سب گناہوں کی جڑ ہے یہ فائدہ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ کو سب سے پہلے ذکر کرنے سے حاصل ہوا۔ بدکاریاں اور کفریات اس کے بعد پیدا ہوتے ہیں لہٰذا ہر مسلمان کو چاہیئے کہ اپنی نماز کو ہر طرح سے بچانے کی کوشش کرے نہ اپنے اندر کسی قسم کی غلطی پیدا ہونے دے نہ فاسق فاجر بدعقیدہ امام کے پیچھے نماز پڑھے۔ تیسرا فائدہ کوئی شخص بھی اپنے اعمال پر ناز فخر غرور نہ کرے جنت جس کو بھی ملے گی نبی پاک کی محبت اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ملے گی نہ کہ اپنے عمل سے اعمالِ صالحہ تو اللہ رسول کی خوشنودی کا ذریعہ ہیں یہ فائدہ وَعَدَ الرَّحۡمٰنُ میں لفظ رحمٰن فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن ان آیات کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ مومن پر تین چیزیں واجب ہیں۔ نفرت، محبت، مشغولیت۔ ہر کفر سے نفرت۔ ایمان سے محبت عمل صالحہ میں ہر وقت مشغولیت یہ مسئلہ اِلَّا مَنۡ تَابَ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ دوسرا مسئلہ تمام مسلمانوں پر عورت ہو یا مرد یہ مذہبی دینی ایمانی فریضہ ہے کہ اپنی زندگی پاکیزہ اور مہذب بنائے فضول اور لغو باتوں بیہودہ کلام اور ہر قسم کے مکروہات سے بچنا واجب ہے یہ کفر و لغویات مسلمان پر حرام ہیں۔ ہر مسلمان کے دنیوی گھر میں بھی جنت کا ماحول و نمونہ ہونا چاہیئے۔ یہ مسئلہ لَا يَسۡمَعُوۡنَ فِيۡهَا لَغۡوًا۔ سے مستنبط۔ رب تعالیٰ نے جنت اور اہلِ جنت کی شان و توصیف بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وہاں لغو گفتگو نہ ہوگی جس سے اقتضاءً ثابت ہوا کہ لغو و لچر گفتگو بری ہے اور ہر بری چیز مسلمان پر حرام۔ بری گفتگو سے نسلوں پر برا اثر پڑتا ہے۔ تیسرا مسئلہ۔ اگر بندے کو اعمالِ صالحہ کا وقت اور توفیق یعنی ہر قسم کی سہولت ملے پھر بھی بندہ نیکی نہ کرے تو یقیناً سزاءِ اخروی کے لائق ہوگا اور ضرور سزا ملے گی کسی شفاعت پر بھروسہ نہ کر بیٹھے ضروری نہیں کہ اس کی قسمت میں شفاعت ہو لیکن اگر کسی مسلمان کو اعمالِ صالحہ کا وقت و مہلت ہی نہ ملے تو صرف ارادہ بصدق دلی ہی اخروی نجات اور دخولِ جنت کے لیے کافی ہے۔ جیسا کہ احادیث پاک سے ثابت ہے یہ مسئلہ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا کے بعد وَلَا يُظۡلَمُوۡنَ شَيۡـًٔا فرمانے سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ اِن آیت کا مقصود تو جنتِ عدن کی شان بیان کرنا چاہیئے تھا کہ اُس کی درودیوار کی شان ذکر کی جاتی صبح و شام کے کھانے کا ذکر کیوں کیا گیا؟ **جواب** ہر مکان و مقام کی سب سے بڑی خوبی یہ ہوتی ہے کہ وہاں رہنے والوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ اور انسانی تکلیف میں سب سے بڑی تکلیف بھوک پیاس کی ہوتی ہے کہ ہر تکلیف برداشت کی جا سکتی ہے مگر بھوک پیاس برداشت نہیں ہوتی گھر کتنا ہی حسین و مضبوط ہو اگر اس میں رہنے اور آنے والوں کو کھانے نہ ملے تو وہ بیکار و ویران ہے۔ گھر معمولی ہو لیکن رہنے والوں کو عمدہ اور صاف پاکیزہ تازہ اور مکمل پیٹ بھر کھانا مل جائے تو وہی شاہی محل ہے۔ کھانا پینا مہمان خانے کی بھی سب سے بڑی نشانی ہے اور مہمان کی عزت افزائی بھی اس لیئے جنت کی سب سے بڑی خوبی اور عالم فہم شان و وقار کا ذکر فرمانا عین حکمت ہے۔ اور بار بار قسم قسم کا کھانا ملنا مزید عزت افزائی ہے اسی لیے بُکْرَۃً وَّعَشِیًّا فرمایا گیا۔ **دوسرا اعتراض**۔ جنت میں صبح دوپہر، شام، رات یہ کچھ نہیں کیونکہ وہاں سورج نہیں ہے۔ یہ سب اوقات تو سورج کی وجہ سے ہیں۔ وہاں جنت میں تو ہر وقت ایک جیسا نورانی یعنی سہانی صبح کا ٹھنڈا سماں ہوتا ہے تو پھر یہ کیوں فرمایا گیا۔ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا یعنی اُن اہل جنت کے لیے اُس کے جنت میں صبح شام رزق ہے **جواب** مفسرین نے اس سوال کا جواب مختلف انداز اس طرح دیا ہے کہ بُکْرَۃً اور عَشِیًّا کا معنی یہ نہیں ہے کہ وہاں صبح اور شام حقیقتاً ہوگی بلکہ بکرۃً وعشیاً میں ہیں پانچ اقوال ہیں ۱؎ اس سے مراد اتنا وقفہ ہے جتنا وقفہ دنیا میں صبح سے شام تک ہوتا ہے اور یہ دنیا والوں کو سمجھانے کے لیے فرمایا گیا کہ وہ وقفے کا خود ہی اندازہ کر لیں ۲؎ بکرۃً وعشیاً کا ترجمہ تو صبح شام ہی ہے مگر مراد ہمیشگی ہے یعنی اُن کو ہمیشہ ہی کھانا۔ رزق ملتا رہے گا اور یہ تقریباً ہر زبان کا محاورہ ہے کہ صبح شام سے ہمیشگی مراد لی جاتی ہے مثلاً کوئی کہے میں صبح شام گھر میں رہتا ہوں تو مراد ہوتا ہے ہمیشہ رہتا ہوں ۳؎ بعض نے کہا کہ بُکْرَۃً وَّعَشِیًّا سے مراد مطلقاً وقت ہے۔ ۴؎ بعض نے کہا کہ بُکْرَۃً وَّعَشِیًّا کا معنی تو صبح شام ہی ہے مگر مراد ہے ان وقتوں جیسا کھانا۔ یعنی صبح کا کھانا ناشتہ جو عموماً ہلکا ہوتا ہے اور شام کا کھانا جو عموماً بھاری ہوتا ہے اور اپنے اپنے اعتبار سے دونوں مناسب ہوتے ہیں ۵؎ ایک قول یہ ہے جنت میں صبح شام ہوگا مگر سورج کا صبح شام نہیں بلکہ استراحت کا صبح شام جب خدام دروازے بند کیا کریں گے تو اس وقت رات کا سماں ہوگا نہ کہ حقیقی رات اور جب خدام دروازے کھولا کریں گے تو اُس سے صبح کا سماں لگے گا۔ اور ان اوقات میں جنتی لوگ آرام کیا کریں گے اور بیدار ہوں گے۔ بہر کیف اعتراض ختم ہو گیا۔ نیز یہ کھانا دو وقتہ صرف اعزازی طور پر خدام کا پیش کرنا ہے کوئی پابندی کے

پیے نہیں اس کے علاوہ بھی جب دل چاہے گا ہر جنتی جو چاہے کھا پی سکے گا۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابْ
تیسرا اعتراض۔ تارک نماز کافر ہو جاتا ہے متعدد احادیث کے علاوہ ان آیت سے بھی ثابت ہو رہا ہے کہ جو شخص نماز نہ پڑھے وہ کافر ہو جاتا ہے دیکھو یہاں اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ یعنی نماز ضائع کرنے والوں کی سزا عَذَابِ غَیًّا فرمایا گیا اور عذاب غیًّا صرف کفار کے لیے ہے ثابت ہوا کہ تارک صلوٰۃ کافر ہے نیز آگے ارشاد ہوا ہے اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ۔ یعنی جو پہلے تو نماز ضائع کرتا رہا پھر توبہ کرے اور ایمان لے آئے۔ اس سے بھی ثابت کہ تارک نماز کافر ہو جاتا ہے۔ اگر ترک نماز کفر نہیں تو پھر تجدید ایمان اور اٰمَنَ کا ذکر کیوں ہوتا۔ یعنی اگر زندگی میں ترکِ نماز سے توبہ کرے تو اٰمَنَ ضروری ہے اگر نہ کرے گا تو بعدِ موت جہنم کی وادی غیًّا میں ڈالا جائے گا (معتزلی اور وہابی) جواب۔ احادیث سے تو کہیں بھی ثابت نہیں کہ تارکِ صلوٰۃ کافر ہو جاتا ہے البتہ جن احادیث میں معتزلی فرقہ نے دھوکا کھایا اور اپنے باطل نظریئے پر استدلال کر بیٹھے وہ اُن کی کم علمی و نافہمی ہے اُن کے جوابات ہمارے فتوی العطایا جلدِ چہارم مسئلۂ سیاہ خضاب میں یا فتاویٰ رضویہ مبارکہ میں ملاحظہ فرمایئے۔ رہی یہ آیت پاک تو اس سے بھی ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا چار وجہ سے۔ اولاً اس لیے کہ یہاں صابیوں یہودیوں اور عیسائیوں کا ذکر ہو رہا ہے اور اَضَاعُوا کا معنیٰ ہے نہ ماننا انکار کرنا یعنی انبیاء سابقین مذکورین علیہم السلام کے بعد اُن کی اولاد اور امت نبی زادوں، سیدزادوں پیرزادوں اور شہزادوں نے اتنی آوارگی گمراہی اختیار کی کہ آخر کار نماز جیسی بنیادِ ایمان کا بھی انکار کر دیا۔ صابیوں نے شرک و بت پرستی کر کے یہود نے قتلِ انبیاء کر کے عیسائیوں نے کفارے کا مسئلہ بنا کر پوری شریعتِ ابراہیمی موسوی و عیسوی کا ہی انکار کر دیا۔ فرمایا جا رہا ہے کہ اُن اُمتوں کا اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ اور ترکِ نماز کفر کی وجہ سے تھا نہ کہ اُنکا کفر اَضَاعُوا کی وجہ سے یعنی کفر پہلے ترکِ نماز بعد میں اور تم لوگ کہتے ہو کہ ترکِ نماز سے کفر ہوا اور یہ کہیں ثابت نہیں۔ ثانیاً یہ کہ ترکِ نماز عمل ہے اور کفر و ایمان عقیدہ ہے عمل عقیدے کا جز نہیں ہو سکتا نہ عقیدہ عمل کا جز ہو سکے لہٰذا ترکِ نماز سے کفر نہیں ہوتا۔ دیکھو تَابَ وَاٰمَنَ کو واؤ عاطفہ نے جدا کر کے یہ ثابت فرما دیا کہ عمل و عقیدہ دو علیحدہ چیزیں ہیں تَابَ عمل ہے۔ اٰمَنَ عقیدہ ہے غرض کہ کوئی بھی بدعملی کفر نہیں ہے جب تک کہ کفر کی نیت نہ ہو جن بزرگوں نے یہاں توبہ کو ایمان میں شامل کیا ہے وہ بھی توبہ کو ایمان کی شرط بناتے ہیں نہ کہ رکن اور جز۔ ثالثاً یہ کہ یہاں تین برائیوں کا تین اچھائیوں سے استثنا فرمایا گیا ۱۔ اَضَاعُوا کے بعد جو تَابَ ہو جائے۔ ۲۔ مخالفت انبیاء کے بعد اٰمَنَ ہو جائے ۳۔ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ کے بعد عَمِلَ صَالِحًا کرے۔ پس ثابت ہوا کہ

اُن کا تعلق اَضَاعُوْا سے نہیں بلکہ مخالفتِ انبیاء علیہم السّلام سے ہے اور مخالفتِ انبیاء واقعی کفر ہے ترکِ نماز کفر نہیں اس کے لیے صرف توبہ کافی ہے۔ رابعًا یہ کہ مسلمان ہو کر اگر کوئی کافر بنے تو اُس کو شریعت میں مرتد کہتے ہیں حدیث و قرآن میں بے نمازی کو کبھی مرتد نہ کہا گیا ثابت ہوا کہ بے نمازی کافر نہیں ہو جاتا۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

تفسیر صوفیانہ

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا سیرِ اسرارِ عرفانی کے بعد ناسوتِ عالم میں ایسے اشرار باطنی عُسرتِ بدنی میں پیدا ہوئے جنہوں صلوٰۃِ حضوری اور نمازِ بارگاہِ نیازِ عجز نگاہ کو ضائع کر دیا مقامِ نفس کی وجہ سے حضوری صرف قلبِ مومن کو میسر ہوتی ہے لیکن جب بندہ صفاتِ نفس کے پردوں میں پھنس کر مقامِ قلب سے ناواقف ہو جاتا ہے تو شہوتوں کی پیروی کرتا ہے جس کی بنا پر شرارت و گمراہی کی غیاً (جہنم) میں گر پڑتا ہے۔ جتنی شہوتوں کی زیادتی ہوتی جاتی ہے اتنی ہی گمراہی زیادہ اور گمراہی کی زیادتی گناہوں کا ارتکاب ہے پھر وہ مبتلا گناہوں پر گناہ کرتا جاتا ہے حدیثِ پاک میں ہے کہ گناہ پر گناہ پہلے گناہ کا عذاب ہے۔ ہاں جو نصیب ور پہلے گناہ سے توبہ کرے اور مقامِ قلب کی طرف لوٹ آئے ایمان کی حرمت کا یقین کرے اکتسابِ فضیلت سے اعمالِ صالحہ کرے یہی لوگ انوار کی جنتِ مطلقہ ابدیہ میں داخل ہو جاتے ہیں اپنے ایمانی عرفانی ایقانی حقانی کے مدارج کے استحقاق کے مطابق درجہ بدرجہ اور حال و مقام میں کچھ ظلماً کمی نہیں کی جاتی اُن کے خلوص و عمل پر دار و مدار ہے۔ نفس و قلب و روح سے جس کا جتنا تعلق ہے اُس کا اتنا ہی حصہ اُس جنّتِ اسرار سے ہے جن کا وعدہ رحمٰن و رحیم نے اپنے بندگان طالبین شائقین عاشقین محبّین سے کیا ہے وہ رب تعالیٰ پہنچانے والا ہے اپنے بندگانِ غائبین کو اس جنت کی اصول و عموم کی نعمتوں کے جلال و جمال انوار اسرار میں توبہ کی تین قسمیں اور چھ شرطیں ہیں پہلی توبہ حقوق اللہ کی کمی سے دوسری توبہ حقوق العباد میں کوتاہی سے تیسری توبہ حقوقِ ذاتی کی بے توجہی سے پہلی شرط فوراً معصیت سے رک جائے دوم سابقہ پر ندامت و گریہ زاری کرے سوم آئندہ گناہ نہ کرنے کا پکا ارادہ کرے چہارم مظلوم سے معافی مانگے اور ظلم کا بدلہ دے پانچویں شرط منصوبہ چیز واپس کرے ششم غیبت سے بچے اور مغتابہ سے معافی مانگے کہ میں نے تیری غیبت کی تھی مجھے معاف کر دے پوشیدہ گناہ کی پوشیدہ توبہ اور ظاہر و

باہر وعلانیہ گناہ کی علانیہ توبہ ہوتی ہے۔ مومن کی توبہ یہ ہے کہ ہر گناہ کفر شرک و بدعت گمراہی سے
نفرت کرے کافر کی توبہ یہ ہے کہ اپنی خوشی سے بلا جبر تمام کفریات چھوڑ دے اسلام کو ملتے
جو بندہ رب تعالیٰ کا طالب بن جاتا ہے تو رب تعالیٰ اُس سے شہواتِ ھوای اور شہوات ھوای
یعنی شرعًا جائز ناجائز تمام خواہشات چھین لیتا ہے۔

حکایت تفسیر روح البیان میں ہے ایک دفعہ چوتھے آسمان پر دو فرشتوں کی ملاقات ہوئی
ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ آج تم نے کیا کام کیا جواباً فرشتے نے کہا کہ مجھ
کو حکم ہوا تھا کہ فلاں شہر مشرک کافر یہودی کو ایک مچھلی کی خواہش ہے وہ دریا سے پکڑ کر اُس ظالم
کو دے آؤ میں نے آج اُس کو مچھلی پہنچا دی پھر دوسرے فرشتے نے اس سے پوچھا کہ آج تم
نے کون سا کام کیا تو دوسرے نے جواباً کہا کہ زمین پر ایک عابد متقی کو ایک گھنا درخت اچھا لگا
تھا وہ اس درخت کی طرف جانے لگا تو مجھ کو حکم ہوا کہ اس درخت کو جلا دوں میں نے اُس کے
پہنچنے سے پہلے اُس درخت کو جلا دیا۔ دنیا کی محرومی آخرت کی مقبولی کی علامت ہے اور دنیا کی
مقبولی آخرت کی محرومی کا نشان لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا۔ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِیْهَا بُكْرَةً وَّعَشِیًّا۔
وہ خوش بخت طالبانِ دیدار اُس جنتِ جمالِ کشفی قلبِ مزکی میں کچھ لغویاتِ نفس نہ سن سکتے ہیں نہ
رغبت رکھتے ہیں مگر ہر چار سو عقل ضمیر شعور فہم کی سلامتی ابدی۔ ذنوب ونقائص فضول ورذائل
کے مادوں سے خالی یہی وہ عارفین ہیں جن کے لیے معارف وحکمت کے رزقِ دائمی ہیں شمسِ روح
کے وقتِ ظہور کی بکرۂ صبح میں جنتِ قلب کے اندر اور غروبِ شمس روح کے عشیًا میں جنتِ
نفس کے اندر۔ آفتابِ روح قلبِ مومن میں طلوع ہوتا ہے اس لیے وہاں بکرۂ عارفین ہے اور
نفسِ طغیانی میں شمسِ روحانی کا غروب ہے اس لیے وہ ظلماتِ بدنی کا عشیًا ہے۔ انسان چار قسم کے
ہیں ۱ انبیاءِ کرام علیہم السلام ۲ اولیاءِ عظام ۳ فاسقین ۴ کافرین۔ انبیاء علیہم السلام دنیا وآخرت
میں فرحاں وشاداں۔ اولیاء اللہ دنیا میں ترساں آخرت میں فرحاں۔ فاسقین دنیا میں فرحاں وترساں
آخرت میں ترساں کافرین دنیا میں فرحاں وشاداں آخرت میں ترساں ولرزاں قرآن قرآن کا
نام اعمالِ صالحہ ہے اس کی تفصیل وتشریح وطریقہ احادیث میں ہے۔ اس کا نقشہ ذاتِ نبوت ہے
قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے پانچ طریقے ۱ تعلّم ۲ تفقہ ۳ تذکر ۴ تدبر ۵ تفکر۔ نشانِ سابقین
خَرُّوْا سُجَّدًا ہے۔ اور نشانِ خالفین اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ ہے نشانِ سابقین بُکِیًّا ہے اور نشانِ خالفین
اِتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ ہے اعمالِ صالحہ پانچ قسم کے ہیں ۱ اہلِ بنداری ۲ دیا نتداری ۳ شرافت ۴ ہمدردی

۵ ریاضت اس کے پانچ دنیوی اور ایک اُخروی انعام ۱ عزت ۲ عظمت ۳ امامت ۴ کرامت ۵ روحانی قوت۔ اُخروی انعام لَهُمْ رِزْقُهُمْ یعنی دیدارِ الٰہی کا رزق بُكْرَةً وَّعَشِيًّا جنت کے صبح و شام ہیں دنیا میں نمازِ عاشقین ان سب کا مجموعہ ہے۔ ترکِ نماز سے دس نقصان ہوتے ہیں ۱ حقارت ۲ ذلت ۳ خسارہ ۴ حماقت ۵ خباثت ۶ رذالت ۷ بطالت ۸ کسالتِ اعمال ۹ رفاقتِ شیطانی ۱۰ ضعف ایمانی و اعتقادی۔

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا

یہ وہ جنت ہے جس کا دائمی مالک بنا دیں گے ہم اپنے عبادت گزاروں میں سے

یہ وہ باغ ہے جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے اُسے کریں گے

مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿۶۳﴾ وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ

ان کو جو متقی بنے رہے۔ اور کہا اس نے کہ نہیں نازل ہو سکتے ہم آپ کے رب تعالیٰ

جو پرہیزگار رہے۔ اور (جبریل نے محبوب سے عرض کی) ہم فرشتے نہیں اترتے مگر حضور

رَبِّكَ ۚ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا

کے حکم کے بغیر اُسی کی ملکیت ہے جو ہمارے سامنے زمانوں میں ہے اور جو ہمارے پچھلے زمانوں میں

کے رب کے حکم سے۔ اُسی کا ہے جو ہمارے آگے ہے اور جو ہمارے پیچھے

وَمَا بَيْنَ ذَٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ

اور جو اس کے بیچ زمانوں میں ہے اور نہیں ہے آپ کا رب

اور جو اُس کے درمیان۔ اور حضور کا رب بھولنے والا نہیں

نَسِيًّا ﴿٦٤﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا

بالکل بھولنے والا۔ وہ تو تمام آسمانوں اور تمام زمین اور اس تمام

نہیں۔ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ اُن کے بیچ میں ہے سب کا

بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ هَلْ

کا رب ہے جو ان دونوں کے اندر ہے لہذا آپ اس کی عبادت قائم فرما دیجئے

مالک تو اُسے پوجو اور اُس کی بندگی پر ثابت رہو کیا

تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿٦٥﴾ وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا

اور ثابت قدم بنائیے اُس کی عبادت کے لیے اور کہتا پھرتا ہے منکر انسان کہ کیا جب میں

اُس کے نام کا دوسرا جانتے ہو۔ اور آدمی کہتا ہے کیا جب میں

مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾

مرجاؤں گا تو کیا البتہ میں نکالا جاؤں گا زندہ کر کے

مرجاؤں گا تو عنقریب جِلا کر نکالا جاؤں گا

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت میں جہنم کے رہائشی وارثین کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں جنت کے وارثین کا ذکر ہو رہا ہے دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں ذکر ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے جھوٹے اور غلط نہیں ہوتے۔ ان آیت میں اللہ کے وعدے کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں کافروں غافلوں اور بدنصیبوں کی ترک عبادت کا ذکر ہوا کہ کیسے بدقسمت ہیں جو صحت و تندرستی کے باوجود اللہ کی نماز و عبادت ادا نہیں کرتے۔ اب ان آیت میں خوش قسمت بندوں کو رب تعالیٰ کی پیاری عبادت کا حکم دیا جا رہا ہے۔

شانِ نزول بخاری شریف کتاب التفسیر میں بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت جبرئیل حاضر بارگاہ ہوئے تو آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے جبرئیل تم میرے پاس جلدی جلدی اور زیادہ مرتبہ کیوں نہیں آیا کرتے۔ تو جبرئیل امین نے جو جواب عرض کیا وہ یہاں آیت ۶۴ میں ذکر ہوا اور اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ لیکن بروایت عکرمہ رضی ہے کہ ایک دفعہ چالیس دن تک جبرئیل امین نہ آئے پھر جب آئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا اور یہ آیت نازل ہوئی واللہ اعلم جبرئیل علیہ السلام بارگاہ اقدس میں کتنی دفعہ حاضر ہوئے اس کی تفصیل عالمانہ تفسیر میں ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ کچھ اور بھی روایت مختلف ہیں سب کا لب لباب ایک ہی ہے۔

تفسیر نحوی تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا۔ تِلْكَ اسم اشارہ قریبی مؤنث کے لیے ہوتا ہے، مبتدا ہے۔ اَلْجَنَّةُ موصوف مؤنث لفظی ہے الّتی اسم موصول مؤنث۔ جنّۃ لفظی کی وجہ سے ہی یہ دونوں اسم مؤنث لائے گئے نُوْرِثُ باب افعال کا فعل مضارع جمع متکلم۔ ضمیر پوشیدہ کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے وَرِثَ مثال واوی سے مشتق ہے اس کا مصدر ہے اِیْرَاث اور اِرَاثَۃ۔ بمعنی بلا عوض مالک بنانا من جارہ بعضیت کا عِبَادِ جمع ہے عبد کی بمعنی عبادت گزار لوگ مراد نیک انسان یہاں مضاف ہے نا ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی موصوف ہے مَنْ اسم موصول۔ کَانَ فعل ناقصہ ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا اسم ہے تَقِیًّا۔ اسم مفرد صفت مشبہ۔ بروزن فعیلا۔ تقویٰ سے مشتق ہے۔ بمعنی ڈرنا۔ بچنا۔ صفتا یہاں مراد ہے اللہ تعالیٰ کا خوف و خشیت رکھنا یہ خبر ہے کَانَ کی سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ انشائیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر صفت ہے عِبَادِنَا کی، وہ دونوں مجرور متعلق ہے نُوْرِثُ کا ر وہ فعل فاعل متعلق مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر صفت ہوئی اَلْجَنَّۃُ کی یہ مرکب توصیفی خبر ہے مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ۔ مَا حرف نافیہ تَتَنَزَّلُ باب تفعّل کا فعل مضارع حال صیغہ جمع متکلم افرادی یعنی حقیقی جمع نہ کہ صرف فصاحت کے لیے خیال رہے کہ صیغہ جمع متکلم خصوصی طور پر افرادی اعتبار سے دو طرح مستعمل ہے ۱ تعداد جمعیت کے لیے ۲ ایک فرد کے لیے۔ صرف فصاحت کی خوب صورتی اور حسن کی وجہ سے یہاں افراد اور جمعی تعداد کے لیے ہے اس لیے اس میں نَحْنُ پوشیدہ ضمیر کا مرجع فرد واحد نہیں بلکہ تمام ملٰئکہ مراد ہیں اگرچہ متکلم حقیقی ہمیشہ صرف ایک ہی ہوتا ہے لیکن کم بہت سے افراد کا تکلم شاذونادر ہی ہوتا ہے جیسا کہ نعرہ بازی میں

اکثر ہوتا ہے۔ یہاں واؤ ابتدائیہ کے بعد قَالَ فعل پوشیدہ ہے اس میں پوشیدہ ضمیر کا مرجع جبریل علیہ السلام ہیں جیسا کہ شانِ نزول سے واضح ہے۔ یہ سب جملہ فعلیہ منفیہ ہو کر مستثنیٰ منہ ہوا۔ اِلَّا حرفِ استثنیٰ۔ بِ جارّہ سببیہ اَمْر اسم مفرد جامد یعنی حکم مضاف رَبِّ صفاتی نام ہے اللہ تعالیٰ کا خصوصی صفت ہے اس لیے کسی اور کو کہنا جائز نہیں۔ کَ ضمیر مجرور متصل مرجع نبی کریم آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ڈبل مرکب اضافی مجرور متعلق ہے پوشیدہ فعل مضارع جمع متکلم نَتَنَزَّلُ مثبت کے وہ پوشیدہ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مستثنیٰ متصل ہوا۔ دونوں استثنا مل کر مقولہ اول ہوا قَالَ فعل پوشیدہ کا لام جارّہ ہٗ ضمیر واحد غائب کا مرجع رَبُّكَ ہے یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ ثَبَتَ کا۔ ما اسم موصول بَیْنَ اسم ظرفِ مکانی مضاف ہے۔ اَیْدِی اسم۔ جمع مکسّر اس کا واحد ہے یَدٌ۔ لغوی اور حقیقی معنی ہاتھ جسمانی۔ مجازی معنیٰ۔ قوت۔ قبضہ، قدرت۔ حکومت، قانون، پکڑ، غلبہ تصرف۔ سخاوت، عطا، ذلت، ندامت، شروع کرنا، چھوڑ دینا وغیرہ غرضکہ جس میں ہاتھ کے استعمال کا کسی طرح تعلق ہو وہیں یہ لفظ۔ استعمال ہو جاتا ہے۔ دو ہاتھوں کے درمیانی علاقے کو سامنے کی سمت کہی جاتی ہے۔ اس لیے بَیْنَ ایدی کا ترجمہ ہوا سامنے خواہ کتنا دراز ہو۔ اسی معنیٰ میں ظاہر چیز موجودہ اشیا کو بھی بَیْنَ اَیْدِیْ کہہ دیا جاتا ہے۔ یہاں یہی مراد ہے بَیْنَ مضاف ہے اَیْدِیْ کا اور اَیْدِیْ مضاف ہے نَا ضمیر کا۔ یہ ڈبل مرکب اضافی صلہ ہوا مَا کا۔ دونوں مل کر معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ مَا موصولہ خَلْفَ اسم ظرف سمتی بمعنیٰ پیچھے مراد ہے گذشتہ۔ نَا مضاف الیہ یہ مرکب صلہ ہوا دونوں مل کر پھر معطوف علیہ واؤ عاطفہ مَا موصولہ بَیْنَ اسم ظرف مکانی سمتی یعنی درمیان مضاف ہے ذَالِکَ اسم اشارہ بعیدی مضاف الیہ یہ مرکب اضافی صلہ ہوا موصول صلہ مل کر معطوف ہوا سب عطف مل کر فاعل ہے ثَبَتَ پوشیدہ فعل ماضی کا وہ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ دوم ہوا قَالَ پوشیدہ کا۔ واؤ عاطفہ کَانَ فعل ماضی ناقصہ منفی رَبُّكَ اس کا اسم ہے نَسِیًّا اسم صفت مشبہ۔ دراصل تھا نَسِیْیًا۔ نَسْیٌ سے مشتق ہے بروزنِ فَعِیْلٌ دو نوں کا آپس میں ادغام (تشدید) کر دیا یہ کَانَ کی خبر ہے۔ کَانَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر معطوف نَتَنَزَّلُ پر۔ یہ دونوں جملے مل کر مقولہ اول ہوں گے۔ اگلی عبارت ایک قول میں علیحدہ جملہ ہے۔ مگر صحیح قول میں یہ مقولہ سوم ہے اور جبریل علیہ السلام کا ہی قول ہے۔ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِیًّا۔ وَیَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَیًّا۔ لفظِ رَبّ اسم مادہ مصدر ہے جامد ہو کر مبالغہ کے لیے مستعمل ہے بمعنیٰ رَابٌّ اسم فاعل ترجمہ

ہے بہت پالنے والا۔ جب یہ اسی لغوی معنیٰ میں ہو تو خصوصی صفت ہے اللہ تعالیٰ کیونکہ بجز اللہ تعالیٰ کوئی کسی کو پال نہیں سکتا۔ اس کے مجازی معنیٰ ہیں مالک۔ محافظ کفیل مربی یعنی مربوب کے لیے اچھا یا برا ماحول بنانا۔ اسی معنیٰ میں ہے تربیت۔ مضاعف ثلاثی سے ہے نکرہ ہے یہاں مضاف ہے السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یہ دونوں عطف ہیں مضاف الیہ۔ واؤ عاطفہ مَا موصولہ بَیْنَهُمَا۔ ترجمہ ہے ان دونوں کے درمیان۔ یہ صلہ موصول عطف ہوا السَّمٰوٰت پر سب عطف مضاف الیہ ہے رَبُّ کا یہ مرکب اضافی عطف سببی ہوا فَاعْبُدْهُ پر۔ فَ عاطفہ سببیہ۔ اُعْبُدْ۔ باب نَصَرَ کا امر حاضر معروف اَنْتَ اس کا پوشیدہ فاعل مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہٗ ضمیر مفعول بہ مرجع ہے رب تعالیٰ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ۔ اِصْطَبِرْ۔ باب افتعال کا امر حاضر معروف واحد مذکر۔ صَبْرٌ سے مشتق ہے دراصل تھا اِصْتَبِرْ۔ قانونِ نحو ہے کہ جب فعل وغیرہ کا فَ کلمہ (شروع کا حرف) حروفِ طبق یعنی ہم مخرج حروف سے ہو تو افتعال کی تَ طَ سے بدل جاتی ہے۔ ص ض ط ظ یہ سب حروفِ طبق ہیں۔ ان میں تَ اجنبی تھی اس کا مخرج تھا نوک زبان ہے اور حروفِ طبق کا مخرج ذرا پیچھے ہے اس لیے اجنبیت ختم کرنے کے لیئے تَ کو طَ بنا دیا۔ کبھی کبھی یہ تَ ظ بھی بنائی جاتی ہے نیز یہ تاءِ انتقال دال بن جاتی جب فا کلمہ دال یا ذال یا زَ ہو اور یہ تَ ذال بھی بن جاتی ہے اگر افتعال کا فَ کلمہ ثَ ہو تو یہ تَ ثَ بن جاتی ہے اور کبھی کبھی کلمہ ثَ کو تَ بنا کر دونوں کا اِدغام کر دیا جاتا ہے۔ اور اگر افتعال کا فَ کلمہ سین ہو تو تَ کو سین بنا دیتا ہے۔ اس کا مصدر ہے اصطبار (اِصْتِبَارٌ) اَنْتَ پوشیدہ اس کا فاعل لام حرف جر بمعنیٰ علیٰ ترتیب یا بمعنیٰ فی ظرفیہ عِبَادَتِهٖ اس کی عبادت یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے اِصْطَبِرْ کا سب مل کر جملہ انشائیہ ہو کر معطوف ہے فَاعْبُدْ پر دونوں مل کر سبب عطف ہوا رَبُّ کا یہ سب مقولہ سوم ہوا هَلْ۔ حرفِ استفہام هَلْ کے ذریعے سوال اکثر تو تصدیقِ ایجابی کے لیئے ہوتا ہے یعنی ایسا ہو گیا۔ اور کبھی نفی کے لیے سوال ہوتا ہے جیسے یہاں اور کبھی هَلْ خبریہ ہوتا ہے بمعنیٰ قد تحقیق۔ هَلْ اگر مضارع پر داخل ہو تو اس کو حال کے معنیٰ میں ہی رکھتا ہے جیسے یہاں ہے۔ یا مضارع کو بمعنیٰ ماضی کر دیتا ہے اور جب ماضی پر داخل تو ماضی یا حال کے معنیٰ میں کر دیتا ہے۔ تَعْلَمُ۔ فعل مضارع معروف واحد مذکر حاضر۔ لَهٗ جار مجرور متعلق ہے سَمِيًّا اسم مفرد صفت مشبہ بروزن فعیل سَمِيٌّ۔ یا سُمُوٌّ سے مشتق ہے بمعنیٰ ہم نام ہمم مثل۔ اسم یا سمّی یہاں پہلے معنیٰ زیادہ مناسب ہیں۔ یہ مفعول بہ ہے تَعْلَمُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ چہارم ہوا قائل پوشیدہ اپنے سب مقولوں سے مل کر

جملہ قولیہ ہوگیا۔ واؤ سے جملہ یَقُوْلُ فعل اَلْاِنْسَانُ میں الف لام عہد خارجی انسان اسم مفرد جنسی مراد کفار فاعل ہے۔ یقول اپنے فاعل سے مل کر قول ہوا ہمزہ سوالِ انکاری کے لیے اِذَا مَا۔ حرفِ شرط ظرف زمانی ما موصول تاکید کے لیے، مِتُّ باب سَمِعَ کا ماضی مطلق واحد متکلم مَوْتٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ مرنا۔ روح اور جان مکمل نکل جانا۔ دراصل مُوِتْتُ تھا واؤ ثقیل تھا گرادیا اور تاءِ مادہ مصدر یہ اور تاءِ متکلم کا ادغام کر دیا واؤ محذوفہ کا کسرہ ماقبل میم کو دیا کیونکہ یہ باب کی نشانی ہے۔ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہوکر شرط ہوئی۔ لَسَوْفَ لام حرف تاکید الکلام کے لیے ہے یعنی سخت کفر قائم مقام فی جزائیہ سوف حرفِ تقریب۔ اُخْرَجُ۔ باب افعال کا فعل مضارع مجہول بمعنی مستقبل واحد متکلم، خُرُوْجٌ سے مشتق ہے ہمیشہ لازم ہوتا ہے افعال نے متعدی بنایا۔ اَنَا پوشیدہ ضمیر نائب فاعل ہے۔ ذوالحال ہے جیسا۔ اسم حاصل مصدر جامد۔ بمعنی زندہ۔ جاندار۔ حال ہے اَنَا ضمیر واحد متکلم پوشیدہ کا دونوں مل کر نائب فاعل اُخْرَجُ اپنے نائب فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہوکر جزا شرط و جزا مل کر مقولہ ہوا۔ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہوگیا۔

تفسیر عالمانہ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا۔ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا۔

یہ جنت جو مومن کے علم عرفان یقین ایمان عقیدے سے انتہائی قریب ہے وہی ہے جس کا مالک و وارث کر دیں گے ہم اپنے اُن عابدین صالحین تائبین مستغفرین بندوں کو جو اپنی پوری دنیوی زندگی میں اللہ سے ڈرتے گناہوں سے بچنے عبادت کے کرتے والے رہے اور متقی کا لقب حاصل کیا محققین فرماتے ہیں کہ بعد قیامت جنت تین طرح سے ملے گی۔ ۱۔ اعمالِ صالحہ اقوالِ مقبولہ کے ثواب میں ۲۔ وراثت میں روایت میں ہے ہر نیک و بد انسان کا جنت اور دوزخ میں ایک ایک مکان ہے، بعد قیامت جنتی لوگوں کا جہنم والا مکان اُس کافر کو دیدیا جائے گا جو اس کے قریب ہوگا۔ اور جہنمی کافر کا جنتی مکان اس مومن کو دیدیا جائے گا جو اس علاقہ کے قریب و متصل ہوگا یہاں نُوْرِثُ فرما کر اسی متعلق وراثت کی طرف بھی اشارہ ہے ۳۔ محض عطاءِ الٰہیہ رحمتِ رحمانیہ اور لطفِ ربانیہ سے یہ جنت نابالغ اولاد اور اُن اہلِ سعادت کو حاصل ہوگی جو فقط جنت بھرنے اور جنت کی رونق بڑھانے کے لیے پیدا کی جائیں گی جنہوں نے دنیا میں کوئی بھی نیک و بد عمل نہ کیا۔ جنت کو وراثت کہنے کی وجہ میں

مفسرین کے پانچ قول ہیں ایک یہ کہ جنت کا کچھ حصہ ان کفار کے نام تھا جو کافر ہو کر مرے اور ابدی جہنم میں گئے وہ مومن مسلمان کو منتقل کر دیا جائے گا جس طرح دنیا میں ایک مُورِث کے مرنے کے بعد اُس کا دنیوی مال وارثین کی طرف منتقل کر دیا جاتا ہے اسی طرح دوزخی کے دوزخ میں چلے جانے کے بعد اس کا حصہ جنتی کے نام منتقل ہو جائے گا گویا یہ دنیوی وراثت کے مشابہ ہے اس لیے نُورِثُ فرمایا گیا۔ دوم۔ یا اس لیے کہ جس طرح وارث اپنے مورث کے مال سے پورا پورا نفع اور فائدہ حاصل کرتا ہے اور بلا مشقت مالک بن جاتا ہے اسی طرح جنتی اپنے پورے علاقہ کا مالک اور مستفید ہوگا۔ سوم۔ یا اس لیے کہ دوام ملکیت بلا عوض ہو گی اعمال صالحہ جنت کا ثواب تو ہے مگر جنت کا عوض نہیں عوض اور ثواب میں فرق یہ ہے کہ عوض میں دوسرا مالک پہلے مالک کو کچھ دیتا ہے جس سے دوسرے کا عوض اُس کے پاس سے ختم اور پہلے مالک کی اس چیز پر ملکیت ختم۔ مگر ثواب میں یہ نہیں ہوتا۔ ثواب میں پہلے کی ملکیت ذاتی باقی رہتی ہے اور دوسرے کی ملکیت عطائی دائمی وفاکردگی قائم ہو جاتی ہے عوضی ملکیت میں مالک کو پانچ اختیار ملتے ہیں ۱۔ نفع کا ۲۔ فائدے کا ۳۔ بیچنے کا ۴۔ ہبہ کا ۵۔ وارث بنانے کا۔ مگر ثواب میں صرف دو اختیار ملتے ہیں ۱۔ نفع حاصل کرنے کا ۲۔ فائدہ لینے یا فائدہ دینے کا۔ جنت کی ملکیت ثوابی ہو گی نہ کہ عوضی۔ دنیا میں عوضی ملکیت کو خرید و فروخت کہا جاتا ہے اور ثوابی ملکیت کو نفع، جیسے کسی مکان کو کوئی مالکِ مکان اپنے دوستوں کی رہائش کے لیے وقف کر دے۔ قرآن مجید میں اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی فرماتا مجازاً ہے۔ چہارم۔ یا اس لیے نُورِثُ فرمایا گیا کہ ہر جنتی مومن اپنے جنتی مکان کا مکمل تملیک سے مالک ہوگا یہ تملیک نہ فسخ ہو نہ باطل اور نہ غلط ہو نہ بھول چوک ہو نہ رجوع ہو۔ پنجم۔ یا اس لیے کہ ملکیت ابدی ہو گی نہ کہ عارضی اس جنت میں بہت نعمتیں ہوں گی ایک یہ کہ ہر وقت جیل پہل اور رونق ہوا کرے گی جنتی ایک دوسرے سے میل ملاقات رکھا کریں گے۔ رب تعالیٰ کے حکم سے ملائکہ بھی جنتیوں کے پاس سلام کلام کے لیے آیا کریں گے۔ اور کہا کریں گے کہ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمۡرِ رَبِّکَ۔ اے محبوب بارگاہ جنتی ہم تیرے پاس اپنی مرضی سے نہیں اُترتے ہم تو تیرے رب کریم رحمن و رحیم کے حکم سے تیرے پاس تیری خبر گیری کرنے تجھے مبارک سلامت کہنے آتے ہیں ہم تو اُس رب تعالیٰ کے حکم کے پابند ہیں خواہ کوئی بھی زمانہ کوئی بھی وقت کوئی بھی حالت و کیفیت ہو لَہٗ مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡنَا اُسی اللہ کے علم حضوری اور اختیار مقدوری میں ہے جو کچھ بھی اب ہمارے سامنے زمانہ حال میں ہے یا جو آئندہ اس کے بعد ہوگا۔ یا جو ہمارے پہلے گزر گیا

اور اسی طرح جو کچھ جو زمانہ اُن ماضی و حال کے درمیان ہوتا رہا ہے، ہم بے خبر ہو سکتے ہیں بھول سکتے ہیں لیکن۔ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا۔ تیرا رب کسی شخص کے کسی عمل کی کسی کیفیت کی کسی نوعیت و حالت اور نیت و ارادے کو کسی بھی زمانے میں ذرہ بھر نہیں بھول سکتا۔ اے بندۂ مومن اُس رب تعالیٰ نے تجھ کو ازل میں ارواح میں اجسام میں دنیا میں غاروں میں صحراؤں میں روشن دونوں میں روشن وقتوں میں اندھیری راتوں میں ماضی میں حال میں مستقبل میں تیرے بچپن جوانی بڑھاپے میں تجھ کو نہ بھلایا عالمِ ارواح میں کون تیرا پُرسانِ حال کون تیرا حامی و ناصر کون تیرا سفارشی تھا کِسنے تیری سفارش کی تھی۔ بغیر کسی سفارش حمایت دعاء التجا کے ہزاروں روحوں میں سے تجھ کو اپنی اِس جنت کے لیے چُن لیا اپنے انبیاء کی اُمت اور اپنے محبوب کی غلامی کے لیے پسند فرما لیا کیا تو نے کبھی سوچا کہ بن مانگے تجھ پر تیرے رب کا کتنا بڑا کرم ہے، پھر مزید یہ کہ محض اپنے کرم سے اتنی بڑی شاندار ابدی دائمی جنت دے کر فقط تیری عظمت و شان بڑھانے کے لیے اپنے حکم سے بار بار ہم فرشتوں کو تیری رونق تیری تحیۃ تیری ملاقات کے لیے بھیجتا ہے اس کریم جَلَّ مَجْدُهٗ و تعالیٰ نے یہاں بھی تم کو نہ بھلایا اور یہ سب باتیں بذریعے قرآنِ کریم تم کو دنیا میں ہی بتا دی گئی تھیں اے بندو کیا کبھی تم نے بھی اپنے اُس خالق و مالک اور رازق رب تعالیٰ کو اس طرح اپنے ماضی حال مستقبل میں یاد کیا تھا۔ وَمَا نَتَنَزَّلُ کے بارے میں مفسرین کے سات قول ہیں (۱) ہم فرشتے جنت میں اہلِ جنت کے پاس نہیں اترتے، (۲) ہم زمین پر نہیں اترتے انبیاءِ کرام علیہم السلام کے پاس (۳) ہم اے آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نہیں اُترتے آپ کی بارگاہِ اقدس و مقدس علیہ میں مگر آپ کے رب تعالیٰ کے حکم و ارشاد سے (۴) یا ہم فرشتے بھی زمین پر نہیں آتے کوئی بھی زمانہ ہو خواہ اے پیارے آقا آپ کا یہ موجودہ زمانہ یا اُن بدبخت خلف والوں کا زمانہ ماضی خواہ اُس وقت سے ابتک کا عدالول بشارتوں کا درمیانی زمانہ ہو زمانے تین قسم کے ہیں اوّلاً قبلِ خلق یہ مَا خَلْفَنَا ہے ثانیاً۔ بعدِ خلف یہ مَا بَيْنَ ذٰلِكَ ہے ثالثاً۔ زمانۂ نبوی یہ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا ہے۔ (۵) بعض مفسرین نے فرمایا کہ ابتداءِ مخلوق سے نفخِ اوّلی تک خَلْفَنَا ہے پھر نفخِ ثانی تک چالیس سالہ زمانہ۔ مَا بَيْنَ ذٰلِكَ ہے پھر میدانِ محشر سے ابدالآباد تک مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا ہے۔ اور یہ کلام جنت میں فرشتوں کا ہے۔ (۶) لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا۔ (الخ) سے مراد زمانہ نہیں بلکہ مکان ہے اور مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا سے مراد آسمان ہیں۔ وَمَا خَلْفَنَا سے مراد زمین ہے اور وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ سے مراد درمیان آسمان و زمین تمام اشیاء

ہیں۔ لَہٗ کا معنی ہے۔ اُس کی ملکیت یا اُس کے علم یا اُس کی حکمت و قدرت میں ہے جو کچھ بھی مَا بَیْنَ اَیْدِیْنَا اور مَا خَلْفَنَا اور مَا بَیْنَ ذَالِکَ ہے کچھ بھی کوئی بھی رب تعالیٰ کی شہنشاہی سے باہر نہیں ۔ ایک قول وہی ہے جو اِن آیت کے شانِ نزول میں بیان کیا گیا کہ ایک مرتبہ جبرئیل علیہ السلام تقریباً چالیس دن تک حاضر بارگاہ نہ ہوئے پھر جب آئے تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے جبرئیل تم اتنے بہت سے دن کیوں نہ آئے تب جبرئیل امین نے جو عرض کیا اُس کا ذکر قرآنِ مجید میں فرمایا گیا۔ اور اس دیر پر کفار نے جو طعنہ بازی کی تھی اُس کا جواب وَمَا کَانَ رَبُّکَ نَسِیًّا میں دیا گیا کہ دیری بھول نہیں حکمتِ الٰہی سے ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کو نہ بھولتا ہے نہ چھوڑتا ہے۔ نہ کسی کے اعمال کو بھولتا ہے نہ ان کی سزا و جزاء نہ ثواب و عتاب کو اور وہ کیسے بھول سکتا ہے وہ تو دَیَّانُ ہے آسمانوں زمینوں کی کروڑوں مخلوق کو پالنے والا ہے۔ اگر پالنے والا پالنا بھول جائے تو پلنے والے مر جائیں۔ روایتوں میں آتا ہے کہ ۱۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام آدم علیہ السلام کے پاس صرف بارہ دفعہ وحی اور پیغامِ الٰہی لے کر حاضر ہوئے ۲۔ ادریس علیہ السلام کے پاس چار دفعہ صرف ۳۔ نوح علیہ السلام کے پاس پچاس دفعہ ۴۔ ابراہیم علیہ السلام کے پاس بیالیس دفعہ ۵۔ اسماعیل علیہ السلام کے پاس تین بار ۶۔ یعقوب علیہ السلام کے پاس پانچ دفعہ ۷۔ یوسف علیہ السلام کے پاس دو بار ۸۔ موسیٰ علیہ السلام کے پاس چار سو بار ۹۔ داؤد علیہ السلام کے پاس اکیس بار ۱۰۔ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس دس بار ۱۱۔ آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں چوبیس ہزار مرتبہ۔ یہ تمام نزول وحی اور پیغاماتِ الٰہیہ کے ساتھ ہوتے رہے۔ اور وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّکَ کے ماتحت ہی ہوتے رہے اس سوال پر جبرئیل علیہ السلام نے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرا دل تو بہت چاہتا ہے کہ آپ کی بارگاہ میں زیادہ حاضری دوں مگر ہم فرشتے اللہ تعالیٰ کے امر کے بغیر نہیں اُترتے جب وہ بھیجتا ہے تو ہم آجاتے ہیں اور جب نہیں بھیجتا تو رُکے رہتے ہیں۔ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِیًّا ۔ وَیَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَیًّا ۔

وہ تمام آسمانوں کو بھی پالنے والا ہے اور پوری روئے زمین کو بھی اور اُن تمام چیزوں کو بھی جو ان دونوں کے درمیان ہے۔ پس اے پیارے ابدی محبوب اپنے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور شکر کے سجدے محبت سے قیام کرتے ہی رہئے تاکہ آپ کے سجدہ و رکوع کے نقشے زمین و آسمان میں قائم و دائم ہو جائیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کو کائناتِ عالم میں ہمیشہ کے لیے قائم و ثابت فرما دیجئے

دنیا کے مشرک ہزارہا معبود بنائے پھرتے ہیں لیکن اے پیارے حبیب هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا تم نے ساری کائنات کو عالمِ ازل میں بھی دیکھا اور شبِ معراج کائناتِ عالمین کا ذرہ ذرہ گوشہ گوشہ دیکھا جنت دیکھی دوزخ دیکھی عرش وفرش لوح وقلم دیکھا مکان ولامکان دیکھا کیا آپ نے اللہ جَلَّ مَجْدُہٗ کی شان وکمال نام وجمال، قدرت وجلال والا کوئی بھی معبود دیکھا جس کو تم رب تعالیٰ کی مثل جان سکو تم تو اے مصطفیٰ میری ساری کائنات ہر ارضی وسماوی عرشی ولامکانی کو دیکھنے اور جاننے والے ہو جب تم کو کہیں کوئی معبود نظر نہیں آیا تو دوسرا کوئی کسی معبود کا کیسے دعویٰ کر سکتا ہے کتنا بے عقل اور بے بصیرت ہے وہ انسان جو بڑی سخت انکاری سے کہتا ہے بھلا مجھے کیا جب میں مر جاؤں گا اور ان جیسی بھربھری بوسیدہ ٹوٹی پھوٹی خاک بنی ہڈیوں کی طرح ہو جاؤں گا تو سَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا کیسے ہو سکتا ہے کہ عنقریب زندہ کر کے زمین سے حقیقتاً اسی شکل وصورت پر نکالا جاؤں یا فنا سے بقا میں مجازاً نکالا جاؤں یہ ناممکن ہے کسی کی قدرت میں یہ بات نہیں ہو سکتی دوبارہ پیدا نہ کر سکنے کا عقیدہ بنانا تکذیبِ الٰہی ہے یہاں انسان سے مراد مکے کا سردارِ کفار اُبَیّ ابن خلف جمحی ہے جو ایک دفعہ کسی مردہ انسان کی ہڈی لیے آیا اور کافروں میں بیٹھ کر بڑے غرور اور کفریہ انکار سے کہنے لگا کہ کیا اس ہڈی کو کوئی دوبارہ زندہ کر سکتا ہے بھلا یہ کوئی کر سکتا ہے (کوئی نہیں کر سکتا)

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ بھول چوک نسیان سے پاک اور منزہ ہے، تمام فرشتے بھی بھول چوک سے پاک ہیں ملائکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے نازل ہوتے اور بالکل صحیح انداز میں رب تعالیٰ کے احکام ادا فرماتے ہیں نہ لغزش کھاتے ہیں نہ بھولتے ہیں لہٰذا شیعہ رافضی لوگوں کا یہ عقیدہ باطل اور کفریہ ہے کہ معاذ اللہ جبرئیل علیہ السلام وحی لانے میں اور کلام الٰہی پہنچانے میں بھول گئے۔ اور بھول کر علی کو دینے کی بجائے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے گئے اسی طرح نبیوں کا یہ عقیدہ بھی کفریہ ہے کہ ملک الموت بھی بھول کر کسی دوسرے کی جان نکال لیتے ہیں ہم نام کی غلطی کھا کر اور اپنے ان دونوں کفریہ عقیدوں کو مضبوط بنانے کے لیے چند من گھڑت حکایتیں بھی بنا ڈالیں ہیں بہرکیف یہ سب کچھ شیعہ کذبیات میں سے ہیں اور شیعہ لوگ تقیہ کی آڑ میں جھوٹ کو ثواب سمجھتے ہیں۔ یہ فائدہ وَمَا نَتَنَزَّلُ الخ اور وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ۔ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم حضورِ اقدس محمد مصطفیٰ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہانوں کو

بخوبی اچھی طرح جانتے ہیں آپ نے کائنات کا ایک ایک گوشہ دیکھا اور ملاحظہ فرمایا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عالمین کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ یہ فائدہ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ نے آپ سے ایسا سوال فرمایا کہ اس کا صحیح جواب وہی دے سکتا ہے جس نے ساری کائنات دیکھی ہو۔ عالمِ ازل میں بھی كُنْتُ نَبِيًّا وَّ آدَمُ بَيْنَ الطِّيْنِ وَالْمَاءِ سے بھی پہلے آقائے کائنات کو رب تعالیٰ نے تمام مخلوق دکھا دی تھی اور سیر معراج میں بھی۔ ان دونوں نظاروں بہاروں کی ایک حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے تاکہ محبوب پاک دیکھ لیں اور کل اقوامِ عالم کے سامنے سچی گواہی دے سکیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کہیں بھی کوئی معبود نہیں اگر کہیں بھی کوئی دوسرا معبود ہوتا تو مجھ کو نظر آتا میں جانتا ہوتا کیونکہ مخلوق میں صرف میں ہی ہوں جس نے ساری کائنات دیکھی بھالی ہے۔ تیسرا فائدہ۔ دنیوی زندگی میں ہر مسلمان کے لیے تقویٰ اور پرہیزگاری بہت ضروری ہے بلکہ ایمان کے بعد تقویٰ اعمالِ صالحہ سے بھی زیادہ اہم ہے۔ ایمان سے انسان مومن بنتا ہے اعمالِ صالحہ سے عِبَادِنَا بنتا ہے۔ اور پرہیزگاری سے متقی بنتا ہے۔ اور متقی بنے گا تو وارثِ جنت پائے گا۔ گویا کہ ایمان ڈھانچہ ہے اور اعمالِ صالحہ اُس کی غذا اور تقویٰ اس کی کمزوریوں کا علاج ہے یا اعمالِ صالحہ دوائی ہے اور تقویٰ پرہیز ہے یہ فائدہ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا فرمانے کے بعد مَنْ كَانَ تَقِيًّا کی شرط سے حاصل ہوا۔ لہٰذا نیک محفلیں اور اچھی سچی کتابیں پڑھنا اعمالِ صالحہ ہیں۔ اور بُرے لوگوں کی بُری کتابیں نہ پڑھنا اور بری مخلوق سے بچنا تقویٰ ہے۔ کتنے ہی اچھے عمل کرے اگر بُری محفلوں بُری کتابوں سے نفرت نہیں اور بدعقیدہ لوگوں سے میل جول رکھتا ہے تو وارثِ جنّت نہ بنے گا۔ آخر کار گمراہ ہو گا۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذَالِكَ

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ۔ ہر مسلمان پر ہر حالت میں عبادتِ الٰہیہ واجب ولازم ہے۔ امیری ہو یا غریبی بیماری ہو یا تندرستی، سہولت ہو یا تنگی، ترکِ عبادت کے لیے کسی وقت کوئی بہانہ نہ چلے گا۔ یہ مسئلہ فَاعْبُدْهُ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔ اور اس سے پہلے رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فرمایا گیا جس میں اشارہ ہے کہ اے بندے جب تجھ پر اُس کی ربوبیت ہر وقت ہے تو تجھے اس کی عبادت بھی ہر ساعت لازم نیز یہ بھی اشارہ ملا کہ مومن کو چاہیئے کہ اپنا ہر کام عبادت بنائے دینی ہو یا دنیوی۔ اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ بندہ اپنے ہر کام پر سیرتِ مصطفیٰ کا نقشہ سجا لے یعنی کام بندے کا ہو اور اُس پر نقشہ و طریقہ مصطفیٰ کا ہو۔ اسی لیے فَاعْبُدْهُ مطلقاً فرمایا کسی خاص

عبادت نماز وغیرہ کا نام نہ لیا۔ دوسرا مسئلہ۔ بارگاہِ الٰہیہ میں عبادت وہی پسندیدہ اور مقبول ہے جو ہمیشہ ہو اور مقررہ وقت پر ہو۔ اگرچہ تھوڑی ہو۔ یہ مسئلہ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ سے مستنبط ہوا کبھی کری کبھی نہ کری یا کبھی سستی سے کبھی چستی سے۔ یا کبھی تھوڑی کبھی زیادہ۔ یہ بات رب تعالیٰ کو پسند نہیں ایسی عبادت مردود ہے اس لیے کہ اس میں نفسِ امارہ کا حصہ ہو جاتا ہے عبادتِ الٰہیہ تو نفسِ امارہ کو زیر اور مغلوب کرنے کا نام ہے۔ وہاں خلوص و نیت دیکھی جاتی ہے نہ کہ فقط اُٹھنا بیٹھنا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔ تیسرا مسئلہ۔ کسی شخص کا نام لیے بغیر اُس کی کسی قسم کی برائی بیان کرنا اور لوگوں کے سامنے ظاہر کرنا غیبت نہیں۔ اگرچہ لوگوں کو خود معلوم ہو جائے کہ یہ کس کی برائی ظاہر کی جا رہی ہے۔ یہ مسئلہ وَيَقُولُ الْإِنسَانُ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ لہٰذا اس انداز میں کہ نام لیے بغیر برائی بیان کر دی جائے جائز ہے۔ بلکہ بعض موقعوں پر ضروری ہے جب کہ اس برائی، بدعقیدگی سے لوگوں کو بچانا مقصود ہو۔ لیکن دیکھو رب تعالیٰ نے باوجود علیم و خبیر قادر و قیوم خالق و مالک ہونے کے پھر بھی وَيَقُولُ الْإِنسَانُ فرمایا۔ نام نہ لیا۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اور بعد کے مورخین و مفسرین کو اُس بدبخت انسان کے نام کا پتہ بھی چل گیا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراضات کیے جا سکتے ہیں۔ پہلا اعتراض یہاں فرمایا گیا تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ (الخ) ہم اپنے متقی بندوں کو اس جنت کا وارث بنا دیں گے۔ شرعی قانون میں وراثت اُس مال کا نام ہے جس کا مالک مر گیا ہو اور وہ مال بغیر عوض اس مرنے والے کے کسی شرعی قرابتدار کو مل جائے۔ جنت میں نہ کوئی پہلے مالک تھا نہ کوئی مرا اور نہ کسی کو بلا عوض جنت ملے گی بلکہ اعمالِ صالحہ کے عوض میں جنت ملے گی تو پھر یہاں نُوْرِثُ کہنا۔ کیسے درست ہوا۔ جواب۔ اس کا جواب مختصر طور پر تفسیر عالمانہ میں دیدیا گیا ہے۔ یہاں اتنا اور سمجھ لو کہ نُوْرِثُ فرمانا۔ یہاں شرعی لحاظ سے نہیں بلکہ لغوی اعتبار سے ہے یعنی بلا عوض مالک بنانا۔ جنت اعمال کے عوض میں نہیں ملے گی بلکہ اعمالِ صالحہ کے ثواب میں ملے گی عوض اور ثواب کا فرق ہم نے تفسیر میں بیان کر دیا اور یہ بھی بتا دیا گیا کہ جنت کی رہائشی ملکیت تین قسم کی ہے (۱) اعمال کے ثواب میں (۲) بغیر اعمال جیسے شیر خوارگی اور نابالغی میں فوت شدہ بچے اور مجنون و مجذوب لوگوں کو جنت کا ملنا (۳) جہنمی لوگوں کا وہ حصہ جنت جو ان کو قبر میں دکھایا جاتا ہے کہ اگر تم مومن مرتے تو تم کو یہ جنت ملتی۔ اب یہ حصہ مومن کو دیدیا جائے گا اسی طرح مومن کو اس کا جہنمی مکان قبر میں دکھایا جاتا ہے کہ اگر تو کافر مرتا تو تجھ کو یہ جگہ ملتی۔

(العیاذ باللہ)۔ اور بلا عوض ہونا مشابہ میراث ہے اس لیے یہاں۔ نُورِثُ۔ فرمانا بالکل درست ہے۔ نیز شرعی اعتبار سے ہر میراث کے لیے مرنا شرط نہیں۔ مرتد ہو کر کفرستان میں منتقل ہو جانا بھی ملکیت ختم کر دیتا ہے اور ایسے مرتد کی جائداد حکومت یا دوسرے رشتے داروں کے نام منتقل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح کوئی کافر مسلمان ہو کر ہجرت کر جائے تو وہ بھی اپنی جائداد (مکان زمین) وغیرہ کا مالک نہیں رہتا غرض کہ نقل مکانی مال کو میراث بنا دیتا ہے تو چونکہ کافر لوگ جہنم میں مستقل طور پر منتقل ہو جائیں گے اس لیے ان کا جنتی مکان و علاقہ میراث بن جائے گا لہذا نُورِثُ کہنا بالکل صحیح ہے۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا مَنْ کَانَ تَقِيًّا یعنی جنت میں صرف وہ مومن جائے گا جو متقی ہوگا اسی طرح ایک اور دوسری جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ یہ دونوں آیتیں دلالت کر رہی ہیں کہ غیر متقی یعنی فاسق فاجر اور یا فاسق فاجر تو نہ ہو مگر متقی بھی نہ ہو وہ جنت میں داخل نہ ہو سکیں۔ حالانکہ حدیث پاک میں ہے کہ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَدَخَلَ الْجَنَّةَ۔ جس نے سچے دل سے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ دیا اور اس پر ایمان لے آیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ آگے ارشادِ نبوی ہے کہ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ۔ اگرچہ وہ زنی اور چوری بھی کرتا رہا ہو دنیوی زندگی میں آیت و حدیث میں یہ تعارض کیوں ہے اس کا حل کیا ہے؟ **جواب**۔ کتاب اَسْئِلَةُ الرَّازِی میں اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں تقویٰ بمعنی بچنا نفرت کرنا ہے اور مراد ہے کفر شرک سے بچنا۔ یعنی وہ مومن مسلمان جو آئندہ تا عمر کفر شرک سے نفرت کرتا رہے۔ اور تقویٰ عَنِ الشرک کا متقی ہو کر زندگی گزارے یہاں دونوں آیت میں تقویٰ عَنِ الْفِسْق مراد نہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں صرف جنت کا داخلہ مراد نہیں بلکہ جنت کی وراثت مراد ہے یعنی جنت کا وہ علاقہ جس کے وارث کافر ہو کر مرے وہ علاقہ ان مومن مسلمانوں کو دیدیا جائے گا جو دنیا میں نیک متقی گناہگاروں اور گناہوں سے بچ کر زندگی گزارتے رہے۔ فاسقین فاجرین کو اُن مکانوں علاقوں کا وارث نہ بنایا جائے گا۔ وہ صرف اپنی جنت میں ہی رہیں گے اسی لیے یہاں نُورِثُ فرمایا گیا۔ تیسرا جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ ابتداءً جنت کا داخلہ جو رب تعالیٰ کی محبت اور شفقت و رضا و پیار بھرے سلام و رحمت کے ساتھ ہوگا وہ صرف متقی مومن کا ہوگا یہ داخلہ نُورِثُ کی شان و تکریم والا ہوگا مگر فاسقین کا جنت میں داخلہ بہت عرصے کے بعد جھڑکیں عتابوں اور جہنم کی سزا بھگتنے کے بعد ہوگا اس داخلے میں یہ شان و عزت نہ ہوگی۔ واللہ اعلم بہر کیف آیت و احادیث میں تعارض نہیں صرف سمجھنے کی کمی ہے۔ **تیسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا تِلْكَ الْجَنَّةُ۔ یہ جنت۔ حرفِ

اشارہ قریبی کیوں ارشاد ہوا۔ جنت تو قرآن وحدیث کے فرمان کے مطابق سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہے اور سدرۃ المنتہیٰ ساتوں آسمانوں سے اوپر ہے۔ جو کروڑوں اربوں میل دور اور ہزاروں سال کا فاصلہ ہے۔ اتنی دور کی جنت کے لیے تِلْکَ کیوں فرمایا گیا یہاں ذٰلِکَ فرمانا چاہیئے تھا۔ یعنی وہ جنت۔ جواب۔ اس کے جواب میں دو قول ہیں پہلا یہ کہ یہ فرمان مبارک رب تعالیٰ کی جانب سے ہے اور اس کی ذاتِ باری کے لیے کوئی چیز دور نہیں دوریں ہم بندوں کے لیے ہیں لہٰذا اس کی ذات وقدرت کے اعتبار سے ہر چیز ہی تِلْکَ ہے۔ اس لیے یہاں بھی اور دوسری دو آیت میں بھی تِلْکُمُ اور تِلْکَ کہنا عین درست ہے جوابِ دوم اس طرح ہے کہ جنت اگرچہ مقام کے لحاظ سے دور ہے مگر بندے کے یقین ایمان عقیدے کے قریب ہے اس لیے یہاں تِلْکَ فرما کر بندے کے غیبی ایمان وعقیدگی پختگی ومضبوطی کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ کہ میرے بندوں نے اگرچہ جنت دیکھی نہیں اس کی حقیقت وبناوٹ وعمارت کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ مگر میری اس غیبی خبر پر ایسا پختہ اور کامل ایمان ہے گویا ان کو جنت نظر آرہی ہے اور قریب ہی ہے۔ اس جواب کا اشارۃً ہم نے تفسیر میں ذکر کر دیا ہے۔ بعض نے اس کے جواب میں فرمایا کہ لفظِ تِلْکَ اگرچہ بعیدی اشارہ ہے مگر قریب کے لیے بھی استعمال ہو جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ۔ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ۔ یہی وہ عالمِ اسرار کی جنتِ مطلقہ ہے جس کا وارث بنائیں گے ہم وارثین متقینِ مطلقہ کو جو بندہ رذائلِ خبثیہ اور طبائعِ معاصیہ سے تقویٰ کرے گا اس کو جنتِ نفسِ مطمئنہ اور جنتِ آثار وانوار دی جائیگی جس کے پاس افعالِ کمل اور اعمالِ توکل ہوں گے اس کو جنتِ قلب دی جائیگی اور حضورِ تجلیاتِ افعال ملے گی اور جو بندہ اپنی صفات کو مقامِ قلب میں بھی بچائے گا اس کے لیے جنتِ صفات ہوگی اور جو اپنی ذات ووجود کو وادیِ فنا فی اللہ کا تقویٰ دے گا اس کے لیے جنتِ ذات ہے قلبِ مزکی کے ملاءِ اعلیٰ پر ملائکہ وانوار کا نزول بھی اسی ذاتِ واحد کے امرِ ازلی قدیمی سے ہوتا ہو۔ نزولِ ملائکہ اور اتصالِ نفس یہ دونوں عالمِ اعلیٰ کی روحِ اعلیٰ کے جوہر مناسب پر استعدادِ اصل اور صفاءِ فطری کی وجہ سے ہے اور یہ استعداد تصفیہ اور تزکیہ کی وجہ سے ہوتی ہے تزکیۂ روح فقط حصول سے نہیں ہوتا نزولِ ملائکہ تقوے سے تقویٰ ہو تو استقامت ملتی ہے اور استقامت ہو تو نزولِ ملائکہ۔ لیکن آفاکِ اثیم پر شیطانوں کا نزول ہوتا ہے جب

نزولِ ملائکہ ہو تو بندے کو صدیقِ خبیر بنا دیا جاتا ہے اور عالمِ معرفت و وادیٔ سلطنت میں اُس کو اذنِ حق اور اجازتِ امر عطا کر دی جاتی ہے یہی فیضِ عام ہے اور فیضِ غیر منقطع ہے۔ فیض کا تاخر ہمتِ توفیق سے ہے۔ جو کچھ اطوارِ جبروتِ فوقی میں ہمارے آگے ہے اور جو ملکوتِ ارضی کے اطوار میں ہمارے پیچھے ہے اور جو اُن اطوارِ جبروتی ارضی کے درمیان انوارِ ملکوتی ہیں وہ تمام اِسی ربِ کائنات کی ملکیتِ قہر و سلطنتِ جبر کے امر اور احاطۂ علمی میں ہے۔ اے طالبِ صادق تیرا رب کسی لمحے تجھ کو بھولنے والا نہیں دیری تیری طرف سے ہے نہ کہ اُس کی جانب سے بِاَمْرِ رَبِّكَ یعنی ہم مقدور ہیں اللہ کے علم میں اہلِ عزت عزت کے بالا خانوں پر سے ندا پکارتے ہیں اہلِ طبیعت تم تو توفیق مانگو اپنے رب تعالیٰ سے کیونکہ اہلِ عزت عالمِ غیب سے صرف اللہ کریم کے امرِ ازلی پر ہی نازل ہو سکتے ہیں بلا امر نہیں آ سکتے اے مرلوبِ وادیٔ ذکر تیرا رب کسی کے ذکر کا حاجت مند نہیں اور کسی کے یاد کرنے یا دلانے کا محتاج نہیں کیونکہ تیرا رب روح و بدن کے آسمانوں زمین اور اُن کے درمیان نفوس و مقرب اسرار کا مالک ہے لہٰذا ارکانِ شریعت کی عبادتِ ظاہری جسم سے کر اور آدابِ طریقت کی ریاضتِ شاقہ اپنے نفس پر وارد کر کیونکہ یہ اعمال بندے کو رب تعالیٰ سے ملتے ہیں اور ان ہی کو لے کر وہ اُس کے پاس لوٹیں گے سچا مرشد قلب ہے جو عقلِ سلیم کو مرید بنائے اور جس نے اپنے نفس کو ضبط کیا۔ امام رومی نے فرمایا۔

عقل اندر حکمِ دل یزدانی است　　　چوں زدل آزاد شد شیطانی است

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِیًّا وَیَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَیًّا وہی ہے آسمانِ روحانیت اور زمینِ جسمانیت کا ربِ قدیم اپنی تدبیر و تخصیص سے پالنے والا۔ ہر ایک کے حالات کے تقاضہ سے فیضِ ربوبیت پہنچاتا ہے اور جمیع اسماء و صفات کو پرورش فرماتا ہے لہٰذا اے سالکِ راہِ ہستی اس کی عبادت عجز و خلوص ابداً پر قائم ہو جا یہاں تک کہ تیری روح فیض قبول کرے اور نزولِ الہامِ اسرار کی ہمت پائے یہ عبادتِ سری ایک دو بار نہ ہو بلکہ دائمی ہو اور صفائیٔ باطن پر دائم ہو جا اور ہمہ وقت متوجہ ذاتِ الٰہی ہو جا کیا کوئی اور دوسری ذات کا نام تو سنتا ہے جو تیری عبادت ریاضت توجہ دائمی خلوص قائمی کا مرکز بن سکے ہرگز نہیں۔ لہٰذا متوجہ ہو اس کی طرف اور پھر عالم سے ہٹ کر پھیرے چہرہ اُس کی طرف تب تیرے مطلوب کا فیض تجھ پر پہنچے گا۔ اے عارفِ مُتَنَدی دنیا سے اعراض کر عقبیٰ سے الحاق کر اغیار سے دوری حاصل کر مولیٰ تعالیٰ کی طرف اقبال کر فلسہ سے بقا کی جلوت کر نفس سے فنا کی خلوت

اپنی روح سے سرِ خفی کی قوتِ اصطبار و استقامت پیدا کر اے طالبِ شوقِ وادیِ تجلیات کے مسافر کیا تجھ کو کہیں اس محبوب کی محبوبیت جیسا مثیل و نظیر کسی نام و صفت کہیں سننے میں آیا۔ نفس خبیث وادیِ ظلمت میں سے پکارتا وسوسے ڈالتا ہے حقائق سے جہالت کی بنا پر کہ جب صفاتِ بشریہ ذکر و فکر فاقہ و مستی حالِ زار کی تلوار سے لذات و خواہشات کی موت مر جائیں گی تو کیا پھر صفاتِ روحانیہ کی زندگی سے زندہ نکالی جائیں گی یہ کیسے ہو سکتا ہے یہ بدبخت دعویٰ کرتا ہے کہ خدا ان میں حلول کر گیا ہے۔ اہلِ معرفت پر لازم ہے کہ ایسے شیطانی دعووں قولوں کو قطعی طور پر رد کر دے کیونکہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایسی کھلی اور صاف شریعت اور عرفانی طریقت عطا فرمائی ہے جس کے ذریعہ ہر بد باطن کو درست کیا جا سکتا ہے اسی آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم بصیرت سے ہماری عقلِ سلیم بھی ہماری سچی رہنمائی کرتی ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اسماء و کمالات کو بیان کرنا جائز ہے۔ مولیٰ تعالیٰ اس بات سے پاک ہے کہ کوئی شی اس میں حلول کرے اور وہ کسی میں حلول کرے وہ ذات جل مجدہٗ اپنی تمام صفات میں بے مثل ہے بلکہ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا اس کے تمام ذاتی صفاتی نام بھی بے نظیر و بے مثل ہیں اسی بے مثل خالق نے بے مثل و بے نظیر مخلوق محمد مصطفیٰ کو پیدا فرمایا۔ اسی لیے کائنات میں نہ کوئی نظیر اللہ ہو سکتا ہے نہ کوئی نظیر احمد، اسی لیے نظیر اللہ نظیر احمد نام رکھنا منع ہے

اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ

کیا انسان کبھی نہیں سوچتا کہ بے شک ہم نے ہی شروع میں اس کو پیدا کیا

اور کیا آدمی کو یاد نہیں کہ ہم نے اس سے پہلے اُسے بنایا

وَلَمْ يَكُ شَيْـًٔا ﴿۶۷﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ

حالانکہ وہ نہیں تھا کچھ بھی پس قسم ہے آپ کے رب کی البتہ ضرور کرائیں گے ہم

اور وہ کچھ نہ تھا۔ تو تمہارے رب کی قسم ہم انہیں اور شیطانوں

وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ

ان کو اور تمام شیطانوں کو پھر ان کو جمع کریں گے ہم جہنم کے ارد گرد

سب کو گھیر لائیں گے اور انہیں دوزخ کے آس پاس حاضر کریں گے

جِثِيًّا ﴿۶۸﴾ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ

گھٹنوں کے بل۔ پھر علیحدہ چھانٹ نکالینگے ہم ہر فرقے میں سے اس کو

گھٹنوں کے بل۔ پھر ہم ہر گروہ سے نکالیں گے

اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ﴿۶۹﴾ ثُمَّ

جو زیادہ شدید ہوگا اللہ رحمن کے بارے گستاخی میں۔ پھر

جو اُن میں سے رحمٰن پر سب سے زیادہ بے باک ہوگا۔ پھر

لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا

البتہ ہم ہی خوب سمجھ لیں گے اُن کو جو زیادہ لائق ہیں اُس جہنم میں

ہم خوب جانتے ہیں جو اس آگ میں بھونے کے زیادہ لائق

صِلِيًّا ﴿۷۰﴾ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ

جلنے مرنے کے۔ اور نہیں ہے کوئی بھی تم میں سے مگر اُس جہنم کے اوپر سے گزرنیوالا ہے ہو چکی ہے

ہیں۔ اور تم میں کوئی ایسا نہیں جس کا گزر دوزخ پر نہ ہو تمہارے

عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿۷۱﴾

یہ سب کارگردگی آپ کے رب کے ذمے یقینی فیصلہ کی ہوئی

رب کے ذمے پر یہ ضرور ٹھہری ہوئی بات ہے۔

تعلقات ان آیات کریمہ کا سابقہ آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں کفار کے انکار قیامت اور موت کے بعد زندہ ہونے کے انکار کا ذکر تھا اب ان آیت میں اس کا با دلائل جواب دیا جا رہا ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں ذکر ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو بھول نہیں ہو سکتی اب ان آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرور ضرور کفار و شیاطین کو میدان محشر میں حاضر کرے گا اور جہنم میں ڈال دے گا چونکہ وہ رب جلیل بھول سے پاک ہے لہٰذا نہ کوئی مجرم بچ کر نہ بھاگ سکتا ہے نہ چھپ کے نکل سکتا ہے۔
تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں اہل جنت اور اہل جہنم کا ذکر ہوا کہ یہ علیحدہ علیحدہ سب اپنے اپنے مقامات میں داخل ہوں گے۔ ان آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ جس طرح ان کفار اور اہل ایمان کے جدائی اور تفرق کے بھی دو مقام ہیں ایک جنتیوں کے لیے جنت دوسرا جہنمیوں کے لیے جہنم اسی طرح ان سب کے اکٹھا ہونے کے بعد بھی دو مقام ہیں ایک میدان محشر دوسرا پل صراط جو جہنم کے اوپر بنا ہوا ہے۔ وہاں سے سب نے ہی گزرنا ہے۔ جنتی پار نکل جائیں گے اور جہنمی گر جائیں گے۔

تفسیر نحوی اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا۔ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا۔ اَوْ حرف عطف ہے گیارہ خصوصی ذاتی معنی اور نہ دوسرے حرفوں کے معنی میں مستعمل ہے اس کا ہمزہ (الف) ہمیشہ مفتوح ہوتا ہے مگر اس کی واؤ ساکن (مجزوم) ہوتی ہے یہ اس کی اصلی حالت ہے اور کبھی اس کی واؤ مفتوح ہوتی ہے جیسے اَوَلَا اور اَوَلَمْ۔ بحالت اَوْ یہ شک۔ ابہام (پوشیدگی) اختیار۔ جواز اور مباح اور تقسیم بیان کرنے کے لیے آتا ہے لیکن اَوَ یہ وضاحت ثبوت، تردید، انکار یا سوال کے لیے ہے۔ لَا يَذْكُرُ فعل مضارع نفی بلا حال معروف باب نصر۔ ذکر سے مشتق ہے بمعنی ذکر کرنا یاد کرنا۔ سوچنا۔ اَلْاِنْسَانُ۔ الف لام عہدی۔ انسان اسم مفرد جامد بمعنی آدمی مذکر مؤنث دونوں کے لیے ہے مگر لفظاً مذکر ہے۔ فاعل ہے۔ اَنَّا یہ دو لفظ ہیں ایک اَنَّ دوسرا نَا۔ اَنَّ حرف مشبہ اور ضمیر جمع متکلم مراد ہے واحد متکلم مرجع اللہ تعالیٰ یہ ضمیر اَنَّ کا اسم ہے خَلَقْنٰهُ۔ باب نصر کا ماضی مطلق جمع متکلم خلق سے بنا ہے بمعنی پیدا کرنا نیست سے ہست عدم سے موجود کرنا۔ نا ضمیر جمع اس کا فاعل ہے۔ ہ ضمیر واحد مذکر غائب منصوب متصل اس کا مفعول بہ ہے۔ مِنْ حرف جر

زائدہ۔ قَبْلُ اسم ظرف مبہم مرفوع اس کا مضاف الیہ محذوف منوی ہے دراصل تھا مِنْ قَبْلِہٖ۔ چونکہ مضاف الیہ پوشیدہ ہے اس لیے اس کو رفع ہی آسکتا ہے اس وقت یہ مبنی ہے اسماءِ ظروف مبہمات کل چودہ ہیں، قَبْلُ، بَعْدُ، فَوْقَ، تَحْتَ، یَمِیْنَ، یَسَارَ (شمال جنوب) خلفَ، قدامَ، عِنْدَ لَدَی، حَوْلَ، مکانَ، زمانَ، اَسْفَلَ۔ یہ جار مجرور متعلق ہے خَلَقْنَا۔ کا۔ واؤ حالیہ لَمْ یَكُ فعل مضارع نفی جحد بلم واحد مذکر غائب ناقصہ ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا اسم ہے۔ دراصل تھا یَكُوْنُ۔ حرف لَمْ نے جزم دیا نون کو تو واؤ گر گئی کیونکہ دو ساکن جمع نہیں ہو سکتے پھر ترخیم و تخفیف کے لیے نون لام کلمہ بھی گر گیا شَیْئًا، اسم مفرد جامد نکرہ بمعنی موجود۔ شئ کی چار قسمیں ہوتی ہیں ۱ قدیم ۲ جوہر (قائم بالذات) ۳ عرض (قائم بالغیر) ۴ حادث۔ یہاں حادث مراد ہے۔ بعض وہابی حضرات نے محال اور معدوم کو بھی شئ قرار دیا ہے یہ ان کی جہالت ہے اور اس آیت کے خلاف ہے۔ یہاں یہ خبر ہے لَمْ یَكُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ منفیہ خبریہ ہو کر حال ہے ہُ ضمیر بارز کا وہ ذوالحال یہ اپنے اس حال سے مل کر مفعول بہ ہے۔ خَلَقْنَا۔ سب سے مل کر خبر ہے اَنَّ کی وہ اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہ ہے لَا یَذْكُرُ سب مل کر جملہ فعلیہ سوالیہ انشائیہ ہو گیا۔ فَ بمعنی ثُمَّ تراخی کے لیے عاطفہ نہیں ہے زائدہ ہے واؤ حرف جر قسمیہ۔ خیال رہے کہ حروف قسم تین ہیں اور تینوں ہی حروف جر ہیں ۱ واؤ ۲ بَ ۳ تَ۔ ان سے پہلے فعل مضارع اُقْسِمُ واحد متکلم معروف پوشیدہ ہوتا ہے رَبِّكَ۔ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے پوشیدہ فعل اُقْسِمُ کا۔ اَنَا ضمیر اس کا پوشیدہ فاعل ہے ترجمہ ہے۔ میں قسم فرماتا ہوں تیرے رب کی۔ مرجع متکلم خود رب تعالیٰ ہے یہ فعل فاعل متعلق جملہ فعلیہ ہو کر قسم ہوا۔ لَنَحْشُرَنَّ۔ فعل مضارع مستقبل لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ جمع متکلم حَشْرٌ سے بنا ہے بمعنی جمع کرنا۔ ھُمْ ضمیر جمع غائب کا مرجع اَلنَّاسُ یہ معطوف علیہ واؤ عاطفہ جمع کے لیے یا یہ واؤ بمعنی مع ہے یعنی شیطانوں کے ساتھ الشَّیٰطِیْنَ اسم جمع سالم اس کا واحد ہے شَیْطٰن یہ معطوف دونوں مل کر مفعول بہ ہے یہ فعل تاکیدی سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہم یہ حرف عطف۔ لَنُحْضِرَنَّ لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ فعل مستقبل جمع متکلم باب افعال سے ہے اس کا مصدر ہے اِحْضَارٌ نَحْنُ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ھُمْ ضمیر مفعول بہ کا مرجع اَلنَّاسَ وَالشَّیٰطِیْنَ۔ حَوْلَ۔ اسم مفرد جامد اصل مصدر جامد بمعنی آس پاس۔ ارد گرد دائیں بائیں اور چاروں طرف، ظرف مکانی ہے زمانی بھی ہوتا ہے۔ اسی سے ہے حَوْل بمعنی سال و بارہ مہینے۔ اسی سے ہے حوالے کرنا۔ تحویل حوالات کیونکہ سال اور کسی کے حوالے کرنا بھی اس کا ہر

طرف ہو تا نگران ہوتا ہے۔ یہاں مراد ہے جہنم کے بیچ یا قریب میں مضاف ہے جہنم مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مفعول فیہ ہے۔ جِثِیًّا۔ اسم فاعل مذکر باب ضَرَبَ جَثَا یَجْثِی سے مشتق ہے وہ جَثْیٌ یا جُثُوٌّ سے مشتق ہے بمعنیٰ اوندھے منہ گھٹنوں کے بل گرنا۔ اس کا واحد مذکر ہے جَاثٍ۔ جو دراصل جَاثِوٌ تھا۔ جِثِیًّا۔ دراصل جُثُوْوٌ اور جَاثِوُوْنَ تھا۔ ث مضموم کے بعد دو واؤ ثقیل ث کو کسرہ دیا پہلی واؤ کو جر اور سکون کی وجہ سے ی بنایا اور دوسری واؤ قرب کی وجہ سے ی بن گئی اور تخفیف کے لیے دونوں کا ادغام کر دیا گیا۔ یہ حال ہے ھُمْ غیر بارز کا۔ وہ ذوالحال حال دونوں مفعول بہ ہو گئے لَنُحْضِرَنَّ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ ثُمَّ۔ حرف عطف لَنَنْزِعَنَّ باب ضَرَبَ کا مضارع مستقبل لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ جمع متکلم مرجع ہے باری تعالیٰ۔ نَزْعٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ علیحدہ کرنا نکالنا۔ روح نکلنے کو بھی حالتِ نزع اسی معنیٰ میں کہتے ہیں یہاں مراد ہے چھانٹ کرنا۔ مِنْ حرفِ جر بعضیت کے لیے کُلٌّ اسم مفرد جامد کلیت اور جمعیت بتلانے والا شِیْعَۃٌ اسم مفرد جامد واحد تثنیہ جمع مذکر مؤنث سب پر بولا جاتا ہے لغوی معنیٰ بکھرنا۔ انتشار ڈالنا اصطلاحاً علیحدہ فرقے اور گروہ ٹولے کو شیعہ کہا جاتا ہے۔ خواہ اچھا ٹولا ہو یا برا۔ اس کی جمع ہے اَشْیَاعٌ اور شِیَعٌ اسم نکرہ ہے یہ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے۔ اَیٌّ اسم معرب استفہامی مذکر۔ یہاں موصولہ ہے یا ایک قول میں سوالِ تعیین (مقرر و مخصوص کرنے) کے لیے اس کا مؤنث ہے اَیَّۃٌ یہ شرطیہ بھی ہوتا ہے موصولہ اور کبھی موصوفہ بھی۔ مضاف ہے ھُمْ مضاف الیہ مرکب اضافی مبتدا۔ اَشَدُّ۔ اسم تفضیل مذکر۔ شَدٌّ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ سخت۔ شدید مراد ہے سخت کفر والا۔ ھُوَ ضمیر مذکر اس میں پوشیدہ اس کا فاعل اس کا مرجع اَیٌّ ہے علیٰ حرف جر بمعنیٰ لیے۔ (یا سے میں) رحمٰن مجرور یہ جار مجرور متعلق ہے اَشَدُّ کا عِتِیًّا اسم فاعل جمع مذکر دراصل عُتُوْوٌ تھا۔ اس کی تعلیل بالکل جِثِیًّا کی طرح ہے لغوی ترجمہ سخت بوڑھا ہونا۔ سٹھیا جانا۔ اصطلاح میں سرکش ضدی گستاخ ہونا۔ یہاں یہی مراد ہے۔ یہ تمیز ہے اَشَدُّ کے فاعل پوشیدہ ھُوَ ضمیر کا۔ اَشَدُّ سب سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر اَیُّھُمْ مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہ ہے لَنَنْزِعَنَّ کا وہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف۔ تینوں ثم کے عطف مل کر جواب قسم ہوا۔ قسم اپنے جواب سے مل کر جملہ قسمیہ ہو گیا۔

ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِیْنَ هُمْ اَوْلٰی بِهَا صِلِیًّا۔ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰی رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِیًّا۔

ثُمَّ حرفِ عطف بمعنیٰ واؤ استینافیہ (ابتدائیہ) ترجمہ ہے۔ ان سب باتوں کے علاوہ۔ لام کے تاکیدی نَحْنُ اسم ضمیر جمع متکلم مرفوع منفصل مبتدا ہے اَعْلَمُ اسم تفضیل مذکر واحد باب فَتَحَ سے

اَلَّذِیْنَ۔ اسم موصول جمع مذکر ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مرفوع منفصل مبتداء ہے۔ اَوْلٰی اسم تفضیل واحد مذکر۔ وَلِیٌّ سے مشتق ہے بابِ ضَرَب سے ہے بمعنی قریب ہونا۔ ترجمہ ہے زیادہ قریب یعنی زیادہ لائق زیادہ مناسب۔ بِ حرفِ جر تعدیہ کا ھَا ضمیر غائب کا مرجع جہنم ہے یہ جار مجرور متعلق ہے اَوْلٰی کا اس کا فاعل ھُوَ پوشیدہ ہے۔ صِلِیًّا۔ اسم مفرد مصدر صَلِیٌّ سے تغیر کر کے صِلِیًّا کیا گیا بمعنی داخل کرنا، داخل ہونا۔ کرنا، ڈالنا بھوننا ایک قول میں یہ اسم فاعل ہے بابِ نصر۔ سَمِعَ۔ اس کا واحد مذکر صَالٍ اور صَالِیٌ ہے اس کی تعلیل بالکل مندرجہ بالا جِثِیًّا اور عِتِیًّا کی طرح ہے مگر یہاں مصدر ہی مناسب ہے یہ تمیز ہے اولی کے پوشیدہ فاعل کا دوسرے قول کے مطابق یہ مبنول مشتقات جِثِیًّا عِتِیًّا صِلِیًّا۔ ناقص یائی دراصل جاثی عاتی صالی تھے اولی سب سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا وہ دونوں جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہوا اَلَّذِیْنَ کا۔ وہ دونوں مجرور متعلق ہے اَعْلَمُ کا۔ اَعْلَمُ جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے نَحْنُ مبتدا کی سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ واؤ ہر جملہ اِنْ۔ حرفِ نافیہ اکثر اِلَّا اور لَمَّا سے پہلے جو اِنْ ہو وہ نافیہ ہوتا ہے اس کے علاوہ اِنْ کی کل چار قسمیں ہیں ۱ اِنْ حرفِ نافیہ۔ جیسے یہاں ۲ اِن مخففہ حرفِ مشبہ ۳ اِنْ حرفِ تاکید ۴ اِنْ شرطیہ اس حرف کا استعمال زیادہ ہے۔ اِنْ ہمیشہ کسی اسم یا فعل سے پہلے ہوتا ہے یہ حرف پر داخل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا یہاں مِنْکُمْ سے پہلے اَحَدٌ پوشیدہ مانا گیا۔ اَحَدٌ پوشیدہ مبتداء مِنْکُمْ۔ جار مجرور متعلق ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ اسم مفعول کا مَوْجُوْدٌ متعلق اور نائب فاعل ھُوَ پوشیدہ سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ مستثنیٰ منہٗ ہوا۔ اِلَّا حرفِ استثنا، وَارِدٌ بابِ ضَرَبَ کا اسم فاعل واحد مذکر یہ اسم فاعل مضاف ھُوَ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل ھَا ضمیر اس کا ظرف یا مفعول فیہ مضاف الیہ۔ یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مستثنیٰ ہوا۔ دونوں مل کر جملہ استثنائیہ اسمیہ ہو گیا۔ کَانَ فعل ماضی ناقصہ ھُوَ پوشیدہ اس کا اسم اس کا مرجع وَارِدٌ کا مصدر وُرُوْدٌ ہے عَلٰی یہ سب جار مجرور متعلق ہے کَانَ کا حَتْمًا۔ اسم مفرد نکرہ جامد ہے بمعنی الیقینی ناقابل تنسیخ۔ واجب لازم یہاں سب معنی مناسب ہیں یہ خبر اول ہے کَانَ کی مَقْضِیًّا بابِ ضَرَبَ کا اسم مفعول واحد مذکر قَضٰی ناقص یائی سے مشتق ہے بمعنی فیصلہ کرنا۔ آخری بات کہنا آخری کام یہاں پہلے معنی مراد ہیں دراصل تھا مَقْضُوْیٌ۔ واؤ ثقیل کو یٰ بنایا ماقبل کو یٰ کی وجہ سے کسرہ دیا دونوں یٰ کا ادغام کر دیا یہ خبر دوم ہے۔ کَانَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو گیا

تفسیر عالمانہ

اَوَلَا یَذْکُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ یَكُ شَیْئًا فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّیٰطِیْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِیًّا۔ ثُمَّ

لَنَنۡزِعَنَّ مِنۡ كُلِّ شِيۡعَةٍ اَيُّهُمۡ اَشَدُّ عَلَى الرَّحۡمٰنِ عِتِيًّا ۔ کیا یہ انسان حکم تفکر و تدبر سے اس حقیقت میں غور و فکر نہیں کرتا کہ بے شک ہم نے اس کو اس سے پہلے پیدا کیا اور اس کی ہر چیز نطفہ مضغہ لوتھڑا گوشت پوست ہڈی ایجاد کر دی اور نیست سے ہست عدم سے وجود پیدا کر دیا خلقت سے ایجاد آسان ہوتی ہے اور ایجاد سے مثل بہت آسان اور مثل سے نقل نقل سے ترکیب بہت ہی آسان کیا احمق ہے کہ اپنے اعضاء متفرقہ کے دوبارہ جوڑنے پر حیران اور منکر ہے ہڈیوں کو زندہ کرنا اور ان پر گوشت اور گوشت پر پوست چڑھانا آسان ہے خاک و نار باد و آب عناصر اربعہ سے جرثومہ اور جرثومے سے جراثیم اور جراثیم سے نطفہ اور نطفے سے یہ لحیم شحیم موٹا چوڑا عقل و دل نطق و کلام والا انسان بنانا اور زندہ کرنے سے قیامت پر یہ ایسی دلیل ہے کہ بجز رب تعالیٰ کوئی نہیں بیان فرما سکتا کیونکہ قیامت میں ذات مع صفات کا اعادہ اور تکرار خلقت ہے اور تغیر ذات فی اطوار صفات سے زیادہ مشکل ہے ہر صانع اور کاریگر اس کو سمجھتا ہے اس لیے کہ پہلی صنعت ذہن کاریگر میں مکمل منقش و محفوظ نہیں رہ سکتی یہ قدرت صرف خالق تعالیٰ کو ہی ہے کہ مخلوق کچھ بھی تو نہ تھی جس کو اس خلاق نے پیدا کیا۔ اشیاء عالم کے موجد تو ہزاروں ہیں مگر خالق و خدا لاشریک یہ ہی ہے اسی لیے خالق کسی کو نہیں کہا جا سکتا۔ نہ ہی کسی شخص کے کسی کام کو تخلیق کہا جا سکتا ہے جو ایسا کہے وہ جاہل و گمراہ یا مشرک ہے لے محبوب کائنات تیرے رب کی قسم البتہ یقیناً ضرور ضرور یہ تقدیر مبرم ہے کہ ہم ان منکرین قیامت کو محشر میں جمع کر دیں گے اور ان کے تمام ساتھیوں شیطانوں کو ایک ساتھ ہی جکڑ جکڑا کر حاضر کر دیں گے اس میدان قیامت میں کہ قرب نظارہ میں وہ سب دوزخ کے آس پاس ہی بھڑکتی دہکتی جہنم کو میدان محشر سے ہی ایسا دیکھیں گے جیسے قریب ہی ہے اور تمام ان منکرین شیطانوں انسانوں کو ان کے اپنے اپنے جسموں شکلوں کے ساتھ گھٹنوں کے بل کھڑا کیا جائے گا۔ یا وہ خود مارے ہیبت و دہشت کے خود نہ کھڑے ہو سکیں گے بس گھٹنوں تک ہی اٹھیں گے انسان اپنی انسانی دنیوی شکل پر ہوں گے اور شیطان اپنی جناتی شکل پر ہوں گے تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکیں شیطان تو سب کو پہچانے ہیں گے مگر انسان آپس میں ایک دوسرے کو فَوَرَبِّكَ میں فا سببیہ ہے کیونکہ قیامت کا انکار سبب ہے شیاطین کے ساتھ حشر ہونے کا ہر انسان اپنے اپنے اُس شیطن یا اُس لیڈر سردار کفر کے ساتھ جکڑا ہوگا جو دنیا میں اس کو ورغلاتا اور کافر بناتا تھا۔ یہاں اپنی ذات کی قسم فرمانا عظمت و اجل کی جھڑک کے لیے ہے اور

قسم کی نسبت آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنا شان محبوبیت کے اظہار کے لیے ہے اور یہ بتانا ہے کہ اب اسی محبوب کا دامن محشر کی ہولناکی و جہنم کے عذاب سے بچا سکتا ہے یہ ذلت آمیز حشر صرف منکرین قیامت کفار کا ہوگا۔ جِثِیًّا کے معنی ہیں تین قول ہیں۔ ۱ گھٹنوں کے بل یہی درست ہے اعلیٰ حضرت نے اسی کو اختیار فرمایا ۲ جماعتیں ۳ بعض نے فرمایا کہ جثیا کا معنی ہے مٹی پتھروں کا مجموعہ مراد ہے ڈھیر کی طرح گرے پڑے ہوں گے یہاں تین جگہ ثُمَّ ارشاد ہوا۔ اور تین جگہ تراخی کے لیے نہیں بلکہ بمعنی ف ہے یعنی صرف تعقیب کے لیے مراد ہے فوراً بعد بعض نے فرمایا ہر جگہ ثُمَّ اپنے معنی میں ہے تراخی کے لیے یعنی کچھ دیر بعد وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔ ثُمَّ سے یہ وضاحت ہوتی ہے کہ حشر و حساب و کتاب کے بعد جہنم کی حاضری ہوگی ہر نیک و بد کو تین بار جنت و جہنم دکھائی جاتی ہے پہلے قبر میں پھر میدان محشر میں پھر پل صراط پر۔ قیامت میں کفار کا حشر پانچ قسم کا ہوگا پہلا حشر قبروں سے دوم میدان محشر میں اجتماع شیطانوں کے ساتھ سوم حساب و کتاب کی حاضری۔ چہارم کفار میں سے کفار کی چھانٹ جس کا ذکر ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ میں ہوا پنجم دخول جہنم۔ بعض نے کہا کہ حول جہنم کا نظارہ سب مومن و کافر کو ہوگا۔ اور یہ نظارہ جہنم سے باہر رہ کر دور میدان محشر میں سے ہوگا مومنین اس نظارے سے شکر و سرور حاصل کریں گے کہ یا اللہ تیرا کرم ہے کہ تو نے ہم کو اس جہنم سے بچا لیا۔ اور کافر روئیں گے تڑپیں گے۔ اس حشر نشر حساب و کتاب اور حول جہنم جثیا کے بعد ثُمَّ۔ لَنَنْزِعَنَّ پھر ہم ان کافروں میں سے چھانٹ کریں گے اور چن چن کر ہر کفریہ گروہ اور ٹولوں فرقوں شیعوں میں ان بڑے بڑے کافروں کو علیحدہ کریں گے جو اپنے اللہ رحمٰن رحیم نہایت مہربان کی بارگاہ میں بہت بڑا گستاخ گمراہ۔ گمراہ کرنے والا۔ حد سے بڑھنے والا۔ متکبر۔ مغرور۔ لیڈر رئیس۔ سردار۔ بے باک۔ بے غیرت۔ جرأت کرنے والا سخت کافر۔ نافرمان اور افترا کرنے جھوٹ بولنے والا دنیا میں بنا پھرتا تھا۔ کفر کی ملت ایک ہے مگر کفر کے شیعہ یعنی گروہ بہت ہیں ۱ محبت کے کافر جیسے عیسیٰ علیہ السلام کی محبت میں عیسائی کافر ہوئے اور مولیٰ علی کی محبت میں روافض کافر ہوئے نہج البلاغہ جلد دوم صلا میں مولیٰ علی شیر خدا نے فرمایا کہ

سَیَھْلِكُ فِیَّ صِنْفَانِ مُحِبٌّ مُفْرِطٌ یَذْھَبُ بِہِ الْحُبُّ اِلٰی غَیْرِ الْحَقِّ وَ مُبْغِضٌ مُفْرِطٌ یَذْھَبُ بِہِ الْبُغْضُ اِلٰی غَیْرِ الْحَقِّ ۔ یعنی مولیٰ علی نے فرمایا کہ میرے بارے میں دو قومیں ہلاک ہوں گی گمراہی کی محبت والا اور گمراہی کے بغض و عناد اور دشمنی والا۔ محبت بھی باطل کی طرف لے جاتی ہے اور دشمنی بھی

۲ دشمنی کے کافر جیسے یہودی، اور خارجی ۳ عمل کے کافر ۴ عقیدے کے کافر ۵ قولی کافر ۶ نیت دلی کافر۔ ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِیْنَ هُمْ اَوْلٰی بِهَا صِلِیًّا وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰی رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِیًّا پھر اس نزع اور چھانٹ وعلیحدگی کے بعد البتہ ہم ہی زیادہ جاننے والے ہیں اُن کافروں گستاخوں کو اور سمجھ لیں گے (چھانٹ لیں گے) ہم اُن سے ترتیب، سے پہلے جہنم کی آگ میں جلائے جانے ڈالے اور پھینکے جاتے کے قابل ہیں۔ یعنی وہ جلنے کے لائق در لائق ہیں یا ان کا آگ سے جلنا ہی زیادہ مناسب ہے۔ یہاں ثُمَّ اپنے معنی میں بھی ہو سکتا ہے یعنی تراخی کے لیے کہ جہنم کی حاضری کے بہت بعد عذاب صِلِیًّا ہوگا اور ثُمَّ بمعنی ف تعقیبیہ بھی ہو سکتا ہے کہ جہنم میں دخول کے فوراً بعد۔ اَعْلَمُ بمعنی عَلِیْم ہے کیونکہ یہ علم خاص اللہ تعالیٰ کو ہے بعض نے کہا کہ فرشتے کراماً کاتبین بھی اور دیگر ملائکہ بھی فاسق وفاجر۔ مومن متقی سعید وشقی کو جانتے ہیں مگر اَوْلٰی بِهَا صِلِیًّا کو صرف رب تعالیٰ ہی جانتا ہے (روح ادی منظہری) اور اے کائناتِ انسانیت کے تمام انسانو خوب سن لو سمجھ لو اور آج دنیا میں ہی اپنا سنبھالا کر لو تم سب نیک و بد مومن وکافر سعید وشقی جنتی وجہنمی میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو اُس جہنم کا وارد نہ ہو۔ ایک قول میں مِنْكُمْ سے صرف کفار مراد ہیں کیونکہ آیت ۵۹ سے کفار ہی کا ذکر چلا آ رہا ہے مگر بعزمانِ احادیث پہلا قول درست ہے اور وُرود سے مراد پُل صراط سے گزرنا ہے حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ پُل صراط وہ پُل ہے جو میدانِ محشر سے جنت تک ہے اِس کے نیچے جہنم ہے گویا یہ پُل جہنم کے اوپر بنا ہوا ہے جہنم کو عبور کرنے کے لیے اس پُل کے آس پاس دو طرفہ تین قسم کے کانٹے ہیں ۱ خطاطیف۔ یہ بالکل سیدھے ہیں اُن فاسقین کے لیے جن کو شفاعت نہ ملی اُن کو یہ کانٹے چبھیں گے اور وہ فساق درد سے بلبلا کر پُل سے نیچے جہنم میں گر پڑیں گے ۲ کلالیب۔ یہ کانٹے کتے کے منہ اور دانتوں کی طرح ٹیڑھے ہیں صرف کفار کے لیے یہ کافر کو پکڑ کر جہنم میں جبراً پھینکے گے ۳ حسکۃ یہ کانٹے بالکل سیدھے ہیں صرف کمزور ایمان ناقص اعمال والوں کے لیے یہ کانٹے الجھا دینگے جس سے اُن لوگوں کا گزرنا مشکل اور آہستہ ہوگا مگر بچ جائیں گے ہر شخص اس پُل صراط سے گزرے گا اولیاء علماء بجلی کی طرح گزریں گے عام متقی ہوا کی طرح مومنین صالحین تیز رفتار گھوڑے کی طرح عام مسلمان تیز رفتار مرد کی طرف پھر کامیاب لوگ بھاگتے پیدل کی طرح پھر کمزور ایمان واعمال والے گرتے پڑتے۔ فاسقین پھسل کر گر پڑیں گے کافرین اُلجھ کر گر جائیں گے۔ وَارِدُهَا سے مراد ہے مرورِ جہنم ۲ یا دخولِ جہنم۔

ما۳ یا حضورِ جہنم، مسند احمد حنبل میں، بروایت جابر بن عبد اللہ ہے کہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وُرُود سے مراد دخول ہے اور مومن و کافر سب جہنم میں داخل ہوں گے مومن پر آگ بَرْدًا وَّ سَلَامًا ہو جائیگی۔ جیسے کہ ابراہیم علیہ السلام پر زمین کی آگ بردًا و سلامًا ہو گئی تھی۔ وُرُود کے معنی میں تین قول ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد مرور یعنی گزرنا ہے ما۲ مراد دخول ہے ما۳ مراد ہے جہنم کے قریب ہونا۔ زیادہ صحیح یہ ہے کہ وُرُود بمعنی دخول ہے نہ کہ مرور کیونکہ دخول کے لئے لازم نکلنا نہیں ہو گا مگر فاسقین سزا بھگت کر اور کفار کبھی بھی نہیں نکل سکیں گے او۱ ابدًا اسی دوزخ میں ایک قول میں ورود بمعنی عبور مومن کے لیے اور بمعنی دخول کافر کے لئے اور بمعنی مرور فاسقین کے لئے لیے صالحین دوزخ سے مُبْعَدُوْنَ اور لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ہوں گے مومنین نُنَجِّی الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ہوں گے تفسیر تنویر المقباس میں ہے وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا میں انبیاء کرام علیہم السلام شامل نہیں نہ مرور علی الصراط میں نہ دخول میں نہ عبور میں ان کے لئے جنت میں جانے کا سرکاری راستہ علیحدہ ہے جب لوگ پل صراط پر سے گزرنے لگیں گے تو تمام انبیاء عظام پل کے اس پار پہلے کنارے پر کھڑے ہوں گے اور فرشتے و انبیاء کرام علیہم السلام رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ کی دعائیں مانگتے ہوں گے اور آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پل کے اُس پار دوسرے کنارے پر بطور پیشوا کھڑے ہوں گے اور سَلِّمْ سَلِّمْ کی دعائیں بارگاہِ ربوبیت میں عرض کریں گے۔ خیال رہے کہ پل صراط پر اور جہنم میں سخت اندھیرا ہو گا۔ اُس وقت روشنی صرف اعمال صالحہ کی ہو گی کسی کی روشنی چاند جیسی کسی کی ستاروں جیسی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ قیامت کے یہ فیصلے لَنَحْشُرَنَّ۔ لَنُحْضِرَنَّ۔ لَنَنْزِعَنَّ۔ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا۔ اِلَّا وَارِدُهَا یہ سب کے سب كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا۔ اے پیارے حبیب آپ کے رب کے ذمہ تقدیر مُبْرَم ہے جو کسی کے بھی کہنے سننے دعا و فریاد التجاء و انکسار سے نہیں ٹل سکتی۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ پر واجب اور فرض ہے کہ وہ اپنے فیصلوں پر قانون پر عمل کرے اور دلیل اس بات سے پکڑتے ہیں کہ یہاں عَلٰى وجوب کے لیئے ہے۔ مگر یہ عقیدہ و استدلال غلط ہے اللہ جل شانہ پر کوئی چیز واجب یا لازم نہیں ہے۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا تعلق جب مخلوق سے ہے مگر ذکر کرے میں اللہ تعالیٰ کی صفات کی نسبت ہمیشہ اچھی چیز کی طرف کرنا چاہیئے یہ فائدہ فَوَرَبِّكَ ارشاد فرمانے سے حاصل ہوا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا رب اور پالنے والا ہے مگر خود بار تعالیٰ نے [illegible] کی نسبت ہمیشہ اچھی چیز کی طرف

نسبت اپنے پیارے حبیب کریم کی طرف فرمائی آئندہ تمام جنات انسان ملائکہ کو بھی سکھانے کے لیے دوسرا فائدہ اسی ہی فَوَرَبِّکَ کے اِرشادِ مقدس سے یہ فائدہ بھی حاصل ہوا کہ بارگاہِ الٰہیہ میں تمام مخلوق سے اَفضَل اَعلیٰ بَالَا وَاَوْلیٰ اَکرَمْ اَکمَلْ بے مثل صرف اور صرف آقائِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ رب جَلَّ وَعَلیٰ نے اپنی عظیم قسم کے لیے اپنے حبیب کی نسبت کو اختیار فرمایا۔ تیسرا فائدہ دنیوی زندگی میں نیک لوگوں کی سنگت محفل مجلس اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے جس کو یہ میسر آجائے وہ خوش قسمت ہے اور انتہائی بدقسمت وہ انسان ہے جس کو برے اور شیطان لوگوں کی یاری دوستی محفل نصیب ہوئی کل قیامت میں بدوں کی دوستی سخت ذلت کا باعث ہوگی یہ فائدہ وَالشَّیٰطِیْن میں واوٗ بمعنیٰ مَعَ ارشاد فرمانے اور اس کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن اِن آیاتِ پاک سے چند فقہی مسئلے مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ تمام اہل سنت حنفی شافعی مالکی حنبلی اَئمّہ کا مسلک ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں نہ کوئی فرض سے دنیا و آخرت کے تمام فیصلے اُس کے کرم کریمانہ اور حکمتِ قدیمانہ کے ذمہ پر منحصر ہیں یہ مسئلہ کَانَ عَلیٰ رَبِّکَ حَتْماً مَّقْضِیّاً کی تفسیر اور اعلیٰ حضرت کے تفسیری ترجمہ سے مستنبط ہوا۔ تفسیر نیشاپوری اور تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ یہ باطل نظریہ اور کفریہ مسلک معتزلہ فرقے کا ہے وہ کہتے ہیں کہ معاذ اللہ مجرمین کو سزا دینا اللہ تعالیٰ پر شرعی واجب ہے۔ گویا کہ ان ظالموں نے اللہ تعالیٰ کو بھی شریعت کا مکلف مان لیا۔ اسی طرح بعض دیوبندیوں وہابیوں نے بھی اس آیت میں عَلیٰ کو وجوب کا مان کر معتزلہ کے کفریہ عقیدے کی تائید کردی۔ دوسرا مسئلہ اللہ تعالیٰ نے دو قسم کی تقدیریں پیدا فرمائیں ایک تقدیرِ مُبْرَم دوم تقدیرِ معلّق۔ تقدیرِ مبرم کبھی نہیں ٹل سکتی کسی کی دعا سے بھی نہیں بدلتی خواہ کوئی شخص کسی بھی مرتبے اور مقام پر ہو بلکہ انبیاءِ کرام علیہم السلام اور خاص اولیاءُ اللہ کو اس کے بدلنے کی دعا مانگنے سے بھی منع فرما دیا جاتا ہے۔ بعض بزرگوں نے لکھا ہے کہ غوثِ پاک عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ میں تقدیرِ مُبرم کو بدل سکتا ہوں۔ یہ قطعاً غلط ہے غوثِ اعظم کے اس قول کا کہیں ثبوت نہیں۔ بلکہ ایسا کہنا غوثِ اعظمؓ پر افتراء ہے۔ جو سراسر گناہ ہے۔ یہ مسئلہ حَتْماً مَّقْضِیّاً سے مستنبط ہوا۔ تیسرا مسئلہ انسانیت آدمیت شخصیت جسم اور بدن کا نام ہے موت اور زندگی بھی فقط جسم پر وارد ہوتی ہے یہ مسئلہ لَمْ یَکُ شَیْئاً فرمانے سے مستنبط کہ دیکھو روحیں عالمِ ارواح میں کروڑوں سال پہلے سے تھیں اس کے باوجود فرمایا گیا لَمْ یَکُ شَیْئاً [illegible] موجود مگر انسانیت

کو فنا ثابت ہوا کہ جسم کی فنا انسانیت کی فنا اور موت ہے

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض** جب مومنین کو جہنم کا عذاب ہی نہیں اور جیسا کہ مفسرین فرماتے ہیں کہ جہنم کی آگ اہل ایمان پر ٹھنڈی ہو جائیں گی بلکہ خود جہنم پکارے گی کہ اے مومن تیرے نور نے میری آگ بجھا دی تو پھر مومنین کو جہنم میں داخل کرنے کا مقصد کیا ہے۔ بادیُ النظر میں کیا یہ کام عبث نہیں لگتا؟ **جواب** بقول بعض صحیح تر قول یہ ہے کہ دخولِ جہنم نہ ہوگا بلکہ بذریعہ پُل صراط مرور یا عبور جہنم ہوگا اور عبور کے وقت جہنم پکارے گی کہ اے مومن تیرے نورِ اعمال سے میرے شعلے ماند پڑ رہے ہیں۔ تو جلدی گزر جا۔ لیکن جن مفسرین نے دخولِ جہنم کا فرمایا وہ اِس سوال کا جواب دیتے ہیں کہ پانچ وجہ سے اہلِ ایمان کا دخولِ جہنم ہوگا۔ ایک یہ کہ جہنم کی سختی کا اندازہ لگالیں اور آنکھوں دیکھے حال کے بعد نجات کی قدر اور اللہ تعالیٰ کے کرم کا سرور زیادہ ہو دوم یہ کہ جب مومنین کو نکالا جائے تو کفار کی رسوائی اور مایوسی زیادہ ہوگی سوم یہ کہ جس طرح دنیا میں کفار اہل ایمان غربا فقرا کا مذاق اڑاتے تھے اسی طرح آج اِن کو کافروں کا مذاق اڑانے کا موقع ملے چہارم یہ کہ مومنین کو جنت کے دخول کی لذت وقدر زیادہ ہو۔ پنجم یہ کہ جنت قریب ہے آسمانوں کے اور جہنم نیچے ہے زمین کے اور جہنم گزرگاہ ہے جنت کی اس لیے سب لوگ گزر کر ہی جنت میں جائیں گے۔ **دوسرا اعتراض** ۔ یہاں فرمایا گیا اَوَ لَا یَذْکُرُ الْاِنْسَانُ۔ اس جگہ اَلْاِنْسَانُ کہنا زائد ہے صرف اَوَلَا یَذْکُرُ ہونا چاہیئے تھا کہ یَذْکُرُ کے فاعل کا مرجع یَقُوْلُ الْاِنْسَانُ والا اِنْسَانُ ہے اب فاعل دوبارہ ظاہر کرنا بیکار اور زائد ہے۔ **جواب**۔ تکرارِ فاعل سے اُس قول کی اہمیت اور قائل انسان کی حماقت بتانا ہے اور اگلے مضمون کو سمجھانا مقصود ہے تکرارِ فاعل سے مضمونِ کلام مضبوط ہو جاتا ہے بتایا یہ جا رہا ہے کہ کافر انسان کا تعقل تفکر کتنا ناقص ہے کہ جو بات ذرا سے تعقل سے سمجھ آجاتی ہے وہ اِس کے شعور میں نہیں آتی۔ **تیسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ۔ جس کا ترجمہ ہے پھر ہم زیادہ جاننے والے ہوں گے یہ ترجمہ ثم حرفِ تراخی کی وجہ سے ہوا ہے تراخی میں بعدیت ہوتی ہے اور بعدیت میں زمانہ مستقبل ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ کے علم کو مستقبل سے منسوب کرنا حال وماضی کی نفی کرنا ہے۔ تو گویا اِس آیت سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ نَحْنُ اَعْلَمُ پہلے نہیں ہے۔ یعنی ہم آئندہ زیادہ جاننے والے ہوں گے تو کیا رب تعالیٰ اب کم جاننے والا ہے کیا ابھی اُس کا پورا علم

نہیں ہے (معاذاللہ) جواب۔ خیال رہے کہ پہلے زمانوں میں ایک فرقہ معتزلہ پیدا ہوا تھا جن کے ایسے کچھ نشانات آج کل وہابیوں کے عقائد میں پائے جاتے ہیں ان کا ہی یہ عقیدہ تھا کہ رب تعالیٰ کو بعض اشیاء کا علم بعد میں ہوتا ہے۔ اس کفریہ عقیدے کو ایک دیوبندی وہابی کتاب بلغۃ الحیران میں بھی خاموش تائید کے ساتھ لکھا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں اَعْلَمُ کنایہ ہے۔ لَنَعْذِبَنَّ کا۔ یعنی ہم اپنے علم قدیمی کا مطابق کفار میں سے اُن کافروں کے استحقاق کو زیادہ جانتے والے ہیں جن کا جہنم میں پہلے ڈالے جاتے اور آگ میں جلائے جاتے کا فیصلہ پھر لَنَنْزِعَنَّ کے بعد ہوگا۔ یہ ثُمَّ اَعْلَمُ کی تراخی کے لیے نہیں ہے بلکہ عَذَابِ صِلِیًّا کے تراخی کے لیے ہے **چوتھا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِیًّا۔ وہ کفار جہنم کے آس پاس گھٹنوں کے بل کھڑے ہوں گے یہ اُن کی ذلت کی طرف اشارہ ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حالت مومن کی نہ ہوگی۔ مگر ایک دوسری آیت میں ہے وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً یعنی قیامت میں ہر اُمت گھٹنوں کے بل ہوگی۔ تو پھر یہ کفار کی ہی ذلت نہ ہوئی ہر مومن کافر کی ہوئی۔ اور یا پھر یہ ذلت نہ ہوگی بلکہ **معذوری** ہوگی جو سب کو لاحق ہوگی۔ **جواب**۔ اس کے دو جواب ہیں پہلا یہ کہ دوسری آیت میں كُلَّ اُمَّةٍ سے مراد بھی صرف کفار ہی ہیں یعنی کفار کی پوری امت کل بمعنی ہر نہیں بلکہ پوری سے مراد ہے کہ ہر قسم کا کافر قیامت میں جاثیہ ہوگا نہ کہ مومن۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ہر مومن کافر ہیبت سے کانپتے ہوئے اٹھ نہ سکے گا گھٹنوں سے اونچا نہ کھڑا ہوگا۔ مومنین کو ہیبت الٰہی اور کفار کو دہشت جہنم ہوگی۔ **پانچواں اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا کہ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ (الخ) یعنی مشرکین کا قول ولدیت کا عقیدہ اتنا سخت شرک ہے کہ اس سے پہاڑ گر پڑیں ٹکڑے ہو کر زمین پھٹ جائے پہاڑ ریزہ ہو جائیں جس سے ثابت ہوا کہ یہ شرکیہ کلمات بہت سخت ہیں مگر ایک جگہ سورۃ ابراہیم میں ہے کہ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ نِاجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ۔ یعنی شرکیہ کفریہ کلمات خبیثہ اتنے کمزور ہیں جیسے کمزور چھوٹے چھوٹے درخت جڑی بوٹیاں جن کو ثبات و قرار نہیں ہوتا۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ شرکیہ عقائد و اقوال میں کوئی قوت نہیں اور یہاں آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ شرکیہ اقوال میں اتنی قوت ہے کہ اُن سے آسمان زمین پھٹ پڑیں۔ یہ تعارض کیوں ہے۔ **جواب** یہاں تَخِرُّ الْجِبَالُ وغیرہ ارشاد فرمانے میں قوت ثابت نہیں ہوتی بلکہ قباحت اور نفرت و برائی ثابت ہوتی ہے اور سورۃ ابراہیم کی آیت میں کمزوری

ثابت ہوتی لہٰذا آیت میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ یہاں بتایا جا رہا ہے کہ شرکیہ عقیدہ جو یہود و نصاریٰ اور کفارِ عرب نے بنا لیا وہ انتہائی بُرا قابلِ نفرت ہے اور وہاں بتایا گیا کہ شرکیہ کفر بہ باتیں انتہائی کمزور ہیں۔ **چھٹا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا۔ بیٹے بنا لینے کے کفریہ شرکیہ عقیدے سے پہاڑ زمین آسمان کو ٹوٹ پڑنے کے قریب کر دیتے ہیں۔ یہ کیوں فرمایا گیا۔؟ اِن کلماتِ شرک سے جمادات کو کیا اثر ہو سکتا ہے؟ **جواب**۔ اس کے تین جواب دیئے گئے ہیں ایک یہ کہ یہ فطرِ آسمانی اِنشقاقِ اَرضی اور خرورِ جبالی فعلِ باری تعالیٰ کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی اگر صفتِ حلم کا تقاضہ نہ ہوتا تو زمین والوں کے اس شرکیہ عقیدے پر سزا دیتے ہوئے اسی دنیا میں ہی آسمانوں زمینوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جاتا۔ **دوسرا جواب** یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ کے حلم و حکمت اور تقدیرِ ازلی کا سہارا نہ ملتا تو یہ پہاڑ زمین آسمان تھرا کر ٹوٹ پھوٹ جاتے یعنی کلماتِ شرکیہ خبیثہ اِتنے سخت دھماکہ خیز ہیں کہ ان کی دھمک سے زمین و آسمان میں زلزلہ آجاتا۔ **سوم** یہ بھی کہا گیا ہے کہ جمادات بھی دنیا کی اچھی بری بات کا اثر قبول کرتے ہیں۔ اَحادیث و روایات میں اس کے بہت سے ثبوت ہیں مثلاً مسجد آباد ہو تو اہلِ بستی کو دعائیں دیتی ہے۔ ویران و بے آباد مسجد بد دعائیں دیتی ہے وغیرہ وغیرہ مولانا روم اِن ہی روایات سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں

نطقِ آب و نطقِ خاک و نطقِ گِل   ہست محسوس از حواسِ اہلِ دل

زمین و آسمان پہاڑ و اور دریا جنگل و بیابان کا کسی بات سے اثر قبول کرنا تو معمولی بات ہے یہ چیزیں تو باتیں بھی کرتی ہیں جن کو صرف اہلِ دل محسوس کرتے اور سنتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ اَوَلَا یَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ یَكُ شَیْــٴًـا ۔ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّیٰطِیْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِیًّا ۔ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِیْعَةٍ اَیُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِیًّا کیا اِنسان نے یہ بھی نہیں سمجھا کہ وہ اپنی ولادت کے ظہور سے پہلے عالمِ شہادت میں نہ محسوس تھا نہ کسی شمار میں اس لیے کہ وجودِ عینی ازل میں قبل پیدائش لاوُجود کی مثل تھا ترکیب و مجموعے کی حقیقت کچھ حیثیت نہ معلوم ہوتی تھی کوئی چرچہ کوئی چربہ کوئی نقل و نشان نہ تھا لیکن ہم نے اپنی قدرتِ قدیمی سے اتنا بڑا فرشتوں سے اشرف بجسم و بخیم دانا بینا پیدا کر دیا۔ اے محبوب قلب تیرے رب کی قسم حشر برپا کر دیں گے وادیِ نفسانیت میں اُن بدنصیبوں پر جو حیاتِ دنیوی میں محجوبین تجلیات ہیں اور منکرین بعثت حیاتِ ابدی، خروی میں اُن شیاطین کے ساتھ جنہوں نے اِن نفوسِ بد باطن کو منزلِ عرفانی سے اَغویٰ اور حق کی راہ معرفت

سے گمراہ کیا ہے اس لیے کہ نفوس مجوبین کدورتِ رذیلہ اور انوار سے دوری میں نفوسِ شیاطین کی ہم مثل ہیں اس لیے حشرِ باطنی و قہرِ خفی اور عذابِ محرومی بھی ساتھ ہونا لازمی ہے یہ دنیا میں عیش وعیاشی کو نبھانے والے عمل واعتقاد میں بھی ساتھ رہے لہٰذا عذاب وعتاب میں بھی ساتھ رہیں گے پھر ہم ان سب کو عالمِ سفلی کی حول جہنمِ طبعی میں لاکھڑا کریں گے اس لیے کہ وہ دنیا میں حیوانی حیرانی غواشی ظلمات کے پردوں میں رہے اور ظلمانی گناہوں کی وجہ سے کثافتِ خبیثہ کی زنجیروں اور تارِ سجین کے ھیکلوں سے جثیاً یعنی گھٹنوں کے بل بے قوت جکڑے ہوں گے کیونکہ دنیاءِ ناسوت میں اُن کے دل ٹیڑھے تھے تو جہنمِ فراق کے ھیکلوں میں اُن کے اجسام ٹیڑھے ہوں گے کہ پھر کبھی قیامِ فساد کی طاقت نہ رکھیں گے۔ پھر ہم ارواحِ خبیثہ اور بارگاہِ رحم سے محرومین اور نارِ فانی میں جلتے مرنے کے پہلے سے زیادہ مستحقین کو چھانٹ لیں گے ہم ناسوتِ انسانی کے ساتھ ایک ہم زاد قرینِ شیطانی کو عالمِ تقدیر میں جمع کرنے والے ہیں پھر ان سب قرین ومقرون لعین وملعون حزین ومحزون کو حاضر کر دیں گے ہم جہنمِ قہر اور نارِ طبیعت کے قریب آس پاس کچھ گمراہ لوگ اپنی شیطانی عقل کی چال بازی سے کہیں سے کچھ باطنی کلماتِ غیبوبیہ سُن لیتے ہیں پھر اُن کو اپنی قوتِ فکر سے ترتیب دے کر ان باتوں کو اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور عوام بیوقوفوں سے کہتے پھرتے ہیں کہ ہم اللہ سے ہمکلام ہوتے ایسے بد بخت لوگ یا تو اپنے نفس اور اس کی باتوں سے ناواقف ہوتے ہیں اور رب تعالیٰ کی ہمکلامی سے بھی یا وہ سب غلط بیانیوں کو سمجھتے تو ہیں مگر نفسانی خواہشات یہ مکر چلانے پر اُن کو مجبور کرتی ہے مگر یہ سب گمراہ ہے ایسوں سے بچنا لازم ہے۔ ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِیْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِیًّا۔ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِیًّا۔ پھر ہم ہی ان کو اور ان کے انجامِ فنا کو زیادہ جاننے والے ہیں۔ اے ناسوتِ ظلمت کے رہائشیوں تم سب ہی عالمِ طبعی کی وادیِ مکافاتِ عمل سے گزرنے والے ہو۔ عالمِ طبعی عالمِ قدس کا مجاز ہے جس نفس نے اپنی روح کے وعدہ اَلَسْتُ کو توڑ کر روحانی بُعد اور جدائی پائی اور فنا کی موت میں قدم رکھا وہ پُلِ صراطِ خیر وشر پر ضرور گزرے گا۔ یہ فیصلہ قدیمی حَتْمًا مَّقْضِیًّا و تقدیرِ مبرم ہو چکا ہے اور اے عالمِ ناسوت سے منتقل ہو کر عالمِ جبروت میں آنے والے تم میں سے کوئی بھی ایسا مسعود ومحروم، مقبول ومردود نہیں جو اپنے قدومِ طبیعت سے اس وادیِ ھَوٰی پر سے نہ گزرے یہ گزرنا سب پر مُبْرَم ہے اس لیے اُس خلاقِ کائنات کی حکمتِ ازلیہ نے تناصفہ فرمایا اور ارادہ کیا اس قسم کی مخلوق کا جو مرکب ہو علوی وسفلی صفات سے۔ اہلِ معرفت کے نزدیک جہنم صورتِ نفسِ امارہ ہے تمام اولیا علما صلحاء فساق

وکفار کا نفسِ امّارہ پر وُرُود واسطہ ہے اور نفسِ امّارہ میں خواہشاتِ نار ہے قدمِ طبیعت سے حادثہ نفس پر اُن سب کا وُرود ہے، جب دنیا میں بندے کا عمل بُرا ہو تو آخرت میں رب تعالیٰ کا عمل بھی اُن کے ساتھ بُرا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے فعل اور اختیار کے مقابلے میں انہیں کوئی اختیار حاصل نہیں بندوں کو صرف اُن کی حیاۃِ دنیوی کا عملی اختیار ہے آخرت میں یہ بھی نہ ہوگا۔ اسی دنیوی اختیار کی وجہ سے بندے گناہوں نفسانی خواہشوں میں اپنے آپ کو ڈھیلا چھوڑ دیتے ہیں اس یہی وہ نکمے اور غافل ہو جاتے ہیں اور آخرت کے قانون وشرعی احکام حلال وحرام کی پابندی نہیں کرتے حدیثِ پاک میں ہے کہ بارگاہِ جمالِ قدس میں وہی بندے محبوب ہیں جو لوگوں کو رب تعالیٰ کی محبت میں ہمہ تن وہمہ وقت سرشار کر دیں اور محبوب وعاشق بنانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں یہی خیر خواہی ہے اور یہی سچی عبادت وپاکیزہ زندگی ہے حدیثِ قدسی میں ارشاد ہے کہ جب بندے پر میرا کام غالب آجاتا ہے تو میں اُس کی توجہ اور لذت اپنے ذکرِ لذیذ پر مرکوز کر دیتا ہوں اور جب اس کی توجہ ولذت کا مرکز میرا ذکر بن جاتا ہے تو وہ میرا عاشق ہو جاتا ہے اور میں بھی اس سے محبت کرتا ہوں اُس وقت درمیانی سب حجابات اٹھا دیتا ہوں۔ یہی بندۂ عارف کی نمازِ معراج ہوتی ہے۔ ایسا بندہ کبھی غافل نہیں ہوتا یہی لوگ عالمِ ازلی کے خزانہ ہیں انہیں کے طفیل دنیا کے غافلوں سے عذاب دور کیا جاتا ہے۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ۔

ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِينَ

پھر بچالے جائیں گے ہم اُن گزرنے والوں کو جو متقی بنے رہے اور پھینک چھوڑیں گے ہم تمام ظالموں کو

پھر ہم ڈروالوں کو بچالیں گے اور ظالموں کو اس میں چھوڑ دیں گے

فِيهَا جِثِيًّا ﴿۷۲﴾ وَإِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا

اس جہنم میں گھٹنوں کے بل۔ اور جب کبھی تلاوت کی گئیں ان کے سامنے ہماری آیتیں

گھٹنوں کے بل گرے۔ اور جب اُن پر ہماری روشن آیتیں پڑھی جاتی

بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۙ

کھول کر اُن لوگوں نے جو کافر تھے ان لوگوں سے جو مومن ہوئے

ہیں کافر مسلمانوں سے کہتے ہیں

اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ

کہ (غور کرلو) ہم دونوں گروہوں میں سے کون اچھا ہے رہائش کے اعتبار سے اور خوبصورت

کون سے گروہ کا مکان اچھا اور مجلس

نَدِيًّا ﴿۷۳﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ

رونق والا ہے محفلوں کے اعتبار سے اور کتنی ہی پوری پوری بستیوں کو ہلاک کر دیا ہم نے ان

بہتر ہے ۔ اور ہم نے ان سے پہلے کتنی سنگتیں کھپا دیں

هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا ﴿۷۴﴾ قُلْ مَنْ كَانَ

پہلے ایسے علاقوں سے جو زیادہ خوب صورت تھے سامان اور ظاہری دکھلاوے میں۔ فرما دو کہ جو شخص

کہ وہ ان سے بھی سامان اور نمود میں بہتر تھے ۔ تم فرماؤ جو

فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ

رہے گمراہی میں تو اللہ رحمٰن اس کو ڈھیل ہی دیتا رہے لمبی ڈھیل دینا

گمراہی میں ہو تو اسے رحمٰن خوب ڈھیل دے

حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ

یہاں تک کہ جب یہ لوگ دیکھیں اس کو جس کی وجہ سے یہ وعیدیں سنائے جا رہے ہیں یا دنیوی عذاب

یہاں تک کہ جب وہ دیکھیں وہ چیز جس کا انہیں وعدہ دیا جاتا ہے یا تو عذاب

وَاِمَّا السَّاعَةَ ؕ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ

یا موت کے بعد کی ساعتیں تو وہ عنقریب بہت جلدی جان جائیں گے کہ کون ہوا خراب

یا قیامت تو اب جانیں گے کہ کس کا بڑا درجہ

مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ﴿۷۵﴾

جگہ اور سب سے کمزور جتھے والا

ہے اور کس کی فوج کمزور

تعلقات ان آیات پاک سے سابقہ آیات مبارکہ کا چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت میں ہر انسان نیک و بد کا جہنم کے پل کے اوپر سے گزرنے کا ذکر ہوا تھا۔ اب ان آیات میں لوگوں کے چھانٹے جانے کا ذکر ہے کہ اہل ایمان متقیوں کو پار اتار کر بچا لینے کا ذکر ہے اور مجرموں کے پل پر سے نیچے گھٹنوں کے بل گر پڑنے کا ذکر ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں کفار کے شیعوں اور فرقوں کا ذکر ہوا اب ان آیت میں کافر بننے کا طریقہ بیان کیا جا رہا ہے کہ کس طرح اچھا خاصا انسان کافر بن جاتا ہے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں کافر شیعوں اور گروہوں کا ذکر ہوا اب بتایا جا رہا ہے کہ دنیا میں کوئی گروہ یقینی زبان سے نہیں کہتا کہ ہم برے دین پر ہوں سب اپنے آپ کو سب سے اچھا ہی سمجھتے ہیں مگر عنقریب بروز قیامت جان لیں گے اور پھر پچھتائیں گے جب پچھتانا کام نہ آئے گا۔

تفسیر نحوی ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا۔

ثُمَّ حرف عطف۔ علماء نحو ان آیت کی ترکیب میں فرماتے ہیں کہ فَوَرَبِّكَ سے ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ الخ آیت ۷۲ تک سب جملے عطف کی لڑی میں منسلک ہیں نُنَجِّي۔ باب تفعیل کا فعل مضارع مستقبل حروف جمع متکلم نجی ناقص یائی سے بنا ہے اس کا مصدر ہے تَنْجِيَةً۔ تَنْجِيَةٌ بمعنی نجات دینا بچا لینا متکلم کی ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے۔ اَلَّذِيْنَ اسم موصول جمع مذکر اِتَّقَوْا باب افتعال کا ماضی مطلق معروف جمع مذکر حاضر تَقْوٰى سے مشتق ہے دراصل تھا اِتَّقَوُوْا پھر تعلیل کر کے مادہ مصدر کی اصلی پہلی واؤ کو ی

بنا یا اُنْقُبُوْا ہوا پھر یٰ پر ضمہ ثقیل ہوا تو یٰ کو گرا دیا اور قاف کا فتحہ بحال رکھا تا کہ صیغہ امر کی ملابست نہ ہو ھُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہوکر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر مفعول یہ ہے نُنَجِّی کا وہ سب جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر معطوف علیہ واؤ عاطفہ نَذَرُ باب سَمِعَ کا فعل مضارع مستقبل جمع متکلم وَذَرٌ سے مشتق ہے دراصل تھا نَوْذَرُ واؤ ثقیل کو گرا دیا گیا بمعنی حقارت اور نفرت سے چھوڑ دینا پڑا رہنے دینا۔ توجہ نہ کرتی اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر جمع متکلم اَلظّٰلِمِیْنَ۔ اسم جمع مذکر سالم اس کا واحد ہے ظَالِمٌ۔ باب ضَرَبَ سے ہے ظُلْمٌ سے مشتق ہے بمعنی نقصان کرنا یہاں مراد ہے کفر کرنا اس میں الف لام استغراقی یعنی تمام ظالم (کافر) یہ ذوالحال ہے جِثِیًّا اس کا حال ہے معنی ہے گھٹنوں کے بل یا بمعنی جمیعًا جُثُوٌّ سے بنا ہے جُثُوٌّ تھا۔ دونوں مل کر مفعول یہ نَذَرُ کا فِیْ جارہ ظرفیہ مکانیہ ھَا ضمیر واحد مؤنث کا مرجع جہنم یہ جار مجرور متعلق نَذَرُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہوکر معطوف ہوا یہ دونوں مل کر سابقہ عطف سے مل گیا۔ واؤ بَرجملہ اِذَا حرفِ ظرفیہ زمانی شرطیہ۔ تُتْلٰی۔ باب نَصَرَ کا فعل مضارع مجہول واحد مؤنث غائب تَلْوٌ سے مشتق ہے بمعنی پڑھنا دیکھ کر یا حفظ سمجھ کر یا بلا سمجھے ہر وہ عبارت جس کو احترام ادب اور اطاعت کے لیے پڑھا یا پڑھ کر سنایا جائے اس پڑھنے کو عربی میں تلاوت کہتے ہیں وہ عبارت خواہ دینی ہو یا دنیوی اچھی ہو یا بری مذہبی حکم ہو یا بادشاہی۔ یہ لغوی معنی آیہ سورۃ بقرہ میں ہے۔۔ مَا تَتْلُوا الشَّیٰطِیْنُ میں یہی لغوی معنی ہیں لیکن اصطلاح شریعت میں صرف قرآنِ مجید یا پہلے زمانوں میں توریت زبور انجیل وغیرہ کتب آسمانیہ کے پڑھنے کو تلاوت کہا جاتا ہے۔ مطلقًا پڑھنے کو عربی میں قرأت کہا جاتا ہے تلاوت اور قرأت میں نسبت عام خاص مطلق ہے۔ عربی میں نسبتیں چار قسم کی ہیں ۱ نسبتِ تساوی ۲ نسبتِ تباین ۳ نسبتِ عام خاص مطلق ۴ نسبتِ عام خاص من وجہ عَلَیْہِمْ۔ عَلٰی حرفِ جر بمعنی عِنْدَ ھُمْ ضمیر کا مرجع اَلنَّاس استغراق۔ یہ جار مجرور متعلق ہے تُتْلٰی کا اٰیٰتُنَا ہماری آیتیں۔ یہ مرکب اضافی نائب فاعل ذوالحال ہے بَیِّنٰتٍ اسم جمع مؤنث سالم اس کا واحد مؤنث ہے بَیِّنَۃٌ اور مذکر ہے بَیِّنٌ صفت مشبہ ہے بروزنِ فَعِیْلٌ شَرِفٌ بمعنی ۱ عقلًا ظاہر چیز ۲ محسوسًا ظاہر چیز مراد ہے عقلی دلیل اور محسوسی دلیل جو قرآنِ مجید کی طرزِ بیانی سے ظاہر ہوں خواہ عبارۃُ النص ہو یا دلالۃً یا اقتضاءً اشارۃُ النص ہو یہ بحالتِ فتحہ ہے حال ہے اٰیٰتُنَا کا یا حال ہے تِلَاوَۃٌ مصدر کا۔ اعلیٰ حضرت کے ترجمہ میں پہلی ترکیب ہے اور ہمارے ترجمہ میں دوسری ترکیب ہے۔ دونوں مل کر نائب فاعل ہوا۔ تُتْلٰی سب سے مل کر جملہ انشائیہ فعلیہ ہوکر ظرفی شرط ہوا۔ قَالَ فعل ماضی مطلق۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر کَفَرُوْا فعل ماضی جمع مذکر غائب ھُمْ پوشیدہ ضمیر اس کا

فاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر صلہ ہیں اَلَّذِیْنَ موصول اپنے صلہ سے مل کر فاعل ہوا قَالَ کا۔ لام حرف جر متعدی مفعول بنانے والا۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول اٰمَنُوْا فعل بافاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر مجرور ہوا جارہ مجرور متعلق ہے قَالَ اپنے فاعل اور اِس متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ اَیُّ اسم استفہامی مضاف ہے اَلْفَرِیْقَیْنِ اسم تثنیہ مراد ہیں دنیا کے دو بڑے گروہ مسلمان اور کافر مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مبتدا ہوا۔ خَیْرٌ اسم حاصل مصدر ضمیر ہے مَقَامًا اسم ظرف مذکر باب نَصَرَ سے دراصل تھا مَقْوَمًا۔ واؤ پر فتحہ (زبر) بوجھل تھا لہٰذا ماقبل قَ کو دیا اب واؤ پہلے مرکب ماقبل اَب مفتوح لہٰذا واؤ کو الف سے بدل دیا۔ یہ تمیز ہے خَیْرٌ کی یہ دونوں مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَحْسَنُ اسم تفضیل واحد مذکر ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ممیّز ہے۔ نَدِیًّا۔ اسم صفت مشبہ بروزن فعیل دراصل تھا نَدِیْ یٌ۔ نَدْیٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ پکارنا بلانا۔ مبالغہ کے طور پر مجلس اور محفل کو کہتے ہیں کیونکہ اُس میں ایک دوسرے کو پکارنے والے بہت ہوتے ہیں مراد ہے چار یاری کی رونقی محفلیں۔ اسی سے ہے مُنَادِی۔ نُدْوِیٌ۔ اِس کی جمع اَنْدَاءٌ۔ اَنْدِیَۃٌ ہے یہ تمیز ہے ھُوَ پوشیدہ ممیز اپنی اس تمیز سے مل کر فاعل ہوا اَحْسَنُ سب سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہوا خَیْرٌ کا دونوں مل کر خبر مبتدا۔ اَیُّ مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ ہوا قول مقولہ مل کر جزاء مظروفی ہوئی دونوں مل کر جملہ ظرفیہ شرطیہ ہو گیا۔ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا۔

واؤ سیر جملہ۔ کَمْ۔ مقداری اسم خبریہ۔ بمعنیٰ بہت سی خیال رہے کہ کَمْ ہمیشہ تمیز ہوتا ہے اور دو قسم کا ہے ۱۔ کَمْ سوالیہ یہ مقدار و کیفیت کا سوال کرتا ہے ۲۔ کَمْ خبریہ۔ یہ مقدار کی خبر دیتا ہے معین یا غیر معین یہاں غیر معین مقدار کی خبر ہے۔ کم سوالیہ کی تمیز اسم منصوب ہوتا ہے کبھی ظاہر کبھی پوشیدہ کَمْ خبریہ کی تمیز ہمیشہ اسم مجرور ہوتا ہے مِنْ جارّہ سے۔ یہ تمیز کبھی ظاہر ہوتی ہے کبھی پوشیدہ ایسے ہی اس کا مِنْ کبھی ظاہر کبھی پوشیدہ۔ یہاں تمیز پوشیدہ ہے۔ دراصل تھا کَمْ قَرْیَۃٍ اَهْلَكْنَا۔ کم ممیز اس کی تمیز قَرْیَۃٍ پوشیدہ ممیز بتمیز مل کر مفعول بہ مقدم ہوا۔ اَهْلَكْنَا۔ باب افعال کا ماضی مطلق معروف جمع متکلم قَبْلَ اسم ظرف زمانی مضاف ہے هُمْ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب ظرف ہوا۔ مِنْ حرف جر بعضیتہ کا۔ قَرْنٍ اسم مفرد لفظی معنیٰ جمع اس لیے اس کی صفت هُمْ ضمیر جمع آئی۔ هُمْ مبتدا۔ اَحْسَنُ اسم تفضیل مذکر ھُوَ پوشیدہ اس کا فاعل جس کا مرجع قَرْنٍ لفظی واحد۔ یہ ممیز اَثَاثًا اسم مفرد نکرہ بمعنیٰ دولت ساز و سامان معطوف علیہ واؤ عاطفہ رِءْيًا۔ اسم حاصل مصدر بمعنیٰ ظاہری دکھلاوا معطوف ہے دونوں معطوف مل کر تمیز ہے اَحْسَنُ کی جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے هُمْ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر

صفت ہے قَرْنٍ کی یہ جار مجرور متعلق ہے۔ اَهْلَكْنَا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ۔ (قُلْ)

فعل با فاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر قول ہوا۔ مَنْ اسم موصول اسم مَنْ ہمیشہ عقل والوں (ناطقوں) کے لیے ہے اس کے ساتھ تو غیر ناطق (حیوانات۔ جمادات وغیرہ) شامل ہو سکتے ہیں مگر مستقلاً نہیں۔ یہ اصلاً موصول ہے مگر کبھی شرط اور کبھی سوال کبھی نفی کبھی صفت کے لیے بھی مستعمل ہے یہ اکثر ساکن مجزوم ہوتا ہے۔ اگر متحرک کیا جائے تو نون کو کسرہ آتا ہے یہاں شرطیہ ہے۔ کَانَ فعل تامہ هُوَ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع مَنْ ہے فِي الضَّلٰلَةِ جار مجرور متعلق ہے۔ کَانَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ تامہ ہو کر صلہ ہوا۔ موصول صلہ مل کر شرط ہوئی فَ۔ جزائیہ لِيَمْدُدْ باب نَصَرَ کا فعل امر غائب معروف واحد مذکر مَدٌّ سے مشتق ہے بمعنیٰ ڈھیل دینا دراز کرنا۔ لمبی عمر دینا۔ کھینچنا یہاں پہلے معنیٰ ہیں۔ بددعائیہ جملہ ہے۔ لَهٗ۔ جار مجرور متعلق ہے اَلرَّحْمٰنُ فاعل ہے۔ فعل امر سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ معطوف علیہ حَتّٰى حرف عطف اِذَا ظرفیہ زمانیہ شرطیہ رَاَوْا باب فَتَحَ کا فعل ماضی مطلق جمع مذکر غائب رَأْیٌ۔ مہموز العین اور ناقص یائی سے مشتق ہے بمعنیٰ آنکھوں سے بغور دیکھنا۔ هُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ہے وہی مَنْ ہے سب اَفراد مَا اسم موصول غیر عقل والوں کے لیے ہوتا ہے يُوْعَدُوْنَ باب افعال کا مضارع مجہول جمع مذکر غائب هُمْ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع وہی مَنْ کے استغراقی افراد۔ یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ مَا کا موصول صلہ مل کر مُبْدَل مِنْهُ۔ اِمَّا حرف عطف زائدہ صرف تاکید کے لیے اَلْعَذَابَ معطوف علیہ واؤ زائدہ تحسینیہ۔ اِمَّا۔ حرف عطف اختیاری وَ تخییری اَلسَّاعَةَ اسم مفرد جامد معرفہ بمعنیٰ زمانہ۔ وقت یعنی ساعتیں بعد موت سے تا قیامت۔ معطوف ہے یہ سب عطف بدل البعض ہوا یا بدلُ الکل۔ مگر پہلا قول درست ہے کیونکہ کفار کو صرف عذاب دنیوی کی ہی وعید نہیں ان کو تو بے شمار وعیدیں جن میں ایک یہ بھی ہے دونوں مُبْدَل مِنْهُ اور بدل مل کر مفعول بہ ہوا رَاَوْا کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر ظرفی شرط ہوا۔ فَ جزائیہ سَ حرف تقریبی۔ يَعْلَمُوْنَ۔ باب فتح کا مضارع اور جمع مذکر غائب عِلْمٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ جاننا علم رکھنا۔ جان جانا۔ هُمْ ضمیر پوشیدہ فاعل کا مرجع وہی مَنْ کَانَ ہے۔ مَنْ اسم موصول هُوَ مبتدا شَرٌّ اسم مفرد جامد نکرہ بمعنیٰ نقصان دہ۔ قابلِ نفرت۔ خباثت والی۔ برائی والی یہاں سب معنیٰ مناسب ہیں یہ ممیز ہے مکانًا۔ اسم ظرف واحد مذکر کَوْنٌ تامہ سے مشتق ہے بمعنیٰ رہنے کی جگہ یہ تمییز

ہے۔ یہ ممیز تمیز مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ اَضْعَفُ۔ اسم تفضیل۔ ضُعْفٌ سے مشتق ہے بمعنی لاغر کمزور گھٹیا، بیکار، فضول یہاں پہلے معنی مراد ہیں ھُوَ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ہے مَنْ۔ یہ ھُوَ پوشیدہ ممیز ہے۔ جُنْدًا۔ اسم جامد مفرد۔ لغوی ترجمہ ہے پتھریلی سخت زمین۔ اصطلاحی ترجمہ مضبوط گروہ، قبیلہ لشکر، فوج۔ جتھہ۔ اَضْعَفُ جُنْدًا۔ اجتماع ضِدَّین ہے اس لیے کہ جُنْدٌ ہے ان کفار کے گمان یا دنیا میں اور اَضْعَفُ ہے حقیقت میں اور آخرت میں یہ تمیز ہے۔ دونوں ممیز تمیز مل کر فاعل ہے اَضْعَفُ سب سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف دونوں عطف مل کر خبر مبتدا۔ جملہ اسمیہ ہو کر صلہ مَنْ موصول صلہ مل کر مفعول بہ یَعْلَمُوْنَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہوئی۔ اِذَا رَاَوْا کی دونوں مل کر جملہ شرطیہ انشائیہ ہو کر معطوف فَلْیَمْدُدْ کا۔ دونوں مل کر جزا مَنْ کَانَ کی شرط و جزا جملہ شرطیہ ہو کر مقولہ ہوا قُلْ کا۔ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّ نَذَرُ الظّٰلِمِیْنَ فِیْهَا جِثِیًّا وَ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ خَیْرٌ مَّقَامًا وَّ اَحْسَنُ نَدِیًّا۔ اے پیارے حبیب، پھر ہم پل صراط سے گزرنے والوں میں ان خوش نصیبوں کو بچالے جائیں گے جو اپنی ساری دنیوی زندگی میں کفریہ شرکیہ اعمال اور کفریہ شرکیہ عقائد سے بچتے نفرت کرتے رہے۔ اور جنہوں نے ہر قسم کی گندگی غلاظت نجاست بدعت سیئہ گستاخی بے ادبی کی پلیدیوں سے اپنے آپ کو پاک وصاف رکھا اور لیکن جن لوگوں نے اپنی زندگی بھر کفر شرک گستاخی بے ادبی کا ظلم کیا ان بدبختوں کو ہم وہیں پل صراط سے جہنم کے اندر ہمیشہ کے لیے پھینک چھوڑیں گے کہ گھٹنوں کے بل گرے پڑے رہیں ذلتوں رسوائیوں کے ساتھ تمام کے تمام ایک دم ایک ہی جگہ جمیعًا اکٹھے جثیا کا معنی اَجْمَعًا یعنی اکٹھے اور سب کے سب بھی کیا گیا ہے۔ اور دنیا میں ایسے مغرور و منحوس لوگ بھی ہیں اور ہوتے رہیں گے کہ جب اُن کے سامنے ہمارے کلام کی آیتیں کھول کھول کر صاف بیان کی جائیں۔ امر، نہی۔ استحباب حرام وحلال شرک و بدعت کفر و طغیان عذاب و ثواب جنت و دوزخ کی جزاء و سزا۔ عتاب و عقاب واضح سنایا جائے تو بجائے عبرت لیتے نصیحت پکڑنے کے کبر و غرور سے کافروں نے اہل ایمان سے یہی سوال کیا کہ اے غریبو فقیرو بیکس محتاج مسلمانو۔ اپنے آپ کو اللہ کا پیارا محبوب سمجھنے والو ہمیں یہ بتاؤ کہ آج دنیا میں دونوں جماعتوں۔ گروہوں۔ ٹولوں یعنی ہم اور تم۔ کافر اور مومن ہیں۔ اپنے اپنے مقام۔ مکان۔ مرتبے۔ درجہ شان و شوکت عزت و آبرو مال و دولت میں کون اچھا اور بھلا ہے ہم لوگ جو تمہارا ہے نبی قرآن و حدیث شریعت اور دین

کو نہیں مانتے یا کہ تم اور تمہارے نبی کے تمہارے ساتھی جو اللہ کے پیارے ہونے کا دعویٰ کرتے پھر رہے ہو۔ اسی طرح مجلس و محفل۔ گروہ جتھے جماعت افراد۔ نوکر چاکر خدام قوت و طاقت آراستگی پیراستگی کے اعتبار سے بھی کون اچھا اور خوب صورت ہے اے مسلمانو کیا تم اس پر بھی غور نہیں کرتے کہ ہم عزت و دولت والے تم غربت اور ذلت والے ہم کثرت والے تم قلت والے ہم خوشبوؤں خوب صورتی والے تم بدبو و بدصورتی والے ہم سرداری والے تم محتاجی والے ہم عیش و آرام والے تم تنگ دستی و پریشانی والے کیا تم اسی حالت و کیفیت سے اندازہ نہیں لگا لیتے کہ ہم سچے ہیں تم جھوٹے ہو ہم حق پر ہیں تم باطل ہو۔ ہم اللہ کے پیارے اور محبوب ہیں نہ کہ تم۔ نجی کی تفسیر میں مفسرین فرماتے ہیں کہ جب پل صراط پر مومنین پہنچ جائیں گے تو جہنم سے بہت قریب ہوں گے گویا کہ جہنم کے اندر ہیں۔ مومن کو ذرہ بھی گرمی نہ لگے گی وہ نور کے غلافوں میں ہوں گے اور جہنم چیخے گی کہ اے مومن جلدی گزر جا تیرے نور نے میری تپش کو کم کر دیا۔ محققین فرماتے ہیں کہ پل صراط پورے جہنم کی لمبائی پر قائم ہے اور اس پر سے گزرنے والے بجلی کی رفتار سے گزرنے کے باوجود چھ ماہ کے عرصہ میں پار اتریں گے چھ ماہ تک گزرتے رہیں گے وَاِذَا تُتْلٰی یعنی روشن اور واضح آیتیں پڑھی جائیں یا وہ خود کبھی پڑھیں یا وہ کافر لوگ اپنے کافروں میں بیٹھ کر بحث و مباحثے تبصرے اور مذاق بازی کے لئے پڑھ کر ایک دوسرے کو سنائیں۔ بَیِّنٰتٍ۔ وہ آیتیں خود ہی واضح اور روشن ہیں یا کھول کر وضاحت سے سنائیں جاتی ہیں۔ ہمارے نبی سناتے ہیں اور ان سے سن کر علماء اولیاء صحابہ سناتے ہیں یا تاقیامت سناتے رہیں گے اور کفار اسی طرح منکر ہوتے رہیں گے۔ اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا سے مراد عمرو بن ہشام یعنی ابوجہل۔ ولید بن مغیرہ نضر بن حارث وغیرھم سرداران مکہ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے مراد فقراء صحابہ بلال عمار۔ خباب، سلمان فارسی وغیرھم۔ مقاماً میں تین چیزیں ہیں ۱) رہائش ۲) لباس ۳) مجالس کفار کا اٹھنا بیٹھنا رؤس میں۔ چلنا پھرنا غرور میں۔ پہننا اوڑھنا غبور میں۔ غرباء مومنین کا رہائش میں خشونت۔ لباس میں رثاثت مجالس میں قشافت۔ یعنی سکون میں رہنا شعور میں چلنا اور صبور میں پہننا۔ مَقَامًا سے مراد شان و درجہ مرتبہ۔ نَدِیًّا سے مراد مجلسیں اجتماعات جتھہ گروہ۔ کفار کی یہ احمقانہ باتیں اور ظاہر پرستی اس لیے تھی کہ وہ آیت کے جواب سے عاجز تھے اپنی خفت مٹانے کے لیے ایسی بیہودہ باتیں کرتے تھے ان کے جواب میں فرمایا گیا۔ وَکَمْ اَھْلَکْنَا قَبْلَھُمْ مِّنْ قَرْنٍ ھُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْیًا۔ قُلْ مَنْ کَانَ فِی الضَّلٰلَۃِ فَلْیَمْدُدْ لَہُ الرَّحْمٰنُ

مَدًّا حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ
شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ۔ اس دنیا میں کون ناز کرسکتا ہے اپنے مال و دولت
حسن و جوانی آل و موالی دوستی رشتے داری پر یہاں تو ہر ایک کو ہی فنا ہے اور ناز و غرور کرنے
والے کفار سے پہلے کتنے ہی قرن قبیلے، قوم و افراد، نمرود و شداد، فرعون و ہامان کو ہم نے تباہ
و برباد کر دیا کہ ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا وجود و شہود بھی مٹ گیا یہ کفار مکہ اپنے معمولی سے مال
و دولت خاندان و گروہ پر بیہودہ مجلسوں محفلوں پر اکڑے پھرتے ہیں وہ پہلے فنا شدہ لوگ تو ان سے
کہیں زیادہ اونچے اور اچھے دولت مند رئیس اور حکومت قوت و ساز و سامان والے تھے، اور
ظاہراً دیکھنے میں بھی خوب صورت قد کاٹھ والے شان و شوکت رعب داب والے اور ستھرے چہرے
والے تھے، اُن سرکشوں ظالموں کو ان کا کوئی جتھہ گروہ لشکر دولت جمال و حسن ہمارے عذاب و غضب
سے نہ بچا سکا تو یہ کس گھمنڈ میں پھولے پھرتے ہیں۔ اے خلق عالمین کے محبوب و مطلوب سنا دیجئے
کافرین کو سمجھا دیجئے مومنین کو کہ ہم تو چاہتے ہیں جو بدبخت اتنے سنانے سمجھانے عزت دلانے سب
کچھ بتانے کے باوجود ضد اور ہٹ دھرمی سے گمراہی اور کفر و غفلت میں ہی رہے سیدھے رستے
پر نہ مڑے تو ہمارا رحمٰن و رحیم اللہ تعالیٰ اُس کو سدا گمراہی میں رکھے کبھی بھی توفیق خیر نہ بخشے اور اُس کو
گستاخیوں سرکشیوں گناہوں پلیدیوں کی ڈھیل ہی دیتا رہے۔ یہاں تک کہ ایسے بدنصیب، بیوقوف
گمراہ لوگ جب دیکھ لیں اُس تنگی و سختی شدت و حدت کو جس کی آج یہ وعیدیں سنائے جارہے
ہیں اور جس کے وعدے اُن کو دئے اور ان سے کئے جارہے ہیں۔ یا عذاب دنیوی ملکی شکست
قید و قتل، انتقام و قتال کی شکل و حالت و کیفیت و نوعیت میں ہوگا یا وہ سختی میدان قیامت حشر و
نشر اور دخول جہنم میں ہوگی۔ تب عنقریب یہ لوگ جان لیں گے کہ کون تھا۔ دنیا میں خباثت حماقت
ذلت نفرت اور برائی کی جگہ میں بڑے کفار و مشرکین یا غرباء مومنین صالحین۔ اور ان دونوں فریقین
میں سے کون سا ٹولہ سب سے زیادہ انتہائی بدترین کمزور ضعیف گروہ اور لشکر والا ہے۔ خیال رہے
کہ دنیا میں کفر کی ڈھیل بھی تبدریج ہے اور ہدایت کی رہنمائی بھی بتدریج ہے اِمَّا الْعَذَابَ سے
مراد یہاں دنیا میں مسلمانوں کے ہاتھوں کفار کی تباہی بربادی دنیوی جنگوں میں ہلاکت ذلت قید و قتل
اور اِمَّا السَّاعَةَ سے مراد اُخروی عذاب، یا قبر کا عذاب کیونکہ جس کی موت ہوگئی اُس کی قیامت
شروع حشر اور جہنم کا ابدی عذاب و سزا ہے۔ یہ فقرہ اور جملہ مَانِعَةُ الْخُلُوْ ہے نہ کہ مَانِعَةُ الْجَمْع
یعنی دونوں جمع ہو سکتے ہیں دونوں ختم نہیں ہو سکتے۔ قرن کا لغوی معنٰی ہے زمانہ مگر یہاں مراد ہے

زمانے والے اس لیے کہ اہلِ زمانہ زمانے سے ملے ہوتے ہیں۔ قرن کا نحوی اشتقاقی ترجمہ ہے ملنا ملا ہوا ہونا۔ اَثَاثًا سے مراد مال و اسباب ہر طرح کا سامان۔ رِءْیًا سے مراد جسمانی خوب صورتی چہرے کا حسن ہے۔ اَضْعَفُ جُنْدًا۔ سے مراد یا یہ کہ میدان محشر میں کفار کے ساتھ کوئی لشکر یا لشکری قوت جتھہ گروہ اور حمایتی ہوگا ہی نہیں یا وہ ساتھی جن کو یہ کفار دنیا میں اپنا ساتھی حمایتی دیوی دیوتا سمجھتے تھے میدانِ محشر میں ان کے دشمن اور مخالف ہوں گے اور خود بھی بندھے جکڑے ہوں گے ۔ یا یہ مراد ہے کہ دنیا میں کفار کے ساتھ ابلیس شیطان اور شیاطین جنات ہوتے ہیں مگر انتہائی کمزور بزدل بھگوڑے صرف مشورہ دے کر ورغلا کر ذلیل کرا سکتے ہیں مگر مدد نہیں کر سکتے جس طرح کہ جنگ بدر میں ہوا کہ ابلیس نے۔ شیخ نجدی بن کر کفار کو میدانِ جنگ تک پہنچا تو دیا مگر ان کے ساتھ جنگ و قتال میں شامل ہو کر مدد نہ کر سکا۔ بلکہ قریب پہنچا کر خود بھاگ نکلا اور کفار کو تن تنہا بے یار و مددگار چھوڑ گیا۔ لیکن مومنین کے ساتھی ملائکہ ہر موقع پر اہلِ ایمان کے مددگار ہوئے یہاں یہی بیان فرمایا جا رہا ہے کہ متقی مومن۔ اور کافر میں یہ فرق ہے ۔ معتزلہ فرقہ کہتا ہے کہ مومن وہ ہے جو تمام گناہوں سے بچے ۔ اہل سنت کے نزدیک مومن وہ ہے جو کفر و شرک اور گستاخی بے ادبی و بدعتِ سیئہ سے بچے کہ یہ کفر تک پہنچا دیتی ہیں۔ اور متقی وہ ہے جو گناہوں سے بچے ۔

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ ۔ دنیوی زندگی میں سب سے بڑی مصیبت شر ہے قتل۔ قید ذلت شرِ دنیا ہے۔ قبر۔ حشر جہنم کا عذاب شرِ آخرت ہے۔ دنیوی شر کے اسباب فسق و فجور اور آوارگی ہے اُخروی شر کے اسباب کفر شرک اور نفاق ہے مسلمانوں کو ان آیت میں ان دونوں قسم کے شرور سے بچنے کا حکم دیا جا رہا ہے یہ فائدہ مَنْ کَانَ فِي الضَّلٰلَةِ کے بعد۔ اِمَّا الْعَذَابَ (الخ) اور شَرٌّ مَّكَانًا۔ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ ۔ گناہوں اور گستاخیوں سے شکل و صورت بدصورت اور منحوس ہو جاتی ہے چہرے کی رونق ترو تازگی مٹ جاتی ہے ۔ یہ فائدہ کَمْ اَهْلَكْنَا (الخ) اور اَثَاثًا وَّرِءْيًا فرمانے سے حاصل ہوا۔ کہ دیکھو خوب صورتی پر دنیوی عذاب آگیا اور اُس کو بدصورتی میں بدل دیا۔ اسی طرح تا قیامت گستاخوں بے ادبوں بدعقیدوں پر یہ دنیوی عذاب آتا ہی رہے گا حضرت حکیم الامت نعیمی بدایونی قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شکل دیکھ کر پہچان لیتے تھے کہ یہ کس فرقہ سے ہے کیا عقیدہ ہے ۔ اِمَّا الْعَذَابَ کا معنی یہ بھی ہے کہ چہرے

کی نحوست دحشت دنیوی عذاب ہے۔ تیسرا فائدہ مسلمانوں کو یہاں یہ سمجھا یا جا رہا ہے کہ دنیوی سج دھج ٹیپ ٹاپ عیش وآرام کو آخرت کی نجات کا ذریعہ اور دلیل بنانا کفار کا طریقۂ مذمومہ ہے۔ دنیا کے مال و دولت سلطنت وحکومت ملنا اللہ تعالیٰ کے پیارے ہونے کی دلیل نہیں ہے بہت اُمرا و سلاطین کافر گزرے اور بہت سے فقراء اور غریب انبیاء علیہم السلام ہوئے یہ فائدہ اور سبق اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ کی پوری آیت سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن ان آیت کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ ہر مسلمان کو ہر طرح کی حرام کمائی آمدنی حرام غذا وغیرہ سے بچنا چاہیئے۔ کیونکہ شرعی ممانعت کے علاوہ حرام چیزوں کا دنیوی نقصان یہ بھی ہے کہ جس طرح گناہوں سے انسان کے چہرے اور جسم پر نحوست اور پھٹکار چھا جاتی ہے اسی طرح حرام غذاؤں سے انسان کے باطن میں تین برائیاں اور بد خصلتیں پیدا ہو جاتی ہیں ۱ حسد ۲ غرور ۳ نفاق۔ یہاں تک کہ بندہ کفر تک پہنچ جاتا ہے۔ حلال روزی اور حلال طیب روزی سے عاجزی۔ ہدایت۔ اور خوف الٰہی پیدا ہوتا ہے۔ یہ مسئلہ وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ (الخ) کی پوری آیت سے مستنبط ہوا جس میں بتایا گیا کہ کفار اپنی دولت کی بنا پر کس طرح مغرور اور اکڑے پھرتے ہیں یہ سب حرام اور ناجائز کمائیوں کی وجہ سے ہے ورنہ ایسی سرکشی اور مغرورانہ باتیں حلال چیزیں کھانے استعمال کرنے والے میں نہیں آتیں۔ دوسرا مسئلہ آداب تلاوت میں سے ایک یہ بھی ہے کہ قرآن مجید کو اس انداز سے پڑھنا چاہیئے کہ سننے والے کو بہت شاندار طریقے سے کلام پاک کا ہر ہر لفظ سمجھ آتا رہے اس طرح تیز پڑھنا کہ بجز یَعْلَمُوْنَ۔ تَعْلَمُوْنَ کے کچھ سمجھ نہ آئے سخت گناہ ہے جیسا کہ بعض حافظ لوگ تراویح یا شبینے میں پڑھتے ہیں۔ یہ منع ہے۔ یہ مسئلہ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ کی ایک تغیر نحوی سے مستنبط ہوا۔ جب کہ بَیِّنٰتٍ کو تُتْلٰی کے مصدر تِلَاوَۃٌ کا حال یا صفت بنائی جائے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اس طرح صاف صاف تلاوت فرمایا کرتے تھے کہ کفار بھی ہر لفظ سمجھ جاتے تھے۔ تیسرا مسئلہ صرف ظاہری نوعیت اور کیفیت میں کفار اور کفار کی چیزوں عادتوں کی تعریف کرنا جائز ہے مگر عقیدت یا محبت کے لہجہ میں یا ان کے اقوال وافعال وخصائل کو نیکی سمجھنا اور کہنا منع ہے۔ یہ مسئلہ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْیًا سے مستنبط ہوا کہ کفار کی اشیاء اور ظاہری حسن وجمال کی تعریف کی گئی مگر نیکی ہونے کی اَهْلَكْنَا کے ارشاد پاک کے ذریعے نفی کی گئی کیونکہ کسی نیکی کو ہلاکت وفنا نہیں ہوتی۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ جب مومنین کو جہنم میں عذاب ہی نہ ہو تکلیف بھی نہ ہو تو پھر دخول جہنم کا کیا فائدہ؟ **جواب**۔ جن لوگوں کا یہ قول ہے وہ یہ جواب دیتے ہیں کفار کی ذلت اور مومنین کی عزت بڑھانے کے لیے کہ جب کفار مسلمانوں کو نکلتے دیکھ لیں گے اور خود کو جہنم میں پڑے ہوئے تو ان کی حسرت و ذلت زیادہ ہوگی اور مسلمان کی شان و عزت۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں نُنَجِّی (الخ) کے ارشاد سے ثابت ہو رہا ہے کہ مومنین بھی دوزخ میں داخل ہوں گے۔ حالانکہ ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا۔ یہ تعارض کیوں ہے۔ یعنی پہلی آیت میں یہاں فرمایا گیا کہ پھر ہم مومنوں کو بچا لیں گے۔ پہلے سب دوزخ میں جائیں گے۔ لیکن دوسری آیت میں فرمایا گیا کہ ایمان والے جہنم سے اتنے دور رکھے جائیں گے کہ اُس کا معمولی آواز بھی نہ سنیں گے۔ **جواب**۔ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا میں هَا ضمیر کا مرجع جہنم نہیں بلکہ عذاب ہے۔ یعنی جہنم میں داخلے کے باوجود ان کو کوئی تکلیف نہ ہوگی نہ وہ کفار کو عذاب ہوتا دیکھیں گے نہ عذاب کی آواز سنیں گے۔ جہنم کی گرمی کی تپش اور آگ اُن پر ٹھنڈی ہو جائیگی آگ کا ٹھنڈا ہونا تو دنیا میں بھی ثابت ہے مثلاً ابراہیم علیہ السلام پر نار نمرود ٹھنڈی ہو گئی تھی۔

حکایت تفسیر روح البیان اور انسائیکلو پیڈیا میں لکھا ہے کہ نمرود نے جب دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام آگ میں بڑے مزے سے بیٹھے ہیں انہیں کچھ بھی نہیں ہو رہا۔ تو اس کو شک گزرا کہ کہیں یہ آگ جادو کی تو نہیں۔ اِس کی تصدیق کے لیے نمرود نے قریب کھڑے ہوئے ایک درباری کو پکڑ کر اُسی طرح گھمانی کے ذریعے بالکل ابراہیم علیہ السلام کے قریب پھکوا دیا۔ وہ ایک دم جل کر راکھ ہو گیا۔ یہ وہی درباری تھا جس نے آگ جلانے کا مشورہ دیا تھا اور سب سے پہلے آگ لگائی تھی۔ یہ بات کوئی تعجب خیز نہیں کہ ایک جہنم میں اسی جگہ کفار جہنم میں جل رہے ہیں مگر مومن آرام سے کھڑا ہے یا گزر رہا ہے اللہ تعالیٰ کی قدرتیں مشہور ہیں مثلاً قوم موسیٰ کے قبطی ایک ہی پیالے سے پانی پیتے وہ خون بن جاتا پھر اُسی سے بنی اسرائیلی پیتا تو خالص پانی ہوتا۔ بلکہ یہاں تک کہ اسرائیلی اپنے منہ میں دودھ یا پانی لے کر قبطی یا فرعون کے منہ میں کلّی کرتا تو وہ اُس کے منہ میں پہنچ کر خون بن جاتا۔ قبر میں عذاب بھی ایسا ہی ہے کہ مومن کی قبر میں جنت کی ہوائیں اور ساتھ پڑے کافر کی قبر میں عذاب۔ یا اگر ایک ہی قبر میں کافر مومن کو دفن کر دیا جائے تو وہی قبر کافر کی جہنم اور مومن کی جنت ہو سکتی

تفسیر صوفیانہ

ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّ نَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ۔ وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّ اَحْسَنُ نَدِيًّا ۔ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّ رِءْيًا ۔ پھر ہم اپنے انعاماتِ سرمدی کے توسل سے نجاتِ ابدی عطا فرمائیں گے تجردِ عشق کے مقصود و مطلوب والی منزل کے طریقِ عدالت میں سلوکِ توحید کی طرف اُن طالبانِ منزلِ شوق کو جنہوں نے ماسوا اللہ سے تقویٰ اختیار کیا اور جن کی زندگی کا سرمایہ لَا مَطْلُوْبَ اِلَّا اللّٰہ رہا ۔ اور حیوٰۃِ دنیوی ہی میں ہی گرا دیں گے ہم رذالت کے جہنم اور قعرِ مذلت کی آگ میں اُن ٹوٹی اُمیدوں شکست ایمان والوں کو جن کا نورِ استعداد اور عملِ خیر کی قوت و ہمت ظلمتوں کی وجہ سے کم ہو گئی یا اپنی عمل زندگی کو بے محل ناجائز مقامات پر صرف کر دیا وہ اوندھے منہ مادۂ بدنیہ کے ظلمات میں بندھے پڑے ہوں گے ۔ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اصل ظلم ظلماتِ یومِ قیامت ہیں مگر جو حیوٰۃِ دنیوی میں رذیل خواہشوں سے بچے رہے اور وصولِ حقیقت کی منزل کی طرف شریعت کے قدمِ ہمت سے چلتے رہے ان کو نجاتِ ابدی دیں گے ہم واردینِ جہنم میں سے کہ جب اُن کے سامنے ہماری آیتِ اسرارِ حقائق تلاوت کی جاتی ہیں تو منکرینِ معرفت و تصوف کہتے ہیں ۔ اُن روشن ضمیر منکشفینِ اسرار سے جو تحقیق و یقین سے غیوبات و مخفیاتِ الٰہیہ پر ایمان والے ہیں ۔ مقبول و مردود میں سے کون بہتر ہے مقامِ قرب اور منازلِ حسن کے اعتبار سے ہم مردودین یہاں ظاہر میں قریب خیر ہیں لہٰذا باطنِ خفی میں بھی ہم ہی اَحْسَنُ نَدِيًّا مقامِ قبولیت میں ہیں یہ استدلال دھوکہ ہے کیونکہ کتنے ہی دنیوی محبت اور اثاثِ فانی و شہواتِ رئیا والوں کو بحرِ عصیان نارِ مذلت سے ہلاک کر دیا ہم نے جو غرور فتورِ شعور میں تم سے زیادہ تھے ۔ یا عذابِ غفلت و انکار کی موت سے یا صفاتِ بشریہ کی قیامتِ صغریٰ سے شوقِ معرفت اور محبتِ دیدار کی قیامتِ انکار قائم ہونے کے وقت جب کہ لذتِ دیدار کی نارِ عشق کا ظہور ہو گا ۔ قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۔ حَتّٰۤى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَ اِمَّا السَّاعَةَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضْعَفُ جُنْدًا ۔ اولیاء اللہ کے وجودِ قدسیہ و نفوسِ مطمئنہ کی وجہ سے نارِ امارہ بجھ جاتی ہے اور علماءِ راسخین اپنے نورِ ہدایت سے بادیۂ خواہشات کی آگ کو بے طپش کر دیتے ہیں صالحین وا ذکیا نارِ نفس پر قابو پا لیتے ہیں متقین اُنس کی شعلہ بھڑکاتی پیپٹ سے بچ کر گزرنے کی ہمت کرتے ہیں فاسقین عاجزین

مبتلا و ملوث ہو جاتے ہیں تب ان کی شفاعت و سفارش سے معافی ہو جاتی ہے مگر فاسقین متکبرین اس میں گر جاتے ہیں مگر تقوی عن الشرک کا نور ان کی کثافتوں خیانتوں کے جلنے مٹنے کے بعد بچا کر مجھ کو پاک وصاف کر کے بچا لاتا ہے ہاں البتہ کفار کا کفر خواہشات کی چنگاری اور لغویات شرک کی ماچس ہے کافر اپنے نفس و نفسانیت کے جھاڑ کا مقیم ہوتا ہے اس لیے نارِ نفس کا جہنم ہی اس کا ابدی ٹھکانہ ہے جب حقائق و اسرار کی آیات زبانِ قلب سے تلاوت کی جاتی ہیں تو کافرانِ غیوب جو حق کی حقانیت کو انکار کے پردوں سے چھپانا چاہتے ہیں وہ زبانِ حال وقال سے اہلِ حق و نورِ معرفت والوں سے کہتے ہیں جب کہ کبراء نفوسِ خبیثہ ان منخلین عاجزین غریبین متواضعین خاشعین کو تلاوت عبادت ریاضت مقابلۂ نفس و شیطین کا مجاہدہ کرتے دیکھتے ہیں تو خود کو منعم متمول جانتے ہوئے متکبر اور ضاحک ہنستے ہوئے کہتے ہیں کہ دنیا کے مراتب مجالس مناسب۔ وجاہت عزت مرتبت منازل اور تکمیل خواہشات میں کون اعلیٰ ارفع ہے ہم اہلِ نفس یا تم اہلِ دل۔ اے نفوسِ رذیلہ کے شیدائیو تم سے پہلے کتنے قبیلے جو تم سے زیادہ تھے استعداد استحقاق کمالات نعیم ناسوتی کہ اثاثوں میں ہم نے ان کو شہواتِ نفس کی دلدلوں استیغاءِ لذات کی لہروں میں اعزاز و مناسب ہی و اخلاقی تھپیڑوں سے ہلاک کر دیا تو تم غرباءِ نفس کس شمار میں ہو پس عنقریب جان لیں گے فریبِ شیطین والے حزبُ اللہ کو سچا پیرو وہ ہے جس نے اپنے نفس کو ضبط کیا اور سچا مرشد وہ ہے جو اپنے مریدوں کو نفوس پر نظم وضبط سکھائے اور دروازۂ مصطفیٰ سے قربِ ادب دلائے۔

وَيَزِيدُ اللّٰهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى ط وَ

اور یہ بھی فرما دو کہ زیادہ فرماتا رہے گا اللہ تعالیٰ ہر قسم کی ہدایت ان لوگوں کے لیے جن کو اس نے نعمت ہدایت عطا فرمائی اور

اور جنہوں نے ہدایت پائی اللہ انہیں اور ہدایت بڑھائے گا۔ اور

الْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا

وہ نیکیاں جو باقی رہنے والی ہیں پس وہی اچھی ہیں آپ کے رب کے پاس ثواب میں

باقی رہنے والی نیک باتوں کا تیرے رب کے یہاں سب سے بہتر ثواب

وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿۷۶﴾

اور اچھے انجام والی

اور سب سے بھلا انجام

تعلقات اِن آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں مومن و کافر دونوں گروہوں کا ذکر بھی ہوا اور اُن کے انجام کا بھی اب بتایا جا رہا ہے کہ اہلِ ایمان کو دن بدن زیادہ ہدایت ملتی رہے گی تاکہ ان کی دنیا بھی روشن ہو جائے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں گمراہوں کی ڈھیل زیادہ ہونے کا ذکر ہوا اب یہاں مومن کی ہدایت کے زیادہ ہونے کا ذکر ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں کفار کی جان و مال کی ہلاکت کا ذکر ہوا۔ اب یہاں مومن کی جان مال اور اعمال کا تاابد باقی رہنے کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔

تفسیر نحوی وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ۔ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا۔ واؤ سے جملہ ہے یا عاطفہ ہے قُلْ کے تحت ہے۔ يَزِيْدُ۔ باب ضَرَبَ کا فعل مضارع مستقبل معروف واحد مذکر کا۔ زَيْدًا اجوف یائی سے مشتق ہے اللّٰہ اُس کا فاعل ترجمہ ہے اللہ زیادہ تر عطا فرماتا ہے گا عطا فرمائے گا۔ اَلَّذِيْنَ۔ اسم موصول اِهْتَدَوْا۔ باب افتعال کا فعل ماضی مطلق معروف جمع مذکر غائب هُدًى سے بنا ہے اس کا مصدر ہے اِهْتِدَاءٌ دراصل تھا اِهْتَدَيُوْا۔ پہلے یٰ کو الف سے بدلا گیا کیونکہ یٰ خود متحرک ہے اور ما قبل مفتوح ہے پھر الِف گرا دیا گیا دو ساکن کی وجہ سے یہاں یہ فعل لازم ہے ترجمہ ہے جو ہدایت والے ہوئے۔ یا ٹھیک راستے پر چلے۔ هُمْ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل ہے یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر صلہ ہوا اَلَّذِيْنَ کا دونوں مل کر مفعول بہ اوّل ہوا۔ هُدًى اسم حاصل مصدر مفعول بہ دوم ترجمہ ہے ہدایت کو ایک قول میں یہ مفعول فیہ ہے اور ترجمہ ہے ہدایت میں۔ يَزِيْدُ فعل سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ سے جملہ الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِيْنَ۔ بَاقِيٰتٌ اسم فاعل جمع مؤنث اس کا واحد مذکر ''بَاقٍ'' ہے ''بَقِيَ'' سے مشتق ہے باب ضَرَبَ سے ہے موصوف ہے اَلصّٰلِحٰتُ باب فتح کا اسم فاعل جمع مؤنث ہے اس کا واحد مذکر اور مؤنث صَالِحٌ اور صَالِحَةٌ ہے ''صَلُحَ'' سے مشتق بمعنی مقبول درست نفع بخش۔ مراد ہیں آخرت کی نیکیاں

یہ صفت ہے۔ مرکب توصیفی مبتداء ہوا خیرٌ۔ اسم مصدر مادہ اجوف یائی بمعنی پسندیدہ چیز ہونا بھلائی یا اچھا ہونا۔ عِندَ اسم ظرفِ مکانی رَبِّیْ مضاف ہے رَبِّکَ یہ ڈبل مرکب اضافی ظرف ہے خیرٌ مصدر کا وہ شبہ جملہ ہو کر ممیز ہوا۔ ثوابًا ترجمہ ہے از روئے ثواب کے۔ اسم مبالغہ بروزنِ فَعَالٌ بلاغٌ ہلاکٌ۔ ثَوْبٌ سے مشتق ہے بمعنی لوٹ کر آنا۔ بدل کر ملنا۔ کپڑے کو ثواب اس لیے کہتے ہیں کہ اُس کے تانے دھاگے میں پٹیا دھاگہ بار بار آتا ہے۔ اذان کے بعد نمازیوں کو مزید لوٹ پھیر کر اطلاع دینے کے لیے درود شریف وغیرہ پڑھنا تثویب کہلاتا ہے آج کل اِس تثویب کی اطلاع کا ایک یہ فائدہ بھی ہے کہ پتہ لگ جاتا ہے کہ یہ اذان وہابیوں کی خشکی خوری نہیں اہلِ سنت کی سرسبز وشاداب اذان ہے اَللّٰهُ هُوَ يَا رَبِّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ۔ یہ ثوابًا تمیز ہے پہلے خیرٌ کے جملے کی یہ ممیز تمیز مل کر معطوف علیہ ہوا واؤ عاطفہ مَرَدًّا اسم مصدر میمی رَدٌّ سے بنا ہے بمعنی اسم ظرف ترجمہ ہے لوٹنے کی جگہ مراد ہے بعد قیامت لوٹ کر جانے کا آخری ٹھکانہ یہ تمیز ہے دوسرے خیرٌ کی یہ دونوں مل کر معطوف سب عطف مل کر خبر ہے مبتداء کی وَالْبٰقِیٰتُ مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ وَيَزِيدُ اللّٰهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى ۔ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا۔ اور اے حبیب یہ بھی سنا دو کہ اللہ تعالیٰ زیادہ فرماتا رہے گا اُن نیک پاک عالمین متقین عابدین زاہدین علما اولیا کی ہدایت یعنی قربِ جمال۔ نورِ معرفت ایمان ایقان۔ توفیق خیر دین کی سمجھ، آیت کی فکر، تدبر۔ خیر و برکت۔ منزلِ مقصود الی اللہ اور صراطِ مستقیم پر بسہولت چلنے کو جن کو مولیٰ تعالیٰ نے عالمِ ازل سے ہی ہدایت کے لیے چن لیا تھا۔ اور دنیا میں ان کو اپنے کرم و رحم سے ہدایت عطا فرمائی۔ ہدایتِ الٰہی بحرِ بیکنار ہے اور ہر نبی ولی عالم غیر عالم۔ مومن متقی۔ یہاں تک کہ خود آقائے کائنات سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وبارک وسلم بھی ہر آن ہدایت کے طالب ہیں اسی لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر نماز میں پڑھتے تھے اِهْدِنَا اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ اے میرے رحیم و کریم خالق و مالک ہر آن ہم کو اپنے قرب کی نعمت عطا فرما۔ ہر بندے کے اعتبار سے ہدایت علیحدہ قسم کی ہے۔ سید المرسلین کی ہدایت قربِ ذات ہے جو ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی سے بھی آگے وراء الورا ہے جس میں ہر آن ترقی ہو رہی ہے انبیاء علیہم السلام کی ہدایت قربِ جمال ہے یہ وہ بحرِ بیکنار ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں ہے۔ ہدایتِ اولیاء قربِ تجلیات ہے ہدایتِ علماء قربِ تفقہ اور دین کی سمجھ ہے۔ ہدایتِ طالبین

منزلِ مقصود ہے ہدایتِ عابدین صراطِ مستقیم ہے ہدایتِ زاہدین توفیقِ خیر ہے۔ ہدایتِ مومنین خیر و برکت ہے۔ ۹ ہدایتِ عوام۔ ایمان ملنا ہے ۱۰ ہدایتِ متقین استقامت ہے ۱۱ ہدایتِ فقرا استغفار ہے ۱۲ ہدایتِ عاشقین صبر ہے اللہ تعالیٰ ہر بندے کو اس کے مذہب کے لحاظ سے ہدایت کی نعمت دیتا اور زیادہ فرماتا رہتا ہے۔ عطاءِ ہدایت کی ابتدا آقاءِ کائنات محمدِ مصطفیٰ احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عالمِ ازل سے شروع ہے باقی ہدایتوں کی ابتداء حیاتِ دنیوی سے عالمِ برزخ اور عالمِ اعراف میں اس کی انتہا میدانِ محشر تک۔ مگر ہدایت کی زیادتی ابدالآباد تک ہوتی رہے گی اس کی کوئی انتہا نہیں۔ وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ۔ اے کائنات والو سمجھ لو کہ بس یہی ہدایت والے خوش بخت وہ لوگ ہیں کہ جن کا ہر قول فعل عمل ظاہری باطنی۔ نیت وارادہ دینی دنیوی عبادت ریاضت تسبیح تہلیل تکبیر تجارت وصناعت اٹھنا بیٹھنا سونا جاگنا۔ ہر کام صالحات ہیں اور ہر صالحات باقیات ہیں اور ہر باقیات مفید ہیں اسی لیے مومن اگر ظاہراً فقیر بھی نظر آتا ہو مگر حقیقتاً کل عالمین میں امیر رئیس ہے کیونکہ اس کی دولت قرآن و حدیث عبادت تقویٰ طہارت صبر و عشق و اخلاق علم۔ عقل فہم۔ تفکّر تدبّر تذکّر وِرد وظائف مراقبہ مکاشفہ اعمالِ صالحہ حلال روزی طیب مال طاہر دولت پاکیزہ عدل وانصاف کی حکومت ہے جس کا ثواب بھی اچھا انجام بھی اچھا آنا بھی اچھا ٹھکانا بھی اچھا اَدلہ بھی اچھا بدلہ بھی اچھا۔ اس لیے کہ دنیوی ثواب اور بدلے سے اُخروی ثواب اور بدلہ اچھا دیر پا اور باقیات ہے۔ کافر بظاہر رئیس اعظم ہو کر بھی محتاج فقیر ذلیل رذیل مفلس بیکس بے بس ہے۔

فائدے اِن آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ کافر کی امیری بھی بری اور غریبی بھی کیونکہ دونوں نقصان دہ اور دونوں بربادی مومن کی غریبی بھی مبارک وسعادت اور امیری دولت مندی بھی خیر و برکت کیونکہ ہر آن ہر مفید۔ یہ فائدہ وَیَزِیْدُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ دنیوی عزت دولت زینت عیش وآرام کو کامیابی سمجھنا حماقت ہے۔ سچی عقل مندی اہلِ ایمان کے پاس ہے یہ فائدہ بَاقِیَاتُ صَالِحَاتُ کی تفسیر سے حاصل ہوا کہ عقل مند وہی ہے جس نے اپنے اعمال اور دنیوی محنت مشقت کو باقیات صالحات بنا لیا اور ابدی عیش وآرام پا لیا۔ تیسرا فائدہ جن چیزوں کو کبھی فنا نہیں وہ باقیات صالحات ہیں اور جو باقیات ہیں وہی مفید ہیں یہ فائدہ خَیْرٌ مَّرَدًّا فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن ان آیت کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوئے۔ پہلا مسئلہ مومن مسلمان کو حیاتِ دنیوی کی ہر سانس ہر ساعت میں اعمالِ صالحہ اور حسنِ معاشرہ قائم کرنا فرض و لازم و واجب ہے اس لیے کہ مومنِ حقیقی وہ ہے جس کی ہر چیز تا ابد زندہ ہو۔ یعنی اصل نسل حسب نسب علم عمل عقل و بصیرت جسم و روح یہ مسئلہ وَيَزِيدُ اللّٰهُ الَّذِينَ (الخ) سے مستنبط ہوا کہ زندہ چیز ہی ہمیشہ بڑھتی اور زیادہ ہوتی رہتی ہے۔ دوسرا مسئلہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے دین دنیا کی بھلائی کی دعائیں مانگنا اعلیٰ ترین اسلامی عبادت ہے۔ یہ مسئلہ هُدًى فرمانے سے مستنبط ہوا کہ رب تعالیٰ نے مسلمان کو پانچ وقتہ نماز فرض واجب نفل سنت کی تلاوت میں ہدایت کی دعا مانگنے کا وجوبی حکم دیا ہے۔ اس دعا رالنجا اور فریاد کا نتیجہ ہے کہ يَزِيدُ اللّٰهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى۔ رب تعالیٰ زیادہ عطا فرماتا ہے ہدایت ان مانگنے والوں ہدایت یافتہ بندوں کو۔ تیسرا مسئلہ۔ ہدایت یافتہ انسان زندہ ہے اور بے ہدایتہ انسان مردہ۔ گویا کہ مومن با حیات ہے اور کافر واہیات ہے تو جس طرح کہ جسمانی زندگی کی حفاظت اور بچانا ہر انسان پر اخلاقی و قانونی فرض ہے اسی طرح ہدایت و ایمان کی حفاظت کرنا بھی ہر مسلمان پر فرض۔ اور جس طرح جان کی حفاظت کے لیے جھگڑا فساد شر و جنگ و جدال۔ بیماری طبیاتی اور مہلک چیزوں سے بچنا دور رہنا لازم ہے اسی طرح ہدایت و ایمان کی حفاظت کے لیے۔ کافر مشرک بدکار بدمعاش بدعقیدہ بدمذہب لوگوں فرقوں کتابوں تقریروں سے دور رہنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ یہ مسئلہ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ سے مستنبط ہوا کہ ان چیزوں کے قریب ہو جاؤ جو اللہ کو پیاری اور خیر ہیں۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا وَيَزِيدُ اللّٰهُ الَّذِينَ یعنی اللہ تعالیٰ ان کی ہدایت زیادہ فرماتا رہے گا یا زیادہ فرماتا ہے۔ یہ ہدایت بتدریج کیوں بڑھائی جاتی ہے۔ ایک دم کیوں نہیں دے دی جاتی۔ اس کی کیا وجہ اور حکمت ہے؟

جواب۔ دراصل دنیا زمین اور دنیا زمین کی ہر چیز میں بہت طرح کی ایسی کمزوریاں ہیں جن کی وجہ سے وہ خالق تعالیٰ کی نعمتوں کو ایک دم برداشت نہیں کر سکتیں خواہ جمادات ہوں یا نباتات حیوانات ہوں یا جنات انسان میں بھی اسی قسم کی کمزوریاں ہیں۔ بجز آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کو رب تعالیٰ نے تمام ہدایتیں تمام قوتیں عالمِ ازل میں سب ایک دم عطا فرما دیں مگر قربِ ذات کی ہدایت آپ بھی ایک دم برداشت نہیں کر سکتے اس لیے یہ ہدایتیں اپنے اپنے منصب کے اعتبار سے ہر ایک کو بتدریج عطا فرمائی جاتی ہیں کہ پہلے حصول و فیض استفادہ پھر استفادہ دے کی قوت

اور برداشت پیدا فرمائی جاتی ہے پھر وہ نعمتِ ہدایت دی جاتی ہے یہی حال حیاتِ دنیوی کی ہر کیفیت کا ہے۔ **دوسرا اعتراض**۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ قبر و حشر میں بھی ہدایت بڑھتی رہتی ہے۔ ہدایت کی اقسام میں ایمان کی ہدایت بھی ہے اور توفیقِ خیر کی ہدایت بھی ان دونوں ہدایتوں کی زیادتی کا قبر و حشر میں کیا فائدہ ایمان تو نزع کے وقت کا بھی معتبر نہیں ہے تو اگر قبر میں یا حشر میں ہدایتِ ایمان ملی تو کیا فائدہ جب کہ وہ ایمان قبول ہی نہیں اسی طرح توفیقِ خیر یعنی اعمالِ صالحہ کی ہدایت کا قبر و حشر میں کچھ فائدہ نہیں کیونکہ اعمالِ صالحہ شریعت کی چیزیں ہیں اور شریعت کی تکلیف و پابندی صرف دنیا میں ہے قبر و حشر میں کوئی مکلف نہیں ہوگا لازم واجب فرض عبادات صرف دنیا میں ہیں نہ کہ قبر و حشر میں۔ تو پھر یَزِیْدُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ کا بعد موت کیا فائدہ۔ **جواب**۔ یَزِیْدُ اللّٰہُ (الخ) فرمانا عین حکمت و کرم ہے اس لیے کہ ایمان کی بھی دو قسمیں ہیں اور توفیقِ خیر کی بھی دو قسمیں ہیں۔ نیز ایمان کی ہدایت اور ایمان لانا۔ اور ہدایت کی زیادتی ملنے میں بڑا فرق ہے۔ دنیوی زندگی میں ایمان لانا کفر شرک اور بدعقیدگی سے توبہ و نفرت کرنا ہے یہ ایمان بالغیب ہے جو مرنے سے پہلے کا مقبول ہے بعد میں عالمِ نزع کا غیر مقبول لیکن مرنے کے بعد ایمان بالشہادہ ہوتا ہے جو ابد تک پھر آن زیادہ ہوتا رہے گا۔ وَیَزِیْدُ میں اسی کا ذکر ہے نہ کہ ایمان بالغیب کا اسی طرح توفیقِ خیر۔ مرنے سے پہلے فرائض اور واجبات کی ہدایت ہے جو مرتے وقت ختم۔ لیکن نوافل اور ذکرِ الٰہی کی ہدایت یہ قبر و حشر اور جنت میں بھی جاری رہے گی۔ یہاں یَزِیْدُ اللّٰہُ۔ میں یہی ہدایت مراد ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ اس کی تفسیر صوفیانہ آیت ۸۲ کے بعد ہوگی۔ اِنْشَاءَ اللّٰہ تعالیٰ۔

اَفَرَءَیْتَ الَّذِیْ کَفَرَ بِاٰیٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَیَنَّ

اے محبوب کیا تم نے بغور دیکھا ہے اس کو جس نے انکار کیا ہماری آیتوں کا اور کہا کہ البتہ ضرور دیا جاؤں گا میں

تو کیا تم نے اسے دیکھا جو ہماری آیتوں سے منکر ہوا اور کہتا ہے مجھے ضرور

مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۷۷﴾ اَطَّلَعَ الْغَیْبَ اَمِ اتَّخَذَ

مال اور اولاد۔ کیا اس نے غیب کا علم پا لیا ہے یا لے لیا ہے اس نے

مال و اولاد ملینگے۔ کیا غیب کو جھانک آیا ہے یا رحمٰن کے

عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۷۸﴾ كَلَّا ۭ سَنَكْتُبُ مَا

اللہ رحمٰن کے پاس سے کوئی پکا عہد قطعاً نہیں عنقریب ہم نامۂ اعمال بنا دیں گے

پاس کوئی اقرار رکھا ہے ہرگز نہیں۔ اب ہم لکھ رکھیں گے جو وہ

يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿۷۹﴾ وَّ

ان تمام باتوں کو جو وہ کہتا پھرتا ہے اور اٹھا پھینکے گے ہم اس کو عذاب میں گھسیٹکر اور

کہتاہے اور اُسے خوب لمبا عذاب دیں گے۔ اور

نَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ﴿۸۰﴾ وَ

اس کی ہر چیز پر ہم قابض ہوں گے جو وہ کہتا پھرتا ہے اور آئے گا وہ ہمارے پاس اور

جو چیز بس کر رہا ہے اُن کے ہمیں وارث ہوں گے۔ اور ہمارے پاس اکیلا آئیگا

اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا

ان کفار نے اللہ کے مقابل کتنے ہی معبود بنا ڈالے تاکہ یہ دیوی دیوتا

اللہ کے سوا اور خدا بنا لئے کہ وہ

لَهُمْ عِزًّا ﴿۸۱﴾ كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ

ان پجاریوں کے لیے طاقت کا سہارا ہو جائیں۔ خبردار عنقریب یہی پجاری ان بتوں کے منکر ہو جائینگے

انہیں زور دیں۔ ہرگز نہیں۔ کوئی دم جاتا ہے کہ وہ ان کی بندگی سے منکر ہوں گے

وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿۸۲﴾ ع

اور دشمن ہو جائیں گے

اور ان کے مخالف ہو جائیں گے

تعلقات

ان آیت کا سابقہ آیت سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق ۔ پچھلی آیت میں ایمان والوں کو زیادہ ہدایت ملنے کا رب تعالیٰ کے سچے وعدے کا ذکر فرمایا گیا اب ان آیت میں کفار کی ان جھوٹی طفل تسلیوں کا ذکر ہو رہا ہے جو وہ اپنے بارے میں اولاد ملنے کی خوش فہمی کی باتیں کرتے تھے ۔ بلکہ تاقیامت اسی جھوٹے خیالات میں مبتلا ہیں۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں باقی رہنے والے مومنوں کے ایمان کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں فنا والی کفار کی اولاد اور دولت کا ذکر ہے ۔

شانِ نزول

مسلم و بخاری کی روایت ہے کہ حضرت خباب بن ارت کا کچھ قرضہ مزدوری زمانۂ جاہلیت کا مشرک مکہ عاص بن وائل سہمی پر تھا جب ایک دفعہ آپ نے وہ قرضہ طلب کیا تو عاص بن وائل نے کہا کہ اگر تو محمد کو اور دینِ اسلام کو چھوڑ دے تو میں تجھ کو قرضہ واپس کر دوں گا۔ آپ کو سخت غصہ آیا اور فرمایا کہ اے مردود بھلا میں رسول اللہ کا دامن چھوڑ دوں تھوڑے سے قرضہ کے لیے تو اگر مر کر بھی دوبارہ زندہ ہو جائے تب بھی میں دامنِ مصطفیٰ نہ چھوڑوں گا۔ اس پر وہ تعجب سے کہنے لگا کیا کوئی مر کر بھی زندہ ہو سکتا ہے آپ نے فرمایا کہ ہاں ایسا ضرور ہوگا تب مذاقاً کہنے لگا کہ اچھا اب میں قرضہ تب ہی دوں گا جب میں مر کر دوبارہ زندہ ہو جاؤں اور مجھ کو پھر مال و اولاد ملے گا۔ اس پر یہ ایک آیت ۷۷ نازل ہوئی ۔ (از امام سیوطی ۔ و خزائن العرفان)

تفسیر نحوی

أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ۔ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ۔ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۔

اَفَ لفظ ایک قول میں یہ ایک لفظ دو حرفوں کا مجموعہ ہے ۱ ہمزہ سوالیہ اور ۲ فَ عاطفہ۔ دراصل ہے فَا ۔ یہ کلمہ ۱۳ جگہ قرآن مجید میں آیا ہے۔ ترجمہ ہے کیا پس ۔ پھر کیا لیکن درست بات یہ ہے کہ یہ مجموعہ نہیں ہے بلکہ علیحدہ علیحدہ دو حرف ہیں اور بیچ میں ایک فعل پوشیدہ ہے دراصل أَنَظَرْتَ فَرَأَيْتَ ۔ یعنی کیا تم نے آنکھوں سے دیکھ لیا تو غور کیا۔ اَ ہمزہ سوالِ تعجب انکاری کے لیئے پوشیدہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ معطوف علیہ فَ عاطفہ رَأَيْتَ فعل ماضی مطلق واحد مذکر حاضر خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور شکایت ایک کافر کی ہے۔ اَلَّذِي كَفَرَ ۔ اَلَّذِي اسم موصول واحد مذکر كَفَرَ فعل ماضی مطلق هُوَ ضمیر فاعل پوشیدہ کا مرجع اَلَّذِي ہے بِ جارہ تعدیہ کی آیٰت ۔ اسم جمع مؤنث سالم نَا ضمیر جمع متکلم یہ مضاف الیہ ہے مراد ہے قرآنِ مجید کی آیتیں یہ مرکب اضافی جار مجرور ہو کر متعلق ہے كَفَرَ کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ قَالَ هُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع

ہے اَلَّذِی یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ لَاُوْتَیَنَّ۔ فعل لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ واحد متکلم مضارع مستقبل مجہول۔ بابِ اِفعال اَتیٌ سے بنا ہے اس کا مصدر ہے اِیْتَاءٌ اس میں ضمیر واحد متکلم اَنَا اس کا نائب فاعل ہے مَالًا اسم مفرد نکرہ بمعنیٰ دولت واؤ عاطفہ۔ وَلَدًا اسم مفرد جامد جنسی جمع ہے بمعنیٰ اولاد یہ لفظ مذکر مؤنث صغیر کبیر سب کو شامل ہے اگر یہ کسی قسم کا معرفہ یا منادیٰ ہو تو مفرد حقیقی مذکر ہوتا ہے جیسے یَا وَلَدُ بمعنیٰ اے بیٹے۔ یا جیسے وَلَدِیَ۔ میرا بیٹا۔ خیال رہے کہ مذکر کے نطفے کے بچے اس کی اولاد ہوتے ہیں اور مؤنث کے پیٹ کے بچوں کو اس کی اولاد کہا جاتا ہے۔ یہ معطوف ہوا یہ دونوں عطف مفعول بہ ہے۔ لَاُوْتَیَنَّ۔ فعل نائب فاعل اور مفعول یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ ہوا قول مقولہ مل کر معطوف ہوا۔ کَفَرَ کا جملہ معطوف اپنے اس معطوف سے مل کر صلہ ہوا۔ اَلَّذِیْ موصول صلے سے مل کر مفعول بہ ہے اَفَرَءَیْتَ کا۔ وہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر عطف ہے پوشیدہ پر دونوں مل کر جملہ معطوفہ ہو گیا۔ اَطَّلَعَ۔ دراصل ہے ءَاَطَّلَعَ پہلی ہمزہ سوالیہ دوسری ہمزہ اصل بابِ افتعال کی دوسری تخفیف کے لیے گرادی۔ ایک قرأت میں اِطَّلَعَ ان کے نزدیک پہلی ہمزہ گرائی گئی حرفِ اَمْ عاطفہ سوالیہ کے قرینے اور دلالت سے یہ فعل ماضی اِطْتَلَعَ تھا ت کو تو افقِ مخرج کی بنا پر ط بنا دیا گیا۔ اس کا فاعل اس میں صیغے کی ضمیر ھُوَ پوشیدہ۔ اَلْغَیْبُ اسم مفرد معرفہ الف لام عہدی ہے بمعنیٰ پوشیدہ چیز مراد ہے قیامت اور آخری جہان یا اُخروی ٹھکانہ۔ یہ مفعول بہ ہے۔ اَطَّلَعَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ خیال رہے کہ کائنات کی ہر چیز غیب ہے جن کو اللہ کے سوا اور اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر کوئی نہیں جانتا مگر ان غیوبِ کائنات کی نوعیت دو قسم کی ہے ۱۔ خود چیز ہی پوشیدہ ہو جیسے جنت ملائکہ وغیرہ ۲۔ شی خود تو ظاہر مگر اس کی حقیقت و اصلیت پوشیدہ۔ جیسے دنیوی کروڑوں ظاہری چیزیں بلکہ خود ہمارا جسم کہ ہم بھی نہیں جانتے اس کی بناوٹ مٹی سے کس طرح۔ اَمْ حرفِ عطف سوالی اختیاری اِتَّخَذَ۔ بابِ افتعال کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب اس کا فاعل وہی اَلَّذِیْ ہے۔ اَخْذٌ مہموز الفاء سے بنا ہے دراصل تھا اِءْتَخَذَ پھر اِیْتَخَذَ سے تعلیل ہوئی پھر ی کو ت کیا اور ادغام کر دیا۔ ترجمہ ہے کیا بنا لیا۔ لے لیا۔ پکڑ لیا۔ عِنْدَ اسم ظرف مکانی مضاف ہے الرَّحْمٰنِ مضاف الیہ دونوں مل کر ظرف ہے اِتَّخَذَ کا۔ عَہْدًا اسم مفرد جامد نکرہ بمعنیٰ وعدہ مفعول بہ ہے اِتَّخَذَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف ہوا اَطَّلَعَ کا دونوں مل کر جملہ معطوف ہو گیا۔ ایک قول میں قَالَ پوشیدہ مقولہ ہے۔ یعنی اللہ نے فرمایا یا قُلْ پوشیدہ ہے کہ اے نبی آپ کہو۔ کَلَّا۔ حرفِ بسیط ہے۔

جھڑک اور تنبیہ کے لیے آتا ہے۔ لیکن کبھی یہ حرفِ ایجاب کے لیے آتا ہے بمعنی جی ہاں۔ کبھی زائدہ ابتداءِ کلام کے لیے۔ ایک قول میں یہ مرکب ہے مجموعہ ہے کاف تشبیہی اور لاءِ نفی کا۔ سین حرفِ تقریب نَکْتُبُ مضارع مستقبل جمع متکلم۔ نَحْنُ پوشیدہ ضمیر فاعل مرجع اللہ تعالیٰ۔ مَا۔ اسم موصول یَقُوْلُ۔ فعل مضارع حال۔ ھُوَ پوشیدہ فاعل مرجع وہی اَلَّذِیْ یہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ۔ موصول صلہ مفعول بہ نَکْتُبُ کا سب سے مل کر جملہ فعلیہ معطوف علیہ واؤ عاطفہ نَمُدُّ۔ فعل مضارع مستقبل جمع متکلم۔ لَہٗ۔ جار مجرور متعلق ہے اول۔ مِنْ جارّہ بمعنی فِیْ جارّہ ظرفیہ اَلْعَذَابِ الف لام عہدِ ذہنی۔ عذاب اُخروی سزا۔ یہ جار مجرور متعلق دوم ہے مَدًّا۔ اسم مصدر مفعول مطلق ہے نَمُدُّ کا۔ بمعنی کھینچنا گھسیٹنا لمبا کرنا۔ درازمدت یہاں یہ آخری معنی ہیں۔ نَمُدُّ۔ سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف ہوا۔ دونوں مل کر جملہ عاطفہ تھدیدی۔ وَنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا كَلَّا سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا واؤ ابتدائیہ جملہ۔ نَرِثُ باب ضَرَبَ کا مضارع مستقبل جمع متکلم وَرْثٌ سے مشتق ہے بمعنی مالک ہونا۔ قابض ہونا۔ ہٗ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ مَا۔ اسم موصول یہ عطف بیان ہے ہٗ ضمیر کا۔ یَقُوْلُ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا دونوں مل کر عطف بیان ہٗ ضمیر کا دونوں مل کر مفعول بہ نَرِثُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ ابتدائیہ جملہ (ابتداءِ کلام کے لیے) یَاْتِیْ۔ باب ضَرَبَ کا مضارع واحد مذکر غائب اَتْیٌ سے مشتق ہے بمعنی آنا ھُوَ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل ہے مرجع وہی اَلَّذِیْ۔ نَا ضمیر جمع متکلم منصوب متصل مفعول بہ بمعنی ظرفِ مکانی دراصل تھا عِنْدَنَا ترجمہ ہے ہمارے پاس۔ فَرْدًا۔ اسم مفرد وحدانی بمعنی اکیلا۔ تنہا۔ اس کی جمع سماعی فُرَادٰی ہے اسی سے ہے منفرد اور مفرد علمِ نحو میں منفرد کی بھی تین قسمیں ہیں اور مفرد کی بھی ۱۔ منفرد فردی۔ وہ جو مقام و مکان و مرتبے میں ایک ہو ۲۔ منفرد طاق جو تقسیم میں ایک ہو یعنی برابر تقسیم نہ ہو سکے بغیر توڑے ۳۔ منفرد واحد جو تعداداً ایک ہو۔ مفرد کی اقسام ۱۔ جو تثنیہ جمع نہ ہو ۲۔ جو مضاف نہ ہو ۳۔ جو مرکب نہ ہو۔ یہ حال ہے یَاْتِیْ کے پوشیدہ فاعل ھُوَ کا دونوں مل کر فاعل ہیں یَاْتِیْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ ابتدائیہ جملہ۔ اِتَّخَذُوْا۔ باب افتعال کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع سابقہ آیت میں لفظِ کفار ہے اس کا مصدر ہے اِتِّخَاذٌ۔ اَخْذٌ سے بنا ہے بمعنی پکڑنا، بنانا، اختیار کرنا۔ یہاں مراد ہے بنانا اختیار کرنا۔ مِنْ حرفِ جار زائدہ، دُوْنِ اسم مفرد بمعنی مقابل ہوا۔ مضاف ہے اللہ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی جار مجرور متعلق ہے۔ اٰلِھَةً اسم جمع مکسر ہے اِلٰہٌ کی لفظِ اسم صفت مشبہ بروزن فِعَالٌ بمعنی اسم مفعول۔ مَاْلُوْہٌ۔ اَلَہٌ سے مشتق ہے۔ ترجمہ عبادت کیا ہوا۔ یا عبادت کرایا ہوا۔ لغوی ترجمہ ہے

جھکنا جھکانا، پوجا کرنا۔ یہ مفعول بہ ہے اِتَّخَذُوْا۔ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معلول ہوا۔ لام کَے تعلیلیہ حرفِ جازم ہے بمعنی تاکہ یَکُوْنُوْا فعل مضارع معروف جمع مذکر غائب مجزوم ناقصہ۔ اصل میں یَکُوْنُوْنَ تھا۔ نونِ اعرابی گر گئی جزم سے ھُمْ پوشیدہ ضمیر کا مرجع اٰلِھَۃً ہے۔ لَھُمْ جار مجرور متعلق ہے۔ عِزًّا اسم حاصل مصدر۔ بمعنی قوت۔ طاقت۔ غلبہ۔ حفاظت۔ بلندی۔ مدد۔ یہاں ہر معنی مناسب ہے یہ خبر ہے یَکُوْنُوْا اپنے پوشیدہ اسم متعلق اور خبر سے جملہ فعلیہ ناقصہ انشائیہ ہو کر علت ہوئی اِتَّخَذُوْا کا جملہ معلول اپنی علت سے مل کر جملہ تعلیلی ہو گیا۔ کَلَّا۔ اسم بسیط ہے بعض کے نزدیک یہ مجموعہ مرکبی ہے کاف تشبیہ اور لاءِ نفی سے مگر اب چونکہ ان کا اپنا معنیٰ باقی نہیں اس لیے کاف و لام کا ادغام کر کے بسیط کی شکل اور وزن پر بنا دیا گیا یہ لفظ قرآن مجید میں تقریباً ۳۳ دفعہ آیا ہے۔ ترکیب سے خارج ہے یہ کبھی مابعد سے جڑ کر نہیں آتا۔ ہمیشہ منفرد رہتا ہے مس حرفِ تقریب یَکْفُرُوْنَ۔ بابِ نصر کا فعل مضارع مستقبل معروف جمع غائب ھُمْ، پوشیدہ اس کا فاعل مرجع وہی سابقہ کفار بعبادتہم۔ یہ مرکب اضافی جار مجرور ہو کر متعلق ہے۔ ھِمْ ضمیر ظاہر کا مرجع اٰلِھَۃً ہے۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا واؤ سر جملہ۔ یَکُوْنُوْنَ۔ فعل مضارع مستقبل ناقصہ عَلٰی حرفِ جر۔ فوقیت کا ھِمْ کا مرجع اٰلِھَۃً ہے۔ یہ جار مجرور متعلق ہے۔ ضِدًّا۔ اسم مفرد حاصل مصدر جامد بمعنیٰ مخالف۔ خبر ہے۔ یَکُوْنُوْنَ سب سے جملہ فعلیہ ناقصہ خبریہ ہو گیا۔ لفظ ضِدًّا اگرچہ واحد ہے اور اس کی جمع اَضْدَادٌ ہے مگر یہ خود بھی واحد اور جمع کے لیے مستعمل ہے۔ اور تثنیہ کے لیے ضدین کہا جاتا ہے ضد کی پانچ قسمیں ہیں ۱۔ متقابل جیسے دوست دشمن ۲۔ مخالف جیسے مومن کافر ۳۔ متعارف جیسے سفیدی سیاہی ۴۔ متناقض جیسے موجبہ سالبہ ۵۔ متحارب جیسے منکر اور مرید یہاں اسی معنیٰ میں۔ اس کا مقابل ہے نِدًّا۔ یعنی ذات یا صفات میں شریک۔

تفسیر عالمانہ اَفَرَءَیْتَ الَّذِیْ کَفَرَ بِاٰیٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَیَنَّ مَالًا وَّ وَلَدًا۔ اَطَّلَعَ الْغَیْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَھْدًا۔ کَلَّا سَنَکْتُبُ مَا یَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا۔

اے حبیب کریم رؤف و رحیم کیا تم نے غور فرمایا اس مغرور و سرکش ظالم اور غریب کو ستانے والے کو جس نے ہماری آیت کا کفر کیا۔ قیامت حشر نشر جنت دوزخ کا منکر ہے پھر کہتا ہے کہ اگر قیامت ہوئی بھی تو مجھ کو وہاں بھی اسی دنیا کی طرح مال و دولت آل اولاد ملے گی یہ عاص بن وائل تھا جس کا بیٹا مشہور صحابی بدر کے غازی حضرت عمرو بن عاص فاروق اعظم کے زمانۂ اقدس میں سپہ سالار جرنیل اور فاتح مصر ہوئے لیکن والد اتنا بڑا کافر مغرور اور ظالم کہ ایک مزدور حضرت خباب کی زیور

یا تلوار بنانے کی مزدوری مار بیٹھا اور ایسی پُراعتماد باتیں کرتا ہے گویا غیوباتِ الٰہیہ اور لوحِ محفوظ یا ملائکہ عرش وکرسی کی غیبی باتوں پر مطلع ہو چکا ہے یا اللہ رحمٰن ورحیم سے کوئی عہد اور وعدہ باندھ لیا ہے کہ میں جو چاہے کروں تو نے مجھ کو بخشنا ہی ہے یا کوئی ایسا اچھا عمل کیا ہے کہ اللہ کا پیارا بن گیا یا ہے یا کلمہ شہادت اور کلمہ طیب پڑھ کر مومن متقی بن گیا ہے کیونکہ آخرت کی کامیابی اور مال و دولت آل اولاد عزت آبرو تو فقط اِن ہی وجوہ واَسباب سے مل سکتی ہے مگر اُس کے پاس ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں تو پھر یہ کیوں اتنی مغروریت اور فضول جھوٹے تصورات باندھے بیٹھا ہے یہاں رویت کا ذکر ہے کیونکہ رویت بڑی سند اور شہادت ہے خبر سے وَلَدًا سے مراد اولاد ہے وَلَدٌ وَاحِد ہے بمعنی ایک بیٹا اِس کی جمع وُلْدًا ہے جیسے عَرَب واحد ہے اس کی جمع عُرْبٌ ہے اَسَدٌ واحد اور اُسْدٌ جمع۔ بعض نے فرمایا۔ وَلَدًا ہی دونوں کے لیے مستعمل ہے جمع بھی واحد بھی۔ كَلَّا۔ یہ گستاخ جو بیہودہ فضول باتیں اور جھوٹے تصورات قائم کئے بیٹھا ہے وہ ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ قانون کے بھی خلاف ہے اور قدرت کے بھی۔ کفار کی ذلت و رُسوائی بے کسی۔ بے بسی۔ عِتِيًّا۔ جِثِيًّا۔ صِلِيًّا۔ اَضْعَفُ جُنْدًا۔ فَرْدًا۔ ضِدًّا کا قانون تو پہلے ہی عالَمِ اَزَل میں حَتْمًا مَقْضِيًّا ہو کر مُبْرَم ہو چکا ہے کسی کی بھی دعا شفاعت سے نہیں ٹل سکتا۔ مگر قدرت صرف انبیاء اولیاء محبوبین اور پیاروں پر جاری ہوتی ہے نہ کہ ذلیل کفار و فجار پر۔ لفظ كَلَّا۔ زجر اور نفی کا ہے یہ اُس جگہ مستعمل ہوتا ہے جہاں کسی نفرت کی چیز کی سختی ہے جھڑک کے ساتھ نفی کی جاتی ہے۔ یہ كَلَّا قرآن مجید میں تقریباً تینتیس ۳۳ بار ارشاد ہوا ہے اور مختلف آیات میں چھ ۶ معنیٰ سے استعمال ہوا ہے (۱) جھڑک جیسے یہاں (۲) تردید کے لیے (۳) صِلہ کے لیے (۴) تصدیق یعنی ایجاب کے لیے (۵) ثبوت کے لیے بمعنیٰ حقّاً (۶) استفتاح یعنی وضاحت کے لیے۔ یہ لفظ صرف مکی سورتوں میں آیا ہے اور یہاں پہلی بار ہے باقی سب اِس سے آگے آخری تیسویں پارے تک وارد ہوئے قرآء حضرات کے نزدیک اس لفظ کی چار طرح قرءت کی گئی ہے (۱) قرآنِ مجید کی دس آیتوں میں اس لفظ پر وقف بھی حسن و جائز ہے یعنی اِس کو پچھلے کلام سے ملاؤ۔ اور اس لفظ سے آیت کی ابتدا بھی جائز اور اچھی ہے یعنی اس کو اگلے کلام سے ملاؤ۔ دوم یہ کہ اس لفظ پر وقف کر دیا اِس سے آیت کی ابتدا کرو۔ دونوں جائز تو ہیں مگر حُسن کوئی نہیں۔ یہ قرءت صرف دو ۲ آیتوں میں ہے سوم اسی طرح صرف دو ۲ آیتوں میں كَلَّا پر وقف کرنا حَسَن یعنی اچھا ہے۔ ابتدا یعنی اگلے کلام سے جوڑ کر آیت کی ابتدا اِس لفظ سے کرنا جائز تو ہے مگر حسن نہیں چہارم۔ اُنہیں آیات میں

ابتدا کرنا حسن ہے یعنی اگلے کلام سے ملانا مگر وقف یعنی پچھلے کلام سے ملانا غیر جائز غیر حسن ہے پہلی قرأت کی مثال مثلاً یہی دو آیتیں ۷۹ اور ۸۲ کہ یہاں عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۔ كَلَّا ۔ پڑھنا بھی جائز و حسن ہے اور كَلَّا سَنَكْتُبُ ۔ پڑھنا بھی جائز و حسن ہے دوسری قرأت کی مثال ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ یہاں ۔ ثُمَّ ۔ كَلَّا پڑھنا بھی جائز ۔ اور كَلَّا سے ابتدا کر کے كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ پڑھنا بھی جائز مگر دونوں غیر حسن ہیں کسی کو ترجیح نہیں ۔ تیسری قرأت کی مثال مثلاً ۔ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ كَلَّا پڑھنا بھی جائز حسن اور بہتر بھی ۔ لیکن كَلَّا کو يَقْتُلُوْنِ سے علیحدہ کر کے اگلے کلام سے جوڑنا جائز تو ہے مگر بہتر نہیں ۔ چوتھی قرأت کی مثال مثلاً ۔ كَلَّا وَالْقَمَرِ ۔ پڑھنا جائز بھی حسن بھی ۔ مگر كَلَّا کو وَالْقَمَرِ سے جدا کرنا جائز نہیں ہے سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ ۔ یہ ظالم کافر اور فاسق دنیا میں باتیں تو بڑی بڑھ بڑھ کر کر رہے ہیں مگر یہ نہیں سمجھتے کہ ہم عنقریب ان کے تمام قول عمل اور اس قسم کی تمام باتیں ظلم و سرکشی سنا نا اڑانا سب کچھ اعمالنامہ بنا کر ان کو دکھا دیں گے ہم یعنی ہمارے حکم کے باندھے کراماً کاتبین یہ سب لکھتے جا رہے ہیں ۔ سَنَكْتُبُ کا معنیٰ ایک قول میں سَنَحْفَظُ ہے یعنی ایک ایک چیز کی ہم حفاظت کریں گے تا کہ کوئی قیامت میں انکار نہ کر سکے بعض نے فرمایا کہ سَنَكْتُبُ کا معنیٰ ہے سَنُظْهِرُ ۔ یعنی ہم اعمالنامہ ظاہر کر دیں گے ۔ فرشتوں کے کام کی نسبت رب تعالیٰ نے اپنی طرف فرمائی اس لیے کہ حکم رب تعالیٰ کا ہے ۔ لَاُوْتَيَنَّ (الخ) اگرچہ ظاہراً واحد متکلم اور ایک شخص کا قول ہے مگر حقیقتاً و عقیدتاً مراد پوری قوم ہے یعنی کفارِ مکہ میں سب کا عقیدہ اور تصوراتی خیال ہے اسی طرح آج بھی جو کفار و بدعقیدہ لوگ اُخروی عیش و آرام کے اسی خیالی پلاؤ میں مغرور و مگن ہیں وہ بھی ان حمقا میں شامل ہیں ۔ ایسے ہی ظالموں ستمگروں کے لیے فرمایا گیا نَمُدُّ لَهٗ ۔ کھینچ لائیں گے ان کے لیے عذاب میں سے بہت دراز عذاب کا کھینچنا یا اس طرح کہ اُس پر لمبا عذاب کریں گے یا اس طرح کہ اس کو مختلف جہنموں کے ہر قسم کے عذاب میں گھسیٹا جائے گا ۔ یا اس طرح کہ بیک وقت اُس پر تمام عذاب ہوں گے ۔ خیال رہے کہ جہنم میں پندرہ ۱۵ قسم کے عذاب ہیں ۱ آگ کا ۲ ٹھنڈک کا ۳ درد کا ۴ بدبو کا ۵ کڑواہٹ کا ۶ دھشت کا ۷ پیاس کا ۸ بھوک کا ۹ بیخوابی بیداری کا ۱۰ لڑائی کا جھگڑے گالی گلوچ کا ۱۱ شور و پکار کا ۱۲ بے آرامی بے سکونی کا ۱۳ خون و پیپ کا ۱۴ گندگی پلیدی کا ۱۵ اندھیرے کا ۔ مَدًّا سے مراد مدت کی درازی نہیں ہے کیونکہ وہ تمام کفار کو یکساں ابدالآباد ملے گا ۔ وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۔ كَلَّا ۔ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۔ اور دنیا میں ہی ہم قابض ہو جائیں گے

اُس کے تمام مالی واسباب آل وعیال عیش وآرام پر جن کے بل بوتے پر وہ ہر کفر و شرک ظلم و ستم جبر و تعدی فسق و فجور کرتا چلا جا رہا ہے مغرور و مفرور دنیا دار کے لیے یہ بڑا عذاب ہے۔ اور جو کچھ یہ لغویات بول رہا ہے اِس کی موت کے ساتھ ہی یہ سب کچھ فنا ہو جائے گا۔ اس کی باتوں پر بھی ہم ہی قابض و مالک ہیں۔ دنیا کی چند سانسوں کی زندگی میں جو چاہے خرمستیاں کرتا پھرے آج دنیا کی فضول گروہوں پر نازاں ہے کل محشر میں یَاتِیۡنَا فَرۡدًا۔ ہمارے پاس اکیلا ہی بے یار و مدد گار حاضر ہوگا نہ مال نہ اولاد نہ محشر نہ جہنم میں سب سے جُدا یہ کفار کا اَبدی حال ہوگا۔ اَوَّلاً قبور سے اُٹھ کر سب مومن کافر اکیلے ہی میدانِ محشر میں حاضر ہوں گے پھر مومنین کو محشر میں اولاد سے فرشتوں ساتھیوں سے ملاقات بھی ہوگی اور جنت میں ہر قسم کی دولت بھی ملے گی اور ہر خواہش بھی آناً فاناً پوری ہوگی۔ تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ اگر کسی مسلمان کی خواہش اولاد کی بچے کھلانے کی آرزو ہوگی تو اس کی جنتی بیوی یا حور فوراً حاملہ ہوگی بچہ پیدا ہوگا۔ وہ دودھ پلائیگی مرد اپنی خواہش میں اس کو اٹھائے کھلائے گا پھر وہ بچہ جوان بھی جلدی ہو جائے گا۔ یہ بُرے انجام والے وہی بد بخت لوگ ہیں جنہوں نے وَاتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ۔ اللہ تعالیٰ رب العزت کو چھوڑ کر بہت سے جھوٹے معبود بنا لیئے۔ چاند سورج جنات اور فرشتوں کو دیوی دیوتا مورتی اور بتوں کو معبود سمجھ لیا۔ کفارِ قریش اور دیگر تا قیامت کافروں نے اس خیال میں ان کو معبود بنایا تاکہ اللہ تعالیٰ کے روبروان بتوں کے ذریعے عزت اور شفاعت پائیں۔ كَلَّا۔ اِن بد بختوں کی یہ آرزو کبھی پوری نہیں ہو سکتی دنیوی عزت کی چھ صورتیں ہیں ۱ دولت ۲ حکومت ۳ وجاہت (رعب داب) ۴ جاگیری مِلکیت ۵ تجارت ۶ بیٹے۔ نوکر خدام غلام۔ جتھہ ۷ عربی محاورے میں اُس طاقت وبہادری کو بھی عزت کہا جاتا ہے جس پر کوئی ہاتھ نہ ڈال سکے اور اُس عزت کا سبب اس کے حمایتی ہوں۔ ابتدا سے آج تک ہر کافر کا یہ خیال اور گھمنڈ ہے کہ اس کو ہمیشہ اس طرح کی عزتیں ملتی رہیں گی۔ اسی کی تردید فرمائی جا رہی ہے کہ یہ بے وقوف جن بتوں پر بھروسہ کرتے ہوئے کافر و مشرک ہیں سَيَكۡفُرُوۡنَ بِعِبَادَتِهِمۡ قیامت میں وہ سب جنات ملائکہ دیوی دیوتا چاند سورج اِن کفار کی پوجا پاٹ پرستش عبادت عزت منت سے انکار کر دیں گے اور ان کفار سے نفرت حقارت کرتے ہوئے کہیں گے کہ یا اللہ اے ہمارے سچے معبود خالق و مالک۔ ان کافروں کی پوجا پرستش کا نہ ہم کو پتہ لگا نہ ہم نے ان کو کہا تھا یہ خود ہی کفر کی خاک پھانکتے پھرے اس لیے آج یہ اکیلے ہی جہنم کی راکھ چھانتے پھریں۔ بعض نے فرمایا کہ خود کفار ہی بتوں کی عبادت و پرستش کا انکار

کر دیں گے کہ وَاللّٰہِ مَا کُنَّا مُشْرِکِیْنَ۔ اللہ کی قسم ہم تو دنیا میں مشرک نہ تھے۔ دنیا میں تو نہ جانے کس کس آس وبھروسے پر کافرین پرست بتوں پر ہار پھول مٹھائی اور دودھ چڑھاتے ہیں مگر یہی سب کچھ قیامت میں وَیَکُوْنُوْنَ عَلَیْھِمْ ضِدًّا اُن پر الٹ ہو جائے گا کہ جن دیوی دیوتا کو کفار بہت کچھ سمجھتے تھے وہ بھی ان کے ساتھ ہی جہنم میں بند ھے پڑے ہوں گے۔ یا جن کو یہ مشرکین اپنا حامی سفارشی سمجھتے تھے آج قیامت اور جہنم میں ان کے مخالف اور دشمن ثابت ہوں گے۔ جن کو یہ اپنی عزت کا ذریعہ سمجھتے تھے وہ ہی اِن کی ذلت وعذاب کا باعث ہوں گے۔ چونکہ عزت کی الٹ ذلت ہوتی ہے اس لیے یہاں ضِدًّا ارشاد ہوا۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ۔ قیامت میں مسلمانوں کو ان کی مومن اولاد بھی ملے گی اور ثواب میں اُخروی جنتی مال بھی ملے گا مگر کفار کو یہ دونوں نہ ملیں گی یہ فائدہ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَھْدًا سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ۔ مسلمانوں کو دین دنیا کی ہر گفتگو بات چیت کلام میں بہت احتیاط چاہیئے ہر وقت قیامت اور اپنے نامۂ اعمال وکراماً کاتبین کا خیال چاہیے۔ یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ہر انسان مرد وعورت مومن کافر کی ہر بات لکھی جا رہی ہے ذرہ ذرہ کا عمل ٹیپ ہو رہا ہے۔ یہ عبرت ناک سبق اور فائدہ سَنَکْتُبُ مَا یَقُوْلُ فرمانے سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ آقائے کائنات حضور اقدس ہمارے نبی محترم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ عالمین کی ہر چیز کو دیکھتے جانتے اور سمجھتے پہچانتے ہیں کوئی نام نسب اور کوئی بھی اجسام لطیف وکثیف آپ پر پوشیدہ نہیں رہ سکتا آپ کی نگاہِ عالیہ مقدسہ اُن چیزوں کو بھی دیکھ لیتی ہے جن کو کسی اور مخلوق کی نگاہ نہیں دیکھ سکتی یہاں تک کہ ملائکہ مقربین بھی نہیں دیکھ سکتے یہ فائدہ۔ اَفَرَءَیْتَ الَّذِیْ کَفَرَ۔ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا کہ کافر نے کہیں کسی جگہ کبھی بیٹھ کر یہ بات کی تھی یا قیامت تک کافر لوگ اس طرح کے عقیدے بنائیں گے مگر رب تعالیٰ نے ثابت فرما دیا کہ میرے حبیب ہر ایک کی بات اور قلبی عقیدہ وارادہ دیکھتے اور سنتے ہیں۔ مَاشَآءَ اللّٰہُ وَلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

احکام القرآن ان آیت پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ شریعت اسلامیہ کے قانونِ مطہرہ کے مطابق ہر مسلمان پر دو کام ہر وقت حرام واشد حرام ہیں پہلا یہ کہ کوئی مسلمان کسی بھی گمراہ شخص کے کہنے میں آکر کبھی بھی اپنے دینی علماءِ کرام اور اولیاء اللہ کی توہین وگستاخی اور دینی مسائل واحکامات کا مذاق یا مقابلہ نہ کرے۔ اس

طریقے سے شیطانوں گمراہوں بدعقیدوں کو گمراہ کرنے کا موقعہ اور تخریب کا حوصلہ ملتا ہے۔ دوم یہ کہ گناہ کرکے ثواب کی امید رکھنا بھی مسلمانوں پر حرام و ممنوع ہے۔ یہ مسئلہ قَالَ لَأُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا فرمانے سے مستنبط ہوا شانِ نزول سے بھی یہ ثابت ہو رہا ہے کہ یہ قول و عقیدہ اور آس و امید گمان و خیال کفار کا ہے جو عاص بن وائل کافر نے حضرت خبّاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا تھا۔ لہٰذا مسلمانوں کو ایسے بیہودہ خیالات سے بچنا لازم ہے۔ دوسرا مسئلہ۔ دنیوی زندگی میں ہر مومن مسلمان پر اللہ تعالیٰ کے عہد اور وعدۂ الٰہیہ میں زندگی گزارنا فرض ہے یہ مسئلہ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا سے مستنبط ہوا کہ اللہ رحمٰن و رحیم کے عہدِ ایمانی میں نہ آنا کفار کا وطیرہ اور نشان ہے۔ مومن کی نشانی یہ ہے کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے عہد اور ذمّہ داری کی پناہ میں رہے اس عہد میں آنے کی احادیث پاک میں بھی بہت تاکید فرمائی گئی ہے بلکہ بہت دعائیں اور وظیفہ ارشاد ہوئے ہیں کہ ہر مسلمان صبح شام ان کا ورد کرتا رہے بلکہ وہ دعائیں اور وظیفے لکھ کر قبر میں رکھوائے انشاء اللہ اُس کی برکت سے ہمیشہ دنیا اور قبر و حشر میں اللہ تعالیٰ کے عہد کی پناہ میں رہے گا۔ احادیثِ مبارکہ کا ارشاد فرمودہ وظیفہ عہد نامہ کے عنوان سے عام چھپا ہوا ملتا ہے۔ اُس کے تقریبًا تمام الفاظ احادیث سے ثابت و مرقوم ہیں۔ ایک دفعہ مولیٰ علی شیرِ خدا مشکل کشا نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا یارسولَ اللہ لوگ مجھ سے محبت نہیں کرتے مجھے اِس کا دکھ اور افسوس ہے تو آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ دعا ہر نماز کے بعد پڑھا کرو۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لِّيْ عِنْدَكَ عَهْدًا وَّاجْعَلْ لِّيْ عِنْدَكَ وُدًّا۔ وَاجْعَلْ لِّيْ فِيْ صُدُوْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ مَوَدَّةً۔ تیسرا مسئلہ نَرِثُ وَرِثَ اور وِرَاثَةٌ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے قبضہ ہونا قبضہ کرنا، مستحق ہونا کسی اور کی قوت طاقت ملکیت ختم کرنا ہے صرف وارث اور میراث کی دولت پانا نہیں۔ دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے نَرِثُ کا تعلق مفعولی مَا يَقُوْلُ سے منسلک فرمایا یعنی ہم اُن باتوں کے وارث ہیں جو یہ کہتا ہے لہٰذا شیعہ روافض کا اسی سورۃ کی آیت ۶ سے استدلال کرکے باغِ فدک پر فاطمہ زہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا استحقاق و ملکیت ثابت کرنا غلط ہے۔ اگر میراث کا ہر جگہ معنیٰ یہی مال و دولت ہوتی تو یہاں مَا يَقُوْلُ کے لیے نَرِثُ نہ فرمایا جاتا۔ کیونکہ اقوال مال و دولت نہیں ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ يَاْتِيْنَا فَرْدًا کہ ہر شخص قیامت میں ہمارے پاس اکیلا آئے گا۔ مگر دوسری جگہ ارشاد

باری تعالیٰ ہے۔ یَوۡمَ نَدۡعُوۡا کُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمۡ ہم ہر شخص کو اُس کے امام اور لیڈر کے ساتھ بلائیں گے یہ تعارض کیوں ہے۔ جواب۔ اس کے دو جواب دئے گئے ہیں ایک یہ کہ یہاں اس آیت میں ہر انسان کا قبروں سے اُٹھ کر میدانِ محشر کی طرف دوڑتے ہوئے آنے کا ذکر ہے اور دوسری آیتِ کریمہ میں میدانِ محشر میں جمع ہونے کے بعد پھر حساب و کتاب کے لیے رب تعالیٰ کا بلانا مراد ہے۔ لہٰذا یہ تعارض نہیں بلکہ میدانِ محشر میں آنے کی دو مختلف نوعیتوں کا ذکر ہے نیز آنے اور بلانے میں بھی فرق ہوتا ہے کہ قیامت میں آنا فرداً فرداً ہوگا اور بلایا جانا بِاِمَامِهِمۡ ہوگا۔ جوابِ دوم اس طرح ہے کہ فرداً آنے کا معنیٰ ہے بغیر حمایتی بغیر شفاعتی سفارشی بے اولاد بغیر گروہ دوستوں ساتھیوں کے بغیر بے یار و مددگار آنا۔ اور بِاِمَامِهِمۡ کا معنیٰ ہے کہ جو پیروکار معتقد مرید تابع دار کا حال ہوگا وہی اُس کے امام پیشوا لیڈر اور رہنما کا ہوگا۔ یعنی کفار کے رہنما بھی کفار کے ساتھ جکڑے مارے باندھے آئیں گے۔ اور مسلمانوں کے پیشوا بھی شان و عزت وقار کے ساتھ آئیں گے۔ لہٰذا تعارض نہ رہا۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا سَنَكۡتُبُ مَا يَقُوۡلُ یعنی عنقریب ہم لکھ رکھیں گے وہ باتیں جو کہتا ہے۔ اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ صرف عاص بن وائل کافر کی فقط وہ باتیں رب تعالیٰ لکھ دے گا جو اُس وقت اُس نے حضرتِ خبّاب بن ارت سے کہیں۔ اِس سے پہلی کفریہ شرکیہ باتیں نہ لکھی جائیں گی اسی طرح یہ صرف باتیں لکھی جائیں گی اُس کے کفریہ اعمال افعال نہ لکھیں جائیں گے۔ نیز یہ باتیں بھی بعد میں لکھی جائیں گی اُس وقت نہ لکھی گئیں جس وقت اُس نے کہیں۔ حالانکہ بہت احادیث سے بھی ثابت ہے اور قرآنِ مجید کی دیگر آیات سے بھی کہ ہر بندے کا ہر عمل قول و فعل بلوغت کے فوراً بعد سے مرنے تک کراماً کاتبین ایک دم اُسی لمحہ لکھ لیتے ہیں جب بندہ مومن یا کافر کرتا بولتا ہے اگر احادیث و قرآن کریم کی دیگر آیات کے فرمودات درست ہیں تو پھر اس آیت کا منشا اور زمانۂ مستقبل کا مقصد و معنیٰ کیا ہے۔ بظاہر تو تعارض معلوم ہوتا ہے۔ جواب۔ احادیث مطہرات اور قرآن مجید کی دیگر آیات میں فرشتوں کے قلم سے سب کچھ لکھ جانا بھی درست اور حقیقت ہے۔ اور یہاں سَنَكۡتُبُ فرمانا بھی بالکل درست ہے مگر یہاں سَنَكۡتُبُ کا معنیٰ لکھنا نہیں بلکہ لکھے ہوئے کو بحفاظت رکھا رہنے اور قیامت میں وہ مکتوب اعمال نامہ کافر کے الٹے ہاتھ میں پکڑانا پڑھوانا مراد ہے۔ یہ جواب اعلیٰ حضرت نے اپنے ترجمہ میں عطا فرمایا۔ یعنی یہ کہ ہم لکھ رکھیں گے۔ ہمارے ترجمے کا بھی یہی مفہوم ہے کہ ہم اُس کافر کی اس بات کو بھی نامۂ اعمال

بنا دیں گے اُس میں شامل کر دیں گے۔ لہٰذا اب کوئی تعارض یا سوال نہ رہا۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا۔ یعنی ہم اُس کافر کو بہت لمبا عذاب دیں گے اِس آیت سے ثابت ہوا کہ کفار کو بھی دائمی عذاب نہ ہوگا بلکہ فاسقین کی طرح کسی کافر کو لمبا عذاب کسی کو چھوٹا۔ اور تھوڑی مدت عذاب آخر کار سب ہی جہنم سے نکال لیے جائیں گے اور جہنم ہمیشہ کے لیے ختم کر دی جائیگی یہ بات نَمُدُّ کے لغوی معنیٰ اور لَهٗ کی تخصیص سے ثابت ہوتی ہے (دفادیانی) جواب۔ اس کا جواب ہم نے تفسیر عالمانہ میں اس طرح دیا ہے کہ یہاں نَمُدُّ کا تعلق عذاب سے نہیں اور نَمُدُّ وَعَدًّا کا معنیٰ دراز مدت نہیں بلکہ علاقۂ جہنم اور درازیِ مقامات عذاب ہے یعنی اِس کو پوری جہنم میں گھسیٹا جائے گا یا مختلف دوزخوں میں ہر قسم کا عذاب اِس کو چکھایا جائے گا۔ بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ درازی تو مدت کی ہی مراد ہے مگر درازی بمعنیٰ ہمیشگی ہے یعنی اتنی درازی جو کبھی ختم نہ ہو۔ اور لَهٗ سے تخصیص ثابت نہیں ہوتی اس لیے کہ تخصیص حصر سے ثابت ہوتی ہے اور یہاں کہیں بھی کسی طرح کا حصر موجود نہیں۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔

تفسیر صوفیانہ وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا۔ اور زیادہ فرمائے گا رب تعالیٰ ایمان والوں کی ہدایت معرفت کو ترقی دے کر ایمان سے ایقان کی طرف اور ایقان سے اعیان کی طرف یعنی علم سے معرفت الٰہی کی ہدایت اور معرفت سے یقین کی اور یقین سے عین و دیدار کی طرف جس طرح گمراہ اپنی گمراہی و ذلت و رسوائی میں زیادتی کرتے ہیں تو اُن کی گمراہی بڑھا دی جاتی ہے اور ان کی جہالت و ذلالت کے پردے گہرے اور موٹے ہوتے جاتے ہیں اس طرح اللہ تعالیٰ ہدایت کے طالبوں کی ہدایت و توفیق میں زیادتی فرماتا ہے اِس طرح کہ جب کبھی بندہ اپنے علم کی استعداد ہمت و قوت کی بنا پر عمل کرتا ہے تو رب تعالیٰ اس کے علم کو اور زیادہ فرما دیتا ہے حدیث پاک میں ہے کہ جس نے اپنے علم پر عمل کیا تو مولیٰ جَلَّ مَجْدُهٗ اُس کو ایسے علم کا وارث بنا دیتا ہے جو وہ پہلے نہیں جانتا تھا جس کے مدارج یہ ہیں کہ بندہ عمل میں مشغول ہوتا ہے مگر اس کے علم کے پردے کھلتے رہتے ہیں کہ علم یقینی کے تقاضہ سے عین الیقین اور عملِ یقینی کی وجہ سے حق الیقین کی دولت زیادہ فرماتا ہے۔ بندے کے باقیات صالحات تیرے رب کریم کے پاس خیر ہیں باقیات وہ علوم و فضائل ہیں جن کو رب تعالیٰ تجلیاتِ وصفیہ کی جنتِ قلبیہ میں پہنچا کر ذاتِ قدیمہ کے خَیْرٌ مَّرَدًّا کی طرف رجوعِ عزیز بڑی عطا فرماتا ہے۔ باقیاتِ صالحات یہ وہ اعمال ہیں جو صادر ہونے میں واردانِ

الہیہ کے نتائج افکار سے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل غیوب کے دلوں پر وارد ہوتے ہیں۔ بعض بندے کے اعمال دو قسم کے ہیں (۱) جو عمل بندہ اپنی طبیعت اور عقل سے خود کرتا ہے وہ باقیات نہیں ہوتے (۲) لیکن جو عمل بندے پر اتقا اور توفیق سے وارد ہوتے ہیں وہ باقیات ہیں ایک آیت میں ارشاد ہے۔ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ لہٰذا بندے پر لازم ہے کہ ہر وقت اپنے نفس کی اصلاح اور تزکیۂ روح کی مجتہدانہ کوشش جاری رکھے تاکہ بندے سے وہی صادر ہوں جو باقیاتِ صالحہ اور احوالِ فاصلہ ہوں یہ اعمال ہی وہ مرتبہ رکھتے ہیں جس سے روحانی نسل بغیر بانجھ ہوتے کے پیدا ہوتی ہے ایسی روح و جسم کا ملاپ نکاحِ ولایت کا نتیجۂ سرمدیہ ابدیہ سرتریہ ہے۔ أَفَرَءَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ۔ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۔ كَلَّا ۔ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۔

اے قلبِ محمود کیا فکرِ لاہوتی سے تو نے تفکر و تدبر فرمایا اُن نفسیات پر جنہوں نے سِرُّ الاسرار کی باطنی نشانیوں کا اپنی کور چشمی کی بنا پر انکار کیا اور اپنے سرمایۂ عصیان پر غرور کرتے ہوئے تلبیسِ ابلیس سے یہ سمجھ لیا کہ یہ انکار مکر و فسون ہی دولتِ پائیدار اور نسلِ خلفشار ہے مخفیاتِ ذہینہ کو غیوباتِ سرمدی سمجھ لیا اور تارِ عنکبوت کو حبلُ اللہ اعتصام سمجھ لیا کیا ایسے ظواہر کبھی رازہائے باطنی پر مطلع ہو سکتے ہیں یا اِن طبیعتِ خبیثہ کا کوئی عہد و پیمانِ روحانیہ و بدنیہ خالق و رحمٰن مولیٰ تعالیٰ سے بنایا جاسکتا ہے کیا صبحِ بیدار کے ذکرِ جلی و خفی سے اس نے کبھی اپنے رب رحیم کو راضی کیا ہے۔ ہرگز ایسی قوتِ استعداد لیاقتِ قابلیت نہیں فی زمانہ لوگوں میں تین خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں ایک یہ کہ جہلا و خبثا نے اولیاء اللہ اور علما کو علیحدہ علیحدہ دو حصوں دو گروہوں میں تقسیم کر دیا حالانکہ قرآن و حدیث کی رو سے ولی اللہ کی دو قسمیں ہیں (۱) صاحبِ شریعت علما (۲) صاحبِ طریقت صوفیا مشائخ دوسری خرابی یہ کہ شریعت و طریقت کو دو جداگانہ چیزیں سمجھ لیا گیا ہے حالانکہ یہ دونوں ایک دین کے دو پہیے اور دو بازو ہیں تیسری خرابی یہ کہ علماءِ شریعت کو ولی اللہ نہیں سمجھا جاتا اور صوفیا کو عالم نہیں سمجھا جاتا ایک دوسرے کو مطعون کرتے رہتے ہیں اس لیے دونوں قسم کے لوگ اپنے خود ساختہ وہمی ذہنوں کے تراشے میں مبتلا ہیں۔ كَلَّا ہرگز ایسا نہیں ہے یہ جہلا اپنے اپنے اُس نامۂ اعمال کو خراب کر رہے ہیں۔ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ جو ہمارے باطنی غیبی کارندے قرطاسِ خوش ضمیری پر لکھ رہے ہیں اور کل بروزِ قیامت ہم اُن کے اس مکتوب کو اُن کے سامنے کر دیں گے۔ وَنَمُدُّ لَهُ اور دراز کر دیں گے ہم عذابِ جدائی و فراق

کو جس طرح آج وہ شریعت و طریقت میں محض اس لیے جدائیاں ڈالتے ہیں تاکہ اہلِ طریقت شریعت کا
اور اہلِ شریعت طریقت کا انکار و بے عملی کریں ۔ وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ۝ وَاتَّخَذُوْا
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۝ كَلَّا ۗ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ
وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۝ آج کل جو پیر بنے ہوئے ہیں ان کو اپنے نفوسِ حریص
پر ضبط اور قابو نہیں وہ مریدوں کی کیا اصلاح کریں گے بلکہ وہ ایسے خرافات و لغویات اور وصیات
بول کر اور ایک دوسرے کی نفرت ڈال کر مریدوں مقتدیوں کو گمراہ کر رہے ہیں ۔ حالانکہ علما ہی
انبیاءِ کرام علیہم السّلام کے وارث ہیں ۔ انبیا علیہم السلام کی وراثت دنیوی مال نہیں ہوتا اُن نفوس
قدسیہ کی میراث تو فقط علم و حکمت کا ذخیرہ ہوتا ہے لہٰذا جس نے علم حاصل کیا اُس نے باقیاتِ
صالحات کی میراث کا ایک بڑا حصہ پالیا ۔ مگر جُہلا اِس بات کو نہیں سمجھتے وہ جاہ و مال آل اولاد
کو ہی دونوں جہان کی دولت سمجھتے اور اُس ذہنی لغویات و بیہودہ اقوال پر اعتماد کر کے شرکیات
و کفریات فسق و عصیان میں مشغول ہیں ۔ وَنَرِثُهٗ اور ہم ربّ کائنات اِن خُبثًا و حُمقًا کی ہر دنیوی
دنیوی فضولیات و عملیات پر قابو پالیں گے اور یہ عالَم بدنیہ کے شور و شغب صبحِ قیامت
تفریق میں تن تنہا اور مایوسی کے خوف میں سسکتے حاضر ہوں گے ۔ اِن نفوسِ احمقانہ نے
اپنے پروردگار کے مقابل مُربّی بنالئے تاکہ دنیوی ظاہر پرستی میں عزتِ نفس کا سہارا بنیں
كَلَّا ۔ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا ۔ ذرا سی مصیبت پڑنے پر ہی یہ سارے سہارے ٹوٹ اور
چھوٹ جاتے ہیں ۔ نہ یہاں کی دوستی پر بھروسہ نہ یہاں کی دشمنی و مخالفت کا اعتبار دونوں
ہی لاغر و کمزور ۔ نورِ قلب کے رخِ تاباں کے یومِ ظہور میں یہ سب آپس میں مخالفت و انکار
پر آمادہ ہو کر قلبِ مزکّی کی قدم بوسی کے متمنّی ہو جائیں گے ۔ علم و حکمت کا میراثِ ذخیرہ سب
سے پہلے ابُو البشر آدم علیہ السّلام کو ملا اُن سے انتقالِ میراثی ہو کر دوسرے افرادِ انسانی کو ملا
خطا و نسیان بھی مثلِ میراث ہے انسان ایک زمین ہے جس میں حصۂ حیات علاقۂ قلب ہے
اور حصۂ ممات بنجر علاقہ نفسِ اَمّارہ ہے جس حصے پر رب تعالیٰ کی نظرِ رحمت پڑتی ہے
وہ زندگی و روشنی کی دولتوں سے معمور و مزیّن و منوّر ہو رہتا ہے اور جس طرف میں بے توجہی ہوتی
ہے وہاں ظلمات کی اندھیریاں ہیں ظلمات جسمانیہ میں کثافت کے چار غار ہیں پہلا غارِ انکار
کا كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا ۔ دوسرا غارِ کذب کا لَاُوْتَيَنَّ مَالًا سوم تخیلات کا ذریعہ اَمِ اتَّخَذَ ۔ چوتھا غارِ ظلمتِ تنہائی
کا يَاْتِيْنَا فَرْدًا ۔ ان تمام پر جب فناءِ حالی و قالی کا ورود ہوگا تو نَرِثُهٗ کے قہرِ جلال کا ظہور بھی ہوگا اور

سب قرآرین راہِ صداقت دنیوی ترمستیوں کا انکار کردیں گے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّاۤ اَرْسَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ عَلَی

اے محبوب کیا تم شروع زمانوں سے دیکھتے نہیں آرہے کہ مسلط کئے رکھا ہم نے شیطانوں کو

کیا تم نے نہ دیکھا کہ ہم نے کافروں پر شیطان بھیجے

الْکٰفِرِیْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿۸۳﴾ فَلَا تَعْجَلْ

کفار پر جو انگلیوں پر نچاتے رہتے ہیں اُن کو خوب نچانا۔ تو کہیں تم جلدی نہ مچانا

کہ وہ انہیں خوب اچھالتے ہیں۔ تم ان پر جلدی نہ کرو

عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿۸۴﴾ یَوْمَ

اُن کے خلاف ہم تو فقط ان کو چند گنتی کے دن دیتے ہیں کچھ معمولی گنتی

ہم تو اُن کی گنتی پوری کرتے ہیں جس دن

نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَی الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿۸۵﴾

اُس دن کی کہ جمع کریں گے ہم تمام نیکوں کو رحمٰن کی بارگاہ کے قریب مہمانوں کی طرح

ہم پرہیزگاروں کو رحمٰن کی طرف لے جائیں گے

وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِیْنَ اِلٰی جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿۸۶﴾

اور بھگائیں گے ہم تمام مجرموں کو جہنم کی طرف گرتا پڑتا

اور مجرموں کو جہنم کی طرف ہانکیں گے پیاسے

لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ

کوئی بھی شفاعت کا مالک نہ ہو گا مگر وہی جس نے پالی ہے

لوگ شفاعت کے مالک نہیں مگر وہی جنہوں نے

الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۸۷﴾

رحمن کے پاس سے اہلیت

رحمن کے پاس اقرار رکھا ہے

تعلقات ان آیت مبارکہ کا سابقہ آیت پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ مشرکین اللہ کے مقابل جن کو اپنا معبود بنائے بیٹھے ہیں قیامت میں وہ سب اپنے پیروں کاروں پجاریوں سے منکر ہو جائیں گے۔ ان آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ دنیا میں ہی منکر ہو جانے والے شیطین ان کفار کو دھڑا دھڑ خوب بہکا رہے ہیں۔ اور انگلیوں پر نچائے پھر رہے ہیں۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں ذکر تھا کہ ہر کافر شخص ہماری بارگاہ میں بروز قیامت اکیلا آئے گا۔ اب فرمایا گیا کہ مومن مسلمان اللہ کی بارگاہ میں وفد بن کر اپنے اماموں مرشدوں کے ساتھ بڑی شان اور عزت افزائی کے ساتھ لائے جائیں گے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں کفار کی کچھ خوش فہمی والی باتوں کا ذکر ہوا جو وہ قیامت کے دن اپنے عیش و آرام کے متعلق عقیدہ رکھے ہوئے ہیں۔ اب ان آیت میں اُن کی اس خوش فہمی کو توڑا جا رہا ہے کہ مال و اولاد عیش و آرام ملنا تو درکنار تمہارا تو وہاں کوئی شفاعت و سفارش کرنے والا بھی نہ ہو گا۔

تفسیر نحوی اَلَمْ تَرَ اَنَّا اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا۔ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا۔ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا۔ آ ہمزہ سوال اقراری کے لیے۔ لَمْ تَرَ فعل مضارع نفی جحد بلم بمعنی ماضی مطلق باب فتح سے دراصل تھا تَرٰی۔ لم نے جزم دیا تو آخری حرف الف گر گیا۔ اَنَّا۔ دو لفظ ہیں۔ اَنَّ مفتوحہ چونکہ درمیان میں ہے۔ نَا ضمیر جمع متکلم اَنَّ کا اسم ہے اَرْسَلْنَا۔ باب افعال کا ماضی مطلق

جمع متکلم اس کا مصدر ہے اِرسالٌ۔ رُسُلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بھیجنا۔ بہر حال متعدی ہوتا ہے باب افعال میں آکر تعدی کی تاکید مزید ہو جاتی ہے نَا ضمیر اس کا فاعل۔ الشیٰطین۔ معرف بالام استغراقی جمع مذکر سالم بحالتِ نصب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے عَلٰی بمعنیٰ ما عِندَ۔ یعنی اُن کے پاس خیال رہے عربی نحو میں اکثر یہ بات دیکھی جاتی ہے کہ فلاں لفظ فلاں لفظ کے معنیٰ میں ہے یا یہ فعل دوسرے کسی فعل کے معنیٰ میں ہے تو اس کا مقصد دونوں لفظوں یا دونوں فعلوں یا دونوں اسم مشتقوں کا یک جامعنیٰ پیدا کرنا ہے۔ مثلاً یہاں عَلٰی بمعنیٰ عِندَ ہے تو مقصد یہ ہے کہ عَلٰی کی فوقیت (غلبہ تسلط) اور عِندَ کا قرب دونوں کا اظہار ضروری ہے۔ یعنی شیٰطین ان کے پاس اُن پر مسلّط ہو کر آتے ہیں اَلکٰفِرِینَ۔ الف لام استغراقی بمعنیٰ تمام کافر ہر قسم کے یہ جار مجرور متعلق ہے تَؤُزُّ باب نَصَرَ کا فعل مضارع حال واحد مؤنث غائب اَزٌّ مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے لغوی ترجمہ ہے ہانڈی کے سالن کا اُبلنا جوش مارنا۔ اصطلاحی ترجمہ ہے کسی کو انگلی چبھو کر بھڑکانا کتے کو بھڑکانا مراد ہے ورغلانا۔ اچھالنا۔ اُکسانا۔ اُبھارنا۔ یا آپس میں گتھ جانا۔ یہاں معنیٰ ہے انگلیوں پر نچانا ھُمْ ضمیر اس کا مفعول بہ اس کا مرجع ہے کافرین۔ تَؤُزُّ کا فاعل ھِیَ ضمیر پوشیدہ واحد مؤنث غائب کا مرجع شیٰطین ہیں۔ جمع مذکر کے لیے واحد مؤنث کی ضمیر لانا اظہارِ تحقیر کے لیے ہے اَزًّا اسم مصدر مفعول مطلق۔ تَؤُزُّ سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر حال ہوا شیٰطین کا۔ اَرسَلنَا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر اَنَّ۔ اَنَّ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہ ہوا۔ اَلَمْ۔ تَرَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ کا۔ خیال رہے کہ جملہ انشائیہ تب بنتا ہے جب کہ امر[۱]۔ نہی[۲]۔ استفہام[۳] (سوال)، تمنی[۴]، ترجی[۵] عقود[۶]۔ ندا[۷]۔ عرض[۸]۔ قسم[۹] (یعنی حلف) شرط[۱۰] تعلیق[۱۱] تعجب[۱۲] کے افعال میں سے کوئی فعل جملے کے اوّل میں عامل ہو۔ ان بارہ قسموں کے علاوہ سب جملہ خبریہ ہوتے ہیں۔ فَ سببیہ ممانعت کی بمعنیٰ کہیں ایسا نہ ہو۔ لَا تَعجَلْ۔ باب فَتَحَ کا فعل نہی حاضر معروف واحد مذکر عَجَلٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ جلدی کرنا جلدی مچانا۔ اَنْتَ اس میں پوشیدہ جس کا مرجع عام مسلمان عَلَیھِمْ۔ عَلٰی بمعنیٰ فِی یعنی بارے میں ھِمْ کا مرجع کٰفِرِین جار مجرور متعلق ہے۔ اِنَّ حرف مشبّہ لغویہا۔ کافہ بمعنیٰ فقط صرف۔ یہی اس کے سوا نہیں ہے نَعُدُّ باب نَصَرَ کا مضارع معروف حال جمع متکلم۔ عَدٌّ سے مشتق ہے بمعنیٰ گننا۔ گنتی شمار کرنا لَھُمْ جار مجرور متعلق ہے عَدًّا اسم مصدر مفعول مطلق یَومَ۔ اسم ظرف زمانی مراد ہے مطلقاً وقت لغوی ترجمہ ہے صبح سے شام تک کا روشن دن۔ یہ مضاف ہے اگلا جملہ مضاف الیہ یا یہ

ظرفِ مقدم ہے اور یہ سب عبارت صفت ہے نَعُدُّ کے فاعلِ نَحْنُ کی۔ نَحْشُرُ۔ باب نصر کا فعل مضارع مستقبل معروف جمع متکلم حَشْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ جمع کرنا اس کا فاعل نَحْنُ ضمیر پوشیدہ جس کا مرجع اللہ تعالیٰ اَلْمُتَّقِیْنَ الف لام استغراقی مُتَّقِیْنَ۔ باب افتعال کا اسم فاعل جمع مذکر بحالتِ نصب (زبر) مفعول بہ ہے اِلَی الرَّحْمٰنِ یہ جار مجرور متعلق ہے نَحْشُرُ کا وَفْدًا۔ اسم مفرد لفظاً واحد معناً جمع ہے بمعنیٰ نمائندہ جماعت۔ چند قاصد۔ اس کی جمع وفود۔ اَوْفَادٌ بمعنیٰ نمائندہ جماعتیں۔ لغوی ترجمہ ہے اونچا ٹیلہ پہاڑ کا یا ریت کا۔ ایک وفد کے افراد معین ہوتے ہیں نوتک ہوتے ہیں مگر یہاں مراد ہے مہمان گروہ۔ اس لیے تعدد کی کوئی قید نہیں۔ یہ مفعول لَهٗ ہے نَحْشُرُ کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ وَنَسُوْقُ الْمُجْرِمِیْنَ اِلٰی جَهَنَّمَ وِرْدًا واؤ عاطفہ۔ نَسُوْقُ۔ بابِ نصر کا فعل مضارع مستقبل جمع متکلم۔ مرجع باری تعالیٰ سُوْقٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ ہانکنا۔ اسی سے ہے سَائِقٌ پیچھے رہ کر اگلے جانور یا نوکر چاکر بے سمجھ لوگوں کو چلانے والا اور قائد وہ جو آگے رہ کر پیچھے والوں کو کھینچے یا بلائے۔ عربی میں بازار کو سُوق اسی لیے کہتے ہیں کہ پچھلا خریدار اگلے خریدار کو آگے دھکیلتا ہے۔ اَلْمُجْرِمِیْنَ۔ اسم فاعل جمع مذکر۔ بحالتِ فتحہ مفعول بہ ہے مراد کفار ہیں جُرْمٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے نافرمان برے کام خلافِ قانون کام کرنے والے۔ مفعول بہ ہے اِلٰی جارہ ظرفیہ مکانیہ کے لیے جہنم اسم مفرد غیر منصرف کیونکہ عجمی علم ہے یہ جار مجرور متعلق ہے۔ وِرْدًا اسم فاعلِ جمع ہے وَارِدٌ کی بابِ ضرب سے وُرُوْدٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ اچانک آنا گرتے پڑتے پہنچنا۔ ٹھکانے یا منزل پر اترنا مجازی معنیٰ ہے پیاسے جانور یا لوگوں انسانوں کو یہاں تحقیر کے لیے فرمایا گیا ہے۔ دراصل تھا وَارِدِیْنَ۔ تخفیف کے لیے سماعاً وِرْدًا کیا گیا یہ حال ہے مُجْرِمِیْنَ کا۔ ذوالحال اپنے حال سے مل کر مفعول بہ ہے نَسُوْقُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا نَحْشُرُ کا۔ دونوں مل کر مضاف الیہ یَوْمَ کا مرکب اضافی مفعول بہ ہے نَعُدُّ کا۔ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر علت ہوئی لَا تَعْجَلْ کی لَا تَعْجَلْ فعل اپنے پوشیدہ اَنْتَ فاعل اور متعلق اور علت سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ لَا یَمْلِکُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا۔ لَا یَمْلِکُوْنَ باب ضرب کا فعل مضارع مستقبل منفی بلا معروف جمع مذکر غائب۔ مِلْکٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ مالک ہونا۔ اختیار رکھنا۔ قابض ہونا۔ یہاں ہر معنی مناسب ہے۔ ھُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل اس کے مرجع میں دو قول ہیں ۱۔ اس کا مرجع صرف کفار مجرمین ہے تب یہ استثنا منقطع ہوگا ۲۔ اس کا مرجع ہر انسان ہے مومن یا کافر یا فاسق تب استثنا متصل ہوگا۔ اعلیٰ حضرت نے یہی قول پسند فرمایا اَلشَّفَاعَةَ۔ الف لام عہدِ ذہنی۔ شفاعۃ

اسم معرفہ مفرد مؤنث بمعنی شفارش مفعول بہ ہے۔ ھُم پوشیدہ ضمیر مستثنیٰ منہُ۔ اِلّا حرفِ استثناء مَنْ اسم موصول۔ اِتَّخَذَ۔ فعل ماضی مطلق واحد مذکر غائب ھُوَ ضمیر واحد پوشیدہ اس کا فاعل مرجع مَنْ ہے عِنْدَ اسم ظرف مکانی مضاف ہے بمعنی الیٰ جارّہ یعنی اللہ کی طرف سے الرَّحْمٰن۔ مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی ظرف ہے۔ عَہْدًا اسم مفرد نکرہ بمعنی وعدہ ذمّہ داری۔ امانت۔ اقرار، عہدہ۔ مرتبہ اہلیت۔ لیاقت۔ یہاں یہ آخری معنی ہی بیں پ ہے۔ مفعول بہ ہے اِتَّخَذَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا۔ موصول صلہ مل کر مستثنیٰ ہوا ھُم پوشیدہ کا دونوں مل کر فاعل ہوا۔ لَا یَمْلِکُوْنَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

اَلَمْ تَرَ اَنَّا اَرْسَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا۔ فَلَا تَعْجَلْ عَلَیْهِمْ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا۔ یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَی الرَّحْمٰنِ وَفْدًا۔ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِیْنَ اِلٰی جَهَنَّمَ وِرْدًا۔ اے ہمارے محبوب ساری کائنات کو بنظرِ جسمانی دیکھنے والے کیا تم نے نہ دیکھا کہ بے شک ہم نے ابلیس و شیاطین کو ان کفارِ مکہ پر مسلط کر کے بھیجدیا وہ شیاطین ہی ان کو انگلیوں پر نچاتے اور ورغلاتے اسلام کے خلاف ہر وقت اکساتے رہتے ہیں۔ اَلَمْ تَرَ۔ کی نفی سوالِ انکاری سے ہے اور نفی کا انکار ثبوت ہوتا ہے یعنی دیکھا ہے۔ اَزًّا۔ کا معنی ہے انگلیاں چھونا۔ لغوی معنی ہے ہانڈی کے ابلنے کی آواز جس کو اردو میں کھد بدانا کہتے ہیں۔ ورغلانے اور اکسانے کی تین قسمیں ہیں ۱۔ اَزٌّ یعنی ہاتھ یا انگلی چھو کر اکسانا ۲۔ ھَزٌّ۔ جھنجھوڑ کر آمادہ کرنا ۳۔ فَزٌّ صرف ہاتھ یا آنکھ کے اشارے سے اکسانا ہاتھ نہ لگانا (معانی) الشیٰطین سے مراد ابلیس اور اس کی غیبی نسلی ذریت ہے یا اس سے مراد سردارانِ مکہ ہیں یا عام بڑے کافر جو لوگوں کو اسلام سے روکتے تھے۔ اور اکسانے سے مراد اِنْهِمَاک فِی الضَّلَالَاتِ اور اِفْرَاط فِی الْعِنَادِ۔ یعنی ہر وقت گمراہی میں پھنسے اور گمراہ گری میں لگے رہنا اور بہ محض سخت عناد و دشمنی کی وجہ سے کرتے رہنا اے حبیبِ کریم ان کے عذاب میں جلدی کی بد دعا نہ کیجئے ہم تو فقط ان کفار کی آخری سانس تک عمرِ مقررِ معیّن کی گنتی پوری کر رہے ہیں جو چند دن کی زندگی ان کو ملی ہے وہ پوری کر لیں۔ فَلَا تَعْجَلْ کی ف سببیّہ ہے یعنی چونکہ کفار کی تمام حرکتیں سرکشیاں دشمنی اور مخالفتیں ابلیسی شرارت واکساہٹ کی بنا پر ہیں اس لیے آپ غمگین و متفکر نہ ہوں کہ وہ اتنی پیاری تبلیغ کے باوجود ایمان کیوں نہیں لاتے اور غریبوں فقیروں صحابہ کو اتنی تکلیف کیوں دیتے ہیں جو ان کی برداشت سے باہر ہو جاتی ہے۔ اس لیے آپ بددعاء عذاب نہ کریں یا وہ اذیت برداشت

کرنے جھیلنے والے صحابہ بد دعا نہ کریں اگر وہ بد دعا کریں گے تو ہم اپنی تقدیر بھی بدل دیں گے ہم قادر و قیوم ہیں مگر ہم چاہتے ہیں کہ ان کو ملی ہوئی زندگی پوری ہو جائے اور ان کے نامۂ اعمال اور زیادہ سیاہ ہو جائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آخری سانس کی تین صورتیں ہیں ۱۔ جان نکلتے کے وقت ۲۔ اہل و عیال سے ابدی جدائی کے وقت ۳۔ قبر میں داخل ہونے کے وقت۔ یہی نَعُدُّ ہے۔ یہاں تو چند دن یہ کافر بڑی خوب عیش و آرام اور خر مستیاں کر لیں مگر ان کی ذلت خواری تو اس دن ہو گی یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ جس دن نہایت عزت و احترام سے ہم جمع کر لائیں گے جماعتوں کو مہمانی و فد کی طرح اس اللہ کی بارگاہِ اقدس میں جو اپنے پیاروں کے لیے رحمٰن ہے قبر میں حشر میں حساب و کتاب میں عفاریت و عنایات میں اس کی تجلیات میں مقامِ کرامت و عظمت میں جیسے کہ شہنشاہوں کے حضور انعام و تمغات پانے کے لیے اہلِ حشر حاضری بھرتے ہیں۔ احادیثِ صحیحہ میں مروی ہے کہ متقین کا یہ حشر خوشبودار اونٹوں پر ہو گا۔ لباسِ زینت و معطر میں ہر متقی کی خوشبو اور سواری بقدرِ تقویٰ ہو گی یعنی اونٹوں پر کسی بعض پر چار بعض پر تین اور کسی پر صرف ایک ہی نہایت شان و شوکت سے سوار ہو گا۔ ان اونٹوں کی زینین یاقوت کی پشتی بان (پچھلی ٹیک) سونے کی لگامیں زَبرجد کی یہ سواریاں اہلِ ایمان کو دوبار ملیں گی پہلے قبور سے نکلنے کے بعد اُن پر بیٹھ کر میدانِ محشر میں نور کے تاج پہنے ہوئے آئیں گے عرش اعظم کے پاس اُتریں گے پھر بعد حساب و کتاب جنت میں جانے کے لیے سواریاں عطا کی جائیں گی۔ انبیاءِ کرام علیہم السّلام خوب صورت نورانی گھوڑوں پر حضرت صالح علیہ السّلام اپنے ناقہ پر آقائے کائنات سرورِ مرسلین بُراق پر عوام مسلمان اپنے اپنے عملِ صالحہ پر جو اُس دن جانوروں کی شکل میں کر دیئے جائیں گے اور ہر ایک عملِ صالحہ قبر سے اٹھنے پر مومن کا استقبال کرے گا۔ نہایت خوب صورت شکل میں۔ اما بین کر بمین کر بمین تشہّد اکے چھوٹے بچے جنت کے اونٹوں پر سوار ہوں گے۔ فاسقین پیدل ہوں گے۔ یہ سب کچھ شانِ کریمانہ کی طرف سے فقط مومنین کی عزت افزائی کے لیے لیکن۔ وَنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ہم ہانک دیں گے مجرمین کافرین مشرکین کو پیاسے ترسائے جانوروں کی طرح بھگاتے ہوئے۔ دوزخ کی جانب گرتے پڑتے بھاگیں گے۔ اپنی بدعملی بدعقیدگی کفر و شرک کا بوجھ اٹھائے ہوئے کفار و فجار جب قبروں سے نکلیں گے تو ان کی بدعملیات نہایت سیاہ بدصورت خوفناک دہشت ناک حالت میں کفار و فجّار کا استقبال کریں گی سخت مکروہ بدبو کے ساتھ متقین کو ان کی خواہش کی سواریاں بھی ملیں گی لفظ وَفد جمع ہے وَافِد کی جیسے رَکب جمع ہے رَاکب کی اور صُحب صاحب کی۔ یہاں وَفدًا بمعنی شان و تکریم ہے

حقیقی معنی مراد نہیں کیونکہ حقیقی ولغوی معنی یہ ہے کہ تھوڑی دیر کے لیے کسی کے پاس وفد بن کر کسی غرض
کے لیے آنا اور پھر چلے جانا مگر اہلِ جنت کا جنت میں داخلہ اگرچہ بغرضِ حصولِ عطاءِ ثواب ہے
مگر واپس جانا نہیں۔ یا وفد کی حاضری سے مراد جنت کے داخلے سے پہلے حضور رب تعالیٰ حاضر ہونا
ہے۔ تفسیر روح المعانی نے بروایتِ احادیث فرمایا کہ امتِ مصطفیٰ کے ستر ہزار یا اس سے بھی بیشمار
زیادہ وہ خوش قسمت مسلمان ہیں جو بغیر حساب کتاب جنت میں جائیں گے اُن کو قیامت کی ہولناکی
بھی نہ ہوگی۔ ہولناکی اور قیامت کا پسینہ صرف کافرین و فاسقین کو ہوگا۔ آقاءِ کائنات صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم کو تمام انبیاءِ کرام اور اُن کی امتیں سامنے سے گزار کر دکھائی گئیں روایاتِ
کثیرہ میں ہے کہ آٹھ قسم کے بندے بغیر حساب وکتاب جنت میں جائیں گے ۔۱ کثرت سے
حمد کرنے والے ۲ راتوں کو جاگ کر تہجد و یادِ الٰہی کرنے والے ۳ جن کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے
کوئی نہ روک سکے نہ تجارت نہ مال نہ اولاد نہ کوئی وہابی دیوبندی نہ کسی کافر کی ہندو سکھ مشرک کی
دھونس و اذیت جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان تھی ۴ جو عمرے یا حج کو آتے جاتے فوت
ہو جائے ۵ دینی طالب جو دورانِ طالبِ علمی فوت ہو جائے ۶ خاوند کی مطیع بیوی ۷
والدین کا خدمت گزار بیٹا ۸ رحیم اور صابر بندہ۔ میدانِ محشر میں اہلِ ایمان کا آنا بھی تین قسم
کا ہوگا اور فجار و کفار کا آنا بھی تین قسم کا ہوگا۔ مومنین متقین کاملین صالحین کا آنا ۱ رُکبانًا ۲ مشاۃً
۳ لباسًا۔ یعنی بعض لوگ سواری پر بعض پیدل اور سب صالحین لباس میں ہو جائیں گے۔ مگر کافرین
مشرکین مجرمین مذنبین عطاشًا۔ حفاۃً عراۃً یعنی سب کفار مجرمین پیاسے ننگے بدن جثیًا یعنی
گھٹنوں کے بل چلتے آئیں گے بعض سر کے بل چلتے ہوں گے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ
سر کے بل کیونکر چل سکیں گے فرمایا جو اللہ تعالیٰ دنیا میں پیروں سے چلانے پر قادر ہے وہ
محشر میں سر کے بل بھی چلا سکتا ہے۔ اور یہ بہت سی عجیب باتیں تو دنیا میں بھی ظاہر ہیں مثلاً
چمگادڑ بلا تکلف اُلٹی ہی سوتی بیٹھتی ہے چوپائے ہاتھ پاؤں پر بلا تکلف چلتے ہیں بندر
بہت دور تک اُلٹا ہو کر چلتا رہتا ہے۔ کینگرو جانور چھلانگیں ہی مار کر چلتا ہے تو اسی طرح
وہ قادر و قیوم رب تعالیٰ کفار کو بھی محشر میں اُلٹا بھی چلا سکتا ہے۔ لَا یَمْلِکُوْنَ الشَّفَاعَۃَ اِلَّا مَنِ
اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا اس دہشت ناک دن میں تمام انسانوں میں کوئی بھی کسی کی شفاعت پر مالک
نہ ہوں گے اور اپنے اختیار سے اپنی دوستی محبت اور پیار و شفقت سے کسی کی بھی شفاعت
سفارش حمایت نہ کر سکیں گے کسی کو بچانے چھڑانے کے مالک نہ ہوں گے۔ نہ مومن کسی

شفاعت کا مالک نہ کافر نہ فاجر کی شفاعت کر سکے گا نہ مشرک و بدعقیدہ کی اِلَّا۔ یہ استثناء متصل ہے یعنی کسی کو بھی شفاعت کی اجازت نہ ہوگی سوائے اُن محبوبین کے جنہوں نے دنیوی زندگی میں ہی عبادت ریاضت خلوت مراقبہ ذکرِ الٰہی نعتِ مصطفائی۔ تلاوت حلاوت فقاہت وکرامت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ رب کریم سے حیاتِ طیبہ ابدیہ کا عہد اذن وشفاعت کا تمغہ وانعام پالیا۔ اور اپنے رحیم ورحمٰن کے کرم کریمانہ ومحبتِ خسروانہ کا عہد بنا لیا فرمایا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو روزانہ صبح شام اِن الفاظ کا وظیفہ پڑھے رب تعالیٰ بروزِ قیامت اُس کے عہد کو قائم فرمائے گا۔ اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ اَنْتَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعْھَدُ اِلَیْکَ فِیْ ھٰذِہِ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا بِاَنِّیْ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُکَ وَرَسُوْلُکَ فَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ تُقَرِّبُنِیْ اِلَی الشَّرِّ وَتُبَاعِدُنِیْ مِنَ الْخَیْرِ وَاِنِّیْ لَا اَتَّکِلُ اِلَّا بِرَحْمَتِکَ فَاجْعَلْ لِّیْ عِنْدَکَ عَھْدًا تُوَفِّیْتَہٗ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادُ۔ عہد سے مراد ۱ اذنِ شفاعت جو صرف گنہگار مسلمان کی ہوگی نہ کسی کافر مشرک کی نہ بدعقیدہ گمراہ انسان کی ۲ کلمہ شہادت اور کلمہ طیبہ کو باقی وقائم رکھنا اللہ کا عہد ہے کہ بندہ صدق دل سے اس پر ایمان لائے اس کا زندگی بھر وِرد کرے اور مولیٰ تعالیٰ ابد تک اس کو قائم و دائم فرمائے ۳ عہد شجرۂ طیبہ ہے ۴ عہد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو عذاب نہ دے ۵ جو بندہ مومن کو خوش رکھے اُس نے اللہ تعالیٰ کو خوش کیا اور جس نے اللہ کو خوش کیا اس سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کو وہاں خوش فرمائے گا جہاں کوئی کسی کو خوش نہیں کر سکتا نہ کسی کی خوشی مفید ہو ۶ جو شخص زندگی بھر اچھے وضو اچھے غسل سے اچھی اور مکمل صحیح نماز پڑھتا رہے پنج وقتہ صحیح وقت صحیح رکوع سجود قیام وتعود سے خشوع وخضوع کے ساتھ تو اُس عابد وزاہد بندے کے ساتھ رب تعالیٰ کا عہد ہے یہ کہ دنیا میں مردودیت سے بچائے اور آخرت میں عذاب ومحرومیت سے بچائے۔

فائدے اِن آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ ہمیشہ باجماعت نماز پڑھا کریں باجماعت نماز میں مسلمانوں کی جو اسلامی شان وعزت ہے وہ اکیلے پڑھنے میں نہیں یہ فائدہ اِلَی الرَّحْمٰنِ وَفْدًا کی آیت سے حاصل ہوا کہ قیامت کے دن بھی اظہارِ شان وعزت کا قیام وفد اور جماعت بن کر حاضرِ بارگاہِ الٰہیہ ہونے میں ہے لہٰذا دنیا میں بھی اس کی

بارگاہِ قدس میں بدرجہ مجبوری و نمازوں میں آنا چاہیئے۔ جب کہ فرداً فرداً آنے کو کفار کی علامت قرار دیا گیا ہے دوسرا فائدہ ہر مسلمان مرد و عورت کو ہر وقت گناہوں سے بچنا چاہیئے اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے کیونکہ گناہ عصیان ہیں اور عصیان جرم ہے اور مجرم جہنمی ہیں۔ خواہ مسلمان ہی ہو۔ یہ فائدہ اور عبرت کا سبق وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ۔ الخ فرمانے سے حاصل ہوا یعنی ہر قسم کے مجرم کو ذلت سے ہانک دیا جائے گا۔ یہاں نَسُوقُ الْكَافِرِينَ نہ فرمایا گیا تاکہ پتہ لگے کہ گناہگار فاسق و فاجر بھی رب تعالیٰ کی بارگاہ میں ذلیل و خوار ہوں گے نَسُوقُ میں تین قومیں داخل ہوں گی ۱ فاجر ۲ گمراہ گستاخ بد مذہب ۳ فاسق فاجر بد معاش، فرق صرف یہ ہوگا کہ ضدی ظالم گستاخ کلمہ گو اپنی سزا بھگتا کر جہنم سے نکالا جائے گا مگر کفار اور مرتد ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں ہی رہے گا۔ خیال رہے کہ شفاعت صرف ان مجرمین گناہگاروں کی ہوگی جو دنیا میں ضدی و ظالم نہ تھے۔ تیسرا فائدہ۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کام ایک جیسا ہوتا ہے مگر نوعیت و کیفیت مختلف ہوتی ہے دنیا و آخرت میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں لہٰذا کسی کے اچھے کام کو دیکھ کر اس کی طرف راغب نہ ہو جانا چاہیئے۔ جب تک کہ اس کام اور کام کرنے والے کی نوعیت و حقیقت و نیت کا پتہ نہ لگ جائے یہ فائدہ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا کہ دیکھو میدانِ محشر میں سب انسان حاضر ہوں گے مگر مومنین کی حاضری علیحدہ نوعیت سے ہوگی کافرین کی علیحدہ نوعیت سے۔ یہی کیفیاتِ مختلفہ دنیا میں بھی بندوں کے اعمال کی ہیں۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ مسلمانوں کو ہر قسم کی بدعملی سے بچنا چاہیئے اس لیے کہ بدعملی سے شیاطین مسلط ہو جاتے ہیں۔ جو انسان کو ہر معاملے میں گمراہ سے گمراہ تر کیئے جاتے ہیں پھر سدھرنے کا نام تک نہیں اور یہی سب سے بڑی بدبختی ہے۔ یہ مسئلہ اَلَمْ تَرَ اَنَّا اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ دوسرا مسئلہ۔ جس طرح ہر مسلمان کو حسد بغض چغلی غیبت سے بچنا فرض ہے اسی طرح لوگوں کو بری باتوں برے کاموں کی رغبت دینا بھی گناہِ عظیم اور شیطنیت ہے یہ مسئلہ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا۔ فرمانے سے مستنبط ہوا نیکیوں سے روکنا گناہوں فضول خرچیوں پر اکسانا ابلیسی کام ہے۔ ان بری حرکتوں سے بچنا بھی ہر مسلمان پر لازم ہے۔ تیسرا مسئلہ جو لوگ مسلمانوں کو زکوٰۃ سے روکتے ہوئے غربت سے ڈراتے ہیں کہ زکوٰۃ دو گے تو غریب ہو جاؤ گے اور قربانی کو معاذ اللہ فضول کہتے ہیں سود خوری کے فائدے بتاتے ہیں امیدیں بندھاتے ہیں خیرات و صدقات سے روکتے اور شادی بیاہ پر

خوب خرچ کرتے ہیں اور ہر بُرے کام بلکہ لہو و لعب کا مشورہ دیتے ہیں وہ سب لباسِ انسانی میں شیطین ہیں اُن سے اپنا ایمان بچانا لازم ہے بُرے ساتھی بھی عذاب الٰہی ہوتا ہے۔ یہ مسئلہ بھی تَؤُزُّهُمْ اَزًّا سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا اس سے ثابت ہوا کہ جن لوگوں نے کل قیامت میں مُذنبین کی شفاعت کرنی ہے اُن کو آج دنیا میں ہی شفاعت کا عہد اور اذن مل چکا ہے لیکن حدیث پاک میں آتا ہے کہ قیامت کے دن آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عرشِ اعظم کے نیچے سجدہ فرمائیں گے اور حمدِ خصوصی فرمائیں گے تب آپ کو شفاعت کی اجازت ملے گی گویا کہ دنیا میں ابھی کسی کو شفاعت کی اجازت نہیں ہے۔ قرآن کریم کی اِس آیت میں اور اِس حدیث پاک میں تعارض کیوں ہے حدیث پاک کے الفاظ اِس طرح ہیں۔ یَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَاْسَكَ سَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ اے محمد مصطفٰی اپنا سرِ اقدس اُٹھائیے جو بھی مانگو گے دیا جائے گا اور شفاعت فرمائیے شفاعت قبول کی جائے گی۔ اسی طرح آیت الکرسی میں ہے۔ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ۔ یعنی اللہ کے پاس میدانِ محشر میں کس کی ہمت و جرأت ہے جو شفاعت کر سکے مگر جس کو وہاں اجازت ملے گی وہی شفاعت کر سکتا ہے۔ اِس سے ثابت ہو رہا ہے کہ ابھی دنیا میں کسی کو اجازت نہیں ہے لیکن اِس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ اجازت اور عہد دنیا میں ہی مل گیا۔ **جواب**۔ اس کے چند جواب دئے گئے۔ حاشیہ نور العرفان میں حضرت حکیم الاُمّت نے فرمایا کہ اجازت اور عہدِ شفاعت صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں ہی مل چکا ہے قیامت کا سجدہ اذنِ شفاعت کے لیے نہیں ہوگا بلکہ اذنِ کلام کے لیے ہوگا۔ دوسرا جواب میرے نزدیک یہ ہے کہ آیتِ پاک میں اجازتِ شفاعت کا ذکر نہیں بلکہ عہد کا ذکر ہے کہ جس کے ساتھ اللہ تعالٰی نے دنیا میں عہد باندھ لیا بوجہ اُس کی محبوبیت و مقبولیت کے اُس کو کل قیامت میں اپنوں اپنوں کی شفاعت کی اجازت مل جائے گی آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اُس دن اُس سجدے سے ہی شفاعتِ کبریٰ کی اجازت ملیگی آج دنیا میں نہ اجازت ہے نہ اجازت کی ضرورت ہے۔ بعض نے یہ جواب دیا کہ اجازت تو دنیا میں ہی مل گئی ہے کہ جیسا کہ احادیث میں آتا ہے کہ عالم اتنی پشتوں کو حافظ اتنی پشتوں کی شفاعت کریں گے وغیرہ مگر ظہورِ اجازت اُس دن ہوگا اور یہ نبوی سجدہ ظہورِ اجازت کے لیے ہوگا نہ کہ اجازت کے لیے یہ سب جواب درست ہیں بہرحال آیات میں احادیث میں تعارض نہیں ہے واللہ و رسولہ اعلم۔

دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ اَلَمْ تَرَ اس فعل کے متعلق تفاسیر میں ہے کہ یہ فعل مضارع بمعنیٰ ماضی مطلق ہے اسی طرح اور بھی کئی جگہ کسی لفظ کو کسی دوسرے لفظ کے معنیٰ میں کر دیا جاتا ہے مثلاً مصدر بمعنیٰ اسم فاعل یا اسم مفعول یا کئی دفعہ عَلٰی بمعنیٰ عِنْدَ وغیرہ کر دیا جاتا ہے۔ ایسا کیوں کیا جاتا ہے؟ وہی وہی صیغہ یا فعل کیوں نہیں آجاتا جس کے معنیٰ میں یہ کیا گیا ہے۔ یعنی بجائے اَلَمْ تَرَ فرمانے کے یہاں اَمَا رَاَیْ کیوں نہ کہدیا گیا اور عَلٰی کہنے کی بجائے عِنْدَ ہی کہدیا جاتا۔ اتنے لمبے چکر کی کیا ضرورت تھی۔؟ جواب، دوسرے کئی وجوہ کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جس فعل یا حرف یا اسم کو دوسرے اسم فاعل یا حرف کے معنیٰ میں لایا جاتا ہے وہاں دونوں کے معنیٰ کا استفادہ مقصود ہوتا ہے۔ مثلاً اسی جگہ۔ اَلَمْ تَرَ کو بمعنیٰ ماضی کرنے سے ماضی و حال دونوں کا فائدہ حاصل ہوا اور فعل (دیکھنے) کی مدّت دراز ہو گئی۔ یعنی ماضی سے شروع ہو کر حال تک آگئی جس کو ہم اردو میں اس طرح ترجمہ کرتے ہیں۔ اَلَمْ تَرَ۔ کیا تم دیکھتے نہیں چلے آرہے۔ اور فعل مثبت میں کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی یہ کام کرتا چلا آرہا ہے۔ یا کہا جاتا ہے کہ یہ کام تو میں برسوں سالوں سے کرتا چلا آرہا ہوں۔ اسی طرح عَلٰی کو بمعنیٰ عِنْدَ کرنے سے جب دونوں معنیٰ شامل ہوئے تو عَلٰی سے فوقیت و تسلط ثابت کیا گیا اور عِنْدَ سے تسلط میں قرب پیدا کیا گیا۔ یہ بات خود فعل ماضی یا خود عِنْدَ کے لانے سے حاصل نہ ہوتی یہی حکمت ایسے تمام مقامات میں ہے۔ اسی طرح جب ماضی کو بمعنیٰ مضارع کیا جاتا ہے تو معنیٰ ہو جاتا ہے جان بوجھ کر کیا یا نہ کیا۔ یہی کیفیت نفی جحد بِلَمْ کا ہے۔ لَمْ یَضْرِبْ کے معنیٰ ہیں جان بوجھ کر نہ مارا اُسنے بہرحال یہ تغیّر فضول نہیں۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا اِلَی الرَّحْمٰنِ چاہیئے تھا فرمایا جاتا۔ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ اس لیے کہ اِلٰی انتہاء کے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ انتہا سے پاک و سبحان ہے عِنْدَ قرب کے لیے ہے۔ جواب۔ اِلٰی فرمانا نَحْشُرُ کی مناسبت سے ہے یعنی بندوں کا آنا اور آنے کی انتہا وہاں تک ہے اور قرب جمال تک محشر ہے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ چوتھا اعتراض۔ یہاں پہلے فرمایا نَحْشُرُ۔ پھر فرمایا۔ اِلَی الرَّحْمٰنِ۔ نَحْشُرُ کا فاعل اللہ ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی اور ذات ہے رحمٰن کوئی دیگر ذات ہے۔ جواب۔ نَحْشُرُ کا فاعل ضمیر جمع متکلم کا مرجع ذاتِ باری تعالیٰ ہے مگر رحمٰن صفاتِ باری تعالیٰ میں سے ہے اور پوری آیت کا معنیٰ و منشا یہ ہے کہ بروزِ قیامت رب کریم اپنے پیاروں کو اپنی صفتِ رحمانیت کی طرف لائیگا۔ نہ کہ غضب و جلال کی طرف۔

تفسیر صوفیانہ اَلَمْ تَرَ اَنَّا اَرْسَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ۔ فَلَا تَعْجَلْ عَلَیْهِمْ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَی الرَّحْمٰنِ وَفْدًا وَّنَسُوْقُ

الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا محی الدین ابن عربی علیہ الرحمتہ نے فرمایا جس نے اپنی سانسوں پر راہِ حق میں حفاظت کی اس کی سب ساعتیں ایام ہفتے مہینے اور سال اس کے حکم کی گنتی میں ہیں لیکن جس کی اوقات کی مہلتیں ساعتیں ہیں اس کی سانسیں برباد اور جس کے اوقاتِ مہلت دنوں میں پھیلے ہیں اس کی ساعتیں برباد اور جس کا وقتِ مہلت ہفتوں میں بٹ گیا اس کے ایام برباد اور جس کے اوقات مہینوں کی گنتی میں اس کے ہفتے برباد اور جس کو سالوں کی مہلتِ حیات ملی اور دنیوی تقسیم میں بٹ گئی اس کے مہینے برباد اور جس کی مہلتِ اوقات خواہشات کی عمروں میں پھیلے ہیں اس کی پوری عمر کی سانسیں برباد اور جس بد بخت کی پوری عمر برباد اس کے لیے کوئی مہلت نہیں اس کی حسرت اعمالِ نفس کے خلاف شمار نہ کی جائے گی اس کو چاہیئے کہ بربادیٔ عمر پر دنیا میں ہی خوب روئے ایسے بدنصیب کے لیے بددعاءِ عذاب میں جلدی نہ کی جائے اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ۔ ان کی درازیٔ عمر فکرِ نفسانی کے چند گنتی کے دن شمار کیے جا رہے ہیں۔ وقت کی لمبائی درازیٔ مدت اور کمی اوقاتِ وقف و اپ کی حاضریٔ بارگاہ کے اعتبار سے ہے کسی کا وقتِ مہلت فقط ایک ساعت کسی کا وقتِ حاضری و حضوری ایک دن کسی کا ایک ہفتہ کسی کا ایک ماہ حضوری کا ملا کسی کا ایک سال یہ اوقاتِ مہلت عمر میں فقط ایک بار اور بد بخت کو کوئی وقتِ حضوری نہیں ملتا بوجہ نفسانی شہوانی شہوات میں مستغرق ہونے کے۔ عمر ایک خزانہ ہے اور ہر سانس ایک موتی ہے۔ اے بندہ ان ہیرے موتیوں کو برباد و ضائع نہ کر ورنہ بقولِ مولانا جامیؒ بوقتِ موت انتہا کا پچھتاوا ہوگا۔ لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا متقین کا حشر بارگاہِ رحمٰن میں ہوگا کیونکہ رحمانیت صفاتِ لطیفہ میں سے ہے جس کی نعمتیں اور شانیں جود و انعام و فضل و کرم۔ قرب اور بخششیں ہیں۔ اور اگر رحمت صفتِ ذات ہو تو مراد ہوتا ہے ایصالِ خیر و دفعِ شر کا ارادہ اور اگر صفتِ فعل ہو تو خود ایصالِ خیر کرنا اور دفعِ شر مراد ہے مجرمین کا حشر اہلِ فراق و محرومین کے پاس ہے متقینِ اہلِ عقل مثلِ ملائکہ ہیں اور مجرمین مثل حیوان و دوابہ ہیں۔ اس ظہورِ سلطنتِ جلال و قہرِ فراق کی ساعتوں میں کوئی بھی کسی کی شفاعت و سفارش کا دم نہ بھر سکے گا مگر وہی بندۂ عجز و نیاز جس نے قلب عرشِ صمدیت کے حضور رحمٰن کا عہد لاہوتی پا لیا۔ بندے دو قسم کے ہیں ۱۔ بندۂ رحمٰن ۲۔ بندۂ شیطین بندۂ رحمٰن کے قرین ملائکہ ہیں اس لیے ان پر اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ کا نزولِ ملائکہ ہوتا رہتا ہے بندۂ ابلیس کا قرین شیطین ہوتے ہیں اس لیے ان مجرمین شہوات پر تَؤُزُّهُمْ اَزًّا کا حجاب ہوتا ہے نزولِ ملائکہ نورانیۃ و صفائی میں ہے نزولِ شیطانی ظلمت و کدورت میں ہے قرینِ شیطانی کے نفوسِ سفیہ پر اعمالِ کفر و خبیثہ و عقائد کا عذابِ اجلِ معین وارد ہوتی ہے متقینِ معرفت کے حشرِ عرفانی میں چار مقامات ہیں ۱۔ بسبب تجلیاتِ صفات بسوائی صفاتِ رحمٰن کا قربِ جمال کا حشر سعود ۲۔ جب سیرِ رحمٰن

کی انتہا ہوتی ہے تو سیر الی الذات کی ابتدا ہوتی ہے جن کا حشر اول سیر الی اللہ حشر دوم سیر مع اللہ حشر سوم سیر فی اللہ یہی معراج عشق کے تین مقامات ہیں۔ لیکن مجرمین اعمالِ خبیثہ کو جہنمِ طبیعت رذیلہ کی طرف وادیِ قہر سے پیاسے اونٹوں کی طرح ہانک دیا جاتا ہے اور کسی کو بھی استحقاق نہیں کہ امداداتِ ملکوتیہ اور انوارِ قدسیہ کی سفارش و شفاعت کسی کے لیئے کر سکے مگر صرف وہی بندۂ حق رحمن جسنے رحمتِ الٰہیہ کے قبول کی استعداد اور صلاحیت حاصل کر کے عہدِ حقیقی سے جناب الٰہیہ کا اتصال و قرب حاصل کر لیا۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿٨٨﴾ لَقَدْ

اور کہا انہوں نے کہ بنالی اللہ رحمن نے اولاد۔ البتہ

اور کافر بولے رحمن نے اولاد اختیار کی۔ بے شک

جِئْتُمْ شَيْـًٔا اِدًّا ﴿٨٩﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ

نکالی تم نے ایسی سخت بات جو نرا دھما کہ ہے۔ قریب ہے کہ آسمان پھٹ گریں

تم حد کی بھاری بات لائے۔ قریب ہے کہ آسمان اس سے پھٹ پڑیں

مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ

اس کفر سے اور ٹکڑے ہو جائے زمین اور بکھر جائیں تمام پہاڑ

اور زمین شق ہو جائیں اور پہاڑ گر جائیں

هَدًّا ﴿٩٠﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿٩١﴾ وَمَا

گر کر اس لیے کہ ان لوگوں نے دعوی گھڑ لیا اللہ رحمن کے لیے اولاد کا۔ حالانکہ ہو ہی نہیں

ڈھ کر۔ اس پر کہ انہوں نے رحمن کے لیے اولاد بتائی۔ اور

يَنۢبَغِىْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿٩٢﴾ اِنْ

سکتا اللہ رحمٰن کے لیے کہ بال بچے رکھے نہیں ہے

رحمٰن کے لائق نہیں کہ اولاد اختیار کرے

كُلُّ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِى

کوئی بھی جو آسمانوں اور زمین میں ہے مگر وہ رحمٰن کے پاس آنے والا ہے

آسمان اور زمین میں جتنے ہیں سب اس کے حضور

الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿٩٣﴾ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَ

بندہ بن کر۔ البتہ بے شک ازل سے منحصر کر رکھا ہے اُس نے

بندے ہو کر حاضر ہوں گے۔ بے شک وہ اُن کا شمار جانتا ہے اور

عَدَّهُمْ عَدًّا ﴿٩٤﴾

نے ان تمام کو اور علیحدہ علیحدہ شمار کر چکا ہے وہ پوری گنتی

ان کو ایک ایک کر کے گن رکھا ہے

تعلقات ان آیات کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں ذکر تھا کہ شیطان ان کفار کو ورغلاتا وسوسے ڈالتا ہے اب ان آیت میں ذکر ہے کہ سب سے بڑا شیطانی وسوسہ یہ ہے کہ ان مشرکوں نے اللہ کے لیے اولاد یعنی بیٹے کا عقیدہ گھڑ لیا۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کی طرف سے جلد فکرمند نہ ہوں ہم نے اُن کی صرف ڈھیل دی تھوڑی مدت پوری کرنی ہے اب ان آیت میں فرمایا جا رہا ہے ڈھیل ختم ہونے کے بعد یہ بھاگ نہیں سکتے۔ بلکہ ایک ایک کر کے سب بندے بنے ہوئے ہاتھ باندھے اُس کے حضور حاضر ہوں گے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں لوگوں کی گنتی جانتے کا تذکرہ تھا۔ اب ان آیت میں اس کا طریقہ

ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔

تفسیر نحوی وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ۔ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۔ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۔

واؤ سرِ جملہ یعنی عاطفہ زائد فقط ابتداءِ کلام کے لیے۔ قَالُوا۔ فعل ماضی مطلق۔ جمع مذکر غائب ھُمْ اس میں پوشیدہ ضمیر کا مرجع مجرمین ہے اس کا فاعل یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ اِتَّخَذَ۔ باب افتعال کا فعل ماضی مطلق معروف واحد مذکر اَخْذٌ سے بنا ہے اس کا مصدر ہے اِتِّخَاذٌ بمعنی بنانا اختیار کرنا مہیا کرنا حاصل کرنا۔ یہاں سب معنی مناسب ہیں الرَّحْمٰنُ اس کا فاعل وَلَدًا اسم مفرد لفظًا واحد معنًا جمع بمعنی اولاد۔ یہاں مراد مؤنث اولاد ہے کیونکہ مشرکین فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ یہ وَلَدًا مفعول ہے اِتَّخَذَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ ہوا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ لام تحقیق۔ قَدْ جِئْتُمْ۔ فعل ماضی قریب معروف جمع مذکر حاضر اَنْتُمْ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل اس کا مرجع مجرمین ہے جَیْئَۃٌ سے مشتق باب ضرب سے ہے بمعنی لانا۔ یہ مصدر بیک وقت اسی مادے میں متعدی بھی ہوتا ہے اور لازم بھی اگر متعدی ہو تو معنی ہے لانا اگر لازم ہو تو معنی ہے آنا۔ یہاں یہ مصدر متعدی ہے۔ شَيْئًا۔ اسم مفرد نکرہ اس پر تنوینِ تعجب ہے (دو زبریں) بمعنی حیرانی کی بات۔ کیونکہ جس چیز کا کہیں پتہ سرا ہی نہ ہو اس کو مان لینا یا بول دینا حیرت ہی ہوتا ہے یہ موصوف ہے اِدًّا اسم مفرد نکرہ جامد بمعنی بھاری۔ بوجھل۔ شدید بری سخت کڑوی دھاکہ خیز یہاں پہلے یا آخری معنی ہیں ہے صفت ہے شَيْئًا کی یہ مرکب توصیفی مفعول یہ لَقَدْ جِئْتُمْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ تَكَادُ۔ باب کَرُمَ ثلاثی مجرد شاذ کے آخری تیسرے باب سے ہے۔ فعل مضارع معروف واحد مؤنث کا صیغہ اس لیے آیا کیونکہ اس کا اسم السَّمٰوٰتُ جمع مؤنث حاضر موجود ہے یَتَفَطَّرْنَ۔ باب تَفَعُّلٌ کا فعل مضارع۔ جمع مؤنث غائب چونکہ اس کا فاعل حاضر نہیں اس لیے فعل جمع غائب آیا۔ اس کا مادہ مصدر ہے فَطْرٌ بمعنی چرنا پھٹنا۔ سخت نرم ٹھوس پتلی بلکہ محسوس اور غیر محسوس اور ظاہری باطنی چیز کے ٹوٹنے کو فطر کہہ دیا جاتا ہے اسی سے ہے روزہ اِفطار۔ فطور بجانا یعنی امن سکون کو توڑنا۔ فطرت پیدائشی عادت۔ فاطر۔ عدم کے پردے کو پھاڑ کر وجود میں لانے والا۔ البتہ موٹی سخت چیز کے ٹوٹنے کو فطر نہیں کہا جاتا۔ اس کا مصدر ہے تَفَطُّرٌ۔ هُنَّ ضمیر جمع مؤنث غائب پوشیدہ اس کا فاعل ہے جس کا مرجع السَّمٰوٰتُ ہے مِنْهُ جار مجرور ہُ ضمیر واحد مذکر کا مرجع شَيْئًا ہے یہ متعلق ہے یَتَفَطَّرْنَ کا وہ سب سے مل کر

جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ تَنْشَقُّ۔ باب انفعال کا فعل مضارع اس کا مصدر ہے اِنْشِقَاقٌ۔ شَقٌّ سے بنا ہے بمعنی ٹوٹنا ٹکڑے ہونا۔ صرف ٹھوس اور سخت چیز کے ٹوٹنے کے لیے ہے اَلْاَرْضُ الف لام استغراقی یا جنسی۔ ارض اسم مفرد مؤنث بمعنی روئے زمین (تمام زمین) فاعل ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ تَخِرُّ باب ضَرَبَ کا مضارع واحد مؤنث غائب خَرٌّ مضاف ثلاثی سے مشتق ہے بمعنی زمین سے لگنا گر پڑنا۔ انشقاق انخرار کا فرق۔ انفطار ٹکڑے ہونا یہ سخت جسم کے لیے مستعمل ہے گویا کہ آسمان زمین سے بھی سخت ہے اور پہاڑ سے بھی آسمان نے کبھی اپنے اوپر شرک کفر گناہ نہیں دیکھا نہ سنا یہ وَلَدًا والا شرک زمین سن کر کانپا۔ انشقاق صرف چرنا پھٹنا جیسے کپڑا پھٹنا یہ نرم کیفیت اس لیے کہ زمین پر شرک کفر ہوتے رہتے ہیں وہ اس کی عادی ہے مگر ولدیت کا شرک سن کر وہ کانپی مگر تھوڑی صرف پھٹنے کی حد تک انخرار کا معنی کسی لمبی اونچی چیز کا ڈھکر گر جانا۔ یا معنی ہے کہ تینوں کانپ کر قیامت کے قریب ٹوٹ کر پھٹ کر گر کر ختم ہو جائیں گے۔ الف لام استغراقی جِبَالُ۔ اسم جمع مکسر منصرف بمعنی تمام پہاڑ۔ هَدًّا۔ اسم مصدر مفعول مطلق ہے تَخِرُّ کا کیونکہ دونوں کا ترجمہ ایک ہی یعنی گرنا زمین بوس ہونا۔ اگرچہ لفظاً متفرق ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ حال ہے اَلْجِبَالُ کا اعلیٰ حضرت نے یہی پسند فرمایا اس میں کیفیت اور جامعیت کا اظہار ہے یہ ترجمہ کی شانِ یکتائی ہے۔ تَخِرُّ اپنے فاعل وغیرہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا۔ یتفطرن اپنے تمام معطوفوں سے مل کر خبر ہے تَكَادُ کی اگلی آیت اس کی علت ہیں۔ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا۔ وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا۔ اَنْ حرف ناصبہ عاملہ۔ یہاں لام تعلیلیہ پوشیدہ ہے اصل میں تھا لِاَنْ۔ دَعَوْا۔ باب نَصَرَ کا فعل ماضی مطلق۔ جمع مذکر غائب دَعْوٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی دعوی کرنا زور سے بات کرنا شور مچانا یہاں پہلے معنی میں ہے دراصل ہے دَعَوُوْا۔ واؤ متحرک ماقبل مفتوح لہٰذا واؤ الف سے بدلا گیا اب دو ساکن جمع ہوئے الف اور دوسری واؤ الف گر گیا۔ لام نفع کا یعنی لیے یہ جار مجرور متعلق ہے دَعَوْا کا وَلَدًا۔ مفعول بہ یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر ذو الحال ہے۔ واؤ حالیہ۔ مَا يَنْبَغِي۔ باب انفعال فعل مضارع منفی کا مانا فیہ۔ سے خلاف قیاس۔ لِلرَّحْمٰنِ۔ لام تعدی یعنی مفعولیت کا یہ جار مجرور متعلق ہے مَا يَنْبَغِي کا مصدر ہے اِنْبِغَاءٌ۔ بَغْيٌ سے بنا ہے بمعنی لائق ہونا۔ چاہنا۔ پسند ہونا۔ ضرورت ہونا۔ یہاں سب معنیٰ مناسب ہیں اَنْ ناصبہ يَتَّخِذَ۔ باب افتعال کا مضارع منصوب واحد مذکر غائب هُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ہے رحمن۔ وَلَدًا اسم مفرد جامد بمعنی اولاد۔

مفعول بہ ہے۔ یَتَّخِذَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر فاعل ہوا مَا یَنْبَغِیْ کا۔ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ
ہو کر حال ہے دَعَوْا کے فاعل کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر علت ہوئی تَکَادُ کی۔ تَکَادُ فعل مقاربہ
اپنے اسم خبر اور علت سے مل کر جملہ فعلیہ مکمل ہوا۔ اِنْ کُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِی الرَّحْمٰنِ
عَبْدًا۔ لَقَدْ اَحْصٰھُمْ وَعَدَّھُمْ عَدًّا۔ اِنْ حرف نفی اکثر اِلَّا حرف استثنا سے پہلے آتا ہے کبھی اس
کے بعد لَمَّا بھی آجاتا ہے اور کبھی دونوں میں سے کوئی ظاہراً نہیں ہوتا لیکن معناً اِلَّا ہوتا ہے۔ کُلُّ اسم
تاکیدی۔ موجبہ کلیہ کا سور بمعنی کوئی بھی۔ مضاف ہے۔ مَنْ اسم موصول فِیْ حرف جر ظرفیہ کا السَّمٰوٰتِ
جمع مؤنث سالم لفظی معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَلْاَرْضِ معطوف ہے دونوں مل کر مجرور متعلق ہے
یَکُوْنُ فعل تامہ مستتر کا یہ فعل فاعل اور متعلق مل کر صلہ ہوا مَنْ موصول اپنے صلے سے مل کر مضاف
الیہ ہے کُلُّ کا۔ یہ مرکب اضافی مستثنیٰ منہ ہے اِلَّا حرف استثنا اٰتِی رباب قَرُبَ کا اسم فاعل
واحد مذکر اَتٰی سے مشتق ہے یہ مادّہ بھی کبھی لازم کبھی متعدی ہوتا ہے یہاں لازم ہے بمعنی
آنا۔ جب متعدی ہو تو معنی ہوتا ہے لانا لیکن اس وقت اس کے بعد بِ جارّہ ہوتی ہے
مفعولیت کے لیے ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے اس کا مرجع کُلُّ مَنْ ہے یہ اسم فاعل
مضاف الیہ ہے اَلرَّحْمٰنِ مفعول بہ یا ظرف دراصل ہے عِنْدَ الرَّحْمٰنِ مضاف الیہ عَبْدًا اسم مفرد
جامد۔ حال ہے اٰتِی کے فاعل ھُوَ پوشیدہ کا۔ یہ ذوالحال حال مل کر فاعل ہے۔ اٰتِی اسم فاعل
ہے۔ اٰتِی اسم فاعل اپنے فاعل اور مفعول بہ یا ظرف مضاف الیہ سے مل کر جملہ ہو کر مستثنیٰ ہوا
کُلُّ مَنْ کا۔ دونوں مل کر خبر ہے مبتدا محذوف مَوْجُوْدٌ کی۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا لفظ
اٰتِی اور لفظ عَبْدًا لفظاً واحد ہے معناً جمع ہے واحد کا معنی کُلُّ کی وجہ سے کہ وہ بھی واحد
ہے اور جمع کا معنی تمام مخلوق کی وجہ سے لام تحقیقی قَدْ اَحْصٰی باب افعال کا فعل ماضی قریب برائے
تحقیق و یقین حَصٰی سے بنا ہے بمعنی گننا شمار کرنا ھُوَ ضمیر فاعل پوشیدہ ھُمْ بارز جمع مذکر
غائب نصوب متصل مرجع کُلُّ مَنْ ہے۔ چونکہ کُلُّ اسم لفظاً واحد اور معناً جمع ہے اس لیے اس کا
صیغہ اور ضمیر واحد بھی آسکتا ہے اور جمع بھی۔ پہلے اٰتِی صیغہ واحد آیا اور اب ھُمْ ضمیر جمع
آگئی مفعول بہ ہے۔ قَدْ اَحْصٰی اپنے فاعل مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ واو سرا جملہ
عَدَّ۔ باب نَصَرَ کا فعل ماضی مطلق واحد مذکر غائب ھُوَ اس میں ضمیر فاعل ہے مرجع الرحمٰن ہے عَدَدٌ
سے مشتق ہے بمعنی گنتی کرنا۔ شمار کر رکھنا ھُمْ ضمیر ظاہر (بارز) کا مرجع کُلُّ مَنْ ہے مفعول بہ
ہے۔ عَدًّا اسم مصدر مفعول مطلق۔ عَدَّ فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور مفعول مطلق سے مل کر جملہ فعلیہ

ہو گیا۔ خیال رہے لغتِ عربی میں گنتی کرنے کے لیے تین مصدر ہیں ۱ احصٰی ۲ عد ۳ حسب مگر فرق یہ ہے کہ تمام کو گنتی میں شامل کر لینا بلا لحاظ نوع جنس فصل کے احصٰی ہے۔ اور ایک جنس یا نوع وغیرہ کے کچھ یا تمام افراد کو گن رکھنا عدّ ہے اور گنتی میں غیر کو شامل کر کے گن ڈالنا حسب ہے۔

تفسیر عالمانہ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۔ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ۔ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۔ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۔

اور مشرکین نے عقیدۃً کہا کہ رحمٰن نے اولاد بنالی اس طرح عقیدہ بنایا کہ یہودیوں نے عزیر علیہ السلام کو سو سال فوت ہونے کے بعد زندہ دیکھ کر کہا کہ یہ اللہ کا بیٹا ہے اور نصارٰی نے بن باپ کے عیسٰی علیہ السلام کی ولادت دیکھی تو بولے یہ اللہ کا بیٹا ہے مشرکین عرب نے فرشتوں کو خفیہ اور پوشیدہ آتے دیکھ کر نظر نہ آنے کی وجہ سے کہا کہ یہ پردہ نشین فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ اے بدبختو احمقو البتہ بے شک تم ایسی سخت دھماکہ خیز چیز بنا لائے ہو کہ قریب تھا کہ آسمان پھٹ کر گر پڑتے اس بیہودہ لرزہ خیز بات سے اور زمین چر جاتی اور زمین کے تمام پہاڑ پھسل کر بکھر جاتے اس عقیدۂ بد کی دھماکہ خیزی سے تمام اشیاء عالم پر ایسا لرزہ طاری ہوا تھا کہ اگر حلم ربانی اور رحمِ رحمانی اپنے کرم کا سہارا نہ دیتا تو عالم و عالمیان اپنے وجود سے نیست و نابود اور درہم برہم ہو جاتے۔ گمراہ عیسائیوں نے چار عقیدے بنائے جن کا یہاں بُطلان فرمایا گیا اوّل حضرت مسیح کا ابن اللہ ہونا دوم الٰہ ہونا سوم مصلوب ہونا چہارم تمام عیسائیوں کے گناہ کفر شرک کا کفارہ بننا۔ یعنی تاقیامت عیسائیوں کیلئے اب نیکی۔ عبادت اور اعمال صالحہ کی ضرورت نہیں۔ صرف کفارے پر ایمان لانا کافی ہے۔ قرآن مجید نے یہاں ان چاروں عقیدوں کی تردید فرمائی عیسائیوں کے ان چاروں عقیدوں میں سے سب سے بڑا اور بُرا عقیدہ کفارہ کا ہے باقی تین عقیدے اسی کو مضبوط کرنے کے لیے بنائے گئے ہزاروں گناہوں کفریات و شرکیات کی یہ جڑ ہے اسی عقیدے کے بھروسے پر عیسائی گمراہ و گستاخ ہوئے۔ اس کی تردید یہاں قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا فرما کر گئی۔ کہ اگرچہ عیسائیوں نے اپنے اس قول میں لفظ رحمٰن نہ بولا تھا مگر یہاں لفظِ رحمٰن کا ارشاد فرمانا عقیدۂ کفارے کو توڑنا اور تردید کرنا ہے۔ کیونکہ عیسائی کہتے ہیں کہ اللہ تعالٰی بغیر بدلے کے نہ معاف کر سکتا ہے نہ بخش سکتا ہے اس لیے اس نے انسانوں کے گناہ و کفر بخشنے کے لیے اپنے بیٹے کو سولی چڑھا دیا۔ اور اس طرح بیٹے کی جان

لے کر تمام انسانوں کے گناہ کا بدلہ کیا یہاں لفظِ رحمٰن بتاتا ہے کہ رب تعالیٰ بغیر بدلے کے محض اپنی رحمانیت اور کرم و رحم سے سب کے گناہ بخش سکتا ہے اِن آیت میں چار جگہ لفظِ رحمٰن ارشاد ہوا اور لفظِ وَلَدًا تین جگہ اور عَبْدًا ایک جگہ اس سورۃ کی ابتداء عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر پاک سے اور اب یہ انتہا موجودہ عیسائیوں کی کفریہ شرکیہ بدعقیدگی پر تَکَادُ السَّمٰوٰتُ (الخ) سے یہ بتایا گیا کہ تمام کفریات میں سب سے بڑا اور سخت کفر اللہ تعالیٰ کے لیے ابنیت کا عقیدہ بنانا ہے یہ دعویٰ اور قول مثل گالی ہے اس گستاخی سے آسمان زمین اور تمام پہاڑوں پر زلزلہ آگیا تھا۔ جس کی وجہ سے یہ گرنے کے قریب تھے جس سے نظامِ عالم برباد ہو جاتا۔ اتنا بڑا ظلم و کفر نہ بت پرستی میں ہے نہ دیگر شرکیات میں۔ مفسرین فرماتے ہیں ولدیت کا عقیدہ تین دفعہ بنایا گیا اور تین دفعہ ہی آسمان و زمین پر مثلِ زلزلہ کپکپاہٹ طاری ہوئی۔ بجز ثقلین (جن و انس) تمام چیزوں پر لرزہ ہوا (از ابن عباس) ولدیت کے عقیدے سے تین شرک ہوئے۔ ۱۔ یہ کہ کل سے جز کو علیحدہ کرنا ۲۔ ذات باری تعالیٰ کو مرکب ماننا کیونکہ اولاد مرکب سے ہوتی ہے اور اولاد والد و والدہ کا جز ہوتی ہے ۳۔ اور ہر مرکب محتاج ہوتا ہے اسی لیے اولاد کا مقصود حفاظت نسل ہے اور نسل کا خطرہ اہل کے مرنے سے ہے اللہ تعالیٰ مرنے سے پاک ہے۔ مراد وہ ہے جو کمزور ہو کمزور وہ جو محتاج ہو محتاج وہ جو مرکب ہو۔ مرکب وہ جس کی جزئیں ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام عیوب سے پاک و منزہ ہے اِدًّا کی تین قرأتیں اور تین ہی معنیٰ ہیں ۱۔ اِدًّا بمعنیٰ سخت لرزہ و دھماکہ خیز کلام ۲۔ اُدًّا بمعنیٰ ناپسندیدہ ۳۔ آدًّا بمعنیٰ منحوس ثقیل بوجھل۔ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا۔ اِنْ كُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا۔ حالانکہ کسی بھی حیثیت و کیفیت سے اللہ رحمٰن کو لائق و زیبا اور چاہت نہیں کہ اپنی اولاد بیٹا یا بیٹی بنائے اس لیے کہ آسمان و زمین میں کوئی بھی انسانی جناتی ملکوتی مخلوق نہیں جو اس کی عبدیت سے جدا ہو سب کے سب اس اللہ رحمٰن کی بارگاہ میں عبد اور بندے سے مملوک و ملکیت کے تعلق و حیثیت سے ہی آنے والے ہیں۔ جو اس کی ربوبیت کے ملتجی ہیں اور اس کی معبودیت کے اقراری ہیں زبانِ حال سے بھی لسانِ کیفیت سے بھی اور بیانِ قال سے بھی۔ مومن ہو یا کافر چھوٹا ہو یا بڑا وزیر ہو یا امیر حاکم یا سلطان۔ سب اپنی کیفیتِ ضعیفہ میں اس کے سامنے عاجز و بندے مسکین و محتاج ہیں۔ مومن و کافر کی حکومت میں فرق اوّل مومن کی حکومت دلوں پر ہوتی

ہے کافر کی سروں پر اس لیے کہ مومن کی حکومت میں ۱ عدالت ۲ صداقت ۳ دیانت ۴ شرافت ۵ لیاقت ۶ اخلاص ۷ اخلاق ۸ سرور ۹ محبت ۱۰ الفت ہوتی ہے۔ کافر کی حکومت میں ۱ تکبر ۲ غرور ۳ رعونت ۴ شرارت ۵ خوف و دہشت ۶ فتنہ ۷ فساد ۸ فسق و فجور ۹ جھوٹ و ریاکاری ۱۰ ظلم و تعدی بیے انصافی ہوتی ہے۔ دوم یہ کہ مومن کی حکومت و سلطنت میں بندگی ہوتی ہے کافر کی حکومت میں شرمندگی ہوتی ہے سوم یہ کہ مومن حاکم و شہنشاہ بن کر بھی اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ہے اور کافر حقیر و محکوم ہوکر بھی قَوْمًا لُدًّا ہے۔ اور جو عبد ہو وہ ملک ہوتا ہے جو ملک ہو وہ ابن او ر اولاد نہیں ہوتا ہے اور عبد حبیب ہوتا ہے ولد شریک ہوتا ہے حبیب پورے کا مالک و مختار بنا دیا جاتا ہے شریک آدھے کا۔ حبیب با اختیار ہوتا ہے شریک بے اختیار ہوتا ہے حبیب اذن کا محتاج نہیں شریک اذن کا محتاج ہے حبیب قریب ہوتا ہے شریک بعید ہوتا ہے۔ حبیب اپنی ابتدا سے مالک ہوتا ہے شریک اپنے عمر کی انتہا سے اور چونکہ رب تعالیٰ کی انتہا نہیں اس لیے اس کا شریک بھی کوئی نہیں تو ولد نہیں۔ اَلْبَتَّہ بے شک وہ اللہ رحمٰن سموات یعنی آسمانوں بلندیوں ہواؤں فضاؤں عرش و کرسی لوح و قلم کی تمام مخلوق کی گنتی ۱ شخصیات ۲ کیفیات ۳ اجسام ۴ ابدان ۵ انفاس ۶ افعال ۷ اقوال ۸ احوال ۹ اسماء ۱۰ افراد ۱۱ ارزاق ۱۲ اعمال جانتا ہے اور زمین کی بھی تمام مخلوق یعنی مشرق مغرب شمال جنوب پہاڑ جال دریا و صحرا بحر و بر کے مومن کافر امیر و غریب چھوٹے بڑے حشرات فحبات حیوان و انسان جمادات و نباتات چرند پرند اشجار احجار کی پوری گنتی جانتا ہے اس لیے کہ لَقَدْ اَحْصٰھُمْ اس اللہ نے ان سب کو ان کے یوم تخلیق سے شمار کر رکھا ہے۔ وَعَدَّھُمْ عَدًّا۔ اور مکمل کامل و اکمل ایک ایک فرد کو انحصار تحریر میں بحفاظت تامہ محفوظ رکھ دیا ہے۔ اپنے کسی حبیب کو بتانے سمجھانے پڑھانے کے لیے ورنہ رب تعالیٰ اس گنتی و شمار سے بے نیاز ہے نہ وہ بھولتا ہے نہ چوکتا۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ خالق و مالک اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کی صرف عبدیت پسند ہے۔ لہٰذا ہر بندے کو اپنے رب کریم کی رضا کے لیے اپنے ہر قول و فعل میں ہر وقت اپنی عاجزی مسکینی بندگی و عبدیت کا اظہار چاہیے جو شخص اپنی بندگی کا اظہار نہ کرے وہ یا کافر ہے یا منافق یا فاسق و فاجر مغرور اور ایسے ہی لوگ زمین پر بدترین مخلوق ہیں یہ فائدہ اِنْ كُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ (الخ) سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ۔ عبدیت سے جہان میں پچیس فائدے ہیں۔ ۱ عبادت ۲ ثبات ایمان ۳ طہارت ۴ ریاضت

کے چمن کھل جاتے ہیں۔ امن، ایمان، یقین، صلح، محبت، پیار، دوستی، شفقت، الفت، عاجزی، انکساری کی پیاری بہاریں آجاتی ہیں اور فتنہ، فساد، شرک و بدعت، فسق و غرور، نفرت، حقارت کی خرابیوں، برائیوں کی جڑیں کٹ جاتی ہیں یہ فائدہ اِلَّاۤ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا فرمانے سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ۔ بندہ مومن کو چاہیئے ہمیشہ دو چیزوں سے نفرت و ترکِ تعلق کرتا رہے اور دو چیزوں سے محبت و سرور حاصل کرتا رہے کافرین فاسقین اور اُن کے کفر و فسق سے نفرت دوری اختیار کرے بلکہ لرزہ براندام رہے۔ اور نیکوں اور ان کی نیکیوں سے لذت سرور اور ان کا قرب حاصل کرتا رہے۔ بحوالہ تفسیر روح البیان حدیث شریف میں آتا ہے کہ پہاڑ آپس میں ایک دوسرے کا نام لے کر ہر روز پوچھتے ہیں کہ کیا آج تجھ پر کوئی ذاکرِ الٰہی گزرا یا تجھ پر آج کسی نے ذکرِ الٰہی کیا جب جواباً دوسرا پہاڑ کہتا ہے کہ ہاں تو پوچھنے والا مسرور ہو جاتا ہے اور مبارک دیتا ہے۔ اسی طرح جب زمین پر کفر شرک گناہ زنا ہوتا ہے تو پہاڑ بلکہ زمین آسمان لرز جاتا ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) یہ فائدہ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا سے حاصل ہوا۔

اُحکامُ القرآن

ان آیتِ کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ شرک اور اور اللہ تعالیٰ کے لیے ولدیت کا عقیدہ تمام کفریات میں سخت تر ہے کہ اس سے زمین و آسمان اور پہاڑ متاثر ہوتے ہیں اور ان کا متاثر ہونا تین طرح سے ظاہر ہو سکتا ہے ۱؎ یا اس طرح کہ ان پر زبردست لرزہ طاری ہوتا ہے اور اس کپکپاہٹ سے قریب تھا کہ گر پڑتے ۲؎ یا اس طرح غضبِ الٰہی سے گر پڑتے اور مخلوق انسانی حیوانی کی زندگی و بقا ان نعمتوں نفعوں کی تباہی سے برباد اور ختم ہو جاتی ۳؎ یا اس طرح کہ اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہوتا تو وہ بھی مثل اللہ یعنی دوسرا معبود و الٰہ ہوتا۔ اور لَوْ كَانَ فِيْهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا کے مطابق۔ اگر کوئی دوسرا معبود ہوتا تو آسمان و زمین بگڑ جاتے ۴؎ یا یہ معنیٰ ہے کہ اگر آسمان و زمین اور جبال ذی عقل ہوتے تو اس شدید شرکیہ باتوں کو سنکر غصے و غضب سے گر پڑتے اور ساری انسانیت فنا ہو جاتی یہ مسئلہ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ دوسرا مسئلہ۔ فقہاءِ کرام فرماتے ہیں کہ عَبدیت (جس کو اردو میں غلامیت کہتے ہیں) اور وَلدیت جمع نہیں ہو سکتے یہ دونوں متضاد ہیں عبد۔ ابن نہیں ہو سکتا۔ اور ابن یعنی وَلَد (اولاد) عبد نہیں ہو سکتا اگر کوئی والد اپنے اس بیٹے کو خریدے جو کسی کا غلام یعنی عبد ہو تو وہ فوراً آزاد ہو جائے گا اس کی عبدیت ختم ہو جائے گی اور عبد غلام حقیقی ولد نہیں بن سکتا۔ یہ مسئلہ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ (الخ) فرمانے کے بعد اِلَّاۤ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا فرمانے سے مستنبط ہوا۔

کہ تمام مخلوق تو اس کا عبد ہے ابن اور ولد ہونے کی گنجائش ہی کوئی نہیں ہے۔ تیسرا مسئلہ کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ اپنے آپ کو کسی اور ذات اور قومیت کی طرف منسوب کرے مثلاً ایک آدمی سید نہیں ہے اور اپنے آپ کو سید کہے یا پٹھان نہیں اور کسی لالچ میں آکر پٹھان بن جائے وغیرہ وغیرہ یہ سخت حرام اور گناہ ہے کبیرہ بلکہ والدہ پر تہمت لگانے کے مترادف ہے اور بفرمان قرآنی شیئًا اِدًّا ہے۔ اس طرح کسی دوسرے غیر سید کو کوئی شخص سید بنا دے یا سید کہنا شروع کر دے یہ شرعاً حرام ہے یہ مسئلہ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا کے ارشاد سے مستنبط ہوا کہ یہودیوں۔ عیسائیوں نے اپنے اپنے نبی کی ذات بدل کر ان کو اللہ کا بیٹا کہنا شروع کر دیا جس کو سخت ترین جرم قرار دیا گیا تو اسی طرح جو کسی کو سید کہے اس نے اس شخص کی ذات بدل کر سید کا بیٹا بنا دیا لہٰذا یہ بھی جرم و حرام ثابت ہوا کہ ولدیت اور ذات بدلنا ایسا سخت جرم ہے۔

اعتراضات اس جگہ چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ ابھی پہلے آیت ۸۸ میں وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ فرما کر غائب کے صیغے سے کفار کا ذکر کیا گیا مگر پھر ساتھ ہی آیت ۸۹ میں لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا۔ فرما کر ان ہی کفار کو حاضر کے صیغے سے مخاطب کیا گیا یہ بات اور طرز تکلم فصاحت کے خلاف ہے۔ (عیسائی یہودی) جواب صرف عربی میں ہی نہیں بلکہ تقریباً ہر زبان میں طرز بیانی کا یہ ضابطہ ہے کہ جب کسی سے کسی کی شکایت اور نفرت کا اظہار مقصود ہو تو غائب کے صیغے سے کلام ہوتا ہے اگرچہ وہ مجرم شخص کہیں پاس ہی موجود ہو مثلاً کہا جاتا ہے بھئی زید کا بیٹا بہت خراب ہے یا مثلاً کہا جاتا ہے۔ آج کل یہ لوگ بہت بگڑ گئے ہیں اور لیکن جب جھڑک مقصود ہو تو حاضر کے صیغے سے کلام ہوتا ہے اگرچہ مخاطب دور ہو۔ مثلاً خط میں لکھا جاتا ہے کہ تم بہت غلط ہو وغیرہ وغیرہ۔ یہاں آیت ۸۸ میں اظہار نفرت ہے اور آیت ۸۹ میں جھڑک ہے اس لیے دونوں کلام اپنے اپنے اعتبار سے عین درست ہیں اور حکمت کے مطابق ہیں اور اسی کو فصاحت کلام کہا جاتا ہے۔ بلا دلیل خلاف فصاحت کہدینا جہالت ہے دوسرا اعتراض۔ یہ اعتقاد غلط ہے کہ حضرت مسیح بغیر باپ کے پیدا ہوئے یہ عقیدہ باطلہ عیسائیوں کا ہے اور اسی کے سہارے عیسائیوں نے ابنیت کا عقیدہ بنا لیا لہٰذا مسلمانوں کو یہ عقیدہ نہ بنانا چاہیئے صحیح یہ ہے کہ عیسٰی علیہ السّلام یوسف نجار کے بیٹے تھے (احمد خان علی گڑھی بانی فرقہ نیچریہ اور ان کا ٹولہ) جواب۔ صحیح عقیدہ وہی ہوتا ہے جس کی وضاحت قرآن مجید سے ثابت ہو قرآن مجید نے عیسائیوں کے تمام بڑے بڑے عقیدوں کی نہایت مضبوط انداز میں تردید فرمائی ہے مثلاً سولی کی تردید

وَمَا صَلَبُوۡهُ سے ۲ قتل وموت کی تردید وَمَا قَتَلُوۡهُ سے ۳ ابنیت کی تردید اِنِّیۡ عَبۡدُ اللّٰهِ سے ۴ کفارے کی تردید اِتَّخَذَ الرَّحۡمٰنُ میں لفظ رحمٰن ارشاد فرمانے سے۔ جیسا کہ تفسیر میں بتایا گیا اگر بغیر باپ ہونے کا عیسائی عقیدہ بھی غلط اور باطل ہوتا تو قرآن مجید میں اس کی تردید فرما دی جاتی حالانکہ قرآنِ مجید نے نصوصِ ثلاثہ سے اس عقیدے کا وضاحت سے ثبوت بیان فرمایا ہے اور اقتضاءً واشارۃً ودلالۃً اس عقیدے کی تائید فرمائی ہے اور ہر مسلمان کو حقیقتاً اس عقیدے کی تلقین فرمائی گئی ہے اگرچہ عبارۃُ النص میں واضح الفاظ سے بغیر باپ ہونے کا ذکر نہ کیا گیا مگر سورۃ مریم کی اوّلین آیت اور آخری آیت کو اگر مربوط انداز میں علم وعقل سے پڑھا سمجھا اور ذرا سا تدبر کیا جائے تو بن والد ہونے کی وضاحت صاف نظر آتی ہے رہا عیسائیوں کا اس صحیح حقیقی عقیدے سے ناجائز فائدہ لیتے ہوئے ابنیت کا سہارا پکڑنا تو یہ ان کا بیہودہ اور غلط استفادہ اور مفاد پرستی ہے۔ قرآنِ مجید کی تعلیم سے یہی ثابت ہو رہا ہے کہ بغیر باپ ہونا ابن اللہ ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی قرآن کریم کو سمجھنے کے لیے تھوڑی بہت عقل چاہیئے۔ تیسرا اعتراض۔ قرآن نے کفارے کی کہیں تردید نہ فرمائی نہ انکار کیا اس لیے مسلمانوں کو یہ عقیدہ صحیح تسلیم کر لینا چاہیئے (موجودہ عیسائی) (جواب) قرآن مجید میں بار بار مختلف آیات میں یہ فرمانا کہ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ کفارے جیسے بیہودہ اور بناوٹی شیطانی عقیدے کی تردید ہی ہے اس لیے کہ کفارہ کے عقیدے پھیلانے بنانے اور اپنانے کا مقصد یہی ہے کہ اب کفارہ دیدیا گیا لہٰذا کسی کو نیکی اور اعمالِ صالحہ عبادتِ شریعت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اسی طرح لفظِ رحمٰن کی صفت کا تذکرہ فرمانا بھی کفارے کا رد فرمارہا ہے خیال رہے کہ پورے قرآنِ مجید میں مختلف سورتوں کی آیات میں تقریباً ستاون۵۷ جگہ اور سورۃِ مریم میں سب سے زیادہ بار تقریباً سولہ۱۶ جگہ یہ صفت ارشاد ہوئی یہی بتانے کے لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحیمی اور رحمانیت کرم ورحم سے گناہ بخشتا ہے نہ کہ کفارے سے۔ چوتھا اعتراض مسلمان تو یہ بھی نہیں جانتا کہ مریم کا منگیتر اور خاوند یوسف نجار تھا مسلمان اہل سنت کہتے ہیں کہ مریم کا کبھی کسی مرد سے کوئی کسی طرح کا بھی تعلق نہ تھا۔ حالانکہ یہ بات تاریخی حقائق کے خلاف ہے تاریخ بلکہ خود بائبل میں ایک جگہ یوسف نجار کو مریم کا منگیتر کہا ہے اور بائبل کی دوسری کتب میں مریم کا خاوند کہا گیا ہے یعنی یوسف نجار مریم کا خاوند مگر ابھی رخصتی نہ ہوئی تھی کہ مریم کے ولادت ہوگئی۔ رخصتی سے پہلے خاوند کا صحبت کرنا اگرچہ شریعت ابراہیمی وموسوی میں جائز فعل تھا مگر رواجاً سخت معیوب تھا۔ اس لیے جب مریم کے بچہ پیدا ہوا تو قوم نے اس لیے مریم کو برا بھلا

کہا کہ رخصتی سے پہلے تیرا خاوند تیرے قریب کیوں آیا۔ تجھ سے کیوں صحبت کی نہ کہ بن باپ ہونے کی وجہ سے اگر یہ زنا کی تہمت ہوتی تو قوم ان کی معاف نہ کرتی بلکہ سنگسار کر دیتی مروا دیتی۔ (نیچری فرقہ) جواب یہ تمام باتیں اور توجیہیں قطعاً غلط ہیں۔ مسلمان ان کو چار وجہ سے نہیں مانتے۔ پہلی وجہ یہ کہ قرآن مجید احادیث پاک اور کسی بھی معتبر تاریخی کتاب میں حضرت مریم کے ساتھ کسی بھی یوسف کا ذکر نہیں ملتا۔ نہ کسی دوسرے مرد سے کسی قسم کا کوئی تعلق ثابت ہے دوسری وجہ یہ کہ کسی اسلامی تفسیر میں بھی کسی مرد سے حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کوئی تعلق ثابت نہیں ہے بجز حضرت زکریا کے جو بچپن سے اس واقعہ تک آپ کے کفیل رہے۔ تیسری وجہ یہ کہ بائبل میں بھی کوئی یقینی بات نہیں ملتی ایک جگہ لکھا ہے کہ ولادتِ مسیح کے وقت مریم کا منگیتر یوسف نجار مریم کے ساتھ رہا۔ دوسری جگہ لکھا ہے کہ مریم کا خاوند یوسف ساتھ تھا؟ حالانکہ منگیتر خاوند نہیں ہوتا اور خاوند منگیتر نہیں ہوتا۔ یہ تضاد بیانی ثابت کرتی ہے کہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ چوتھی وجہ یہ کہ یہودی کتب میں بھی یوسف نجار کا ذکر نہیں ہونا بقول ابوالکلام آزاد یہودی لوگوں نے اس وقت ولادتِ مسیح کی تہمت ایک مرد۔ پنقرا نامی نام کے سر لگائی تھی نہ کہ یوسف نجار کے سر۔ پنجم وجہ یہ کہ اس وقت کے یہودیوں نے بغیر رخصتی کی وجہ سے برا بھلا نہ کہا تھا بلکہ قرآنِ مجید اور تفاسیر کی عبارات سے صاف صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ قوم نے زنا ہی کی تہمت لگائی تھی یہاں تک کہ حضرت زکریا کو اسی تہمت کی آڑ اور بہانے سے قتل کیا گیا۔ نیز مریم کا فرمانا۔ لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِیًّا۔ اور قوم کا یہ کہنا کہ یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْئًا فَرِیًّا۔ وَمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِیًّا۔ یہ سب باتیں تہمتِ زنا کو ہی ثابت کر رہی ہیں بَغِیًّا کا معنی فاحشہ اور زانیہ ہی ہوتا ہے۔ چھٹی وجہ یہ کہ رخصتی سے پہلے خاوند کا اپنی بیوی سے صحبت کر لینا اور حمل قائم کر دینا نہ شرعاً جرم ہے نہ قانوناً اور نہ ہی کسی دور میں رواجاً ممنوع رہا اور اگر اس دور میں یہ معیوب اور قابلِ عتاب تھا بھی تو یوسف نجار کو برا بھلا کہا جاتا اس کو تو کچھ بھی نہ کہا گیا بس اور خاوند والی عورت کے پیچھے ہاتھ جھاڑ کر پڑ گئے۔ ساتویں وجہ یہ کہ قوم نے مریم کو تہمت زنا کے باوجود سنگسار کیوں نہ کیا اس کا ایک سبب یہ کہ حضرت مریم کنواری تھیں اور کنواری زانیہ در کنوارے زانی کو شرعاً سنگسار نہیں کیا جاتا شادی شدہ اگر زنا کرے تو زانی مزنیہ دونوں کو سنگسار کیا جاتا ہے دوم سبب یہ کہ زنا کے لیے ہر شریعت میں معتبر چار گواہ چاہئیں جو نہایت صاف صاف چشم دید گواہی دیں یہاں تو کوئی بھی موقعہ کا گواہ نہ تھا سوم یہ کہ شریعت کی حد لگانا حکومت کی عدالت کا قانونی عمل ہے

یہاں اس وقت کوئی بھی قانون کچہری نہ تھی چہارم یہ کہ حضرت مسیح کی گفتگو سے کچھ لوگ مرعوب اور کچھ تائب ہو کر حضرت مریم کی پاک دامنی کے قائل ہو چکے تھے۔ ششم یہ کہ حضرت مریم کو برا کہنے والے بعض جذباتی لوگوں نے آپ کو پتھر یا ڈنڈہ مارنے کی کوشش کی تو وہ خود گر کر تڑپ تڑپ کر مر گئے جس سے قوم میں وحشت پھیل گئی اور ڈر گئے ان تمام کیفیات وحالات سے ثابت ہو رہا ہے کہ حضرت مریم کا کوئی بھی خاوند یا منگیتر نہ تھا۔ نہ کوئی یوسف نجار نامی شخص اس وقت اس زمانے میں کہیں تھا یہ صرف عیسائیوں اور پتھر یلوں کی تخیلاتی بناوٹ ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم۔ پانچواں اعتراض یہاں فرمایا گیا۔ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اِتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا۔ کا عقیدہ شرک ہے اس لیے اس قول کو اِدًّا فرمایا گیا۔ تفسیروں میں اس سے توحید باری تعالیٰ کی مخالفت ثابت کی گئی ہے کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے ابنیت کا دعویٰ کیا وہ مشرک ہیں حالانکہ ولدیت سے کسی طرح بھی شرک ثابت نہیں ہوتا یہ صرف کفر ہے۔ حقیقتاً یا حکماً شرک نہیں۔ حقیقتاً تو اس لیے نہیں کہ بیٹا باپ کا زندگی بھر باپ کی ملکیت کا محتاج رہتا ہے شریک یا مالک نہیں ہوتا باپ کے مرنے کے بعد میراث کا مالک ہوتا ہے نیز حدیث پاک میں ہے أَنْتَ وَمَالُكَ لِأَبِيكَ یعنی تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے اس سے بھی ثابت ہوا کہ بیٹا شریک نہیں بلکہ ملکیت ہے تو اس حدیث پاک کے فرمان سے ابنیت اور ملکیت جمع بھی ہو گئی اور فقہ کا وہ قانون ٹوٹ گیا اور پھر وَلَدُ موجودات میں سے ہے اور موجودات سے خالقیت قادریت عالمیت حکمیت ثابت ہوتی ہے اور عمل صالح و تقوے سے علم وحکمت پر دلالت ہے لیکن اولاد ہونا وحدانیت کا مخالف نہیں نہ مخالفت کی کوئی وجہ چاہیے تھا کہ عقیدۂ وَلَدُ والوں کو مشرک نہ کہا جاتا۔ بلکہ ایسے عقیدے والوں کو خالقیت اور قدرت حکمت کا فقط منکر و کافر کہا جاتا۔

جواب۔ ولدیت کا عقیدہ واقعتاً شرک ہے اور عیسائی یہودی وغیرہ حقیقتاً مشرک ہیں اس لیے بیٹا و اولاد باپ کے مشابہ ہوتا ہے ملکیت میں نہ سہی مگر شکل صورت اصلاً نسلاً عظمت و شان وجاہت نسبت مثلیت میں مشابہت پائی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ جل وعلیٰ کی شان ہے لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ۔ یعنی رب تعالیٰ شان ورفعت وعظمت میں بے مثل ہے اس کے مشابہ کوئی کسی بھی نعمت قدرت میں نہیں اور جو مشابہ ہو وہ مشابہ میں اس کے شریک ہوتا ہے اس لیے ولدیت و ابنیت کا عقیدہ مشرکانہ ہوا نیز حدیث مذکورہ کا معنیٰ حقیقی ملکیت نہیں بلکہ حقوق خدمت کی ملکیت مراد ہے أَنْتَ وَمَالُكَ سے مراد ہے کہ تو اپنے والد کا نوکر ہے نہ کہ غلام

اولاد تیرا مال والد بغیر اجازت کے استعمال اور خرچ کر سکتا ہے۔ چھٹا اعتراض یہاں مَا یَنۡبَغِیۡ لِلرَّحۡمٰنِ
کو علت بنایا گیا تکاد کی علت تو مِنۡهُ سے ثابت ہے یعنی وَلَدًا کا عقیدہ بنانا تو پھر یہاں دوبارہ
کیوں علت بنائی گئی جواب مَا یَنۡبَغِیۡ دالخ کہ تکاد کی علت نہیں بلکہ یَتَفَطَّرۡنَ اور تَخِرُّ اور هَدًّا
کی علت ہے۔

تفسیر صوفیانہ

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحۡمٰنُ وَلَدًا۔ لَقَدۡ جِئۡتُمۡ شَيۡئًا إِدًّا۔ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرۡنَ مِنۡهُ وَتَنۡشَقُّ الۡاَرۡضُ وَتَخِرُّ الۡجِبَالُ هَدًّا۔ اَنۡ دَعَوۡا لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدًا۔

کفار نے اللہ تعالیٰ کی تین گستاخیاں کہیں اول نسبت اولاد کی دوم نفی قدرت الٰہی کی کہ رب قدیر
کسی کو دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا سوم شرک کی کہ جھوٹے معبود اور بناوٹی اولاد اس کے شریک
ہیں توحید نور ہے اُس کا اقرار اس کی روشنی ہے شرک وانکار نار ہے توحید جب حقائق سے
متجلی یعنی ظہور نور ہو تو ایمان تجرید ظاہر ہوتا ہے جس سے نفی زوجہ ہوئی۔ اور توحید جب معانی
سے حاصل ہو تو تفرید الٰہی ثابت ہوتی ہے تفرید الٰہی سرّ اعلیٰ کی صفت ہے جو اس دنیا میں صرف
عارفین کو معلوم ہوتی ہے اور قیامت میں سب کو معلوم ہو جائے گی مگر اس دنیا کا ہر عمل و علم
چونکہ بندے کا اختیاری ہے اس لیے مقبول اور پسندیدہ اور باعث ثواب وانعام ہے
آخرت کا علم اضطراری ہے لہٰذا مردود ہے عالم دنیا میں صفت رحمانیت کی جلوہ گری ہے اسی
لیے مولیٰ جل وعلیٰ نے اپنی صفت رحمانیہ کے صدقے میں سرکشان کفر و ضلالت کو مہلت دی
ہے کہ یہ اس طرح نفس وفسون سے قالب بدنی میں حرمت شیطانیت مچا رہے ہیں ورنہ صفت
قہریت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کفران وطغیان پر ان کو مٹا دیا جاتا اہل تصوف کے نزدیک
قالب افعال میں سب سے بڑا شیطانی وسوسۂ کفر یہ ہے کہ خالق مالک جل وعلیٰ کے لیے اولاد
کا شوشہ چھوڑا حالانکہ آسمان وزمین کی تمام شخصیات کا اپنا نہ کوئی وجود ہے نہ کمال اس لیے کہ
کائنات کا مدار ممکنات پر ہے اور سب امکان ہست ونیست میں ہیں اُن کے وجود و کمال
کا فیض صرف اسم رحمٰن سے ہے کیونکہ وہ تمام فی نفسہم کچھ بھی نہیں پس اگر وہ اپنے دور عدم
میں استعداد حقائق کے مطابق قالوا بلیٰ کی عبادت حقیقی حق کے مناسب نہ کرتے تو وجود حسنی
وشکل بدنی نہ پاتے اسی طرح تخلیق وجود و شکل کے بعد یہ تمام لوگ رب تعالیٰ کی اُن نعمتوں
کے حقوق کو جو اللہ کریم نے اُن پر انعام فرمائیں قائم کرنے کی عبادت نہ کریں تو وہ کامل ومکمل
نہ ہوں گے یعنی عالم ارواح کی عبادت ہے کہ کائنات انسانیت کو وجود حسنی نصیب ہوا

اور اگر بندہ کمالِ انسانیت سے سرفراز ہونا چاہتا ہے تو اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا۔ کا مظہر اتم بن کر بندۂ بے دام بن کر رہے جب یہ ثابت ہے کہ سب بارگاہِ قدس کے عبد مخلوق و مربوب محتاج عجز و نیاز ہیں اور رِبقِ قہرِ ملکۂ استعداد میں مقہور و عبد عاجز ہیں تو سمجھ لو کہ وَمَا يَنْبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا۔ بندۂ محتاج کو ولد کس طرح بنایا جا سکتا ہے۔ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا۔ تمام ہی آسمانوں زمین کی شخصیات حضورِ بارگاہِ رحمٰن میں طوعًا و کرھًا عبد و مربوب ہیں۔ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ ازل میں ان تمام کی عیون و حقیقت کو استعدادِ ازلیہ کا فائدہ قویہ عطا فرما کر اپنے فیض اقدس اور تعیین علمی کے ذریعہ گنتی کر رکھی ہے وَعَدَّهُمْ عَدًّا۔ اور عالمِ موجودات میں بھی کائناتِ سمٰوات و الارض کی تمام شخصیات کے نیست و ہست کے حادثاتی نشانات گن رکھے ہیں۔ ان شخصیات کی اپنی ذاتی حیثیت کوئی حقیقت نہیں یہ فقط معلومہ صورتیں ہیں جو عدم میں محض اُس کریم جَلَّ مجدہٗ کی عالمیت کے طفیل ظاہر ہوگئیں ہیں۔ اور اُس کی رحمانیت کے طفیل سے ہی بروزِ ظہور وجود ہوگیا۔ تو کیونکہ عبد و معبود میں مماثلت اور تناسب ہو سکتا ہے اور جب کسی بھی طرح مماثلت نہیں تو ولدیت کیسے ممکن بس ثابت ہوا کہ سب کائنات میں عبدیت ہی عبدیت ہے مشربِ صوفیا میں لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ عالمِ عدم کی گنتی ہے اور وَعَدَّهُمْ عَدًّا عالمِ وجود کی گنتی ہے۔ اور یہ لغویاتِ کفریہ اُس وقت سے شروع ہے جب ابلیس نے تخلیقِ آدم کے وقت قلبِ آدم کی طرف جانے کی کوشش کی تو اُس کو کہا گیا کہ یہ راستہ تیرے لیے ممنوع ہے۔ البتہ تجھے نفس کی نالیوں اور رگوں کی طرف راستہ مل سکتا ہے جو نفس کے حدود میں قلب سے ملی ہوئی ہیں جب تو ان رگوں سے داخل ہوگا تو تنگ راستے کی وجہ سے تجھ پر غرق ریز مصائب آئیں گے جن اجسام میں نفسِ رذیلہ کے یہ راستے قلب سے جڑے ہوئے ہیں اُن دلوں پر تو شیاطین کے مختلف طریق سے تسلط کسی پر کفر و شرک کا لیکن جن اجسامِ مبارکہ کو رب تعالیٰ اپنا ولی و محبوب بنانا چاہتا ہے اُن کے قلوب کے باطن سے یہ رگیں اور نفسِ امّارہ کے راستے اکھیڑ کر جدا کر دیئے جاتے پھر اُن کے قلوب شیطانی تسلط سے محفوظ ہو جاتے ہیں اِسی لیے ان قلوب تک شیطان کی رسائی نہیں ہوتی صحیح معنوں میں اللہ تعالیٰ کا بندہ وہ ہے جو صحیح دل صحیح قلب سے اللہ پر ایمان لاتا ہے اور پاکیزہ و پُر خلوص قلب و خیال سے اُس کے لیے سر بسجود ہوتا ہے۔ کہ دل کی تصدیق و زبان کا اقرار اور اعمالِ اعضاءِ بدنیہ کے نشان والا ایمان ہو۔

وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿۹۵﴾ اِنَّ

اور ان کفار میں سے ہر ایک آنے والا ہے اُس کے پاس قیامت کے دن تنہا، بے شک

اور اُن میں ہر ایک روزِ قیامت اُس کے حضور اکیلا حاضر ہو گا، بے شک

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ

(یقیناً) وہ لوگ جو مومن بنے رہے اور نیک کام ہی کرتے رہے عنقریب ڈال دیتا ہے

وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے عنقریب اُن کے لیے

لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ

ان سب کو اللہ رحمٰن قلبی وسیع محبت میں بس صرف اس لیے آسان کر دیا ہم نے اس قرآن مجید کو آپکی زبان کے ذریعے

رحمٰن محبت کر دے گا۔ تو ہم نے یہ قرآن تمہاری زبان میں یوں ہی آسان فرمایا

لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿۹۷﴾

تاکہ بشارت دیں آپ متقیوں کو اس کے ذریعے اور ڈرائیں آپ اس کے ذریعے اکڑباز قوم کو

کہ تم اس سے ڈروالوں کو خوشخبری دو اور جھگڑالو لوگوں کو اس سے ڈر سناؤ

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ

اور بہت سی بستیاں فنا کر دیں ہم نے بستیوں میں سے کیا تم کچھ بھی پتہ لگا سکتے ہو۔

اور ہم نے ان سے پہلے کتنی سنگتیں کھپائیں کیا تم اُن میں کسی کو

مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿۹۸﴾ ع

ان میں سے کسی کا یا کبھی سنتے ہو تم اُن کی کچھ آہٹ سرسراہٹ

دیکھتے ہو یا اُن کی بھنک سنتے ہو۔

النصف ع ۹ ۶

تعلقات ان آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ ہم نے سب کی گنتی کر رکھی ہے۔ اب ان آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ وہ سب اکیلے اکیلے قیامت میں ہمارے پاس آئیں گے ایک بھی اس گنتی کے مطابق کم نہ ہو گا۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی ایک صفت یعنی غضب کا ذکر ہوا اور ان لوگوں کا تذکرہ ہے جن پر رب تعالیٰ کا غضب ہے اب ان آیت میں اللہ تعالیٰ کی دوسری صفت یعنی محبت اور محبت کے لائق لوگوں کا تذکرہ ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں موجودہ نافرمانوں کا ذکر ہوا اب ان آیت میں پہلے زمانوں کے ہلاک شدہ نافرمانوں کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

شان نزول امام ابن جریر رضی نے بروایت عبدالرحمٰن بن عوف رضی بیان فرمایا کہ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ شریف سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو آپ فراق صحابہ سے ملول و غمگین ہوئے خاص کر حضرت شیبہ رضی و عتبہ کی یاد سے۔ تب یہ آیت ۹۶ نازل ہوئی (امام سیوطی) سورۃ مریم کی صرف یہ تین آیتیں علیحدہ علیحدہ نازل ہوئیں باقی تمام سورت بیک دم نازل ہوئی تفسیر معانی میں ہے کہ ایک صحابی نے آکر عرض کی یارسول اللہ آج رات میرا نکاح و شادی ہو گئی۔ تو آقاء کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مبارک دیتے ہوئے فرمایا کہ آج رات ہی ہم پر سورۃ مریم نازل ہوئی ہے۔

تفسیر نحوی وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۔ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ۔ واؤ سرحلیہ۔ کُلّ اسم تاکیدی علم نحو میں اسماءِ تاکیدی کُل نو عدد ہیں ۱ نَفْسٌ ۲ عَيْنٌ ۳ كِلا ۴ كِلتا ۵ كُلّ ۶ اَجْمَعُ ۷ اَكْتَعُ ۸ اَبْتَعُ ۹ اَبْصَعُ ھم ضمیر جمع مذکر مجرور متصل کیونکہ مضاف الیہ ہے اس کا مرجع مجرمین کفار یہ مرکب اضافی مبتدا ہے۔ اٰتِیْ اسم فاعل ھُوَ ضمیر واحد مذکر اس میں پوشیدہ اس کا فاعل ہ ضمیر واحد مذکر غائب اس کا مفعول یہ مضاف الیہ اس کا مرجع اللہ تعالیٰ دراصل ہے عِنْدَہٗ۔ اس کے پاس اس کی بارگاہ میں یوم اسم زمانی بمعنی دن مضاف ہے القیٰمۃ اسم مفرد عَلَم ہے آخری زمانے کا۔ یہ مصدر ہے آخر میں تاءِ مصدریہ ہے قَوْمٌ ... ثلاثی مجرد سے قیامٌ مصدر ثلاثی مزید فیہ بنایا گیا بروزن ... کتابٌ قتالٌ مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی ظرف ہے اٰتی کا۔ فَرْدًا اسم مفرد جامد بمعنی اکیلا ... حال ہے اٰتی کے فاعل کا۔ اٰتی سب سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے مبتدا کی۔ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ اِنَّ حرف مشبہ

یا الفعل اَلَّذِیْنَ۔ اسم موصول جمع مذکر اٰمَنُوْا۔ باب افعال کا فعل ماضی مطلق جمع مذکر غائب اس کا مصدر ہے اِیْمَانٌ اَمْنٌ سے بنا ہے بمعنیٰ دینِ اسلام قبول کرنا۔ اَمْنٌ کا ف کلمہ ہمزہ تخفیف (ہلکا پن اور آسانی) کے لیے یٰ سے بدل جاتا ہے ھُمْ پوشیدہ ضمیر کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے یہ فاعل ہے اٰمَنُوْا فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ عَمِلُوْا باب سَمِعَ کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب ھُم پوشیدہ فاعل الصّٰلِحٰتِ اسم معرف باللام جمع مؤنث سالم مؤنث لفظی ہے نہ کہ حقیقی اس کا واحد ہے صَالِحَۃٌ بمعنیٰ نیک کام یہ مفعول بہ ہے عَمِلُوْا فعل فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف ہوا۔ دونوں مل کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر اسمِ اِنَّ۔ سَ حرف تقریبی یَجْعَلُ۔ باب فتح کا مضارع معروف مثبت واحد مذکر غائب۔ لام نفع کا ھُم ضمیر متصل کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے یہ جار مجرور متعلق ہے الرحمٰن صفاتی نام پاک باری تعالیٰ یہ خصوصی صفت ہے اس لیے کسی مخلوق کو یہ لفظ عَلَمًا یا صفتًا نہیں دے سکتے، اس سورۃ مبارکہ میں باری تعالیٰ کے اسماء پاک میں سے ذاتی اسم اعظم شریف لفظ اللہ آٹھ جگہ آیا اور لفظ رَبّ بائیس جگہ اور لفظ رحمٰن سولہ جگہ۔ یہاں لفظ فاعل ہے یَجْعَلُ کا۔ وُدًّا۔ اسم مصدر حاصل مصدر یا مداس پر تنوین تعظیمی ہے یعنی بڑی عظیم محبت مراد ہے محبت کا خزانہ جو ہر مومن کے دل میں تمام جنت کے اندر ہی نو بہاری کی طرح کھلا ہو گا لفظ وُدًّا کی چار قرأتیں ہیں ۱۔ یہی وُدًّا ۲۔ وَدًّا ۳۔ وَدًّا ۴۔ وِدَادًا یہ مفعول بہ یا مفعول لہٗ ہے اس کا مصدر میمی مَوَدَّۃٌ ہے بمعنیٰ محبت والا سلوک کرنا۔ یَجْعَلُ۔ سَ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی وہ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ فَ عاطفہ اِنَّمَا اسم حصری۔ مجموعہ ہے اِنَّ حرف مشبہ اور مَا حرف کافہ کا بمعنیٰ فقط۔ یَسَّرْنَا باب تفعیل کا فعل مضارع مثبت معروف جمع متکلم یُسْرٌ سے بنا ہے۔ اس کا مصدر تَیْسِیْرٌ بمعنیٰ آسان کرنا یہ باب تفعیل میں آکر متعدی بہ یک مفعول ہوا ہے۔ مادہ اصلاً لازم ہے بمعنیٰ آسان ہونا۔ نَحْنُ ضمیر جمع متکلم صیغے میں پوشیدہ اس کا مرجع ہے باری تعالیٰ ہٗ ضمیر منصوب متصل کا مرجع ذہنی ہے قرآن مجید بِ جارہ سببیہ یا بمعنیٰ علیٰ فوقیت ظرف مکانی۔ لِسَانِ اسم مفرد جامد بمعنیٰ لغت، قوتِ گویائی لہجہ، اخلاق، شہرت، جسمانی زبان یہاں یہی مراد ہے یعنی پڑھنا ادا کرنا۔ اس کی جمع ہے اَلْسِنَۃٌ۔ ا لَسَنٌ۔ لُسُنٌ بہت باتونی کو لَسَّان کہا جاتا ہے۔ مضاف ہے کَ ضمیر واحد مذکر حاضر مجرور متصل مرجع ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک۔ مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے یَسَّرْنَا کا۔ لِتُبَشِّرَ لام کَیْ بمعنیٰ تاکہ۔ اس میں اَنْ ناصبہ پوشیدہ ہوتا ہے جو مضارع کو فتحہ دیتا ہے۔ اور اپنے مابعد جملے کو اپنے

ما قبل کی علت بنا دیتا ہے۔ تُبَشِّرُ باب تفعیل کا فعل مضارع مثبت معروف واحد مذکر حاضر اَنْتَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل اور مرجع ذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس کا مصدر ہے تَبْشِیْرٌ بمعنی خوش خبری دینا۔ بُشْرٌ سے بنا ہے بمعنی خوش خبری دینا۔ لینا۔ یہ مادہ اصلاً متعدی ہے اس لیے لازم کبھی نہیں بنایا جا سکتا۔ خیال رہے کہ لازم کو تو دوسرے ابواب میں لا کر متعدی کیا جا سکتا ہے مگر متعدی کو کسی طرح سے بھی لازم نہیں کیا جا سکتا۔ بِ جار سببیہ بمعنی ذریعے۔ ہٖ ضمیر مرجع قرآن مجید جار مجرور متعلق ہے اَلْمُتَّقِیْنَ مفعول بہٖ ہے تُبَشِّرَ کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ تُنْذِرَ باب افعال کے مضارع واحد مذکر حاضر نَذْرٌ سے بنا ہے بمعنی ڈرانا باب افعال میں آکر بھی متعدی ہے مصدر ہے اِنْذَارٌ۔ خطاب پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے بہٖ یہ جار مجرور متعلق ہے۔ یہاں بھی ب سببیہ ہے قَوْمًا اسم مفرد معنًا جمع موصوف ہے۔ لُدًّا۔ اسم صفت مشبہ بروزن فُعْلًا۔ لُدٌّ اس کا مؤنث لُدَّۃٌ بروزنِ قُوَّۃٌ لغوی ترجمہ ہے اکڑا ہوا جسم۔ مردہ اکڑا ہوا سؤر کی گردن مڑ نہیں سکتی اس لیے اس کو لدید کہا جاتا ہے سؤر ہمیشہ پورا گھوم کر مڑ سکتا ہے بیماری سے گردن اکڑ جانا اَلَدُّ اسم تفضیل مذکر سے کہلاتی ہے۔ یہاں مراد ہے سخت جھگڑالو کج بحثی کرنے والا۔ جاہل باتونی جس کو کوئی منا نہ سکے۔ شکست نہ ماننے والا خواہ پھر کس نکل جائے۔ یہ صفت ہے قَوْمًا لفظِ قوم چونکہ لفظاً واحد ہے اس لیے لُدًّا واحد مذکر اس کی صفت بن گیا۔ یہ مرکب توصیفی مفعول بہٖ ہے تُنْذِرَ کا۔ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا۔ دونوں عطف مل کر علت ہوئی یَسَّرْنَا کی سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا۔ واؤ مرجعہ کَمْ۔ اسم مقداری خبریہ یہ اسماءِ کنایات میں سے ہے اسماءِ کنایہ وہ جس میں ابہام ہو اگر عددی ابہام (پوشیدگی) ہو تو اُس کے لیے کَمْ اور کَذَا ہے اگر بات کی پوشیدگی ہو تو اس کے لیے کَیْتَ اور ذَیْتَ کَمْ دو قسم کا ہے ۱۔ استفہام (سوالیہ) یعنی کتنے کتنا ۲۔ کَمْ خبریہ بمعنی اتنے۔ اتنا۔ یہ ہر صورت میں ممیز ہوتا ہے اس کی تمیز بعد میں کبھی ظاہر اور کبھی پوشیدہ کر دی جاتی ہے جب کہ کوئی قرینہ (نشانی) موجود ہو۔ کَمْ سوالیہ کی تمیز ظاہر ہمیشہ مفرد منصوب ہوتی ہے اور کَمْ خبریہ کی تمیز ظاہر مفرد مجرور ہوتی ہے کیونکہ مضاف الیہ کے درجہ میں ہے کبھی جمع بھی ہوتی ہے لیکن اگر ان ہردو میں سے کسی تمیز پر حرف جر مِنْ آجائے تو مجرور ہوتی ہے۔ اور خود لفظِ کَمْ (دونوں قسم کا) کبھی منصوب جب کہ اس کے بعد فعل ہو اور اسی پر عمل کر رہا ہو تو مفعول ہونے کی وجہ سے کبھی مجرور۔ جب کہ

اس سے پہلے مِنْ یا علیٰ حرفِ جر آجائے اور کبھی مرفوع جب کہ اس سے پہلے کوئی جار نہ ہو اور بعد میں کوئی فعل اس پر عمل نہ کرتا ہو۔ یہاں کَمْ خبریہ خود تو منصوب ہے اَھْلَکْنَا کی وجہ سے یہاں اس کی تمیز پوشیدہ ہے دراصل تھا کَمْ قَرْیَۃٍ اَھْلَکْنَا۔ اس کا قرینہ اگلا مِنْ قَرْنٍ ہے مُمَیَّز تمیز مفعول بہٖ مقدم ہے۔ اَھْلَکْنَا۔ بابِ افعال کا ماضی جمع متکلم۔ ترجمہ ہے فنا کر دیا ہم نے۔ ھُلْکٌ مادہ اور اِھْلَاکٌ مصدر ہے قَبْلَھُمْ یہ مرکبِ اضافی ظرفِ زمانی ہے مِنْ جارّہ تبعیض کے لیے۔ قَرْنٍ یعنی بستی علاقہ۔ مراد ہے علاقے کے لوگ یہ جار مجرور متعلق ہے۔ قَرْنٍ ذوالحال ہے اور اگلی عبارت حال ہے ھَلْ حرفِ استفہام چار قسم کا ہوتا ہے ۱۔ سوال برائے نفی یعنی ایسا نہیں ہے یہاں اسی معنیٰ میں ہے ۲۔ استفہام تقریری برائے تصدیق ایجابی یعنی ایسا ہے ۳۔ استفہام حقیقی کے لیے یعنی سوالِ محض کے لیے ۴۔ ھَلْ بمعنیٰ قَدْ مثال ۱۔ کیا تم کسی قبر کی آواز ہو یعنی نہیں سنتے ۲۔ کیا اللہ تعالیٰ سچا معبود ہے یعنی وہ سچا ہی ہے ۳۔ کیا فلاں شخص آگیا یہ فقط سوال ہی ہے یعنی مجھ کو پتہ نہیں مجھ کو بتاؤ ۴۔ کیا ایسا نہیں ہے کہ کل جمعہ تھا یعنی بے شک کل جمعہ تھا۔ تُحِسُّ بابِ افعال کا فعل مضارع حال واحد مذکر حاضر اس کا مصدر ہے اِحْسَاسٌ حِسٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے۔ یعنی جسم سے چھو جانا۔ مراد ہے ظاہری یا باطنی سمعی یا فہمی طور پر کسی چیز کا پتہ لگ جانا۔ یہاں کسی کی فنا کے بعد موجودگی مقصود ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ھَلْ مضارع کو ہمیشہ مستقبل کے معنیٰ میں کر دیتا ہے مگر یہ غلط ہے کلیہ نہیں۔ اَنْتَ اس میں فاعل پوشیدہ ہے مرجع ہر انسان مِنْھُمْ مِنْ تبعیضیت کا ھُمْ کا مرجع اَہْلِ قریہ ہیں یہ جار مجرور متعلق اول مِنْ اَحَدٍ مِنْ زائدہ اَحَدٍ اسم نکرہ غیر معین بمعنیٰ کسی یہ جار مجرور متعلق دوم تُحِسُّ سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ اَوْ حرفِ عطف اختیاری بمعنیٰ یا۔ تَسْمَعُ۔ بابِ سَمِعَ کا مضارع واحد مذکر حاضر اَنْتَ فاعل پوشیدہ لام جارّہ زائدہ یہ جار مجرور متعلق ہے۔ رِکْزًا۔ اسم نکرہ حاصل مصدر جامد بمعنیٰ خفیف آواز۔ بھنک موجودگی کا شائبہ۔ نشان کھٹکا۔ یہاں ہر معنیٰ درست ہے کانوں یا حواسِ باطنی سے سننا مراد ہے مفعول بہٖ یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا تُحِسُّ کا۔ دونوں عطف مل کر حال ہے قَرْنٍ کا۔ وہ پھر دونوں متعلق ہے اَھْلَکْنَا کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا۔ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ

بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ۔ اور یہ تمام ہر قسم کے کافر اُس خالق مالک رازق اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ جلال وغضب میں ہر چیز سے علیحدہ ہو کر بیکس و بے بس تن تنہا حاضر ہوں گے کسی کی محبت مودت شفقت اُن کے ساتھ نہ ہوگی۔ ہاں البتہ بے شک وہ خوش نصیب جو اللہ رسول پر صدقِ دلی سے ایمان لائے اور اعمالِ صالحہ بھی پورے پورے صحیح طریقے موقعہ محل پر کیئے عنقریب دنیا میں بھی اور آخرت قبر وحشر اور جنت میں بھی ان کے لیے اُن کا رحمٰن عالمین کے دلوں میں اُن کے لیے محبت وادب احترام وشفقت کا عظیم خزانۂ ابدی قائم فرما دے گا۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں تقریباً ہر جگہ ہی ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ کا ذکر ضرور فرمایا۔ اس کی چند وجوہ ہیں اوّل یہ کہ ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ کی اس لیے ضرورت ہے کہ ایمان درخت ہے اعمال اُس کے پھل دوم اس لیے کہ اعمال فاسق وصالح کے درمیان نشانِ فاصل ہے فُسّاق اعمال سے گھبراتے ہیں صُلحا اعمالِ خیر سے خوش ہوتے ہیں سوم اعمال صالحہ ایمان کی نشانی ہیں چہارم یہ کہ ایمان باطن ہے جو نظر نہیں آتا۔ اعمال ظاہر ہیں جو نظر آتے ہیں اس لیے ایمان کے ثبوت کے لیے اعمالِ صالحہ ضروری ہیں پنجم دنیا کے صرف نیچے اور آسمانی الٰہی دینوں یعنی اسلام اور سابقین انبیاءِ کرام علیہم السّلام کے دینوں نے ہی اعمالِ صالحہ پر زور دیا ہے دنیوی ساختہ دینوں نے اعمالِ صالحہ پر نہ زور دیا نہ اہمیت بتائی نہ تفصیل نہ ترتیب نہ کوئی ضابطہ نہ اصول وقوانین بنائے اللہ تعالیٰ کے دینوں کا یہ خصوصی شان ہے کہ انہوں نے اعمالِ صالحہ کی تفصیل وترتیب اُصول وقواعد بتائے اور خاص اہتمام سے بیان فرمائے اس کا ہی نام شریعت ہے ششم یہ کہ جہنم سے مکمل روکنے کا واحد ذریعہ صرف اعمالِ صالحہ ہیں۔ ہفتم یہ کہ ایمان سے جسم کی بناوٹ ہے اور اعمالِ صالحہ سے اُس جسم کی چمک دمک اور سجاوٹ خوب صورتی پاکیزگی بنتی ہے۔ اور ہمیشہ خوب صورت و پاکیزہ چیزیں ہی پسندیدہ ومقبول ہوتی ہے نہ کہ بدصورت اور گندی بھونڈی چیز۔ ہشتم یہ کہ سچا ایمان مضبوط دھات کے برتن کی مثل ہے جو کبھی نہ ٹوٹے ایمان کا برتن جب دین کی بھٹی سے نکالا گیا تو اعمالِ صالحہ کی سان پر چڑھا کر اُس کو صاف اور چمکیلا بنانا ضروری ہے اسی لیے ایمان کے لیے اعمالِ صالحہ ضروری نہم یہ کہ۔ ایمان کلام اللہ سے حاصل ہوتا ہے اور اعمال صالحہ کلامِ رسولُ اللہ سے لہٰذا یہ ضروری ہیں۔ اعمالِ صالحہ کی جامع مانع تعریف یہ ہے کہ وہ کام جو ایمان کے غلاف میں اور شریعت کے اصول میں لپٹے ہوں وہ اعمالِ صالحہ ہیں اگرچہ دینوی اور دنیا داری کے اعمال ہوں۔ قیامت میں فرداً آنے کا معنیٰ ہے اے محتاجاً الٰی رحمتہٖ واعانتہٖ تعالیٰ یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مدد کے محتاج کہ اس دن قدر ہو گی اللہ کریم کی رحمت کی اور

رحمۃ عالمین کی کلہم لفظاً واحد ہے معنیٰ جمع ہے جیسے لفظِ قوم۔ اللہ تعالیٰ جب مومن بندے سے محبت فرماتا ہے تو حضرت جبرئیل امین بھی اُس سے محبت کرتے لگتے ہیں پھر تمام فرشتے پھر زمین والوں کے دلوں میں بھی اُس سے محبت بھر جاتی ہے محبت کی چھ قسمیں ۱ الفت ۲ پیار ۳ شفقت ۴ ترس ۵ رزقِ حسن ۶ لسانِ صدق. عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ ہر وہ بندہ جو اعمالِ خیر میں مشغول رہے اور اعمالِ شر سے بچتا رہے تو مولیٰ تعالیٰ اُس کو اُس کے اعمالِ صالحہ کی چادر اڑھا دیتا ہے اور وہ محفوظین میں شامل ہو جاتا ہے ایمان اور نیتِ خیر اعمالِ قلب ہے اور اعضاءِ انسانی کے اعمالِ صالحہ عبادات ریاضات خیرات حسنات ہیں سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا۔ یہ آیت جب اُتری تو آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مولیٰ علی شیرِ خدا مشکل کشا کو یہ دعا تلقین فرمائی۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لِیْ عِنْدَكَ وُدًّا وَّاجْعَلْ لِیْ فِیْ صُدُوْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ مَوَدَّةً۔

ہر نماز کے بعد تین بار پڑھو اس پڑھنے کی برکت سے تا قیامت ہر مومن مسلمان مولیٰ علی سے محبت کرتا رہے گا یہ آیت ہر مومن کے لیے تا قیامت نازل ہوئی متقین وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور تمام رسولوں پر ایمان لائیں اپنے نبی کی سچی پکی مضبوط اُمت بن جائیں اور جو کچھ انبیاءِ کرام علیہم السلام لائیں فرمائیں اور حکم دیں اُس کی تصدیق کریں اُن کے حلال کو حلال اُن کے حرام کردہ کو حرام سمجھیں تا قیامت کسی چیز میں اپنی رائے اپنے دور اپنے رسم و رواج کو دخل نہ دیں تب وہ اللہ تعالیٰ کی محبت پائیں گے۔ یہ محبت الٰہی کی ہی نشانی ہے کہ ہم نے اس کلام ازلی و قدیمی قرآن مجید کو اے حبیبِ مکرم محمد محترم و محتشم آپ کی زبانِ علم چشمۂ حکمت کی وجہ سے تمام انسانوں پر آسان فرما دیا کسی پر اس کا تذکرہ آسان فرمایا کسی پر اس کا تدبر کسی پر اس کا تفکر کسی پر اس کا تفقہ کسی پر اس کا تعقل کسی پر اس کا اجتہاد کسی پر اس کا تباس کسی پر اس کا تصوف کسی پر اس کا تعمق در کسی پر اس کی شریعت کسی پر اس کی طریقت کسی پر اس کے اسرار کسی پر اس کے رموز کسی پر عبارات کسی پر اس کے اشارات آسان فرما دیئے تا کہ آسانی کی وجہ سے آپ اے حبیب کریم رؤف و رحیم متقین آستانہ کو رضاءِ ربانی اور فلاحِ ایمانی کے سدا بہار غنچوں کلیوں پھولوں کی خوش خبریاں اور بشارتیں سنائیں اور بے عقلوں، کج بحثوں، جھگڑالو، ظلمت والوں، فاجروں۔ فاسقوں منکروں، کافروں گونگوں بہروں اندھوں۔ بد دماغوں۔ ٹیڑھے دلوں والوں، بری نیت مردہ ضمیروں کو آخرت کی دہشت وحشت ظلمت نفرت کدرت سے ڈرائیں۔ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ۔ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا۔ سنائیں بتائیں کہ ان سے پہلے ہم

قسم کی کتنی ہی اوندھی عقل والوں خوش حال زمانے اور مضبوط کرسیوں والی قوموں حکومتوں سلطنتوں اور قبیلوں کو ہم نے ہلاک فنا برباد و ملیا میٹ کر کے رکھدیا کہ جن کی قبروں تک کا نشان نہ رہا۔ کیا تم اُن سے کسی کے وجود نمود ثبوت کا ذرہ بھر بھی نشان پاتے ہو۔ یا تم کو دیدہ نادیدہ ظاہرًا یا ظنًا قیماً رمزاً کچھ بھی ان کا احساس ہوتا ہے۔ یا اُن کی کوئی کسی طرف سے کسی قسم کی آہٹ۔ سرسراہٹ سکوتی۔ عمیقی۔ جھٹی۔ رچی۔ رقیبہ۔ رفیفہ۔ رقیقہ۔ اشارہ کنایہ۔ خفیہ آہستہ کچھ آواز پاتے ہو نہیں ہرگز نہیں یہ سوال انکاری ہے یعنی اپنے اپنے دور کی ان دندناتی متاتی ستاتی ظلم کماتی قوم قبیلوں کی کوئی آواز اب باقی نہیں نہ سنائی دیتی ہے۔ نہ شور نہ چرچہ نہ غار نہ مزار نہ زیارت نہ عمارت نہ چراغاں نہ فراغاں نہ کشود نہ نمود۔ مرگئے مردود نہ فاتحہ نہ زرود گل کو فنا گل کو فنا باقی نام خدا کی خدائی کا مصطفیٰ کی مصطفائی کا نیکوں کی کمائی کا۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ۔ مسلمانوں کے لیے سب سے بڑی نعمت اللہ کی محبت ہے مگر اس کا حصول بذریعہ اعمال صالحہ ہوتا ہے اور اعمال صالحہ صرف دو چیزوں کا نام ہے ۱۔ سیرت مصطفیٰ ۲۔ صورت مصطفیٰ یعنی مومن کا ظاہر صورت مصطفیٰ ہو اور مومن کا باطن سیرت مصطفیٰ ہو مسلمانوں کو چاہیے کہ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم علیہ وسلم کو راضی کرنے کے لیے اعمال صالحہ کرے اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے نبی کریم کو راضی وخوش رکھے یہ فائدہ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا۔ میں سین حرف تقریب فرمانے سے حاصل ہوا کہ ایمان واعمال کے بعد رب تعالیٰ کی محبوبیت اور وُدًّا۔ ملے گی۔ انسان کی زندگی دو قسم کی ہے۔ ایک سونے کی اور ایک جاگنے کی ہر انسان اپنے جاگنے میں بائیس۲۲ کام کرتا ہے۔ ۱۔ کھانا ۲۔ پینا ۳۔ چلنا ۴۔ پھرنا ۵۔ تجارت ۶۔ امارت ۷۔ امامت ۸۔ حکومت ۹۔ شادی ۱۰۔ بیاہ ۱۱۔ تربیت ۱۲۔ پرورش ۱۳۔ ملازمت ۱۴۔ مزدوری ۱۵۔ عدالت ۱۶۔ دیانت ۱۷۔ عبادت ۱۸۔ ریاضت ۱۹۔ محنت ۲۰۔ مشقت ۲۱۔ خلوت ۲۲۔ جلوت۔ علامہ احمد حسن نوری فرماتے ہیں کہ مومن وکافر میں فرق یہ ہوتا ہے کہ مرد مومن جب بھی کوئی دین یا دنیا کا کام کرتا ہے تو کام بندے کا ہوتا ہے مگر اس پر نقشہ مصطفیٰ کا ہوتا ہے اسی لیے اس کا ہر کام رب تعالیٰ کی عبادت بن جاتا ہے لیکن کافر کے ہر کام میں نقشہ شیطان کا ہوتا ہے اس لیے اس کی عبادت واچھائیاں بھی جہنمی ہیں۔ دوسرا فائدہ۔ آقاء کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام قرآن مجید کے ہر ہر لفظ وحرف کا علم خود باری تعالیٰ نے پڑھایا بتایا سکھایا۔ قرآن کریم میں

رطب و یابس کے تمام علوم وغیوب دقیق و عمیق اسرار و رموز اللہ تعالیٰ نے نبی کریم کو سکھا دیئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی سے پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے تمام عالمین کو آپ نے قرآن سکھایا یہ فائدہ، یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ اور لِتُبَشِّرَ بِهِ سے حاصل ہوا۔ اگر آقا صلی اللہ علیہ وسلم نہ سکھاتے تو کسی کو قرآن مجید نہ آتا تیسرا فائدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشیر نذیر اور ہادی صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں قرآن کریم بشارت ونذارت اور ہدایت کا سرچشمہ اور ذریعہ ہے ہادی و بشیر و نذیر نہیں ہے۔ یہ فائدہ لِتُبَشِّرَ اور لِتُنْذِرَ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا اسی لیے کوئی بھی شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدہ ہو کر فقط قرآن مجید سے ہدایت نہیں پا سکتا۔

احکام القرآن

ان آیت پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ مسلمانوں کو اپنی زندگی اور زندگی کی سانسوں گھڑیوں ساعتوں کی قدر کرنی چاہیئے زیادہ سے زیادہ نیکی پھیلانے کی کوشش کرنی چاہیئے ہر اچھی ایمانی اسلامی بات لوگوں تک پہنچا دو سنا دو بتا دو خواہ کسی کو اچھی لگے یا بری۔ کیا پتہ کس کو کس وقت موت آجائے یہ مسئلہ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ۔ رِكْزًا۔ سے مستنبط ہوا۔ حضرت سعدی نے فرمایا۔

تیرے کن اے فلاں وغنیمت شمار عمر ۔۔۔ زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

دوسرا مسئلہ۔ دنیا کے تمام دنیوی اور دین کی تمام کتابوں میں اسلام اور قرآن مجید شروع سے ہی بہت آسان ہے۔ اس کے احکام قانون عبادات، ہدایات بہت ہی آسان ہیں اس پر عمل کرنا نہایت سہل ہے۔ یہ آسانیاں نہ پہلے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے دینوں میں تھیں نہ کسی باطل دنیوی دین میں لہٰذا بعض احمقوں کا کہنا کہ اسلام میں تنگیاں ہیں یا مولویوں نے تنگیاں پیدا کر دی ہیں یا اسلامی سزاؤں حدود و تعزیرات کو معاذ اللہ وحشیانہ سزا کہنا۔ یہ سب باتیں کفر یہ گستاخانہ علطیاں احمقانہ لغزشیں ہیں اسی طرح حقوق نسواں یا حقوق فلاں فلاں کی آڑ لے کر مزید آزادیوں سہولتوں کے مطالبے شیطانی حرکتیں ہیں۔ اسلام قرآن، حدیث وفقہ میں پہلے ہی اتنے آسان مسائل ہیں کہ اب مزید کسی آسانی وسہولت کی کسی اہل ایمان کے لیے نہ ضرورت ہے نہ گنجائش اسی لیے ایسے بیہودہ شیطانی مطالبے کوئی مومن مسلمان نہیں کر سکتا۔ یہ مسئلہ یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ تیسرا مسئلہ کسی مسلمان کو اپنے علم پر مغرور نہیں ہونا چاہیئے اس علمیت اور علم کی حصول کو اپنا کمال و محنت کا نتیجہ سمجھنا چاہیئے اس لیے کہ اسلام کے سارے علوم قرآن مجید میں ہیں اور سارا قرآن مجید زبان پاک سے لوگوں کو عطا ہوتا ہے۔ اسرار و رموز طریقت و معرفت

کے علاوہ ظاہری علوم۔ علم معانی ۔ علم تجوید قرأت تلاوت تلفظ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے سب علما قرا حفاظ کو عطا ہوئے لہذا علما فقہا قرا حفاظ کو شکر چاہیئے نہ کہ تکبر یہ مسئلہ بھی فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰہُ (الخ) سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ انبیاء کرام کو علم غیب نہیں ہوتا نہ وہ کسی پوشیدہ اور غائب چیز کو جانتے ہیں دیکھو رب نے فرمایا۔ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ۔ یعنی اے نبی تم نہیں جانتے کہ وہ کفار مر کر کہاں گئے اور نہ اُن کی بھنک اور خبر پاتے ہیں (دیوبندی وہابی چکڑالوی نیچری) جواب انسان کی جب عقل ماری جائے تو سیدھی ساری صاف اور آسان بات بھی سمجھ نہیں آتی بلکہ عقل الٹی چلتی ہے۔ یہاں علم نبوت کا نفی نہیں کی جارہی بلکہ کفار کی نیستی اور رفنا کا ذکر ہے مردہ آدمی تو سامنے بھی پڑا ہو تب بھی نہ اُس میں کچھ حرکت و کروٹ محسوس ہوتی ہے نہ ذرہ بھی اُس کی آواز نکلتی ہے۔ بعض نے یہ جواب دیا کہ تُحِسُّ اور تَسْمَعُ کا مخاطب فاعل کفار ہیں یعنی اے حبیب کریم ان قوم لُدًّا جھگڑالو ضدی کفار کو ڈراؤ اور بتاؤ کہ ہم نے تم سرکشوں سے پہلے کتنے ہی سرکش ضدی مغرور لوگ ہلاک کر دئیے جن کی قوت طاقت سلطنت دولت کا تمہاری کتابوں تاریخوں میں لکھا ہے اور تم اپنے راہِ سفر میں اُن کی اُجڑی بستیاں کھنڈرات دیکھتے ہو لیکن کیا اے موجودہ کافرو تم ان کا وجود کہیں محسوس کرتے ہو یا کہیں سے ان کی سرسراہٹ سنتے ہو! سوم جواب یہ کہ اگر فرضًا یہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ہے تو معنیٰ یہ ہے کہ جہاں پر پہلے کبھی جس زمین پر جہاں وہ کفر شرک تکبر اکڑ سرکشی کرتے تھے اب اُن کا وہاں نام و نشان نہ رہا آوازیں تو در کنار بھنبھناہٹ تک نہیں آتی احساس سے مراد دنیوی موجودگی ہے۔ رہا یہ کہ اب وہ مردہ کفار کہاں اور کس حال میں ہیں تو اس کا علم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے جس کا ثبوت حدیثِ معراج سے ہے کہ آپ نے جہنم میں دوزخیوں کو دیکھا تھا اور قبر والی حدیث کے حالات قبور بلکہ مُردوں کے تاریخی حقائق کا علم بھی ثابت ہے نیز آپ تو جس قبر پر بیٹھ جائیں اُس کی نگاہوں سے بھی غیب کے پردے اُٹھ جاتے ہیں۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں یَسَّرْنٰہُ کو علت بنایا گیا۔ لِتُبَشِّرَ کی اور معنیٰ یہ ہوا کہ آپ کے لیے صرف اس لیے قرآن آسان کیا گیا تاکہ آپ بشارت دیں اور ڈرائیں اس سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید کی صرف وہ آیات آپ کے لیے آسان ہوئیں اور اُن کا علم دیا گیا جو بشارت اور نذارت کی ہیں۔ اور باقی قرآن خاص کر حروفِ مقطعات و متشابہات اور تاویلات و تشبیہات قرآنیہ نہ آسان کی گئیں نہ آپ کو اُن کا علم دیا۔ (دیوبندی وہابی)

جواب۔ یہ اعتراض محض ذہنی اختراع ہے ورنہ یہاں آیتِ پاک میں کوئی ایسا اشارہ بھی نہیں ہے کہ جس سے یہ ثابت ہو کہ بعض قرآن کو آسان کیا گیا اور بعض کو نہیں بلکہ یہاں یَسَّرۡنٰهُ میں ہ ضمیر اور سورۂ رحمٰن کی آیت ۲ علم القرآن سے واضح ثابت ہو رہا ہے کہ تمام قرآن مجید اور اس کے ایک ایک حرف کا علم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا اور پورا قرآنِ کریم آپ کے لیے یا آپ کے ذریعہ لوگوں کے لیے آسان کیا گیا ہے۔ رہا یہ سوال کہ یَسَّرۡنٰهُ کے بعد لام تعلیلیہ کیوں آیا؟ تو اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ لام تعلیلیہ نہیں بلکہ سببیہ ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ اِس آسانی کی وجہ سے آپ ہر مومن کو بشارت ہر کافر فاجر کو نذارت کسی پر بھی آپ کی بشارت و نذارت سمجھنے میں دشواری نہ ہوگی اور اگر لام تعلیلیہ ہو تو دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ علت حصر پیدا نہیں کرتی اور یہ معنیٰ نہیں کہ آسانی صرف بشارت و نذارت کے لیے بلکہ اِس یَسَّرۡنٰهُ کا اور بھی بہت سے مقاصد جلی و خفی ظاہر و باطن ہیں۔ اور معنیٰ یہ ہے۔ ہم نے پورے قرآن مجید کو آپ کے لیے آسان کر دیا تا کہ آپ اس کے ذریعہ بشارت اور نذارت بھی دیں اب اعتراض ختم ہو گیا۔ **تیسرا اعتراض** یہاں کُلُّهُمۡ سے ثابت ہوتا ہے کہ میدان محشر میں ہر مومن کافر تنہا آئے گا لیکن اسی جگہ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا اور وُدًّا فرماتے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہلِ ایمان اپنے دوستوں پیاروں محبوبوں کے ساتھ آئیں گے یہ تعارض کیوں ہے؟ جواب۔ اس کے تین طرح جواب دیئے گئے ہیں اولاً وہ جو ہم نے تفسیر عالمانہ میں بیان کیا کہ کُلُّهُمۡ سے صرف ہر قسم کے کافر اور فاسق مراد ہیں وہی فرداً اور تنہا ننگے خائب و خاسر آئیں گے اور اِنَّ الَّذِیۡنَ (الخ) سے مراد مومنین متقین ہیں اُن کا آنا فرداً نہ ہوگا۔ جواب دوم یہ ہے کہ کُلُّهُمۡ میں سب کی ابتدائی آمد کا ذکر ہے قبروں سے اُٹھ کر سب مومن کافر تنہا ہی محشر کی طرف آئیں گے۔ لیکن ظہورِ وُدًّا بعد میں ہوگا۔ جواب سوم یہ دیا گیا ہے کہ کُلُّهُمۡ کا تعلق آخرت سے ہے اور وُدًّا کا تعلق دنیوی زندگی سے۔ لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔

تفسیر صوفیانہ

وَكُلُّهُمۡ اٰتِيۡهِ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ فَرۡدًا ۝ اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجۡعَلُ لَهُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا ۝ فَاِنَّمَا يَسَّرۡنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الۡمُتَّقِيۡنَ وَتُنۡذِرَ بِهٖ قَوۡمًا لُّدًّا ۝ قالبِ انسانی پر دو جہان کا نفاذ ہے۔ حیاتِ نفسانی کا عالم اور حیاتِ ایمانی کا جہان حیاتِ نفسانی کے جہانِ رنگ و بو میں بندے کو اختیارِ اعمال و ارادۂ خیر و شر دیا گیا ہے کوئی شرعی جبر دیا ہوا نہیں لَاۤ اِكۡرَاهَ فِى الدِّيۡنِ ۔ مُوۡتُوۡا قَبۡلَ اَنۡ تَمُوۡتُوۡا ۔ کی آخرت شعوری رکھنے والوں کو شریعت طریقت حقیقت و معرفت کی ہزار ہا پابندیاں لاحق اور لازم ہیں اِن محبوبین مسعودین و

ومحبوبین پر اللہ تعالیٰ کی مشیت وارادہ کا تسلطِ معصومی ومحفوظی ہے اسے قلبِ محمد تجھ پر ہی
یہ کلام اسرار وانوار آسان فرمایا کہ زبانِ علم وحکمت پر جو الفاظِ حادث ومتناہی ہیں اُن پر اپنی کمال
قدرت سے وہ کلام حقائق ومعارف جاری وسہل ہو گیا جو ازلی قدیمی غیر متناہی ہے یہ ایک بات
ہی قلبِ محبوب کا معجزہ اور خالقِ محبوب کی قدرت کا عظیم شاہکار ہے۔ بندے چار قسم
کے ہیں ۱ اربابِ توحید ۲ اربابِ تجدید ۳ اربابِ تغرید ۴ اربابِ شرک ہر بندہ اپنے ایمان و
عقیدے کے اعتبار سے قیامت میں فرداً فرداً حاضرِ بارگاہ ہوگا۔ پوچھا جائے گا اے اہلِ شرک کہاں
ہے توحید ایمانِ توحید کیوں نہ لائے۔ اے اہلِ توحید کہاں ہے تجرید اے اہل
تجرید کہاں ہے تغرید اور اے اہلِ تغرید کہاں ہے معرفتِ الٰہی کا مقام حیاتِ دنیوی میں اس
مقام تک پہنچنے کی کوشش کیوں نہ کی۔ ایمان کا بیج جب قلب میں پڑتا ہے اور اعمالِ صالحہ
کا پانی دیا جاتا ہے تو شریعت وطریقت کا شجرِ طیبہ بلند وبالا ہو جاتا ہے اور جب عشقِ الٰہی
محبتِ مصطفائی کی بہاریں آتی ہیں تو انوار کے پھل پھول لگ جاتے ہیں اور وہ پھل پھول صحبتِ
الٰہیہ وُدِّ ملائکہ مودّتِ انبیاء اُلفتِ مومنین کی مٹھاس خوشبو خوب صورتی اور تروتازگی کی نعمتوں
سے معمور ومعطر ہوتا جاتا ہے یہ ہی ہے زینتِ مومن وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ
مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ۔ کائناتِ نفسانی کے سرکشو ہم نے تم جیسے مغروروں سے پہلے
سے ہی بدبختوں کو تیہِ فراق کی وادیِ محرومی مردودیت کی موت سے ہلاک کر دیا کہ جن کے تذکرہ
حسن وخوبی کا رمزِ باطنی اور سرسراہٹِ خفیفہ بھی ناپید ہو گئی۔ دنیا ہو یا آخرت قبر ہو یا حشر
اُس کا پھل اُس کے رب کی اجازت سے ہمیشہ ہوتا رہتا ہے محبت کی پانچ قسمیں ہیں ۱
موافقت ۲ میلان ۳ وُد ۴ ھَوٰی ۵ والہانہ۔ موافقت طبیعت سے ہوتی ہے۔ میلان
نفس سے۔ وُد قلب سے۔ محبت فواد یعنی قلب کی گہرائی سے۔ ھوٰی غلبۂ محبت کا نام
ہے۔ وَلَہ غایۃ الھوٰی کا نام ہے۔ پہلا مقام نورِ محبت دوم نارِ عشق سوم حرارۃ شہوت چہارم
بخاراتِ لطیف پنجم نفس کی رقت ششم ھوٰی کی دقت وباریکی، فاروقِ اعظم نے فرمایا
کہ انسانی محبت کی تین نشانیاں ہیں ۱ اسلام کرنا ۲ مجالس میں محبوب کا مقام بنانا ۳ اچھے
القاب سے ذکر کرنا کسی کا چرچہ راسِ محبت ہے اور برا تذکرہ راسِ عداوت ہے۔
قرآن مجید صفتِ قدیمی غیر متناہی قرأتِ قرآن کو زبانِ مصطفیٰ پر فہمِ قرآن کو عقلِ مصطفیٰ پر درایتِ
قرآن کو قلبِ مصطفیٰ پر آسان کیا گیا۔ یہ قرآن نہ کسی زبان حروف والفاظ پر آسان ہو سکتا تھا

نہ کسی دوسرے کے قلب و عقل پر۔ اس لیے کہ تمام حروف لغات و کلمات قلوب و عقل حادث غیر متناہی ہیں وہ مظروف قرآنی کے لیے ظرف نہیں بن سکتے تھے مصطفیٰ خود حادث متناہی مگر آپ کی محبوبیت ازلی قدیمی لامحدود کیونکہ صفت باریتعالیٰ ہے اس لیے یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ۔ اہل بشارت تین قسم کے ہیں ۱؎ جو ایمان لاکر شرک سے نفرت کریں ۲؎ جو اطاعت اعمال کر کے فسق سے بچیں ۳؎ جو توحید تجرید و تفرید کے مقام میں پہنچ کر ما سوا اللہ سے بچیں۔ توحید قال ہے تجرید عقیدہ ہے تفرید حال ہے توحید گفتار ہے تجرید کردار ہے۔ تفرید واردات ہے اہل انذار بھی تین قسم کے ہیں ۱؎ وہ کفار جو باطل پر اڑ جائیں بلکہ قتال کریں ۲؎ وہ اہل کتاب جو منسوخ دینوں پر قائم رہیں ۳؎ اہل خواہشات نفس جو بطلان پر اہل حق سے جھگڑا کریں ایسے کتنے ہی شور بختوں کو ہم نے ان موجودین مغرورین سے پہلے وصل جہنم سے ایسا ہلاک کر دیا کہ عالم ابدان میں ان کا احساس وجودی اور رکز سردی بھی تم محسوس نہیں کر سکتے ہو۔

سورت مریم کے چھ رکوعوں کی مختصر تفسیر اور اس کے فضائل و عملیات اور اس کا تعویذ

پہلا رکوع۔ اس رکوع کی پندرہ آیت میں دو باتیں ارشاد فرمائیں گئیں پہلی یہ کہ پہلی آیت میں حروف مقطعات بیان ہوئے کٓھٰیٰعٓصٓ۔ ان حروف مقطعات کا معنی مراد مخلوق میں سوائے نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی نہیں جانتا نہ جبریل نہ میکائیل اس میں ارشارۃً و اقتضاءً آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثل شان علمیت ظاہر فرمائی جا رہی ہے کہ پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ علم دیئے گئے جس سے دیگر تمام عرشی و فرشی مخلوق ناآشنا ہے اور یہودیوں دیوبندیوں وہابیوں کی گستاخانہ باتوں اور عقیدوں کا رد فرمایا گیا اور بڑے بڑے فاضل فلاں صاحب کا غرور توڑا گیا۔ دوم۔ حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا کہ وہ کیسے عظیم نیک بندے تھے۔ سابقہ اور موجودہ یہودی ان کی گستاخی کرتے ہیں کہ معاذ اللہ یہ حضرت مریم سے خراب تھے حضرت زکریا نے اپنے لیے ایک دعا مانگی جو قبول ہوئی اور یحیٰی علیہ السلام جیسا بیٹا عطا فرمایا۔ بیٹے کی بشارت اور اس وقت کی علامت بیان فرمائی گئی۔ اگلی آیت میں اسی فرزند ارجمند حضرت یحیٰی کا تذکرہ بیان ہوا ان کی نبوت اور بچپن ہی میں تربیت کتاب کے علم اور اس پر پورے عمل کا ذکر

فرمایا بچپن میں ہی تمام علمیں ان کو ہم نے عطا کیں بتایا گیا کہ نبی کسی کے شاگرد نہیں ہوتے بلکہ فرشتے اُن کے شاگرد ہوتے ہیں وہ صرف اللہ تعالیٰ سے سیکھتے ہیں آگے ان کی چار خصوصی شانوں کا ذکر فرمایا گیا ۱ بہت نرم دل حیا دار اور مہربانی فرمانیوالا ۲ ہر وقت بہت صاف ستھرا پاکیزہ رہنے والا اور خوب صورت ۳ والدین کا ادب احترام اور حسن سلوک کرنے والا ۴ تند خو اور سخت طبیعت تُرش رو اور تنگ دل نافرمان نہ تھا ۵ اس پر تا ابد سلامتی ہے پیدائش سے لے کر قبر تک اور قبر سے حشر تک اور حشر سے اَبداً الآباد تک۔ دوسرا رکوع اس رکوع کی بیس آیت میں چار عظیم باتوں کا ذکر فرمایا گیا۔ پہلی۔ آیت ۱۶ سے آیت ۲۴ تک حضرت مریم اور آپ کے بیٹے عیسٰی علیہ السّلام کا ذکر تفصیل سے فرمایا گیا۔ یہی رکوع پورا رکوع نجاشی بادشاہ تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربار میں سنایا گیا تو نجاشی اور بہت سے عیسائی درباری زار و قطار رونے لگے اور بعد میں بہت سے درباری اور خود نجاشی بادشاہ مسلمان ہو گیا۔ ان آیت میں یہود و نصاریٰ کی بد عقیدگی کو ختم کرتے ہوئے اصل حقیقت حال بیان فرمائی گئی ۱ اُذکُرْ سے شروع فرمایا کہ اے پیارے نبی حضرت مریم اور عیسٰی علیہ السّلام کی پاک دامنی کی سچی تصویر کائنات عالم کے سامنے پیش فرماتے ہوئے مریم کا ذکر فرمایئے یہودیوں نے مریم پر بدکاری اور حضرت عیسٰی پر ناجائز ہونے کی تہمت لگائی اور آج تک لگاتے ہیں یہ قرآن کریم کا کرم ہے۔ حضرت مریم و عیسٰی علیہما السّلام پر کہ دنیا کے سامنے اُن کی پاک دامنی پاک بازی کی حقیقت ظاہر فرمائی ورنہ خود عیسائیوں نے بھی حضرت مسیح کی وہ گستاخیاں کیں کہ مسیح علیہ السلام کی اصلیت پوشیدہ ہو کر رہ گئی ۲ حضرت مریم غسل کرنے کے لیے اپنے گھر کی شرقی سمت غسل خانے میں چلی جاتی ہیں جب غسل سے فارغ ہو کر لباس پہن کر ابھی بال سنوار رہی ہوتی ہیں تو ایک بشری شکل میں کوئی مرد نظر آتا ہے آپ دھک سے رہ جاتی ہیں رنگ اڑ جاتا ہے شور مچانے کی اور مچا کر لوگوں گھر والوں کو بلانے کی ہمت ہی نہیں رہتی تو اللہ کی پناہ کا واسطہ دیکر اس کو چلا جانے کا عرض کرتی ہیں۔ وہ بشر کہتا ہے میں رب تعالیٰ کا ہی تو قاصد ہوں اور تجھ کو پاک صاف طیب و طاہر بیٹا دینے آیا ہوں۔ مریم کہتی ہیں کہ نہ مجھ کو کسی خاوند نے چھوا ہے نہ میں بدچلن ہوں تو بیٹا کیسے ہوگا اور تم فرشتہ ہو تم بیٹا کس طرح دے سکتے ہو۔ بشری فرشتہ فرماتا ہے کہ رب تعالیٰ کی قدرت سے ایسا ہی ہوگا رب تعالیٰ پر یہ بہت آسان ہے۔ تمہارا یہ بیٹا تو کائنات دنیا کے لیے عظیم الشان آیت الٰہیہ ہے اور کئی لوگوں کے لیے رحمت ہوگی ۳ اسی وقت حضرت مریم جبریل بشری فرشتے کا پھونکا

سے حاملہ ہو جاتی ہیں اور گھر سے روپوش ہو کر اسی وقت پچھلے پہرے سورج ڈھلتے گھر سے چار میل جنگل میں چلی جاتی ہیں اور اپنی بے بسی بے کسی تیرہ سالہ عمر کی ناپختگی ویرانی کا سماں جنگل بیابان اور حمل کی بڑھتی ہوئی تکلیف پر انتہائی درد و کرب سے روتے ہوئے عرض کرتی ہیں۔ یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْیًا مَّنْسِیًّا ہائے کاش میں اس دن مجبوری رسوائی والے دن سے پہلے مرجاتی اور بھولی بسری ہو چکی زمانہ مجھ کو بھلا چکا ہوتا ؎ جس کھجور کے خشک تنے کے نیچے بیٹھی تھیں وہیں قریب سے نچلی نشیبی جگہ کسی کی غیبی آواز آئی کہ اے مریم غم نہ کر تیرے بیٹھنے کی جگہ سے ذرا نیچے ایک چشمہ پھوٹ پڑا ہے تیرے رب نے اس کو تیری خاطر صاف شفاف نہر بنایا ہے اور یہ خشک کھجور ذرا اس کو اپنے برکتوں والے ہاتھوں سے جھنجھوڑ پھر دیکھ ابھی درخت ہرا بھرا ہو کر تازہ پھل گرا دے گا یعنی تازہ پکی کھجوریں پہلے اُن کھجوروں کو کھانا پھر اسی چشمے کا پانی پینا اور پھر جب یہ بچہ ولادت ہو جائے تو ماں متا سے آنکھیں ٹھنڈی کرنا ؎ فرزند ارجمند کی ولادت ہوتی ہے درد تکلیف تو ختم ہو جاتی ہے مگر اب اگلی بات کا فکر ہے کہ اب میں اس بچے کو لے کر اپنی قوم رشتے داروں کے پاس کس طرح جاؤں گی۔ اس زمانے کی شریعت موسیٰ علیہ السلام کے مطابق چپ کا روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا کہ بچے کو لے کر قوم کے سامنے اپنے گھر جاؤ اور روزے کی وجہ سے کسی سے کلام نہ کرو پھر قدرت الٰہی کا کرشمہ دیکھنا کہ یہ دو گھنٹے کی عمر والا بچہ خود اپنا تعارف کرائے گا ؎ پھر فرمایا گیا کہ حضرت مسیح نے مخالفین معترضین کو کس فصاحت و دل نشینی سے جواب دیا۔ آپ نے قوم سے چھ باتیں ارشاد فرمائیں ایک یہ کہ میں اللہ کا بندہ ہوں ؎ اس میں عیسائیت کا رد ہے کہ ابن اللہ نہیں ہوں ؎ مجھ کو رب تعالیٰ نے اپنی ایک مکمل کتاب دی جو میرے سینے میں محفوظ ہے یعنی انجیل۔ مجھ کو نبی بنایا ؎ میں جہاں بھی رہوں برکت والا بنایا گیا ہوں ؎ مجھ کو تاعمر نماز اور زکوٰۃ اور اپنی والدہ محترمہ سے حسن سلوک کی رب تعالیٰ نے وصیت اور حکم فرمایا ہے ؎ مجھ کو میرے اللہ تعالیٰ نے تند خو سخت دل نہ بنایا اور نہ کسی اعتبار سے بدقسمت بنایا ؎ اور میرے رب کریم خالق مالک معبود کی طرف سے مجھ پر اتنی کثیر سلامتی اور بقا ہے کہ یوم ولادت سے لے کر قریب قیامت یوم وفات تک اور یوم وفات سے لے کر صور ثانی پھونکے جانے سے دوسری بار ابدی زندگی میں مبعوث ہونے کے دن تک سلامتی ہی سلامتی ہے ہزار ہا دشمنوں کے باوجود میری ذات میری صفات میری عزت میری پاک دامنی اور میری والدہ کی عزت کو بھی تا ابد سلامتی ہی سلامتی ہے۔ میرے رب کریم کا مجھ پر اور میری والدہ پر کتنا بڑا کرم ہے

کہ ہماری عزت و آبرو کو دامنِ مصطفیٰ اور قرآن و اسلام کی آیات و فرمودات میں پناہِ عظیم مل گئی ورنہ نادان
دوستوں اور دانا دشمنوں نے کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ دوسری بات فرمایا گیا کہ یہ تھا عیسیٰ علیہ السلام
ابن مریم کا سچا اور ستھرا واقعہ جس میں یہودیوں جیسے بغض و حسد عناد و دشمنی سے بھرے ہوئے
بدبخت دشمن اور اندھی محبت کی دوستی کرنے والے عیسائی احمق لوگ کفر یہ شک کرتے ہیں۔ اور
اسی شک کی بنا پر ہر دو فرقوں نے طرح طرح کے بیہودہ عقیدے بنا لیے اور دونوں گستاخ و کافر ہو گئے
تیسری بات۔ اگلی آیت میں ظاہر ظہور صاف صاف عیسائیوں کے کفریہ عقیدۂ ابنیت کی شرعی
اور عقلی دلیل سے تردید فرمائی گئی۔ کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں اولاد بنانے کی اس کے تو سب کام
کُن کہنے سے ہی ہو جاتے ہیں تمام عیسائیوں کو شروع سے ہی بتا دیا گیا تھا حضرت عیسیٰ نے ہی فرمایا تھا
کہ میرا اور تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہے میں اور تم سب اُس کے بندے ہیں تو تم بھی سب اُس کی ہی عبادت
کرو۔ یہ ہی سیدھا راستہ ہے۔ یہ عیسائی حضرت عیسیٰ کی موجودگی تک تو درست اللہ کے بندے بنے
رہے لیکن پھر بعض یہودیوں کی بھرپور یانہ شرارتوں شیطانیوں کی وجہ سے اِن بعد والے عیسائیوں
کے آپس میں مختلف فرقے بن گئے تو اُن میں کافر فرقوں کی ہلاکت و تباہی ہے بڑے ہیبت ناک
دن کے آنے کے وقت۔ اُس دن جو سنیں گے اور جو دیکھیں گے آج اُس کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا
اور جس حالت سے ہمارے پاس یہ عیسائی یہودی کفار اور باطل فرقے آئیں گے اُس کے لیے
بس اِتنا ہی سمجھ لو کہ یہ سب ظالم ضلالِ مبین میں ہوں گے۔ چوتھی بات۔ ارشاد فرمایا کہ اے پیارے
حبیب کریم ان یہود و نصاریٰ اور مشرکین مکہ کو پھر ڈرایئے اُس حسرت اور فیصلے کے دن سے
کیونکہ یہ گہری غفلت میں ہونے کی وجہ سے نہیں مانتے اور ان کو یہ بھی اچھی طرح سمجھا دو کہ رب کریم کا
ارشاد ہے کہ ہم ہی زمین اور تمام زمین کی ہر قسم کی مخلوق کے حقیقی وارث و مالک ہیں۔ اور سب
لوگ ہماری ہی طرف لوٹائے جائیں گے۔ **تیسرا رکوع**۔ اس رکوع کی دس آیت میں چار باتوں کا
ذکر ہوا۔ اوّل پورے رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے کہ وہ اپنے مربّی چچا آذر کو
کس خوش اسلوبی سے دینِ الٰہی کی تبلیغ فرماتے رہے۔ اس میں چند باتیں اہمیت سے سمجھائی گئی
ہیں ۱۔ طریقۂ تبلیغ ۲۔ خوش اخلاقی یہی مومن کی سچی نشانی ہے ۳۔ کافر کی بد طینتی بد اخلاقی کا مظاہرہ
کرایا گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے حسنِ اخلاق دل نشین ادب احترام دعائیں نرم کلامی
التجائیں وفاداری مروت کے تحفے پیش کئے جاتے ہیں ۴۔ مگر کافر مربّی چچا کی جانب سے سخت
کلامی غرور متکبر لہجہ۔ تنگ دلی تعصب دھمکیاں سرزنش کا جواب دیا جاتا ہے۔ بتایا جا رہا ہے

کہ ہمیشہ سے کفر کا یہی حال رہا ہے۔ انبیاء عظام علیہم السّلام کی ذات بابرکات اوران کے حسن
با اخلاق اور خیر خواہانہ رویہ کو اکثر اسی قسم کی بدتمیز تنگ نظریوں کا سامنا کرنا پڑا ہے مگر اللہ تعالیٰ
کے ان پیاروں نے ہمیشہ خوش دلی سے سب کچھ برداشت کرتے ہوئے تبلیغ احکام کو جاری
ہی رکھا ہے یہی امت مسلمہ کے تمام آنے والوں کو سبق دیا جارہا ہے کہ اگر سچّے دین کے شیدائی
اور مبلغ بننا ہے تو اسوۂ ابراھیمی کی تعلیم کو اپنے کردار و عمل میں سمونا اور بسانا رچانا پڑے گا تب
ہی کامیابی یقینی ہوسکتی ہے اور منزلِ سعادت نصیب ہوسکتی ہے۔ چوتھا رکوع۔ اس رکوع
کی پندرہ آیت میں نوباتوں کا بیان ہوا۔ ۱ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کا مختصر تذکرہ ہوا حضرت عیسیٰ سے
پہلے یہ پہلے صاحبِ کتاب ہوئے ہیں طور پر ان کو تبلیغ نبوت کا ابتدائی حکم ہوا۔ فرمایا گیا کہ ان کی
التجا و دعا کی عرض پر ہم نے اُن کے بھائی ہارون نبی کو ان کے سپرد کر دیا اور ان کا وزیر بنا دیا ۲
حضرت اسماعیل علیہ السّلام کا ذکر ہے کہ وہ ہمیشہ سچّے وعدے کرنے والے اور نبی و رسول تھے اسماعیل
علیہ السلام وعدہ وفائی میں خاص طور پر مشہورِ زمانہ تھے اپنے تمام اہل کو ہمیشہ نماز روزے زکوٰۃ
صدقات کا حکم دیتے رہتے تھے ان چند وجوہ سے وہ اپنے رب تعالیٰ کو بہت ہی پسند تھے
۳ حضرت ادریس علیہ السّلام کا ذکر ہے کہ وہ صدیق تھے نبی تھے اور ان کو سب سے پہلے جنت
کا داخلہ ملا اور اس طرح اُن کی رفعت مکانِ اعلیٰ پر کر دی گئی ۴ فرمایا گیا کہ حضرت آدم علیہ السّلام کی
اولاد میں سے ان کو بھی نبی بنایا گیا اور اُن پر اللہ تعالیٰ نے کثیر انعام فرمائے ۵ آگے ارشادِ باری
تعالیٰ ہے کہ جن لوگوں کو نوح علیہ السّلام کے ساتھ کشتی میں سوار کیا گیا ان کی اولاد کو بھی نبوت سے
نوازا گیا کہ ابراہیم اور اسرائیل جیسے نبی اُولُوالعزم رسول ان کو عطا ہوئے۔ اور یعقوب یعنی اسرائیل
کی اولاد میں کثیر انبیاء بنی اسرائیل بنائے گئے اور نبوت کے علاوہ بھی ہم نے ان کی اولاد میں سے
اپنی محبت و ولایت کے لیے چن لیا ان کی نشانی یہ تھی کہ جب اُن کے سامنے صحف ابراہیم توریت
وزبور کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو عشق الٰہی کے سوز سے روتے ہوئے سجدے میں گر جاتے تھے
۶ نیک لوگوں کے تذکرے کے بعد۔ آنے والی بدکار نسلوں کا ذکر فرمایا گیا کہ ان کی نمازیں عبادتیں
بھی ضائع ہیں اور ان کی بدمعاشیوں کی بنا پر ان کو جہنم کے میدان غیّ میں ڈالا جائے گا ۷ اب اگلی
آیت میں ان لوگوں کا ذکر فرمایا جارہا ہے جو تا قیامت دنیوی زندگی میں سچی توبہ کرکے پکے مومن اور
نیک عمل کرنے والے بن جائیں۔ ان کا مقام و ٹھکانہ دائمی جنت ہے جہاں قطعاً کسی کو نقصان
نہ ہوگا ۸ جنت کا تذکرہ اور بعد قیامت دخولِ جنت کے بعد کے کچھ حالات سنائے گئے۔ کہ

وہ جنت عدن یعنی قابل رہائش بھی ہے صرف باغ بغیچہ ہی نہیں۔ ابھی وہ غیب ہی چھپی ہے۔ وعدۂ ربانی کی شان بیان فرمائی گئی۔ جنت میں کسی طرف سے یا کسی کے منہ سے کبھی بھی کوئی بُری بات نہیں سنی جائیگی سوائے سلام دعا جیسے با ادب ومحبت اور خوشبوں سے بھری باتوں کے۔ جنت میں جنتیوں کو صبح شام رزق دیا جائے گا۔ فرمایا گیا کہ جنت صرف مہمان خانہ ہی یا مسافر خانہ ہی نہ ہوگا بلکہ متقی لوگوں کو اس کا مالک بنا دیا جائے گا۔ ۹ حضرت جبریل کی چند باتوں کا ذکر فرمایا گیا۔ ایک بار آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل امین روح القدس علیہ السّلام سے ارشاد فرمایا کہ اے جبرئیل تم کبھی کبھی بہت دنوں کے بعد آتے ہو جلدی جلدی آیا کرو ہم اداس وغمگین ہو جاتے ہیں تو جو باتیں جواباً جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی وہ سب یہاں نقل فرمادی گئیں کہ جبرئیل نے عرض کیا کہ ہم صرف اپنے رب تعالیٰ کے حکم سے ہی نازل ہوتے ہیں۔ اُس کی شان یہ ہے کہ دنیا وآخرت اسی کے قبضے میں ہے اور جو کچھ موجود ہے وہ سب اسی کا ہے وہ کچھ بھولتا نہیں ہے وہ اللہ تعالیٰ تو آسمانوں اور زمین اور جو مخلوق بھی اس کے درمیان ہے اُن سب کا پالنے والا ہے۔ لہٰذا اے محبوبِ لامکانی آپ اسی کی عبادت میں مشغول رہیئے اور اس کی عبادت کو ساری کائناتِ انسانی میں قائم فرما دیجئے۔ اے محبوبِ خالق تعالیٰ آپ نے ساری کائناتِ عرش فرش لوح وقلم زمین وآسمان اعلیٰ واسفل تمام موجودات کا مشاہدہ فرمایا ہے کیا اُس کے نام وشان عظمت وکرامت کا کیا کوئی دوسرا کہیں نظر آیا ہے کیا کوئی اور اس طرح کی رحیم وکریم رب قدیر ذات کا علم ہوا ہے کہیں بھی اُس کے علاوہ دوسری ہستی کا پتہ لگا ہے۔ سُبحانَ اللہِ وَبِحَمدِہٖ سُبحانَ اللہِ العَظِیم اس رکوع مبارک میں آٹھ انبیاء علیہم السّلام کا نام شریف ذکر ہوا۔ ۱ موسیٰ ۲ ھارون ۳ اسماعیل ۴ ادریس ۵ آدم ۶ نوح ۷ ابراہیم ۸ اسرائیل یعقوب علیہم السّلام ان کے بعد ان کی اولاد کا ذکر فرمایا گیا جن میں کچھ نیک متقی بن کر باپ دادا کے انعامت الہیہ کو پا گئے اور انہوں نے خاندانِ نبوت سے دینوی اُخروی پورے فائدے حاصل کرلیے اور ان میں کچھ لوگوں نے یہ گمان کر کے کہ ہم نیکوں کی اولاد ہیں۔ اعمالِ صالحہ سے منہ موڑ کر عیش پرستی میں پڑ گئے اور اپنے آباء اجداد انبیاء صالحین کی تعلیمات کی نافرمانی کی تو ان کی کچھ رعایت نہ ہوئی بلکہ دوسرے نافرمانوں کی طرح ان کو بھی وادیِ غی میں پھینک دیا جانے کا لرزہ خیز حکم سنا دیا گیا مگر ساتھ ہی توبہ کے ساتھ بندہ بننے کی مہلت ارزانی فرمادی کہ جب سچے بندے بن جاؤ تو ہماری رحمت کے دروازے کھلے ہیں۔ پانچواں رکوع۔ اس کی سترہ آیت میں سات چیزیں بیان ہوئیں اول کفار کی دوبارہ جینے پر تعجب خیزی اور اُس کا جواب ارشاد

ہوا اور اس جواب کی حقیقت اور یقینی ہونے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کرکے فوربک فرماکر قسم فرمائی جا رہی ہے کہ دوبارہ زندگی قیامت حشر نشر ضرور ہوگا جس میں کفار اور شیاطین کو جمع کرلایا جائے گا اور حساب وکتاب کے بعد جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ جہنم میں جانے کی حالت بیان ہوئی کہ اولاً بندھے ہوں گے گھٹنوں کے بل ہانکے جائیں گے پھر عوام وکفار کے سرداروں کو علیحدہ علیحدہ کر دیا جائے گا اور کفر کی مقدار پر سزا ہوگی۔ ان مقداروں اور ان کے حقداروں کو رب تعالیٰ آج بھی خوب اچھی طرح جانتا ہے دوم۔ میدانِ محشر اور جنت و دوزخ کا محل وقوع اور جغرافیائی نقشہ سمجھاتے ہوئے فرمایا گیا کہ تم میں سے ہر ایک نیک و بد مومن وکافر کو جہنم پر سے گزرنا ہے۔ وہ اس طرح کہ ادھر میدانِ محشر ہے اور دوسری طرف دوسرے کنارے جنت ہے اور نیچے جہنم ہے درمیان میں اور جہنم کے اوپر ایک پل صراط ہے جس کا ایک پہلا کنارہ میدانِ محشر میں ہے دوسرا کنارہ جنت میں نیچے وادیٔ جہنم فرمایا گیا کہ نیک لوگ یہ پل طے کر جائیں گے مختلف رفتاروں سے اور ظالمین کفار و فساق اس پر سے گھٹنوں کے بل گرتے چلے جائیں گے۔ سوم۔ کفار کی دنیوی زندگی اور بیہودہ دلیلوں کی گفتگو اور اس کا تردیدی جواب بیان فرمایا گیا کہ اے کافرو دنیا کی مالداری آخرت کی کامیابی کی دلیل نہ سمجھو ہم نے پہلی قوموں کو جو مالداری میں تم سے کہیں زیادہ تھیں کفر کی بنا پر ہلاک کر دیا۔ یہ مالداری لمبی عمریں تو گمراہوں کو ڈھیل دی گئی ہے۔ جب عذاب یا قیامت دیکھیں گے تو اس وقت مقابلہ کریں اور پوچھیں کہ کس کا مقام گھٹیا اور کس کا لشکر کمزور ہے۔ چہارم۔ کفار کی ہلاکت وفنا اور بدترین کمزوری کے بعد مومن کی شاندار بقا اور اعمالِ صالحہ کے باقیات کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ پنجم کفار کی بعض متکبرانہ مغرورانہ باتوں کا ذکر ہوا اور اس کا جواب بھی اسی طرح دیا گیا اور ارشاد ہوا کہ یہ باتیں جو آج بڑھ بڑھ کر رہے ہیں سب لکھی جا رہی ہیں کل قیامت میں ان کی سزا ضرور ملے گی۔ ششم فرمایا گیا کہ کافر اور دنیا پرست جس مال و دولت اور آل اولاد پر آج گھمنڈ کر رہا ہے اس کے ہم ہی مالک ہوں گے بعد موت اس کے کچھ کام نہ آئے گا۔ ہفتم۔ کفار کے جھوٹے معبودوں جنات شیاطین وابلیس کی اس حالت کا ذکر فرمایا گیا جو قیامت میں ان کی ہوگی۔ اور منکرین قیامت کی غلط فہمیوں کا بادلائل رد فرمایا گیا اور اہل عقل ذی شعور لوگوں کو دنیا کی بے ثباتی کی طرف توجہ دلاکر باقیات صالحات اور اعمالِ صالحہ کا ذخیرۂ اخروی جمع کرنے کا شوق دلایا جا رہا ہے۔ **چھٹا رکوع** اس آخری رکوع کی سولہ آیت میں نو عدد باتیں بیان فرمائی گئیں

پہلی یہ بات بیان کی گئی کہ اتنے کثیر دلائل کے باوجود اور دلائل توحید رسالت قیامت کو سن کر لاجواب ہو کر بھی جو کافر ایمان نہیں لاتے اِس کی وجہ یہ ہے کہ یہ شیطان ہم نے زمین پر بھیجے ہوئے ہیں وہ کفار پر مسلط ہو کر ان کو خوب ورغلاتے اور کفر پر اکساتے پھرتے ہیں لہٰذا آپ ان کے لیے کسی بات کی جلدی نہ فرمایئے یہ تو اپنی گنتی کے دن پورے کر رہے ہیں۔ دوسری بات یہ بتائی گئی کہ قیامت میں ہر گروہ ہر فرد بارگاہِ الٰہیہ میں حاضر ہو گا مگر فرق یہ ہو گا کہ مومن متقی تو بارگاہ میں موعدین کی طرح جلوس کا جشن مناتے ہوئے خود بخود سج دھج کر آئیں گے لیکن کفار کو مجرموں کی طرح جہنم کی طرف ہانکتے ہوئے لے جایا جائے گا سوم یہ کہ شفاعت کی محتاجی اور قدر قیامت میں ہو گی ہر کافر بھی شفاعت کا پیاسا ہو گا مگر یہی چیز سب سے زیادہ نایاب ہو گی اور فقط اُن پیاروں کو شفاعت کا اذن ہو گا جن سے رب تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔ چوتھی بات یہ بتائی گئی کہ کفر تو سب ہی سخت ظلم ہیں مگر عیسائی اور یہودی اور صابئیوں کا کفر سب سے زیادہ سخت ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد جننے کا عقیدہ بنا لیا۔ یہ ایسی سخت اور بھاری بات ہے کہ اس سے آسمان و پہاڑ ایسے دہل جاتے ہیں کہ عنقریب ہے کہ گر ہی پڑیں اور زمین کانپ اٹھتی ہے جیسے کہ پھٹ پڑے گی۔ اس کفر پر کہ ان بدنصیبوں نے رحمٰن کے لیے اولاد کا دعویٰ بنا لیا۔ حالانکہ رحمٰن کو لائق نہیں کہ اولاد کو جنے اور بچے بنائے۔ پانچویں بات بیان ہوئی کہ آسمانوں اور زمین میں ہر شخص اُس کا بندہ ہے فرشتے ہوں یا جنات و انسان اور تمام لوگ اُس کی بارگاہ میں بندے بن کر ہی پیش ہوں گے۔ اس سے کوئی چھپا ہوا نہیں رہ سکتا وہ سب کی گنتی جانتا ہے ایک ایک کو گن رکھا ہے۔ چھٹی بات فرمائی گئی حساب دیتے وقت تمام اس کے پاس اکیلے اکیلے ہی حاضری دیں گے اُس وقت نہ گروہ ساتھ نہ آل نہ اولاد نہ سفارشی نہ مال دولت نہ کوئی لیڈر اور رہنما ساتھ ہو سکے۔ ساتویں یہ بات فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اُس دن صرف نیک متقی سلامتی ایمان والے لوگوں کے لیے ہو گی۔ آٹھویں بات۔ فرمایا گیا کہ اے پیارے محبوب ہم نے اس قرآن مجید کو آپ کی زبان پاک کے ذریعے اس لیے تا قیامت آسان فرما دیا تاکہ آپ یہ قرآن مجید سنا پڑھا کر اہل ایمان کو خوش خبریاں عطا فرمائیں اور ضدی جھگڑالو قوم کو ڈر سناؤ۔ نہم۔ کفار سے خطاب فرمایا گیا کہ تم سے پہلے تمہاری طرح کے کتنے ہی ضدی و جھگڑالو لوگوں کو ہم نے برباد و فنا کر دیا جن کا آج تم نام و نشان بھی نہیں دیکھتے اور بھنک بھی نہیں سنتے۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا۔ غرضکہ اس رکوع کی آیت میں گمراہ فرقوں کی بیہودہ توحید بتا کر

کا پردہ فاش کیا گیا کہ کتنے نادان ہیں جو اللہ کے لیے بیٹا۔ بیٹیں بنائے پھرتے ہیں۔

سورۃ مریم کے فضائل

سورۃ مریم کے فضائل و برکات علماء محققین نے چھ قول ارشاد فرمائے ۱۔ اس سورۃ کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ کی عجیب قدرتوں سے بندوں کو اولاد ملنے کا ذکر ہوا اور آخر میں باری تعالیٰ رب العزت کے اولاد نہ ہونے کا ذکر ہے دوسری فضیلت یہ کہ جن بی بی صاحبہ مریم کو اللہ تعالیٰ نے اُن کے زمانے میں تمام عالمین پر فضیلت دی تھی ان کا مکمل مفصل ذکر اسی سورۃ کے دوسرے رکوع میں فرمایا گیا اور اسی وجہ سے اس پوری سورت کا نام سورۃ مریم رکھا گیا۔ تیسری یہ کہ جو اس سورت کو چار دفعہ پڑھے تو اس کو رب تعالیٰ اگر چاہے تو پورے قرآن مجید پڑھنے کا ثواب عطا فرمائے۔ چوتھی یہ کہ اللہ تعالیٰ کی نہایت خصوصی اور انوکھی قدرت حضرت مسیح کی بغیر والد کے ولادت کا مکمل ذکر اسی سورت میں تفصیلاً ہے پانچویں یہ کہ اس سورۃ کے سب رکوع فصاحت و بلاغت اور مسجع مقفع عباراتِ بدیعہ کا مجموعہ ہیں۔ علمِ ادب والوں کے نزدیک اسکے تمام الفاظ محسناتِ بدیعہ ہیں از آیت ۲ تا آیت ۹۸ جن میں اکتالیس ۴۱ بروزن زکریا حفیا ہیں اور سولہ عدد بروزن مدا ہیں مثلاً۔ شقیا۔ ولیا۔ رضیا۔ سمیا۔ عتیا۔ سویا۔ عشیا۔ تقیا۔ صبیا۔ عصیا۔ ھیا۔ شرقیا۔ زکیا۔ بغیا ع۱۷ مقضیا ع۱۸ قصیا ع۱۹ منسیا ع۲۰ سریا ع۲۱ جنیا ع۲۲ انسیا ع۲۳ فریا ع۲۴ ملیا ع۲۵ حفیا ع۲۶ علیا ع۲۷ نجیا ع۲۸ مرضیا ع۲۹ بکیا ع۳۰ غیا ع۳۱ ماتیا ع۳۲ نسیا ع۳۳ جثیا ع۳۴ عتیا ع۳۵ صلیا ع۳۶ ندیا ع۳۷ رئیا اس کے بعد از آیت ۷۵۔ سولہ الفاظ۔ جو ڈبل ہو کر اکیس بن جاتے ہیں۔ مثلاً ع۱ خیر مردا ع۲ مالا و ولدا ع۳ عند الرحمٰن عہدا ع۴ من العذاب مدا ع۵ ویاتینا فردا ع۶ لھم عزا ع۷ علیھم ضدا ع۸ تؤزھم ازا ع۹ نعد لھم عدا ع۱۰ الی الرحمٰن وفدا ع۱۱ الی جھنم وردا ع۱۲ عند الرحمٰن عھدا ع۱۳ اتخذ الرحمٰن ولدا ع۱۴ شیئا ادا ع۱۵ وتخر الجبال ھدا ع۱۶ الا اتی الرحمٰن عبدا ع۱۷ وعدھم عدا ع۱۸ یوم القیٰمۃ فردا ع۱۹ لھم الرحمٰن ودا ع۲۰ قوما لدا ع۲۱ او تسمع لھم رکزا۔

چھٹی یہ کہ یہی وہ سورۃ مبارکہ ہے جس کے دوسرے رکوع کی تلاوت نے بادشاہ حبشہ حضرت نجاشی تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اُن کے اراکین امراء دربار کو ایمان کی دولت سے سرفراز کیا جب کہ حضرت مولیٰ علی کے بڑے بھائی حضرت جعفر بن ابی طالب نے شاہ حبشہ کے کہنے پر کہ اے مسلمانو تمہارا عقیدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا ہے تب بھرے دربار میں جعفر بن ابی طالب نے یہ دوسرا رکوع تلاوت فرمایا جس سے سب دربار پر سناٹا چھا گیا

اور ہیبت قرآنی سے سب کے چہرے جھک گئے اور آنکھیں آنسوؤں سے تر ہوگئیں۔ اور ابو سفیان وغیرہ کفار مکہ کا تمام منصوبہ خاک میں مل گیا مسلمانوں کی عزت اور زیادہ ہوگئی۔

سُورۃ مَریَم کے عملیات اور تعویذات

عاملین کاملین فرماتے ہیں کہ جو کوئی سورۃ مریم کو ہر روز بعد نماز فجر سات مرتبہ پڑھے نہایت صحیح الفاظ سے اول آخر درود شریف گیارہ دفعہ تو وہ دولت مند ہو جائے۔ ۲۔ اگر کوئی مرد کسی وجہ سے نامرد ہو جائے تو تین دفعہ سورۃ مریم کسی اپنے مرشد کو سورۃ سنا کر اجازت لے کر پڑھے گیارہ دن پڑھنے سے کشادہ ہو جائے ۔ ۳۔ اگر کسی شخص کا باغ خشک اور ویران ہو جائے درخت پھل دینے بند کر دیں اور وجہ سمجھ نہ آئے تو پوری سورت باغسل تازہ باوضو تازہ کسی کاغذ پر خوشخط بازیر زبر وغیرہ لکھ کر پاک بالٹی میں ڈال کر پانی بھر بھر کر ڈالے گیارہ دن متواتر انشاء اللہ تعالیٰ درخت خوب پھول اور پھل دینے لگیں گے۔ ۴۔ جو شخص اس پوری سورۃ کو عربی رسم الخط میں عرق گلاب اور زعفران اور زردہ رنگ سے لکھ کر کاغذ پر اس کو کسی پاک پانی یا دودھ میں گھول کر ایک ہی تعویذ گیارہ دن پیئے اگر کاغذ چھوٹ جائے تو دوسرا تعویذ بنا لے انشاء اللہ تعالیٰ تمام جسمانی بیماریوں سے محفوظ رہے گا۔ ۵۔ جو شخص دولت مند ہونا چاہے اور حلال و پاکیزہ روزی کا طلب گار ہو وہ کسی متقی عامل و عالم سے اس کا تعویذ لکھوا کر اپنے پاس ادب سے رکھے خواہ گلے میں رکھے۔ ٹوپی میں رکھے اور ٹوپی ہر وقت سر پر رکھے سوا غسل اور سونے کے وقت کے تو انشاء اللہ کبھی غربت نہ آئے۔ اس کے کل اعداد ۳۸۶۲۸۹۶ ہیں اور چال مکمل ہے کہیں کمی نہیں ہے۔

تعویذ کا زائچہ یہ ہے۔

۷۸۶

۹۶۵۵۱	۹۶۵۴۴	۹۶۵۴۹
۹۶۵۴۶	۹۶۵۴۸	۹۶۵۵۰
۹۶۵۴۷	۹۶۵۵۲	۹۶۵۴۵

یہ بات شاہد اتنی حقیقت ہے کہ رب تعالیٰ کا ہر ہر کلام ہی فصاحت و بلاغت کا اتنا عظیم معجزاتی خزانہ ہے جس نے شعراء عرب کو مبہوت و متحیر کر دیا اور مَا هٰذَا كَلَامُ الْبَشَرِ کہنے پر مجبور ہو گئے اور قرآن مجید کے۔ قَالُوا۔ کے تینوں چیلنجوں میں سے کسی بھی چیلنج کو قبول

کی ہمت نہ پا سکے اور یہ معجزاتی فصاحت قرآنِ مجید کی ہر ہر سورۃ بلکہ آیت بلکہ لفظ لفظ اور حرف حرف میں ہے باطنی فصاحت تو اہلِ عرب ہی جانتے ہیں۔ مگر بعض سورتوں کی ایسی ظاہری فصاحت ہے کہ ہم جیسے عجمی لوگ بھی متاثر و مسحور ہو کر عش عش کر اٹھتے ہیں۔ ان ہی سورتوں میں ایک یہ سورۃ مریم شریف ہے۔ یہ سورۃ پاک از اوّل تا آخر فصاحتِ لسانی کی ایسی چاشنی سے بھرپور ہے کہ اس کی فصاحتِ بیانی سے متاثر دربارِ حبشہ کے کفر یہ ماحول پر سناٹا چھا گیا تھا اور اس کی دلکش طرزِ بیانی سے عجیب دل گداز سماں پیدا ہو گیا تھا کہ حضرت نجاشی اور تمام درباری رقتِ قلبی سے آنسو بہانے لگ گئے ہم بھی چاہتے ہیں کہ سورۃ مریم کی اس فصاحت و بلاغت کی نشاندہی کر کے اپنی تفسیر کو مزید مزین کریں۔ فصاحت کی مختصر تعریف یہ ہے کہ الفاظ نہایت مقفٰی مسجع ہوں اور بلاغت یہ کہ ایک ایک لفظ میں معانی کے دریا موجزن ہوں اور اگر ایک لفظ دوبار دو جگہ آجائے تو اپنا علیحدہ ہی معنیٰ آشکارا فرمائے۔ ان ہی تعارفوں کے تحت یہ سورۃ مبارکہ از اوّل تا آخر اس طرح مسجع عبارت ہے کہ معلوم ہوتا ہے یہ کلام مطہرہ نور کے بالوں میں ڈھل کر یاقوت و جواہر کی قدرتی لڑیوں میں پرویا ہوا ہے اس سورۃ کی ہر آیت کے اختتام پر ایک مسجع لفظ ہے جو قدرت کا عظیم شاہکار ہے۔

نمبر شمار	الفاظ	آیت کے نمبر	نمبر شمار	الفاظ	آیت کے نمبر
۱	زَکَرِیَّا	آیت ۲	۱۱	نَبِیًّا	آیت ۳۰، ۴۱، ۴۹، ۵۱، ۵۳، ۵۴، ۵۶
۲	خَفِیًّا	آیت ۳	۱۲	حَیًّا	" ۳۱ و ۳۳
۳	شَقِیًّا	آیت ۴، ۳۲، ۴۸	۱۳	تَقِیًّا	" ۱۳
۴	وَلِیًّا	آیت ۵ ۴۵	۱۴	عَصِیًّا	" ۱۴، ۴۴
۵	رَضِیًّا	" ۶	۱۵	حَیًّا	" ۱۵ و ۶۶
۶	سَمِیًّا	" ۷، ۶۵	۱۶	شَرْقِیًّا	" ۱۶
۷	عِتِیًّا	" ۸	۱۷	سَوِیًّا	" ۱۷
۸	سَوِیًّا	" ۱۰ و ۴۳	۱۸	تَقِیًّا	" ۱۸ و ۶۳
۹	عَشِیًّا	" ۱۱ و ۶۲	۱۹	زَکِیًّا	" ۱۹
۱۰	صَبِیًّا	" ۱۲ و ۲۹	۲۰	بَغِیًّا	" ۲۰ و ۲۸

نمبر شمار	الفاظ	آیت کے نمبر	نمبر شمار	الفاظ	آیت کے نمبر
۲۱	مَقْضِيًّا	آیت ۲۱ و ۷۱	۴۱	رِءْيًا	آیت ۷۴
۲۲	قَصِيًّا	〃 ۲۲	۴۲	مَدًّا	〃 ۷۵ و ۷۹
۲۳	مَنْسِيًّا	〃 ۲۳	۴۳	جُنْدًا	〃 ۷۵
۲۴	سَرِيًّا	〃 ۲۴	۴۴	مَرَدًّا	〃 ۷۶
۲۵	جَنِيًّا	〃 ۲۵	۴۵	وَلَدًا	〃 ۷۷، ۸۸، ۹۱، ۹۲
۲۶	اِنْسِيًّا	〃 ۲۶	۴۶	عَهْدًا	〃 ۷۸ و ۸۷
۲۷	فَرِيًّا	〃 ۲۷	۴۷	فَرْدًا	〃 ۸۰ و ۹۵
۲۸	مَلِيًّا	〃 ۴۶	۴۸	عِزًّا	〃 ۸۱
۲۹	حَفِيًّا	〃 ۴۷	۴۹	ضِدًّا	〃 ۸۲
۳۰	عَلِيًّا	〃 ۵۰ و ۵۷	۵۰	اَزًّا	〃 ۸۳
۳۱	نَجِيًّا	〃 ۵۲	۵۱	عَدًّا	〃 ۸۴، ۹۴
۳۲	مَرْضِيًّا	〃 ۵۵	۵۲	وَفْدًا	〃 ۸۵
۳۳	بُكِيًّا	〃 ۵۸	۵۳	وِرْدًا	〃 ۸۶
۳۴	غَيًّا	〃 ۵۹	۵۴	اِدًّا	〃 ۸۹
۳۵	مَاْتِيًّا	〃 ۶۱	۵۵	هَدًّا	〃 ۹۰
۳۶	نَسِيًّا	〃 ۶۴	۵۶	عَبْدًا	〃 ۹۳
۳۷	جِثِيًّا	〃 ۶۸ و ۷۲	۵۷	وُدًّا	〃 ۹۶
۳۸	عِتِيًّا	〃 ۶۹	۵۸	لُدًّا	〃 ۹۷
۳۹	صِلِيًّا	〃 ۷۰	۵۹	رِكْزًا	〃 ۹۸
۴۰	نَدِيًّا	〃 ۷۳			

اللہ تعالیٰ رب العزت کا شکر عظیم ہے کہ آج بروز جمعہ مورخہ بیس ۲۰ جمادی الثانی سنہ ۱۴۱۵ھ مطابق پچیس ۲۵ نومبر سنہ ۱۹۹۴ء سورۃ مریم کی تفسیر مکمل ہوئی۔

سُوْرَةُ طٰهٰ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّخَمْسٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّثَمَانُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان رحم والا

طٰهٰ ۝۱ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝۲

اے طٰہٰ ۔ نہیں اتارا ہم نے اس قرآن مجید کو آپ پر اس لیے کہ آپ مشقت اٹھاؤ

اے محبوب ہم نے تم پر یہ قرآن اس لیے نہ اتارا کہ تم مشقت میں پڑو

اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝۳ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ

لیکن یہ یاد دہانی ہے اس کے لیے جو اللہ کی ہیبت رکھتا ہو۔ اتارا ہوا اللہ ذات کی طرف سے

ہاں اس کو نصیحت جو ڈر رکھتا ہو۔ اس کا اتارا ہوا جس نے

خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۝۴ اَلرَّحْمٰنُ

جس نے پیدا کیا تمام روئے زمین کو اور سب اونچے آسمانوں کو۔ رحمٰن ہی نے

زمین اور اونچے آسمان بنائے وہ بڑا مہر والا اس نے

عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝۵ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ

عظیم عرش پر قبضہ فرمایا۔ اسی کا ہے وہ سب جو تمام آسمانوں میں ہے

عرش پر استوا فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے

وَمَا فِي الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ

اور وہ سب جو تمام زمین کے اندر ہے اور وہ سب جو ان دونوں کے درمیان ہیں ہے اور وہ جو سب زمین کے

اور جو کچھ زمین ہیں اور جو کچھ ان کے بیچ اور جو کچھ اس گیلی مٹی کے

الثَّرٰى ﴿٦﴾ وَإِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَإِنَّهُ يَعْلَمُ

نیچے ہے۔ اور اگر تم زور شور کرو ذکر اذکار ہیں تو بے شک وہ تو جان لیتا ہے

نیچے ہے۔ اور اگر تو بات پکار کر کہے تو وہ بھید کو جانتا ہے اور

السِّرَّ وَأَخْفٰى ﴿٧﴾

دل ہیں پوشیدہ بھید اور سرگوشیوں کو بھی

اُسے بھی جو اس سے بھی زیادہ چھپا ہے۔

تعلقات اس سورۃ طٰہٰ مبارکہ کا پچھلی سورۃ مریم کے ساتھ چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** جس طرح سورۃ مریم رات میں نازل ہوئی بجز چند آیت کے اسی طرح سورۃ طٰہٰ بھی بجز چند آیت کے رات ہی میں نازل ہوئی **دوسرا تعلق** سورۃ مریم کے بعد سورۃ طٰہٰ ہی نازل ہوئی اس لیے ترتیب نزول میں سورۃ مریم کا نمبر ۴۴ ہے اور اس کا ۴۵ ہے۔ **تیسرا تعلق** سورۃ مریم کا افتتاح بھی حروف مقطعات سے ہوا اور اس سورۃ طٰہٰ کا افتتاح بھی اسی حروف مقطعات سے ہوا **چوتھا تعلق** اُس سورۃ مریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ بہت مختصر اجمالاً ہوا تھا اور اب اس سورۃ طٰہٰ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کچھ تفصیل سے ہوا گویا کہ بقیہ ذکر یہاں ہوا لہٰذا اُس سورۃ کے بعد اس سورۃ کی ترتیب نہایت مناسب ہے۔

شانِ نزول اِن آیتِ مبارکہ کے شانِ نزول کے متعلق مفسرین کرام نے تین مختلف اقوال ذکر کئے ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عبادات ونفلی نمازوں کی تلاوت وقیام ورکوع وسجود میں بہت درازی فرماتے تھے

یہاں تک کہ بہت دفعہ قیامِ نماز اتنا دراز ہو جاتا کہ پاؤں مبارک میں ورم آجاتا تھا تب یہ آیت ۷ تا ۷ نازل ہوئیں۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ بعض دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے ایمان نہ لانے اور باری تعالیٰ کی گستاخی کرنے پر بہت زیادہ رنج وغم فرمایا کرتے تب یہ آیت نازل ہوئیں جس میں آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالیٰ العظیم شفقت کے ساتھ تسلی عطا فرما رہا ہے۔ کچھ علماء فرماتے ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا کہ جب نبی پاک خانۂ کعبہ کے پاس نفل نماز پڑھتے اور قیام دراز فرماتے اور عشقِ الٰہی ولذتِ قرآنی میں آپ کے آنسو جاری ہوتے تو پاس بیٹھے ہوئے اردگرد کے کفار مذاق اڑاتے ہوئے کہتے کہ اس شخص کو اپنے اللہ پر یقین نہیں ہے کہ اتنی اتنی دیر تک اللہ کو مناتا اور مشقت کرتا ہے تب ایک دفعہ اسی قسم کے واقع کے بعد یہ آیت نازل ہوئیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تفسیر نحوی

سورۃ آیت (الخ) کا ترجمہ اور ترکیب ونحوی اقوال پچھلی سورۃ میں بیان کر دئے گئے۔ اور طٰہٰ۔ حروفِ مقطعات کا مختصر بیان اور کچھ مسائل واقوال مختلفہ پچھلی سورۃ میں بیان کر دئے گئے۔ یہاں اتنا اور سمجھ لو کہ قرآن مجید میں کُل چودہ ۱۴ عدد انتیس ۲۹ جگہ سورۃ کے بالکل پہلے مختلف حروفِ مقطعات وحی فرمائے گئے مثلاً الٓمٓ چھ جگہ ۱ سورۃ بقرہ شریف دوم آلِ عمران سورۃ ۳ پ۳ سوم سورۃ ۲۹ العنکبوت پ۲۰ چہارم سورۃ ۳۰ الروم پ۲۱ پنجم سورۃ ۳۱ لقمٰن پ۲۱ ششم سورۃ ۳۲ السجدہ پ۲۱ اور الٓمٓصٓ ایک جگہ سورۃ الاعراف پ۸ تیسرا (الٓرٰ) پانچ جگہ اول سورۃ یونس ۱۰ پ۱۱ دوم سورۃ ۱۱ ھود پ۱۱ سوم سورۃ ۱۲ یوسف پ۱۲ چہارم سورۃ ۱۴ ابراہیم پ۱۳ پنجم سورۃ ۱۵ الحجر پ۱۴۔ چوتھا۔ الٓمٓرٰ۔ ایک جگہ سورۃ ۱۳۔ الرعد پ۱۳ پانچواں (کٓھٰیٰعٓصٓ) ایک جگہ سورۃ ۱۹ مریم پ۱۶ چھٹا (طٰہٰ) ایک جگہ سورۃ ۲۰ طٰہٰ پ۱۶۔ ساتواں (طٰسٓمٓ) دو جگہ ۱ سورۃ ۲۶ الشعراء پ۱۹ ۲ سورۃ ۲۸ پ۲۰۔ آٹھواں (طٰسٓ۔) ایک جگہ سورۃ ۲۷ النمل پ۱۹ نواں (یٰسٓ) ایک جگہ سورۃ ۳۶ یٰسٓ پ۲۲۔ دسواں۔ (صٓ) ایک جگہ سورۃ ۳۸ صٓ پ۲۳، گیارہواں (حٰمٓ) چھ جگہ ۱ سورۃ ۴۰ المومن پ۲۴ ۲ سورۃ ۴۱ حٰمٓ السجدہ پ۲۴ ۳ سورۃ ۴۳ الزخرف پ۲۵ ۴ سورۃ ۴۴ الدخان پ۲۵ ۵ سورۃ ۴۵ الجاثیہ پ۲۵ ۶ سورۃ ۴۶ الاحقاف پ۲۶۔ بارہواں (حٰمٓ عٓسٓقٓ) ایک جگہ سورۃ ۴۲۔ الشوریٰ پ۲۵۔ تیرہواں (قٓ) ایک جگہ سورۃ ۵۰ قٓ پ۲۶۔ چودھواں۔ (نٓ) ایک جگہ سورۃ ۶۸ القلم پ۲۹ لفظِ طٰہٰ کی قرأت میں پانچ مختلف اقوال ہیں ۱ طٰہٰ ۲ طٰہٰ ۳ طٰہٰ ۴ طٰہٰ ۵ طٰہٰ۔ اس کی لفظیت میں دو قول ہیں ۱ یہ الگ الگ دو حرف

نہیں ہیں ۲ یہ ایک ہی کلمہ ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک مگر اس کا ترجمہ کوئی نہیں جانتا بجز نبی پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس کے ترجمہ میں چھ قول ہیں ۱ اس کا ترجمہ بجز اللہ رسول کوئی نہیں جانتا یہاں تک کہ جبرئیل بھی نہیں۔ اور یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا علم جبرئیل امین علیہ السلام سے زیادہ ہے۔ باقی پانچ اقوال میں اس کے ترجمے کئے گئے ہیں۔ مگر وہ سب غلط ہیں کیونکہ بناوٹی ہیں حدیث پاک سے کوئی ثبوت نہیں۔ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰۤى اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَ السَّمٰوٰتِ الْعُلٰى اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى۔ مَآ اَنْزَلْنَا باب افعال کا فعل ماضی مطلق منفی جمع متکلم فاعل مرجع اللہ تعالیٰ ہے عَلَيْكَ یہ جار مجرور متعلق ہے۔ عَلٰى اپنے ہی فوقیت کے معنی میں ہے کَ ضمیر کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اَلْقُرْاٰن۔ اسم مفرد معرّف باللام عَلَم ہے آخری کُتُبِ الٰہیہ کا قَرْنٌ یا قَرْءٌ سے مشتق صیغہ مبالغہ ہے بروزنِ فُعْلَانٌ مفعول بہ ہے۔ لام کَیْ تعلیلیہ یہاں اَنْ ناصبہ پوشیدہ ہے۔ تَشْقٰى شَقِیٌّ سے مشتق ہے بمعنیٰ مشقت میں پڑنا واحد مذکر حاضر ہے یہ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر علت ہوئی۔ اِلَّا حرف استثنا لغو بمعنی لٰکِنْ حرفِ عاطفہ اگلی عبارت عطف ہے قرآن پر تَذْكِرَةً اسم مصدر بابِ تفعیل کا تاویل و تعلیل شدہ اصل میں ہے تَذْکِیْرٌ بمعنیٰ نصیحت یاد دہانی۔ لام جارّہ نفع کا مَنْ اسم موصول یَخْشٰى بابِ فَتَحَ یا ضَرَبَ کا فعل مضارع واحد غائب خَشْیَۃٌ سے بنا ہے بمعنیٰ ہیبت میں آنا۔ نافرمانی سے ڈرنا۔ ھُوَ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل مرجع ہے مَنْ یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا۔ موصول صلہ مل کر مجرور ہوا۔ جار مجرور متعلق ہے تَذْكِرَةً مصدر کا۔ یہ سب مل کر شبہ جملہ ہو کر معطوف ہے اَلْقُرْاٰن پر دونوں مل کر مفعول بہ ہے تَنْزِيْلًا۔ اسم مصدر باب تفعیل سے نُزُوْلٌ سے بنا ہے۔ مِنْ جارّہ بمعنیٰ اِلٰی جارّہ ترجمہ ہے طرف سے مَنْ اسم موصول مراد ہے باری تعالیٰ خَلَقَ۔ بابِ نَصَرَ کا فعل ماضی مطلق واحد مذکر ھُوَ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع مَنْ ہے اَلْاَرْضَ۔ الف لام معرفہ جنسی ارض اسم مؤنث لفظی معطوف علیہ واؤ عاطفہ السَّمٰوٰت اسم جمع مؤنث سالم لفظی۔ اس کا واحد ہے سَمَاءٌ۔ موصوف ہے اَلْعُلٰى۔ اسم تفضیل جمع مؤنث اس کا واحد مؤنث ہے عُلْیَا واحد مذکر ہے اَعْلٰى۔ عَلِیٌّ یا عُلُوٌّ سے مشتق ہے بمعنیٰ بلند اونچے۔ یہ جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہے ھُنَّ ضمیر اس میں پوشیدہ اس کا فاعل ہے جس کا مرجع السَّمٰوٰت ہے یہ مرکب توصیفی معطوف ہوا۔ دونوں عطف مل کر مفعول بہ ہے خَلَقَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا۔ موصول صلہ مل کر مجرور۔ اور یہ جار مجرور متعلق ہے تَنْزِيْلًا

مصدر کا۔ وہ سب مل کر شبہ جملہ ہو کر مفعول مطلق ہے مَا اَنْزَلْنَا کا مَا اَنْزَلْنَا فعل اپنے فاعل
مفعول بہ علت اور مفعول مطلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ خیال رہے کہ مفعول مطلق بننے کی صرف دو
شرطیں ہیں ۱۔ یہ کہ اسم مصدر ہو کسی طرح سے بھی جامد نہ ہو ۲۔ اپنے عامل فعل کا ہم معنیٰ ہو۔ یہ ضروری نہیں
کہ اپنے فعل کا مصدر ہو۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ اپنے فعل کے لفظوں جیسا ہو۔ جیسے یہاں اَنْزَلْنَا
تَنْزِيلًا۔ اور قعدت جلوسًا۔ اَلرَّحْمٰنُ اسم صفت صفاتی نام ہے خالق تعالیٰ کا مبتدا ہے۔ عَلَى الْعَرْشِ۔ یہ
جار مجرور متعلق مقدم ہے۔ اِسْتَوٰى۔ باب افتعال کا فعل ماضی مطلق واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے
اِسْتِوَاءٌ سَوٰى سے مشتق ہے بمعنی برابر کرنا قبضہ کرنا درست کرنا یہ افتعال میں متعدی ہوتا ہے ثلاثی
مجرد میں لازم ہوتا ہے۔ هُوَ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل یہ جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے۔ مبتدا خبر مل کر
جملہ اسمیہ ہو گیا۔ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى۔ وَاِنْ
تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَ اَخْفٰى۔ لام حرف جر ملکیت کا ہٗ ضمیر واحد مذکر مجرور متصل مرجع
اللہ تعالیٰ یہ جار مجرور متعلق ہے ثَابِتٌ اسم فاعل پوشیدہ کا۔ یہ اسم فاعل اپنے فاعل هُوَ ضمیر پوشیدہ
اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مقدم ہوئی۔ هُوَ کا مرجع مَا موصولہ ہے چونکہ یہ سارا موصولہ جملہ
مبتدا مؤخر ہے اس لیے معنوی اور حقیقی طور پر اضمار قبل الذکر لازم نہیں آیا۔ اگرچہ ظاہری ولفظی
مرجع بعد میں ہے مَا اسم موصول۔ فِي السَّمٰوٰتِ یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ مَوْجُوْدٌ اسم مفعول
کا۔ مَوْجُوْدٌ اسم مفعول اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر معطوف
علیہ واؤ عاطفہ مَا موصولہ فِي الْاَرْضِ اسی طرح مَوْجُوْدٌ کا متعلق ہو کر سب جملہ اسمیہ ہو کر صلہ موصول مل کر
معطوف علیہ واؤ عاطفہ مَا موصول بَيْنَ اسم ظرف مکانی مضاف هُمَا ضمیر مجرور متصل تثنیہ کا سَمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
ہے یہ مرکب اضافی ظرف ہے پوشیدہ مَوْجُوْدٌ کا یہ سب جملہ ہو کر صلہ۔ موصول صلہ معطوف علیہ واؤ
عاطفہ مَا موصول تَحْتَ الثَّرٰى۔ تحت اسم ظرف مبہم مکانی بمعنیٰ نیچے مضاف ہے یہ ہم معنی ہے
اَسْفَلَ کا۔ اَسْفَلَ کا معنی بھی نیچے ہے مگر فرق یہ ہے کہ تحت کا ماقبل اور مابعد دونوں منفصل اشیاء
ہوتے ہیں جیسے یہاں مَا سے مراد چیزیں اور ثَرٰى سے مراد علاقہ۔ اور اَسْفَلَ ہمیشہ دو متصل
چیزوں کے لیے آتا ہے۔ الثَّرٰى۔ اسم مفرد جامد۔ ثَرٰى سے تعلیل ہوئی ی کو الف سے بدل دیا
گیا لغوی ترجمہ ہے گیلی مٹی۔ گیلی زمین۔ مراد ہے زمین کے اندر اور روئے زمین سے نیچے کا تمام
علاقہ غیبی۔ یہ مضاف الیہ ہے مرکب اضافی اسی طرح جملہ ہو کر صلہ اور موصول صلہ معطوف ہوا۔ سب
عطف مل کر مبتدا مؤخر ہے۔ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ وَاِنْ واؤ سر جملہ۔ اِنْ حرف شرط تَجْهَرْ

باب فتح کا فعل مضارع مثبت معروف واحد مذکر خطاب عام انسان سے ہے جَہْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ زور سے چیخ کر بولنا۔ مضارع کو اِنْ شرطیہ نے جزم دیا۔ یہ فعل بافاعل اور بالْقَوْلِ جار مجرور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی۔ فَ جزائیہ۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل تحقیقیہ ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع اللہ تعالیٰ منصوب متصل ہے کیونکہ اسم اَنَّ ہے۔ یَعْلَمُ عِلْمٌ سے مشتق ہے باب سَمِعَ بمعنیٰ جاننا فعل مضارع۔ السِّرَّ اسم مفرد جامد بمعنیٰ بھید۔ راز۔ یعنی وہ پوشیدہ بات جو صرف دل میں ہو کسی سے بھی نہ کہی گئی ہو اس کی جمع مکسر ہے اَسْرار۔ واؤ عاطفہ۔ اَخْفیٰ۔ اسم تفضیل مذکر۔ خَفیٌّ سے مشتق ہے۔ یعنی وہ پوشیدہ بات جو سرگوشی سے بہت ہی آہستہ کی گئی ہو کہ بالکل قریبی تیسرے کو بھی پتہ نہ چلے۔ یہ معطوف ہے دونوں مل کر مفعول بہ ہے۔ یَعْلَمُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر اِنَّ وہ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جزا ہوئی۔ شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

طٰہٰ۔ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓی۔ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ یَّخْشٰی تَنْزِیْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰی اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی طٰہٰ

اس کا ترجمہ کیا گیا ہے اے حبیب اے مرد کامل، یہ لفظ قبیلۂ عکل کی لغت سریانی یا قبطی یا نبطی حبشی یا کلبی زبان کا ہے یا قرشی لغت ہے اور ترجمہ ہے یا رجل یا حبیب یا مشکلیں حل کرنے والے تفاسیر میں آٹھ اقوال ملتے ہیں ۱ یہ حروف مقطعات سے ہے ۲ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ مقدس ہے ۳ یہ اللہ تعالیٰ کا نام ہے ۴ سورت کا نام ہے اس سورۃ کا نام سورۃ کلیم بھی ہے ۵ یہ حروفِ متشابہات سے ہے طٰ کا معنیٰ ہے طوبیٰ (مبارک) اور ھا کا معنیٰ ہادی یعنی اے برکتوں والے ہادیِ کائنات ۶ طٰ سے مراد طاہر ھا سے مراد ہدایت ۷ بحساب ابجد طٰ کے عدد نو اور ھ کے پانچ کل ملا کر چودہ یعنی چودھویں کا چاند ۸ یہ حروفِ قسم ہیں ت کو ط بنا یا گیا۔ عربی شعرا اپنے اشعار میں اس کو یا رَجُل کے معنیٰ میں استعمال کرتے رہے ہیں چنانچہ ابن جریر کا شعر مشہور ہے۔

دَعَوْتُ بِطٰہٰ فِی الْقِتَالِ فَلَمْ یُجِبْ ❊ فَخِفْتُ عَلَیْهِ اَنْ یَّكُوْنَ مُوَائِلًا

مگر صحیح تر یہ ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مقدس ہے اور اس کا ترجمہ صرف نبی کریم کو معلوم ہے مَآ اَنْزَلْنَا یہ قرآنِ کریم ہم نے اس لیے آپ پر نہیں اتارا کہ آپ اپنے آپ کو مشقت میں ڈال لیں یا آپ کفار کے ایمان نہ لانے سے رنج و غم میں مبتلا رہیں۔ اے پیارے آپ کا کام صرف تبلیغ فرمانا ہے کوئی نہیں مانتا تو جائے جہنم میں آپ کیوں غم کھاتے ہیں۔ آپ ان ضدی خبیثوں کی

وجہ سے اپنے آپ کو بدنصیب یا ناکام نہ سمجھیے۔ قرآن مجید تو کائناتِ عالم کو سعادتیں بخشنے والا ہے شقاوت ضد ہے سعادت کی شقاوت کی بھی دو قسمیں ہیں اور سعادت کی بھی۔ ایک دنیوی شقاوت وسعادت اور دوسری اُخروی۔ دنیوی شقاوت وسعادت کی تین قسمیں ہیں ۱ نفسی شقاوت وسعادت ۲ بدنی شقاوت وسعادت ۳ خارجی شقاوت وسعادت۔ قرآن کریم اپنے ماننے والوں کو ہر قسم کی سعادت عطا فرماتا ہے اور ہر قسم کی شقاوت سے بچاتا ہے۔ قرآن کریم کی تمام سعادتیں آستانۂ مصطفیٰ سے ملتی ہیں اور فقط اسی کو ملتی ہیں۔ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَن يَخْشَىٰ۔ جس کے لیے یہ قرآن مجید تذکرہ بن گیا اور یہ پاک کلام تذکرہ ونصیحت عبرت کا درس فقط اس کے لیے ہے جس نے خشیت الٰہی کی دولت پائی۔ اِلَّا کا استثنا منقطع ہے اس لیے کہ تذکرہ اور شقاوت علیحدہ چیزیں ہیں ترجمہ ہے لیکن بعض نے فرمایا یہ مستثنیٰ مفرغ ہے خشیت سے مراد رقتِ قلبی نرم دلی ہے چونکہ آقاء کائنات قرآن کریم کے ذریعے ہی وعظ ونصیحت فرمایا کرتے تھے اس لیے اس کو تذکرہ فرمایا۔ رب تعالیٰ نے فرمایا طٰہٰ اے عالم امکان کے بدرِ آسمانی اے ملکِ وجود کے ماہِ تمام اے تاریخِ ازلی کے چودھویں کے چہرے والے چاند اے ھادیِ خلق۔ گناہوں سے بچا کر طالبینِ معرفت کو بارگاہِ علام الغیوب کی طرف ہدایتِ کاملہ دینے والے طٰہٰ۔ حدیث پاک میں ارشاد نبوی ہے کہ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَحْمَدُ وَمُحَمَّدٌ وَفَاتِحٌ وَقَاسِمٌ وَحَاشِرٌ وَعَاقِبٌ وَمَاحِيٌ وَطٰهٰ وَيٰسٓ۔ مَآ اَنزَلْنَا محبوبِ خلق حبیبِ خالق کی خواہش تھی کہ تمام بندے اپنے خالق مالک رازق رحمٰن و رحیم کو پہچانیں اور تعلقِ بندگی قائم کرلیں۔ کفر وشرک کی ذلتوں سے نکل کر بندگیِ ذیشان سے عزتِ اَبدی حاصل کرلیں۔ پتھر، لکڑی کپڑے کاغذ کی مورتیوں فوٹوؤں تصویروں سے نفرت کرکے جہنم کے راستے سے بچ کر اپنے سچے معبود اور اس کے احکام کو پہچانیں جب بھی پیارے آقا کریم حریص ایمان یہ دیکھتے کہ لَقَدْ كَرَّمْنَا بنی آدم کے خطاب والے کرامتِ ایمان کے تاج والے انسان مورتیوں تصویروں کی تعظیم میں مصروف ہیں تو آپ کو انتہائی قلق اور غم کی بے قراری ہوتی۔ رب تعالیٰ کو یہ بے قراریِ محبوب گوارہ نہ تھی کہ محبوب نبی اپنی امت اور لوگوں کے ایمان کے لیے ساری ساری رات نماز وتلاوت بخشش کی دعائیں فریادوں سرکشوں بدبختوں کی توفیق ہدایت کے لیے کھڑے گزارتے۔ مولیٰ کریم نے ارشاد فرمایا کہ اے محبوب یہ قرآن مجید ہر کامیابی کا زینہ ہے اور ہر نیک بختی کے لیے ذریعۂ وافر اور سببِ کامل ہے۔ دینی دنیوی تکلیفوں مشقتوں سے نکال کر سعادت کا خزینہ بخشنے والا ہے۔ اس لیے کہ تَنزِيلًا مِّمَّنْ خَلَقَ

اَلۡاَرۡضَ وَالسَّمٰوٰتِ الۡعُلٰی ۔ یہ کلام اس عظیم وقدیم ہستی ذوالجلال کی طرف سے نازل ہوا ہے جس قادر وقیوم نے تمام روئے زمین کو بھی پیدا فرمایا ہے اور تمام بڑے بڑے بلند آسمانوں کو بھی زمین کا ذکر پہلے ہوا کیونکہ احساسِ انسانی سے قریب بھی ہے اور ظاہر بھی آسمان حواسِ انسانی سے بعید بھی ہے پوشیدہ بھی اس لیے اس کا ذکر بھی بعد میں۔ اگرچہ خالق تعالیٰ تمام اشیاءِ عالمین کا پیدا فرمانے والا ہے مگر انسانی مشاہدات کواکب وعوامل شجرات حجرات آسمانوں زمینوں میں ہی ہیں اس لیے یہاں صرف ان ہی دونوں کا ذکر ہوا عُلٰی فرمانے کی وجہ یہ کہ انسانی تقدیر وحادثات احکام وارزاق سب اوپر سے آتے ہیں لفظ عُلٰی اَعلیٰ کا مؤنث تفضیلی ہے اس کا واحد عُلیا ہے۔ اس فرمان میں شانِ قرآن کا اظہار ہے کہ کلام کی شان کلام والے کی ہیبت قوت قدرت سے پہچانو اتنی قوت طاقت جاہ وجلال کے باوجود وہ کریم اپنی مخلوق پر رحمٰن ہے عَلَی الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰی جس کی ساری کائنات پر ازلی ابدی شہنشاہی ہے اس عرشِ عظیم پر اس کا قبضہ وتصرف ہے جو زمین تحتِ الثریٰ اور سمواتِ عُلیٰ سے بھی بڑا ہے۔ اِستویٰ کے معنیٰ میں چار قول ہیں ۱؎ وہ عرش کا مالک ہوا ۲؎ عرش پر قابض ہوا قبضہِ شہنشاہی سے ۳؎ متوجہ ہوا غلبہ کی توجہ سے ۴؎ اظہارِ سلطنت فرمایا۔ استویٰ کے ناویلی معنیٰ بھی چار ہیں ۱؎ رکوب ۲؎ جلوس ۳؎ غلبہ ۴؎ تصرف۔ امام مالک فرماتے ہیں اِستویٰ کا معنیٰ معلوم ہے مگر حقیقت کیفیت مجہول ہے اس پر ایمان واجب ہے مگر اس میں بحث وسوال بدعت سیئہ ہے اور بدعت گمراہی ہے فرماتے ہیں کہ جیسے ابدانِ مومنین کا قبلہ کعبہ ہے اسی طرح قلوبِ مومنین کا قبلہ عرش اعظم ہے اور دعاءِ مسلمین کا قبلہ آسمان ہے۔ اِستواءِ عرش شانِ صفت ہے نہ کہ شانِ ذات اس لیے اَلرَّحمٰن اسم صفاتی ارشاد ہوا۔ احادیث میں ہے کہ عرش اعظم گول ہے تمام آسمانوں سے بڑا ہے تمام جہانوں کو گھیرے میں لیے ہوئے ہے اس کا نام فلکِ اطلس بھی ہے فلکِ تاسع بھی کبھی کبھی متحرک مثلِ زلزلہ ہوتا ہے۔ فرقہ معتزلہ اور فرقہ تیمیائی کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھتا ہے یہ معنیٰ ہے اِستوا کا ان کے امام ابن تیمیا نے لکھا کہ جب اللہ کرسی پر بیٹھتا ہے تو کرسی چوں چوں کرتی ہے (معاذ اللہ) مگر اہل سنت کے نزدیک یہ عقیدہ باطل اور کفریہ ہے۔ اس کے رد میں امام اہل سنت امام رازی نے نو دلائل عقلیہ پیش کیے پہلی دلیل۔ بیٹھنے والا جگہ کا محتاج ہوتا ہے اور محتاج الیہ کا محتاج سے پہلے ہونا ضروری ہے اگر اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھتا تو عرش پہلے ہوا اور اللہ کو محتاج ماننا پڑے گا اور یہ ہی کفر ہے اللہ تعالیٰ جس وقت بھی تھا جب ابھی عرش کا نام ونشان بھی نہ تھا دلیل دوم۔ بیٹھنے والے کی

دائیں بائیں کروٹیں لازم اور کروٹ کے لیے مرکب ہونا شرط حالانکہ رب تعالیٰ مرکب ہونے اور اجزا سے
پاک ہے۔ دلیل سوم بیٹھنے والا دو قسم کا ہوتا ہے ایک متحرک و منتقل دوم ساکن جامد۔ متحرک کے لیے
کبھی حرکت کبھی سکون لازم یہ کیفیت حادث کی ہے تو لازم آیا کہ اللہ تعالیٰ حادث ہے۔ اور یہ عقیدہ
کفر ہے۔ ثابت ہوا کہ معتزلی و تیمیائی عقیدہ کفریہ ہے دلیل چہارم اگر اللہ تعالیٰ کو صرف عرش پر بیٹھا
رہنے والا کہا جائے تو لازم آئے گا یہ تخصیص ہے اور تخصیص دلیل محتاجی اور اگر خاص نہ کیا
جائے تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ بیک وقت بہت جگہ بیٹھتا ہے حالانکہ اس کا قائل کوئی نہیں دلیل
پنجم اللہ تعالیٰ کی شان ہے لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ اگر اللہ کو جالس مانا جائے تو بہت سے جالس بیٹھنے ہیں
اس کی مثل ماننے پڑ جائیں گے یہ بھی کفر ہے دلیل ششم اگر رب تعالیٰ کو جالسِ عرش مانا جائے تو ماننا
پڑے گا کہ اللہ کو فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہے اس لیے کہ قرآن مجید آیت ۷ سورۃ المومن میں ہے اَلَّذِیْنَ
یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ یعنی فرشتے اٹھاتے ہیں عرش رب کو اور جالس عرش کو عرش نے
اٹھایا حامل کا حامل حامل ہوتا ہے اور یہ ناممکن ہے کہ مخلوق اپنے خالق کو اٹھالے دلیل ہفتم۔ جہان
ایک کرہ ہے کچھ چیزیں اوپر ہیں کچھ نیچے اگر اللہ تعالیٰ عرش پر جالس ہو تو لازم آئے گا کہ کچھ چیزیں
اللہ سے بھی اونچی ہو جائیں اور یہ باطل ہے کیونکہ تَعَلّٰی وَعُلُوًّا کَبِیْرًا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ دلیل ہشتم
یہ بات ایمانیات میں سے ہے کہ رب تعالیٰ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ ہے اگر اس کو جالس مانا جائے تو
مرکب ماننا پڑے گا اور اقسام و ترکیب لازم آئے گی اور اللہ تعالیٰ واحد حقیقی نہ رہے گا۔
(معاذ اللہ) بیٹھنا اٹھنا لیٹنا وغیرہ مرکبات کی کیفیتیں ہیں۔ دلیل نہم حضرت ابراہیم نے کواکب
اجرام فلکی کو دیکھ کر فرمایا تھا۔ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ۔ کیونکہ یہ اجسام ہیں اگر اللہ کو جالس کہا جائے تو
ماننا پڑے گا کہ اللہ بھی مجسّم ہے اور یہ ہی کفر ہے غرضکہ تیمیائی عقیدے سب کے سب کفریہ ہیں

لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ یَعْلَمُ
السِّرَّ وَاَخْفٰی۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ خالق کائنات
بھی ہے اور عالم و عالمیان کا فرمان روا بھی ہے حاکم اعلیٰ بھی ہے سمٰوات کی بلندیوں ارضین کی
پستیوں میں اسی کا حکم نافذ و جاری ہے عرش مخلوقات پر اسی کا قبضۂ استوا ہے ملک و ملکوت
پر اسی کی قدرت و کمال کا قبضۂ جبروت ہے حوادثات تامعہ پر اسی کی اجازت کا ظہور ہے اس
کی وسعت شاہی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے لامکان کی بلندیاں ثریٰ کی پستیاں جن کا کسی مخلوق کو
تصور بھی نہیں ہو سکتا ان سب پر غلبۂ تسلط اسی سلطان ارض و سما کا ہے۔ آسمانوں میں ملائکہ اور کواکب

شمس و قمر ستارے جنت عرش حور و قصور غلمان برزخ اعراف وغیرہ لوح و قلم اور زمین میں پہاڑ نہریں بحریں معدن مخزن اشجار احجار نباتات جمادات انسان جنات و شیاطین و صلحین سب طوعاً و کرھاً اسی کے بندۂ محتاج ہیں اور وَمَا بَیْنَهُمَا بادل بارش ہوا ریاح رعد برق ثمر وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی بحر ظلمات آتش فشاں صخرہ بقرہ ندی نون ثور ثرای بدایۃ دل دل۔ لاوہ تراب۔ ریگ کیچڑ سب اسی کے تابع فرمان و ملکیت تمام میں ہیں تدبیر تابع ہے تقدیر کے اور تقدیر تابع ہے ارادے کے اور ارادہ ..... تابع ہے علم کے اور علم تابع ہے کمال کے اور کمال تابع ہے حکمت کے اور حکمت تابع ہے احاطہ کے اسی لیے فرمایا گیا۔ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ۔ اس کو سنانے بتانے کے لیے اگر تو بلند کرے گا قول و فریاد التجاء و دعا کو تو ایسا نہ کر وہ عالم مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ تو يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ہے۔ بغیر بولے کلام کو اور بغیر ارادۂ قلبی والے آئندہ امور و افعال کو بھی جانتا ہے۔ اَلسِّرِّ یعنی کہا ہوا راز اَخْفٰی سوچا ہوا ذہنی چھپا ہوا راز ۲ سوچے ہوئے منصوبے سر ہیں اور آئندہ وہ اعمال جن کو بندوں نے ابھی سوچا بھی نہ ہو وہ اَخْفٰی ہیں ۳ سر وہ ہے جو بندہ خود سوچے اَخْفٰی وہ ہے جو القاءِ ربانی ہو ۴ سر وہ ہے جو بندہ اللہ سے کرے اَخْفٰی وہ راز ہے جو اللہ تعالیٰ بندے سے کرے ۵ سر وہ خفیہ کام جس کا بندے نے صرف ارادہ کر لیا ہو۔ اَخْفٰی وہ راز جس کا بندے نے ابھی ارادہ بھی نہ کیا ہو۔ زمین کی چار قسمیں ہیں ۱ تراب ۲ ندی ۳ ثری ۴ صخری۔ تراب سر ہے ندی خفی ہے ثرای سر الاسرار ہے صخرہ اَخْفٰی ہے۔

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔

فائدے اِن آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ مسلمانوں کو چاہیے کہ ہمیشہ ظاہری باطنی قباحتوں برائیوں ذلت کے کاموں سے بچتے رہیں اور ظاہری باطنی ہر قسم کی نیکی اطاعت و اتباعِ شریعت کرتے رہیں یہ فائدہ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى سے حاصل ہوا کہ اس آیت میں مکلفین کو زجر و جھڑک ہے گناہوں سے اور ہر حال میں نیکی کرنے کی ترغیب ہے کیونکہ رب تعالیٰ کسی وقت بھی کسی بندے سے غافل نہیں نہ کسی کے عمل سے بے خبر۔ سِرّ وَاَخْفٰی سے وہ عمل بھی مراد ہیں جن میں ثواب یا عذاب ہے۔ دوسرا فائدہ سورۃ طٰہٰ کی ان فضیلتوں سے جو حدیثِ مبارکہ میں منقول ہوئیں یہ ثابت ہوتا ہے کہ آقائے کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش سے بھی دو ہزار سال پہلے پیدا ہو گئے تھے علامہ شوکانی علیہ الرحمۃ نے اپنی تفسیر فتح القدیر جلد سوم ص ۳۵۴ میں اسی آیت کی تفسیر

یں فرمایا کہ حضرت ابو ہریرہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ نے آسمانوں زمین کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے قرآن مجید کی سورۃ طٰہٰ اور سورۃ یٰسین کو تلاوت فرمایا۔ قرآن کریم کی ایک سو چودہ ۱۱۴ سورتوں میں صرف یہی دو سورتیں ہیں جن میں شروع سے کسی کو نام لے کر خطاب کیا گیا۔ طٰہٰ بھی بلغتِ عرب خطاب ہے اور یٰس بھی حرف یا کی وجہ سے خطاب ہو گیا جیسا کہ ہم نے ابھی تفسیر عالمانہ میں مفسرین کے حوالوں سے ثابت کیا۔ اور خطاب وندا کے لیے پہلے منادیٰ ومخاطَب کا ہونا ضروری ہے پس جب طٰہٰ و یٰس کا خطاب وندا آسمانوں زمینوں اور ان کی مخلوق سے دو ہزار سال پہلے ہوا تو لازم آیا کہ اس خطاب وندا کے منادیٰ ومخاطَب آقائے کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُس سے بھی پہلے سننے سمجھنے کی صلاحیت کے ساتھ موجود ہوں یہ فائدہ طٰہٰ کی تفسیر و لغوی ترجمہ سے حاصل ہوا۔ **نکتہ عجیبہ** ایک دفعہ حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کسی محفل میں آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خلقت پر تقریر فرماتے ہوئے نہایت مدلل انداز میں۔ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ۔ اور یا جَابِرُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی خَلَقَ قَبْلَ كُلِّ شَیْءٍ نُوْرَ نَبِیِّكَ اور كُنْتُ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الطِّیْنِ وَالْمَاءِ ۔ کی احادیث صحیحہ سے اس بات پر دلیلیں پیش فرمائیں کہ نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خلقت مبارکہ تمام مخلوق سے پہلے ہے بعد تقریر ایک وہابی صاحب نے اعتراض کیا کہ یہ تمام احادیث ضعیف ہیں اوّلاً آپ نے اُن وہابی صاحب سے ضعیف ہونے کا ثبوت مانگا مگر وہابی اپنے اکابر کے پرانے طریقے کی طرح ثبوت نہ دے سکے مگر ضد نہ چھوڑی تب آپ نے فرمایا کہ احادیثِ صحیحہ مشہورہ کو ضعیف کہہ کر تو تم جان بچا لوگے مگر میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی خلقتِ اولیٰ کو قرآن کریم بھی ثابت فرما رہا ہے صرف ذرا تدبرِ قرآنی کی ضرورت ہے چنانچہ آپ نے سورۃ زخرف کی آیت ۸۱ تا قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ تلاوت فرما کر بتایا کہ قرآنِ مجید فرماتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہوتا تو وہ بھی قدیم ہوتا اور معبود ہوتا اور تمام مخلوق اس کی عابد ہوتی اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے عابد ہوتے قرآنِ مجید بتانا یہ چاہتا ہے کہ تمام مخلوق میں سب سے پہلے نبی کریم پیدا ہوئے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا بیٹے کے عابد تو ہوتے مگر اللہ کے پہلے عابد آپ تھے۔ نیز میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے سابقہ واقعات کو اَلَمْ تَرَ سے شروع فرمایا یہ بھی یہی بتا رہا ہے کہ واقعاتِ ماضیہ کے ہزاروں سال پہلے نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم موجود بھی تھے اور دیکھ بھی رہے تھے سمجھ بھی رہے تھے فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ تیسرا فائدہ اگرچہ قرآن پاک سب کے لیے ہدایت ونصیحت ہے مگر اس سے فائدہ صرف اُن لوگوں کو ملتا ہے جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی خشیت ہوتی ہے یہ فائدہ تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى سے حاصل ہوا۔ لہٰذا ہر مسلمان کو خشیت حاصل کرنے کی کوشش ورغبت کرنی چاہئے۔ اللہ نصیب فرمائے۔

اَحکامُ القرآن

ان آیات کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ۔ نماز میں آمین آہستہ کہنا چاہئے کیونکہ یہ دعا ہے اور اللہ تعالیٰ سے عرض وخطاب والنجا وفریاد ہے۔ یہ مسئلہ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى سے مستنبط ہوا۔ نیز اس کے علاوہ بہت سی احادیث کی اشارۃُ النص سے بھی ثابت ہے کہ آمین آہستہ ہی کہنی چاہیئے چنانچہ بخاری شریف جلد اول ص۱۰۸ پر ہے کہ اپنی آمین ملائکہ کی آمین سے مشابہ کرو۔ یعنی جس طرح ان کی آمین کسی کو سنائی نہیں دیتی تمہاری بھی سنائی نہ دینی چاہیئے اسی طرح ص۱۰۹ پر ہے کہ رکوع کے بعد رَبَّنَا لَكَ الْحَمْد کہو اور اپنا لک الحمد فرشتوں کے لک الحمد کے مشابہ کرو یہاں بھی مشابہت سے یہی مراد ہے کہ جس طرح فرشتوں کا لک الحمد کہنا کسی کو سنائی نہیں دیتا تمہارا بھی نہ سنائی دے۔ تو یہ کیا وجہ کہ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْد والی اس حدیث پر تو عمل کرتے ہوئے آہستہ کہا جائے اور آمین پھر بھی زور سے چاہیئے کہ دونوں جگہ مشابہتِ ملائکہ قائم رہے۔ ابوداؤد شریف ص۱۲۸ جلد اول میں ہے۔ عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ اپنے والد سے راوی انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑے ہو کر نفل نماز پڑھی میں نے سنا کہ آپ نے نماز میں پڑھا۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ وَيْلٌ لِّاَهْلِ النَّارِ ۔ اور یہ بات متفق علیہ ہے کہ نماز نفل میں سب کچھ آہستہ ہی پڑھا جاتا ہے۔ اس کے باوجود سن لینا بتا رہا ہے کہ آہستہ آواز بھی سنی جا سکتی ہے جب کہ قریب ہو تو اسی طرح جس روایت میں ایک صحابی فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمین سنی مَدَّ بِهَا صَوْتَهٗ تھا آپ نے آمین میں آواز کو کھینچا۔ تو وہاں بھی آہستہ آمین کا ذکر ہے نہ کہ جہر اور بلند آواز کا۔ مَدّ کا معنی جہر نہیں ہو سکتا۔ دوسرا مسئلہ۔ قرآن مجید کی تلاوت یا وعظ وتقریر سے کسی کو پریشان کرنا ہر روز لاؤڈ سپیکر تیز آواز سے لگا کر اہلِ محلہ کے بیماروں معذوروں مزدوروں کو ساری ساری رات سنانا جس کا ناشرعًا حرام وممنوع ہے یہ مسئلہ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۔ کی ایک تفسیر سے مستنبط ہوا۔ تیسرا مسئلہ۔ یہ عقیدہ رکھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر تلاوت تسبیح تہلیل تکبیر دعا مناجات بلند آواز

سے پڑھنا کہ اللہ تعالیٰ کو سنایا جائے اور آہستہ آواز اللہ تعالیٰ نہیں سنتا (معاذ اللہ) کفر ہے ہاں البتہ غفلت سے بچانے سوتوں کو جگانے شیطان کو بھگانے اور بھولوں کو ذکر اللہ یاد دلانے کے لیے بلند وجہری آواز سے ذکر کرنا ہر جگہ جائز ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ کھانا شروع کرتے وقت بسم اللہ شریف زور سے پڑھنی چاہیئے تاکہ بھولے ہوؤں کو یاد آجائے اور کھانا ختم کرتے وقت اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ آہستہ کہنی چاہیئے تاکہ جو لوگ ابھی کھانا کھا رہے ہیں وہ شرمندگی سے کھانا نہ چھوڑیں اور بھوکے نہ اُٹھ کھڑے ہوں یہ مسئلہ یَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰی سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔ پہلا اعتراض یہاں فرمایا گیا خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰی۔ زمین کی پیدائش کا ذکر پہلے کیا گیا اور آسمانوں کی پیدائش کا ذکر بعد میں حالانکہ دوسری کئی آیت میں خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ہے اور بہت سی روایت سے ثابت بھی ہے کہ آسمانوں کی خلقت پہلے ہے زمین کے بعد میں نیز جمہور علماء اور فلاسفۂ اسلامی کا بھی یہ عقیدہ ہے کہ آسمانوں کی خلقت پہلے ہے زمین کے بعد میں۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف باب بدء الخلق فصل اوّل میں ہے کہ پہلے عرش پیدا کیا گیا پھر آسمانوں کو اور زمین کو مگر یہاں زمین کا ذکر پہلے ہے اس کی وجہ کیا ہے۔ جواب یہاں تین باتیں سمجھانے کے لیے اَرض کا ذکر پہلے کیا گیا ۱۔ چونکہ عالم دنیا کا اصلِ اُصول زمین ہے اس لئے زمین کا ذکر کیا گیا ۲۔ یہ آیت انسانوں کو سمجھانے بتانے کے لیے ہے اور انسانی حواس اور حسِ ظاہری کا تعلق زمین سے ہی ہے اور زمین ہی انسان سے قریب اور انسانی ملکیت وتصرف میں ہے اسی پر وہ اترا تا غرور کرتا اکڑتا چلتا پھرتا کفر وشرک وفساد پھیلاتا پھرتا ہے اس لیے انسانوں کو بندہ بنانے کے لیے اس کی خلقت کا ذکر پہلے کیا گیا۔ ۳۔ نظام کائنات کا مرکز زمین ہے اس لیے یہاں اظہارِ حکمتِ پیدائش واصل جہان کی وضاحت کے لیے اَرض کا ذکر پہلے کیا گیا اور ان دیگر آیات واحادیث میں وقتِ خلقت کا ذکر ہے کہ پہلے آسمانوں کی پیدائش ہے پھر زمین کی مگر اس اولیت میں اختلاف ہے اس لیے آسمانی اولیت کے مسلک کو جمہوریت نہیں کہا جا سکتا۔ بعض نے فرمایا کہ زمین کو آسمانوں سے پہلے پیدا کیا گیا یعنی وجوداً زمین پہلے ظہور میں آئی ان کی دلیل میں دو آیتیں ہیں ۱۔ سورۃ بقرہ آیت ۲۹ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۲۔ سورۃ حٰم سجدہ آیت ۹ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ۔

ان دونوں آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ زمین پہلے پیدا ہوئی بعض فلاسفہ نے فرمایا کہ آسمان پہلے ہیں اُن کے دلائل میں اگرچہ چند آیت اور احادیث ہیں مگر واضح نہیں ہیں مشکوٰۃ کی یہ مندرجہ بالا روایت بھی ثُمَّ کے حرف سے وضاحت نہیں کرتی۔ ہمارے علما نے دونوں قسم کی آیت و روایت میں مطابقت اس طرح فرمائی ہے کہ بلحاظِ ایجادِ مادّہ آسمانوں کی خِلقت پہلے ہے اور بلحاظِ ظہورِ وجود زمین کی خِلقت پہلے ہے یہ مفہوم ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ سے ماخوذ ہے کیونکہ اِستوا ایجادِ مادّہ کے بعد ہوتی ہے۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں تفسیر میں آپ نے لکھا ہے کہ لفظِ طٰہٰ حروفِ مقطعات میں سے ہے اس کا ترجمہ صرف نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی رب تعالیٰ عَزَّوَجَلَّ نے تعلیم فرمایا لیکن سنی علماء شعرا اپنی تقاریر و اشعار میں فرمایا اور لکھا کرتے ہیں کہ یہ نبی کریم کے اسماءِ پاک ہیں اور صرف طٰہٰ ہی نہیں بلکہ اشعار میں ہے کہ اَلقاب کیسے کیسے خدا نے کئے عطا ؎

یٰسٓ کہیں پکارا تو طٰہٰ کہیں کہا حٰمٓ نوٓن اور کہیں وَالشَّمْسِ وَالضُّحٰی

سوال یہ ہے کہ اگر یہ حروفِ مقطعات ہوں تو اُن کا ترجمہ کوئی نہیں جانتا لیکن اگر یہ اسماءِ پاک ہوں تو پھر ان کا ترجمہ سب کو آنا چاہیئے۔ ورنہ تضاد بیانی ہوگی اس کا جواب کیا ہے دونوں باتیں کس طرح درست ہوسکتی ہیں۔ جواب۔ کوئی تضاد بیانی ثابت نہیں ہوتی صرف سمجھ کا فرق ہے ہم نے تفسیر میں عُلَما کے اَقوال سے ثابت کیا ہے کہ اس کا معنی بجز اللہ رسول کوئی نہیں جانتا لیکن علماء کے پیش کردہ اشعار سے صرف یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو ان الفاظ سے خطاب کیا ہے نام دے کر یا القاب عطا کر کے یا کوئی اور راز کی بات فرمائی ہے اگر یہ نام پاک ہی ہوں تب بھی ترجمہ معلوم ہونا ضروری نہیں دنیا میں ہزاروں نام ایسے ہیں جن کا نام ترجمہ ہم میں سے کوئی نہیں جانتا اس لیے اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں نہ کوئی تضاد و تعارض ہے۔ تیسرا اعتراض آپ نے تفسیر میں فرمایا کہ اِسْتَوٰی باب افتعال کی وجہ سے متعدی ہے۔ اور عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی کا ترجمہ ہے کہ رب تعالیٰ نے عرش پر شاہی قبضہ فرمایا۔ یا عرش کو درست فرمایا۔ یا برابر فرمایا۔ لیکن دیگر آیت سے اس قول کی نفی ہوتی ہے مثلاً۔ آیت۔ اِسْتَوَتْ عَلَی الْجُوْدِیِّ۔ ترجمہ نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پر ٹھہری یا مثلاً آیت وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰی۔ ترجمہ۔ اور جب وہ اپنی قوت کو پہنچا اور سنبھل گیا اور مثلاً لِتَسْتَوٗا عَلٰی ظُهُوْرِهٖ ترجمہ تاکہ تم اُس کی پیٹھ پر چڑھ بیٹھو۔ ان تمام آیات میں اِسْتوا

باب افتعال سے ہی ہے مگر متعدی نہیں ہے بلکہ لازم ہے تو اس طرح یہاں اور دوسری آیت ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ میں بھی یہ لازم ہونا چاہیئے اور ترجمہ یہ ہونا چاہیئے کہ اللہ رحمٰن عرش پر بیٹھا اور دوسری آیت کا ترجمہ یہ ہونا چاہیئے کہ پھر برابری یعنی تشریف آوری اور بیٹھک فرمائی اللہ نے آسمانوں کی طرف تمہارے اعلیٰ حضرت نے بھی اور تفسیر جلالین نے بھی اس صیغے اور مصدر کو لازم ہی تصور فرمایا ہے۔ اور جیسا کہ اُس کی شان کے لائق۔ ترجمہ کر کے ہمارے اعتراض کی توثیق کر دی نیز علماءِ نحو نے بھی بابِ افتعال کو متعدی نہیں فرمایا ثابت ہوا کہ آپ کا قول درست نہیں ہے اور بابِ افتعال لازم ہی ہوتا ہے متعدی ہرگز نہیں ہوتا (از نیہائی وہابی) جواب تمام علماءِ نحو کے نزدیک بابِ افتعال متعدّی ہوتا ہے جیسا کہ تمام نحو کی کتب میں مرقوم ہے اگرچہ اس کا متعدّی ہونا دیگر افعال و تفعیل وغیرہما کی طرح خصوصی نہیں ہے مگر ہمیشہ متعدی ہی ہوتا ہے اور متعدی ہونا آٹھ قسم کا ہے ۱ متعدی بالغیر اس کی پھر تین قسمیں ۱ متعدی بیک مفعول ۲ متعدی بدو مفعول ۳ بسہ مفعول ۴ متعدی بالنفس۔ مثلاً ضَرَبْتُ نَفْسِیْ میں نے اپنے آپ کو مارا ۵ متعدی بِعَلٰی ۶ متعدی بِاِلٰی ۷ متعدی بِمِنْ ۸ متعدی بالعطف جب کہ فاعل کا مفعول بہ پر عطف ہو جائے۔ جیسے کہ لَا یَسْتَوِی الطَّیِّبُ وَالْخَبِیْثُ۔ ترجمہ۔ طیب چیز خبیث چیز کے برابر نہیں وَاسْتَوَتْ عَلَی الْجُوْدِیِّ میں متعدی بنفسہ ہے اور ترجمہ اس طرح ہے کہ برابر کر لیا کشتی نے اپنے آپ کو جودی پر یعنی قبضہ جمالیا اُس پر۔ معترض کی پیش کردہ دوسری آیت میں بھی متعدّی بِنَفْسِہٖ ہے یعنی جب پہنچا وہ جوانی کو اور مضبوط پایا خود کو معترض کی تیسری آیت میں قابض ہونے کا ترجمہ ہے لیکن آیت عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی اور ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ میں متعدی بِعَلٰی اور متعدی بِاِلٰی ہے اور دونوں جگہ قبضہ کرنے کا معنٰی ہی درست ہے تفسیر جلالین اور اعلیٰ حضرت نے قبضے کا انکار نہ فرمایا بلکہ مشابہت قبضے کا انکار فرمایا یعنی اللہ تعالیٰ کا قبضہ بادشاہوں یا مخلوق یا ملکیت والے انسانوں کے قبضے کی طرح نہیں۔ ایسا مثلی مشابہتی قبضہ اللہ کے لیے ماننا کفر ہے۔ یعنی (جیسا قبضہ) اس کی شان کے لائق رہا وہابیوں کا ترجمہ اللہ تعالیٰ کے بیٹھنے یا تشریف رکھنے کا یہ تو اللہ کے لیے کہنا کفر ہے کیونکہ بیٹھنے کے لیے جسم کی محتاجی اور مولیٰ تعالیٰ جسم سے پاک ہے لہذا اسْتَوٰی کا ترجمہ قبضہ کرنا بہترین ہے قبضے میں نہ جسمانیت شرط ہے نہ محدودیت بلا تشبیہ بادشاہ سارے ملک پر بیک وقت قابض ہوتا ہے مالکِ زمین میلوں لمبی زمین پر قابض ہو سکتا ہے بیٹھنا تو بہت ہی محدود ترجمہ ہے

بلکہ بیٹھنے میں زیادہ جگہ گھیرنی بھی معیوب ہے اور کسی کے متعلق ایسا کہنا اس کا تمسخر یا گستاخی ہے بہرحال علماءِ نحو نے باب افتعال کے متعدی ہونے کا کہیں بھی انکار نہ کیا صرف اُس کو خصوصیات میں شمار نہ کیا۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

تفسیر صوفیانہ

طٰهٰ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰۤى اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ یَّخْشٰى تَنْزِیْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى۔ اے آسمانِ معرفت کے بدرِ کمل اے بساطِ نبوّت کو لپیٹنے والے صفاتِ اختیار کو پانے والے فیوضاتِ تجلّیات کو قائم کرنے اور بانٹنے والے اے وہ بندۂ محبوب کہ مکوناتِ عالمین کو جس نے اپنے قدمِ رحمت سے طے کیا۔ آنکہ آمد نو فلک معراجِ اُو۔ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰۤى۔ ہم نے اس قرآن سینۂ مصطفیٰ کو تیرے قلب شریعت پر اس لیے نازل نہ کیا کہ تیرے خُلقِ عظیم کی سعادتیں نیک بختیاں دنیا وعقبیٰ میں نہ پاسکیں اور عالمِ ناسوت کی مشقتوں بلاؤں میں پڑجائیں بلکہ اس لیے کہ آسمانوں اور زمینوں والے خُلقِ عظیم کی نعمتیں پائیں بدعملی کی شقاوت سے بچیں کیونکہ شقاوت سعادت کی ضد ہوتی ہے یہ قرآن تو از اول تا آخر تذکرہ ونصیحت ہی ہے لیکن فقط اُن خوش بختوں کے لیے مفید ہے جو انوارِ قدس سے خشیتِ عجز کی دولت پانے والے ہیں حکایت ایک بزرگ کے پاس دو آدمی گئے کہ ہمیں کچھ نصیحت فرمایئے ایک بہت حسین تھا ایک بہت بدصورت تھا۔ بزرگ نے فرمایا اے خوب صورت تو نیک عمل کرتا کہ تیرے حُسن میں چمک پیدا ہو اور اے بدصورت تو بھی نیک عمل کرتا کہ تیری بدصورتی ڈھک جائے بُرے اعمال سے تیری بدصورتی میں اضافہ نہ ہو۔ حکایت۔ ایک دفعہ موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ رب تعالیٰ میں عرض کیا اے مولیٰ تیری بارگاہ میں کون بندہ سب سے اکرم ہے فرمایا جو اپنی زبان کو ذکرُ اللہ سے تر رکھے عرض کیا کون سا بندہ عالم ہے فرمایا جو میری ذات کو سب سے بڑا عالم سمجھے عرض کیا کون سا بندہ عادل ہے فرمایا جو روزانہ سب سے پہلے اپنے نفس کا انصاف کرے اور اپنے اعمال کا محاسبہ وگرفت کرے۔ عرض کیا کون سا بندہ اعظم ہے فرمایا جو مجھ کو ہر عیب ونقص سے پاک سبحان وتعالیٰ جانے عرض کیا کونسا بندہ سب سے بڑا مجرم ہے فرمایا جو مجھ پر اور میرے انبیاء پر کسی عیب ونقص کی تہمت لگائے۔ عرض کیا کونسا بندہ مقبول ہے فرمایا جو صرف کلامِ مجید کو تذکرہ وقانون واحکام کا خزانہ سمجھے کیونکہ یہ قرآن مجید تَنْزِیْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى۔ اُس ذاتِ جلال لعہ متصف صفاتِ جمال وکمال کی طرف

سے نازل ہوا ہے جس نے عالم ارواح کے بلند و بالا آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور عالم اجسام کی جسم مطلق والی زمینوں کو پیدا کیا ہے اور ان میں تجلیات انوار کو طبقاتِ غیوب کے پردوں میں چھپایا۔ آسمانِ روحانیت کے مراتبِ کمال سینۂ حبیب کے قلبِ عُلیٰ میں پیدا کیئے اور ارض مشاہدات کو بدنِ محبوب میں پیدا فرمایا۔ اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى رحمٰن نے رحمتٌ للعٰلمین کے عرشِ وجودِ کُل پر صفاتِ رحمانیت و ظہورِ فیوضِ عالم کے غلبہ اِستوا کا جلوہ فرما کر نبوت تامّہ کا خاتم و مظہر بنایا۔ اسی لیے محبوب کا ظل بدنی نہ رہا۔ کیونکہ مظہرِ صفاتِ کمالیہ کا سایہ نہیں ہو سکتا بقاءِ حق کے ساتھ فناءِ عرضیات لازم اشد ہے۔ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا وَمَا تَحۡتَ الثَّرٰى. وَاِنۡ تَجۡهَرۡ بِالۡقَوۡلِ فَاِنَّهٗ يَعۡلَمُ السِّرَّ وَاَخۡفٰى اسی کی سلطنتِ قہریہ کے تحت ہے جو کچھ کہ روحانیتِ قوبہ کے آسمانوں میں ہے اور جو خواہشاتِ عوارضات لوازماتِ بدنیہ کی زمین میں ہے اور جو کچھ ثراءِ مخفیہ کی فنا میں ہے سب اسی کا ہے۔ بجز اُس کے امر کے نہ کچھ پایا جاتا ہے نہ متحرک ہے نہ ساکن ہوتا ہے نہ تغیر نہ تبدّل نہ ثبوت نہ نفی۔ فناءِ کلی مقہور ہے اُس کی وحدانیت سے نہ کچھ سنائی دیتا ہے نہ دکھائی دیتا ہے نہ پکڑنے کی قوت نہ چلنے کی طاقت نہ بولنے کی ہمت بس حیرت ہی حیرت ہے کیا کہیں کس سے کہیں کس کو سنائیں کون سنے۔ وَاِنۡ تَجۡهَرۡ بِالۡقَوۡلِ اے بندہ مسافر اگر قوتِ گویائی کا مظاہرہ کرے تو بے فائدہ ہے اپنے نفسِ فانی پر بوجھ نہ ڈال۔ ذلتِ وَعۡدہ کو نبر سے بولنے کی حاجت نہیں فَاِنَّهٗ يَعۡلَمُ السِّرَّ وَاَخۡفٰى۔ وہ ظواہرِ اجسام اور بواطنِ اَوۡھام کو جانتا ہے اسی طرح سِرّ اسرار کو جانتا ہے۔ اہلِ تحقیق کی اصطلاح میں سِرّ ایک لطیفہ ہے قلب و روح کے درمیان اور وہی اسرارِ روحانیہ کا معدن ہے اور اَخفیٰ وہ لطیفہ ہے جو روحِ طیرانی اور حضرتِ قدسیہ الٰہیہ کے درمیان ہے وہی انوارِ ربوبیت کا مَہبط اور اسرارِ الٰہیہ کا منظر ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ سِرّ اور اَخفیٰ اُن مجرداتِ خمسہ سے ہیں جن کو عرشِ مخفیہ کے اوپر نظرِ کشف سے ہی دیکھا جا سکتا ہے اور اُن کی برروزی شعاعیں یعنی نورانیت کا پرتو بدنِ انسانی میں ہوتا ہے اُن مجرداتِ خمسہ کے منظر پانچ یہ ہیں ۱۔ مجردِ قلبی ۲۔ مجردِ روحی ۳۔ مجردِ سِرّی ۴۔ مجردِ خفی ۵۔ مجردِ اَخفیٰ قلبِ مومن مَہبطِ تجلیات ہے۔ آستانۂ اسرار چھ ہیں پہلا آستانہ روحِ محمدی دوسرا آستانہ ولایتِ آدم تیسرا آستانہ ولایتِ نوحی چوتھا خفی ولایتِ ابراہیم پانچواں آستانہ اَخفیٰ ولایتِ موسیٰ چھٹا آستانہ سِرّ الاسرار ولایتِ عیسوی علیہم السلام جس بندے طالب کو ان آستانوں کی حاضری نصیب ہوتی ہے ان کا روں

رواں عبادت کرتا ہے اور بندگی کا اقرار کرتا ہے اُن کی عبادت ملائکہ کے ہم پلہ ہوتی ہے۔ سچا انسان ایمان ایثار سخاوت و خدمت کو پسند کرتا ہے اور اپنا سارا وقت خدا کے بندوں کی خدمت کے لیے وقف کر دیتا ہے اور اسی کو فضیلت سمجھتا ہے یہاں تک کہ وہ اُسے اپنے نوافل اور دوسرے نیک اعمال پر بھی ترجیح دیتا ہے اسی کا نام خلوصِ قلبی ہے لیکن جو شخص مفاداتِ دنیوی کے لیے بندگانِ الٰہی کی خدمت یا عبادتِ الٰہی کرتا ہے یا اعمال میں جلد بازی کرتا ہے وہ حقیقی خادمِ دین نہیں۔ بلکہ وہ نفسیات کا خادم ہے مفادِ نفسانی نہ حاصل ہو تو توجہ بھی قائم نہیں رہتی مفاد پرست کی چار نشانیاں ہیں ۱ اپنی خدمت کو جہر قولی سے افشا کرنا احسان جتانا ۳ خدمت کا بدلہ چاہنا بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جن لوگوں کی خدمتِ دینی کرتا ہے اُن سے خود کام لیتا ہے ۴ کثرتِ طالبین و مریدین کو ذریعۂ شہرت و عزت بناتا ہے حالانکہ طالب حقیقی سِرِّ خفی کا متلاشی ہوتا ہے ذکر بالجہر اللہ تعالیٰ کو بتانے کے لیے نہیں بلکہ تصورِ ذات کو راسخ کرنے اور مشغولیت غیر کو روکنے خشوع و خضوع کو قائم رکھنے کیلئے ہے اسی لیے بعدہٗ فرمایا گیا اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ﴿۸﴾

وہ اللہ ہے ایسی شان کا کہ کہیں بھی کوئی سچا معبود نہیں مگر وہی ہے اُسی کے لائق ہیں سارے اچھے نام

اللہ کہ اُس کے سوا کسی کی بندگی نہیں اُسی کے ہیں سب اچھے نام

وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ﴿۹﴾ اِذْ رَاٰ نَارًا

اور بے شک پہنچ گئی تم کو موسیٰ کی وہ بات جب کہ سمجھی انہوں نے آگ

اور کچھ تمہیں موسیٰ کی خبر آئی۔ جب اُس نے ایک آگ دیکھی

فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ

تو کہا اپنی اہل بیت کو تم ذرا یہیں ٹھہرو۔ بے شک مجھے کچھ آگ نظر پڑی ہے شاید

تو اپنی بی بی سے کہا ٹھہرو مجھے ایک آگ نظر پڑی ہے شاید

اٰتِيۡكُمۡ مِّنۡهَا بِقَبَسٍ اَوۡ اَجِدُ عَلَى النَّارِ

ہیں تم کو لا دوں اس میں سے کچھ آگ کا شعلہ یا آگ کے پاس کسی سے کچھ

ہیں تمہارے لیے اس میں سے کوئی چنگاری لاؤں یا آگ پر

هُدًى ﴿۱۰﴾ فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوۡدِىَ يٰمُوۡسٰى ﴿۱۱﴾

معلومات پالوں۔ پھر جب آگئے وہ اس آگ کے پاس تو پکارا گیا اے موسیٰ

راستہ پاؤں۔ پھر جب آگ کے پاس آیا ندا کی فرمائی گئی کہ اے موسیٰ

اِنِّىۡۤ اَنَا رَبُّكَ فَاخۡلَعۡ نَعۡلَيۡكَ‌ۚ اِنَّكَ بِالۡوَادِ

بے شک میں ہی تمہارا رب ہوں پس اب تم اپنے دونوں جوتے اتار دو کیونکہ تم برکت دی ہوئی

بے شک میں تیرا رب ہوں تو تو اپنے جوتے اتار ڈال بے شک تو پاک

الۡمُقَدَّسِ طُوًى ﴿۱۲﴾ وَاَنَا اخۡتَرۡتُكَ فَاسۡتَمِعۡ

مقدس جنگل میں ہو۔ اور میں نے چن لیا ہے تم کو اس لیے غور سے سنو

جنگل طویٰ میں ہے۔ اور میں نے تجھے منتخب کیا اب کان لگا کر سن

لِمَا يُوۡحٰى ﴿۱۳﴾ اِنَّنِىۡۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا

اس کو جو آپ وحی کی جاتی ہے کہ بے شک میں ہی اللہ ہوں کوئی بھی سچا معبود کہیں بھی میرے سوا موجود نہیں

جو تجھے وحی ہوتی ہے۔ بے شک میں ہی ہوں اللہ کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں

فَاعۡبُدۡنِىۡ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكۡرِىۡ ﴿۱۴﴾

لہٰذا میری ہی عبادت کرو اور قائم رکھو نماز کو میری یاد کے لیے۔

تو میری بندگی کر اور میری یاد کے لیے نماز قائم رکھ

تعلقات ان آیت کریمہ کا پچھلی آیت کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کو اپنے حبیب کریم کے ایک صفاتی نام طٰہٰ سے شروع فرمایا اب ان آیت میں رب تعالیٰ نے اپنے صفاتی اسماءِ حسنیٰ کا ذکر فرمایا دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ کو پکارنے کا طریقہ سکھایا گیا کہ اے لوگو اپنے رب تعالیٰ کو ندا کرنے پکارنے کے لیے بلند آواز سے چیخنے چلانے کی ضرورت نہیں۔ اب ان آیت میں رب تعالیٰ کی ندی فرمانے کا ذکر ہو رہا ہے کہ اس ذات کریم جل وعلیٰ نے بھی ایک دفعہ اپنے کلیم حضرت موسیٰ کو پکارا تھا۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں آسمانوں کی بلندی کا ذکر کرتے کے بعد رب تعالیٰ کے عرش پر استوای فرماتے کا ذکر ہوا جو آسمانوں سے بھی دور اور بلندی پر ہے۔ ان آیت سے بعض کفار نے بطور طعن کہا کہ مسلمانوں کا خدا تو بہت دور ہے آج بھی آریہ ہندو وغیرہ اسی قسم کی گستاخیاں کرتے ہیں۔ ان کا جواب ان آیت میں دیا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ دور نہیں وہ ہر جگہ قریب ہے اس رب قدیر نے طور پہاڑ پر اپنے کلیم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ندا فرمائی۔

تفسیر نحوی اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى۔ وَهَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى۔ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى۔ اَللّٰهُ۔ یہ لفظ اسم ذاتی ہے رب تعالیٰ کا۔ اور اس لفظ میں عجیب حیران کن قدرت کا کرشمہ ہے آج تک اس لفظ کی حقیقت بھی کوئی نہیں جان سکا تمام دانشور اہل عقل علم نحو وصرف کے علماء متبحرین ورطۂ حیرت میں غرقاب ہیں۔ نہ کوئی سمجھ سکا کہ یہ معرفہ ہے یا نکرہ معرف باللام ہے۔ یا غیر معرف مبنی ہے یا معرب اب تک کسی کو یہ پتہ نہ چل سکا کہ یہ مشتق ہے یا جامد۔ عجیب شان کا یہ لفظ ہے بہت سے لوگوں نے اپنے اپنے ذہنی اختراع کے مطابق کچھ خامہ فرسائی کی ہے مگر وہ سب کچھ صرف گھیسا پٹی ہے۔ جیسا کہ ہمارے لوگوں کی ہر بات میں اختلافی دخل اندازی کی پرانی عادت ہے بہر کیف اس لفظ عظیم کے متعلق کچھ کہا نہیں جا سکتا مقام غور ہے کہ جس کے نام کی یہ معجزانہ شان ہے کہ تمام علوم کے علماء عاجز رہ گئے اس کی ذات یکتا کی کنہ کون پاسکتا ہے۔ لفظ اللہ کے خود ساختہ اشتقاق اس طرح بیان ہوا کسی نے کہا یہ "اَلِہَ" سے مشتق ہے بمعنیٰ متحیر کرنا ۲ کوئی بولا نہیں بلکہ "اَلَہَ" سے ہے ۳ نہیں بلکہ "اُلُوۡلَہۡ" سے ہے ۴ نہیں نہیں یہ تو "اَلۡوَلَہٗ" سے ہے ۵ یہ "لَاہَ" سے

بنا ہے ۶ یہ لَاهٌ سے مشتق ہے ۸ یہ اَلِهٌ سے ہے ۸ یہ تو اَلِتٌ سے ہے ۹ یہ وَلَہٌ سے مشتق ہے۔ ترجمہ علی الترتیب ۱ متحیر کرنا ۲ سکون دینا ۳ عقل گم ہو جانا ۵ بلند ہونا ۶ مخفی ہونا ۷ راغب کرنا ۸ عطا کرنا ۹ مالک ہونا۔ مگر یہ سب غلط ہے۔ صحیح یہی ہے کہ

اے برتر از قیاس و خیال و گمان و وہم ❊ وز ہر چہ گفتہ ایم و شنیدیم و خواندہ ایم

لفظ اللہ پورے قرآن مجید میں تقریباً دو ہزار چھ سو ننانوے ۲۶۹۹ دفعہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ لفظ اللہ کی چند خصوصیات ۱ یہ لفظ مشتق نہیں ہے ۲ اس کے حروف علیحدہ علیحدہ کرنے سے بھی معنی نہیں بگڑتا ۳ تاءِ قسمیہ صرف اسی پر داخل ہو سکتی ہے ۴ لفظ اَلْحَمْد بھی صرف اسی کے ساتھ خاص ہے ترکیب نحوی میں یہاں ھُوَ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا پوشیدہ ہے۔ اللہ موصوف۔ لَا۔ حرف نفی جنس اِلٰہَ اسم نکرہ مفرد مبنی بر فتحہ اسم ہے لَا کا حَقٌّ یا ثَابِتٌ یا مَوْجُوْدٌ پوشیدہ ہے جو مستثنیٰ منہ پوشیدہ محذوف ہے۔ اِلَّا۔ حرف استثنیٰ ھُوَ ضمیر مرفوع منفصل مستثنیٰ مفرغ ہے خیال رہے کہ مستثنیٰ کی تین قسمیں ہیں ۱ مستثنیٰ متصل وہ ہے کہ مستثنیٰ منہ میں شامل ہو اور نکالا جائے ۲ مستثنیٰ منفصل جو شامل نہ ہو اور نکالا جائے ان دونوں میں مستثنیٰ منہ مذکور ہوتا ہے۔ اگر ان دونوں میں سے کسی کا مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو یا ہو ہی نہ تو وہ مستثنیٰ مفرغ ہے مستثنیٰ مفرغ ہمیشہ مرفوع ہوتا ہے یہ مستثنیٰ اپنے پوشیدہ مستثنیٰ مِنْہُ سے مل کر خبر ہے لَا کی لاءِ نفی جنس اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہے۔ اللہُ موصوف صفت مل کر خبر ہے پوشیدہ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ یہ کلمہ اصلاً اس طرح تھا اَللّٰہُ لَا اِلٰہَ حَقٌّ (ثَابِتٌ) اِلَّا ھُوَ ترجمہ ہے وہ اللہ اس شان کا ہے کہ نہیں ہے کوئی سچا معبود مگر وہی۔ بعض نے کہا۔ یہاں اِلَّا بمعنیٰ غیر ہے۔ ایک قول میں اِلَّا بمعنیٰ سوا (علاوہ) ہے لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی۔ لام جارہ ملکیت یا نسبت یا صفت کا۔ ہٗ ضمیر مجرور کا مرجع اَللہ ہے یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ لَائِقٌ یا ثَابِتٌ اسم فاعل کا۔ الف لام معرفہ استغراقی اَسْمَآءُ اسم جمع مکسر موصوف اَلْحُسْنٰی۔ اسم تفضیل واحد مؤنث معرف باللام اس کا مذکر ہے اَحْسَنُ۔ چونکہ اَلْاَسْمَآءُ جمع مکسر ہے اس لیے اس کی صفت واحد مؤنث ہے۔ یہ مرکب توصیفی فاعل ہے لَائِقٌ یا ثَابِتٌ کا یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ۔ ھَلْ حرف سوالیہ ہے مگر یہاں بمعنیٰ قَدْ ہے یعنی بے شک اَتٰی باب ضَرَبَ کا فعل ماضی مطلق اَتْیٌ سے بنا ہے کَ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ حَدِیْثُ اسم مفرد صفت مشبہ حَدُثٌ سے مشتق بمعنیٰ نو پید

نئی چیز نیا واقعہ بات کو حدیث اسی لیے کہا جاتا ہے کہ ہر آن نئی ہوتی ہے نئے منہ سے سرزد ہوتی رہتی ہے یہاں مراد ہے واقعہ مضاف ہے۔ لفظ موسیٰ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مُبدَلُ منہ۔ اِذْ۔ اسم ظرف اس کی چار قسمیں ہیں ۱۔ ظرف زمانی ۲۔ ظرفِ مکانی ۳۔ مفاجاتی (اچانک کے لیے) ۴۔ یا کبھی یہ حرفِ تاکیدی بن جاتا ہے۔ یہاں ظرفِ زمانی کے لیے ہے بمعنی جس وقت رَاٰی رَاْیٌ سے مشتق ہے ماضی مطلق واحد غائب بمعنیٰ دیکھنا۔ غور کرنا سمجھنا محسوس کرنا۔ اَفعالِ قلوب میں سے ہے یعنی عقل سے اندازہ لگانا ھُوَ ضمیر فاعل نارًا اسم مفرد مذکر مفعول بہٖ یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ فَ عاطفہ تعقیبیہ قَالَ فعل با فاعل لِاَھْلِہٖ لام جارہ تعدیہ اہل مضاف ہٖ ضمیر مجرور متصل مضاف الیہ اس کا مرجع موسیٰ علیہ السلام یہ مرکبِ اضافی جار مجرور ہو کر متعلق ہے قَالَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ اُمْکُثُوْا۔ بابِ نَصَرَ کا فعل امر حاضر جمع مذکر مُکْثٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ ٹھیرنا اَنْتُمْ ضمیر اس میں پوشیدہ فاعل ہے اس جمع مخاطب سے مراد ایک قول میں صرف آپ کی زوجہ ہیں۔ اور ایک قول میں بیوی صاحبہ خادمہ نومولود بچہ خادم مراد ہیں پہلے قول میں تفخیم کے لیے واحد پر جمع صیغہ آسکتا ہے۔ اِنِّیْ اِنَّ حرفِ تحقیق یٌ اس کا اسم اٰنَسْتُ۔ بابِ افعال کا فعل ماضی مطلق بمعنیٰ ماضی قریب واحد متکلم اس کا مصدر ہے اِیْنَاسٌ اُنْسٌ سے بنا ہے بمعنیٰ عقل سے محسوس کرنا اندازہ لگانا نَارًا اسم مفرد مذکر مفعول بہٖ لَعَلِّیْ اٰتِیْ۔ بابِ ضَرَبَ کا فعل مضارع احتمالی واحد متکلم کُمْ مفعول بہٖ۔ مِنْ حرفِ جر تبعیضیت کا ھَا ضمیر کا مرجع نارًا مذکر ہے بِ زائدہ تعدیہ کا قبس اسم مفرد جامد حاصل مصدر بمعنیٰ لغوی اُچکنا، چھیننا لپکیں مارنا۔ اسی سے ہے اقتباس بمعنیٰ علم اور معلومات حاصل کرنا۔ قابوس بھی اسی سے ہے بمعنیٰ مقباس آگ کا لپکیں مارنے والا شعلہ اور چنگاری مراد ہے۔ یہ جار مجرور متعلق ہے لَعَلِّیْ اٰتِیْ فعل اپنے پوشیدہ متکلم فاعل اور مفعول بہٖ دونوں متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ اَوْ حرف عطف۔ اَجِدُ بابِ ضَرَبَ کا مضارع واحد متکلم اَنَا پوشیدہ فاعل وَجْدٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ پانا حاصل کرنا عَلَی النَّارِ یہ جار مجرور متعلق ہے ھُدًا۔ اسم مصدر ثلاثی جامد حاصل مصدر بمعنیٰ رہنمائی۔ راستے کا پتہ معلومات یا بمعنیٰ ہادی مفعول بہٖ ہے۔ اَجِدُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف دونوں عطف مل کر معطوف علّت ہوئی اٰنَسْتُ کی یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی یہ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر [illegible] جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ ہوا یہ قول مقولہ

مل کر معطوف ہوا اِذْ رَاٰ کا دونوں مل کر بدلُ الکل ہوا حَدِیْثُ مُوْسٰی کا یہ مُبدَلْ مِنْہُ اور بدل مل کر فاعل ہوا اَتٰی کا، یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا۔

فَلَمَّآ اَتٰهَا نُوْدِیَ یٰمُوْسٰىؕ اِنِّیْۤ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًىؕ وَ اَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰى اِنَّنِیْۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدْنِیْۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ۔ ف زائدہ بمعنیٰ ثم۔ لَمَّا حرفِ ظرفِ زمانی اَتٰی فعل با فاعِل پوشیدہ اَتْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ آنا پہنچنا ھَا ضمیر منصوب متصل ظرف ہے بمعنیٰ اُس کے پاس اِس کا مرجع ہے نَارًا۔ لَمَّا تین قسم کا ہوتا ہے ۱ ظرفیہ ۲ استثنائیہ ۳ شرطیہ۔ یہاں شرطیہ ہے۔ اَتٰهَا جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہے نُوْدِیَ۔ باب مفاعلۃ کا ماضی مطلق مجہول نِدٰیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ پکارنا اس کا مصدر ہے مُنَادِیَۃٌ، مُنَادَاۃٌ۔ ہمیشہ متعدی ہوتا ہے مفاعلۃ کی تین خصوصیات ہیں ۱ مشارکت ۲ دعا ۳ فاعلیت یا مفعولیت کی حصریت یعنی اُس نے ہی کیا یا اس کو ہی کیا یہاں اسی معنیٰ میں ہے۔ یَا حرفِ ندا موسٰی منادیٰ اگلی تمام عبارت آیت ۱۷ تک اس کا بیانِ ندا ہے۔ اِنَّ حرفِ تحقیق یْ ضمیر واحد متکلم اس کا اسم منصوب متصل ہے اس لیے اس کی تاکید میں ضمیر منفصل اَنَا واحد متکلم آئی۔ اَنَا مبتدا رَبُّكَ یہ مرکبِ اضافی اس کی خبر ہے یہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر اِنَّ یہ سب جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ فَ عاطفہ اِخْلَعْ بابِ فَتَحَ کا امر حاضر اَنْتَ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع موسٰی نَعْلَیْ اسم تثنیہ مضاف ہے اضافت سے نون گر گئی اور اسم غیر تامہ ہوگیا۔ خیال رہے کہ عربی میں معرب اَسماء نون اعرابی سے مکمل اور تام ہوتے ہیں اور نون اعرابی پانچ قسم کی ہے ۱ نونِ تنوین جیسے ٌ ٍ ۲ نونِ تثنیہ جیسے مُسْلِمَانِ ۳ نونِ مشابہ تثنیہ جیسے اِثْنَانِ ۴ نون جمع جیسے مسلمون ۵ نون مشابہ جمع جیسے عِشْرُوْنَ اَجْمَعُوْنَ اَكْتَعُوْنَ وغیرہ یہ مرکب مفعول بہ ہے اِخْلَعْ کا اِنَّ حرفِ مشبہ كَ ضمیر منصوب متصل اس کا اسم بِ جارہ بمعنیٰ فِی الف لام عہدِ خارجی وَادِی اسم مفرد معرفہ بمعنیٰ پہاڑی جنگل اس کی جمع اَوْدِیَۃٌ ہے موصوف ہے اَلْمُقَدَّس بابِ تفعیل کا اسم مفعول واحد مذکر صفت ہے۔ طُوًی اسم مفرد نکرہ یہ علاقہ طور کا صفاتی نام ہے بمعنیٰ برکت دیا ہوا۔ رات میں طے کیا ہوا، صفت مشبہ ہے بروزنِ فُعَلًا اصل میں طُوَیٌ تھا۔ اس کی چار قرأتیں ہیں ۱ طُوًی ۲ طُوٰی ۳ طِوًی ۴ طِوٰی۔ یہ بدلُ الکل ہے وادی مُقدس کا دونوں مجرور ہو کر متعلق ہے پوشیدہ مَوْجُوْدٌ کا وہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی وہ سب جملہ اسمیہ ہو کر علت ہے فَاخْلَعْ کی یہ سب جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف ہے اِنِّیْ اَنَا پر دونوں مل کر پھر معطوف علیہ، وَ عاطفہ اَنَا ضمیر واحد متکلم مبتدا، اِخْتَرْتُ، بابِ افتعال کا ماضی مطلق واحد متکلم اس کا مصدر ہے اِخْتِیَارٌ

خَیْرٌ سے بنا ہے بمعنی اچھی لینا۔ پسند کرنا ۔ کَ ضمیر اس کا مفعول بہٖ فَ سببیہ اِسْتَمِعْ باب افتعال کا امر حاضر معروف واحد مذکر اَنْتَ پوشیدہ فاعل۔ لام جارّہ تعدیہ مَا موصولہ یُوْحٰی۔ باب افعال کا مضارع مجہول اگلی عبارت اس کا نائب فاعل۔ اِنَّ حرفِ تحقیق نون وقایہ لیکن صحیح تر یہ ہے کہ یہ نون تشدیدی کی دوسری نون ہے مثلاً اِنَّنَا میں بھی دوسری ہی نون مشدد ہے اِنَّ کی یٖ متصل ضمیر واحد متکلم اِس کا اسم ہے اَنَا منفصل ضمیر واحد متکلم مبتدا۔ اللّٰہُ ممیز ہے یا موصوف ہے۔ لَا حرفِ نفی جنس اِلٰہَ اس کا اسم اِلَّا حرف استثنائیہ اَنَا ضمیر مستثنیٰ مفرغ کیونکہ مستثنیٰ منہ اَحَدٌ مذکور نہیں ہے یہ اَنَا موجودٌ پوشیدہ کی خبر ہے یا مبتدا ہے دونوں جملہ اسمیہ ہوکر خبر ہے لَا نفی کی وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہوکر تمیز ہے یا صفت اللّٰہ کی دونوں خبر ہے اَنَا مبتدا کی یہ دونوں جملہ اسمیہ ہوکر معطوف علیہ فَ عاطفہ اُعْبُدْ۔ باب نَصَرَ کا امر حاضر واحد مذکر اَنْتَ پوشیدہ اس کا فاعل نون وقایہ کی ضمیر مفعول بہ یہ فعل امر اپنے فاعل اور مفعول بہٖ سے مل کر جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ واوٗ عاطفہ اَقِمِ باب افعال امر حاضر واحد مذکر اَنْتَ پوشیدہ اس کا فاعل ہے اَلصَّلٰوۃَ اسم مفرد مؤنث لفظی مفعول بہ ہے لام حرفِ جارّہ تعلیلیہ سببیہ یا تعلیلیہ یا وقتیہ یا بمعنی عِنْدَ ذِکْرِ اسم حاصل مصدر جامد بمعنی یاد۔ یٖ ضمیر مضاف الیہ۔ خیال رہے کہ یہاں تمام واحد متکلم کی ضمائر کا مرجع اللّٰہ تعالیٰ ہے اور واحد مذکر حاضر ضمائر کا مرجع موسیٰ علیہ السّلام ہیں یہ مرکب اضافی مجرور ہوکر متعلق ہے اَقِمْ کا یہ جملہ فعلیہ ہوکر معطوف ہوا فَاعْبُدْ کا دونوں مل کر معطوف اَنَا اللّٰہ پر دونوں مل کر خبر ہے اِنَّنِیْ کی سب مل کر جملہ اسمیہ ہوکر نائب فاعل ہے یُوْحٰی کا وہ سب جملہ فعلیہ ہوکر صلہ ہوا لِمَا کا موصول صلہ مجرور ہوکر متعلق ہے فَاسْتَمِعْ کا یہ سب جملہ فعلیہ انشائیہ ہوکر مسبب ہوا اِخْتَرْتُ کا وہ جملہ فعلیہ ہوکر خبر ہے اَنَا مبتدا کی یہ دونوں جملہ اسمیہ ہوکر معطوف ہوا اِنِّیْۤ اَنَا رَبُّکَ پر یہ دونوں عطف مل کر بیانِ اوّل ہوا اَیا ندائیہ کا اس کا بیانِ دوم اِنَّ السَّاعَۃَ سے بِیَمِیْنِکَ یٰمُوْسٰی تک ہے یا حرفِ ندا اپنے منادیٰ اور دونوں بیانوں سے مل کر نائب فاعل ہے نُوْدِیَ کا۔ وہ جملہ فعلیہ ہوکر جزا ہے فَلَمَّاۤ اَتٰی کی یہ دونوں شرط و جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ انشائیہ ہوکر مکمل ہوا۔

تفسیر عالمانہ

اَللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ؕ لَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ۔ وَھَلْ اَتٰکَ حَدِیْثُ مُوْسٰی ۘ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَھْلِہِ امْکُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْکُمْ مِّنْھَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَی النَّارِ ھُدًی ۔ وہ کانوں میں اللہ ہی ہے سب کا سننے والا ہر اونچی نیچی سننے

والا ہر خفی اور اخفی جانتے والا کوئی بھی کہیں بھی معبود نہیں فقط وہی معبود و مسجود ہے نہ آسمانوں
کی بلندیوں میں نہ زمینوں کی پستیوں میں پس اللہ ہی اللہ ہے غائب ہے حواس مخلوق سے
ظاہر ہے قدرتوں سے ذرہ ذرہ میں اسی کا آسمان و زمین ہے کسی کا کوئی بھی آسمان نہیں بجز
اس کے لہذا وہی عبادت مخلوق کے لائق ہے جس کی ملکیت کائنات پر ہو وہی اِلٰہ ہے
جو اِلٰہ ہو اسی کی سب صفات کمالیہ ہیں اور جس کی صفات ہوں اسی کے اسماء صفاتی ہو سکتے
ہیں صفاتی نام صفات کے مظہر ہوتے ہیں جس کی جتنی صفتیں ہوں گی اُتنے ہی صفاتی نام اور جتنے
صفاتی نام اتنی ہی صفتیں۔ اس لیے لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام بے شمار
ہیں کیونکہ صفات بے شمار ہیں ہر صفتی نام ایک صفت کا مظہر ہوتا ہے۔ حُسنیٰ سے مراد صفات
کمالیہ۔ یعنی اللہ کی ہر صفت ہی کمالی ہے اس کا جبر و قہر بھی حُسنیٰ اور کمالی ہے اللہ
رَبُّ العزت کے چار ہزار نام تو وہ ہیں جو مخلوق کو معلوم ہوئے تین ہزار نام انبیاء کرام علیہم السلام
کو معلوم ہیں ایک ہزار فرشتوں کو معلوم ہیں تین سو نام توریت شریف میں تین سو زبور مقدس
میں تین سو انجیل پاک میں ایک سو نام قرآن مجید میں جن میں سے ننانوے نام ظاہر اور ایک
نام پوشیدہ ہے اس نام پاک کے چار حروف ہیں اور ایک ایک حرف چار صحابہ کو یاد
ہے وہی ان کا اسم اعظم ہے۔ وہ پورا نام بجز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو معلوم نہیں۔ وہی
آپ کا اسم اعظم ہے اور اسی کے ورد سے آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سیر معراج میں
گئے تھے۔ حُسنیٰ سے ذاتی حُسن مراد ہے نہ کہ فقط لفظی اور صوتی حسن ذاتی ہی معنوی حُسن ہے
اسماء جمع ہے اسم کی معنیٰ ہے صفت اسماءِ حُسنیٰ یعنی صفات عُلیا۔ صفت پر دلالت کرنے
والا۔ وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى یہ سوال اقراری ہے یعنی اے حبیب کریم آج سے کئی زمانوں
پہلے یا اگلی آیت سے پہلے یا قرآن مجید سے پہلے بذریعے الہام اور وحی خفی آپ کو تو پہلے
ہی موسیٰ علیہ السلام کا وہ واقعہ بتا دیا گیا ہے جو وادی مقدس میں پیش آیا۔ بعض لوگوں نے
کہا کہ یہ سوال انکاری ہے یعنی اس سے پہلے آپ کو موسیٰ علیہ السلام کا کوئی ذکر نہ سنایا گیا مگر یہ
غلط ہے اس لیے کہ ابھی سورۃ مریم میں موسیٰ علیہ السلام کا ذکر آیت ۵۱ میں گزرا اور سورۃ مریم اسی
سے پہلے نازل ہوئی۔ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا جب دور سے
آگ دیکھی تو فرمایا اپنی بیوی صفورا کو اہل کا اصل معنیٰ بیوی ہے لیکن مجازاً اولاد۔ غلام۔ لونڈی خدام نوکر
چاکر۔ دوست احباب رشتے داروں کو بھی کہہ دیتے ہیں اسی طرح اہل بیت ہر اس شخص کو کہہ دیا

جاتا ہے جو کسی کے گھر میں اُس کی زیرِ تربیت رہتا ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی نکاح شادی کے
تقریباً ایک سال بعد اپنے سسر حضرت شعیب علیہ السلام سے مصر جانے اور اپنی والدہ و ہمشیرہ اور
بھائی حضرت ہارون سے ملنے کی اجازت لی اور اپنی بیوی کو ہمراہ لیا اور پرانا راستہ علاقۂ شام کو
چھوڑ کر نزدیکی راستہ وادیٔ طویٰ کے طرف چل پڑے اس راہ پر پہلی دفعہ آئے تھے راستہ
بھول گئے۔ جمعہ کی اندھیری برفانی ٹھنڈی رات تھی بیوی صاحبہ آٹھ یا نو ماہ کی حاملہ تھیں وقت
بھی قریب الولادت تھا۔ اوّلاً خیال تھا جلدی پہنچ جائیں گے مگر راستہ بھول گئے۔ یا تو خدام
ساتھ ہی نہ تھے اور یا پاس ہی تھے اور سب کو فرمایا اُمْکُثُوْا تم سب یہیں ٹھیرو میرے پیچھے
نہ آنا۔ لفظِ اہل لفظاً واحد ہے مگر معناً ایک کو بھی کہہ سکتے ہیں اور بہت سوں کو بھی۔ اگر صرف
بیوی مراد ہیں تو اُمْکُثُوْا جمع فرمانا احترام کے لیے ہے کیونکہ نبی کی بیٹی (صاحبزادی) تھیں۔
بے شک میں نے آگ محسوس کی ہے ہر محبوب چیز کے لیے اٰنَسْتُ کا صیغہ استعمال کر دیا جاتا
ہے خواہ نظر میں محبوب ہو یا سماعت و عقل میں اور جس پر یقین کر لیا جائے طور کی جانب
ایمن میں یہ واقعہ پیش آیا یہیں پر حضرتِ موسیٰ کا بیٹا تولد ہوا۔ اِذْ رَاٰ نَارًا۔ میں اُذْکُر بھی پوشیدہ
ہو سکتا ہے تب معنیٰ ہو گا یاد کرو اُس وقت کو جب دیکھا آگ کو اور یقین کر لیا۔ لَعَلِّیْٓ اٰتِیْكُمْ
مِّنْهَا بِقَبَسٍ۔ شاید میں تمہارے پاس تمہاری ضرورت کے لیے آگ کے دہکتے شعلے مارتے
چنگارے لے آؤں۔ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى۔ اور یہ فائدہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہاں کوئی ایسا
آدمی نظر آ جائے جو ان راستوں سے واقف ہو وہ ہمیں مصر کا راستہ سمجھا دے اور ہم کو دونوں
فائدے پہنچ جائیں گرمی تپش کی استراحت کے لیے آگ بھی اور صحیح راستہ کا سراغ
یہ حرف اَوْ مانعۃُ الخلو ہے نہ کہ مانعۃُ الجمع یعنی ایک فائدہ تو ضرور ملے گا۔ یہ نہیں ہو سکتا
کہ دونوں فائدے نہ ملیں فَلَمَّآ اَتٰهَا۔ جب حضرتِ موسیٰ اس درخت کے قریب پہنچے جس میں
آگ لگی تھی تو آپ نے کچھ خشک گھاس اور لکڑیاں لیں تاکہ اس میں آگ بنا لیں آپ جتنا قریب
ہوتے جاتے آگ دور نظر آتی آپ حیران ہو کر کھڑے ہو گئے تب آگ بالکل قریب نظر
آنے لگی درخت بہت لمبا سرسبز تھا اور پورے درخت پر آگ تھی مگر نہ گرمی تھی نہ کوئی
پتہ جلتا تھا نہ کوئی آدمی قریب تھا اور سورج کی چمک سے زیادہ روشنی تھی اس وقت آپ نے
وہاں ملائکہ کی تسبیح سنی اور بہت سکون پایا وہ درخت مختلف اقوال میں عناب یا ساگوان یا
بانس کا یا سفیدے کا یا علیک کا ھُدًا بمعنیٰ ہادی راہ۔ یا ہادی دین مگر پہلا قول درست ہے

آپ اس درخت کے قریب ہوئے۔ تب نُودِیَ یٰمُوْسٰی۔ ندا آئی بے شک میں اللہ ہوں اپنی جوتیاں اُتار دو اس لیے کہ یہ وادیِ مقدس ہے قابلِ تعظیم ہے۔ یہ کلام اوّلاً خفی تھا کہ ملائکہ بھی نہ سن سکے پہلے روح میں آیا پھر بدن میں پھر حسِ مشترک کی طرف آیا پھر منقش ہوا ہر عضو پر طاری ہوا ہر جہت سے سنا گیا۔ ایک قول ہے کہ اُس وقت ابلیس نے وسوسہ ڈالا کہ شاید یہ کلام شیطانی ہو مگر آپ نے ابلیس کو بھگایا اور پھر آواز سے سوال کیا کہ یہ کس کی آواز ہے میں آواز سنتا ہوں مگر کسی کو دیکھتا نہیں اے بولنے والے تو کہاں ہے مجھے اپنا دیدار عطا فرما جواب آیا اِنِّیْ اَنَا رَبُّکَ بے شک میں ہی اے موسیٰ تیرا رب ہوں اور تیرے اوپر تیرے آگے تیرے پیچھے تیرے داہنے بائیں ہوں آپ نے سمجھ لیا کہ یہ کلام رب تعالیٰ کا ہے موسیٰ علیہ السلام نے پانچ وجوہ سے سمجھ لیا کہ کلام الٰہی ہے پہلی وجہ یہ کہ آگ بھی عجیب قدرتی تھی نہ گرم نہ جلاتا نہ تپش مثل نور روشنی دوم یہ کہ آواز ہر سمت سے سنائی دیتی تھیں سوم ہر عضو مثل کان وہ آواز سنتا تھا چہارم اِلقاءِ ربانی سے پہچانا پنجم سکون قلبی سے پہچانا اُس دن موسیٰ کی عمر پورے چالیس سال ہوئی تھی آپ نے اونی کمبل اونی جُبّہ اونی کُرتہ اور چھوٹی ٹوپی پہنی ہوئی تھی آپ کے جوتے شریف گائے کی کھال کے پختہ چمڑے کے تھے بعض نے کہا کہ گدھے کی کھال کے غیر مدبوغہ کچے چمڑے کے تھے مگر یہ قول غلط ہے۔ کچے چمڑے کے جوتے بن ہی نہیں سکتے۔ اس تعارف کے بعد حکم ہوا۔ فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ یہ پہلا کلام تھا اس کلام سے ہی آپ کا اسم صفاتی کلیم اللہ ہو گیا یہ کلام اوّلاً نفسی القائی ہوا پھر منقش اور پھر لفظی مخلوق کی آواز تو صرف کان سے سنی جاتی ہے مگر یہ آواز ہر عضو میں سرایت کرتی اور سنی جاتی مخلوق کی آواز صرف ایک طرف سے سنی جاتی ہے مگر یہ آواز ہر سمت سے سنی جا رہی تھی۔ یہ حکم سن کر آپ نے اپنی نعلین وہیں وادی کے کنارے اُتار کر وہیں چھوڑ دی اور چالیس قدم چل کر آپ آگے گئے نعلین اتارنا صرف وادیِ طُوٰی کی تقدیس کی وجہ سے تھی یہی وجہ قرآن کریم نے بیان فرمائی اِنَّکَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی۔ ایک قول ہے کہ جوتی اتارنے کی وجہ تعظیم کلام ہے ایک قول اتارنے کی وجہ یہ ہے کہ جوتی ناپاک تھی گدھے کی غیر مدبوغہ کھال سے بنی ہوئی تھی مگر یہ احمقانہ قول ہے تفسیر کبیر نے کہا کہ جوتے اتارنے کی وجہ یہ تھی کہ وادیِ مقدس کی برکت موسیٰ علیہ السلام کے پیروں کو لگ جائے مگر یہ غلط اور گستاخانہ قول ہے اس لیے کہ تمام مخلوق سے نبی کا جسم اعلیٰ و افضل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تمام برکتیں اجسام انبیا علیہم السلام سے وابستہ ہوتی ہیں نبی کو مٹی کی برکت کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ طُویٰ کی وادی کو مقدس بھی اس لیے فرمایا گیا کہ وہ گذرگاہ انبیا تھی بہت

سے انبیاء کرام وہاں ٹھہرتے اور گزرتے رہے اُن کے قدموں کی برکت سے وہ مقدس ہو گئی اس لیے جوتوں کو اتروا کر اُس کی عزت کرائی گئی نہ کہ حصولِ برکت کی وجہ سے۔ تعلیم قرآن سے بھی ثابت ہو رہا ہے۔ طُویٰ کے معنی ہیں مبارک مطہّر لفظ طُویٰ سورۃ نازعات میں بھی آیا ہے اس کی تین قرأتیں ۱۔ طُویٰ یہی مشہور و جمہور ہے ۲۔ طُوًی ۳۔ طِویً اس کو مقدس کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں سے کفار کو نکال کر مومنین کو آباد کیا گیا جن کی عبادت و سجدہ ریزی سے وہ مقدس ہوئی اور انبیاء علیہم السّلام کا رہگزر بنی رہی۔ وہاں بہت سے مزارات انبیاء ہیں۔ طُویٰ ملکِ شام کے ایک جنگل کا نام ہے یا ایک شہر کا نام یا ایک علاقہ اور بستی کا نام ہے جگہ اور عبادت کا ادب کرانا رب تعالیٰ کی عادت کریمہ ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السّلام جوتے اتار کر چالیس قدم اس درخت کے قریب ہوئے تو ارشاد پاک ہوا۔ وَاَنَا اخْتَرْتُکَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی۔ اور اے کلیم الٰہی میں پروردگار کائنات نے تم کو اپنے کلام گفتگو بات چیت کے لیے چن لیا ہے اور اس وقت صرف تم ہی منتخب رسول مُبلّغ احکام الٰہیہ صاحبِ کتاب وکلام مرسل اور نشانِ ایمان ہو بعض اردو مفسرین نے اس کا ترجمہ کیا کہ میں نے پسند کر لیا تم کو مگر یہ ترجمہ غلط ہے۔ کتنا بڑا انعام رب تعالیٰ کا اور ہر انعام کا شکریہ واجب لہٰذا اے کلیم ومحبوب پیارے موسیٰ۔ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ۔ اور تم اپنی ہر خلوت جلوت میں نماز قائم کرو میری یاد منانے اور ہمہ وقت مجھے یاد رکھنے اور ذکر اللہ جاری کرنے کے لیے اس خصوصی حکم میں چار باتیں ثابت ہوئیں ۱۔ یہ کہ نماز تمام عبادات کا مجموعہ ہے ۲۔ اصل ذکرِ الٰہی نماز ہے ۳۔ سب عبادات سے افضل و ذیشان نماز ہے ۴۔ تمام جہانوں کا رکنِ اعظم ذکر اللہ ہے جب تک جہانوں میں ذکر الٰہی موجود ہے جہان قائم ہیں جب رو ئے جہان پر ذکر اللہ بند ہو جائے گا تب جہان منہدم ہو جائیں گے۔ عبادت کی تین قسمیں ۱۔ عبادتِ باللسان یعنی زبان کی تکبیر تہلیل تسبیح ۲۔ عبادت بالجنان یعنی روح و قلب اور عقل سے ذکر اللہ ۳۔ عبادت بالارکان اعضا کی عبادت یہاں ذِکْرِیْ سے مراد خلوصِ قلبی خشیتِ ذہنی اور خضوعِ اعضائی ہے ایک قول میں ذکری سے مراد ہے کہ نماز قائم کرو اس لیے تاکہ میں تم کو یاد کروں۔ قیام نماز سے مراد تعدیل ارکان اطمینان سے نماز پڑھنا اور دوامِ ذکر و فکر و استغراقِ ہمت یعنی نماز قائم کرو میرے ذکر کے لیے یا میرے ذکر کے ذریعے یا میرے ذکر کے وقت یا میرے ذکر کے پاس یا یہ معنی ہے کہ اگر کوئی نماز پڑھنا بھول جائے تو جب بھی یاد آ ئے پڑھ لے۔

فائدے اِن آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ ہر پاک اور معظم جگہ ومقام کا ادب احترام کرنا واجب ہے لہٰذا کوئی مسجد کعبہ اور دینی استاد اور شیخ مرشد عالم دین کے قریب جوتی پہن کر نہ جائے اُتار کر جائے۔ اسی طرح نماز پنجگانہ نمازِ جنازہ تلاوتِ کلام پاک اور سجدہ تلاوت وشکر کرتے وقت جوتی آتار دینی چاہیے یہ فائدہ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ کے وجوبی حکم سے حاصل ہوا کیونکہ یہاں جوتی اتروانا صرف مقام کے ادب واحترام کے لیے تھا۔ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ کا جملہ فَاخْلَعْ کی علت ہے۔ دوسرا فائدہ اسماء الٰہیہ کا ادب واحترام ہر مسلمان پر لازم واجب بلکہ فرض ہے اور بے ادبی کفر بے گستاخی ہے۔ لہٰذا کسی شخص کی جوتی پر یا جوتی کے کاغذی ٹھپے پر اسماءِ الٰہیہ لکھا بدترین خصلت ہے اگرچہ وہ جوتی یا نقشِ نعلین انبیاء علیہم السّلام کی ہو یہ ادب تو خود موسیٰ علیہ السّلام پر بھی واجب ہے یہ فائدہ بھی فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ۔ اگر کسی شخص کی چند تھوڑی نمازیں قضا ہوں تو ان کو قضا پڑھنے میں ترتیب لازم ہے کہ پہلے فجر پھر ظہر وغیرہ لیکن اگر کسی مسلمان کی زیادہ کثیر تعداد میں نمازیں قضا ہو جائیں تو ترتیب ضروری نہیں یہ فائدہ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا

احکام القرآن ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ ہر مسلمان پر لازم فرض ہے کہ ہر پاک جگہ مثلاً مسجد کعبہ آستانہ پیر خانہ استاد خانہ اور ہر پاکیزہ جگہ جوتی اُتار کر ننگے پیر جائے۔ یہی حکم ہر نماز کا ہے۔ جوتی پہنے مسجد میں جانا گستاخی بے ادبی ہے اسی وجہ سے تلاوتِ قرآن مجید، طواف کعبہ ہر نماز کے وقت جوتی اتارنا لازم ہے۔ جوتی پہنے عبادت یا تلاوت کرنا یا مسجد دکعبے اور حرم مطاف میں جانا گناہ کبیرہ ہے۔ شروع اسلام میں دیگر بہت سے مسائل کی طرح جوتی میں نماز بھی جائز تھی مگر چند دن بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اُس کے بعد سب بزرگوں نے جوتی اتار کر ہی نماز طواف کیا جو شخص اب بھی جوتی پہنے نماز پڑھے وہ گستاخ بے ادب اور جاہل ہے یہ مسئلہ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ۔ اور اس کی علتِ غائی اِنَّكَ (الخ) سے مستنبط ہوا بعض غیر مقلد حضرات اور مودودی صاحب جوتی پہن کر نماز پڑھنے کو جائز لکھتے ہیں اور پہلی منسوخ شدہ روایتوں پر قیاس کرتے ہیں یہ ان کی کم علمی و ناسمجھی ہے۔ دوسرا مسئلہ بعض جہلا سنی حضرات آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشۂ نعلین پاک اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتی شریف کو بھی اقدس یا مقدس کہہ دیتے ہیں۔ وہ سخت غلطی پر ہیں اس لیے کہ اقدس اور مقدس خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا جاتا ہے اس لیے آپ کی جوتی پاک

کو نہیں کہا جا سکتا۔ جوتی بہر حال جوتی ہے جو کسی بھی چمڑے سے کوئی بھی شخص مسلم غیر مسلم بنا سکتا ہو اس لیے جوتی کو اقدس کہنا گناہ ہے کیونکہ اس میں مماثلت بنائی جا سکتی ہے جو گستاخی نبوت ہے یہ مسئلہ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى سے مستنبط ہوا کہ دیکھو رب تعالیٰ نے وادی کو مقدس فرمایا موسیٰ علیہ السلام کی جوتی شریف کو مقدس نہ کہا بلکہ حقیر بتا کر اتروا دیا۔ ہاں البتہ ہم پر نعلین انبیاء علیہم السلام کا ادب لازم ہے ہم اُس کو جوتی شریف نعلین پاک نعلین مبارک ہی کہیں گے مگر اقدس نہیں کہہ سکتے۔ تیسرا مسئلہ کسی مسلمان مرد پر نماز کسی حالت میں معاف نہیں ہو سکتی عورت مسلمان پر بھی صرف حیض و نفاس میں معاف ہوتی ہے ہر مسلمان پر وقت میں نماز ادا کرنا لازمی فرض ہے اگر کوئی بھول جائے تب بھی جب یاد آئے تو پہلی فرصت میں سب کام چھوڑ کر نماز قضا کرے یہ مسئلہ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ کی ایک تفسیر سے مستنبط ہوا۔ کیونکہ لِذِكْرِىْ کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ جب بھی یاد آئے نماز پڑھ لے۔ ایسا ہی احادیث سے ثابت ہے۔ یہ تفسیر خود حدیث پاک میں بیان فرمائی گئی۔ کوئی مسلمان غفلت و سستی سے نماز چھوڑنے کی کوشش و عادت نہ کرے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس خطرناک بیماری سے بچائے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراضات کئے جا سکتے ہیں۔ پہلا اعتراض یہاں فرمایا گیا اَقِمِ الصَّلٰوةَ حالانکہ فَاعْبُدْنِىْ میں نماز کا ذکر آ گیا تھا پھر دوبارہ کیوں فرمایا گیا؟ جواب تین خصوصی چیزیں بتانے کے لیے پہلی یہ کہ عبادت سے اصل مراد نماز ہے کیونکہ روزمرہ کی عبادت ہے معراجِ مومن ہے ۔(۲) دوم یہ کہ تمام اعمال میں افضل و اشرف عمل نماز ہے کیونکہ نماز تمام سری خفی کی معنوی خلوتی جلوتی۔ ذکر اذکار وِرد وظیفوں عملوں عبادتوں کا مجموعۂ کاملہ ہے۔ سوم یہ کہ نماز سے ذکرُ اللہ ہے اور ذکرُ اللہ سے قربِ الٰہی ہے۔ دوسرا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ کہ پہلے آیت ۱۲ میں فرمایا گیا اِنِّىْٓ اَنَا رَبُّكَ لیکن آیت ۱۴ میں فرمایا گیا اِنَّنِىْٓ اَنَا اللّٰهُ وہاں اِنِّىْ ہے یعنی اِنَّ کے ساتھ یاءِ متکلم سے پہلے نون وقایہ نہیں ہے مگر یہاں اِنَّ اور یاءِ متکلم کے درمیان میں نون وقایہ لائی گئی اس فرق کی کیا وجہ اگر اِنَّ کے نون کا اعراب زبر کا بچانا ضروری ہے تو پہلے نون وقایہ کیوں نہ لائی گئی اور اگر ضروری نہیں تو پھر یہاں اِنَّنِىْ کیوں فرمایا گیا نون وقایہ تو صرف اعراب بچانے کے لیے ہوتی ہے اور اسی لیے لائی جاتی ہے۔ جواب۔ اس کے دو جواب دئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں نون وقایہ نہیں ہے بلکہ دوہری نون مشدّد کی دوسری ہے لفظ مشدّد کا تشدیدی حرف دراصل دو لفظ ہوتے ہیں جوڑی ہیں ایسے الفاظ کو مضاعف ثلاثی کہا جاتا

ہے۔ مشدد الفاظ میں قولی شدت پائی جاتی ہے۔ اگر اظہارِ شدت مقصود ہو تو دوسرے حرف کو صراحتاً ظاہر کر دیا جاتا ہے اگر اظہار شدت مقصود نہ ہو تو علیحدہ ظاہر نہیں کیا جاتا۔ جیسے دَابَّۃٌ یعنی گھوڑا اور دَابِبَۃٌ یعنی پیر پٹخنے والا گھوڑا۔ تیز دوڑنے والا۔ یہاں بھی حرفِ اِنَّ ہے جب اس کو ضمیر واحد متکلم یا جمع متکلم سے جوڑا جائے تو اگر اظہارِ شدت مقصود نہ ہو تب اِنِّیْ اور اِنَّا پڑھا اور لکھا۔ بولا جاتا ہے لیکن اظہارِ شدت مقصود ہو تو اِنَّنِیْ اور اِنَّنَا پڑھا اور بولا جاتا ہے قرآن مجید میں ان کی مثالیں موجود ہیں جیسے یہاں اِنِّیْ اَنَا رَبُّكَ۔ اور اِنَّنِیْ اَنَا اللّٰہُ یہ جملہ فَاسْتَمِعْ لِمَا میں مَا کا بدلُ الکُل ہے۔ مقصد یہ ہے کہ وحی کو غور سے سنو۔ وحی یہ ہے کہ بے شک میں ہی اللہ ہوں اس میں کچھ شک تردد نہیں۔ اِنَّنَا کی مثال جیسے اسی سورۃ کی آیت ۴۵ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیْنَا یعنی بے شک ہم سخت ڈرتے ہیں وہاں فَاسْتَمِعْ میں شدتِ سماعت پیدا کی گئی کہ بہت غور سے سنو۔ اس لیے اِنَّنِیْ سے اظہارِ نون کیا گیا اور اِنَّنَا میں شدتِ خوف کا اظہار ہے اس لیے اِنَّنَا کیا گیا یہ جواب درست ہے جواب دوم یہ دیا گیا کہ اِنَّنِیْ میں نون وقایہ ہی ہے مگر لانے کی وجہ صرف اعراب بچانا نہیں اس کے پورے جملے کو سابقہ جملے کی جز بنانا ہے یعنی کسی وحی کو سنایا جا رہا ہے اسی اِنَّنِیْ اَنَا اللّٰہُ کو اِنِّیْ اَنَا رَبُّكَ۔ سابقہ جملے کا جز نہیں ہے لہٰذا وہاں اِنِّیْ میں نون وقایہ نہ لائی گئی ہے۔ تیسرا اعتراض۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وادیِ مقدس طُویٰ والا واقعہ تاریخی لحاظ سے ایک ہی دفعہ ہوا اور موسیٰ علیہ السلام ایک ہی بار اپنی بیوی اور اہل خانہ کو مدین سے مصر لائے ایک ہی بار آپ نے آگ دیکھی ایک ہی بار اپنی بیوی کو ٹھیرے رہنے کا حکم دیا۔ مگر قرآن مجید میں یہ واقعہ تین جگہ تین سورتوں میں مختلف الفاظ سے مذکور ہے چنانچہ یہاں سورۃ طٰہٰ آیت ۱۰ میں ارشاد ہوا ہے۔ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى۔ سورۃ نمل آیت ۷ میں اس طرح ہے۔ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖۤ اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا سَاٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِیْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ۔ اور سورۃ قصص آیت ۲۹ میں اس طرح ارشاد ہے قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ۔ ان تینوں جگہ لفظی اختلاف ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو آپ نے ایک ہی مقام پر کھڑے کھڑے اپنے اہل سے تین دفعہ مختلف الفاظ میں یہ کلام فرمایا اور یا یہ واقعہ تین دفعہ مختلف تاریخوں میں پیش آیا ہو۔ مگر یہ دونوں خیال درست نہیں ہیں پہلے اس لیے

کہ ایک بات کو بلا وجہ بار بار دُہرانا معیوب اور بُرا لگتا ہے۔ دوسرا اس لیے کہ تاریخی حقیقت کے اعتبار سے غلط ہے۔ پہلی آیت میں۔ امْكُثُوْٓا لَعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى دوسری آیت میں اس طرح اختلاف ہے کہ امْكُثُوْٓا نہیں ہے۔ لَعَلِّيْٓ نہیں ہے سَاٰتِيْكُمْ ہے بِشِهَابٍ قَبَسٍ ہے پہلے بِخَبَرٍ ہے هُدًى نہیں ہے لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ۔ پہلے نہیں ہے یہاں ہے۔ اور تیسری آیت میں اختلاف اس طرح ہے کہ وہاں بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ۔ ہے۔ اس اختلاف کی وجہ کیا اِس کا حل کیا ہے۔ جواب۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک ہی وقت ایک ہی جگہ کھڑے ہوکر یہ تمام کلام فرمایا مگر رب تعالیٰ نے عربی میں اس کا ترجمہ فرما کر تین جگہ مختلف انداز میں کلام کی وضاحت فرمائی موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اہلِ خانہ سے یہ کلام عبرانی میں فرمایا پہلی آیت طٰہٰ میں اس طرح وضاحت ہوئی کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی زوجہ محترمہ سے بطریقۂ احترام نبی کی صاحبزادی ہونے کی بنا پر جمع کے صیغے سے فرمایا تم یہیں بیٹھنا اِدھر اُدھر نہ جانا میں نے بہت اچھی آگ دیکھی ہے۔ جس وقت چیز کی طلب ہو ضرورت وحاجت ہو وہ بہت اُنس ومحبت والی لگتی ہے اور اٰنَسْتُ فرما کر اپنے یقین کا ذکر کیا لَعَلِّيْٓ فرما کر بتایا کہ شاید کچھ آگ لے آؤں مگر آگ لانا یا آگ کا حاصل ہو جانا یقینی نہیں یہ اس لیے فرمایا کہ پکا وعدہ نہ ہو جائے اور پھر پورا نہ ہو سکے تو کہیں وعدہ خلافی اور جھوٹ نہ بن جائے۔ قَبَسٍ فرما کر بتایا کہ مضبوط آگ یعنی چنگارہ لانے کی کوشش کروں گا۔ هُدًى فرما کر کسی شخص کی موجودگی کا خیال ظاہر فرمایا۔ دوسری آیت میں اِس چیز کی وضاحت فرمائی گئی کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بیوی کی حالت اور تنہائی اور اُن کے خوف گھبراہٹ کا اندازہ کرتے ہوئے ان کو تسلی دی اور فرمایا کہ آگ ملے نہ ملے مگر سَاٰتِيْكُمْ میں تمہارے پاس بہت جلدی واپس لوٹ آؤں گا۔ بِخَبَرٍ فرما کر یہ وضاحت کی کہ ہادی جو بھی ملے گا اُس سے راستے کی خبر پوچھ کر ابھی واپس آتا ہوں شِهَابٍ قَبَسٍ میں یہ وضاحت کی کہ جو بھی چنگارہ لاؤں گا وہ پژمردہ بجھا بجھا سا نہ ہوگا بلکہ کوشش کروں گا کہ خوب بھڑکتا شعلے مارتا ہو۔ اور آگ لانے کا مقصد بیان فرمایا کہ ہانڈی پکانے کے لیے نہیں تاپنے گرمی حاصل کرنے کے لیے اور زچگی کی ضرورت حاصل کرنے کے لیے ہوگی تیسری آیت میں پہلی آیت جیسے ہی الفاظ ہیں مگر جَذْوَةٍ کا لفظ ارشاد ہوا۔ یہ بھی آگ کی ایک صفت ہے کہ ایسی شعلہ مارتی انگارے کی آگ لاؤں گا جو بہت تیز چنگاریاں اڑاتی ہوگی اور یہاں تک صحیح سلامت پہنچ جائے گی۔ گویا کہ ایک مکمل کلام جو حضرتِ موسیٰ نے اس طرح فرمایا تھا کہ اے زوجہ محترمہ

تم یہیں ٹھیرو میں نے وہ آگ دیکھی ہے جو تم کو بھی دکھائی دے رہی ہے میں بہت جلد وہاں سے شاید آگ کچھ لا سکوں یا کوئی راستے کی خبر دینے والا ھادی مل جائے تو اُس سے راستے کی سمت معلوم ہو جائے اگر حاصل کر سکا تو شہاب قبس جذوۃ آگ لاؤں گا تاکہ تم گرمی بخش اور سردی سے بچاؤ کا مقصد بھی حاصل کر سکو یہ کلام توڑ کر مختلف آیتیں بنانے سے کلام کی جامعیت کی شاندار وضاحت ہوئی ایسا کرنا توجہ دلانے کے لیے ہوتا ہے اگر ایک ہی آیت میں موسیٰ علیہ السلام کا پورا کلام لفظاً لفظاً بیان کر دیا جاتا تو سننے والوں کا ذہن ان اشاروں کی طرف متوجہ نہ ہوتا۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوابِ

تفسیر صوفیانہ

اَللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ۔ لَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی وَھَلْ اَتٰکَ حَدِیْثُ مُوْسٰی اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَھْلِہِ امْکُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا شریعت و طریقت حقیقت و معرفت کا مالک اللہ ہی ہے بالذات نہ کوئی قوت ہے نہ طاقت نہ شی ہے نہ صفت نہ کوئی موجود ہے نہ مقصود نہ مطلوب نہ الٰہ اِلَّا ھُوَ بس وہی ہے ہر جگہ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ ہے توحید کے چار مرتبے ہیں ۱ اقرار لسانی ۲ تصدیق قلبی ۳ بالجنت تاکید اعتقادی ۴ استغراق بحر معرفت اس طرح کہ بجز احد الصمد کے کچھ نہ تصور آئے یہ چاروں ہوں تو ایمان کی تکمیل ہے اگر صرف اقرار لسانی ہو تو منافقت ہے اگر صرف تصدیق ہو تو متنور ہے جو غیر مفید ہے اگر صرف تاکید اعتقادی ہو تو ایمان موقوف ہے جس کے لیے مہلت الٰہیہ و توفیق ربانی شرط ہے اگر استغراق معرفت نہ ہو تو مقام صدیقین حاصل نہیں ہو سکتا جس کے پاس توحید کے یہ چاروں ارکان نہ ہوں اُس کو دنیا میں چار نقصان اور آخرت میں چار ظلم ۱ تفریق ۲ ترک ۳ نقص ۴ رفض۔ صوفیا کا کلمہ ہے لَاۤ اِلٰہَ فِی الْمَوْجُوْدِ اِلَّا اللّٰہ عارفین کا کلمہ ہے لَاۤ اِلٰہَ فِی الْاِمْکَانِ اِلَّا اللّٰہ۔ موجودات تین قسم کی ہیں ۱ اکمل کہ نہ کمی کا احتمال نہ زیادتی کا ۲ ناقص جس میں کمی ہو مگر کمال کا احتمال ہو ۳ اَنْقَصُ جو کبھی بلندی میں ہو کبھی پستی میں۔ پہلے کی مثال جیسے ذات باری تعالیٰ دوسرے کی مثال انسان تیسرے کی مثال جیسے نیک و بد مظہر اُلوہیۃ صفات علیا ہے اَخْفٰی وہ ہے جو اسرار میں زیادہ لطیف زیادہ معزز زیادہ اعلیٰ ہو زیادہ اشرف زیادہ اقرب ہو بارگاہِ قدس کا یہی سِرُّ الاسرار ہے۔ سِر وہ لطیفہ ہے جو ہر انسان کے قلب و روح کے درمیان نشاط اوّل میں پیدا کیا گیا ہے اور خفی وہ جو روح و قلب کے درمیان نشاط ثانیہ میں پیدا کیا گیا ہے پس اسی لیے یہ ممکن ہے کہ ہر انسان مومن و کافر اسرار روحانیہ کا معدن ہو اور تمام دینوی علوم و حقائق مکاشفات و مشاہدات کا مخزن ہو۔ لَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی۔ پس اسی الٰہ قدیمی ازلی ابدی کے لیے ہیں تمام کمالات حسنیٰ اور صفات علیا۔ اے روح باطن کیا ازل میں تجھ کو موسیٰ شعور

کی حدیث لاھوتی پہنچی نہ تھی پھر حبیب شھودِ لاالٰہ نے زبانِ حال سے کہا تھا اسی عقیدۂ قالوبلٰی پر قائم اور ٹھیرے رہو تجلیاتِ انوار کی انسیت میں نے پالی ہے۔ یہ نارِ عشق ہے وحدتِ جبروتی کے شجرِ مقدس پر آشکارہ ہے جو درختِ جسمانی کے رگ و پے کو لگ جاتی ہے۔ لَّعَلِّیۤ اٰتِیۡکُمۡ مِّنۡهَا بِقَبَسٍ اَوۡ اَجِدُ عَلَی النَّارِ هُدًی فَلَمَّاۤ اَتٰهَا نُوۡدِیَ یٰمُوۡسٰی اِنِّیۤ اَنَا رَبُّکَ فَاخۡلَعۡ نَعۡلَیۡکَ۔ آگ نو قسم کی ہے نارِ دنیا جو صرف کھاتی جلاتی ہے پیتی کچھ نہیں ۲ شجرِ اخضر کی نار یہ صرف پیتی ہے کھاتی کچھ نہیں۔ اس کا ذکر سورۂ یٰسٓ کی آخری آیت میں ہے ہر بڑے سرسبز درخت میں ہوتی ہے مگر عناب ساگوان، علیف سمرہ درخت میں نہیں ہوتی ۳ نارِ جہنم یہ کھاتی بھی ہے پیتی ہے ۴ نارِ طور یہ نہ کھاتی تھی نہ پیتی تھی ۵ وہ آگ جس میں جلانا ہے روشنی نہیں وہ دوزخ کی آگ ہے ۶ جس میں روشنی تھی جلانا نہیں تھا وہ شجرِ وادیِ طویٰ کی آگ تھی صرف ایک دفعہ ظاہر ہوئی ۷ دنیوی آگ جس میں جلانا بھی ہے اور جس میں روشنی بھی ۸ وہ آگ جس میں نہ جلانا ہے نہ روشنی وہ درختوں میں پوشیدہ آگ ہے ۹ نارِ عشق اس میں تڑپا دینے کی جلن اور امیدِ وصل کی روشنی ہوتی ہے غمِ فراق کھاتی ہے اور شربتِ دیدار پیتی ہے اس میں محبت کا نور ہوتا ہے موسیٰ طور مثلِ نورِ محبت ہے جب نورِ محبت طورِ شوق کی وادیِ طوائے تقدیس و تعظیم میں پہنچتا ہے تو نارِ عشق اور شوق کا شعلہ متجلّی اور ظاہر ہوتا ہے اور یہ اس لیے ہے کہ نورِ محبت کے لیے جب شعورِ قلبی تولد کیا جاتا ہے جوارحِ وجودی میں طفل خلیفۃ اللہ ہے جس کا ظہور مولودی نیّتِ جلال کی اندھیریوں میں ہوتا ہے تو بہت دور طورِ مزاجی کے ایمن میں نارِ صفاتی کی شکل میں نورِ ذاتی شجرِ جسمانی وجہی پر سراپا ظاہر ہوتا ہے اس لیے کہ جب عشق کی آگ کا شعلہ چمکتا ہے تو فقط شکلِ صفات ہوتی ہے تب اٰنَسۡتُ نَارًا کا قربِ جلال ہوتا ہے اور لَّعَلِّیۤ اٰتِیۡکُمۡ کے نعرے سے تمام انانیت فنا کی آگ میں جل جاتی ہے اور ترجمۂ وجدانی کا حصول ہو جاتا ہے اس وقت قلبِ متوّر اہلِ طبیعت کو اُمۡکُثُوۡۤا کا حکم جاری کرتے ہوئے حصولِ معرفت کی طرف قدومِ میمنت سے ترقی کرتا ہے تب فَاخۡلَعۡ نَعۡلَیۡکَ کا اشارہ ملتا ہے کہ موسیٰؑ معرفت خواہشات کی زوجۂ لذات کے اقاربِ عیشِ دنیوی کے خدام سے دور ہو جا اور ان تمام تعلینِ نمودِ بدنی کو وادیِ طوائے حیرت سے دور پھینک دے تمنائے نفسی کی جوتی اتار دے بدنِ انسانی میں صورتِ طبیعت زوجہ ہے اور صورتِ نفس ولد ہے ان کی محبتِ خواہشات میں فکرِ معاش بکریوں کا اثاثہ ہے جو تابعِ وجود ہے طورِ سینہ سے ندا ہوتی ہے کہ اسے بندۂ مرید بے شک میں تیرا ربِّ قدیر ہوں فکرِ نفس اور اتباعِ خواہشات کی جوتیاں اتار دے بلکہ دنیا و آخرت کی نعلینِ تمنا کو دور کر دے اور جلالِ الٰہی کی وادیِ مقدس میں۔ اگر

معرفتِ الٰہی کی نمازِ حقیقت یادِ وصل و ذکر میں مستغرق ہو جا وصولِ مقصود تک پہنچنے کے لیے اثباتِ صانع تک نعلینِ ہمت کے دو قدم بڑھانے پڑتے ہیں۔ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى۔ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى۔ اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ بے شک یہی وہ طوائے مقدس ہے جہاں اہلِ معرفت کے لیے قربِ خالق آسان ہوتا ہے۔ وصل کے بعد نعلینِ خواہشات کی طرف متوجہ ہونا منع ہے اسی لیے پہلے اتار دینے کا حکم ہوتا ہے کہ قلبِ مومن نورِ قدس میں ہمہ جہت اور ہمہ جسم ہو جائے مشاہدۂ حق اور عینیتِ نور کے بعد فکر و دلائل کے نعلین پر چلنے کی ضرورت نہیں قلب کی وادیِ طویٰ عرشِ اعظمِ اسرار ہے جس کی سیرِ معراج قدمِ اجتہادی سے پچاس ہزار سال ہے لیکن عروجِ قلب اگر جذبِ مرشد سے ہو تو ایک ساعت کا راستہ ہے۔ مثنوی رومی میں ہے سیرِ زاہد ہر شبے یک روزہ راہ سیرِ عارف ہر دمے تا تختِ شاہ۔ اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ وادیِ طلب میں بے شک میں ہی عارفین کا محافظ طالبین کا معبود ہوں پس میری ہی جستجو کی عبادت کرو اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ اے مرید نمازِ مکاشفہ قیام مراقبہ رکوع معراج اور سجدۂ قرب کو قائم رکھ کیونکہ نماز دین کا ستون ہے ایمان کی برہان ہے اعمال کا نور ہے اَحَبُّ الْاَخْلَاقِ ہے نشانِ فرق ہے کفر و ایمان کے درمیان امتیاز ہے قیامت کی روشنی ہے جہنم سے نجات ہے صدیقین و شہدا کے ساتھ حشر ہے۔ مگر بے نمازی کا حشر قربِ فرعون ہامان قارون اور ابی ابن خلف کے ساتھ ہوگا عارفین کی نماز ذکر اور یادِ الٰہی ہے ذکر کی اٹھارہ ۱۸ قسمیں ہیں ۱ ذکرِ خفی ۲ جلی ۳ سری ۴ جہری ۵ لسانی ۶ ذکرِ قلبی ۷ ذکرِ اعضائی ۸ ذکرِ خلوت ۹ ذکرِ نفسی ۱۰ ذکرِ انفرادی ۱۱ ذکرِ اجتماعی ۱۲ ذکرِ شرعی ۱۳ ذکرِ حقیقی ۱۴ ذکرِ جلالی ۱۵ ذکرِ جمالی ۱۶ ذکرِ فکری ۱۷ ذکرِ مشغولی ۱۸ ذکرِ استغراقی نماز عارفین ان سب ذکروں کا مجموعہ ہوتا ہے اہلِ عقل کی تین قسمیں ہیں پہلی عقلِ انبیاء جس میں کبھی نقصان نہیں عقل دوم انسانی و جناتی جس میں کبھی کمال کبھی زوال عقل سوم حیوانی جس میں زوال ہے کمال نہیں۔ اسم کی تین قسمیں ہیں ۱ اسمِ ذاتی بحسبِ ذات جیسے اسمائے الٰہیہ ۲ اسم بحسبِ صفات جیسے اسمائے محمدیہ ۳ اسمِ خارجی جیسے عوارضِ ذاتیہ کے نام اَنَا اخْتَرْتُكَ انتہائی جمال اور فَاسْتَمِعْ انتہائی جلال و ہیبت ہے۔ جمال و رحمت سے رجا اور جلال و ہیبت سے خوف پیدا ہوتا ہے اور یہی ایمانِ صادق کے دو بازو ہیں اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ میں علمِ توحید ہے اور یہی علمِ اصول ہے فَاعْبُدْنِيْ علمِ عبادت ہے یہ ہی علمِ فروع ہے اسی لیے علمِ اصول مقدم ہے علمِ فروع مؤخر ہے اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى۔ زرار و سالکین ہمیشہ طالب رہتے ہیں اگرچہ ذات و صفات و علیات

میں کامل مکمل اور اکمل ہو جائیں۔ رب تعالیٰ نے سب سے پہلے روح انسانی پیدا کیا اور اس کو جسم کا جوہر بنایا۔ اس سے جسم کے تمام اجزا کو مرکب کیا پھر ان کو مراتبِ علیا عطا فرمائے

إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا لِتُجْزَىٰ

بے شک قیامت بس آنے والی ہی ہے میں چاہتا تھا کہ میں اس کو بالکل ہی مخفی رکھتا تاکہ بدلہ دیا جائے

بے شک قیامت آنے والی ہے قریب تھا کہ میں اسے سب سے چھپاؤں کہ ہر جان

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَىٰ ﴿۱۵﴾ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا

ہر شخص اس کا جو وہ کردار کرتا ہو تو کہیں پھر رکاوٹ نہ بنے تم کو اس عبادت و نیاز نماز سے

اپنی کوشش کا بدلہ پائے۔ تو ہرگز تجھے اس کے ماننے سے وہ باز نہ رکھے

مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَتَرْدَىٰ ﴿۱۶﴾

وہ شخص جو ایمان نہیں لاتا اس قیامت پر اور پیچھے لگا رہا اپنی نفسانی خواہشات کے تو کہیں تم بھی برباد ہو جاؤ

جو اس پر ایمان نہیں لاتا اور اپنی خواہش کے پیچھے چلا پھر تو ہلاک ہو جائے۔

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَىٰ ﴿۱۷﴾ قَالَ هِيَ

اور کیا ہے یہ تمہارے سیدھے ہاتھ میں اے موسیٰ۔ عرض کیا یہ

اور یہ تیرے داھنے ہاتھ میں کیا ہے اے موسیٰ۔ عرض کیا یہ

عَصَايَ أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ

میری لاٹھی ہے کبھی تو اس پر ٹیک لگایا کرتا ہوں اور کبھی پتے جھاڑ لیتا ہوں اس سے اپنی

میرا عصا ہے میں اس پر تکیہ لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں پر پتے جھاڑتا

غَنَمِیْ وَلِیَ فِیْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰی ﴿۱۸﴾ قَالَ

بکریوں کے لیے اور میرے لیے اس میں اور بھی بہت سی ضروریات ہیں۔ فرمایا

ہوں اور میرے اس میں اور کام ہیں۔ فرمایا

اَلْقِهَا یٰمُوْسٰی ﴿۱۹﴾ فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِیَ حَیَّةٌ

ذرا اس کو زمین پر تو پھینکو اے موسیٰ۔ جب ڈال دیا اس کو تو اچانک وہ سانپ بن گیا

اسے ڈال دے اے موسیٰ۔ تو موسیٰ نے ڈال دیا تو جب ہی وہ دوڑتا ہوا سانپ

تَسْعٰی ﴿۲۰﴾ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ وقفہ سَنُعِیْدُهَا

جو بھاگتا تھا۔ فرمایا پکڑ لو اس کو اور نہ گھبراؤ ابھی لوٹا دینگے ہم اس کو

ہو لیا۔ فرمایا اسے اٹھالے اور ڈر نہیں۔ اب ہم اسے پھر

سِیْرَتَهَا الْاُوْلٰی ﴿۲۱﴾

اس کی پہلی حالت پر۔

پہلی طرح کردیں گے۔

تعلقات ان آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیت میں ان چند باتوں کا ذکر ہوا جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمائیں۔ اب اس آیت میں بقیہ باتوں کا ذکر ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں رب تعالیٰ نے صرف اپنا کلام سنا کر موسیٰ علیہ السلام کو مشرف فرمایا۔ اب ان آیت میں موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف عطا فرمایا جا رہا ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں موسیٰ علیہ السلام کو ان کی شریعت ملنے کا ذکر ہوا جس میں توحید عبادات اور نماز جیسے اہم حکم فرما کر شریعت کے اصول بتائے گئے اب ان آیت میں موسیٰ علیہ السلام کو معجزات عطا فرمائے جانے کا ذکر

ہو رہا ہے جو نبوت و رسالت کی نشانیاں ہیں تو گویا پہلی سابقہ آیت توحید کے بیان میں اور یہ آیت رسالت کے بیان میں ہیں اور یہ دو ہی چیزیں ایمان کا قالب ہیں۔

تفسیر نحوی اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى ـ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى۔

اِنَّ حرفِ مشبّہ بالفعل یہ تمام جملہ اپنے ماقبل فعل فَاعْبُدْنِیْ کی علت ہے السَّاعَۃَ اسم مفرد معرّف باللام عہدی ذوالحال ہے۔ اٰتِيَةٌ۔ اسم فاعل واحد مؤنث باب ضَرَبَ ھِیَ ضمیر پوشیدہ فاعل ہے یہ اسم فاعل جملہ اسمیہ ہو کر اِنَّ کی خبر ہے۔ اَكَادُ ثلاثی مجرد شاذ کا تیسرا باب فعل مضارع واحد متکلم مقاربہ فَعَلَ یَفْعَلُ کَوْدٌ سے مشتق ہے۔ اَنَا ضمیر متکلم پوشیدہ اس کا اسم ہے۔ اُخْفِیْ۔ باب افعال کا مضارع معروف واحد متکلم خَفْیٌ سے بنا ہے اس کا مصدر ہے اِخْفَاءٌ ھَا ضمیر واحد مؤنث مفعول بہ ہے یہ فعل فاعل پوشیدہ اَنَا ضمیر اور مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے۔ اَكَادُ کی لام کئے تعلیلیہ ناصبہ تُجْزٰی باب ضَرَبَ کا مضارع مجہول واحد مؤنث غائب جَزْیٌ سے مشتق ہے بمعنی بدلہ دینا کُلُّ اسم تاکیدی مضاف نَفْسٍ۔ اسم مفرد جامد مؤنث لفظی بمعنی ذات شخصیت مضاف الیہ مرکب اضافی نائب فاعل ہے بِ حرف جر الصاقی عوضی مَا موصولہ تَسْعٰی باب فَتَحَ کا فعل مضارع سَعْیٌ سے مشتق ہے بمعنی کوشش کرنا۔ کمائی کرنا ھِیَ ضمیر مؤنث پوشیدہ اس کا فاعل ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر مجرور متعلق ہے تُجْزٰی کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر علت ہے اَكَادُ کی یہ فعل مقاربہ اپنے اسم خبر اور علت سے مل کر جملہ فعلیہ حال ہے السَّاعَۃَ کا۔ وہ دونوں مل کر اسم اِنَّ کا وہ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ ایک قرأت میں یہ اَنَّ مفتوحہ ہے کیونکہ یہ علت ہے فَاعْبُدْ کی اور بیانِ دوم ہے یٰمُوْسٰی ندائیہ کا۔ فَ عاطفہ تعقیبیہ۔ لَا یَصُدَّنَّ باب نَصَرَ کا فعل نہی معروف واحد غائب مذکر بانون ثقیلہ صَدٌّ سے مشتق ہے بمعنی روکنا۔ یہ پورا جملہ عطف ہے اِنَّ السَّاعَۃَ پر۔ كَ ضمیر مفعول بہ مرجع موسیٰ عَنْ حرف جر زوالی (دور کرنے ہٹانے کے لیے) ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب اس کا مرجع الصَّلٰوۃ ہے۔ بعض نے کہا اس کا مرجع السَّاعَۃ ہے کیونکہ وہ لفظاً قریب ہے مگر یہ غلط ہے اس لیے کہ بذاتِ خود ساعت (قیامت) سے تو کوئی روک نہیں سکتا اور اگر ایمان بالقیامت مراد لیا جائے تو وہ یہاں مذکور نہیں اور اپنی اختراع مناسب اور ضروری نہیں یہ جار مجرور متعلق ہے مَنْ اسم موصول لَا یُؤْمِنُ۔ باب افعال کا فعل مضارع معروف منفی بلا واحد مذکر غائب اِیْمَانٌ مصدر سے مشتق ہے ھُوَ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ہے مَنْ بِ جارہ تعدیہ بمعنی علیٰ

فوقیت کا ھا ضمیر کا مرجع اَلسَّاعَۃَ ہے یہ جار مجرور متعلق ہے لَا یُؤْمِنُ کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ۔ اِتَّبَعَ۔ بابِ افتعال کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب ھُوَ پوشیدہ ضمیر کا مرجع مَنْ ہے اِس کا مصدر ہے۔ اِتِّبَاعٌ تَبَعٌ سے بنا ہے بمعنٰی پیچھے چلنا۔ ھَوَا۔ اسم مفرد جامد۔ لغوی ترجمہ ہے پھسل پڑنا جان کر گر پڑنا۔ جھک پڑنا۔ مائل ہو جانا۔ گہرا ہونا۔ اصطلاحی ترجمہ ہے اپنے نفسِ اَمارہ کی خواہش۔ مضاف ہے ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف الیہ اس کا مرجع مَنْ ہے یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے اِتَّبَعَ فعل فاعل اور مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے لَا یُؤْمِنُ یہ دونوں عطف مل کر صلہ ہوا مَنْ کا دونوں مل کر فاعل ہوا لَا یَصُدَّنَّ فَ عاطفہ سببیہ تَرْدٰی بابِ سَمِعَ کا فعل مضارع واحد مذکر حاضر اَنْتَ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع حضرت موسیٰ ہیں۔ رَدیٰ سے مشتق ہے بمعنٰی گر پڑنا ردی بیکار فضول ہو جانا۔ ہلاک ہونا یہاں آخری معنیٰ میں ہے یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف کَ ضمیر ہر دونوں مل کر مفعول بہ ہے۔ لَا یَصُدَّنَّ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف اَلسَّاعَۃَ پر دونوں عطف مل کر اسمِ اِنَّ ہوا اور پھر جملہ ہو کر بیانِ دوم ہے یٰمُوْسٰی کا۔ وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى۔ قَالَ هِيَ عَصَايَ۔ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى۔ قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوسٰى۔ فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى۔ واو برجملہ۔ مَا حرفِ سوالیہ بحالت رفع ہے کیونکہ مبتدا ہے خیال رہے کہ علم نحو میں لفظ مَا بائیس ۲۲ قسم کا ہے جن میں سے بارہ قسمیں اسم مَا کی ہیں اور دس قسمیں حرفِ مَا کی ہیں۔ یہاں لفظِ مَا اسم غیر مجرد سوالیہ ہے۔ غیر مجرد سے مراد یہ ہے کہ اس اسم میں حرفیت کا معنیٰ شامل ہے۔ تِلْكَ اسم اشارہ بِ جارہ بمعنیٰ فِیْ ظرفیہ مکانیہ یَمِیْن اسم جامد غیر مفرد یعنی مضاف كَ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے پوشیدہ اسم مفعول مَوْجُوْدٌ کا۔ وہ جملہ اسمیہ ہو کر مشار الیہ اسم اشارہ اپنے مشار الیہ سے مل کر مسئول ہو۔ سوال و مسئول مل کر بیانِ ندا مقدم ہوا یا حرف ندا لفظ موسیٰ اسم مقصورہ تقدیری اعراب حالت رفع منادیٰ۔ ندا اپنے منادیٰ اور بیان سے مل کر جملہ ندائیہ ہو گیا اس طرح کہ اَدْعُوْا پوشیدہ فعل کا مفعول بہ ہو کر سب ملکر جملہ فعلیہ ہو کر خبر مبتدا دونوں ملکر جملہ اسمیہ ہو گیا قَالَ فعل ماضی ھُوَ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل دونوں ملکر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا ھِیَ اسم ضمیر مرفوع منفصل واحد مؤنث غائب مبتدا۔ عَصَا۔ اسم مقصورہ مضاف لفظ عَصَا عَصْوٌ سے مشتق ہے اس کا تثنیہ عَصَوَانِ ہے اور اس کی جمع عُصِیٌّ۔ عِصِیٌّ۔ عُصُوِی۔ اَعْصٍ اور اَعْصَاءٌ۔ عَصْوٌ یا عَصًی کا لغوی ترجمہ ہے سخت مزاجی متکبرانہ غرور سخت پکڑ لاٹھی کو عصا اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ ہاتھ سے مضبوط پکڑی جاتی ہے نافرمانی کو عَصَا اور عصیان اس لیے کہا جاتا ہے نافرمان آدمی بدمزاج اور مغرور ہوتا ہے حق بات نہ ماننا عصیان ہے اور باطل بات نہ ماننا فرار ہے اور خود اپنی بات

نہ ماننا انحراف ہے اور چھوڑ دینا یا چھوڑ کر مان لینا رجوع ہے عربی میں بڑے اور قد برابر ڈنڈے کو عصا کہتے ہیں چھڑی کو مخصرہ اور بوڑھے یا بیمار کی لاٹھی کو مِنۡسَاۃٌ کہا جاتا ہے۔ یْ ضمیر واحد متکلم مضاف الیہ یہ مرکب اضافی موصوف ہے۔ تَوَكَّؤُا۔ باب تفعل کا فعل مضارع واحد متکلم۔ معروف بمعنیٰ حال وکیٌ سے مشتق ہے ترجمہ ٹیک لگانا۔ اَنَا ضمیر پوشیدہ فاعل مرجع موسیٰ علیہ السلام علیٰ جارہ فوقیت کا ھا ضمیر کا مرجع عصا ہے یہ جار مجرور متعلق ہے اَتَوَكَّؤُا کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ اَهُشُّ۔ باب نصر کا مضارع فعل حال واحد متکلم اَنَا ضمیر فاعل پوشیدہ۔ هَشٌّ سے مشتق ہے بمعنیٰ جھاڑنا جھنجھوڑنا۔ بِ حرف جر سببیہ ھا مجرور متعلق ہے اَهُشُّ کا۔ علیٰ حرف جر اپنے معنیٰ فوقیت کے لیے یا بمعنیٰ لام جارہ یا بمعنیٰ عِنۡدَ ظرفیہ مکانیہ ترجمہ اپنی بکریوں پر۔ یا لیے۔ یا بکریوں کے پاس غَنَمِ۔ اسم واحد مذکر جنسی ہے لہٰذا یہاں جمع مراد ہے۔ لغوی ترجمہ ہے بلا مشقت مال ملتا بکری کو اس کی آسان پرورش اور تیز بڑھوار کی وجہ سے غنم کہا جاتا ہے ان کا بڑا ریوڑ جنگلوں کی سوکھی گھاس پھوس کھا کر بھی تیزی سے پروان چڑھتا چلا جاتا ہے اس لیے ان کو غنم کہا جاتا ہے جہاد میں مال غنیمت کو غنیمت بھی اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ بلا مشقت ملتا ہے مجاہد یا شہید کا پہلے اس پر حق نہیں ہوتا۔ اور جنگ کی مشقت مال کے لیے نہیں ہوتی یاءِ متکلم ضمیر نفسی ہے بمعنیٰ اپنی مضاف الیہ یہ مرکب اضافی جار مجرور ہو کر متعلق دوم ہے اَهُشُّ کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لِیْ جار مجرور بمعنیٰ میرے لیے متعلق اول ہے یَكُوْنُ فعل تامہ پوشیدہ کا۔ دراصل تھا وَیَكُوْنُ لِیْ۔ فِیۡهَا۔ یہ جار مجرور متعلق دوم ہے پوشیدہ فعل کا مَاٰرِبُ۔ اسم جمع مکسر جامد حاصل مصدر میمی اس کا واحد مذکر ہے مَاٰرِبٌ واحد مؤنث ہے مَاٰرِبَةٌ۔ اس کا اصلی مادہ مصدر اِرْبٌ ہے بمعنیٰ سخت ضروری چیز جس کے لیے عقلی تدبیریں کرنی پڑیں یا ضروری اعضاءِ بدن۔ یہاں مراد ہیں ضروریات زندگی۔ موصوف ہے اُخۡرٰی اسم تفضیل مؤنث واحد اس کا واحد مذکر ہے اٰخَرُ۔ بمعنیٰ دوسری یہ صفت ہے جمع مذکر کی اس لیے کہ ظاہر ہے اور جنسی جمع مکسر ہے یہ مرکب توصیفی فاعل ہے یَكُوْنُ پوشیدہ کا۔ وہ فعل فاعل اور دونوں جملہ اسمیہ سے مل کر معطوف ہوا اَهُشُّ پر۔ اَتَوَكَّؤُا تے سب عطف سے مل کر صفت ہوئی عَصَایَ کی یہ مرکب توصیفی خبر ہے ھِیَ مبتدا کی وہ دونوں جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ ہوا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ قَالَ فعل ھُوَ پوشیدہ ضمیر فاعل مرجع اللہ تعالیٰ یہ جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ اَلۡقِ۔ باب افعال کا فعل امر واحد مذکر حاضر معروف اَنۡتَ پوشیدہ ضمیر فاعل جس کا مرجع حضرت موسیٰ لَقۡوٌ سے بنا

ہے۔ بمعنی ڈھیلا پڑنا ڈھے جانا ٹیڑھا ہونا یہ لازم ہے افعال میں متعدی ہوتا ہے بمعنی ڈالنا پھینکنا۔ اس کا مصدر ہے اِلْقَاءٌ ظاہر یا پوشیدہ باطن ہر طرح ڈالنے کو القا کہا جاتا ہے۔ ھَا ضمیر مفعول بہ ہے یہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر بیان ندا مقدم ہوا۔ یٰمُوسٰی حرفِ ندا اپنے منادی اور بیان سے مل کر مقولہ ہوا قول کا دونوں مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ فَ زائدہ تعقیبیہ بمعنی۔ ثُمَّ۔ اَلْقٰی۔ باب اِفعال کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب ہُوَ۔ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل مرجع حضرت موسیٰ علیہ السلام ھَا ضمیر کا مرجع عَصَا۔ فَ سببیہ محفہ اِذَا مفاجات بمعنی اچانک ہمیشہ زمانہ حال کے لیے ہوتا ہے یعنی اچانک ابھی اب ہوا ہے۔ ھِیَ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا ہے حَیَّۃٌ۔ اسم مفرد جنسی بمعنی سانپ ہر قسم کا سانپ چھوٹا بڑا پتلا موٹا مذکر مونث بچہ بوڑھا عربی میں حَیَّۃٌ ہے۔ نوعی اعتبار سے ہر نام علیحدہ ہے یہ موصوف ہے تَسْعٰی باب فَتَحَ کا فعل مضارع ھِیَ ضمیر پوشیدہ اس کا واحد مؤنث غائب فاعل ہے مرجع حَیَّۃٌ ہے۔ خیال رہے کہ قَالَ ھِیَ عَصَایَ سے فَاِذَا ھِیَ حَیَّۃٌ تک تمام واحد مؤنث غائب کی ضمائر بارز و مستتر کا مرجع عَصَا ہے اور اس کے بعد واحد مؤنث کا مرجع حَیَّۃٌ ہے تَسْعٰی فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہوئی یہ مرکب توصیفی خبر ہے ھِیَ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مسبب ہوا اَلْقٰی کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ قَالَ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ خُذْ باب نَصَرَ یَنْصُرُ کا فعل امر حاضر معروف واحد مذکر۔ اَخْذٌ سے مشتق ہے بمعنی پکڑنا۔ اَنْتَ مستتر فاعل ہے ھَا ضمیر مفعول بہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ فعل نہی با فاعل س حرف تقریبی بمعنی عنقریب نُعِیْدُ باب افعال کا مضارع مستقبل جمع متکلم نَحْنُ پوشیدہ ضمیر جمع متکلم کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے عَوْدٌ سے بنا ہے بمعنی لوٹانا۔ لوٹنا ھا ضمیر کا مرجع ہے حَیَّۃٌ سِیْرَتَ۔ اسم جامد مضاف ہے حاصل مصدر۔ آخر میں ت مصدریہ ہے سَیْرٌ سے بنا ہے بمعنی چال ڈھال۔ چال چلن۔ مراد ہے حالت کیفیت عادت خصلت اسی سے ہے سیارہ چلنے پھرنے والا۔ ھَا ضمیر مضاف الیہ مرکب اضافی ممیز الاولیٰ الف لام عہد خارجی اسم تفضیل مونث تمیز ہے دونوں مل کر مفعول بہ ہے سَنُعِیْدُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر علت ہے لَا تَخَفْ کی یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا خُذْھَا پر دونوں مل کر مقولہ ہوا قال کا دونوں جملہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ اَكَادُ اُخْفِیْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى۔ فَلَا یَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا یُؤْمِنُ بِهَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى۔

اے موسیٰ نماز اس لیے قائم رکھو کہ یہ رب کے قرب و کلام و حاضری کا ایک طریقہ ہے دنیوی ہے درس

ساعت کی تیاری ہے جب رب تعالیٰ کے حضور سب نے پیش ہوتا ہے۔ اسی لیے نماز کو معراج قرب کہا گیا ہے انسان پر تین ساعتیں لازم ہیں پہلی ساعت موت کی دوسری قبر کی تیسری قیامت و محشر کی ان سب ساعتوں کی آسانی کے لیے نہایت مفید طریقہ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ ہے رب تعالیٰ نے فرمایا میں اس کو چھپانا ہی چاہتا ہوں قیامت کی دو چیزیں ہیں ایک قیامت کا آنا اور دوم قیامت کے آنے کا تعین وقت پہلی چیز ظاہر کر دی گئی کیونکہ اس کا ظاہر کرنا ضروری ہے تین وجہ سے پہلی یہ کہ بتا دیا جائے کہ قیامت لازمی یقینی ہے کوئی شخص اس سے بچ نہیں سکتا نہ اس پر غالب آ سکتا ہے ہر شخص اس دن عاجز و بیکس ہوگا دوم یہ کہ تاکہ قیامت پر دنیوی زندگی میں ایمان بالغیب لایا جائے اس پر ایمان سے بغیر کوئی ایمان معتبر نہیں اس کی تین وجہ ایک یہ کہ ظالم کو معلوم رہے کہ اس کے ظلم کا بدلہ ضرور ملے گا ظالم و فاسق ظلم و گناہ پر ندر نہ ہو جائیں دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار اور شان اپنی آنکھوں دیکھنے کا دنیا میں ہی ایمان ہو اور وجودِ باری تعالیٰ پر ایمان پختہ ہو۔ یہ کہ دنیا میں شانِ نبوت پر یقین کریں جس کی اصل حالت تو قیامت میں دکھائی جائے گی۔ اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اَکَادُ اُخۡفِیۡهَا سے یہی قیامت کا آنا مراد لیا۔ اس کو چھپانا چاہا مگر اس کو چھپایا نہ گیا تاکہ اس کی ہیبت اور ڈر اور حساب کتاب کی سچی تیاری کا ذوق و شوق پیدا ہو۔ ظالموں کا دل کو خوف اور مظلوموں کو سکون اطمینان صبر کی عادت پیدا اور لِتُجۡزٰی کُلُّ نَفۡسٍ کا مظاہرہ ہونے پر یقین کامل اس لیے قیامت کے آنے کا اعلان و اظہار فرمایا مگر اس کے تعینی وقت اور دن کو چھپایا اکثر نے اَکَادُ اُخۡفِیۡهَا کا یہ ہی معنیٰ کیا ہے کہ میں اس کو چھپانا چاہتا ہوں تاکہ ہر شخص کو اس کا بدلہ ملے ان کے نزدیک قیامت سے مراد قیامت کا دن اور زمانہ وقت ہے ہم نے یہی ترجمہ اختیار کیا ہے قیامت کا ایمان ہر انسان کیلئے ضروری ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ پہلی کتاب میں اس کی اہمیت کا ان الفاظ میں ذکر فرمایا فَلَا یَصُدَّنَّکَ تم کو نہ روک سکے یا ایمانِ قیامت سے ہٹا نہ سکے اس کی کوئی ہمت طاقت ارادہ حجت دلیل ور غلاہٹ چودھراہٹ نرمی گرمی قیامِ نماز یا قیامت پر ایمان لانے سے نہ روکے جو شخص قیامت پر ایمان نہیں لاتا اور شیطانی نفسانی دنیوی شہوات و خواہشات کے پیچھے لگا رہتا ہے۔ اگر کبھی ایسا ہوا تو تم کبھی مومن نہیں رہ سکتے ذلیل و رذی ناکارہ و بیہودہ ہو جاؤ گے موسیٰ علیہ السلام سے یہ کلامِ جلالی فرما کر اس دور کے تمام بنی اسرائیل کو خبردار کیا گیا اور قرآن مجید میں اس واقعہ کا تذکرہ فرما کر تا قیامت مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا۔ مَنۡ لَّا یُؤۡمِنُ سے مراد ہر منکرِ قیامت کافر ہے بعض حمقا نے کہا کہ ساعت سے مراد قیامت نہیں بلکہ غرقِ فرعون اور نجاتِ بنی اسرائیل کا وقت مراد ہے مگر یہ غلط ہے۔ اس لیے کہ کلام پاک کی روش سے قیامت ہی مراد لینا درست ہے تین وجہ سے پہلی یہ کہ فرمایا گیا۔

لِتُجْزٰی۔ اور جزائے اعمال کا دن قیامت ہی ہے۔ دوم یہ کہ فرمایا گیا کُلُّ نَفْسٍ۔ اور کُلُّ نَفْسٍ ہر انسان و جنات کے لیے ہے نہ کہ فقط بنی اسرائیل و فرعون و قوم فرعون کے لیے سوم یہ کہ فرمایا گیا بِمَا تَسْعٰی یعنی اُن اَعمال کی جزا جو اُس نے پوری زندگی میں اپنی دنیوی کوشش سے کیا یا دینی کوشش سے اچھا کیا یا بُرا۔ غرقِ فرعونی اُس کو اَعمالِ کفریہ ظلمیہ کا بدلہ نہیں۔ یہ تو فقط اُس کی موت اور بنی اسرائیل کو آئندہ ظلموں سے چھڑانے کے لیے تھا غرق کی موت تو بہت مسلمانوں کو بھی آجاتی ہے ظلم و کفر کا مکمل بدلہ نیز نیک بنی اسرائیل کی عبادتوں کا صحیح بدلہ تو قیامت میں ملے گا۔ اس لیے یہ بات یقینی ہے کہ سَاعَۃ سے مراد قیامت ہی ہے۔ چہارم یہ کہ فرمایا گیا فَلَا یَصُدَّنَّکَ یہ حکم نون ثقیلہ کی وجہ سے نہایت شدید ہو گیا کہ خبردار اپنے آپ میں ذرہ بھر کمزوری لچک۔ ڈھیل نرمی لگاوٹ لجاجت لالچ چاپلوسی نہ پیدا ہونے دینا کہ کوئی دین کا چور اُچکا ابلیس شیطٰن گمراہ تم پر کسی بھی وقت کسی جگہ کسی طریقے سے داؤ چلا سکے ورغلا سکے بلکہ دینی معاملات میں اپنے آپ کو ایسا بے رُخا اکھڑ کھرا تند خو بے طمع سخت گیر بنا لو کہ شیطٰن و کفار تم سے مایوس ہو جائیں لَایَصُدَّنَّ کی یہ تنبیہ سخت واضح کر رہی ہے کہ ساعت سے مراد قیامت ہی ہے۔ پنجم یہ کہ فرمایا گیا مَنْ لَّایُؤْمِنُ یعنی قیامت کا منکر ہی کافر ہوتا ہے۔ بنی اسرائیل کے اُس دور میں غرقِ فرعون کا منکر کافر نہ ہوتا تھا۔ قیامت پر ایمان لانا اُس وقت بھی اور اَب بھی ضروریاتِ دین ہے اِس کا انکار ہمیشہ ہر دور میں کفر ہی ہے یا ششم یہ کہ فرمایا گیا وَاتَّبَعَ ھَوٰاہُ۔ اس سے مراد کفریہ گناہ ہیں اور صرف قیامت کا انکار ہی اِتباعِ نفسانی میں شمار ہو سکتا ہے۔ اَکَادُ اُخْفِیْھَا میں مفسرین کے دو قول ہیں ١۔ میں چھپانے پوشیدہ رکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں اَکَادُ بمعنیٰ اُرِیْدُ ہے ٢۔ اَکَادُ بمعنیٰ اَزِیل میں چھپانا نہیں چاہتا۔ خِفا کو زائل کرنا ختم کرنا چاہتا ہوں اِن کی دلیل یہ کہ بابِ افعال کا ہمزہ جب بابِ ضَرَبَ سے افعال بنایا جائے تو سلب و ختم کے لیے ہوتا ہے اور جب بابِ سَمِعَ سے بنایا جائے تو افعال کی ہمزہ اظہار یعنی خِفا کو ختم کرنے کے لیے ہوتی ہے یہاں چونکہ سَمِعَ سے بنایا گیا ہے اس لیے مراد ظاہر کرنا ہے دونوں کی مطابقت اس طرح کہ پہلے قول میں وقتِ قیامت ہے دوسرے قول میں تذکرۂ قیامت ہے۔ تذکرہ کر نہ چھپایا گیا۔ وقت اور روزِ قیامت کو چھپایا گیا جیسے عربی میں کہا جاتا ہے اَشْکَیْتُہٗ میں نے شکایت زائل کر دی۔ بعض نے اَکَادُ کا معنیٰ اُبْتُہٗ کیا ہے۔ یعنی میں ضرور لانے والا ہوں قیامت کو مگر اس کو چھپاؤں گا بجز میرے کوئی نہیں جانتا کہ کب آئے گی۔ وقوعِ قیامت کو اس کے لیے مخفی رکھا گیا کہ بندے ہر وقت ڈرتے رہیں اور جلدی اچھے عمل کریں برے اعمال

برے اشخاص سے بچے رہیں آنے کا اظہار وقت و زمانے کا اخفا اسی تجزیاتی کی وجہ سے ہے بندے تین قسم کے ہیں ۱۔ وہ جو مرضی اللہ تعالیٰ کے لیے اچھے اعمال کریں ۲۔ وہ جو حصول جنت کے لیے اچھے عمل کریں ۳۔ دوزخ سے بچنے کے لیے کریں اگر تذکرہ قیامت نہ کیا جاتا تو بندے بے ڈر ہو جاتے اور کفار منکر ہی رہتے۔ اور اگر وقت قیامت روز ساعت زمانہ محشر بتا دیا جاتا تو سب اچھے برے لوگ ڈھیلے سست اور مطمئن ہو جاتے۔ اُخفیھا اس لیے ہے تاکہ معصیت سے بچیں اطاعت میں کوشش کریں۔ جزا بندوں کے اعمال اور کوشش اُلفت استقامت کی ہوگی۔ عنہا کی ضمیر کا مرجع یا قیامت ہے یا صلوٰۃ ہے یا ذکری ہے۔ فلا یصدنک میں حرف ف توجیہی تعلیلی ہے معنیٰ یہ ہے کہ چونکہ قیامت یقینی ہے اس لیے کوئی تم کو منکر نہ بنائے منکر کی ورغلاہٹ اور وسوسہ اس کی نفسانی شیطانی آواز اور اتباع ھویٰ اور خواہشات ہوگی وہ نہ ماننا۔ ھویٰ سے مراد خواہشات نفسانی ہر کافر چاہتا ہے کہ میں دوسروں کو بھی کافر بناؤں یہ بھی اتباع ھویٰ ہے۔ فتردیٰ حقیقت میں یہی ہلاکت ہے کہ دنیا میں ایمان ختم آخرت میں القاء ربانی ختم ہلاکتیں دس قسم کی ہیں ۱۔ ناکامی ۲۔ نامرادی ۳۔ ذلت ۴۔ خواری ۵۔ مصائب ۶۔ حرام روزی ۷۔ بری صحبت ۸۔ گناہوں میں آسانی ۹۔ نیکیوں میں دشواری ۱۰۔ معذوری بیماری۔

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى قَالَ هِيَ عَصَايَ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوسٰى فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى۔

موسیٰ علیہ السلام اس سابقہ کلام الٰہی سے رعب زدہ تھے تسلی کے لیے شفقت بھرے انداز میں توجہ مبذول کرانے کے لیے ارشاد ہوا۔ اے موسیٰ تمہارے داہنے (دست رسیدہ) ہاتھ میں کیا ہے یہ سوال بے علمی سے نہیں جیسا کہ بعض احمق عیسائیوں نے لکھا۔ لفظ یمین کی خصوصیت بھی بتا رہی ہے کہ یہ سوال ایک توجیہ اور نکمت پر مبنی تھا حضرت موسیٰ جو دبدبۂ کلام سے مرعوب ہونے کے علاوہ لذت کلام سے سرشار اور اس عظیم اعزاز سے خوشگوار دریاء عشق کی موجیں قلب و جگر میں موجزن تھیں سوچا یہ عظیم کریمانہ موقعہ پھر کب نصیب ہوگا۔ آج ہی دل بھر کے ہم کلامی کا موقعہ حاصل کروں باتیں ایسی بڑھاؤں کہ مجلس کرم رحمن و رحیم مجلس کلام خالق تعالیٰ مالک و رازق دراز ہی ہوتی چلی جائے اس لیے ایک سوال میں پورے تفصیلی جواب عرض کر دئے۔ عرض کیا اے میرے مونس و دم ساز مالک آقا یہ میری لاٹھی ہے جب تیرے حضور کھڑا کھڑا نماز میں تھک جاتا ہوں تو اس سے ٹیک لگا کر سہارا حاصل کرتا ہوں یا جب چلنے میں دشواری محسوس کروں تو اپنے ضعف و نقاہت

کی بنا پر اس کو ٹیک ٹیک کر چلتا ہوں۔ اور میری وہ بکریاں جو دراز عرصہ سے میں چراتا آ رہا ہوں اور اس وقت بھی قریب میرے ساتھ ہیں جب وہ بھوک محسوس ہوتی ہوں تو درخت سے اُن کے لیے پتے جھاڑتا ہوں یا ان بکریوں کو اس لاٹھی سے ہنکاتا چلا تا ہوں۔ اور بھی بہت سی ضروری اُمور میں یہ لاٹھی میرے کام آتی ہے میری بہت سی ضروریات اس سے پوری ہوتی ہیں مفسرین فرماتے ہیں مَا تِلْكَ سے سوال کا مقصد متوجہ اور متنبہ اور دھشتِ کلام دور کرنا تھا یمین فرمانے کی چار وجہ ۱ عصا ہی ہاتھ میں تھا ۲ ید اور ہاتھ یا ہاتھوں میں نہ فرمایا تا کہ حضرت موسیٰ اپنے بائیں ہاتھ کی طرف متوجہ نہ ہو جائیں اور اپنی انگوٹھی کا بنائیں اور خواہ دوبارہ سمجھانا پڑے آپ کے بائیں دیسار میں انگوٹھی تھی ۔ ۳ سوال اس مقصد کا تھا کہ کیا تم عصا کی اندرونی خفیہ طاقتوں کرامتوں حقیقتوں کو جانتے ہو یہ کیا عظیم شی ہے جو تمہارے یمین میں ہے ۔ ۴ موسیٰ علیہ السلام اتنے متحیر و مرعوب تھے کہ تن من کا ہوش نہ رہا تھا اُن کو تو وانُ کی طرف راغب کرنے کے لیے یہ سوال کیا گیا ورنہ یہ کہنا ہی کافی تھا کہ اَلْقِ عَصَاكَ اے موسیٰ اپنا عصا پھینک جس طرح پہلے فرمایا گیا کہ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ایک قول ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس لیے کلام دراز کیا کہ کہیں فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ کی طرح عصا کو بھی دور نہ پھینکوا دیا جائے۔ اس لیے پہلے ہی عرض کر دیا کہ مولیٰ یہ لاٹھی میرے بہت کام کی ہے ہر وقت مجھ کو اس کی ضرورت ہے مگر یہ قول غلط ہے کیونکہ جوتیاں پھینکوائی نہ گئیں تھیں صرف وادیِ مقدس کی عزت و تکریم کی وجہ سے باہر رکھوائی گئیں تھیں جس طرح مسجد کی تکریم کے لیے نمازی کرتے ہیں بعد میں موسیٰ علیہ السلام نے پھر وہ نعلین پہن لیں اور اپنے اہل کو لے کر مصر تشریف لائے ۔ اَهُشُّ کی دو قرائتیں اور دو معنٰی کیے گئے ہیں ۱ اهش یعنی پتے جھاڑتا ہوں ۲ اَهُسُّ سین سے یعنی بکریوں کو چلاتا ہوں۔ مَآرِبُ اُخْرٰی موسیٰ علیہ السلام اس قسم کی ضروریات اپنے عصا سے حاصل فرماتے تھے ۱ اس سے تیمم وغیرہ کے لیے مٹی کے ڈھیلے اکھیڑتے تھے ۲ نماز کے لیے سُترا بناتے تھے ۳ دھوپ اور گرمی اور ہوا سے بچنے کے لیے زمین میں ٹھونک کر اس پر کمبل شریف ڈالتے تھے۔ اس کے اوپر دو شاخیں تھیں ۴ چلتے اور کھڑے ہونے میں اس پر ٹیک لگاتے تھے ۵ گھوڑے کو چلاتے اور مارتے تھے ۶ سفر میں کندھے پر رکھ کر اُس پر گٹھڑی ٹانگتے تھے ۷ کسی گھر میں اجازت لینے کے لیے دروازہ کھٹکھٹاتے تھے۔ ۸ راستے سے کتوں کو بھگاتے تھے ۹ یہ عظیم دولت اور وراثت تھی خیال تھا کہ میرے بعد میرا بیٹا اس کا وارث ہوگا مگر چونکہ یہ عصا حضرت آدم جنت سے لے کر آئے تھے اُس وقت سے یہ

یہ صرف انبیاء علیہم السّلام کی تحویل میں ہی رہا۔ اور اس کو صرف انبیاءِ کرام ہی اپنے قبضے میں رکھ
سکتے تھے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے یہ فرزند بعمر نو سال فوت ہو گئے تھے۔ نبی نہ بنے۔ ہٰرون
علیہ السّلام بھی موسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں دورانِ حج فوت ہو گئے کوہِ اُحد کی چوٹی پر آپ کا مزار
ہے میں نے زیارت و فاتحہ خوانی و حاضری دی ہے پہلے حج ۱۹۶۳ء میں لہٰذا موسیٰ علیہ السّلام
کی وفات شریف کے بعد ایک قول میں یہ غائب ہو گیا تھا غالباً جنت میں ہی چلا گیا ہوگا۔ اور ایک
قول میں یہ حضرت داؤد علیہ السّلام پھر سلیمان علیہ السلام کو ملا آپ نے وفات کے وقت
آخری نماز کی نیت اسی عصا سے ٹیک لگا کر باندھی تھی اسی کا ذکر قرآنِ مجید میں ہے کہ جب
اس کو دیمک نے کھایا تو سلیمان علیہ السّلام زمین پر آ رہے اور جنات نے جان لیا کہ آپ فوت
ہو گئے ہیں کام چھوڑ کر بھاگ گئے۔ (از روح المعانی فتح القدیر مظہری صاوی) مگر یہ قول اس لیئے غلط
لگتا ہے کہ جنت کے عصا کو دنیا کی دیمک نہیں کھا سکتی اور پھر اتنے ہزار ہا سال سے نہ کھایا تو
اب چند ماہ میں کیسے ہو سکتا ہے بعض نے فرمایا کہ تابوتِ سکینہ میں عصا بھی رکھا ہوتا تھا مگر یہ قطعاً
اور یقیناً غلط قول ہے اس لیے کہ سب مفسرین فرماتے ہیں کہ تابوت سکینہ تین گز لمبا اور ڈھائی گز
چوڑا تھا اور عصا شریف دس گز لمبا تھا موسیٰ علیہ السّلام کے قد مبارک کے برابر (روح المعانی) تو
دس گز لمبا عصا تین گز لمبے صندوق میں بھلا کیسے آ سکتا ہے۔ تابوتِ سکینہ حضرت موسیٰ علیہ السلام
کا ذاتی صندوق تھا جس میں صرف حضرت موسیٰ و ہٰرون علیہما السّلام کی ذاتی چیزیں کپڑے جوتے رکھے
ہوتے تھے جو بعد میں تبرکات میں شامل ہو گیا۔ اسی طرح بعض لوگوں نے کہا ہے
کہ اس تابوت میں توریت کی تختیوں کے کچھ ٹکڑے بھی ہوتے تھے مگر یہ بھی غلط ہے موسیٰ
علیہ السلام کے بعد تختیاں بھی آسمان پر اٹھالی گئیں تھیں۔ عصا چونکہ صرف موسیٰ علیہ السّلام
کے لیے ہی جنت سے آیا تھا اس لیے آپ کے بعد اس کا مقصدِ قیام ختم ہو گیا لہٰذا واپس
جنت میں پہنچا دیا گیا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب لفظ مَاٰرِبُ کو تین طرح پڑھا گیا ہے ۱۔ مَاٰرِبُ
۲۔ مَاٰرُبُ ۳۔ مَاٰرَبُ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے مَاٰرِبُ اُخریٰ کہہ کر کلام ختم فرما دیا یہاں
تفصیل نہ بیان فرمائی اس لیے کہ پہلے تو لذتِ کلام میں شوقِ درازیِ کلام اور محفلِ عظیم کی محبت و
عشق کا غلبہ ہوا تھا جس کی وجہ سے کلام کو لمبا کرنا چاہا مگر پھر بارگاہِ الٰہیہ کا ادب و احترام مزید
بولنے سے مانع ہوا اور عشق پر ادب کا غلبہ ہوا جب حضرت موسیٰ خاموش ہوئے تب رب تعالیٰ
نے قَالَ اَلْقِهَا یٰمُوْسٰی فرمایا اے موسیٰ لاٹھی کو اپنے سامنے زمین پر ڈال دو۔ فَاَلْقٰهَا موسیٰ علیہ السلام

نے فوراً تعمیلِ حکم کی اور عصا کو اپنے سامنے زمین پر ڈال دیا۔ رکھنے کے انداز میں بعض نے کہا جلدی سے پھینک دیا۔ پس پھر کیا تھا ایک دم پلک جھپکتے ہیں فَاِذَا حَيَّةٌ تَسْعٰى وہ عصا تیز دوڑتا ہوا پیلے رنگ کا سانپ تھا اس عصا کا رنگ سرخ تھا اس کے اوپر دو شاخیں تھیں جب سانپ بنا تو چار تبدیلیں آئی تھیں ۱۔ رنگ پیلا ہو جاتا ۲۔ وہ دونوں اوپر کی شاخیں دو منہ بن جاتے اور باقی نچلا تمام حصہ سانپ ہوتا ۳۔ لفظ حَيَّةٌ اسم جنس ہے ہر مذکر مونث چھوٹے بڑے موٹے پتلے ہر قسم کے سانپ کو کہدیا جاتا ہے۔ مگر اس سانپ کی عجیب قدرت و معجزہ اور کرامت تھی کہ خلقتاً لکڑی تھی انقلابِ حقیقت سے ذاتاً و جسماً اژدہا تھا لیکن صفتاً باریک سانپ کی طرح تیز دوڑنے والا ۴۔ اور عادتاً تمام چرندوں کی طرح کہ جب یہ سانپ بنا تو جنگل کی طرف دوڑا ایک درخت کے پاس پہنچ کر پورا درخت کھا گیا مع پتوں شاخوں تنے کے پھر چرندوں جیوانوں سے بھی دو ہاتھ آگے کہ ایک بڑا پتھر چٹان جیسا سامنے آیا تو اُسے بھی کھا گیا۔ آنکھیں سرخ انگارہ جیسی دہکتی ہوئی ایسا سانپ دو منہ والا روئے زمین پر پہلے کبھی کب کسی نے دیکھا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اُس عجیبُ الخلقت سانپ کو قہر الٰہی سمجھ کر خوف زدہ ہو گئے پہلے کلام الٰہی کے دبدبے سے دہشت زدہ تھے اُس پر مزید یہ ہیبتناکی پھر بار بار یا موسیٰ کا خطاب تنبیہی۔ اس لیے دوڑ پڑے اس دوڑنے کا دوسری آیت میں ذکر ہے۔ رب تعالیٰ نے قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ۔ اے موسیٰ خوف نہ کھائیے اور اُس کو پکڑیے۔ موسیٰ کی جرأت نہ ہوئی تفاسیر میں ہے کہ تین دفعہ یہ حکم ہوا تیسری دفعہ ارشاد ہوا۔ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ۔ پکڑ لیجئے تم کو امن رہے گی تب آپ نے ایک ہاتھ اُس کی گردن میں ڈالا اور دوسرا ہاتھ اُس کے ایک منہ میں ڈال کر پکڑ لیا پکڑتے ہی سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى۔ کا وعدۂ ربانی پورا ہوا اور وہ پھر ایک دم اتنی ہی آپ کی کلائی جتنی موٹی سرخ لاٹھی تھی۔ یہ سانپ اوّلاً لاٹھی جتنا ہی موٹا اور اُتنا ہی دس گز لمبا ہوتا۔ بعد میں فوراً مزید لمبا اور موٹا ہوتا جاتا۔ اور دگنا ہو جاتا۔ موسیٰ علیہ السلام کے خوف کی وجہ سانپ نہیں بلکہ پہلے سے کلامِ الٰہی کا رُعب قربِ الٰہی کی ہیبت اور خوارق و عجائبات کی دہشت تھی چونکہ یہ عجیبُ الخلقت و عادت سانپ بھی اللہ تعالیٰ کی جانب اور حکمت و خلقت سے بنا تھا اس لیے خوف کا ظہور وجود سانپ میں ہوا اور بھاگ پڑے جس طرح اندھیرے بیابان کا دہشت زدہ پتہ کھڑکنے سے بھاگ پڑتا ہے سَنُعِيْدُهَا۔ کا کلام مستقلاً نہ اسی دہشت و ہیبت کو دور کرنے کے لیے فرمایا گیا۔ اسی سے آپ کو تسلی و اطمینان نصیب ہوا سیرت بمعنی حالت

اور عادت ہے۔ اس کا لغوی معنیٰ طریقہ اور مذہب ہے اصطلاحی معنیٰ اخلاق و عادات ہے یہاں مراد انقلاب حقیقت یعنی جیسے پہلے لکڑی کا مضبوط عصا تھا پھر ویسے ہی ہو جائے گا۔ یہاں طور پر یہ تمام مظاہرہ تین وجہ سے کرا یا گیا پہلی یہ کہ یہ نبوت کا معجزہ دیا گیا۔ دوم یہ کہ یہ لاٹھی پھینکنے سے معجزاتی اثر دیا کہ سانپ بنے گا اور جب اٹھا لیا کرو گے تو پھر لاٹھی بن جایا کرے گی سوم یہ کہ اگر اس وقت یہ سب کچھ کرا کر چشم دید مظاہرہ نہ کرایا جاتا اور صرف بتا دیا جاتا کہ ایسا ایسا کرو گے تو یہ عصا ایسا ایسا ہو جائے گا تو یقینی تھا کہ موسیٰ علیہ السّلام جب پہلی بار فرعون کے سامنے اس کا مظاہرہ کرتے تو خود بھی ڈر جاتے۔ اس عصا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے تقریباً دس کرامتیں تو میں پیدا ہو گئی تھیں جو پہلے نہ تھیں ۱؎ یہ دشمن سے حفاظت کرتا یہاں تک کہ ایک دفعہ جنگل میں ایک سانپ نے بکریوں پر حملہ کیا تو عصا نے اس کو مار مار کر ہلاک کر دیا۔ حضرت موسیٰ یہ عجیب بات دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ ۲؎ اندھیری رات میں اس کی دونوں شاخیں روشن ہو جاتیں جس سے صرف موسیٰ علیہ السّلام فائدہ حاصل کرتے ۳؎ اس کو پتھر پر مارتے یا زمین سے رگڑتے تو حسب ضرورت پانی نکل آتا اور ضرورت پوری ہونے کے بعد پانی بند ہو جاتا ۴؎ جب موسیٰ علیہ السّلام کو بھوک لگتی تو زمین پر رگڑتے کھانے کی چیزیں نکل آتیں ۵؎ اگر خشک درخت پر لگاتے تو پختہ پھل پیدا ہو کر جھڑتے حضرت موسیٰ نے اس کا نام نَبعَۃٌ رکھا تھا ۶؎ عصا دس گز لمبا دو انچ موٹا موسیٰ علیہ السلام کی کلائی کے برابر شرعی گز ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے جب یہ اژدھا بن جاتا تھا تو بہت کچھ کھا جاتا تھا اور جب واپس عصا بنتا تو وہ اشیاء غائب ہو جاتی تھیں ۷؎ نہ پیشاب کرتا تھا نہ براز ۸؎ جب کوئی دشمن یا درندہ موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آتا تو عصا خود جا کر اس کو مار کر بھگاتا یا جان سے مار دیتا اس طرح کا مظاہرہ دو دفعہ مدین کے جنگل میں ہی ہوا۔ ۹؎ جسماً اژدھا تھا تیزی میں پتلا سانپ اسی لیے قرآن مجید میں اس کو حَیَّۃٌ بھی فرمایا گیا ثُعبَانٌ مُّبِینٌ بھی اور پتلے باریک سانپ کی مثل کَاَنَّھَا جَانٌّ بھی فرمایا گیا ۱۰؎ پتے اور پتھر کھاتا تھا حالانکہ کوئی سانپ پتے نہیں کھا سکتا اور کوئی بھی جانور پتھر نہیں کھا سکتا۔ ۱۱؎ کوئیں سے پانی لینا ہوتا تو کوئیں کی گہرائی تک لمبا ہو جاتا۔ اور اپنی دونوں شاخوں میں بقدر ضرورت پانی بھر لاتا یہ جنت سے آیا تھا ساگوان کی لکڑی کا تھا۔ آنکھیں مثل آگ دہکتیں اور منہ میں لمبے دانت اور داڑھیں بھی بن جاتیں۔ اور لاٹھی ہوتی تو یہ کچھ نہ ہوتا تھا۔ اَللّٰہُ اَکبَرُ کَبِیرًا۔

فائدے اِن آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ**۔ سب سے بڑی نعمت دین میں ثابت قدمی اور پختگی و صلابت ہے ہر مسلمان کو ایسی پختگی چاہیے کہ کفار اور گمراہ اس کو اپنے ساتھ ملانے سے ناکام اور مایوس ہو جائیں یہ فائدہ لَا يَصُدَّنَّكَ (الخ) کے ارشادِ پاک سے حاصل ہوا کہ ظاہراً تو کفار کو روکا جا رہا ہے لیکن ضمناً مسلمانوں کو خبردار کیا جا رہا ہے کہ تمہارا کفار سے پلپلا اور نرم رویہ نہ ہونا چاہیے کہ تم کو کبھی باتوں سے کبھی کتابوں سے گمراہ کرنے کی جرأت کر سکیں۔ پلپلے اور نرم رویے والے انسان کو میٹھی چھری سے ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ **دوسرا فائدہ** اللہ تعالیٰ نے قیامت کا صرف مقررہ دن تعین سال مخفی رکھا ہے وہ بھی صرف عوام الناس سے مگر اپنے حبیب خلق کے محبوب آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تو کچھ بھی نہ چھپایا انبیاءِ کرام علیہم السّلام کو علامتِ قیامت تک سب کچھ بتا دیں۔ اور آقاءِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے امتیوں کو دن اور مہینہ تاریخ تک ظاہر فرما دی احادیث میں ہے کہ قیامت جمعہ کے دن محرم کے مہینے اور عاشورے کی تاریخ کو آئے گی صرف سال اور سنہ مخفی رکھا۔ اس میں بھی حکمتِ خاص ہے یہ فائدہ اَكَادُ اُخْفِيْهَا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا یعنی قریب تھا کہ میں چھپا لیتا مگر چھپایا نہیں ایک حدیث شریف میں ارشادِ نبوی ہے کہ اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ یعنی میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح جڑے اور متصل زمانہ ہیں جس طرح یہ انگلی اسی انگلی کی پڑوسی ہے اسی طرح میں قیامت کا پڑوسی ہوں اور جیسے ایک پڑوسی دوسرے پڑوسی کے پورے حالات و آمد و رفت سے پوری طرح خبردار ہوتا ہے اسی طرح میں بھی قیامت کے آمد و رفت سے پوری طرح خبردار ہوں۔

تیسرا فائدہ اللہ تعالیٰ بڑی عظیم قدرتیں اپنے محبوب بندوں کے ہاتھوں ظاہر فرماتا ہے دیکھو عصاء موسیٰ علیہ السلام جس میں بہت توتیں طاقتیں ودیعت تھیں مگر جب تک حضرت موسیٰ کا ہاتھ نہ لگا یہ قوتیں ظاہر نہ ہوئیں گویا کہ ظہورِ معجزات کے لیے عصا وہی مخصوص تھا اور ہاتھ موسیٰ علیہ السلام کا مخصوص تھا نہ دوسری لاٹھی نہ کسی دوسرے کا ہاتھ۔ یہ فائدہ مَا تِلْكَ (الخ) اور خُذْهَا وَلَا تَخَفْ اور اَنَا اخْتَرْتُكَ کے ارشادِ مقدس سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ اگر اپنی قدرت کو نبی کے دستِ مبارک پر ظاہر فرمائے تو معجزہ کہلاتا ہے اور اگر ولی اللہ کے دستِ اقدس پر ظاہر فرمائے تو کرامت ہوتی ہے۔ نیز یہ بھی خیال رہے کہ نبی صرف انسان مرد ہوتا ہے نہ عورت جنات نہ حیوانات نہ جمادات نہ نباتات مگر ولی اللہ انسان جنات عورت مرد مذکر مؤنث حیوانات نباتات جمادات ہو سکتے ہیں جس کو رب پسند فرمائے

یا کسی مقصد کے لیے جمادات وہی ولی اللہ ہے۔ اسی لیے بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ ناقہ صالح، عصاءِ موسیٰ ستونِ حنانہ صفیٰ مروہ خانہ کعبہ حجر اسود۔ مقامِ ابراہیم وغیرھم سب اولیاءُ اللہ تھے بولتے سنتے سمجھتے تھے۔ مولانا روم فرماتے ہیں:

نطقِ آب و نطقِ خاک و نطقِ گِل ہست محسوس از حواس اہلِ دل

احکام القرآن اِن آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ۔ انقلاب حقیقت ممکن ہے اور انقلابِ حقیقت سے اشیا میں شرعی حکم بدل جاتا ہے۔ نارِ نمرود کا گلزار بننا۔ عصاءِ موسیٰ کا سانپ بننا۔ فرشتوں جنوں کا بشری یا حیوانی شکل میں آنا اس طرح علم کیمیا کے ذریعہ تانبے کو سونا بنا لیا جائے یا کسی وَلِی اللہ کی کرامت سے مٹی کا ڈھیلا سونا بن جائے تو شرعی احکام بدل جائیں گے یعنی ان تمام پر وہی احکام جاری ہوں گے جس شکل میں ہوں گے اگر جن یا فرشتہ مرد کی شکل میں ہو مسلمان عورت پر اُس سے پردہ فرض ہوگا۔ تانبے کا سونا بنا تو نصاب برابر پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔ یہ مسئلہ فَاِذَا ھِیَ حَیَّۃٌ کے بعد تَسْعٰی کا علیحدہ جملہ فرمانے سے مستنبط ہوا یعنی جب انقلابِ حقیقت ہوا تب وہ دوڑتا بھی ہے کھاتا بھی پیتا بھی۔ اگر کوئی جن یا جادوگر یا ولی اللہ کسی جانور کی شکل میں آ جائے اور اس کو اسی حیوانی حالت میں کوئی مسلمان قتل کر دے تو قصاص یا دیت یا خون بہا نہ ہوگا۔ اس لیے کہ کسی بھی جانور کے قتل پر قصاص واجب نہیں ہوتا۔ اس حکم سے ناقہ صالح صرف اس لیے خارج ہے کہ وہ مطلوبہ معجزہ تھا اور خاص کر ممنوعہ لیکن پھر بھی قصاص نہ لیا گیا بلکہ سب پر عذاب آیا۔ اگرچہ قاتل ایک ہی تھا۔ دوسرا مسئلہ بعض سوال ایسے ہوتے ہیں جو کسی حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔ جیسے انبیا کرام علیہم السّلام کے سوالات اپنی امت سے یا ممتحن اُستاد کا سوال امتحان دینے والے شاگردوں سے۔ لہٰذا ایسے سوالات سے ان پوچھنے والوں کی بے علمی ثابت نہیں کی جا سکتی۔ آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے سوالات جبرئیل امین سے کئے یا اپنی اُمت اور صحابہ کرام سے کئے تو اس سے آپ کی بے علمی یا ناواقفی ثابت نہیں کی جا سکتی۔ جیسا کہ وہابیوں کا طریقہ ہے کہ علم غیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار میں ایسی گستاخانہ بیہودہ باتیں نکالتے رہتے ہیں۔ یہ سب لغویات ہیں یہ مسئلہ وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى سے مستنبط ہوا کہ اللہ تعالیٰ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ہوتے کے باوجود سوال فرما رہا ہے جب یہ بے علمی سے نہیں تو وہ بھی بے علمی سے نہیں۔ تیسرا مسئلہ دنیا صرف دارالعمل ہے یہاں کسی نیکی و بدعملی کی جزا نہیں ملتی یہاں کی خوشیاں عیش و آرام

مال و دولت نہ کسی نیکی کا بدلہ ہیں اور نہ یہاں کی مصیبتیں بیماریاں کسی گناہ کا بدلہ یہ سب کچھ امتحانات اور آزمائشیں ہیں۔ جزاء کا مقام اور موقعہ صرف روز قیامت ہے یہ مسئلہ لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ. کے لام تعلیلیہ سے مستنبط ہوا کہ ساعت یعنی قیامت کا انعقاد ہی جزاءِ کُلِّ نفسٍ کے لئے ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ تمہارے قرآن سے ثابت ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام محمد مصطفیٰ سے افضل ہیں۔ اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام سے رب تعالیٰ نے بلا واسطۂ جبرئیل کلام فرمایا لیکن محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے رب تعالیٰ نے کبھی بلا واسطہ کلام نہ فرمایا یہ دلیل اس بات کی ہے موسیٰ علیہ السلام تمہارے نبی علیہ السلام سے افضل ہیں (دیہوری عیسائی) **جواب** یہ استدلال نہایت کمزور ہے کیونکہ اگر بحیثیت کلام ہی موازنہ کیا جائے تب بھی نبی کریم آقاء کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سات وجوہ سے افضل ثابت ہوتے ہیں ۱ موسیٰ علیہ السلام سے کلام ہوا وادیِ طُویٰ میں طور پر لیکن محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام فرمایا گیا۔ لامکان پر ۲ موسیٰ علیہ السلام سے صرف خصوصی یہی کلام بلا واسطہ ہوا لیکن دیگر قانونی کلام بذریعہ وحی جبرئیل ہی ہوتے رہے۔ اسی طرح نبی کریم آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی صرف قرآن مجید کے نزول کا کلام آیات واحکام بذریعہ جبرئیل امین ہوئے بہت سے کلام بلا واسطہ جبرئیل ہوئے۔ مثلاً حدیث قدسی والے کلام زمین پر ہوتے رہے اور شرفِ ملاقات کا کلام عرش و لامکان پر ہوا۔ ۳ موسیٰ علیہ السلام سے طور پر جو کلام ہوا وہ سب کو بتا دیا گیا۔ لیکن نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کلام ہوا وہ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى کہہ کر چھپا لیا گیا ۴ موسیٰ علیہ السلام کے کلام میں جمال بھی تھا کہ اَنَا اخْتَرْتُكَ اور جلال بھی تھا کہ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ اور فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى. لیکن کلام لامکان میں حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمال ورحمت ہی رحمت تھا ۵ موسیٰ علیہ السلام سے صرف کلام تھا دیدار نہ کرایا مگر آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام بھی تھا دیدار بھی تھا ۶ موسیٰ علیہ السلام سے جب کلام ہوا تو ان کی توجہ عصا کی طرف کرائی گئی کہ اس کو دیکھو لیکن نبی کریم سے عرش پر جب کلام ہوا تو ثُمَّ دَنٰى فرما کر مَا زَاغَ الْبَصَرُ کا اعلان کرایا گیا۔ کہ اے محبوب تم مجھ کو دیکھو ۷ موسیٰ علیہ السلام سے جب کلام ہوا یٰمُوسٰى بار بار فرمایا گیا لیکن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام لامکان ہوا تو یا حبیبی فرمایا گیا۔ اب بتاؤ کس کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ دوسرا اعتراض۔ کیا وجہ کہ موسیٰ علیہ السلام صاحبِ کتاب نبی رسول مرسل ہوتے کے باوجود سانپ سے ڈر گئے لیکن ابراہیم علیہ السلام آگ سے نہ ڈرے اور اسماعیل علیہ السلام چھری سے نہ ڈرے حالانکہ یہاں کوئی اندیشہ نہ تھا مگر نار اور چھری سے

ہلاکت کا اندیشہ یقینی تھا۔ جواب۔ اس کا جواب ہم نے تفسیر میں عرض کر دیا کہ یہ ڈر اصلاً سانپ سے نہ تھا بلکہ قربِ حضوری کا رعب و ہیبت تھی جس کا ظہور سانپ پر ہوا۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ یہ سانپ کا بننا اللہ کی طرف سے تھا اس لیے مزید دہشت ہوئی اور چونکہ عجیب الخلقت و عجیب الفطرت تھا اس لیے اس کو قہرِ الٰہی بھی سمجھے۔ اگر کسی جادو وغیرہ یا کافر کی طرف سے ہوتا تو نہ ڈرتے لیکن نارِ ابراہیم نمرود کافر کی طرف سے تھی اس لیے وہ نہ ڈرے اور اسماعیل علیہ السلام کو خواب سنائی گئی اس لیے اُن کی چھری بھی رب تعالیٰ کی طرف سے تھی لہٰذا وہ بھی نہ ڈرے۔ نیز ابراہیم و اسماعیل کا امتحان تھا موسیٰ علیہ السلام کا امتحان نہ تھا۔ ابراہیم علیہ السلام نارِ نمرود کی حقیقت کو جانتے تھے موسیٰ علیہ السلام سانپ کی حقیقت و وجہ کو نہ جانتے تھے سمجھے شاید یہ بھی آدم علیہ السلام کے سانپ کی طرح ہے جس نے اُن کو جنت سے نکال دیا تھا میں اس سے بھاگوں کہیں مجھ پر بھی کوئی عتاب نہ آ جائے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا فَاِذَا ھِیَ حَیَّۃٌ تَسْعٰی دوسری آیت میں فرمایا گیا ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ تیسری آیت میں فرمایا گیا کَاَنَّھَا جَآنٌّ۔ لفظ حَیَّۃٌ اسم جنسی ہے جو مذکر مؤنث۔ چھوٹے، بڑے موٹے۔ پتلے۔ سب پر بولا جا سکتا ہے۔ اس سے حقیقت کی کچھ وضاحت نہیں ہوتی۔ لیکن ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ کا معنیٰ بہت بڑا اژدھا سانپ اور جَآنٌّ کا معنیٰ بہت باریک سانپ اس تضاد کا حل کیا ہے جو ثعبان ہو وہ جان نہیں ہو سکتا اسی طرح اس کا اُلٹ۔ جواب ہر جاندار چیز میں تین چیزیں ہوتی ہیں ۱۔ جنس ۲۔ ذات ۳۔ صفت۔ تو یہاں تین آیتوں میں ان تینوں چیزوں کی وضاحت کی گئی۔ یعنی وہ عصا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زمین پر ڈالا تو جنساً سانپ بن گیا ذاتاً حقیقتاً اژدہا بن گیا مگر صفتاً تیز رفتاری میں وہ باریک پتلے سانپ کی مثل تھا اژدہا تیز نہیں دوڑ سکتا۔ اسی لیے حَیَّۃٌ اور ثُعْبَانٌ میں حرفِ تشبیہ نہ فرمایا گیا مگر جَآنٌّ کہنے میں کَاَنَّھَا فرمایا گیا کہ وہ ذاتاً جان نہ تھا صرف صفتِ دوڑ میں مثل جان یعنی گویا کہ جان (پتلا سانپ) تھا۔

تفسیر صوفیانہ اِنَّ السَّاعَۃَ اٰتِیَۃٌ جس طرح جسمِ انسانی پر انقلاب آتے ہیں کہ کبھی حمل کبھی بچہ کبھی نابالغ کبھی نوجوان کبھی بوڑھا کبھی شیخ فانی کبھی ضعیف۔ اس طرح اے روح تیرے علاقۂ مصرِ ناسوتی پر بھی انقلاب آتے رہتے ہیں کہ کبھی بے عقلی کبھی بے علمی کبھی ظالمیت۔ کبھی طاغوتیت کبھی مظلومیت کبھی نمرودیت کبھی فرعونیت کبھی سَلب کا اندھیرا کبھی ایجاب کا اجالا جب فرعونیت عروج پر پہنچ جاتی ہے تو انقلابِ عظیم کے لیے موسیٰ جلال کو منتخب کر لیا جاتا ہے اور پھر اُس ساعتِ انقلابِ باطنی کو چھپایا نہیں جاتا تاکہ جرمِ حقداری کو اُس کا پورا حق بہ شکلِ بدلہ

دیا جائے اور فرعونی معاشرے کا ظالمانہ بے عدلانا نظام غرق و تباہ کر دیا جائے اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى روحِ ساعت کو مخفی رکھا اور بدنِ ساعت کو آشکارا کیا تاکہ خوف و امید رطب و یابس سکون و دہشت کی دونوں کیفیات باقی رہیں یہ انقلابِ عظیم فکر و ذکر مکاشفہ مراقبہ صلوٰۃ و سجود کے نظامِ سرمدی اور عصاءِ شریعت سے قائم ہوگا۔ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا ۔ اے موسیٰ جلال کہیں ایسا نہ ہو کہ منکر ساعتِ انقلابِ بدنی تجھ کو اعمالِ صالحہ کے انقلاب لانے سے روک نہ دے وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۔ فَتَرْدٰى انقلابِ جسمانی کے منکر وہی حواس خبیثہ جنہوں نے نفس امارہ کی پیروی کی تو ایسے مردودِ بارگاہ کو اپنے پاس نہ پھٹکنے دینا۔ ورنہ نیر اسارا منصوبہ نورانیہ ختم ہو جائے گا۔ مفاد پرست لوگ ہمیشہ دینِ حق کے راہ میں سنگِ گراں بن جاتے ہیں مگر عصاءِ شریعت ان سب چٹانوں کو دھنی تہری سے نگل جاتا ہے وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى اے جلالِ کبریائی کے موسیٰ تو غور فرما کہ کتنی عظیم چیز ہے تیرے دستِ مبارک کے قبضہ و تصرف میں قَالَ هِيَ عَصَايَ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ۔ موسیٰ جلال کی روحِ عرفانی نے صوتِ سرمدی کی نداءِ غیبی سے عرض کیا کہ یہ میری شریعت ہے اسی پر میری دنیا دین کا بھروسہ ہے یہ ہی سہارا ہے سفرِ زندگی میں قوم کے ریوڑ کو اسی سے تنا وڑ کی خوراک آرزوؤں کی غذا اور اعمال و افکار کے پتے مہیا کرتا ہوں۔ بلکہ یہ شریعت تو میری تمام ضروریات دین و دنیا کے لیے کافی و وافی ہے۔ قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى نداءِ غیبی سے ارشاد ہوتا ہے اے روحِ جلال اس شریعتِ الٰہیہ کو علاقہ قلب و عقل کی وادی طویٰ میں نافذ کر دے۔

فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى شریعتِ الٰہیہ اہلِ ایمان کے لیے اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا کا سہارا کبریٰ ہے اور اہلِ شر کے لیے حَيَّةٌ تَسْعٰى ہے۔ اس کے احکام اہل معرفت کے لیے اَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ کی قوت بخش غذائیں ہیں لیکن اہلِ فتنہ کے لیے اژدہا ہے غلبہ اثرات نیز دوڑتا سانپ ہے جو آناً فاناً سارے عالم کو اپنے پیٹ میں لیتا ہے پھر اس کے اثرات کو روکنا اپنے بس کی بات نہیں رہتی۔ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى نداءِ سرمدی نے باطنِ قلبی سے آواز فرمائی اے روحِ جلال اس کی تیزی سے نہ ڈر اس کو قوت یدُ اللّٰہی سے اعمال کے قبضے میں کر لے ہم اس کو پھر تیرے لیے سہارہ بنا دیں گے یہ صرف اہلِ شر و فساد کے لیے اژدھا قہر ہے۔ اہلِ عرفان کے لیے سہارۂ ابدیہ ہے ؎

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ

اور لگالو اپنے دستِ راست کو اپنی بغل کی طرف تو نکلے گا وہ چمکیلا سفید

اور اپنا ہاتھ اپنے بازو سے ملا خوب سفید نکلے گا

مِنْ غَيْرِ سُوءٍ آيَةً أُخْرَىٰ ﴿٢٢﴾ لِنُرِيَكَ مِنْ

بغیر سفید بیماری کے دوسرا معجزہ بن کر۔ تاکہ دکھائیں ہم تم کو کچھ

بے کسی مرض کے ایک اور نشانی۔ کہ ہم تجھے اپنی بڑی

آيَاتِنَا الْكُبْرَىٰ ﴿٢٣﴾ اذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ

اپنی بڑی نشانیاں۔ اب تم جاؤ فرعون کی طرف اِس لیے کہ وہ

بڑی نشانیاں دکھائیں۔ فرعون کے پاس جا اُس نے

طَغَىٰ ﴿٢٤﴾ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ﴿٢٥﴾ وَ

سرکش ہوگیا ہے۔ عرض کی اے میرے رب کشادہ فرما میرے لیے میرے سینے کو، اور

سر اٹھایا۔ عرض کی اے میرے رب میرے لیے میرا سینہ کھول دے۔ اور

يَسِّرْ لِي أَمْرِي ﴿٢٦﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ

آسانی فرما میرے لیے میری تمام تبلیغ میں، اور ختم فرما دے تو لکنت کو

میرے لیے میرا کام آسان کر۔ اور میری زبان کی گرہ

لِّسَانِي ﴿٢٧﴾ يَفْقَهُوا قَوْلِي ﴿٢٨﴾ وَاجْعَل لِّي

میری زبان سے تاکہ سمجھ سکیں وہ فرعونی لوگ میری گفتگو کو اور بنا دے تو میرے لیے

کھول دے۔ کہ میری بات سمجھیں اور میرے لیے میرے

وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ﴿۲۹﴾ هٰرُوْنَ اَخِي ﴿۳۰﴾

ایک وزیر میرے ہی رشتے داروں میں سے۔ ہارون کو جو میرا بھائی ہے۔

گھر والوں میں سے ایک وزیر کر دے۔ وہ کون میرا بھائی ہے۔

اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ﴿۳۱﴾

پس دعا میں تو اس کے ذریعے میری پیٹھ کو

اس سے میری کمر مضبوط کر

تعلقات ان آیات کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق موسیٰ علیہ السلام کو اولاً دربارِ فرعونی میں اعلانِ نبوت کرنے کے لیے دو معجزے عطا فرمائے گئے تھے پچھلی آیت میں ایک معجزے عصا کا ذکر ہوا۔ اب ان آیات میں دوسرے معجزے یدِ بیضا کا ذکر ہو رہا ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں موسیٰ علیہ السلام کی اس حاضری کا ذکر ہوا جو دربارِ الٰہیہ میں تھی۔ اب ان آیات میں حضرت موسیٰ کو دربارِ فرعونی میں بھیجنے کا ذکر ہو رہا ہے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں ان چیزوں کا ذکر ہوا جو رب تعالیٰ نے خود موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائیں اب ان آیات میں ان چیزوں کا ذکر ہے جو موسیٰ علیہ السلام نے خود رب تعالیٰ سے طلب کیں۔

تفسیر نحوی وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى۔ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ۔ واؤ بر جملہ (ابتدائیہ) اُضْمُمْ باب نَصَرَ کا فعل امر حاضر معروف مذکر اس کا مصدری مادۂ اشتقاق ہے ضَمٌّ۔ ہفت اقسام میں سے مضاعف ثلاثی ہے بمعنی ملانا۔ جوڑنا لگانا۔ عربی میں ایک پیش کو ضمہ اسی معنیٰ میں کہا گیا ہے کہ زبر کا ایک حصہ کنارہ ٹیڑھا ہو کر دوسرے سے ملا ہوتا ہے۔ یعنی شکل کے اعتبار سے پیش ضمہ کہا گیا اور مقامی اعتبار سے رفع کہا گیا۔ اَنْتَ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع حضرت موسیٰ یَدَكَ یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے اِلٰى حرف انتہاءِ غایت کے لیے جَنَاح اسم مفرد جامد ہے جُنْحٌ سے صیغہ صفت بروزن فعالٌ سے بنا کر ایک عضو کا نام صفاتی رکھ دیا گیا اس لیے جامد ہو گیا جُنْحٌ کے معنیٰ ہے قوت طاقت۔ روحانی طاقت کے لیے

جِناح جیم کے زیر سے کہا جاتا ہے اور نفسانی طاقت کے لیے جُناح جیم کے رفع سے ہے۔ اسی لیے گناہ کو جناح کہا جاتا ہے کہ نفسانی طاقت بندے کو شیطان کی طرف جھکا دیتی ہے۔ اور جسمانی قوت کے لیے جناح (جیم کے زیر سے) اور چونکہ جسم میں سب سے زیادہ قوت والا عضو ہاتھ اور بازو ہے۔ اور پرندے کے اڑانے والے پر ہیں اس لیے ان کو جَناح کہا جاتا ہے۔ اس کا تثنیہ ہے جَناحَین اور جمع مکسر اَجنحہ یہاں واحد ہی مراد ہے ترجمہ بازو۔ بغل اور پہلو۔ کَ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے وَاضْمُمْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر حکمی معنوی شرط تَخْرُجْ بابِ نَصَرَ کا مضارع مجزوم واحد مؤنث غائب۔ چونکہ جواب امر یعنی جزاءِ شرط ہے اس لیے مجزوم ہی پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل مرجع یَدَکَ ہے اس مذکر کے لیے صیغہ مؤنث آیا کیونکہ غیر ذوی العقول ہے ھِیَ پوشیدہ ذوالحال بَیْضَاءَ اسم صفت واحد مؤنث اس کا مذکر لفظی اَبْیَضَ ہے۔ بروزن قبلا رقبلہ۔ بیضاءَ میں آخری ہمزہ دراصل تاءِ تانیث تھی (ابیضاۃٌ) تخفیف کے لیے ہمزہ بنائی گئی۔ مِن جارّہ زائدہ غَیْرِ اسم مفرد صفتی جامد ہے یہ قرآن مجید میں تقریبًا ایک سو تیرہ ۱۱۳ جگہ آیا ہے اور چار معنیٰ میں استعمال ہوا ہے ۱۔ صرف نفی کے لیے یہاں اسی معنیٰ میں ہے ۲۔ اِلَّا کی طرح صرف استثنا کے لیے ۳۔ صفاتی و شکلی تبدیلی کے لیے ۴۔ حقیقی تبدیلی کے لیے (بمعنیٰ خلاف) مضاف ہے سُوْءٍ اسم مفرد نکرہ جامد بمعنیٰ برائی مراد ہے بیماری۔ سُوْءٌ مصدر سے بنا کر حاصل مصدر جامد کیا گیا ہے۔ لغوی ترجمہ ہے برا ہونا۔ لفظِ سُوْءٍ تمام مختلف بری چیزوں کا صفاتی نام ہے قرآن مجید میں یہ تقریبًا بیالیس جگہ مختلف گیارہ معنیٰ کے لیے ارشاد ہوا ہے ۱۔ بیماری یہاں اسی معنیٰ میں ہے ۲۔ بمعنیٰ سخت شدید ۳۔ ایذارسانی کے لیے ۴۔ بدکاری ۵۔ گناہ و کفر کے معنیٰ میں ۶۔ بمعنیٰ فحش کلامی (گالی گلوچ وغیرہ) ۷۔ برے نقصان دہ کام کے لیے ۸۔ فعلِ زِم بئس کے معنیٰ میں ۹۔ بمعنیٰ تباہی بربادی ۱۰۔ بمعنیٰ شکست ۱۱۔ بمعنیٰ اُخروی عذاب۔ یہ مضاف الیہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے بَیْضَاءَ کا یہ جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے پوشیدہ ضمیر فاعل کا دونوں حال ذوالحال مل کر ممیز ہوا آیۃً اُخریٰ مرکب توصیفی تمیز ہے اس نے یَدَکَ سے ابہامِ نفسی باطنی کو دور کیا۔ تَخْرُجْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جواب امر ہوا۔ (معنوی جزا) لام تعلیلیہ کے ناصبہ نُرِیَ مضارع منصوب جمع متکلم فاعل نَحْنُ پوشیدہ کَ ضمیر بارز مفعول بہ۔ مِن حرف جر بعضیت کا۔ اٰیٰتِنَا مرکب اضافی مراد ہے قدرتِ الٰہیہ کی نشانیاں اور نبوت کے معجزات اَلْکُبْریٰ اسم تفضیل مؤنث اس کا مذکر اکبر ہے یہ صفت ہے اٰیٰتِنَا موصوف کی دونوں مل کر مجرور متعلق

ہے ذِکْرِیْ سے فعل سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر علت ہوئی وَاضْمُمْ کی اُضْمُمْ فعل سب سے مل کر
جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔ اِذْهَبْ۔ باب فتح کا امر حاضر معروف واحد مذکر ذَهَبٌ سے مشتق ہے
بمعنی جانا۔ اِلٰی حرفِ جر اپنے انتہائیہ معنی میں فرعون۔ اسم مفرد عجمی مصری و غیر منصرف ہے کیونکہ
عجمی اور علم ہے لقب ہوا کرتا تھا اُس زمانے میں مصری بادشاہوں کا قرآن مجید میں صرف ایک اسی
فرعون کا ذکر آتا ہے یہ لقب ہے مگر قائم مقام عَلَمِ ذاتی ہو گیا۔ اس کا نام رعمیس تھا اس کا
پورا تفصیلی بیان تفسیر عالمانہ میں ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔ یہ لفظ فَارَاعُوْہٗ سے بدل کر فرعون ہوا
ہے۔ فارًا کا معنی شاہی محل اور عوہ کا معنی بلند مقام آخری ہ کو نؔ تامّہ زائدہ سے بدل کر
لقب شاہی بنا دیا مراد ہے شاہی محل میں رہنے والا یہ جار مجرور متعلق ہے اِذْهَبْ کا اِنَّ
حرف مشبہ اس کا اسم منصوب طَغٰی۔ باب ضرب کا فعل ماضی مطلق واحد مذکر غائب طَغْیٌ سے بنا
ہے بمعنی سرکش نافرمان مغرور ہونا۔ حد سے آگے بڑھنا سیلاب کو طغیانی اسی معنی میں کہتے ہیں ہُوَ ضمیر
پوشیدہ اس کا فاعل ہے جس کا مرجع فرعون ہے یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی وہ اپنے
اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر علت غائی ہے اِذْهَبْ کی سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا
قَالَ فعل با فاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر قول ہوا قال کے فاعل ھُوَ پوشیدہ کا مرجع حضرت موسیٰ ہیں
رَبِّ۔ دراصل رَبِّیْ تھا یہاں حرفِ ندا معنًا پوشیدہ ہے ترجمہ ہے اے میرے رب اِشْرَحْ باب
فتح کا امر حاضر واحد مذکر خطاب مولیٰ تعالیٰ سے ہے شَرْحٌ سے مشتق ہے بمعنی کشادہ کرنا
وسیع کرنا متعدی ہے لام جارّہ نفع کا یاءِ متکلم مضاف الیہ یہ جار مجرور متعلق ہے اِشْرَحْ کا صدر
اسم مفرد جامد حاصل مصدر۔ اس کا جمع مکسر ہے صُدُوْر صدر بمعنی سینہ جو خزانۂ قدرت کا
عظیم الشان مخزن ہے اس کی پوری تفصیل تفسیر عالمانہ میں بیان ہو گی انشاء اللہ تعالیٰ منف
ہے لغوی ترجمہ ہے صادر ہونا پہنکر نکلنا اسی سے ہے مصدر کیونکہ مشتقات اسی سے بن کر
نکلتے ہیں۔ یاءِ متکلم مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مفعول بہٖ ہے اِشْرَحْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ
ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ یَسِّرْ۔ باب تفعیل کا امر واحد مذکر اس کا مصدر ہے تَیْسِیْر یُسْرٌ
سے بنا ہے بمعنی آسان کرنا۔ یُسْرٌ لازم ہے بمعنی آسان ہونا تفعیل میں آ کر متعدی ہوا۔ لِیْ جار
مجرور متعلق اَمْرِیْ مرکب اضافی اس کا مفعول بہٖ ترجمہ ہے میرے تبلیغی کام جملہ فعلیہ انشائیہ ہو
کر پھر آگے معطوف علیہ۔ یہ عطف معطوف آیت ۲۵ سے ۳۲ پھر ۳۵ تک ہے۔ وَاحْلُلْ
عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ هٰرُوْنَ اَخِی اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِیْ۔

واؤ عاطفہ اُحْلُلْ۔ بابِ نَصَرَ کا فعل امر حاضر معروف واحد مذکر حَلّ مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے بمعنی درست کرنا۔ کھولنا اسی سے ہے حلال حرام کا مقابل کیونکہ وہ بھی درست ہو جاتی ہے۔ اَنْتَ پوشیدہ اِس کا فاعل ہے عُقْدَۃً۔ اسم صفۃ مشبّہ بروزنِ فُعْلَۃٌ ظُلْمَۃٌ وغیرہ عَقْدٌ سے مشتق ہے بمعنی گرہ ڈالنا کسی معاملے کو منعقد کرنا یہاں جامد ہے یعنی گرہ دگانٹھ مراد ہے لکنت زبان کی مفعول بہ ہے مِنْ جارّہ بیانیہ بمعنی سے لِسَان اسم مفرد جامد اس کی جمع مکسر ہے اَلْسِنَۃٌ۔ مراد ہے جسمانی زبان اور اس کی گفتگو۔ یَ ضمیر متکلم مضاف الیہ یہ مرکب مجرور متعلق ہے۔ یَفْقَھُوْا۔ فعل مضارع جمع مذکر غائب بحالتِ جزم ہے امر کا جواب ہونے کی وجہ سے فِقْہٌ سے مشتق ہے اصل یَفْقَھُوْنَ تھا یہ آخری الف نون کی جگہ بھرنے کے لیے لگایا جاتا ہے ھُمْ ضمیر پوشیدہ فاعل ہے مرجع فرعونی لوگ ہیں قَوْلِیْ مرکب اضافی ترجمہ ہے میری بات میرا کلام مفعول بہ ہے یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر علتِ غائی جوابِ امر ہوئی اُحْلُلْ کی وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ اِجْعَلْ بابِ فَتَحَ کا امر حاضر معروف اِشْرَحْ فعل اَمر سے آیت ۳۲ کے اَشْرِکْ تک تمام فعل امر کا فاعل خطابی اَنْتَ ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ربّ اہے لِیْ جار مجرور متعلق ہے وَزِیْرًا۔ اسم صفت مشبّہ بابِ کَرُمَ سے ہے وِزْرٌ سے مشتق ہے بمعنی بوجھ اُٹھانا اگر جامد ہو تو یعنی بوجھ وزیر کا ترجمہ ہے بوجھ اٹھانے والے مراد ہے حکومت سلطنت اور شاہی ذمہ داریاں کا بوجھ اٹھانے والا۔ مُبدَل مِنْہ ہے۔ ھٰرُوْنَ اسم غیر منصرف کیونکہ عجمی عَلَم ہے بحالتِ نصب ہے کیونکہ یہ بُدلُ الکل ہے وزیرًا کا ایک قول میں یہ بَدَلْ ہے مِنْ اَھْلِیْ کا تب یہ مجرور ہے اَخِیْ مرکب اضافی ترجمہ ہے میرا بھائی یہ عطف بیان ہے ھٰرُوْنَ کا اگرچہ یہ لفظ ھٰرون سے زیادہ مشہور نہیں اور عطف بیان کی نحوی شرط نہیں لیکن چونکہ یہ عرض و معروض رب تعالیٰ سے ہے اس لیے یہاں اِس شرط کی ضرورت نہیں بعض نے اس کو بدل بنایا ہے مگر یہ اس لیے غلط ہے کہ یہ اصل مقصود نہیں یہ تو صرف وضاحتی تعارف کے لیے ہے جب کہ بدل اصل مقصود ہوتا ہے۔ ھٰرُوْنَ اپنے عطف بیان سے مل کر بدل ہوا۔ وزیرًا اپنے بدل سے مل کر مفعول بہ ہوا مِنْ حرفِ جر تبعیضیہ اَھْلِ اسم مفرد لفظًا واحد اور معنًا جمع مراد ہیں تمام رشتے دار یہ مرکبِ اضافی مجرور متعلق دوم ہے اِجْعَلْ کا اُشْدُدْ۔ بابِ نَصَرَ کا امر حاضر واحد مذکر حاضر اَنْتَ فاعلِ شَدٌّ سے مشتق ہے بمعنی سخت کرنا مضبوط کرنا یہ متعدی ہے بِ سببیہ ہ ضمیر کا مرجع وزیرًا ہے اَزْرِ۔ اسم مفرد جامد مضاف بمعنی ریڑھ کی ہڈی یہاں مراد ہے پوری پشت

خیال رہے کہ ریڑھ کے جس طرح پشت سے تعلق ہیں اس ہی اعتبار سے عربی میں اُس کے صفاتی نام ہیں ۱ نیچے کا حصہ (کمر) صَفْقَۃٌ ۲ ڈھانچہ (پنجر ھڈی) حاذٌ ۳ کمر سے اوپر کا حصہ (پیٹھ) ظہر ۴ جوان صحت مند صُلبٌ ۵ صرف ریڑھ کی ہڈی سِیْسَاءٌ ۶ مع پسلیوں کے فَقَارَۃٌ ۷ استعمال کی جانبوال پوری پشت اَزْرٌ. یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے اُشْدُدْ فعل اپنے پوشیدہ فاعل حاضر مذکر اور متعلق مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر علت یا سبب ہوا اجْعَلْ کا. وہ سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف ہوا ماقبل فعل امر اِشْرَحْ پر. ابھی عطف آگے تک ہے اس لیے جملہ مکمل نہیں ہوا۔

تفسیر عالمانہ

وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ آيَةً أُخْرَىٰ لِنُرِيَكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرَى اذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي اور اے کلیم اللہ اس عصا کے معجزے کو جاننے سمجھنے پا لینے کے بعد دوسرا معجزہ یہ دیا جاتا ہے کہ اپنے اسی دست یمین کو اپنی دوسری یعنی یسار (بائیں) بازو کے نیچے بغل کے ساتھ چھپالو اور پھر تین ساعت تین منٹ بقدر تین بار سُبحان اللہ کہنے کے بغل کے اندر رکھ کر پھر نکالو تو وہ بہت زیادہ چمک دار شعائیں بکھیرتا ہوا نکلیگا۔ یہ چمک کسی بیماری وغیرہ کی سفیدی جیسی نہ ہوگی۔ بلکہ تیز شعاعوں جیسی ہوگی یہ اللہ کی طرف سے دوسری نشانی قدرت معجزۂ نبوت ہوگا یہ دونوں معجزے تو وہ ہیں جو تم نے منکرین و کافرین کو دکھانے ہیں۔ لیکن ہم نے یہ معجزے اور وادی طور کا کلام اس لیے سنایا ہے تاکہ ہم اے موسیٰ کلیم تم کو اپنی وہ نشانیاں دکھائیں جو بہت ہی بڑی ہیں جو بعد میں تم کو معجزہ بنا کر دی جائنگی اور تم کو یہ معجزات قوت طاقت اختیار اس لیے دیا جا رہا ہے کہ جاؤ مردود و مغرور مفسد و معذور فرعون کی طرف بے شک وہ حد سے باہر سرکش و ظالم ہو چکا ہے بیضاء کا معنی سورج کی طرح خوب صورت سفید شعاعیں مارتا۔ غَیْرِ سُوْءٍ نہ بیماری نہ برص نہ کوڑھ نہ درد نہ تکلیف نہ جلن طریقہ و اضمام یہ تھا کہ آپ گریبان کے راستے بائیں بغل میں دایاں ہاتھ لے جاتے تھے نہ کہ نیچے دامن کے راستے سے۔ ید بیضا کا معجزہ اس لیے دیا کہ عصا میں جادوگری کی تہمت لگ سکتی تھی اور لگائی گئی مگر ید بیضا جادو سے نہ بنایا جا سکتا تھا اور مقابلے میں ایسا ہی ہوا کہ جادوگروں نے سانپ تو بنا دیئے مگر ید بیضا کوئی نہ بنا سکا۔ بعض نے کہا کہ ید بیضا عصا سے بڑا معجزہ ہے مگر یہ غلط ہے۔ کیونکہ ید بیضا میں ایک جگہ صرف رنگ بدلا لیکن عصا

میں پانچ تبدیلیاں ۱ خِلقت ۲ صفت ۳ رنگ ۴ عادت اور ۵ کلیتہً تبدیلی ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے اس دشوار گزار کٹھن مشکل تبلیغ کا اندازہ و احساس کرتے ہوئے اپنی ذاتی جسمانی قوت و حوصلے کے لیے بارگاہ قدس میں درخواست عرض کی کہ اے مولیٰ تو نے اپنے ذاتی کرم سے مجھ کو یہ دو معجزے عطا فرمائے لیکن اے رب کریم تو میرے وجودِ جسمانی قلبِ روحانی قوتِ بیانی کو بھی اپنی قدرتوں سے نواز دے اور مجھ کو چھ نعمتیں عطا فرما۔ پہلی یہ کہ میرے سینے کو کھول دے کشادہ فرما۔ اور اپنے نور جلال کی ہمت و جرأت و رعب عطا فرما کہ سینے میں قلب، قلب میں سکون، سکون میں اطمینان۔ اطمینان میں کشادگی کشادگی میں وسعت وسعت میں تبلیغ۔ تبلیغ میں قوتِ افہام اور اداءِ حق میں ایسی جرأت قبولیت و طریقۂ ادا عطا فرما کہ اگر مشکلات و مصائب کے پہاڑ بھی آ جائیں راہِ عمل میں خار دار و دہاں جھاڑیاں بھی ہوں خوف و دہشت کے بادل گرجیں آلام کی بجلیاں کڑکیں۔ تب بھی طبیعت میں تنگی جگر میں خوف ہمت میں بار عقل میں ہار نہ محسوس کروں۔ انشراح صدر کی ایسی دولت عطا فرما کہ رکاوٹ مجھے روک نہ سکے محققین فرماتے ہیں کہ انشراح صدر سے سات نعمتیں حاصل ہوتی ہیں ۱ انفاقِ ربانی ۲ فصاحتِ لسانی ۳ جرأتِ ایمانی ۴ استقلالِ اعمالی۔ ۵ عبادتِ جسمانی ۶ تزکیۂ روحانی۔ ۷ تجلیاتِ نورانی۔ قرآن مجید میں دس چیزوں کو نور فرمایا گیا ۱ اللہ تعالیٰ کو۔ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۲ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ ۳ قرآنِ مجید کو وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۴ ایمان کو یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ ۵ اللہ تعالیٰ کے عدل کو وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا ۶ چاند کو وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِیْهِنَّ نُوْرًا ۷ دن کو وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۸ بینات کو فِیْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۹ انبیاء علیہم السلام کو نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ۱۰ صفاتِ باری تعالیٰ کو مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ (تفسیر کبیر) شرح صدر کی پانچ علامتیں ۱ نہ غصہ آئے نہ اضطراب پیدا ہو ۲ قلبی وسعت ہو ۳ دار الغرور سے دور دار الخلوت سے قریب ۴ نزولِ موت سے پہلے اس کی تیاری ہوتی ہے ۵ شرح صدر روحانی نور ہے اور شمسِ آسمانی جسمانی نور ہے نورِ آفتاب کو آٹھ طرح کمزوری ہے ۱ بادل سے ختم ۲ گرہن سے ختم ۳ رات میں ختم ۴ قیامت میں ختم ۵ سورج ڈھلتا ہے ۶ سورج کے فائدے صرف زمین پر ۷ سورج آسمان پر مگر اس کی زینت صرف زمین میں ۸ صرف اجسام کو چمکاتا ہے مگر شرح صدر کا نور۔ سینے

میں اُس کا نور ساری کائنات میں موسیٰ علیہ السّلام کو شرحِ صدر کی نعمت طور کی دعا سے ملی مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نعمت معراج کی نقل سے ملی۔ بعض نے کہا یہ دعا سات دن بعد مانگی مگر صحیح یہ ہے کہ وہیں اسی رات وادیِ طویٰ مقدس میں مانگی۔ موسیٰ علیہ السّلام نے سب سے پہلے شرحِ صدر کی دعا اکتیس وجوہ سے مانگی پہلی وجہ۔ کیونکہ سینے میں دل مکین ہے اور دل میں نو نعمتوں کے نو خانے ہیں ۱ حیات ۲ شفا ۳ طہارت ۴ ہدایت ۵ کن یت ۶ سکینہ ۷ محبت ۸ زینت ۹ اطمینان یہ نعمتیں شرحِ صدر کے نور سے پیدا ہوتی ہیں اگر یہ نہ ہو تو بندہ کفر و کفران کی طرف مائل ہوتا ہے اور اُس کے اِن نو قلبی خانوں میں نو ظلمتیں پیدا ہوتی ہیں ۱ کھوٹ ۲ انحراف ۳ ٹیڑھ ۴ مرض ۵ قساوت ۶ مہر (ختم اللہ) ۷ رجس ۸ غلاف ۹ قفل۔ دوسری وجہ۔ طور پر انوار ازلیہ کی دہشت سے آنکھیں خیرہ اور متحیر ہوئیں تب عرض کیا رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ سوم طور پر حکم ملا اَقِمِ الصَّلٰوةَ نماز عبادت ہے اور دعا مخِ عبادت ہے اس لیے ابتداءِ عبادت وہیں پر دعا سے عرض کی چہارم عصمت نبوت کا انعام ہے اور اُس کی کثرت شرحِ صدر ہے۔ پنجم یہ کہ موسیٰ علیہ السّلام کو رب نے تین کاموں کیلئے چنا ۱ کلیمی کے لیے ۲ فرعون کی ہلاکت کے لیے ۳ اپنی پہلی کتاب اور دین کے لیے اور ان کے لیے شرحِ صدر کی کثرت ضروری ششم اس لیے کہ حضرت موسیٰ کو بشارت اَنَا اخْتَرْتُكَ ملی اس کے شکریئے میں عرض کیا رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ہفتم اس لئے کہ قلبِ موسیٰ سے خوفِ دنیا دور کیا گیا ہشتم اس لیے کہ معرفت کا انعام ملا نہم اس لیے کہ جب فرمایا گیا اصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ تب عرض کیا اداءِ حقِ خدمت کے لیے میرا سینہ کھول دے دہم اس لیے کہ جب قربِ الٰہی کا مژدہ سنایا گیا تب یہ عرض کیا یازدہم اس لیے کہ جب اِذْهَبْ کا حکم ملا تب عرض کیا۔ بارھویں وجہ یہ کہ طبعِ دیوی سے منہ پھیرنے اور طبعِ اُخروی کے حصول کیئر کے لیے یہ دعا مانگی۔ تیرھویں وجہ۔ معرفت کی روشنی شرحِ صدر کے ذریعے سے ملتی ہے اس لیے یہ دعا مانگی چودھویں وجہ۔ عقل کی نظر کمزور ہے اشیا کی حقیقت نہیں دیکھ سکتی اشیا کی حقیقت کا جان لینا علمِ غیب ہے اس کے لیے دعا مانگی اور شرحِ صدر کی یہ ضیا طلب کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ایک دعا منقول ہے کہ اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْاَشْيَاءَ كَمَا هِيَ۔ پندرھویں وجہ قلب میں انوارِ الٰہیہ شرحِ صدر سے آتے ہیں۔ شرحِ صدر مقدمۂ ورودِ انوار ہے ورنہ سماعت کی قوت کا مرکز ہے فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى سے مقدمۂ سماعت مل گیا تھا اس لیے مقدمۂ دوم ورودِ انوار کی دعا کی۔ سولہویں وجہ دعا کی دو صفتیں ہوتی ہیں کہ اوّلاً بندہ رب کا ہو جائے

پھر رب تعالیٰ بندے کا ہو جائے۔ اِنِّیۡۤ اَنَا اللّٰہُ سن کر دوسری صفت کی بشارت مل گئی تب پہلی صفت بندگی کے لیے دعا کی ستارہویں وجہ یہ کہ بندے کی پہلی خوش بختی یہ ہے کہ رب اُس کے قریب ہو دوم یہ ہے کہ بندے کو قریب کیا جائے قَرَّبۡنٰہُ نَجِیًّا (مریم آیت ۵۲) کی خوش بختی حاصل ہو گئی تب عرض کیا کہ مولیٰ تو بھی میرے قریب ہو جا۔ جس کے لیے سینے کی کشادگی ضروری قربۃ کا مقصد پورا کیا کہ مولیٰ میں مناجات میں مشغول ہوں اور میری مناجات یہ ہے کہ رَبِّ اشۡرَحۡ لِیۡ صَدۡرِیۡ کشادہ سینوں میں ہی نزولِ اجلال ہوتا ہے۔ اٹھارہویں وجہ یہ کہ معرفت ہی نبوت کا اعلیٰ نشان ہے اس کو مکمل کرنے کے لیے یہ دعا مانگی۔ انیسویں وجہ یہ کہ شمسِ معرفت انبیاء کے وسیلے سے اولیا کے سینوں پر طلوع ہوتا ہے اس لیے شمسِ معرفت کے طلوعِ دائمی کے لیے یہ دعا مانگی بیسویں وجہ یہ کہ جہاں چراغِ دینوی جلتا ہو وہاں چور نہیں آسکتا اور جہاں شمسِ معرفت کا سورج طلوع ہو وہاں شیطان نہیں آسکتا اس لیے ابلیس لعین کو دور کرنے کے لیے یہ دعا مانگی۔ اکیسویں وجہ۔ شرح صدر سے ہی نورِ نبوت کا ظہور اور خزانۂ علوم کا ورود ہوتا ہے اس لیے یہ دعا مانگی۔ بائیسویں وجہ یہ کہ شرح صدر سے تقوے کی دولت ملتی ہے تقوے کی تین اقسام ۱ قلبی تقویٰ محبت و تعظیم کا ۲ عقلی تقویٰ خوف و خشیت کا ۳ حسی تقویٰ عتاب سے بچنے کا یہ سینے کے خزانے ہیں اس لیے کشادگی ضروری لہٰذا عرض کی رَبِّ اشۡرَحۡ لِیۡ صَدۡرِیۡ تیئسویں وجہ یہ کہ قربِ تجلیات کی ہدایت کے لیے ہدایت کے لیے یہ دعا مانگی چوبیسویں وجہ یہ کہ کتابتِ ایمانی کے لیے یہ دعا عرض کی کیونکہ ارشادِ ربانی ہے کَتَبَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمُ الۡاِیۡمَانَ پچیسویں وجہ یہ کہ قلب پر نزولِ سکینہ کے لیے یہ دعا مانگی۔ چھبیسویں وجہ یہ کہ شرح صدر سے ذکر اللہ اور ذکر اللہ سے اطمینان کی نعمت حاصل ہوتی ہے اس لیے یہ دعا مانگی۔ ستائیسویں وجہ یہ کہ شرح صدر سے علوم کا حصول اور علوم سے زندیق و صدیق کا پتہ چلتا ہے کثافتِ کفر، عیوبِ دنیا و صفاتِ قبیحہ سے نفرت ایمان کی علامت ہے نفرت بغیر علم نہیں اور علم بغیر شرح صدر نہیں۔ اس لیے یہ دعا مانگی۔ اٹھائیسویں وجہ یہ کہ شرح صدر سے تین خصلتیں حاصل ہوتی ہیں قوتِ واجبہ کا فیضان۔ جمالِ حق سے اُنسیت و محبت۔ تمائشِ دنیا و مخلوقِ دنیا سے دہشت و نفرت انتیسویں وجہ۔ شرح صدر سے قلب کے تمام حجابات ختم ہو جاتے ہیں اس لیے یہ دعا مانگی۔ تیسویں وجہ یہ کہ شرحِ صدر سے درجات کا ادراک ہوتا ہے۔ اکتیسویں وجہ یہ کہ انوارِ جلال کا نظارہ کشفِ صدر سے اور کشفِ صدر شرح سے ہوتا ہے۔ اس لیے یہ دعا مانگی (تفسیر کبیر رازی) اے میرے رب

جَلَّ وَعَلیٰ، اس قوت شرح صدر کے باوجود میں بذاتِ خود اپنے پر کسی امر میں بھروسہ نہیں کرتا نہ
کوئی چیز میرے اپنے عمل سے آسان ہو سکتی ہے اے ربِ جلیل تو ہی آسانیوں کا پروردگار
ہے مجھے دوسری نعمت یہ عطا فرما کہ وَیَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ۔ میرے ہر عمل ہر معاملے ہر منزل سفر حضر کام کلام
کو آسان فرما دے اور میرے کریم مجھ کو تیسری نعمت یہ عطا فرما کہ بچپن سے جو لکنت میری زبان
میں پڑ گئی وہ گرہ کھولدے اور گفتگو کی یہ رکاوٹ و جھنجھلاہٹ دور فرما دے تاکہ وہ فرعون کفار
میری بات کو اچھی طرح جلدی سمجھ لیں نہ مذاق اڑائیں نا کوئی نا سمجھی کا بہانہ بنا سکیں۔ یَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ
کا معنیٰ یہ ہے کہ میرے امور کی خلقت آسان فرما مشکل امور پیدا ہی نہ ہوں جو امور آئیں وہ
مجھ پر بااحسن طریق آسان ہوتے چلے جائیں۔ فرعون کو اپنی دو چیزوں پر بہت ناز تھا اور
ان دونوں کی وجہ سے وہ مغرور سرکش ظالم اور خدائی کا دعویدار ہو گیا تھا ایک اس کی مصر شہر
کی سلطانی قوت دوم اس کی صحت سج دھج فیشن خوب صورتی اور مال دولت ان ہی دونوں
چیزوں کی وجہ سے شہری عوام اس کے رعب میں تھے اور خدا مانتے تھے ان دونوں کو توڑنے
کے لیے یہ دو معجزے عطا کئے کہ سانپ کا معجزہ اس کی قوتِ جلال کو توڑنے کے لیے اور
ید بیضا کا معجزہ اس کی قوتِ جمال کو توڑنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ کے حلم نے تین سو سال فرعون کو
مہلت دی حالانکہ جو اللہ تعالیٰ پوری زمین کے کافر بادشاہ نمرود کو ایک مچھر سے ہلاک کر سکتا
ہے وہ اس کو اس سے بھی کم تر چیز سے ہلاک کر سکتا تھا مگر ڈھیل دی اور اب بھی بندہ بننے
کی دعوت و نصیحت کے لیے کلیم اللہ کو بھیجا جا رہا ہے۔ طغیٰ کا معنیٰ فاسق۔ نافرمان مغرور کافر
حد سے بڑھنے والا وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ یہ تیسری دعا تھی عقدۃً سے
وہ لکنت مراد ہے جو بچپن میں بعمر ڈھائی سال منہ میں انگارہ رکھنے کی وجہ سے زبان زخمی ہو
گئی تھی علاج معالجہ سے ٹھیک تو ہو گئی مگر لکنت لگ گئی اس کا واقعہ اس طرح ہے کہ فرعون ایک
دفعہ حضرت موسیٰ کو گود میں لیے بیٹھا تھا کہ اچانک موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ایک ننھے ہاتھ سے
اس کی داڑھی پکڑی اور دوسرے ہاتھ سے اس کو چپت مارا اس اچانک معجزاتی ہاتھ لگنے سے وہ
بھنا گیا اس کو سخت تعجب ہوا کہ اتنے سے بچہ نے ایسا چپت مارا فوراً سمجھ گیا کہ یہ وہی بچہ
تو نہیں جس کی پیشگوئی نجومیوں نے کی تھی ارادۂ قتل کیا تو اس کی بیوی آسیہ بنت مزاحم نے کہا
کہ نہیں ایسا نہیں یہ تو بچگانہ حرکت ہے اس کی عقل کا امتحان لے تو تب فرعون نے دو تھال
منگوائے ایک میں چمکتا سنہرا یاقوت اور دوسرے میں دھکتا شعلے مارتا انگارہ اور دونوں زمین

پر موسیٰ علیہ السلام کے سامنے رکھدئے موسیٰ گھٹنوں کے بل چلتے ہوئے پہلے یاقوت کی طرف پھر رخ موڑ کر انگارے کی طرف چل پڑے اور جھٹ اٹھا کر بچوں کی طرح منہ میں رکھ لیا اور ساتھ ہی بلبلا کر رو ئے تب فرعون نے جلدی سے اٹھالیا اور پیار کیا زبان کا علاج کرایا صحیح یہ ہے کہ ہاتھ نہ جلا کیونکہ وہ معجزہ تھا۔ بعض نے کہا کہ ہاتھ بھی جل گیا تھا اس کا بھی علاج کرایا مگر وہ جوانی تک ٹھیک نہ ہوا اور ید بیضا بننے کے وقت اللہ کی قدرت سے ٹھیک ہوا مگر یہ قول غلط ہے اس کا کہیں ذکر نہیں معجزہ تھا اس لیے نہ جلا۔ اس کے معجزہ ہونے کے پانچ دلائل پہلی یہ کہ اسی ہاتھ میں سے عصاؑ سانپ بنتا تھا کہ دوسرے سے دوم یہ کہ بچپن میں چپت اتنی زور سے پڑا کہ فرعون جیسا شہزور بھنا گیا چکرا گیا سوم یہ کہ اسی ہاتھ نے قبطی کو قتل کر دیا حالانکہ آپ ... سال کے تھے۔ اور قبطی جوان مضبوط۔ چہارم یہ کہ ید بیضا اسی کو بنایا گیا پنجم یہ کہ جب سے نبوت ہوتی ہے اُسی وقت معجزے مل جاتے ہیں اگرچہ نبوت کا ایک طرح اظہار نہیں کیا جاتا۔ واللہ اعلم۔ ایک قول ہے کہ آپ نے تین سالہ عمر میں فرعون کو ڈنڈا مارا تھا مگر پہلا قول صحیح ہے۔ بعض نے کہا کہ گود میں تھے کہ فرعون کے سر سے تاج اتار کر اپنے سر پر رکھ لیا تھا۔ ایک اردو خوان اُردو مفسر صاحب نے بالکل ہی اس واقعہ کا انکار کیا ان کی عقل اس معجزہ کو معجزہ ماننے پر تیار نہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہاتھ نہ جلے اور ہاتھ جلے تو زبان تک لے جانے کی نوبت ہی نہیں آسکتی۔ میں کہتا ہوں کہ یہ تو ان کی عقل ہے ورنہ یَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَّسَلٰمًا یہاں دستِ موسیٰ پر بھی ہو سکتا ہے۔ بہر حال سچائی یہی ہے کہ انگارہ اٹھایا گیا مگر ہاتھ قطعاً نہ جلا کیونکہ وہ ابد سے معجزہ تھا۔ یہ کہنا کہ عقدۃً سے مراد ہے فن تقریر نہ آنا حضرت موسیٰ کو تقریر کرنا محفل میں بولنا نہ آتا تھا یہ غلط ہے کیونکہ نہ تو لمبا چوڑا وعظ کرانا تھا نہ لچھے دار تقریر کرانی تھی کہ خطابت کے جوہر دکھائے جاتے۔ مقصد مولیٰ تو صرف تبلیغ احکام کی چند باتیں کرنا تھیں نیز لکنت فصاحت کے لیے رکاوٹ نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام باوجود لکنت کے نہایت فصیح و بلیغ تھے طور کی جوابی گفتگو کی چاشنی ہی بتا رہی ہے اور ان دعاؤں کا تلفظ کتنا بلیغ و فصیح ہے۔ جو رب تعالیٰ کے حضور ایسا وعظ کر سکتا ہے اسے فرعون و دربارِ فرعون سے کیسی گھبراہٹ۔ یہ دعا اس لیے مانگی کہ انسانی تکلم میں چھ خصلتیں ہیں ۱؎ اشرفیت قول سے اور افضلیت اعمالِ صالحہ سے (عبادت) نہ کہ اعضاءِ ظاہری ۲؎ نطق نہ ہو تو انسان مشابہ حیوان ہے ۳؎ انسانیت تقسیم ہے قلب و زبان میں قلب کی چاہت زبان

ہی سے ظاہر ہوتی ہے ۴ فرشتوں سے حضرت آدم کا مناظرہ تقابلی بذریعہ نطق ہی ہوا ۵ شرح صدر کی دعا سے حصول نور ہوا اور یسرلی اس نور کو سنبھالتا ہے ۶ ہاتھ معطی مال ہے اور زبان معطی علم ہے کلام چار قسم کے ہوتے ہیں ۱ نفع والا ۲ نقصان والا ۳ نفع نقصان دونوں ہوں ۴ نفع زیادہ نقصان کم یا اس کا الٹ ۔ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ هٰرُوْنَ اَخِي اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِيْ اے میرے رازق تعالیٰ مجھ کو چوتھی نعمت یہ عطا فرما کہ میرے اہل خاندان میں سے میرا وزیر بنا دے جو میرے تمام امور تبلیغ کا بوجھ اٹھانے کے لائق ہو اور میرے تمام ظاہری باطنی خفی جلی چھوٹے بڑے مشوروں کا وکیل ہو جو میرے ہر مقام پر ڈھارس بن جائے اس قوت وہمت کا سہارا جس پر میں کامل اعتماد کر سکتا ہوں میرے پورے اسرائیلی خاندان میں صرف وہی ہے جو تیرا پیارا نبی اور میرا بڑا بھائی ہٰرون ہے کیونکہ اس وقت پوری قوم بنی اسرائیل بلکہ ساری کائنات انسانیت میں کارآمد زیرک عقل والا امانت دار مجھ سے بھی زیادہ فصیح بس یہی میرا بھائی ہے۔ اے میرے کریم خالق تعالیٰ مجھ کو پانچویں نعمت یہ عطا فرما کہ اس بھائی کے ذریعہ میری پیٹھ میری بنیاد مضبوط کر دے اور میرے تمام کام معاملات دینی دنیوی تبلیغی تشریعی کو اس کی معیت سے درست بنا دے۔ وزیر بمعنی وکیل معاون یعنی مشوروں کا باطنی قلبی عقلی بوجھ اٹھانے والا حامل وہ بوجھ اٹھانے والا جو ظاہری سامان و اجسام کا ہو لفظ وزیر کے مادہ اشتقاق میں تین قول ہیں ۱ یہ وِزْرٌ سے ہے بمعنی ظاہری بوجھ ذمہ داری انتظامات وغیرہ کا بوجھ اٹھانے والا ۲ یہ وَزَرٌ سے ہے پہاڑی محفوظ قلعہ بنانے والا اور باطنی بوجھ اٹھانے والا ۳ یہ مُوَازَرَةٌ سے بنا ہے بمعنی پشت پناہ ۔ ھٰرون علیہ السلام حضرت موسیٰ سے تین سال بڑے تھے لمبے قد سفید رنگت سیدھے بال بھاری جسیم جسم لمبی ڈاڑھی والے تھے ۔ موسیٰ علیہ السلام بھی لمبے قد گندمی رنگت اپنی بہن مریم سے پندرہ سال چھوٹے تھے گھنگھریالے بال سارے جسم پر ایک بالشت داڑھی شریف تھی ۔ اَزْرٌ بمعنی کمر۔ پیٹھ قوت ہمت اسی لیے کمر بند کو عربی میں ازار کہا جاتا ہے دعا میں اَھْلِی کہا نہ کہ قومی اس لیے کہ قوم میں کوئی شخص قابل اعتماد نہ تھا اور نبی کا مشیر صرف نبی ہو سکتا ہے۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ ۔ انسانی اعضا میں سب سے اعلیٰ عضو زبان ہے پھر کان یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہیں کیونکہ

یہ دونوں دل کے ترجمان ہیں اور سینے کے فیضِ باطنی علوم کو تقسیم کرنے والے زبان دینے والی اور کان لینے والا ہوتا ہے۔ مولیٰ علی کا مقولہ ہے کہ مَاالْاِنْسَانُ لَوْلَا اللِّسَانُ اگر زبان نہیں تو وہ انسان ہی نہیں۔ ہر مسلمان پر ان کی حفاظت واجب ہے شکرِ الٰہی فرض ہے اور ذکر الٰہی لازم ہے یہ فائدہ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي اور وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِي کی دونوں دعاؤں سے حاصل ہوا۔ عالم میں چھ چیزیں ہیں جن سب سے زبان کا تعلق ہوتا ہے ۱ موجود ۲ معدوم ۳ خالق ۴ مخلوق ۵ معلوم ۶ موہوم۔ بخلاف دیگر اعضاء کے آنکھ صرف رنگت ہاتھ صرف پکڑنے کے لیے کان صرف آواز کے لیے وغیرہ وغیرہ۔ ترک کلام کے لیے عربی میں چار الفاظ ہیں ۱ صَمْتٌ۔ یہ عام ہے قادرُالکلام اور غیر قادرالکلام ۲ سکوت اس کے لیے جو بول سکے مگر نہ بولے ۳ انصات جو بول نہ سکے سُن سکے ۴ جو بولے اور سن سکے مگر سمجھ نہ سکے۔ جیسے غیر کی لغت یا دور کی آواز۔ وَاحْلُلْ عُقْدَةً کی دعا کی چار وجوہ ۱ تاکہ تبلیغ رسالت اچھی طرح ہو ۲ کفار کا مذاق اور نفرت نہ ہو ۳ زبان بھی معجزہ بن جائے ۴ سہولتِ بیان کے لیے دوسرا فائدہ۔ انبیاءِ کرام کو بچپن ہی سے اپنی نبوت طاقت قوت شریعت وقانونِ الٰہیہ کا علم کامل ہوتا ہے اگرچہ اظہارِ نبوت وتبلیغِ شریعت کی اجازت اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعد میں ملے اسی بناء پر انبیاءِ کرام علیہم السلام کو بچپن ہی میں کفر وکفریات وکفار وفساق سے نفرت ہوتی ہے اور اظہارِ نبوت سے پہلے ہی وہ کفار کی ذلت کرکے اپنی معلومات اور علم نبوت کا اظہار کر دیتے ہیں یہ فائدہ وَاحْلُلْ عُقْدَةً کی تفسیری وجہ سے حاصل ہوا۔ کہ موسیٰ علیہ السلام نے بچپن ہی میں فرعون کو زور دار چپت مارا داڑھی نوچی اور آزمائش پر انگارہ منہ میں رکھ لیا تیسرا فائدہ۔ نبوت اللہ تعالیٰ کی خصوصی نعمت ہے یہ نہ اپنے کسبِ اعمال سے ملے نہ اپنی نہ کسی کی دعا سے ملے یہ نعمت عالمِ ارواح میں اللہ تعالیٰ نے جس کو چاہا عطا فرما دی ہاں البتہ کسی نبی کی ذمہ داری وجہ بعثت کسی دوسرے نبی کی دعا سے بدل سکتی ہے کہ وہ نبی کسی قوم کی طرف مبعوث ہونے کی بجائے کسی اور ذمہ داری کو سنبھال لے جیسے کہ ھرون علیہ السلام عالمِ ازل سے نبی تھے اس بات کو موسیٰ وھرون علیہما السلام دونوں جانتے تھے۔ مگر موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے اُن کی ذمہ داری بدل کر ان کو وزیر بنا دیا گیا اور کبھی بغیر دعا کے بھی بدل دی جاتی ہے جیسے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی درباری رعایہ میں بہت سے انبیاءِ کرام کو شامل کیا ہے۔ اور جیسے یوشع نبی علیہ السلام کو خدمتِ موسیٰ کی

ذمہ داری سونپی گئی۔ یہ فائدہ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ کی دعا اور هٰرُوْنَ اَخِی کی وضاحت سے حاصل ہوا کہ اہل تو اور بھی تھے مگر وہ نبی نہ تھے حضرت موسیٰ نے خاص اُس اہل کی درخواست کی جس کی نبوت کو جانتے تھے۔

احکام القرآن

ان آیات کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ اللہ تعالیٰ کے پیارے بندوں انبیا علیہم السّلام اور اولیاءَ اللہ سے ہر مسلمان کو ہر وقت ہر جگہ ہر حاجت دنیوی دینی مدد مانگنا جائز ہے۔ یہ مسئلہ اُشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِیْ (۶) کی دعا سے مستنبط ہوا کہ موسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اللہ تعالیٰ سے وسیلے کی دعا مانگی اور امدادی ساتھی کا سہارا طلب کیا اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی۔ اگر غیر اللہ سے امداد مانگنا۔ وہابی مذہب کے مطابق شرک ہوتا ہے تو یہ دعا قبول نہ ہوتی بلکہ منع کر دیا جاتا۔ دوسرا مسئلہ اپنے اہل میں سے کسی کو اپنا ولی عہد خلیفہ جانشین یا سلطنت کا مشیر خاص معاون بنانا شرعاً جائز ہے یہ مسئلہ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ کی دعا عرض کرنے اور قبول ہونے سے مستنبط ہوا۔ کہ حضرت موسیٰ نے اپنے اہل بھائی ھٰرون کو زندگی بھر کا اپنا وزیر بنایا اور جانشین مقرر فرمایا۔ لہٰذا خارجیوں وہابیوں کا اعتراض مولیٰ علی شیر خدا پر اور شیعوں رافضیوں کا اعتراض حضرت امیر معاویہ پر قطعاً غلط اور لغو بیہودہ ہے کہ علی مرتضیٰ نے اپنے بیٹے امام حسنؓ کو اور معاویہؓ بن ابی سفیانؓ نے اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین ولی عہد کیوں بنایا یہ غیر جمہوری بری رسم اسلام میں کیوں ڈالی۔ دیکھو حضرت موسیٰ نے حضرت ھرون کو حضرت داؤد نے حضرت سلیمان کو حضرت زکریا نے حضرت یحییٰ کو اپنا جانشین ولی عہد بنایا جس کا ذکر قرآن کریم میں رب تعالیٰ نے بہت شان عزت سے فرمایا اگر بقول خارجی رافضی اپنے بھائی یا بیٹے کو اپنا خلیفہ بنانا منع یا گناہ ہوتا تو قرآن کریم میں اس کام اور انتخاب کو تعریفی ثنائی لفظوں سے ذکر نہ کیا جاتا۔ ہاں البتہ یزید پلید کا بعد میں بدمعاش وخبیث بن جانا یہ اُس بے دین کا اپنا فعل ہے۔ اس میں والد کا قصور نہیں۔ اُس کی خباثتیں یعنی والد کے بعد وفات ظاہر ہوئیں۔ شیعہ تبرائی رافضیوں کے ساتھ ہمارے علاقے کے کچھ تفضیلی شیعہ رافضی بھی اِس نظریے میں شامل ہیں جو ظاہر تو سنی مولوی اور پیر بنے پھرتے ہیں مگر درپردہ پکے رافضی شیعہ ہیں اور سنیوں کو دھوکہ دینے پیسہ لوٹنے کے جال و بھیس میں سنی بنے پھرتے اور سنی مساجد پر قبضہ جمائے ہیں ان کے مکر و فریب سے بچنے کے لیے ان کی پانچ نشانیاں ہر مسلمان کو یاد رکھنی چاہئیں ۱۔ اہلِ بیت کو علیہ السّلام کہتے اور جائز بتاتے ہیں حالانکہ یہ عقیدہ شیعوں کا ہے قرآن وحدیث کے خلاف ہے اس کا شریعت میں کہیں ثبوت نہیں ۲۔ مولیٰ علی کو صدیق و فاروق بلکہ بعض خبثا موذی نما لوگ تو علی شیر خدا کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

سے بھی زیادہ افضل و اعلیٰ مانتے ہیں۔ معاذ اللہ ۳ سیدہ لڑکی کا نکاح علوی، ہاشمی عباسی۔ مطلبی خاندان اور دیگر کسی بھی اونچے مومن عالم نیک متقی سے بھی نا جائز اور باطل کہتے ہیں حالانکہ یہ عقیدہ نہایت جاہلانہ ظالمانہ ہے۔ ۴ ابولہب کی تعریف کرتے ہیں چچا ہونے کی وجہ سے۔ سورۃ تَبَّتْ یَدَا پڑھنے کو منع کرتے ہیں در پردہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرتے ہیں کہ اُس نے یہ سورۃ کیوں نازل کی ۵ تبرائی شیعوں کی بہت تعریف کرتے ہیں کہ چونکہ وہ سید ہیں اس لیے اگرچہ بدعقیدہ ہیں مگر ان کی تعریف ہے اور اُن شیعوں کو اہل سنت سے افضل سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو ایسے گمراہ مولویوں اور پیروں سے بچائے۔ آمین۔ **تیسرا مسئلہ**۔ نحات بصرہ میں سے سیبویہ نحوی کہتے ہیں کہ جمع کے لیے اسم تفضیل واحد مؤنث کا صیغہ لانا جائز ہے۔ اور اخفش نحوی کہتے ہیں کہ نا جائز ہے اخفش شاگرد ہیں سیبویہ کے اور ان کا یہ قول بھی غلط ہے امام سیبویہ کا قول درست ہے کیونکہ قرآنِ مجید سے ثابت ہے۔ یہی امام اعظم کا مسلک ہے اور اسی قانون نحو یہ پر طلاق وغیرہ کے بہت سے مسائل امام اعظم مرتب فرماتے ہیں یہ مسئلہ مِنْ اٰیٰتِنَا الْكُبْرٰى سے مستنبط ہوا کہ دیکھو اٰیٰتِنَا جمع ہے اور اس کی صفت کُبریٰ واحد مونث ہے ایسے ہی ایک آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے۔ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى اسما جمع کی صفت حُسنیٰ واحد آئی۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے دعا عرض کی رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ انبیاء کرام علیہم السلام کو تو پہلے ہی شرح صدر ہوتا ہے پھر یہ تحصیل حاصل ہوا جو محال ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام سے محال کی دعا عبث ہے۔ **جواب**۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار بے انتہا ہے یہ دعا زیادتی شرح کی تھی نیز شرح بہت سی قسم کی ہے جس کی تفصیل ہم نے تفسیر عالمانہ میں عرض کر دی یہ دعا مختلف نوعیتوں کی دعا ہے اسی طرح ہدایت کی بھی بہت سی قسمیں تو جس طرح مختلف نوعیت کی دعاءِ ہدایت ہر شخص کو ہر وقت مانگنی جائز ہے اسی طرح شرح صدر کی دعا بھی دوسری نوعیت کی جائز موسیٰ علیہ السلام کو حصولِ شرح دیگر نوعیت کا تھا دعاءِ شرح دوسری نوعیت کا۔ اس لیے نہ تحصیل حاصل نہ محال نہ عبث۔ **دوسرا اعتراض**۔ وَاحْلُلْ عُقْدَةً کی تفسیر میں مفسرین جو تاریخی واقعہ بیان کرتے ہیں کہ بچپن میں موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو چپت مارا۔ فرعون کو غصہ آیا اُس نے قتل کا ارادہ کر لیا تو آسیہ زوجۂ فرعون نے سفارش کی کہ یہ بچگانہ حرکت ہے بچوں کو اچھے برے کی تمیز نہیں ہوتی اس کی آزمائش کر لی جائے تب فرعون نے دو تھال منگائے ایک میں سونے کا ڈھیلا یا چمکدار

یاقوت اور دوسرے میں انگارہ دونوں تھال موسیٰ علیہ السلام کے سامنے رکھے گئے موسیٰ نے انگارہ اٹھا کر منہ میں رکھ لیا جس سے زبان میں لکنت پیدا ہو گئی اسی لکنت کے ختم ہونے کی یہاں دعا مانگی گئی یہ بات عقل میں نہیں آتی لہٰذا غلط ہے کیونکہ انگارہ نری آگ ہوتا ہے اور انگارے کو ہاتھ لگتے ہی ہاتھ جل جاتا ہے بچہ ہو یا بڑا بلبلا کر چھوڑ دیتا ہے منہ میں لے جانے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ بلکہ عُقدۃً کا معنیٰ یہ ہے کہ اے اللہ مجھے فنِ تقریر فصاحتِ بیانی نہیں آتی میں نے کبھی لوگوں میں خطاب نہیں کیا۔ میری زبان لوگوں کے سامنے گنگ ہو جاتی ہے اِس عقدے کو کھول دے اور مجھے تقریر کا فن آجائے۔ (ابوالاعلیٰ مودودی یہی مقام) جواب۔ اِس اُلجھن کی وضاحت تفسیر عالمانہ میں کر دی گئی ظاہری عقل میں تو واقعی یہ بات نہیں آتی لیکن اگر ذرا سا تدبر کیا جائے تو اُلجھن دور ہو جاتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دستِ یمین مقدس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم معجزہ تھا۔ اور ابتدا سے اِس کے معجزہ ہونے کے چند نشانات ہیں مثلاً ۱ بچپن میں یہی ننھا سا ہاتھ فرعون کو پڑا تو اتنا لحیم شحیم مرد فرعون چکرا گیا۔ تب ہی اُس کو غصہ ہی آیا ورنہ بچے تو کھیل کھیل میں مارتے ہی ہیں اور اُن کا مارنا پیارا نرم گداز لگتا ہے ۲ یہی ہاتھ بارہ سالہ عمر میں ایک طاقت ور قبطی کو لگتا ہے تو وہ قتل ہو جاتا ہے حالانکہ عام طور پر ایسا ممکن نہیں ۳ یہی ہاتھ جب عصا کو زمین پر ڈالتا تھا تب وہ سانپ بن جاتا تھا۔ عصا بھی معجزہ اور یہ ہاتھ بھی معجزہ کہ نہ دوسری لاٹھی اس ہاتھ میں سانپ بنے نہ یہ لاٹھی کسی دوسرے ہاتھ میں یا کسی دوسرے کے ہاتھ میں سانپ بنتی ہی لاٹھی اسی ہاتھ سے گرے تب سانپ بنے گی ۴ اسی ہاتھ کے اعجاز کو طور پر ظاہر فرمایا گیا کہ وَاضْمُمْ یَدَكَ۔ اور جب اِس ہاتھ کا معجزہ ہونا اتنے دلائل سے ثابت تو یاد رہے کہ معجزہ کسی کی آگ سے نہیں جل سکتا نارِ نمرود سے ابراہیم علیہ السلام کا جسم نہیں جل سکتا تو نارِ فرعون سے معجزہ نہیں جل سکتا۔ ہاں البتہ زبان معجزہ نہ تھی اس لیے جل گئی اور لکنت پیدا ہو گئی۔ خیال رہے کہ قولی اور عملی معجزے تو ہر نبی علیہ السلام کو ملے مگر جسمی بدنی معجزہ صرف موسیٰ علیہ السلام کو جزوی طور پر فقط دستِ یمین ملا اور آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام بدن۔ ۱ کہ لعابِ مبارک سے کھاری کنواں میٹھا ہوا ۲ دندانِ پاک کی کرن وشعاع سے گمشدہ سوئی ملی ۳ لعاب سے ہی مولیٰ علی کی آنکھ کو شفا ملی ۴ اسی لعاب سے قاتل ابوجہل کے ہاتھ کو جوڑ دیا ۵ آنکھ سے رب تعالیٰ کا دیدار کر لیا ۶ انگلی سے چاند چیرا ۷ دونوں ہاتھوں نے بادل برسائے سورج لوٹا ۹ پانچوں انگلیوں سے چشمہ جاری ہوا

پاؤں معجزے کہ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ کا مظاہرہ ہوا غرضکہ سارا جسم مقدس معجزہ کہ ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی کا علیہ ملا۔
تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ اے موسیٰ فرعون کی طرف جاؤ۔ حالانکہ موسیٰ علیہ السلام تو اپنی پوری قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے جن میں قبطی فرعونی سبطی یعنی بنی اسرائیل سب شامل تھے تو چاہئے تھا کہ اِذْهَبْ اِلٰی قَوْمِ کہا جاتا۔ جواب۔ دو وجہ سے اِلٰی فِرْعَوْنَ کہا گیا۔ ایک یہ کہ بنی اسرائیل تو پہلے ہی مومن تھے صرف غلامی کی رذالت کی وجہ سے بدکار و فاسق ہو گئے وہ بھی اکثریت نہیں بلکہ بعض قوم کی طرف بعثت صرف نجات دھندہ کی حیثیت سے تھی بنی اسرائیل کچھ بعض تو بعد میں بچھڑا پوجکر کافر ہوئے تھے توریت کا نزول بھی نئی شریعت بتانے کے لیے نہ کہ کافروں کو مومن بنانے کے لیے دوسری وجہ یہ کہ چونکہ اصل کافر اور متبوع بیشتر و سب کا فرعون ہی تھا۔ باقی سب اس کے تابع اور غلام بنے ہوئے تھے کافر سرکش مغرور اور کافر ساز وہی فرعون ہی تھا۔ اس کے درست ہوتے سے یقیناً سب درست ہو جاتے۔ نیز اس میں شان نبوت کا بھی اظہار ہے نبی کی بہادری جرأت کا دکھانا مقصود ہے کہ تن تنہا کو بغیر لشکر و ہتھیار اتنے بڑے لشکر والے بے رحم ظالم جابر بادشاہ کے پاس بھیجا جا رہا ہے۔ بادشاہوں کو بادشاہ کے پاس جانا ہی سجتا ہے۔ بے بسوں غلاموں کی طرف جانا کوئی شان نہیں۔ بادشاہ لوگ بادشاہوں پر ہی حملہ کرتے سمجھتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے بادشاہ تھے جن کو لشکر و سپاہ کی بھی ضرورت نہ تھی۔ چوتھا اعتراض سات وجوہ سے دعا مانگنی ناجائز اور خلافِ عقل ہے ۱؎ اللہ تعالیٰ علاّم الغیوب ہے اس کو اپنی حاجت بتانا بیکار یا بدعقیدگی ہے اور دعا میں اپنی حاجت بتانا اور مانگنا ہے ۲؎ اگر مطلوبہ دعا معلوم ہے کہ یقیناً پوری ہو گی تو مانگنے کی حاجت نہیں اگر یقین ہے کہ نہ پوری ہو گی تو مانگنا فضول ہے ۳؎ دعا بے ادبی ہے کیونکہ حکم دینے کے مشابہ ہے اور بندہ ناچیز و حقیر اپنے اللہ کو آرڈر دے کتنی گستاخی ہے ۴؎ اگر دعا مصلحت اور بہتری کی ہے تو رب تعالیٰ خود ہی بہتر فرما دے گا اس کا ہر کام ہی بندوں کے لیے بہتری ہوتا ہے اور اگر دعا مصلحت کے خلاف ہے تو اس کی طلب کرنا ناجائز ہے ۵؎ پیارا بندہ وہ ہے جو رب تعالیٰ کی رضا پر راضی رہے۔ مگر دعا رضا کے خلاف ہے۔ ۶؎ روایت میں ہے جو ذکر اللہ میں مشغول رہے اللہ تعالیٰ اس کو بغیر مانگے سب کچھ دیتا ہے۔ لہٰذا دعا میں وقت ضائع نہ کرنا چاہیے بس ذکر اللہ کرتے رہنا چاہیے۔ ۷؎ دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا نہ مانگی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی۔ (معتزلی) جواب) یہ اعتراض امام رازی نے تفسیر کبیر میں نقل فرما کر جواباً

فرمایا کہ یہ سب وجوہ بیان کردہ انتہائی احمقانہ جاہلانہ ہیں۔ پہلی اس لیے کہ دعا مانگنا اللہ تعالیٰ کو بتانے کے لیے نہیں ہوتی بلکہ اپنی بندگی عاجزی مجبوری کے اظہار کے لیے ہوتی ہے۔ یہی ہر بندے کی نیت اور عقیدہ ہوتا ہے۔ دوم اس لیے کہ اس طرح کی حجت نکالنی ایسی ہی ہے جیسے کسی بھوکے پیاسے سے کہا جائے کہ اگر تجھے معلوم ہے کہ بھوک ختم ہو جائے گی خود بخود تو کھانے کی ضرورت نہیں اور اگر تجھ کو یقین نہیں کہ کھانے پینے سے بھوک پیاس ختم ہوگی یا نہ۔ تو کھانا فضول ہے۔

تیسری وجہ: اس لیے غلط ہے۔ کہ حکم اور آرڈر ہمیشہ طرز بیانی سے ہوتا ہے۔ مگر دعا میں تو انداز ہی بندگانہ ہوتا ہے اگر تمہاری اوندھی بات مدِنظر رکھی جائے تو پھر کسی بڑے سے کوئی چیز طلب کرنا جائز نہ رہے اور دنیا میں مصیبت آجائے۔ چوتھی احمقانہ وجہ کی غلطی یہ کہ یہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں بندوں کے لیے بہتری ہے مگر بعض چیزیں طلب سے خوشنودی اور شکریئے میں آجاتی ہیں جن کا عطا کے علاوہ ثواب بھی ملتا ہے۔ تو دعا صرف شئی کے لیے ہی نہیں ثواب کا بھی فائدہ ہے پانچویں وجہ کی غلطی یہ کہ دعاؤں کے بعد پھر رضا پر راضی رہنا یہ اونچا مقام۔ دعا نہ مانگنا اور راضی برضا بنتے رہنا یہ متکبرانہ روش ہے۔ چھٹی وجہ اس لیے غلط ہے کہ یہ روایت کہیں ثابت نہیں معترض کی اپنی بناوٹی اس روایت سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ پھر نماز تلاوت درود شریف علم حاصل کرنا اسباق پڑھنا فقہ حدیث تفسیر بلکہ کھانے پینے میں بھی وقت ضائع نہ کرے ہر وقت ذکر اللہ ہی کرتا رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح مومن کا ہر کام ہی ذکر اللہ ہے۔ اس طرح دعا بھی ذکر اللہ بلکہ بڑی عبادت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مخ العبادت فرمایا یعنی عبادت کا مغز۔ ساتویں وجہ بھی احمقانہ ہے اس لیے کہ قرآن وحدیث میں حضرت ابراہیم کی بہت سی دعائیں منقول ہیں ابراہیم ساری عمر اپنے اللہ سے دعائیں مانگتے رہے ہاں البتہ ایک خاص موقعہ پر نارِ نمرود میں جاتے ہوئے آپ نے دعا نہ مانگی جب کہ جبرئیل نے حاجت پوچھی اور دعا مانگنے کا کہا تب آپ نے فرمایا کہ وہ میرے حال کو بہتر جانتا ہے۔ اس وقت دعا کا نہ مانگنا امتحان کی وجہ سے تھا امتحان ٹلنے کی دعا مانگنا واقعی منع ہے۔ نیز یہاں کامیابی کی دعا مانگنا درست نہیں کیونکہ کامیابی اپنے عمل کے لیے ہوتی ہے نارِ نمرود میں پھینکے جانے کے وقت اپنا کوئی عمل نہ تھا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔ لہٰذا رَبِّ اشْرَحْ لِیْ وغیرہ کی یہ چھ دعائیں بالکل صحیح عین عبادت ہیں۔

تفسیر صوفیانہ وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى۔

لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى۔ اے راہِ معرفت میں چلنے والے قلبِ سالک اپنی عقلِ یمین کو جناحِ روح کی بغلِ خلوت میں لے جا تاکہ تیری عقل ہدایتِ خفانیہ کے نور سے منور ہو جائے، کیونکہ عقلِ انسانی اوّلاً نفسِ امارہ سے ضمہ ہوتی ہے اور اسی کی پیروی کرتے ہوئے تدبیرِ معاش میں وھمیات سے مخلوط ہوتی ہے اس لیے کدورتِ جاسیہ میں دربارِ نفسِ فرعونی کی صحبتوں میں رہنے کی بنا پر ظہورِ نور نہیں ہوتا۔ اور مواہبِ ربانیہ وحقائقِ الٰہیہ کو قبول نہیں کرتی اس لیے قلب کی وادیِ طورِ ایمن سے امر کیا جاتا ہے کہ چند ساعت کے لیے جانبِ روح منتقل ہو تاکہ نورِ قدس کے اتصاف سے چمکیلی ہو جائے۔ کیونکہ

یک زمانہ صحبتِ با اولیاء ؎ بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

اس صحبتِ روحانیہ کے بعد ہدایتِ خفانیہ کے نور کی قدسی شعاعوں سے منور ہو کر نکلتی ہے مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ آیۃِ نقص۔ بیماریِ وھم، پراگندگیِ خیالات کے بغیر، یہی نورانی شعاعیں عقلِ سلیم کی اٰيَةً اُخْرٰى ہے اس کے سامنے فرعونیتِ نفس کی ساری چمک دمک سج دھج تزئین وزینت ہیچ ہے۔ عقلِ عارفین کو یہ نورانی قوت اس لیے عطا کی جاتی ہے کہ لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى تاکہ ہم صفاتِ تجلیات کی وہ بڑی بڑی نشانیاں بھی دکھائیں جو فناءِ وحدت کے مصرلا ہوتی میں ہیں اے عقلِ سلیم کے مریدِ مسعود تجلیاتِ صفات کے مقام میں ہو جا اور انہی تجلیات کی راہ میں اسی جہت سے ہماری ذات کی رویتِ نظارہ کر سکے اور ہمارے اسباب سے ہم کو دیکھے یہی ذاتِ وحدت کی اٰیتِ کبریٰ ہے راہِ سلوک کے پیشواؤں کو ان قوتوں کی عطاء کے بعد حکمِ ربانی ہوتا ہے اے عقلِ سلامتی اب جا تو۔ ہدایتِ فرعونِ نفس کے لیے کیونکہ وہ ظہورِ انانیت سے حجابِ غرور میں آکر عبودیت کی حدود سے تجاوز کر گیا۔ اور ابلیسی سرکشی سے ظلم وظلمات برپا کر دیا ہے۔ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ۔ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ هٰرُوْنَ اَخِي۔ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ۔ عرض کیا عقلِ سلامتی نے اے میرے ظاہر وباطن کے رب کریم یقین وتمکین کے نور سے میرا سینۂ بیکراں وسیع فرما دے صفاتِ تجلیات کی شرح وکشاد کے مقامِ علیا تک تاکہ تنگی نہ محسوس کرے یہ عقلِ سلامتی ایذاءِ نفسانیہ سے۔ قلبِ عارف چھ دعائیں بارگاہِ قدس میں عرض کرتا ہے اس لیے کہ دعا سے کمال ملتا ہے اور کمال کے بہت سے درجے اور مرتبے ہوتے ہیں سب سے اعلیٰ یہ ہے کہ بندہ فی ذاتہٖ کامل ہو اور غیر کو مکمل کرنے والا ہو

کاملِ ذاتی ازل میں بنا یا جاتا ہے مگر کملِ لغیرہ دعاؤں سے بنتا ہے اے بندے دریا عمیق ہیں ظلمات کثیف ہیں راستے میں چور ڈاکو ہیں دشمن داخلی بھی ہیں خارجی بھی شیطین جنی بھی ہیں انسی بھی لہذا بارگاہِ مولیٰ میں عرض کرتا رہ یَسِّرۡ لِیۡۤ اَمۡرِیۡ اے مولیٰ میرے قدوم راہِ طلب و ہدایت میں ہر طرح کی آسانیاں پیدا فرما تاکہ نہ دکھ پہنچا سکیں اور نہ حکم عدولی و نافرمانی کر سکیں اہل نفوس اپنے سفاہت و حماقت کے طعنوں سے بندے سے چار عمل صادر ہوتے ہیں ۱ حرکات ۲ سکوت ۳ اقوال ۴ افعال جب تک بندہ مریدِ اعمال نہ بنے صدور مشکل تر بن ہیں۔ اس لیے اے بندے رب سے دعا کر کہ یَسِّرۡ لِیۡۤ اَمۡرِیۡ۔ آسانیِ اعمال کے لیے چار نعمتیں ملتی ہیں ۱ قدرت ۲ حکمت ۳ قضا ۴ قدر قضا وجود میں قدر حیوٰۃ میں قدرت عقل میں حکمت قلب میں امانت رکھی جاتی ہے۔ دعا قربِ الٰہی کا سبب ہے۔ قرآن مجید میں مسلمانوں اور کافروں کی طرف سے سولہ سوال ذکر فرمائے گئے ہیں جن میں چار اصولی ہیں ۱ ہلال کے بارے میں ۲ پہاڑوں میں بارے ۳ کفار نے پوچھا روح کیا ہے ۴ کفار نے پوچھا قیامت کب ہے اور دس سوالات فروعی ہیں ۵ مسلمانوں نے پوچھا ہم کس طرح دولت کمائیں اور کیسے خرچ کریں ۶ دعا کے بارے میں ۷ حرام مہینوں میں جنگ کرنے کے بارے میں ۸ خمر کے بارے میں ۹ جوئے کے بارے میں ۱۰ کفار اور دشمنوں سے برتاؤ کے بارے میں ۱۱ یتیموں کے بارے میں ۱۲ مدتِ حیض کے بارے میں ۱۳ اموالِ غنیمت کے انفال اور خمس کے بارے میں ۱۴ خنی کے بارے میں ۱۵ کلالہ کے بارے میں ۱۶ کفار نے پوچھا ذوالقرنین کے بارے میں ان کے جوابات میں کہیں قُل ارشاد ہے کہیں نَقُلُ ہے۔ کہیں دونوں نہیں۔ کہیں جواب ہی نہیں دیا گیا۔ اس لیے کہ بندوں کی آٹھ قسمیں ہیں ۱ بندۂ معصوم ۲ بندۂ مخصوص ۳ بندۂ بشارت ۴ بندۂ کرامت ۵ بندۂ مغفرت ۶ بندۂ عبادت ۷ بندۂ خدمت ۸ بندۂ قربت۔ یہ مقامات عارفین ہیں ان میں کمال دعاؤں سے آتا ہے شرح صدر کمالِ عصمت سے ملتا ہے تیسیرِ اعمال سے کمال کمالِ خصوصیت اور قوتِ لسان سے کمال بشارت یَفۡقَهُوۡا قَوۡلِیۡ سے کمالِ کرامت اور تعاونِ نبوت سے کمالِ مغفرت اور اخوت کی صلہ رحمی سے کمالِ عبادت اور کرامت سے کمالِ قرب ملتا ہے۔ لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعائیں مانگیں طور پر موسیٰ علیہ السلام کو چھ انعام ملے اوّل توحید کی معرفت دوم عبادت کی دولت سوم آخرت کی معرفت چہارم حکمتِ اعمال پنجم عطیہ معجزات ششم۔ تبلیغ دِ الکفار و غلبہ علی الاشرار۔ اس لیے ارشاد ہوا اِذۡهَبۡ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ رجیع دنیا فرعون بدنی ہے

وجود مثلِ مصر ہے قوم مثلِ ظلمت ہے۔ مریدِ صادق کا کام ہے کہ طبعِ دنیوی کو پھیر کر طبعِ اُخروی بنا
ورنہ قبطی نفوس اور سبطی عقول اس کا راہ روک رکھیں گے۔ اور چھٹکارہ نصیب نہ ہوگا۔ وَاحْلُلْ
عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ موسیٰ قلبی راہِ منزل کے ہر قدم ہر عمل پر اللہ کی مدد طلب کرتے ہوئے عرض کرتا
ہے کہ اے مولیٰ تعالیٰ مجھے قُربِ کلام و ہمتِ بیان کی سعادت بخشنے والے ضعفِ عملی کی بندشیں
اُلجھنیں میری لسانِ حال فکرِ معال سے دور کر دے تاکہ وہ اہلِ خباثت میرے کلامِ رُشد و ہدایت
کے اشارے سمجھ سکیں۔ اور قلب روشن نے تیسری دعا یہ عرض کی کہ ضمیرِ روشن مُعِینِ سعادت کو میرا نیرِ
عبادت بنا دے اس سے میری کمرِ ہمت قوی فرما دے اکتسابِ کمالات میں میرا شریکِ اعمال
بنا دے۔ بدنِ انسانی مثلِ مملکت ہے۔ صدرِ انسانی مثلِ قلعہ ہے فُوادِ باطنی مثل محلِ شاہی ہے
قلب مثلِ تخت ہے روح مثلِ بادشاہ ہے عقل مثلِ وزیر ہے شہوت مثلِ فرعون ہے۔ غضب
و غصہ مثلِ جلادِ سلطنت ہے حواسِ بدنیہ مثلِ جاسوس ہے ظاہری قوتیں مثلِ لشکر و خدام ہیں نفس
امارہ فرعون کا مثلِ ہامان ہے ابلیس اس کا مشیرِ خاص ہے حرص و ھویٰ و اخلاقِ ذمیمہ اس کی
فوج ہے۔ تمام حیوٰۃِ دنیوی جسمِ انسانی میں یہ مقابلہ رہتا ہے۔ ابلیس چاہتا ہے غفلت کا غلبہ ہو اور
قلب چاہتا ہے کہ ایمانیات کے حلم و ثبات کا غلبہ ہو۔ اے بندے تیرا سینہ قلعۂ گنجینہ ہے
تیرا دل اس کا محلِ شاہی ہے۔ تیری خلوت کی زاہدانہ عبادتیں اس کی خفیہ نورانی خندق ہے محبتِ رحمانی
رغبتِ ایمانی اس کی چار دیواری ہے۔ جب خندق عمیق ہو اور چار دیواری عظیم ہو تو قلعہ وسیع
ہو جاتا ہے اور دشمنوں کا داخلہ محال ہوتا ہے۔ ظلماتِ شیطانی یعنی تکبر۔ ھویٰ۔ غرور۔ بخل
سوءِ ظن، غیبت چغلی بھاگ جاتے ہیں اور ہدایتِ الٰہیہ کے انوار داخل ہو کر شرحِ صدر کر دیتے
ہیں اسی سبب سے حکم ہے کہ یہ دعا ہر وقت مانگی جائے محلِ عقلیات چار ہیں ۱ صدر ۲ قلب ۳ دماغ
۴ فواد سینۂ مومن پر قرارِ ایمان ہے قلب میں قرارِ اسلام ہے دماغ میں قرارِ توحید ہے فواد
میں قرارِ معرفت ہے۔ شرحِ صدر سے تیس نعمتیں حاصل ہوتی ہیں ۱ انوارِ ازلیہ کی رویت کی ہمت
۲ دعاءِ عبادت ۳ کثرتِ عصمت ۴ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جزا و تمغہ ۵ بشارتِ عظمٰی ۶
خوفِ دنیا کا خاتمہ ۷ کثرتِ مغفرت ۸ خدمتِ دین کی توفیق ۹ قُربِ الٰہی کی کثرت ۱۰ بہادری
۱۱ طبعِ دنیوی کا خاتمہ ۱۲ معرفت کی روشنی ۱۳ حقیقتِ اشیا کا نظارہ ۱۴ قلب پر انوار کا ورود
۱۵ اللہ تعالیٰ بھی بندے سے قریب ہو جاتا ہے بندہ رب کا ہوتا ہے عبادت سے لیکن رب
بندے کا ہو جاتا ہے شرحِ صدر سے ۱۶ جلالِ کبریائی کی نارِ عشق ملتی ہے ۱۷ معرفت کا سوز

سرف سینے پر طلوع ہوتا ہے ۱۸ چراغِ معرفت کی روشنی سے شیطٰن بھاگ جاتا ہے ۱۹ کرامت ۲۰ حیاتِ اَبدی ۲۱ ہدایت ۲۲ طہارت ۲۳ شفاعت ۲۴ سکونت ۲۵ زینت ۲۶ محبت ۲۷ الفت ۲۸ رافت ۲۹ حجابِ قلب دور ہوتا ہے ۳۰ درجاتِ ممکنہ کا اِدراک نصیب ہوتا ہے صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہادیِ قلب ہے انبیاءِ کرام علیہم السلام ہادیِ نفس ہیں اور کتابُ اللہ ہادیِ روح ہے وَاللہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم (از تفسیر روح البیان۔ تفسیر کبیر فخر الدین رازی۔ محی الدین ابن عربی)

جب بدن بنایا گیا اور اُس کو اَحسنِ تقویم کے زیور سے مزین کیا گیا رب تعالیٰ نے اُس کی طرف نظرِ توجہ فرمائی جہاں تک نظرِ کرم پہنچی وہاں تک قالبِ جسمانی کو کلماتِ الٰہیہ کے سننے اور جواب دینے کی استطاعت وخاصیت پیدا ہو گئی اور مولیٰ تعالیٰ نے اس طرح خطاب فرمایا اے بندو خوشی سے آؤ یا جبر سے تم کو میری طرف آنا ہے اَرواحِ عارفین نے عرض کیا ہم خوشی سے آئیں گے صدیقین نے کہا ہم صداقت سے آئیں گے عاشقین نے عشق کی آگ کو دیکھا تو اُن میں قوتِ رویتِ تجلیات پیدا ہوئی اور وہی طورِ اسرار کے کلیم ہیں ایسے ہی محبوبین کو اجسامِ کثیفہ کی سرداری سونپی جاتی ہے اور جب فرعونِ باطنی خواہشاتِ رذیلہ کی سرکشی دکھاتا ہے تو فنا کے دریا میں ڈبو یا جاتا ہے مگر اہلِ سعادت مجبوروں کو روحِ عرفانی سے نوازا جاتا ہے۔ قالبِ نفسانی خواہشات کا انبار رذیلہ ہے اور قلب علم وحکمت کا خزانہ اور مرکزِ تجلیات ہے موسیٰءِ قلب کی ولادت خمیرۂ نورانیہ سے ہے اور جسمِ انسانی کی ولادت خاک سے ہے خاک میں نفسانیت کا غلبہ ہوتا ہے جس کو طورِ تجلیات کی نارِ عشق سے جلانا پڑتا ہے۔ اسی لیے کلامِ سرمدی اور صوتِ لاہوتی سے آگ دکھائی جاتی ہے۔

وَاَشْرِكْهُ فِیْٓ اَمْرِیْ ﴿۳۲﴾ كَیْ نُسَبِّحَكَ

اور اے رب معاون بنا دے تو اُس وزیر کو میرے تمام کاموں میں تاکہ ہم دونوں مل کر عبادت کرتے میں تیری

اور اسے میرے کام میں شریک کر کہ ہم بکثرت تیری پاکی

كَثِیْرًا ﴿۳۳﴾ وَّنَذْكُرَكَ كَثِیْرًا ﴿۳۴﴾ اِنَّكَ كُنْتَ

بہت ہی زیادہ اور ہم دونوں مل کر یاد میں منائیں تیری بہت ہی زیادہ بے شک تو ہی ہے

بولیں۔ اور بکثرت تیری یاد کریں۔ بے شک تو

بِنَا بَصِیْرًا ﴿۳۵﴾ قَالَ قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَكَ

ہر وقت ہم کو دیکھنے والا ۔ فرمایا اللہ نے عطا فرمادیئے گئے ہو تم اپنی تمام مطلوبہ دعائیں

ہمیں دیکھ رہا ہے ۔ فرمایا اے موسیٰ تیری مانگ تجھے

یٰمُوْسٰی ﴿۳۶﴾ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَیْكَ مَرَّةً

اے موسیٰ اور البتہ احسان فرمایا ہے ہم نے تم پر یہ دوسری

عطا ہوئی ۔ اور بے شک تجھ پر ایک بار اور احسان

اُخْرٰۤی ﴿۳۷﴾ اِذْ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤی اُمِّكَ مَا

دفعہ ۔ ایک اس وقت جب القا فرمایا تھا ہم نے تمہاری ماں کی طرف وہ جو

فرمایا جب ہم نے تیری ماں کو الہام کیا تھا جو

یُوْحٰۤی ﴿۳۸﴾ اَنِ اقْذِفِیْهِ فِی التَّابُوْتِ فَاقْذِفِیْهِ

القاء فرمایا گیا تھا کہ رکھدے تو اس نچے بچے کو ایک بکسے میں اور رکھدے تو اس بکسے

الہام کرنا تھا ۔ کہ اس بچے کو صندوق میں رکھ کر

فِی الْیَمِّ فَلْیُلْقِهِ الْیَمُّ بِالسَّاحِلِ

کو دریائی پانی میں تو ڈالدے گا اس بکسے کو دریائی پانی کنارے کے ساتھ

دریا میں ڈالدے تو دریا اسے کنارے پر ڈالے

یَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّیْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَاَلْقَیْتُ

پھر لے لیگا اس بچے کو میرا نافرمان اور دشمن باطنی اس کا پھر ڈالی میں نے

کہ اسے وہ اُٹھالے جو میرا دشمن اور اس کا دشمن ۔ اور میں نے تجھ پر

عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ۚ وَلِتُصْنَعَ

تیرے لیے محبت اپنی طرف سے اور تاکہ پرورش کیا جائے تو

اپنی طرف کی محبت ڈالی اور اس لیے کہ تو میری

عَلٰى عَيْنِيْ ﴿۳۹﴾

میری حفاظت میں

نگاہ کے سامنے تیار ہو

تعلقات ان آیات کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں حضرت موسیٰ کے اس طلب کا ذکر ہوا جو آپ نے حضرت ہارون کی مشیرت وزارت کے لیے بارگاہ الٰہیہ میں عرض کی تھی۔ اب ان آیت میں اس طلب کی وجہ عرض کرنے کا ذکر ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں حضرت موسیٰ کی دعا کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں دعا کی قبولیت کا ذکر ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں اُن چیزوں کا ذکر ہوا جو موسیٰ علیہ السلام پر ان کی جوانی میں رب کریم کا احسان تھا۔ اب ان آیت میں رب تعالیٰ کے اُن احسانات کا تذکرہ ہے جو بچپن میں آپ پر مولیٰ تعالیٰ نے فرمائے۔

تفسیر نحوی وَاَشْرِكْهُ فِيْ اَمْرِيْ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا۔ قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى۔ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰى۔ واؤ عاطفہ اَشْرِكْ باب افعال کا فعل امر حاضر معروف انتَ اس میں فاعل مستتر شرک سے مشتق ہے بمعنی شریک کرنا ساتھی بنانا معاون بنانا۔ ہٗ ضمیر واحد غائب منصوب متصل مفعول بہ ہے مرجع ھٰرُون فِیْ اَمْرِیْ۔ مرکب اضافی معنوی مجرور ہو کر متعلق ہے۔ کَیْ حرف تعلیل اس میں اَنْ ناصبہ پوشیدہ ہوتا ہے اور مابعد مضارع کو نصب دیتا ہے۔ نُسَبِّحَ باب تفعیل کا مضارع جمع متکلم برائے تثنیہ مرجع موسیٰ و ہارون ہے سَبَحَ سے بنا ہے اس کا مصدر ہے تَسْبِیْح بمعنی ذکر الٰہی تسبیح و تہلیل کرنا۔ کَ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ ہے مرجع ہے رب۔ کَثِیْرًا۔ اسم صفت مشبہ کثر سے مشتق ہے باب کرم سے ہے بمعنی بہت ہی زیادہ کیونکہ صرف صفت

مشبہ میں مبالغہ اور ہمہ وقتی زیادتی ہوتی ہے۔ جب کہ اسم تفضیل میں نوعی اور وقتی زیادتی ہوتی ہے
یہ صفت ہے پوشیدہ موصوف لفظِ زمانًا کا۔ دونوں مرکبِ توصیفی مل کر ظرف ہوا نُسَبِّحَ کا یہ سب مل کر
جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ۔ اس کی انشائیت ترجّی (امید) کی وجہ سے ہے واؤ عاطفہ
نَذْکُرَ بابِ نَصَرَ کا فعل مضارع معروف منصوب ہے عطفِ تابعی کی وجہ سے لفظِ کَیْ کے اندر اَنْ
ناصبہ پوشیدہ کے تحت ہے ذِکْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ یاد کرنا یا دمنانا نَحْنُ ضمیر پوشیدہ
اس کا فاعل ہے مرجع وہی تثنیہ۔ کَ ضمیر مفعول بہ کثیرًا اسی طرح پوشیدہ موصوف کا صفت مرکبِ
توصیفی ظرف زمان ہوا نَذْکُرَ۔ سب سے مل کر جملہ انشائیہ ہو کر معطوف ہوا یہ دونوں عطف مل کر
علّت ہوئی اَشْرِکْ کی یا سابقہ تمام دعاؤں کی۔ رَبِّ اشْرَحْ فعل اپنے عطفی جملوں اور علّتوں
سے مل کر مقولہ ہوا قَالَ کا۔ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ اِنَّ حرفِ تحقیق کَ ضمیر اس کا اسم
منصوب۔ کُنْتَ۔ فعل ناقصہ ماضی مطلق واحد مذکر حاضر اَنْتَ اس کا پوشیدہ اسم مرجع ہے
رَبِّ۔ بِ حرف جر بمعنیٰ علیٰ فوقیت (غلبہ) کے لیے۔ نَا ضمیر جمع متکلم تثنیہ۔ بَصِیْرًا باب کَرُمَ
کا صفت مشبہ بَصَرٌ سے بنا ہے واحد مذکر کے لیے اَنْتَ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل اور بِنَا
جار مجرور متعلق مقدم ہے بصیرًا اپنے فاعل اور متعلقِ مقدم سے مل کر شبہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر
ہے کُنْتَ کی وہ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی وہ اپنے اسم خبر
سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ قَالَ۔ یہ فعل با فاعل پوشیدہ جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا اور اگلی تمام عبارت
آیت ۴۳ تک مختلف جملوں میں اس کا مقولہ یعنی فرمودات ہوا۔ قَدْ اُوْتِیْتَ بابِ افعال
کا فعل ماضی قریب مجہول واحد مذکر حاضر اَنْتَ پوشیدہ اس کا نائب فاعل سُؤْلَ۔ اسم جمع مکسر
جمع قلت ہے ایک قول میں یہ مصدر ہے بر وزنِ فُعْل بمعنیٰ مفعول جیسے اُکُل بمعنیٰ ماکول مضاف ہے
کَ ضمیر مضاف دونوں مل کر مفعول بہ دوم ہے یہ فعل مجہول اپنے نائب فاعل (پہلے مفعول بہ) اور
مفعول بہ دوم سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر ندا کا بیانِ مقدم ہوا یَا حرفِ ندا مُوْسٰی عبرانی لفظ ہے
مو کا معنیٰ پانی سیٰ بمعنیٰ درخت یہ منادیٰ ہے ندا منادیٰ اور بیان مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ
لام تحقیقیہ قَدْ مَنَنَّا فعل ماضی قریب جمع متکلم۔ باب نَصَرَ مَنٌّ سے مشتق ہے نَحْنُ پوشیدہ
عَلَیْکَ جار مجرور متعلق ہے مَرَّۃً موصوف بمعنیٰ ایک مرتبہ ایک بار۔ ایک دفعہ یہ اصطلاحی ترجمہ ہے
لغوی ترجمہ ہے تغیری ترجمہ ہے گزرنا مَرٌّ سے بنا ہے اس کے آخر میں تاءِ وحدت لگائی تو
معنیٰ ہوا ایک مرتبہ گزرنا مگر اب اصطلاحًا یہ جامد ہے اور ہر فعل کی تعداد کے لیے مستعمل ہے

اسی لیے اس کا تثنیہ بھی ہوتا ہے مرتین اور جمع بھی مرآت۔ عددی نمبر ہے اُخریٰ اسم تفضیل اور مؤنث صفت ہے یہ مرکب توصیفی مفعول فیہ ہے۔ اِذ حرفِ شرط اَوۡحَیۡنَا بابِ افعال کا ماضی مطلق معروف جمع متکلم۔ اِلیٰ جارہ انتہا کے لیے اُمّ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ والدہ یہ مرکبِ اضافی مجرور متعلق ہے۔ مَا اسم موصولہ یُوحیٰ مضارع مجہول واحد مذکر غائب اگلا جملہ اَن ناصبہ کا اس کا نائب فاعل ہے اِقۡذِفِی بابِ ضَرَبَ امر حاضر معروف واحد مؤنث اَنتِ ضمیر واحد مونث حاضر پوشیدہ اس کا فاعل مخاطب مرجع ہے اُمّ قَذۡفٌ سے بنا ہے۔ لفظ قذف چار معنیٰ میں مشترک ہے ۱ دور پھینکنا ۲ ڈالنا برتن میں ۳ انڈیلنا ۴ تہمت لگانا۔ یعنی کسی برائی کو کسی پر پھینکنا تھوپنا۔ یہاں بمعنیٰ ڈالنا اور رکھنا ہے۔ فِی حرفِ جر ظرفیہ اَلتَّابُوۡتِ۔ الف لام معرفہ عہدی اسم مفرد جامد معرّف باللام تنکیری۔ یہ جار مجرور متعلق ہے۔ اِقۡذِفِی۔ ہٖ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ مرجع ہے کَ ضمیر مخاطبہ رضمیر مخاطبہ غائب کا مرجع یا اس کے برعکس جائز ہے) یہ سب جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ وَاقۡذِفِیۡهِ فِی الۡیَمِّ فَلۡیُلۡقِهِ الۡیَمُّ بِالسَّاحِلِ یَاۡخُذۡهُ عَدُوٌّ لِّیۡ وَعَدُوٌّ لَّهٗ وَاَلۡقَیۡتُ عَلَیۡكَ مَحَبَّةً مِّنِّیۡ وَلِتُصۡنَعَ عَلٰی عَیۡنِیۡ۔ وعاطفہ اِقۡذِفِی فعل امر اَنۡتِ ضمیر مؤنث پوشیدہ اس کا فاعل مرجع اُمّ ہٖ ضمیر کا مرجع تابوت ہے فِی حرفِ جر ظرفیہ مکانیہ اَلۡیَمّ۔ الف لام عہد خارجی یَمّ۔ اسم حاملِ مصدر بمعنیٰ دریا۔ سمندر۔ کثیر پانی۔ یہاں مراد بہتا دریا ہے۔ اسی سے تَیَمُّم ہے لیکن تیمم کا لغوی ترجمہ ہے پانی سے باز رہنا ہٹنا۔ بچنا۔ اس لیے کہ لفظ تیمم باب تفعّل کا مصدر ہے اور باب تفعّل کی پانچ خصوصیات ہیں ۱ تکرار فعل باب تفعیل کی طرح جیسے ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔ ۲ برداشت کرتے کے لیے ۳ تھوڑا تھوڑا کرتے کے لیے جیسے گھونٹ گھونٹ پینا ۴ ابتداءِ فعل کے لیے ۵ سلب کے لیے۔ یعنی باز آنا دور رہنا۔ تیمم میں اسی خاصیت کا ظہور ہے یہ جار مجرور متعلق ہے اِقۡذِفِی ثانی کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ف عاطفہ سببیہ۔ لِیُلۡقِهِ لام تحقیق لام امر باب اِفعال امر غائب معروف واحد مذکر غائب اِس کا مصدر ہے اِلۡقَاءٌ لَقِیَ یَلۡقیٰ سے بنا ہے بمعنیٰ ڈال دینا۔ اوندھا دینا۔ اَلۡیَمّ اس کا فاعلِ ظاہر ہے ہٖ ضمیر کا مرجع تابوت مفعول بہ ہے بِ جارہ بمعنیٰ عَلیٰ فوقیت کا السَّاحِلِ الف لام عہدی یا جنسی ساحِل اسم مفرد معرّف تنکیری بمعنیٰ کنارہ یہ جار مجرور متعلق ہے یُلۡقِ کا یہ سب جملہ فعلیہ ہوا یَاۡخُذۡ۔ بابِ نَصَرَ کا مضارع مستقبل معروف بحالتِ جزم ہے کیونکہ جوابِ امر ہے ہُ ضمیر غائب اِس کا مفعول بہ اس کا مرجع تابوت ہے یا کَ ضمیر مراد ہے بچہ عَدُوٌّ۔ اسم صفت مشبہ بروزن فَعُوۡلٌ صد

نھا عَدُوُّوْا۔ عَدُوٌّ سے مشتق ہے بمعنیٰ نافرمان، مخالف۔ دشمن۔ نقصان دہ یہاں مراد نافرمان ہے کیونکہ نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ لِی جار مجرور متعلق ہے عدو صفت مشتبہ کا یہ دونوں جملہ اسمیہ ہوکر معطوف علیہ واؤ عاطفہ عَدُوٌّ۔ اسم صفت مشتبہ اسم جنسی ہے لہٰذا واحد تثنیہ جمع مذکر مؤنث سب کے لیے مستعمل ہے لیکن اس کی جمع مکسر بھی آتی ہے اَعْدَاءٌ۔ اسی سے عَدَاوَۃٌ بمعنیٰ دشمنی اور عُدْوَۃٌ بمعنیٰ منافقت یہاں بمعنیٰ دشمنِ باطنی ہے اس لیے کہ پیدائش سے پہلے دشمنی شروع ہوئی اور اب جوانی تک دشمنی چھپ گئی پھر بعد میں ظاہر ہوگئی۔ لَہٗ جار مجرور متعلق ہے عَدُوٌّ صفت مشتبہ یہ دونوں جملہ شبہ اسمیہ ہوکر معطوف ہوا عَدُوٌّ لِّی کا دونوں مل کر فاعل ہے یَاْخُذْ کا وہ جملہ فعلیہ ہوکر جواب امر ہے یُلْقِہٖ کا وہ جملہ ہوکر معطوف ہے وَاقْذِفِیْ کا یہ جملہ معطوف ہے پہلے اِقْذِفِیْ پر۔ دونوں عطف مل کر نائب فاعل ہے مَا یُوْحٰی کا وہ جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر صلہ ہوا مَا موصولہ کا دونوں مل کر مفعول بہ ہے اَوْحَیْنَا کا وہ جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَلْقَیْتُ۔ باب افعال کا فعل ماضی مطلق واحد متکلم اِلْقَاءٌ مصدر ہے بمعنیٰ ڈالنا انڈیلنا۔ اَنَا ضمیر مستتر اس کا فاعل مرجع اللہ تعالیٰ عَلٰی حرف جر بمعنیٰ لام جارہ یعنی تیرے لیے کَ ضمیر مجرور متعلق ہے مَحَبَّۃً اسم مصدر بمعنی حاصل مصدر جامد بمعنیٰ دل کی گہرائی سے پسندیدہ ہر قسم کے بیج اور دانے کو حَبٌّ اسی معنیٰ میں کہتے ہیں کہ وہ زمین کی گہرائی میں اُتر جاتا ہے۔ اور محبت بھی مثل بیج ہے جس کی ہزاروں قسمیں اور شاخیں نکلتی ہیں یہ مفعول بہ ہے۔ مِنْ ابتداءِ غایت کے لیے بمعنیٰ طرف سے یْ ضمیر جمع متکلم نَفْسِیْ بمعنیٰ اپنی یہ جار مجرور متعلق دوم ہے۔ یہ سب جملہ فعلیہ ہوکر معطوف ہے اَوْحَیْنَا پر۔ واؤ عاطفہ لِتُصْنَعَ۔ باب فتح کا امر حاضر مجہول واحد مذکر۔ اول میں لام امر ہے۔ صَنْعٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ بنایا جانا۔ درست کیا جانا۔ یہاں مراد ہے پرورش کیا جانا۔ اَنْتَ پوشیدہ اس کا نائب فاعل عَلٰی جارہ بمعنیٰ عِنْدَ (سامنے) عَیْنٌ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ نگاہ نظر۔ رویت۔ یہاں مراد ہے حفاظت نگہداشت یہ مرکب اضافی مجرور ہوکر متعلق ہے لِتُصْنَعَ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہوکر معطوف دوم ہے اَوْحَیْنَا کا۔ وہ سب مل کر ظرف ہے مَنَنَّا کا۔ وہ سب جملہ فعلیہ ہوکر معطوف ہے قَدْ اُوْتِیْتَ وہ سب مقولہ ہوا۔ قَالَ کا۔

تفسیر عالمانہ

وَاَشْرِکْہُ فِیْٓ اَمْرِیْ کَیْ نُسَبِّحَکَ کَثِیْرًا وَّنَذْکُرَکَ کَثِیْرًا اِنَّکَ کُنْتَ بِنَا بَصِیْرًا قَالَ قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَکَ یٰمُوْسٰی وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَیْکَ مَرَّۃً اُخْرٰٓی۔ اے میرے رب کریم میرے اس بھائی کو۔ جو عالم ارواح سے تیری

نبوت کے لیے منتخبہ نبی ہے اس کو میری تبلیغ ترسیل نبوت رسالت اور دینی دنیوی تمام افعال و امور میں شریکِ زندگی بنا دے کیونکہ میرا یہ بڑا بھائی وعظ کلام تکلم تخاطب میں مجھ سے زیادہ فصیح اللسان بھی ہے فنِ تقریر تجربۂ وعظ طرزِ بیانی کا ماہر بھی۔ روایتوں میں آتا ہے کہ حضرتِ موسیٰ علیہ السلام نے اس دن سے پہلے کبھی کسی محفل میں سامعین کو خطاب نہ کیا تھا جب کہ حضرتِ ھارون قبیلے برادری میں کئی دفعہ خطاب کر چکے تھے اور حضرت موسیٰ نے وہ خطاب سنے تھے اسی روایت کی بنا پر بعض نادانوں نے لکھ دیا کہ حضرت موسیٰ کو تقریر کا علم نہ آتا تھا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کائناتِ مخلوق کے کسی بھی علم سے خالی نہیں ہوتے جو علوم مختلف رٹ کر عوام کو دنیا میں آکر ملتے ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ اپنے ان پیارے شاگردوں کو خود سکھا کر بھیجتا ہے جیسے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے واقعے سے ثابت اور خود موسیٰ علیہ السّلام کا یہ رب تعالیٰ سے نہایت شاندار کلام عرض کرنا۔ یہاں حضرت موسیٰ کی یہ دعا فرعون اور فرعونیوں کی بدعقلی کج خلقی کم فہمی کی بنا پر اپنی تائید اور ڈھارس کے لیے تھی تفسیر روح المعانی نے بحوالہ مستدرک حاکم عن وھب لکھا کہ ہٰرون علیہ السلام موسیٰ علیہ السّلام سے زیادہ لمبے بھاری جسم سفید رنگت والے چوڑی ھڈی کے جسم والے تھے اور ایک یا دو سال یا تین سال بڑے تھے حضرت موسیٰ سرخی مائل خوب صورت گندمی رنگت کے تھے قد میں تھوڑے سے چھوٹے تھے گٹھیلا جسم تھا۔ عادتاً غصے اور جلال والے تھے مگر مسکینوں پر بہت رحیم بلیغ تھے اپنی ذات کے لیے کبھی غصہ نہ فرمایا۔ حضرت ھٰرون فطرتاً حلیم الطبع نرم مزاج تھے۔ دونوں کی عمر اسّی سال ہوئی حضرت ھارون تین۔ دو یا ایک سال قبل فوت ہوئے ایک حج کے دوران آپ کا مزار اقدس کوہِ اُحد کی چوٹی پر ہے تفسیر نے زیارت کی ہے۔ موسیٰ علیہ السّلام بچپن سے ہی اپنی نبوت کو جانتے تھے یہ بھی جانتے تھے کہ میرا بھائی بچپن سے نبی ہے یہی وجہ ہے کہ موسیٰ علیہ السّلام اپنے بھائی ھٰرون علیہ السّلام کی وزارت کے لیے تو دعا عرض کرتے ہیں نبوت کے لیے نہیں کہتے۔ اسی طرح ھٰرون علیہ السّلام بھی اپنی اور موسیٰ علیہ السّلام کی نبوت کو جانتے ہیں بلکہ ہر نبی علیہ السّلام جانتا ہے کہ وہ نبوت کے مقام پر فائز ہے۔ جو لوگ جہالت سے کہہ دیتے ہیں کہ معاذ اللہ موسیٰ علیہ السّلام کو نہ اپنی نبوت کا علم تھا نہ ھٰرون علیہ السّلام کی وہ گستاخ و بے علم ہیں۔ قرآن مجید احادیث پاک کے تقریباً سات دلائل سے آپ کا علم ثابت ہوتا ہے۔ اولاً اس طرح کہ آپ کی ولادت سے قبل کافر نجومیوں کو

آپ کی ولادت آپ کی زمین پر آکر کارکردگی اور فرعونیت کی تباہی کا علم تھا جب کافر نجومیوں
نے جان لیا کہ ایسا بچہ پیدا ہوگا تو نبوت کا علم تو کہیں زیادہ ہے۔ دوم جب صندوق میں سے
کھولا گیا تو آپ پڑے ہوئے مسکرا رہے تھے جس کو دیکھ کر فرعون و آسیہ ہزار جان سے
عاشق ہو گئے تھے۔ سوم آپ کے چہرۂ نورانیہ میں محبت کے خزانے تھے کہ جو دیکھتا
محبت کرتا۔ چہارم۔ دو سالہ زندگی میں فرعون کو زوردار چپت مارنا داڑھی نوچنا۔ آپ کی
یہ نفرت فرعون اور کفر سے متنفر ہونا یہ آپ کے اِرہاصاتِ نبوت تھے پنجم۔ بچپن شریف
میں انگارہ اٹھا کر منہ میں ڈالنا اور ہاتھ کا نہ جلنا یہ ہاتھ آپ کا معجزہ تھا۔ ششم۔ جب قبطی
کو مکہ مار کر ختم کر دیا تو رب تعالیٰ سے استغفار عرض کرتی اور اس لغزش کو شیطان کی
طرف نسبت کرنا حالانکہ بارہ سال عمر تھی یہ سب باتیں ثابت کر رہی ہیں کہ آپ اپنے نبی
ہونے کو جانتے ہیں ہفتم۔ مدین میں کنوئیں کے پاس اللہ کو یاد کرنا کہ رَبِّ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ
مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ غرضکہ یہ آیات و علامات صاف بتا رہی ہیں کہ آپ کو شروع دن سے ہی پتہ تھا کہ آپ
نبی ہیں۔ تفسیر معانی۔ بیان مدارک۔ فتح القدیر میں لکھا ہے کہ جب سے موسیٰ علیہ السلام نبی بنائے
گئے اسی وقت سے ہارون علیہ السلام نبی بنگئے تھے۔ یعنی عالمِ ارواح میں نبوت نہ دعاؤں سے
ملتی ہے نہ کسب و عمل سے یہی وجہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے یہ تو عرض کیا کہ ہارون کو میرا
وزیر معاون، شریکِ رسالتِ تبلیغ بنا دے نبوت کی دعا نہیں مانگتے اور یہ تین دعائیں بھی
اس لیے کہ کَیْ نُسَبِّحَكَ۔ اے میرے رب میں اپنے اس وزیر و مشیر نصیر و معین کے ساتھ
علی الاعلان کوچہ و بازار ظاہر ظہور سب کے سامنے تیری تسبیح توحید۔ پاکیزگی کا چرچہ کروں
اور ہر شجر و حجر، بستی و بیابان دربار بازار میں روز و شب ہر کافر و منکر ظالم و جابر مغرور مفرور
کے ساتھ تیرے دین ایمان معرفت و حقیقت معبودیت و عبادت کا ذکر کروں مفسرین کے
تین قول ہیں پہلا یہ کہ اے اللہ جب ہم دینی تبلیغ میں قوی ہو جائیں گے اور بہت سے لوگ
ہمارے کہنے سے مومن بن جائیں گے تو پھر کثیر تعداد میں مل کر تیری تسبیح و ذکر کرینگے جو اُس
ذکر سے زیادہ پُر تاثیر یا جماعت بارونق بارُعب ہوگا۔ جو ہمارا تنہا ہوگا۔ دوم قول یہ کہ اگرچہ
ابھی ہم دونوں کثیر ذکر کرتے ہیں کیونکہ نبی علیہم السلام کبھی کسی دم اللہ کے ذکر سے خالی نہیں ہوتے۔
لیکن اجتماعی ذکر اللہ تنہائی کے ذکر کے مقابل کثیر متصور ہے ابھی خلوت و تنہائی کی عبادت و ذکر اس
لیے ہے کہ کفار ہماری عبادت کی مخالفت رکاوٹ اور مذاق بازی نہ کریں۔ اجتماعی قوت میں یہ

خدشہ کم ہے۔ اور علانیہ ذکر اللہ اس لیے بھی کثیر ہو جاتا ہے کہ ذاکرین کے علاوہ سامعین بھی ہوتے ہیں۔ تیسرا قول یہ کہ ہم اپنے انفرادی ذکر و عبادت و تسبیح کو شانِ بارگاہِ مقدس کے لائق نہیں سمجھتے تعداد و فوقیت میں اگرچہ کثیر ہے مگر قربِ خاص کے لیے ابھی کثیر نہیں میں چاہتا ہوں کہ اب ہم کو قربِ حضوری کی کثرت اور درجہ و مرتبے والا ذکر اللہ حاصل ہو یہ تینوں درست ہیں مگر پہلا قول قوی ہے۔ اس سے پہلے قول میں کثیرًا نسبح اور نذکر کے فاعل کا حال ہے کہ ہم کثرت میں ہو کر تیری تسبیح و تذکیر کریں دوسرے و تیسرے قول میں حال ہے ذکر و تسبیح کا۔ اِنَّکَ کُنْتَ بِنَا بَصِیْرًا۔ اے مولیٰ تعالیٰ ہماری کتنی خوش نصیبی اور مقبولیت ہو گی کہ ہم تیری عبادت میں ہوں اور تیری توجہ کرم کی نگاہ ہماری طرف ہو۔ بے شک اے کریم مالک تیری ذاتِ پاک کا کرم ہمیشہ ہی ہم کو ہر حال صبح شام ماضی حال مستقبل میں دیکھ رہا ہے اور ہماری قلبی کیفیات لسانی تسبیحات عقلی اعتقادات بلکہ خیالی تصورات کو بھی ہر طرح دیکھنے جاننے والا ہے۔ تو اب میری یہ التجائیں فریادیں دعائیں بھی سن لے کرلی ہے میرا عجز تیرے اے میرے کریم۔ نکتہ۔ یہاں پہلے تسبیح کا ذکر ہے بعد میں ذکر اللہ کا یا اس لیے کہ تسبیح میں نفی کرنا ہوتی ہے ذاتِ باری تعالیٰ سے اُن چیزوں کی جو اُس کی شان کے لائق نہیں ہیں اور ذکر اللہ میں ثبوت ہوتا ہے اُن چیزوں کا جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہیں اور نامناسب اشیا کی نفی کرنا زیادہ ضروری ہوتا ہے۔ مناسب اشیاء کے تذکرے سے۔ یا اس لیے کہ تسبیح کا تعلق عقیدے سے ہے اور عقیدہ کا دل سے ذکر کا تعلق زبان و عقل سے اور ہمیشہ قلب مقدم ہے زبان و عقل سے ان دعاؤں کے بعد تجلیٔ الٰہی ربوبیت کی جلوہ نمائی ہوتی ہے اور ارشاد ہوتا ہے وادیٔ طُویٰ علاقۂ طور کے اُسی درخت سے غیبی آواز آئی فرمایا کہ اے موسیٰ سراپا محبت ہمارے منتخب کلیم جو تم نے یہ دعائیں مانگی وہ سب کی سب مکمل طریقے سے قبول ہیں قَدْ اُوْتِیْتَ تم دیئے گئے۔ تمہاری یہ نو خواہشیں یک دم پوری کر دی گئیں بعض نے لکھا کہ لکنت مکمل ختم نہ ہوئی تھی ان کی یہ دلیل کہ فرعون نے آپ کی پہلی تبلیغ سن کر کہا تھا کہ یہ بین نہیں ہو سکتا یہ تو صحیح بات نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ سورۃ قصص آیت ۳۴ میں ہے نیز اپنے بھائی کے لیے فرمایا ھُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ۔ یہ مجھ سے زیادہ اچھے بول لیتے ہیں ثابت ہوا کہ لکنت کی پوری دعا قبول نہ ہوئی تھی مگر یہ بات غلط اور دلیل کمزور ہے اس لیے کہ اَفْصَحُ کہنا اسی کلام طور میں دعاؤں کے وقت تھا قَدْ اُوْتِیْتَ سے پہلے۔ اور فرعون کا کہنا۔ لکنت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ جھوٹ کی تہمت تھی دشمنی کی وجہ سے جس طرح ہر دشمن اپنے مخالف کو کہہ دیتا ہے کہ تو تو

میرے سامنے بات نہیں کرسکتا۔ انبیاءِ کرام علیہم السّلام کی دعائیں مکمل طور پر قبول ہوتی ہیں وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَیْكَ مَرَّةً اُخْرٰى ہم نے تو اے موسیٰ اس سے پہلے بھی بغیر مانگے تم پر بہت دفعہ احسان کیئے کہ بلا طلب بلا مانگے بلاعوض تم کو بہت انعام و آرام پہنچائے اور تمہاری وجہ سے تمہاری والدہ واہلِ خانہ پر۔ یہاں قرآن مجید میں از آیت ۳۸ تا آیت ۴۱ تقریباً آٹھ احسانات کا ذکر فرمایا۔ پہلا یہ کہ اِذْ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّكَ مَا یُوْحٰۤى اُس وقت کو یاد کرو جب ہم نے تمہاری والدہ کو الہامی وحی فرمائی۔ اس میں چھ قول کہ ۱ یہ وحی بذریعہ خواب تھی ۲ بذریعہ اِلقاءِ قلبی تھی ۳ بذریعہ کسی فرشتہ ۴ بذریعہ کسی نبی علیہ السّلام ۵ بذریعہ کسی ولی اللہ ۶ بذریعہ غیبی آواز۔ مگر پہلا اور دوسرا قول درست ہے۔ مَا یُوْحٰى۔ جو بھی الہام، وحی ضروری تھی وہ کردی گئی۔ یہاں وحی نبوت مراد نہیں اس لیے کہ وحی نبوی قانون شرعی ہوتی ہے وہ صرف انبیا کو آتی ہے اور انبیا صرف انسان مرد ہوتے ہیں کوئی عورت نبی نہیں ہوسکتی ایک قول ہے کہ یہ وحی باآواز بلند غیبی طریقے میں سنائی گئی تھی اُن کی دلیل سورۃِ قصص کی وہ آیت ہے کہ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ یہ اتنا فصیح کلام اِلقاءِ قلبی سے نہیں ہوسکتا۔ مگر یہ دلیل اس لیے کمزور ہے کہ خواب میں اللہ تعالیٰ کی آواز سنائی گئی تھی بالکل صاف وضاحت جاگتے میں اللہ تعالیٰ کی آواز بجز کلیم اللہ کوئی نہیں سن سکتا۔ اِلقا دو قسم کا ہوتا ہے ۱ اِلقاءِ قلبی جاگتے میں ۲ اِلقاءِ قلبی خواب میں یہ وحیِ اِلقاء و الہامِ مناحی تھی۔ یہ واقعہ اس طرح ہے کہ فرعون نے خواب دیکھی کہ بنی اسرائیل کے مکانوں کی طرف سے ایک روشنی اٹھی اور اُس کے سر پر گری جس سے وہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ جاگا تو بڑا پریشان ہوا اور چند نجومیوں کو بلا کر تعبیر پوچھی سب نے بتایا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تیری سلطنت تباہ کردے گا اُس نے خوف زدہ ہوکر اسی دن اعلان کرا دیا کہ آج سے بنی اسرائیل میں جو بھی لڑکا پیدا ہوا اس کو قتل کرا دیا جائے اس قانون ظلم کے تحت تقریباً چار سال تک ہر سال بنی اسرائیل کے تمام لڑکے قتل کیئے جاتے رہے اور لڑکیاں زندہ چھوڑ دی جاتیں ایک دن درباریوں نے فرعون سے کہا کہ اے بادشاہ اس طرح بنی اسرائیل کے لڑکے ختم ہو جائیں گے لڑکیاں ہی رہ جائینگی تو پھر اُن کی شادیاں کن سے ہونگی یا پھر وہ کنواری رہینگی یا پھر وہ ہمارے لڑکوں کو خراب کریں گے اولاد مخلوط پیدا ہوگی اور پھر ہم نوکر خدام کہاں سے لیں گے جس پر یہ بات اُس کی عقل میں آگئی اور اس نے حکم دیا کہ اچھا ایک سال لڑکے قتل کیا کرو۔ اور ایک سال کے لڑکے چھوڑا کرو چنانچہ ہارون علیہ السلام

معافی والے سال میں پیدا ہوئے اور موسیٰ علیہ السّلام اُس کے تیسرے سال بعد قتل کے سال پیدا
ہوئے جو بعد میں ظلم کا آخری سال ثابت ہوا یہ قتل کا قانون فرعون نے از خود ختم کر دیا جو سابقہ
نوسال سے جاری تھا۔ اِس سال تین سو لڑکے قتل کئے گئے۔ موسیٰ علیہ السّلام کو اُن کی والدہ نے
ایک غار میں چھپا دیا اور خفیہ ان کو دودھ پلاتی پرورش کرتی رہیں۔ قدرت الٰہیہ سے آپ کی
والدہ پر ولادت کے کچھ آثارِ ولادت ظاہر نہ ہوئے نہ دردِ زِہ ہوا نہ نفاس آیا نہ حضرت
موسیٰ کبھی روئے نہ ولادت سے پہلے پیٹ پر کوئی بڑھتے موٹا ہونے کی نشانی ظاہر
ہوئی اس لیے کسی فرعونی جاسوسی عورت کو پتہ نہ لگ سکا۔ لیکن ولادت کے بعد چھپانا بہت
مشکل ہو گیا تب باری تعالیٰ نے خواب میں صندوق بنانے اور اُس میں ڈالنے کا طریقہ وحی سے
الہام فرمایا سمجھایا اور صندوق دکھایا گیا۔ یہی مراد ہے اَوۡحَیۡنَاۤ (الخ) سے آپ کی والدہ محترمہ
کا نام ایک قول مشہور کے مطابق یوحانِذ بنتِ یَصۡہَر بن لاوی۔ بعض نے کہا ہے کہ نام
مبارک طیحانہ تھا۔ ایک قول میں بارخا یا بازخت تھا واللہ اعلم ہو سکتا ہے یہ بعد کے
نام خطاب ہوں یا القاب یا کنیت۔ آپ نے اپنے اِس الہام پر عمل کیا ایک فرعونی خفیہ
مومن حزقیل نام کے شخص سے صندوق بنوایا۔ یہ فرعون کا درباری تھا مگر فرعون کو ظالم و کافر سمجھتا
تھا اُس نے آپ کی والدہ کے اپنے ذہنی نقشے کے مطابق سوراخ دار صندوق بنایا پھر اُس کو چاروں
طرف سے موم درازوں میں ڈالی گئی اندر دُھنی ہوئی روئی بچھائی گئی عمدہ پیارا لباس پہنایا گیا پھر
اَنِ اقۡذِفِیۡهِ فِی التَّابُوۡتِ کے حکمِ وحی کے مطابق حضرت موسیٰ کو اس صندوق میں رکھ دیا پھر اکیلے
ہی یا اپنی تیرہ سالہ بیٹی مریم بنت عمران کو ساتھ لے کر بوقتِ فجر منہ اندھیرے جب ابھی کوئی
اس ویرانۂ علاقۂ ساحل میں کوئی شخص نہ تھا بحکم وحی کہ فَاقۡذِفِیۡهِ فِی الۡیَمِّ اپنے اس پیارے بھولے
بھالے معصوم انگوٹھا چوستے بیٹے موسیٰ والے صندوق کو دریا میں ڈال دیا۔ والدہ خواب میں
سن ہی چکی تھیں کہ فَلۡیُلۡقِهِ الۡیَمُّ بِالسَّاحِلِ۔ دریا ہمارے حکمِ الٰہی سے اس صندوق کو اور
اندر والے بچے کو نہایت آرام سے دریا کے باہر ایک طرف کسی چھوٹے راستے پر ڈال
دے گا تاکہ وہ چھوٹے راستے سے منزلِ مقصود پر پہنچے۔ خبردار اسے دریا کوئی
موج کوئی لہر تیزی نہ دکھائے نہ دھچکا لگے نہ ہچکولہ آئے۔ خیال رہے کہ چار موقعوں
پر اللہ تعالیٰ نے غیر ذوالعقول اشیا کو انبیاءِ کرام علیہم السّلام کے ادب و احترام
کا حکم فرمایا۔ پہلے نارِ نمرود کو احترامِ ابراہیم علیہ السّلام کا حکم فرمایا۔ پھر ابراہیم علیہ السّلام

کی چھری کو احترام اسمٰعیل علیہ السّلام کا پھر یہاں دریائے نیل کو موسیٰ علیہ السّلام کا پیر مچھلی کو یونس علیہ السّلام کا۔ دریا میں یہ صندوق ڈالنے کے بعد بیٹی سے کہا کہ تو ذرا دور رہ کر اس کے ساتھ چلتی چلی جا اور اس صندوق پر نظر رکھ کہ یہ کہاں جاتا ہے لڑکی عقل مند تھی اُس نے لکڑی چننے کا جھولا گلے میں ڈال لیا اور لکڑیوں کے بہانے کنارے چلتی رہی اور کبھی کبھی صندوق پر نظر رکھتی ڈال لیتی تاکہ کسی کو شک نہ پڑے۔ یہاں تک کہ وہ صندوق ایک اسی چھوٹی نہر میں مُڑ گیا جو فرعونی محل میں سے گزرتی تھی۔ اس وقت فرعون اپنی بیوی آسیہ بنت مزاحم کے ساتھ باغ میں بیٹھا تھا دونوں نے دیکھا کہ ایک صندوق بہتا آرہا ہے پکڑوایا کھلوایا۔ اُدھر جب بہن نے دیکھا کہ صندوق تو فرعون کے قبضے میں پہنچ گیا جو ظالم دشمن ہے تو گھبرائی ڈری اور والدہ کی طرف بھاگی اور سب واقعہ سنایا والدہ نے کچھ فکر و اندیشے کا اظہار نہ فرمایا اس لیے کہ الہام وحی میں بتا دیا گیا تھا کہ یَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّیْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ کہ اے بی بی فکر نہ کرنا اس کا غم نہ کرنا۔ پھر ایسا ہو گا کہ اس کو پکڑ لیگا وہ جو میرا دشمن ہے ۱ اس لیے کہ اس کا دشمن ہے اور جو اس کا دشمن ہے وہ میرا دشمن ہے ۲ یا میرا دشمن ہے مخالفت میں اس کا دشمن قتل میں۔ کہ اسی کے اندیشے میں اتنے بچے قتل کرا دیے ۳ یا میرا دشمن ہے موجودہ وقت میں اس کا دشمن ہے آئندہ وقت میں۔ ۴ یا میرا دشمن ہے یقینی اس کا دشمن ہے متوقع یا میرا دشمن ہے نافرمانی میں اس کا دشمن ہے مقابلے بازی میں ۶ یا میرا دشمن ہے عدلوت میں اس کا دشمن ہے مغروریت وتکبر میں ۷ یا میرا دشمن ہے کفر کی ریاکاری میں اس کا دشمن ہے عیاری و مکاری میں یہ تھے عَدُوٌّ لِّیْ (الخ) کی تفسیر میں مفسرین کے مختلف قول مگر پہلا قول زیادہ مضبوط ہے کہ جو اللہ والوں کا دشمن ہوتا ہے وہ اللہ کا دشمن ہے ورنہ حقیقتاً اللہ کا دشمن کوئی نہیں ہو سکتا دشمن کا معنیٰ ہے نقصان کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی نقصان نہیں کر سکتا۔ بہن نے آکر سب کچھ بتا دیا والدہ نے پھر بھیجا کہ جا دیکھ اب کیا ہو رہا ہے۔ بہن نے واپس آکر عجیب قدرت کا کرشمہ دیکھا کہ ہر طرف محل فرعونی میں چہل پہل رونق و دھوم مچی ہے وہی ظالم فرعون جس نے اسی بچے کو قتل کرنے کے لیے اسی ہزار بچے قتل کرا دیے ہزاروں ماؤں کو تڑپا کر رکھ دیا اسی پر وَاَلْقَیْتُ عَلَیْكَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ کا سب سے زیادہ ظہور و سُرور ہو رہا ہے۔ اے موسیٰ ہم نے تم پر دوسرا احسان یہ فرمایا کہ اپنے خزانۂ محبت کو محض اپنے کرم و رحم فضل سے تجھ پر ایسا نثار کر دیا کہ جو تجھ کو دیکھتا تیرے مسکراتے ہونٹوں پُر انوار بھولے بھالے

چہرے پر نظر ڈالتا سو جان سے تیری محبت میں دیوانہ وار عاشق ہو جاتا۔ یہ بھی ہمارے معبود حقیقی ہونے کی ایک دلیل ہے کہ جو ہم نے چاہا وہ ہو گیا جو فرعون نے چاہا وہ نہ ہوا۔ ہم چاہیں ابابیل سے فیل مروا دیں چاہیں جانی دشمن کے گھر میں موسیٰ کی پرورش کرا دیں فرعون اور اس کی بیوی آسیہ بنتِ مزاحم نے جب صندوق کھولا اور تجھ کو دیکھا تو سب کچھ بھول گئے کہ یہ بچہ کس کا ہے کس طرف سے آیا صندوق میں کیوں ڈالا گیا۔ بنی اسرائیلی بچوں کے قتل کے سارے منصوبے یکسر بھول گئے اور دونوں نے اس دلکش محبت سے تم کو اپنا اپنا متبنیٰ بنا لیا فرعون لاولد تھا۔ آسیہ کنواری تھیں ایک دم اولاد کی بھوک جاگ اٹھی تمنا تڑپ گئی خواہشیں مچل گئیں وہی فرعون جو چند گھنٹے پہلے اسرائیلی بچے چن چن کر قتل کرا رہا تھا اور تیری ہی تلاش میں فکر مند و سرگرداں بیجا ظلم کما رہا تھا اب وہی تجھے شاہی محل کا شہزادہ بنا رہا ہے۔ تیرے ہار پھول سہرے سجا رہا ہے عمدہ بستر لگا رہا ہے۔ تیری پرورش کے لیے عمدہ دودھ اور عمدہ دودھ کے لیے اچھی پاکیزہ ستھری صحت مند دائیاں بلا رہا ہے۔ تب ہم نے تیرا احسان یہ کیا کہ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ۔ ہر دائی سے تیرا منہ پھرا دیا کسی بھی فاسقہ فاجرہ کافرہ کا دودھ تیرے منہ میں نہ جانے دیا۔ تاکہ تمہاری پروان تمہاری پرورش بناوٹ تیاری میری نگاہ نگرانی دیکھ بھال میں ہو۔ اور بچپن سے بلوغت۔ بلوغت سے جوانی۔ جوانی سے بڑھاپے اور بڑھاپے سے غرقِ فرعون تک میری ہی نعمتوں رعایتوں محبتوں۔ شفقتوں رضاؤ ارادوں میں تم کو ترقی پر لگایا جائے۔ اور زندگی کا ہر لمحہ ہر حرکت و سکون تصرف و عمل عَلٰى عَيْنِيْ ہو۔ کہ جس دریا نے ابتداءِ بچپن میں تم کو بچایا وہی دشمن فرعون کو غرق کرے۔ اور تم کو اوّل بھی بچائے آخر بھی۔ باقی پانچ احسانات اگلی آیت میں مذکور ہیں۔ بعض نے کہا کہ اَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ کا معنیٰ یہ ہے کہ میں نے تجھ پر اپنی محبت ڈالی اور بیٹا نے تجھ سے محبت کی تو دوسروں نے کی مگر یہ قول درست نہیں اس لیے کہ ترتیبِ کلام بتا رہی ہے کہ اَلْقَيْتُ مَحَبَّةً اب ہوا ہے پہلے نہ تھا یعنی اب صندوق کھولنے کے بعد چہرے دیکھنے کے بعد حالانکہ رب تعالیٰ کو محبت اپنے تمام انبیاء سے عالمِ اَرْوَاح میں ہی ہوتی سب ہی اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ہوتے ہیں۔

بعض نحویوں نے کہا کہ یہاں پانچوں ضمیر واحد مذکر غائب ۱ اَنِ اقْذِفِيْهِ ۲ فَاقْذِفِيْهِ ۳ فَلْيُلْقِهِ ۴ يَأْخُذْهُ ۵ عَدُوٌّ لَّهٗ کا مرجع موسیٰ ہیں اور یہی قول درست ہے کچھ نحاۃ نے کہا کہ دو ضمیر ۱ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ ۲ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ۔ کا مرجع تابوت ہے اور بعض نے يَأْخُذْهُ کا مرجع بھی تابوت کی طرف پھیرا ہے مگر

یہ اُن کی اپنی سوچ جو زیادہ مضبوط نہیں۔ آسیہ نے ہی پہلے کہا کہ اس کو ہم بیٹا بنا لیتے ہیں یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈی ثابت ہوگا، فرعون نے کہا یہ تیرے لیے ہے مجھ سے اس سے کوئی سروکار نہیں مگر جب اُس نے چہرۂ انور دیکھا تو وہ بھی وارفتہ اور عاشق ہو گیا۔ آسیہ کا یہ کہنا کہ قُرَّتُ عَیْنٍ لِّیْ وَلَکَ لَا تَقْتُلُوْہُ (سورۃ قصص آیت ۹) بارگاہِ الٰہیہ میں قبول ہوا اور اُس کو ہدایتِ ایمان کی دولت مل گئی جب موسیٰ علیہ السلام نے مدین اور طور سے واپس مصر آکر پہلی تبلیغ فرمائی تو آسیہ مومن ہوگئیں تھیں مگر فرعون ڈوبنے تک ایمان نہ لایا ڈوبنے کے وقت اُس نے اظہارِ ایمان کیا جو معتبر و مقبول نہ ہوا۔ اگر فرعون بھی یہ کہدیتا کہ یہ بچہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے تو یقیناً اُس کو بھی ایمان نصیب ہو جاتا۔ حضرت حکیم الامت بدایونی نعیمی قادری نے فرمایا کہ آسیہ کا وجود بھی حضرت موسیٰ کے لیے بچپن میں وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَیْکَ میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی یہ تمام دعائیں مکمل طور پر قبول فرمالیں اُسی وقت اور پھر مصر کی طرف بھیجا۔ محققین فرماتے ہیں کہ ملکِ مصر پر یہ رب تعالیٰ کا عظیم کرم و احسان تھا کہ موسیٰ و ہارون علیہما السلام جیسی پاکیزہ شخصیات کو اُن کی ہدایت کے لیے چنا گیا جیسا کہ احادیث میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم سے بھلائی چاہتا ہے تو نیک حاکم عطا فرماتا ہے۔ جب فرعون نے اِس بچے کو اپنا بیٹا بنا لیا تو نام بھی خود ہی موسیٰ رکھا موسیٰ اِس مناسبت سے رکھا کہ لفظِ مُو کا معنیٰ عبرانی میں پانی ہے اور جب صندوق کھولا گیا تو اُس وقت فرعون اپنے باغ کے ایک شاندار پھل دار درخت کے نیچے بیٹھا تھا پھل دار درخت کو عبرانی میں سیٰ کہتے ہیں۔

فائدے اِن آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ: تین چیزیں اللہ رسول کی پسندیدہ ہیں ۱ اچھوں کی صحبت ۲ اہلِ علم کا ساتھی ہونا ۳ اور اہلِ عقل کی تائید حاصل کرنا یہ فائدہ وَاَشْرِکْہُ فِیْ اَمْرِیْ سے حاصل ہوا کہ حضرت موسیٰ نے باوجود نبی و مرسل ہونے کے ہارون علیہ السلام نبی کو اپنا ساتھی بنائے جانے کی دعا عرض کی۔ دوسرا فائدہ مشورہ لینا بہت ہی مفید اور اچھی بات ہے۔ مشورہ کی عادت سے پانچ اچھائیاں ملتی ہیں اول یہ کہ بندے میں غرور پیدا نہیں ہوتا نہ اپنے علم اور قوتِ رائے پر گھمنڈ یا بھروسہ ہوتا ہے دوم۔ آپس میں اتحاد و محبت پیدا ہوتی ہے ایک دوسرے کا احساس و یگانگت ملن ساری ہوتی ہے سوم یہ کہ مشورے سے غور و تفکر سوچنے سمجھنے کا وقت مل جاتا ہے کوئی جلد بازی یا جذباتی کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا چہارم یہ کہ کام بگڑ جانے پر مطعون نہیں کیا جا سکتا یہ سب

فوائد بھی وَاَشْرِکْهُ فِیْٓ اَمْرِیْ کی دعا سے حاصل ہوئے۔ پنجم یہ کہ مشورہ لینا دینا سنّتِ انبیاء اور باعثِ ثوابِ کثیر ہے۔ **تیسرا فائدہ** انبیاءِ کرام کی دعائیں کبھی نامقبول نہیں ہوتیں جس زبان جاہیں جو جاہیں بارگاہِ قدس میں عرض و فریاد و التجا سے مانگ لیں رد یا نامنظور نہیں ہوتیں اُن کی نازبرداری فرمائی جاتی ہے۔ یہ فائدہ قَالَ قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَكَ یٰمُوْسٰی فرماتے سے حاصل ہوا نام لے کر یٰمُوسیٰ کہہ کر کلام فرمانا بھی انتہائی مشفقانہ محبّانہ انداز ہے۔

احکام القرآن اِن آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ**۔ نبوت و رسالت صرف انسانی مردوں کو عطا ہوئی ہے کبھی کسی قوم میں کوئی عورت نبی نہیں بنائی گئی۔ لیکن لفظ وحی قرآن مجید میں تقریباً چار معنی کے لیے استعمال ہوا ہے ۱ وحیِ کلام صوتی یعنی غیبی آواز کا کلام یہ صرف موسیٰ علیہ السّلام پر نازل ہوا ہے ۲ وحیِ شریعت قانونِ الٰہی یہ صرف انبیاءِ کرام علیہم السّلام پر بذریعہ جبریلِ امین آیا ہے ۳ وحیِ کلام کلام بالمشافہ دیدار کے ساتھ یہ صرف لامکان میں آقا صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے ۴ وحی اِلقاءِ الہامی یہ ہر مخلوق پر آتا رہا اور تاقیامت آسکتا ہے۔ نیز یہ کہ نبوت دعا وغیرہ سے نہیں ملتی۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطائی وہبی ہوتی ہے یہ مسئلہ اَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّكَ (الخ) کی تفسیر سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ** ہر مسلمان پر واجب ہے کہ جو چیز اپنے لیے پسند کرے وہی اپنے ہر مسلمان بھائی کے لیے پسند کرے، حسد، بُغض، جلاپا۔ رشک کی بری عادتوں سے ہمیشہ بچتا رہے اور ہر موقعہ پر ہر بھلائی میں مسلمانوں کو اپنے ساتھ رکھے یہ مسئلہ حضرت موسیٰ کی دعاؤں سے مستنبط ہوا جو آپ نے اپنے بھائی حضرت ھٰرون کے لیے مانگیں خاص کر علاقۂ کفر میں اپنی رسائی کے مطابق مسلمانوں کے حقوق و ترقی کے لیے کوشاں اور مسلمانوں سے تائیدی قوت حاصل کرے جیساکہ قائدِ اعظم محمد علی جناح نے ساری عمر کیا اور دنیا میں مسلمانوں کو بلند کیا۔ **تیسرا مسئلہ** نیک ساتھی ملنا اللہ تعالیٰ کا احسان اور عظیم نعمت ہے اس لیے جاہلوں دشمنوں مخالفوں کی کتابوں مجلسوں سے بچنا ہر مسلمان پر فرض ہے یہی کوشش اور یہی دعا کرنی چاہیے یہ مسئلہ وَلَقَدْ مَنَنَّا (الخ) سے مستنبط ہوا کہ رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السّلام کو ھٰرون کا ساتھ دے کر احسان کا ذکر فرمایا۔ **چوتھا مسئلہ** دعا مانگنی عبادت ہے اس لیے ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اپنے دینی دنیوی اُخروی ہر معاملے میں رب تعالیٰ سے نہایت عاجزی انکساری سے گڑگڑا کر دعا مانگا کرے علماءِ کرام فرماتے ہیں کہ ہر نعمت کی آرزو کرو صبر سے طلب کرو دعا سے بجاؤ شکر سے اظہار

کرو عبادت سے یہ مسئلہ موسیٰ علیہ السّلام کی چھ دعاؤں سے مستنبط ہوا۔ پانچواں مسئلہ۔ اسلام میں چار کام عورت پر ناجائز اور ممنوع ہیں ۱ امامت ۲ قضا یعنی جج اور مفتی بنا فیصلے کرنا ۳ حکومت ۴ نبوت اسی طرح پیر بنا بیعت لینا بھی عورتوں کے لیے ناجائز ہے یہ مسئلہ اَوْحَیْنَا اِلٰی اُمِّكَ کی تفسیر سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیئے جا سکتے ہیں۔ پہلا اعتراض یہاں فرمایا گیا۔ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَیْكَ ہم نے تم پر پہلے بھی کئی احسان کیئے ہیں۔ یہ کلام احسان جتانا ہے احسان جتانا تکلیف دہ ہوتا ہے حالانکہ یہ تکلّم تو لطف و شفقت کا تھا۔ جواب تفسیر کبیر میں امام رازی نے یہ جواب دیا کہ یہ احسان جتانا نہیں ہے بلکہ بتانا مقصود تھا کہ یہ دعائیں جو تم اب مانگ رہے ہو ضرور قبول ہوں گی کیونکہ ہم نے تم پر بچپن سے کسی خاص مقصد کے لیے بہت سے احسانات کیئے ہیں۔ جو تم نے مانگے بھی نہ تھے وہ بھی ملے تھے اور یہ بھی تم کو ملیں گے تم کو ہم نے اپنے ہی لیے بنایا ہے۔ اور تم نے ان احسانات کے ذریعے ہمارے ہی کام کرنے ہیں۔ یہاں نوعیت عطا کا ذکر ہے کہ یہ دعائیں اور پہلے انعامات سب محض ہر طرح احسان ہیں اس میں تمہارا کوئی استحقاق نہیں خیال رہے کہ استحقاق سے کوئی چیز دینا عدل ہے اور زیادہ دینا کرم ہے۔ بلا استحقاق کوئی چیز دینا احسان و امتنان ہے یعنی یہ طلب و دعا کی چیزیں دینا بھی احسان ہوگا جیسا کہ پہلے اشیا دینا احسان کیا گیا۔ دوسرا اعتراض یہاں فرمایا گیا مَرَّةً اُخْرٰی یہ لفظ اُخریٰ اسم تفضیل واحد مؤنث ہے جو وحدت پر دلالت کرتا ہے یعنی فقط ایک اور۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ نے حضرت موسیٰ پر پہلے بھی فقط ایک ہی احسان فرمایا اور اب طور پر بھی فقط ایک ہی احسان ہوا۔ حالانکہ ان ہی آیت میں اگر گنتی کی جائے تو تقریباً چودہ احسان بنتے ہیں۔ چھ احسانات دعا تو اب اس طرح کہ ۱ اِنْشِرَاحِ صدر ۲ وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ۔ والی دعا کی عطا ۳ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ۔ کی قبولیت و عطا ۴ ہارون علیہ السّلام کی وزارت ۵ اُشْدُدْ بِهٖ اَزْرِیْ ۶ وَاَشْرِكْهُ فِیْ اَمْرِیْ اور آٹھ احسانات اس سے پہلے ولادت سے چالیس سالہ عمر تک مثلاً ۱ اَوْحَیْنَا اِلٰی اُمِّكَ ۲ اِلقاءِ محبت ۳ تُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ ۴ اِذْ تَمْشِیْ اُخْتُكَ ۵ نَجَّیْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ ۶ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا یعنی ہم نے تم کو اپنے امتحانوں میں پاس کیا تھا۔ ۷ مدین میں با امن و سکون رہنا ۸ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِیْ۔ جب اتنے بہت سے احسانات گنائے گئے تو پھر اُخریٰ کہنا کیونکر درست ہوا۔ جواب لفظ اُخریٰ اگرچہ واحد مؤنث

کا صیغہ ہے۔ مگر یہ وحدتِ عددی کے لیے نہیں بلکہ اسم تفضیل کی بنا پر کثرت پر دال ہے۔ جیسے ایک اور آیتِ کریمہ میں ارشاد فرمایا گیا وَلَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى اسماء جمع کے ساتھ حسنٰی واحد مؤنث آیا ان صیغوں کی وحدت تفضیلی کے لیے لایا جاتا ہے اور ترجمہ ہوگا بہت سے اچھے نام۔ اسی طرح یہاں بھی اُخریٰ کا معنیٰ ہے۔ بہت سے دوسرے۔ اور پوری آیت کا ترجمہ ہے اے موسیٰ بے شک ہم نے تم پر ایک مرتبہ پہلے بھی بہت سے دوسرے احسانات کئے تھے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔

تفسیر صوفیانہ وَاَشْرِكْهُ فِيْۤ اَمْرِيْ ۔ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ۔ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ۔ روحِ مومن مثلِ موسیٰ ہم کلامِ الٰہی ہے عقلِ مومن مثلِ ھرون بارِ کرامت کا امانت دار ہے۔ نفسِ انسانی مثلِ فرعون تختِ مصر ہے جو اہلِ طرب ہے روحِ معطر جب طورِ کمالات پر پہنچتی ہے تو بارگاہِ لاہوت میں عرض کرتی ہے اے مولیٰ تعالیٰ عقلِ سلیم کو میرا شریکِ اعمال بنا دے تاکہ رکوعِ جلوت سجودِ خلوت میں عقل کے طریقے سے تیری تسبیح و تقدیس کریں اور تیرے ذکر تیری یاد کی محفلیں کثیر سجائیں اس لیے کہ بے عقلی کی نماز۔ روزہ۔ رکوع و سجود ذکر اذکار سب بیکار ہوتا ہے۔ جب روح عقلِ کامل سے ملتی ہے تو عقل کو ہی وزیر و مشیر۔ شریک و صدیق بناتی ہے۔ وہی عقلِ سلیم مدبرِ روح ہے ہے اسی کی قوت سے نفس پر غلبہ اور مصرِ قلب نفس کی شرارتوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اس لیے کہ عقل ہی علم ہے۔ علم ہی سمجھ داری ہے سمجھداری حسن ہے حسن میں ادا ہے۔ ادا میں نیاز ہے۔ اور نیاز میں ناز ہے اور ناز شرفِ محبت ہے اور محبت میں قبولیت ہے خوش قسمت ہے وہ رعایہ جس کو عادل بادشاہ ملے اور خوش قسمت ہے وہ بادشاہ جس کو صالح قوی لائق وزیر مل جائے۔ جیسے مصر کو موسیٰ اور موسیٰ کو ھرون مل گئے جب بدن کو روحِ معطر اور روحِ معطر کو عقلِ سلیم ملتی ہے تو غلبہ رحمانیت کا ہوتا ہے۔ روحِ مومن یہ دعا عرض کرتی ہے کہ اے مولیٰ تیرے فکرِ وحدانیت پر صبر و تحمل کی کثرت سے ذاکر و شاکر ہو جائیں۔ پس تیرا کلام پائیں تیری ہی نگاہِ لطف میں رہیں نہ تیرے غیر کو دیکھیں نہ تیرے غیر کی سنیں اور تیری آزمائشوں پر صبر کریں۔ تو میری فکر و تدبر کی تمام گرہیں کھول دے تاکہ حضور مکاشفات کا ذکر مقامِ تجلیات میں قبولِ کمالات کی استعداد و ہمت و کثرت سے کریں بے شک تیری ذاتِ محیط عطاء و اصلیت سے ہم تمام ارواح عالمِ ناسوت پر بصیر ہے

پس ہماری امداد فرما۔ قَالَ قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَكَ یٰمُوْسٰی وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَیْكَ مَرَّةً اُخْرٰۤى
اِذْ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّكَ مَا یُوْحٰۤى. حجاباتِ غیوب سے الہاماتِ سرمدی کی صدا آتی ہے کہ تجھ
کو اے عقل وقلب کی روح موسیٰ سعادت تیرے تمام مطلوباتِ راہِ عرفانی دیدئے گئے اور البتہ
بے شک اس مطالبۂ عقلیاتِ توفیقی سے پہلے بھی ہم نے تجھ پر بلا طلب احساناتِ عظیمہ ضروریہ لازمیہ
کا ورود فرمایا تھا جب کہ تیری تقدیر مادری ازلی جو تیری قوۃِ حیوانیہ کو جنم دینے والی ہے۔ اسی
تقدیر ازلی کی طرف الہاماتِ سریہ کا اشارہ سمجھایا تھا کہ اسے تقدیر مبرم اس روح بدنیہ کو تدابیر
ناسوتیہ کے صندوق میں بند کر کے دریاءِ معرفت کی لہروں میں چھوڑ دے۔ اَنِ اقْذِفِیْهِ
فِی التَّابُوْتِ فَاقْذِفِیْهِ فِی الْیَمِّ فَلْیُلْقِهِ الْیَمُّ بِالسَّاحِلِ یَاْخُذْهُ
عَدُوٌّ لِّیْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ وَاَلْقَیْتُ عَلَیْكَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ
اور اپنے قلبِ معصومی کی روحِ لطیف کو طبیعۂ جسمانیہ کے تابوتِ ذکر اللہ میں رکھ کر بحرِ سکینہ
کی ھیولانی لہروں سیرانی موجوں میں بہا دے تاکہ وہ بحرِ سکوتی ہمارے حکم کی پابندی سے
رشد وہدایت کے ساحلِ توفیق پر اس کو ڈال دے۔ تب تربیتِ روحانیہ کے مقام
شفقت تجربیہ میں جبرِ فرعونیت کا نفس جو اس کا دشمنِ باطنی ہے اس لیے اس کے مربی حقیقی
کا بھی دشمن ضعفِ ناسوتی ہے اس کو قبضہ میں کرنے کی سعی عارضی کرے گا تاکہ جبر وظلم سے
روح کو مردہ کر دے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ ہر انسان کی مادرِ ازلی اس کی تقدیر ہے اور باپ
اس کی تدبیر ہے۔ بدعملی فرعون ہے جس سے روح مردہ ہو جاتی ہے مگر جس کو ربِ تعالیٰ
وَاَلْقَیْتُ عَلَیْكَ کے تمغوں سے نواز دے تو فرعونِ نفس کی بدعملی بھی اس کو مردہ نہیں کر سکتی
ان حالاتِ کثیفہ میں ہم نے ہی تجھ پر اپنی الفتِ بے کنار محبتِ کامگار کی چادر ڈالدی بصیرت
کی محبت تحقیق سے ہے بصارت کی محبت تقلید سے ہے اور نفس کی محبت خواہشات
سے ہے۔ بصیرتِ مومن مثلِ آسیہ ہے اور بصارتِ نفسی مثلِ فرعون ہے۔ موسیٰ روح
سے اوّلاً بصیرت نے محبت کی پھر بصارت نے اس کی تقلید میں۔ تحقیق کی محبت کو بقا ہے
تقلید کی محبت کو فنا ہے اسی لیے بصیرتِ آسیہ کی محبت کسی بھی روحانی حرکت سے
نہیں بدلتی فرعونِ نفسانی کی محبت ذرا سی حرکتِ بچگی سے بدل گئی بدل کر بگڑ گئی یہی حال اور
فرق مریدِ تحقیق اور مریدِ تقلید میں ہے۔ صوفیاءِ کرام کے نزدیک ایمان تحقیق والا بہتر اور معتبر
ہے لیکن اعمال تقلید والے بہتر ہیں ایمان میں تقلید گناہ کبیرہ۔ اعمال میں غیر مقلد ہونا گمراہی

وفساد ہے۔ بیعتِ مرشد ایسی تقلید کا نام ہے جب رب تعالیٰ کی نظرِ عنایت اور محبتِ کرامت نصیب ہوتی ہے تو نفسِ ضعیت بھی روحِ بدنی سے شفقت و نرمی کا سلوک کرتا ہے اور دشمن ابلیس بھی نمازوں کے لیے جگا دیتا ہے اگرچہ اس حسن سلوک سے سچی ہمدردی نہیں ہوتی۔ عالمِ ناسوت اور حیاۃِ دنیوی میں بقاءِ روح کے لیے یہ سارے انتظامات کیوں کئے گئے وَ لِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِىْ تاکہ اس خار دارِ فنا۔ بیابانِ نفسیات اور فرعونیتِ نفس کے افکارِ ظالمانہ سرکشانہ میں تو اسے روحِ محبت میری ہی حفاظتِ علمی میں پلتا بڑھتا پھلتا پھولتا عالمِ معرفت کے بڑھانے پھیلانے کے لیے تیار ہوتا رہے۔ جس کو عنایتِ ازلیہ نے منتخب کر لیا وہ ہر دم ہر ایک کا منظورِ نظر ہو گیا۔ مریدِ نیاز کی دنیا و آخرت میں اصلاح و تربیت و ترقی ہی خصوصی فرمائی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ مقامِ علیا پر پہنچا دیا جاتا ہے۔ (از تفسیر روح البیان۔ ابن عربی۔ روح المعانی) مولاءِ رومی نے فرمایا۔

نفسِ ما ہم کمتر از فرعون نیست　　لیک او را عون ما را عون نیست

نفسانی بندہ حقیقتاً اپنی نفسانی خواہشات کا غلام ہوتا ہے اور دنیا کا طالب دن رات اُس کو اپنا منصب اور اپنے عیال کو خوش کرنے کے لیے فکر لاحق رہتی ہے اور اُس کی دنیا طلبی کی حرص وسیع ہوتی جاتی ہے۔ اس وقت وہ صوفیا کے لباس سے مختلف لباس پہنتا ہے اور دنیوی لذتوں سے لُطف اندوز ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اُس پر امارت و حکومت کی محبت غالب آجاتی ہے اور جس قدر اُس کو زیادہ مفاد حاصل ہوتے ہیں اطمینان و صبر و سکون مٹتا جاتا ہے حرص کا دائرہ دراز ہوتا جاتا ہے۔ ایسا بدنصیب خادم نہیں مخدوم عاجز نہیں مغرور بننا چاہتا ہے مخلص کا وجود اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ رب تعالیٰ نیک بندوں کے وجودِ مسعود سے علاقہ کے سو پڑوسیوں کو مصیبتوں بلاؤں سے بچاتا ہے ایک روایت میں ارشادِ اقدس ہے کہ اگر نمازی اور شیر خوار بچے اور چرند و پرند جانور نہ ہوتے تو بدکاروں پر ایسا ہی عذاب نازل ہوتا جو سب کو ہلاک کر دیتا۔ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیک بندے کے طفیل سے آل اولاد بلکہ تین نسلوں تک ناگہانی آفتیں دور ہوتی ہیں نیکی مثل خوشبو کے ہے جس کا فائدہ پڑوسیوں کو بھی مل جاتا ہے۔ ایک نیک کے وسیلے سے پورا علاقہ حفظ و امن میں رہتا ہے نیک نیتی اور خلوصِ قلبی سے ذکر اللہ کی بلند آوازی وہ عقدۂ لسانی اور دُنیوی اُلجھاؤ کھول دیتی ہے جن کو گردشِ زمانہ نے مضبوط باندھا ہوتا ہے

اِذْ تَمْشِیْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ

جب کہ چلی آئی تمہاری بہن پھر بولی کیا تم لوگوں کو اُس کے گھر کی راہ بتاؤں

تیری بہن چلی پھر کہا کہ میں تمہیں وہ لوگ بتا دوں

عَلٰى مَنْ یَّكْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ

جو اس کی کفالت کرے تو ہم نے تم کو تمہاری والدہ کی طرف لوٹا دیا

جو اس بچے کی پرورش کریں۔ تو ہم تجھے تیری ماں کے پاس پھیر لائے

كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَ لَا تَحْزَنَ ؕ۬ وَ قَتَلْتَ

تاکہ اُس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور غمگین نہ رہے اور مار ڈالا تھا تم نے

کہ اُس کی آنکھ ٹھنڈی ہو اور غم نہ کرے اور تو نے ایک جان کو قتل

نَفْسًا فَنَجَّیْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَ فَتَنّٰكَ

ایک شخص تو اس وقت بھی بچا لیا تھا ہم نے تم کو گھبراہٹ سے اور ہم نے تم کو بہت آزمائشوں میں

کیا تو ہم نے تجھے غم سے نجات دی اور تجھے خوب جانچ لیا

فُتُوْنًا ۫ فَلَبِثْتَ سِنِیْنَ فِیْٓ اَهْلِ مَدْیَنَ ۙ۬

ڈالتے رہے پھر تم کئی سال مدین والوں میں رہتے رہے

تو تو کئی برس مدین والوں میں رہا

ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ یّٰمُوْسٰى ﴿۴۰﴾ وَ

پھر اب تم لوٹے ہو مقرر شدہ مدت پر اے موسیٰ۔ اور

پھر تو ایک ٹھیرائے وعدے پر حاضر ہوا اے موسیٰ۔ اور

اصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي ﴿٤١﴾ اِذْهَبْ اَنْتَ وَ

تم کو تو میں نے اپنے لیے ہی تیار کیا ہے۔ اب جاؤ تم

میں نے تجھے خاص اپنے لیے بنایا۔ تو اور تیرا

اَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ﴿٤٢﴾

اور تمہارا بھائی میرے دیئے ہوئے معجزوں کے ساتھ اور تھکاوٹ آڑے نہ آنے دینا میری یاد میں

بھائی دونوں میری نشانیاں لے کر جاؤ اور میری یاد میں سستی نہ کرنا

تعلقات اِن آیات کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں حضرت موسیٰ کو اُن کے بچپن کا ذکر اور والدین کی مشکلات اللہ تعالیٰ کے احسانات کا ذکر فرمایا گیا اب اِن آیات میں بقیہ واقعات کا ذکر ہو رہا ہے تو گویا یہ آیت پچھلی آیت کا تتمہ ہیں۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں حضرت موسیٰ کے خاندانی وطن کا ذکر ہوا۔ اب اِن آیات میں آپ کے سسرالی وطن کا تذکرہ ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں حضرت موسیٰ کے بچپن کی مشکلات کا تذکرہ ہوا۔ اب اِن آیات میں آپ کی بعد والی خود ساختہ مشکلات کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ چوتھا تعلق پچھلی آیت میں حضرت موسیٰ نے ذکر الٰہی کرنے کا جو وعدہ کیا تھا اُس کا ذکر ہوا اب اِن آیات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذکر اللہ کرنے کا حکم دینے کا ذکر فرمایا گیا

تفسیر نحوی اِذْ تَمْشِيْ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ۔ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا

اِذْ اسم ظرفِ زمانی برائے ماضی بمعنی اِذا شرطیہ تَمْشِيْ۔ باب ضَرَبَ کا ماضی استمراری کَانَتْ پوشیدہ اِذْ ظرفیہ کے قرینے سے ترجمہ ہے چلتی تھی چلتی آتی تھی اُخْتُ اسم مفرد مؤنث حقیقی جامد اس کا مذکر ہے اَخٌ مضاف کَ مضاف الیہ یہ مرکبِ اضافی فاعل ہے تَمْشِيْ کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی فَ جزائیہ تَقُوْلُ باب نَصَرَ کا فعل مضارع واحد مؤنث غائب ھِیَ ضمیر اس کا پوشیدہ فاعل یہ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا ھَلْ حرفِ استفہام لفظ سوال

کے لیے۔ تصدیق ایجابی یعنی ایسا ہونا چاہیئے۔ اَدُلُّ بابِ نَصَرَ کا مضارع حال واحد متکلم اَنَا ضمیر واحد متکلم مؤنث دَلٌّ سے مشتق ہے بمعنی رہنمائی کرنا نشان بتانا اسی سے دلیل دَلَّال دلالت۔ کُمْ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ ہے اَدُلُّ متکلم کا مرجع اُخت ہے اور کُمْ کا مرجع فرعون اور اُس کے گھر والے بیوی وغیرھم عَلٰی حرفِ جر بمعنی اِلٰی جارہ انتہاءِ غایت کے لیے مَنْ اسم موصول یَکْفُلُ۔ بابِ نَصَرَ کا مضارع مستقبل کَفِلٌ سے مشتق ہے ھُوَ ضمیر کا مرجع مَنْ موصولہ ہے اسی سے ہے۔ کفالۃ اور کفیل بمعنی پرورش کی ذمے داری اٹھانا۔ یا عام ہر قسم کی ذمے داری۔ ہٗ ضمیر واحد مذکر کا مرجع۔ کَ ضمیر سے مراد موسٰی علیہ السّلام مفعول بہ ہے یَکْفُلُہٗ کا دہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مجرور متعلق ہے اَدُلُّ کا دہ سب جملہ فعلیہ سوالیہ ہو کر مقولہ ہوا تَقُوْلُ کا وہ جملہ قولیہ ہو کر جزا ہوئی اِذْ تَمْشِیْ اپنی جزا ت ملکر ظرف ہوا اَلْقَیْتُ کا باقی ترکیب گزشتہ ہے۔ فَ زائدہ یا تعلیلیہ رَجَعْنَا بابِ ضَرَبَ کا ماضی مطلق جمع متکلم رَجْعٌ سے مشتق ہے بمعنی لوٹانا جب اس کو مصدر ثلاثی مجرد رَجْعٌ سے اشتقاق کیا جائے تو یہ متعدی ہوتا ہے یعنی لوٹانا اور جب اس کو ثلاثی مزید فیہ رُجُوْعٌ یا رُجْعٰی سے بنایا جائے تو باب حَسِبَ ہوگا اور لازم ہوگا یعنی کو لٹنا۔ کَ ضمیر مفعول بہ اِلٰی اُمِّکَ۔ یہ مرکب اضافی جار مجرور ہو کر متعلق ہے کَیْ حرفِ تعلیل بمعنی تاکہ اس میں اَنْ ناصبہ پوشیدہ ہوتا ہے یہ خود صرف فعل سابقہ کی علت اور وجہ بیان کرتا ہے مابعد مضارع کو نصب یہ خود نہیں دیتا۔ تَقَرَّ بابِ فَتَحَ کا فعلِ مضارع واحد مؤنث منصوب ہے قَرٌّ سے مشتق ہے بمعنی خوش ہونا سکون پانا ٹھنڈک پانا آنکھیں روشن ہونا یہاں ہر معنی درست ہے۔ اس کا مصدر پانچ طرح پر آتا ہے ۱ قَرٌّ ۲ قُرَّۃٌ ۳ قَرَّۃٌ یہ لازم ہیں ۴ قَرَارٌ ۵ قُرُوْرٌ۔ یہ دونوں متعدی ہوتے ہیں بمعنی ٹھنڈک پہنچانا۔ عَیْنُ اسم مفرد جامد بمعنی جسمانی آنکھ یا مراد ہے قلبی بصیرت ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب مرجع ہے۔ اُمّ مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی فاعل ہے کَیْ تَقَرَّ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَا تَحْزَنَ۔ بابِ سَمِعَ کا فعل مضارع منفی بلا واحد مؤنث غائب۔ تقریر عطف تابعی کی وجہ سے بحالتِ نصب ہے حُزْنٌ سے مشتق ہے بمعنی غم کرنا غمگین رہنا غمگین ہونا۔ ھِیَ پوشیدہ ضمیر کا مرجع اُمّ ہے یہ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف ہوا تقریر دونوں عطف مل کر علت ہوئی رَجَعْنَا کی وہ سب فعل فاعل مفعول متعلق اور علت مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ دوم ہوا قَالَ قَدْ اُوْتِیْتَ کا۔ واؤ نیز جملہ قَتَلْتَ بابِ نَصَرَ کا فعل ماضی مطلق واحد مذکر حاضر اس میں اَنْتَ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل مرجع

حضرت موسیٰ۔ نَفْسًا۔ اسم مفرد جامد نکرہ بمعنی ایک جان اس پر تنوین (دو زبریں) وحدت کی ہے مفعول بہ ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ فَ عاطفہ تعقیبیہ بمعنی تم۔ نَجَّیْنَا۔ باب تفعیل کا فعل ماضی مطلق جمع متکلم نَجْیٌ سے مشتق ہے بمعنی بچانا نجات دینا۔ اسی سے ہے مناجات بمعنی آہستہ دعا میں نجات مانگنا اب منقول ہیں ہر تنہائی کی دعا کو مناجات کہا جاتا ہے اس کا مصدر ہے تَنْجِیَۃٌ۔ تَنْجِیَۃٌ۔ نَحْنُ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل مرجع اللہ تعالیٰ کَ ضمیر مفعول بہ مِنَ الْغَمِّ لفظ غم کا لغوی ترجمہ ہے چھپانا۔ دھول مچانا اسی سے ہے غمام بمعنی ہلکا بادل مٹی کا اڑتا ہوا غبار دھوئیں کو غمام کہتے ہیں دھول کو غمام کہتے ہیں خوف و رنج کو غم کہتے ہیں کہ وہ دل پر چھا جاتا ہے خوشی کو چھپا لیتا ہے ھَمٌّ کا معنی بھی رنج ہے مگر فرق یہ ہے کہ مستقبل پر رنج ھَمٌّ ہے اور ماضی پر رنج غم ہے یہ جار مجرور متعلق ہے نَجَّیْنَا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر آگے معطوف علیہ واؤ عاطفہ فَتَنَّا باب ضَرَبَ یَضْرِبُ کا ماضی مطلق جمع متکلم۔ فَتْنٌ سے مشتق ہے دس معنی میں مشترک ہے ۱۔ جانچنا ۲۔ پرکھنا ۳۔ آزمانا ۴۔ آفت و مصیبت آنا ۵۔ فساد مچانا ۶۔ بدنظمی پیدا کرنا ۷۔ عبرت دلانا ۸۔ ابدا۔ دکھ پہنچانا ۹۔ معذرت کرنا ۱۰۔ آزمائش میں ڈالنا یہاں یہ آخری معنی میں ہے۔ کَ ضمیر مفعول بہ فُتُوْنًا مصدر مزید فیہ بمعنی آزمائش مفعول مطلق ہے فَتَنَّا سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ فَلَبِثْتَ سِنِیْنَ فِیْٓ اَھْلِ مَدْیَنَ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰی قَدَرٍ یّٰمُوْسٰی فَ عاطفہ تعقیبیہ لَبِثْتَ باب سَمِعَ کا ماضی مطلق واحد مذکر حاضر۔ اَنْتَ پوشیدہ فاعل لَبْثٌ سے مشتق ہے بمعنی ٹھیرنا۔ رہائش رکھنا سِنِیْنَ۔ اسم جمع مذکر سالم چونکہ بغیر الف لام کے ہے اس لیے۔ جمع قلت ہے جو تین سے دس تک عدد کے لیے ہوتی ہے یہاں آٹھ دس سال مراد ہے اس کا واحد سَنَۃٌ ہے بمعنی سال بحالت نصب ہے ظرف زمانی ہے فِیْ جارہ ظرفیہ اہل مَدْیَنَ ایک شہر کا علم ہے غیر منصرف ہے کیونکہ عجمی علم ہے یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے لَبِثْتَ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ثم حرف عطف جِئْتَ سے باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق واحد مذکر حاضر عَلٰی حرف جر قَدَرٍ اسم حاصل مصدر جامد بمعنی اندازہ مراد تقدیر الٰہی مجرور متعلق ہے جِئْتَ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا لَبِثْتَ کا دونوں عطف مل کر بیان مقدم ہوا ندی کا۔ یا حرف ندا موسیٰ منادیٰ۔ ندا اپنے منادیٰ و بیان سے مل کر معطوف ہوا فَتَنَّا پر اور وہ معطوف تَنْتَلِثُ پر سب عطف مل کر مقولہ سوم ہوا۔ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِیْ۔ اِذْھَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰیٰتِیْ وَلَا تَنِیَا فِیْ ذِکْرِیْ واؤ ابتدائیہ

کلام کی ہے اِصْطَنَعْتُکَ۔ باب افتعال کا فعل ماضی مطلق واحد متکلم صَنَعٌ سے مشتق ہے یعنی ہر قسم
کی بہتری کے ساتھ بنانا یعنی کاری گری سے اس کا مصدر ہے اِصْطِنَاعٌ دراصل تھا اِصْتِنَاعٌ
افتعال کی تَ اپنے ہم مخرج طَ سے بدل دی گئی اس لیے کہ تَ میں ثقل ہے طَ میں خِفّت
ہے جیسے مصتفیٰ سے مصطفیٰ کیا گیا اَنَا ضمیر پوشیدہ کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے لِکَ ضمیر مفعول
بہ لام خصوصیت اور ماموریت کے لیے یعنی اپنے خاص کام کے لیے نَفْسِی اسم مفرد جامد
بمعنی ذات ی ضمیر واحد متکلم مجرور متصل مضاف الیہ یہ اضافت نفسی کہلاتی یعنی اپنی ذات کی طرف
اضافت یہ مرکب اضافی جار مجرور متعلق ہے اصطنعتُ فعل سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ
چہارم ہوا۔ اِذْهَبْ۔ باب فتح کا فعل امر حاضر معروف واحد حاضر اس میں اَنْتَ ضمیر پوشیدہ ہے
اس کا فاعل اس پر اسم ظاہر کو عطف کرنے کے لیے ایک اسی قسم کی ظاہر ضمیر منفصل لانا اَنْتَ
ضروری ہے اس لیے اَنْتَ ظاہر ضمیر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَخُوْ اسم مکبّرہ بحالت رفع کیونکہ
اَنْتَ مرفوع منفصل کا عطف تابع ہے اور وہ فاعل ہے اَخُوْ کی واؤ اعرابی ہے رفع کی
علامت کَ ضمیر واحد مذکر متصل مضاف الیہ یہ مرکب معطوف دونوں مل کر فاعل ہے اِذْهَبْ
امر کا بِ حرف جر بمعنی مع (ساتھ) اٰیٰتِیْ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے اِذْهَبْ کا سب جملہ فعلیہ
انشائیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَا تَنِیَا۔ باب ضرب کا فعل نہی تثنیہ مذکر، وَنْیٌ سے مشتق ہے
ہفت اقسام میں سے لفیف مفروق ہے، ترجمہ ہے تھکاوٹ کی وجہ سے کچھ سست ہو
جانا۔ یہ نہی استحبابی ہے یعنی بہتر ہے کہ ایسا نہ کرو۔ اَنْتُمَا ضمیر تثنیہ مذکر حاضر اس کا فاعل ہے
مرجع اَنْتَ وَاَخُوْکَ ہے فِیْ جارہ ظرف زمانی کے لیے یعنی کسی وقت میں ذِکْرِیْ۔ اسم مفرد جامد
حامل مصدر بمعنی یاد کرنا یا درکھنا قلبی ذکر یا لسانی ذکر عبادت وغیرہ پہلے معنی زیادہ مناسب ہیں
یْ ضمیر مضاف الیہ مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے لَا تَنِیَا سب سے
مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف اِذْهَبْ دونوں عطف مل کر مقولہ پنجم ہوا۔

تفسیر عالمانہ

اِذْ تَمْشِیْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ یَّكْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَ لَا تَحْزَنَ ؕ وَ قَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّیْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَ فَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۔

اے موسیٰ ہمارا چوتھا احسان تم پر یہ تھا کہ جس وقت تم کو صندوق میں لٹا کر دریا میں ڈال دیا گیا
اور دریا نے ہمارے حکم سے تم کو اس چھوٹی نہر کی لہروں میں موڑ دیا جو نہر فرعون کے رہائشی محل
کے باغ سے گزرتی تھی اور فرعون نے وہ صندوق پکڑوا لیا اس میں سے تم کو نکالا اور محبت میں

وارفتہ و شیدا ہو کر تم کو اپنا بیٹا بنا لیا اور ایسی عورت ڈھونڈنا شروع کیا جو تم کو دودھ پلائے بہت سی قبطی اور اسرائیلی عورتیں دائیاں آئیں مگر تم نے کسی عورت کو منہ نہ لگایا ہم نے ہی تمہارا منہ موڑا تھا اور تمہارے قلبِ معصوم و محفوظ میں ان سب دودھ پلائیوں کی نفرت بھر دی تھی۔ فرعون و آسیہ اس صورتِ حال سے پریشان تھے اس وقت تمہاری بڑی بہن مریم کلثوم بنت عمران اپنی والدہ کے کہنے کے مطابق تمہارے ہی تفتیشِ حال کیلئے محل کے اندر چلی آئی تھی وہ بھی فرعون کے گھر اس بھیڑ بھاڑ میں چلی گئی اور اس نے جب دیکھا کہ بہت سی دودھ پلانے والی عورتیں بلائی گئیں ہیں مگر تم کسی کو منہ ہی نہیں لگاتے۔ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ۔ تو وہ بولی کہ کیا میں پتہ بتاؤں ایک ایسی طیبہ طاہرہ پاکیزہ صحت مند دودھ پلانے والی عورت کا جو شاید بہت اچھی طرح اس بچے کی کفالت کر سکے اور تمام ضروریات پوری کر دے۔ فرعون نے یا آسیہ نے کہا کہ ہم کو اس وقت سب سے بڑی اُلجھن اس کے دودھ پینے کی ہے اور پوچھا کہ اے لڑکی کیا تو اس عورت کو جانتی ہے اُس کے پاس اپنا دودھ ہے اور وہ تیری کیا لگتی ہے اُس کا دودھ کیسے ہے۔ بہن نے ایک دم اتنے بہت سے سوالات کا بہت ہمت اور عقل سے بغیر گھبرائے ہوئے نہایت صاف گوئی و سچائی سے جواب دیا کہ ہاں میں اُس کو جانتی ہوں وہ میری والدہ ہے اور اُس کی گود میں پچھلے ایک سال سے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ پچھلے دو سال سے ایک بچہ (میرا بھائی) ہے۔ جس کی وجہ سے اُس کا دودھ ہے۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ فرعون نے ولادتِ موسیٰ سے پچھلے دو سال میں بچے قتل کرانے کے ظالمانہ قانون میں یہ تبدیلی کر دی تھی کہ ایک سال کے بچے زندہ چھوڑتا اور ایک سال کے مروا دیتا ہٰرون زندہ چھوڑنے والے سال میں پیدا ہوئے اور موسیٰ علیہما السلام دو سال بعد قتل والے سال میں پیدا ہوئے مؤرخین اس بات میں اختلاف کرتے ہیں کہ ہٰرون ایک سال بڑے تھے یا دو سال یا تین یا چار سال۔ مگر بہن کے اس جواب والی روایت کے مطابق صحیح یہ ہے کہ ہٰرون علیہ السّلام دو سال بڑے تھے اور جب ابھی ہٰرون اپنے آخری ایام میں دودھ پی رہے تھے کہ حضرت موسیٰ کی ولادت ہوگئی اور قانونِ فطرت ہے کہ اگرچہ دودھ کی رضاعی مدت ہر شریعت میں ایک ہی رہی یعنی دو سال مگر دودھ چھڑانے کے بعد بھی کافی دن ماؤں کو دودھ آتا ہی رہتا ہے۔ اور اگر دوسرا بچہ لگا دیا جائے تو مزید دو سال تک کے لیے دودھ جاری ہو جاتا ہے۔ بدیں وجہ کسی فرعونی نکتہ چین یا جاسوس و کھوجی کو اعتراض کی جرأت نہ ہو سکی۔ مگر یہاں تو دودھ ہی خود موسیٰ علیہ السّلام کی ولادت

سے تازہ تھا۔ اور اس بات کو چھپانا مقصود تھا۔ غرضکہ ۱ موسیٰ علیہ السلام کا ہر دائی سے منہ موڑ لینا اور ۲ بیک دم بہن کا پہنچ جانا ۳ اور ھَلْ اَدُلُّکُمْ کہنا ۴ فرعونیوں کا سوالات کرنا ۵ جواب سن کر تسلی پالینا ۶ جرح نہ کرنا۔ یہ سب کچھ ہماری قدرتِ فطری اور حکمتِ ازلی سے تھا۔ اسی حکمت ازلی سے۔ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَ لَا تَحْزَنَ پس ہم نے ہی لوٹایا تم کو اسی دن چند ساعتوں کے بعد تمہاری والدہ کی طرف تاکہ تم کو پالینے اور دوبارہ تمہاری ملاقات سے اُس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوجائیں اور اُس کے دل میں جدائی کا غم نہ آنے پائے نہ غمگین ہو نہ غمگین رہے۔ بعض نے کہا کہ تَقَرَّ اور تَحْزَنَ واحد مذکر حاضر ہے یعنی اے موسیٰ تم اُس کی آنکھوں کو شفقت مادری اور آغوشِ والدہ سے سکون دو ٹھنڈا کرو اور تمہارے دل پر بھوک پیاس کی تڑپ کا غم نہ ہو۔ اس سبب سے جلدی ملاقات کرادی۔ اس سارے عرصہ میں تقریباً آدھا دن لگا۔ صندوق میں ڈالتے وقت والدہ نے اچھی طرح دودھ پلا دیا تھا اس لیے اتنے عرصہ برداشت رہی۔ والدہ نے تین یا چار ماہ آپ کو دودھ پلایا پھر غذا پر لگا دیا (صاوی) فرعون نے اپنے اس بیٹے کی والدہ کی دیکھ بھال خوراک عمدہ رہائش شاہی بستر بہت زیادہ تنخواہ مفت علاج مہیا کیا۔ چار ماہ شیر خوارگی کے بعد فرعون نے حضرت موسیٰ کو پھر محل میں ہی رکھا۔ پھر والدہ روزانہ ملنے جاتی تھیں مگر دایہ اور شاہی خادمہ کی حیثیت سے۔ موسیٰ علیہ السلام کے سارے کام سات سال تک اُنہیں کے سپرد رہے۔ شاہی تنخواہ ملتی رہی عزت الگ اس کے علاوہ بہن کی عمر اُس وقت تیرہ سال تھی۔ خیال رہے کہ حضرت عیسیٰ کی والدہ کا نام بھی مریم بنت عمران تھا۔ اور موسیٰ و ھٰرون اور ان کی بہن مریم کلثوم کے والد کا نام بھی عمران تھا مگر وہ تقریباً آٹھ سو سال پہلے دیگر عمران اور مریم والدہ عیسیٰ کے عمران دوسرے تھے تفسیر روح المعانی میں ہے کہ اُختِ موسیٰ کا نام کلثوم لکھا ہے بعض نے مریم۔ مگر صحیح یہ ہے کہ آپ کا پورا نام مریم کلثوم تھا حضرت موسیٰ اپنے بہن بھائی اور والدہ کی پُر شفقت نگاہوں کے سامنے بارہ سال تک شاہی محل میں شاہانہ طرز و تکریم سے زندگی گزارتے رہے یہاں تک کہ اے موسیٰ وَ قَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّیْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ ہمارا پانچواں احسان تم پر اُس وقت ہوا جب کہ تم نے ایک انسان کو جان سے مار ڈالا تھا تفسیر صاوی میں ہے کہ یہ فرعون کا شاہی باورچی تھا اس کا نام قاب فان تھا قبطی فرعونی تھا تفسیر روح المعانی نے کہا اس کا نام قافون تھا یہ ایک اسرائیلی کو مار رہا تھا ظلماً بلاوجہ اس اسرائیلی کا نام موسیٰ بن ظفر تھا یہی بعد میں سامری جادوگر کے لقب سے مشہور ہوا اس اسرائیلی

نے پکارا اے موسیٰ بن فرعون مجھے بچاؤ۔ ان دنوں عوام وخواص کی زبان پر یہی نام جاری تھا کسی کو آپ کی اصلیت کا پتہ نہ تھا بجز چند بوڑھوں کے آپ نے اسرائیلی کو چھڑانے کی کوشش کی جب قبطی نے موسیٰ علیہ السلام کی بات کی بھی پرواہ نہ کی اور نہ چھوڑا تو آپ نے قبطی کو ایک مکہ مارا جس سے وہ وہیں پر مر گیا۔ اس وقت حضرت موسیٰ کی عمر شریف بارہ سال تھی۔ سامری کی دس سال قبطی کی بیس سال۔ دوسرے دن موسیٰ علیہ السلام پھر کسی جگہ سے گزر رہے تھے کہ وہی سامری پھر کسی قبطی سے لڑجھگڑ رہا تھا۔ اس نے پھر موسیٰ علیہ السلام کو مدد کے لیے پکارا۔ حضرت موسیٰ اب سامری پر بھی ناراض ہوئے تو روز کسی نہ کسی سے لڑتا ہے اور دونوں کو چھڑانے کے لیے آگے آئے سامری سمجھا کہ شاید مجھے مارنے آئے ہیں کہنے لگا کہ کیا آج مجھ کو قتل کرنا چاہتے ہو جس طرح کل اس قبطی کو قتل کیا تھا۔ حضرت موسیٰ یہ سن کر چلے گئے اس قبطی نے جا کر دربار میں بتا دیا کہ کل شاہی باورچی قاب خان کو موسیٰ نے قتل کیا ہے تیسرے یا چوتھے دن ایک درباری اسرائیلی شخص حضرت موسیٰ کے پاس آیا اور کہا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور کہتا ہوں کہ تم کہیں بھاگ جاؤ اس ملک سے نکل جاؤ کیونکہ تمہارے قبطی کو قتل کرنے کی اطلاع دربار میں پہنچ گئی ہے اب وہ تم کو قتل کرنے کے منصوبے بنا رہے ہیں۔ یہ سن کر موسیٰ علیہ السلام بہت غمگین ہوئے۔ اسی غم کا ان آیت میں ذکر ہے کہ اے موسیٰ اس بیکسی بے بسی کی حالت میں ہم نے تم کو تمہارے عظیم غم سے نجات دی اس لیے کہ اس قتل سے تم مجرم وگناہگار نہ تھے نہ تم ظالم تھے کیونکہ تم نے ایک ظالم قاتل کافر اور ہزاروں بچوں کے قتل پر تعاون کرنے والے کو جان سے مارا تھا نہ تم شرعی مجرم تھے کیونکہ تم نے بالارادہ قتل نہ کیا تھا۔ تم نے پیٹھ پر مکہ مارا جس کی دھمک دل پر پہنچی دل کی شریان پھٹی اور قبطی اسی دم مر گیا۔ شرعاً یہ قتل اتفاقی ہے جس پر زیادہ سے زیادہ تاوان ہو سکتا تھا اور نہ تم فرعونی قانون کے مجرم تھے اس لیے کہ وہاں تو کوئی قانون ہی نہ تھا لاقانونیت اور جنگلی ظلم کا دور دورہ تھا اس طرح کہ کوئی قبطی کسی بھی اسرائیلی کو جب چاہتا قتل کر ڈالتا کوئی گرفت نہ ہوتی مگر قبطی کو چپت مارنا گالی دینا بھی قتل کے برابر ظلم تھا اس لیے ہم نے تم کو بچا لیا اور غم وفکر سے نجات دی۔ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا۔ اب یہاں سے ہم نے تمہاری آزمائشیں شروع کیں۔ اور بہت طرح کی مصیبتوں میں تم کو لٹھایا تاکہ تم ہر طرح سے نڈر مضبوط باہمت جابر اور مصائب برداشت کرنے والے ہو کر ہمارے انتخاب اور چناؤ میں آجاؤ ہم نے ازل سے ہی تم کو اپنی نبوت کتاب

قانون شریعت رسالت مرسلیت محبوبیت کلیمیت تبلیغی امور مقابلۂ فرعونیت کے لیے چن لیا
تھا اور رأس المحبین بنا لیا تھا۔ تم نے ہماری ہر آزمائش میں اچھی طرح کامیابی حاصل کی اور ہر
وقت ہماری پناہ ڈھونڈی ہم سے اپنی کمزوریوں کی بخشش مانگی اللہ تعالیٰ نے اس تمام دور میں
تقریباً بارہ۱۲ مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آزمائش فرمائی ۱؎ قبطی کے قتل پر غم کی آزمائش مصیبت
ڈالی گئی تب اس وقت آپ نے عرض کیا تھا۔ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ اے میرے رب
میں نے یہ زوردار گھونسہ مار کر بڑی غلطی کی اس کے قتل ہو جانے سے اپنی جان پر ظلم کیا۔ آخرت کی
ناراضگی سے مجھ کو بچا اور دنیا میں ہی معاف فرما دے اللہ نے معاف فرما دیا ۲؎ وطن سے ہجرت
۳؎ احباب سے دوری بے وطنی ۴؎ پیدل چلنا ۵؎ راستے کی بھوک پیاس ۶؎ فرعون جیسے ظالم
کافر کمینہ خصلت مغرور انسان کے پاس بارہ سال کا عرصہ گزارنا بھی ایک مصیبت کی گھڑی تھی
کیونکہ نیک خصلت شریف النفس کے لیے بدخصلت کی ہمراہی سخت عذاب و مصیبت ہوتی
ہے ۷؎ کافر قبطی قوم میں تربیت و رہائش موسیٰ علیہ السلام جیسی پاکیزہ شخصیت کے لیے بدترین
اذیت ناک دن تھے عام آدمی تو ایسی بری صحبتوں میں دین و تہذیب کھو بیٹھتا ہے ۸؎ مدین میں
پہنچتے ہی دو اجنبی خوب صورت نوجوان لڑکیوں سے ہم کلامی ہونا یہ بھی سخت ترین آزمائش
ہے بڑے بڑوں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں ۹؎ پھر رب تعالیٰ کی بارگاہ میں بھوک و پیاس سے
نڈھال ہو کر عرض کرنا۔ رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ۱۰؎ پھر آٹھ سال شعیب
علیہ السلام سے وعدہ نبھاتے ہوئے مشقت آمیز سخت نوکری کرنا سارا سارا دن بکریاں چرانا
اور روکھی سوکھی کھا کر ہزار شکر کے ساتھ گزارہ کرنا کبھی شکوہ شکایت نہ کرنا عام غریب پیشہ
ور چرواہے کو اس کٹھن مشقت کا اندازہ نہیں ہو سکتا اس بارِ گراں کو وہی بخوبی سمجھ سکتا
ہے جو شاہی عیش و آرام ناز و نعم سے نکل کر ایک دم غریب الوطن ادنیٰ نوکر بن گیا ہو ایسی
کڑی آزمائشوں امتحانوں میں صرف انبیا علیہم السلام ہی ثابت قدم رہ سکتے ہیں ۱۱؎ آٹھ سالہ نوکری
کے بعد پھر اپنی طرف سے ذٰلِکَ بَیْنِیْ وَبَیْنَکَ کہہ کر دو سال پھر نوکری کرنا ۱۲؎ تفسیر روح البیان
و تفسیر خازن نے فرمایا کہ قتل کے سال ولادتِ موسیٰ ہونا یہ بھی ایک امتحان تھا۔ نیز دریا میں
ڈالا جانا پھر دیگر دائیوں سے منہ پھیر لینا۔ پھر فرعون کی داڑھی پکڑ کر چپت مارنا۔ پھر انگارہ منہ
میں رکھنا یہ سب فُتُوْنًا اور آزمائشیں ہی تھیں جس میں جگہ جگہ پر رب تعالیٰ نے کمال احسانات
سے موسیٰ علیہ السلام کو ثابت قدم رکھ کر امتحانات میں کامیاب قرار دیا۔ غرضکہ وَفَتَنّٰکَ

فُتُونًا میں چھٹے احسان کا تذکرہ ہے جو حقیقتاً کئی احسانات کا مجموعہ ہے۔ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِیْ اَهْلِ مَدْيَنَ ہمارا ساتواں احسان یہ ہے کہ ہم نے فوراً تم کو مدین کے راستے پر ڈال دیا ورنہ مصر سے نکل کر ناواقفی میں کدھر بھٹکتے پھرتے اور راہ نہ پاتے۔ مصر سے مدین آٹھ مراحل یعنی آٹھ کوس ہے جس کے بیس میل اور تیس کلو میٹر بنتے ہیں۔ حضرت موسیٰ یہاں پیدل چار دن میں عصر کے وقت پہنچے۔ جب آپ شعیب علیہ السّلام کے پاس آئے اور ان کو سارا واقعہ سنایا حضرت شعیب علیہ السّلام نے فرمایا۔ اب تم فکر مت کرو اب تم امن میں ہو۔ کیونکہ یہاں تک فرعونی حکومت نہیں ہے اس کی سلطنت تو فقط مصر کی چار دیواری کے اندر ہے اسی چھوٹی سے حکومت پر اس کو اتنا غرور ہے کہ خدا بن بیٹھا اور ماننے والے بھی کیسے اندھے بنے بیٹھے ہیں آپ اٹھائیس سال یہاں مدین میں رہے اس طرح کہ آٹھ سال وعدے کے دو سال اپنی طرف سے پھر نکاح ہوا اور اٹھارہ سال اپنی بیوی کے ساتھ اس دوران آپ کی اولاد ہوئی تواریخ میں جن کی تعداد چھ ہے مگر کوئی مضبوط روایت نہیں ملی بعض نے کہا کہ قبطی کو مارنے کی وقت آپ کی عمر مبارک تیس سال تھی دس سال مَدْيَنَ رہے مگر پہلے قول کو جمہور مفسرین نے لیا ہے اس لیے اسی کو ترجیح ہے۔ حکایت۔ تفسیر روح البیان میں ہے کہ جب حضرت خضر نے کشتی توڑی اور حضرت موسیٰ نے اعتراض کیا کہ کیا تم لوگوں کو ڈبو دو گے۔ حضرت خضر نے جواباً کہا کہ تم کو تابوت میں رکھ کر دریا میں بہایا گیا تھا تو کیا ڈبونے کے لیے ایسا کیا تھا۔ فرمایا نہیں بلکہ وہ تو ظاہراً ہلاکت تھی باطناً نجات تھی خضر علیہ السّلام نے فرمایا بس یہ کشتی توڑنا بھی ظاہراً ہلاکت ہے باطناً نجات ہے۔ پھر جب خضر نے بچہ قتل کیا تب بھی موسیٰ علیہ السّلام نے اعتراض کیا کہ کیوں بلا وجہ قتل کیا۔ حضرت خضر نے کہا تم نے قبطی کو کیوں بلا وجہ قتل کیا تھا حضرت موسیٰ نے فرمایا اس میں تو اگلے واقعات کی حکمت الٰہیہ تھی صحبتِ شعیب علیہ السّلام کا راہ ہموار ہونا تھا خضر علیہ السلام نے کہا اس قتل میں بھی حکمتِ الٰہیہ ہے مَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ اس کے والدین کے ایمان کا راہ ہموار ہوتا ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ لَبِثْتَ سِنِيْنَ میں حکمت یہ تھی کہ کلیم اللہ بننے کے لیے صحبت شعیب علیہ السّلام کی ضرورت تھی اس لیے یہ زمانہ وہاں گزروایا گیا۔ حافظ شیرازی لکھتے ہیں

شبانِ وادیِ ایمن گہے رسد بمراد | کہ چند سال بجاں خدمتِ شعیب کند

اسی شعر کا تخیل سرقہ کر کے ڈاکٹر اقبال لکھتے ہیں۔

اگر کوئی شعیب آئے میسر | شبانی سے کلیمی دو قدم ہے۔

ثُمَّ جِئْتَ عَلٰی قَدَرٍ یّٰمُوْسٰی۔ پھر اب چالیس سال عمر نبوت پوری ہونے کے بعد تقدیر ازلی فیصلہ الٰہی کے مطابق یموسیٰ تم اس وادی مقدس کے علاقہ طور ایمن میں بحکم اِلٰہ العٰلمین آئے ہو یہ دوسری بار یموسیٰ کہہ کر ندا فرمانا انتہائی شفقت و لطف محبت اندوز تسلی آمیز کلام و خطاب ہے اس عمر میں اس جگہ تمہارا پہنچ جانا اتفاقیات میں سے نہیں بلکہ پروگرام الٰہی کے تحت کیا جا رہا ہے کیونکہ ہر نبی کو اظہار نبوت اور تبلیغ رسالت کی اجازت چالیس سالہ بزرگانہ عمر میں عطا کی جاتی ہے اس عمر کی شخصیت کے کلام کا اثر اپنی قوم پر زیادہ ہوتا ہے اس عمر میں زندگی کے تمام آثار چڑھاؤ نشیب و روز قوم کے سامنے گزر چکے ہوتے ہیں اور مبلغ احکام الٰہیہ کا عملی نمونہ مکمل اسوۂ حسنہ کے ساتھ عوامی قوم کے سامنے کھل کر آ چکا ہوتا ہے۔ چنانچہ کتاب بحر العلوم میں حدیث منقول ہے کہ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا بَعَثَ اللّٰہُ نَبِیًّا اِلَّا عَلٰی رَأْسِ اَرْبَعِیْنَ سَنَۃً لیکن تین انبیاء علیہم السلام اس قانون سے مستثنیٰ کیے گئے لہٰذا یوسف علیہ السلام اٹھارہ سال کی عمر میں مبعوث ہوئے۔ یحییٰ علیہ السلام بارہ سال کی عمر میں عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوتے ہی مبعوث ہوئے اور اعلان نبوت فرما دیا ایک قول میں ہے کہ مکمل طور پر آپ کو پچیس یا ستائیس سال کی عمر میں تبلیغ نبوت کی اجازت ملی یہ خصوصیت ہیں سے ہے باقی تمام انبیاء علیہم السلام کو چالیس سالہ عمر میں وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِیْ۔ اے موسیٰ کیا تم جانتے ہو۔ یہ تمام احسانات اور کرم فضل۔ اور فَتَنّٰكَ فُتُوْنًا یہ سب کیوں ہے اس لیے کہ ازل قدیم سے ہم نے فیصلہ مقضیا اور تقدیر مبرم میں یہ بات لکھدی تھی کہ میں نے تم کو خاص اپنے لیے چن لیا ہے اور یہ تمہاری خوش نصیب خصوصیت ہے کہ تمہاری انتہا۔ ابتدا۔ زندگی اور زندگی کا ہر قدم ہر کام سونا جاگنا کھانا پینا۔ شادی بیاہ نکاح اولاد بیوی بچے۔ دینی دنیوی تمام کام۔ نوکری چرواہی میری حکمت میری رضا اور ارادے و خوشنودی سے ہی ہے۔ تمہاری زندگی کا یہ پورا واقعہ محض اتفاقیات نہیں بلکہ سب کچھ ازلی منصوبے کے تحت ہو رہا ہے۔ لِنَفْسِیْ کا یہ معنی نہیں کہ معاذ اللہ رب تعالیٰ کو کچھ حاجت تھی موسیٰ علیہ السلام کی بلکہ یہ ایک تکریم و تکلیم و تقریب تھی اور قرب الٰہی کی ہمت و منصب کے لیے تیار کرنا تھا کہ جو الطاف کریمانہ مولیٰ تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر ہونے ضروری ہیں اس کی ادائیگی میں موسیٰ علیہ السلام نائب الٰہی بنائے جائیں اور فرعونیت کو توڑنے کے لیے برباد و ختم کرنے کے لیے جو قانون فطرت مقرر ہے اس کا اجراء و نفاذ حضرت موسیٰ [illegible] ہوگا [illegible] کا [illegible] ذات کے لیے نہیں

ہو گا بلکہ رب تعالیٰ کے لیے گویا ہر کام کلام اور ہر قدم و عمل رُشد و ہدایت کی تبلیغ اور عملی نمونہ ہو گا۔ یہ آٹھواں احسان ہے اِن سب کا مقصود یہ ہے کہ۔ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ یہاں سے تم اکیلے مصر جاؤ وہاں سے اپنے وزیر مشیر شریک بھائی کو اپنے ہمراہ تیار کرو وہ بھی نہیں تیار ملیں گے نبی ہیں سب غیوب جانتے ہیں انہیں کسی بات سے آگاہ کرنے کی حاجت نہیں علماء فرماتے ہیں اُخوت دس قسم ہوتی ہے۔ ۱ اَخُوَّت مشارکت فی ولدیت مِنَ الطرفین (سگے بہن بھائی) ۲ اخوت فی العلات ۳ اخوت فی الاخیاف ۴ اخوت فی الرضاعت ۵ اخوت فِی الدِّین ۶ اَخُوَّة فِی الصَّنعَة ۷ اخوت فی القومیة ۸ اَخُوَّة فِی المودة ۹ اَخُوَّة فِی المعاملات ۱۰ اُخوت فِی الآدمیة۔ یہاں پہلی قسم کی اُخوت مراد ہے اس کو اصلی مکمل میراثی اُخوت کہتے ہیں۔ اے میرے کلیم میری ان نشانیوں کے ساتھ جاؤ تاکہ ہمت دلیری جرأت ظاہر ہو اور کامیابی یقینی ہو یہ ظاہراً تو تین چیزیں ہیں ۱ عصا ۲ ید بیضا ۳ کلامِ صحیفہ مگر باطناً حقیقتاً کثیر معجزات ہیں کہ پہلے عصا پھر ڈالنے سے سانپ کا جسم گوشت پوست ہڈی جسم میں روح۔ روح میں پھرتی۔ اور پھرتی کا بڑھنا دراز ہونا موٹائی بھی پھر بلا کی تیزی بھی۔ پھر کھاتا۔ اور جب پھر ہاتھ میں پکڑو تو پھر اسی طرح پتلی سی لاٹھی۔ بھاگ دوڑ تیزی جسمانیت روحانیت کھایا پیا سب غائب قدرتِ الٰہیہ کی گیارہ نشانیاں آئیں تو یہی ہیں پھر ہاتھ کا ید بیضا ہو جانا سورج کی طرح تیز شعاعیں نکلنا یہ وہی ہاتھ مبارک ہے جس نے انگارہ پکڑ لیا مگر کچھ نہ ہوا۔ ان معجزات سے تم دونوں کو دشمنوں کے مقابل قوت و مدد ملے گی۔ مگر سب سے زیادہ قوت میرے ذکر سے ملے گی لہٰذا وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ اور کبھی کسی مقام کسی موقعہ پر میرے ذکر میری یاد میں تبدیلی کمی نہ کرنا۔ ذکر شرعی کی چھ قسمیں ہیں ۱ ذکر سے مراد ہر قسم کی فرضی نفلی عبادت، تبلیغ رسالت دعا وعظ نصیحت اور فرعون کو سمجھانا بھی اس میں شامل ہے یعنی۔ لَا تَنِيَا۔ تبلیغِ احکام میں کسی کی رو رعایت نہ کرنا۔ نہایت جرأت و رجب سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں، احسانات اُس کی رضا اُس کی ناراضگی کا تذکرہ اور ایمان کے فائدے کفر کے نقصانات بتا دینا۔ اور اے موسیٰ اب تک اگرچہ خطاب تم اکیلے سے ہوا مگر آئندہ ہر قول و فعل میں تم دونوں ساتھ رہنا ۲ تبلیغ۔ ترھیب۔ ترغیب۔ ثواب۔ عقاب کا تذکرہ بھی ذکر اللہ ہے ۳ امر بالمعروف نہی عن المنکر بھی ذکر اللہ ہے ۴ ہر کام سے پہلے حمد و ثنا۔ بسم اللہ شریف پڑھنا بھی ذکر اللہ ہے ۵ ہر کام اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے اُس کے بھروسے پر کام شروع کرنا بھی ذکر اللہ ہے ۶ ہر وقت گھر بازار دکان گلی کوچوں میں تسبیح و تہلیل پڑھتے رہنا بھی ذکر اللہ

ہے ۔ ہر شیطان و خبیث سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا بھی ذکر اللہ ہے۔ احادیث سے ذکر اللہ
کے پانچ فائدے منقول ہیں ۱ ذکر اللہ سے اغیار و اشرار کا ڈر ختم ہو جاتا ہے ۲ اللہ تعالیٰ کے
احسانات یاد رہتے ہیں جس سے عبادت ریاضت میں ذوق لذت اور دینی کاموں میں لگن پیدا ہوتی
ہے ۳ ذکر اللہ ہر دینی دنیوی مراد و مقاصد کے حصول کا آلہ ہے ۴ ذکر اللہ سے اطمینانِ قلبی اور اطمینان
سے روح و قلب کو قوت ملتی ہے ۵ ذکر اللہ سے سستی غفلت دور ہوتی ہے اس لیے حکم ہوا کہ
لَا تَنِیَا فِیْ ذِکْرِیْ ۔ میرے ذکر میں کی سستی غفلت بھول چوک نہ ہونے دینا۔ یہ حکم تا قیامت مسلمانوں
کو سنایا سمجھایا جا رہا ہے۔

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ کے
ہر کام کو مفید اور قابلِ تعظیم لائقِ محبت سمجھنا چاہیئے اگرچہ ظاہراً مصیبت نظر آتی
ہو مگر باطناً حقیقتاً اُس کی حکمت بندے کی عین مصلحت میں ہی ہوتی ہے یہ فائدہ وَقَتَلْتَ نَفْسًا
اور فَنَجَّیْنٰکَ مِنَ الْغَمِّ سے حاصل ہوا کہ قتل قبطی جو ظاہر مکروہ غم و مصیبت کا باعث تھا اور حضرت
موسیٰ علیہ السلام کو رب تعالیٰ کی ناراضگی یا خوفِ فرعون کا دھڑکا لگا ہوا تھا۔ انجام کار باطنی حکمت سے
امرِ محبوب تھا کہ ذریعہ بنا تھا شعیب علیہ السلام کی صحبتِ پاک کا اور صحبتِ پاک کلیم اللہ بننے کا ذریعہ
تھا اور سبب ہوا۔ دوسرا فائدہ۔ ہر مومن مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ اُس کی زندگی دین ایمان
عبادت سچی صحیح تبلیغ کے لیے عطا ہوئی ہے ۔ لہٰذا دینی کاموں میں مشغولیت کو نہ فضول و بیکار
سمجھنا چاہیئے نہ کہنا چاہیئے۔ بلکہ اصل با مقصود کام و اعمال ہی یہ ہیں۔ وقت کی بربادی اور ضیاع تو
دنیا کے کاموں میں مشغولیت میں ہیں۔ کتنے بدبخت اور بیوقوف ہیں وہ دہریہ نما مسلمان انسان
جو نہ خود عبادت کرتے ہیں نہ کرنے دیتے ہیں بلکہ علماء و مشائخ مسجد و مدرسوں خانقاہوں میں معروف
و مشغول بزرگوں کو وقت ضائع کرنے کا طعنہ دیتے ہیں اور خود ہی کفر کماتے ہیں یہ فائدہ وَاصْطَنَعْتُکَ
اور فَلَا تَنِیَا فِیْ ذِکْرِیْ ۔ فرمانے سے حاصل ہوا کہ اگرچہ ظاہراً یہ کلام و خطاب موسیٰ علیہ السلام سے ہے
مگر آج ہم سب مسلمانوں کو خاص کر علماء و مشائخ کو اس لیے سنایا جا رہا ہے کہ اب یہ کام تمہارے
ہیں اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ اور اگرچہ فرعون و ہامان اُس کی سلطنت لشکر ہزاروں سال پہلے ختم ہو
چکے مگر فرعونیت ابھی بھی کسی نہ کسی یزید پلید کے روپ میں چلتی چلی آ رہی ہے۔ اور تا قیامت
رہے گی دنیا میں کسی کی جڑ ختم نہیں کی جاتی یہ حکمت باری تعالیٰ ہے۔ تیسرا فائدہ۔ ہر مسلمان کو
ہر حال میں راضی برضائے الٰہی رہنا چاہیئے دیکھو انبیاء کرام علیہم السلام جیسی بزرگ و مقرب بارگاہ ہستیاں

ہے ۶ ہر شیطان و خبیث سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا بھی ذکر اللہ ہے۔ احادیث سے ذکر اللہ کے پانچ فائدے منقول ہیں ۱ ذکر اللہ سے اغیار و اشرار کا ڈر ختم ہو جاتا ہے ۲ اللہ تعالیٰ کے احسانات یاد رہتے ہیں جس سے عبادت ریاضت میں ذوق لذت اور دینی کاموں میں لگن پیدا ہوتی ہے ۳ ذکر اللہ ہر دینی دنیوی مراد و مقاصد کے حصول کا آلہ ہے ۴ ذکر اللہ سے اطمینانِ قلبی اور اطمینان سے روح و قلب کو قوت ملتی ہے ۵ ذکر اللہ سے سستی غفلت دور ہوتی ہے اس لیے حکم ہوا کہ لَا تَنِيَا فِي ذِكْرِي۔ میرے ذکر میں کمی سستی غفلت بھول چوک نہ ہونے دینا۔ یہ حکم تا قیامت مسلمانوں کو سنایا سمجھایا جا رہا ہے۔

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ کے ہر کام کو مفید اور قابلِ تعظیم لائقِ محبت سمجھنا چاہیئے اگرچہ ظاہراً مصیبت نظر آتی ہو مگر باطناً حقیقتاً اُس کی حکمت بندے کی عین مصلحت میں ہی ہوتی ہے یہ فائدہ وَقَتَلْتَ نَفْسًا اور فَنَجَّيْنَاكَ مِنَ الْغَمِّ سے حاصل ہوا کہ قتلِ قبطی جو امر مکروہ غم و مصیبت کا باعث تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رب تعالیٰ کی ناراضگی یا خوفِ فرعون کا دھڑکا لگا ہوا تھا۔ انجام کار باطنی حکمت سے امرِ محبوب تھا کہ ذریعہ بنتا تھا شعیب علیہ السلام کی صحبتِ پاک کا اور صحبتِ پاک کلیم اللہ بننے کا ذریعہ تھا اور سبب ہوا۔ دوسرا فائدہ۔ ہر مومنِ مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ اُس کی زندگی دین ایمان عبادت سچی صحیح تبلیغ کے لیے عطا ہوئی ہے لہٰذا دینی کاموں میں مشغولیت کو نہ فضول و بیکار سمجھنا چاہیئے نہ کہنا چاہیئے۔ بلکہ اصل با مقصود کام و اعمال ہی یہ ہیں۔ وقت کی بربادی اور ضیاع تو دنیا کے کاموں میں مشغولیت میں ہے۔ کتنے بدبخت اور بیوقوف ہیں وہ دہریہ نما مسلمان انسان جو نہ خود عبادت کرتے ہیں نہ کرنے دیتے ہیں بلکہ علما و مشائخ مسجد و مدرسوں خانقاہوں میں معروف و مشغول بزرگوں کو وقت ضائع کرنے کا طعنہ دیتے ہیں اور خود ہی کفر کماتے ہیں یہ فائدہ وَاصْطَنَعْتُكَ اور فَلَا تَنِيَا فِي ذِكْرِي۔ فرمانے سے حاصل ہوا کہ اگرچہ ظاہراً یہ کلام و خطاب موسیٰ علیہ السلام سے ہے مگر آج ہم سب مسلمانوں کو خاص کر علما و مشائخ کو اس لیے سنایا جا رہا ہے کہ اب یہ کام تمہارے ہیں اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ اور اگرچہ فرعون و ہامان اُس کی سلطنت لشکر ہزاروں سال پہلے ختم ہو چکے مگر فرعونیت ابھی بھی کسی نہ کسی یزید پلید کے روپ میں چلتی چلی آ رہی ہے۔ اور تا قیامت رہے گی دنیا میں کسی کی جڑ ختم نہیں کی جاتی یہ حکمت باری تعالیٰ ہے۔ تیسرا فائدہ۔ ہر مسلمان کو ہر حال میں راضی برضاءِ الٰہی رہنا چاہیئے دیکھو انبیاء کرام علیہم السلام جیسی بزرگ و مقرب بارگاہ ہستیاں

ہر حال میں راضی برضا رہتی تھیں اور کسی بھی وقت حالات کے اُتار چڑھاؤ کا اُن کی طبیعت پر کوئی فرق نہ پڑتا تھا خواہ دربارِ فرعونی کی ناز و نعم والی شاہی پرورش ہو یا مدین کا راہِ بیابان ہو۔ مسافرت کی بھوک و پیاس اور پیدل آبلہ پا سفر ہو یا چراگاہوں کی بکریاں چرانے کی با مشقت نوکری ہو مصر کی شہزادگی و مخدومیت ہو یا مدین کی خادمیت غرض کہ راضی برضا رہنا سنتِ انبیاء ہے۔ یہ فائدہ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکامُ القرآن ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ مسلمان شیر خوار بچے کو کسی بھی کافرہ مشرکہ عورت کا دودھ پلانا جائز ہے اگرچہ مشرکین مرد و عورت کو نجس پلید فرمایا گیا ہے اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ سورۃ توبہ آیت ۲۸ یہ مسئلہ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰۤى اُمِّكَ کی علت اور وجہ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا فرمانے سے مستنبط ہوا یعنی دیگر دائیوں سے منہ پھیرنا نجس ہونے کی وجہ سے نہ تھا بلکہ والدہ کے پاس واپس موڑنے کی علت سے تھا۔ اگر موسیٰ علیہ السلام کسی اور دائی کا دودھ پی لیتے تو فرعون کبھی بھی آپ کو والدہ کے حوالے نہ کرتا نہ کسی طرح آنے دینا ضرورت محسوس کرتا۔ دوسرا مسئلہ خیال رہے کہ قتل چار قسم کا ہے ۱ قتل عمد اس کی سزا حد شرعی قصاص ہے ۲ قتل شبہ عمد ان دونوں کی تفصیل تعریف تفسیر نعیمی پارہ پانچ سورۃ نساء آیت ۹۲ میں دیکھو ۳ قتل خطاء اس کی سزا تعزیری دیت اور کفارہ ہے ۴ قتلِ ناگہانی و اتفاقیہ کبھی قانون میں دینی ہو یا دنیوی شرعی ہو یا مصنوعی قتلِ اتفاقی جرم نہیں لہٰذا قتلِ اتفاقی پر نہ فرضی قصاص واجب ہوتا ہے نہ دیت نہ خون بہا نہ کوئی حدِ شرعی۔ ہاں البتہ حاکم عادل تعزیری فیصلے سے کچھ تاوان ضرور لازم کر سکتا ہے معافی بھی ہو سکتی ہے یہ مسئلہ قَتَلْتَ نَفْسًا کے بعد فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ فرمانے سے مستنبط ہوا کہ رب کریم نے موسیٰ علیہ السلام کو اس قتل قبطی سے بالکل بری کر دیا نہ قصاص نہ کفارہ نہ دیت نہ خون بہا نہ تاوان بلکہ آپ کے خلاف فرعون کا تعزیری فیصلہ بھی نہ ہونے دیا۔ مکمل ہر طرح سے نجات دیدی کیونکہ یہ قتلِ ناگہانی تھا جو اتفاقاً سرزد ہوا نہ ارادہ تھا نہ ہتھیار نہ آلۂ قتل۔ ایک مکے سے اگر کوئی مرتا ہے تو پڑا مرے۔ تیسرا مسئلہ دینی دشمن کفار کی سرزمین میں بغیر ہتھیار بلا حفاظت جانا شرعاً منع ہے۔ ہر مسلمان کو لازم ہے کہ سر زمینِ کفر میں تبلیغ یا جہاد کے لیے جائے تو پوری تیاری کر کے جائے۔ تیاری کی تکمیل میں تین چیزوں کا خیال رکھے ۱ موقعہ محل کے مطابق اپنے ساتھیوں کو ساتھ لے کر جائے خواہ ایک دو کی ضرورت ہو یا لشکرِ ضروریہ کی ۲ اپنے ساتھ اپنے بچاؤ اور دشمن کو مغلوب کرنے

ہتھیار جو بھی حالات کے مناسب ہوں ساتھ میں رکھے ۳ اپنے ساتھ اپنی عبادت ذکر اذکار
نماز و تلاوت کا سامان مصلّٰی وغیرہ ہونا چاہیئے اور اگر غلبہ پانے کا یقین ہو تو قرآن مجید برائے
تلاوت میدانِ جنگ میں لے جانا جائز ہے۔ یہ مسئلہ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ
کے پورے تاکیدی احکام سے مستنبط ہوا۔ دیکھو یہاں موسیٰ علیہ السلام کو تاکید سے تین حکم دیئے
گئے اوّلاً یہ کہ تم اکیلے مت جانا بھائی کے ساتھ جانا دوم۔ خالی ہاتھ مت جانا معجزات بِاٰيٰتِيْ جو
مضبوط ہتھیار بھی ہیں ساتھ لے کر جانا سوم۔ میرے ذکر کو جاری رکھنا حضرت موسیٰ جب دربارِ
فرعون میں پہنچے تو آپ کے پاس وہ دس صحیفے بھی تھے جو آپ کو فرعون کی تبلیغ کے لیے عطا
فرمائے گئے جن کا ذکر سورۃ اعلیٰ میں اس طرح ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى
بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَ
مُوْسٰى۔ یہ حضرت موسیٰ کی خصوصیت ہے کہ آپ کو اللہ کے تعالیٰ کے کلام کے صحیفے بھی ملے اور
توریت مکمل جامع کتاب بھی ملی اس لیے کہ آپ کو دو قوموں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ۱ فرعونی قبطی قوم
یہ آپ کی اُمت دعوت تھی مگر ایمان صرف اٹھارہ آدمی لائے جن میں حضرت آسیہ بھی تھیں ۲ قوم
بنی اسرائیل یہ آپ کی اُمت اجابت تھی۔ پہلی امت کے لیے شریعت صحیفوں کی تھی دوسری کے
لیے شریعت توریت کی صحیفوں کی شریعت فرعونیوں کے ڈوبنے کے ساتھ ہی منسوخ ہو گئی
اور توریت کی شریعت عیسیٰ علیہ السلام تک رہی ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ میدانِ جنگ میں قرآنِ مجید
نہ لے جانا چاہیئے ان کا استدلال اُس خبرِ واحد سے ہے جس میں فرمانِ نبوی ہے کہ میدانِ
جنگ میں قرآنِ مجید مت لے کر جاؤ تاکہ کفار بے ادبی نہ کریں مگر یہ استدلال تین وجہ سے
کمزور ہے ۱ یہ روایت خبرِ واحد ہے اس کا استدلال آیت کے استدلال کی مثل نہیں
ہو سکتا ۲ الفاظِ روایت بتا رہے ہیں کہ یہ حکمِ ممانعت مطلقًا نہیں بلکہ مسلمانی غلبے کی غیر
یقینی صورت میں ہے کیونکہ فرمایا گیا تاکہ کفار بے ادبی نہ کریں اور بے ادبی کا خطرہ تو اُن کے
غلبے کی صورت میں ہی ہو سکتا ہے ۳ جب مسلمانوں کے غلبہ کا یقین ہو تو بے ادبی کا خطرہ نہ
رہا لہٰذا یہ حکم الفاظِ روایت کی بنا پر مقید ہوا۔ لیکن آیت کے استدلال سے یقینی فتح کی صورت
مستنبط ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو صحیفے لے جانے کی اجازت دشمن کافر قوم میں لے جانے کی
اجازت ملی کیونکہ بوجہ وعدۂ ربانی آپ کو اپنے غلبہ کا یقینِ کامل تھا اور یہ یقین تا قیامت
ہر لشکرِ اسلامی کو اپنے حالات سے ہو سکتا ہے اپنی قوت اور عبادت ریاضت تلاوت

تقویٰ طہارت کی بنا پر۔ اس لیے امام اعظم کا استدلال مضبوط اور منشاءِ آیت و حدیث کے عین مطابق اکثر مسائل میں امام اعظم و ائمہ ثلاثہ کے استنباط میں یہی فرق ہوتا ہے کہ امام اعظم آیت و حدیث کی منشا و رموز تک پہنچ کر استدلال فرماتے ہیں یہ بات ائمہ ثلاثہ میں مفقود ہے۔ وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَاءُ۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں پہلا اعتراض۔ اس سورہ میں ۳ بار فرمایا گیا کہ فرعون کے پاس جاؤ اوّلاً آیت ۲۴ میں۔ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى پھر آیت ۴۲ میں۔ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِىْ پھر آیت ۴۳ میں۔ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى اس بار بار ارشاد میں کیا مصلحت ہے۔ جواب جانے کی تین نوعیتیں تھیں جن کو علیحدہ علیحدہ سمجھانے اور واضح کرنے کے لیے تین مرتبہ فرمایا گیا۔ پہلے یہ بتایا گیا کہ اصل جانا تمہارا ہے کیونکہ اس کام کے لیے تم کو ہی چنا اور تیار کیا گیا ہے ہارون کا ساتھ تو صرف تعاون کے لیے ہے۔ پھر آیت ۴۲ میں جانے کا طریقہ سکھایا بتایا گیا کہ یہ دونوں معجزات اور تیسری آیت میرا کلام صحیفہ جو تبلیغ میں اس کو سمجھانا وہ بھی ساتھ لے کر جانا۔ پھر آیت ۴۳ میں تیسری بات سمجھائی گئی کہ ہارون صرف وزیر و مشیر ہی نہیں کہ تم فقط ان سے خلوت میں مشورے لے لو بلکہ وہ تمہارا لشکر بھی ہیں ہر وقت وہ تمہارے ساتھ رہیں یہاں تک کہ فرعون کے پاس پہلی اور آخری تمام حاضریوں میں بھی ساتھ ہی ہوں اور فرعون کو پتہ لگ جائے کہ ہارون تمہارا صرف رضاعی بھائی ہی نہیں سگا بھائی بھی ہے اس تکرار میں اور بھی ہزارہا حکمتیں ہو سکتی ہیں۔ دوسرا اعتراض آپ نے تفسیر میں لکھا کہ رب تعالیٰ نے تین بار حضرت موسیٰ کو اپنا کلام عطا فرمایا۔ اوّلاً گفتگو اور آواز سنا کر پھر قدرتی تحریری صحیفوں میں پھر بہت عرصے بعد توریت کتاب میں اس میں کیا حکمت ہے جواب۔ دراصل حضرت موسیٰ کا فرعون کے پاس جانا مقابلہ کرنا خود موسیٰ علیہ السلام کے لیے بہت اہم و دشوار واقعہ تھا اس لیے کلام الٰہی کی آواز موسیٰ علیہ السلام کو سمجھانے بتانے اعزاز و تکریم کے لیے۔ پھر صحیفوں کی عطا فرعون کو سنانے کے لیے پھر غرق فرعون کے چند دن بعد توریت کی عطا بنی اسرائیل کی شریعت کے لیے ہوئی اس لیے تین دفعہ آگے پیچھے تین کلام دیئے گئے۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں پہلے فرمایا گیا اے موسیٰ ہم نے تم پر پہلے بھی بہت سے احسانات کیے ان احسانات کے تذکرے میں فرمایا گیا وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ہم نے تم کو فتنوں میں ڈالا۔ فتنوں میں آزمائش کرنا احسان تو نہیں ہوتا تو پھر احسانات میں

اس کو کیوں شمار کیا گیا۔ جواب اس لیے کہ فتنوں میں کامیابی مشقت سے ملتی ہے اور مشقت کے اعمال کا ثواب زیادہ ہوتا ہے تو فرمایا یہ جا رہا ہے کہ ہم نے تم سے اے موسیٰ ایسے اعمال کرائے اور ان امتحانوں میں کامیاب کرایا جن کا ثواب و اجر بہت ہی زیادہ ہے یہ بھی ہمارا احسان ہے کہ ہم نے تمہیں اس مشقت کے امتحان و خدمت کے لیے چن لیا۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔ ؎

مِنّت مِنہ کہ خدمتِ سلطان ہمیں کنی ۔۔۔ مِنّت شناس ازو کہ بخدمت گماشتت

آج کالج یونیورسٹی کے امتحان میں داخلے کے لیے بڑی بڑی سفارشیں کرانی پڑتی ہیں اگر یونیورسٹی والا کسی کو امتحان میں بٹھالے تو اس کا احسان مانا جاتا ہے اسی طرح اگر کوئی فیکٹری کا مالک کسی مزدور کو اپنی فیکٹری کے پتھر کوٹنے اینٹیں توڑنے لوہا پگھلانے کی مشقت آمیز ملازمت دے دیتا ہے تو اس کا احسان مانا جاتا ہے۔ حالانکہ امتحان میں بھی مشقت ہی مشقت ہے اور مزدوری میں بھی۔ چوتھا اعتراض یہاں فرمایا گیا۔ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰیٰتِیْ۔ معجزے تو صرف دو تھے ۱۔ ید بیضا ۲۔ عصا تو آیاتی جمع کیوں فرمایا گیا جواب۔ اس کی وضاحت تفسیر عالمانہ کر دی گئی ہے یہاں اتنا اور سمجھ لو کہ صحیح قول کے مطابق معجزے تین تھے، عصا، ید بیضا۔ صحیفۂ موسیٰ علیہ السلام جن کو صحفِ موسیٰ کہا جاتا ہے اور جن میں خاص فرعون و فرعونیوں کے لیے تبلیغ نصیحت اور دعوتِ ایمان۔ بشارت و نذارت کا پیغام تھا۔ ایک جواب یہ ہے کہ یہ دونوں معجزے بھی بہت سے معجزات کا مجموعہ تھے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

تفسیر صوفیانہ اِذْ تَمْشِیْۤ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ یَّكْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰۤى اُمِّكَ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ جب قلب موسیٰ کی حفاظت کے لیے ہمشیرۂ عقل نے مثلِ بادِ بہاری راہِ عمل کو طے کیا اپنے ظہورِ حرکات سے تب آسیۂ ضمیر سے کہا کہ هَلْ اَدُلُّكُمْ۔ کیا میں تمہاری رہنمائی کروں ان آدابِ حسنہ اور اخلاقِ جمیلہ پر جو نفسِ لوّامہ طیبہ کے اندرونِ خانہ سے ہیں۔ جو اس قلبِ منور کی رضاعت و شیرخوارگی حکمتِ علیہ کی فکر ترتیب سے کفالت کر سکے اور علومِ نافعہ کی غذائیں دے اور وہ کسبِ کمال معاونین اعمالِ صالح کے مرشدین سے ہو تاکہ قلبِ مسعود مراتبِ رفیعہ کی ترقی کی طرف مُصعدین میں سے ہو جائے۔ اور مہماتِ باطنی کے لیے تیار ہو سکے۔ تب فَرَجَعْنٰكَ۔ لوٹا دیا ہم نے قلبِ مرفوع کو شفقتِ طیبہ لاءُمہ کی طرف۔ بصیرتِ شکر کی قُرّۃِ عین کے لیے اور

حُزنِ فراق کو دور کرنے کے لیے۔ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّیْنٰکَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰکَ فُتُوْنًا اور اے قلبِ معصوم تو نے ہی تو قتل کر دیا تھا صورۃِ غضبیہ کو ریاضتِ شاقہ کی مار سے امانتِ عہد کی حفاظت اور سامری ناسوتی کو بچانے کے لیے۔ تو غلبۂ نفسِ باطنی کے رنج سے اور خصلتِ رذیلہ کے خوف سے ہم نے ہی تجھ کو نجات دی تھی پھر مجاہداتِ ریاضات کے جنگلات میں قبض و بسط کے بیابانوں میں صیام کی بھوک اور صلوٰۃ کی پیاس والی مشقتوں سے ہم نے تجھ کو بے حساب آزمایا۔ فَلَبِثْتَ سِنِیْنَ فِیْٓ اَهْلِ مَدْیَنَ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰی قَدَرٍ یّٰمُوْسٰی پھر کئی سالوں مدین علم میں شعیبِ روحانیت کی مجلسِ قوت میں ٹھیرا تو اے قلبِ عرفانی عقلِ فعالی کے مرکز میں۔ پھر حواس بدنیہ کی زوجہ کے ساتھ مقدارِ قدمی میں وادیِ تقویٰ میں دخولِ عقیدت کیا اور تقدیرِ صفاتی میں آگیا کمالِ تام کی استعداد و قوت کے مطابق تکمیلِ صفات سے تجلّیِ ذات کے مکاشفۂ کلیمی کے لیے وَاصْطَنَعْتُکَ لِنَفْسِیْ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْکَ بِاٰیٰتِیْ وَلَا تَنِیَا فِیْ ذِكْرِیْ۔ مدینۂ اسرار ربیتِ انوار میں سے صرف تجھ کو جملہ خواص میں بنایا میں نے اپنے افعالِ خلافت اعمالِ نیابت عطاءِ امانت کی اہلیت ولیاقت کے لیے۔ اے قلب و عقل تم دونوں جاؤ نفسِ فرعونی کی سرکوبی ذلت کے لیے تعلیماتِ عرفانی کی نشانیوں ہدایتوں روشنیوں کے ساتھ جو خاص میری قدرت کی نشانیاں و آیات ہیں لیکن تم اے سلطنتِ باطنیہ کے امیر و وزیر میرے قربِ جلال کے تذکرے کے مراقبۂ جمال کو کبھی نہ چھوڑنا کہ یہی قلب و جگر کی قوتِ قدسیہ ہے۔ حواسِ انسانی کی دو قسمیں ہیں بعض حواس خاص رب تعالیٰ نے اپنی تدبیرِ عالمِ اسرار کے لیے پیدا فرمائے ہیں۔ جن کا دل دماغ عقل فردسب کچھ صفاتِ جمال و جلال کے لیے ہوتا ہے مُقرّبینِ جلالی وادیِ قدس کے لوگ مشاہدۂ انوار کے آئینہ ہوتے ہیں یہی حقیقتاً عبادُ اللہ ہیں۔ ان کو ہی طورِ عرفانی کی وادیِ ایمن مقدس سے کلامِ معرفت کے کلیمِ سرمدی ہونے کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ ایسے خوش بختوں کا میلانِ خلوص ہمیشہ باطلِ فرعونی کے مقابل اسرائیلی منیبر کی حمایت میں ہوتا ہے ان کو ہی فَتَنّٰکَ فُتُوْنًا کی محنتوں میں ڈالا جاتا ہے اور مدینِ سلوک کی پرخار مشقت آمیز بیابان میں ننگے پاؤں پیدل چلایا جاتا ہے اس راہ مدینِ روحانی سے بندے کو تین مقام ملتے ہیں ۱ مقام فَتَنَّا پر ابتلاء ۲ صبرِ عظیم سے مقامِ اِجْتَبٰی عطا فرما کر اس کو مجتبیٰ بنایا جاتا ہے ۳ مصائب پر شکر و حمد سے رضاءِ الٰہی کا مقام دیا جاتا ہے اور رضاء سے مقام اصطناع ملتا ہے اِصْطَنَعْتُکَ لِنَفْسِیْ کا خطاب اسی مقامِ خصوصیہ پر پہنچ کر سنایا جاتا ہے گویا کہ ابتلاء سے اِجْتَبٰی

اِجتبنا سے اِصطناع کا حصول ہے۔ صبر گھونٹ ہیں اور شکر لذتِ لسان ہے اور ابتلا سرورِ قلب ہے علامہ جامی فرماتے ہیں ؎

مگو کہ قطعِ بیابانِ عشق آسان است کہ کوہہائے بلا ریگِ آں بیابان است

ابتلاءِ رحمانی سے چار درجے حاصل ہوتے ہیں ۱ مرتبۂ صابرین ۲ مرتبۂ شاکرین ۳ مقامِ راضیین ۴ منزلِ واصلین (اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنْهُمْ) وَلَا تَنِيَا فِي ذِكْرِي ذکر اللہ کی چار صورتیں ہیں ۱ ذکرِ لسانی ۲ ذکرِ باطنی ۳ ذکرِ روحانی ۴ ذکرِ اعضائی۔ بندے کو کوئی ذکر نہ چھوڑنا چاہیئے کیونکہ ذکرِ الٰہی حصولِ مقاصدِ دینی دنیوی کا آلۂ سدا بقا ہے۔ اے بندگانِ معرفت میری امور والی مشغولیت بھی تم کو میرے مشاہدے سے دور نہ کرے یہی توجہ اِلی اللہ کی معراج طور ہے۔ اہل شہود مشاہدۂ حق سے کبھی غائب نہیں ہوتے۔ جو دم غافل وہ دم کافر کا عمل بندگی شروع ہو تو ھُمْ فِی صَلٰوتِہِمْ دَائِمُوْنَ کا انعام ملتا ہے۔ ایسے مقربینِ بارگاہ کو وہ کہنے کی حاجت نہیں۔ وہ ہمیشہ تو ہی تو میں رہتے ہیں اُن کے نزدیک لَا تَنِيَا سے مراد ہے وُرودِ دوامی اور غافلین و مشغولین کو تنبیہ کرنا کہ اجتہادِ قرب مزید کرو۔ (از تفسیر ابن عربی و تفسیر روح البیان) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے اے ہمکلام محبوبو تم میری مصیبتوں پر صبر کرو۔ میری نعمتوں پر اپنے آپ کو قابو میں رکھو۔ میرے دشمن کے گھر پر آکر جہاد کرو اور اغیار کی صحبت و محبت سے پرہیز کرو اور میرے اپنوں کو اپنا وزیر و مشیر اور قابلِ مروت و مودت بناؤ تاکہ تم میری زیارت میں کامیاب ہو سکو جیسا کہ یہاں ارشاد ہے۔ دنیا میں اُخوتِ حقیقیہ کا خیال رکھو تاکہ جنت میں اُخوت حاصل ہو۔ والدہ کی دی ہوئی اُخوت فقط بدنی ہے اس لیے متغیر اور فنا ہو جاتی ہے آستانۂ نبوت سے ملی ہوئی اُخوت ہی اصلی حقیقی دائمی اُخوت ہے۔

اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۴۳﴾ فَقُوْلَا لَهٗ

جاؤ تم دونوں فرعون کے قریب بے شک وہ غدار ہو چکا ہے۔ پھر تم دونوں اُس سے نرم طبیعت سے

دونوں فرعون کے پاس جاؤ بے شک اُس نے سر اُٹھایا۔ تو اس سے نرم

قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿۴۴﴾ قَالَا

گفتگو کرنا یہ امید رکھ کر کہ نصیحت مانے یا آخرت سے ڈرے۔ دونوں نے عرض کیا

بات کہنا اس امید پر کہ وہ دھیان کرے یا کچھ ڈرے۔ دونوں نے عرض کیا

رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ

اے رب ہمارے بے شک ہم کو خطرہ ہے کہ وہ کسی بہانے ہم پر زیادتی کرے یا

اے ہمارے رب بے شک ہم ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پر زیادتی کرے یا

يَّطْغٰى ﴿۴۵﴾ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ

سر اٹھائے۔ فرمایا رب نے بالکل نہ گھبراؤ تم دونوں بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں ہر بات سنتا ہوں گا

شرارت سے پیش آئے فرمایا ڈرو نہیں میں تمہارے ساتھ ہوں سنتا

وَاَرٰى ﴿۴۶﴾ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ

اور دیکھتا رہوں گا لہٰذا تم دونوں جاؤ اس کے پاس پھر دونوں بتاؤ کہ ہم دونوں تیرے پروردگار کے رسول ہیں

اور دیکھتا تو اس کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں تو

فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ وَلَا

لہٰذا تو بھیج دے ہمارے ساتھ تمام بنی اسرائیل کو اور نہ

تو اولادِ یعقوب کو ہمارے ساتھ چھوڑ دے۔ اور انہیں تکلیف

تُعَذِّبْهُمْ ۭ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ۭ

عذاب ظالمانہ کر تو ان پر ہم تیرے دکھانے کو تیرے رب کی طرف سے ایک معجزہ لائے ہیں

نہ دے بے شک ہم تیرے پاس تیرے رب کی نشانی لائے ہیں۔

وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿۴۷﴾

اور اب سلامتی صرف اُس کی ہے جو ھادی کی پیروی کرے گا۔

اور سلامتی اسے جو ہدایت کی پیروی کرے۔

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں ذکر ہوا کہ ہم نے کس طرح موسیٰ علیہ السلام کو تبلیغ احکامِ الٰہیہ کے لیے تیار کیا کہ ان کو بچپن جوانی کے احسانات یاد کرائے گئے معجزات و نبوت سے نوازا گیا۔ دعائیں قبول کی گئیں جو انہوں نے مانگا وہ دیا گیا۔ اب ان آیت میں فرمایا جا رہا ہے اس تمام تیاری کے بعد ان کو فرعون کے پاس جانے کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں حضرت موسیٰ کی جلالی اور غصے والی طبیعت کا ذکر فرمایا گیا اب ان آیت میں آپ کو نرم دلی اور جمالی طبیعت اختیار کرنے کا تذکرہ ہے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں حضرت موسیٰ کے ہاتھوں ایک کافر کے قتل ہو جانے کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں حضرت موسیٰ کا اُس کے بدلہ لینے سے خوف زدہ ہو جانے کا ذکر ہو رہا ہے۔

تفسیر نحوی اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى. فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى. قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى. اِذْهَبَا۔ بابِ فتح کا امر حاضر معروف تثنیہ مذکر ذَهَبٌ سے مشتق ہے یعنی دونوں جاؤ اس میں انتما ضمیر پوشیدہ فاعل ہے اِلٰى فِرْعَوْنَ یہ جار مجرور متعلق ہے فرعون لفظاً غیر منصوب ہے کیونکہ عجمی و علم ہے لفظِ فرعون عبرانی لفظ ہے اس کا ترجمہ ہے سیاست دان یا چالاک اس زمانے میں ہر بادشاہ کا شاہی لقب ہوتا تھا ایک قول میں یہ لفظ اس کا نام یا ذاتی لقب تھا بعد میں ہر بادشاہ کو فرعون کا لقب دیا گیا اس قول کے مطابق یہ لفظ فرعون معرب ہوا فارعُو سے اور متبدل ہوا ہے فارع سے اس طرح کہ عبرانی میں سورج کو اُس کے پجاری رع کہتے تھے فرعون جب مصر میں آیا تو اس نے پجاریوں پر دھاک و رعب بٹھانے کے لیئے اپنے آپ کو سورج دیوتا کا اوتار (پیغمبر) کہنا شروع کیا پھر مصر میں اکثر کفار سورج پرست تھے اسی مذہب کو مصری پنڈت ہندوستان میں لے آئے اور یہاں سورج کی پرستش شروع ہو گئی۔ بہر کیف جب فرعون

ے اوتار ظاہر کیا تو پجاریوں نے اس کی بہت عزت کی اور فارعو اُس کا لقب ہوا۔ یہاں تک کہ اس کو اپنا بادشاہ بنالیا اور وہاں کی لغت کے مطابق اوتار کو جب بادشاہت ملتی ہے تو اُس کو فارعو کہا جاتا یعنی سورج کا اوتار بادشاہ عربی میں بگڑ کر فرعون ہوگیا۔ دنیا میں سب سے پہلے اسی کو فرعون کا لقب دیا گیا۔ بعد میں ہر بادشاہ کو فرعون کہا جانے لگا۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ اِنَّ حرفِ مشبہ ہٗ ضمیر اس کا اسم منصوب طَغٰی فعل ماضی واحد مذکر غائب طَغیٌ یا طغوٌ سے مشتق ہے اگر طغوٌ ناقص واوی بنا ہو تو باب نصر ہے اگر طغیٌ یائی سے بنا ہے تو باب سَمِعَ ہے۔ طُغوٌ اور طغیٌ دونوں کا ترجمہ ہے حد سے بڑھنا۔ خیال رہے کہ نافرمانی تین قسم کی ہوتی ہے ۱۔ بغاوت جس میں مخالف کو ختم کرنا مقصود نہ ہو صرف راہِ راست پر لانا مقصود ہو ۲۔ غداری جس میں مخالف کو ختم کرنا مقصود ہو ۳۔ طغوٌ جس میں مخالف کو ختم کرکے اُس کی جگہ پر قبضہ کرنا مقصود ہو۔ پانی کے سیلاب کو طغیانی اسی معنیٰ میں کہتے ہیں کہ اپنی دریائی حد سے نکل کر خشکی پر قابض ہوجاتا ہے طَغٰی فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہوکر خبر ہے اِنَّ کی یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہوکر علت ہوئی اِذْھَبَا کی۔ یہ فعل فاعل متعلق اور علت سے مل کر جملہ فعلیہ تعلیلیہ انشائیہ ہوگیا۔ فَ زائدہ قُوْلَا۔ فعل امر تثنیہ قولٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے تم دونوں بات کرنا اَنْتُمَا اِس کا فاعل پوشیدہ ہے لَہٗ بمعنیٰ اس کو ہٗ ضمیر کا مرجع فرعون ہے یہ جار مجرور متعلق ہے قُوْلَا کا قُوْلَا مفعول بہ . . . مصدر ہے موصوف ہے لَیِّنًا۔ منصوب صیغہ صفت مشبہ بروزنِ فَیْعِلٌ دراصل تھا لَیْیِنٌ یٰ کا یٰ میں اِدغام کردیا گیا اس کا مصدر ہے لِیْنٌ یعنی نرم شفقت آمیز گفتگو یہ مرکب توصیفی مفعول بہ ہے لَعَلَّہٗ یَتَذَکَّرُ فعل مضارع احتمالی معروف واحد مذکر باب تفعّلٌ سے ہے ھُوَ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل مرجع ہے فرعون فعل بافاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہوکر معطوف علیہ اَوْ حرفِ عطف اختیار یہ یَخْشٰی باب سَمِعَ کا مضارع معروف احتمالی واحد مذکر ھُوَ ضمیر فاعل یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہوکر معطوف ہوا دونوں مل کر قُوْلَا کی علت ہوئے قُوْلَا امر اپنے فاعل متعلق مفعول بہ اور علت سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ تعلیلیہ ہوگیا لَعَلَّہٗ یَتَذَکَّرُ کا ترجمہ اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔ اُس اُمید پر سبحان اللہ اس ترجمۂ مبارک سے کفار کا ایک بہت بڑا اعتراض ختم ہوگیا۔ قَالَا۔ فعل ماضی مطلق باب نَصَرَ ھُمَا ضمیر تثنیہ مذکر غائب یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہوکر قول ہوا۔ رَبَّنَا۔ اے ہمارے رب دراصل تھا یَارَبَّنَا۔ رَبَّ کے فتحہ نے یَا حرفِ ندا کا پتہ بتایا یہ قرینہ ہے حرفِ ندا کی موجودگی کا نَا ضمیر جمع متکلم برائے تثنیہ مذکر مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی منادیٰ

ہے۔ اِنَّ حرفِ مشبہ نا ضمیر جمع متکلم اس کا اسم ہے نَخَافُ باب سَمِعَ کا فعل مضارع حال تثنیہ متکلم ضمیر متکلم مستتر اس کا فاعل ہے اَنْ حرفِ ناصبہ یَفْرُطَ بابِ نَصَرَ کا مضارع مستقبل واحد مذکر غائب فَرْطٌ سے مشتق ہے بمعنی ایسا ظلم کرنا جو کسی گذشتہ واقعہ کا بہانہ بنا کر کیا جائے یعنی زیادتی کرنا اگرچہ وہ بہانہ ظالم کی نظر میں بھی نامناسب ہو۔ عَلَیْنَا جار مجرور متعلق ہے یَفْرُطُ فعل بافاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ ہوا اَوْ حرفِ عطف اَنْ ناصبہ یَطْغٰی بابِ سَمِعَ کا مضارع مستقبل ہُوَ ضمیر فاعل کا مرجع فرعون ہے۔ یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف ہے دونوں عطف مل کر مفعول بہ ہوا نَخَافُ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی۔ اِنَّ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جوابِ ندا ہوا اور یا پوشیدہ اپنے منادیٰ و جوابِ ندا سے مل کر جملہ ندائیہ ہو کر مقولہ ہوا قَالَا کا سب مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی فَاْتِیٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی قَالَ فعل ماضی مطلق ہُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع رب تعالیٰ۔ فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ لَا تَخَافَا۔ بابِ سَمِعَ کا فعل نہی حاضر تثنیہ مذکر اَنْتُمَا ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ہے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام اِنَّ حرف مشبہ نون وقایہ ی ضمیر واحد متکلم مرجع رب تعالیٰ بحالتِ نصب ہے اسم ہے اِنَّ کا مَعَ اسم ظرف مکانی مضاف ہے کُمَا ضمیر تثنیہ حاضر مضاف الیہ یہ مرکبِ اضافی ذوالحال اَسْمَعُ بابِ سَمِعَ کا مضارع متکلم اَنَا ضمیر واحد متکلم پوشیدہ مرجع اللہ تعالیٰ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ ہوا واؤ عاطفہ جمعیت کے لیے اَرٰی۔ رُءْیَۃٌ سے مشتق ہے بمعنی توجہ سے دیکھنا واحد متکلم بابِ ضَرَبَ کا مضارع معروف یہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف ہوا دونوں عطف مل کر حال ہوا مَعَكُمَا اپنے حال سے مل کر خبر ہے اِنَّ کی یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر علت ہوئی لَا تَخَافَا کی وہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ فَ حرفِ عطف تعقیبی اِئْتِیَا۔ اَتْیٌ سے مشتق ہے۔ بابِ افعال کا فعل امر حاضر معروف تثنیہ مذکر اَنْتُمَا ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے۔ اَتْیٌ کے معنی ہے آنا مگر جب یہ باب افعال میں آکر متعدی ہوتا ہے۔ معنی ہوتے ہیں جانا اس کا مصدر ہے اِتْیَانٌ پھر نون تنوین سے متصل ہو کر اِتْیَانٌ ہوا۔ ہٗ ضمیر بارز اس کا مفعول منہ یا ظرفِ مکانی یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ فَ عاطفہ بمعنی ثُمَّ قُوْلَا فعل امر تثنیہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ اِنَّا۔ دراصل ہے اِنَّ نَا۔ نا ضمیر جمع متکلم اِنَّ کا اسم ہے

رَسُوْلَا اسم تثنیہ دراصل ہے رَسُوْلَانِ نونِ تثنیہ اضافت کی وجہ سے گرگیا یہ مضاف ہے رَبِّكَ مضاف الیہ یہ ڈبل مرکب اضافی خبر ہے اِنَّا کی اِنَّ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ۔ فَاَرْسِلْ ف عاطفہ سببیہ۔ اَرْسِلْ۔ باب افعال کا امر حاضر معروف واحد مذکر اس میں مخاطب ضمیر کا مرجع فرعون ہے۔ مَعَنَا۔ مرکب اضافی بمعنیٰ ہمارے ساتھ۔ مفعول معہٗ ہے۔ بنی اسرائیل مرکب اضافی۔ دراصل بَنِیْنَ اسرائیل ابن کی جمع نون اضافت کی وجہ سے گرگیا۔ بحالت نصب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے۔ اَرْسِلْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَاتُعَذِّبْ۔ بابِ تفعیل کا فعل نہی اَنْتَ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل ھِمْ ضمیر مفعول بہ مرجع۔ بنی اسرائیل یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف ہوا فَاَرْسِلْ کا یہ دونوں معطوف ہوئے اِنَّا کے سب عطف مل کر مقولۂ اول ہوا فَقُوْلَا کا قَدْ جِئْنَا۔ بابِ ضرب کا ماضی قریب معروف جمع (تثنیہ) متکلم كَ ضمیر مخاطب مفعول بہ یعنی تجھ کو دیتے یا دکھانے بِاٰیَۃٍ۔ بِ حرفِ جر متعدی مفعولیت کا۔ اٰیَتٍ اسم مفرد۔ یہ جار مجرور متعلق اول ہے قَدْ جِئْنَا کے مِنْ جارّہ ابتدائیہ رَبِّ اسم صفاتی ہے اللہ تعالیٰ کا مضاف ہے كَ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی جار مجرور متعلق دوم ہے قَدْ جِئْنَا کے یہ سب مل کر مقولۂ دوم ہے فَقُوْلَا کا۔ وَاؤ زائدہ بیانیہ اَلسَّلَامُ اسم مفرد معرفہ مبتدا ہے۔ عَلٰی حرفِ جر بمعنیٰ لام نافعہ مَنْ اسم موصول اِتَّبَعَ باب افتعال کا ماضی مطلق ھُوَ ضمیر اس کا فاعل پوشیدہ اَلْھُدٰی۔ الف لام عہد خارجی ھُدٰی اسم مصدر بمعنیٰ ھَادِیْ اسم فاعل اِتباع کا ترجمہ ہے بلا سوچے نقشِ قدم پر چلنا یہ بجز انبیاء کسی کی جائز نہیں ہے۔ ھُدٰی بحالتِ نصب ہے مفعول بہ ہے اِتَّبَعَ کا یہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر صلہ ہوا مَنْ کا موصول صلہ مجرور۔ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ ثَابِتٌ اسم فاعل وہ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر مقولۂ سوم فَقُوْلَا۔ اپنے تینوں مقولوں سے مل کر معطوف ہوا فَاْتِیٰہُ کا دونوں عطف مل کر معطوف ہوا لَا تَخَافَا کا وہ سب عطف مل کر مقولہ ہوا قَالَ کا۔

تفسیر عالمانہ اِذْهَبَا اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ اَوْ یَخْشٰی قَالَا رَبَّنَا اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیْنَا اَوْ اَنْ یَّطْغٰی اے موسیٰ اب تم دونوں مل کر فرعون کی طرف چل پڑو (لفظ فرعون اس زمانے میں ہر بادشاہ کا ملکی قانونی لقب ہوتا تھا) کیونکہ اب وہ ظالم میرے نیک بندوں پر ظلم میں کفر کی مدد میں غرور کی اکڑ میں اس دنیوی چند روزہ زندگی کی ڈھیل سے ناجائز فائدہ اٹھانے میں دن بدن بغاوت و سرکشی میں بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو اس کلام طور میں چار طریقے سے مصر جانے کا حکم ملا مگر

نوعیت مختلف ہے پہلے دو مرتبہ واحد مذکر حاضر کے صیغہ سے پھر دو مرتبہ تثنیہ مذکر کے
کے صیغے سے ایک دفعہ بیان اور پھر آگے ۔ فاتیٰہُ ۔ فرما کر مصر میں آپ کو تین قسم کے لوگوں
کی طرف بھیجا گیا ۱ فرعون اور اس کے درباری عملے کی طرف ۲ قبطی قوم کی طرف ۳ بنی اسرائیل
کی طرف ۔ اتنے بڑے سرکش مغرور کافر نافرمان ہونے کے باوجود رب تعالیٰ کا کرم یہ کہ
اے موسیٰ جب تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ فقولا لہ قولاً لیناً ۔ تو اس پر غصہ اور جلال نہ کرنا
بلکہ نہایت میٹھی نرم طرز سے باتیں کر کے سمجھانا ۔ اپنی طرف سے یہی امید رکھنا کہ وہ ضرور ضرور نصیحت
پکڑے یا کم از کم اس کو اللہ تعالیٰ کی عظمت و شان کا پتہ لگ جائے جس سے اُس کو آخرت
وعذاب کا کچھ خوف آئے ۔ اللہ اکبر کتنی کریمی رحیمی غفاری و شفقت ہے حضرت امام یحیٰی
بن معاذ رازی کو ایک دفعہ یہ آیت کسی نے سنائی تو آپ بہت روئے اور عرض کیا کہ اے
مولیٰ تعالیٰ جب اُس پر تیرا اتنا رحم ہے جو اپنے آپ کو کہتا رہا ۔ اَنَا اِلٰہ ۔ اور اَنَا رَبُّکُمْ تو
رحم و کرم اُس بندے پر کتنا عظیم ہوگا جو کہے گا کہ اَنْتَ رَبِّیْ وَاَنَا عَبْدُکَ وَاَنْتَ اِلٰہٌ سُبْحَانَ
اللہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللہِ الْعَظِیْمِ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو چودہ ۱۴ وجوہ سے نرم کلامی کا حکم فرمایا ۔
۱ اس لیے کہ آپ کا غصہ بہت تیز تھا اللہ تعالیٰ کے خلاف کسی بھی چھوٹے بڑے آدمی
سے کسی طرح کی گستاخی برداشت نہ ہوتی تھی ۔ آپ کو اپنے ذاتی دشمن کی بیہودگی پر کبھی
غصہ نہ آیا ۔ مگر رب کریم کی شانِ اقدس کی گستاخی پر اتنا شدید غضب و غصہ آتا کہ
کہ آپ کی ٹوپی مبارک غصہ کی تپش سے گرم ہو جاتی ۔ موسیٰ علیہ السلام نے ہمیشہ ٹوپی پہنی
کبھی عمامہ نہ باندھا ۔ آپ دو قسم ٹوپی پہنا کرتے تھے اکثر چھوٹی ٹوپی کبھی کبھی بڑی ٹوپی کانوں تک
اسی لیے آج کل یہودی لوگ دونوں قسم کی ٹوپیاں پہنتے ہیں دوسری وجہ یہ کہ نرم کلامی سے
سب کو فائدہ تھا ۔ فرعون کو مائل ہونے کا ۔ قومِ قبطی اور اہلِ دربار کو ۔ ایمان لے آنے
کا ۔ بنی اسرائیل کو چھٹکارا مل جانے کا ۔ موسیٰ علیہ السلام کو اتمام حجت کا اور دونوں موسیٰ و
ھٰرون علیہما السلام کو ثواب تبلیغ کا ۳ نرم کلامی سے مخالف کو انکار کا بہانہ نہیں ملتا
یا ماننا پڑتا ہے یا لاجواب ہونا ۴ خود بولنے والے کے جذبات کو فائدہ ہوتا ہے
۵ سننے والے کو سوچنے سمجھنے اور فائدہ لینے کا موقعہ ملتا ہے ۶ اغیار کو بھی نرم
کلامی سے ہی قائل اور مائل کیا جاتا ہے ۷ دشمنوں میں گھرے انسان کی عزت قائم رہتی
ہے ۸ اپنی عقل قائم رہتی ہے ۹ مدِمقابل کی عقل بھی قائم رہتی ہے اُس کو سخت کلامی

کا غصہ نہیں آتا ۱۱ نرم کلامی سے اپنی بات منوائی جا سکتی ہے ۱۱ نرم کلامی میں نفع یہ ملاتی محبت شفقت کے فوائد ہیں ۱۲ نرم کلام میں حکمت و تدبر ہے ۱۳ بولنے والے کا رعب پڑتا ہے ۱۴ دشمن کا غصہ ٹھنڈا ہوتا ہے اس لیے حکم دیا گیا قَوْلًا لَّيِّنًا تبلیغ احکام کے لیے نرم کلام کا حکم فرمایا گیا کہ لَعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى۔ اس لَعَلَّ کا تعلق رب تعالیٰ سے نہیں بلکہ موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے ہے کہ تم کو یہ امید ہونی چاہیے۔ بعض نے فرمایا یہ لَعَلَّ رجا یعنی امید کے لیے ہے بلکہ تمام جگہ قرآن پاک میں لَعَلَّ اسی معنیٰ میں ہے۔ اُمید رکھنے والا اپنے اعمال و کردار اور تبلیغ میں مجتہد ہوتا ہے اس لیے ثواب پاتا ہے مگر مایوس آدمی مجبوراً تکلف سے عمل کرتا ہے۔ بعض نے کہا کہ لَعَلَّ سوالیہ ہے یعنی کیا وہ نصیحت پکڑے گا۔ بعض نے کہا کہ لَعَلَّ تعلیلیہ ہے یعنی تاکہ وہ نصیحت پکڑے۔ مگر پہلا قول درست ہے کہ اُمید کے لیے ہے۔ خشیت وہ خوف جو کسی کی عظمت کے احساس و اقرار سے ہو۔ یہاں دو دفعہ طغیٰ فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ پہلے اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ میں مطلق ہے کہ فرعون ہر اعتبار سے طاغی ہے دینی ایمانی دینوی اور اِذْهَبَا میں طغیٰ مقید اور مربوط ہے کہ دینی اعتبار سے طاغی ہے اور سرکش کو درست کرنے کے لیے قول لین ضروری ہے اسی لیے موسیٰ علیہ السلام کی سیدھی سادی میٹھی نرم محبت آمیز لاجواب باتیں سن کر فرعون کے دل میں موسیٰ علیہ السلام کی پچھلی محبت جاگ اٹھی اور بولا اچھا موسیٰ میں تمہاری بات مان کر تمہارے رب پر ایمان لے آؤں گا مگر میری پانچ شرطیں ہیں ان کا مجھ سے وعدہ کرو ایک یہ کہ میں تا عمر جوانوں کی طرح قوی رہوں دوم یہ کہ کھانے کی لذت اور فائدہ جوانوں کی طرح پاتا رہوں سوم یہ کہ مردمی قوت تا عمر مجھ میں آجائے چہارم یہ کہ مشروبات کی لذتیں فائدے کبھی نقصان نہ دیں پنجم یہ کہ میری بادشاہت تا عمر باقی رہے حضرت موسیٰ نے اپنی اس پہلی ملاقات اور تبلیغ میں اس سے یہ تمام وعدے فرمالئے اور فرمایا کہ یہ تو دینوی وعدے ہیں آخرت کی جنت عیش و عشرت مزید ملے گا۔ طور سے روانگی سے قبل موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے عرض کیا اس طرح کہ ادھر طور پر موسیٰ علیہ السلام بذریعہ گفتگو ادھر مصر میں ہارون علیہ السلام نے بذریعہ وحی دونوں کا کلام اس طرح نقل فرمایا گیا قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ دونوں نے عرض کیا۔ اے رب ہمارے بے شک ہم دونوں اندیشناک ہیں فکرمند اور پریشان ہیں کہ وہ ہم پر ہمارے پرانے ایک قتل کے انتقام کی وجہ سے کچھ زیادتی نہ کرے یا اس طرح کہ وہ

ہمارے قتل کا منصوبہ بنائے اور کسی بہانے کی آڑ لے کر دونوں کو قتل کرا دے اگرچہ قتل کا خوف
انبیاء علیہم السّلام کو نہیں ہوتا مگر اس سے تبلیغِ احکام الٰہیہ کا کام بند ہو جاتا۔ یا اس طرح کہ اپنے تکبر
شاہی کی وجہ سے ہماری بات کو اہمیت نہ دے یا اس طرح کہ دربار میں نہ آنے دے نہ بات
سننا پسند کرے۔ اَوْ اَنْ یَّطْغٰی۔ یا اس طرح کہ اپنی جھوٹی الٰہیت و ربوبیت کو بچانے کے
لیے اے باری تعالیٰ تیری گستاخی کرے جو ہم سے برداشت نہ ہو سکے اور ہم اپنے غصے
کو قابو نہ رکھ سکیں اور عصا سے اُس کو بھرے دربار میں ہلاک کر دیں۔ یا اُس کا تکبر سرکشی
زیادہ ہو جائے یہ عرض و معروض سن کر۔ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَ اَرٰی فَاْتِیٰهُ
فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰیَةٍ
مِّنْ رَّبِّكَ وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ
اے موسیٰ و ھٰرون کسی بھی چیز کا فکر اندیشہ مت کرو تم دونوں نہایت اطمینان سے جاؤ۔
فرعون تم سے کچھ بھی زیادتی نہ کر سکے گا نہ دینی نہ دنیوی نہ قتل نہ قید نہ اپنی تبلیغ رسالت اور احکام
دینیہ کی تکمیل کی فکر کرو نہ وہ تمہارے سامنے ہماری گستاخی کر سکے گا۔ بلکہ ہر طرح سے فائدہ
ہی ہو گا۔ اس لیے کہ اِنَّنِیْ مَعَكُمَا میں تم دونوں کے ساتھ ہوں تم یہ خیال کبھی مت کرنا کہ میری
کرامت و حمایت تم سے منقطع ہو گئی۔ میری کمالِ حفاظت اور نصرتِ تامہ ہمیشہ تمہارے
ساتھ ہے طور پر موسیٰ علیہ السّلام اور مصر میں ھٰرون علیہ السّلام اکیلے تھے اور دونوں سے
یہ کلام ہو رہا تھا۔ یہاں بلاواسطہ اور مصر میں بواسطۂ جبرئیل۔ اسی لیے فَاْتِیٰهُ اور فَقُوْلَآ
بصیغۂ تثنیہ ارشاد ہوا اگرچہ دونوں دور دور تھے۔ بعض نے کہا کہ قَالَا رَبَّنَآ وغیرہ یہ کلام
طور نہیں بلکہ موسیٰ علیہ السّلام مصر میں بھائی سے ملے تو وہاں دونوں نے مل کر عرض کیا مگر یہ
درست نہیں کیونکہ بہ یک دم دونوں کا بولنا ادبِ بارگاہ کے خلاف اور ممنوع ہے اسی
لیے تو قرأت خلف الامام منع ہے وفد میں ہمیشہ ایک ہی بولتا ہے اور ہی سب کا بولنا مانا
جاتا ہے۔ اگر یہ کلام مصر پہنچنے کے بعد ہوتا تو قَالَ واحد ہوتا۔ اس لیے درست یہی
ہے کہ دونوں نے الگ الگ مقام سے کلام عرض کیا اور دونوں کو رب تعالیٰ نے دونوں
جگہ اپنا کلام سنا دیا بلاواسطہ اور بالواسطہ دونوں کو فرعون کی سرکشی کا علم تھا سورۂ طٰہٰ
کی آیت ۱۲ سے آیت ۴۶ تک رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے تیئیس ۲۳ باتیں ارشاد فرمائیں
اور موسیٰ علیہ السّلام نے اللہ تعالیٰ سے گیارہ باتیں عرض کیں دس باتیں اکیلے اور گیارھویں بات

اِنَّنَا نَخَافُ اپنے بھائی کو شامل کر کے۔ یہ تمام کلام ابتداءِ شب سے صبح صادق تک ہوتا رہا۔ جب حضرت موسیٰ طور سے چلے تو لذتِ کلامِ الٰہی یادِ الٰہی کی مشغولیت حکمِ ربانی کی پابندی کے عشق میں بیوی بچوں بکریوں سامان سب کچھ بھول گئے اور اسی وقت منہ اندھیرے چل پڑے اور راہِ سفر میں آپ کو پانچ دشواریاں پیش آئیں پہلی یہ کہ راستہ معلوم نہ تھا دوم یہ کہ سفر خرچ زادِ راہ کھانے پینے کا کوئی سامان نہ تھا سوم یہ کہ سواری کا جانور بھی نہ تھا پیدل ہی چل پڑے چہارم یہ کہ کوئی سامان بھی نہ لیا بجز اپنے عصا کے اسی کو دن میں سائے کے لیے رات کو تکیے کے لیے استعمال فرماتے پنجم یہ کہ ایک دن کا سفر تھا مگر راستہ بھولنے کی وجہ سے تین دن میں پورا کیا ظہر کے وقت ھارون علیہ السلام مصر کے جنگل میں مل گئے اور بتایا کہ فرعون کی سرکشی اور ظلم پہلے سے زیادہ ہو گیا ہے بالکل معمولی باتوں پر اسرائیلی کا قتل کر دینا عام سی بات ہے دوسرے دن بوقتِ اشراق حضرت موسیٰ و ھارون علیہما السلام پہلی بار شانِ نبوت اور تبلیغِ رسالت کے ساتھ فرعون کے پاس بھرے دربار میں پہنچے مگر اُس وقت اس کا وزیر اعظم ہامان موجود نہ تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس پہلی ملاقات میں تیرہؔ باتیں فرعون سے فرمائیں ۱۔ بہت ہی نرم اور محبت بھرے انداز میں فرعون کو اس کی پسندیدہ کنیت سے خطاب کیا یا ابا العباس فرعون بے اولاد تھا مگر اسنے شوقیہ اپنی تین کنیتیں رکھی ہوئی تھی فرعون کو اس طرح پکارنا بہت پیارا لگتا تھا۔ اس کی دوسری کنیت ابو ولید تیسری ابو بکرہ تھی ۲۔ ہم دونوں تیرے رب تعالیٰ کے رسول ہیں ۳۔ قَدْ جِئْنَاكَ بِاٰيَةٍ ہم تیرے پاس اپنی نبوت و رسالت پر نشانی بھی لائے ہیں ۴۔ اِنَّا قَدْ اُوْحِیَ۔ بے شک ہم کو اللہ کی طرف سے وحی بھی ارشاد ہوتی ہے یہاں سے آپ نے صحفِ موسوی کے احکام امر و نہی نذارت بشارت اس طرح سنائی۔ ۵۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔ اے فرعون سلامتی اور بقا صرف اُسی شخص کی ہے جو ہماری لائی ہوئی ہدایت کی پیروی کرے گا ۶۔ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی۔ اے ہمارے ملکی بادشاہ یہ بھی یاد رکھ کہ جس نے اِس ہدایتِ ربانی کو جھٹلایا اور اس سے منہ پھیرا بے شک دائمی عذاب اُسی پر ہے۔ یہ تمام کلام صحیفہ قرآن مجید میں یہیں نقل فرمایا گیا۔ اگلا کلام سورۃ قصص آیت ۳۷ میں اس طرح ہے ۷۔ قَالَ مُوْسٰی رَبِّیْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰی مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ فرعون تم نے تو بے سوچے سمجھے میری باتوں کو اور کام کو جادو کہدیا بے شک میرا رب خوب جانتا ہے اُس کو جو اُس کے پاس

سے ہدایت لایا اور اُس کو بھی جانتا ہے جس کے لیے آخرت کا گھر ہے بے شک ظالم مراد کو نہیں پہنچتے ۸ ھَلْ لَّكَ اِلٰۤى اَنْ تَزَكّٰى ۔ اے فرعون کیا تو یہ خواہش و رغبت رکھتا ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ کی پاکیزگی حاصل کرے ۹ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ۔ اور اے فرعون کیا میں تجھے ایسی ہدایت ابدیت دوں جس سے تو اللہ تعالیٰ کی عظمت و شان کو پہچان کر مرعوب ہو۔ یہ فرمودات بھی صُحُفِ موسیٰ میں تھے جو آپ نے سنائے قرآنِ مجید کی سورۃِ نازعات کی آیت ۱۸ و ۱۹ میں مذکور ہوئے ۱۰ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۔ اے فرعون یہ دنیوی چند روزہ سلطنت کامیابی کی نشانی نہیں۔ بے شک کامیاب وہ ہے جو پاکیزہ ہو گیا ظاہر و باطن سے ۱۱ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى اور کامیاب وہی ہے جس نے اپنے رب اللہ تعالیٰ کی یاد باقی رکھی ذکرِ الٰہی کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا ۱۲ پھر آپ نے درباریوں کو خطاب فرمایا۔ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۔ ارے بیوقوفو تم دنیوی زندگی کو پسند کر بیٹھے یہ تو عارضی فانی مصیبتوں ذِلتوں غربتوں بھری ہے اس میں تو طغیانیت نفسانیت شیطانیت ہے ۱۳ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۔ اصل مزیدار زندگی تو آخرت کی ہے جو باخیریت بھی ہے اور ہمیشہ اَبَدُ الْاٰبَاد تک رہنے والی بھی۔ یہ اَقوال و نصائح قرآنِ مجید کی سورۃِ اعلیٰ میں ذکر فرمائے گئے یہ تمام نصیحتیں بشارت نذارتیں صُحُفِ موسیٰ میں تھیں اسی لیے ارشادِ باری تعالیٰ ہے اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ۔ یعنی ابراہیم علیہ السّلام کے صحیفوں میں بھی یہ ہی پیغام و کلامِ الٰہی تھا۔ ابراہیم علیہ السّلام نے اپنے مربی آزر کو نہایت باادب اور باحترام نرم انداز میں سنایا اور موسیٰ علیہ السّلام نے اپنے مربی فرعون کو نہایت محبت و ادب سے سنایا۔ یہ سب کلام پہلی محفل و ملاقات میں ہوا۔ فرعون اِس کلام و اندازِ گفتگو سے متاثر ہوا اور بولا۔ اے موسیٰ مجھے وہ معجزہ دکھاؤ جو تم اپنے رب کے پاس سے اپنی رسالت کی تائید کے لیے لائے ہو موسیٰ علیہ السّلام نے پہلے اس کو عصا کا معجزہ دکھایا وہ ڈرا گھبرایا پھر اس کو ہاتھ کا معجزہ دکھایا وہ بہت حیران ہوا۔ تفسیر خازن شافعی نے فرمایا کہ صرف ہاتھ کا معجزہ دکھایا مگر یہ غلط ہے بعض نے کہا صرف عصا کا معجزہ دکھایا مگر یہ بھی غلط ہے۔ صحیح اور مدلّل یہ ہے کہ آپ نے دونوں معجزے دکھائے اس کی دلیل یہ کہ ۱ فرعون نے اِس کو جادو کہا اور مرعوب ہوا گھبرایا صرف ہاتھ کے معجزے سے اتنا ڈرنے گھبرانے کی ضرورت نہ تھی نہ اس کو زبردست جادو کہا جا سکتا ہے صرف ہاتھ کے مقابلے کے لیے اتنے بڑے بڑے تقریباً بہتر ہزار جادوگر بلانے کی کوئی ضرورت نہ تھی دلیل دوم جب فرعون نے اور اُس کے درباریوں نے ایمان لانے سے انکار کر دیا تو اِس

معجزہ کو جادو کہتے ہوئے کہا کہ ہم بھی اسی کی مثل جادو لائیں گے۔ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ جب جادوگروں نے اپنا جادو دکھایا تو اپنی رسیوں کو سانپ ہی بنا دیا نہ کہ یدِ بیضا۔ دلیلِ سوم فرعون نے اپنے بندے دوڑائے اور ملک کے تمام جادوگر جمع کر لیے ان کو فرعون نے یقیناً بتایا ہوگا کہ ایک جادوگر نے ہمیں اس طرح جادو کر کے دکھایا ہے تم سب اس کا مقابلہ کرو جب جادوگر میدان میں وقتِ مقررہ پر پہنچے تو جادوگروں نے کہا قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِيَ۔ اے موسیٰ یا تم پہلے ڈالو۔ اس سے ثابت ہوا کہ عصا کا کہہ رہے ہیں۔ کیونکہ اِلقا اور ڈالنا پھینکنا لاٹھی کا ہی ہو سکتا ہے نہ کہ یدِ بیضا کا اگر فرعون نے عصا کا معجزہ دیکھا نہ ہوتا تو جادوگر ہاتھ کے مقابلے کی تیاری کر کے آتے نہ کہ سانپ بنانے کی دلیلِ چہارم سورۃ نازعات آیت ۲۰ میں ہے فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى۔ تمام گفتگو کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے اُس کو بہت بڑی آیت دکھائی اور بہت بڑا معجزہ وآیت تو عصا ہی ہو سکتا ہے۔ کہ بہت قدرتوں کا مجموعہ تھا۔ دلیلِ پنجم یدِ بیضا بھی اسی پہلی محفل میں دکھایا ورنہ بعد میں تو کہیں دکھانے کا تذکرہ ہی نہیں۔ مفسرین فرماتے ہیں یدِ بیضا صرف دو دفعہ بنایا گیا پہلی مرتبہ طور پر رب تعالیٰ کے حکم وَاضْمُمْ سے۔ دوسری بار فرعون کی پہلی ملاقات میں روایتوں میں آتا ہے اسی محفل میں فرعون بہت نرم اور مائل بہ ایمان ہوگیا اور اُس نے موسیٰ علیہ السلام سے پانچ وعدے بھی لے لیے لیکن اپنے وزیرِ اعظم کے مشورے پر موقوف رکھا اور محفل برخاست کر دی۔ روایت ہے کہ اس محفل میں تین چیزوں سے متاثر ہو کر تقریباً اسی قبطی پوشیدہ طور پر مومن بن گئے تھے جن کا فرعون کو پتہ نہ لگا تھا موسیٰ علیہ السلام کو انہوں نے اپنے اپنے ایمان کا بتا دیا۔ ایک دوسرے سے بھی چھپایا یہ غرقِ فرعونی کے بعد ظاہر ہوا فرعون کی عمر اس پہلی ملاقات کے وقت تقریباً چار سو انہتر سال تھی بیس سال بعد غرق ہوا از روح المعانی اس طرح کل عمر چار سو اُنانوے سال ہوتی ہے۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ۔ جب ہامان آیا اُس سے فرعون نے ساری کیفیت سنا کر اپنے وعدوں اور مائل بہ ایمان ہونے کا تذکرہ کیا اور مشورہ لیا۔ ہامان نے کہا ہرگز ہرگز ایسا نہ کرنا تو خود عقل مند ہے ہم تیرے پجاری ہیں تو رب ہے تو ایک غریب کم عقل آدمی سے ڈر کر گھبرا گیا اگر تو نے موسیٰ کی بات مانی تو تو متبوع سے تابع معبود سے عابد اور مخدوم سے خادم ہو کر رہ جائے گا اور یہ نہایت ذلت ہے۔ یہ سن کر فرعون اِس صحبتِ بد کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کا منکر و مخالف تو بنا ورنہ دوسری ملاقات میں نہایت متکبرانہ لہجہ اختیار کیا تب حضرت موسیٰ نے بھی نرم اور نازک کلام چھوڑ

کر ذرا سختی فرمائی اور فرمایا۔ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ۔ اے فرعون اچھا اگر تو ہماری اتنی فائدے کی نصیحتوں وعدوں کو نہیں مانتا تو ہم تجھ سے کچھ نہیں کہتے تو جا جہنم میں مگر بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے ہم مصر چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ اور تو نے جو اتنے عرصہ سے بنی اسرائیل نبی زادگی نیک پاک مومن لوگوں پر عذاب کئے رکھا ہے وَلَا تُعَذِّبْهُمْ اب آئندہ ان کو کسی قسم کا عذاب نہ دینا۔ اے فرعون تو صدق دل سے پڑھ لے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کیونکہ فقط اللہ تعالیٰ ہی تیرا رب ہے تیرے مرنے کا بھی دن مقرر ہے جس کو تو یقین سے سمجھتا ہے اسی لیے تو نے مجھ سے اپنی موت تک کے وعدے لیے ہیں تیرے سامنے بھی جنت اور دوزخ ہے دنیوی عزت کے ساتھ ساتھ اُخروی ابدی عزت بھی پالے اور جنت میں جائے جہنم سے بچے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السّلام کو فرمایا تھا کہ فرعون سے نرم کلام کرنا۔ یعنی وعدے پہلے سنانا۔ وعیدیں بعد میں پھر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا بتایا اچھے القاب ونام سے پکارنا کیونکہ وہ تمہارا مربی ہے۔ اور حق مربی یہی ہے کہ ہمیشہ اُس کا بھلا چاہا جائے۔ لیکن چونکہ تخلیص مومن اہم ہے تبلیغ کفار سے اس لیے آپ نے پہلے فرمایا لَا تُعَذِّبْهُمْ۔ بنی اسرائیل پر عذاب نہ کر۔ فرعون دس قسم کے عذاب بنی اسرائیل پر کرتا رہا ۱؎ اپنی قوم قبطیوں کو بڑی عزتیں دینا اسرائیلیوں کو ہر طرح کی ذلتیں دینا ۲؎ قبطیوں کو افسر اعلیٰ بنانا اسرائیلیوں کو خادم نوکر ۳؎ قبطیوں کا جھوٹ بھی قبول ہوتا اسرائیلی کا ظاہر ظہور سچ بھی نامقبول ۴؎ گندگی اٹھانے کے کام پر اسرائیلی مرد وعورتوں کو مقرر کر دیا تھا۔ سڑکوں گلیوں کی صفائی بھی اِن کو کرنی پڑتی ۵؎ سخت ترین مشقت کے کام لینا مثلاً کوئیں کھودنا۔ پتھر توڑنا کھیتی باڑی وغیرہ ۶؎ کام زیادہ لینا مزدوری کی اجرت کم دینا یا کبھی نہ دینا ۷؎ قبطی کو بری اور غصیلی نظر سے دیکھنا یا اونچی نظر کر کے بات کرنا جرم تھا اور سزا دی جاتی ۸؎ بنی اسرائیل کی سزا کے لیے کوئی عدالت نہیں تھی ہر شخص ہر جگہ جب چاہتا سزا دے سکتا تھا ۹؎ قبطی اپنے ماتحت اسرائیلی پر کتنا ہی ظلم کرتا اس کو کوئی پوچھنے والا نہ ہوتا ۱۰؎ عورتیں گھر کی خادمائیں بنائی گئیں تھیں۔ یہ ظلم تو مسلسل تین سو سال تک رہے غرق فرعونی تک ۱۱؎ لیکن نوسال تک بچے قتل کرائے گئے۔ بنی اسرائیل سب مومن تھے اور فرعون کو نہ مانتے تھے اس لیے یہ سب ظلم تھے۔ اپنے زمانے کے انبیا اور شریعت ابراہیم علیہ السّلام پر ایمان رکھتے تھے اگرچہ کچھ اسرائیلی فرعونیوں کی صحبت بد کی وجہ سے فاسق ہو گئے تھے ان وجوہ سے حضرت موسیٰ نے اَرْسِلْ مَعَنَا کے مطالبے میں سختی فرمائی۔ فرعون کا کفر اگرچہ تقدیر مبرم

تھا مگر پھر بھی اس کو تبلیغِ ایمان فرمائی گئی اس لیے کہ اس کو سن کر دوسرے کافر مومن بن جائیں اور ایسا ہوا کہ بہت قبطی مومن ہو گئے۔ اور یہ کام عند اللہ اتنا اہم اور لازم تھا کہ رب تعالیٰ نے چار مرتبہ جانے کا حکم فرمایا۔ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ میں قصد ہے اِذْهَبَا اِلٰى فِرْعَوْنَ میں۔ وصول ہے اور فَاْتِیٰهُ میں حصول ہے یعنی ذَهَبَ کے معنی چلنا۔ اَتٰی کے معنی پہنچنا۔ موسیٰ علیہ السلام نے پہلی ملاقات میں آخری بات فرمائی۔ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى۔ سلامتی چار قسم کی ہے ۱ تحیۃ کی عزت ۲ دارین کی سلامتی ۳ ملائکہ کی دہشت سے سلامتی ۴ جہنم کے عذاب سے بچ جانا اور ہدایت کی پیروی کرنا نبوت کی مکمل ہر آن فرمانبرداری کرنے کا نام ہے۔ اتنی دراز اور نرم گفتگو کے باوجود فرعون بدنصیب ہامان کے کہنے ہر چیز سے منکر ہو گیا اس لیے کہ انسان کے قلب کی تین کیفیتیں ہوتی ہیں ایک یہ کہ دل میں تعصب یعنی باطل پر ضد کرنے کی بیماری ہو دوم یہ کہ بندے کے دل میں تصلّب کا نور ہو یعنی حق پر ڈٹ جانا۔ سوم یہ کہ دونوں پر توقف و تردد ہو۔ نہ اِدھر پر بھروسہ نہ اُدھر پر اعتماد۔ فرعون کی یہی کیفیت تھی ایسے بندے کو ہمیشہ بروں کی صحبت سے بچنا چاہیے۔ (از تفسیر صاوی روح البیان روح المعانی مدارک خازن۔ کبیر رازی۔ مظہری۔ نیشاپوری۔ جامع البیان)

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنا کلیم بنایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا حبیب بنایا اور دونوں انعاموں کا عظیم فرق بھی قرآنِ مجید میں بتا دیا ۱ موسیٰ علیہ السلام نے دعا سے شرح صدر حاصل کیا لیکن حبیب کو اَلَمْ نَشْرَحْ فرما کر عالمِ ازل میں خود ہی شرح صدر عطا فرما دیا ۲ معراجِ کلیم طور پر ہوئی معراجِ حبیب لامکان پر ۳ معراجِ طور میں صرف آواز سنائی گئی اور نگاہِ کلیم اُن کے عصا پر لگا دی کہ مَا تِلْكَ مگر معراجِ حبیب میں آواز بھی سنائی متوجہ بھی اپنی طرف کیے رکھا اور نگاہیں بھی اپنے دیدار کی طرف لگائے رکھیں کہ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى۔ ۴ اُمتِ کلیم کو نجاتِ دنیوی کے لیے عصا اور یدِ بیضا دیا گیا جو صرف موسیٰ علیہ السلام کے وقت تک رہا مگر اُمتِ حبیب کو دنیوی اُخروی نجات کے لیے قرآن و حدیث دیا گیا جو تا قیامت ہر اُمتی کے ساتھ ہے۔ ۵ کلیم علیہ السلام کو ہارون ملے جو بنی اسرائیل کا سہارا تھے۔ حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مولیٰ علی ملے جن کی سادات تا قیامت ہر مسلمان کا سہارا ہیں کلیم کی آیت دلیل عصا تھا حبیب کی آیت رب ثَانِیَ اثْنَیْنِ ہے یہ فائدہ قَدْ جِئْنٰكَ سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ۔ موسیٰ

علیہ السلام نے پہلی ملاقات میں تمام لہجہ میں کلام نرم کیا۔ اور دوسری ملاقات میں تمام سخت لہجہ میں کیا اس لیے کہ تکمیلِ شخصیت نرمی کلام اور گرمی کلام ہی کا نام ہے، حدیث پاک میں ہے۔ لَا تَكُنْ مُرًّا فَتُعْقَى وَلَا حُلْوًا فَتُسْتَرَطَ۔ اَوْ فَتُقْضَى یعنی نہ اتنا کڑوا بن کہ اُگل دیا جائے اور نہ اتنا میٹھا بن کہ نگل لیا جائے۔ حضرت شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

چوں نرمی کنی خصم گردد دلیر — وگر خشم گیری شود از تو سیر

درشتی و نرمی بہم در بہ است — چوں رگزن کہ جراح و مرہم نہ است

یعنی مردِ مومن کو ہر میدان میں موسیٰ علیہ السّلام کی طرز اختیار کرنی چاہیئے خاص کر اپنے نفسِ امارہ کے ساتھ اس لیے کہ ہمارا نفس امارہ بھی فرعون ہے۔ یہ فائدہ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ کے نرم کلام اور لَا تُعَذِّبْهُمْ کے سخت کلام سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ اِن آیت میں دیگر بہت سی سبق آموز باتوں کے علاوہ ہر مسلمان مبلغ کو یہ بھی سمجھایا جا رہا ہے کہ جب بندے کے ساتھ رب تعالیٰ ہو تو پھر کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی بندے کا ذرہ بھر نقصان نہیں کرسکتا۔ کیونکہ جو رب تعالیٰ چاہتا ہے بس وہی ہوتا ہے۔ یہ فائدہ اِنَّنِیْ مَعَكُمَا اَسْمَعُ وَاَرٰی کے فرمان اور بعد کے واقعۂ موسیٰ علیہ السّلام سے حاصل ہوا۔ ہاں البتہ بندے کو مثلِ موسیٰ و ہارون باحوصلہ صبر و شکر والا ہو کر رب تعالیٰ کے دروازے سے لپٹا رہنا چاہیئے۔ حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

ہزار دشمن اگر میکنند قصدِ ہلاک — گرم تو دوستی از دشمناں ندارم باک

یعنی اگر اللہ تعالیٰ میرا محافظ ہو تو ہزاروں مُہلک و خوفناک دشمنوں کا بھی مجھ کو کوئی ڈر نہیں شیخ سعدی فرماتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ؂

محالست چوں دوست دارد ترا — کہ در دستِ دشمن گزارد ترا

یعنی اگر اللہ تعالیٰ تجھ کو اپنا دوست بنا لے تو ناممکن ہے کہ تجھ کو دشمن کے قابو میں دیدے۔ تفسیر روح البیان میں ہے کہ امام ابو معین نے ایک عیسائی راہب سے پوچھا کہ انجیل میں سب سے اچھی بات کیا لکھی ہے۔ اُس نے کہا کہ پانچ باتیں ما اللہ فرماتا ہے اے بندے تو مجھ سے مانگ میں تجھے دوں گا ۲ اے میرے بندے شکر کر زیادتی ہوگی ۳ اے بندے تو میری طرف آ میں تیری طرف آؤں گا ۴ تو میرے قریب ہونے کی کوشش کر میں تیری کوشش کو کامیاب بناؤں گا ۵ تو دنیا میں میری مان میں تیری دنیا و آخرت میں مانوں گا۔ اور آخرت بڑی ہے دنیا سے۔

احکام القرآن ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ۔** فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ چھ قسم کے لوگوں کی غیبت کرنا جائز ہے (۱) ہر وہ شخص جو کسی عیب میں مشہور ہو جائے مثلاً حاکم بے انصافی کرتے ہیں بادشاہ ظلم کرتے ہیں۔ فاحشہ عورت اپنے فحش کاموں میں (۲) مشورہ لینے والے کے سامنے صرف وہی عیب اس شخص کا بیان کرنا جس کے متعلق وہ اس شخص سے معاملات یا شرکت کرنا چاہتا ہے یہ غیبت اس کو اس سے بچانے کے لیے ہے نہ کہ محض عیب جوئی (۳) حاکم کے سامنے کسی بھی شریر دشمن کی غیبت (۴) استاد کے سامنے شاگرد کی (۵) والدہ کے سامنے بیٹے کی (۶) کسی شخص کو کسی جگہ کا حاکم بنایا جائے تو بھیجنے والا۔ اس علاقہ کے ظالموں بدمعاشوں چوروں کی نشاندہی کرنے کے لیے غیبت کر سکتا ہے یہ مسئلہ۔ اِذْهَبَا اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى۔ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ کہ دیکھو رب تعالیٰ نے فرعون کی غیبت فرمائی۔ قیامت تک یہی مسئلہ سمجھانے کے لیے۔ ورنہ غیبت کرنا رب تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں ایک مرتبہ موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے پوچھا تھا کہ یا مولیٰ اس اسرائیلی کا قاتل کون ہے تو اللہ عَلَّامُ الْغُیُوب نے خود نہ بتایا تھا بلکہ قاتل کا پتہ لگانے کا طریقہ بتا دیا تھا کہ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً گائے ذبح کر کے اس کے گوشت کا ٹکڑا میت کو مارو وہ زندہ ہو کر خود اپنے قاتل کا پتہ بتا دے گا وہاں رب تعالیٰ نے قاتل کی غیبت نہ فرمائی مگر یہاں فرمائی فرق ظاہر ہے تمام مسلمانوں پر اسی قانون کا اطلاق و اجرا ہے۔ کہ اُن کی غیبت جائز اِن کی ناجائز۔ **دوسرا مسئلہ** ضرورۃً تعارف کرانے کے لیے اپنی شان و کمالات کا اظہار کرنا جائز ہے لیکن تکبر یا مغالطے بازی کے لیے اظہارِ شان کرنا ناجائز ہے یہ مسئلہ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ۔ سے مستنبط ہوا۔ اسی لیے اِس اظہار کا حکم خود رب تعالیٰ نے دیا۔ **تیسرا مسئلہ** کسی غیر مسلم کو اگر سلام کرنا پڑ جائے تو اُس کو السلام علیکم کہنا منع ہے اور کہنے والا گنہگار ہوگا۔ اُس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی زبان میں اس طرح کہہ دیا جائے کہ۔ نیک لوگوں پر سلام ہے۔ عربی میں کہا جائے۔ اَلسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى فاسق معلن کو اگر سلام کرنا ضروری ہو جائے تو کہنا چاہیے سلام مسنون یہی طریقہ سلام لکھنے کا ہے یہ مسئلہ یہاں اَلسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى فرمانے سے مستنبط ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے یہ سلام فرعون سے مخاطب ہوتے وقت کیا تھا۔ بعض الفاظ شریعتِ اسلامیہ نے بعض شخصیات کے ساتھ مخصوص فرما دیے اُن کی خلاف ورزی منع ہے مثلاً لفظ صلی اللہ علیہ وسلم نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

رضی اللہ عنہ صحابہ و اہل بیت کے ساتھ۔ رحمۃ اللہ علیہ اولیاء اللہ کے ساتھ۔ مدظلہٗ مسلمان زندہ بزرگوں کے ساتھ مرحوم فوت شدہ عام مسلمان کے ساتھ۔ لفظ علیہ السلام انبیاء کرام اور ملائکہ علیہم السلام کے ساتھ لیکن شیعہ لوگوں نے اپنی نشانی بنالی ہے کہ وہ اہل بیت کو بھی علیہ السلام کہہ دیتے ہیں اُن کی دیکھا دیکھی تفضیلی شیعہ بھی ایسا کرتے ہیں۔ کچھ شیعہ شاہ عبدالعزیز کا حوالہ دیتے ہیں مگر شاہ عبدالعزیز تو اپنے والد شاہ ولی اللہ اور خواجہ حسن نظامی کی طرح مشکوک و متنازعہ شخصیت ہیں ان کی بات دلیل و سند نہیں بن سکتی۔

اعتراضات یہاں چند اعتراضات کئے جا سکتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ جب رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي کی دعا قبول ہو گئی تھی قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ فرمایا تھا تو اب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے پاس جاتے ہوئے اِنَّنَا نَخَافُ کیوں عرض کیا کہ یا مولیٰ ہم ڈرتے ہیں۔ شرح صدر والوں کو تو ہمت جرأت قوت دلیری ہوتی ہے۔ نیز جب چھوٹے چھوٹے ولیوں کی شان یہ ہے کہ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ۔ تو موسیٰ علیہ السلام تو نبی رسول بلکہ مرسل صاحب کتاب تھے۔ ان کو خوف کیوں ہوا اولیاء اللہ تو اُن کی خاک برابر بھی نہیں ہوتے ہیں۔ جواب یہ جملہ صرف اطمینانِ قلبی کے حصول کے لیے عرضِ بارگاہ کیا تھا۔ ورنہ شرح صدر کی ہمت و جرأت بھی تھی اور اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ بھی۔ نیز یہاں خوف بمعنی ڈر اور بزدلی نہیں بلکہ خوف بمعنی اندیشہ و فکر ہے۔ اور وہ بھی اپنا نہیں بلکہ دین کا تھا اِس خوف کی وضاحت تفسیر عالمانہ میں کر دی گئی ہے۔ دوسرا اعتراض۔ جب رب تعالیٰ کو پتہ تھا کہ فرعون ایمان نہیں لائے گا تو پھر فرعون کی ایمان کی تبلیغ کے لیے موسیٰ و ھرون کو کیوں بھیجا گیا۔ جواب۔ اس لیے کہ اتمام حجت ہو جائے اور تا قیامت لوگوں کو پتہ لگ جائے کہ فرعون کا غرق ہونا درست تھا۔ نیز بد بخت کی اور خوش بخت کی چھانٹ ہو جائے نیز اس تبلیغ سے اہل سعادت فائدہ پالیں اور مبلغین کو ثواب مل جائے اور آئندہ کے لیے مسئلہ معلوم ہو جائے کہ کوئی مانے یا نہ مانے مگر تبلیغ کرتے ہی رہنا چاہیئے۔ تیسرا اعتراض۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے پاس جا کر فرمایا قَدْ جِئْنَاكَ بِاٰيَةٍ۔ حالانکہ پہلے ہے بِاٰيٰتِيْ۔ جمع سے اور حقیقتاً بھی موسیٰ علیہ السلام دو یا تین آیتیں (نشانیاں) لے کر گئے تھے تو یہاں واحد کیوں فرمایا۔ جواب اس لیے کہ وہاں آیت سے مراد معجزات ہیں لہٰذا تعداد سے ارشاد ہوا۔ یہاں آیت سے مراد وجہ معجزہ یعنی توحید و رسالت کی برہان ہے اور دلیل تو چونکہ سب معجزوں کا مقصود رسالت کی برہان اور نبوت کی دلیل تھا

اس لیے ایک مقصد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آیت وارد فرمایا۔

تفسیر صوفیانہ اے سُلطانِ قلب اور عقل جب کہ اب تم نے درس گاہِ ابین کے اسباقِ سلوک حاصل کر لیئے ہیں تو۔ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى۔ نفسِ فرعونی کی طرف بڑھو۔ میری نشانیاں حجاب وکشف لے کر وہ نفسِ امارہ وادیٔ مصرِ جسمانی میں تمام قواءِ روحانیہ پر سرکشی استعلاء اور گمراہیِ استیلا کر رہا ہے۔ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا۔ تب اِس نفس کو ایک دم ہلاک وغرق جاذبیت نہیں کرنا بلکہ امرِ حق کی رفاقت اور مدارت کی نرم اعمالی بتانا۔ لَعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى۔ اپنے ہر کام وارادے پر یہی امید ایمان رہے کہ وہ ضرور حکمِ شریعت پر مائل ہوگا۔ یہ بات میلانِ ذکرِ الٰہی اور خشیتِ باطنی سے آتی ہے۔ قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى۔ عقل وقلب نے عرض کیا اے پروردگار نفس نے عیش آرام غفلت سستی سے تمام اعضاءِ ظاہری کو اپنے قابو میں کر لیا ہے ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں وہ اپنے لشکرِ رذیلہ کے ساتھ ہم پر بندشِ اعمالِ صالحہ کی افراط نہ کرے یا صراطِ مستقیم کے راستے روک دے۔ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى۔ عالَمِ لاہوتی سے آواز آتی ہے کہ اے قلبِ امیر اور عقلِ مشیر پریشان مت ہو بے شک میں اللہ تعالیٰ شجاعت اعانت تائید وحفاظت کی دولتوں کے ہمراہ تمہارے ساتھ ہوں تم سب کے قیاس ومکاید سننے والا ہوں۔ اور کیفیاتِ سرِّیہ خفیہ کو دیکھنے والا ہوں۔ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ۔ تو اب وادیٔ ظلمات میں پہنچو اور خیرو تسخیرِ نفسانی کے وعظ سناؤ اپنی معرفت بتاؤ کیونکہ بندۂ عارف کے لیے سب سے پہلے قلب کی معرفت ضروری ہے اور کہدو کہ قواءِ حیوانیہ پر عذاب لذاتِ حسیہ کی بداعمالی سزاءِ شیطانی نہ کرا ور حضرت الٰہیہ کی توجہ کے لیے ہمارے ساتھ لگا دے۔ کیونکہ ہم اُس بارگاہ کا پیغام لانے والے ہیں قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ۔ اے نفسِ سرکش ہم تیرے پاس عالَمِ انوار سے بُرہانِ قدسیہ اور معارفِ حقیقیہ کی آیتیں لے کر آئے ہیں جو ہماری متابعت پر دلالت کرنے والی ہیں وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى۔ اور نقائص سے سلامتی برائیوں سے نجات اور عالَمِ نوری کا فیض اُسی طبیعتِ مقدس پر ہے جس نے برہانِ نورِ الٰہی کی اِتباع کی۔

إِنَّا قَدْ أُوحِيَ إِلَيْنَا أَنَّ الْعَذَابَ عَلَىٰ

بے شک ہم ہی وہ ہیں کہ وحی کی گئی ہے ہماری طرف کہ یقیناً عذاب غالب اس پر ہے

بے شک ہماری طرف وحی ہوئی ہے کہ عذاب اُس پر ہے

مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ﴿٤٨﴾ قَالَ فَمَنْ رَبُّكُمَا

جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا ۔ فرعون بولا تو کون ہے رب تم دونوں کا

جو جھٹلائے اور منہ پھیرے ۔ بولا تو تم دونوں کا خدا کون ہے

يَا مُوسَىٰ ﴿٤٩﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَىٰ كُلَّ

اے موسیٰ ۔ فرمایا موسیٰ نے ہمارا رب وہ ہے جس نے تمام

اے موسیٰ ۔ کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کے لائق

شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ ﴿٥٠﴾ قَالَ فَمَا بَالُ

چیزوں کو ان کا جسم دیا پھر ہدایت بھی بھیجی فرعون بولا گذشتہ لوگوں کا

صورت دی پھر راہ دکھائی ۔ بولا اگلی سنگتوں کا

الْقُرُونِ الْأُولَىٰ ﴿٥١﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي

کیا حال ہوا ۔ فرمایا موسیٰ نے ان سب کا علم میرے رب کے پاس ہے

کیا حال ہے ۔ کہا اُن کا علم میرے رب کے پاس ایک

فِي كِتَابٍ ۖ لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنْسَى ﴿٥٢﴾ الَّذِي

لوح محفوظ میں میرا رب نہ غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے وہی رب جس نے

کتاب میں ہے میرا رب نہ بہکے نہ بھولے وہ جس نے

جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ

بنایا تمہارے لیے زمین کو ٹھکانا اور جاری کئے تمہارے لیے

تمہارے لئے زمین کو بچھونا کیا اور تمہارے لیے اس میں چلتی

فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؕ

اس میں بہت سے راستے اور نازل کیا آسمان کی طرف سے پانی

راہیں رکھیں اور آسمان سے پانی اُتارا

فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿۵۳﴾

پھر ہم نے ہی اس پانی کے ذریعے اُگائے بہت جوڑے جوڑے مختلف نباتات کے

تو ہم نے اس سے طرح طرح کے سبزے کے جوڑے نکالے۔

تعلقات ان آیات کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں حضرت موسیٰ کی رب تعالیٰ سے ان باتوں کی تعلیم لینے کا ذکر ہوا جو فرعون کے پاس جا کر کرنی تھیں اب ان آیت میں ذکر ہوا کہ حضرت موسیٰ فرعون کے پاس پہنچ گئے اور پیغامِ الٰہی اپنی رسالت و نبوت وحی اور توحید باری تعالیٰ کا ذکر فرما دیا۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں فرعون کے سرکش و کافر ہونے کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں۔ سرکشوں کے عذاب کا ذکر ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں حضرت موسیٰ کا رب تعالیٰ سے ہم کلامی میں مشرف ہونے کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی ہمکلامی کا بیان ہے۔

تفسیر نحوی اِنَّا قَدْ اُوْحِیَ اِلَیْنَاۤ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰی۔ قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا یٰمُوْسٰی۔ قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْۤ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی۔ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی۔ اِنَّا۔ دراصل اِنَّ نا ہے۔ حرف مشبہ نا ضمیر جمع متکلم برائے تعظیم متکلم

اسم ہے اِنَّ کا۔ قَدْ اُوْحِیَ فعل ماضی قریب مجہول باب افعال سے بنا ہے وَحْیٌ سے مشتق ہے یہ پورا جملہ خبر اِنَّ ہے اور اِلَیْنَا یہ جار مجرور متعلق ہے۔ اَنَّ حرف تشبیہ اَلْعَذَابَ اسم مفرد اس کا اسم منصوب ہے عَلٰی جارّہ فوقیت کا مَنْ اسم موصول کَذَّبَ۔ باب تفعیل کا ماضی مطلق معروف اس کا مصدر ہے تکذیبٌ بمعنی جھٹلانا ھُوَ پوشیدہ فاعل ہے یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واو عاطفہ تَوَلّٰی ماضی مطلق ہے باب تفعل کا وَلْیٌ سے مشتق ہے منہ پھیرنا کے معنی میں ہے کیونکہ یہاں عَنْ جارّہ زوالیہ پوشیدہ ہے دراصل وَتَوَلّٰی عَنْ دِیْنِہٖ یعنی اللہ کے دین کی دوستی اور محبت سے زائل اور دور رہے وَلْیٌ کے اصلی لغوی معنی دوستی کرنا عَنْ زوالیہ سے دوستی زائل و ختم کرنے کے معنی بنے یعنی منہ پھیرنا۔ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا دونوں مل کر صلہ ہوا موصول صلہ مجرور ہو کر متعلق ہے وَاقِعٌ پوشیدہ اسم فاعل واحد مذکر کا وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے۔ اَنَّ اَلْعَذَابَ کی اَنَّ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر نائب فاعل ہوا قَدْ اُوْحِیَ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر ہے اِنَّا کی وہ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ قَالَ فعل ماضی ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا مرجع فرعون ہے یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ فَ حرف زائدہ بیانیہ مَنْ اسم موصول سوالیہ رَبُّ کُمَا۔ مرکب اضافی ترجمہ ہے تم دونوں کا رب کُمَا ضمیر تثنیہ مذکر حاضر یہ صلہ ہے مَنْ کا یہ موصول صلہ جواب مقدم ہے با ندائیہ کا۔ یَا حرف ندا مُوْسٰی منادیٰ۔ یَا سب سے مل کر مقولہ ہوا۔ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ قَالَ فعل ھُوَ ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع موسیٰ علیہ السّلام یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا رَبُّ مضاف نَا ضمیر جمع برائے تثنیہ متکلم مضاف الیہ یہ دونوں مل کر مبتدا۔ اَلَّذِیْ اسم موصول واحد مذکر اَعْطٰی باب اِفعال کا ماضی مطلق معروف عَطْیٌ ناقص یائی سے مشتق ہے اس کا مصدر ہے اِعْطَاءٌ بمعنی دینا۔ متعدی بدو مفعول ہے پہلا مفعول بہٖ کُلَّ شَیْءٍ مرکب اضافی بمعنی ھکا مرکب توصیفی یا اضافت بیانیہ دوسرا مفعول بہٖ خَلْقَہٗ مرکب اضافی ہے لفظ خَلْق مصدر اسم جامد ہے مراد ہے ڈھانچہ۔ اَعْطٰی فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ثُمَّ حرف عطف تراخی کے لیے ھَدٰی ھُدًی سے مشتق ہے باب ضرب ہے ھو ضمیر پوشیدہ فاعل اَعْطٰی اور ھَدٰی ہیں دونوں کا مرجع رَبُّنَا ہے۔ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف ہوا دونوں عاطفہ جملے مل کر صلہ ہوا اَلَّذِیْ اپنے صلہ سے مل کر خبر ہے مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ ہوا قول مقولہ مل کر

جملہ قولیہ ہوگیا۔ قَالَ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہوکر قول ہوا یہاں فاعل فرعون ہے فَ زائدہ بیانیہ مَا اسم موصول سوالیہ یہاں کَانَ تامہ پوشیدہ بَالُ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ حال خبر کیفیت بَالُ اس حالت کو کہتے ہیں جو قابلِ اعتماد معتبر قابلِ تسلیم یہ مضاف اَلْقُرُوْن الف لام اسمی بمعنیٰ اَلَّذِیْ قرون جمع ہے قرن کی بمعنیٰ حال زمانہ مراد ہے زمانہ والے لوگ موصوف ہے اَلْاُوْلٰی اسم تفضیل مؤنث صفت ہے بمعنیٰ پہلے گزرے ہوئے لوگ ہو گی۔ جماعتیں اُمتیں یہ مرکب توصیفی مضاف الیہ ہے دونوں مل کر فاعل ہے کَانَ پوشیدہ کا سب مل کر جملہ فعلیہ تامہ ہوکر مقولہ ہوا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہوگیا۔ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى قَالَ فعل با فاعل جملہ قولیہ ہوکر قول ہوا عِلْمُ اسم مفرد جنسی بمعنیٰ معلومات مضاف ہے ھَا ضمیر کا مرجع قرونِ اُولیٰ یہ مرکب اضافی مبتدا ہے عِنْدَ رَبِّيْ عِنْدَ اسم ظرف مکانی مضاف رَبِّيْ بمعنیٰ میرا رب یاءِ متکلم کا مرجع حضرت موسیٰ ہیں یہ مرکب اضافی مضاف الیہ ہے عِنْدَ کا وہ سب مل کر ظرف ہے موجود پوشیدہ اسم مفعول کا فِيْ كِتٰبٍ یہ جار مجرور متعلق ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ کا وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہوکر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہوکر مقولہ اول ہوا لَا يَضِلُّ باب ضَرَبَ کا فعل مضارع حال منفی بَا اَصْلُ مضاعف ثلاثی ہے بنا ہے لازم ہے بمعنیٰ بھٹکنا رَبِّيْ مرکب اضافی اس کا فاعل ہے دونوں مل کر جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَا يَنْسٰى باب سَمِعَ کا فعل مضارع ھُوَ ضمیر پوشیدہ فاعل کا مرجع رَبِّيْ ہے یہ جملہ فعلیہ ہوکر معطوف ہوا ایک قول میں یہ عِنْدَ رَبِّيْ میں رَبِّيْ کی صفت ہے یعنی میرا ایسا رب جو نہ بھولے نہ بہکے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ یہ جملہ اگلی عبارت کا موصوف ہوکر مقولہ دوم ہے۔ اَلَّذِيْ۔ اگلی تمام عبارت مِنَ السَّمَآءِ مَآءً تک صفت ہوکر مقولہ دوم ہے اَلَّذِيْ موصول واحد مذکر مراد ہے رَبِّيْ۔ جَعَلَ بابِ فَتَحَ کا فعل ماضی جَعْلٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے بنانا جب یہ متعدی بیک مفعول ہو تو معنیٰ ہے پیدا کرنا مگر یہاں متعدی بدو مفعول ہے اس لیے صرف بنانا مراد ہے لَكُمْ جار مجرور متعلق ہے جَعَلَ کا کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر ہے مراد تم سب انسان اَلْاَرْضَ۔ الف لام جنسی ہے یعنی تمام روئے زمین مفعول بہ اوّل ہے مَهْدًا اسم ظرف مذکر ترجمہ ہے آرام کرنے کی جگہ مَهْدٌ سے مشتق ہے بچھونے کو بھی مَهْد کہتے ہیں اور ماں کی گود کو بھی شیر خوار بچے کی آرام گاہ کو مَهْد کہتے ہیں مقصد سب کا ایک ہے یہ مفعول بہ دوم ہے جَعَلَ اپنے پوشیدہ فاعل متعلق اور دونوں مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ واؤ عاطفہ سَلَكَ۔ بابِ نَصَرَ کا فعل ماضی مطلق سَلْكٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ آگے بڑھنا چلنا۔ چلانا۔ جاری کرنا یہاں اسی معنیٰ میں ہے۔ لَكُمْ جار مجرور پہلا متعلق ہے۔ فِيْهَا جار مجرور

دوسرا متعلق ہے۔ سُبُلًا۔ اسم جمع مُکَسَّر ہے اِس کا واحد ہے سَبِیلًا بمعنی راستہ۔ یہ جمع مکسر تغیر تعلیلی سے بنایا گیا مفعول بہ ہے۔ سَلَكَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَنزَلَ۔ بابِ اِفعال کا ماضی مطلق مِنَ السَّمَاءِ جار مجرور متعلق ہے مَاءً اسم مفرد جامد بمعنی پانی مراد ہے بارش یہ مفعول بہ ہے اَنزَلَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا۔ جَعَلَ کا جملہ معطوف علیہ اپنے دونوں معطوفوں سے مل کر صلہ ہوا اَلَّذِی کا وہ موصول صلہ صفت ہے لَا یَضِلُّ رَبِّی کا سب مل کر مقولہ دوم ہے فَ زائدہ اِستینافیہ۔ یعنی یہ کلام رب تعالیٰ کا ہے حضرت موسیٰ کا مقولہ مَاءً تک ہے اَخْرَجْنَا بابِ افعال کا ماضی مطلق جمع متکلم مرجع اللہ تعالیٰ ہے بِ جارہ سببیہ ہٖ ضمیر کا مرجع ماءً ہے یہ جار مجرور متعلقِ اوّل ہے۔ اَزْوَاجًا جمع ہے زَوْجٌ کی بمعنی جوڑے جمع کا ترجمہ بہت سے جوڑے یہ جمع مکسر ہے تغیر لفظی ظاہری سے بنایا گیا مِن جارہ تبعیضیہ نَبَاتٍ جمع مکسر ہے نبتٌ کی بمعنی زمینی پیداوار یہ تغیر حرفی ظاہری سے بنایا گیا ہے شَتّٰی اسم جمع مکسر اس کا واحد ہے شَتِیتٌ بروزنِ مَرِیضٌ یہ تغیر تقلیل حرفی ظاہری سے بنایا گیا ہے بمعنی مختلف (علیحدہ علیحدہ قسمیں) یہ صفت ہے نَبَاتٍ کی دونوں مل کر مجرور متعلق دوم اَخْرَجْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ خیال رہے کہ عربی زبان میں صنفیت اور تعدد کے اعتبار سے بنیادی لفظ واحد مذکر ہے پھر اسی میں چار طرح تبدل و تغیر کر کے مؤنث بنایا جاتا ہے اسی میں دو طرح تبدیلی کر کے تثنیہ بنایا جاتا ہے اور اسی میں پانچ طرح مندرجہ تبدیلی کر کے جمع بنایا جاتا ہے جمع کے تغیر حسب ذیل ہیں ۱۔ مذکر سالم مرفوع میں واؤ نون سے مثلاً مُسلِمُونَ۔ ۲۔ اسی میں بحالتِ نصب و جری نون مثلاً مُسلِمِینَ ۳۔ مؤنث سالم ہر حالت میں الف تَ سے مثلاً مُسلِمَاتٌ ۴۔ تغیرِ باطنی مثلاً فُلْكٌ واحد بروزنِ قُفْلٌ ہے اور فُلْكٌ جمع بروزنِ اُسْدٌ ہے ۵۔ تغیر تکثیری یعنی واحد میں ایک یا دو حرف کی زیادتی کی جائے مثلاً رِجَالٌ اور مَصَابِیحُ ۶۔ تغیر تقلیلی۔ واحد کے حرف کم کر دیئے جائیں مثلاً کِتَاب کی جمع کُتُبٌ سبیل کی سُبُلٌ یا دو حرف کم کر دیئے جائیں مثلاً شَتِیتٌ کی جمع شَتّٰی ۷۔ صرف حرکات کو بدلا جائے مثلاً اَسَدٌ کی جمع اُسُدٌ۔ اِن آیات میں چار لفظ جمع ہیں ۱۔ قُرُونٌ یہ جمع مذکر سالم نہیں بلکہ سنین اور اَرَضِین کی طرح جمع مکسر تغیر تکثیری ہے ۲۔ سُبُلًا یہ جمع مکسر تغیر تقلیلی ہے ۳۔ نَبَاتٍ یہ جمع مکسر تغیر تکثیری ہے ۴۔ شَتّٰی یہ جمع مکسر تغیر تقلیلی یعنی دو تکثیری اور دو تقلیلی

تفسیر عالمانہ اِنَّا قَدْ اُوْحِیَ اِلَیْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا یٰمُوْسٰی قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی جب دوسری بار حضرت موسیٰ و ہارون فرعون کی تبلیغ کے لیے ملاقات کرنے اُس کے دربار میں تشریف لائے تو فرمایا اے فرعون اور اُس کے اہلِ دربار چونکہ ہم دونوں اللہ العٰلمین کے رسول ہیں اس لیے بے شک ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ یقیناً لازماً بڑا بھاری دائمی ابدی دینوی اور اُخروی عذاب صرف اُن لوگوں پر ہی وارد ہوگا جنہوں نے اللہ رسول دین قانون شریعت طریقت توحید معبودیت خالقیت کو جھٹلایا انکار کیا ماننے سے اور شعور کی طرف فہم و توجہ ہی نہ کی اور یا سمجھ لیا تھا عقل نے تسلیم بھی کیا ایمان پر آمادہ بھی ہوا اور مائل بھی ہوا لیکن پھر بھی منہ پھیرا عمل و اطاعت کی طرف نہ آیا۔ فسق و فجور میں ہی زندگی گزاری اس پر بھی عذاب ہے اگرچہ تھوڑا ہو اور نرم۔ اگر اَلْعَذَابُ کا الف لام عہدی ہے تو مطلقاً عذاب مراد ہے ہر قسم کا اور مَنْ كَذَّبَ سے مراد کافر۔ وَتَوَلّٰی سے مراد فاسق اگر استغراقی ہو تو بڑا اور دائمی عذاب مراد ہے اور مَنْ كَذَّبَ سے مراد کافر۔ تَوَلّٰی سے مراد کافر گر (دوسروں کو کافر بنانے والا) فرعون نے جواب دیتے ہوئے سوالیہ لہجہ اختیار کیا کہ اے موسیٰ تم دونوں کا رب میرے علاوہ کون ہو گیا ہے موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے پہلی ملاقات میں تو فرمایا تھا اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ ہم دونوں تیرے رب تعالیٰ کے رسول ہیں مگر فرعون نے اپنی طرف نسبت کو نظر انداز کر کے کہا کہ تم دونوں نے کس کو اپنا رب بنا لیا۔ سارے مصر کا بادشاہ میں حکومت میری قانون میرا ۱ شدید قوت ۲ عظیم غلبہ ۳ کثیر شکر۔ اَلَیْسَ لِیْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (زخرف آیت ۵۱) یہ سب چیزیں تو میرے پاس ہیں میں ہی تم کو روٹی کپڑا مکان دیتا ہوں تنخواہیں مجھ سے لیتے ہیں حکم میرا چلتا ہے لہٰذا میں اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی تم سب مصر والوں کا رب ہوں (نازعات آیت ۲۴) اور جب میں ہی تم کو پال رہا ہوں تو مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرِیْ۔ میں نہیں سمجھ سکا کہ میرے علاوہ تمہارا کوئی معبود بن بیٹھے کہ کھلاؤں پلاؤں پالوں میں مگر تم کسی اور کی عبادت کرو کسی دوسرے کو سجدے کرو۔ جب میرا کام تم کو پالنا ہے تو تمہارا کام مجھ کو ہی سجدہ کرنا ہے۔ اور اے موسیٰ غور سے کان کھول کر سن لے میں نے بچپن میں بھی تجھ کو پالا جوان کیا تو نے ہمارے ہی ایک خاص آدمی کو قتل کر کے روپوشی اختیار کی۔ اور اب دوسرے کو رب بنا کر آ گیا ہے اور تیرا یہ کہنا کہ تیرا رب کوئی اور ہے

در پردہ ثابت کر رہا ہے کہ تو مجھ کو اپنا معبود بھی نہیں سمجھتا کسی دوسرے کو ہی معبود بنائے بیٹھا ہے تو سن لے کہ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِیْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ (شعراء آیت ۲۹) اب اگر میرے علاوہ کسی اور میرے غیر کو اپنا معبود بنایا تو تجھ کو قیدیوں میں شامل کر دوں گا۔ اگرچہ اس وقت موسیٰ وہارون علیہما السلام دونوں موجود اور ہمکلام تھے مگر فرعون نے صرف موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کیا اور کہا یا موسیٰ تین وجہ سے ۱۔ جانتا تھا کہ موسیٰ اصل رسول ہیں ہارون اُن کے تابع وزیر ۲۔ فرعون کو اب بھی یہ خیال تھا کہ موسیٰ بچپن وجوانی میں زبان کی لکنت والے تھے صاف اور مکمل بات نہ کر سکتے تھے اب بھی ایسے ہی ہوں گے وہ بات نہ کر سکیں گے اور میں چرب زبانی اور تیز بیانی کے ذریعے اُن پر غلبہ حاصل کر کے اہلِ دربار کو مزید اپنا قائل کر لوں گا اگر ہارون کو بولنے کی مہلت دی گئی تو وہ فصیحُ اللسان بلیغُ البیان خطیبُ الکمال ہیں خوش بیانی سے دربار پر چھا جائیں گے اور مجھ کو لاجواب اور زیر کر لیں گے ۳۔ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ اوائلِ عمر میں موسیٰ میرے مربوب و متبنیٰ ہیں اس لیے ضرور گفتگو میں میرا احترام قائم رکھیں گے دوسری محفل کا یہ سارا کلام قرآنِ مجید میں مختلف انداز سے سات سورتوں کی آیت میں منقول ہوا پہلے سورۃ اعراف کی آیت ۱۰۴ سے ۱۰۸ تک پھر سورۃ شعراء آیت ۱۰ سے ۱۵ تک رب تعالیٰ کا کلام اور آیت ۱۶ سے آیت ۳۳ تک مکالمۂ فرعون و موسیٰ اور آیت ۳۴ سے ۵۳ تک فرعون کا درباریوں سے درباریوں کا موسیٰ علیہ السلام سے مکالمہ ۳۔ پھر سورۃ نمل از آیت ۷ تا ۱۴ پھر سورۃ قصص از آیت ۳۶، ۳۸ تا ۴۰، پھر سورۃ مومن آیت ۲۳ سے ۴۷ تک پھر سورۃ زخرف آیت ۴۶ سے ۵۱ تک اور پوری تفصیل آیت ۵۶ تک ۷۔ پھر سورۃ نازعات از آیت ۱۸ تا ۲۵ پہلی ملاقات میں حضرت موسیٰ نے فرمایا تھا۔ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ کہ ہم دونوں تیرے رب کے رسول ہیں مگر جب کہ فرعون نے صرف موسیٰ علیہ السلام کو ہی خطاب کیا اور یموسیٰ کہہ کر ندا کی اور تمام باتوں اور دھمکی آمیز گفتگو میں موسیٰ علیہ السلام کو ہی متوجہ رکھا تب آپ نے فرمایا کہ اے نا سمجھ میں اُس کا رسول ہوں جو صرف تیرا میرا اور ہارون کا ہی رب نہیں بلکہ اِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ بیشک میں اُس اَحْكَمُ الْحَاكِمِيْنَ کا رسول ہوں جو کائناتِ مخلوق کے تمام جہانوں کا رب ہے۔ (اعراف) اور باتوں سے زبانی کلامی رسول نہیں بلکہ معجزات و آیات لے کر آیا ہوں فرعون نے کہا اے موسیٰ دکھاؤ وہ معجزے کیا ہیں تب آپ نے دوبارہ اس دوسری ملاقات میں دونوں معجزے سانپ اور یدِ بیضا کا معجزہ دکھایا

اور یا پہلی ملاقات میں ایک اور اس دوسری ملاقات میں دوسرا معجزہ دکھایا بہرکیف چند مختلف اقوال ہیں۔ یہ تفصیل سورۃ اعراف میں آیت ۱۳۶ تک مذکور ہے جب فرعون نے پوچھا مَنْ رَّبُّكُمَا۔ تم دونوں کا رب کون ہے تو۔ قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی۔ جواب میں موسیٰ علیہ السّلام نے فرمایا کہ ہم سب کا رب وہ ذاتِ پاک جَلَّ وَعُلٰی ہے جس نے تمام مخلوقِ زمینی آسمانی آبی و فضائی اندرونی و بیرونی کو پہلے جسم بدن اعضا اور پھر شکم مادر کو ایسا سانچہ بنایا کہ ہر ماں اپنی نسل کو ہی جنتی ہے ایسا کبھی نہ ہوا کہ بکری سے بھینس پیدا ہونا شروع ہوجائیں یا مرغی کے انڈے سے کبوتر نکلنے لگیں۔ ان کی بناوٹ سجاوٹ شکل و صورت مناسبت مطابقت عطا فرمائی پھر مجسّم و مکمل روح و بدن کے ساتھ سب کو عقل فکر فہم تدبّر تذکر۔ تعقّل شان و مقام عزت و مرتبے کی ہدایت عطا فرمائی۔ حضرت موسیٰ نے پہلی محفل میں اپنا تعارف کرایا کہ ہم تیرے رب کے رسول ہیں پھر یہاں دوسری محفل اپنے رب تعالیٰ کا تعارف کرایا اس لیے کہ معرفتِ الٰہی صرف انبیاء کرام کی زبان سے ہی حاصل ہو سکتی ہے اور اس لیے کہ معرفتِ نبوّت مقدّم ہے معرفتِ الٰہیہ کے لیے اور معرفتِ الٰہیہ ایمان کے لیے مقدّم ہے۔ تفاسیر میں فرعون کے عقائد اس طرح چند مختلف اقوال سے مذکور ہیں۔ ایک قول یہ کہ فرعون باطناً در پردہ اللہ تعالیٰ کو مانتا تھا مگر اُس کو اوپر والا سمجھتا تھا جیسے آج کل ہندو مگر ظاہراً انکار کرتا تھا فقط تکبّر غرور تجبّر اور کذب جھوٹ سے اِس کے چھ ثبوت دئے گئے ۱ موسیٰ علیہ السّلام نے فرمایا پہلی تبلیغ میں۔ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (سورۃ اسرٰی آیت ۱۰۲) یعنی اے فرعون بے شک تو نے بخوبی جانا ہوا ہے کہ یہ نشانیاں صرف آسمانوں زمین کے رب نے ہی اتاری ہیں۔ یہ کلام اُس کے اندرونی اور پرانے عقیدے کی نشان دہی کر رہا ہے نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَیْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا (سورۃ نمل آیت ۱۴) یعنی فرعون اور فرعونیوں نے ظاہراً رب تعالیٰ کے معبودیت خالقیت وغیرہ کا انکار کیا مگر اُن کے دل تسلیم کرتے تھے اِس کے باوجود ایمان نہ لاتے تھے محض ظلم اور تکبر سے ۲ دوسرا ثبوت فرعون پڑھا لکھا عقل والا تھا اور عقل والے کا شعورِ ضمیر سمجھتا ہے کہ مجھے کوئی پیدا کرنے والا ہے اور اہلِ عقل کو ہی ایمان کی دعوت دی جاتی ہے ۳ حضرت موسیٰ کا فرمانا کہ۔ رَبُّنَا الَّذِیْ۔ اِس پر فرعون نے کوئی انکار نہ کیا جس سے ثابت ہوا کہ اتنا کچھ فرعون جانتا تھا ۴ ارشادِ باری تعالیٰ ہے وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَیْنَا لَا یُرْجَعُوْنَ (سورۃ قصص آیت ۳۹) یعنی

وہ خیال کئے بیٹھے ہیں کہ ہماری طرف نہ لوٹیں گے۔ گویا کہ اللہ کو مانتا تھا قیامت کا منکر تھا مبدأ کو مانتے تھے معاد کے منکر تھے یہی عقیدہ آج کل ہندوؤں کا ہے۔ بلکہ ہندو مذہب چلا ہی مصر سے ہے پرانے ہندو دیوتا اوتار وغیرہ سب مصری تھے۔ پنجم یہ کہ حکومت فرعون صرف علاقۂ مصر میں تھی۔ مصر سے باہر علاقۂ شام مدین میں نہ تھی اس لیے فرعون اور فرعونی سب سمجھتے تھے کہ فرعون کی ربوبیت والوہیت صرف تھوڑے سے علاقہ میں ہے مصر سے باہر اوپر والے کی ربوبیت ہے الٰہ العالم وہی اوپر والا ہے۔ ششم یہ کہ جب فرعون نے پوچھا وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فرعون نے کہا اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ (سورۂ شعراء آیت ۲۴ و ۲۷) یعنی میں تو رب کی ماہیت پوچھتا ہوں اور یہ صفت بتاتا ہے گویا وہ فرعون اصل وجودِ باری تعالیٰ کا منکر نہ تھا اور وصف کو مانتا تھا فرعون کے عقیدے کے بارے میں مورخین محققین مفسرین کا دوسرا قول یہ ہے کہ فرعون سخت بے عقل تھا اس لیے متکبر بھی تھا اور ضدی ظالم بھی ورنہ ذرا سی عقل رکھنے والا بھی اپنے آپ کو آسمانوں زمینوں اور چاند سورج ستاروں کا بلکہ خود اپنے آپ کا خالق کس طرح کہہ سکتا ہے کیونکہ ہر انسان اپنی فطری کمزوری اور پیدائش کو سمجھتا ہے اسی طرح انسان اپنی نیستی ہستی موت و زندگی پیدائش وغیرہ کو شعورًا تسلیم کرتا ہے۔ جو آدمی کہے کہ میں اِلٰہ ہوں تو اس نے گویا اپنے آپ کو خالق مانا اور یہ نری جہالت ہے۔ تیسرا قول یہ کہ فرعون دھریہ تھا خالق اور مؤثر حقیقی کا منکر اور نافی تھا۔ چوتھا قول یہ کہ فرعون بت پرست تھا سورج کو الٰہ اور دیوتا مانتا تھا سورج دیوتا کا نام ان کی لغت میں راع یا رع تھا باقی ستارے چھوٹے چھوٹے الٰہ تھے ان کے پجاری دیگر قبطی تھے اس کے زمانے میں چھوٹے بڑے تقریبًا بائیس ۲۲ معبود تھے ستاروں میں سات سیارے اور ایک قطب شمالی تارہ۔ درختوں میں سب سے بڑی عمر والا درخت معبود ہوتا تھا حیوانات میں ہاتھی پرندوں میں ققنس اور کوا ان سب کے بت بھی بنے ہوتے تھے۔ فرعون خود صرف سورج کا پجاری تھا اور اپنے آپ کو سورج دیوتا کا اوتار یعنی پیغمبر کہتا تھا اور سورج کو اللہ کا شریک سمجھتا تھا فرشتوں کو بھی مانتا تھا۔ جیسا کہ سورۂ زخرف کی آیت ۵۳ سے ثابت ہے یہ سب بت اس کے کفریہ عقیدے میں اوپر والے خدا کے شریک ملکیت والوہیت تھے اگرچہ ان کا حصہ تھوڑا ہے یعنی یہ مورتیں اور دیوتا وسیلہ یا سفارشی یا حبیب نہیں تھے بلکہ شریکِ کار تھے بالکل یہی تقریبًا آج کل ہندوؤں کا مذہب ہے پانچواں قول

یہ کہ فرعون حلولیت کا قائل تھا یعنی اوپر والے کا علیحدہ کوئی وجود نہیں بلکہ ہر دیوتا دیوی اور اوتار میں وہ سمایا ہوا حلول کئے ہوئے ہے۔ اس طرح کہ مجسمہ تو ظاہراً مٹی یا پتھر لوہے لکڑی کا ہے جسماً کوئی سورج چاند ستارہ یا کوئی زندہ درندہ پرندہ چرندے انسان حیوان کا جسم ہے مگر اُس کے اندر رب ہے اسی معنی میں فرعون خود کو کبھی رب کبھی اِلٰہ کبھی رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کہتا تھا کہ سورج میرا رب اور اللہ اور میں تمہارا رب و الٰہ۔ مگر صحیح تر یہ ہے کہ یہ سب ہی عقیدے فرعون کے تھے۔ ان عقیدوں کی وجہ سے پوچھتا ہے مَنْ رَّبُّکُمَا یٰمُوْسٰی یہ سوالِ کیفیت ہے اور سورۃ شعرا میں وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ یہ سوال ماہیت ہے اپنی الہیت کا مقصد رعایہ کو جھکانا اور نیچا دکھانا مطیع کرنا تھا اسی لیے مَنْ سے سوال پہلے کیا مَا سے بعد میں اُس کے جواب میں حضرت موسیٰ نے چند لفظوں میں اتنا وسیع اور جامع مانع جواب دیا کہ کوئی عام شخص جو رب تعالیٰ کی خلیقت اور مخلوقِ کائنات کی وسعت و کثرت سے ناواقف ہو ہرگز نہیں دے سکتا یہ تو علم نبوت کی ہی شان ہے کہ کوزۂ دھنی میں سمندرِ معانی سمو دیتے ہیں۔ قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی۔ فرمایا ہمارا رب وہ ہے جس نے تمام اشیا کو شکل و صورت کا جسم دیا پھر پوری دنیوی زندگی کی ہدایت دی ابھی پیٹ میں بچہ انڈے میں چوزہ جان پکڑتا ہے کہ ماں کو محبت اور باپ کو شفقت مل جاتی ہے ہر شخصیت ہر عضو کو ہدایت دی کہ چرند کو چرنا پرند کو اڑنا چگنا درند کو شکار کرنا بحری حیوانات کو تیرنا اسی نے سکھا یا ظاہری اعضا کو ان کے اپنے اعمال باطنی کو ان کے اپنے اعمال کی ہدایت بخشی زمین کو اگاتے درختوں کو پھل پھول سجاتے کی آسمان پر سیارگان کی شکلیں اور رفتاریں اسی نے عطا کیں۔ یہ ہے رب تعالیٰ کی کارکردگی اے فرعون بتا کیا تو یہ کر سکتا ہے۔ اگر نہیں کر سکتا تو پھر تو رب ہونے کا دعویٰ کیسے کرتا ہے اور کیسی عجیب خلقت کہ مچھلی اور دریائی جانور پانی میں رہتے سانس لیتے منہ کھولتے ہیں مگر مجال ہے پانی ان کے منہ میں جائے۔ انسان حیوان زمین پر چلتے ہیں فضاؤں میں خشک گوبر لید ملی دھول اڑتی رہتی ہے مگر کانوں نتھنوں میں ایسے بال لگا دیئے اور منہ میں ایسا لعابی جال بنا دیا۔ کان ناک سدا کھلے اور منہ پھاڑ کر کھولو یا نہیں کرو۔ مگر ذرہ بھر دھول اندر نہیں جاتی خلق نام ہے ترکیبِ اَبدان و اَجسام کا هُدٰی نام ہے اُن اجسام میں قوتِ عقل و فکر۔ فہم و تدبر۔ تذکر۔ درک۔ بصر پیدا کرنے کا اسی لیے خلق پہلے هدٰی بعد میں مذکور ہوا۔ تَسْوِیَۃٌ کہتے ہیں روح پھونکنے کو جس سے قوتِ قلب ہے خلق و رھدٰی کی نہیں

حکمتیں ہیں ۱۔ زمین سے خلق ہے اور خلق سے طبیعت تمام زمینی مخلوق حیوانات نباتات جمادات کے چار عناصر ہوتے ہیں ۱۔ مٹی سب سے زیادہ ثقیل ۲۔ پھر پانی ۳۔ پھر آگ ۴۔ سب سے زیادہ ہلکی ہوا ہے ترکیبِ جسمانی بدنی اس طرح ہے کہ اعلیٰ عنصر آگ ہے اور سب سے نیچا عنصر مٹی ہے اعلیٰ سے ہڈی اور بال بنے اسی لیے یہ دونوں خشک ترین ہیں۔ آگ سے نیچے پانی ہے اس سے دماغ اور دماغ میں بینائی خوشبو بصیرت بصارت پیدا فرمائیں دماغ جسمانی مخزنِ مائی یعنی عنصر آبی کا مقام ہے اس سے نیچے نفس بنایا جو مخزنِ ہوا ہے اس سے نیچے قلب بنایا جس میں حرارت ہے وہ بمنزلِ نار ہے یعنی مخزنِ نار ر مکانِ ارضی (مٹی) بلند ہے اور مکانِ نار نیچے ہے دوم شہد کی مکھی کو چھ کور خانوں والے گھر بنانے شہد لانے کی ہدایت بخشی اسی طرح تمام انسان جنات ملائکہ حیوان چرند پرند درند کیڑے مکوڑوں کو ہدایت بخشی۔ کھاتے پیتے لباس نکاح ہم بستری زمانوں وقتوں کی ہدایت دی عقل کردار کیفیت کی ہدایت دی ہر نر کو مادہ اور مادہ کو نر عطا کیا۔ اعضا کو مختلف شکلیں اسی گے شکل کے مطابق قوت اور عمل بخشا۔ مثلاً آنکھ کان ناک ہاتھ پاؤں پھر ایک بدن کے تمام اعضا کو تعلق رابطہ بخشا۔ تمام قوتیں رب تعالیٰ کے لیے واجب ہیں مخلوق کے لیے ممکن و جائز واجب کو بقا ہے جائز کو فنا ہے واجب قدیم ہے جائز حادث ہے۔ واجب ہی رب اور واجب ہی الٰہ ہو سکتا ہے کیونکہ واجب تعالیٰ دیتا ہے لیتا نہیں بناتا ہے بنتا نہیں۔ مخلوق کی ترکیب قوت ہدایت خلق و بدءِ ابتدا کے اعتبار سے حادث انتہا کے اعتبار فانی ہے اسی لیے یہ کسی خالق و صانع کا محتاج لیکن واجب الوجود کسی کا محتاج نہیں سب اس کے محتاج وہ رب تعالیٰ ہی اپنی مالکیت قاہریت عالمیت میں واجب و کامل ہے لہٰذا کوئی مخلوق اس کے علم سے کوئی مقدور اس کی قدرت سے کوئی مربوب اس کی ربوبیت سے باہر نہیں چونکہ یہ سوال فَمَنْ رَّبُّكُمَا۔ استدلالی تھا اس لیے اس کا جواب بھی نہایت فصیح و بلیغ دلائل سے دیا گیا۔ رب تعالیٰ نے بندوں کو معیشت کی ہدایت عطا فرمائی دنیا کے لیے اور سعادت کی ہدایت عطا فرمائی آخرت کے لیے عقل دی دنیا کے لیے کہ دنیا کو دین بناؤ قلب دیا آخرت کے لیے موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ ہم تیرے رب کے رسول ہیں مگر فرعون نے جواباً کہا مَنْ رَّبُّكُمَا۔ اپنا ذکر نہ کیا۔ یا اس لیے کہ اسے تکبر نے اکسایا اور غلایا۔ یا اس لیے کہ قوم میری اس نسبت سے میری نرم کلامی سمجھ کر مجھ سے باغی نہ ہو جائے یا اس لیے کہ کہیں موسیٰ کے دین کی طرف مائل نہ ہو جائے تفسیر

روح البیان نے فرمایا اس تکلیم میں رب تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ و ہارون کو پانچ قسم کی وحی آئی کلامِ خفی بلا واسطہ ۲ کلامِ الہامی ۳ کلامِ منامی ۴ کلام صوتی ۵ ہارون علیہ السلام کو کلامِ جلی بواسطۂ جبریل ۵ کلامِ پیغام بذریعہ ایک ہی موسیٰ کے دوسرے نبی ہارون کی طرف علیہما السلام اس لیے فرمایا اِنَّا قَدْ اُوْحِیَ اِلَیْنَا۔ موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے سوال کے جواب میں فرمانا۔ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ کہ میرا رب وہ ہے جس نے ہر مخلوق کو اس کے مطابق شکل عقل و اعضا دئے۔ نہ اِدھر کے اعضا اُدھر نہ اُس کا اُلٹ یہ جواب لفظاً چھوٹا ہے مگر معناً بہت وسیع اسی کو سمجھ کر فرعون بوکھلا گیا اور اِدھر اُدھر بات پھیرنے لگا۔ ثُمَّ هَدٰی میں لفظ ثم تراخی کے لیے ہے کہ ہر مخلوق کا پہلے جسم بنایا جاتا ہے اور عالمِ ارواح کی ایک منتخب روح اس میں ڈالی جاتی ہے پھر اس روح مع الجسد شخصیت کو مرتبہ مقام علم عقل فکر نبوت ولایت نیکی بدی ملتی ہے عالمِ ارواح میں نہ کوئی موسیٰ نہ عیسیٰ نہ غوث نہ قطب نہ عالم نہ جاہل نہ نیک نہ بد نہ میں نہ تو نہ تم اِس ایک عبارت سے قادیانیوں کا باطل عقیدہ بھی فنا ہو گیا کہ رَافِعُكَ سے روحِ عیسیٰ مراد ہے کہ عیسیٰ اور ان لوگوں کا یہ قول بھی ختم ہو گیا جو کہتے ہیں کہ شبِ معراج میں غوث اعظم نے نبی کریم کو عرش پر چڑھنے میں مدد کی (العیاذ باللہ) چونکہ ثم ہدٰی کی دلالت عامہ ہے اس لیے تمام زمینی آسمانی مخلوق کا ذکر فرمایا اس کی پوری تفصیل ہمارے فتاوی العطایا جلدِ دوم میں دیکھئے اس لیے كُنْتُ نَبِیًّا وَّ اٰدَمُ بَیْنَ الطِّیْنِ وَالْمَاءِ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے فرعون نے حضرت موسیٰ کا یہ باکمال جواب سن کر پھر سوال کیا فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی۔ یہ سوال ایک استخباری و استدلالی تھا اس لیے اس کا جواب بھی استخباری عطا فرمایا۔ اور فرعون کی عیاری سمجھتے ہوئے حضرت موسیٰ نے قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ كِتٰبٍ لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنْسَی الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِیْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً۔ فرمایا پچھلی قوموں کا حال کیفیت انجام و عاقبت کا سب علم میرے رب کریم کے پاس ہے مجھے اِن معلومات کی فہرست سنانے کی ضرورت ہے نہ موقعہ میرے رب تعالیٰ نے تمام اوّلین و آخرین کی ہر بات نیکی بدی عمل عبادت کفر و ایمان انجام و اختتام جنتی جہنمی ہونا کون اچھا اور اچھائی پانے والا کون برا اور برائی پانے والے سب قوموں شخصوں قبیلوں قرنوں فرقوں گروہوں کے حالات ایک بڑی عظیم کتاب میں لکھ دیئے ہیں بلکہ ہر شخص کے نامۂ اعمال میں بھی اپنے خاص بندوں کو دنیا میں ہی بتانے کے لیے کہ جس کی نگاہ اس لوحِ محفوظ کتاب مبین تک پہنچے وہ بھی اولین و آخرین کے حالات کو جان سے اور آخرت

ہیں ہر نیک و بد اپنے اعمال نامے کی یہ کتاب خود پڑھ لے۔ میرا رب نہ غلط بیانی کر سکتا ہے نہ بھول سکتا ہے۔ کیونکہ علم ربی اُس کی صفتِ قدیمی ہے اور صفت ذات کے ساتھ ہوتی ہے۔ خیال رہے کہ علمِ مخلوق میں چار قسم کی کمزوریاں ہیں ۱ ضلالت یعنی غلطی اور غلط بیانی ۲ نسیان ۳ سہو۔ رکھ کر بھولنا نسیان ہے لکھ کر بھولنا سہو ہے ۴ غفلت یعنی بے توجہی بے پرواہی لَا یَضِلُّ اور لَا یَنْسَی فرما کر چھ شانیں بیان فرمائیں ۱ لَا یَضِلُّ اُس کے علم سے کوئی محو نہیں مٹتا نہیں لَا یَنْسَی کوئی مخفی نہیں ۲ لَا یَضِلُّ ہر چیز کی معرفت ہے لَا یَنْسَی اس معرفت کو کبھی فنا نہیں ۳ لَا یَضِلُّ خطا نہیں ہے لَا یَنْسَی بھول نہیں ہے ۴ لَا یَضِلُّ دنیا میں۔ لَا یَنْسَی آخرت میں ۵ لَا یَضِلُّ کسی سے وہ دور نہیں لَا یَنْسَی کوئی اُس سے دور اور بے قابو نہیں ہے ۶ لَا یَضِلُّ تدبیر میں لَا یَنْسَی تقدیر میں۔ کتاب سے مراد لوحِ محفوظ یا اعمال نامے یا ملائکہ کے دفتر رجسٹر۔ میرے رب تعالیٰ کی دوسری شان یہ ہے کہ اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا اُسی نے تم سب انسانوں کے لیے صرف زمین کو بچھونا سکون کی جگہ بنایا وہ آرام سکون و عیش جو انسان کو سرزمین پر ملتا ہے وہ کہیں نہیں مل سکتا نوم و قیام۔ قعود و استراحت زراعت و باغات کھیت و کھلیان اسی زمین پر لگتے اُگتے بیجتے اور حاصل ہوتے ہیں اس لیے کہ تمام کائناتی کرّوں میں صرف زمین ہی ساکن اور ایک جگہ بچھی پڑی ہے اور اسی زمین پر ہر علاقہ میں بستی و بیابان میں پہاڑوں میدانوں میں تمہارے ہی لیے اے انسانوں شرقًا غربًا شمالًا جنوبًا چھوٹے بڑے تنگ و کشادہ راستے بنائے یہ بھی سکونِ زمین کی ایک دلیل ہے کہ اگر زمین ایک جگہ ٹھیری نہ ہو تو شرقی غربی سمتوں کا تعین نہیں ہو سکتا اور جب راستہ ایک سمت پر مقرر نہ رہے تو راہِ مسافران کو سخت دشواری بلکہ منزل پر پہنچنا ہی ناممکن کتنے پاگل و احمق ہیں جو زمین کو گردش میں کہتے ہیں۔ میرے رب تعالیٰ کی تیسری شان یہ ہے کہ رب وہ ہے جس نے آسمان کی طرف سے پانی جیسی عظیم بے مثال بے شمار بے حساب صاف شفاف لذیذ نعمت اتاری کہ اس نعمت سے پوری دنیوی زندگی اور نظامِ کائناتی کا بقا و قیام ہے بنایا اے فرعون کیا تو یہ قدرتیں دکھا سکتا ہے اور جب نہیں دکھا سکتا اور یقینًا نہیں دکھا سکتا تو تو رب نہیں ہو سکتا اور جب رب نہیں ہو سکتا تو تجھ کو معبود و مسجود بننے کا کوئی حق نہیں۔ یہاں تک موسیٰ علیہ السلام کا کلام منقول ہوا۔ رب تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ یہ بھی بتاؤ کہ فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى۔ پھر ہم نے ہی نکالا اس بارش کے ذریعے جوڑا جوڑا مختلف قسم کی بے شمار غذائی شفائی جڑی بوٹیاں کھیت

باغات پھل پھول کے پودے اور بڑے چھوٹے درخت اور گھاس پھوس جھاڑیاں بیلیں یہ دلائل خاصہ ہیں اس لیے لکم ارشاد ہوا کیونکہ زمین کی یہ منفعت صرف انسان کے استفادہ کے لیے ہے۔ ہر چیز زمین میں پانی سے پرورش ہوتی ہے اسی لیے ہر شئی میں پانی سے زندگی ہے بلکہ پانی ہی زندگی کا دوسرا نام ہے اَزْوَاجًا سے مراد ہے جوڑا جوڑا یا۔ قریب قریب جڑے جڑے اسی طرح شَتّٰی کے بھی دو معنیٰ ہیں ۱ دور دور ۲ مختلف اقسام، دنیا میں چھ قسم کے اعتبار سے نباتات مختلف ہوئے ۱ رنگ ۲ مزہ ۳ خوشبو ۴ بدبو ۵ تاثیر ۶ موسم۔ خیال رہے کہ دینوی رنگ گیارہ قسم کے ہیں ۱ سفید ۲ ہرا ۳ پیلا ۴ سرخ ۵ کالا ۶ اودا ۷ نیلا ۸ خاکی ۹ گلابی ۱۰ بھورا ۱۱ چکیلا مزے بھی گیارہ قسم کے ہیں ۱ پھیکا ۲ میٹھا ۳ نمکین ۴ مرچیلا ۵ کھٹا ۶ کڑوا۔ ۷ کسیلا ۸ یکسا ۹ پچپچا ۱۰ چھپیندا ۱۱ چکنا حصٹ۔ اسی طرح تاثیر میں بھی گیارہ قسم کی ہیں ۱ سرد ۲ گرم ۳ خشک ۴ تر ۵ معتدل ۶ غذائی ۷ شفائی ۸ بیماری ۹ قوی ۱۰ آبی ۱۱ بادی موسمیات بھی گیارہ قسم کے۔ ۱ گرمی ۲ سردی ۳ خزاں ۴ بہار ۵ خشک ۶ تر ۷ برساتی ۸ برفانی ۹ جنگلی ۱۰ شہری ۱۱ ریگستانی۔ بو بھی گیارہ قسم کی ہے ۱ خوشبو ۲ بدبو ۳ مہک ۴ سوندھا حصٹ ۵ باس ۶ بساند ۷ چراند ۸ سڑاند ۹ بھڑانس ۱۰ مٹراند ۱۱ جلاند۔ فرعون سے اس دوسری ملاقات کے وقت موسیٰ علیہ السلام کا لباس اونی جبّہ سوتی شلوار زیب تن فرمائے ہوئے تھے اور جب آپ نے اس محفل میں فرعون کے کہنے سے عصا پھینکا تو زبردست سانپ بن گیا اور تیزی سے ہر طرف دوڑا تو دربار فرعونی میں بھگدڑ مچ گئی اس افراتفری میں پچیس ہزار قبطی زخمی اور مردہ ہوئے اور فرعون ڈر کر گھر کے اندر بھاگ گیا اور اندر سے ہی کہا کہ کوئی دن مقرر کر لو ہم بھی اس جادو کے مقابل جادو دکھائیں گے۔ یہ تو دوسری ملاقات کا حال تھا پہلی ملاقات میں فرعون مائل ہو گیا تھا کہ ایمان لے آئے پہلے اپنی بیوی آسیہ سے مشورہ کیا اس نے ایمان لے آنے کا ہی مشورہ دیا تھا پھر ہامان وزیر اعظم سے مشورہ کیا تو اس نے ورغلا دیا۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں پہلا فائدہ انبیاء کرام علیہم السلام کا ہر کام و کلام بے مثل معجزہ اور قدرت الٰہی کا شاہکار ہوتا ہے دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چند لفظوں میں ایسا معجزانہ خطاب و جواب ارشاد فرمایا کہ معرفت توحید و رسالت کے دریا بہا دیئے دعویٰ بھی دلیل بھی دعوت فکر بھی کہ میرے رب تعالیٰ کو ہی ربوبیت تامہ لائق ہے جس نے ہر شئی کو شکل و صورت دے کر ہی نہیں چھوڑ دیا۔ شکل و صورت خلقت و بناوٹ

کے مطابق ہر شئی کی رہنمائی و دستگیری بھی فرماتا ہے کوئی بھی مخلوق یا اُن کے اندرونی بیرونی اعضاء ایسے نہیں جو خود اپنی مرضی سے اُلٹے سیدھے کام کرنے لگیں بلکہ ہر چیز ہر شخصیت کو اپنی اپنی بناوٹ کے مطابق اپنی مقصد پیدائشی پورا کرنے کا طریقہ و سلیقہ بھی اسی رب کائنات نے سکھا دیا۔ شیر گھاس نہیں کھا سکتا۔ بکری گوشت نہیں ہاتھ چل نہیں سکتے پاؤں پکڑ نہیں سکتے۔ اندرونی اعضا میں کلیجی گردے پھیپھڑے اوجھڑی دل دماغ پتہ مسانہ سب کو اُن کے کام بتا دیئے اسی رب تعالیٰ کی ہدایت سے سب اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ ایک بھی اپنا کام بند کر دے تو بندہ فنا ہو جائے سب فرعونیت ہامانیت دھری رہ جائے۔ سورج کو چمکنے اور سیدھی بندھی رفتار پر کروڑوں سال سے چکر لگانے کی چاند کو تاریخ وار پھرنے کی سیاروں کو اپنے اپنے راستے پر چلنے کی اُسی رب قدیر نے ہدایت بخشی جس میں کوئی سیارہ سرِمُو فرق یا تعجیل و تاخیر نہیں کر سکتا یہ سب اُسی قدرتوں والے رب تعالیٰ کی ہدایت کی پابندی ہے اس سورج قمر کو آگ ہوا مٹی پانی کو شکل بھی اسی نے دی وصف بھی اسی نے دیئے غرضکہ رب تعالیٰ صرف خالق ہی نہیں مُعَلّم اور ہادی بھی ہے۔ یہ ایسی جامع تقریر ہے کہ علما تمام عمر تشریح کرتے رہیں اس کی وسعت ختم نہیں اسی تقریرِ دل پذیر نے چند منٹوں میں فرعون اور فرعونیوں کو مبہوت کر دیا۔ آپ نے یہ سمجھا دیا کہ اے فرعون رب ہونا آسان نہیں کہ جس کا دل جب چاہے رب بن بیٹھے۔ اے فرعون حقیقی ذاتی قدیمی سچے رب کی یہ شان و کمال ہے اب بتا کیا تیرا رب بننا درست ہے ارے تو تو ایک گھاس کا تنکا نہیں بنا سکتا تیرا اپنا جسم بگڑ جائے تو سنبھال نہیں سکتا تجھے تو اپنے باطنی اعضا کی کارکردگی کا پتہ نہیں کہ کلیجی کس طرح خون بنا رہی ہے پتہ کیا کر رہا ہے قلب و دماغ کا کیا کام ہے۔ کیا اس طرح خلقت و ہدایت کی تجھے قدرت ہے اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو تیرا خود کو رب کہنا اور ان لوگوں کا تجھ کو رب ماننا حماقت ہی حماقت ہے۔ یہ فائدہ اَعْطٰى كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ کافر فاسق جاہل کی ہربات کا جواب دینا ضروری نہیں بلکہ درگزر کرنا اور بیہودہ لفّاظی سے روک دینا اور جوابِ جاہلان باشد خموشی کے اصول اپنانا بہتر ہیں یہ فائدہ۔ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى کے جواب عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ فرمانے سے حاصل ہوا۔ مناظرین اسلام کو یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیئے فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى کے سوال سے فرعون کے تین مقصد تھے ایک یہ کہ نئی باتوں میں اُلجھا کر بات چیت کا رخ موڑ دیا جائے تا کہ موسیٰ کی خوش بیان تقریر کا اثر سامعین کے دل سے ختم ہو جائے۔ دوم یہ کہ قبطی لوگ

قرونِ اُولیٰ کی اولاد سے تھے کوئی قوم ثمود کا کوئی قوم ہود کا جب موسیٰ ان کافر قوموں کی کو برا کہیں گے۔ اور بتائیں گے کہ وہ بھی برے تھے عذاب میں ہیں تو قوم بھڑک جائے گی اور موسیٰ کے پیچھے پڑ جائے گی شور مچ جائے گا ساری تبلیغ پر پانی پھر جائے گا مگر موسیٰ علیہ السلام نے اس کی چال کو سمجھتے ہوئے عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ ۔ کا مختصر جملہ فرما کر اس کا یہ منصوبہ خاک میں ملا دیا۔ سوم یہ کہ وہ پوچھنا چاہتا تھا کہ جب ان قوموں نے اللہ کو رب نہیں مانا تو ان پر عذاب کیوں نہ آیا۔ تیسرا فائدہ ثُمَّ هَدٰی کے فرمان سے رسالت کی ضرورت کا بیان بھی ثابت ہوا کہ ہر شی کو اس کی خلقت وعقل وشعور کے مطابق ہدایت عطا فرمائی حیوانوں کو جس قسم کی ہدایت کی ضرورت تھی وہ ان کو اتنا عطا فرمائی لیکن انسان اشرف المخلوقات کو ایسی کامل مکمل ابدی ازلی دینوی اُخروی ہدایت کی ضرورت تھی جو ذاتِ نبوت کی عملی قولی اُسوۂ حسنہ والی نمونۂ حیات کے بغیر ناممکن تھی اس لیے انسانوں تمہاری ہدایت کے لیے وجودِ نبوت اور قیامِ رسالت ضروری ہے لہٰذا۔ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّکَ ہم دونوں تیرے رب کے رسول تیری خلقت کو ہدایت دینے کے لیے آگئے۔ یہ فائدہ ثُمَّ هَدٰی اور اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّکَ سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ بے عملی اور بدعملی اور بدعقیدگی ہر شخص کو نقصان دہ ہے اس سے انسان فاجر فاسق بلکہ کافر بھی ہو جاتا ہے۔ اگرچہ مومن مسلمان ہو عالم پیر فقیر ہو یا سید غیر سید۔ حکایت۔ تفسیر روح البیان میں اسی مقام پر ہے کہ ایک غریب حال پریشان سید نے عبداللہ بن مبارک کی عزت و آن شان وشوکت اور لوگوں میں احترام دیکھ کر کہا کہ دیکھو ہم سید ہو کر بے عزت ہوتے پھر رہے ہیں اور یہ غیر سید ہو کر کتنی عزت والا ہے آپ نے جوابًا فرمایا کہ تم نے اپنے نانا آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقۂ مبارک اور سنتیں چھوڑیں بدعملی اختیار کی اس لیے یہ حال ہوا۔ میری عزت صرف پابندیٔ سنت کی وجہ سے ہے اسی طرح تبلیغ موسوی کو نہ مان کر فرعون جیسے بادشاہ کی عزت ذلتِ ابدی میں بدل گئی یہ مسئلہ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی۔ سے مستنبط ہوا لہٰذا وہ لوگ عبرت پکڑیں اور خفیہ شیعیت سے توبہ کریں جو کہتے ہیں کہ بدعقیدہ سید بھی ٹھیک اور قابلِ احترام ہے۔ یہ حماقتیں تفضیلی شیعہ کرتے اور لکھتے ہیں اور سنی بن کر مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ دوسرا مسئلہ باطل کا کلام سننا سنانا بھی جائز ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرعون کے کفریات نقل فرمائے ۱۔ انکارِ الٰہی انکارِ ایمان ۲۔ انکارِ نبوت ۳۔ انکارِ قیامت لیکن

راہل حق لوگوں پر واجب ہے کہ خوش اخلاقی سے تسلی بخش جواب دیں یہ مسئلہ فَمَنْ رَّبُّكُمَا کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام کے فصیحانہ بلیغانہ جواب رَبُّنَا الَّذِيْ (الخ) سے مستنبط ہوا اسی طرح ایک دوسری آیت میں تا قیامت مسلمانوں کو یہی حکم دیا جا رہا ہے کہ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ
تیسرا مسئلہ۔ حنفی مسلک میں جب انسانی بچہ شکم مادر میں مکمل ہو کر جان والا ہو جاتا ہے تو اسی وقت سے وہ تمام دنیوی حقوق کا حقدار ہو جاتا ہے جن میں میراث کا حصہ شرعی بھی ہے اور تمام رشتے داریاں یہاں تک کہ محبتِ مادری شفقتِ پدری کے حقوق بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش ہو جاتے ہیں اگر کوئی مورث قبل ولادت فوت ہو جائے تو اس جنین کا حصہ بھی تقسیم میں شامل کرنا واجب شرعی ہے یہ مسئلہ ثُمَّ هَدٰى کے فرمان سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا فِیْ كِتٰبٍ یعنی اللہ تعالیٰ کا علم کتاب میں ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ کو بھی کتاب کی ضرورت ہوتی ہے جس سے اس کی محتاجی ثابت ہوئی۔ کفار اس سے غلط تاثر لیں گے تو پھر حضرت موسیٰ نے فرعون کے سامنے یہ کمزور بات کیوں کی؟ جواب یہ تمثیلی تشبیہ ہے کہ جس طرح کتابی علم ہر طرح محفوظ ہوتا ہے کہ نہ بھولے نہ بھلایا جا سکے نہ ضائع ہو نہ غلط کیا جا سکے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا علم محفوظ ہے کہ تمام کائناتِ ممکنہ غیر ممکنہ کی معلومات لَا يَضِلُّ اور لَا يَنْسٰى ہے۔ جواب دوم اس طرح دیا گیا ہے کہ فِیْ كِتٰبٍ، عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ کی دلیل ہے نہ کہ ظرف اور معنی یہ کہ تمام قرونِ اولیٰ کی مکمل معلومات میرے رب تعالیٰ کے پاس ہے اس کی دلیل یہ کہ اس نے یہ سب کچھ انبیا اور ملائکہ کو بتانے کے لیے لوحِ محفوظ کتاب میں لکھ دی ہیں تاکہ جس کی نظر میں لوحِ محفوظ دیکھنے کی قوت ہو وہ دیکھ کر پتہ لگا لے اس لیے میں نبی رسول ہونے کی وجہ سے کتاب کو دیکھ کر یقین کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ۔ دوسرا اعتراض یہاں فرمایا گیا اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف کفار کو عذاب ہوگا۔ مسلمان مومن گناہگار کو عذاب بالکل نہ ہوگا حالانکہ فاسقین کا عذاب قبر و حشر و جہنم احادیث سے ثابت ہے جواب۔ اس کے بھی دو جواب دئیے گئے ہیں ایک یہ کہ اگر یہاں الف لام استغراقی ہے تو یہاں صرف بڑے سے بڑا سخت ابدی عذاب مراد ہے اور وہ واقعی صرف کفار کو ہوگا۔ اور اگر الف لام عہدی ہے تو معنی یہ ہے کہ خصوصی عذاب صرف کفار کو ہوگا۔ فاسقین

کا عذاب عمومی معمولی غرضِ عذاب کے لیے نہیں بلکہ لغرضِ صفائی ہوگا یہاں خصوصی یعنی خاص طور پر
کفار کے لیے تیار کیا ہوا عذاب مراد ہے جواب دوم یہ کہ یہاں کافر و فاسق کے عذاب مراد ہیں
اور الف لام جنسی ہے۔ اس طرح کہ کَذَّبَ سے کفار اور تَوَلّٰی سے بے عمل اور بدعمل مسلمان مومن
فاسقین مراد ہیں۔ اس لیے کہ کفر تکذیب کا نام ہے اور تولّی یعنی منہ پھیرنا۔ غفلت سستی بے عملی
بدعملی سے ہوتا ہے بے عمل فاسق عبادت و اطاعت سے صرف منہ پھیرتا ہے تکذیب نہیں کرتا۔

تفسیر صوفیانہ اِنَّا قَدْ اُوْحِیَ اِلَیْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰی۔ اے فرعونِ نفسانی بیشک
وحی کی گئی ہے ہماری طرف کہ عذابِ طبیعتِ جنسیہ اس پر ہے جو قلب و عقل
کی تکذیب کرے اور ذکر و فکر کی خلوت سے منہ پھیرے جیسے لذّتِ بدنیہ کے ہاویۂ جہنم کا سخت
عذاب۔ تب پردۂ نفس کی طرف سے سوال ہوتا ہے کہ کون ہے اس دہر کائناتی میں عقل و دل
کی پرورش کرنے والا اور روحانی عذابیں دینے والا۔ قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ
هَدٰى۔ فرمایا اے نفوسِ رذیلہ بے شک ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر ظاہری باطنی اشیاء
کو بصیرت کی خلقت اور بصارت کی شکل دی حجّتِ تامہ سے پھر دلائل کی ہدایت دی الہامات
سے یعنی ہر شئی کو اس کی ذاتی مصلحتوں کی مطابقت سے شکلِ عمل دیا اور خواص کی مناسبت سے
آلات و اعضاء دئے اور پھر منافع و مقاصد کے حصول کے لیے ہدایت و فراست دی۔ ہر
شئی کو جنت و جہنم برزخ۔ فنا و بقا کی شکل و صورت دی۔ ثُمَّ هَدٰى پھر اس کے لیے وہی
کام آسان کر دئیے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا۔ ؎

یکے را بہرِ طاعت خلق کردند یکے را بہرِ عصیاں آفریدند
یکے از بہرِ مالک گشت موجود یکے را بہرِ رضوان می پدیدند

یعنی مومن کو رب تعالیٰ نے پیدا فرمایا فیضِ ایمان کو قبول کرنے کی قوتِ ہمت کی سعادت
دے کر اور پھر ہدایت دی دعوتِ انبیاء ماننے اور ان کی متابعت کی کافر کو پیدا فرمایا
قہر و غضب ذلّتِ اخروی کے فیض کو قبول کرنے کے لیے پھر راستہ دکھایا انبیاء سے
تکبّر اور ان کی مخالفت کا قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی نفس رذیلہ قلب و عقل کے اشغالِ
صالحہ سے منہ پھیرتے ہوئے سوال کرتا ہے کہ معاد سے حجاب والوں کا حالِ آخرت کیا ہے
سعادت میں ہیں یا شقاوت میں قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ۔ فرمایا ان تمام حوادثِ اخروی پر میرے
رب تعالیٰ کا علم محیط ہے چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی معرفت واجب اوّل ہے اور

مخلوق کے معاد و انجام کی معرفت اسی معرفتِ ذاتِ الٰہی پر موقوف ہے اس لیے قلبِ مفکر عقلِ فہیم کی جانب سے احاطۂ علمِ ربانی کا بیان پہلے ہوتا ہے کہ ان تمام اہلِ باطن اور ان کے کثیر احوال کو وہی میرا رب تعالیٰ جاننے والا ہے فِی کِتَابٍ خواص کو لوحِ محفوظ کتابِ مبین کے ذریعے معلومات حاصل ہوتی ہیں جن کی نظر سینۂ اسرار پر ہوتی ہے وہ علمِ ربانی ازلاً ابداً باقی ہے نہ اس پر خطا کی ضلالت جائز نہ نسیان اور کسی طرح کی بھول کا امکان اس لیے کہ اسے قواءِ بدنیہ اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَھْدًا۔ اسی ربِ کائنات جل وعلیٰ نے تمہارے لیے ارضِ جسم کو پرورش گاہی مہدِ تربیت وعیش بنایا۔ وَسَلَکَ لَکُمْ فِیْھَا سُبُلًا۔ اور تمہارے ہی لیے اسی جسمِ ناسوتی میں اعضاءِ ظاہری اور جوارحِ قویہ کے آنکھ ناک، کان ہاتھ پاؤں کے ظاہر و پوشیدہ چھوٹے بڑے راستے بنائے وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً اور اسی ذاتِ کریم نے آسمانِ روح سے ادراک کا پانی نازل فرمایا اور مددِ روحانی کی بارش برسائی فَاَخْرَجْنَا بِهٖ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰی پھر اسی روحانی بارش کے ذریعے اراضیِ بدنیہ سے نباتاتِ قدسیہ کے تفکر تدبر، تذکر۔ ادراک۔ بصیرت فہم، فراست، علم، خاصہ، طبیعت، حیثیت۔ ملکات، اعمال، افعال کی ہر قوت والے مختلف جوڑے نکالے (تفسیر ابن عربی و روح البیان)

کُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَکُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ

کہ خود بھی کھاؤ اور چراؤ اپنے چوپایوں کو بے شک اس قدرت میں

تم کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو چراؤ بے شک اس میں

لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّھٰی ﴿۵۴﴾ع مِنْھَا خَلَقْنٰکُمْ وَ

البتہ آیتیں ہیں اچھی عقل والوں کے لیے۔ اسی زمین سے پیدا کیا ہے ہم نے تم سب کو

نشانیاں ہیں عقل والوں کو ۔ ہم نے زمین ہی سے تمہیں بنایا

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً

اور اسی میں لوٹاتے رہیں گے ہم تم کو اور اسی سے نکال لیں گے تم سب کو ایک دم

اور اسی میں تمہیں پھر لے جائیں گے اور اسی سے تمہیں دوبارہ

اُخْرٰى ﴿۵۵﴾ وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا

دوسری بار۔ اور البتہ اس فرعون کو بھی ہم نے اپنی بہت نشانیاں دکھائی نہیں

نکال لیں گے۔ اور بے شک ہم نے اُسے اپنی سب نشانیاں دکھائیں

فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿۵۶﴾ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا

تب بھی اس نے جھٹلایا اور انکار ہی کیا۔ بولا کیا تو آیا ہے ہمارے پاس تاکہ نکال دے تو ہم کو

تو اس نے جھٹلایا اور نہ مانا۔ بولا کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہمیں

مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۵۷﴾ فَلَنَاْتِيَنَّكَ

ہمارے علاقے سے اپنے جادو کے ذریعے اے موسیٰ تو البتہ ہم بھی لائیں گے تیرے پاس

اپنے جادو کے سبب ہماری زمین سے نکال دو اے موسیٰ۔ تو ضرور ہم بھی تمہارے آگے

بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ

ایسے جادو کو جو اس کی مثل ہوگا۔ لہٰذا مقرر کرلے ہمارے اور اپنے درمیان

ویسا ہی جادو لائیں گے تو ہم میں اور اپنے میں

مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ

ایسے ایک وعدے کے دن میں جس کی ہم خود بھی اور تو بھی خلاف ورزی نہ کریں

ایک وعدہ ٹھہرا دو جس سے نہ ہم بدلیں نہ تم

مَكَانًا سُوًى ﴿٥٨﴾

ایک کھلے صاف میدان کو
ہموار جگہ ہو۔

تعلقات اِن آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں فرعون کا ایک سوال کہ تمہارا رب کون ہے اور اس کا جواب موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے مذکور ہوا۔ اب اِن آیت میں باری تعالیٰ کی ربوبیت اور پرورشِ عامہ کی شان کا ذکر ہو رہا ہے۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں حضرت موسیٰ اور فرعون کی سوال و جواب والی گفتگو کا ذکر ہوا جس میں بتایا گیا کہ حضرت موسیٰ نے فرعون کی ہر سوالیہ بات کا نہایت شاندار با دلائل جواب دیا۔ اِن آیت میں بتایا گیا کہ فرعون نے باوجود لاجواب ہو جانے اور معجزات و نشانِ قدرت دیکھنے کے پھر بھی نہایت ہٹ دھرمی (ضد) سے ہر چیز کو جھٹلایا اور ماننے سے انکار کیا۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں حضرت موسیٰ کا ایک وعظ مذکور ہوا جس میں آپ نے فرعون کو نصیحت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا تعارف کرایا کہ رب وہ ہے جس نے تمام مخلوق کو اُن کی مختلف شکلوں پر پیدا کیا۔ اب اِن آیت میں مخلوق کے انجام و اختتام کا ذکر ہو رہا ہے اور بتایا گیا کہ اے فرعون تو رب نہیں تو ایک ادنیٰ سی مخلوق ہے تیرا بھی یہ حشر ہونا ہے لہٰذا پہلے ہی بندہ بن جا۔

تفسیر نحوی كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى۔ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى

كُلُوْا۔ بابِ نَصَرَ کا فعل امر حاضر جمع مذکر۔ اَكْلٌ سے مشتق ہے دراصل اُؤْكُلُوْا تھا اجتماعِ ہمزتین کی وجہ سے مادے کی ہمزہ گر گئی پھر اکیلی ہمزہ پر ضمہ ثقیل تھا تو وہ بھی گر گئی اور ضمہ منتقل ہو کر کاف پر آ گیا۔ اَكْلٌ کا لغوی حقیقی ترجمہ ہے کھانا منہ سے مجازاً ترجمہ ہے جلانا۔ غیبت کرنا۔ نقصان کرنا، خیانت کرنا وغیرہ یہاں لغوی ترجمہ مراد ہے واؤ عاطفہ۔ اِرْعَوْا۔ بابِ فَتَحَ کا امر حاضر جمع مذکر رَعْیٌ سے مشتق ہے بمعنی جانور چرانا۔ حفاظت کرنا۔ رعایت کرنا یہاں پہلے معنی میں ہے پنجاب میں کسانوں کی ایک سبزی اُگانے والی قوم کا نام آرائیں یا رائیں ہے

وہ لفظ الراعی یا راعی سے منتقل ہے۔ عربی میں آجڑی کو راعی کہتے ہیں اردو میں چرواہا کہتے ہیں یہ قوم پہلے صرف بکریوں کو چراتے تھے پھر بکریوں کے پٹھے (چری) اگانے لگے پھر باقی انسانی سبزیاں بھی اُگانے لگے اور راعی سے رائیں بن گئے یہ صیغہ دراصل اِرْعَيُوْا تھا پہلے یٔ کو الف سے بدلا پھر الف ثقیل گر گیا۔ یہ دونوں فعل ہر بات میں متعدی ہوتے ہیں۔ اَنْتُمْ پوشیدہ ضمیر ان کا فاعل اَنْعَامَکُمْ مرکب اضافی اِرْعَوْا کا مفعول بہ یہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف ہوا۔ کُلُوْا فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ دونوں مل کر جملہ عاطفہ ہو گیا۔ اِنَّ حرفِ مشبہ فِیْ ذٰلِکَ یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے مَوْجُوْدَاتٌ پوشیدہ اسم مفعول کے۔ لَاٰیٰتٍ۔ لام تاکید یہ اٰیٰتٍ بحالتِ فتحہ ہے اسم ہے اِنَّ کا۔ لِاُوْلِی النُّہٰی لام جارہ نفع کا اُوْلِی اسماءِ نسبتی میں سے ہے یہاں بحالتِ جر ہے بحالتِ رفع اُولُو ہوتا ہے بحالتِ نصب بھی اُوْلِی ہوتا ہے بمعنی والے یہ جمع کے لیے استعمال ہوتا ہے اس کا واحد نہیں ہوتا۔ اَلنُّہٰی الف لام جنسی یا عہدِ ذہنی نُہٰی۔ اسم جمع مکسر اس کا واحد ہے نُہْیَۃٌ یہ جمع تغیرِ تعلیلی سے بنایا گیا۔ بمعنی برائی سے روکنے والی عقل۔ اُوْلِی مضاف نُہٰی مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور متعلق دوم ہے مَوْجُوْدَاتٌ پوشیدہ کا ھُنَّ پوشیدہ ضمیر غائب فاعل ہے جس کا مرجع اٰیٰتٍ ہے موجودات سب سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر اِنَّ۔ یہ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ مِنْھَا۔ جار مجرور متعلق مقدم ہے خَلَقْنٰا کا ھَا ضمیر کا مرجع اَرْض ہے۔ کُمْ ضمیر مفعول بہ کا مرجع تمام مخاطب انسان ہیں۔ خَلَقْنٰا فعل با فاعل اپنے متعلق اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ سے جملہ فِیْھَا یہ جار مجرور ظرفیہ متعلق مقدم نُعِیْدُ فعل مضارع مستقبل جمع متکلم کا کُمْ ضمیر بارز (ظاہر) نُعِیْدُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ واؤ سے جملہ۔ مِنْھَا جار مجرور متعلق مقدم ہے نُخْرِجُ مضارع مستقبل ہے کُمْ ضمیر اس کا مفعول بہ ہے تَارَۃً اسم تکراری بحالتِ نصب ظرفِ زمانی ہے موصوف ہے اُخْرٰی۔ اسم تفضیل مؤنث اس کا مذکر ہے آخَرُ صفت ہے تَارَۃً کی نُخْرِجُ اپنے متعلق اور متکلم فاعل مفعول بہ اور ظرف سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ سے جملہ لام تاکیدیہ۔ قَدْ اَرَیْنٰا۔ فعل ماضی قریب۔ جمع متکلم بابِ افعال متعدی بہ دو مفعول پہلا مفعول بہ ہُ ضمیر کا مرجع فرعون ہے۔ دوسرا مفعول بہ اٰیٰتِنَا مرکب اضافی ہے اٰیٰتِنَا مؤکد اور کُلَّھَا اس کی تاکید دونوں مل کر مفعول دوم اَرَیْنٰا سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا ف زائدہ تعقیبیہ۔ کَذَّبَ۔ بابِ تفعیل کا ماضی مطلق معروف واحد مذکر اس کا مصدر ہے تَکْذِیْبٌ ھُوَ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل ہے مرجع فرعون ہے۔ پچھلی آیت میں نُخْرِجُکُمْ بہ [illegible] سے کَذَّبَ وَاَبٰی! جملہ معترضہ ہے خطاب باری تعالیٰ کا ہے اس کے آگے پیچھے قول موسیٰ علیہ السلام اور

اور فرعون کی گفتگو منقول ہے کَذَّبَ فعل بافاعل علیحدہ جملہ فعلیہ ہے واؤ سیر جملہ۔ اَبیٰ۔ باب فتح کا ماضی مطلق اَبْیٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی انکار کرنا۔ اس کا فاعل بھی پوشیدہ کا مرجع فرعون ہے یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو گیا۔ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى۔

قال فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ اَ ہمزہ استخباریہ سوالیہ شرطیہ بمعنی اگر۔ خیال رہے کہ جو اَلِف متحرک ہو اس کو عربی میں ہمزہ کہتے ہیں اور جو الف ساکن ہو اُس کو اَلف ہی کہتے ہیں ہمزہ پانچ قسم کی ہے۔ ۱ ہمزہ سوالِ استخبار کے لیے جہاں کچھ سمجھنا یا معلومات مقصود ہو یہاں اسی معنی میں ہے اس کا معنی ہوتا ہے کیا۔ ۲ ہمزہ سوالِ زجر اس کا معنی ہے خواہ مخواہ ۳ ہمزہ استہزائیہ جس کا معنی ہے بھلا ۴ ہمزہ استبلائیہ مہلت دینے کے لیے سوال۔ اس کا مقصد ہوتا ہے خواہ ایسے ۵ ہمزہ معکوسی (عکسِ منفی) یعنی ثبوت کو نفی اور نفی کو ثبوت کرنے والی اس کا معنی ہے کیا ایسا نہیں ہوا وغیرہ۔ ان تمام کی مثالیں قرآن مجید میں موجود ہیں جِئْتَ باب ضرب کا ماضی مطلق واحد مذکر حاضر مراد ہے حضرت موسیٰ سے خطاب اَنْتَ ضمیر فاعل نَا ضمیر جمع متکلم مرجع ہے فرعون اور فرعونی بحالت نصب ظرف مکانی بمعنی ہمارے پاس یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر سبب ہوا لام تعلیلیہ بمعنی تاکہ تُخْرِجَ باب افعال کا مضارع منصوب ہے لام تعلیلی کی وجہ سے اَنْتَ ضمیر بارز کا مرجع موسیٰ ہیں یہ فاعل ہے نَا ضمیر مفعول بہ مِنْ جارہ بمعنی فی ظرفیہ ترجمہ ہے میں سے اَرْضِ زمین یعنی علاقہ مضاف ہے نَا ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہے جار مجرور متعلق اوّل ہے بِسِحْرِكَ یہ مرکب اضافی جار مجرور ہو کر متعلق دوم ہے تُخْرِجَ اپنے فاعل مفعول بہ اور دونوں متعلقوں سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر مسبب ہوا۔ دونوں سبب مسبب مل کر جوابِ مقدم ہوا حرفِ ندا کا موسیٰ اسم مقصور مضموم ہے اعراب تقدیری ہے مُنادیٰ ہے۔ یا حرفِ ندا اپنے منادیٰ اور جوابِ مقدم سے مل کر جملہ ندائیہ ہو کر شرط ہوئی۔ فَ جزائیہ لَنَاْتِيَنَّ باب ضرب کا لام تاکید یا نون تاکید ثقیلہ مضارع معروف جمع متکلم بِ جارہ مفعولیت کا سِحْرٍ موصوف مِثْلِهٖ مرکب اضافی صفت یہ مرکب توصیفی مجرور متعلق ہے لَنَاْتِيَنَّ اپنے فاعل اور ظرف مکانی ک ضمیر اور اپنے متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزا شرط و جزا مل کر عت ہوئی۔ فَ تعلیلیہ بمعنی لہٰذا اِجْعَلْ باب فتح کا امر حاضر معروف مرجع موسیٰ بَيْنَنَا مرکب اضافی معطوف علیہ اور بَيْنَكَ معطوف یہ دونوں مل کر ظرف مکانی ہوا۔ (قبلی ظرف) مَوْعِدًا اسم مشتق ظرف مذکر ہے وَعْدٌ سے مشتق ہے یا یہ مصدر میمی ہے موصوف ہے لَا نُخْلِفُ باب افعال کا مضارع منفی جمع متکلم ہٗ ضمیر واحد مذکر کا مرجع

مَوْعِدًا ہے نَحْنُ ضمیر جمع متکلم مرفوع منفصل تاکید ہے پوشیدہ ضمیر جمع متکلم کی واؤ عاطفہ لا عاطفہ نافیہ اَنْتَ ضمیر واحد مذکر حاضر کا مرجع موسیٰ ہیں عطف ہے نَحْنُ پر بعض نحات نے فرمایا لَا اَنْتَ کا عطف لَا نُخْلِفُ کے جملے پر ہے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ مَکَانًا۔ اسم ظرف بمعنی جگہ۔ سُوًی اسم مصدر بمعنی حاصل مصدر جامد بمعنی ہموار صاف میدان ظرفِ مکانی مگر یہاں صفت ہے مکان کی اس لیے بحالت فتحہ ہے لَا نُخْلِفُ اپنے مکمل تاکیدی فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے مَوْعِدًا کی اور یہ مرکب توصیفی مفعول فیہ ہوا۔ مکانًا سُوًی یہ مرکب توصیفی مفعول بہ ہے۔ اِجْعَلْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معلول ہوا اَجِئْتَ کے جملے کا یہ علت معلول مقولہ ہوا قال کا دونوں مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے میرے بندو خوب کھاؤ ہر طرح سے ہر رزق سے پھل فروٹ دانے بیج سبزی ترکاری ہر نباتاتی پیداوار پاک ہے اور اپنی ملکیت وتصرف کی ہر چیز حلال ہے۔ اور اپنے جانوروں چوپایوں کو چرندوں پرندوں کو بھی خوب چراؤ چگاؤ۔ زمین میں جو چیز جس کے لیے اُگائی گئی ہے اُس کا اُس چیز کو کھانا حق ہے۔ ایک بزرگ فرماتے تھے کہ انسان کی ہر کھیتی میں کچھ حصہ جانوروں کا رب تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے مثلاً گندم جو وغیرہ اور پھلوں کی چیزیں انسانوں کے لیے بھی اور ان میں جانوروں کا بھی حصہ کہ دانے انسان کھائیں بھوسہ جانور پھل کا گودا انسان کھائیں چھلکے جانور۔ لیکن باجرے کی بناوٹ کچھ اس طرح کی ہے کہ اُس کے دانے صرف چڑیوں کے لیے ہیں۔ کہ اُن کی چونچ کے برابر دانہ اور سب سے اوپر بالکل کھلا تاکہ چڑیوں کو دانے نکالنے کھانے چگنے میں نہ دیر لگے نہ دقت وتکلیف ہو۔ اس لیے ہر کھیتی کی حفاظت کرو مگر باجرہ کھانے سے چڑیوں کو مت اڑاؤ اگر خود ہی کچھ دانے بچ رہیں تو اللہ تعالیٰ کا عطیہ سمجھ کر لے لو اور کھاؤ ورنہ صرف بقیہ بینٹوں سٹوں کے بھوسے پر اکتفا کر کے اپنے چوپایوں کو کھلاؤ بعض کسان بزرگ تو باجرہ لگتے ہی چڑیوں کی دعائیں لینے کے لیے ہیں۔ اپنا اپنا ذوق وشوق وجذبہ ہے كُلُوْا میں ہر طرح کے منافع مراد ہیں یعنی زمین کی نباتاتی پیداوار سے کھانا پینا پہننا اوڑھنا۔ بچھانا وغیرہ۔ زمینی پیداوار سے انسانوں کو چھ قسم کے منافع میسر

ہوتے ہیں ۱ کھیتی باغات لکڑی ۲ مشروبات یعنی ہر قسم کا پانی۔ دریائی نہری چاہی بارشی ۳ معدنیات دھات کوئلہ تیل ۴ جواہرات زیورات ۵ حجرات یعنی اینٹ پتھر ریت تعمیراتی اشیاء ۶ جبالی (پہاڑی) جنگلاتی اشیاء دوائیں غذائیں یہ سب کچھ رب تعالیٰ نے انسانوں کے لیے پیدا فرمایا ہے اگر اے انسانو تم نہ ہوتے تو یہ آسمان زمین اور جانور بھی نہ ہوتے کُلُوا امر استحبابی ہے اور رَوُرعَوْا امر وجوبی ہے۔ بے شک ان تمام آسمانی زمینی آشیاءِ عالم میں البتہ یقیناً بڑی بڑی ظاہر ظہور ثبوتِ ربوبیت کے دلائل اور نشانات ہیں جو زبانِ حال سے پکار پکار کر عقلِ سلیم والوں کو کہہ رہے ہیں کہ اے انسانوں تم سب کا رب فقط ایک ہی اللہ تعالیٰ ہے خیال رہے تبلیغِ دین و ایمان اس کو کی جاتی ہے جس کو عقل ہو لیکن تبلیغ کا فائدہ اُن کو ہوتا ہے جن کی عقل سلیم اور قلب عاجز ہوتا ہے۔ اور سلیم وہ ہے جس میں ضد تکبر عیاشی نہ ہو۔ عقلِ سلیم کی نشانی یہ ہے کہ باطل کی اِتباع برائی کے اِرتکاب سے نُہیٰ یعنی باز رہے۔ ہر حلال و جائز کام کرنا اور ہر حرام سے بچنا یہ عقلِ سلیم والے کی شانِ عظمت ہے اس لیے کہ عقل ہی آیاتِ الٰہیہ کو اور اُن کے منشا کو سمجھتی ہے عقلِ سلیم پر ہی حق آشکارا ہوتا ہے مگر جو انسان مثلِ فرعون و ہامان ضدی مغرور و عیاش ہو گیا ہو وہ جانتے بوجھتے بھی ہر حق کا انکار ہر سچائی کی تکذیب ہی کرتا ہے۔ اَہلِ نُہیٰ سے مراد اہلِ تفکر تدبر اور اہلِ عبرت و اہلِ اعتبار و اتعاظ ہیں۔ اس طرح کے جو لوگ حق کی تلاش میں ہوں تو یہ آیاتِ الٰہیہ خود ان کی رہنمائی فرماتی ہیں اور ایسے خوش نصیب نظریات آسمانی اور مشاہداتِ ارضی و فلکی میں فکر و فہم کی مدد سے اصل مقصود تک پہنچنے کی راہ کا پتہ لگا لیتے ہیں کہ مولیٰ تعالیٰ جَلَّ وَعَلیٰ ہی تمام کائناتِ عالمین کا وَحْدَہٗ لاشریک رب ہے کسی اور کی طاقت نہیں کہ کسی ذرّے کا بھی رب ہو سکے۔ اگرچہ یہاں کُلُوْا اَوْرعَوْا کا امرِ ظاہری موجود ہے مگر دل و دماغ والے جانتے ہیں اصل دعوتِ قرآنی یہ نہیں ہے۔ بلکہ چھ چیزوں میں غور و تفکر اور ایمان کی دعوتِ عامہ فرمائی جا رہی۔ اوّلاً معرفتِ رب دوم معرفتِ الٰہی کہ رب تعالیٰ ہی معبودِ کائنات ہو سکتا ہے کسی غیر کی گنجائش نہیں سوم معرفتِ نبوت و رسالت اِن ہی میں غور و فکر وسیلہ ہے ایمان و عرفان کا چہارم معرفتِ مواد یعنی اس حقیقت کا اعتراف کہ۔ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ ہم نے تم کو اسی مٹی سے پیدا کیا ہے۔ پنجم معرفتِ انجام کو وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ ہم اِس مٹی میں تم کو پھر پہنچا دیں گے ششم۔ معرفتِ معاد کہ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى۔ دوبارہ ابدی زندگی کے لیے اِسی زمین میں سے پھر ہم تم کو نکال لیں گے اگرچہ تم کو کسی جگہ کسی شکل و کیفیت و حالت میں موت آئی ہو یا بعد موت تم کہیں پڑے

ہو راکھ بنے یا خاک بنے پڑے ہو قبر میں ہو یا سمندر کی تہوں میں بکھرے پڑے ہو۔ زمین میں ہر انسان کو تین مرحلوں سے لازماً گزرنا پڑتا ہے ۱ ولادت سے موت تک ۲ موت سے قبر تک ۳ قبر سے حشر تک ۴ حشر سے ابدی زندگی تک۔ میدانِ محشر بھی زمین پر قائم ہوگا۔ یہ سب مرحلے زمین سے وابستہ ہیں کبھی زمین کے اوپر کبھی نیچے کبھی زمین کے اندر۔ یہاں آیت ۵۳ سے ۵۴ تک زمین کے چھ نفع ارشاد ہوئے ۱ زمین مہد ہے ۲ زمین میں راستے ہیں ۳ زمین پر آسمانی بارش ہے ۴ زمین سے نباتاتی پیداوار ہے ۵ خود بھی کھاؤ کیونکہ لذیذ اور غذائیں ہیں ۶ جانوروں کو بھی کھلاؤ کہ جانور تمہارے مگر دستر خوان رب تعالیٰ کا آدم علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے پیدا فرمایا تو دنیا زمین کی تمام اقسام کی مٹی لی گئی اب ہر آدمی کو بنایا جاتا ہے تو عزرائیل علیہ السلام صرف اس کی قبر کی مٹی لیتے ہیں پھر مرنے کے بعد وہیں دفن کیا جاتا ہے ایک انچ آگے پیچھے نہیں کیا جا سکتا۔ جسم انسانی کا خاکی مرکز اس کی ناف ہے کہ نطفہ ناف سے لوتھڑا بننا شروع ہوتا ہے۔ یحییٰ بن معاذ رض نے فرمایا انسان دنیوی زمین سے اس لیے محبت کرتا ہے کہ زمین مثل ماں ہے زمین سے سات چیزیں حاصل ہوتی ہیں ۱ عیش ۲ رزق ۳ حیات ۴ موت ۵ معاد ۶ خیر ۷ شر ۔ اس زمین سے انسان نیک ہو کر جنتی بنتا ہے اور اسی زمین سے انسان برا ہو کر جہنمی بنتا ہے اسی لیے زمین افضل ہے آسمان سے نو وجوہ سے اوّل اسی کی مٹی سے اجسامِ نبوت کی خلقتِ مبارکہ دوم زمین ہی عبادت گاہِ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام ہے سوم یہی مدفنِ انبیاء علیہم السلام ہے چہارم زمین اللہ تعالیٰ کا دارالخلافہ ہے پنجم یہ آخرت کی کھیتی ہے ششم زمین ہی مہبطِ وحی ہے ہفتم عروجِ انسانیت اور علوِ آدمیت زمین سے ہی ہے معراجِ مومن کا مقامِ اوّل ہے جب کہ آسمان ارواحِ قدسیہ کا مکانِ اوّل ہے ہشتم سجدہ زمین سے لگنے کا نام ہے نہم نماز اعضاء سے اور اعضا جسم سے اور جسم زمین کی مٹی سے اسی لیے تیمم بھی مٹی سے کیا جاتا ہے۔ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ کی دو صورتیں ہیں ایک دنیا کے پہلے رسول آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا مٹی کو پانی سے گوندھا آگ سے سکھایا اور ہوا سے زندہ کیا۔ نور کے ذریعے محفوظ فرمایا یہی چار عناصر ان کی بقا کے لیے آج تک ہر انسان میں ہیں۔ ان ہی چار عناصر کا ہر انسان اپنی دنیوی حیات میں محتاج ہے چونکہ آگ ہوا پانی بھی زمین سے ہی ہیں اس لیے منہا فرمایا اور ان میں اصل مادۂ انسانی مٹی ہے منہا سے اصلیت کا بیان ہے۔ دوم اس لیے کہ زمین سے غذا۔ غذا سے نطفہ۔ نطفے سے لوتھڑ

گوشت پوست ہڈی۔ پھر بچہ پھر مولود حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ فرشتہ بحکم ربانی ہر انسانی نطفے پر تین چیزیں لکھتا ہے ۱ عمر ۲ رہائش ۳ مقام قبر اسی کا نام تقدیرِ مُبرَم ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی تقریر میں تین چیزوں کے دلائل پیش فرمائے ۱ دلائلِ توحید ۲ دلائلِ نبوت ۳ دلائلِ قیامت۔ خَلَقْنَا۔ نُعِيْدُ۔ نُخْرِجُ۔ یہ قیامت کی دلیلیں ہیں حدیث مبارکہ میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور ابوبکر و عمر ایک مٹی سے بنائے گئے۔ شجر کھجور کو انسان کی پھوپھی فرمایا گیا۔ حدیث پاک میں ارشادِ نبوی ہے۔ اَكْرِمُوْا عَمَّتَكُمُ النَّخْلَةَ فَاِنَّهَا خُلِقَتْ مِنْ فَضْلَةِ طِيْنَتِ اَبِيْكُمْ اٰدَمَ۔ یعنی اپنی پھوپھی کھجور کی عزت کرو کیونکہ آدم علیہ السلام کی بچی ہوئی مٹی سے بنائی گئی پھر جو مٹی کھجور سے بچی اس سے انگور اور انار بنایا گیا (از تفسیر مظہری) خلق نام ہے ایک شی کے تغیر حادثاتی سے دوسری شی کا وجود اس طرح ہو کہ پہلی چیز کے تمام صفات ناپید ہو جائیں اور دوسری شی کے صفات حادث ہو جائیں۔ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ کی دو کیفیتیں ہیں ایک کیفیت صرف انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے اور ان کے طفیل اور اتباع کے صدقہ صحابہ کرام و خاص اولیا علما کی وہ یہ کہ قبر صرف ظرفِ مکانی اور رہائش گاہ بن جائے دوم یہ کہ زمینی قبر دوبارہ مردے کا معدن بن جائے اور وہ جسم بالکل مٹی ہو جائے یہ عوام نیک و بد کافر مومن فاسق کی کیفیت ہے وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ میں تین قول ہیں ۱ دوبارہ زندہ ہونا مراد ہے اگرچہ قبر کے اندر ہی رہے ۲ انعامِ جنت یا عذابِ قبر والا مثالی جسم مراد ہے ۳ خروجِ محشر مراد ہے۔ وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا۔ اور بے شک اے لوگو ہم نے اپنے موسیٰ کلیم نبی رسول کے ذریعے فرعون کو بہت سی اپنی قدرت قوت اختیار و سلطنتِ اَبدیہ ازلیہ کی نشانیاں دکھائیں آفاق و انفاس کے دلائل دکھائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے تقریر سے توحید کی معرفت کرائی معجزات سے ہمارا نبی رسول ہونے کا ثبوت پیش کیا اور پھر اس کے بعد اس کی ضد تعصب تکبر ہٹ دھرمی کی وجہ سے دنیوی عذاب کے تمام نشانات و آیات دکھائیں جو اس کی عبرت کے لیے کافی تھیں۔ اور اس کا اور اس کی قوم کا ضمیر باطنی قلبِ شعوری تسلیم کرتا تھا کہ ہم غلط ہیں موسیٰ سچے ہیں مگر اپنی جاہ و منصب اور کرسیٔ حکومت کے اور حکومتی رعب داب عہدے مرتبے چھن جانے کا بلکہ ہامان کے غلط مشورے اور ورغلانے کی وجہ سے كَذَّبَ وَاَبٰى اس نے ہر چیز کا انکار ہی کیا اس طرح کہ معجزات کو جھٹلایا اس کو جادو کہا اور ایمان لانے کفر چھوڑنے بندہ بننے سے انکار

تکذیب عناد سے اَبیٰ جہالت سے یا تکذیب شرارت سے اَبیٰ حماقت سے کیونکہ اس میں اسی فرعون کا ہی اَبدی نقصان تھا اور تصدیق و تائید میں اُس کا اَبدی دینی دیوی ہر طرح فائدہ تھا نہ سلطنت ختم ہوتی نہ عزت۔ فرعون کو دس آیات دکھائی گئیں۔ پہلی ملاقات میں تقریری اور صرف عصا کا معجزہ دوسری میں عصا اور ید بیضا کا۔ تیسری مقابلے والی ملاقات میں عصا۔ ید بیضا۔ پھر وقتاً فوقتاً ۳ ہوا کا طوفان ۴ مکڑیوں کا حملہ ۶ جوئوں کی بھرمار ۷ مینڈکوں کی کثرت ۸ ہر شئی کھانے پانی کا خون بن جانا یہ چیزیں ہر چیز میں کثرت سے پیدا ہوتی تھیں ۹ قحط اس طرح کہ ہر غلہ پھل فروٹ اور گھریلو پالتو جانور مرتے ختم ہوتے چلے گئے ۱۰ آخر میں غرقابی سے ہلاکت جب بھی کوئی قدرتِ الٰہی کی یہ عذابی تکلیف آتی تو عام قبطی فرعون کا پیغام لے کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس ہی آتے۔ وَقَالُوْا يٰۤاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ۔ اور کہتے کہ اے جادوگر اپنے رب سے اپنے عہد ربانی کے صدقہ ہمارے لیے اس عذاب کے دور ہونے کی دعا کر بے شک ہم البتہ ضرور ایمان لے آئیں گے ہدایت پر آجائیں گے فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ۔ جب ہم اپنے موسیٰ کلیم کی دعا سے اُن کا عذاب دور کر دیتے تو پھر وہ اسی طرح وعدہ خلافی کرتے ہوئے کفر میں ہی رہتے (سورۃ ۴۳ زخرف آیت ۴۹۔ ۵۰ اسی طرح سورۃ اعراف ۷ آیت ۱۳۴ میں بھی مذکور ہے) اتنا سمجھانے بتلانے کے باوجود ایسی بدبختی چھائی کہ سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی بجائے بندہ بننے کے۔ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَاۤ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى۔ فرعون نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ اے موسیٰ تو ہم سے غائب اور اتنی مدت روپوش رہ کر جادوگری سیکھتا رہا ہے اور اب تو اپنے اس شعبدے بازی کے جادو کو ہمارے پاس محض اس لیے لایا ہے کہ کرسیِ حکومت کا طلب گار ہے اور ہم کو ہمارے اس وطنِ عزیز سے نکالنا چاہتا ہے اپنے جادو کے زور سے۔ ایسا جادو تو ہمارے جادوگر بھی کر سکتے ہیں یہ لکڑی کو سانپ بنانا وہ بھی جانتے ہیں ہم بھی عوام لوگوں کے سامنے اس کی مثل جادو لے آئیں گے فرعون عصاءِ موسوی اور یدِ بیضا دیکھ کر حقیقت کو سمجھ گیا تھا کہ موسیٰ سچے ہیں اور اُن کے یہ کام جادو کے شعبدے نہیں بلکہ قدرتِ ربانی اور نبوتِ موسیٰ کے معجزے ہیں لیکن اپنی حکومت کی عزت اور معبودیت کی ساکھ بچاتے اپنے جھوٹے وعدوں کا بھرم رکھنے کے لیے

قوم کو دلاسہ دیتے حضرت موسیٰ سے نفرت دلا کر مطمئن کرنے کے لیے لوگوں کے سامنے موسیٰ علیہ السّلام سے بڑھ بڑھ کر باتیں کرنے لگا۔ اُس وقت فرعون اندرونی طور پر سخت پریشان اور گھبرایا ہوا تھا۔ اُس وقت فرعون نے موسیٰ علیہ السّلام سے چھ باتیں کہیں ۱ تو جادو کے ذریعہ میری سلطنت چھیننا چاہتا ہے یعنی تو پیغمبر نہیں جادوگر ہے حالانکہ فرعون جانتا تھا کہ نہ جادو میں اتنی طاقت ہوتی ہے نہ جادوگر میں کہ کسی بادشاہ کی سلطنت تو درکنار کسی کا ایک اینٹ پتھر بھی نہیں چھین سکتا جادوگر تو خود جادو کے شعبدے دکھا کر بعد میں لوگوں سے بھیک مانگتے دامن پھیلاتے ہیں ان فرعونی جادوگروں نے بھی فرعون سے اپنے کرتبوں کی بھیک مانگتے ہوئے کہا تھا۔ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِیْنَ (سورۃ شعرا آیت ۴۱) ۲۔ فرعون نے دوسری بات یہ کہی کہ ہم بھی تیرے جادو کے مثل جادو لائیں گے۔ مگر یہ بات صرف تکبر و تعصب اور اپنوں کی ڈھارس بندھانے کے لیے کی تھی تاکہ اُس کی قوم والے حوصلہ نہ ہار دیں یعنی ہماری سلطنت کا ہر جادوگر لاٹھی کے سانپ بنا سکتا ہے یہ بات اُس نے اپنے ملکی جادوگروں سے مشورہ کر کے سمجھا کر کی تھی جادوگروں نے کہدیا تھا کہ ہم بھی یہ کر سکتے ہیں پہلی ملاقات میں عصا کا سانپ دیکھ کر ہامان وزیرِ اعظم سے مشورہ کر کے یہ سب تیاریاں کرالیں تھیں ۳ فرعون نے لوگوں کو سناتے ہوئے کہا۔ لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا تو چاہتا ہے ہم سب کو اس شہر اس علاقۂ سلطنت سے نکال کر خود قابض و بادشاہ بن جائے اور بنی اسرائیل کو غلامیت سے ہٹا کر سرداری دیدے اور موجودہ اُمرا وزرا کو غلام بنا دے ۴ اے لوگو یہ ہماری سرداری چھین کر تمہارے موجودہ عہدے مرتبے عیش و آرام ختم کرنا چاہتا ہے مجھے صرف اپنا ہی فکر نہیں ہے تم سب کی فکر ہے ۵ مزید یہ کہ تمہارے پچھلے بزرگوں دیویوں دیوتاؤں کو بھی بُرا اور جہنمی کہتا ہے ۶ اے لوگو میری قوم والوں میں تم سب کی بھلائی کے لیے اس پوری طرح فیصلہ کُن دو ٹوک مقابلہ چاہتا ہوں اے موسیٰ آجا میدانِ مقابلہ میں پھر تیرا سارا بھرم کھل جائے گا۔ فَاجْعَلْ بَیْنَنَا وَبَیْنَكَ مَوْعِدًا۔ ہم تجھ کو ہی اختیار دیتے ہیں کہ ہمارے اور اپنے درمیان مقابلے کے لیے کوئی صحیح صحیح اور سچے وعدے کا دن مقرر کرلے لیکن وعدہ پکا ہو کہ نہ ہم اُس کی خلاف ورزی کر سکیں نہ تو۔ اور میدانی جگہ بھی تو خود ہی مقرر کرلے لیکن یہ خیال رکھنا کہ نہ زیادہ دور ہو نہ چھوٹا ہو نہ نیچا اونچا ہو بلکہ کہیں قریب ہی بہت وسیع اور ہموار میدان ہو تاکہ تمام اور کثیر دور دنزدیک والے بیک وقت بہت اچھی

طرح صاف دیکھ سکیں۔ یا تو یہی درباری جگہ ہو یا کہیں قریب ہی ہو۔ یہ کام فرعون نے حضرت موسیٰ کے سپرد کیا اِس کی چار وجہ ہو سکتی ہیں ۱؎ اپنے ضعفِ قلبی معجزوں کی گھبراہٹ اور موسیٰ علیہ السّلام کے خداداد رعب کی وجہ سے ۲؎ یا اپنے مرتبے کا تکبر کرتے ہوئے کہ ہمیں کوئی پرواہ نہیں تم نہ بھاگ جانا ۳؎ قوم پر رعب ڈالنے کے لیے ۴؎ یا یہ دیکھنے کے لیے کہ اگر لمبی مدت دیتا ہے تو یہ سب کچھ جادو ہے جادو کے لیے تیاری کی ضرورت ہوتی ہے اگر تھوڑی مدت دیتا ہے تو یہ معجزہ ہے اُس کے لیے تیاری کی ضرورت نہیں ہوتی۔

فائدے اِن آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ اللہ تعالیٰ کی تمام ہدایتوں کا مرکزی مقام انبیاءِ کرام علیہم السّلام ہی کا آستانہ ہے جس کو نبی کے آستانے اور نبی علیہ السّلام کی تبلیغ وارشاد سے ہدایت نہ ملے اُس کو کہیں سے ہدایت نہیں مل سکتی۔ لہٰذا ہر مومن مسلمان کو چاہیئے تمام عمر اُن لوگوں سے ہی وابستہ رہے جن کے پاس انبیاء علیہم السّلام کی ہدایت و شریعت طریقت و معرفت ہے اُن لوگوں اور ان کی محفلوں مجلسوں تقریروں کتابوں سے دور رہے جن کے دل میں انبیاءِ کرام سے بدعقیدگی ہے یہ فائدہ كَذَّبَ وَاَبٰى سے حاصل ہوا کہ دیکھو فرعون و فرعونیوں کو موسیٰ علیہ السّلام کے ذریعہ ہدایت نہ ملی تو پھر کہیں سے بھی نہ ملی اسی طرح ابوجہل اور تا قیامت ابوجہلیوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانے سے ہدایت نہ ملی تو مرتے دم تک کہیں سے بھی ہدایت نہ ملی۔ دوسرا فائدہ ہر انسان کے اجزاءِ اصلیہ آخر کار زمین کی مٹی میں ضرور مل جاتے ہیں۔ خواہ کسی طرح ان کو موت آئے درندہ کھائے یا آگ جلائے یا دریا سمندر میں ڈوبے یا قبر میں دفن کیا جائے۔ نیز اجزاءِ اصلیہ کہ کوئی چیز فنا اور جلا نہیں سکتی۔ یہ فائدہ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔ ہر شخص کی قبر وہیں ہوتی ہے جہاں اُس کے اجزا پڑے ہوں راکھ کی شکل میں ہوں یا ذرات اور خاک دھول کی شکل میں یا فضلۂ جانور کی شکل میں سطحِ زمین پر ہوں یا سمندر کی تہہ میں۔ تیسرا فائدہ زمین اور اس کی پیداوار کھیت کھلیان جڑی بوٹیوں میں قدرتِ الٰہیہ کی عظیم نشانیاں اور آیاتِ ربانیہ ہیں مگر سمجھنے کے لیے عقلِ سلیم اور فکرِ فہیم چاہیئے۔ یہی سرزمین جو ایک چرواہے کی نگاہ میں صرف چراگاہ ہے طبیبِ حاذق کی نگاہ میں ایک وسیع دواخانہ اور پنسار ہٹی ہے۔ سائنسدان کی نگاہ میں خزانۂ معدنیات ہے اہلِ ایمان کی نگاہ میں نعمتوں بھرا دسترخوان ہے غرضکہ یہی زمین کسی کے لیے بچھونا کسی کے لیے خزانہ کسی کے لیے نعمت کا خانہ کسی کا آب و دانہ اور کوئی ناقص العقل تا عمر اِن رازوں سے بیگانہ۔ یہ فائدہ اِنَّ فِی

ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّھٰی فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ یہاں دو امر ارشاد فرمائے گئے۔ ۱۔ کُلُوا ۲۔ ارْعَوا۔ پہلا امر استحبابی ہے اور دوسرا امر وجوبی ہے فقہاء علم اصول قرآن مجید اور احادیث پاک سے امر کے سولہ معنی کرتے ہیں جن میں پہلا اور اصل معنی وجوب ہے یعنی وہ امر اپنے مخاطب پر اس فعل کو فرض یا واجب لازم کر دیتا ہے جس کا ذکر صیغۂ امر میں ہو۔ یہ وجوب مطلق امر بلا قید و بلا قرینہ والے امر میں ہوتا ہے۔ لیکن جب قرینہ یعنی وہ امر اپنے مخاطب پر اس فعل کو فرض یا کسی دوسرے معنی کو ثابت کرتا ہو تو پھر وہی معنی مراد ہوتے ہیں جو قرینہ ثابت کرے یہاں کُلُوا سے پہلے جَعَلَ لَکُمْ ارشاد ہے۔ اس میں لام نفع کا۔ یہ معنی ہے کہ زمین کی پیداوار تمہارے نفع کے لیے ہے حصول نفع ہر مسلمان کے لیے مستحب ہے لہٰذا مسئلہ مستنبط ہوا کہ کُلُوا ہر مسلمان کو مستحب ہے، واجب نہیں کھائے یا نہ کھائے لیکن وَارْعَوا کا امر وجوبی ہے لہٰذا ہر مسلمان مالک پر واجب ہے کہ اپنے پالتو جانوروں کو پوری نگاہ داشت کے ساتھ ان کی ہر ضرورت کا پورا پورا خیال رکھتے ہوئے ان کو اچھی طرح ان کی خوراک کھلائے اور ان کی خوراک چونکہ گھاس پھوس پتے چری بھٹے ہی ہیں۔ اس لیے پالتو جانوروں کو چرانا مسلمان مالک پر واجب شرعی ہے کسی جانور کو بھوکا پیاسا رکھنا یا ان کو کسی قسم کی ایذا دینا سخت گناہ اور عذاب آخرت کا باعث ہے یہ مسئلہ امر وَارْعَوا کے مطلق ہونے سے مستنبط ہوا۔ جن بزرگوں نے دونوں امر کو استحبابی فرمایا ہے وہاں مراد مباح ہے یعنی زمینی پیداوار میں کوئی چیز حرام یا ناپاک نہیں۔ بخلاف دیگر اشیاء حیوانات وغیرہ کے کہ ان میں پاک اشیاء بھی ہوتی ہیں ناپاک بھی حرام بھی ہوتی ہیں حلال بھی۔ دوسرا مسئلہ ابتداء سے تاریخ میں کفار کی دو باتیں ثابت ہیں ایک یہ کہ ہمیشہ سے ہر نبی کے مقابلے میں کفار سرداروں بادشاہوں نے فرعون کی مثل یہی کہا کہ یہ نبی نہیں۔ یہ تو ہم جیسا عام بشر ہے۔ جادوگر ہے۔ ہماری سرداری یا سلطنت چھیننا چاہتا ہے۔ خود سرداری اور وجاہت کا بھوکا ہے۔ کرسی اقتدار چاہتا ہے کفار کی یہ باتیں اثر تبلیغ نبوت کو ختم کرنے کے لیے ہر زمانے میں ہوتی رہیں۔ دوم یہ کہ کفار ہمیشہ اہل ایمان کو گمراہ کرنے کے لیے اہل اللہ اور انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے لائے ہوئے دین کے خلاف طرح طرح کی بکواسیات جھوٹے الزامات غلط باتیں بناتے رہے مسلمانوں کو ان باتوں سے متاثر نہ ہونا چاہیئے۔ اور ایسی بیہودہ لوگوں کی محفلوں سے متاثر ہو کر اپنے انبیاء علماء اولیاء اللہ علیہم السلام کے خلاف نہ ہونا چاہیئے ورنہ اپنا ایمان برباد کر دو گے یہ مسئلہ

قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا (الخ) سے مستنبط ہوا کہ فرعون نبی اسرائیل کو گمراہ اپنی قوم قبطی کو متاثر اور موسیٰ علیہ السلام سے نفرت دلانا چاہتا تھا یہ سب مقابلے بازی کا ڈھونگ اسی مکاری سے تھا ورنہ دل میں معترف تھا کہ موسیٰ سچے ہیں۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا وَلَقَدْ اَرَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا كُلَّهَا۔ آیت سے مراد یا معجزاتِ انبیاءِ کرام ہیں یا معجزاتِ موسیٰ علیہم السلام یا نشاناتِ قدرت جو بھی مراد ہوں وہ سب تو نہیں دکھائے گئے انبیاءِ کرام کے معجزات آدم علیہ السلام سے لے کر موسیٰ علیہ السلام تک لاکھوں ہوئے۔ اسی طرح معجزاتِ موسوی میں وہ معجزات جو غرقِ فرعون کے بعد ظہور میں آئے مثلاً پتھر سے بارہ ۱۲ چشمے۔ اور نزولِ منّ و سلویٰ وغیرہ گائے سے مردہ زندہ ہونا یہ بھی فرعون کو نہ دکھائے گئے اور قدرتِ الٰہیہ کے نشانات تو بے حد و شمار ہوتے رہے۔ تو پھر كُلَّهَا کیوں فرمایا گیا؟ جواب بہت سے جواب دے گئے ہیں مگر سب سے بہتر اور مختصر جواب وہ ہے جو ہم نے تفسیر عالمانہ میں واضح کیا کہ وہ تمام آیت جو صرف فرعون اور فرعونیوں کو بندہ بنانے ہدایت دینے کے لیے موسیٰ علیہ السلام کو دیے گئے۔ یہ كُلَّهَا کلیہ مطلقہ نہیں بلکہ مقیدہ ہے۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ۔ یعنی ہر شخص کو زمین میں لوٹائیں گے اور وہیں سے پھر قیامت میں نکالیں گے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے ہر انسان کا دفن ہونا قبر میں جانا ضروری ہے۔ حالانکہ بے شمار انسان دفن نہیں کئے جاتے مثلاً ھندو سکھ اپنے مُردوں کو جلا دیتے راکھ بہا دیتے ہیں یا اُڑا دیتے ہیں۔ اسی طرح کسی کو درندہ کھا جائے یا سمندر میں ڈوب جائے بحری جانور کھا جائیں یا سمندر کی تہہ میں بیٹھ جائے بکھر کر گھل مل جائے تو پر فِيهَا نُعِيدُكُمْ اور مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ۔ کا اطلاق کس طرح ہوا۔ اور سب کے بیے یہ کیوں ارشاد ہوا۔ جواب۔ اِس کی وضاحت فوائد میں کر دی گئی ہے یہاں اتنا اور سمجھ لو کہ فِيهَا اور مِنْهَا میں ھا ضمیر کا مرجع جنسِ زمین ہے جس میں سمندر دریا کی تہہ بھی شامل ہے اور پانی بھی زمین کا ہی ایک حصہ ہے سمندر کے نیچے بھی بہت دور تک زمین ہوتی ہے اور جہاں بھی مُردے کے اعضا یا اجزا راکھ کی شکل میں ہوں یا ذرّوں کی شکل میں یا جانور کے براز کی شکل میں وہی اُس کی قبر ہے۔ رہا بکھرا ہونا تو یہ رب تعالیٰ کی قدرت میں ہے کہ بکھرے جز کو ایک جگہ جمع فرما دے جس کے مشاہدے تک انسان کی رسائی نہیں خیال رہے اجزاءِ اصلیہ کو نفس نہیں نہ آگ

سے جل سکیں نہ پانی سے فنا ہو سکیں وہ قادر قیوم ہے اسنے ان کو بقا بخشی بہر حال کچھ بھی ہو سب
ذرے رہتے زمین پر ہی ہیں لہٰذا فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ میں سب داخل ہیں۔ تیسرا اعتراض یہاں
فرمایا گیا۔ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى یعنی اے انسانو کھاؤ اور اپنے جانور
چراؤ۔ بے شک اس میں البتہ نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کھانے اور
جانور چرانے میں قدرت کی نشانیاں ہیں یہ بات سمجھ نہیں آئی کہ کھانے اور چرانے میں قدرت
کی کیا انہیں اور نشانیاں ہیں؟ جواب اس کے دو جواب دئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
اسم اشارہ کا تعلق كُلُوْا وَارْعَوْا سے نہیں بلکہ اس کے سباق و سیاق سے ہے سباق میں چار
چیزیں بیان فرمائی گئیں اور سیاق میں تین چیزیں ۱ زمین مہد ہے ۲ اس میں راستے ہیں ۳
آسمان کی طرف سے پانی نازل کیا ۴ اس بارشی پانی کے ذریعے ہر علاقہ میں بے شمار قسم کے شکلاً
تاثیراً موسماً چھوٹے بڑے مضبوط کمزور وقتی۔ ابدی مختلف نباتات اگائے۔ ان چاروں میں
بے شمار آیاتِ الٰہیہ ہیں۔ مثلاً زمین کس طرح بنی کس پر ٹھہری کس طرح ٹھہری۔ پھر بارش کس طرح ہوتی
ہے پھر اس پانی سے کس طرح کھیت و شجرات اگتے ہیں زمین سے ہی۔ بیج بن کر شجر اگا پھر درخت
سے بیج بن کر پھر زمین میں چلا گیا اور پھر نسل در نسل درخت اور جڑی بوٹیاں اگتی چلی گئیں ایک ناختم
ہونے والا سلسلہ ہے۔ ان درختوں کی روح اور زندگی کیا ہے ان میں آگ اور بیماری و شفا پھل
فروٹ لذت مٹھاس خوشبو بدبو کہاں سے آئی ایک ایک جڑی بوٹی پھول پھل بیج میں بلکہ گھاس
پھوس پتوں چھال میں ہزارہا فوائد و منافع بھر دیئے۔ یہ سب نشاناتِ قدرت دلیل ہیں۔ اس
بات کی کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین سے ہی پیدا فرمایا ہے پھر اسی میں لوٹا کر اسی سے پھر پیدا
فرمائے گا۔ یہ ہیں وہ آیاتِ الٰہیہ جن کی طرف ذٰلِكَ سے اشارہ فرمایا گیا دوسرا جواب یہ کہ ذٰلِكَ
اسم اشارہ کا مشار الیہ كُلُوْا وَارْعَوْا بھی ہے۔ کیونکہ انسانی حیوانی کھانے پینے چرنے میں بھی
قدرت کے عجیب نشانات ہیں کہ کون کس چیز کو کھا سکتا ہے کس کو نہیں۔ کس کی کیا غذا بنا دی
گئی ہے اس میں بھی رب تعالیٰ کی عظیم قدرت ہے اور حیران کن شاہکار ہے ہر چیز جاندار
نہیں کھا سکتا۔ دیکھو جیسا بکری اور کتا رنگ ڈھنگ قد کاٹھ اعضا میں ایک جیسا مگر غذائیں کس قدر
مختلف۔ پھر غذا جسم کو اندرونی بیرونی طور پر کیا نفع بخشتی ہے کس غذا سے ہمارے اندر کیا
چیز بنتی ہے یہ وہ آیاتِ الٰہیہ ہیں اور غیبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہیں جن کو رب تعالیٰ کے بتائے
بغیر کوئی نہیں جان سکتا۔ بندوں کے لیے ان میں اگرچہ کتنے نفع ہیں اسی میں غور و تدبر کی طرف

دی جا رہی ہے ۔ اِن ہی نباتات میں غذائی اشیاء میں غذائیت اور فروٹ میں لذت ۔ ان کے جوس اور رس میں فرحت تازگی غرضکہ کھانا چرنا بھی قدرت کے انعامات اور آیت سے ہے ورنہ انسان نہ کھا سکتا ہے نہ کھلا سکتا ہے ۔ پھر بڑے کرم کی نیاضی یہ کہ یہ نعمتیں مفت ہیں اگر چوپایوں کو گوشت یا قیمتی فروٹ اور اناج غلہ کھلانا پڑتا تو کون اتنے جانور پال سکتا ہے سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم وبحمدہٖ استغفر اللہ ۔ چوتھا اعتراض یہاں فرمایا گیا فَكَذَّبَ وَاَبٰی یعنی فرعون نے تکذیب کی اور انکار کیا ۔ تکذیب تو ظاہر ہے کہ اُس نے معجزے کو جادو کہا ۔ یہاں ہے بِسِحْرِكَ یٰمُوْسٰی اور سورۃ نمل آیت ۱۳ میں ہے ۔ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ مگر انکار کیسے کیا انکار کے لیے کون سا لفظ بولا ۔ انکار کے الفاظ ثابت نہیں ۔ انکار تو یہ ہے کہ وہ کہتا میں تیری نبوت پر ایمان نہ لاؤں گا ۔ یا میں اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتا (معاذ اللہ) وغیرہ وغیرہ

جواب ۔ انکار کی بہت سی قسمیں اور صورتیں و طریقے ہیں مثلاً ۱ زبانی انکار یہ کہ میں نہیں مانتا ۔ ۲ تکذیبی انکار کہ یہ غلط ہے ۳ ردیہ سے انکار کہ اس چیز کا مذاق اڑانا ۴ کسی شخص کو اُس کی بات سن کر پاگل کہہ دینا یہ بھی اس کی بات کا انکار ہے تو چونکہ فرعون اور فرعونیوں نے بہت سی طرح سے انکار کیا تھا اس لیے لفظ اَبٰی ارشاد ہوا کیونکہ اَبٰی مشترک ہے ہر قسم کے انکار میں ۔ عربی میں انکار کے لیے بہت سے لفظ ہیں کُفْرٌ ۔ نُکْرٌ ۔ جَحْدٌ ۔ نَفْرَۃٌ ۔ اَبٰی ۔ اِن سب کو شامل ہے یہاں اگرچہ صراحتًا انکار کا طریقہ نہیں ارشاد ہوا مگر دیگر سورتوں میں فرعونی انکار کے مختلف انداز بتا دیے گئے ہیں چنانچہ سورۃ اسریٰ آیت ۱۰۱ میں ہے اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰمُوْسٰی مَسْحُوْرًا اے موسیٰ بے شک میں تیری یہ باتیں سن کر گمان کرتا ہوں کہ تجھ پر جادو کیا ہوا ہے یہ بھی انکار کا ایک انداز ہے اور سورۃ شعراء آیت ۲۷ ۔ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِیْۤ اُرْسِلَ اِلَیْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ۔ اے لوگو یہ جو تمہارا رسول بننے کا دعویدار ہے یہ تو پاگل دیوانہ ہے ۔ یہ انکار کا دوسرا بدتمیزانہ انداز ہے ۔ اور سورۃ نمل آیت ۱۴ وَجَحَدُوْا بِهَا ۔ اُن فرعونیوں نے صاف صاف زبانی قولی ہر بات کا انکار کیا کہ ہم نہ موسیٰ کو نبی مانتے ہیں نہ اُس کے رب پر ایمان لائیں یہ تیسرا انداز زبانی انکار اور نہ ماننے کا ہے ۴ سورۃ قصص آیت ۳۸ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرِیْ یہ نہیں موسیٰ کس رب کا ذکر کرتا ہے میرے علاوہ تو کوئی تمہارا معبود ہے ہی نہیں ۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی معبودیت کے سراسر انکار کا ایک طریقہ ہے ۵ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ (سورۃ نمل آیت ۱۳) یعنی یہ معجزات نہیں جادو ہے ۔ یہ نبوت کا انکار مخفی ہے ۶ سورۃ قصص آیت ۳۸ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ

بے شک مجھے پکا گمان ہے کہ موسیٰ ہر بات میں جھوٹ بولنے والا ہے یہ تکذیب بھی انکار کا ایک انداز ہے ۲۔ سورۃ مومن آیت ۲۴ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ۔ سب درباریوں نے کہا یہ جھوٹا جادوگر ہے یہ فرعونی درباریوں کا انکار ہے۔ اس طرح کہ فرعون درباریوں کے سامنے انکار کرتا تھا تو پھر درباری گلی محلے میں عوام رعایہ کے سامنے اس طرح انکاری جملے بولتے پھرتے تھے ۳۔ سورۃ زخرف آیت ۵۰ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ۔ یعنی جب کبھی اُن پر دنیوی عذاب آیا تو بارگاہ موسیٰ میں اُس عذاب کے ٹلنے کی دعا کرانے آجاتے کہ اگر یہ عذاب ہٹ گیا تو ہم تم پر ایمان لے آئیں گے پھر جب عذاب ٹل جاتا تو پیٹھ پھیر جاتے۔ یہ پیٹھ پھیر جانا بھی انکار کا ایک عملی انداز ہے غرضکہ ہر ہر طرح سے انہوں نے انکار کیا لہٰذا کُلَّهَا فرمانا بالکل درست ہے۔

تفسیر صوفیانہ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى۔ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى۔ اے طالبانِ راہ سعادت ہم نے مسجدوں کو زمینِ چمن بنایا اس میں سالکینِ طریقت و مجذوبینِ حقیقت کے راہِ منزل طے کرنے کے لیے شریعت طریقت کے راستے بنائے اس زمینِ روحانیت پر قرآن و حدیث کی بارشیں نازل فرمائیں پھر اُن کے ذریعے نماز و سجود رکوع تسبیح کے نباتات پیدا فرمائے پس اے کائناتِ ناسوتیہ کے انسانو کھاؤ اُن اعمالِ صالحہ سے اور چراؤ اپنے اعضاءِ ظاہری ہاتھ پیر آنکھ ناک کان کو چمنِ قرآن اور کھلیانِ احادیث کے احکامات و قوانین والے غنچوں کلیوں کے اعمالِ صالحہ۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں نماز روزہ حج زکوٰۃ بندے کی غذا ہے اور ان عبادات میں اعضاءِ ظاہری کا استعمال انعامِ ملکیتی کی غذا ہے اسی لیے آنکھیں نماز میں کھلی رکھنے کا حکم ہے تاکہ نماز کو دیکھنے سے اُس کی غذا اُس کو ملتی رہے اے انسان تیرا دنیا میں آنے کا واحد اور اصل مقصد یہی ہے کہ دسترخوانِ روحانیہ اور زمینِ قدسیہ کے احوال اخلاق مواہب۔ صبر۔ حلم علمِ اسماءِ الٰہیہ اور خواصِ صفاتِ ربانیہ اور اعدادِ انعامات اِدراکات واردات مقاماتِ اسرار کی قوت بخش غذائیں کھاؤ اور اپنے قوائے حیوانیہ جبلیہ کو اعمالِ صالحہ کے چارے چراؤ۔ اے بندو ہم نے تم کو اسی عالمِ عملیاتِ ظاہری زمینِ خیر و شر سے پیدا کیا اور پھر اسی میں ریاضاتِ شاقہ کی موت دے کر صفاتِ نفس کی فنا سے وادیِ خلوت میں لوٹا دیں گے اس طرح کہ کوئی بندہ اپنے عملِ تقدیری سے نہ حرکت کر سکے گا نہ غلبہ نہ حو سے تجاوز اور پھر ہم تم کو حیاتِ موہوبہ حقیقیہ کی بقا سے اسی خلوتِ ارضِ خیر و شر سے اٹھا باہر نکالیں گے اس طرح کہ محرکاتِ

زندگی سے عدول ورجوع بھی ہوگا اور قوتوں طاقتوں کی تفضیلت بھی ہوگی باطنی مزاجوں کے خلاف سے خیروشر کا امتحان بھی لیا جائے گا۔ لہٰذا ابھی کھاؤ اعمالِ ابرار کی قوت و فوائد بخش غذائیں اور آداب و اخلاق کے کھانے۔ وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى۔ اور البتہ بے شک ہم نے قلب سعید اور عقلِ سلیم کے ذریعے فرعونِ نفس کو اپنی وہ تمام آیات و نشانات قدرت اسرار یہ دکھا دیئے جو عالمِ مادیات میں وجودِ انوار پر دلالت کرنے والی حجۃ بیّنات تھیں اور سعادت کے روشن مینار تھیں مگر نفسِ مغرور نے معرفتِ حق نہ ہونے کی وجہ سے ہر روشنی کو جھٹلایا ظلمت کہا کیونکہ نفسِ امارہ صرف خالی مادہ ہے اور تجلیاتِ انوار کی شعاعوں سے محروم اور عملاً فوراً حیاً انکار بھی کیا یہ انکار اس کی اپنی ظلمتِ بدنی کی وجہ سے تھا جب ظلمت چھا جاتی ہے تو بصیرتِ ادراک کی دولت وہدایت نہیں ملتی۔ نفسِ امارہ خبیثہ نے ہمیشہ برہانِ ربانی کا انکار کرتے ہوئے انوار و تجلیات کو سحر مکر ہی سمجھا اس لیے قلب کی تمام وارداتِ الٰہیہ دیکھ کر بھی بولتا ہے کہ اے قلب بے شعور کیا تو ہم سب نفس و نفسانیات کو اس عیش و طرب کی سلطنتِ ماویہ سے اپنے سحر مکری و فسونِ قوت کے بل بوتے پر باہر نکالنا چاہتا ہے نفس کا قول تخریب کار اس لیے ہے کہ اس کے ادراک میں کمی اور قبولیتِ حق سے اور ضعف ہے کیونکہ عیاشی تخیلات اور تربیتِ وھمیہ میں مشغول رہتا ہے اس بنا پر معارضہ مجادلہ اور وھمیات کے سہارے پر جھگڑا کرتا ہے نہ معرفت کی دولت نہ ریاضت عبادت اسی لیے قلب مسعود کے عملیاتِ نورانیہ کو اس کا جادو کہہ کر ندا کرتا ہے کہ اپنی نار مکر سے مجھ پر غلبۂ باطنی حاصل کر کے میرے ہم نشینوں کو اپنا تابعِ فرمان بنانا چاہتا ہے اس مکر سازی کو تجلیات نو کہتا ہے۔ نفسِ امارہ قلب و عقل سے کینہ و بغض رکھتا ہے اور اگرچہ ہمہ وقت منہ تو ڈٹا رہتا ہے مگر تاب مقابلہ نہیں رکھتا کیونکہ یہ کینہ اور حسد دنیا پرستی سے پیدا ہوتا ہے اور دنیا کی محبت ہر گناہ کی بنیاد بنتی ہے۔ تین چیزوں میں نفس کی شکست اور ذلت ہے اکٹھے ہو کر کھانا۔ پاکیزہ ہو کر کھانا اور بسم اللہ پڑھ کر کھانا اسی میں برکت رحمت اور قوت و کامرانی ہے۔ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى۔ نفس نے کہا اے قلبِ باطنی ہم بھی تیرے مثلِ ظاہری کی مثل عمومِ نوریہ کی شعاعیں پیدا کر سکتے ہیں یہ خیالاتِ وھمیہ کی رسیاں اور تصورات باطلہ کی لاٹھیاں ہم بھی پیدا

سفاحت کے سانپ بنا سکتے ہیں۔ نفس تے نار دنور امرار و اشرار حقیقت و تخیل کا فرق نہ جانا اس لیے بولا کہ اے مکر سحر کو لانے والے قلب ملعون مقابلہ حق و باطل کے لیے تیار ہو جا ترکیب دلائل اور ترتیب مقام سے اپنے اور ہمارے درمیان اسی میدان صدر میں ایک وعدے کا دن معین کر لے۔ نہ ہم خلاف کر سکیں نہ تو۔ ہر مومن کافر کے سینۂ ناسوتی میں یہ جھگڑے چلے آ رہے ہیں۔ مکان ایسا ہونا چاہیئے کہ جس میں مقام و مراتب کی وسعت۔ صدیق و زندیق دونوں کا علیحدہ درجہ ہے۔ چونکہ نفس امارہ اہل بصارت ہے نہ کہ اہل بصیرت اگر اہل بصیرت ہوتا تو کبھی بھی نصیحت قلب اور کمالات عقل کو جادو نہ کہتا۔ اور ورود افکار قلبی کو مصر خواہشات سے نکالنے کا اندیشہ نہ کرتا بلکہ واردات قلب کو خوش بختی سمجھتا اور ظلمات کفر سے نور ایمان کی طرف اور ظلمت بشری سے ہٹ کر انوار روحانیت کی طرف آ جاتا۔ اور قلب کی اس نصیحت کو انسانی بدعملی کی اندھیریوں سے نکل کر نور ربانی کی طرف نکلنا سمجھتا مثنوی میں ہے ؎

ہر کہ از دیدار حق ولدار شد   ایں جہاں درچشم او مردار شد

مگر یہ چیز عجز باطنی سے حاصل ہوتی ہر چیز میں اظہار عجز مختلف ہے کھانے پینے میں اظہار عجز سب سے زیادہ ہوتا ہے اس لیے یہاں پر کُلُوا وَاشْرَبُوا کو خصوصیت سے دیا گیا۔ حدیث پاک سے ثابت ہے کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی میز کرسی یا چوکی پر بیٹھ کر نہ کھایا نہ بڑے پیالے نہ باریک چپاتی روٹی تناول فرمائی بلکہ زمین پر دسترخوان بچھا کر سب کے ساتھ ایک برتن میں۔ یہ ہی وہ تعلیم مقدس ہے جس نے دنیا والوں کو بندۂ کامل بنا دیا۔ اور ذہنوں سے فرعونیت مٹا دی۔ غلبۂ نفسانی سے چار برائیاں پیدا ہوتی ہیں اولاً حماقت کا نمرود۔ دوم ظلم کا فرعون سوم تکبر کا ابوجہل چہارم فساد کا یزید واللہ و رسولہ اعلم۔

قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّينَةِ وَأَنْ يُحْشَرَ

فرمایا تمہارا مقررہ میعاد فلاں زینت والا دن ہے اور چاہیئے کہ جمع کیئے جائیں

موسیٰ نے کہا تمہارا وعدہ میلے کا دن ہے اور یہ کہ لوگ دن چڑھے

النَّاسُ ضُحًى ﴿۵۹﴾ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ

لوگ بوقت چاشت تب متوجہ ہوا فرعون اپنے پروگرام میں تو جمع کرنے لگا.

جمع کئے جائیں تو فرعون پھرا اور اپنے داؤ اکٹھے

كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿۶۰﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ

اپنی مکاریوں کو پھر اس دن آیا فرمایا ان سب کو موسیٰ نے تمہارا ستیا ناس ہو

کئے پھر آیا. ان سے موسیٰ نے کہا تمہیں خرابی ہو

لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ

نہ بناوٹ کرو تم لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کی۔ نہیں تو تباہ کر دے گا وہ تم کو

اللہ پر جھوٹ نہ باندھو کہ وہ تمہیں عذاب سے ہلاک

بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿۶۱﴾

عذاب سے اور برباد ہے ہر وہ شخص جس نے بناوٹی دین بنایا.

کر دے اور بے شک نامراد رہا جس نے جھوٹ باندھا

فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا

پھر وہ جھگڑنے لگے اپنے پروگرام کے اندر آپس میں اور میٹنگیں

تو اپنے معاملے میں باہم مختلف ہو گئے اور چھپ کر

النَّجْوٰى ﴿۶۲﴾ قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ

کرنے لگے خفیہ کہنے لگے یہ دونوں تو البتہ فقط بڑے بڑے جادوگر ہی ہیں

مشورت کی۔ بولے بے شک یہ دونوں ضرور جادوگر ہیں۔

يُرِيدَانِ أَنْ يُخْرِجَاكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ

چاہتے ہیں کہ تم کو نکال دیں تمہاری حکومت سے

چاہتے ہیں کہ تمہیں تمہاری زمین سے

بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيقَتِكُمُ

اپنے جادو کے زور سے اور ختم کر دیں تمہارا

اپنے جادو کے زور سے نکال دیں اور تمہارا اچھا دین

الْمُثْلَىٰ ﴿٦٣﴾

بے مثل دین

لے جائیں

تعلقات اِن آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں تذکرہ ہوا کہ فرعون نے معجزات کو جادو سمجھا اور اپنے ملک کے جادوگروں سے مقابلہ کرانا چاہا جس کے لیے اُس نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ تم ہی بتاؤ کس دن مقابلہ کرنا ہے۔ اب اِن آیات میں حضرت موسیٰ کا جواب اور مظاہرے مقابلے کا دن بتانے کا ذکر ہو رہا ہے۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں حضرت موسیٰ اور فرعون کی باتوں کا ذکر ہوا۔ اب اِن آیات میں حضرت موسیٰ اور جادوگروں کی باتوں کا تذکرہ ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں حضرت موسیٰ کے متعلق فرعون کی تشویش کا ذکر کیا گیا کہ کہیں یہ دونوں موسیٰ و ہارون اپنے جادو سے ہم کو اس ملک سے نہ نکال دیں۔ اِن آیات میں فرعون کے تمام جادوگروں کی تشویش کا ذکر ہو رہا ہے یہ تشویش بھی اُسی قسم کی ہے۔

تفسیر نحوی قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّينَةِ وَأَنْ يُحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى فَتَوَلَّىٰ فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهُ ثُمَّ أَتَىٰ قَالَ لَهُمْ مُوسَىٰ وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرَىٰ۔ قال فعل کا فاعل ضمیر غائب مذکر پوشیدہ کا مرجع حضرت موسیٰ ہیں یعنی موسیٰ نے فرمایا یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ مَوْعِدُ اسم مفرد مضاف ہے یا اسم

ظرف مذکر ہے معنیٰ وعدے کا دن یا وقت۔ ایک قول میں یہ مصدر میمی اسم حاصل مصدر جامد ہے بمعنیٰ
وعدہ کُم ضمیر مضاف الیہ مرجع تمام فرعونی درباری یہ مرکب اضافی مبتدا ہے یَوْمُ الزِّیْنَۃِ یہ مرکب اضافی
خبر مبتدا ہے دونوں جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ۔ لفظ زینت مصدر مادہ ہے۔ آخر میں ۃ مصدریہ ہے
لغوی ترجمہ ہے اختیار کردہ خوب صورتی زینت باطنی بھی ہوتی ہے اور ظاہری بھی یہاں ظاہری مراد
ہے اس کی چھ قسمیں ان شاء اللہ تعالیٰ تفسیر عالمانہ میں بیان کی جائیں گی۔ واؤ عاطفہ اَنْ ناصبہ حرف ہے
یُحْشَرَ۔ باب نَصَرَ کا مضارع مجہول واحد مذکر غائب حَشْرٌ سے مشتق ہے اَلنَّاسُ۔ اسم مفرد جنسی جمع
یا یہ اِنْسَانٌ کی جمع تغیری ہے بحالتِ رفع کیونکہ نائب فاعل ہے ضُحًی۔ اسم مفرد جامد مقصور ہے
مذکر ہے بروزنِ ھُدًی اس میں تین قول ہیں پہلا یہی دوم یہ کہ یہ اسم مقصور ہے بروزن فُعَل سوم
یہ کہ مؤنث سماعی باطنی ہے اس کی تصغیر ضُحَیْبَۃٌ سے پتہ لگا۔ چہارم اس کی تصغیر ضُحَیٌّ ہے۔ اس لیے اس کے
آخر میں تنوین ہے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔ ترجمہ ہے دھوپ لیکن سبب بول کر مسبب مراد
ہے یعنی وقت چاشت۔ یہ ظرف زمانی ہے۔ یُحْشَرَ فعل سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف
ہوا۔ دونوں عطف مل کر مقولہ ہوا قَالَ کا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ فعلیہ ہو گیا فَتَوَلّٰی فَ زائدہ
تعقیبیہ تَوَلّٰی۔ باب تَفَعُّل کا ماضی مطلق معروف واحد مذکر غائب وَلْیٌ سے مشتق ہے۔ وَلْیٌ کا معنیٰ
ہے چہرہ سامنے کرنا دوستی اور محبت کرنا لیکن جب یہ متعدی ہو عَنْ جارہ سے خواہ عن ظاہر
ہو یا پوشیدہ تو اس کا معنیٰ ہوتا ہے چہرہ ہٹا لینا پھیر لینا۔ دوستی ختم کرنا کیونکہ عَنْ جارہ زوال
کے معنیٰ کا تقاضہ کرتا ہے اور وہ ہے منہ پھیرنا۔ وہاں سے چلا جانا یا صرف توجہ ہٹا لینا یہاں
مراد ہے توجہ دوسری طرف کر لینا۔ دراصل عبارت اس طرح تھی فَتَوَلّٰی عَنْہُ۔ فِرْعَوْنُ فاعل
ہے تَوَلّٰی کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ فَ زائدہ تعقیبیہ بمعنیٰ ثُمَّ جَمَعَ۔ باب فتح کا ماضی معنیٰ
ھُوَ پوشیدہ فاعل کا مرجع فرعون ہے۔ کَیْدَہٗ۔ اسم مفرد جامد ترجمہ مکاری کی چیزیں یا بمعنیٰ مکر۔
چالاکی۔ فریب۔ چال۔ یہاں مراد جادو ہے مضاف ہے ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب نفسی ہے بمعنیٰ
اپنا یہ مرکب اضافی مفعول بہٖ ہے یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا ثُمَّ حرف عطف تراخی
کے لیے اَتٰی۔ فعل ماضی فاعل پوشیدہ ضمیر کا مرجع فرعون ہے۔ یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف
ہوا جَمَعَ کا دونوں عطف مل کر جملہ معطوفہ ہو گیا۔ قَالَ فعل لَہُمْ جار مجرور اس کا متعلق ہوا۔ موسیٰ اس
کا فاعل۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا وَیْلَ اسم مفرد جامد کلمہ چھ معنیٰ میں مشترک ہے **یا نو میں**
(۱) افسوس (۲) ہلاکت (۳) تباہی (۴) خرابی (۵) تعجب (۶) بدی شرارت۔ یہاں یہ سب معنیٰ بن سکتے ہیں۔

۷ عذاب شدید مصیبت زدہ ہونا ۸ جہنم کا ایک طبقہ ۹ ندامت شرمندگی لفظ ویل قرآن کی مختلف
سورتوں اور آیتوں میں تقریباً چالیس دفعہ آیا ہے یہ صرف ضمیر کی طرف مضاف ہوتا ہے اسم ظاہر
کے ساتھ آئے تو مضاف نہیں ہوتا۔ جب ضمیر کا مضاف بن کر آئے تو ہمیشہ ظاہر الفظی نصب سے
ہوتا ہے کیونکہ یہ منادیٰ مضاف ہوتا ہے حرف ندا کبھی پوشیدہ یہاں پوشیدہ ہے دراصل
تھا یَا وَیْلَکُمْ۔ ترجمہ ہے ہائے افسوس تمہاری ہلاکت۔ جب اس کو ضمیر واحد متکلم کا مضاف بنایا
جائے تب بھی اس کا نصب لفظی ہوتا ہے اور درمیان میں تَ زائدہ لگا دی جاتی ہے مثلاً یَا وَیْلَتِیْ
کو یَا وَیْلَتِیْ پڑھا جاتا ہے ہائے میری خرابی میرا افسوس میرا تعجب اکثر اس جگہ یاءِ متکلم کو الف
مقصورہ سے بدل دیا جاتا ہے مثلاً یَا وَیْلَتِیْ کو یَا وَیْلَتٰی پڑھا جاتا ہے کُمْ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی منادیٰ بھی مندوب ہے لَا تَفْتَرُوْا
باب افتعال کا فعل نہی جمع مذکر حاضر اس کا مصدر ہے اِفْتِرَاءٌ ترجمہ ہے بناوٹ کرنا حقیقت
کے خلاف جھوٹ بنانا عَلَی اللّٰہِ۔ یہ جار مجرور متعلق ہے کَذِبًا۔ اسم نکرہ مفعول بہ ہے یہ سب مل
کر جملہ فعلیہ ہو کر سبب ہوا فَ سببیہ یُسْحِتَ باب افعال کا مضارع معروف واحد مذکر غائب
مرجع فاعل اللہ تعالیٰ اس کا مصدر ہے اِسْحَاتٌ سُحْتٌ سے مشتق بمعنیٰ ہلاکت کرنا۔ جڑ سے اکھیڑنا
ناپسند کرنا۔ نقصان دینا۔ حرام مال کو مَسْحُوْتٌ اسی معنی میں کہتے ہیں۔ کُمْ ضمیر اس کا مفعول بِعَذَابٍ
جار مجرور متعلق ہے یُسْحِتَ اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مسبب ہوا لَا تَفْتَرُوْا کا
دونوں مل کر جواب ندا۔ پوشیدہ حرف ندا اپنے منادیٰ اور جواب سے مل کر مقولہ اول ہوا۔ واؤ سر جملہ
قَدْ خَابَ۔ باب ضَرَبَ کا فعل ماضی قریب معروف واحد مذکر غائب خَیْبٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ
ذلیل ہونا۔ خراب ہونا۔ نامراد ہونا ہمیشہ لازم ہوتا ہے۔ مَنْ اسم موصول۔ اِفْتَرٰی۔ باب افتعال کا ماضی
مطلق معروف واحد مذکر غائب۔ ھُوَ پوشیدہ اس کا فاعل یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول
صلہ فاعل ہے قَدْ خَابَ کا وہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر مقولہ دوم ہوا قَالَ اپنے دونوں مقولوں سے مل کر
جملہ قولیہ ہو گیا فَتَنَازَعُوْا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰی قَالُوْا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ یُرِیْدٰنِ
اَنْ یُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَیَذْهَبَا بِطَرِیْقَتِكُمُ الْمُثْلٰی۔ فَ زائدہ تَنَازَعُوْا
باب تفاعل کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب بمعنیٰ ایک دوسرے سے نزاع جھگڑا یا مباحثہ کرنا۔ نَزْعٌ
سے مشتق ہے ہمیشہ متعدی ہوتا ہے۔ اَمْرَهُمْ مرکب اضافی مفعول لہٗ بَیْنَهُمْ۔ یہ مرکب اضافی مفعول
فیہ ہے تَنَازَعُوْا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا واؤ سر جملہ اَسَرُّوْا باب افعال کا ماضی مطلق
معروف۔ جمع مذکر غائب مصدر ہے اِسْرَارٌ سِرٌّ مضاف ثلاثی سے مشتق ہے بمعنیٰ راز داری کرنا

خفیہ باتیں کرنا ھُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ہے فرعون اور درباری اَلنَّجْوٰی الف لام عہد خارجی یا جنسی نَجْوٰی اسم مفرد جامد معرّف باللام رباعی کبھی یہ مصدر بھی ہوتا ہے مضاف رباعی مصدر نَجْوٰی ہوتا ہے ترجمہ فارسی میں سرگوشی کرنا اردو میں ترجمہ ہے کاناپھوسی کرنا۔ یعنی ایک انسان کا دوسرے انسان سے منہ اور کان ملا کر بات نہایت آہستہ آہستہ بات کرنا کسی حیوان فرشتے یا جن سے سرگوشی نہیں ہوسکتی کیونکہ دوسری جانب یا سماعت و فہم نہیں ہوتا یا کان ہی نہیں ہوتے جیسے جن و ملائکہ کہ ان کے انسانوں جیسے کان و سماعت نہیں۔ یہ نجوٰی مفعول بہ ہے یا حال ہے اَسَرُّوا کے فاعل پوشیدہ کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا۔ قَالُوْا۔ فعل ھُمْ ضمیر فاعل فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ اِنْ یہاں پانچ قول ہیں ۱ یہ اِنْ اِنَّ ہے ۲ اِنَّہٗ ہے ۳ اَنَّ ہے ۴ اَنَّہٗ ہے ۵ اِنْ نافیہ ہے ھٰذَانِ اسم اشارہ تثنیہ بحالتِ رفع مبتدا ہے اس سے مراد (مشار الیہ) موسیٰ و ھٰرون علیہما السّلام لَسٰحِرٰنِ۔ لام بمعنیٰ اِلَّا لام کی وجہ سے تاکیدی استثنا ہو گیا یعنی صرف اور صرف یہ جادوگر ہی ہیں اِنْ ھٰذٰنِ میں اور بھی قول ہیں۔ بعض نے کہا یہ اِنَّ سے مخفف ہے۔ ایک قرأت میں یہ اِنَّہٗ ھٰذَانِ لَسَاحِرَانِ ہے۔ تب ہٗ (ضمیر شان) اِنَّ کا اسم اور ھٰذَانِ۔ اِنَّ کی کا خبر اور لَسَاحِرَانِ۔ اس کی تاکید تابع ہوگی۔ اگر لفظ اِنْ اِنَّ ہے تو یہ لام فارقہ ہے اگر اِنْ نافیہ ہے تو یہ کلام استثنائیہ بمعنیٰ اِلَّا ہے۔ سَاحِرَانِ۔ اسم فاعل تثنیہ مذکر موصوف یا ذوالحال ہے یُرِیْدَانِ باب افعال کا مضارع تثنیہ ھُمَا ضمیر پوشیدہ کا مرجع موسیٰ و ھٰرون ہیں۔ اَنْ ناصبہ یُخْرِجَا۔ باب افعال کا مضارع تثنیہ نون تثنیہ حالتِ نصبی کی وجہ سے گر گئی کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر منصوب متصل مفعول بہ ہے مِنْ اَرْضِکُمْ۔ یہ مرکب اضافی جار مجرور ہو کر متعلق اول ہے۔ بِ جارہ سببیہ سِحْرِ اسم جامد مضاف ھِمَا ضمیر مضاف الیہ یہ جار مجرور متعلق دوم ہے یُخْرِجَا۔ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ یَذْھَبَا باب فتح مضارع تثنیہ۔ یُخْرِجَا پر عطف کی وجہ سے منصوب ہوا اور نصب کی وجہ سے نون آخری گر گیا یہ دونوں صیغے دراصل تھے یُخْرِجَانِ یَذْھَبَانِ بِ جارہ تعدیہ (مفعولیت) کی طَرِیْقَۃِ۔ اسم مفرد مؤنث لفظی جامد مشترک ہے پانچ معنی میں ۱ راستہ ۲ مذہب دین ۳ آسمانی طبقے ۴ درجہ مرتبہ ۵ سردار قوم اس کی جمع ہے طرائق اس کا مذکر لفظی ہے طَرِیْقٌ اس کی جمع ہے طُرُقٌ۔ یہ وزن فَعِیْلٌ و فَعِیْلَۃٌ طَرْقٌ سے بنا ہے بمعنیٰ روندنا اختیار کرنا۔ کوٹنا۔ ایک قول میں یہ سُریانی لغت کا لفظ ہے۔ اسی سے ہے طارق بمعنیٰ ٹکر مارنے والا۔ مضاف ہے کُمْ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی موصوف ہے

اَلْمُثْلٰی۔ اسم تفضیل مؤنث اس کا مذکر ہے ۔ اَمْثَل بحالت جر ہے اعراب تقدیری ہے صفت ہے طَرِیْقَتِکُمُ کی یہ سب جار مجرور متعلق ہے یَذْهَبَا کا وہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا۔ اَنْ یُّخْرِجَا کا دونوں عطف مفعول بہ ہے یُرِیْدَانِ کا ۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے لَسٰحِرَانِ کی یہ حال ہے ۔ دونوں مل کر خبر ہے ھٰذَانِ مبتدا کی وہ دونوں جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ ہوا اول ۔ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کا یہ چیلنج (دعوت مقابلہ) قبول کرتے ہوئے فرمایا تمہارے وعدۂ مقابلے کا دن یہی چند دن بعد مشہور نوروزی میلے کا اجتماعی دن میری طرف سے مقرر ہے اور وہاں میدان بھی کھلا وسیع اور ہموار ہے وقت بھی کھلا روشن دوپہر کا ہونا چاہیئے۔ اگرچہ دور دور کے مختلف علاقوں سے خود ہی بے شمار بچے جوان بوڑھے عورت مرد اپنی اپنی زینتیں کر کے نوروز کے اس عید میلے میں جمع ہوتے ہی ہیں مگر پھر بھی اپنے ور ائع سے دور، دور تک اعلان عام کے ذریعے بھی لوگوں کو دوپہر تک جمع ہونے کا کہدیا جائے زینت کی چھ قسمیں ہیں ۱۔ زینت مکانی یعنی گھربار بازار سجانا ۲۔ زینت جسمانی یعنی نہانا دھونا جسمانی صفائی اور خوشبو لگانا۔ اسی طرح تیل۔ یا سرخی پوڈر لگا کر فیشن کرنا ۳۔ زینت لباسی۔ لباس عمدہ پہننا ٹوپی عمامہ وغیرہ اوڑھنا ۴۔ زینت باطنی صحت تندرستی اور اچھی غذا تو راک اچھے کھانے پکانا ۵۔ زینت محفلی کسی جگہ میلہ لگانا محفل سجانا رونق بنانا۔ جنگل میں منگل مچانا ۶۔ زینت کلامی تقریر نعت خوانی مشاعرے کرنا مقفا مسجع فصیحانہ بلیغانہ خوب صورت کلام سنانا۔ روز اول سے انسانوں نے سات طرح عید منائی ۔ پہلی عید یوم جمع اسکا ذکر سورۃ آل عمران آیت ۹۷ میں ہے جو اللہ کے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوئی۔ دوسری عید۔ یوم نمرودی یعنی عید بابل علاقہ عراق میں منائی جاتی تھی جو کوفے اور بصرے کے درمیان ہے ۔ اس کا ذکر سورۃ صٰفٰت آیت ۸۹ ۹۰ کی تفسیر میں آتا ہے ۔ فَقَالَ اِنِّیْ سَقِیْمٌ کے تحت تیسری عید یوم فرعون جس کو یَوْمَ الزِّیْنَۃِ کہا گیا اسی آیت ۵۹ میں اس کا ذکر ہے ۔ اس مقابلے کے موقعہ پر یہ میلہ عاشورہ (دس محرم) کی تاریخ میں بیوم سبت کو آیا اس کا اصل نام نیروز تھا فرعونی کلنڈر (نظام الاوقات) کے مطابق سال کے پہلے مہینے پہلے دن یہ میلہ منایا جاتا تھا ایک قول میں [illegible] کہ چار سو سال سلطنت کی سالگرہ کا دن

ہوا کرتا تھا جو ہر سال بطور یادگار منایا جاتا تھا۔ اسی کو بعد میں یہودی لوگوں نے عید قرار دیا آج تک یہودی اس کو مناتے ہیں۔ کیونکہ اسی عید کے دن موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو شکست دی اور مقابلے میں فتح پائی۔ چوتھی عید یوم نصاریٰ یعنی عیسائیوں کی عید نزول مائدہ کا ذکر جس کا تذکرہ سورۂ مائدہ آیت ۱۱۴ میں ہے تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا۔ پانچویں عید۔ یوم الفطر۔ یوم قرآن یوم شکر ماہ صیام اس کا ذکر قرآن مجید کی سورۂ بقرہ آیت ۱۸۵ میں اس طرح ہے۔ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ چھٹی عید۔ یوم نحر عید الاضحیٰ۔ اس کا ذکر قرآن مجید کی سورۂ کوثر آیت ۲ اور ۳ میں ہے۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ ساتویں عید۔ یوم میلاد النبی۔ عید میلاد النبی۔ اس کا ذکر قرآن مجید کی سورۂ یونس آیت ۵۷، ۵۸ میں اس طرح ہے۔ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۔ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ قرآن مجید میں لفظ زینت تقریباً انیس جگہ آیا ہے جو مختلف آیت میں پانچ معنی میں ارشاد ہوا ہے (۱) اپنی جسمانی خوبصورتی کرنا (۲) جگہ کو خوب صورت کرنا (۳) رونق والا کرنا (۴) (۵) لباس کی تکمیل اور خوب صورت کرنا۔ انسانوں کی تمام عیدیں دن میں ہی بوقت چاشت شروع ہوتی ہیں سوائے عید میلاد کے کہ وہ بوقت سحر شروع ہوتی ہے کفار کی عید لہو ولعب کھیل تماشہ فساق کی عید جسمانی زینت لیکن مومن کی عید عبادت اور روحانی زینت۔ مسلمانوں کو چار عیدیں ملیں (۱) عید جمعہ (۲) عید الاضحیٰ (۳) عید الفطر (۴) عید میلاد النبی۔ عید میلاد کی نماز تہجد کے نفل ہیں اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو توفیق دے۔ یوم مقابلہ کے تقرر کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے فرمایا کہ پورے ملک میں آج سے اعلان کرا دیا جائے لوگوں کو بتا دیا جائے کہ اس عید میلے کے دن صبح چاشت ابتداءِ دوپہر کے وقت جادو اور معجزے کا مقابلہ ہوگا۔ سب جلدی آجائیں۔ عربی زبان میں دن رات کے چوبیس گھنٹوں کے نام پندرہ حصوں میں تقسیم ہیں۔ (۱) اوّل یوم کا نام فجر (۲) پھر صبح (۳) پھر غداۃ (ناشتے کا وقت) (۴) پھر بکرہ (۵) پھر ضحیٰ (۶) پھر ضحوۃ (۷) پھر ہجیرہ (۸) پھر ظہیرہ (۹) پھر رواح (۱۰) پھر عصر کا وقت (پچھلا پہر) (۱۱) پھر مسا (جھٹپٹا) (۱۲) پھر مغرب (۱۳) پھر اصیل (۱۴) پھر عشاءِ اولیٰ (۱۵) پھر عشاءِ آخرہ یعنی شفق کا غائب ہونا۔ نحشر ایک قرأت میں تحشر ہے مذکر حاضر واحد کے صیغے سے یعنی اے فرعون تو جمع کر بعض نے کہا کہ قَالَ مَوْعِدُكُمْ فرعون کا قول ہے اور فرعون نے مَكَانًا سُوًى کہہ کر خود ہی دن اور وقت کا بھی تعین کر دیا مگر اس قول کو تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازی نے سختی سے رد فرمایا اور ... قول ... بتایا

نکالیں پہلی یہ کہ پھر فَاجْعَلْ کا مطالبہ غلط ہو گیا دوم یہ کہ پھر فَاجْعَلْ کا جواب کہاں سے لاؤ گے سوم یہ کہ اگر یہ فرعون کا قول ہوتا تو یہ واحد مذکر حاضر کی ضمیر سے ہوتا۔ مَوْعِدَكَ۔ سابق کلام کے مطابق یا پھر مَوْعِدُكُمَا۔ ہوتا ھٰرون کو شامل کر کے چہارم یہ کہ مَوْعِدِ مُحَمَّدٌ کو نہ تعظیمی جمع کہا جاسکتا ہے نہ اَقْلِ جمع اس لیے کہ فرعون سے تعظیم موسیٰ کے الفاظ بولنا سیاق و سباق کے اعتبار سے ناممکن لگتے ہیں اور تثنیہ کو اَقَلِ جمع کہنا بھی اہل عرب کے محاوروں کے خلاف ہے لہٰذا صحیح تو یہی ہے کہ یہ عبارت جوابی ہے اور موسیٰ علیہ السلام نے فرمائی کہ اے فرعون تو نے تو صرف کھلے ہموار میدان کی خواہش اور مطالبہ کیا ہے مگر میں چاہتا ہوں کہ وقت بھی صبح کا صاف ستھرا اور روشن اور وسیع و کثیر ہو۔ اس میں تین فائدے ہوں گے ۱۔ لوگ بہت زیادہ آسکیں گے ۲۔ دھوپ کی روشنی کی وجہ سے دور تک کھڑے لوگ اور کم نظر والے بھی بخوبی ہر کام کو دیکھ سکیں گے ۳۔ دیکھنے والوں کو تنگ نظری کی کسی قسم کی نہ شکایت ہو گی نہ شک شبہ اس لیے فجر یا سحر صبح یا غداۃ یا بکرہ کا وقت مناسب نہیں کہ وہ ناشتے اور تیاری کا وقت ہے اور بکرہ چلنے کا وقت سب سے مناسب وقت ضحیٰ ہے ہر اعتبار سے کسی کے پہنچنے میں کوئی دقت رکاوٹ نہ رہے۔ اس طرح اس کے بعد کا وقت ضحوہ یا ہجیرہ بھی درست نہیں کیونکہ دن تھوڑا رہ جاتا ہے اگر یہ مقابلہ لمبا بھی ہو جائے تب بھی دن کے دن میں روشنی ہونے ختم ہو جائے۔ کوئی کام بھی دھوپ غائب ہونے تک نہ پہنچے اس پوری وضاحت کے جامع اور باکمال کلام سننے کے بعد اس دوسری محفل ملاقات کو ختم کیا دربار برخاست ہوا اور فرعون نے اُسی دن اپنے ملکی پروردہ جادوگروں کے پاس لوگ دوڑائے تاکہ اس مقررشدہ دن وقت اور جگہ کی اطلاع دیدی جائے۔ مشورہ اور جادو کی نوعیت پہلے ہی ان کو سمجھا دی گئی تھی اس اطلاع کے بعد وہ اپنی پوری تیاری کر لیں ساز و سامان اکٹھا کر لیں جنتر منتر پڑھ پڑھا لیں اور اس دن یا ایک دن یا چند دن پہلے ہر طرح مکمل تیاری کے ساتھ آئیں۔ صحیح روایت کے مطابق یہ سب بہتر ۷۲ جادوگر تھے ان میں دو قبطی تھے باقی ستر ۷۰ ان کے شاگرد بنی اسرائیلی تھے مگر تکمیل شدہ تھے۔ ان میں ہی سامری تھا۔ یہاں تک کہ وہ یوم موعودہ مقررہ آگیا دو دن پہلے حکومتی کارندوں نے میدان صاف ستھرا کرایا۔ ایک سمت پر درباری امرا و وزرا کے خیمے لگوائے اور درمیان میں سب سے بڑا اسی گز لمبا خیمہ فرعون کے لیے نصب کیا گیا۔ اونچی جگہ کہ تاکہ اچھی طرح مقابلہ دیکھ سکے۔ تیماری۔ پھر عین وقت پر فرعون مع آل و اہل آیا۔ اور خیمہ میں پورے شاہی وقار کے ساتھ بیٹھا۔ ایک قول میں یہ جادوگر چار سو ۴۰۰ تھے بعض نے کہا

بارہ ہزار تھے ایک قول ہے کہ بہتر ہزار تھے۔ صحیح قول تو پہلا ہے مگر انطباق اس طرح ہو سکتا ہے۔ اصل جادوئی کرتب اور شعبدے دکھانیوالے تو استاد تھے گرمل کر بہتر ہزار تھے۔ مگر جب چلے تو کچھ سامان اٹھانے والے نوکر خدام کچھ زیر تربیت شاگرد۔ اور کچھ انہی کے علاقے کے تماشائی ساتھ ہوئے اور سب ہی فرعون کے مہمان بنے اس لیے دیکھنے والوں نے سمجھا کہ شاید یہ سب ہی جادوگر ہیں لفظِ تم سے ثابت ہو رہا ہے کہ فرعونی لوگوں نے کافی دن دوڑ دھوپ کی اور عین یوم زینت میں ہی فرعون کے پاس پہنچے۔ ہر جادوگر کے پاس بہت سی چھوٹی بڑی موٹی پتلی رسیاں اور لاٹھیاں تھیں اور جادو کے کچھ دوسرے ضروری سامان یہ فرعون کے اپنے جادوگر تھے جو سلطنتِ فرعونی کے مختلف علاقوں شہروں گاؤں میں آباد تھے۔ اُن زمانوں میں یہ عام رواج تھا کہ ہر بادشاہ اپنے درباری نجومی اور جادوگر رکھا کرتا تھا جو اس کو جنگوں کی کامیابی ناکامی میں پیشگوئیاں کرتے بتاتے سمجھاتے تھے۔ آج بھی ہندو راجے مہاراجے یہی کرتے ہیں ان جوتشیوں نجومیوں رمالوں نے مصنوعی اختراعی نقشے زائچے تیار رکھے ہیں یہاں تک کہ آسمان کے بارہ بُرجوں کے نام پر حیوانی نقشے تصویریں بنا ڈالیں اور پھر ان کے دیوی دیوتا بنا دئیے اور موسم دولت و انسانی تقدیر کو ان سے منسوب کر دیا بہ برکات وکفریات ہیں یہ سورج دیوتا یہ حمل یہ ثور یہ سنبلہ یہ سرطان وغیرہ وغیرہ۔ اس فرعون کا اصل نام ابیتونس تھا۔ ان دنوں حضرت موسیٰ کے عصا نے عوام خواص پر جو گہرا اثر قائم کر دیا تھا فرعون جادوگری کا مقابلہ کرا کر اس اپنے لیے نقصان دہ اثر کو ہی ختم کرانا لوگوں کے ذہنوں میں موسیٰ علیہ السلام سے نفرت پیدا کرنا چاہتا تھا عوام رعایہ پر چار طرح سے فرعونی قانون فرعونی دین سے نفرت ہوتی جا رہی تھی پہلی وجہ یہ کہ ملک مصر میں سب سے بڑی اقلیت بنی اسرائیل کی تھی یہ لوگ تعداد۔ اولاد۔ اور دولت میں عام قبطیوں سے زیادہ تقریباً دس گنا تھے وجہ دوم یہ کہ بنی اسرائیل سب مومن و بکثرت نیک تھی۔ ان کی صحبت کی وجہ سے قبطی اکثریت بھی خفیہ طور پر مائل بر ایمان تھی۔ وجہ سوم یہ کہ فرعون کا قانون امیر اور غریب کے لیے جداگانہ تھا جس میں غریبوں کی حق تلفی ظلم و جبر سزا عیاں تھے۔ مذہب اور دیوی دیوتاؤں کے بُت بھی امیر غریب کے لیے جدا اور عبادت گاہیں بھی علیحدہ علیحدہ تھیں اس تفریق نے نفرت کے بیج بو دئیے چہارم وجہ یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس مجبور و مقہور قوم میں نمودار ہونا اُن کی دلجوئی اور نجات کے لیے ایک سہارا بنتا جا رہا تھا پنجم یہ کہ عصاء موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کارناموں سے فرعون اور فرعونیوں پر خفیہ طور عجیب دھاک بٹھا دی تھی جس سے فرعون کی اپنی الوہیت و ربوبیت کے ڈھونگ کو اچھا خاصا خطرہ محسوس ہو رہا تھا۔ وہ رب

فرعون کو اپنی ساکھ عزت حکومت بچانے کا صرف ایک ہی راستہ نظر آ رہا تھا کہ جادوگر مقابلہ کر کے موسیٰ و ھرون علیہما السلام کو شکست دیدیں۔ پوری حکومتی بقا کا سہارا صرف جادوگر تھے اس وقت فرعون کے تمام دینی مذہبی دنیوی حکومتی رعب داب کا دار و مدار جادوگروں کے جیتنے پر تھا اسی جیت پر یہ لوگ اپنی قسمت کا فیصلہ ہوتا سمجھتے تھے بلکہ عوام کے بدلتے رنج سے اہل دربار و حکومتی وزراء امراء کافی پریشان اور فرعون کو لاچار سمجھتے تھے۔ اس لیے یہ مقابلہ اثرات موسوی کو توڑنے کے لیے فرعون کی ایک ضرورت بن گیا تھا۔ آج فرعون کو اپنی کمزوری کا کچھ احساس ہوا تھا۔ اب جادوگروں کو اپنا مشکل کشا حاجت روا سمجھا جانے لگا تھا تمام عوام و خواص کی نگاہیں آج ان جادوگروں پر لگی تھیں جب سب لوگ جمع ہو گئے تمام جادوگر۔ تمام اہل دربار۔ امراء۔ وزراء۔ رؤساء حکومت اور خود فرعون بھی اپنے شاہی خیمے میں آ گیا تب موسیٰ و ھرون علیہما السلام اپنی درویشانہ شان بے نیازی سے اپنی اسی لاٹھی سے ٹیکتے ہوئے میدان میں جلوہ افروز ہوئے پھر آپ نے نہایت متانت سے ایک نگاہ پورے مجمع عوام و خواص پر ڈالی۔ اور پھر بارعب بلند آواز سے ایک بار حقِ تبلیغ پھر ادا فرماتے ہوئے قَالَ لَهُمْ مُوسٰى وَيْلَكُمْ۔ فرمایا ان تمام حاضرین عوام اہل دربار فرعون ہامان اور سب جادوگروں کو جھڑکتے سمجھاتے اور عذاب الٰہی سے ڈراتے ہوئے اشارے اور توجہ سے مخاطب کرتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے مشرکو اور باطل لوگوں ہلاکت ہو تمہاری دارو میں اس کا ترجمہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ اے کم بختو تمہارا ستیاناس جائے) اللہ تعالیٰ پر جھوٹی باتوں جھوٹے دین مذہب عقیدوں شرکیہ کفریہ باتوں کا افترا مت باندھو ایک ادنیٰ کمزور انسان کو رب یا معبود مت کہو اور اس کی مخلوق سورج وغیرہ کو اس کا شریک نہ بناؤ۔ اس کے نبی رسول کو جادوگر اور نبوت کے معجزوں کو جادو مت کہو اس کی آیت کا انکار نہ کرو۔ اے فرعون اور فرعونیو اپنی چھوٹی سی فانی حکومت اور فرعون کی جھوٹی معبودیت ربوبیت کو بچانے کے لیے یہ مقابلے کی حیلہ سازی مت کرو بہت عرصہ من مانیاں دو زرخ سامانیاں کر لیں اب بندہ بن جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کے جلال و غضب کو دعوت مت دو کہیں اب نہ ہو کہ تم کو کسی بڑے دنیوی عذاب ذلت بیماری ہلاکت اور مقصد سے محرومی قید غربت بادشاہی سے فقیری نہ دے ڈالے کہ تمہارا نام و نشان مٹ جائے جڑیں اکھڑ جائیں اور آخرت میں دائمی ابدی دردناک نیز حشر جہنم کے عذاب میں نہ ڈال دے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی دشوار نہیں اس پر تاریخ و مشاہدات شاہد ہیں کہ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى۔ وہ شخص ضرور ذلیل و رسوا اور ناکام ہوا جس نے اللہ تعالیٰ پر کسی قسم کا بھی افترا باندھا۔ فرعون اور اس

کے درباریوں نے پانچ قسم کا افترا کیا تھا ۱ موسیٰ علیہ السلام کے پاس کوئی معجزہ نہیں ۲ یہ عصا اور یدِ بیضا جادو کے شعبدے ہیں ۳ اگر یہ معجزے ہیں تو ایسے معجزے ہمارے پاس بھی ہیں اور ہماری دیوی دیوتاؤں کے پاس بھی ۴ یہ بت اللہ کے شریک کار ہیں ان کے بغیر اللہ کا کام نہیں چلتا ان ہی بتوں کے طفیل بارشیں بہاریں۔ روزیاں اور برکتیں آتی ہیں ۵ فرعون اہلِ مصر کا رب اور معبود ہے۔ اور ستاروں سے قسمتیں بدلتی ہیں فلاں ستارہ فلاں برج میں جائے تب زمین پر یہ کچھ ہوتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے یہ اُس وقت تبلیغ آٹھ مقاصد کے لیے فرمائی ۱ عوام الناس اس مقابلے کو محض میلے کا کھیل تماشہ نہ سمجھیں یہ تو حق و باطل کا مقابلہ اور دین و ایمان کا معاملہ ہے ۲ زجر و جھڑک کا انداز اختیار فرمانا۔ اہلِ حق کی جرأت و بہادری کا مظاہرہ کرنا ہے ورنہ اتنے بڑے خود مختار ظالم احمق کے سامنے کس کی دم مارنے کی جرأت تھی ۳ جن لوگوں کے دلوں میں فرعون نے جھوٹ بٹھایا ہوا ہے ان کو حق بات کا پتہ لگ جائے۔ ۴ جن کے دل نرم اور مائل بر ایمان ہیں وہ اور قریبِ ایمان ہو جائیں ۵ انبیاءِ کرام علیہم السلام کا طریقہ مبارکہ ہمیشہ یہی رہا کہ آخر دم تک بار بار ہر میدان ہر مقام ہر حالت میں دینِ الٰہی کی تبلیغ فرمائی اسی لیے آپ نے ایک دفعہ پھر بھی تبلیغ کی ۶ اس تبلیغ دین اور ذکرِ الٰہی سے یہ اجتماعی محفل تماشہ گاہ سے عبادت گاہ بن جائے ۷ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کا نبی کسی بھی دنیوی۔ طغیانی۔ شیطانی طاقت سے نہیں ڈرتا۔ ۸ پتہ لگ جائے کہ فرعون کو بھی کوئی جھڑکنے والا ہے۔ اس کڑک والی رعب دار پُر جلال آواز اور تبلیغ سے لوگوں کے دل دہل گئے اور مجمع عام میں ہلچل مچ گئی۔ ایسا کیوں ہوا اس لیے کہ جلال موسیٰ کا تھا۔ پیغام دینِ الٰہی کا تھا اور حکم ربِّ ذوالجلال کا تھا لہٰذا۔ فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ۔ درباری لوگ اور خود فرعون ڈرے ہوئے تو پہلے ہی تھے دلی ضمیر میں سب کو معلوم تھا کہ موسیٰ حق پر ہیں بدیں وجہ یہ آوازِ حق اور بھی لرزہ بر اندام کر گئی یہ پنڈال کا نقشہ بدل گیا جو لوگ صرف تماشہ سمجھ کر آئے تھے ان کو حقیقتِ حال کا اب پتہ چلا جو لوگ خوش گپیوں اور مذاق بازی میں مشغول تھے اور جادوگروں کی کثرت تعداد کے مقابل صرف دو شخصوں کو دیکھتے ہوئے حیرت با دل لگی کے انہی نذروں میں تھے کہ کہ دیکھیں یہ جادوگر اتنے جادوگروں کا کیسے مقابلہ کرتے ہیں وہ جادوگر جو جیتے جادو کی شعبدوں پر اور کرتبی ہنر پر فخر سے پھولے ہوئے تھے یکدم متغیر ہو گئے دشمنوں کے نذر

اور گفتگو کے رخ بدل گئے اور آپس میں مختلف الآراء ہو کر ایک دوسرے کو جھٹلانے اور غلط کہنے لگے۔ عوام نے کہا ایسا بارعب دلدوز جگر خراش جرأت مند کلام کرنے والا جادوگر نہیں ہو سکتا بھلا کوئی جادوگر ایک جابر ظالم لشکروں ہتھیاروں والے بادشاہ کے سامنے خود بادشاہ کو جھڑک سکتا ہے، جادوگر لوگ تو ان اُمرا وزرا کے دروازوں کے بھکاری و حاجت مند ہوتے ہیں اُدھر جادوگروں نے آپس میں کہا کہا کہ اگر یہ جادوگر ہے تب تو ہم ہی غالب رہیں گے اور اگر یہ اللہ کا رسول ہے تو ہم کبھی اُس پر غالب نہیں آ سکتے اور ہم اس کی اتباع کر لیں گے۔ کسی نے کہا جادوگر ایسی تبلیغ نہیں کر سکتا۔ کسی نے کہا کہ فرعون نے ہم کو دھوکے میں رکھا اس کی نبوت و رسالت کی دعویداری کا ہم سے ذکر نہیں کیا صرف یہ بتایا تھا کہ وہ لاٹھی کو سانپ بناتا ہے۔ عوام کی یہ پارٹی بازی تفرقہ سازی دیکھ کر درباری لوگوں کو اپنی ناؤ ڈوبتی اور اپنی کرسی وزارت عہدہ امارت ڈولتی معلوم ہوئی فرعون کو اپنا منصوبہ ناکام اپنی بادشاہت گھومتی نظر آئی جب عوام و اقوام کو۔ فَتَنَازَعُوٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ۔ میں دیکھا تو سب اہل دربار اور فرعون اَسَرُّوا النَّجْوٰى ہو گئے۔ اور لگے خفیہ میٹنگیں مشورے کرنے کہ اب کیا کریں ہمارے اتنے بڑے انتظام ایسے منصوبے اتنے خرچ اور عوام کو اتنا بہلانے پھسلانے۔ اور جادوگروں کو اتنے عرصہ سے تیار کرنے خرچہ دینے آمادہ مقابلہ کرنے کو۔ موسیٰ کے ان دو لفظی کلام نے چوپٹ کر کے رکھ دیا۔ لوگوں کے دل۔ عوام کے ذہن اور ہواؤں کے رخ پھیر دئے بتاؤ اب کیا کریں تمام مشوروں خفیہ مناجاتوں۔ کانا پھوسیوں سے فرعون نے اس کا ایک علاج سوچا کہ اے درباریو۔ تم بھی اپنے شاندار خطیبوں اچھے سمجھ داروں واعظوں قادر الکلام مقرروں بااثر سیاسی لیڈروں کو عوام کے سامنے نکالو اور پنڈال و میدان کے چاروں طرف افواہیں پھیلاؤ۔ چنگھاڑو۔ دہاڑو تقریریں کرو کہ اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ۔ اے ہمارے جادوگرو تم مت ڈرو۔ اے عوام لوگو مت تنازع کرو۔ نہ گھبراؤ۔ یہ دونوں تو صرف اور صرف جادوگر ہیں۔ کرسی کے بھوکے حکومت کے طالب دولت کے خواہش مند فقط یہ چاہتے ہیں کہ دونوں۔ تم سب مخالفین کو تمہارے وطن تمہاری آبائی زمینوں کھیتوں باغوں جاگیروں سے نکال دیں اپنے جادوگری کے زور سے اور ان کا سب سے بڑا فریب مکر جھوٹ یہ ہے کہ تم کو تمہارے آباؤ اجداد کے شریفانہ شاندار بے مثال مہذب پُر امن دین و مذہب۔ دیوی دیوتاؤں۔ بتوں مورتیوں فوٹوں تصویروں اور فرعون کی ربوبیت و الٰہیت کے مقبول دین و عقیدوں سے متنفر کرنا۔ اور

دور سے جانا چاہتے ہیں اور کھلے لفظوں میں کہہ بھی چکے ہیں کہ بنی اسرائیل کو ان کے حوالے کر دیا جائے۔ یہ قوم اس وقت آل اولاد تعداد اور دولت میں سب سے زیادہ ہے ان کو ہم نے غلام نوکر چاکر خدام مزدور بنایا ہوا ہے۔ آبادی کا بڑا حصہ یہ ہیں۔ ان سے ہمارے تمہارے ہزاروں کام وابستہ ہیں۔ فرعون نے اپنے ان تقریری کلام سے، سات طرح نفرت پھیلانی چاہی اولاً موسیٰ ھٰرون علیہما السلام کو جادوگر کہا یہ اس لیے کہ ہر شخص جادوگر کو فریبی شعبدے باز ہی سمجھتے ہوئے اس سے نفرت کرتا ہے، دوم اُن کے معجزات کو جادو کہا یہ اس لیے کہ ہر شخص فطرتاً جادو سے ڈرتا ہے جادو کو سراسر تباہی اور نقصان والا سمجھتا ہے اس لیے ہر شخص جادو سے دور رہنا چاہتا ہے اور یہ ہی نفرت ہوتی ہے یعنی یہ دونوں خود بھی قابلِ نفرت ہیں کیونکہ ساحران ہیں اور ان کے کام بھی قابلِ نفرت ہیں کیونکہ سحر ہیں سوم چونکہ جادو میں کوئی قوت طاقت اور بقا نہیں تو لوگ جادوگر کو اپنا پیشوا، لیڈر، امام یا بادشاہ کس طرح مان سکتے ہیں چہارم ھارون و موسیٰ تم کو تمہاری زمینوں جاگیروں سے نکالنا چاہتے یعنی یہ کچھ تم کو دے نہیں سکتے صرف تم سے چھینا جھپٹی کر کے تم کو غریب کرنا چاہتے ہیں یہ دوست نہیں دشمن ہیں یہ سب سے بڑی نفرت دلانیوالی بات تھی لوگ جائیداد اور زمین سے محبت کرتے ہیں اور چھیننے والے سے نفرت پنجم آبائی مذہب کی مخالفت کا ذکر کر کے بھی نفرت دلائی کہ ہر شخص اپنے مذہب سے محبت کرتا ہے مذہب پر جان قربان کر دیتا ہے، اگرچہ مذہب باطل ہی ہو۔ دین کے مخالف سے نفرت کرتا ہے۔ ششم۔ بار بار جادوگر اور جادو کہہ کر ان کی کمزوری ثابت کی اور کمزور سے ہر شخص نفرت کرتا ہے کوئی اس سے دوستی نہیں کرنا چاہتا۔ خاص کر جب کہ طاقتور انسان اس کمزور کا دشمن ہو۔ ہر شخص طاقت ور کو دوست بنانا چاہتا ہے اسی میں اپنا مفاد سمجھتا ہے۔ ہفتم۔ بار بار دوّ ہونے کا ذکر کرنا بھی کمزوری ظاہر کرنے کے لیے تھا کہ یہ صرف دوّ ہیں ان سے ڈرنے گھبرانے کی ضرورت نہیں یہ ہمارا تمہارا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ جب کہ ہمارے ان سے بڑے بڑے بہت سے جادوگر ہیں جو ان جیسا بھی کرتب دکھا سکتے ہیں۔ ہمیں اندیشہ صرف یہ ہے کہ کہیں تم پر ان کی باتوں کا اثر نہ ہو جائے اور تمہارے طَرِیْقَتِکُمُ الْمُثْلٰی سے تم کو بھٹکا بہکا نہ دیں۔ طَرِیْقَۃ کا لغوی معنی ہے پیدل چلنا۔ اصطلاحی معنی ہے دین اسی معنی میں دین کو طریقت کہا جاتا ہے لہٰذا یہ دین سے دشمنی کر کے صرف فساد پھیلانا چاہتے ہیں۔ انسان دین پر دل و جان سے جلتا ہے دین اچھا ہو یا برا۔ الْمُثْلٰی۔ اَمْثَل کا مؤنث ہے یعنی اَشرف۔ افضل اعلیٰ۔

فائدے اِن آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ** انبیاءِ کرام علیہم السلام اور اولیاءُ اللہ علماءِ فقہ کی دینی ایمانی باتوں کو جھٹلانا نہ ماننا انکار بے ادبی گستاخی کرنا دراصل رب تعالیٰ کی گستاخی ہے انبیاء کی باتوں کو جھوٹا کہنا اللہ پر افترا باندھنا ہے۔ یہ عبرت انگیز فائدہ وَیْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا۔ سے حاصل ہوا۔ اس سے وہ آزاد خیال مسلمان عبرت پکڑیں جو بری صحبتیں اختیار کر کے عُلماءِ کرام فقہاءِ اسلام کی ہر بات کا مذاق اور انکار کرتے چلے جاتے ہیں مولوی اور مُلا کا لفظ بول کر قرآن و حدیث کی ہر بات کو جھٹلاتے گستاخی کرتے رہتے ہیں اور علما کو تنگ نظر کہتے ہیں مسئلہ رمضان المبارک کا ہو یا عیدُ الفطر کا داڑھی کا ہو یا اسلامی لباس کا ٹوپی پہن کر نماز پڑھنے کا مسئلہ بتایا جائے یا کسی اسلامی قانون کا ہر بات کا مذاق اڑانا ایک فیشن بن چکا ہے، فرعون کی اسی قسم کی مذاق بازی کو اِفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ فرمایا۔ اسی کی پاداش میں آخر کار فرعون کو قسم قسم کی ذلتوں کے بعد غرق کر دیا گیا نہ سلطنت بچا سکی نہ لشکر۔ **دوسرا فائدہ** اللہ اپنے گستاخوں مشرکوں کو ڈھیل عطا فرماتا ہے لیکن اپنے انبیاء علیہم السلام کے گستاخوں بے ادبوں کو ڈھیل نہیں دیتا یہ فائدہ فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ فرمانے سے حاصل ہوا کہ وہ فرعون جو تقریباً تین سو سال سے اللہ کی گستاخیاں بے ادبیاں شرک و کفر کر رہا تھا اور اپنے آپ کو رب اور الٰہ بنائے بیٹھا تھا اُس پر کوئی عذاب تو درکنار بیماری تک نہ آئی زکام تک نہ ہوا۔ لیکن جب انکارِ نبوت کیا تو حضرت موسیٰ نے فرما دیا کہ اب تو نہیں بچ سکتا۔ اور پھر ایسا ہی ہوا کہ عذاب پر عذاب آتے رہے موجودہ گستاخانِ نبوت کو اس سے آج دنیا میں ہی عبرت پکڑنی چاہیئے۔ **تیسرا فائدہ**۔ حق بات اور حق مسئلے کو تحریراً یا تقریراً علیٰ الاعلان کرنا چاہیئے کسی بھی وجہ سے ذرہ بھر رو رعایت یا نرمی نہ کرنی چاہیئے۔ یہ فائدہ۔ اَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى سے حاصل ہوا۔ فرعون نے تو صرف اچھی صاف بڑی ہموار جگہ کے منتخب کرنے کا کہا تھا مگر موسیٰ علیہ السلام نے مزید روز روشن اور کھلے وقت کی ضرورت پر زور دے کر اس حق و باطل کے مقابلے کو علیٰ الاعلان کرنے کا چیلنج کر دیا تھا تاکہ حقائق کو ہر شخص کھلے عام دیکھے کوئی شک و شبہ رو رعایت نہ رہے۔

احکام القرآن اِن آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ** کفار کے عید میلے یا کسی بھی لہو و لعب کھیل کود تماشے کی محفل یا اجتماع میں کسی دینی

معلومات یا نیتِ خیر سے جانا جائز ہے اسی طرح ہر حرام چیز کو کسی دینی معلومات یا دینی غرض کے لیے دیکھنا جائز ہے۔ بشرطیکہ اُس چیز میں فحاشی عریانی نہ ہو۔ اس طرح حلال ہر چیز خریدنے کی نیت سے کوئی حرام چیز ہی خریداری میں شامل ہو جائے تو معافی ہے۔ مثلاً اخبار خریدا اور تصویریں بھی ساتھ ملیں تو معافی ہے اِن حرام فوٹوؤں کی وجہ سے اخبار کی خریداری حرام نہ ہو گی یا کسی دینی معلومات کے لیے تصویریں ہی خریدیں مگر عمداً تصویر کی تعظیم مقصود نہ ہو تو جائز ہے یہ سب مسائل مُوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ سے مستنبط ہوئے کہ وہ دن کفار کے لہو و لعب کا تھا مگر ایک دینی کام کے لیے موسیٰ علیہ السلام اُس میلے میں گئے لیکن بغیر کسی دینی وجہ کے کسی بھی میلے میں جانا گناہ ہے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نمرود کے بُت خانے میں معلومات حاصل کرتے کئی دفعہ گئے اور آخری دفعہ توڑنے کے لیے تشریف لے گئے آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ حرام میں کئی مرتبہ تشریف لے گئے حالانکہ وہاں بُت تھے آپ کی نظر اُن پر پڑتی تھی ہاں البتہ فوٹو تصویر فلم کیمرہ و یڈیو سے بنانا شوقیہ بنوانا حرام ہے۔ آج کل کے عام مولویاں پیروں کو اس سے بچنا اور عوام کو بچانا چاہیئے تبلیغ کے بہانے یہ بُت سازی بھی حرام ہے۔ دوسرا مسئلہ کسی بھی دنیا پرست کو اس کی بے دینی گمراہی فسق و فجور کی وجہ سے جھڑکنا اور کسی بھی محفل میں اُس کی توہین کرنا جائز ہے، اگرچہ عمر رسیدہ ہو یا علماء و مشائخ میں سے ہو۔ یا دنیوی شان و عزت والا ہو۔ یہ مسئلہ۔ وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا۔ کی جھڑک فرمانے سے مستنبط ہوا۔ اسی اِستنباط سے فقہاءِ احناف فرماتے ہیں کہ فاسق مُعلِن کو امام بنانا امام مقرر کرنا منع ہے اور اُس کی توہین کرنا واجب ہے توہین یہی ہے کہ اُس کو امامت سے ہٹا دیا جائے۔ اُس کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے اور مشہور کیا جائے کہ اِس فسق کی وجہ سے امامت سے علیحدہ کیا گیا ہے یا ہم اِس کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ تاکہ اُسے عبرت ہو آئندہ اُس گناہ سے باز آئے۔ ثابت ہوا کہ امام بنانا عزت افزائی ہے۔ تیسرا مسئلہ۔ غلط مسائل بتانے اپنی چرب زبانی سے جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ ثابت کرنا سخت گناہ اور طریقہ کفار ہے، شریعت میں غلط مسئلہ وہی ہے جو قرآن وحدیث اور استنباط و قیاس کے خلاف ہو۔ اور زبانِ نبوت کی مخالفت میں ہو۔ یہ مسئلہ۔ لَا تَفْتَرُوْا۔ اور۔ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى سے مستنبط ہوا۔ کہ زبانِ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا یہ معجزے ہیں یہ فرمان حقیقت و اصلیت کے عین مطابق تھا مگر فرعون نے حقیقت کا انکار کرتے ہوئے اُس کو جادوگر کہا۔ اسی طرح آج بھی کوئی شخص اپنی جہالت یا کسی وجہ سے کوئی غلط مسئلہ بنا دے تو وہ اِفْتَرَا عَلَى اللهِ میں

شامل ہوگا اور بتانے والا گمراہ و گمراہ گر متصور ہوگا۔ اس کو اپنا بھی اور تمام ماننے والوں کا بھی گناہ پڑے گا بتانے والا عالم ہو یا پیر بادشاہ ہو یا وزیر۔ جہالت سے بتائے یا سیاست سے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے فَاجْعَلْ بَیْنَنَا کہہ کر مَکَانًا سُوًی کا وعدہ لیا تھا کہ جگہ اچھی اور ہموار مقرر کرو۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام نے۔ مَوْعِدُکُمْ یَوْمُ الزِّیْنَۃِ فرما کر دن کا وعدہ دیا۔ یہ بات اس وعدے کے خلاف تھی ایسا کیوں کیا گیا؟ جواب۔ یہ وعدے کی مخالفت نہیں بلکہ وعدہ کی تکمیل ہے۔ تین وجہ سے فرعون کا مطالبہ ناقص تھا آپ کے اس فرمان سے مطالبہ مکمل ہو گیا پہلی وجہ یہ کہ یَوْمُ الزِّیْنَۃِ۔ فرما کر جگہ بھی بتا دی کہ جہاں میلہ لگتا ہے وہ جگہ بنی بنائی کھلی ہے۔ ہموار ہے وسیع ہے ۲ یَوْمُ الزِّیْنَۃِ فرما کر مکانًا سوًی کا مقصد بتا دیا کہ اے فرعون تو وسیع میدان اس لیے چاہتا ہے کہ بہت سے آدمی آئیں تو وہ دن یوم الزینۃ ہے جس میں خود بخود تیرے اعلانات کرکے بلانے سے زیادہ آجائیں گے۔ یعنی جب لاکھ آدمیوں کے لیے جگہ کا انتخاب ہے تو لاکھ آدمی بھی تو ہونا ضروری ہیں تیسری وجہ یہ کہ مزید تکمیل کے لیے وَ یُحْشَرُ النَّاسُ ضُحًی۔ فرمایا۔ اعلان صرف یہ کرا دیا جائے کہ اس دن معجزے اور جادو کا مقابلہ بھی ہوگا جس کا وقت چاشت سے ہے اس لیے کہ مکانًا سُوًی کا فائدہ تب ہی ہے جب دھوپ کی پوری روشنی بھی ہو ہر شی دور سے بھی صاف نظر آسکے دیکھنے میں صرف زمینی اونچ نیچ ہی رکاوٹ نہیں بنتی کم نظری اور زیادہ بھیڑ میں دور نظری اور سایہ اندھیرا بھی رکاوٹ بنتے ہیں۔ جس کو دور کرنے کے لیے وقت ضحیٰ بھی ضروری ہے۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ اِنْ ھٰذٰنِ۔ مفسرین کے اقوال کے مطابق یہ اِنْ مثقلہ سے مخففہ ہے دراصل تھا اِنَّ۔ نحوی قانون کے مطابق اِنَّ اپنے اسم کو زبر دیتا ہے تو چاہیئے تھا کہ اِنَّ ھٰذَیْنِ ہوتا کیونکہ ھٰذا تثنیہ ہو کر بحالت زبر ھٰذَیْنِ ہوتا ہے تو ھٰذٰنِ کیوں فرمایا گیا۔ اسی طرح قرآن مجید کی اور بھی کئی عبارتوں پر نحوی قواعد کے خلاف ورزیوں کے اعتراض پڑتے ہیں۔ مثلاً اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالصَّابِئُوْنَ یہ وَالصَّابِئِیْنَ ہونا چاہیئے تھا اور وَلٰکِنِ الرّٰسِخُوْنَ۔ الرّٰسِخِیْنَ چاہیئے تھا اور وَالْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوۃَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ۔ یہاں وَالْمُؤْتِیْنَ الزَّکٰوۃَ۔ چاہیئے۔ یہ سب وہ غلطیاں ہیں جو آج بھی قرآن مجید میں موجود ہیں۔ یہاں تک کہ بروایت حضرت عائشہ اس کو کتابت کی غلطی تسلیم بھی کیا گیا ہے تو کیا صاحب قرآن کو علم نحو نہیں آتا تھا (عیاذًا بالله) (موجودہ بعض شیعہ) جواب۔ یہ

اعتراض پہلے تو آریہ ہندوؤں کی طرف سے پھر عیسائیوں اور ان سے سن کر شیعہ لوگوں نے صحابہ دشمنی میں یہ اعتراض کیا۔ اس کا اصل جواب ہم نے اپنی تفسیر نحوی میں درج کر دیا کہ یہ اِن مخففہ نہیں ہے بلکہ نافیہ ہے اور لَسٰحِرٰنِ میں لام کے بمعنٰی اِلّا ہے۔ یہ جواب بعض مفسرین نے بھی دیئے ہیں اور یہی آسان بھی ہے درست بھی، باقی آیت کے جواب ان ہی کی تفسیری مقامات پر ملاحظہ فرمائے جائیں۔ دراصل سمجھ اپنی خراب ہوتی ہے اور چل پڑتے ہیں قرآن مجید پر اعتراض کرنے۔ اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ کی طرف اُس روایت کو منسوب کرنا تو یہ سب غلط اور جھوٹی نسبت ہے اور آج تک کتابت کی غلطی چلی آنا ناممکن ہے۔ جب کہ ہزاروں صحابہ لاکھوں علما نے کروڑوں نے سینکڑوں مرتبہ اس کو پڑھا جس طرح اِنْ ھٰذٰنِ اِنْ ہی نحوی قواعد سے درست ہے اسی طرح باقی آیت بھی ہر طرح وہی درست ہیں جو لکھی ہوئی ہیں ہو سکتا ہے عائشہ صدیقہ والی روایت خود شیعوں نے گھڑلی ہو۔ بغض صحابہ کو بدنام کرنے کے لیے اگر معاذ اللہ اس روایت کو درست مانا جائے تو پھر پورا قرآن مجید مشکوک ہو گیا۔ جب یہاں کتابت کی آج تک غلطی چلی آ رہی ہے اور کسی کو ہوش نہیں آیا تو پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حکیم کی جگہ حلیم لکھا گیا ہو۔ لا کی جگہ نعم لکھا گیا ہو۔ نیز اس روایت سے تو قرآن کریم کی لاریبت بھی ختم ہو گئی اور سارا اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ پر بھی اعتراض پڑتا ہے۔ بعض نے فرمایا کہ یہ ایک قرأت اِنْ ھٰذٰنِ ہے۔ اور ایک ہیں اِنَّ ھٰذَیْنِ ایک قرأت میں مَا ھٰذٰنِ ہے۔ بہرکیف یہ جوابات بہ شاذ ہیں صحیح جواب پہلا ہے۔ تیسرا اعتراض یہاں آیت ۶۱ اور آیت ۶۲ میں تین قول مذکور ہوئے پہلا وَیْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا (الخ) پھر فَتَنَازَعُوْا۔ پھر۔ قَالُوْا اِنْ ھٰذٰنِ۔ پہلا قول تو متفقاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہی ہے دوسرا۔ فَتَنَازَعُوْا اور تیسرا۔ اِنْ ھٰذٰنِ میں مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ دونوں قول جادوگروں کے ہیں کچھ مفسرین فرماتے ہیں یہ دونوں قول درباریوں کے ہیں۔ اگر مفسرین کے پہلے قول کو دیکھا جائے تو وہ بھی غلط لگتا ہے۔ کیونکہ جادوگروں کو اِنْ ھٰذٰنِ (الخ) کہنے کی کیا ضرورت پڑی تھی انہوں نے تو پہلی بار موسیٰ علیہ السلام و ہارون کو دیکھا تھا ابھی نہ معجزہ عصا دیکھا نہ یدِ بیضا دیکھا۔ وہ یہ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ لَسٰحِرٰنِ۔ یہ دونوں جادوگر ہیں۔ نیز ان کو اس سے بھی کوئی غرض نہیں کہ کون کس کو مصر سے نکالتا ہے۔ کون رکھتا ہے۔ اور اگر تفسیر کا دوسرا قول دیکھا جائے تو وہ بھی درست نہیں ہے۔ کیونکہ اہل دربار کو تنازع اور آپس میں اختلاف کیونکر ہو سکتا وہ تو شروع سے ہی متفقاً ملی بھگت سے اُس کو جادو اور دونوں کو جادوگر کہتے چلے آ رہے ہیں اگر اب وہ اختلاف کرتے تو فرعون وہیں ان کو سزا دیتا اور مار کر اپنی حکومت سے ہی نکال

دینا۔ فرمایا جائے کہ کونسی تفسیر درست ہے؟ جواب: اس کی وضاحت بھی ہم نے تفسیر عالمانہ میں کر دی ہے کہ وَيْلَكُمْ (الخ) موسیٰ علیہ السلام کا فرمان ہے فَتَنَازَعُوْا۔ عوام الناس اور جادوگروں کا۔ لیکن تنازع کی نوعیت جداگانہ اور اِنْ هٰذٰنِ (الخ) فرعون کے درباریوں مقرروں لیڈروں کی باتیں ہیں یعنی موسیٰ علیہ السلام کا وَيْلَكُمْ۔ فرمانا سب عوام خواص جادوگر اور درباری بلکہ خود فرعون کی طرف تھا آپ نے سب کی طرف اشارہ اور توجہ فرما کر یہ بات کی عوام میں تنازع یہ ہوا کہ ہم موسیٰ و ہارون کو کیا سمجھیں نبی یا جادوگر۔ جادوگروں میں تنازع یہ ہوا کہ ہم اب مقابلہ کریں یا نہ کریں۔ تب فرعون نے گھبرا کر میٹنگ بلائی جس کو اَسَرُّوا النَّجْوٰی فرمایا گیا یہ سب تفصیل تفسیر میں بیان کر دی گئی ہے لہٰذا مفسرین کے وہ اقوال جو اعتراض میں ذکر کیے گئے ہیں وہ درست نہیں ہیں۔ نہ تمام اقوال جادوگروں کے ہیں نہ عوام کے نہ فرعونیوں کے بلکہ اسی طرح تقسیم ہیں جس طرح ہم نے بیان کیے وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔

تفسیر صوفیانہ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى۔ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى۔ مجمع نفسانیات میں قلب نورکی آوازِ سروری آتی ہے کہ اے نفس امارہ تیری شکست یا برائت کا وقت وہ ہی نفس ناطقہ کو محسوس ہونے والی فہم و ادراک سے مزین کرنے کا دن ہے جب کہ ذہنی قوتیں اور روحانی طبیعتیں معلومات حضوری سرمدی باطنی خزانے سب جمع ہوں گے۔ عقل فعالی کے نور شمس والی دھوپ اور اشراق اسرار و اشرار کی آخرت ہو گی۔ اس لیے کہ یہی وہ وقت ہے جب کہ نفس امارہ درستی و حق پرستی کو قبول کرنے سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے۔ انہی لمحات میں نفس مکارہ تمام وصیات ساحرین اور مکائد سحر فسونی مغالطوں کے شعبدے سے جمع ہوتے ہیں اور قلب کی قوتیں اعجاز کی فطرتیں تعینیات نورانیہ سے مکمل تیار ہوتی ہیں کہ نفسانیت کے اظہار تکذیب اور مفتریات کے افتراء موجودہ کو ہلاکت و شکست سے فنا کر دیں۔ دنیا میں ہر اچھا برا سچا پکا اپنے دل سے ہی مانگتا ہے۔ قلب دینے کا مرکز ہے نہ وہ کسی کے آگے دست سوال دراز کرتا ہے نہ اس کو وہ جگہ معلوم جہاں سے اس کو کچھ دیا جا سکے۔ سچے مومن انسان کا نشان حال یہ ہے کہ وہ اہل دنیا سے کبھی کچھ نہیں مانگتا۔ اہل سلوک وہ ہیں جو دنیا کی چیز اللہ تعالیٰ سے بھی نہیں مانگتے جب ان کا نفس جسمانی فسون بدنی سے کچھ طلب کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو قلب مزکی ہیبت الٰہیہ کا عصا اور سانوار جلال کا ید بیضا مقابلے میں لے آتا ہے نفس کی دنیا قلبی قلب

کی بارگاہ میں گستاخی الٰہی شمار کی جاتی ہے جب قلبِ مومن اس مقام پر پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ بن مانگے اس کو سب کچھ عطا فرما دیتا ہے۔ مشربِ صوفیا میں تمام دنیا یومِ زینت کا میدانِ معرکہ ہے اور امتحان گاہِ بندگان ہے یہاں راہِ خلیل اختیار کرنا پڑتا ہے کہ جبریل بھی اگر کہیں کہ اے خلیل کچھ مانگو تب بھی کچھ نہیں مانگتے۔ کہا کہ اپنے رب سے کچھ عرض کیجئے فرمایا وہ اللہ مجھ سے بھی زیادہ میرے حال کو جانتا ہے یہی وہ لوگ ہیں جو زمین پر آیاتِ ربانی ہیں۔ انہی لوگوں کو رب تعالیٰ دنیا کے فرعونوں کے فنا کرنے کے لیے تیار فرماتا ہے۔ قلب و عقل کی قوت عطاءِ الٰہی ہے اسی لیے قَالَ لَهُمْ مُّوسَىٰ وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُم بِعَذَابٍ ۖ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرَىٰ۔ فرمایا قلبِ مسعود نے ان تمام آبا لبانِ نفس کو کہ اے خواہش کے پیروکارو تم پر فنا کی ہلاکت ہو صٹ جاؤ نفسِ امارہ کی پیروی سے اور طالبانِ حق بن جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ محرومیتِ ازلی اور قبضِ ابدی اور بسطِ ناری کا دائمی عذاب تمہیں گھیرے۔ بندے کی سب سے بڑی ہلاکت تین چیزوں میں ہے۔ پہلی یہ کہ شکل پر سکون ہو دل رنجور ہو دوم یہ کہ زبان اگرچہ بھیک نا مانگے مگر حالات گداگروں جیسے ہوں وہ مت بخ جن کو پیری مریدی کا شوق ہو وہ مہذب گداگر ہیں۔ وہ اگرچہ مانگتے نہیں مگر بنیں زر طلبی میں مبتلا ہیں اندھی تقلید والے ان کے بڑے بڑے پیٹ خود بھرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے ضمیر مردہ ہو جاتے ہیں ان کی نشانی یہ ہے کہ اشرار سے حق بات کہنے کی جرأت نہیں رکھتے اور ہر قسم کے نیک کار کو بدکار کر مرید بنا لیتے ہیں اور ان کی ہی فرضی کے مسائل کی بناوٹ کر لی جاتی ہے یہی لوگ فرعونِ وقت ہیں۔ سوم یہ کہ پیٹ کو جہنم بنا لیا جائے۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن وہ ہے جو اپنے ہاتھ کی محنت سے حلال و شرعی روزی کھائے۔ ہاتھ کی سب سے بڑی محنت عبادت اور دعا ہے اگرچہ خلوت کے گوشے میں بیٹھا رہے۔ ضرورت کے موقع پر اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑا کر مانگنا ہی ہاتھ کی کمائی ہے دعا سے جو ہدیے تحفے بھی ملیں وہ بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے جانو فَتَنَازَعُوا أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ وَأَسَرُّوا النَّجْوَىٰ۔ قلب منور کی ان ہی تبلیغی باتوں سے باطنِ فرعونیت میں شور شرابے برپا ہو جاتے ہیں۔ ذہنی کشمکش اور خیالاتِ فاسدہ و لائقہ صحیحہ کی یلغار ہوتی ہے تنازع یہ ہے قوائے نفسانیہ میں کہ قلب و عقل سے مصالحت کریں یا نفسِ امارہ کے مکر و فساد سے نفس کی من تدبیر ہیں ۱ دنیا میں جذب ۲ خواہشاتی شہوتوں میں انہماک ۳ ممانعتِ شرعیہ میں مشغول۔ یہ لذتیں اطاعتِ قلبی سے مانع ہوتی ہیں۔ اسرارِ مناجیہ کی اسرارِ مخفی اور کشمکشِ باطنی یہ ہے کہ

مخالفتِ قلب وعقل کے داعی بنیں یا مخالفتِ نفسی سے قلب اہلِ نفوس کو جو سمجھانا چاہتا ہے وہ یہی ہے کہ تمہارا رب و معبود یہ نفس و ابلیس نہیں بلکہ اجسام و ارواح کا خالق ہے اُس سے ہر سوالِ حاجت عرض کرو۔ اسی لیے حضرت موسیٰ بھی ہر پریشانی میں اپنے رب تعالیٰ کو ہی پکارتے تھے کہ اے میرے پروردگار میں اُس رزق کا محتاج جو تو مجھ پر نازل فرمائے گا یہ اُس وقت عرض کیا جب کمزوری نے جسمِ ناسوتی پر غلبہ کیا جب موسیٰ علیہ السلام نے نظرِ بندگی سے اللہ کریم کی طرف دیکھا تو رب تعالیٰ نے ان کو خشوع وخضوع سے بھر دیا اور جب نیاز مندانہ کلام عرض کیا اُس وقت اُن پر انوار و اسرار کا ورود ہوا درسِ توحید یہ ہے کہ بندہ ہر حال میں اپنے مولیٰ کا محتاج ہے جب باطن میں تنازعِ حق و باطل برپا ہوتا ہے تب خیالاتِ نفسانیہ پکار کر قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ یُرِیْدٰنِ اَنْ یُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَیَذْهَبَا بِطَرِیْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى بولتے ہیں کہ یہ قلب وعقل تو صرف مکر و فساد کے جادوگر ہیں نفس کا یہ ہی دعویٰ کاذبہ اشارہ کرتا ہے کہ نفسِ رذیل اعمالِ قلب کے معانی سمجھنے پرکھنے سے عاجز و لاشعور ہے اور قلب و شعورِ عقلی کی بڑھائیں فہمِ نفسانی پر مخفی ہیں اسی لیے میدانِ قباحت کے خیامِ باطنی سے آوازِ کذبیہ افترائیہ بلند ہوتی ہے کہ یُرِیْدٰنِ اَنْ یُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا عقل و دل چاہتے ہیں کہ تم کو تمہاری زمینِ خواہشات و علاقۂ لذات سے بیابانِ محرومی کی طرف نکال دیں اپنے اقوالِ مکر و افعالِ سفاہت و اعمالِ کدورت کے ذریعے۔ وَیَذْهَبَا بِطَرِیْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى۔ اور دور ہٹا دیں تم کو تمہاری لذتِ حسیہ کے حصول سے اور شہواتِ بدنیہ کی مشغولیت سے اے اہلِ نفس یہی لذات خواہشات تمہارا دینِ آبائی قدیمی ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ بدنِ انسانی پر اوّلاً وھمیاتِ باطلہ اور خیالاتِ فاسدہ و شبہاتِ ذمیمہ کا قبضہ ہوتا ہے جب بندہ راہِ طریقت کا متلاشی بن کر منازلِ سلوک کا سفر شروع کرتا ہے تب عقلیات یقینیات سے ان کو ہٹانے کے لیے برھانِ قاطع اور دلیلِ واضح کی ضرورت پڑتی ہے لہٰذا مرشد پر واجب ہے حق کی طرف بلانا۔ اور پہلے حجۃٌ تامہ سے اس طرح نقضِ باطل و دفعِ شبہات کرے کہ تمام عقائدِ فاسدہ مٹ جائیں اور وجودِ وصفی کو قرار ہو۔ عادتِ جبلی کو عصمت و حفاظت ملے ورنہ یہی معصیتِ انفاس وارداتِ بدنیہ پر غالب آ کر قلب کی شکست و ریخت کا باعث بن سکتے ہیں اس لیے بوسیلۂ مرشد کامل آوازِ الٰہی پکارتی ہے۔ لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى۔ اے طالبِ صادق نہ ڈر بے شک تو ہی غالب و اعلیٰ ہے یہی دھارس منزلِ شوق تک پہنچا

فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ

لہذا تم جمع کر لو اپنی تمام تدبیروں کو پھر ٹوٹ پڑو یک دم ہو کر اور گویا

تو اپنا داؤں پکا کر لو پھر پرا باندھ کر آؤ اور آج مراد

اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿٦٤﴾ قَالُوْا

وہ شخص کامیاب ہو ہی گیا ہے آج جو غالب رہا۔ جادوگر بولے

کو پہنچا جو غالب رہا۔ بولے

يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ

اے موسیٰ یا یہ ہے کہ تم اپنا کرتب ڈالو اور یا ہم ہوں

اے موسیٰ یا تو تم ڈالو اور یا ہم

اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿٦٥﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا

پہلے وہ جو کرتب ڈالے۔ فرمایا نہیں بلکہ تم ڈالو۔ تو اچانک ایک دم

پہلے ڈالیں۔ موسیٰ نے کہا بلکہ تمہیں ڈالو۔ جب ہی

حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ

ان کی تمام رسیاں اور اُن کی لاٹھیاں گمان کیا جاتا تھا موسیٰ نے [illegible]

اُن کی رسیاں اور لاٹھیاں اُن کے جادو کے زور سے

سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿٦٦﴾ فَاَوْجَسَ فِيْ

اُن کے جادو کے اثر سے کہ غالباً وہ سب دوڑتی پھرتی ہیں تب محسوس کی اپنے

اُن کے خیال میں دوڑتی معلوم ہوئیں۔ تو اپنے [illegible]

نَفۡسِهٖ خِيۡفَةً مُّوۡسٰى ۝٦٧ قُلۡنَا لَا تَخَفۡ

دل میں گھبراہٹ موسیٰ نے ۔ فرمایا ہم نے گھبراؤ مت

موسیٰ نے خوف پایا ۔ ہم نے فرمایا ڈر نہیں

اِنَّكَ اَنۡتَ الۡاَعۡلٰى ۝٦٨ وَاَلۡقِ مَا فِىۡ

بقیناً تم ہی غالب آؤ گے ۔ اور ڈال دو وہ جو تمہارے

بے شک تو ہی غالب ہے ۔ اور ڈال تو دے جو تیرے

يَمِيۡنِكَ تَلۡقَفۡ مَا صَنَعُوۡا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوۡا

دائیں ہاتھ میں ہے نگل جائیگی وہ تمام چیزیں جو جادوگروں نے بنا دکھائی ہیں جو انہوں نے کیا وہ تو فقط

داہنے ہاتھ میں ہے ۔ اُن کی بناوٹوں کو نگل جائے گا وہ جو بنا کر لائے ہیں وہ تو

كَيۡدُ سٰحِرٍ ؕ وَلَا يُفۡلِحُ السّٰحِرُ حَيۡثُ اَتٰى ۝٦٩

جادوگروں کا کھیل ہے اور نہیں کامیاب ہوتا جادوگر جدھر سے بھی آئے ۔

جادوگر کا فریب ہے اور جادوگر کا بھلا نہیں ہوتا کہیں سے بھی آئے ۔

تعلقات ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے ۔ پہلا تعلق ۔ پچھلی آیات میں جادوگروں کا باہمی اختلاف اور تنازع کا ذکر ہوا ۔ اب ان آیات میں باہمی اجتماع اور متفق ہونے کا ذکر ہو رہا ہے ۔ دوسرا تعلق ۔ پچھلی آیات میں جادو کا مظاہرہ کرنے کی تیاری کا ذکر ہوا ۔ اب ان آیات میں مظاہرہ شروع کرنے کا ذکر ہو رہا ہے ۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں جھوٹے مکار فریبی اور افترا باندھنے کی ذلت کا ذکر ہوا ۔ اب ان آیات میں ان جھوٹے جادوگروں کے ذلیل و رسوا ہو جانے اور شکست کھا کر شرمندہ ہونے کا ذکر ہو رہا ہے ۔

تفسیر نحوی | فَاَجۡمِعُوۡا كَيۡدَكُمۡ ثُمَّ ائۡتُوۡا صَفًّا ۚ وَقَدۡ اَفۡلَحَ الۡيَوۡمَ مَنِ اسۡتَعۡلٰى قَالُوۡا

یٰمُوْسٰۤی اِمَّآ اَنْ تُلْقِیَ وَ اِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰی۔ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا۔ فَ حرف زائدہ سببیہ یہ اگلی عبارت مَنِ اسْتَعْلٰی تک سابقہ عبارت اِنْ هٰذٰنِ (الخ) کا مسبب ہے۔ اس فَ کا معنیٰ ہوتا ہے اس لیے اَجْمِعُوْا۔ باب افعال کا امر حاضر معروف جمع مذکر اَنْتُمْ پوشیدہ ضمیر فاعل مخاطب مراد ہیں اہل دربار یا جادوگر وغیرہ کَیْدًا اسم حاصل مصدر اس کی گردان باب ضرب سے بھی ہوتی ہے یہاں جامد ہے بمعنیٰ تدابیر خفیہ چالیں یا مقابلے کا سامان۔ اس کا معنیٰ مکر فریب جال بھی ہے کُمْ ضمیر نفسی بمعنیٰ اپنی مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے اَجْمِعُوْا سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ ثُمَّ حرف عطف برائے تراخی جو کام حکم کے کچھ دیر بعد تعمیل ہو وہاں ثُمَّ بولا جاتا ہے باب ضَرَبَ کا امر حاضر معروف اَتٰی یَاْتِیْ سے ہے اِئْتُوْا۔ صَفًّا اسم مفرد نکرہ مصدر بمعنیٰ اسم مفعول حال اِئْتُوْا کے فاعل اَنْتُمْ ضمیر مستتر کا۔ اِئْتُوْا سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف ہوا اَجْمِعُوْا کا دونوں عطف مل کر مسبب ہوا اِنْ هٰذٰنِ کا واؤ برجملہ قَدْ اَفْلَحَ باب افعال کا ماضی قریب واحد مذکر غائب فَلْحٌ سے مشتق بمعنیٰ مستقبل ہے یقینیت کے لیے ماضی قریب استعمال ہوا۔ اَلْیَوْمَ۔ اسم مفرد زمانی بمعنیٰ دن۔ الف لام کی وجہ سے مخصوص ہوا یعنی آج یہ ظرف زمانی ہے اپنے فعل کا مَنْ اسم موصول واحد جنسی کے لیے ہوتا ہے مبنی مجزوم ہوتا ہے مگر کسی سے جوڑنے کے وقت نون کو کسرہ دیا جاتا ہے اِسْتَعْلٰی۔ باب استفعال کا ماضی مطلق علوٌ سے مشتق ہے پہلے واؤ کو یٰ سے پھری کر الف مقصورہ سے بدلا گیا هُوَ پوشیدہ کا مرجع مَنْ ہے یہ ضمیر فاعل ہے اِسْتَعْلٰی فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَنْ کا دونوں مل کر فاعل ہوا قَدْ اَفْلَحَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مقولۂ دوم ہوا سابقہ قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ کا۔ قَالُوْا فعل ماضی ھُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع تمام فرعونی جادوگر۔ یا حرف ندا مُوْسٰی منادیٰ۔ اِمَّا حرف عطف تردیدی برائے ... اَنْ حرف ناصبہ ہمیشہ مضارع پر ہی داخل ہو کر نصب دیتا ہے۔ تُلْقِیَ۔ باب افعال کا فعل مضارع معروف واحد مذکر حاضر لَقْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ ڈالنا پھینکنا اس کا مصدر ہے اِلْقَاءٌ بمعنیٰ زمین پر ملانا۔ اسی سے ہے ملاقات یعنی گرم جوشی سے ملنا لقوہ بیماری بھی اسی معنیٰ میں ہے کہ بیماری اعضاء کو اُن کی اصلی حالت سے دوسری حالت میں ڈال دیتی ہے یہ فعل چونکہ مشابہ اسم منقوص ہے اس لیے بحالت نصب لفظی فتحہ آیا۔ اَنْتَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے یہ سب جملہ فعلیہ سوالیہ عرضیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ زائدہ اِمَّا حرف عطف تردیدی ضناری۔ اَنْ ناصبہ نَكُوْنَ باب نَصَرَ کا فعل مضارع منصوب جمع متکلم ناقصہ نَحْنُ پوشیدہ ضمیر اس کا اسم اَوَّلَ۔ اسم تفضیل واحد

مذکر مضاف ہے مَنْ اَتْقٰی کا۔ اَتْقٰی۔ باب افعال کا فعل ماضی مطلق اِتْقَاءٌ سے بنا ہے تَقْیٌ مادہ ہے آخری چوتھا حرف یٰ حروفِ اِمالہ میں سے ہے لہٰذا اُس کو الف سے بدل دیا گیا۔ دراصل تھا اَتْقَیَ هُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل دونوں مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ سوالیہ ہو کر صلہ ہوا مَنْ کا دونوں مل کر مضاف الیہ مرکب اضافی خبر ہے نَکُوْنَ کی سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر معطوف ہوا اَنْ تُلْقِیَ کا دونوں عطف مل کر جواب ندا ہوا حرف ندا سب سے مل کر جملہ اسمیہ ندائیہ ہو کر مقولہ ہوا قَالُوْا کا وہ سب جملہ قولیہ ہو گیا۔ قَالَ فعل ماضی هُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع موسیٰ فعل با فاعل جملہ فعلیہ قول ہوا۔ بَلْ حرفِ عطف زائدہ اضراب کے لیے ہے یعنی ماقبل سے اِعراض و علیحدگی کے لیے کبھی یہ دو جملوں کے بعد آتا ہے اور اس کا اگلا جملہ مَاقَبْلَ کے پہلے جملے کی تردید اور دوسرے جملے کی تائید کرتا ہے کبھی اس کا اُلٹ اور کبھی دونوں کا بُطلان۔ اَلْقُوْا۔ بابِ افعال کا امر حاضر معروف۔ جمع مذکر حاضر۔ اصل میں اَلْقِیُوْا تھا یٰ ثقیل گر گئی۔ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ ہوا قَالَ کا اور پھر جملہ قولیہ ہو گیا۔ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى وَاَلْقِ مَا فِیْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى۔ فَ حرفِ فجائیت بمعنیٰ اچانک یا ایک دم اِذَا۔ اسم ظرفِ زمانی مگر یہاں بمعنیٰ اچانک اور فوراً ہے۔ حِبَال جمع مکسر تغیر تکثیری ہے حَبْلٌ کی هُمْ ضمیر مضاف الیہ ہے مرجع ہے جادوگر لوگ ترجمہ ہے اُن کی بڑی بڑی رسیاں واؤ عاطفہ عِصِيٌّ جمع مکسر ہے عَصَا کا دراصل عُصُوْوٌ تھا دونوں واؤ کو یٰ سے بدل دیا اور پھر ادغام کر دیا۔ ایک قول میں عَصَا کی جمع چار طرح آتی ہے نمبر ۱ اَعْصَاءٌ نمبر ۲ عُصُوْوٌ بروزنِ فُعُوْلٌ نمبر ۳ اَعْصِی نمبر ۴ عِصِیٌّ۔ اس کی دو قرأتیں ہیں ۱ مشہور عِصِيٌّ ہے نمبر ۲ عُصِيٌّ ہے۔ هُمْ مضاف الیہ یہ دونوں مرکب اضافی حِبَالُهُمْ اور عِصِيُّهُمْ آپس میں معطوف علیہ معطوف ہو کر مبتدا ہوا۔ يُخَيَّلُ۔ باب تفعیل کا فعل مضارع مجہول اس کا مصدر ہے تَخْيِيْلٌ ایک قول میں باب تَفَعُّلٌ سے ہے دراصل يَتَخَيَّلُ یا تُخَيَّلُ تھا مذکر یا مؤنث تاءِ تفعل کو ثِقل کی وجہ سے حذف کیا گیا۔ جیسا کہ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ میں ہوا مگر ہمارا قول درست ہے اور مشہور و جمہور ہے۔ اِلَيْهِ۔ جار مجرور متعلق اوّل ہے ہٖ ضمیر کا مرجع موسیٰ ہیں مِنْ جارہ سببیہ سِحْرُ اسم مفرد جامد بمعنیٰ جادو هِمْ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق دوم ہے اَنَّ حرف مشبہ هَا ضمیر واحد مؤنث غائب برائے جمع غیر ذوی العقول

مرجع ہے حِبَالُ وَعِصِیُّ اسم ہے اَنَّ تَسْعٰی باب فَتَحَ کا مضارع معروف واحد مؤنث غائب برائے جمع غیر عقولی سَعْیٌ سے مشتق ہے لغوی ترجمہ ہے زور لگا کر کام کرنا خواہ جسم ظاہری سے یعنی بھاگنا دوڑنا اور بھاگ دوڑ کر کام کرنا خواہ قلبی زور لگانا یعنی سوچنا فکر کرنا کوشش کرنا۔ یہاں پہلے معنیٰ میں ہے۔ ھِیَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ خیالیہ اِنشائیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی یہ یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر نائب فاعل ہے یُخَیَّلُ مجہول کا ف سببیہ بمعنیٰ وجہ ہے۔ اَوْجَسَ باب افعال کا فعل ماضی مطلق واحد مذکر غائب وَجْسٌ سے مشتق ہے اس کا مصدر ہے اِیْجَاسٌ۔ بمعنیٰ محسوس کرنا۔ فِیْ جارّہ ظرفیہ نَفْسِ اسم مفرد جامد بمعنیٰ دل یا دماغ ذھن یہ جار مجرور متعلق ہے اَوْجَسَ کا ہٖ ضمیر کا مرجع موسیٰ ہیں خِیْفَةً۔ باب لَمَّا دَ کا اسم مصدر حاصل مصدر جامد بمعنیٰ قلب کی گھبراہٹ اندیشہ، فکر مندی پریشانی خوف سے بنا ہے آخر میں تَ تنکیری ہے جس کا معنیٰ ہے عام معمولی فکر و گھبراہٹ یہ مفعول بہ ہے مُوْسٰی فاعل ہے۔ اَوْجَسَ اپنے فاعل مفعول متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر مسبّب ہوا۔ یُخَیَّلُ اپنے دونوں متعلق نائب فاعل اور مسبّب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر مبتدا۔ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ قُلْنَا۔ فعل ماضی مطلق جمع متکلم فاعل رب تعالیٰ ہے یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ قول ہوا لَا تَخَفْ باب فَتَحَ کا فعل نہی واحد مذکر حاضر فاعل مخاطب موسیٰ ہیں۔ خَوْفٌ سے مشتق ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل کَ ضمیر واحد مذکر منصوب متصل مرجع حضرت موسیٰ اسم اِنَّ اَنْتَ ضمیر مبتدا اَلْاَعْلٰی اسم تفضیل واحد مذکر معرفہ خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی سب جملہ اسمیہ ہو کر علت ہے لَا تَخَفْ اپنے فاعل اور علت سے مل کر جملہ فعلیہ تعلیلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ واؤ عاطفہ اَلْقِ۔ باب افعال کا امر حاضر معروف مخاطب حضرت موسیٰ اِلْقَاءٌ مصدر ہے بمعنیٰ ڈالنا پھینکنا اَنْتَ پوشیدہ فاعل ہے مَا اسم موصول واحد کے لیے ہے فِیْ جارّہ ظرف مکانی کے لیے یَمِیْن داھنا ہاتھ مضاف ہے کَ ضمیر مجرور متصل مضاف الیہ یہ مرکب اضافی جار مجرور صلہ ہوا مَا کا۔ موصول صلہ مل کر مفعول بہ ہے اَلْقِ کا تَلْقَفْ۔ باب سَمِعَ کا فعل مضارع مستقبل واحد مؤنث غائب لَقْفٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ نگلنا خیال رہے کہ لَقْفٌ اور بَلْعٌ دونوں کا معنیٰ ہے نگلنا مگر فرق یہ ہے کہ تیزی سے نگلنا لَقْفٌ ہے اور ٹک ٹک کر نگلنا بَلْعٌ ہے ھِیَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے مرجع مَا فِیْ یَمِیْنِکَ ہے مَا اسم موصول صَنَعُوْا باب فَتَحَ کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب ھُمْ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل مرجع ہے قَالُوْا یٰمُوْسٰی کی ضمیر یعنی جادوگر لوگ۔ صُنْعٌ سے مشتق ہے معنیٰ ہے اپنے علم اور فن سے کوئی چیز بنانا یہ فعل فاعل جملہ

فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر مفعول بہ ہے تَلْقَفْ کا تَلْقَفْ بحالتِ جزم ہے اَلْقِ امر کی وجہ سے ایک قرأت میں یہ بابِ تفعل کا مضارع دراصل تھا تَتَلَقَّفُ۔ یہ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جوابِ امر ہوا۔ یا ظرف یا مسبّب ہے اَلْقِ کا یہ سب ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف ہوا لَا تَخَفْ کے جملے کا دونوں عطف مل کر مقولۂ اوّل ہوا قُلْنَا کا۔ اِنَّمَا۔ اسم حصریہ بمعنیٰ فقط صرف۔ مرکب ہے اِنَّ حرف مشبہ اور مَا کافّہ سے صَنَعُوْا۔ بابِ فتح کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر اس کا فاعل یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ خبر بہ ہو کر مبتدا ہے کَیْدُ اسم مفرد جامد حاصل مصدر بمعنیٰ مکاری دھوکہ بازی نظربندی مضاف ہے سِحْرٍ اس لفظ کی دو قرأتیں ہیں ۱۔ سَاحِرٍ یہی مشہور ہے ۲۔ سِحْرٍ اسم جامد حاصل مصدر بمعنیٰ جادو اس قول میں ذِیْ مضاف کو پوشیدہ ماننا پڑتا ہے یعنی ذِیْ سِحْرٍ اس لفظ مرکبِ اضافی خبر مبتدا۔ دونوں جملہ اسمیہ ہو کر ذوالحال ہوا۔ واؤ حالیہ لَا یُفْلِحُ بابِ افعال کا مضارع معروف منفی بلا واحد مذکر غائب السَّاحِرُ اسم فاعل مذکر بمعنیٰ جادوگر یہ فاعل ہے حَیْثُ اسم ظرفِ مکانی مبہم مبنی بر ضمہ یہ ظرفِ مقدم بھی ہوتا ہے اَتٰی بابِ ضرب ماضی مطلق معروف واحد مذکر غائب "اَتْیٌ" سے مشتق ہے ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل۔ اَتٰی فعل اپنے فاعل اور ظرفِ مقدم سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر حال ہوا۔ ذوالحال و حال مل کر مقولۂ دوم ہوا قُلْنَا کا سب مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى قَالَ بَلْ اَلْقُوْا

لہٰذا اے میرے جادوگرو آپس کا تنازع چھوڑو اور جس کام کے لیے تم کو اتنے عرصہ سے تیار کیا گیا بلایا سمجھایا گیا ہے۔ اس پر سب متفق اور جمع ہو جاؤ اور اپنے ان جادو کے تمام شعبدوں مکروں کو ایک دم چلا دو اور دلیری پکڑو ایک دم مضبوط صف باندھ کر آگے بڑھو تاکہ تمہاری بہادری صف بندی اور کارکردگی کی دھاک بیٹھ جائے۔ یہ میرا وعدہ ہے کہ آج یقیناً وہی میرے انعام اکرام مرتبے مقام اور قربِ منزلت کے حصول و مقصد میں کامیاب ہو گا جو تم میں سے غالب آئے گا۔ اور خوب کان کھول کر سن لو کہ ہماری عزت حکومت سلطنت کا فیصلہ بھی تمہارے ہی جیتنے پر ہے۔ تمہاری جیت ہماری جیت ہماری عزت ہے تمہاری شکست ہماری ذلت و شکست لہٰذا یہ وقت بد دلی دکھانے کا نہیں اگر تم نے آپس میں تنازع اختلاف شروع کر دیا تو پھر عوام کیا کہیں گے۔ فرعون کی یہ تقریر اور آہستہ گفتگو سن کر تمام جادوگر انعام و اجرت کی لالچ میں تیار ہوئے اور ایک صف باندھ کر ایک دم آگے بڑھ کر مقابلے کی جگہ میں

آ گئے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں بھی لائے کچھ خود اٹھائی ہوئی تھیں اور کچھ نوکروں شاگردوں نے صحیح یہی ہے کہ بہتر جادوگر تھے اور ہر ایک کے پاس بہتر بہتر ڈنڈے اور رسیاں تھیں۔ اگرچہ جادوگروں کی تعداد میں مفسرین کا اختلاف ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا روح المعانی نے فرمایا کہ نو سو جادوگر تھے تین سو فارس کے تین سو روم کے تین سو اسکندریہ سے وغیرہ وغیرہ اور ان کی بہتر صفیں بنی تھیں۔ مگر یہ قول درست نہیں کیونکہ آیت میں صفًا واحد ہے اگر زیادہ بنانی پڑتیں تو آیت میں ثُمَّ ائْتُوا صُفُوفًا ہوتا جمع سے۔ جب سب جادوگر میدان میں آ گئے تو قَالُوا سب کی نمائندگی کرتے ہوئے ایک بولا یا سب ایک دم بولے یا اُن میں سے فقط ایک بڑا استاد ہی بولا مگر ہاں میں ہاں سب نے ملائی اس لیے قَالُوا جمع ارشاد ہوا۔ یا ادب کی وجہ سے یا رُعب کی وجہ سے عرض کیا کہ اے موسیٰ چونکہ اب مقابلہ تیار ہے اور ہم میدان میں آ گئے اس لیے مقابلے کی ابتدا یا تو تمہاری طرف سے پہل ہو اور تم اپنی لاٹھی پھینکو یہ لاٹھی پھینکنا اگرچہ جادوگروں نے پہلے نہیں دیکھا تھا مگر اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ فرعون نے جادوگروں کو بتا دیا تھا کہ موسیٰ اپنا کرتب کس طرح دکھاتے ہیں۔ اس لیے کہا کہ یا تم پہلے پھینکو یا کہ ہم پہلے اپنی لاٹھیاں وغیرہ پھینکیں۔ اِلْقَاءٌ کا معنیٰ ہے زمین پر ایک دم ڈالنا۔ یہ سن کر حضرت موسیٰ نے فرمایا نہیں تم ہی پہلے پھینکو ایک قول ہے کہ جادوگروں کی بہتر صفیں بنی تھیں ہر صف میں ایک ہزار جادوگر تھے یہ قول ان کا ہے جنہوں نے کہا کہ جادوگروں کی تعداد بہتر ہزار تھی مگر یہ درست نہیں جیسا کہ اشارۃُ النص سے ایک صف ثابت ہے۔ صف بنانے کا حکم اس لیے دیا کہ لوگوں میں ہیبت زیادہ ہو۔ یہ فَاَجْمِعُوْا سے مَنِ اسْتَعْلٰى تک قول فرعون کے درباری لوگوں کا ہے یا جادوگروں کا اور کامیابی سے مراد فرعون کے وعدے کے مطابق نہ تھی انعام اکرام اور کرسی تقرب یا وزارت۔ مشاورت کا حصول ہے جو جادوگروں نے یہ کہہ کر مانگا تھا۔ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِیْنَ اور جواباً فرعون نے کہا تھا۔ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ۔ صحیح یہ ہے کہ فَاَجْمِعُوْا کی ساری عبارت فرعونی مبلغوں مقرروں نے کہی تھی۔ جو فرعون کی ترجمانی کر رہے تھے تو گویا یہ فرعون ہی کہہ رہا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ قَدْ اَفْلَحَ ہر ایک کے لیے کہا کہ اے ہمارے جادوگرو کوشش و ہمت کرو اس لیے کہ آج ہی بس آخری مہلت و وقت ہے اگر تم لوگ جیت گئے تو تم کامیاب اور ہمیشہ کے لیے موسیٰ ناکام اور اگر موسیٰ و ہارون جیت گئے تو وہ کامیاب اور ہم ہمیشہ کے لیے ناکام و شرمندہ

لفظ استعلیٰ عام ہے اس بات کو کہ دنیوی برتری ہو یا دینی ہو بہر حال یہ قول تحریض اور آمادہ کرنے کے لیے ہے۔ اَجْمِعُوا کا معنی عزم اور پختہ ارادہ فرعون نے جادو کو کیدکم تین وجہ سے کہا ۱ یہ جادو ہے اور جادو مکر و فریب کے لیے ہی کیا جاتا ہے ۲ جادو صرف تخیل اور شعبدے تماشے کا نام ہے حقیقت میں کچھ نہیں ہوتا ۳ اور جس کی حقیقت کچھ نہ ہو وہ کید ہی ہے اَجْمِعُوا کا حکم اس لیے ہے کہ تم جادوگر ایک جیسا جادو کرو کیونکہ یہ میدان تماشہ گاہ نہیں کہ یہاں جادو کی مختلف پھلجھڑیاں چھوڑی جائیں یہ مقابلہ گاہ ہے اور بتانا ثابت کرنا ہے کہ موسیٰ بھی جادوگر ہیں اس جیسا جادو کا کھیل دیگر جادوگر بھی کر سکتے ہیں یہی بات عوام کو سمجھانی ہے تاکہ موسیٰ اپنے منصوبے میں ناکام ہو جائیں اور ہماری بات لوگوں کے ذہن میں پختہ ہو جائے کہ اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ۔ اس ساری محنت کا جو ہمارا مقصد ہے وہ پورا ہو جائے گا بس سمجھ لو کہ یہ مقابلہ ہمارے لیے بہت اہم ہے اس کو جیتنے کے لیے تم جادوگر سب مل کر جتنا بھی زور لگا سکتے ہو آج لگا ڈالو اور ایک سحر عظیم دکھاؤ۔ فرعونیوں کی یہ تقریریں مکالمے سن کر۔ قَالُوا ایک زبان بولے یا سب کی طرف سے ایک بڑا نمائندہ بولا اور اجازت مانگی کہ اے موسیٰ تم اپنا کرتب پہلے ڈالو۔ دکھاؤ گے یا ہم کو اجازت ہے کہ ہم پہلے ڈالنے دکھانے والے ہو جائیں۔ جادوگروں کے اس قول کی تین وجہ پہلی یہ کہ جادوگروں نے اپنی علمی معلومات کی بنا پر اندازہ لگا لیا تھا کہ موسیٰ و ھٰرون کے چہروں کی نورانی وجاہت بتاتی ہے کہ یہ ضرور نبی ہیں۔ اس لیے احتراماً یہ اجازت طلب کی دوم یہ کہ یہ ادب موسیٰ علیہ السّلام کے قدرتی اور خداداد رعب کا اثر تھا اور بلند و بارعب خطاب مقدس کی ہیبت تھی جو ابھی کچھ دیر پہلے وَیْلَکُمْ لَا تَفْتَرُوْا سے کلام فرمایا۔ سوم یہ کہ دیکھنا چاہتے تھے کہ موسیٰ ہمارے مقابلے میں کس حد تک تیار ہیں اور تن تنہا یہ دونوں حضرات ہم سب اتنے بہت سوں کی یکبارگی صف بندی کے ساتھ آمد سے گھبرائے ہوئے ہیں یا مطمئن اور پرسکون ہیں ابھی تک جادوگروں نے صرف سنا ہی ہوا تھا۔ فرعون و فرعونیوں کی زبانی کہ حضرت موسیٰ لاٹھی پھینکتے ہیں تو وہ سانپ بن جاتا ہے۔ دیکھا نہیں تھا بہر کیف ادب کا پہلو غالب تھا کیونکہ اپنے اسرائیلی شاگردوں جادوگروں سے سن چکے تھے کہ جب موسیٰ سوتے ہیں تو ان کا وہ عصا ان کی حفاظت کرتا ہے۔ اس خبر سے بڑے جادوگروں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ جادوگر نہیں سوتے ہیں تو جادوگر کا جادو ختم ہو جاتا ہے اس بنا پر بھی یہ ادب کیا یہ اسی ادب نبوت کا صدقہ تھا کہ جب تعالیٰ کی طرف سے ان سب جادوگروں

کو عرفان ایمان اور نورِ قلبی کی نعمت عطا ہو گئی جو بعد میں چل کر عشق و محبت میں شکر ایمان صحابیت صداقت و شہادت کے زیوروں سے مزین کر دی گئی اس با ادب و احترام گفتگو کو سن کر یا جادوگروں کے منشاءِ قلبی کو سمجھ کر قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ بَلْ اَلْقُوْا۔ بلکہ تم ہی اپنے کرتب پہلے ڈالو اور اَلْقُوْا مَا اَنْتُمْ مُلْقُوْنَ۔ جو کچھ ڈالنا چاہتے ہو وہ پھینک ڈالو کچھ رہ نہ جائے دل کی حسرت باقی نہ رہے اِلقا کا معنیٰ ہے زمین پر کسی چیز کا زور سے ڈالنا اسی کو اردو لغت میں پھینکنا کہتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سات وجہ سے جادوگروں کو پہلے پھینکنے کی اجازت فرمائی ۱۔ چونکہ جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام کا ادب کیا تھا اس لیے جواباً موسیٰ علیہ السلام نے بھی با اخلاقِ حسنہ اور دلجوئی سے ان کے ساتھ کلام فرمایا یہی اخلاقِ نبوت ہے ۲۔ نبی کی نگاہ بڑی فہم و فراست والی دوررس ہوتی ہے۔ آپ نے بدیہی فوراً یہ جواب عطا فرمایا تاکہ سب لوگ دیکھ لیں کہ جادو کا پورا زور جو لگنا تھا لگ گیا حضرت موسیٰ کو تو لاٹھیاں رسیاں دیکھ کر ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ جادوگر آج کیا کریں گے ۳۔ پہلے ڈالنا فقط تماشہ و نظارہ ہی ہوتا۔ لیکن آپ کا بعد میں عصا ڈالنے کا مقصد یہ تھا کہ آپ کا یہ عمل شریف جادو توڑنے اور جادوگروں کافروں کو رسوا ذلیل کرنے کا ذریعہ بن جائے اس طرح یہ کام عبادت ریاضت تبلیغ رسالت دیدارِ معجزہ کفر توڑ۔ ایمان کے زور والا کام ہو جائے ۴۔ بَلْ اَلْقُوْا کے جواب سے جادوگروں کو پتہ لگ گیا کہ حضرت موسیٰ ہمارے کسی عمل دخل طور طریقے سے خوف زدہ نہیں۔ اُلٹا اُن جادوگروں پر اس رویّہ سے مزید رعب پڑ گیا ۵۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس لیے بعد میں ڈالنے کا ارادہ فرمایا تاکہ معجزہ کی قوت و شان ظاہر ہو صرف ایک نظارہ ہی نہ ہو۔ موسیٰ علیہ السلام کے پہلے ڈالنے سے یہ فوائد حاصل نہ ہوتے یہی وجہ ہے کہ جادوگروں کے اپنا کرتب پہلے ڈالنے سے تمام لوگوں کے سامنے جادوگروں کی پوری قوت طاقت زور جادوگری ظاہر ہو گئی اور سب کو علم ہو گیا کہ جادوگر بس یہی کچھ کر سکتے تھے جو کر دکھایا۔ یہی ان سب کی نظر میں ان کا اپنا سحرِ عظیم تھا ۶۔ اگر موسیٰ علیہ السلام پہلے اپنا عصا ڈال دیتے تو اس ہیبت ناک اژدہا سانپ کو دیکھ کر لوگ بھاگ جاتے اور جادوگروں کا کرتب دیکھنے کا موقعہ ملتا اور جادوگروں و فرعون کو بچنے کا بہانہ مل جاتا کہ ہم نے آج بہت کچھ دکھانا تھا کسی نے دیکھا ہی نہیں ۷۔ نیز عصا کی پوری اور اصلی معجزانہ عملی قوت بھی ظاہر نہ ہوتی کیونکہ اُس نے تو جادوگروں کے تمام جادو اور جادوگروں کے سب سامان کو ختم کر کے سب کو حیرت زدہ کرنا تھا۔ فَاِذَا حِبَالُھُمْ وَعِصِیُّھُمْ یُخَیَّلُ اِلَیْہِ مِنْ سِحْرِھِمْ اَنَّھَا تَسْعٰی۔ جب حضرت موسیٰ نے ان کو ڈالنے پھینکنے کی اجازت

دے دی تو فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ (شعراء آیت ۴۴) انہوں نے اپنے نوکروں مزدوروں شاگردوں کے ہاتھوں کندھوں سے ڈنڈے رسیاں زمین پر پھینک دیں۔ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ۔ (اعراف آیت ۱۱۶) پھر جب زمین پر پھینک دیں تب کچھ جنتر منتر پڑھ کر پھونک ماری جس سے عام لوگوں کی آنکھوں پر انہوں نے جادو کر دیا لوگ دہشت زدہ ہو گئے اور یہ کرتب وہ اپنے خیال میں بہت بڑا جادو لائے تھے اور اچانک ایک دم وہ سب ان کی لاٹھیاں ڈنڈے جادو کے زیر اثر آ گئیں موسیٰ علیہ السلام کو بھی یہ خیال لگنے لگا کہ وہ سب ڈنڈے رسیاں اِدھر اُدھر دوڑتی پھر رہی ہیں اس کرتب کو سب نے ہی دیکھا عام لوگوں کی نظر میں وہ چلتے پھرتے شکل صورت ناک نقشے میں جسماً ہر طرح سانپ لگتے تھے مگر موسیٰ و ہٰرون علیہما السلام کو وہ لاٹھیاں رسیاں ہی چلتی اور رینگتی نظر آئیں۔ اِسی فرق کو ثابت و واضح کرنے کے لیے ہی فرمایا کہ لوگوں کے لیے ان کا جنتر سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ۔ تھا۔ یعنی عوام کی نگاہوں پر پورا جادو ہو گیا لیکن موسیٰ علیہما السلام پر فقط یُخَیَّلُ اِلَیْہِ کا مظاہرہ ہوا۔ عوام پر ہیبت طاری ہو گئی کہ اتنے سانپ یہ تو ایک دم قابو بھی نہیں آ سکتے کہیں ہم کو کاٹ نہ لیں۔ مگر موسیٰ و ہٰرون کو فقط حیرت کہ یہ ڈنڈے رسیاں کیوں دوڑتی پھر رہی ہیں۔ اور حقیقتاً وہ رسیاں اور لاٹھیاں ہی تھیں نہ شکل و صورت بدلی نہ رنگ ڈھنگ نہ جسم موٹا چھوٹا یا دراز ہوا۔ عوام کو اگرچہ وہ سانپ نظر آتے تھے مگر اسی قد کاٹھ لمبائی موٹائی میں جتنی لمبی لاٹھیاں رسیاں تھیں چونکہ یہ سب کچھ جادو کا کھیل ہی تھا اس لیے نہ کسی کو کاٹ سکتی تھیں نہ کسی کا نقصان کر سکتی تھیں نہ کچھ کھا سکتی تھیں نہ نگل سکتی تھیں خیال رہے کہ جادو سے کسی کی حقیقت نہیں بدلتی صرف نظر کا دھوکہ ہوتا ہے۔ اسی لیے حقیقت والے کام نہیں کر سکتے۔ بعض نے فرمایا کہ یہ یُخَیَّلُ بھی صرف موسیٰ علیہ السلام پر طاری ہوا کیونکہ اصل مقابلہ انہی سے تھا ہٰرون علیہ السلام پر یہ تصور و تخیل بھی طاری نہ ہوا وہ خاموشی سے کھڑے رہے۔ اسی لیے یُخَیَّلُ اِلَیْہِ فرمایا گیا نہ کہ اِلَیْہِمَا۔ عوام کا تاثر تو ان کی ظاہری پریشانی دہشت زدگی سے ظاہر تھا مگر موسیٰ کا یہ تخیل بھی کسی پر ظاہر نہ ہوا۔ وہ اَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً ہی رہا اور یہ تخیل بھی صرف اِس حیرانی تک تھا کہ یہ لاٹھیاں رسیاں کس طرح دوڑتی پھر رہی ہیں نہ ان میں روح نہ شکل نہ آنکھ ناک کان بعض کا قول ہے کہ جادوگروں نے اپنی لاٹھیوں رسیوں پر زیبق کی گوند لگائی ہوئی تھی جس کی وجہ سے جب ان کو دھوپ لگی اور ہوا بھری تو وہ

پھیر گئے اور حرکت کرنے لگیں۔ مگر یہ قول درست نہیں چار وجہ سے ایک یہ کہ گوند کا اثر رسی پر تو ہو سکتا ہے لکڑی پر نہیں ہو سکتا دوم یہ کہ گوند سے اُلٹی سیدھی لوٹ پوٹ حرکت تو ہو سکتی ہے مگر دوڑ پیدا نہیں ہو سکتی جس کو قرآن مجید میں تَسْعٰی فرمایا گیا۔ سوم یہ کہ پھر یہ کام تو ہر شخص کر سکتا ہے۔ اتنے بڑے بڑے جادوگروں کو منگوانے کی کیا ضرورت تھی چہارم یہ کہ گوند لگی ہو تو اس کا رنگ اس کی چمک دور سے ہر شخص کو نظر آجاتی ہے کہ یہ کچھ لگا ہوا ہے۔ صحیح یہی ہے کہ جادوگروں نے اپنا جادو مکمل کیا تھا اسی لیے اس کو سحر عظیم کہا گیا اور اس کا اثر تمام عوام کے دل دماغ آنکھوں پر ہوا جس کی وجہ سے ان کو مکمل شکلاً عقوداً اجماً ہر طرح وہ سانپ دکھائی دیئے موسیٰ علیہ السلام کو مثل خواب وہ دوڑتی ہوئی خیال دیں یہ نظارہ تخیل بھی جادو ہی کا ہلکا سا اثر تھا لیکن جب موسیٰ علیہ السلام نے تمام لوگوں اور خود فرعون کو گھبراتے پریشان ہوتے چھٹنے بچنے سانپ سانپ کہتے سنا اور دیکھا تب فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی۔ یہ حالات دیکھ کر آپ کے دل میں اندیشہ گزرا ہلکے خوف و پریشانی کا خیفۃً کی تنوین (دوز بریں) تقلیلی ہے یعنی تھوڑا سا خوف۔ ایک قول میں یہ تنوین تعظیمی ہے یعنی بڑی فکر ہوئی یا اس لیے کہ مجھے وحی کا انتظار ہے اگر وحی میں دیرلگی اور لوگ انہی تخیلاتی بے حقیقت سانپوں کے ڈر سے بھاگ گئے تو مقصد تبلیغ فوت ہو جائے گا لوگ معجزہ نہ دیکھ سکیں گے اور اس مقابلہ کو محض کھیل تماشہ سمجھ کر بے دین ہی رہیں گے یا اس لیے کہ اگر میں نے عصا ڈالا تو وہ بھی ایک سانپ ہی بن کر ان میں دوڑتا پھرے گا ایک سانپ کا ہی اضافہ ہوگا ہار جیت کسی کی نہ ہوگی کوئی فیصلہ نہ ہو سکے گا لوگ مزید اُلجھن اور فتنے میں پڑ جائیں گے۔ عوام کی نظر میں ہم سب برابر ٹھہریں گے حق و باطل کا فرق عوام کو کیسے معلوم ہوگا۔ یا اس لیے کہ یہ چونکہ سب کرتب ایک ہی ہوگا اگر میرے عصا نے ان کا جادو ختم بھی کر دیا اور ان کی لاٹھیاں رسیاں اسی طرح پڑی رہیں اور جادوگر سے کر چلے گئے تو لوگ سمجھ لیں گے جادوگروں نے خود یہ کھیل ختم کیا ہے اور فرعون کسی طرح پھر مقابلہ کرائے گا یا انکار کا بہانہ ڈھونڈے گا اور دوسرا مجمع لگائے گا بعض حمقا نے کہا کہ موسیٰ اپنی شکست کے خوف اور سانپوں سے ڈر گئے تھے اور سمجھ رہے تھے کہ شاید یہ سب سانپ ان کی طرف بڑھتے آرہے ہیں مگر یہ سب خبیثانہ جاہلانہ گستاخی ہے ایسے لوگوں کو معلوم ہی نہیں کہ نبی کی شان و قوت کیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوت کا تو یہ عالم ہے کہ عزرائیل علیہ السلام کو تھپڑ مار دیں تو اُن کی آنکھ نکل جائے۔ نبی کی تو انسانیت و آدمیت

بھی بے مثل ہے انبیاء کو عام انسانوں کی مثل سمجھنا ہی ابلیسیت ہے۔ صحیح ایمانی قول یہی ہے کہ یہ خوف یا استرھاب نہیں تھا بلکہ ایک اندیشے کی پریشانی تھی اور اس پریشانی کا فائدہ یہ ہوا کہ توجہ الی اللہ ہوئی اور فوراً وحی آ گئی عرض کی مولیٰ تعالیٰ اس پریشانی کا حل کیا ہے۔ وحی آئی۔ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعْلٰی وَاَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِکَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا اِنَّمَا صَنَعُوْا کَیْدُ سٰحِرٍ وَلَا یُفْلِحُ السَّاحِرُ حَیْثُ اَتٰی۔ ہم نے فرمایا اپنے کلیم سے بغیر واسطہ وحی کلامی کے ذریعہ کہ پریشان فکر مند مت ہو اِن کی تعداد اور لا تعداد رسیوں لاٹھیوں کے اس طرح جادوئی اثر میں آنے سے بے شک آج تم ہی اِن تمام میں سر بلند اور غالب و کامیاب سرخرو عزت و شان و قوت والے ہو گے۔ اور اب مزید انتظار نہ کرو بلکہ اپنے مبارک داہنے ہاتھ میں جو ہے وہ زمین پر ڈال دو جس کو یہ کفار اور جادوگر لوگ ایک معمولی لکڑی اور واحد چیز سمجھ رہے ہیں آج سب کو معلوم ہو گا کہ یہ کتنی عظیم چیز ہے یہ اکیلی ہی سب کو تقسیم کر دے گی سب دیکھیں گے کہ یہ اکیلی لکڑی میدان میں ہر اس چیز کو کھا نگل جائے گی جو جادوگروں نے سحر عظیم کر کے پھینکی ہوئی ہیں اور جس سے عوام و خواص حیرت اور دہشت میں ہیں۔ اے موسیٰ علیہ السلام تم تو جانتے ہی ہو کہ جادوگروں کا تمام کام کچھ بھی ہو کہیں بھی ہو صرف دھوکہ فریب اور مکر نا تمام ہی ہوتا ہے لہٰذا کوئی جادوگر کسی قسم کا جادو کرتا ہوا کہیں سے بڑھ چڑھ کر آ جائے کتنی وحشت و دھشت پھیلائے کیا کچھ مکر و فسوں کرے بیماری لگائے جدائیاں ڈلوائے لڑائیاں کروائے اللہ والوں روحانی علم والوں کے مقابل کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ آخرت کی تو بربادی تباہی کر ہی لیتا ہے دنیا میں بھی ذلیل و خوار غریب و فقیر اور بھکاری ہی رہتا ہے نہ کسی اللہ والے پر غلبہ پا سکے نہ دھوکہ دے سکے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو دو طرح تسلی عطا فرمائی پہلے اجمالاً کہ فرمایا لَا تَخَفْ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعْلٰی۔ اس میں چار طرح تسلی اور مبالغہ ہے ۱ اِنَّ نے ۲ اِنَّ ضمیر کی اَنْتَ سے تاکید کر کے ۳ اَلْاَعْلٰی میں معرفہ کا الف لام لگا کر ۴ اور لفظ اَعْلٰی۔ سے خیال رہے کہ کامیابی کی دو قسمیں ہیں اور چار نوعیتیں ہیں پہلی کامیابی دینی کہ ۱ بقا ہو فنا کے بغیر ۲ غنی ہو فقیری غریبی کے بغیر ۳ عزت ہو ذلت کے بغیر ۴ علم ہو بغیر جہالت دوسری قسم کی کامیابی دنیوی اس کی بھی چار

نعمتیں ہیں بقا مع الفناء ۲ غنی مع الفقیری ۳ عزت مع الذلت ۴ علم مع الجہل۔ دنیوی نعمتوں کے ساتھ اس کا عکس بھی ملتا ہے کہ آج باقی کل فانی (زندہ پھر مردہ) آج غنی دولت مند کل غریب فقیر آج عزت والا کل ذلیل آج علم والا کل جاہل مگر اخروی دینی نعمتوں میں یہ نہیں ہوتا پس دنیا والوں کی فلاح مثل لا فلاح ہے سحر کا لغوی معنیٰ ہے ہر لطیف رقیق و نیلی شے اس معنیٰ میں علی الصبح کو سحر کہتے ہیں اصطلاحاً ہر وہ چیز جو دل دماغ صحت پر قبضہ کر لے اسی لیے حدیث پاک میں فن تقریر کو سحر فرمایا گیا ہے جادوگروں کے اس کرتب کو سحر کہا گیا ہے کہ اس نے بھی چند منٹ کے لیے لوگوں کے دل دماغ اور نظر پر قبضہ کر لیا اس لیے جب موسیٰ علیہ السلام کو لاٹھی ڈالنے کا حکم ہوا تو آپ نے اپنا عصا پھینک دیا بس پھر کیا تھا وہ اتنا بڑا پہاڑ برابر اژدھا سانپ بنا کہ اس سے پہلے نہ بنا تھا جب منہ کھولتا تھا تو دونوں جبڑوں کا فاصلہ اسی گز ہوتا تھا۔ اس سانپ نے جادوگروں کی ہر چیز کو کھانا شروع کر دیا اور تمام ڈنڈے رستے نگل گیا پھر لوگوں کی طرف ان کو کھانے کے لیے بڑھا لوگ ڈر کر بھاگے اس بھگدڑ میں تقریباً پچیس ہزار کا فر مارے گئے پھر وہ اژدہا سانپ فرعون کے خیمے کی طرف بڑھا تاکہ مع خیمہ فرعون کو کھا جائے فرعون ڈر کر چیخا اور پکارتا ہوا خیمہ سے نکل کر بھاگا کہ اے موسیٰ اپنے سانپ کو اللہ واسطے روک سے تب موسیٰ علیہ السلام نے عصا کو پکڑ لیا وہ بالکل ویسی ہی لاٹھی تھی اس عصا کے سانپ نے کسی انسان کو نہیں کھایا۔ اس لیے کہ صرف ڈرانا مقصود تھا اور ڈرا کر فرعونی ربوبیت والہیت کے دعوے کا غرور توڑنا تھا۔ لوگ تو چیخ پکار اور بدحواس ہو کر بھگدڑ میں مصروف مگر جادوگر یہ دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہے تھے کہ ہماری لاٹھیاں رسیاں کہاں گئیں۔ عصا تو پھر ویسی پتلی سی لکڑی ہے نہ بڑھی نہ موٹی ہوئی نہ لمبی (از روح البیان روح المعانی تفسیر کبیر امام رازی صاوی مظہری وغیرہ)۔ یہاں ایک اردو مفسر لکھتے ہیں کہ اعصا نے کھایا کچھ نہیں تھا بلکہ جس لکڑی کے ساتھ لگتا تھا وہ لکڑی جادو کے اثر سے نکل جاتی تھی اور پڑی رہ جاتی تھی اور وہ لوگوں کو اسی طرح لکڑی ہی پڑی نظر آتی تھی مگر یہ جاہلانہ بات ہے اگر یہ بات ہوتی تو جادوگر بھی اور فرعون بھی کہہ سکتے تھے کہ ہم نے خود ہی جادو ختم کیا ہے۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ جادو کا علم ایک تسلیم و مشاہدہ کی حقیقت ہے جادو کے اثرات واقعی ہیں احادیث میں بھی اس کا تذکرہ آیا ہے چنانچہ ارشاد نبوی ہے اُسْتَخْرِجَ وَ اُنْعِتْ حق ۲ جادو چھ قسم

کے دنیا میں مشہور ہیں (۱) طلسم اس میں اشیاء کو متغیر کیا جاتا ہے فرعونی جادوگروں نے اسی قسم کا جادو دکھایا تھا (۲) نیرنگ تخیل پر اثر ڈالنا (۳) رقیہ۔ جنتر منتر کفریہ شرکیہ جناتی خبیثہ الفاظ پڑھ کر عجیب وغریب کام کرتے سفلی عمل و تعویذ بنانے (۴) افسون پانی پر عمل کرتا پانی کو خون کا رنگ بنا کر گھروں میں غیبی چھینٹے مارنے یہ لفظ آب سون سے مبدل ہے (۵) خلقطیرات، لکیریں لکھ کر جادو کرنا کاغذ یا جانور کی ہڈی یا مردے کی کھال پٹھے پر (۶) شعبدہ بازی مداری سے تماشے دکھلانے جادو کے نقصانات واثرات (۱) دھوکہ دینا (۲) بیماری ڈالنا (۳) دشمنی وجدائی ڈالنا (۴) بیہوش کرنا (۵) حیران کرنا۔ جو کام جادوگر کرسکتا ہے وہ کام کوئی عام آدمی یا دو سے ناواقف نہیں کرسکتا جادو کرنے کے لیے پانچ طریقے ہیں (۱) منتر پڑھ کر (۲) لکھ کر (۳) گانٹھیں مار کر (۴) کیلیں ٹھونک کر (۵) خون یا پانی کی چھینٹیں مار کر۔ جادو کا شرعی حکم یہ کہ ہر قسم کا جادو کفر ہے کرنے والے سیکھنے سکھانے والا کافر ہے۔ جادو سیکھنا عمر برباد کرتا ہے۔ جادو سے کسی کا بھلا نہیں کیا جاسکتا یہ فائدہ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ اور لَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ خوش بخت وہ انسان ہے جس کو رب تعالیٰ نور قلبی عطا فرمائے جس کو یہ روشنی ملتی ہے وہ ہر چیز کو نور ایمانی سے دیکھتا ہے اور حقیقت پہچان لیتا ہے ہدایت پالیتا ہے اگر یہ نور نہ ملے تو کچھ بھی کوئی دیکھے ہدایت نہیں ملتی یہ فائدہ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا سے حاصل ہوا کہ جب جادوگروں نے عصاء موسیٰ کو سانپ بن کر نگلتے ہوئے نور قلبی سے دیکھا تو حقیقت سمجھ لی یہی کچھ فرعون وغیرہ نے دیکھا مگر نور معرفت سے نہیں اس لیے ہدایت نہ ملی چار وجہ سے جادوگروں نے عصا کو یقین سے معجزہ مانا۔ ایک یہ کہ جادو محض حیلہ دھوکہ ہوتا ہے۔ عصاء موسیٰ کا اتنی تیزی سے چلنا بھاگنا چلنے سے نہیں ہوسکتا۔ جادو کا سانپ اپنے اصلی جسم سے زیادہ لمبا موٹا نہیں ہوسکتا دوم یہ کہ عصاء موسیٰ ایک پتلی لمبی لکڑی ایک دم پہاڑ جیسا اژدھا بن گیا یہ جادو نہیں بنا سکتا سوم یہ کہ اس عصا میں پیٹ منہ ناک کان، آنکھیں جبڑے منہ دانت کھانے نگلنے کی طاقت جادو سے نہیں آسکتی ہمارے سانپ تو پھنکار بھی نہیں سکتے تھے نہ کسی کو ڈنگ مار سکتے تھے چہارم یہ کہ عصاء موسیٰ کا سانپ ہزار من کی چیزیں کھا گیا پنجم یہ کہ پکڑنے پر وہ پھر اسی سائز کی لاٹھی ان وجوہ سے جان لیا کہ نبوت کا معجزہ اور قدرت کا شاہکار ہے۔ تیسرا فائدہ اللہ کے مقبول بندوں کا ادب کرنا بہت بڑی فائدہ مند عادت ہے اس کے ہمیشہ فائدے ہی ہوتے ہیں نقصان کبھی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ بندے کا بڑے سے بڑا گناہ بلکہ کفر شرک بھی ادب کے صدقے میں ختم فرما دیتا ہے اور توبہ و ایمان کی توفیق وہدایت مل جاتی ہے

یہ فائدہ۔ قَالُوْا یٰمُوْسٰی اِمَّآ اَنْ تُلْقِیَ (الخ) کے باادب جملے سے حاصل ہوا کہ جادوگروں نے ذرا سا
ادب کیا تو آگے چل کر ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمتیں برکتیں ہدایت ایمان صحابیت صبر شکر
شہادت کی دولتیں مل گئیں یہ نعمتیں بے ادب کو نہیں مل سکتیں بلکہ گستاخ بے باک بے ادب
کے موجودہ ایمان کا بھی خطرہ ہے۔

احکام القرآن

ان آیت پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ جب
کوئی کافر کسی مسلمان سے ادب سے پیش آئے تو اخلاقِ اسلامی ظاہر کرنے
کے لیے مسلمان کو بھی چاہیئے کہ جواباً اس وقت اس کافر کی دل جوئی کرتے ہوئے ادب ولحاظ
کا مظاہرہ کرے یہ شرعاً جائز۔ لیکن اس کے علاوہ کافر تو درکنار فاسق معلن کا بھی ادب احترام
جائز نہیں بلکہ اُس کی اھانت واجب ہے۔ یہ مسئلہ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا کی ایک تفسیر سے مستنبط ہوا
دوسرا مسئلہ ہر مسلمان کو چاہیئے کہ ہر اچھا کام ہمیشہ سیدھے داھنیں ہاتھ سے کیا کریں کہ
یہی اللہ تعالیٰ کو پسندیدہ اور انبیا کی سنت اور پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم استحبابی
وعملِ مؤکدہ ہے یہ مسئلہ اَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِکَ۔ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ اَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِکَ فرمانے سے
تین باتیں ظاہر ہوئیں (۱) حضرتِ موسیٰ عصا کو ہمیشہ اپنے دستِ یمین میں رکھتے تھے۔
اَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِکَ سے مراد آپ کا عصا شریف ہے چنانچہ سورۃ اعراف آیت ۱۱۷ میں
اس کی وضاحت بھی فرما دی کہ۔ اَلْقِ عَصَاکَ اس سے پہلے مَا تِلْکَ بِیَمِیْنِکَ یٰمُوْسٰی فرمانے
سے بھی یہی ثابت ہو رہا ہے (۲) داھنا ہاتھ برکت والا ہوتا ہے اس ہاتھ میں برکت وعظمت
ہوتی ہے اسی لیے اس کو یمین کہتے ہیں (۳) یہ عصا مقدس خود بھی برکتوں عظمتوں والا کہ ایک
چھوٹی سی چیز مگر اس میں ہزاروں قدرتیں طاقتیں عظمتیں ہیں۔ تیسرا مسئلہ شروع سے ہر شریعت
میں جادوگری کفر اور جادوگر کافر ہے اگر مسلمان حکومت کے گرفتار کرنے سے پہلے خود ہی بخوشی
اصلاحی توبہ کرے تو عدالتِ اسلامی میں قبول ہے اگر گرفتاری کے بعد توبہ کرتا ہے تو قبول
نہیں کہ یہ اُس کا ایک مکر فریب ہے فسادی اور مُہلک جادوگر کو عدالتِ اسلامیہ قتل کرے
گی جادوگر مرد ہو یا عورت لیکن صرف کفر پھیلانے والے مرد جادوگر کو قتل کیا جائے گا یعنی
بذریعہ جادو کے متاثر کر کے کافر بنانے والے کو قتل کیا جائے جادوگرنی عورت کو قتل نہ
کیا جائے گا جیسا کہ ترمذی شریف نے عن ابن ابی حاتم حدیثِ مقدس روایت فرمائی۔ ہر کافر
کی توبہ عِنْدَ اللہ قبول ہے سوائے تین قسم کے کافروں کے۔ ایک گستاخِ انبیا علیہم السلام

کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہوتی دوم خلفاءِ اربعہ میں کسی کو گالی گستاخی کرنے والا سوم جادوگر کی گرفتاری کے ڈر سے توبہ کرنا عند اللہ بھی قبول نہیں۔ چہارم زندیق کی توبہ بھی قبول نہیں ہوتی زندیق کا دوسرا نام دہریہ ہے جو اللہ رسول خالق صانع شریعت دین ایمان جنت دوزخ قیامت اور حلال حرام کا منکر ہو یہ سب مسائل۔ لَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتَىٰ۔ فرمانے سے مستنبط ہوئے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ جب جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ ہم پہلے پھینکیں یا تم پہلے پھینکو گے تو موسیٰ علیہ السلام نے ان کو پہلے پھینکنے کی اجازت دی حالانکہ یہ اجازت دینا درست نہ تھا کیونکہ ان کا کام جادو ڈالنا تھا اور جادو کفر و حرام ہے نیز جادوگر یہ کرتب حضرت موسیٰ کو شکست دینے مقابلہ کرنے اور حق کی تکذیب کے لیے دکھانا چاہتے تھے یہ بھی کفر اور حرام تھا تو اننے کفر و حرام کی اجازت کیوں دی برے کام کی اجازت بھی بری ہوتی ہے جواب۔ تفسیر کبیر میں امام رازی نے جواب دیا کہ یہ اجازت نہیں تھی بلکہ اتمامِ حجت تھی جو کہ چند وجوہ سے ضروری تبلیغ ایمانی کے لیے مفید تھی ۱۔ اس اجازت سے آپ نے اپنی استغناء بے رغبتی ظاہر فرمائی کہ مجھے تمہارے کسی کام سے کوئی گھبراہٹ نہیں تم کرو جو کرنا چاہتے ہو ۲۔ پہلے پھینکنے کی اجازت سے کفر یہ جادو اور معجزے میں فرق بتانا تھا ۳۔ فقط اِلقا کفر نہ تھا کفر تو ان کا جادو کرنا جادو پڑھنا تھا اور آپ نے پڑھنے کی اجازت نہیں فقط پھینکنے زمین پر ڈالنے کی اجازت دی تھی ۴۔ کفر ان کا ارادہ تھا جو ان کے دل میں تھا موسیٰ علیہ السلام نے عوام و خواص کے سامنے حق ظاہر کرنے کے لیے اجازت دی تھی ۵۔ یہ اجازت بھی مطلقاً نہ تھی بلکہ مشروط تھی کہ أَلْقُوا مَا أَنتُم مُّلْقُونَ۔ اگر تم سچے ہو تو آج جو تم ڈال سکتے ہو ڈال دو اور یہ پھینکنا معجزے کی صداقت کی دلیل تھی اگر وہ پہلے نہ پھینکتے تو معجزے کی قوت کا پتہ نہ چلتا گویا یہ وہ باطل تھا جو اظہارِ شانِ حق کا ذریعہ تھا اس لیے یہ اجازت ہر طرح جائز تھی ۶۔ یہ اجازت بطورِ امر نہ تھی بلکہ بطورِ تنبیہ تھی کہ تم فرعون کے مجبور کرنے سے یہ جادو کرتے آئے ہو مگر میں نے تم کو پہلے بتا دیا کہ وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ تم اب بھی اپنا جادو ڈالنے کو اپنا حق یا اپنی مجبوری سمجھتے ہو تو ڈالو۔ میری طرف سے کوئی رکاوٹ نہیں دوسرا اعتراض موسیٰ علیہ السلام کو نہ چاہیے تھا کہ پہلے جادوگروں کو جادو کرنے کی اجازت دیتے اس طرح سے بہت سوں کے گمراہ رہنے کا احتمال ہو سکتا تھا کہ جادوگروں کے سانپ دیکھ کر ڈر کر بھاگ گئے ہوں یا یہ سمجھ کر کہ بس اب بھی کچھ ہونا ہے چلو اب کیا دیکھنا۔ تو وہ لوگ تو کفر پر ہی رہے

یہ اجازت ان کے کفر پر رہنے کی سبب بن گئی۔ جواب یہ اجازت تین وجہ سے عین درست اور ضروری تھی اگر اجازت نہ دیتے تو برا ہوتا۔ پہلی یہ کہ اس مقابلے کا سب کو پتہ تھا کہ حق و باطل کا مقابلہ ہے کوئی بھی بغیر دیکھے نہ جانا اور نہ کوئی گیا۔ فطرتی طور پر لوگ مقابلے کے شائقین ہوتے ہیں دوم یہ کہ انبیاء کرام علیہم السّلام پر تبلیغ دین فرض ہے وہ آپ نے آتے ہی وَیْلَکُمْ فرما کر کر دی سب نے سن لی اب اگر کوئی جاتا ہے کفر پر قائم رہتا ہے تو اس کی مرضی سوم یہ کہ اگر اجازت نہ دیتے اور پہلے خود پھینکتے تو گویا اب دعوت دیتا ہے کہ لو اب تم اپنا کفر ڈالو دکھاؤ اور حق سے مقابلہ کرو یہ بات اچھی نہ تھی اس لیے آپ نے پہلے نہ پھینکا ان کو کہا کہ تم پہلے ڈالو تاکہ حضرت موسیٰ کا بعد میں ڈالنا جادو کو ختم کرنے کا ارادہ بن جائے اور یہ کام عبادت میں شمار ہو۔ تیسرا اعتراض۔ حضرت موسیٰ کو رب نے اتنی تسلیاں دیں کہ ان کو عصا دیا ید بیضا دیا اِصْطَنَعْتُكَ کا انعام دیا ھٰرون جیسا وزیر و مشیر دیا معجزات کی قوتیں اور حجتیں دیں شرح صدر دیا بار بار ہر طرح ہر قلبی قوت و تشفی دی پھر بھی یہاں موسیٰ جادو کے سانپ دیکھ کر ڈر گئے اس کی کیا وجہ؟ جواب۔ اس کی وضاحت تفسیر عالمانہ میں کر دی گئی ہے کہ یہ خوف بزدلی اور ضعف قلبی کا نہ تھا نہ اپنی ذات کے لیے تھا بلکہ قوم کی گمراہی اور مزید فتنے کا اندیشہ تھا کہ وہ نہ پھسل جائے جادو اور معجزے میں مشابہت کی بنا پر حق و باطل کا فرق نہ سمجھ سکیں گے فرعون بھی شکست نہ مانے گا۔ نیز یہ پریشانی ذریعہ بن گیا توجہ الی اللہ اور وحی کے انتظار کا اور اس کی وجہ سے اس میدان میں ہمکلامی رب کا شرف حاصل ہو گیا غرضکہ یہ خِیْفَةً عبادتِ الٰہی بن گیا۔

تفسیر صوفیانہ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ۔ پس جمع کر لاؤ اے اہلِ نفس اپنی شیطنیت کے جال کو پھر یکبارگی میدانِ قباحت میں بکھیر دو اپنی طغیانیت ابلیست کو شہواتی لذتوں کی رسیاں اور فتن کی خوش نما لکڑیوں کو۔ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا۔ تمام شیطانی قوتیں صف بندی سے اجتماعِ شیطانی سے آئیں قَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى۔ عام دنیا میں قوتِ شیطانی کو چند منٹ کے شور و غل کی بنا پر کامیاب سمجھ لیا جاتا ہے۔ جس طرح الیوم یعنی آج تماشۂ حال ہے اس کی بقا بہت ہی تھوڑی اسی طرح باطل کی کامیابی مثلِ الیوم بہت تھوڑی چند لمحوں کی ہے۔ تینوں زمانوں پر تو صرف حق ہی کا ظہور و غلبہ ہے باطل الیوم کی سربلندی اور فتح بد ہی مردود ہے۔ اور چاہتا ہے کہ اسی دنیا میں ہر کامیابی نصیب ہو جائے مگر نہیں ہو پاتا۔ قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى۔ نفس کے مجبور د

ومقہور کرنے کے باوجود زندہ ضمیر میں ایمانیات قائم رکھتی ہیں اُن ہی زندہ ضمیروں نے قلبِ موسیٰ سے بزبانِ حال عرض کیا آج تیرا حکم چلے گا ہم کو فرمایہ کہ اعضاءِ رئیسہ کے فریبِ عجیبہ مخفیہ ہم پہلے دکھائیں یا اے قلبِ مسعود تو اپنا شعورِ اسراری پہلے ظاہر کرے گا صوفیا فرماتے ہیں کہ جب بندہ حدِ بلوغت کو پہنچتا ہے تو خصائلِ شیطانیہ پہلے ظاہر ہوتے ہیں اسی لیے بچوں کا میلانِ طبیعت کھیل کود کھلونوں کی طرف زیادہ راغب ہوتا ہے پھر جتنا جتنا اہلِ عقل اور اہلِ دل کی قربتیں محفلیں میسر آتی ہیں اور وہ قلب کی جبران کُن شعوریاتِ انوار کو دیکھتے ہیں لہویات کا ذوق ختم ہوتا جاتا ہے خواہشات نگل لی جاتی ہیں اور بندہ بندہ بن جاتا ہے بندگی کے سجدوں میں گرادیا جاتا ہے ۔ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا نفوسِ قدسیہ عرفانیہ کی طرف سے اہلِ خصائل کو مہلت ملتی ہے یہ مہلت حقیقتاً وصلِ منزل کی شہادت ہے کیونکہ یہ موت ہی ظہورِ اسرار کا دروازہ ہے فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَ عِصِیُّهُمْ یُخَیَّلُ اِلَیْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ۔ دنیا کی ہر چیز مثل عِصِیُّهُمْ وحِبَالُهُمْ ہے نفسیاتِ بدنی کی تمام قوتیں تخیلاتِ باطل اور تصوراتِ وھمیہ کی بنیاد پر ہیں ۔ ترکیبِ بلاغتِ تقریرِ مغالطہ روشِ خبیثہ تشکلِ ترتیب قیاسِ جدل کی لاٹھیاں فتن کی رسیاں ان خبثاءِ باطن نے اتنا شورِ فساد مچایا گویا بھاگ دوڑ میں ہیں جس سے اعضاءِ ظاہری وباطنی ہراساں ہیں ۔ فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰى ۔ ان علیہ حمقاء و جہال اور فتنہٴ ضلال کی وجہ سے قلب اپنی خلوت گاہِ ذکرِ الٰہی توجہِ کبریائی میں بھی پریشان ہو گیا مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام خوف زدہ نہیں ہوئے تھے بلکہ گمراہی کے فتنے میں لوگوں کے پڑجانے کی فکر سے پریشان ہوئے تھے اسی طرح قلبِ مزکیٰ مومن کسی کی کسی بھی شرارت سے خوف زدہ نہیں ہوتا بلکہ لواحقینِ جسمانی کو بچانے کی فکر میں جہالتِ نفسانی کی طرف سے پریشان ہو جاتا ہے ۔ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ۔ الہاماتِ سرمدی سے تائیدِ ربانی ہوتی ہے ہم نے روح القدس لاھوتی اور شجاعتِ جبروتی سے بھی تیری مدد فرمائی اس لیے اندیشہ نہ کر تجھ کو ہی عالمِ دہر میں سربلندی نامزدگی ہے وَ اَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ۔ اے قلبِ مزکیٰ سینہٴ دہر کے میدانِ صباحت میں وہ تمام منکشفاتِ قدس کی شعاعیں ڈال دے جو تیرے یمینِ روحی میں ضبط ومحفوظ ہیں نورِ حق کی ضیائیں اہلِ نفس کے تمام شبہاتِ وھمیات کو حجتِ نیرہ اور براھینِ واضحہ سے نگل جائیں گی ۔ اور نابود کر دیں گی ۔ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَیْدُ سٰحِرٍ وَ لَا یُفْلِحُ السّٰحِرُ حَیْثُ اَتٰى نفسیاتِ باطنی نے میدانِ قباحت میں جو کچھ فساد پھیلایا وہ سب سحرِ عنکبوتی کا جالِ تزویر ہے

اور مکر پھیلانے والے کبھی کامیاب نہیں خواہ کہیں سے کسی وقت کسی طرح نمودار ہو کیونکہ باطل کا صرف شور ہوتا ہے مگر حق کا زور ہوتا ہے۔ شور کو فنا۔ زور کو بقا۔ شور میں تھکاوٹ زور میں لگاوٹ ہے شور نیچے گرتا ہے زور کو بلندی ہے صوفیا فرماتے ہیں کہ وہ چیزیں جن سے شریعت نے منع فرمایا جادو وغیرہ وہ دنیا سے قریب کرتے ہیں مگر اللہ سے دور۔ دنیا جمع کرنا فانی کامیابی تو ہے مگر صرف چڑھتی زندگی میں اَلْیَوْمَ چڑھتی زندگی ہے اور یَوْمَ غَدٍ ڈھلتی زندگی ہے اِسْتَعْلٰی اس کو ملا جس کو رفعت ملی جس نے شرعی ممنوعہ کام سیکھے اُس نے عمر بھر برباد کی اُس کو فلاح نہ ملے گی بجز افسوس کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ نفس امارہ اہل دل کا دشمن مکار ہے وہ چاہتا اور اپنے اہل کو بتاتا ہے کہ حیلہ سازی تقیہ بازی کی کوشش کرتا کہ اہل حق کا نور بجھ جائے لیکن لَا یُفْلِحُ السَّاحِرُ مکار کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اہل باطل مثل خاک ہیں وہ کبھی فلاح آسمانی نہیں پا سکتے اور اہل حق مثل شمس استعلائی ہیں وہ کبھی سرنگوں نہیں ہوسکتے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ

پس گرادیئے گئے تمام جادوگر سجدے میں کہنے لگے کہ ہم ایمان لائے

تو سب جادوگر سجدے میں گرائے گئے بولے ہم اس پر ایمان لائے جو

هٰرُوْنَ وَمُوْسٰی ۝۷۰ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ

ہارون اور موسیٰ کے رب پر ۔ بولا فرعون اچھا تم اُس پر ایمان لے آئے اس سے پہلے ہی

ہارون اور موسیٰ کا رب ہے ۔ فرعون بولا کیا تم اُس پر ایمان لائے قبل اس کے

اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ

کہ میں اجازت دوں تم کو بیشک یہ موسیٰ تمہارا وہ بڑا استاد جادوگر ہے جس نے

کہ میں تمہیں اجازت دوں بے شک وہ تمہارا بڑا ہے جس نے

عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَ

تم کو جادو سکھایا ہے لہٰذا البتہ ضرور سختی سے کاٹوں گا میں تمہارے ہاتھوں

تم سب کو جادو سکھایا۔ تو مجھے قسم ہے ضرور میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور

اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ

پیروں کو دائیں بائیں اور ضرور ضرور تم سب کو کھجور کی سولی پر

دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا اور تمہیں کھجور کے

جُذُوْعِ النَّخْلِ ۡ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ

ماروں گا اور تم خوب جان لوگے کہ ہم میں کون زیادہ سخت ہے

ڈنڈ پر سولی چڑھاؤں گا اور ضرور تم جان جاؤگے کہ ہم میں کس کا

عَذَابًا وَّاَبْقٰى ﴿۷۱﴾

عذاب دیتے میں اور زیادہ باقی رہنے والا

عذاب سخت اور دیرپا ہے۔

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں کفریہ جادو کرنے کا ذکر ہوا۔ اب ان آیات میں کفر سے توبہ کر کے مومن بن جانے کا ذکر ہے دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں جادوگروں کی طرف سے حضرت موسیٰ کا تھوڑا سا احترام کرنے کا ذکر ہوا کہ جادوگروں نے جادو دکھانے کی اجازت طلب کی کہ تم پہلے ڈالو یا ہم کو اجازت ہے اب ان آیت میں نبی علیہ السلام کے تھوڑے سے اس احترام کا بدلہ دیا جانے کا ذکر ہے کہ اس کے طفیل ان کو ایمان عرفان صحابیت رصبر اور شہادت جیسی نعمتیں مل گئیں۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں مقابلے سے پہلے رب تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بذریعہ وحی کلام با محبت فرمانے

کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں مقابلے کے بعد فرعون کا اپنے جادوگروں سے غضب آمیز کلام کرنے
کا ذکر ہو رہا ہے۔

تفسیر نحوی فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ هَارُونَ وَمُوسَى. قَالَ آمَنتُمْ لَهُ
قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ
وَأَرْجُلَكُم مِّنْ خِلَافٍ۔ فَ تعقیبیہ۔ اُلْقِیَ۔ باب افعال کا ماضی مطلق مجہول واحد مذکر غائب
"لَقْیٌ" سے مشتق ہے بمعنی گرایا جانا۔ اَلسَّحَرَۃُ۔ الف لام استغراقی یعنی تمام سَحَرَۃٌ۔ اسم جمع مکسر ہے
اس کا واحد ہے سَاحِرٌ۔ دراصل تھا سَاحِرُوْنَ نون گرا کر آخر میں ۃ عوضی لگا دی اور الف
وحدت کو بوجہ تکسیر گرا دیا گیا۔ اعراب ضمہ ہے کیونکہ نائب فاعل ہے۔ سُجَّدًا۔ اسم جمع مکسر ہے
اس کا واحد سَاجِدٌ تعلیل میں سَاجِدُوْنَ سے سُجَّدًا کیا گیا۔ آخر کی تنوین الفِ وحدت کے عوض ہے
بحالت نصب حال ہے سَحَرَۃُ کا اُلْقِیَ اپنے پورے نائب فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔
قَالُوْا فعل ہُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا مراد جادوگر
ہیں۔ اٰمَنَّا باب افعال کا فعل ماضی مطلق جمع متکلم اس کا مصدر ہے اِیْمَانٌ اَمْنٌ سے مشتق ہے
دوسری ہمزہ ی سے بدل گئی بمعنی دین قبول کرنا ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے بِ حرف جر بمعنی
عَلٰی رَبِّ یعنی اللہ تعالیٰ مضاف ہے ھٰرُوْنَ غیر منصرف ہے کیونکہ عجمی عَلَم ہے مجرور ہے
معطوف علیہ واؤ عاطفہ مُوْسٰی۔ اسم مفرد مقصورہ مجرور ہے مگر اعراب تقدیری
ہے معطوف ہے دونوں عطف مل کر مضاف الیہ مرکب اضافی مجرور جار مجرور متعلق ہیں اٰمَنَّا
کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ ہوا۔ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ قَالَ فعل ھُوَ پوشیدہ ضمیر
فاعل مرجع ہے فرعون اٰمَنْتُمْ۔ اس کی دو قرأتیں ہیں ۱ ءَ اٰمَنْتُمْ ۲ اٰمَنْتُمْ۔ پہلی صورت میں
تین ہمزہ جمع ہیں ۱ سوالیہ ۲ باب افعال کی ۳ مادے کی ہمزہ اصلیہ ترجمہ ہے کیا تم ایمان
لے آئے۔ دوسری صورت میں (اور یہی مشہور ہے) دو ہمزہ ہیں افعال کی اور مادے کی
اور یہ سوالیہ نہیں بلکہ خبر تہدیدی ہے ترجمہ ہے اچھا تم ایمان لے آئے۔ مصدر ہے ایمانٌ
اس کا فاعل اَنْتُمْ پوشیدہ ضمیر کا مرجع سب جادوگر۔ لَہٗ۔ لام حرف جر بمعنی عَلٰی ہٗ ضمیر کا مرجع
موسیٰ یہاں اٰمَنْتُمْ لَہٗ کہنے وجہ یہ ہے کہ ایمان بمعنی انقیاد ہے یعنی عاجزی سے جھک گئے یعنی
اِتباع۔ انقیاد متعدی باللام ہوتا ہے اور اتباع متعدی بنفسہٖ ہوتا ہے۔ اس لیے اِنْقَادَ لَہٗ ہو سکتا ہے اتبع لہ نہیں
ہو سکتا (تفسیر کبیر) یہ لہ کا لام تعلیلیہ بھی ہو سکتا ہے تب معنی ہوگا کہ تم موسیٰ کی وجہ سے

ایمان لائے ہو۔ اس کو خوش کرنے کے لیے حالانکہ یہ ہم سب کا دشمن ہے قَبْلَ اسم ظرفِ زمانی مبنی بر فتحہ مضاف اَنْ حرفِ ناصبہ۔ اٰذَنَ۔ باب سَمِعَ کا مضارع معروف واحدِ متکلم مراد فرعون ہے اِذْنٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ اجازت دینا متعدی بیک مفعول ہوتا ہے خیال رہے کہ جہاں کسی لفظ میں چند ہمزہ جمع ہو جائیں تو نحوی اصطلاح میں اس کو مجعود کہتے ہیں جو جَعْوٌ سے مشتق ہے اور معنیٰ ہے اُلجھا ہوا۔ کھیتوں اور بیلوں۔ جھاڑیوں کے جھنڈ کو اسی معنیٰ میں جَعد کہتے ہیں۔ اور کنڈل بالوں کو بھی یہاں تینوں صیغے ۱ اٰمنا ۲ اٰمَنْتُمْ ۳ اٰذَنَ مجعود کہلاتے ہیں علماءِ نحات اس طرح جعو کو ختم کرنے کے لیے اکثر اوقات غیر ضروری ہمزہ کو حذف کر دیتے ہیں۔ لَکُمْ۔ لام جارّہ تعدیہ (مفعولیت) کا یہ جار مجرور متعلق ہے اٰذَنَ کا یہ سب جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر مضاف الیہ ہے اِس کی انشائیت اٰمَنْتُمْ کی سوالیت اور تہدید کی وجہ سے ہے یعنی اگر میں تم کو اجازت دیتا تو تم ایمان لاتے۔ اس باطنی ترطیبت کی وجہ سے انشائیہ ہوا۔ قَبْلَ اپنے مضاف الیہ سے مل کر ظرف ہوا۔ اٰمَنْتُمْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ اوّل ہوا۔ اِنَّ حرفِ مشبّہ ہٗ ضمیر اس کا اسم منصوب متصل ہے مرجع موسیٰ لام مفتوحہ حرفِ تاکید ہے۔ کَبِیْر۔ اسم مبالغہ صفت مشبہ بمعنیٰ سب میں بڑا مضاف ہے کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مجرور متصل مرجع تمام جادوگر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی موصوف ہے اَلَّذِی اسم موصول مذکر عَلَّمَ باب تفعیل ماضی مطلق معروف واحد مذکر یہ فعل متعدی بدو مفعول اس کا پہلا مفعول بہ کُمْ ضمیر ہے مرجع جادوگر اور دوسرا مفعول بہ اَلسِّحْرَ ہے اس کا مصدر ہے تعلیمٌ بمعنیٰ علم پڑھنا سکھانا۔ اس کا فاعل ہے ھُوَ ضمیر پوشیدہ مرجع موسیٰ عَلَّمَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا اَلَّذِی کا۔ موصول صلہ مل کر صفت ہوئی لَکَبِیْرُکُمْ کی یہ مرکب توصیفی خبر اِنَّ ہوئی وہ اپنے اسم و خبر سے مل کر وجہ اور معلول ہوا فَ سببیہ لَاُقَطِّعَنَّ باب تفعیل کا فعل مضارع معروف لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ واحد متکلم ایک قرأت میں بانون خفیفہ ہے اس کا مصدر ہے تَقْطِیْعٌ قَطْعٌ سے بنا ہے بمعنیٰ جدا کرنا کاٹنا چیرنا باب تفعیل اور تاکیدی حروف نے شدت پیدا کر دی یعنی تیزی سے پورا کاٹ ڈالنا اس کی دو قسمیں ۱ بصری جدا کرنا جیسے اجسام و اعضا کو کاٹنا ۲ عقلی بصیری جیسے مفقولات وعلمیات کا جدا کرنا ہونا بمعنیٰ جدا کرنا کاٹنا چیرنا۔ باب تفعیل اور تاکیدی حروف نے شدت پیدا کر دی یعنی خوب تیزی سے پورا کاٹ ڈالنا۔ اَیْدِیَ اسم جمع مکسر یَدٌ کی جمع کُمْ مضاف الیہ وا ؤ عاطفہ اَرْجُلَ رِجْلٌ کی جمع مکسر بمعنیٰ تمہارے ہاتھوں اور پیروں کو اصطلاحاً صرف قدم اور ہتھیلی نیچے کو ہاتھ پیر کہا جاتا ہے وہی یہاں مراد ہے چور اور ڈاکو کے ہاتھ پیر کاٹنے

سے بھی صرف اتنا ہی حصہ شرعاً مراد ہوتا ہے مگر لغتاً ہاتھ کندھے تک اور پیر سرین تک ہوتا ہے
یہ سب مرکب اضافی عطف ہو کر مفعول بہ ہوا۔ مِنْ جارہ ابتداءِ غایت کے لیے ہے خِلَافٍ اسم مصدر
نکرہ باب مُفَاعَلَۃٌ کا دوسرا مصدر ہے بروزنِ قِتَالٌ بمعنی مخالف سمت دائیں جانب امراد ہے
داھنا ہاتھ بایاں پاؤں۔ یہ جار مجرور متعلق ہے لَاُقَطِّعَنَّ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف
علیہ ہوا۔ وَلَاُصَلِّبَنَّکُمْ فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ وَلَتَعْلَمُنَّ اَیُّنَا اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰی۔ واؤ عاطفہ
لَاُصَلِّبَنَّ۔ باب تفعیل کا فعل مضارع معروف لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ واحد متکلم ایک قرأت
میں یا نون خفیفہ ہے اس کی دو قرأتیں ہیں ۱ اَوْصَلِّبَنَّ واؤ سے مگر یہ قانونِ نحو کے علاوہ ہے
یہ واؤ ہمزہ متکلم کی مضبوطی کے لیے ہے یا یہ ہمزہ کا قائم مقام ہے اور ضمہِ ماقبل کی وجہ سے
آئی ہے ۲ اُصَلِّبَنَّ یہ اصلی ہے اگرچہ شاذ ہے یہ قراء حضرات کا اپنا اپنا طریقۂ تحریر ہے
جائز دونوں ہیں اس کا مصدر تَصْلِیْبٌ بمعنی سولی چڑھانا۔ صَلْبٌ سے مشتق ہے اسی سے ہے
صلیب بمعنی سولی کا تختہ۔ متکلم سے مراد فرعون ہے کُمْ ضمیر مفعول بہ مرجع سب جادوگر فی جارہ
ظرفیہ مکانیہ جُذُوْعِ اسم جمع مکسر ہے اس کا واحد ہے جِذْعٌ۔ بمعنی شاخ جو تنے کی مثل موٹی
ہو پتلی اور باریک شاخوں کو فرع کہتے ہیں ایک قول میں مطلقاً ہر شاخ کو فرع اور بہت
موٹی شاخوں کو جذع کہتے ہیں جن کے تختے بنائے جاسکیں عربی لغت میں درخت وغیرہ
کی شاخوں کے لیے پانچ لفظ ہیں ۱ فَنَنٌ اس کی جمع ہے اَفْنَانٌ بمعنی بہت باریک شاخ
درخت کی یا بیل بوٹے کی ۲ غُصْنٌ اس کی جمع اَغْصَانٌ اتنی موٹی شاخ جس کے ڈنڈے بنائے جاسکیں تختے
نہ کاٹے جاسکیں ۳ فَرْعٌ اس کی جمع فُرُوْعٌ وہ شاخ جس پر پھل پھول لگیں ۴ جذع تنے
کی مثل موٹی شاخ ۵ شرح سیدھی شاخ مضاف ہے اَلنَّخْلِ۔ الف لام جنسی نَخْلٍ اسم
مفرد جنسی چونکہ معرف باللام ہے اس لیے مراد کھجور کے درخت ہیں اگر نکرہ ہو تو مراد کھجور کا پھل
ہوتا ہے مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے لَاُصَلِّبَنَّ فعل سب سے
مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ۔ لَتَعْلَمُنَّ۔ باب سَمِعَ کا فعل مضارع لام تاکید با نون
تاکید ثقیلہ جمع مذکر حاضر اصل میں تَعْلَمُوْنَ تھا ثقیلہ کی وجہ سے نون اعرابی گر گئی اور جمع کی واؤ
ساکنین کی وجہ سے گری عِلْمٌ سے مشتق ہے بمعنی جاننا۔ جان لینا۔ سمجھ آجانی یہاں یہ نفرہ طنزیہ
ہے اَیُّ۔ اسم موصول بمعنی کون مضاف ہے نَا ضمیر جمع متکلم مجرور متصل مضاف الیہ یہ مرکب اضافی
مبتدا اَشَدُّ اسم تفضیل واحد مذکر شِدَّۃٌ سے مشتق ہے ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع

اَیُّ ہے عَذَابًا اسمِ جامد حاصلِ مصدر عَذْبٌ مادہ ہے ترجمہ ہے دردناک تکلیف یا سزا مفعول فیہ یا تمیز ہے اَشَدُّ کے فاعل کی اَشَدُّ سب سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ واو عاطفہ اَبْقٰی بابِ فتح کا اسم تفضیل مذکر بَقٰی سے مشتق ہے دراصل تھا اَبْقَیُ۔ یٰ پر ضمہ ثقیل اور ماقبل مفتوح اس لیے یٰ کو الف سے بدل دیا گیا۔ اس کا فاعل ھُوَ ضمیر پوشیدہ کا مرجع اَیُّ ہے یہ جملہ اسمیہ ہو کر معطوف دونوں مل کر خبر مبتدا اَیُّنَا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہ ہے لَتَعْلَمُنَّ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ معطوف ہوا لَاُصَلِّبَنَّ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف لَاُقَطِّعَنَّ کا دونوں عطف مل کر علت ہوئی عَلَّمَکُمُ کے جملے کی عَلَّمَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہوا اَلَّذِیْ کا دونوں مل کر صفت ہوئی لَکَبِیْرُکُمْ کی پھر خبر اِنَّ وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ دوم ہے قَالَ اپنے دونوں مقولوں سے مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں آنے والے یہ جادوگر اُس وقت کی دنیا کے بہت بڑے جادوگروں میں سے تھے اپنے فن کے کامل اُستاد تھے اور سالوں سے جادوگری کر رہے تھے مصر والے اور خود فرعون ان کو عرصہ سے جانتے تھے موسیٰ علیہ السلام اُس وقت پیدا بھی نہ ہوئے تھے جب سے یہ جادوگری میں مصروف و مشغول و مشہور تھے ان جادوگروں نے بڑے بڑے میلوں ٹھیلوں میں اپنے فن کا لوہا منوایا تھا ہمیشہ غالب ہی رہے تھے بڑے بڑوں کو ہرایا تھا ان کی ہی وجہ سے مصر کا جادو مشہور ہے یہ لوگ بخوبی جانتے تھے کہ جادو کی اصل حقیقت کیا ہوتی ہے یہ کبھی کسی مدِ مقابل جادوگر کے سامنے حیران اور پریشان نہ ہوئے تھے مگر اس مقابلے سے حیران بھی تھے پریشان بھی کیونکہ ایسا مقابلہ انہوں نے آج تک نہ کیا تھا نہ دیکھا تھا اور دغور جذبات سے مغلوب بھی ان کی عقل دل دماغ فہم فراست عمر بھر کا تجربہ مشاہدہ ہر ہر دلیل سے مان گیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کا کرتب جادو نہیں۔ جادو صرف دکھایا جا سکتا ہے کسی کو کھا نہیں سکتا اگر یہ جادو ہے جیسا کہ فرعون کہتا ہے تو پھر ہمارا اتنا سامان کدھر گیا ان حالات کیفیات مشاہدات سے مجبور ہو کر خود اپنی عقل اور بصیرت باطنی کے ہاتھوں گرا دئے گئے سجدہ کرتی حالت میں زمین پر۔ یہ اُلْقِیَ کسی کے گرانے دھکا دینے سے نہیں بلکہ خود ہی اتنی جلدی اور تیزی سے سجدوں میں گرے کہ گویا گرائے گئے اور یہ صرف اعلیٰ ایمان

ہی نہ تھا بلکہ سجدوں میں گرتے ہوئے تصدیقٌ بِالقلب کے ساتھ اقرارٌ بِاللسان بھی تھا۔ اور سب جادوگر ہی اپنی اپنی جگہ تصدیق و اقرار عمل و فکر کا یہ مظاہرہ کر رہے تھے سجدہ سب کا ایک جیسا ایک رُخ تھا۔ مگر اقرارِ لسانی میں کوئی اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ رَبِّ مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ کہہ رہا تھا۔ (اعراف آیت ۱۲۱۔ ۱۲۲ اور سورۃ شعراء آیت ۴۷۔ ۴۸) اور کسی کی زبان پر اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰی تھا ہر جادوگر ہی اپنی اپنی زبان و جسم قلب و قالب سے کلمۂ ایمانی و عملِ نشانی ظاہر کر رہا تھا کسی کے سجدے کا رخ موسیٰ کی طرف تھا کسی کے سجدے کا ہٰرون علیہما السلام کی طرف جنہوں نے رَبِّ مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ کہا تھا اُن کا قبلہ حضرت موسیٰ کو بنا دیا گیا اور جنہوں نے بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰی کہا اُن کا قبلہ ہٰرون علیہ السّلام کو بنا دیا گیا تھا صرف آج اور اس وقت رب تعالیٰ کے سجدے کے قبلے صرف ان نئے مومنوں کے لیے یہی دونوں تھے۔ کیا مبارک وہ ساعتیں تھیں کیا قدرت کی کرم نوازیاں تھیں کیسا وہ نورِ ایمانی تھا کہ ابھی صبح کے وقت کفر و شرک کی حمایت میں لاٹھیاں رسیاں زمین پر ڈالی جا رہی ہیں اور اب اُسی دن ڈھلتی دوپہر میں اپنے سر چہرے جسم بصد نیازمندی و خشیتِ کبریائی سجدوں میں ڈالے جا رہے ہیں اور پھر اُسی دن سہ پہر بوقت عصر۔ ایمان صبر شکر صحابیت کی دولتوں سے مالا مال ہو کر بارگاہِ قدس میں شہادت کی قربانیاں پیش کی جا رہی ہیں۔ جب فرعون کے ہوش ذرا ٹھکانے آئے دہشتِ اژدہا دور ہوئی تب اپنی عزت ساکھ کرسی کی فکر لگی اور سنا کہ تمام جادوگر موسیٰ پر ایمان لا چکے ہیں پھر شہنشاہی جوش کو دا اور شاہی رُعب کی فکر ہوئی کہ کہیں ان جادوگروں کی دیکھا دیکھی دیگر لوگ بھی مومن بننے نہ چلے جائیں، غصے میں بھرا ہوا باہر نکلا اور چنگھاڑتا ہوا بولا۔ اے جادوگرو ارے تم میری اجازت کے بغیر ہی اُس موسیٰ پر ایمان لے آئے میرے پروردہ میرے مہمان بننے والے میرے بلائے ہوئے ہو کر میرے مشورے کے بغیر اور غور دیکھے بغیر فوراً ہی بلا سوچے سمجھے ایمان لے آئے میں سمجھ گیا کہ یہ تمہارا ایمان غور و فکر کی بصیرت سے نہیں معجزہ یا برھان دیکھ کر نہیں موسیٰ اپنی نبوت سے تم پر غالب نہیں آیا اپنے جادو سے ہی غالب آیا ہے تمہارا یہ ایمان کا دکھلاوا تو اس لیے ہے کہ تم اژدھا سے ڈر گئے کہ جس طرح اُس نے تمہارے تمام سامان کو کھا لیا کہیں تم کو بھی نہ کھا جائے اور یا پھر اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ۔ تم چھوٹے جادوگر ہو بے شک وہ تم سب کا بڑا جادوگر ہے تمہارا اُستاد ہے تم سب کو اُسی نے جادو سکھایا تم سب کی

یہ ملی بھگت اور مکاری تھی ہماری سلطنت چھیننا چاہتے ہو یہ تمہارا منصوبہ ہے جس کے تحت تم نے اپنے اُستاد کو جتا دیا اور خود ظاہراً ہار گئے اور پھر دنیا کو دھوکہ دینے ورغلانے کے لیے فوراً اُس پر ایمان لے آئے تاکہ دوسرے عوام بھی اُس پر ایمان لے آئیں۔ فرعون نے قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ کہا۔ اٰمُرَ نہ کہا اس لیے کہ امر میں ارادہ شامل ہوتا ہے یعنی اگر تم مجھے پوچھتے اور میں تم کو حکم دیتا تب تم ایمان لے آتے۔ مگر اذن کہہ کر یہ بتایا کہ اگر مجھ کو پہلے بتاتے یا پہلے مجھے پتہ چل جاتا تو اُسی وقت تم کو پابند سلاسل کر کے قید کر دیتا کبھی ایمان کی اجازت نہ دیتا نہ تم ایمان لاتے اذن میں ارادہ شامل نہیں ہوتا فرعون حقیقتِ حال کو سمجھتا تھا اس کو یہ بھی معلوم تھا کہ موسیٰ استاد نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ لوگ جادوگری میں پہلے سے مشہور تھے عمر رسیدہ تھے فرعون یہ سمجھ گیا تھا کہ موسیٰ کا کرتب جادو نہیں بلکہ معجزہ ہے لیکن یہ جھوٹ بولتے ہوئے ایک چال چلنا چاہتا تھا اپنی عزت کی گرتی دیوار اور شرمندگی کی بنیاد کو ایک آخری سہارا دینے کا یہ حربہ تھا تاکہ لوگوں کے منتشر اور متاثر ذہنوں کو پھیرنے کے لیے یہ چال کام آ جائے اس فوری مداخلت کا کچھ تھوڑا بہت اثر بھی ہوا کہ کم از کم اُس کے درباری اور قریبی مطمئن تو ہو گئے اور عوام کے سامنے بات کرنے منہ دکھانے کے قابل ہوئے مگر ابھی بھی فرعون کا دل نہ سنبھلا جذبات ٹھنڈے نہ ہوئے۔ چاہتا تھا کہ جادوگر پھر کسی طرح ڈر کر گھبرا کر حسبِ سابق میرے قدموں میں آ جائیں۔ اس لیے دھمکاتے ہوئے کہتا ہے۔ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّکُمْ فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ وَلَتَعْلَمُنَّ اَیُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰی۔ ابھی بھی وقت ہے ایمان سے ہٹ جاؤ غلطی تسلیم کر لو۔ میرے انعام کے دروازے کھلے ہیں تقرب تو نہ ملے گا لیکن اُجرتِ محنت مل جائے گی اور اگر باز نہ آئے تو میں قسمیہ کہتا ہوں کہ بہت سختی سے تڑپا تڑپا کر کاٹوں گا یعنی میرے حکم سے میری نگرانی میں کاٹے جائیں گے تم سب کے ہاتھ اِدھر کے پاؤں اُدھر کے مخالف سمتوں سے مِنْ خِلَافٍ۔ اس لیے کہ اس طرح کاٹنے میں تکلیف زیادہ طاقت کم بلکہ ختم ہو جاتی ہے خون بہت بہتا ہے چلنے اٹھنے کے قابل نہیں رہتا پھر اس پر ہی بس نہیں بلکہ تم سب کو کھجور کی شاخوں پر بہت عرصہ تک سولی پر لٹکائے رکھوں گا تاکہ تم سسک سسک کر آہستہ آہستہ بھوک پیاس درد تکلیف سے مرو عوام تم کو لٹکا مرا دیکھیں تو عبرت پکڑیں مجھ سے مزید ڈریں مجھے خدا مانیں۔ فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ کا معنیٰ لٹکائے رکھنا اس طرح کہ شاخیں تمہارے ظروف بدن ہو جائیں اور تم اُن شاخوں کے

منظروف بن جاؤ وہیں لٹکے سوکھو گے اور لوگوں کو بھی پتہ چل جائے گا کہ ہم تم جیسے باغیوں غداروں کو کیسی سزا دیتا ہوں۔ تاکہ کوئی دوسرا بغاوت و غداری نہ کرے۔ اے جادوگرو جلدی جواب دو یہ میری چند منٹ مہلت ہے خوب سوچ لو۔ نخل کا ذکر اس لیے کیا کہ نخل یعنی کھجور کا درخت بہت لمبا اور سیدھا ہوتا ہے جذوع سے مراد اس کے تنے ہیں۔ اس کی لمبی شاخیں دیگر درختوں کی طرح نہیں ہوتیں نیز مصر میں دریائے نیل کے کنارے یہ درخت بہت ہوتے ہیں۔ اے جادوگرو یہ میں اتنی سخت سزا کا ذکر اس لیے کر رہا ہوں۔ تاکہ تم جان لو ہم دونوں (یعنی میں اور موسیٰ) میں کس کی سزا سخت اور کس کا عذاب دیرپا ہوتا ہے اس نے بھی تو تم کو فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ کہہ کر اپنے اللہ کے عذاب سے ڈرایا تھا۔ اس کا وہ عذاب یا میرا یہ جو سخت بھی ہے اور زیادہ دنوں تک باقی رہنے والا بھی۔ بعض نے کہا کہ اَيُّنَا سے مراد ہے میرا یا موسیٰ کے رب کا عذاب یا عذاب سے مراد وہ دہشت ناک اژدھا تھا۔ اس کے گمان میں جادوگر اس سے خائف ہو کر ایمان لائے تھے اس لیے یہ بات فرعون نے کی کہ سانپ سے کیا ڈرنا حالانکہ خود فرعون ابھی تک ڈرا سہما تھا یہی وجہ تھی) کہ جادوگروں کو تو سزا سناتا ہے مگر موسیٰ علیہ السلام پر ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہیں حالانکہ موسیٰ علیہ السلام کو سب کا استاد بھی کہہ دیا ہے نیز اصل دشمن مخالف نقصان دِہ تو موسیٰ علیہ السلام ہی تھے۔ فرعون کی ان غیصلی باتوں کا یہی فرق دیکھ کر بہت سے قبطی در پردہ مومن ہو گئے تھے۔ بلکہ کچھ دنوں بعد یا اسی دن درباریوں نے برملا کہہ بھی دیا تھا کہ اَتَذَرُ مُوسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوا فِي الْاَرْضِ۔ (اعراف آیت ۱۲۷) وہ بے چارے جادوگروں پردیسیوں کو تو قتل کروا رہا ہے اصل دشمن موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کو تو چھوڑ دے گا کہ زمین میں فساد پھیلاتے پھریں اور تیرا اور تیرے معبودوں دیوتاؤں کا انکار کرتے پھریں۔ تب بھی فرعون کچھ نہ کر سکا۔ صرف اتنا کہہ کر ٹال دیا کہ ہم ان کے بچوں کو دوبارہ پہلے کی طرح قتل کراتے رہیں گے اور ان کی بچیوں کو زندہ رکھیں گے۔ فرعون نے اپنے اس قتل کو اَشَدُّ عَذَابًا اس لیے کہا کہ اس نے دنیوی بادشاہوں کی سزائیں دیکھی سنی پڑھی تھیں وہ اپنی اس ایجاد کردہ سزا کو ان سب سے سخت اور انوکھی سمجھتا تھا اور واقعتاً دنیوی اعتبار سے سخت ترین بھی تھی مگر حضرت موسیٰ نے جس عذاب کا ذکر فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ میں فرمایا تھا وہ اخروی عذاب مراد لیا تھا جس کو فرعون نہ جانتا تھا۔ فرعون کی یہ سزا ایک حربہ تھا سمجھا تھا جادوگر ایک دم گھبرا کر ایمان چھوڑ دینگے اور لوگوں میں میری چال کامیاب میری عزت بچی

رہے گی مگر یہ حربہ بھی ناکام ہو گیا اس لیے کہ کسی بھی جادوگر نے کوئی اثر نہ لیا۔ اس لیے کہ جادوگروں نے ایمان کی جرأت کسی معمولی بات پر نہ کی تھی ان کا اٹھنا کہنا کوئی وقتی جوش نہ تھا ان کی پذیرائی تو حسنِ ازل نے کر دی تھی دل میں نورِ ایمان آنکھوں میں جمالِ حق آشکارا ہو چکا تھا چند منٹ کی صحبت موسیٰ نے عشقِ الٰہی محبتِ کبریائی کا ایسا جامِ مشاہدہ پلا دیا تھا کہ جس کا اثر صبح قیامت تک نہ اُتر سکے ان کا سجدہ صرف سجدۂ بارگاہ نہ تھا بلکہ معراجِ عشق تھی کہ اسی میں ان کو جنت اور ان کا جنتی مقام کفار کی جہنم اور اُس کا عذاب سب کچھ دکھا دیا گیا اور سب سے بڑا انعام تو یہ ہوا کہ اسی سجدۂ نیاز میں حسنِ ازل کے انوار معرفت کے اسرار کا نظارہ بھی ہو گیا بھلا ان کی نظر میں اب دنیا کی جاہ وحشمت دولت ثروت فرعونیت طاغوتیت کی کیا حیثیت تھی یہ ٹھیک ہے کہ دنیا بڑی لذیذ ہے اس میں بڑی کشش ہے مگر جس کو اس دنیا کی فنا کا پتہ بیقینِ بصیرت سے چل گیا وہ اس کی حشمتوں دلربائیوں سے کب مرغوب اور اس کی کرسیوں قانونوں دھمکیوں سزاؤں سے کب مرعوب ہو سکتا ہے۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ دنیا میں سب سے بڑی نعمت قربِ نبوت اور مجلسِ انبیا کی صحبت و حاضری ہے جس کو یہ نصیب ہو جائے وہ تمام جہانوں میں سب سے زیادہ خوش قسمت ہے اس لیے کہ یہی قرب کفر توڑ شرک سوز ہے اور انہی محافل میں عرفان ایمان شریعت طریقت عشقِ الٰہی عروج بلندی بلکہ صحابیت کی دولتیں ملتی ہیں یہ فائدہ فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا۔ فرمانے سے حاصل ہوا دوسرا فائدہ۔ ایمان واعمال وہی معتبر و مقبول ہے جو انبیاءِ کرام علیہم السلام کی معرفت ملیں یہ فائدہ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى کے فرمان سے حاصل ہوا۔ کہ ان سب جادوگروں نے اپنے ایمان کی نسبت ہارون و موسیٰ علیہ السلام کی طرف کر کے ظاہر فرما دیا کہ ہم کو یہ ایمان ان دونوں ہستیوں کے ذریعے نصیب ہوا ہے۔ تیسرا فائدہ۔ وہ خوف و گھبراہٹ بھی رب کی نعمت ہے جس سے توفیقِ ایمان واعمالِ صالحہ نصیب ہو جائے یہ فائدہ اُلْقِیَ فعل مجہول فرمانے سے حاصل ہوا یعنی جادوگروں کو اپنے جادو کی حقیقت و کمزوری کا پتہ تھا اس لیے عصاءِ موسیٰ کے کمالات کو دیکھنے کے بعد حیرت سے ملا جلا خوف و گھبراہٹ ہوئی تب عجز و احساسِ شکست پیدا ہوا تب اس عاجزی کی وجہ سے اُن کو ہدایتِ ایمان نصیب ہوئی ادب و عجز ہی ہر مسلمان کا اُخروی سرمایہ ہے اور [illegible] جلدی ان کے دل نے پلٹا کھایا اور

سجدے میں گرے گویا کہ گرا دیئے گئے۔

احکام القرآن ان آیت کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ ہر موقعہ پر اپنی شناخت قائم رکھے تاکہ غیر مسلموں اور بد عقیدہ و گمراہوں سے ممتاز رہے ہر طرح دور سے پہچانا جائے کسی کو دھوکہ نہ رہے شناخت کی چند صورتیں ہیں ۱ بات اور گفتگو میں قولی شناخت ۲ نام القاب میں ۳ شکل و صورت میں ۴ مسجدوں میں ۵ گھروں میں تاکہ مسلمان دور سے پہچانا جائے احادیث مبارکہ میں اس اسلامی شناخت پر بہت زور دیا گیا ہے کئی جگہ خَالِفُوْا الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی کا لفظ ارشاد فرمایا گیا ہے مسلمان گھروں میں فوٹو تصویر لگانے کی حرمت و ممانعت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مسلمان کا گھر بت پرست کفار کے گھروں مندروں کے مشابہ نہ ہو جائے۔ آج بہت سے دھوکے باز لوگ اہل سنت بن کر مسلمانوں کو ورغلا رہے ہیں ان کی دھوکہ بازی سے عوام کو بچانے کے لیے ہر سنی مسلمان کو چاہیئے کہ اپنی ہر شناخت ہر وقت برقرار رکھے مثلاً فی زمانہ لفظ بریلوی اہل سنت کی شناخت بنی ہوئی ہے اس لفظ کو اپنے لقب میں ضرور استعمال کرو۔ ہر محفل وعظ میں نعرۂ رسالت اور اختتام پر صلوٰۃ و سلام گھروں مسجدوں میں یا اللہ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور یارسول اللہ لکھنا۔ اسی طرح ذکر انبیاء کے ساتھ علیہ السلام آقائے کائنات نبی کریم کے لیے صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اہلبیت عظام کے لیے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ مولیٰ علی شیر خدا کے لیے کرم اللہ وجہہ۔ کہنا یہ بھی اہل سنت والجماعت کی نشانی ہے اس طرح ہر شناخت برقرار رکھنا لازم ہے یہ مسئلہ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى کے ارشاد سے مستنبط ہوا۔ جادوگروں نے صرف رَبِّ یَا رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ نہ کہا اس لیے کہ فرعونی لوگ فرعون کو بھی رَبِّ اَعْلٰی کہتے تھے وہ دھوکہ دیتے یا رب العٰلمین کے لفظ سے دھوکہ کھا سکتے تھے اور عوام کو دھوکہ دے سکتے تھے اس لیے مکمل شناخت پیچھے ایمان کے اظہار کے لیے سب نے فرمایا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى اب کسی کو کوئی دھوکہ غلط فہمی نہیں رہی۔ یعنی اے لوگو ہم اب اس رب العٰلمین پر ایمان لائے ہیں جو ہارون و موسیٰ کا رب ہے۔ دوسرا مسئلہ۔ ائمہ اربعہ کے نزدیک متفقاً ہر قسم کا جادو سیکھنا کفر و حرام ہے اور جادوگر جادو سیکھنے سے کافر ہو جاتا ہے اس لیے کہ اس کے جنتر منتر کے الفاظ اور طور طریقے کفریہ شرکیہ الفاظ اور طریقے ہوتے ہیں جس پر جادوگر کو عمل کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ میزان الکبریٰ جلد دوم کتاب حکم السحر والساحر ص۰۰ میں ہے کہ

امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم تو ہر طرح کا جادو سیکھنا کفر کہتے ہیں لیکن امام شافعیؒ کچھ قیود کے ساتھ کفر قرار دیتے ہیں یہ مسئلہ اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى سے مستنبط ہوا کیونکہ ایمان لانا کفر سے توبہ کے بعد ہوتا ہے اور ان جادوگروں کا کفر خاص کر سترّ بنی اسرائیلی جادوگروں کا کفر تو صرف یہی جادو سیکھنا تھا اس کے علاوہ کوئی کفر ثابت نہیں نہ اسرائیلی جادوگر فرعون کو رب نہیں مانتے تھے نہ بُت پرستی کرتے تھے نہ اس کا کہیں ثبوت پھر بھی اٰمَنَّا کہہ رہے ہیں۔ اٰمَنَّا کہنے سے ان کا وہ کفر ثابت جس کو اب ختم کر رہے ہیں اور کفر بجز جادوگری کوئی ثابت نہیں۔ پس ظاہر اور یقینی ہے کہ جادو سیکھنا ہی ان کا کفر تھا۔ تیسرا مسئلہ اس میں تمام ائمہ اربعہ کا متفقہ مسلک ہے۔ کہ چور کے ہاتھ مَفصِلِ کَف اور مَفصِلِ رِجل سے کاٹے جائیں گے مِفصل یعنی جوڑ جیسا کہ میزان الکبریٰ جلد دوم بابُ السرقہ ص۱۶۱ پر ہے اِن ائمہ کرام کا استنباط۔ اِس ارشادِ ربانی سے ہے کہ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ کے بعد وَلَاُصَلِّبَنَّكُمْ الخ) کا ذکر فرمایا گیا جس سے ثابت ہوا کہ ہاتھ اور پاؤں حقیقتاً ہتھیلی اور قدم کو کہتے ہیں۔ جن بعض لوگوں نے لفظ اَيْدِي اور لفظِ اَرْجل سے بغل تک یا کہنی تک اور پیر کو گھٹنے تک یا کولھے کے جوڑ تک کاٹنے کا حکم لگایا ہے وہ غلط ہے اسی طرح جن لوگوں نے صرف دو یا تین انگلیاں کاٹنے کا ذکر کیا ہے وہ بھی غلط ہے۔ کہ وہ حد سے زیادتی ہے اور یہ ہاتھ پیر میں کمی کرنا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا۔ فرمایا ہے یہ یہاں سے استنباط اس طرح ہوا کہ ہاتھ پیر کاٹنے کے بعد صولی کا ذکر ہے اور صولی کا فرعونی قانون میں طریقہ یہ تھا کہ ایک لکڑی کے اوپر کی جانب مجرم کے دونوں پھیلے ہوئے ہاتھ کی لمبائی کے برابر ترچھی لکڑی ٹھونک دیتے تھے اس پر مجرم کے دونوں ہاتھ پھیلا کر دونوں طرف رسی سے باندھ دیتے تھے اسی طرح دونوں لٹکے ہوئے پیروں کو رسی سے باندھ دیتے تھے بعد میں کئی بادشاہوں نے رسی کی بجائے اسی طرح پھیلا کر ہاتھوں پاؤں میں کیلیں ٹھونکنی شروع کر دیں ہاتھ پاؤں کٹنے کے بعد صولی تب ہی دی جاسکتی ہے جب ہاتھ صرف کفِ دست اور پاؤں ٹخنے سے کٹا ہو پورا ہاتھ پاؤں کاٹ دینے سے باندھنا اور صولی دینا ناممکن ہے یہ سزا فرعون کی ایجاد ہے۔ اُس سے پہلے کبھی کسی نے کسی کو صولی نہ دی تھی۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض یہاں فرمایا گیا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى لیکن سورۃ اعراف آیت ۱۲۱ اور سورۃ شعرا

آیت ۴۸ میں ہے رَبِّ مُوْسٰی وَھٰرُوْنَ واقعہ وقت مقام اور کہنے والا گروہ بھی ایک ہی ہے تو پھر یہ اختلاف کیوں؟ جب کہ یہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے کسی غیر اللہ کا نہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہی فرمایا ہے کہ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا سورۃ نساء آیت ۸۲ یعنی اگر یہ کلام کسی غیر اللہ کا بنایا ہوا ہوتا تو لوگ اس میں بہت اختلاف پاتے۔ گویا یہ اختلاف ہونا غیر اللہ کے کلام ہونے کی نشانی ہے اور اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کے درمیان یہ تفاوتی نشان قائم فرما دیا کہ اسی نشانی سے پہچانا جائے کہ اللہ کا کلام کون سا ہے اور انسانوں کا بنایا ہوا کون سا ہے یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ بعد کے جامعین یا کاتبین نے ایسی غلطیاں کر دیں کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ یعنی ہم نے ہی اس قرآن مجید کو اتارا ہے اور ہم ہی تا قیامت اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اگر یہ کاتب کی غلطی ہو تو پھر دونوں میں کس کو صحیح کس کو غلط قرار دیا جائے اور آج تک کسی نے صحیح کیوں نہ کیا اسی طرح غلط کیوں چھپتا چلا آ رہا ہے۔ موسیٰ و فرعون کے اس واقعے میں اور جگہ بھی اختلاف پائے جا رہے ہیں مثلاً سورۃ طٰہٰ آیت ۱۰ لِاَھْلِہِ امْکُثُوْا اِنِّیْ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْ اٰتِیْکُمْ مِّنْھَا اور سورۃ نمل آیت ۷ میں ہے لِاَھْلِہٖ اِنِّیْ اٰنَسْتُ نَارًا سَاٰتِیْکُمْ مِّنْھَا بِخَبَرٍ ایک ہی شخص کا قول ایک ہی وقت میں مگر اختلاف اتنا کہ پہلے ہے اُمْکُثُوْا دوسری جگہ اُمْکُثُوْا نہیں ہے وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام باتوں کا جواب کیا ہے۔ جواب طٰہٰ آیت ۱۰ کا جواب تو اسی جگہ دیدیا گیا ہے اس اعتراض کے مختلف جواب دیئے گئے ہیں مگر صحیح آسان مختصر و مفید جواب یہ ہے کہ اگرچہ یہ اٰمَنَّا کہنا ایک ہی جگہ ایک ہی وقت ہوا مگر کہنے والے بہت سے افراد ہیں اور سب نے ہی اپنے منہ سے ادا کیا کیونکہ یہ ایمان کا اقرار بِاللِّسَان ہے جس کا سب کو کہنا ضروری تھا اور ایک شخص کے یہ مختلف قول نہیں بلکہ کسی نے کہا رَبِّ مُوْسٰی وَھٰرُوْنَ کسی نے کہا رَبِّ ھٰرُوْنَ وَمُوْسٰی۔ معترض کا اس کو اختلاف کہنا نادانی ہے اختلاف یہ ہے کہ ایک ہی شخص ایک ہی وقت ایک ہی جگہ کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کسی سے کہے میں نے فلاں آدمی کو فلاں جگہ فلاں وقت دیکھا تھا۔ پھر دوسرے سے کہے کہ میں نے اس وقت اس جگہ دیکھا کچھ نہ تھا صرف آواز سنی تھی تیسرے سے کہے کہ نہ آدمی دیکھا تھا نہ آواز سنی تھی بلکہ صرف نور دیکھا تھا۔ لہٰذا یہ اعتراض ختم ہو گیا کہ یہاں موسیٰ و ھٰرون اور وہاں ھٰرون و موسیٰ کیوں ہم نے واضح کر دیا کہ دونوں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں دوسرا اعتراض یہاں ذ...

گیا۔ اُلْقِیَ السَّحَرَۃُ سُجَّدًا۔ اس کا معنیٰ ہے کہ وہ جادوگر سجدے میں گرا دیئے گئے۔ ثابت ہوا کہ وہ خوشی سے سجدے میں نہ گرے نہ خوشی سے ایمان لائے۔ جبر و اکراہ سے یہ سب کچھ کیا گیا۔ حالانکہ جبر و اکراہ کا ایمان معتبر نہیں ہوتا چنانچہ قرآن مجید بقرہ آیت ۲۵۶ میں ہے لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ دین میں اکراہ و جبر درست و معتبر نہیں۔ اِس کا حل کیا ہے؟ جواب یہ اُلْقِیَ کسی کا شخصی اکراہ یا دھکا شاہی نہیں۔ بلکہ فرمایا جا رہا ہے کہ توفیقِ الٰہی نورِ ایمانی سے شعورِ قلبی پیدا ہوا اور عقلی دلائل و براہین دیکھے جن کا اتنا شدید اثر و سُرور ہوا کہ عقل و دل کے ہاتھوں مجبورًا اُن کو کہنا پڑا اٰمَنَّا۔ اور گرنا پڑا سجدے میں۔ یعنی جب انہوں نے نورِ بصیرت سے دلائل کو دیکھا غور و تفکر کیا تو اتنی جلدی سجدے میں گرے گویا گرائے گئے اور گرانے والا اُن کا اپنا قلب و عقل تھا۔ تیسرا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ فرعون نے جادوگروں کو دھمکی بھی دی اور سزا بھی سنا دی جو سخت ترین دنیا کی پہلی سزا تھی۔ اور بقول ایک روایت کے دے بھی دی مگر موسیٰ علیہ السلام کو لفظًا یا عملًا کچھ نہ کہا جب کہ فرعون خود کہہ بھی رہا ہے کہ یہ موسیٰ تمہارا استاد ہے اسی نے تم کو جادو سکھایا ہے۔ اور تم نے یہ پہلے سے میرے خلاف منصوبہ بنایا ہوا تھا۔ جواب تین وجہ سے فرعون نے صرف جادوگروں کو دھمکی اور سزا سنائی۔ اور حضرت موسیٰ کو کچھ نہ کہا۔ ایک وجہ یہ کہ فرعون موسیٰ علیہ السلام سے ڈرا ہوا تھا خائف تھا میدانِ مقابلہ میں بمشکل اُس نے اژدھے سے جان بچائی تھی موسیٰ علیہ السلام کی منت سماجت کی تھی۔ اب ڈرتا تھا کہ کہیں پھر نہ اژدھا مجھ کو کھا جائے۔ موسیٰ علیہ السلام کے سامنے تو اُس کی ساری اکڑ ٹوٹ چکی تھی۔ اس لیے اُدھر ہاتھ ڈالنے کی اب ہمت نہ تھی۔ دوم یہ کہ فرعون جادو سیکھنے یا سکھانے کے خلاف نہ تھا نہ اُس کو اس سے غرض تھی کہ کون کس کا شاگرد کس کا استاد ہے۔ وہ تو یہ کہتا تھا کہ جادوگروں نے مجھ کو دھوکہ دیا ہے کہ ظاہرًا میرے ساتھی بنے۔ درپردہ موسیٰ کے ساتھی تھے وہ اِس رَوِیّہ کو غداری اور بغاوت سمجھتا تھا اگرچہ یہ بھی اس کی ظاہری گفتگو تھی سمجھتا سب کچھ تھا محض چال بازی اور عوام میں اپنا بھرم رکھنے کی خاطر۔ سوم یہ کہ وہ جادوگروں کو بھی مارنا نہیں چاہتا تھا صرف خوف زدہ کر کے واپس اپنی تائید میں لانا چاہتا تھا عوامی انقلاب کو روکنے کے لیے جس کا فرعون کو شدید دھڑکا لگا ہوا تھا۔ اور عوام کو بتانے کے لیے کہ جادوگر ایک خفیہ منصوبے کے تحت ایمان لائے ورنہ موسیٰ نبی نہیں ایک جادوگر ہی ہے دیکھو میری دھمکی سن کر پھر لوٹ آئے ایمان سے پھر گئے۔ مگر جب یہ چال بھی کامیاب نہ ہوئی تو غیض و غضب میں آ کر وہ کام کر ہی دیا جس کی

قسم کھائی تھی۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ (از تفسیر امام رازی۔ روح البیان روح المعانی تفسیر فتح القدیر مظہری، صاوی، مدارک خازن)

تفسیر صوفیانہ فَاُلْقِیَ السَّحَرَۃُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰی۔ یہ قانونِ فطرت ہے کہ جس کو جہانِ غیوبات کی طرف نظرِ بصارت کرنے کی ہمت و قوت بخشی گئی وہ اگر اپنی اس قوت کو نفسانی حصول کی مباشرت میں لگا دے تو اس کے دل دماغ پر حجابات آجاتے ہیں پھر اگر اسی بندے کو کسی اہلِ دل کی صحبت نصیب ہو جائے اور وہ بندہ اپنی توجہِ بصیرت کو شرِ دنیوی سے علیحدہ کر کے خیر کی طرف لگا لے تو رب تعالیٰ اس بندے کے قلب کی طرف اخلاص اور یقین کی نعمت کا نزول فرماتا ہے اور انوار اس پر منکشف ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو مجذوبیتِ الٰہیہ کے مقام سے زینت عطا کی جاتی ہے۔ جادوگروں کو میدانِ یومُ الزّینت میں اس جذب و سلوک کے لیے منتخب کر لیا گیا تھا اس لیے اس دن کی پوری حاضری میں صرف وہی جادوگر مجذوبینِ الٰہی اور مہتدینِ ایمان میں شامل کر کے مقامِ علیا سے نواز دیئے گئے تھے ان کا ایمان کسی تقلید سے نہ تھا بلکہ مولیٰ تعالیٰ کی برہانوں کی راہ نمائی سے تھا۔ اور وہ جادو جو کفر و گمراہی کا ذریعہ ہوتا ہے وہ ہی ان کی ہدایت کا وسیلہ بن گیا رب تعالیٰ کا یہ کرم صرف اس لیے ہوا کہ میدانِ مقابلہ میں ان کی نگاہیں چہرۂ انبیا پر ان کے کان آوازِ نبوت پر ان کی عقلیں اعمالِ نبوت پر اور ان کے قلوب برہانِ نبوت پر لگے ہوئے تھے یہی فنافی الرّسول کا مقام ہے فرعون اور فرعونیوں کی نظریں اعمالِ نبی تک رہیں مگر ان کے دل برہانِ ربوبیت تک نہ پہنچ سکے اس لیے ایمان نہ لائے۔ اسبابِ ترقیِ سلوک کی سیڑھی ہے اس کے نو زینے ہیں ۱۔ توفیق ۲۔ تفکرِ عقل ۳۔ تدبرِ قلب ۴۔ تذکرِ طبیعت ۵۔ تعقلِ عقل ۶۔ تحملِ جسمانی ۷۔ تعشقِ روحانی ۸۔ انہماکِ ضمیر ۹۔ میلانِ خمیر جب بندۂ طالب ان کو عبور کر لیتا ہے تو اُلْقِیَ سُجَّدًا کا ظہور ہوتا ہے۔ سجدۂ صادقہ میں بندے کو چار قوتیں ملتی ہیں پہلی قوت سے وہ حق و باطل کا منصف ہو جاتا ہے دوسری سے برہان و حقیقت کو سمجھنے کے قابل ہو جاتا ہے تیسری سے وہ اسرار و اشرار میں فرق جان لیتا ہے۔ چوتھی سے حق پرستی کا اقرار کر لیتا ہے۔ ان قوتوں سے اتنی جرأت پیدا ہوتی ہے کہ عارفِ صادق کسی باطل کے طوفان کی پرواہ نہیں کرتا۔ اور بندہ منصفین، مذعنین، مقربین اور مقربین میں شمار کر لیا جاتا ہے۔ یہ سجدہ ہی معراجِ مومن ہے کیونکہ صدق بینہ ظہورِ معجزہ۔ قیامِ حجت اور جلائے برہانی

کی معرفت یہیں سے نصیب ہوتی ہے۔ اور بندہ پکار اٹھتا ہے اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى۔ ہم ایمان لائے مکاشفاتِ حق اور اس کی ربوبیت عالمین پر جو ہماری ھارون عقل اور موسیٰ قلب کا بھی رب ہے۔ وہی رب ہے جس نے عقل کو عقل اور قلب کو قلبی استعداد بخشی۔ عقل کو اپنی کمالاتِ صفات کا ظہور عطا کیا اور دل کو اپنی ذات کی تجلیات دیں۔ بندوں نے جو بھی معرفت حاصل کی وہ عقل و قلب کی معرفت سے کی عقل و دل سے ہی ایصالِ منزل اور وصلِ الٰہی نصیب ہوتا ہے عقل و دل کی اطاعت سے دولتِ وجدان ملتی ہے مگر اعضاءِ ظاہری و باطنی کا استقلال ضروری ہے۔ اگر استقلال کی استعداد بالکل ختم ہو جائے تو طبیعتِ سفلیہ کا دین نفسانی غالب آتا ہے اور جب نفس کی نفسانیت غیض و غضب کا غلبہ کرتی ہے تو باطن اشرار سے آواز نفس نفس امارہ بلند ہوتا ہے کہ۔ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى۔ اے اہلِ طبیعتہ مرکزِ جدال و مکر تم رغبتِ نفس کے بغیر شیخ تجلی پر کس طرح ایمان لا سکتے ہو۔ وہی قلب کی عقل عیار تمہاری پیشرو قلم کار و قوم ساز ہے۔ بس تمہارے شریعت کے ہاتھ طریقت کے پاؤں ایک دوسرے میں مخالفت و دشمنی کرا کر جدائیاں کرواؤں گا۔ کہ شریعت کے دعویدار طریقت سے نفرت اور دوری کریں گے اور طریقت کے دعویدار شریعت کو اپنا مخالف اور غیر سمجھنے لگیں گے۔ علماء صوفیا سے کنارہ کش اور صوفیا علما کو بیکار سمجھا کریں گے اور پھر تم طبیعتہ غداریہ سفلیہ رذیلہ کو نخلِ غفلت کی جذوع کسلیہ کثیفہ میں ضعفِ بدنی کی صولی دے کر بے عملی کی موت ماروں گا۔ صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ فرعون اور فرعونیوں کو شخصیتِ موسیٰ و ھٰرون کا قرب نصیب ہوا اور عوام الناس کو جسمانیتِ موسیٰ و ھٰرون کا قرب نصیب ہوا مگر جادوگروں کو نبوتِ موسیٰ و ھٰرون کا قرب نصیب ہوا۔ ان میں سے جن کو نبوت ھٰرونی کا فیض پہلے ملا۔ انہوں نے کہا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى اور جن کو پہلی توجہ ہی میں ہی رسلیتِ موسیٰ علیہما السلام کا فیض پہنچ گیا انہوں نے کہا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ اس وقت تمام انسانوں میں سے زیادہ قرب کی قوت جادوگروں کو تین وجہ سے حاصل ہوئی۔ ا۔ جادوگر اپنے علمِ جادو کی وجہ سے۔ خواص کی ترکیب اور مختلف جوہروں کی مزاج عنصری کی مادی ملاوٹ کو جانتے تھے۔ ۲۔ جادوگر عنصری مادوں یعنی آگ مٹی پانی ہوا۔ اور آسمانی فضائی ہوائی زمینی قوتوں کے

فرق کو جانتے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ نفوسِ سمائیہ کے جلب و اتصال کا فیض اجسامِ ارضیہ کی قوتوں پر کس طرح ہوتا ہے۔ پہلی معلومات سحرِ نیرنگی جاننے سے ہوتا ہے۔ دوسری معلومات علم طلسمات سے حاصل ہوتی ہیں۔ تیسری وجہ انہیں اپنے سحرِ خلفطیرات کے علم کی وجہ سے معلوم تھا کہ عالَمِ بالا علویہ سے استفادہ کرنا کن نفوس کی تاثیر اور حیثیت ہے۔ اور کون سی ہستیاں نبوت کے لائق قائم بالدعوۃ۔ واصل بالحق اور کامل بالاعجاز اور مرتبۂ ولایتِ الٰہیہ پر ترقی کرنے والی ہیں وہ جانتے تھے کہ معجزہ مُقارِنِ للحق ہے کرامت مُقارِن للنبوت ہے اور مرضیاتِ سفلیہ سحریہ مقارن للدُنیا ہیں کرامت سے بھی ہزار درجہ نیچے اور کمزور ہے۔ نبوت کا معجزہ تو عالَمِ اعلیٰ کی قوتوں والا ہوتا ہے اُس سے مقابلہ نری ناکامی ہی ہے۔ یہ سب معلومات اُن کے سحرِ عظیم سے ان کو حاصل ہوئیں تھیں۔ لہٰذا جادو کی قوتیں صرف اسی عالَمِ اجرامِ سفلیہ پہ چل سکتی ہیں۔ منبعِ تائیدِ قہر اور قوت و قدر پر نہیں چل سکتیں اس لیے کہ جادوگر کے کفر کی وجہ سے اُس کے لیے حصینہ نوریہ اور شعاعِ قدسیہ کا حصول کمزور ہوتا جاتا ہے۔ جب کہ انبیاءِ کرام علیہم السّلام اور اولیاء اللہ کے نفوسِ قدسیہ کی قوتِ اقبال علی الحق میں بڑھتی رہتی ہیں۔ قربِ نبوت کی محفلوں میں تین تمغے عطا فرمائے جاتے ہیں ۱۔ انوارِ قدس کی اُلفت ۲۔ قوتِ ملکوتیہ کی تائید ۳۔ بارگاہِ الٰہیہ کی توجہ۔ بندہ اپنے عجز و انکسار کی وجہ سے تمام لوگوں سے زیادہ نبی کی معرفت حاصل کر لیتا ہے اور سب سے زیادہ دعوتِ رسالت کو قبول کرنے والا اور انوارِ ولایت کو پانے والا ہوجاتا ہے۔ اقرارٌ باللسان سبب ہے محفلِ نبوت میں سبقت لے جانے کا اور تصدیق بالقلب سبب ہے استعداد و قوتِ قرب کا اسی لیے مومن کامل کو قربِ کامل نصیب ہوتا ہے۔ ایمان کے ذریعے مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں ہر ایک کو ایک دوسرے کی ضروریات پوری کرتے رہنے کا خیال رکھنا چاہیئے اس لیے جو کوئی کسی مومن کی ضرورت پوری کرے گا تو رب تعالیٰ قیامت میں اس کی ضرورتوں کو پورا فرمائے گا۔ روحیں ایک لشکر کی مانند ہیں جو ایک جگہ جمع ہوتی ہیں جن میں تعارف ہوگیا وہ دنیا میں آکر اس سے مانوس ہوتی ہے اور جنہیں ناموافقت رہتی ہے وہ الگ رہتی ہیں جب نفس کا قلب سے مقابلہ ہوتا ہے تو نفس کی برائی کا مادہ زائل ہوجاتا ہے یہی اُس کی شکست ہے مگر حقیقتاً یہ ہار نہیں ہے لیکن جب نفس کا نفس سے مقابلہ ہوتا ہے تو لاُقطعن کا فتنہ اور لاُصلبن کی گمراہی بھڑک اٹھتی ہے۔ اور عصمت کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ وَهُوَ الْمُوَفِّقُ

قَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ

سب جادوگر. بولے اب ہم ہرگز تجھ کو پسند نہیں کریں گے ان کے ہوتے ہوئے جو

بولے ہم ہرگز تجھے ترجیح نہ دیں گے ان

الۡبَيِّنٰتِ وَالَّذِىۡ فَطَرَنَا فَاقۡضِ مَاۤ اَنۡتَ

روشن نشانیاں ہمارے پاس آگئی ہیں قسم ہے اس ذات کی جس نے پیدا کیا ہم کو تو فیصلہ کر ڈال جو تو

روشن دلیلوں پر جو ہمارے پاس آئیں ہمیں اپنے پیدا کرنے والے کی قسم تو تو

قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقۡضِىۡ هٰذِهِ الۡحَيٰوةَ

فیصلہ کرنے والا ہے تو صرف فیصلہ کرسکتا ہے اسی

کرچک جو تجھے کرنا ہے تو اس دنیا ہی کی زندگی

الدُّنۡيَا ؕ ﴿۷۲﴾ اِنَّاۤ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَـغۡفِرَ لَنَا

دنیوی زندگی میں بے شک ہم تو ایمان لا چکے ہیں اپنے رب پر تاکہ بخشدے وہ ہمارے لیے

میں کرے گا. بے شک ہم اپنے رب پر ایمان لائے کہ وہ ہماری خطائیں

خَطٰيٰنَا وَمَاۤ اَكۡرَهۡتَنَا عَلَيۡهِ مِنَ السِّحۡرِ ؕ

ہمارے تمام قصور اور وہ بھی جو مجبور کیا ہے تو نے ہم کو جس پر جادوگری سے

بخش دے اور وہ جو تو نے ہمیں مجبور کیا جادو پر

وَاللّٰهُ خَيۡرٌ وَّاَبۡقٰى ﴿۷۳﴾ الثلثة اِنَّهٗ مَنۡ يَّاۡتِ

اور اللہ ہی ہمیشہ اچھا اور باقی رہنے والا ہے بے شک قانون یہ ہے کہ جو شخص آئے گا

اور اللہ بہتر ہے اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا بے شک جو اپنے رب کے

رَّبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا یَمُوْتُ

اپنے رب کے پاس مجرم بن کر تو یقیناً اس کے لیے دوزخ ایسی کہ نہ مرتے جیا ہو

حضور مجرم ہو کر آئے تو ضرور اس کے لیے جہنم ہے جس میں نہ مرے

فِیْهَا وَ لَا یَحْیٰی ﴿۷۴﴾

اس میں نہ زندوں جیسا

نہ جیئے۔

تعلقات ان آیت کریمہ کا پچھلی آیت کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت میں فرعون کی انتقامی گفتگو کا ذکر ہوا کہ تم سب جادوگروں کو میں اس طرح سولی کی سزا دوں گا اور اس طرح تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹوں گا۔ اب ان آیت میں جادوگروں کے صبر آمیز دلیرانہ جواب کا ذکر ہو رہا ہے۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں ذکر ہوا کہ فرعون نے اپنے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مقابلہ کرتے ہوئے جادوگروں سے کہا تھا کہ تم کو پتہ لگ جائے گا کہ کس کا عذاب سخت ہے آیا موسیٰ کے رب کا عذاب یا میرا عذاب۔ اب ان آیت میں ذکر ہے کہ جادوگروں نے فرعون کا منہ توڑ جواب دیتے کہا کہ تیرا عذاب تو فقط دنیوی زندگی کے ہی چند لمحوں تک ہے ابدی عذاب تو رب تعالیٰ کا ہی ہے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں ایمان کی ایک شق یعنی تصدیقٌ یا لقلب کا ذکر ہوا کہ سب جادوگر دل سے مومن ہو کر سجدے میں گرے۔ اب ان آیت میں ایمان کی دوسری شق یعنی اِقرارٌ باللسان کا ذکر ہو رہا ہے۔

تفسیر نحوی قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰی مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَ الَّذِیْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَاۤ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ؕ اِنَّاۤ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِیَغْفِرَ لَنَا خَطٰیٰنَا۔ قَالُوْا فعل ماضی جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ کا مرجع وہی سب جادوگر فرعونی۔ یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہولہ لَنْ نُّؤْثِرَ۔ باب افعال کا فعل مضارع نفی تاکید بلن جمع متکلم اس کا مصدر ہے اِیْثَارٌ مادہ اَثْرٌ ہے بمعنی ترجیح

دینا۔ ایک کو چھوڑ کر دوسرے کو پسند کرنا۔ اصطلاحاً اپنے فائدے کو کسی کے لیے چھوڑنا ایثار کہلاتا ہے باب افعال میں دو ہمزہ جمع ہوئیں جس کی وجہ سے جعد (الجھاؤ) پیدا ہوا تو مصدر میں دوسری (مادے کی) اصلی ہمزہ کو یٰ سے بدلا گیا اور لَنْ نُؤثِرَ میں ما قبل کے ضمہ کی وجہ سے واؤ سے بدلا گیا۔ حرف نفی نے نصب دیا نَحْنُ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل ہے کَ ضمیر منصوب متصل واحد مذکر حاضر مفعول بہ ہے مرجع فرعون ہے عَلٰی جارّہ فوقیت کا بمعنی مقابل مَا اسم موصول جَاءَ باب ضَرَبَ کا فعل ماضی مطلق ھُوَ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل نَا ضمیر جمع متکلم مفعول معہٗ ہے یا ظرف ہے مِنْ جارّہ تبعیضیہ اَلْبَیِّنٰتِ الف لام جنسی یا ذہنی جمع مؤنث سالم ہے بَیِّنَۃٌ بمعنی ظاہر ظہور نشانیاں یہ جار مجرور متعلق ہے جَاءَ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا

موصول صلہ مجرور متعلق ہے۔ لَنْ نُؤثِرَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مقولہٗ اوّل ہوا۔ واؤ قسمیہ اَلَّذِیْ اسم موصول واحد مذکر مراد ہے اللہ تعالیٰ مجرور ہے واؤ جارّہ سے فَطَرَ باب نَصَرَ کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب ھُوَ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل مرجع ہے اَلَّذِیْ نَا ضمیر بارز جمع متکلم منصوب متصل مفعول بہٖ فَطَرَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر قسم ہوا۔ فَ جزائیہ زائدہ اِقْضِ باب ضَرَبَ کا امر حاضر معروف اَنْتَ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل مخاطب مرجع فرعون ہے مَا اَنْتَ۔ مَا اسم موصول۔ اَنْتَ مبتدا ضمیر منفصل مرفوع قَاضٍ باب ضرب کا اسم فاعل واحد مذکر ھُوَ ضمیر صیغہ اس کا فاعل دراصل تھا قَاضِیٌ اسم منقوص ہے بحالت رفع تقدیری اعراب ہوتا ہے اور یہاں تنوین سے مانع کوئی نہیں اس لیے یٰ اور نون تنوین دو ساکن جمع ہوئے یٰ گر گئی۔ یہ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا وہ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا وہ دونوں مل کر مفعول بہ ہوا اِقْضِ کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جواب قسم ہوا قسم اپنے جواب قسم سے مل کر مقولہ دوم ہوا۔ اِنَّمَا۔ اِنَّ حرف مشبہ زائدہ ما کافہ کی وجہ سے اب ترجمہ ہے فقط۔ کلمہ حصر ہے۔ تَقْضِیْ باب ضَرَبَ کا فعل مضارع مستقبل واحد مذکر حاضر اَنْتَ ضمیر صیغہ اس کا پوشیدہ فاعل مرجع فرعون۔ ایک قرأت میں یہ تُقْضٰی ہے مجہول واحد مؤنث غائب ھٰذِہٖ ھَا حرف تنبیہ ذِہٖ اسم اشارہ قریبی واحد مؤنث اس کا مذکر ہے ھٰذَا یہاں مؤنث سماعی کے لیے ہے۔ منصوب ہے مگر مبنی ہے اس لیے نصب ظاہر نہیں اَلْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا موصوف صفت ہے مشار الیہ ہے سب مل کر مفعول فیہ ہے تَقْضِیْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ حصریہ ہو کر

مقولۂ سوم ہوا۔ اِنَّآ۔ دراصل اِنَّ نَا ہے۔ حرفِ مشبّہ اور ضمیر جمع متکلم مرجع وہی تئے مومن صحابی جادوگر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ۔ نَا ضمیر اسمِ اِنَّ اٰمَنَّا۔ بابِ افعال کا فعل ماضی مطلق معروف جمع متکلم بِرَبِّنَا ترجمہ ہے ہم اپنے رب پر یہ مرکب اضافی جار مجرور متعلق ہے اٰمَنَّا کا لامِ تعلیلیہ (لامِ کَیْ) یَغْفِرَ۔ بابِ ضرب کا مضارع معروف واحد مذکر غائب ھُوَ ضمیر پوشیدہ اِس کا فاعل مرجع رَبِّنَا ہے غَفْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ ڈھکنا چھپانا مٹانا بخشنا یہاں آخری معنیٰ میں ہے لَنَا لام حرفِ جر نفع کا نَا ضمیر مجرور متعلق ہے۔ خَطٰیٰنَا اسم جمع مکسّر ہے خَطِیْئَۃٌ۔ خَطَأٌ مہموز اللام سے ہے لغوی معنیٰ ہے بلا ارادہ کوئی کام کر لینا۔ اصطلاحًا پانچ معنیٰ میں مستعمل ہے ۱۔ خطا بمعنیٰ بھول چوک نسیان کی غلطی ۲۔ خطا بمعنیٰ لغزش ۳۔ بے سمجھی کی غلطی ۴۔ خطا بمعنیٰ سَیِّئَہ گناہ ۵۔ خطا بمعنیٰ تقصیر یعنی کمی کرنا مکمل نہ کرنا یہاں بمعنیٰ سیئات ہے۔ نَا ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ مَا اسم موصول اَکْرَھْتَ بابِ افعال کا ماضی مطلق معروف واحد مذکر حاضر مصدر ہے اِکْرَاہٌ بمعنیٰ مجبور کرنا ناپسندیدہ کام کرانا۔ اَنْتَ ضمیر صیغہ اس کا فاعل مخاطب فرعون ہے نَا ضمیر مفعول بہ عَلٰی بمعنیٰ فوقیت یا بمعنیٰ لامِ جارّہ تعدیہ کا ہِ ضمیر واحد یعنی مذکر غائب مرجع ہے مَا موصولہ یہ جار مجرور متعلق اوّل ہے مِنْ حرفِ جر تبعیضیہ السِّحْرِ۔ اسم مفرد معرفہ مصدر ہے۔ علماءِ نحو کے نزدیک اس طرح کے مصدر یعنی بکسر الفاء صرف چند ہی ہیں مثلاً فِعْلٌ۔ سِحْرٌ۔ عِلْمٌ۔ غِلْمٌ وغیرہ خیال رہے کہ عربی لغت میں مصدر کی تین قسمیں ہیں ۱۔ مصدر مادّہ مجرد مثلاً نَصْرٌ ضَرْبٌ قَتْلٌ وغیرہ ۲۔ مادّہ مزید فیہ مثلاً نُصْرَۃٌ قِلَّۃٌ قِرَأَۃٌ۔ ان مادوں کا فَ کلمہ (پہلا حرف) ہر حرکت میں دستیاب ہیں یہ مادّہ مجرد مادے سے بنتا ہے کبھی موافق ہم وزن جیسے ضَرْبٌ ضَرْبَۃٌ کبھی مخالف وزن سے جیسے نَصْرٌ سے نُصْرَۃٌ اور قَرْءٌ سے قِرَأَۃٌ ۳۔ مصدر مزید فیہ یہ بھی مادہ مجرد سے بنتے ہیں۔ جیسے نَصْرٌ سے اِسْتِنْصَارٌ۔ اِنْتِصَارٌ۔ سِحْرٌ کا لغوی معنیٰ ہے خفیہ چیز یا خفیہ کام اس معنیٰ سے اندرونی بینے اور پھیپھڑوں اور کھائی جانے والی غذا کو بھی سحر کہتے ہیں اصطلاحِ سحر اعتبار سے ہر اس کام وعمل کو سحر کہا جاتا ہے جو نظروں میں حیران کن لگے اور نقصان یا نفع دے اِس اصطلاحی معنیٰ کے اعتبار سے جنتر منتر تنتر اور شعبدہ بازی کو بھی سحر کہا جاتا ہے اور ہر جادوگر وجناتی عمل کو بھی سحر کہا جاتا ہے جادو ایک مستقل علم ہے جس کے لیے عمل وظیفے اور چلّے کیے جاتے ہیں اس کا مزید بیان اور اقسام تفسیر عالمانہ میں مذکور ہوگا۔ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ تعالیٰ مِنَ السِّحْرِ یہ جار مجرور متعلق دوم ہے اَکْرَھْتَ کا وہ سب جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا۔ یہ موصول

صلہ معطوف ہوا خطایا پر دونوں مل کر مفعول بہ ہوا یغفر کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر علت با مسبب ہوا اٰمنّا کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر اِنَّ پھر مقولہ چہارم ہوا وَ اللّٰہُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی۔ واؤ سر جملہ زائدہ اللّٰہُ مبتدا خیرٌ معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَبْقٰی اسم تفضیل مذکر ھُوَ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع اللّٰہ ہے یہ دونوں جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہوا خیرٌ کا دونوں مل کر خبر مبتدا۔ دونوں جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ پنجم ہوا۔ اِنَّهٗ مَنْ یَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَ لَا یَحْیٰی اِنَّ حرفِ مشبہ ہٗ بارز یعنی ظاہر موجود اس کا اسم ہے مرجع ذھنی ہے مراد ہے عام انسان ایک قول میں اِنَّ زائدہ اور ہٗ ضمیرِ شان۔ مَنْ اِسم موصول شرطیہ یَاْتِ بابِ ضَرَبَ کا مضارع معروف واحدِ مذکر غائب اَتْیٌ مہموز الفا اور ناقص یائی سے مشتق ہے بمعنیٰ آنا۔ مجزوم ہے مَنْ شرطیہ کی وجہ سے دراصل تھا یَاْتِیْ جزم کی وجہ سے آخر کی یٰ لام کلمہ حرفِ علت، گر گئی ھُوَ پوشیدہ ضمیرِ صیغہ اس کا فاعل ہے مرجع مَنْ ہے رَبَّهٗ یعنی اپنے رب کے پاس یہ مرکبِ اضافی ظرف ہے یا مفعول مَعَهٗ مُجْرِمًا۔ بابِ اِفعال کا اسم فاعل واحد مذکر جُرْمٌ سے بنا ہے لغوی ترجمہ ہے درخت سے پھل توڑنا اصطلاحی ترجمہ ہے جرم کرنے والا مراد ہے کفر شرک ھُوَ ضمیرِ صیغہ اس کا فاعل مرجع وہی مَنْ ہے یہ اسم فاعل جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے یَاْتِ کے فاعل کا یَاْتِ سب سے مل کر جملہ فعلیہ اِنشائیہ موصول کا صلہ ہو کر شرط ہوئی فَ جزائیہ اِنَّ حرفِ مشبہ بالفعل (عمل میں) لَهٗ جار مجرور متعلق ہے ثَابِتٌ پوشیدہ اسم فاعل کا ھُوَ ضمیرِ صیغہ اس کا فاعل۔ وہ سب سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبرِ مقدم ہے اِنَّ کی جَهَنَّمُ اسم مفرد معرب موصوف ہے لَا یَمُوْتُ۔ بابِ نَصَرَ کا فعل مضارع منفی بلا معروف واحد مذکر غائب بمعنیٰ مستقبل مَوْتٌ اجوف واوی سے مشتق ہے ھُوَ ضمیر صیغہ اس کا فاعل مرجع مَنْ ہے فِیْهَا جار مجرور متعلق ہے۔ لَا یَمُوْتُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَا یَحْیٰی بابِ سَمِعَ کا مضارع معروف واحد مذکر غائب منفی بلا حَیٰوۃٌ لفیف مقرون سے مشتق ہے اسی سے ہے حَیٰوۃٌ بمعنیٰ زندہ ہونا۔ رہنا۔ زندگی ھُوَ پوشیدہ ضمیرِ صیغہ اس کا فاعل مرجع مَنْ ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف دونوں عطف مل کر صفت ہے جہنم کی یہ مرکبِ توصیفی اِنَّ کا اسم مؤخر وہ اِنَّ جملہ اسمیہ ہو کر جزا ہوئی یہ شرط و جزا دوسرے قول میں یہیں مقولہ ششم ہو گیا لیکن پہلے قول کی ترکیب میں خبرِ اِنَّ ہو کر جملہ اسمیہ بن کر پھر مقولہ ہوا قَالُوْا اپنے تمام مقولوں سے مل کر جملہ قولیہ ہو گیا لیکن اگلی آیت مَنْ تَزَکّٰی تک اسی مَنْ یَّاْتِ رَبَّهٗ سے متعلق ہے وہاں مقولہ ششم مکمل ہوتا ہے

تفسیر عالمانہ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَ الَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا۔ فرعون نے یہ دھمکی صرف اس لیے دی تھی کہ جادوگر پھر میرے حضور جھک جائیں مگر جادوگروں نے اس دھمکی کا ذرہ بھر اثر نہ لیا۔ اگر فرعون کی یہ چال کامیاب ہو جاتی تو اس کو تین فائدے پہنچتے ۱ عوام میں اُس کی یہ بات تھوڑے دنوں کے لیے سچ معلوم ہوتی کہ موسیٰ واقعی ایک بڑے جادوگر ہیں ۲ یہ بھی سچ ہو جاتا کہ جادوگروں کا ایمان سچا نہیں تھا صرف ایک جھوٹی بناوٹ اور منصوبے سازی تھی ۳ ذہنی انتشار کا شکار عوام لوگ دوبارہ فرعون پر مطمئن ہو جاتے اور اس کے متعلق ان کے عقیدے اور مضبوط ہو جاتے اسی لیے فرعون نے ایک دم سزا جاری نہ کی بلکہ پہلے عَلَی الْاِعلان خوب سختی وغیظ وغضب میں آکر سنائی۔ مگر چونکہ یہ ایمان جھوٹا نہ تھا اس لیے کسی نے بھی کمزوری نہ دکھائی عشقِ الٰہی کا رنگ پختہ چڑھ چکا تھا۔ دیدارِ موسیٰ علیہ السّلام کا فیض کوئی معمولی بات نہ تھی یہ تو قربتِ نبوت ورسالت کا دِل نگار سینہ ٹھار اثر ہی تھا کہ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ۔ تمام جادوگروں نے یہ سخت ترین دھمکی تاریخِ عالم کی پہلی سزا دل ہلا دینے پتے پھاڑ دینے والی موت کا پیغام سن کر بھی بیک زبان ہو کر کہا اے فرعون قسم ہے اُس ذاتِ کریم کی جس نے تمام علوی سفلی نیستوں نابودوں کو ہستی عالم میں ظاہر و ثابت قائم و مخلوق فرمایا اب ہم تجھ کو پسند نہ کریں گے کبھی بھی۔ اس بنا پر کہ اب ہمارے پاس عقل و دل کے شعور میں وہ آیتیں وہ نشانیاں مکاشفاتِ ظاہرہ و باہرہ آ گئی ہیں جو ہم نے ہی نگاہِ بصیرت سے دیکھیں اس لیے وہ ہمارے ہی پاس آئیں۔ جادوگروں نے مقابلے کے وقت تو بینات دیکھیں یعنی ۱ عصا کا سانپ بن جانا ۲ اُس کا پہاڑ جیسا جسیم ہونا ۳ لیکن اُس کی پھرتی پتلے باریک سانپوں جیسی ۴ سب کچھ نگل جانا ۵ فرعون اور اُس کے پورے خیمے کو نگلنے کے لیے آگے بڑھنا، فرعون کا گھبرا کر چیختے چلاتے یاموسیٰ المدد پکارتے ہوئے بھاگنا۔ اور گڑگڑانا کہ اے موسیٰ اس کو پکڑو ۶ جب حضرت موسیٰ نے اژدھا کو پکڑنے کے لیے ہاتھ لگایا تو اُس کا پھر اُسی طرح پتلی لمبی قد برابر لاٹھی بن جانا ۷ سجدے میں جنت اور اپنے جنتی گھر دیکھنا اور جہنم اور جہنم میں کفار کے گھر دیکھنا ۸ علم لدنی حاصل ہونا ۹ عالی شان جرأت و بہادری صبر شکر کی نعمت ملنا کہ جس کے سامنے کبھی بولنے کی جرأت نہ تھی اُس سے برملا سب کے سامنے لَنْ نُّؤْثِرَكَ۔ جیسے سخت ذلت و نفرت انگیز الفاظ بول لیے۔ اور ایسی عارفانہ خطیبانہ فصیحانہ تقریر فرمانا کہ جنت و دوزخ عذاب عتاب عقاب و ثواب، توحید و رسالت ایمان ایقان جزم

ومومن حشر نشر عبادت و عمل۔ عذابِ الٰہی کی بقاء انعامِ الٰہی کی خیر و وفا کے بیان میں تقریر فرمادی
اور پورے ایمانیات شرعیات طریقت و معرفت کا ایسا نقشہ کھینچا کہ ساٹھ ساٹھ سال تک پڑھنے
والے علماء بھی بیان نہیں کر سکتے یہاں آیت کو بینات فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی
نسبت سے وہ آیت تھیں مگر بندے کے مشاہدے کے اعتبار سے وہ بینات تھیں ان
آیت کا مشاہدہ سب نے کیا مگر فرعون و فرعونیوں نے ان کو بلیاتِ دنیا سمجھا لیکن جن خوش
بختوں کو رب تعالیٰ نے پسند فرما لیا اُن کے لیے وہی آیت انوارِ حق کی بینات بن گئیں پھر
بہادری اتنی عظیم کہ علی الاعلان کہتے ہیں فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ جو تو نے ہمارے لیے سزا
تجویز کی ہے وہ کر گزر اب ہم کو نہ تیرے انعام کی رغبت نہ تیری سزا سے رھبت ہم جان
گئے ہیں کہ تیرا صرف ظاہری حکم ہوگا۔ فیصلہ ازلیہ اُسی خالق ارض وسما کا وہی نافذ ہوگا جو اُس نے
ہماری موت و شہادت کا عالم امر میں لکھ دیا ہے تیرا حکم تو صرف اسباب پر چل سکتا ہے اسی لیے
اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا۔ تو نے ہمارے لیے ظلم ستم سزا کا جو بھی فیصلہ اجرا
کرنا ہے وہ فقط اسی چند ساعتوں کی ہماری زندگی کی سانسوں میں ہی کرنا ہے تو کیسی بھی سخت
سزا دیدے آخر اُس کو ختم ہونا ہے۔ تیری سزا کی تکلیف تو ہماری جان تک ہے جان
ختم تو ساری تکلیفیں ختم۔ جادوگروں کا یہ قول ماقبل لَنْ نُّؤْثِرَكَ کی علت اور مابعد اِنَّآ اٰمَنَّا
بِرَبِّنَا کی تمہید ہے۔ یعنی ہم اس لیے تجھ کو ناپسند کرتے ہیں کہ تیری ہر چیز حکومت قانون
سزا جزا یہ اکڑ و تکبر یہ کفر و شرک کے لغویات اور الٰہیت و ربوبیت کے جھوٹے دعوے
اس تیری فانی زندگی تک ہیں اسی وجہ سے اب ہم اپنے سچے رب حقیقی معبود پر ایمان لے
آئے ہیں۔ اُس کی ربوبیت ابدی اُس پر ایمان سدا بہار۔ دنیا کی دنیوی زندگی میں ہر شخص کو
یا عَذَبِ دنیا نصیب ہوتا ہے یعنی نعمت دولت عزت شہرت قوت حسن صحت لذت یہ
عَذَبِ دنیا ہے۔ یا عذابِ دنیا۔ یعنی غریبی کمزوری ذلت عسرت بیماری جرم و سزا۔ مگر
بندہ جب قرب نبوت پا لیتا ہے تو ایسے مقام علیا پر پہنچا ہوتا ہے کہ نہ اس کو عذبِ
دنیا کی خواہش رہتی ہے نہ عذابِ دنیا کا ڈر خوف رہتا ہے۔ وَالَّذِیْ الخ
میں مفسرین کے دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ قسمیہ جملہ ہے یعنی اُس ذات کی قسم جس نے ہم سب کو پیدا کیا
یہی قول مضبوط اور درست ہے ۲ بعض نے کہا کہ یہ عطف ہے بَیِّنَات پر یہ جملہ قسم نہیں ہو
سکتا کیونکہ قسم کا جواب نفی تاکید لَنْ سے صحیح نہیں ہوتا۔ ہمیں کی وجہ یہ کہ خبریہ قسم میں زمانہ حال ہوتا

ہے مگر نفی تاکید بلن زمانہ مستقبل ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ قول بھی غلط ہے۔ اور راس کی یہ توجیہ بھی غلط قول تو اس لیے غلط ہے کہ عطف ماننے کی صورت میں یا تو علیٰ مقدر ماننا پڑے گا حالانکہ مقدر ماننے سے حتی الامکان بچنا بہتر ہے اور پھر مقدر ماننے کی کوئی مضبوط وجہ ہونی چاہیئے جس کے بغیر چارہ نہ ہو بلا وجہ تقدیری عبارتیں بنانا گناہ ہے۔ اور اگر بغیر مقدر مانے عطف کیا تو عطف ہوگا مِنَ الْبَیِّنٰتِ پر اور یہ اس لیے غلط کہ پھر اَلَّذِی کو عطف تابعی کی وجہ سے مِنْ تبعیضیہ کے تحت ماننا پڑے گا اور یہ کفر ہے کیونکہ اَلَّذِی سے ذاتِ باری تعالیٰ مراد وہ بعض ہونے سے پاک ہے توجیہ اس لیے غلط کہ اوّلاً تو یہ کہنا کہ نفی تاکید بلن سے جوابِ قسم نہیں ہو سکتا۔ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کلامِ شعرا میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ دوم یہ کہ قسمِ خبریہ میں اگرچہ زمانہ حال ہوتا ہے مگر نفی تاکید بلن سے جواب بنانا اُس حال کو مستقبل تک دراز کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ تو لَنْ نُّؤْثِرَکَ کا معنیٰ یہ ہوا کہ ہم آج سے آئندہ تا عمر تجھ کو ہرگز پسند نہیں کرتے۔ اب ہمارا تیرا کوئی تعلق نہیں نہ تو ہمارا بادشاہ نہ ہم تیری رعایا نہ تیرے پاس جزائے سزائے قانونًا جو کچھ بھی ہے سب فانی ہے اور دنیوی نفع نقصان کو اُخروی ابدی نفع نقصان پر ترجیح نہیں دی جا سکتی ہے۔ عشقِ پاکیزہ کی تو شانِ ادا ہی نرالی ہوتی ہے وہ تو آتشِ نمرود میں بھی بے خطر کود پڑتا ہے لیکن یہ تو عقلِ سلیم کا بھی تقاضہ ہے کہ فانی دنیا کا وہ نقصان و مصیبت جو سعادتِ باقیہ ابدیہ سے ملا دے وہ برداشت کر لینی چاہیئے ہاں البتہ۔ اپنے عیبوں کا ہمیں اقرار ہے ربِّ اکرم بھی بڑا غفار ہے۔ اِسی سچے پکے یقینی بھروسے پر۔ اِنَّاۤ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِیَغْفِرَ لَنَا خَطٰیٰنَا وَمَاۤ اَکْرَهْتَنَا عَلَیْهِ مِنَ السِّحْرِ وَاللّٰهُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی ۔ بے شک ہم اپنے رب تعالیٰ پر ایمان لے آئے ہیں اور ہمیں یقین کامل ہے کہ وہ رب غفور و رحیم ہماری توبہ سب چھوٹے بڑے ظاہر و پوشیدہ گناہوں سے قبول فرما کر ہماری موت سے پہلے پہلے بخشش فرما دے گا۔ ہمارے گناہ کفر اور جہالت کی وجہ سے خطائیں ہم سے سرزد ہوتے رہے اور ہمارے اُس جادوگری کے کفر کو بھی معاف فرما دے جس پر تو نے ہم کو مجبور کیا تھا پہلے کہ ہماری توبہ کاملہ و صادقہ ہے اے فرعون تو نے تو اپنی ہی ایجادی سزا کو ہی اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰی سمجھ لیا کہ ہاتھ پاؤں کاٹنے تیرے گمان میں اشد عذاب ہے اور زیادہ دن سولی پر لٹکا رکھنا تیرے نزدیک اَبْقٰی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں پر دائمی رحمت و برکت کرتے ہیں ہر

ہر طرح خیر و بہتر ہے۔ اور کافروں پر صرف اُسی کا عذاب ہمیشہ رہنے والا اَبقیٰ ہے۔ سبحان اللہ کیا قدرت کا نظامِ کرم ہے کہ عمر بھر کے بے علم جاہل کافر آن کی آن میں کتنے علم فضل شرح صدر اور باہمت و جرأت ہو گئے کہ ایسی بے باک تقریر فرمائی گویا کہ ان کا کفر ساری عمر کا اور ایمان ابھی چند لمحوں کا جس نے عمر بھر کا کفر مٹا دیا بلکہ ظاہری باطنی حُلیہ بدل دیا کہ دل صدیقوں والا آواز صالحین جیسی جرأت و بہادری صابرین جیسی قربانی شہیدوں والی ایمان شاکرین استقلال راغبین والا کہ فرعونی طاغوتی سلطنت کا پورا قہر و جلال بھی اِن کی استقامت فی الدین پر غلبہ نہ پا سکا یہاں فرمایا گیا خَطَایَانَا۔ سَیِّئَات یا ذُنُوب نہ فرمایا گیا اس لیے کہ خطا ہر اس شرعی جرم کو کہتے ہیں جو غلطی بھول چوک لاعلمی سے ہو اگرچہ کفریہ شرکیہ یا گناہِ کبیرہ و صغیرہ ہو۔ ذُنُوب اُن غلطیوں کو کہا جاتا ہے جو گناہِ کبیرہ ہو مگر کسی پر ظلم نہ ہو۔ اپنے آپ پر ظلم ہو۔ اور جان بوجھ کر علم رکھتے ہوئے کیا جائے سَیِّئَات وہ گناہ کبیرہ و صغیرہ ہیں جس میں کسی پر ظلم بھی ہو۔ دوسرا فرق یہ کہ جو بذاتِ خود بُرا ہو وہ سَیِّئَہ جو کسی اور کی نسبت سے بُرا ہو جائے وہ ذَنب ہے اور جس کا ارادہ کیا جائے۔ لیکن جس کا بالغرض بلا ارادہ صدور ہو جائے وہ خطا ہے۔ اَکْرَهْتَنَا کی چار صورتیں بیان کی گئیں ہیں۔ ایک یہ کہ پہلے زمانے کے بادشاہ اپنی سلطنت کو ناگہانی دشمن سے بچانے کے لیے جادوگر تیار کرتے کراتے اور رعایہ میں سے چند لوگوں کو جبراً اس کو سیکھنے پر منتخب کیا جاتا تھا فرعون نے بھی اِن جادوگروں کو کئی سال پہلے ملکی حفاظت اور پیشگی خبریں دینے کے لیے جادو سیکھنے پر مجبور کیا تھا۔ یہاں وہی اکراہ مراد ہے دوم یہ کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے جس وقت یہ بہتّر جادوگر مصر کے مہمان خانے ایک جگہ جمع ہوئے تو حضرت موسیٰ اور ان کے کرتبوں کے متعلق گفتگو ہوئی اسرائیلی جادوگروں نے اپنے استاد قبطی جادوگروں سے کہا کہ ہم نے کئی دفعہ دیکھا ہے کہ موسیٰ سو رہے ہیں اور ان کا وہ عصا اُن کی حفاظت کر رہا ہے۔ اُستاد جادوگروں نے کہا کہ اگر یہ بات ہے تو وہ جادو نہیں معجزہ ہے اور اس سے مقابلہ ناممکن ہے ہم شکست کھا جائیں گے وہ یقیناً صادق ہیں پھر سب نے یہ بات فرعون سے بھی کی اور کہا کہ کسی بہانے مقابلہ مُلتوی کرا دے ورنہ ہماری شکست کی صورت میں تیری ذلت زیادہ ہو گی۔ مگر فرعون نے بات نہ مانی اور ان کو مقابلے پر مجبور کیا۔ یہاں اَکْرَهْتَنَا سے یہی مراد ہے۔ تیسری صورت یہ کہ جب جادوگروں کے پاس فرعون کا بلاوا پہنچا تو جادوگروں نے کہا تھا کہ ہم اس تاریخ کو مصروف ہیں نہیں آ سکتے مگر ان کو ڈرا

دھمکا کر اور لالچ دے کر جبرًا بلایا۔ اکراہ سے یہی جبری بُلاوا مراد ہے۔ چہارم یہ کہ ظالم جابر بادشاہوں کی خوشی کی دعوت میں آنا بھی اکثر عوام رعایہ کے لوگ پسند نہیں کرتے خائف رہتے ہیں اگرچہ دوستانہ ماحول میں ہو کہ پتہ نہیں کب موڈ خراب ہو جائے اور دعوت خانہ کی بجائے مہمانوں کا قتل خانہ بن جائے۔ گویا کہ تیرا یہ بلاوہ ہی ہمارے لیے ایک جبر اکراہ کے مشابہ ہے۔ اور یہی کچھ ہو رہا ہے کہ صرف ہمارے ذاتی اختیاری ایمان لانے کو بھی تو برداشت نہیں کر رہا ہے۔ ہم نے تیرے خلاف نہ کوئی بات کی نہ تیرے خلاف کسی کو اُکسایا نہ کسی اور کو ایمان لانے پر آمادہ کیا نہ اس مقابلے اور اپنی شکست کا اپنی زبان سے ذکر کیا۔ کیا یہ ظالمانہ جبر و اکراہ نہیں کہ ہم کو اپنی من مرضی سے دین بھی اختیار کرتے نہیں دیا جاتا۔ جب کہ ہم اسرائیلی جادوگر تو پہلے بھی اسی دینِ طٰرون و موسیٰ پر تھے صرف تیرے مجبور کرنے پر جادو سیکھنے سے کافر ہوئے تھے اب جب کہ اسی مقابلے میں اپنی ایمانی روشنی دلائل برھان دیکھنے کی وجہ سے ہم دوبارہ مومن ہو گئے کفر جادو سے تائب ہو گئے تو تجھے برداشت نہیں ہو رہا ہے۔ فرعون نے جادوگری سیکھنے کا اکراہ اُس وقت سے شروع کیا تھا جب سے نجومیوں نے ایک اسرائیلی بچہ پیدا ہونے کی پیشگوئی کی تھی۔ اے فرعون تو نے تو ہمیں موت سے ڈرایا ہے مگر تجھے کیا خبر کہ موت ہی تو قربِ الٰہی وصلِ ربانی۔ رجوع الی اللہ کا دروازہ ہے۔ اس دروازے سے تو مجرم مومن سب نے گزرنا ہے موت تو سب کو آنی ہے ہم پر بھی اور تجھ پر بھی۔ مگر ہم نہیں چاہتے کہ ہم اپنے رحیم کریم خالق مالک غفور اور عزیز و جبار غالب غفار کی بارگاہِ قُدس میں مجرم بن کر جائیں اس لیے کہ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى۔ بے شک جو شخص بھی بعدِ موت اپنے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں کفر شرک اکڑ غرور تکبر ظلم نافرمانی کا مجرم بن کر واپس لوٹ کر حسابِ محشر کی حاضری میں جائے گا اُس کے لیے ایسے دردناک دائمی اشدِ عذاب کا جہنم ہے کہ مجرم کو طلب و خواہش کے باوجود نہ اُس عذاب سے چھٹکارے کی موت آئے نہ ایک لمحہ بھی سکون و آرام کا جینا ہی سکے حضرت حکیم الامت یعنی بدایونیؒ فرمایا کرتے تھے کہ موت کا بلاوا تین قسم کا ہے ۱ کافر کے لیے بشکل وارنٹ گرفتاری ۲ فاسق کے لیے بشکل بازپرس عدالت کا سمن اور ۳ مومن متقی کے لیے بارگاہِ قدس وصال کا دعوت نامہ۔ اس کی طرف یہاں اشارہ فرمایا جا رہا ہے۔ بعض مفسر فرماتے ہیں یہاں اَبْقٰى تک جادوگروں کا قول ہے اور اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ سے اللہ تعالیٰ کے فرمودات ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى۔ آیت ۷۶ تک جادوگروں

کا قول ہی منقول ہے۔ اور ان کو یہ علمی معلومات حکمت و وعظ۔ آخرت جنت دوزخ کے حالات مجرم و مومن کے انجام عذاب و ثواب کی خبریں ان کے شرح صدر و علم لدنی سے حاصل ہوئی جو زیارت موسیٰ و دیدار ہارون علیہما السلام کے نورِ قلبی روشنئ ایمانی کے ذریعے عطا ہوئے تھے۔ یہی وہ خصوصیت کمالیہ ہے جو صحابہ کرام اور اولیاء اللہ کو نصیب ہوتی ہے۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ ہر وہ علم اور فن جو نجاتِ اخروی اور ایمانِ الٰہی۔ تقویٰ اعمالی اور ہدایت عرفانی کا ذریعہ بن جائے وہ اچھا ہے۔ اور صاحبِ فن کی خوش قسمتی ہے یہ فائدہ عَلٰی مَا جَآءَنَا (الخ) سے حاصل ہوا کہ دیکھو جادوگری کا فن اگرچہ سراسر کفر ہی ہے مگر تقدیر ازلی میں یہی جادوگری اُن جادوگروں کے ایمان و ہدایت کا ذریعہ بن گئی۔ اس طرح کہ جادوگری کی وجہ سے مقابلہ اور مقابلے کی وجہ سے دیدارِ انبیاء علیہم السلام۔ دیدار کی وجہ سے ادب احترام کیا اور احترام کی وجہ سے ایمان نصیب ہوا اپنے اس فن کی وجہ سے ہی انہوں نے جادو اور معجزے میں فرق جان لیا اور ہدایت پالی ورنہ ہزاروں نے یہ مقابلہ دیکھا کسی کو ایسا عرفان نصیب نہ ہوا۔ دوسرا فائدہ۔ بارگاہِ الٰہی کی سب سے بڑی نعمت زیارت نبی علیہ السلام ہے۔ اس زیارت و قرب طفل سے ایمان۔ صدق کمالیت تقوٰیت جرأت ہمت کرامت اور سب سے بڑا انعام صحابیت حاصل ہو جاتی ہے۔ اگرچہ قربِ حضوری چند منٹ کی ہو اور اگرچہ کسی عمل صالحہ کا موقعہ بھی نہ ملا ہو۔ اسی لیے صحابی کا درجہ تمام دنیا کے اولیا علما غوث و قطب حاجیوں نمازیوں سے زیادہ ہے۔ صحبت مجلس نبوت عقائد ایمانیہ کا اتنا وسیع علم بغیر کسی سے پڑھے بغیر سیکھے حاصل ہو گیا جو ماہرین علما کو علم عقائد پڑھتے سے ہی ملتا ہے لہٰذا یہ کہنا درست ہے کہ انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہوتے ہیں اور صحابہ عظام اپنے نبی علیہ السلام کے غرضکہ قلب میں نور ہو تو علم و فضیلت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ یہ فائدہ فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ سے حاصل ہوا۔ ان جادوگروں کو دیدار ایمان سے ہمت پیدا ہوئی اسی لیے فرعون جیسے ظالم دہشت گرد سے بھی نہ گھبرائے یہ بہادری کافر کو نہیں ہوتی دیکھو مرزا غلام قادیانی سیالکوٹ میں امیر ملت علی پوری کے مقابلے سے بھاگا۔ پیر مہر علی شاہ علیہما الرحمۃ کے مناظرے میں مارے باندھے آ تو گیا مگر ڈر کے مارے پیشاب نکل گیا۔ صوبہ سرحد میں اپنا پیغام تبلیغ بھیجا غیور پٹھانوں نے کہا کہ۔ اینجا بیا۔ مرزا صاحب یہاں آؤ۔ بس ڈر گئے نہ گئے۔ نیز ... مسلمانوں کو ... چاہیئے کہ اگر کوئی بے علم

جہالت سے گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً توبہ کرتے ہوئے اُس گناہ کے کفارے کے طور پر کوئی نیکی کرے اس دعا و امید سے کہ مولیٰ تعالیٰ اس نیکی کے بدلے میرا وہ گناہ معاف فرما دے یہ فائدہ وَالَّذِیْ فَطَرَنَا۔ سے حاصل ہوا کہ دیکھو جادوگروں نے زمانۂ کفر میں وَبِعِزَّۃِ فِرْعَوْنَ کہہ کر غیر اللہ کی قسم کھائی تھی جو ہر شریعت میں شرکیہ گناہ رہا ہے اس لیے ایمان لانے ہی اپنے اُس کفریہ شرکیہ گناہ کا کفارہ دیتے ہوئے وَالَّذِیْ فَطَرَنَا۔ کہہ کر اللہ تعالیٰ کی قسم بولی۔ اسی طرح حضرت وحشی جو قاتل امیر حمزہ تھے زمانۂ کفر میں انہوں نے امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جنگِ اُحد میں شہید کیا تھا مسلمان ہو کر اُس کے کفارے کی فکر کرتے رہے جب جنگِ یمامہ میں مسیلمہ کذاب کو قتل کر دیا تو عرض کی اے اللہ تعالیٰ میں نے امیر حمزہ کے قتل والے گناہ عظیم کا کفارہ مسیلمہ کذاب جھوٹے نبی کو قتل کر کے کر دیا۔ یہ مسئلہ احادیث سے ثابت ہے کہ مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفاتِ خصوصیہ کے سوا کسی بھی چیز کی قسم بولنا جائز نہیں۔ اس کی پوری وضاحت و دلائل ہمارے فتاویٰ العطایا جلد سوم میں دیکھئے۔

احکام القرآن اِن آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ مسلمان کو جائز ہے کہ کسی مصلحت کے تحت اپنے ایمان لانے کی وجہ اور علت بیان کر کے کہہ دے کہ اس لیے ایمان لایا اس کو ایمان مشروط نہیں کہا جا سکتا۔ نہ اس کو مطلب پرستی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ مگر اتنا خیال رہے کہ ایمان کو مخلص کرنے کے لیے اللہ رسول کی نسبت والی علت قائم کی جائے اگرچہ بوقتِ ضرورت دنیوی علت بھی جائز ہے جیسے کہ جنگ کے دوران کفار کا اپنی جان مال کی حفاظت کی شرط پر ایمان قبول کرنا جائز ہے اور اسلامی سپاہ سالار اس شرط کو قبول کرے گا جب حالات کے پیشِ نظر مناسب سمجھے۔ یہ مسئلہ یَغْفِرَ لَنَا میں۔ لَنَا کے لامِ تعلیلیہ فرمانے سے مستنبط ہوا کہ جادوگروں نے اپنے ایمان کی وجہ بتائی کہ ہم اس لیے ایمان لائے ہیں تاکہ رب تعالیٰ ہماری خطائیں بخش دے اسی طرح بعض صحابہ سے مروی ہے کہ انہوں نے آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اگر ہم آپ پر ایمان لے آئیں تو کیا ہمارے سابقہ تمام گناہ معاف ہو جائیں گے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا تب وہ ایمان لائے آج ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہم اس لیے ایمان لائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بخشش نبی کریم کی شفاعت ہمیں ملے۔ دوسرا مسئلہ۔ ہر شریعت میں سب سے زیادہ اور اشد حرام نبی سے مقابلہ کرنا ہے۔ یہی سب سے بڑا کفر ہے۔ مقابلے کی چند صورتیں ہیں

اور ساری ہی گناہِ عظیم ہیں۔ نمبر۱ یہ کہنا کہ ہم انبیاء کی مثل ہیں نمبر۲ یہ کہنا کہ نبی آخر انسان ہی ہے اُس میں بھی ہم جیسی کمزوریاں ہیں (معاذ اللہ) نمبر۳ ہمارے اعمال کا ثواب انبیاء کرام کے اعمال کے ثواب کے برابر ہو سکتا ہے نمبر۴ یہ کہنا کہ کبھی اُمتی کے اعمال نبی کے اعمال کے برابر ہو جاتے ہیں بلکہ بڑھ بھی جاتے ہیں۔ یہ باتیں دیوبندی کتب میں عقیدۃً لکھی گئی ہیں یہ سب قول و عقیدے سخت ترین حرام و کفر ہیں۔ اگر نادانی جہالت سے ہوں تو خطا یا اگر عالمِ دین ایسا کہے تو سَیِّئَاتِ کفریہ ہیں۔ یہ مسئلہ۔ خَطَایَانَا۔ فرمانے کے بعد وَمَا أَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ کہنے سے مستنبط ہوا کہ اگرچہ خَطَایَانَا میں تمام گناہ و کفریات شامل تھے مگر شدتِ حرمت اور سخت قابلِ نفرت ہونے کو ظاہر کرنے کے لیے وَمَا أَكْرَهْتَنَا۔ پھر بھی علیحدہ بیان کیا اور قیامت تک یہ مسئلہ بتا دیا کہ مومن مسلمان کے نزدیک سب سے بڑا کفر نبی سے مقابلہ اور اپنے جیسا سمجھا جانا ہے مقابلہ ہوتا ہی تب ہے جب اپنے جیسا سمجھا جائے فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو دیگر جادوگروں جیسا ایک جادوگر ہی سمجھا تب ہی تو مقابلے پر مجبور کیا۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ایسے گستاخوں سے بچائے۔ آمین بجاہِ نبی الکریم (صلی اللہ علیہ وسلم) تیسرا مسئلہ۔ دینی وقار، اور دینی حمیت۔ ایمانی غیرت مندی کو قائم اور ثابت کرنے کے لیے اپنے آپ کو ہلاکت کے لیے پیش کرنا اور دشمن کے سامنے سینہ سپر ہو کر کہنا کہ اگر مارنا ہے تو مار لے شرعاً جائز ہے یہی کام دنیوی وقار یا خودکشی کے ارادے سے کرنا اور کرانا حرام ہے۔ یہ مسئلہ فَاقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ۔ سے مستنبط ہوا۔ جادوگروں نے دینی استقامت و سچائی قائم رکھتے ہوئے فرعون کے سامنے اپنے آپ کو ہلاکت کے لیے پیش کر دیا قرآنِ کریم میں اس کام اور جرأت مندی کی تعریف کی گئی۔ اگر کوئی شخص بیماری سے تنگ آ کر ڈاکٹر سے کہے کہ مجھ کو زہر کا ٹیکہ لگا دے اور وہ اس طرح مر جائے تو حرام موت مرے گا یہ بھی گویا خودکشی ہے اسی طرح اپنی دنیوی بہادری یا دنیوی مُلک کی خاطر دشمن کے سامنے سینہ سپر ہو جائے اور اُس کو کہے کہ لے مار لے اور وہ مار ڈالے تو گنہگار ہوگا دنیوی بہادری کے اظہار کے لیے موت کے منہ میں جانا حرام ہے یہ بھی گویا خودکشی ہے اسی طرح اپنی دنیوی بہادری یا دنیوی مُلک کی خاطر دشمن کے سامنے اس قسم کی جرأت دکھانا جائز کارِ ثواب ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں پہلا اعتراض۔ یہاں جادوگروں کا قول نقل فرمایا گیا لَنْ نُؤْثِرَكَ عَلَىٰ مَا جَاءَنَا۔ یعنی اے فرعون ہم اب تجھ کو اُن آیاتِ الٰہیہ کی بنا پر پسند نہیں کرتے جو ہمارے پاس آگئیں۔ آیات سے مراد اژدھا اور اُس

کے معجزے کارنامے ہیں یہ آیت تو تمام کے پاس آئیں کیونکہ سب کو نظر آئیں اور سب کو دین موسوی کی تبلیغ مقصود تھی۔ تو پھر مَا جَآءَنَا کیوں کہا گیا کہ ہمارے پاس آئیں۔ جواب اس کے تین جواب دیئے گئے ہیں ایک یہ کہ آیتِ ربانی صرف عصا ہی نہیں تھا۔ بلکہ سجدے میں جو انوار و اسرار اور عجوبات جادوگروں کو دیکھائے گئے وہ کسی اور نے نہ دیکھے اُن کی نسبت سے عَلٰی مَا جَآءَنَا کہنا بالکل درست ہے یہ جواب بہترین درست ہے۔ دوسرا جواب یہ کہ بھی اور ہی کا فرق ہے یعنی جادوگروں نے کہا کہ ہمارے پاس بھی آئیں دوسروں کے پاس آنے کی نفی نہیں، یہ نہیں کہا تھا کہ ہمارے ہی پاس آئیں اگر ہی کہہ کر حصر پیدا کرتے تب یہ اعتراض ٹھیک ہو سکتا تھا سوم یہ کہ چونکہ ان آیت کا فائدہ صرف جادوگروں نے حاصل کیا اس لیے گویا کہ انہیں کے پاس آئیں جنہوں نے آیاتِ الٰہیہ کو نہ سمجھا نہ فائدہ حاصل کیا اُن کے لیے وہ آیت نہ ہوئیں صرف میلے کا ایک تماشائی مقابلہ ہو گیا۔ جس طرح ہم مسلمان کہہ دیتے ہیں کہ قرآن مجید حدیث پاک نبی پاک صرف ہمارے ہیں کیونکہ ہم کو ہی ان کی معرفت اور استفادہ پہنچا۔ نہ کہ کفار اور ابوجہل وغیرہ کو ہر ایک کا حصہ نہیں دیدار کسی کا بوجہل کو محبوب دکھائے نہیں جاتے۔ بعض نے یہ جواب بھی دیا ہے کہ مَا جَآءَنَا میں ضمیر جمع متکلم سے مراد صرف جادوگر نہیں بلکہ تمام عوام مراد ہیں دوسرا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ کہ یہاں وَالَّذِیْ فَطَرَنَا قسم کو مؤخر کیا اور اس کے جواب لَنْ نُّؤْثِرَكَ کو مقدم کیا جب کہ نحوی قانون کے مطابق قسم پہلے ہونی چاہیئے جوابِ قسم بعد میں۔ جواب یہ تأخر اس لیے ہے کہ وَالَّذِیْ فَطَرَنَا۔ صرف قسم ہی نہیں بلکہ آیتِ الٰہیہ اور بینات بھی ہیں۔ مگر چونکہ عَلٰی مَا جَآءَنَا میں بَیِّنَاتِ حِسِّیَّہ مراد ہیں اس لیے ان کو پہلے کیا گیا کہ وہ سب کے مشاہدوں میں تھیں اور فَطَرَنَا کی آیت عقلیہ فکریہ ہیں اس لیے ان کو مؤخر کیا گیا رہا یہ قانون کے قسم کو مقدم کرنا چاہیئے یہ اتنا اہم و ضروری نہیں۔ مؤخر کرنے سے بھی کچھ خرابی لازم نہیں آتی تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا اَکْرَهْتَنَا۔ اے فرعون تو نے ہم کو اس مقابلے پر مجبور کیا۔ یہ بات تو درست نہیں کیونکہ جادوگر تو اپنی خوشی و مرضی و پسند سے آئے تھے اس لیے انہوں نے فرعون کے پاس آکر پہلے کہا کہ اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا۔ (الخ) اے فرعون گر ہم جیت گئے تو کیا ہم کو اُجرت ملے گی۔ جو شخص اُجرت مانگتا ہے اور اُجرت کی ریچ میں کام کرتا ہے وہ مجبور کیسے ہو سکتا ہے وہ تو محنت لگن اور خوشی خوشی کام کرتا ہے۔ نیز جب جادوگروں نے اپنے رسے ڈنڈے میدان میں ڈال دیئے اور وہ سانپ کی طرح بن کر دوڑنے لگے تب

جادوگروں نے کہا۔ وَبِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ۔ یہ سب باتیں تو خوشی و رضا ظاہر کرتی ہیں پھر اَکْرَهْتَنَا کیونکہ درست ہوا؟ جواب۔ اس کے پانچ جواب دیئے گئے۔ پہلا یہ کہ بِعِزَّتِ فِرْعَوْنَ کی قسمیہ کلام مقابلے کے وقت کا نہیں بلکہ اُس وقت کا ہے جب فرعون کے ایلچی اس کا بلاوہ لے کر جادوگروں کے پاس گئے تھے اور جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے عصا کو دیکھا نہ تھا صرف ان فرعونیوں کی زبانی سنا ہی تھا کہ وہ بھی جادوگر ہے اور سانپ کا کرشمہ دکھاتا ہے تب جادوگروں نے اپنے آپ کو اس جادو کا ماہر اور اُستادِ زمانہ سمجھتے ہوئے کہا تھا کہ عزت فرعون کی قسم۔ لیکن جب مصر کے مہمان خانے میں سب جادوگر استاد و شاگرد مل بیٹھے اور اسرائیلی جادوگروں نے عصاءِ موسوی کی کیفیت بتائی تب استاد جادوگروں کا ارادۂ مقابلہ ڈگمگا گیا۔ اور فرعون کو منع کیا جس پر فرعون نے جبر کیا۔ لہٰذا اَکْرَهْتَنَا کہنا درست ہوا۔ دوسرا جواب یہ دیا گیا کہ اسرائیلی جادوگروں نے اَکْرَهْتَنَا کہا تھا۔ لیکن اُجرت کی طلب اور فرعون کی قسم یہ دوسرے قبطی جادوگروں نے بولی تھی۔ تیسرا جواب یہ دیا گیا کہ سورۃ شعراء آیت ۴۴ میں فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ کے بعد فرمانا کہ قَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ۔ یہ ترتیب کے لیے نہیں صرف تذکرہ ہے کہ جادوگروں نے یہ باتیں کی تھیں۔ چہارم یہ کہ اَکْرَهْتَنَا سے مراد جادو سیکھنے سکھانے پر مجبور کرنا ہے نہ کہ مقابلے پر۔ پنجم یہ کہ ہم کو تیرا بلاوہ ہی ہمارے لیے اِکراہ تھا ورنہ ہم تو اپنی مصروفیات کی بنا پر ان کے لیے تیار نہ تھے۔ چوتھا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى۔ جہنم میں مجرمین نہ مریں گے نہ زندہ ہوں گے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے موت و حیات آپس میں نقیضین ہیں اور نقیضین مَانِعَةُ الْجَمْع ہوتی ہیں مَانِعَةُ الْخُلُو نہیں ہو سکتیں نہ دونوں ختم ہو سکتی ہیں نہ دونوں جمع لہٰذا یا تو زندگی ہو گی یا موت دونوں اُٹھ نہیں سکتیں اجتماع نقیضین بھی محال جواب۔ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ جہنم کے بدترین حال کی تمثیل دی گئی ہے جس طرح کہا جاتا ہے کہ فلاں اتنا سخت بیمار رہے کہ نہ زندوں میں ہے نہ مُردوں میں یعنی نہ زندگی کی لذت نہ موت کا سکون سختیِ عذاب کی وجہ سے خواہشِ موت کے باوجود موت نہ آئیگی زندہ ہوگا لیکن بے فائدہ جس کا نہ ہونا بہتر۔ دوم یہ کہ یہاں مسلسل ہونے کی نفی ہے کبھی مرے گا کبھی جئے گا

تفسیر صوفیانہ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِىْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ اِنَّمَا تَقْضِىْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا۔ انسانی پیدائش

جبلی فطرت اگرچہ صحبتِ بد اور نفسانی طمع کی وجہ سے چند لمحات ناسوتیہ میں خبیثانہ طبیعت اختیار کر لیتی ہے مگر قربتِ عقلی و قلبی کا پرتو پڑتا ہے تو وہ جبلتِ سحارتہ اپنی حاصل شدہ قوتِ عظیمہ سے نفسِ امارہ کے سامنے سینہ سپر ہو کر قوتِ یقینیہ کے زور پر اعلان کر دیتی ہے کہ مصر ظلمات کے فانی علاقوں میں بسنے والو ہم تم سے نفرت کرتے ہیں اس لیے کہ ہم کو سعادتِ باقیہ مل گئی ہیں جبکہ تمہارے پاس شقاوتِ بدنیہ اور لذاتِ حاصلہ فانی ہیں۔ ہماری یمین و یسار کی کروٹوں میں آلامِ جبیۃ سے لذاتِ عقلیہ باقیہ سعادتوں سے آیتِ اُخروی آگئیں۔ قسم ہے ہم کو اپنی جبلت کے خالق کی۔ اے نفس ہم نے تیری جزا سے حقارت تیری سزا سے نفرت کر لی کیونکہ نفس و شیطن کا ہر وعدہ وغیرہ اسی حیاتِ ناسوتی فانی میں ہے اعضاءِ ظاہر اور مزاجِ فرعونی تو دھوکہ کھا سکتا ہے۔ مگر روشن ضمیر یں تیرے جبر و اکراہ سے خائف نہیں ہو سکتیں تو جو چاہے کر گزر۔ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى۔ بے شک ہم سایۂ عاطفت میں آکر ایمان باللہ ایمان لِلّٰہ مقامِ فنا فی اللہ حاصل کر چکے ہیں تاکہ ہمارا خالق تعالیٰ باطن کی حیثیاتِ مظلمہ اور صفاتِ ردیہ کی خطاؤں کو اپنے نورِ محبت کے پردوں میں چھپا کر مٹا دے اور نفس کے جبر و اکراہ کے سبب سے ہمارا جو میلانِ زخرفِ دنیوی اور لذاتِ طبعی کی طرف ہوا تھا اور جو مقابلہ موسیٰ قلب اور فرعونِ عقل سے ہوا تھا اس کی بخشش و تلافی عطا فرمائے۔ اس لیے کہ نفسِ ملعون کا اکراہ بس اس وقت تک ہوتا ہے جب تک معرفتِ حق کا نورِ استعداد حاصل نہیں ہوتا۔ لیکن جب قلبِ مسعود کی حقیقت ظاہر ہوتی اور نورِ قلب ظاہر ہوتا ہے تب وہ قوتِ تخیل مقابلۂ قلب سے تائب ہو جاتی ہے اور سمجھ جاتی ہے کہ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى۔ بے شک جو مخنثِ جسمانی کی قیامتِ صغریٰ میں ہیئتِ بدنیہ کی ثقیل کثافتوں میل کچیل کا مجرم بن کر اور صبغۂ خسیسہ کے جرائم کی توجیہِ فاحشہ سے کر بارگاہِ معرفت میں حاضر و طالب بنے گا وہ نفسِ رذیل نہ آلامِ طبعی کی موت مرے گا نہ وہ حیاتِ حقیقیہ نورانیہ کی زندگی پا سکے نہ وہ امراضِ نعینیہ کی سزا اور عذابِ بدعقیدگی سے نجات پائے صوفیاء فرماتے ہیں کہ نفسِ بد کی اس طریقہ سے مدافعت کرنی چاہئے تاکہ تمہارے دشمن بھی گھر سے دوست ہو جائیں یہ طریقہ صابرین کا ہے۔ معافی مانگنے والوں کی معافی کو قبول کرنا منزلِ معرفت کو قریب کرنے کا پہلا قدم ہے جو دوستوں کی معافی قبول نہیں کرتا اس پر اللہ کی طرف سے تنہائی کی وعید

آتی ہے۔ دوست کی سچی معافی قبول کرنے کے چار فائدے ہیں اور نہ قبول کرنے کے یہ چار ہی نقصان ہیں ۱؎ قلب نرمی پکڑتا ہے رقت قلبی پیدا ہوتی ہے ۲؎ مرتے وقت اس پر نرمی کی جاتی ہے ۳؎ حوض کوثر پر جلدی حاضری نصیب ہو گی ۴؎ اس کو رب تعالیٰ کی طرف سے جلدی معافی اور بخشش ملے گی۔ اگر کوئی معافی قبول نہ کرے یا شرطیں لگائے تو اسی طرح کی محرومیاں اس کو ملے گی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی سچی توبہ قبول فرمانے والا ہے۔

وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ

اور وہ جو آئے گا اس کے پاس ایسا مومن بن کر کہ عمل کئے ہوں گے نیک

اور جو اس کے حضور ایمان کے ساتھ آئے کہ اچھے کام کئے ہوں

فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴿۷۵﴾ جَنّٰتُ

تو وہی ہیں جن کے لیے اونچے مقام ہیں وہ عدن کے باغ

تو انہیں کے درجے اونچے، بسنے کے باغ

عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

جاری رہتی ہیں جن کے نیچے نہریں ہمیشہ تک رہنے والے ہیں

جن کے نیچے نہریں بہیں ہمیشہ ان میں رہیں

فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿۷۶﴾ وَلَقَدْ

ان ہی میں اور وہ جزا ہے ہر اس شخص کی جو پاکیزہ رہا۔ اور البتہ بیشک

اور یہ صلہ ہے اس کا جو پاک ہوا۔ اور بے شک

أَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي

وحی فرمائی ہم نے موسیٰ کی طرف اس بات کی کہ رات ہی کو روانہ ہو جاؤ میرے بندوں کے ساتھ

ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ راتوں رات میرے بندوں کو لے چل

فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا

اور پھر تم خود بناؤ اُن کے لیے ایک خشک راستہ دریا میں

اور ان کے لیے دریا میں سوکھا راستہ نکال دے

لَّا تَخَافُ دَرَكًا وَلَا تَخْشَىٰ ﴿٧٧﴾ فَأَتْبَعَهُمْ

تم کو نہ کچھ ڈر محسوس ہوگا پکڑے جانے کا اور نہ خطرہ ہوگا تم کو، پھر فرعون اُن کے

تجھے ڈر نہ ہوگا کہ فرعون آئے اور نہ خطرہ۔ تو اُن کے پیچھے

فِرْعَوْنُ بِجُنُودِهِ فَغَشِيَهُم مِّنَ الْيَمِّ

پیچھے بھاگا اپنے لشکروں کے ساتھ تب ڈبو دیا ان کو گھیرے پانی میں

فرعون پڑا اپنے لشکرے کر تو انہیں دریا نے ڈھانپ لیا

مَا غَشِيَهُمْ ﴿٧٨﴾

خوب اچھی طرح ڈبونا

جیسا ڈھانپ لیا

تعلقات ان آیت کریمہ کا پچھلی آیت کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مجرم بن کر حاضر ہونے کی حیثیت کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں رب تعالیٰ کے پاس مومن بن کر حاضری کا ذکر ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں جادوگروں کا کفر سے نجات پانے کا تذکرہ ہوا۔ اب ان آیت میں بنی اسرئیل کو فرعون

سے نجات دلانے کا بیان ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں فرعون کی اُن ظالمانہ حرکتوں کا ذکر ہوا جو اُس نے مومن صحابہ جادوگروں کو قتل کر کے کیں۔ اب اِن آیت میں فرعون کے بنی اسرائیل کے خلاف برے رُویے کا بیان ہو رہا ہے۔

تفسیر نحوی وَمَنْ یَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى۔ واؤ عاطفہ۔ مَنْ شرطیہ اسم موصول یَاْتِ باب ضرب کا مضارع معروف بمعنی مستقبل آنے کا زمانہ قیامت کا دن ہے ھُوَ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع مَنْ ہے ہٖ ضمیر ظرف ہے مُؤْمِنًا باب افعال کا اسم فاعل واحد مذکر حال یَاْتِ کے فاعل کا اور موصوف ہے اگلی عبارت کا۔ قَدْ عَمِلَ باب سَمِعَ کا ماضی قریب واحد مذکر غائب مگر شامل ہے مؤنث کو بھی۔ الف لام استغراقی صٰلِحٰتِ۔ اسم جمع مؤنث سالم اس کا واحد ہے صَالِحَۃٌ صَلُحَ باب فتح سے مشتق ہے اسم فاعل ترجمہ ہے اچھائی اور بھلائی والے کام یہ مفعول بہٖ ہے۔ قَدْ عَمِلَ اپنے فاعل و مفعول بہٖ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے مومنًا کی یہ مرکب توصیفی حال ہے یَاْتِ فعل سب سے ملکر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ اور وہ دونوں ملکر شرط ہوئی فَ جزائیہ اُولٰٓئِكَ اسم اشارہ بعید ہی جمع مذکر کے لیے کَ ضمیر واحد اس سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جس کے لیے اشارہ کیا جائے اسی لیے حاضر کی سب ضمیریں اس کے ساتھ آسکتی ہیں جیسے اُولٰٓئِكَ یہ مبتدا ہے شدہ ہے اسم اشارہ مبنی ہوتا ہے اس لیے اس کا اس رفع ظاہر نہیں ہے لَهُمْ جار مجرور متعلق ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ اسم مفعول کا الف لام عہد ذہنی دَرَجٰت اسم جمع مؤنث سالم ہے دَرَجَۃٌ بمعنی مرتبہ یا مقام۔ اَلْعُلٰى اسم جمع مکسر ہے عُلْیَا اسم تفضیل مؤنث واحد کی دراصل عُلْوٰی تھا بروزن فُعْلٰی واؤ ثقیل کے بدلے میں الف آیا۔ جیسے کُبْرٰی کی جمع کُبَر ا ہوتی ہے عُلُوٌّ سے مشتق ہے عُلْیٰ کی یٰ اس لیے ہے تاکہ عُلًا مصدر کی مشابہت نہ ہو سکے۔ ایک قول میں یہ عَلَیٌّ سے مشتق ہے عُلُوٌّ باب نصر ہے اور عَلِیٌّ باب فتح میں ہوتا ہے یہ صفت ہے دَرَجٰت کی یہ مرکب توصیفی مُبْدَلٌ منہ ہے۔ جَنّٰتُ۔ اسم جمع مکسر منصرف اِس کا واحد جَنَّۃٌ بمعنی پوشیدہ باغ مضاف ہے عَدْنٍ اسم حاصل مصدر جامد۔ مصدری معنی ہے آرام دِہ رہنا۔ رہائشی باغ۔ لیکن جامد ہو کر یہ ایک جنت کا نام ہے۔ خیال رہے کہ جنت کے آٹھ حصے ہیں ۱۔ جنت علیین ۲۔ جنت الفردوس ۳۔ جنت الماویٰ ۴۔ جنت دار الجلال ۵۔ جنت دار الطوبیٰ ۶۔ جنت عدن ۷۔ جنت نعیم ۸۔ جنت دار السلام۔ یہ مضاف الیہ ہے اگر لفظ عدن

مصدر ہو تو یہ اضافتِ حقیقی ہے یعنی رہنے کے باغ اور اگر یہ حاصل مصدر جامد ہو تو یہ اضافت توصیفی ہے۔ یہ مرکب اضافی موصوف ہے تَجْرِیْ۔ بابِ ضَرَبَ کا فعل مضارع معروف واحد مؤنث۔ مِنْ جارّہ بیانیہ تَحْتِ اسم ظرفِ مکانی مضاف ہے ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب مجرور متصل برائے جمع غیر عقلی مضاف الیہ۔ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے تَجْرِیْ اَلْاَنْھٰرُ۔ اسم جمع مکسر معرّف باللّام وضعی نہر کی جمع ہے یہ فاعل ہے تجری کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے مبتدا کی دونوں مل کر بدل بعض ہوا دَرَجٰتُ الْعُلٰی کا وہ سب مل کر نائب فاعل ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ کا۔ خٰلِدِیْنَ۔ بابِ نَصَرَ کا اسم فاعل جمع مذکر ھُمْ ضمیر صیغہ اسکا فاعل اسکا مرجع اُولٰٓئِكَ ہے فِیْھَا جار مجرور اس کا متعلق یہ سب جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے ھُمْ کا اس لیے بحالتِ نصب ہے ھُمْ ذوالحلال اور حال مجرور ہو کر متعلق ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ کا وہ سب مل کر جملہ اسمیہ خبریہ مشار الیہ وَذٰلِكَ۔ واؤ عاطفہ یا حالیہ۔ ذٰلِكَ اسم اشارہ واحد بعید کے لیے آتا ہے ذَا اسم ہے كَ ضمیر حاضر واحد مذکر ہے مخاطب کے اعتبار سے ہر قسم کی ضمیر حاضر اس میں آسکتی ہے مبتدا ہے اس لیے مرفوع ہے۔ جَزَآؤُا۔ اسم حاصل مصدر جامد بمعنیٰ بدلہ جَزْءٌ" فَعَالٌ" کے وزن پر الف مصدریہ لگایا پھر اظہار ہمزہ (لام کلمہ) کے لیے واؤ لگائی گئی اور آخری الف صرف پھر اؤ کے لیے جیسے یَدْعُوْا، قَالُوْا وغیرہ کا الِف مضاف ہے مَنْ اسم موصول تَزَکّٰی بابِ تَفَعُّلٌ" کا ماضی مطلق واحد مذکر زَکُوٌّ" ناقص واوی یا زَکّی" ناقص یائی سے مشتق ہے ھُوَ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی خبر مبتدا دونوں جملہ اسمیہ ہو کر عطف ہے اَلَّذِیْ جَآءَنَا پر۔ فَاُولٰٓئِكَ سب سے مل کر جزا ہے وَمَنْ یَّاْتِہٖ کی وہ شرط و جزا مل کر عطف ہے مَنْ یَّاْتِ رَبَّہٗ یہ سب مل کر مقولہ ششم ہے قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ سب مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ وَلَقَدْ اَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْ فَاضْرِبْ لَھُمْ طَرِیْقًا فِی الْبَحْرِ یَبَسًا لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰی فَاَتْبَعَھُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِہٖ فَغَشِیَھُمْ مِّنَ الْیَمِّ مَا غَشِیَھُمْ۔ واؤ برجملہ ابتداءِ کلام کے لیے لام کے تاکید کے لیے بمعنیٰ البتہ یقیناً۔ قَدْ اَوْحَیْنَا۔ بابِ افعال کا ماضی قریب معروف جمع متکلم وَحْیٌ" سے مشتق ہے اس کا مصدر اِیْحَاءٌ" ہے بوجہ ہمزہ مکسور واؤ (ف کلمہ) یٰ سے بدلا گیا۔ نَا ضمیر صیغہ بارز اس کا فاعل مرجع رب تعالیٰ اِلٰی جارّہ انتہاءِ غایت کے لیے مُوْسٰی مجرور یہ جار مجرور

متعلق ہے۔ اَنْ۔ حرفِ تفسیر یہ دلالتِ لفظی مفسر ہوتا ہے اپنے پہلے کلام کا اس کی تفسیر اور دلالت دو قسم کی ہے ۱ دلالتِ لفظی یہاں رہی ہے ۲ دلالتِ معنوی۔ یعنی اپنا عمل اس انداز میں کرنا کہ دوسروں کے لیے رغبت ظاہر ہو (کرنے والے کے کام اور عمل کی حالت بتائے کہ دوسروں کو کرنے پر آمادہ کرنا چاہتا ہے) علم نحو میں حرفِ اَن پانچ قسم کا ہے ۱ اَن حرفِ ناصبہ یہ ماضی اور مضارع پر آتا ہے اور دونوں کو مصدری معنیٰ میں کر دیتا ہے ترجمہ ہے یہ کہ اور فقط مضارع کو نصب دیتا ہے ۲ اَنْ یہ اَنْ حرفِ زائدہ یہ لمّا کے بعد اس کی تاکید کے لیے آتا ہے ترجمہ ہے جب کہ یا جب ہی ۳ اَن مخففہ یہ اَنَّ یا اِنَّ سے بدلا ہوتا ہے اور لغو ہو جاتا ہے۔ یعنی اپنا عمل نہیں کرتا مگر ترجمہ باقی رہتا ہے ترجمہ بنے بے شک یقیناً ۴ اَنْ تفسیریہ دلالت لفظی اور کبھی دلالت معنوی ۵ اَنْ نافیہ اس کا ترجمہ ہوتا ہے یہ کہ نہ جیسے اَن تمیدَ بکم۔ اَسْرِ بابِ افعال کا امر حاضر معروف واحد مذکر سُریٰ سے مشتق ہے بمعنی سیر کرنا۔ رات کو روانگی ایسا چلنا جس میں تھکاوٹ نہ ہو۔ بِ جارہ تعدیہ کی یا بمعنیٰ مع عِبَادِ جمع مکسر تغیر تکثیری اس کا واحد عَبْدٌ ہے یا عَابِدٌ یعنی نیک عبادت گزار ی ضمیر واحد متکلم مراد اللہ تعالیٰ یہ مرکب اضافی جار مجرور ہو کر متعلق ہے اَسْرِ کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ فَ عاطفہ اِضْرِبْ بابِ ضَرَبَ کا امر حاضر معروف واحد ضَرْبٌ سے مشتق ہے اس کے معنیٰ ۱ مارنا ۲ بیان کرنا ۳ چلانا۔ یہاں اسی معنیٰ میں ہے اَسْرِ اور اِضْرِبْ دونوں میں اَنْتَ ضمیر فاعل کا مرجع موسیٰ ہیں لَہُمْ جار مجرور اوّل مفعول متعلق ہے طَرِیقًا اسم مبالغہ واحد جامد مذکر بمعنیٰ راستہ مفعول بہ ہے فِی الْبَحْرِ یہ جار مجرور متعلق دوم ظرفی ہے اِضْرِبْ کا بعض نے فرمایا کہ فِی بمعنیٰ اِلیٰ ہے یَبَسًا اسم مصدر بمعنیٰ اسم فاعل ترجمہ ہے خشک ہونا خشک رہنے والا۔ لازم ہے اس کی چار قرأتیں کی گئی ہیں ۱ یَبَسًا یہ مشہور ہے ۲ یَبْسًا بروزن صَعْبٌ صیغہ مبالغہ ۳ یُبْسًا یابِسٌ کی جمع جیسے صاحِبٌ کی جمع صُحُبٌ یا صحیفے کی جمع صُحُفٌ ۴ یَابِسٌ اسم فاعل واحد مذکر۔ یہ صفت ہے طَرِیقًا کی دونوں موصوف صفت مفعول بہ ہیں۔ دَرَکًا۔ اسم مصدر بحالتِ نصب ہے مفعول بہ ہے لَا تَخٰفُ کا۔ یہ فعل مضارع معروف منفی بِلَا بمعنیٰ مستقبل خَوْفٌ سے مشتق ہے بابِ سَمِعَ سے ہے اس کی تین قرأتیں ہیں ۱ لَا تَخٰفُ یہی مشہور ہے ۲ لَا تَخَافُ یہ صیغہ اصلی بلا تعلیل حالت میں ہے ۳ لَا تَخَفْ مضارع مجزوم اِضْرِبْ کے جواب امر ہونے کی مناسبت سے۔ دَرَکًا کا معنیٰ ہے مل جانا یا لینا پکڑ لینا عمل کا نتیجہ ملنا۔ لَا تَخٰفُ

فاعل ومفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا واؤ عاطفہ لَا تَخْشٰی باب سَمِعَ کا مضارع منفی بلا معروف واحد مذکر اَنْتَ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل خَشْیٌ ناقص یائی سے مشتق ہے بمعنیٰ اندیشہ۔ خطرہ خوفٌ کا معنیٰ قلبی ڈر خَشْیٌ کا معنیٰ حقیقی ڈر۔ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا۔ دونوں عطف مل کر جواب امر ہوا۔ یا حال ہے اِضْرِبْ کے فاعل اَنْتَ کا۔ اِضْرِب سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ معطوف ہوا اَسْرِ کا دونوں جملے عطف مل کر مفسر ہوا اَلْقٰی اَوْحَیْنَا کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ تفسیریہ ہو گیا ف زائدہ تعقیبیہ۔ یہ بتاتی ہے کہ اگلا واقعہ کچھ ہی دیر بعد ہوا۔ اَتْبَعَ بابِ افعال کا ماضی تَبِعٌ سے مشتق ہے مطلق واحد مذکر غائب بمعنیٰ پیچھے پیچھے آنا ایک قول میں بابِ افتعال سے ہے اِتَّبَعَ یہی فعل وصیغہ۔ ھُمْ ضمیر مفعول بہ مرجع ہے بنی اسرائیل فِرْعَوْنُ یہ مصری لغت کا لفظ فارا اُوہ سے مبدل ہے بمعنیٰ اونچی چوٹی مراد ہے اونچا حاکم یعنی بادشاہ فاعل ہے۔ بِ حرفِ جر بمعنیٰ مَعَ جُنُوْدُ اسم جمع مکسر ہے جُنْدٌ کی بمعنیٰ لشکر یت ہے قبائل کے ہٖ ضمیر کا مرجع فرعون مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہے جار مجرور متعلق ہے اَتْبَعَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ مکمل ہوا فَ حرفِ تعقیب غَشِیَ باب سَمِعَ کا ماضی مطلق معروف مثبت واحد مذکر غائب ایک قرءت میں غَشّٰی ہے باب تفعیل سے وہی فعل و صیغہ بہر حال غَشْیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ ڈھک لینا مراد ہے غرق کر دینا۔ ھُمْ ضمیر مفعول بہ مرجع ہے فرعون و فرعونی مِنْ جارہ بمعنیٰ فی یعنی پانی میں۔ الف لام خارجی یَمّ اسم مفرد جامد بمعنیٰ سمندر مراد ہے سمندر کی مثل کثیر پانی دور دور تک چاروں طرف۔ یہ جار مجرور متعلق ہے غَشِیَ کا مَا حرف مصدر یہ اس میں بہت قول ہیں اور اسی بنا پر ترکیبیں بھی بہت ہیں مگر ہماری ترکیب کو ترجیح ہے غَشِیَ فعل با فاعل ھُمْ مفعول بہ یہ جملہ فعلیہ ہو کر مفعول مطلق ہوا فَغَشِیَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ وَمَنْ یَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى۔ دنیا ہی دار العمل ہے موت کے بعد کوئی عمل نہ ہو سکے گا موت کے بعد تو حاضری ہے اس بارگاہ کی جس کا وعدہ مقرر ہے وہ لوٹنے کا دن ہے، پہلی حاضری قبر میں دوسری حاضری میدانِ محشر میں جو خوش نصیب ایمان کی سلامتی کے ساتھ قبر یا مت کی حاضری میں رب تعالیٰ کے حضور حاضر ہوا۔ اُس کی مزید خوش نصیبی یہ کہ دنیوی زندگی

اَعمال بھی اچھے عبادت ریاضت تقویٰ طہارت عدل و انصاف والے کئے فرائض و واجبات تو ضرور ہی ادا کرتا رہا (اس لیے کہ تمام اَعمالِ صالحہ تو عمرِ قلیل میں ادا کر لینا ناممکن ہے) ایسے مومنین صالحین کے لیے طبقۂ جنت کے اونچے درجے ہیں اور یہ درجات جنتِ عدن میں ہیں جو علاقۂ جنت کا اَعلیٰ طبقہ ہے جنت کے آٹھ حصے ہیں جن میں ایک جنتِ عدن ہے اس میں ایسی بلندی۔ باغات کی سدا بہاریں ہیں جو جنت کے دوسرے نیچے حصوں میں نہیں۔ یہیں سے جنتی نہروں کی ابتدا ہوتی ہے جو دیگر جنتوں تک بہتی چلی جاتی ہیں جنت۔ جمع فرمانا باغاتِ کثیرہ کی وجہ سے ہے پھر وہ جنتی اُن جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ اُسی میں رہیں گے۔ کبھی موت نہ تکلیف نہ بیماری پریشانی ہو نہ نکالا جائے۔ مسلم شریف کی ایک روایت ہے کہ دنیا سے کافر ہو کر مرنے والا قیامت اور جہنم میں لَا يَمُوتُ وَلَا يَحْيَىٰ کی حالت والا ہو گا اور فاسق ہو کر مرنے والا جہنم کی سزا سے مرکر ملیامیٹ ہو جائے گا اور پھر شفاعت کے پانی سے بامدت سزا کے مکمل ہونے سے اُگنے کی شکل پیدا ہو گا۔ لیکن جنتی متقی اور مغفورین نہ کبھی مریں نہ بیمار ہوں نہ نکالے جائیں مَنْ يَأْتِهِ سے جسمانی قرب کے پاس یا قریب آنا مراد نہیں اللہ تعالیٰ جسمانیت سے پاک ہے۔ کفار میں ایک فرقۂ مجسمہ ہے جو اللہ کے جسم کی بدعقیدگی میں مبتلا ہے (اللہ کے لیے جسم مانتا ہے) وہ اِن آیات سے دلیل دیتے ہیں۔ اللہ کی طرف آنا سے مراد قیامت میں آنا مراد ہے یا وہ جگہ جہاں رب تعالیٰ بھیجے۔ جیسے نمازی کے لیے مسجد۔ مصلہ حاجی کے لیے کعبہ موسیٰ علیہ السلام کے لیے طور، وغیرہ وغیرہ اِن مقامات میں آنا اللہ کی طرف آنا ہے۔ صالحات سے مراد وہ اچھے اعمال ہیں جو عقلِ اسلامی اور نقلِ قرآنی اور احادیث کی زبانی ثابت ہوں۔ اِن سے ہٹ کر کتنے بھی پسندیدہ مفید اور خوب صورت کام ہوں وہ اَعمالِ صالحہ نہیں ہو سکتے لفظ مَنْ واحد و جمع دونوں کے لیے مستعمل ہے اس لیے یہاں مَنْ يَأْتِهِ میں مَنْ جمع کے لیے ہے اِسی معنیٰ کی وجہ سے آگے اُولٰئِكَ اسم اشارہ جمع ارشاد ہوا اور تمام مومنینِ صالحین مراد ہیں وَالدَّرَجٰتُ الْعُلٰى سے ثابت ہوا کہ جنتی دو قسم کے ہیں ۱ ایمان اور اعمالِ صالحہ والے ان کے لیے ہی اونچے درجات ہیں ۲ ایمان لا کر مومن بن کر برے عمل کرنے والے، اُن کے لیے نیچے درجوں والی جنتیں ہیں۔ ان کی جنت ان کو شفاعت کی بخشش سے ملے گی یا سزاءِ جہنم کو مکمل بھگت کر۔ بخاری مسلم، ترمذی مسند احمد نے عَنْ اَبِی سعد اور عَنْ اَبِی ہریرۃ

روایت فرمایا کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد مقدس فرمایا کہ نیچے درجہ والے جنتی اونچے درجہ والوں کو اس طرح دیکھا کریں گے جس طرح آج ہم زمین سے ستاروں کو چمکتے دیکھتے ہیں یعنی ان میں اتنی دوری اور ان میں اتنی چمک ہوگی۔ فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ان ہی میں صدیق وفاروق ہوں گے۔ وَذٰلِكَ جَزَاءُ مَنْ تَزَكّٰى۔ جزا اور اجر میں یہ فرق ہے کہ جزا ہر اچھے برے نفع نقصان مفید۔ غیر مفید بدلے کو کہتے ہیں لہٰذا نیک کی جزا جنت اور بد کی جزاء جہنم ہوئی۔ لیکن اجر صرف مفید اچھے اور نفع والے بدلے کو کہتے ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ یہ جادوگروں کا آخری کلام ہے جو اپنے ایمان لانے کی وجہ بتاتے ہوئے دلائل کے طور پر فرعون کو سمجھاتے ہوئے فرعون کے سامنے اس سے کہا۔ لیکن ضدی ظالم فرعون نے پھر بھی ان کو سزا کے لیے پکڑ لیا۔ اور سب کو دریائے قلزم کے کنارے لے جایا گیا۔ مگر چونکہ صراحتاً سزا دینے کا ذکر نہ قرآن مجید میں ہے نہ حدیث پاک میں اس لیے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ فرعون نے سزا ملتوی کر دی اور جادوگروں کو چھوڑ دیا تھا بعض نے کہا کہ اَبْقٰى تک جادوگروں کا قول ہے اور اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ مُجْرِمًا سے اللہ تعالیٰ کا قول ہے مگر یہ دونوں باتیں غلط ہیں سیاق وسباق کے خلاف ہیں صحیح یہ ہے کہ یہاں مَنْ تَزَكّٰى تک جادوگروں کا کلام ہے اس کے بعد جب ان کو پکڑ لیا گیا اور دریائے قلزم کے کنارے سزا دی جانے لگی تب تمام جادوگروں نے آخری دعائیں مانگیں۔ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ (سورۃ اعراف آیت ۱۲۶) قرآن مجید کے یہ دعائیہ الفاظ اسی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ فرعون نے سزا دی اور جادوگروں کے آخری الفاظ بوقت شہادت یہ دعائیں تھیں۔ گویا یہ دعائیہ الفاظ سزا کے ثبوت میں اِشَارَۃُ النص ہے اقتضاءِ متعدد احادیث سے بھی ثابت جن میں جادوگروں کو مومن صحابی صابر شہید فرمایا گیا ہے۔ بعض روایت میں صرف صابرین فرمایا گیا۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک مشہور روایت ہے کہ۔ قَالَ كَانُوْا اَوَّلَ النَّهَارِ سَحَرَةً وَّاٰخِرَهٗ شُهَدَاءَ۔ یعنی حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ یہ جادوگر اسی دن کے شروع میں مقابلہ کرتے جادوگر تھے اسی دن کے آخری حصے میں شہید کر دئے گئے۔ نیز تاریخ کی دلالۃ النص بھی ثابت کرتی ہے کہ فرعون نے سولی دیدی تھی اور اس طرح کیا تھا جس طرح یہاں مذکور ہے۔ اسی لیے کہ تاریخ میں فرعون کو اس طرح ہاتھ پیر کاٹ کر سولی دینے کا

موحد کہا گیا ہے اگر جادوگروں کو چھوڑ دیا ہوتا سولی نہ دی ہوتی تو پھر فرعون موحد مولیٰ کیونکر بنتا۔ فرعون کی طرف اور تو کوئی واقعہ اس طرح کی سزا کا منسوب نہیں۔ (روح البیان) تزکّٰی سے مراد یہ ہے کہ جس نے کفر شرک اور گناہ کبیرہ سے اپنے آپ کو پاک کر لیا۔ اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پڑھ کر اللہ رسول پر ایمان لے آیا۔ اعمالِ صالحہ کئے یہ اُس کی جزا ہے۔ اعمالِ صالحہ کی گیارہ قسمیں ہیں ۱ ادائیگی حقوق اللہ ۲ فرائض کی پابندی ۳ واجبات کی حفاظت ۴ سنتِ مؤکدہ ۵ سنت غیر مؤکدہ ۶ نوافل کی کثرت ۷ حقوق العباد کا خیال رکھنا ۸ حقوق النفس یعنی اپنے حقوق پورے کرنا ۹ ظلم اور فساد فی الارض سے بچنا ۱۰ ذکرِ الٰہی میں مشغول رہنا ۱۱ نیکوں کی محفلیں اچھی کتابیں تقریریں پڑھنا سننا۔ بری۔ بد عقیدہ کتابوں تقریروں۔ محفلوں سے بچنا۔ خیال رہے کہ جنتی ہونے کے لیے مومن ہونا اور درجاتِ عُلیٰ کے لیے نیک اعمال کرنا شرط ہیں۔ فرعون تو چاہتا تھا کہ انتہائی دردناک اذیت کے ساتھ سسک سسک کر سولی پر مریں مگر رب تعالیٰ نے اپنے کرم سے ان صالحین کو تماشہ بننے سے بچا لیا اور جلدی جان قبض فرما لی کسی کا پہلا ہاتھ کٹتے ہی کسی کا دوسرا پاؤں کٹتے ہی اور کسی کی سولی پر باندھتے ہی۔ اور بچ نکلنے والے جادوگروں کے جنہوں نے کسی طرح بھاگ کر چھپ کر جان بچالی مگر پھر وہ کفر پر ہی مرے ان میں سے سامری تھا۔ اس کے بعد فرعون کو تقریباً بیس سال کی مزید مہلت ملی اتنی مہلت کسی کافر قوم کو نہ ملی اس دوران طرح طرح کی نرمی گرمی عذاب معافی و دلائل و آیات سے سمجھایا گیا چھ قسم کے مختلف عقابی عذاب نازل کئے گئے ۱ طوفان ۲ قحط ۳ مکڑی ۴ کیڑے اور جوئیں ۵ مینڈک ۶ خون ان عذابوں سے گھبرا کر عارضی توبہ اور وعدۂ ایمان کرتے مگر جب دعاءِ موسیٰ علیہ السلام سے وہ عذاب ہفتہ بھر رہ کر ٹل جاتا تو وہ پھر خبیث ہو جاتے کبھی تو کہتے اے موسیٰ ہم توبہ اور ایمان کا بنی اسرائیل کو آزاد کرتے تمہارے ساتھ بھیجنے کا وعدہ کرتے ہیں کبھی کہتے یَا اَیُّھَا السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا۔ اے جادوگر ہمارے لیے اس عذاب سے چھٹکارے کی دعا کر مگر دعا سے عذاب ختم ہونے کے بعد پھر کافر کے کافر اور وعدے سے منحرف یہ تھی ان کے جہنمی ہونے کی نشانی ہر طرح سمجھانے کے باوجود جب ان کا ظلم اور شیطانیت کم نہ ہوئی تب حضرت موسیٰ نے دعا عرض کی۔ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓی اَمْوَالِھِمْ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ۔ قَالَ قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُکُمَا۔ (سورۃ یونس آیت ۸۸، ۸۹) اور چند دن بعد وَلَقَدْ اَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اَنْ

اَسْرِ بِعِبَادِیْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِیْقًا فِی الْبَحْرِ یَبَسًا۔ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى
فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ۔ یہ نیا کلام رب تعالیٰ
کا فرمان ہے۔ کہ بے شک ہم نے موسیٰ کو وحی بھیجی (بذریعے فرشتہ) خیال رہے کہ حضرت
موسیٰ سے کلام بالمشافہ بلا واسطہ صرف کوہ طور پر جانب ایمن بلاکر ہوتا تھا ہر جگہ نہیں
اے موسیٰ میرے ان بندوں بنی اسرائیل کو فلاں تاریخ کو رات میں دریائی راستے سے نکال
لے جاؤ جو صاف خشک اور کھلا ہے نہ گرفتاری کا خوف رکھنا نہ ڈوبنے کا خطرہ سمجھنا
دونوں طرف سے تمہاری حفاظت کی جائے گی۔ یہاں اَسْرِ فرمانے کی چار وجہ ۱ تاکہ سفری
منصوبہ پوشیدہ رہے ۲ دن سے پہلے دشمن کو پتہ نہ چلے ۳ خود بنی اسرائیل بھی
اتنے عرصے کی غلامیت کی وجہ سے بزدل ہو چکے تھے ڈرتے تھے دن میں کوئی حرکت کرنے
سے وہ بھی اس معاملے کو خفیہ ہی رکھنا چاہتے دن میں خود اسرائیلی بھی چلنے پر آمادہ نہ
ہوتے ۴ دن کی روشنی میں نکلنے سے سو طرح کی رکاوٹ ہو سکتی تھی مثلاً ۱ ہر شخص کی موجودگی
بھیڑ پیدا کرتی جس سے چلنے میں تیزی نہیں آسکتی ۲ قبطی لوگ پوچھ سکتے تھے کہاں جا
رہے ہو ۳ فرعون کو اطلاع ہو سکتی تھی اور ابھی وقت گرفتاری ہو سکتی تھی ۴ خود قبطی ہی اپنے
نوکر سمجھ کر روک سکتا تھا۔ یہاں بِعِبَادِیْ ۔ جیسے پیارے رحیمانہ کریمانہ لقب سے ارشاد فرمانا
اس لیے ہے کہ اس وقت تمام بنی اسرائیل دنیوی مصائب کی بنا پر نہایت نیک متقی باعمل بنے
رہتے تھے کوئی گناہ و برائی میں نہ جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ سے واقعتاً ڈرتے تھے اور یہ حقیقت
بھی ہے کہ دنیوی مصیبتیں انسان کو بندہ بنائے رکھتی ہیں عیاشی و دولت مندی تو آدمی کو شیطان
بنا دیتی ہے۔ مفسرین نے فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا کے دو معنیٰ بیان کئے ایک یہ کہ دریا
میں لاٹھی مار کر خشک راستہ بناؤ۔ مگر یہ قول کمزور ہے۔ چار وجہ سے ۱ لاٹھی مارنے
کا حکم اس وقت نہیں دیا گیا ابھی تو چلنے کی ابتدا بھی نہیں ہوئی دریا یہاں کہاں ۔ ۲ لاٹھی مارنے کا
حکم آگے دوسری آیت میں دیا گیا ۳ یہاں طریقًا واحد فرمایا گیا حالانکہ لاٹھی مارنے سے
بارہ راستے بنے تھے جیسا کہ سورۃ شعرا آیت ۶۳ میں ارشاد ہے فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ
فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ۴ یہاں فرمایا گیا ہے طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۔ اگر ضرب کا
معنیٰ مارنا کیا جائے تو معنیٰ ہوگا راستے کو مارو اگر ضرب کا معنیٰ بنانا کیا جائے تو معنیٰ ہوگا
اے موسیٰ خود راستہ خشک بناؤ جب کہ موسیٰ علیہ السلام کا کام صرف لاٹھی مارنا تھا راستہ

بنانا پانی ہٹانا اور آنا فانا خشک کرنا یہ رب تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ تھا۔ ان تمام باتوں سے ثابت ہوا کہ یہاں لاٹھی مارنا مراد نہیں نہ لاٹھی کا ذکر ہے نہ ابھی مارنے کا وقت آیا۔ بلکہ صحیح دوسرا قول ہے کہ اے موسیٰ اختیار کرو دریا کی طرف دریا میں سے جانیوالا راستہ جو خشک ہے صاف کھلا ویران ہے فلسطین کی طرف مصر سے جانے والے دو راستے تھے ایک شام کی طرف سے مگر اُس راستے میں جگہ جگہ فرعونی فوجی چوکیاں اور محصول چونگیاں تھیں رات دن وہاں پہرے ہوتے تھے اُدھر سے جانا ان کے لیے خطرناک تھا سب راستہ زمینی تھا شام کی سرحد آنے سے پہلے پہلے کسی دن بھی یہ پکڑے جا سکتے تھے راستے کی چوکیوں سے یا مخبری کر دی جاتی یا لڑائی جھگڑے اور پوچھ گچھ میں دیر لگتی۔ اور یہیں صبح ہو جاتی فرعون کو پتہ چل جاتا۔ اس لیے دریائی راستہ چلا یا گیا کہ صبح تک نہ پتہ لگے نہ مخبری ہو اور جب دوپہر تک پتہ لگے تو اُس وقت تک ان کے لیے دریا سے پار ہونے کا راستہ بن چکا ہو جیسا کہ ہوا۔ موسیٰ علیہ السّلام نے یہ حکم وحی سن کر خفیہ طور پر تمام دور و نزدیک بنی اسرائیلی گھروں میں اعلان کرا دیا کہ جوان اور تندرست مرد عورتیں آج سے تین دن بعد بعدِ مغرب مصر کے مغربی جانب جمع ہو جائیں مگر انتہائی رازداری سے کسی کو پتہ نہ لگے بیس سال کی عمر سے زائد اور ساٹھ سال کی عمر سے کم لوگ ہی آئیں تاکہ خود تیزی تندرستی سے چل سکیں نہ کسی کو اٹھانا پڑے نہ گھسیٹنا پڑے۔ مصری عورتوں نے اپنی سوچ و فکر عقل کے مطابق خفیہ رکھنے کا ایک طریقہ یہ سوچا کہ جس طرح ہم عورتیں اس سے پہلے بھی اکثر اپنی شادی بیاہ اور تیوہار کے موقعہ پر قبطی عورتوں سے زیور مانگ لیتی ہیں آج بھی یہ کہہ کر زیور مانگ لیا جائے کہ کل ہم سب اپنی ایک شادی کی تقریب میں جا رہے ہیں اور پھر دوسرے اور تیسرے دن بھی قبطی لوگ تشویش نہ کریں ہماری تلاش نہ کریں ہماری غیر موجودگی کو شادی کی شرکت سمجھ کر مطمئن رہیں اسی طرح سب عورتوں نے اپنے اپنے تعلق دار قبطیوں سے ان کے پورے پورے زیور لے لیے یہ وہی زیور تھے جس کا بعد میں سامری نے بچھڑا بنا دیا امانتاً ہی لیے کیونکہ اگلے انجام کا تو کسی کو پتہ نہ تھا ساری رات سفر جاری رہا صبح دریا کے کنارے پہنچ کر ٹھہر گئے کہ اب کس طرح پار نکلیں۔ اُدھر صبح اشراق کے وقت جب بازار نہ کھلے صفائی نہ ہوئی کہیں اسرائیل نظر نہ آیا تو حکومت کے کارندے دوڑے فرعون کے پاس اور کیفیت سنائی فرعون سمجھ گیا کہ اسرائیلی نکل بھاگے فوراً دور دور سے دوڑائے فوجیں جمع کی جیسا کہ سورۃ شعراء میں ذکر ہوا

فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ ۔ساتھ ہی اپنا رعب و دبدبہ قائم رکھتے ہوئے ان فوجوں اور دیگر لوگوں کو اپنی پریشانی چھپاتے ہوئے کہتا ہے۔ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِیْلُوْنَ وَ اِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ وَ اِنَّا لَجَمِیْعٌ حٰذِرُوْنَ (آیت ۵۴ و ۵۶) یعنی اے لوگوں فوجیو سپاہیو سب دوڑو پکڑو ڈھونڈو یہ ایک چھوٹی سی اسرائیلی جماعت ہے انہوں نے ہم کو پریشان کر دیا ہے لیکن ہم ان سے ہر وقت چوکنے رہتے ہیں۔ ان سے گھبراتے ڈرتے نہیں۔ یہ وہ جھوٹی انا کی اکڑ تھی جس کا خمار ہر فرعونی دماغ پر چڑھا رہتا ہے اور ہر باطل اپنے شور کے سامنے حق کا زور ماننے کو تیار نہیں ہوتا چاہے غرق و ہلاک ہو جائے۔ یہ اعلان سنتا تھا کہ بس فوجی سپاہی پکڑنے کے لیے جو ان لوگ تعاون کے لیے بچے اور نوبالغ تماشہ دیکھنے کے لیے اور عورتیں اپنا زیور چھیننے کے لیے سب دوڑ پڑے افواہ تو پہلے بھی اڑی ہوئی تھی کہ اسرائیلی فرعون سے بار بار ملک چھوڑنے کی اجازت مانگ رہے ہیں یہ بے اجازت بھاگنے کی جرأت کا خیال نہ تھا فرعون کو اس وقت دو پریشانیاں تھیں ایک تو موسیٰ سے مقابلے کے دن کا ڈرا سہما تھا کہ پھر سانپ بن کر ہلاک نہ کروا دے دوم یہ کہ یہ اس کی زندگی کا آخری دن تھا پھر اس کی بھی قدرتی نفسیاتی وحشت طاری تھی۔ اَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کے نقشِ قدم پر نشان دیکھتے ہوئے اسی دریائے قلزم کی سمت بڑھا۔ فرعون آگے تھا سب لشکر پیچھے پیچھے۔ یہ تقریباً سب پیدل سوار مل کر سات لاکھ تھا ایک قول ہے کہ صرف خاص فوج سات لاکھ تھی لیکن باقی سب مل ملا کر چوبیس لاکھ تھے قبطی اور دوسری قومیں بھی۔ جب کہ بنی اسرائیل تقریباً چھ لاکھ ستر ہزار جو سب کے سب تندرست و جوان تھے انہوں نے چلتے وقت گھوڑے بھی فرعونیوں سے ادھار لے لیے تھے۔ خیال رہے مصر میں دو دریا ہیں ایک دریائے نیل جو جانب جنوب مشرق میں ہے اسی کی ایک نہر نکل کر فرعون کے محل میں جاتی تھی اس دریا نے بچپن میں حضرت موسیٰ کو بچایا۔ دوسرا دریا قلزم یہ جانب مغرب بہتا ہے۔ اس نے اب سب بنی اسرائیل کو بچایا (صاوی وکبیر)، جب سب اسرائیلی دریا کے کنارے جمع تھے تو چند بوڑھوں نے حضرت موسیٰ سے عرض کیا ہمارے پاس ایک وصیت نامہ حضرت یوسف علیہ السلام کا ہے انہوں نے ہمارے آباؤ اجداد جو اس وقت ان کے پاس تھے یہ وصیت فرمائی تھی کہ جب تم لوگ مصر سے جانے لگو تو میری قبر کھول کر میرا میت لے کر ساتھ لے جانا۔ وہ وصیت نامہ نسل در نسل سے چلتا ہوا اب ہمارے پاس ہے حضرت موسیٰ نے فرمایا

ہاں بتاؤ قبر کہاں ہے تب ایک بوڑھی عورت آگے بڑھی عرض کیا کہ مجھ کو پتہ ہے قبر کہاں ہے فرمایا بتاؤ کہاں ہے عرض کیا جہاں آپ کھڑے ہیں وہیں دریا اندر بیچوں بیچ میں اب وہ جگہ آ گئی ہے۔ ابھی یہ گفتگو ہو رہی رہی تھی کہ دور کچھ شور و غل کی آوازیں سنائی دیں۔ یہ لشکر فرعونی کی آوازیں تھی ابھی لشکر تقریباً دس میل دور تھا۔ تمام اسرائیلی گھبرا کر چیخ پڑے کہ۔ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ۔ (شعراء آیت ۶۱) اے موسیٰ بے شک ہم پکڑے گئے کچھ بولے۔ اے موسیٰ ہم بڑے بدقسمت لوگ ہیں کہ۔ اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا۔ (اعراف آیت ۱۲۹) تم سے پہلے بھی ہم ظلم و ستم ذلت و خواری کی ایذائیں ہی دیئے جاتے رہے اور اب تمہاری ان نئی نئی سکیموں نے مزید پریشان کر رکھا ہے ہمیں وہ ذلت آمیز غلامی ہی منظور ہے ہم ان ذلتوں سے اپنے آپ کو بھلا چکے ہیں مگر یہ خطرے نہیں سہہ سکتے کہ ادھر سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مارتا دریا اندر گھسیں تو ہلاکت نہ کوئی کشتی نہ انتظام ادھر دیکھیں تو فرعون کا لشکر۔ اور اس کی ذلت آمیز پکڑ دھکڑ گرفتاری کا خطرہ قتل کا دھڑکا۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے سجدہ ریز ہو کر عرض کی۔ وحی الٰہی آئی۔ لَا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى۔ اے موسیٰ سنا دو کہ تم کو کچھ خطرہ نہیں نہ گرفتاری کا خوف کرو نہ ڈوبنے کی خشیت دہشت رکھو اور ساتھ ہی حکم ہوا۔ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ (شعراء آیت ۶۳) موسیٰ علیہ السلام نے یہ حکم سن کر سب کو فرمایا نہ ڈرو۔ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ بہت جلدی تمہارا رب کریم تمہارے دشمن کو ہلاک فرما دے گا۔ یہ کہہ کر آپ نے پہلے یہ دعا پڑھی۔ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَاِلَيْكَ الْمُشْتَكٰى وَبِكَ الْمُسْتَغَاثُ اَنْتَ الْمُسْتَعَانُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ (از تفسیر روح البیان) پھر آپ نے اپنا عصا مبارک پانی پر مارا۔ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ۔ دریا پھٹ گیا اور پانی دیواروں کی طرح بارہ حصوں میں تقسیم ہو گیا ہر دیوار ایک چٹان کی مثل اونچی بلند ہو کر ٹھہر گئی۔ تب حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر شریف نظر آ گئی جس میں سے بنی اسرائیل نے جسدِ مبارک مع صندوقِ تابوت نکالا اور ہمراہ لیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے خوش ہو کر فرمایا اے مائی صاحبہ کچھ مانگ لو مائی صاحبہ نے عرض کیا یا حضرت اس نشان دہی کے انعام میں مجھ کو جنت میں اپنی ہمراہی عطا فرمائیے موسیٰ علیہ السلام نے قبول فرمائی (حکایت) تفسیر کبیر میں ہے کہ ہجرت کے دنوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایک بستی سے گزرے وہاں ایک بوڑھی عورت

نے آپ کی دعوت فرمائی ان کے پاس ایک ہی دنبی تھی اس کو ذبح کر کے گوشت پکایا۔ بہت عرصے
کے بعد اسلام کی شہرت ہوئی تو وہ بوڑھی اپنے خاوند کے ساتھ حاضر بارگاہ ہوئی آقائے کائنات صلی اللہ
علیہ وسلم نے پوچھا کہ اے مائی کیا تم نے مجھ کو پہچانا۔ دونوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے
آپ کو پہچان لیا آپ وہی اُس دن کے مسافر ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اُس دعوت
مسافرت کے بدلے آج کچھ مانگ لو عرض کیا آپ ہم کو اسّی بکریاں دیدیجئے۔ دلوا دی گئیں
پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم تو موسیٰ علیہ السلام کی بوڑھی جیسی بھی نہ ہو سکیں (واللہ اعلم)
یہاں فرمایا گیا۔ لَا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى خوف و خشیت کا فرق یہ ہے کہ خوف تھوڑے
ڈر کو کہتے ہیں جس میں صرف دھڑکا لگا ہو۔ جان کا یقینی خطرہ نہ ہو اور خشیت سخت خطرہ
جان کا یقینی ڈر۔ اللہ کے خوف کو خشیت اسی لیے کہتے ہیں کہ اللہ کے رعب و جلال سے
زیادہ کسی کی ہیبت نہیں۔ لَا تَخٰفُ کا معنیٰ فرعون کی گرفتاری کا ڈر جس میں جان جانے قتل کیے
جانے کا یقینی خطرہ نہ تھا اور لَا تَخْشٰى کا معنیٰ سمندر میں ڈوبنے کی خشیت یہ بڑا ڈر تھا کیونکہ
اس میں جان جانا یقینی تھا۔ اشراق کے وقت سے چلا چلا یہ لشکر دوپہر کو قلزم کے قریب
پہنچتا ہے۔ بنی اسرائیل اس دریا میں خشک بنے ہوئے راستے سے دریا پار کر رہے
ہیں فرعونی یہ نظارہ دیکھ کر سخت حیران ہوئے تفسیر کبیر رازی میں ہے کہ اولاً موسیٰ علیہ السلام
نے دریا سے فرمایا کہ ہمیں گزرنے کا راستہ دیدے مگر دریا نے انکار کر دیا تب حضرت موسیٰ
نے سجدے میں گر کر دعا عرض کی رب تعالیٰ نے وحی فرمائی اپنی لاٹھی مارو (ہو سکتا ہے یہ دریا
کو سنا دی گئی ہو) بہرکیف فوراً راستے بن گئے تیرہ دیواریں کھڑی ہو گئیں اسی کو کالطود
العظیم فرمایا گیا۔ (صاوی) قدرت کا کیا عظیم کارنامہ تھا کہ ظالم خود ہی اپنے باغوں، کھیتوں
چشموں، خزانوں اور مقام کریم کے محلات ذیشان سے نکل کر موت کے منہ میں آ گئے
یہ دس محرم یوم عاشورہ بروز منگل تھا۔ اسی لیے اس تاریخ کا روزہ اُمت موسیٰ پر فرض کیا گیا تھا
فرعون نے دو بار فِى الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ بھیجے پہلی بار جادوگروں کو بلانے کے لیے دوسری بار
فوجوں کو بلانے کے لیے بنی اسرائیل تو سب پار نکلتے چلے گئے یہاں تک کہ آخری مرتبہ
بھی نکل گیا۔ لیکن راستے اسی طرح بنے رہے تب فرعونیوں کو بھی کچھ ڈھارس ہوئی سب سے
آگے فرعون تھا پہلے کچھ ڈرا جھجکا روایت میں آتا ہے کہ حضرت جبریل مع فرشتوں
کے ساتھ تشریف لائے جبریل علیہ السلام ایک گھوڑی پر بیٹھ کر فرعون کے آگے چلے اور

گھوڑی کے پیچھے فرعون کا گھوڑا چلا اور باوجود فرعون کے روکنے کے گھستا ہی چلا گیا جب فرعون کو جاتے دیکھا تو تمام لوگ بھی داخل ہو گئے بلکہ فرشتوں نے بھی کچھ مدد کی اور اٹھا اٹھا کر با آواز دے دے کر تیز چلنے کو کہا۔ یہاں تک کہ جب آخری آدمی بھی دریا میں داخل ہو گیا تو فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ۔ ڈبو دیا ان تمام کو۔ یعنی فرعون اور اس کی تمام فوج سپاہی تماشائی بچے جوان بوڑھے مرد عورتیں فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ (زخرف آیت ۵۵) تمام کے تمام ہی کو دریا کے بعض حصے سے ڈبو دیا۔ جیسا بھی ڈبویا۔ اس کی حقیقت اللہ ہی جانتا ہے کتنی گہرائی میں ڈبوئے گئے لاشیں کہاں گئیں چوبیس لاکھ افراد چشم زدن میں تقریباً ایک گھنٹے کے اندر اندر نیست و نابود ہو گئے کسی کی بھی لاش نظر نہ آئی نہ معلوم وہیں دھنس گئے یا پانی بہا کر کہیں لے گیا۔ صرف فرعون کی لاش کو پانی نے اچھال کر باہر پھینک دیا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً۔ (سورۃ یونس آیت ۹۲) یعنی آج ہم تیرے بدن کو بچا لیں گے تاکہ اپنے بعد والوں کے لیے تو تا قیامت عبرت کی نشانی ہو جائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ صرف فرعون کی لاش پانی نے باہر پھینکی تھی اور سب لاشیں بہگئی یا غائب ہو گئی تھیں۔ بنی اسرائیل تمام ہی بچا لیے گئے تھے ایک بھی نہ ڈوبا نہ مرا۔ چنانچہ ان کے بچانے کے لیے بھی اَجْمَعِيْنَ کا تاکیدی لفظ ارشاد ہوا جیسا کہ سورۃ شعراء آیت ۶۵ میں ہے وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ۔ ہم نے موسیٰ اور ان کے تمام ساتھیوں کو بچا لیا۔ جس وقت ادھر سے آخری بنی اسرائیل پار نکلا ادھر سے پہلا فرعونی داخل ہوا اور جب آخری فرعونی دریا میں داخل ہوا تو تمام دیواریں دہشت ناک آواز کے ساتھ بکھر گئیں اور ایک دم سب ڈوب گئے اور چیخ و پکار پڑ گئی بنی اسرائیل پہلے تو پار نکل کر آگے ہی چلتے رہے کہ جتنا دور سے دور بھاگ سکیں بھاگ لیں لیکن جب ادھر سے پانی کا شور اور لوگوں کی چیخ و پکار سنی تو پھر پلٹ پڑے اور دوسرے کنارے کھڑے ہو کر فرعونیوں کے ڈوبنے کا نظارہ کرنے لگے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ وَاَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۔ (سورۃ بقرہ آیت ۵۰) مِنَ الْيَمِّ کے معنی میں دو قول ہیں الیم سے مراد سمندر اور مِنَ الْيَمِّ سے مراد دریا ہے۔ ۲ مِنْ بعضیت کا ہے یعنی ساری دریا سے نہیں ڈبویا گیا بلکہ دریا کے تھوڑے سے پانی سے ڈبو دیا۔ مَا غَشِيَ میں بھی دو قول ہیں ۱ ما مصدریہ یعنی جیسا ڈبوئے جانے کے وہ حقدار تھے ویسا ہی

ڈبویا مکمل ڈبو دیا ہلاک کر دیا کہ اُن میں سے تیراکی جاننے والے بھی نہ بچ سکے اتنے سخت تھپیڑے تھے نمبر ۳ یہ مَا نافیہ ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ ان فرعونیوں کو اُسی دریا نے ڈبو دیا جس نے ابھی ابھی بنی اسرائیل کو نہ ڈبویا تھا۔ مگر یہ قول اس لیے درست نہیں کہ بہت مقدرات ماننے پڑتے ہیں اور بلا وجہ آیت میں مقدرات نکالنے منع ہے۔ دونوں لشکروں کی روانگی کا طرز و طریقہ اس طرح تھا کہ حضرت موسیٰ سب سے پیچھے تھے رُحمًا و کرمًا تاکہ کوئی کمزور رہ نہ جائے آپ پیچھے تھے پار لگانے کے لیے اور فرعون سب سے آگے تھا تکبرًا موسیٰ علیہ السلام کو قوم کی فکر تھی فرعون کو اپنی کرسی اور آن شان کی فکر تھی یہ فرق ہے کافر کی رہنمائی اور مومن کی رہنمائی میں۔ روح المعانی میں ہے کہ دریائی راستہ دیکھ کر فرعون دل میں تو ڈرا اور حیران ہوا مگر ظاہرًا اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ اس دریا نے میرے لیے راستہ بنایا ہے یہ تھی اُس کی آخری شیطانی تکبرانہ گفتگو (معاذ اللہ)۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ اہلِ ایمان کے لیے یہ عبرت کا سبق ہے کہ کفار کو خواہ کتنی ہی دولت سلطنت قوت مہلت اور حیات ملے مگر وہ عذابِ الٰہی اور سزاءِ جہنم سے نہیں بچ سکتے اس لیے کہ کافر آدمی دولت کے ذریعے عیاشی حکومت کے ذریعے فحاشی قوت کے ذریعے ظلم صحت کے ذریعہ غرور و تکبر اور کفر کے ذریعہ اللہ رسول کی مخالفت شریعت کا مذاق اور نبوت سے مقابلے میں ہی ساری عمر برباد کر دیتا ہے جیسا کہ فرعون نے اپنی تقریبًا تین سو سالہ دورِ حکومت میں کیا یہ فائدہ فَغَشِيَهُم مِّنَ الْيَمِّ۔ سے حاصل ہوا۔ بتایا جا رہا ہے کہ اے کفارِ مکہ اور بعد کے آنے والے کافرو دیکھ لو کہ اتنے بڑے جابر و ظالم سلطنت قوت والے فرعون کا انجام کیا ہوا۔ اُس کی کوئی چیز بھی اُس کو نہ بچا سکی مہلت ختم ہوتے ہی تنکے کی طرح بہہ گیا دوسرا فائدہ۔ جب قسمت میں دائمی تباہی و بربادی اور رسوائی لکھی ہو تو انسان پر کسی بھی اچھائی اور عبرت نصیحت کا اثر نہیں ہوتا یہ فائدہ فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ سے حاصل ہوا کہ بیس سالہ مدت میں فرعون کو ہر طرح سمجھایا گیا۔ بار بار نرمی گرمی معافی محبت عقاب عتاب سے بھی مگر پھر بھی بجز چند خوش قسمت نفوس کے کوئی نہ مانا۔ ادھر کڑ بیٹھ رہے اُدھر غرق ہوتے ہی جہنم کے عذاب میں پہنچے۔ تیسرا فائدہ۔ جس جگہ اللہ تعالیٰ کے نیک متقی بندے یا صالحین کی قبور ہوں وہاں عذاب نہیں آتا اگر وہاں عذاب

نازل کرنا کبھی ضروری و ناگزیر ہو جائے تو نیک بندوں کو وہاں سے نکال لیا جاتا ہے پھر عذاب آتا ہے۔ اور کافروں پلیدوں کو ہلاک کیا جاتا ہے۔ یہ فائدہ فَاسْرِ بِعِبَادِیْ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ دیکھو جب تک موسیٰ و ہٰرون علیہما السّلام اور ان کے امتی۔ نیک متقی بنی اسرائیل مصر میں رہے اس وقت تک کسی قبطی پر عقابی ہلاکت کا عذاب نہ آیا ہاں البتہ عتابی عبرتی عذاب عارضی آتے رہے دعاءِ موسیٰ سے ٹلتے بھی رہے اور جب عذابِ فنا کا تقدیری وقت آیا تو بستیءِ مصر سے تمام نیکوں متقیوں نبیوں ولیوں کو نکل جانے کا حکم دیا گیا۔ اس طرح ان کو نکال لیا گیا۔ لیکن بوڑھے اپاہج مرد و عورتیں پھر بھی نہ نکل سکے تو فرعونی کفار کو بستی سے نکال دیا گیا اور دریاءِ ہلاکت تک لے جایا گیا اور چونکہ دریا میں عذاب آنا تھا وہاں حضرت یوسف علیہ السّلام کی قبر مبارک تھی اس لیے پہلے جسمِ مقدس نکالا گیا تب عذاب آیا۔ خلاقِ کائنات کی طرف سے صدیوں پہلے یہ انتظام فرما دیا گیا کہ یوسف علیہ السلام اپنے جسم کی وصیت فرماتے ہیں اور وہ وصیت نامہ سینہ بسینہ چلا آتا ہے اگر یہ وصیت نہ ہوتی تو نعش شریف نکال نہ جاتی اور اگر نکالی نہ جاتی تو دریا میں بھی عذاب نہ آتا۔ یہ اللہ کی حکمتیں راز قدرتی منصوبہ بندی ہے جو ازل سے چلی آرہی ہیں یہ بھی ثابت ہوا کہ انبیا اولیا کا جسم و وجود کبھی فنا نہیں ہوتا اگرچہ وفات پائے صدیاں بیت جائیں۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ نیک لوگوں کا وجود دافعِ بلا و عذاب ہے اس لیے ہر ایک کے لیے مفید و غنیمت ہے رحمت و برکت ہے۔ یہی شان اعمالِ صالحہ کی ہے۔ غرضیکہ گھر کے مصلے محلے کی مسجد افراد کی عبادتیں صرف عابدین کو ہی مفید نہیں ہوتیں ہر ایک کے لیے مفید ہیں۔

احکام القرآن ان آیاتِ کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ۔ جس طرح دنیا کی اچھی بری چیزیں لوگوں کو معاشرے میں تقسیم کر دیتی ہیں مثلاً دولت وغربت، علم و جہالت، عقل و حماقت۔ کسی کو اعلیٰ کسی کو ادنیٰ اور اونچا نیچا بنا دیتی ہیں اسی طرح اُخروی اعمال اچھے اور برے میدانِ محشر کے سزا و جزاء میں اعلیٰ ادنیٰ جنتی جہنمی کی تقسیم کر دیتے ہیں یہاں تک کہ متقین کو جنت میں درجتُ العُلیٰ کی بشارت ہے اور فاسقین کو بخشش بالشفاعت یا سزاءِ فسق مکمل بھگتنے کے بعد جنت کے نیچے طبقے کا وعدہ ہے اس لیے جس طرح انسان دنیا میں اونچا بننے کی کوشش کرتا ہے اور بننے کے لیے ہر طرح کی محنت کرتا ہے۔ اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ ضروری ہے کہ بندۂ مومن اپنی اپنی حیاتِ دینوی

میں بہت ہی محبت وشان الفت وپیار سے اعمال کرتا رہے اور کوشش کرے کہ جنت عدن کے درجات نصیب ہوں۔ یہ مسئلہ۔ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى سے مستنبط ہوا۔ مُؤمِنًا کے ساتھ قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فرمایا گیا کہ ایسے خوش بختوں کی جزا درجٰتُ العُلٰی ہے۔ اور جو صرف مومن بنے نیک اعمال نہ کرے اس کو جنت تو ملے گی مگر جنتِ عدن نہ ملے گی۔ غرض کہ اس آیت نے اہلِ جنت کی تقسیم ثابت فرمادی کہ مومن کی دو قسمیں پہلی صالحین دوم فاسقین۔ مسلمانوں کو مومن صالح بننے کی ہمت کرنی چاہیئے تب اللہ تعالیٰ مدد فرمانے والا ہے۔ دوسرا مسئلہ دنیا والوں کے لیے دن بنایا گیا اور دین والوں کے لیے رات بنائی دنیا والوں کے قافلے دن میں سیر وسفر کرتے ہیں مگر دین والوں کے لیے اَسْرِ بِعِبَادِیْ کا حکم دیا جاتا ہے اہلِ عبادت کے قافلے رات کو سیر وسفر کرتے ہیں۔ دنیا کی نعمتیں دولتیں لذتیں دن میں ملتی ہیں مگر دین کی نعمتیں رات کو ملتی ہیں اس لیے مسلمانوں کو اپنی زندگی کی راتیں سوکر اور تماشوں میں ضائع نہیں کرنی چاہئیں۔ چار طرح رات ضائع ہوتی ہے ۱ تمام رات کو سوکر ۲ تماشوں میں جاگ کر ۳ بدمعاشی چوری چکاری میں پڑکر ۴ دنیا کی فکر الجھن پریشانی اور دنیا سازی کمائی میں۔ نیک لوگوں کی ہر کامیابی رات میں حاصل ہے۔ یہ مسئلہ اَسْرِ بِعِبَادِیْ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ رات کی عبادت کا ثواب دن کی عبادت سے زیادہ ہے۔ دینِ الٰہی اور تاریخِ ایمانی کے اکثر واقعات رات کو ہوتے رہے دیکھو معراج رات میں اس میں پچاس نمازیں ملیں موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے مدد میں پانچ کردی گئیں مگر نمازِ تہجد کے ذریعے ثواب پچاس کا ہی برقرار رہا۔ جو شخص پنج وقتہ نماز کے ساتھ تہجد کی بھی پابندی کرے اس کو پانچ نمازیں پڑھ کر پچاس کا ثواب ملتا ہے فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰى ذٰلِكَ۔ تیسرا مسئلہ اہلِ ایمان کو تین قسمے اعمالِ صالحہ دیئے گئے پہلا عمل عبادت دوم اِتباع۔ سوم اطاعت۔ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی اتباع صرف انبیا علیہم السلام کی اور اطاعت صرف اَولیا علما کی۔ غیر اللہ کی عبادت شرک۔ غیر نبی کی اتباع نقصان دِہ اور اولیاء اللہ علماء ربانی کے بغیر کسی کی دینی اطاعت گمراہی وگناہ۔ اللہ تعالیٰ کی بات ماننا عبادت ہے۔ انبیاءِ کرام علیہم السلام کے نقش قدم کی پیروی سنت کرنا اتباع ہے اَولیاء اللہ کی بیعت علماء کی شاگردی یہ اطاعت ہے۔ انبیا علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں اس لیے ان کی ہر بات ہر ادا ہر عمل قطعاً کلیۃً درست ہوتا ہے خطا ولغزش کا شائبہ بھی نہیں ہو سکتا اسی لیے بارگاہِ نبوت میں عقل خودی کو قربان کرکے

بندۂ عشق بننا پڑتا ہے انبیاءِ کرام کی تقلید حرام ہے۔ کیونکہ تقلید میں خطا کا احتمال ہوتا ہے تقلید ائمہ مجتہدین کی فقط۔ یہ بھی اطاعت کی ایک اعلیٰ قسم ہے۔ یہ تمام مسائل فَاتَّبَعَهُمْ کی ایک لغوی و اصطلاحی تفسیر سے مستنبط ہوا کہ دیکھو فرعون نے صحیح راستہ لینے کے لیے اسرائیلی نقش قدم اختیار کیئے اور صحیح جگہ پہنچ گیا اگر یہی کام ایمان کے ساتھ کرتا تو کامیابی حاصل کر لیتا ہلاکت سے بچ جاتا بلکہ صراطِ مستقیم پا لیتا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ خوف وخشیت تو ایک ہی چیز ہے تو پھر یہاں لَا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى کیوں فرمایا گیا اور اس تکرار لفظی کو نہ تفہیم خوف کہا جا سکتا ہے نہ تاکید۔ اس لیے کہ لَا تَخْشٰى کا مفعول بہ کوئی مذکور نہیں اگر مفعول بہ کوئی ہوتا تب اُس مفعول بہ کی وجہ اور نسبت سے یہ کہا جا سکتا تھا کہ یہ دوسری قسم کا ڈر اُس مفعول بہ کا ہے اور تاکید اس لیے نہیں ہو سکتی کہ تاکید کے لیے کوئی قرینہ یا کوئی حرفِ تاکید ہونا چاہیئے وہ یہاں نہیں ہے۔ جواب۔ اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں ایک یہ کہ خوف ہلکے اور مشکوک ڈر کو کہا جاتا ہے جیسا کہ کسی چیز کا خدشہ ہو مگر خشیت سخت اور یقینی خطرے والے ڈر کو کہا جاتا ہے لَا تَخٰفُ میں گرفتاری کا ڈر مراد ہے اور لَا تَخْشٰى میں غرقابی کا ڈر مراد ہے۔ گرفتاری کا ڈر اس لیے کم تھا کہ وہاں جان کا خطرہ نہیں یا صرف اندیشہ تھا مگر غرقابی میں جان کی ہلاکت کا خطرہ یقینی تھا اس لیے پہلے لَا تَخٰفُ فرمانا پھر لَا تَخْشٰى فرمانا بالکل درست ہے خیال رہے کہ عربی کی یہ خصوصی فصاحت و بلاغت ہے کہ اس کے چند الفاظ اگرچہ ہم معنیٰ ہوں مگر نوعیتًا برابر نہیں ہوتے۔ مثلاً تقویٰ۔ خوف۔ شفق۔ خشیت۔ رَهَب۔ اگرچہ سب کا معنیٰ ڈرنا ہے مگر نوعیتِ ڈر کے اعتبار سے بہت فرق ہے۔ جواب دوم یہ کہ لَا تَخٰفُ دَرَكًا کا تعلق موسیٰ علیہ السلام سے ہے اور لَا تَخْشٰى کا تعلق قوم سے ہے یعنی اے موسیٰ نہ اپنا خوف کرو نہ قوم کا کسی کو بھی کوئی خطرہ نہیں مگر پہلا جواب مضبوط ہے۔ دوسرا اعتراض یہاں فرمایا گیا۔ مَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ اور پچھلی آیت ۷۴ میں فرمایا گیا مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى۔ ان دونوں آیتوں سے ثابت ہوتا کہ ہے پہلے زمانوں کے معتزلہ اور اس دور کے حنبلی وہابی لوگوں کا یہ عقیدہ درست ہوا کہ فاسق مثلاً بے نمازی اور دیگر گناہوں کا مجرم بھی اسی طرح کافر ہوتا ہے جس طرح اللہ رسول اور قیامت کتابوں کا منکر کافر ہوتا ہے کیونکہ اس آیت میں فرمایا گیا دَرَجٰتِ عُلٰى

صرف اُس کو ملیں گے جو ایمان لا کر نیک عمل بھی کرے صرف ایمان لانا کافی نہیں اور درجٰتِ عُلیٰ کی خود رب تعالیٰ نے وضاحت فرمادی کہ وہ جنّتِ عدن ہیں یعنی ہمیشہ رہنے والی جنتیں اور ہر جنت ہمیشہ رہنے والی ہے اور وہ ہی جنّتِ عدن اور جنّتِ عدن ہی درجٰت عُلیٰ ہیں۔ اس آیت میں فرمایا گیا کہ جو مجرم بن کر آیا وہ اُس ابدی جہنم میں جائے گا جس میں لَا یَمُوْتُ وَلَا یَحْیٰی ہوگا اور ابدی جہنم بھی وہ ابدی جہنم صرف کافر کے لیے ہے۔ اور فاسق بھی مجرم ہوتا ہے ثابت ہوا کہ فاسق مجرم ہے اور مجرم ابدی جہنم میں اور ابدی جہنم صرف کافر کو صغریٰ کبریٰ جوڑا تو نتیجہ صاف ہے کہ فاسق کافر ہے۔ اسی طرح عمل صالحات نہ کرے تو جنت سے محرومی اور محرومی صرف کافر کے ہے ثابت کہ عملِ صالحات نہ کرے تب بھی کافر۔ ایمان وَاعمالِ صالحہ دونوں ہوں گے تب جنّت ملے گی ورنہ جنّت حرام۔ جواب۔ معترض کے پورے اعتراض کی بنیاد اس غلط فہمی پر ہے کہ اُس نے درجٰتِ عُلیٰ اور جنّتِ عَدن کو ایک چیز سمجھ لیا۔ دوسری نادانی یہ کہ اُس نے فاسق کو مجرم سمجھ لیا۔ حالانکہ قرآن و حدیث کی روشنی سے یہ سب علیحدہ علیحدہ ہیں۔ درجٰتِ عُلیٰ اور چیز ہیں جنّتِ عدن اور چیز ہیں اِسی طرح اصطلاحِ قرآنیہ کے اعتبار سے فاسق کو مجرم نہیں کہا جاتا مجرم صرف کفار کو کہا جاتا ہے۔ جب یہ ذھن نشین کر لیا جائے تو سمجھ لو کہ اس اعتراض کا جواب اسی آیت میں موجود ہے اس طرح کہ آیت نے تقسیم فرمائی۔ جو بندہ ایمان لے آیا اُس نے عمل صالح کیے اس کو عام جنّت نہیں بلکہ جنّت میں درجٰتِ عُلیٰ ملیں گے اور درجٰتِ عُلیٰ جنّتِ عَدن میں ہیں اور جنّتِ عَدن جنّت کے آٹھ طبقوں میں سے ایک اونچا طبقہ ہے۔ یہ درجٰت اس لیے ہیں کہ ذٰلِکَ جَزَآءُ مَنْ تَزَکّٰی۔ وہ بدلہ اس کا ہے جو گناہوں سے دنیا میں ہی پاک رہا یا سچی توبہ سے بخشش حاصل کر کے پاک ہو گیا لیکن جنتیں تو نیچے بھی ہیں ان میں کون رہے گا۔ خالی ویران تو نہ ہوں گی وہاں وہی فاسقین رہیں گے جن کو شفاعت نصیب ہو۔ یا جو پوری جہنمی سزا بھگت کر جہنم سے نکالے جائیں۔ حدیث پاک میں پوری وضاحت موجود ہے۔ رہی دوسری آیت میں مُجْرِمًا فرمانا۔ تو یاد رہے کہ قرآن مجید کی مختلف سورتوں آیتوں میں تقریباً ساٹھ جگہ جرم کے صیغے آئے ہیں مُجْرِمِین ۴۳ بار اور مجرم کا لفظ صرف دو جگہ۔ مگر ہر جگہ ہر آیت میں مُجْرِمِین اور مُجْرِمٌ سے مراد کافر لیا گیا جیسا کہ کلام کے سیاق و سباق سے ظاہر ہے۔ فاسق کو کہیں بھی مجرم نہیں کہا گیا۔ فاسق کے لیے پانچ لفظ قرآن و حدیث میں مستعمل ہیں ۱ فاسق ۲ مُذنِب ۳ خاطی ۴ عاصی ۵ ظلمی وغیرہ وغیرہ۔ لہٰذا یہ اعتراض حماقت و جہالت ہے۔ تیسرا اعتراض۔ نبی ولی

بغیر فقیر کے وسیلے کی کوئی ضرورت نہیں نا ہی کہیں مفید بندہ تو دہی اچھے عمل کر کے پاکیزہ ہو جاتا ہے اور پاکیزہ ہو کر جنت کے درجاتِ عُلیٰ حاصل کر لیتا ہے۔ اور جنت پالیتا ہے دیکھو یہاں فرمایا گیا ذَالِکَ جَزَآءُ مَنْ تَزَکّٰی ۔ یہ جنت اور جنات کے اونچے درجہ اس شخص کی جزا ہے جو پاک ہو گیا اس سے پہلے ہے مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ ۔ یعنی ایمان لایا مومن بنا نیک اعمال کئے بس وہ پاک ہو گیا۔ (دیوبندی وہابی) جواب ۔ اس کے دو جواب ہیں ایک اِلزامی دوسرا تحقیقی ۔ اِلزامی تو یہ کہ پھر تو رب تعالیٰ کا بھی کوئی احسان نہ رہا نہ بخشش کی ضرورت نہ تو یہ فریاد کی حاجت بس نیک عمل کئے جاؤ جنت کے حقدار ہو گئے ۔ نیز نیک عمل بھی تو ایک وسیلہ ہی ہیں جس کے وسیلے سے تزکیہ حاصل ہوا تمہاری اس بات سے تو اللہ تعالیٰ کی گستاخی ہوتی ہے اور نیک اعمال کی بھی تحقیقی جواب یہ ہے کہ قرآنِ مجید کی دیگر متعدد آیات سے واضح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو پاک کرتے ہیں اور یُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ : اپنی اس ایک بدعقیدگی کو بچانے کے لیے اتنی کثیر آیت کا انکار کرو گے نیز اس آیت کریمہ سے بھی تو تم لوگوں کا مطلب حاصل نہیں ہوتا اس لیے کہ اس میں بھی تزکّٰی ہے یعنی پاک ہونے کا ذکر ہے یہ نہیں فرمایا گیا کہ خود پاک ہو جاؤ گے ۔ آیت پاک یہ سمجھا رہی ہے کہ اعمال مثل صابن کے ہیں اور عمل کرنے والا مثل کپڑے یا برتن کے تو جس طرح کپڑے کو پاک کرنے کے لیے صابن موجود ہونے کے باوجود کسی کا ہاتھ اشد ضروری جو صابن مل کر رگڑ کر کپڑا دھوئے اور دھو کر پاک کرے اس طرح ہر قسم کے عمل کے باوجود دستِ نبوت کا وسیلہ اور دستگیری اشد ضروری ہے یہ تو اس آیت کا مطلب ہے لیکن موسیٰ علیہ السّلام کا واقعہ اور جادوگروں کا یہ قول تو خود پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اگر نبوت کی دستگیری مکمل حاصل ہو جائے تو عمل صالحہ کے صابن کے بغیر صرف نبی کا وسیلہ ہی تزکّٰی کے لیے کافی ہے۔ دیکھو جادوگروں نے دیدارِ نبوت اور ایمانِ نبوت و ادبِ نبوت کے علاوہ اور کونسا عمل صالح کیا تھا۔ بغیر کسی عمل کے ہزاروں ولیوں سے اونچا مقام اور جنتِ عُلیٰ حاصل کر گئے ویسے بھی اگر کوئی کہے کہ یہ کپڑا پاک ہو گیا تو اس کا مفہوم یہ نہیں لیا جا سکتا کہ خود بخود پاک ہو گیا بلکہ ہر شخص جان لے گا کہ کسی ہاتھ کے وسیلے سے پاک ہوا ہے ۔ اسی طرح یہاں بھی عقل سے کام لینا چاہیئے۔

تفسیر صوفیانہ | وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ

الْعُلٰی جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا
مَنْ تَزَكّٰی۔ جو مرید صادق معرفت کی منزلیں عبور کرتا ہوا راہِ سلوک میں قدم رکھے تعینات
کے ایمان کے ساتھ نفوس کو پاکیزہ رکھنے والا ہو اور اعمالِ مقدس کرے تو ایسے ہی مردانِ
طریقت کے لیے ترقی کمال کے درجے ہیں جو صفاتِ الٰہیہ کی سدا بہار اونچی جنتوں میں
ہیں جنھیں قربِ مشاہدات کی نہریں بہتی ہیں۔ عشقِ ذاتِ باری تعالٰی کے طالب و مجذوب ہمیشہ
ہی ان لذتوں میں رہنے والے اور یہ اُن محبوبین و مرحومین کا انعام ہے جنھوں نے تمام دنیوی
زندگی میں اِتّباعِ مصطفٰی کی شریعت اور لقاءِ مجتبٰی کی طریقت سے اپنے آپ کو عبادت و ریاضت
کی پاکیزگی پہنچائی۔ وَلَقَدْ اَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِیْقًا
فِی الْبَحْرِ یَبَسًا لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّ لَا تَخْشٰی۔ جب مصرِ جسمانی میں نفسِ فرعونی کی
ظلمتِ ضلالت حد سے گزر جاتی ہے تو بختِ بیدار کی وحی فرمائی جاتی ہے قلبِ اسرار کی
طرف کہ اپنے ان اعضاءِ ظاہرین عابدین کو نفسانی اندھیری رات میں گوشۂ مراقبہ سے
دریاءِ معرفت میں لے جا۔ اور اس دریاءِ عمیق میں جانے کے لیے راہِ لطائف کی۔ ہمت
کو اختیار کرنا دوسرے راہِ غم و غراق کو نہ لینا کہ اس راہ میں راہ مار کثیر ہیں۔ ادھر سے بچانا
اس راہ پر چلانا۔ شبِ جسمانی کی ظلمت میں فقط یہی راستہ نور کی لہروں سرور کی نہروں کی
طرف جانے والا ہے۔ اپنے مریدانِ اعضا کے لیے عالمِ ھیولانی کی دریاءِ تجرید و
خلوت اختیار کر اس لیے کہ اس راہِ انوار میں نہ ھیئتِ ھیولانی کی دلدل ہے نہ بدنی مادوں
کی کیچڑ ہے بلکہ کدورتوں کی غلاظت سے پاکیزہ سخاوتوں کی وجہ سے کھلا فراخ اور بلاؤں
سے خشک و مصفا ہے۔ طریقتِ نبوی اور معرفتِ الٰہی کے لیے یہی وہ راستہ ہے
جس میں عَلَی الْاِعلان ظاہر ظہورِ صوتِ سرمدی کی پکار آتی ہے کہ اے طالبانِ صادق آج
تم کو وَ لَا تَخٰفُ دَرَكًا وَّ لَا تَخْشٰی کا انعامِ ابدی ہے اس طرح کہ نہ ظلماتِ بدنیہ میں ملوث
ہونے کا خوف کرنا چاہیے نہ ہی تجھ کو عالمِ ناسوت کے دریاؤں میں ڈوبنے کا اندیشہ
کرنا چاہیے۔ آج تجھ پر کسی کا شیطانی تسلط و غلبہ نہیں ہوسکتا اس لیے کہ عالمِ ناسوت کی تمام
کثافت و لطافت کی دریاؤں میں مردانِ عارفین کاملین عابدین صادقین کے لیے مقید و
محبوس کر کے ضربِ اَللّٰہ اَللّٰہ سے قصرِ تقلید کی راہیں بنا دی جاتی ہیں۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ ان
راہوں میں چلو کہ یہی آج مریدوں کے لیے نجات کے راستے ہیں۔ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ

بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ انسان اپنی عقلی فکری رات دن کی عبادت ریاضت کے ذریعہ کسی بھی مقام پر پہنچ جائے نفس امارہ سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ نفسِ امارہ اپنے آخری وقت تک اپنے پورے مکروفریب کے لشکروں کے ساتھ اہلِ دین کو اپنے قبضے میں لاکر طغیانی ہتھیاروں سے ہلاک کرنا چاہتا ہے۔ اور اسی کوشش و مراد میں اہلِ قلوب کا پیچھا کرتا ہے خواہشات و شہوات اس کا جنود اور لشکر ہے لیکن مخلصانِ قلب اور ہمراہیانِ عقل بندگانِ عشق اَجْمَعِیْن کو نفسِ شیطانی کی گرفت اور بحرِ طغیانی کی غرقابی دونوں سے بچا لیا جاتا ہے البتہ خود نفس کو ہی کثیر ذلتوں کے ساتھ ہلاکتِ اَبدی عذابِ اَزَلی کی گہرائیوں میں ڈبو دیا جاتا ہے۔ (ابن عربی) جب بندۂ راہِ معرفت وادیِ سلوک میں شبِ تنہائی مراقبہ کے اندر قدم رکھتا ہے تو اُس پر تین طرف سے صحبتِ بَد۔ تواخفینِ اَشرار اور ظلمتِ اَغیار کی یلغار ہوتی ہے۔ اُس وقت پیرِ طریقت پر واجب ہے کہ تمام مریدانِ باصفا اور عابدانِ باوفا کو اغیار کے تینوں راستوں سے بچاکر مراقبۂ بدنیہ کی شبِ خلوت میں بحرِ اسرار کی طرف لے جائے اور دنیا کے جھمیلوں سے بچائے یہی معرفت کا سچا واحد خشک و محفوظ ترین راستہ اور طریقِ چہارم ہے۔ اسی کو زبانِ صوفیا میں طورِ اَیمن کہا جاتا ہے۔ وادیِ عزت و قربتِ جلال کی منزلِ طلب یہی ہے۔ اور جتنی جلدی ہو سکے طریقۂ مخفیہ سے اس دنیوی زندگی میں ہی شریر لوگوں کی بری صحبت اور اَغیارِ ناموافق سے دور ہٹ جائے۔ (روح المعانی) راہِ طریقت میں سب سے اہم عمل خلوص ہے اس لیے کہ ایک مخلص اور راست باز انسان اپنے اَقوال سے زیادہ اپنے کردار کے ذریعے لوگوں کو متاثر کرسکتا ہے مگر جس کے احوال و افعال مخلصانہ نہیں تو وہ کیدِ ساحر ہے اس کی گفتگو محض چرب زبانی ہے خود اس کو بھی دنیوی اُخروی ابدی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ کیونکہ اُس کی گفتگو اُس کی نفسانی خواہشات کے مطابق ہوگی قلب جتنا پُرخلوص ہوتا ہے اُسی مقدار سے قالب نورانی ہوتا ہے اور کلام پُرتاثیر ہوتا ہے۔ قلب کا خلوص استقامت سے اور استقامت عقیدے کی پختگی سے اور پختگی صحبتِ عارفین سے حاصل ہوتی ہے۔ حقِ بندگی کے فرائض اچھی طرح اُسی وقت ادا ہو سکتے ہیں جب تمام چھوٹی بڑی موکدہ غیر موکدہ عادتی عبادتی سب سنتوں کا خیال رکھا جائے یہ عمل بھی سنتوں میں سے ہے کہ بھائی سے کوئی شی مانگنے کے بعد وہ بھی اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے بھی کچھ پیش کرے ایک دفعہ حضرت کعب بن مالک ایک

غزوے سے رہ گئے آپ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا میری اس لغزش سے توبہ یہ ہے کہ میں اپنے سارے مال سے اُن غازیوں کے حق میں دست بردار ہو جاؤں جو آپ کے ساتھ شریکِ غزوہ رہے اور اُن گھروں کو چھوڑ دوں جن میں آرام کرکے میں نے یہ دن گزارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس کا تہائی حصہ تمہاری توبہ کے لیے کافی ہے۔ اپنے وطن و مولد سے نکلنا اطاعتِ نبوی کی ہجرت کرنا بھی مفیدِ سلوک ہے چنانچہ حضرت عمرو بن عاص فرماتے ہیں ایک شخص زمانۂ نبوی میں فوت ہوا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی نمازِ جنازہ پڑھائی بعد میں فرمایا کاش یہ صحابی اپنے اس وطنِ مولودی سے دور وفات پاتا۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ۔ کیوں! فرمایا کہ جب کوئی مومن اپنے مقامِ مولد سے دور فوت ہو جائے تو مقامِ مولد سے لے کر مقامِ وفات تک سب جگہ اس کے لیے جنت میں شامل کر دی جاتی ہے۔ حضرت ابوبکر فرمایا کرتے تھے اے بندو ایسے کامل پیر کو تلاش کرو جو مریدوں کو اعلیٰ روحانیت اور عزمِ مستحکم کے درجاتِ اُعلیٰ کی تعلیم دے اس لیے کہ صحیح معنیٰ میں مرید اس وقت نہیں ہو سکتا جب تک کہ بیس سال تک اس کا کاتبِ نیک اعمال فرشتہ اُس کے بارے میں اعمالِ صالحہ نہ لکھے۔

(واللہ ورسولہٗ اعلم۔

وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿۷۹﴾

اور گمراہ کیا فرعون نے اپنی قوم کو اس طرح کہ ہدایت لینے نہ دیا

فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور راہ نہ دکھائی

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ

اے اسرائیل (یعقوب) کی نسل والو ہم نے ہی تم کو بچایا ہے

اے بنی اسرائیل بے شک ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے نجات

عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ

تمہارے دشمن سے اور مقررہ وعدہ دیا ہم نے تم کو کوہ طور کی

دی اور تمہیں طور کی داہنی طرف کا وعدہ دیا

الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿۸۰﴾

دائیں جانب اور ہم نے اُتارا تھا تم پر مَن اور سلوٰی

اور تم پر مَن و سلوٰی اُتارا

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا

کھاؤ تم اُن پاکیزہ غذاؤں کو جو رزق دیا ہم نے تم کو اور نہ من مانی کرو تم

کھاؤ جو پاک چیزیں ہم نے تمہیں روزی دیں اور اس میں زیادتی نہ کرو

فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ

اس حصولِ رزق میں ورنہ پڑے گا تم پر میرا غضب اور وہ شخص کہ

کہ تم پر میرا غضب اُترے ۔ اور جس پر

يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ﴿۸۱﴾

پڑتا ہے جس پر میرا غضب تو وہ ناپید ہوا

میرا غضب اترا بے شک وہ گرا۔

وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ

اور بے شک میں البتہ بہت بخشنے والا ہوں اُس شخص کو جس نے توبہ کی اور عمل کئے

اور بے شک میں بہت بخشنے والا ہوں اُسے جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھا

صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿۸۲﴾

نیک پھر ہدایت پر ہی رہا

کام کیا پھر ہدایت پر رہا

تعلقات ان آیاتِ پاک کا پچھلی آیاتِ پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیات میں فرعون کی سزا کا ذکر ہوا کہ ڈبو یا گیا اس کو بھی اور اس کی تمام قبطی قوم کو بھی۔ اب اِن آیات میں اس کے جرم کا ذکر ہو رہا ہے کہ فرعون نے گمراہ کیا اور قوم گمراہ ہوئی۔ اس لیے سب کو یہ عذاب و سزا ملی۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں اس کلام کا ذکر ہوا جو فرعون اور اس کی قوم کے بارے میں فرمایا گیا تھا۔ اب اِن آیات میں بنی اسرائیل کے بارے میں گفتگو کا ذکر ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں اہلِ ایمان کی اُخروی نعمتوں کا ذکر ہوا۔ اب اِن آیات میں اہلِ ایمان اور توبہ کرنے والوں کے دنیوی فائدوں کا ذکر ہے۔

تفسیر نحوی وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى۔ يٰبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى۔ وَاوٌ سے جملہ نئے کلام کے لیے ہوئی اَضَلَّ بابِ افعال کا ماضی مطلق معروف مثبت واحد مذکر غائب اس کا مصدر اِضْلَالٌ متعدی ہے بمعنی گمراہ کرنا مادہ ہے ضَلَلٌ مضاعف ثلاثی یہ لازم ہوتا ہے بمعنی گمراہ ہونا۔ مقصود راستے سے جان کر یا بھول کر ہٹ جانا۔ اس کے بہت معنٰی دوسرے بھی ہیں۔ فِرْعَوْنُ اس کا فاعل۔ قَوْمَهٗ مرکب اضافی مفعول بہٖ ہے مراد ہے ڈوب جانے والے فرعونی لوگ واؤ حالیہ مَا هَدٰى۔ بابِ ضَرَبَ کا ماضی مطلق منفی معروف واحد مذکر غائب متعدی هُوَ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع فرعون یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر حال ہے فرعون کا یہ دونوں ذوالحال و حال مل کر فاعل ہوا اَضَلَّ سب سے مل کر جملہ فعلیہ یا حرفِ ندا بَنِيْ اسم جمع مذکر سالم بحالتِ نصب منادٰی مضاف ہے دراصل بَنِيْنَ منصوب تھا اضافت سے نون تنوین گر گئی ہے ابن کی لغوی معنٰی ہے والا جیسے ابن سبیل راستے والا اصطلاحًا ولد کو ابن کہا جاتا ہے یہاں بنین سے مراد نسل ہے اِسْرَآءِيْل اسم غیر منصرف کیونکہ عجمی علم

ہے اس لیے بحالتِ خبر فتحہ بلا تنوین آیا۔ یہ مرکبِ اضافی منادیٰ قَدْ اَنْجَیْنَا۔ بابِ افعال کا ماضی قریب معروف جمع متکلم ایک قرأت میں قَدْ اَنْجَیْتُ واحد متکلم ہے خیال رہے کہ اِن آیت میں چار صیغے جمع متکلم کے ارشاد ہوئے ان چاروں میں دوسرا قول ہی واحد متکلم کا ہے مثلاً ۱ قَدْ اَنْجَیْتُ ۲ وَاعَدْتُ ۳ نَزَّلْتُ ۴ رَزَقْتُ۔ اِن کی دلیل غضبی اور اِنِّیْ واحد متکلم سے مناسبت پیدا کرتا ہے بہر کیف مطلبُ معانی میں کوئی فرق نہیں قَدْ اَنْجَیْنَا نَجٰیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ کسی کو بچا لینا نَا ضمیرِ صیغہ یا رِزا اس کا فاعل مرجع اللّٰہ تعالیٰ کُمْ ضمیر مفعول بہٖ مِنْ جارّہ عَدُوِّ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ دشمن مضاف ہے کُمْ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکبؔ جار مجرور ہو کر متعلّق ہے قَدْ اَنْجَیْنَا۔ کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ واوٗ عاطفہ وَاعَدْ نَا۔ بابِ مفاعلۃٌ کا ماضی مطلق معروف مثبت جمع متکلم وَعْدٌ۔ سے مشتق ہے بمعنیٰ وعدہ کرنا اور لینا عہد کرنا اور لینا اس کا مصدر ہے مُوَاعَدَۃٌ بمعنیٰ میعاد بتانا مقرر کرنا ایک قرأت میں وَعَدْنَا بابِ ضَرَبَ سے ہے مفاعلۃٌ میں وہ وعدہ ہوتا ہے جو یا تو دو طرفہ ہو یا وہ جس میں کہ مدت بتا دی جائے اور ضرب میں بلا میعاد وعدہ مراد ہے مفاعلۃٌ سے دو طرفہ مراد لینا اس طرح ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ نے وعدہ کیا حضرت موسیٰ نے سنایا اس طرح کہ اللّٰہ نے کیا کتاب دینے کا اور موسیٰ نے کیا طور پر آنے روزے رکھنے اعتکاف بیٹھنے کا کُمْ ضمیر مفعول بہٖ بمعنیٰ مفعول لَہٗ یعنی تمہارے لیے جَانِبَ اسم جامد جَنْبٌ سے بنا ہے بمعنیٰ جسم کی کروٹ مطلقاً جمادات وحیوانات نباتات کے لیے ہے۔ اصطلاحاً سمتِ ظرفِ مکانی کو جَنْب اور جانب کہا جاتا ہے وہی یہاں مراد ہے یہاں اس کا نصب مفعول بہٖ ہونے کی وجہ سے ہے نہ کہ ظرفیت کی وجہ سے اس لیے کہ ظرفیت میں جگہ مبہم ہوتی ہے نہ کہ معیّن و معلوم مگر یہاں معیّن و معلوم ہے اس لیے ظرف نہیں ہو سکتا یہ نحوی قاعدہ کلیہ اور متفقہ ہے مضاف ہے ناپاک آدمی کو جُنبی اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اس کے ایک جانب سے گندگی نکلتی ہے یا وہ بحالتِ ناپاکی ایک طرف رہتا ہے مساجد محافل سے دور مضاف ہے الطُّوْرِ مضاف الیہ یہ مرکبِ اضافی موصوف اَلْاَیْمَنَ۔ اسم مفرد صفت مشبّہ یُمْنٌ سے مشتق ہے لغوی معنیٰ بابرکت ہونا اصطلاحاً داہنی جانب مراد ہے منصوب ہے اس لیے کہ صفت ہے جانب کی ایک قول میں جرِ جوار کی وجہ سے مجرور ہے مگر یہ غلط ہے یہ مرکب توصیفی مفعول بہٖ

ہے وَاعَدْنَا کا سب مل کر جملہ ہو کر معطوف اوّل ہوا قَدْ اَنْجَیْنَا کا واؤ عاطفہ نَزَّلْنَا باب تفعیل کا ماضی مطلق جمع متکلم عَلَیْکُمْ جار مجرور متعلق ہے اَلْمَنَّ اسم مفرد جامد عجمی لفظ ایک میٹھے قدرتی کھانے کا نام ہے مفتوح ہے معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَلسَّلْوٰی ایک مخصوص قدرتی نمکین کھانے کا نام۔ بحالت اسم مقصورہ بحالتِ فتحہ معطوف ہے دونوں عطف مل کر مفعول بہٖ نَزَّلْنَا کا۔ اِن دونوں عجمی لفظوں کی جمع و تثنیہ نہیں ہوتا۔ نَزَّلْنَا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوفِ دوم ہوا۔ قَدْ اَنْجَیْنَا کا وہ جملہ اپنے دونوں معطوفوں سے مل کر پہلا جواب ندا ہوا۔ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى۔ كُلُوْا باب نَصَرَ کا فعل امر حاضر معروف جمع مذکر اَكْلٌ بمعنی الغا سے مشتق ہے بمعنی کسی غذا کو چبا کر منہ کے ذریعہ پیٹ میں ڈالنا۔ یعنی کھا پینا یہاں مراد ہے ہر طرح استعمال کرنا۔ دراصل اُؤْكُلُوْا تھا۔ پہلی ہمزہ وصلی امر کی دوسری ہمزہ اصلی مادے کی ثقل کی وجہ سے دونوں گر گئیں مِنْ جارہ بعضیت کا طَيِّبٰتِ اسم۔ جمع مونث سالم نفظی اس کا واحد طَيِّبَةٌ ہے مضاف ہے بمعنی جسم اور روح کو لذت دینے اور پہنچانے والی چیزیں مَا اسم موصول رَزَقْنَا باب نَصَرَ کا ماضی مطلق معروف مثبت۔ جمع متکلم فاعل متکلم اللہ تعالیٰ ہے کسی واحد کا اپنے لیے جمع متکلم بولنا صرف فصاحتِ کلام ہے دیوبندی وہابی اور ان کے زیر اثر کچھ سُنی لوگ اس کو تعظیمی صیغہ کہتے ہیں یہ قطعًا غلط ہے تعظیم کبھی متکلم کے صیغے سے نہیں ہو سکتی۔ اگر رب تعالیٰ کی تعظیم جمع کے صیغے میں ہوتی تو قرآن و حدیث سے رب تعالیٰ کے لیے جمع مذکر حاضر یا غائب کے صیغے ثابت ہوتے حالانکہ کہیں بھی ثابت نہیں نہ کسی نبی ولی صحابی تابعی نے اللہ کے لیے جمع مذکر حاضر یا غائب کا صیغہ بولا اس لیے کہ باری تعالیٰ وحدہٗ لا شریک ہے اس کی تعظیم اور شانِ وحدت کا اظہار واحد مذکر حاضر و غائب کے صیغے سے عیاں ہے۔ اس کے لیے جمع مذکر حاضر یا غائب صیغے کسی بھی زبان میں بولنا یا اُس کو آپ جناب کہنا بے ادبی و گستاخی مثل شرکِ خفی ہے۔ کُمْ ضمیر منصوب متصل مفعول بہٖ ہے کُلُوْا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا واؤ عاطفہ لَا تَطْغَوْا باب نَصَرَ سے بھی اور سَمِعَ سے بھی فعل نہی۔ جمع مذکر حاضر معروف طُغْیٰ ناقص یائی سے

مشتق ہے دراصل لَا تَطْغَيُوْا تھا۔ یَ پر ضمہ ثقیل تھا لہٰذا یٰ حرفِ علت اور اس کا ضمہ (پیش) گر گیا۔ کُم ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع بنی اسرائیل فِیْ حرفِ جر ظرفیہ ہٖ ضمیر غائب کا مرجع کُلُوْا کا مصدر اَکْلٌ ہے۔ ایک قول میں مرجع رِزْقٌ ہے۔ یہ جار مجرور متعلق ہے لَا تَطْغَوْا کا۔ فَ حرف زائدہ تعلیلیہ یعنی اس سے پہلا کلام لَا تَطْغَوْا کا جملہ علت اور وجہ ہے اگلے کلام فَیَحِلَّ کے جملے کی یَحِلَّ باب ضَرَبَ کا فعل مضارع معروف مثبت بمعنیٰ مستقبل ایک قرأت میں یَحُلَّ باب نَصَرَ سے ہے۔ بحالت فتحہ ہے فَ تعلیلیہ کی وجہ سے اس میں اَنْ ناصبہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ حَلَلٌ مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے بمعنیٰ حائل ہونا وارد ہونا جائز و حلال ہو جانا۔ اتر نا پڑ جانا۔ یہاں سب معنیٰ مناسب ہیں دراصل تھا یَحْلِلُ۔ یا یَحْلُلُ۔ دونوں لام کو مدغم اور مشدد کیا کلام میں شدت پیدا کرنے کے لیے پہلے لام کی حرکت حَ کو دی گئی۔ عَلَیْکُم جار مجرور متعلق ہے غَضَبِیْ اسم مفرد جامد بمعنیٰ سخت انتقام مراد ہے عذابِ آخرت مضاف ہے یْ ضمیر واحد متکلم مرجع اللہ تعالیٰ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی فاعل ہے۔ واؤ حالیہ بیانیہ مَنْ اسم موصول کی وجہ سے اگلی عبارت معنًا جملہ اسمیہ کے مشابہ ہے اس لیے واؤ حالیہ ہو سکتا ہے مَنْ شرطیہ یَحْلِلْ۔ باب ضرب کا مضارع یَحِلَّ اور یَحْلِلْ میں تین قرأتیں ہیں ۱ یہ دونوں باب ضَرَبَ سے ہیں حُلُوْلٌ سے مشتق ہیں بمعنیٰ واجب ہونا۔ لغتًا معنیٰ ہے جسم میں گھسنا اصطلاحًا معنیٰ ہے واجب ہونا ۲ یہ دونوں باب نَصَرَ سے ہیں یَحُلُّ اور یَحْلُلُ حائل سے بنا ہے بمعنیٰ نازل ہونا۔ ۳ یَحِلَّ باب ضرب سے اور یَحْلُلُ باب نَصَرَ سے یعنی جس پر واجب ہوا اس پر نازل ہوا اور جس پر نازل ہوا وہ گر گیا۔ توبہ کفر سے اللہ رسول کتابوں اور سنت پر ایمان ثمّ اعمالِ صالحہ پھر اهتدٰی تعلیلًا یہ یَحْلِلُ تھا مگر مَنْ موصولہ شرطیہ نے اس کو جزم دیا تو دو ساکنین کے خطرے سے یہ اپنی اصلیت کی طرف آگیا۔ عَلَیْہِ جار مجرور متعلق ہے غَضَبِیْ۔ مرکب اضافی فاعل ہے یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر شرط ہوئی فَ جزائیہ۔ فَقَدْ هَوٰی باب ضَرَبَ ماضی قریب واحد مذکر غائب هَوٰیٌ لفیف مقرون سے بنا ہے اس کا معنیٰ ہے گم ہو جانا ناپید ہونا۔ نیچے گرنا اترنا اکھڑنا اٹھ جانا۔ غار یا کوئیں کا منہ کھلنا۔ اسی سے ہے ھَاوِیَۃٌ سب سے نچلی جہنم۔ خواہش کو هَوٰی اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ قلب یا نفس کی گہرائی سے

ہوتی ہے۔ گہری جگہ کو تَہوِیَہ کہا جاتا ہے۔ خالی جگہ کو ھَوَاءٌ کہا جاتا ہے پہلی ضمیر غائب کو ھُوَ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ مرجع غائب ہے۔ فَقَدْ ھَوٰی اپنے پوشیدہ فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہوئی شرط و جزا مل کر حالیہ بیان ہوا فَیَحِلَّ کا وہ اپنے فاعل متعلق اور بیان سے مل کر معلول ہوا لَا تَطْغَوْا کے جملے کا۔ واؤ حالیہ ما بعد جملہ اسمیہ حال ہے فَیَحِلَّ کے جملے کا۔ اِنَّ حرفِ مُشَبَّہ۔ نون کو کسرہ اِتّصال یٰ متکلم کی وجہ سے ہوا یٰ ضمیر اس کا اسم ہے اس لیے منصوب متصل ہے۔ لام تاکید بہ معنیٰ البتہ غَفَّارٌ اسم صیغہ مبالغہ بروزنِ فَعَّالٌ جَوَّادٌ ترجمہ ہے بہت ہی بخشنے والا پردہ پوشی کرنے والا اَلْغَفْرُ سے مشتق اس کا صرف مذکر واحد کا صیغہ ہی ہوتا ہے۔ بحالت رفع جملہ اسمیہ ہو کر خبر اِنَّ ہے۔ لام حرفِ جر۔ مَنْ موصولہ تَابَ بابِ نَصَرَ کا ماضی مطلق۔ واؤ عاطفہ اٰمَنَ بابِ افعال کا ماضی مطلق واؤ عاطفہ عَمِلَ بابِ سَمِعَ کا ماضی مطلق تینوں صیغے واحد مذکر غائب ھُوَ ضمیر صیغہ تینوں کا فاعل مرجع مَنْ ہے یہ سب فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر آپس میں معطوف علیہ معطوف ہو کر پھر معطوف علیہ ہوا۔ صَالِحًا اسم فاعل واحد مذکر ترجمہ درستی والے یعنی نیک عَمَلَ مفعول بہ ہے ایک قول میں عَمَلًا پوشیدہ کی صفت ہو کر مفعول مطلق یا مفعول بہ ہے۔ ثُمَّ حرفِ عطف برائے تراخی تراخی دو قسم کی ہوتی ہے ۱۔ تراخی للوقتین جیسے صبح کو تندرست پھر شام کو بیمار ۲۔ تراخی للترتیب جیسے پہلے امیر پھر وزیر یہاں تراخی للوقتین ہے۔ یعنی پہلے توبہ پھر اِھْتَدٰی۔ بابِ افتعال کا ماضی فعل ماضی مطلق واحد مذکر ھُوَ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل مرجع مَنْ ہے یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے سب معطوف صلہ ہے مَنْ کا وہ موصول صلہ مجرور جار مجرور متعلق ہیں غَفَّارٌ کا غَفَّارٌ اپنے پوشیدہ ھُوَ فاعل اور متعلق سے مل کر خبر اِنَّ وہ جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے عَلَیْکُمْ غَضَبِیْ کی یٰ ضمیر کا۔ کُلُوْا۔ پورا جملہ ہو کر جواب دوم ہوا نِدَا کا۔ یَا حرفِ ندا اپنے منادیٰ اور دونوں جواب سے مل کر جملہ ندائیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى يٰبَنِىْۤ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى

اور فرعون نے سب کچھ جانتے عقل رکھتے ہوئے بھی اپنی محکوم رعایہ قوم کو دینی دنیوی ہر اعتبار سے اپنی حکومت کی کرسی بچانے ہی کی لالچ میں گمراہ ہی رکھا کہ سیدھی سچی بات نہ سمجھائی نہ سمجھنے دی کہ نہ دنیوی ترقی نہ دینی پاکیزگی حاصل کر سکے اپنے اردگرد اپنی ہی ربوبیت و جھوٹی نعوذ معبودیت کا چکر چلا کر پوری اپنی قوم کو بیوقوف بنائے رکھا اور نہ خود ہی اپنے غلط مشیروں ساتھیوں کی وجہ سے

ہدایت پا سکا۔ یہاں تک کہ اخیر مرتے تک گمراہ اور گمراہ گر ہی رہا نہ دینوی عتابی عذابوں سے بچنے توبہ کرتے دی نہ ہلاکت کے دریا میں ڈوبتے سے بچنے دیا بلکہ اپنے ساتھ ہی سب کو لے مرا۔ مَا هَدٰى میں چھ قول ہیں ۱۔ خود بھی ہدایت نہ پائی کفر پر ہی زندگی برباد کر کے موت کی وادی میں چلا گیا ۲۔ اَضَلَّ دینی طور پر گمراہ کیا دینوی ترقی بھی نہ کرنے دی ایک دوسرے سے نفرت دلائی اتحاد نہ ہونے دیا لڑاؤ اور حکومت کرو کی چال چلی ۳۔ اَضَلَّ کافر بنایا وَمَا هَدٰى دریائی راستے پر لے گیا جو اُن سب کے لیے ہلاکت کا راستہ تھا اس سے نہ بچایا۔ پکڑنے کی گرفتار کرنے کی ضد میں آ کر اپنی قوم کو مروا دیا ۴۔ اَضَلَّ خود بھی سچی بات کبھی نہ کی وَمَا هَدٰى قوم کو بھی نہ کرنے دی نہ سننے سمجھنے ماننے دی ۵۔ اَضَلَّ اپنے رب تعالیٰ کو ناراض کیا وَمَا هَدٰى موسیٰ و ہٰرون علیہما السلام کو بھی ناراض کیا۔ خود بھی اور اپنی قوم سے بھی ناراضگی کے ہی کام کرائے ۶۔ اَضَلَّ دنیا میں ہر طرح عتابِ الٰہی سے ذلیل کرایا وَمَا هَدٰى آخرت یعنی قوم کو محشر، جہنم کی ذلت حاصل کرا دی چاہتا تو بچ سکتا تھا۔ بتیس سال کی مہلت پھر ہر طرح کا سمجھانا یہ کوئی تھوڑی مہلت اور شفقت نہ تھی اے مکے کے کافرو سردارو اور دنیا بھر کے تا قیامت گستاخ بے ادب حاکمو لیڈرو تم بھی بالکل فرعون کے راستے پر چل رہے ہو اُس کو بھی اَنا نے فنا کیا اور تمہارا انجام بھی اس سے مختلف ہوتا نظر نہیں آتا اِس واقعہ سے نصیحت لو عبرت کی آنکھیں کھولو غیرت کی ضمیریں ٹٹولو اور بندے بن جاؤ حق کا مقابلہ اور قوم کی گمراہی کا سامان ہلاکت آسان مت بناؤ۔ اسی لیے قرآن مجید میں بار بار مختلف انداز میں مختلف پہلوؤں سے یہ قصہ دہرایا جا رہا ہے کہ کچھ تمہیں کسی وقت سمجھ آ جائے۔ اور بچ جاؤ ہمارے محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ کرنے قوم کو ان کے خلاف اکسانے بھڑکانے کے اُن کے آستانۂ رحمت پر بندہ بن کر آ جاؤ نہ فرعون کا نمونہ بنو کہ اَضَلَّ مِنَ الرُّشْدِ ہو اور نہ مَا هَدٰى هُمْ اِلٰى طَرِيْقِ النَّجَاةِ رہو اور نہ فرعون کی طرح احمقانہ انانیت بناؤ کہ گمراہ اور خراب کرنے کے۔ باوجود سمجھتے رہو وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ (سورۃ مومن آیت ۲۹) یعنی اے میری قوم والو میں تم کو ہر بات میں سچے راستے کی ہدایت دیتا ہوں۔ یہ اُس کی قوم کی بدنصیبی و حماقت تھی اتنی گمراہیوں ذلتوں کے باوجود فرعون کی کذب بیانی پر مرمٹی تھی اور معبود و رب بنائے بیٹھی تھی حالانکہ سمندری راستے پر چلانا اَضَلَّ تھا اور اندر گھستے چلے جانا وَمَا هَدٰى۔ تھا فرعون اور اُس کی قوم تو سخت گمراہی بے ہدایتی کی وجہ سے مر کھپ گئے

مگر اے بنی اسرائیل تم میں گمراہی بے ہدایتی کیوں آ گئی تم کو تو ہم نے بڑی عزت فضیلت دی تمہارے اتنے بڑے ظالم جابر دشمن سے تم کو نجات دی عدو لفظاً واحد ہے معنًا جمع اس لیے تمام فرعونی لوگ مراد ہیں۔ اس وجہ سے کہ تمام کی دشمنیاں فرعون کی وجہ سے تھیں لہٰذا اصل دشمن ایک ہی تھا جو سب کی عداوتوں کا مجموعہ تھا۔ جب تک تم فرعونی مصیبتوں ذلتوں میں پھنسے رہے اُس وقت تک تو تم ہمارے اچھے عابد زاہد اور صابر بندے بنے رہے اسی مخلصانہ بندگی کو ہم نے اتنا پسند فرمایا کہ اپنے کلیم نبی موسیٰ کو تمہاری نجات کے لیے مبعوث فرمایا۔ اور اُن کو حکم دیا کہ میرے بندوں کو فرعون کے ظالمانہ چنگل سے چھڑا کر مصر سے نکال لے جاؤ۔ ہم نے اپنے پسندیدہ عظیم لقب بعبادی سے نوازا یہ کوئی معمولی لقب نہیں ہے اس طریقے سے تم کو مصر کی ذلت آمیز زندگی سے نکالا۔ مگر تم نے اپنی آزادی کی چند دن بھی قدر نہ جانی اور اپنے خطاب ولقب کی لاج نہ رکھی اور راہ چلتے ایک مندر کے پجاریوں کو دیکھ کر تم میں سے کچھ بیوقوفوں نے مطالبہ کرتے ہوئے قَالُوْا یٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ (سورۃ اعراف آیت ۱۳۸) یعنی اے موسیٰ ہمارے لیے بھی ایسا معبود بنا دو ہم نے اس حماقت کو بھی معاف فرما کر۔ تمہاری خواہش پر موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے ایک عظیم قانون وشریعت حکمت وطریقت کی کتاب دینے کا تم سے وعدہ لیا اور موسیٰ کلیم سے کوہ طور کی جانب ایمن آنے کتاب لینے کا وعدہ لیا۔ تم میں کتنی جلدی بُرائی آئی ابھی تو فرعونی مار کے زخم بھی مندمل نہ ہوئے تھے کہ تم نے پھر کفریہ حرکتیں اور گستاخی بے ادبی کی حرکتیں شروع کر دیں جس کی بنا پر تم کو وادیِ تیہ میں قید کیا گیا۔ لیکن ہمارے انعامات وہاں بھی تمہارے ساتھ رہے تم کو قدرتی معجزاتی چشموں کا پانی دیا گیا۔ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى اور تم پر غیب کے پردوں سے نازل فرمایا ہم نے مَنّ کا سفید میٹھا قدرتی حلوہ اور سلویٰ پرندوں کا تلا ہوا گوشت روایتوں میں ہے کہ ہر دن فجرِ صادق سے طلوعِ آفتاب تک شبنم کی طرح سفید روئی برف جیسا میٹھا حلوہ برستا اور پرندوں کا تلا ہوا گوشت تقریباً ایک صاع یعنی ساڑھے چار سیر کی مقدار میں ہر فرد کے لیے اُس کے خیمے کے سامنے ہوتا یہ چوبیس گھنٹے کی خوراک تھی دونوں چیزیں مَنّ وسلویٰ ایک ایک صاع ہوتا۔ یہ کرم اس لیے تھا کہ بنی اسرائیل یعقوب علیہ السلام کی اولاد اور نبی زادے تھے۔ یعنی یعقوب کی نسلِ کثیر انبیا کی اصل اور ابراہیم علیہ السلام کے خاندان سے تھے مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ خطاب کن بنی اسرائیل سے ہے؟ صحیح یہ ہے کہ موسیٰ

علیہ السّلام کے زمانے والے وہی بنی اسرائیل مراد ہیں جو نجات دئے گئے پھر تیہ میں نظر بند کئے گئے۔ مگر بعض نے فرمایا کہ یہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے بنی اسرائیل سے ہے اور آباؤ اجداد کی نعمتوں فضیلتوں کا ذکر ہے اور خطاب اس لیے ہے کہ آباؤ اجداد پر انعامات بعد کی تمام نسل پر انعام شمار ہوتا ہے مگر یہ قول غلط ہے اس لیے کہ یہ سورہ طٰہٰ مکی ہے اور مکہ مکرمہ میں کوئی یہودی نہ تھا۔ یہودی اس وقت صرف مدینہ منورہ میں رہتے تھے اس لیے ان سے خطاب مدنی سورتوں میں ہوا ہے نہ کہ مکی میں وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔ کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِیْہِ فَیَحِلَّ عَلَیْکُمْ غَضَبِیْ۔ وَمَنْ یَّحْلِلْ عَلَیْہِ غَضَبِیْ فَقَدْ ھَوٰی۔ اے بنی اسرائیل کھاؤ تم اس من وسلوٰی کو جو بغیر محنت بغیر اُجرت کی حاصل شدہ طیبات ہیں۔ اس طرح کہ طبعًا لذیذ ہیں شرعًا حلال ہیں ان کے بنانے پکانے میں کسی بھی انسان کا ہاتھ نہیں۔ اس لیے نہ اس میں ناپاکی کا شک نہ حرمت کا ڈر۔ طیبات نعمتِ کاملہ ہے اور نعمتِ کاملہ کی چار صفتیں ۱؎ طبیعت میں لذیذ ہو ۲؎ شریعت میں حلال ہو ۳؎ حقیقت میں پاکیزہ ہو ۴؎ منفعت میں مفید ہو۔ یہاں رب تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر نو نعمتوں کا ذکر فرمایا پہلی اَنْجَیْنٰکُمْ یہ پہلی اس لیے کہ تکلیف دور کرنا نفع دینے سے پہلے ضروری ہے فرعون بنی اسرائیل کو چار قسم کی تکلیفیں دیتا تھا ذلت کی ۲؎ مشقت کی ۳؎ قتل عام کی ۴؎ ہر وقت خوف زدہ رکھنا اور شہر بدر کرنا دوسری نعمت وَاعَدْنٰکُمْ تیسری نعمت مَنّ کا نازل ہونا چوتھی نعمت سلوٰی کا حاضر ہونا پانچویں نعمت اِن طیبات کو ہر طرح آزادی سے کھانے کی اجازت ملنا وَاعَدْنَا کو ان سے پہلے ذکر کیا گیا اس لیے کہ وعدہ کتاب توریت دینے کا تھا یہ دینی نعمت تھی من وسلوٰی دنیوی نعمت تھی اس لیے اس کو بعد ذکر فرمایا تاکہ ہر شخص دین کو دنیا پر مقدم رکھے مقدم سمجھے۔ وَاعَدْنَا کی تفصیل اس طرح ہے کہ مصر جاتے ہوئے بزرگ اسرائیلیوں نے عرض کیا یا موسیٰ ہم کو کوئی ایسی کتاب دلوایئے اپنے رب سے جو احکام قانون حکمت فضیلت رحمت میں مکمل و مفید ہو تب موسیٰ علیہ السّلام نے بارگاہِ ربانی میں عرض کیا تو ان سے وعدہ فرمایا گیا۔ کہ طور کی اسی جانب ایمن آجانا جہاں پہلی مرتبہ کلامِ الٰہی سننے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ جانبِ ایمن سے مراد شام کے راستے فلسطین جاتے ہوئے موسیٰ علیہ السّلام کے دائیں جانب ورنہ مقامات و مکانات کی کوئی دائیں بائیں جانب نہیں ہوتی۔ وَاعَدْنَا۔ بابِ مفاعلۃ اس لیئے فرمایا گیا کہ دو طرفہ وعدہ ہوا تھا۔ رب نے کتاب دینے کا وعدہ فرمایا اور حضرت موسیٰ نے طور پر آنے اور شرائطِ حاضری کی

پابندی کرنے کا وعدہ کیا۔ توریت میں اوّلاً شریعت طریقت معرفت نصیحت اور دعائیں عبادت کے طریقے اور وقت کا ذکر تھا۔ چھٹی نعمت۔ ہر غذا کا طیبات ہونا۔ شرعی حرام چیز طیبات اور نعمت ہی نہیں ہوتی۔ ساتویں نعمت رزق وسیع ہونا۔ مَنّ وسلوٰی کے نزول کا پیش خیمہ یہ تھا کہ بنی اسرائیل کو قومِ جابرہ کے شہر میں جاتے اُن سے لڑنے کا حکم ہوا تو سب اسرائیلی ڈر گئے اور جنگ سے انکار کر دیا تب ان کو میدانِ تیہ میں پہاڑوں کے اندر قید کر دیا اور وہاں ان پر مَن وسلوٰی نازل کیا گیا۔ چالیس سال قید رہے۔ آٹھویں نعمت بغیر محنت مشقت اور بغیر اُجرت قیمت کے ملنا۔ نویں نعمت عبادت کا وسیع وقت ملنا کہ کوئی دنیوی کام نہیں بس کھانا پینا عبادت کرنا یہ سب سے بڑی نعمت تھی۔ اِن نو نعمتوں کے بعد چار زحمتوں کا ذکر فرمایا گیا۔ ۱ لَا تَطْغَوْا۔ اس میدانِ تیہ کی وادی میں کھانے پینے کی ہر طرح آزادی سہولت ہے کوئی رکاوٹ نہیں مگر سرکشی کسی قسم کی بھی نہ کرنا سرکشی کی دس صورتیں ۱ یہ نعمتیں کھا کر ناشکری نہ کرنا ۲ کسی پر تکبر نہ کرنا ۳ کسی پر زور آزمائی کا ظلم نہ کرنا۔ ۴ کسی سے گناہ پر تعاون نہ کرنا ۵ خود بھی کوئی گناہ نہ کرنا ۶ اس رزق کو نہ خود برباد کرنا نہ برباد ہونے دینا۔ کھا چاٹ کر سارا ختم کرنا ہے پھینکنا نہیں اگر نہ کھایا جا سکے بچ رہے تو اپنے کسی ضرورت مند ساتھی کو دے دینا ۷ اس مَن وسلوٰی کا ذخیرہ نہ کرنا اگلی صبح آنے سے پہلے پہلے خود کھا کر یا کسی کو کھلا کر ختم کرنا ہے ۸ چھینا جھپٹی بھی مت کرنا یعنی کسی کا حصہ کسی کی کوئی بھی چیز غضب چوری ڈکیتی سے نہیں لینی ۹ عبادات فرضی اور واجبی کو ترک نہ کرنا۔ یعنی نہ تم جائز سے ناجائز کی طرف تجاوز کرنا اور نہ نعمت کے نعمت ہونے کا انکار کرنا۔ نہ شکرِ نعمت کو بھولنا اور منعمِ حقیقی کی نافرمانی نہ کرنا نہ ہی نعمت کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرنا۔ کہ فلاں ستارے کی وجہ سے یہ موسم آیا اور فلاں دیوتا کی وجہ سے یہ نعمت ملی ۱۰ تھوڑی حلال کو چھوڑ کر خواہشِ کثرت میں حرام کی طرف مائل ہو جانا۔ شرعی ممنوعات کی سختی سے پابندی رکھنا ورنہ تم پر میرا غضب واجب اور لائق ہو جائے گا یعنی سزا عذاب عتاب اور انتقامِ گناہ کا ارادہ میرا غضب ہے تم اس سے بچ نہیں سکو گے کہیں بھی بھاگ جاؤ تم پر حائل و نازل ہو ہی جائے گا۔ خیال رہے کہ غضب کا اصل معنیٰ قلبی ہیجان جس کا اثر غضبناک کے سارے جسم پر ہوتا ہے کہ عقل میں غصے کی شدت آنکھیں لال کان سرخ چہرہ تنا ہوا زبان میں تیزی پیروں میں سُرعت ہاتھوں میں قوت جسم میں تھرتھراہٹ مگر یہ انداز صرف انسان و حیوان کا غضب ہے۔ غضبِ الٰہی کا معنیٰ سزا انتقام ظلم و گناہ اور

سخت ناراضگی ہے۔ انسانی کیفیاتِ غضبی سے باری تعالیٰ پاک سُبحانَہٗ ہے۔ یہ غضبِ الٰہی کوئی وقتی جوش یا عارضی معمولی نہیں ہوتا۔ بلکہ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى۔ جس بدنصیب مردود نامقبول نالائق مجرم ظالم روسیاہ پر میری سزا اور انتقامی نازل ہوئی تو دنیا کی ذلت اور آخرت کی ھاویہ جہنم میں گراپڑا رہے گا۔ دنیوی ذلت سات قسم کی ہے ۱ دین سے غفلت ۲ عملِ صالحہ سے بے رغبتی ۳ اللہ والوں سے نفرت دشمنی گستاخی بے ادبی کرنا کوئی اچھا نیک ساتھی نہ ملنا ۴ بری صحبتیں محفلیں بلا مشقت حاصل ہوجانا ۵ اچھے کام کی توفیق وہدایت نہ ملنا ۶ کتنا ہی دولت مند طاقتور۔ خوب صورت بن جائے مگر عوام میں کوئی حقیقی عزت واحترام نہ ہو۔ ظاہراً یا خفیہ پس پردہ لوگ اُس کو ذلیل وخبیث وکمینہ ہی سمجھتے ہوں۔ ۷ اپنوں پرایوں میں کوئی رُعب نہ ہو سب اچھے لوگ اس سے دل میں نفرت کریں۔ اُخروی ذلت بھی سات قسم کی ہے ۱ بوقت موت کلمہ طیبہ کی توفیق نہ ملنا ۲ عذابِ قبر ۳ میدانِ محشر میں شفاعت نہ ملنا ۴ اللہ تعالیٰ کی بخشش نہ ملنا ۵ تمام عملِ صالحہ برباد یا ختم ہوجانا یعنی مظلومین میں بانٹ دیے جانا ۶ بدعقیدگی میں دنیا سے جانا ۷ کفر پر مرنا۔ یہ دنیوی سزائیں تو مغرور متکبر بدخصلت بد فطرت ناشکرے فضول خرچ ظالم فاسق فاجر اور گندی حرام خوراک والے اور کافر کی ہیں وَاِنِّیْ اور اگر کوئی خوش تقدیر اس قسم کی غلطیاں گناہ کفریات وشرکیات مخالفتِ شرعیات کرکے توبہ کرے اور یہ عقیدہ بھی اپنے ایمانی قلبی کے یقینیات میں شامل کرلے کہ بے شک میں لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى۔ خالق مالک اللہ سُبحانَہٗ بہت ہی بخشش فرمانے والا ہوں اس شخص کی جو دنیوی زندگی میں بغیر کسی دباؤ جبر قہر لالچ کے اپنی خوشی سے اپنے سابقہ گناہ کفر سے سچی توبہ کرے اور پھر صدقِ دل سے اللہ کی وحدانیت پر اُس کے رسولوں کتابوں شریعتوں پر پکا ایمان لائے اور پھر اپنے ہر دینی دنیوی کام کو عملِ صالح بنا دے اور پھر اسی طریقۂ مستقیم پر زندگی بھر ثابت قدم رہے۔ خیال رہے کہ قرآن مجید کی مختلف آیات میں غفر' بمعنی بخشش کے تقریباً اکیس صیغے ارشاد فرمائے گئے ہیں ۱ غَافِرٌ۔ مثلاً غَافِرِ الذَّنْبِ ۲ غَفُوْرٌ۔ مثلاً رَبُّكَ الْغَفُوْرُ ۳ غَفَّارٌ مثلاً اِنِّیْ لَغَفَّارٌ ۴ غُفْرَانَ۔ مثلاً۔ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا۔ ۵ مَغْفِرَةٌ مثلاً وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ ۶ غَفَرْنَا۔ داؤد علیہ السلام کو فرمایا گیا فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ۷ لَا يَغْفِرُ۔ مثلاً۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ ۸ يَغْفِرُ۔ مثلاً

وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذَالِكَ ۔ ۹ اِسْتَغْفِرْ ۔ مثلاً عام مسلمان کو حکم ہے اِسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ ۔ ۱۰ اِسْتَغْفِرُوْا مثلاً فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا ۔ ۱۱ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۔ مثلاً وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ۔ ۱۲ انبیاءِ کرام علیہم السّلام نے استغفار طلب کی آدم علیہ السّلام نے اس طرح وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا ۔ ۱۳ نوح علیہ السّلام نے ۔ وَاِنْ لَّا تَغْفِرْ لِيْ ۔ ۱۴ ابراہیم علیہ السلام نے اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ ۔ ۱۵ اپنے چچا مُرَبِّی آذر کے لیے ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگنے کا وعدہ فرمایا ۔ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ ۔ ۱۶ یوسف علیہ السّلام نے فرمایا ۔ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۔ ۱۷ موسیٰ علیہ السّلام نے عرض کیا ۔ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْهِ ۔ ۱۸ داؤد علیہ السّلام نے فرمایا ۔ سَاَسْتَغْفِرُ رَبَّهٗ ۔ ۱۹ سلیمان علیہ السلام نے عرض کیا ۔ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا ۔ ۲۰ عیسیٰ علیہ السّلام نے عرض کیا ۔ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ ۔ ۲۱ مسلمانوں کی نشانی ۔ وَيَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ۔

مغفرت کے باب میں چار چیزیں خیال رکھنی چاہئیں ۱ مغفرت کیا ہے ۲ مغفرت کس کی ہے ۳ مغفرت کے طریقے کہ کس طرح ہوتی ہے ۴ انبیاءِ کرام کا مغفرت مانگنا کیا ہے جب کہ وہ گناہ پر قادر ہی نہیں ان سے گناہ کا صدور محال بالعصمۃ ہے ۔ پہلی چیز مغفرت کی حقیقت یہ ہے کہ رب تعالیٰ اپنے کرم سے بندے کے گناہ مٹا دے لغزشیں چھپا دے اور اپنی رضا کی چادروں میں لپیٹ لے رحمت کے پردوں میں لے آئے دوسری چیز کہ مغفرت کس کی ہے خیال رہے کہ دنیا میں بندے تین قسم کے ۱ ظالم ۲ ظلوم ۳ ظلّام قرآنِ مجید میں رب تعالیٰ کے لیے مغفرت کے اسماءِ صفاتیہ بھی تین ہیں ۱ غافر ۲ غفور ۳ غفّار ۔ ظالم تائب کے لیے رب غافر ہے ظلوم کے لیے غفور ہے اور ظلّام کے لیے مولیٰ تعالیٰ غفّار ہے تیسری چیز غافر یہ کہ گناہوں کی پردہ پوشی فرمانیوالا رسوائی سے بچانے والا دنیا میں اور مٹانے والا قیامت میں ۔ غفور یہ کہ سابقہ گناہوں کی معافی آئندہ کے لیے بچانیوالا ۔ غفّار اس طرح کہ ایک توبہ سے بکثرت بخشش عطا فرمانے والا ۔ بخشش کی کیفیت کثیر ہو تو غفّاریت ہے بخشش کی کمیت و مقدار کی کثرت ہو تو غفوریت اور دونوں کی کثرت ہو تو غافریت کا ظہور ہے صغیرہ گناہوں خطاؤں کی معافی غافریت ہے گناہ کبیرہ کی معافی غفوریت ہے ہر قسم کے ظلم کفر شرک طغیانیت بدعقیدگی تکبّر کی معافی غفّاریت ہے ۔ چوتھی چیز انبیاءِ کرام علیہم السّلام کی استغفار مانگنا بھول اور نسیان سے ہوتی ہے اور ان کے ذُنُوب کی حقیقت میں تین قول ۱ حضرت حکیم الامت بدایونی نعیمی نے فرمایا ۔ ذَنْۢبَكَ سے مراد

یہ ہے کہ امت کے گناہ شفاعتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ۲۔ ضیاء الامت بھیروی نے فرمایا کفار کے لگائے ہوئے الزامات اتہامات کو اس طرح مٹا دیا کہ نہ نشان رہا نہ اثر۔ کسی کافر نے کسی نبی کو جادوگر کہا کسی نبی کو مسحور کسی نے مجنون کسی نے شاعر قصہ گو رب تعالیٰ نے یہ تمام اتہام فنا کر کے تاقیامت نبوت کو قائم فرما دیا یہ ہے مغفرتِ ذنوبِ انبیاء ۳۔ علامہ احمد حسن نوری نے فرمایا مغفرتِ عوام یہ کہ رحمت کی چادر میں ڈھانپنا۔ اور مغفرتِ انبیاء یہ کہ قربِ جمال کے مراتبِ علیا پر پہنچانا۔ یہ تینوں اقوال درست وایمان افروز ہیں۔ مقبول ومحبوب بندے کا آخری مقام اِهْتَدٰی ہے۔ یعنی استقامت علی التوبہ۔ ایمان میں خلوص۔ اور اعمالِ صالحہ میں ہمیشگی مرنے تک توبہ ایمان اعمال کی ابتدا آسان مگر مداومت مشکل ہے اس لیے نجات کا دارومدار ثُمَّ اهْتَدٰی پر ہے۔ بعض نے فرمایا کہ راہِ مخالفت سے راہِ مطابقت پر آنا توبہ بغیر دیکھے اللہ کی چیزوں کی سچے دل سے تصدیق کرنا ایمان ہے رسنتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل ہر عادت عبادت میں پیروی کرنا اعمالِ صالحہ ہے پھر کچھ بھی ہو جائے اِن تینوں میں کسی کو نہ چھوڑے یہ اهْتَدٰی ہے (تفسیر کبیر و روح البیان)۔ بعض نے فرمایا یقینِ قلبی سے جاتے ماتے کہ یہی توبہ یہی ایمان یہی اعمالِ صالحہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں جو آستانۂ نبوت سے حاصل ہوتے ہیں یہ ثُمَّ اهْتَدٰی ہے۔ بعض نے فرمایا اِهْتَدٰی ایمانی عقائد کی اس طرح حفاظت کرنا کہ عمر بھر ایک لمحہ بھی اس عقیدہ سے نہ ہٹے توبہ یہ کہ کفریات کو لغویات بے دلیل باطل سمجھے۔ ایمان یہ کہ شریعت کو برہانِ ربانی سمجھے۔ اعمال صالحہ یہ کہ اعضاءِ ظاہری کو اللہ رسول کی خوشنودی میں لگا دے۔ پہلے توبہ فرض پھر ایمان پھر پھر اعمال فرض ہیں۔ اِهْتَدٰی یہ کہ دل کو حسد تکبر ریا اور ہر برے عمل سے پاک کرے پاک رکھے ایمان واعمال کے درمیان واؤ عاطفہ نے بتایا کہ ایمان علیحدہ چیز ہے اعمال علیحدہ چیز ہے کیونکہ واؤ عاطفہ مغایرت کو چاہتی ہے اور ترتیبِ مدارج کو بدلنا بے کار ہے۔

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ دنیوی زندگی میں سب سے مصیبت اور نقصان دِہ صحبتِ بد اور برا ساتھی ہے یہ زہرِ قاتل اور دین دنیا کی موت ہے اگرچہ کسی روپ کسی شکل وصورت میں ہو ہر مسلمان کو محفل مجلس اور ساتھی کے انتخاب میں بڑی اور بہت احتیاط غور و فکر چاہیئے۔ یہ عبرت کا سبق اور فائدہ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰی سے حاصل ہوا صحبتِ بد کی چار صورتیں ہیں ۱۔ گمراہ فاسق ساتھی دوست ۲۔ بروں کی بری کتابیں پڑھنا ۳۔ بروں کی تقریر بری سننا ۴۔ بے عادت

ڈالا کہ فلاں کو دیکھیں تو اسکی یا اسکی تقریر سنیں تو بھی فلاں کتاب ہم پڑھ کر تو دیکھیں ہمیں کچھ نہیں ہو سکتا بس یہ خیال اور یہ عادت ہی شیطان کا پہلا جال ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مومن مسلمان کو اس بری عادت برے شوق سے بچائے اسی لیے مرشد پکڑنا خلوت اختیار کرنا اشد ضروری کہ ان سے ہی توبہ ایمان و اعمالِ صالحہ نصیب ہوتے ہیں دیکھو ہامان نے فرعون کو اور فرعون نے پوری قوم کو گمراہ کر کے ہلاکت ابدی تک پہنچا دیا حالانکہ بڑا مہربان ہونے کا دعویدار تھا۔ بس بچا وہی جو دامنِ موسیٰ میں آگیا۔ دوسرا فائدہ کائناتِ عالم میں بس رب تعالیٰ ہی رحیم و کریم ہے لاکھوں ماؤں کروڑوں باپوں سے زیادہ اپنے بندوں سے پیار فرمانے والا ہے۔ اُس کی ایذائیں بھی رحمت اس کی نعمتیں بھی شفقت۔ یہ فائدہ قَدْ اَنْجَیْنٰکُمْ اور نَزَّلْنَا عَلَیْکُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی فرمانے سے حاصل ہوا کہ جس طرح والد کی سختی بھی مفید اور حکمت والی ہوتی ہے اور نرمی بھی اولاد کے لیے مفید یا جس طرح جراح کا آپریشن بھی درست ہوتا ہے اور مرہم رکھنا بھی شفقت بلا تشبیہ اس طرح رب تعالیٰ کی ہر چیز شفقتِ بندگان کی حکمت پر ہے۔ اور اگر والد کی سختی نہ ہو تو اولاد خراب والدہ کی نرمی نہ ہو تو اولاد خراب اسی طرح مقامِ تیہ میں قید کرنا سختیءِ باپ کی مثل ہے اور منّ و سلویٰ پانی کے چشمے دیگر آرام و آسائش والدہ کی نرمی کی مثل ہے (تفسیر کبیر) تیسرا فائدہ۔ ہر مسلمان کو چار چیزوں کو جلد حاصل کرنا چاہیئے پہلے توبہ۔ یہ برائی کے مطابق ہونا چاہیئے اجرائم یعنی کفریات سے توبہ ۲ سیئات یعنی گناہ کبیرہ سے توبہ ۳ خطایا یعنی گناہ صغیرہ سے توبہ پھر ایمان لانا پھر اعمالِ صالحہ۔ چہارم پھر اِهْتَدٰی۔ یعنی حصولِ علم یہ سب سے اہم ہے کیونکہ علم روشنی ہے جس سے سچی توبہ صحیح اور صالح اعمال کو دیکھا پہچانا جاتا ہے۔ ان سب میں جلدی کرنا اس لیے ضروری ہے کہ موت کا پتہ نہیں۔ مہلت ملے یا نہ ملے اور اگر مہلت مل بھی جائے تو پتہ نہیں فرعونیتِ نفس ہدایت لینے دے یا اَضَلَّ وَمَا هَدٰی پر ہی ورغلائے رکھے۔ یہ فائدہ۔ لَا تَطْغَوْا۔ اور لِمَنْ تَابَ (الخ) کی تفسیر سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ اصولِ فقہ کے مطابق امر اور نہی دونوں فعل سولہ معنی میں آتے ہیں جس میں اصل معنی وجوب اور فرضیت ہے لیکن عبادت و کلام کے سیاق و سباق و مضمون کی طرزِ بیانی کے قرینے و نشان کے مطابق دیگر اقسام بھی مراد لیے جاتے ہیں یہ مسئلہ کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ کے اطلاق اور لَا تَطْغَوْا کو یَحِلَّ (الخ) سے مشروط کرنے سے مستنبط ہوا۔ کُلُوْا۔ امر کے استحباب کا قرینہ اور نشانی مِنْ طَیِّبٰتِ کا عموم ہے

یعنی کھانا مستحب ہے نہ کھانا گناہ نہیں جیسے کہ اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا کہ احرام سے کھل کر شکار کرنے کی اجازت ہے مستحب ہے واجب لازم نہیں۔ لیکن لَا تَطْغَوْا پر عمل کرنا پابندی رکھنا واجب ہے اس کا واجب ہونا فَيَحِلَّ کی وعید عذاب غضب ہے۔ یعنی کُلُوْا کے بعد کسی عذاب و سزا کی پکڑ کا ذکر نہیں ہے اس لیے وہ مستحب ہوا۔ سرکشی کرنے پر غضب کے نزول کی وعید ہے لہٰذا یہ واجب ہوا۔

دوسرا مسئلہ۔ اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ پیدائشی طور پر تمام رزق پاک اور حلال ہوتے ہیں خواہ وہ غذائی رزق ہوں یا استعمالی جب ان میں کسی طرح انسانی عمل کا دخل ہو گا تب اُن میں حلت حرمت، پاکی پلیدی کا شک و شبہ پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے بارش، اولے۔ آسمانی برف باری کا پانی تمام گھاس پھوس پتے پھل فروٹ جڑی بوٹی شہد۔ ریشم۔ روئی۔ دھات۔ معدنیات روغنیات سب پاک ہیں کسی قسم کی پلیدی نہیں اور اگر کسی انسانی ملکیت کا دخل نہ ہو تو بلا اجازت کھانا لینا استعمال کرنا حلال بھی ہے۔ ان میں سے کوئی چیز کسی سے لگ جائے تو اُس کو ناپاک نہیں کرتی۔ یہ مسئلہ کُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ کے عموم سے مستنبط ہوا۔ تیسرا مسئلہ توبہ کا اجمالی معنیٰ ہے غلطی کی معافی مانگنا اس معنیٰ کے اعتبار سے فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ جس طرح کی غلطی اور لغزش یا جرم ہوا اُسی قسم کی توبہ اشد ضروری ہے قلبی جرم کی قلبی توبہ کہ سابقہ جرائم و ذنوب سے نفرت کرے ندامت میں رہے آئندہ نہ کرنے کی نیت کرے۔ لسانی زبانی غلطیوں کی لسانی توبہ عملی جرائم کی عملی توبہ۔ علانیہ کی علانیہ پوشیدہ کی پوشیدہ غرض کہ ہر گناہ کا نام و نیت سے توبہ کرے افعال و اعمال کی توبہ یہ کہ آئندہ نہ کروں گا۔ غصبی چوری ڈکیتی کی توبہ یہ کہ جس کا جو لیا ہے وہ واپس کرے یا بدلہ دے یا اُسی سے معاف کرائے جس کا لیا ہے۔ حقوق العباد میں خیانت خباثت کی ہے تو وہ ادا کرنا ہی توبہ ہو گی۔ توبہ مثل صابن کے ہے جو میل کو دور کرتا ہے اور گناہ مثل میل کے ہیں اور کفر یعنی جرائم مثل زنگ کے ہیں تو جیسا میل سخت ہو ویسا ہی تیز صابن سوڈا ضروری ہے۔ دنیوی صابن ظاہری میل کو اُتارتا ہے اور توبہ باطنی میل کو مٹاتی دور کرتی ہے۔ صابن سے برتن، کپڑا چہرہ اور جسم اُجلا ہوتا ہے۔ توبہ کرنے سے قلب عقل روح اُجلی ہو جاتی ہے۔ سچی توبہ استغفار یعنی معافی ہے اور جھوٹی توبہ استہزا یعنی مذاق ہے سچی توبہ کی تین شرطیں ہیں۔ ۱۔ دل سے شرمندگی ۲۔ زبان سے معافی ۳۔ اعضاء سے رجوع یعنی دور رہنا گناہوں سے اگر یہ نہ ہو تو توبہ جھوٹی ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے۔ اَلْمُسْتَغْفِرُ بِاللِّسَانِ وَالْمُصِرُّ عَلَى الذَّنْبِ كَالْمُسْتَهْزِئِ بِرَبِّهٖ۔ یعنی زبان سے کہتا رہے توبہ توبہ اور گناہوں پر قائم رہے وہ اپنے

رَبِّ علیم و خبیر سے مذاق کرتا ہے یہ مسئلہ لِمَنْ تَابَ کی تفسیری وضاحت سے مستنبط ہوا یعنی توبہ ہی حقیقی شکر ہے۔ چوتھا مسئلہ۔ رافضی شیعہ لوگ امام جعفر باقر کی طرف ایک قول منسوب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اِهْتَدٰی سے مراد محبتِ اہلِ بیت ہے (از تفسیر روح المعانی پارہ ۱۶ یہی مقام ۲۴۱ صواعق محرقہ) اور خارجی کہتے ہیں کہ اس سے مراد محبتِ صحابہ کرام ہے یعنی شیعوں کے نزدیک جب تک محبتِ اہلِ بیت نہ ہو۔ تو یہ ایمان اعمال سب بیکار خارجی وہابی کہتے ہیں کہ جب تک محبتِ صحابہ نہ ہو یہ سب بیکار ہم اہلِ سنت کہتے ہیں کہ یہ دونوں باتیں اجتماعی طور پر درست ہیں ان میں صرف اور فقط کے حصر کی پخ مت لگاؤ اور اتحادی مسئلے وعقیدے میں تفریق پیدا مت کرو صحابہ واہلِ بیت دونوں کی محبت سرمایۂ ایمان ہے اہلِ اسلام کو دونوں سے محبت چاہیئے۔ مگر اِهْتَدٰی سے یہ استدلال یا استنباط یا انتساب غلط ہے۔ تفسیر معانی نے فرمایا یَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْكَذِبُ۔ کہ یہ سب جھوٹی باتیں ہیں۔ اس لیے کہ خطاب بنی اسرائیل سے ہے زمانہ موسیٰ علیہ السلام کا ہے یہاں محبتِ اہلِ بیت یا صحابہ سے کیا نسبت۔ اس طرح کی مضحکہ خیز لغویات خرافات اور بھی چند ایک مشہور ہیں مثلاً کچھ شیعوں نے۔ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ۔ کو آلِ یٰسین بنا دیا۔ اور آلِ یاسین سے اہلِ بیت مراد لے لیے اور اہلِ بیت سے صرف علی مراد لے لیے۔ حالانکہ ایسی بیہودہ دُکر پُکر قرآن مجید میں کفریہ تخریب کاری ہے۔ کچھ شیعہ کہتے ہیں کہ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیٌّ عَظِيْمٌ کا معنیٰ ہے کہ بے شک اللہ اور علی عظیم ہیں۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ۔ گویا کہ بات بنے نہ بنے کھینچ تان کر کے مذہب ٹھونسنا ہے میں کہتا ہوں کہ مولا علی کی شانیں قرآن و حدیث میں ویسے کیا کم مذکور ہیں جو اس طرح کی مضحکہ خیز خرافات بنانے اور کھینچا تانی کرنے کی ضرورت پڑے

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیئے جاتے ہیں پہلا اعتراض۔ پہلے زمانے کا معتزلی فرقہ اور اس زمانے کا وہابی فرقہ کہتا ہے کہ گناہ مثلاً ترکِ نماز وغیرہ کرنے سے بندہ کافر ہو جاتا ہے۔ اور دلائل میں یہ آیت پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مغفرت کے لیے تینا چیزوں شرط مقرر فرمائیں ۱ ایمان لانا پھر عمل صالحہ پھر اس پر تاموت قائم رہنا یعنی عمر بھر گناہ کبیرہ نہ کرے تب اُس کی مغفرت ہو گی ثابت ہوا کہ عملِ صالحہ نہ ہوں اور گناہ کے عمل ہوں تو بخشش نہ ہو گی اور مغفرت نہیں تو جنت نہیں اور جنت سے محرومی تو صرف کفار کو ہے پتہ لگا کہ بدعملی سے کفر آجاتا ہے۔ ایمان والوں کو جنت ضرور ملے گی مغفرت اور جنت نہ ملنا ایمان کی نفی اور کفر کا ثبوت ہے لہٰذا گناہ کبیرہ کفر ہوا اور کفر والا کافر ہوتا ہے جواب یہ اعتراض مکڑی کے جالے

کی طرح خواہ مخواہ کا تانا بانا ہے اور منطق صغریٰ کبریٰ کا بلا وجہ جال پھیلا کر خود ساختہ من مرضی کا نتیجہ اخذ کرنا ہے۔ حقیقتاً کچھ نہیں اس لیے کہ یہاں مغفرت کا ذکر ہے اور مغفرت صرف کفر سے ہی نہیں گناہ کی توبہ سے بھی ہے۔ گناہ ایک علیحدہ چیز ہے کفر علیحدہ چیز۔ کفر صرف توبہ سے معاف ہوتا ہے اور توبہ صرف دنیوی زندگی میں ہوتی ہے۔ موت کے بعد نہ کفر سے توبہ ہو سکے نہ گناہ سے۔ اور موت کے وقت کی توبہ بھی قبول نہیں۔ لیکن گناہ کی مغفرت تین قسم کی ہے ۱ دنیوی زندگی میں پکی توبہ سے ۲ اگر کوئی شخص بے توبہ مر گیا تو قیامت میں شفاعت کے ذریعے بخشش ۳ اور اگر کسی کو شفاعت بھی نہ مل سکی تو جہنم میں گناہ کی مدتِ سزا پوری کر کے گناہ جلا مٹا کر کھرا خالص سونا بنا کر نکالا جائے گا اور پھر ابدی جنت کے اندر کسی نیچے طبقے میں رکھا جائے گا۔ غرضیکہ گناہگار مومن کے گناہ مٹنے کے تین مقام اور تین طریقے ہیں ۱ زندگی میں پکی توبہ ۲ محشر میں شفاعتِ کبریٰ یا صغریٰ ۳ جہنم میں سزا کی مدت گزر کر۔ کافر کی معافی کا صرف ایک طریقہ دنیا میں توبۂ کفر و شرک کر کے ایمان سے آئے اگر اعمالِ صالحہ کا وقت ملے تو ضرور کرے اگر موت مہلت نہ دے تب بھی مکمل بخشش کی نوید ہے۔ جیسا کہ جادوگروں کے حالات۔ لہٰذا معتزلہ کا یہ اعتراض لغو و کمزور ہے دوسرا اعتراض۔ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ کے بعد وَمَا هَدٰی کیوں فرمایا گیا۔ یہ تو دونوں ایک چیز ہے اَضَلَّ ہی مَا هَدٰی ہے اور مَا هَدٰی ہی اَضَلَّ ہے جواب امام عبداللہ رازی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب اَسْئِلَةُ الرَّازِی میں اس کے پانچ جواب دیئے ہیں۔ پہلا جواب معلوم معترض نے دونوں کو کیوں ایک سمجھ لیا حالانکہ شکل صورت فعل صیغہ مادہ مصدر اور ترجمہ کے لحاظ سے تو ہر طرح مختلف ہیں۔ جب کہ مفہوم بھی ایک نہیں اَضَلَّ کا معنیٰ ہے فرعون نے گمراہ خوب اور بہت زیادہ کیا وَمَا هَدٰی سیدھی سچی بات کبھی نہ کی تھوڑی سی بھی ہدایت نہ دی۔ حالانکہ دیگر گمراہ گر اگر دو ایک بات غلط کرتے ہیں تو کوئی فائدہ اور نفع کی بھی کر دیتے ہیں مگر فرعون نے تو قوم کا ہمیشہ نقصان ہی کیا قوم کو بیوقوف ہی بنایا۔ جواب دوم۔ اَضَلَّ کا تعلق قوم سے ہے یہ فعل متعدی ہے اور مَا هَدٰی کا تعلق اپنے آپ سے ہے یہ فعل لازم ہے یعنی فرعون نے قوم کو گمراہ کیا اور خود بھی ہدایت نہ پائی۔ جواب سوم وَمَا هَدٰی۔ اَضَلَّ فِرْعَوْنُ۔ کی تاکید ہے۔ یعنی فرعون نے قوم کو گمراہ کیا واقعی اس نے قطعاً ہدایت نہ دی۔ جواب چہارم۔ اَضَلَّ کا تعلق دینی باتوں سے ہے اور مَا هَدٰی کا تعلق دنیوی باتوں سے ہے۔ یعنی دینی اعتبار سے گمراہ کیا اور دنیا سازی میں بھی کچھ نہ کرتے دیا۔ بنی اسرائیل کو تو غلام بنایا ہی تھا حقیقتاً اپنی قوم کا بھی کوئی بھلا نہ کیا۔ ہر طرح برباد و ہلاک ہی کیا آخری حرکت

دریا میں ڈوب مرنے کی کر گیا نہ خود بچا نہ قوم کو بچایا۔ جواب پنجم۔ اَضَلَّ میں فرعون کی پوری زندگی
کی عملی کیفیت کا بیان ہے اور وَمَا ھَدٰی میں اس کی زبانی باتوں کی تردید فرمائی جا رہی ہے کہ قوم
سے کہتا پھرتا ہے وَمَآ اَھْدِیْکُمْ اِلَّا سَبِیْلَ الرَّشَادِ۔ میں تو تم کو صرف ہدایت اور اچھائی بھلائی
کی باتیں ہی بتاتا سکھاتا ہوں۔ اس کی تردید فرمائی جا رہی اور باطل لوگوں کا طریقہ دنیا والوں کو بتایا
جا رہا ہے کہ سرداران کفر کس طرح اپنے ماتحتوں عقیدت مندوں کو گمراہ بھی کرتے ہیں اور ساتھ
ہی طفل تسلیاں دے کر بہلاتے پھسلاتے بھی ہیں حالانکہ یہ سب باتیں جھوٹی مکاری کی ہوتی
ہیں۔ اور قوم پاگل بن کر پیچھے لگ جاتی ہے۔ جیسا کہ فرعون اَضَلَّ وَمَا ھَدٰی کرتا رہا۔ آج بھی سیاسی
لیڈر دغاباز حکومتیں ووٹ کی خاطر کس کس طرح قوم میں اَضَلَّ وَمَا ھَدٰی کے ہتکنڈے کرتی ہیں۔ وقتی
جوش دلا کر سرچشمہ عزت کہہ کر عوام کو اُلّو بنا جاتی ہیں۔ بہرکیف یہ جوابات درست ہیں تیسرا اعتراض
یہاں فرمایا گیا۔ وَوٰعَدْنٰکُمْ۔ یہاں دو طرح سوال ہے اوّلاً یہ کہ۔ وٰعَدْنَا۔ بابِ مُفَاعَلَۃ
سے ہے۔ اور اس میں فعل دو طرفہ ہوتا ہے تو معنٰی یہ ہوئے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے
اور حضرت موسیٰ نے ہم سے وعدہ کیا۔ حالانکہ وعدہ تو صرف اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اے موسیٰ
تم طور پر آؤ ہم تم کو کتاب بھی دیں گے اور مزید بالمشافہ کلام کا شرف بھی بخشیں گے تو یہاں
بابِ ضَرَبَ سے وَعَدْنَا۔ چاہیے تھا جیسا کہ ایک قول بھی اس قرأت کا ہے۔ سوالِ دوم یہ ہے
کہ۔ کُمْ۔ سے مراد بنی اسرائیل قوم ہے جیسا کہ پہلے یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ کی خطابی ندا سے ظاہر ہے
ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم سے وعدہ فرمایا۔ حالانکہ وعدہ تو موسیٰ علیہ السلام سے
کیا تھا۔ جواب پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ بابِ مفاعلۃ سے وٰعَدْنَا ہی درست اگرچہ بعض
قُرّاء نے وَعَدْنَا بھی قرأت بتائی ہے۔ مگر یہ قرأت شاذ ہے۔ اس لیے کہ وعدہ دو طرفہ ہی تھا
کہ موسیٰ علیہ السلام نے طور پر آنے اعتکاف کرتے تیس روزے رکھنے کا وعدہ کیا تھا اور
اللہ تعالیٰ نے کتاب دینے کلام سنانے کا وعدہ کیا تھا۔ نیز مُفَاعَلَۃ کا ایک فائدہ وہ بھی ہے
جو تفسیر نحوی میں بیان کیا کہ جس وعدے کی مدت میعاد اور وجہ بتا دی جائے اس کے لیے مفاعلۃ
کا باب ہی لایا جاتا ہے۔ دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ۔ وٰعَدْنٰکُمْ میں ضمیر کُمْ مفعول بہ نہیں
ہے بلکہ مفعول لہٗ ہے دراصل یہ وٰعَدْنَا لَکُمْ ہے۔ اگرچہ لفظاً مفعول بہٖ کہا گیا ہے مگر معناً
مفعول لہٗ ہے۔ بتایا یہ جا رہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سے طور پر بلانے کا وعدہ توریت کتاب
دینے کا وعدہ تھا اور وہ کتاب تمہارے لیے تھی نہ کہ موسیٰ علیہ السلام کے لیے اس میں شریعت

حکمت عبادت حکم و طریقہ دینی دینوی زندگی گزارنے کے قوانین انجام اعمال سب کچھ تمہارے لیے انبیاء کرام علیہم السلام کو نزول کتاب کی حاجت نہیں ہوتی۔ ان کو تو سب کچھ پہلے ہی معلوم ہوتا ہے ان کی اپنی عبادت بھی امت کے لیے ہوتی ہے ورنہ انبیاء کو نجات و ثواب کے لیے عبادت کی ضرورت نہیں ہوتی وہ دین الٰہی کے دینوی جہاز میں پار لگانے کے لیے بیٹھتے ہیں نہ کہ پار لگنے کے لیے اس وجہ سے وہ چار کی نیت باندھ کر تین یا دو پر سلام پھیر دیں تو کچھ نہیں کہا جاتا اور اگر بیچ دریا میں کشتی کا تختہ توڑ دیں تو کچھ نہیں ہوتا اُن کے تو سچے غلام بھی دریاؤں پر گھوڑے دوڑا دیتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ وَاَضَلَّ فِرۡعَوۡنُ قَوۡمَهٗ وَمَا هَدٰى ۔ اصطلاح صوفیا میں قوم موسیٰ روحانی قوتیں ہیں۔ کلیم طور روح بدنی ہے۔ فرعون جسمانی نفس امارہ ہے قوم فرعونی نفسانی قوتیں ہیں۔ مصر انسانی جسم ناسوتی ہے اور دنیاء فانی دریاء قلزم ناسوتی ہے۔ مکاشفات الٰہیہ کا نور عصاء کلیم ہے جس کی قوتیں ہر میدان سینۂ مومن میں جداگانہ ہیں کہیں فیجعل علیکم کا اژدہاء غضبی ہے۔ کہیں پانی پہاڑ کے راستے نکالے۔ تو کہیں پتھر پہاڑ کے پانی نکالے۔ عبور دریا سفینۂ شریعت میں قدم رکھنا ہے۔ جب نور مکاشفہ کا عصا قلزم دنیا کی لہروں پر پڑتا ہے تو ہدایت کے بارہ راستے بن جاتے ہیں۔ تین شریعت کے تین طریقت کے تین حقیقت کے تین معرفت کے شریعت کے تین راستے۔ توبۂ کفر توبۂ شرک توبہ گناہ ہیں طریقت کے تین راستے ایمان باللہ۔ ایمان للہ۔ ایمان فی اللہ۔ حقیقت کے تین راستے اعمال ظاہری اعمال باطنی اعمال خفی معرفت کے تین راستے اعتقاد قلبی۔ اعتقاد عقلی۔ اعتقاد وجودی۔ اَضَلَّ فِرۡعَوۡنُ قَوۡمَهٗ ۔ نفس نے اعضاء ظاہری کو خدام شیطانی بنا کر بدعملی کے راستوں پر چلایا۔ وَمَا هَدٰى بد اعتقادی کو راہ نجات بنایا۔ سفر حیات دینوی میں کشتی شریعت کو چھوڑ کر مکاشفات غیبیہ کے دریا میں ہوا و شہوات کے گھوڑوں پر سوار ہو کر لاہوت کے پار ہونا چاہا لہٰذا قعر مذلت کی لہروں میں مع جنود غرق عصیان ہوگیا۔ دنیا میں دو رہبر ہیں ۱۔ اہل ھدٰی ۲۔ اہل ھوٰی اہل ھدٰی کی اقتدا۔ اَنۡجَيۡنَا مُوۡسٰى وَمَنۡ مَّعَهٗۤ اَجۡمَعِيۡنَ ۔ کا انعام عظیم ہے اور اہل ھوٰی کی اقتداء فَاَغۡرَقۡنٰهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ کا عذاب الیم ہے۔ اہل ھدٰی کے لیے اَنۡجَيۡنٰكُمۡ کے وعدے ہیں اور اہل ھوٰی کے لیے وَمَا هَدٰى کی وعیدیں ہیں۔ اہل ھدٰی کے ساتھ میں سب کی نجات ہے اہل ھوٰی کے ساتھ لگنے میں سب کی ہلاکت ہے۔ اَللّٰهُمَّ ارۡزُقۡنَا بِمَعِيَّةِ اَهۡلِ هُدًى ۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

زنہار از قرینِ بد زنہار۔ وَقِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّارِ۔ اہلِ ھُدٰی یعنی ہدایت والے مومن حفاظت
الٰہیہ کے قلعے میں رہتے ہیں لیکن اہلِ ھَوٰی یعنی شیطان والے بحرِ ملاہی میں غرق ہو جاتے ہیں مسافرِ
معرفت کے لیے سیلِ اسرار میں تین چیزیں ضروری ہیں ۱ مرشدِ قلب کہ اسی کو اَسْرِ بِعِبَادِیْ کا حکم ملتا ہے
۲ مجاہدہِ عقل ۳ عبادتِ اعضاء مرشد سے دوری میں کوئی چیز نفع نہیں دیتی۔ شریعت کا سفر دن
میں اور طریقت کا سفر رات میں شروع ہوتا ہے۔ دنیا اندھیری رات ہے اس کی شب دیجور میں ہر سالک
کو چار قدم چلنے پڑتے ہیں پہلا قدم اعتراف کا ہے یہ توبہ و معرفت ہے دوسرا قدم اعتقاد کا یہ ایمانِ اسرار
ہے تیسرا قدم۔ اقرار کا یہ اعمالِ حقیقت ہیں۔ چوتھا قدم اجتہاد کا یہ اضداءِ طریقت ہے اللہ تعالیٰ کے
حکم سے اَسْرِ بِعِبَادِیْ کی سیاحت بھی کرو کیونکہ پانی جب کسی ایک جگہ ٹھہر جاتا ہے تو اس کا مزہ اور بو بدل
جاتی ہے سمندر میں جانے سے پہلے خود سمندر بن جاؤ تاکہ کوئی تبدیلی نہ ہو سکے۔ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ
قَدْ اَنْجَیْنٰکُمْ مِّنْ عَدُوِّکُمْ وَوٰعَدْنٰکُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَیْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَیْکُمُ الْمَنَّ
وَالسَّلْوٰی۔ اے قوتِ روحانیہ والو تمہارا رب صوتِ سرمدی کے الہاماتِ غیبیہ سے تم کو
ندا فرماتا ہے کہ ہم نے تم کو تمہارے نفوسِ ذلیلہ خبیثہ مہلکہ سے بچایا جو تمہارا ازلی دشمنِ خفی ہے
پھر تم کو راہِ حقیقت میں چلایا یہ سب ہماری ہی عطا کردہ توفیقیں ہیں۔ کیونکہ۔ تیری طلب بھی ہما
کرم کا صدقہ ہے ؎ قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں اٹھائے جاتے ہیں۔ پھر ہم نے ہی طورِ قلب کے ایمن
قدس میں محلِ وحی کے فؤادِ منور سے کلامِ اسرار کتابِ انوار عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا پھر خلوتِ
تنبیہ میں تجرید کر کے تم پر ہم نے کیفیاتِ مذہب کا مَنّ اور یقینیاتِ علم کا سلوٰی نازل کیا یہی
معارفِ الٰہیہ کا مَنّ اور اخلاقِ الٰہیہ کا سلوٰی ہر پیشوا کے وسیلے سے سالکینِ اسیرانِ مراقبہ کو روحانی
غذائیں دی جاتی ہیں اور ساتھ ہی اندازِ مشفقانہ سے حکم ہوتا ہے کہ کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ
ایمان و عرفان کی غذائیں کھاؤ اپنے رب تعالیٰ کی ان صفات سے متصف ہو کر اور اخلاق کریمانہ
سے معمور و مخلوق ہو کر جن کی طیبات سے مشرف کیا ہم نے تم کو۔ اگر تنبیہ و تفکر میں بندوں پر عنایاتِ
سبحانیہ کا مَنّ اور کراماتِ الٰہیہ کا سلوٰی نازل نہ ہو تو بندوں کا قلب و روح۔ عقل و شعور نفسانی
بھوک اور شہواتی پیاس سے مر جائے خلوتِ تنبیہ اسرار کی وادی میں تائیدِ ربانی کے بارہ چشمے
حجرِ صدری سے جاری فرما کر سرورِ حیات کا پانی پہنچایا تاکہ بندے صفاتُ اللہ سے متصف ہو
جائیں اور فرعونی حیوانی خصلتوں سے بچ جائیں عصاءِ قلب کی ضربِ الا اللہ سے بارہ چشمے
جاری ہوتے ہیں ۱ عینِ توحید ۲ چشمۂ رسالت ۳ بحرِ نبوت ۴ نہرِ شریعت ۵ نہرِ طریقت

۶ بہارِ عبادت ۷ کمالِ اعمال ۸ ترقیِ اخلاق ۹ حسنِ صورت ۱۰ فنِ سیرت ۱۱ الیقینِ اعتقاد ۱۲ تکمینِ قدربات۔ اِن معارفِ طیبات کی غذائیں جب تمہارے بَطنِ قلبی قبول کرلیں گے تب تم کو حیاتِ قلبی نصیب ہوگی۔ سب نفسیات شہوات کی غرقابی سے مٹ جائیں گے مگر تم نہ مٹو گے عالَمِ دہر میں تمہاری ہی آوازیں گونجیں گیں کہ ؎ ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما۔ فَلَا تَطْغَوْا فِیْهِ فَیَحِلَّ عَلَیْكُمْ غَضَبِیْ وَمَنْ یَّحْلِلْ عَلَیْهِ غَضَبِیْ فَقَدْ هَوٰی۔ اے بندو نمبر طریقت میں تم کو بارہ منصب و درجات حاصل ہوں گے ۱ جبّہ و دستار کے لباس ۲ مسندِ پیری کی کرسی ۳ مریدی سجادگی ۴ شریعت کے منبر ۵ امامت کے مصلے ۶ خطابت کے تمغے ۷ پیرزادگی کے لبادے ۸ عقیدوں کے تحفے ۹ ارادت کے نذرانے ۱۰ عزت کے پھول ہار ۱۱ افضلیت کے نکھار ۱۲ قدرت کی بہار۔ ان میں مست ہو کر سرکشی نہ کرنا کہ عبدِ خاکی ہو کر معبودِ مغروری بن بیٹھو اور مربوب ہو کر رب بن بیٹھو۔ اور من مانی کی طریقت یا خود ساختہ شریعت بنا ڈالو ورنہ تمہارے اَعمالِ صالحہ کے ذخیرۂ معاملات پر ھَبَاءً مَّنْثُوْرًا کا عذابِ غَضَبِیْ آجائے گا اور جس پر بھی یہ عذابِ غضب نازل ہوا وہ ذلت کی دھول خاک بن کر فنا کی ہواؤں میں گم ہوا اور خس و خاشاک بن کر نیستی کے دریا میں بہہ گیا۔ اے شہزادو پیرزادو اگر تم نفس کی ظاہریت اور اُس کے عجائباتِ ندرت خواہشاتِ نفرت اور مرئیاتِ رویت۔ چڑھتی حالت بھجتہ کیفیت۔ کمالِ کدورتِ طبیعتِ خساست سے متاثر و ملوّث ہو گئے فَیَحِلَّ عَلَیْكُمْ غَضَبِیْ۔ تو پھر آفۃِ ذلّت کا غضبِ محرومیت وارد ہوگا۔ اور جس پر یہ وارد ہوا فَقَدْ هَوٰی۔ تو وہ مقامِ قُربِ بہشتی سے بُعدِ نفسی کے جہنم میں گرا۔ اور صفاتِ جمال کے انوار سے ظلماتِ فنا کے حجابات میں روپوش ہو گیا اور جلال کے پردوں میں اندھا ہوا۔ اَللّٰهُمَّ قِنَا مِنْ هٰذَا الْعَذَابِ۔ ؎

میں اندھا اور پھسلن رستہ کیونکر ہے سنبھالا ۔۔۔ دھکے دینے والے سارے تو ہی بچانیوالا

وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی۔ اور اے میرے بندو۔ البتہ بے شک میں چھپانے مٹانے والا ہوں نفسِ سرکش کی ظاہری زینتوں کو انوار کی دولتوں سے غِنا دیکر اس مخلص و تائب بندے کو جس نے میری بارگاہِ قدس میں ظہورِ نفسی اور غلبۂ تکبری سے توبہ کی اور نفس کی تکرِ انکساری سے استغفار کی اس طرح کہ نفسانی خواہشات کو توڑ کر شہوات رذیلہ کو مروڑ کر۔ محتاجیِ اشرار سے منہ موڑ کر بخشش چاہی وَاٰمَنَ۔ اور وہ صفاتِ قلبیہ کے انوارِ تجلیات پر ایمان لایا۔ وَعَمِلَ صَالِحًا اور پھر ایمان کے بعد توکل رضا ملکۂ حضوری

صفائی ضمیری حاصل کرنے کے اعمالِ صالحہ کیئے۔ ثم اھتدیٰ پھر وہ بتنۂ قربِ ذات کی رغبت حالِ فنا کی رھبت۔ جلالِ قدرت کی خشیت میں مستقیم رہا۔ مَنۡ تَابَ طغیانِ ابدان سے ہٹ کر عبادتِ رحمٰن کی طرف رجوع کرنا توبۂ عارف ہے وَاٰمَنَ۔ عبدیت للربوبیت اور اعتقاد علی الوحیت ایمانِ کامل ہے۔ وَعَمِلَ صَالِحًا۔ وہمِ شیطانیہ تلبیسِ ابلیسیہ خیالاتِ نفسانیہ کے میل کچیل دھو ڈالنا عملِ صالح ہے ثم اھتدیٰ۔ عبادتِ قائمی اور صلوٰۃِ دائمی میں رہنا۔ اور اس بات کا عقیدۂ تامہ بنانا ہے کہ ربوبیت قائم رہتی ہے عبادت دائم ہوتی ہے یہ اھتدیٰ ہے۔ اس لیے کہ توبۃ النصوح یعنی ہر طرح سچی پکی۔ توبہ مثلِ صابن ہے ایمانِ کاملہ مثل دھوبی ہے اور اعمالِ صالحہ مثلِ دھلائی ہے اور اھتدیٰ اتی تکمیل و تدوین ہے۔ تائب تین قسم کے ہیں ۱۔ عوام کی توبہ سیئات سے ۲۔ خواص کی توبہ غفلات سے ۳۔ اکابر کی توبہ اپنی عبادت و اطاعت کی طرف توجہ کرنے سے توبہ شریعت ہے ایمان طریقت ہے اعمال حقیقت ہے اور اھتدا کی استقامت معرفت ہے شریعت بری عادتوں سے بچا کر بندے کو ظاہری باطنی پاک کرتی ہے۔ پھر طریقت سے منزلِ قرب کی قابلیت ولیاقت حاصل ہوتی ہے حقیقت کی وادی میں اشیاءِ عالم کی اصلیت کا انکشاف ہوتا ہے۔ اھتدا والے کو وصول الی اللہ بلاکیف اور مدارج قرب ملتے ہیں معرفت والے کو بقاءِ اخروی کا مقامِ علوی نصیب ہوتا ہے۔ یہیں سے تصوف کی بہاریں نظر آتی ہیں اور بیعتِ مرشد کی سدا بہار رونق ولذت حاصل ہوتی ہے۔ اَللّٰھُمَّ اُرۡزُقۡنَا وَاَوۡلَادَنَا منھا۔

وَمَآ اَعۡجَلَكَ عَنۡ قَوۡمِكَ يٰمُوۡسٰى ﴿۸۳﴾

اور کس چیز نے جلد بازی میں ڈال دیا تم کو اپنی قوم سے علیحدگی میں اے موسیٰ

اور تو نے اپنی قوم سے کیوں جلدی کی اے موسیٰ۔

قَالَ هُمۡ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِىۡ وَعَجِلۡتُ

عرض کیا وہ یہ ہی تو ہیں میرے نشانات سے کچھ پیچھے اور میں نے جلدی کی

عرض کی کہ وہ یہ ہیں میرے پیچھے اور اے میرے رب تیری طرف میں

اِلَیْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿۸۴﴾

طرف اے میرے رب تاکہ تو راضی ہو جائے۔

جلدی کرکے حاضر ہوا کہ تو راضی ہو

تعلقات ان آیاتِ پاک کا سابقہ آیاتِ مبارکہ سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت میں بنی اسرائیل پر انعامات اور دشمن سے نجات کا ذکر ہوا تاکہ وہ شکر گزاری کریں۔ اب ان آیات میں بنی اسرائیل کی سرکشی اور ناشکری کرنے کی ابتدا کا بیان ہو رہا ہے کہ حضرت موسیٰ سے جدا ہوتے ہی کس طرح غلط ہو گئے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں فرعون کی گمراہ قوم کا ذکر تھا کہ فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا۔ اب ان آیات میں حضرت موسیٰ کی قوم بنی اسرائیل کے گمراہ ہو جانے کا تذکرہ ہے۔

تفسیر نحوی وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى۔ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى۔ واؤ سے جملہ۔ مَآ اَعْجَلَكَ فعلِ تعجب ہے۔ فعلِ تعجب میں علماءِ نحو کے تین قول ہیں ۱؎ اس میں سوالیہ تعجب ہوتا ہے اور پورے فقرے کا ترجمہ ہے کس چیز نے جلدی میں ڈالا تم کو ۲؎ اس میں صفتیت ہے اور مَا موصوف ہے بمعنی شئی اس پر تنوین تعظیم کی ہے ترجمہ ہے بڑی چیز نے جلدی میں ڈالا تم کو ۳؎ اس میں موصولیت ہے اور لفظ مَا موصولہ ہے ترجمہ ہے جس چیز نے جلدی میں ڈالا تم کو وہ عظیم ہے۔ مگر پہلے قول کو ترجیح ہے اس لیے کہ تعجب کے اظہار میں سوال ہی ہوتا ہے لیکن یہاں تعجب معنوی ہے اور تحذیر و تنبیہ ظاہری ہے۔ یعنی ایسی جلدی کیوں کی نحوی ترکیب اس طرح ہے مَا۔ مبتدا اَعْجَلَ فعل هُوَ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل كَ ضمیر واحد مذکر حاضر منصوب متصل مفعول بہ ہے اس کا مرجع موسیٰ ہے عَنْ حرفِ جار اعتزالی یعنی دور کرنے والا ہٹانے والا۔ قوم سے مراد بنی اسرائیل كَ ضمیر مجرور متصل کا مرجع موسیٰ ہے ان دونوں ضمیر حاضر میں اضمار قبل الذکر لازم نہیں آیا کیونکہ یٰموسیٰ لفظاً اگرچہ مؤخر ہے مگر معناً و حقیقتاً مقدم ہے اس لیے کہ ندا و منادیٰ ہے اور یہ فعل تعجب کا جملہ جوابِ ندا ہے اَعْجَلَ اپنے فاعل اور مفعول بہ اور عَنْ قَوْمِكَ متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر خبر ہے

کا مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جوابِ ندا مقدم ہوا۔ یا حرفِ ندا قریبی منادیٰ کے لیے
ہوتا ہے۔ لفظِ موسیٰ اس کا منادیٰ حرفِ ندا اپنے منادیٰ اور مقدم جواب سے مل کر جملہ
ندائیہ ہو گیا۔ قَالَ فعل ماضی ھُوَ۔ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل یہ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر
قول ہوا۔ ھُمْ ضمیر بارز یعنی ظاہر لفظی۔ مرفوع منفصل جمع مذکر غائب۔ مبتدا ہے۔ اُولَآءِ۔ اسم
اشارہ جمع مذکر قریبی مشار الیہ کے لیے۔ عَلٰی حرفِ جر اپنے ہی فوقیت کے معنی اَثَر اسم
مفرد جامد۔ خیال رہے کہ علمِ نحو میں مفرد تین قسم کے ہیں ۱۔ مفرد وہ جو تثنیہ جمع نہ ہو۔ ہماری
مراد ہر جگہ مفرد سے یہی ہوتی ہے ۲۔ مفرد وہ جو مرکب اضافی توصیفی۔ منع صرفی۔ بنائی نہ ہو
۳۔ مفرد وہ جو مجموعۂ الفاظ نہ ہو۔ لفظِ اَثَر کا لغوی اور حقیقی ترجمہ ہے کسی بھی چیز کا نشان و
علامت۔ مجازی ترجمہ ہے نقشِ قدم یہاں یہی مراد ہے یعنی میرے پیچھے قریب ہی اصطلاح
میں تحریری و منقولی روایت کو اثر کہا جاتا ہے اور زبانی سنی ہوئی روایت کو حدیث یا خبر کہا جاتا ہے
مضاف ہے یِ ضمیر متکلم واحد مجرور متصل مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے مَوْجُوْدُوْنَ
پوشیدہ اسم مفعول کے یہ جملہ اسمیہ ہو کر مشار الیہ اسم اشارہ و مشار الیہ مل کر خبر ہے ھُمْ مبتدا اپنی
خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ عَجِلْتُ۔ باب سَمِعَ کا فعل ماضی مطلق واحد متکلم
مثبت معروف عَجَلٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی جلدی کرنا ہمیشہ متعدی ہوتا ہے۔ جلدی کرنا اچھا فعل
اور قول ہے مگر جلد بازی کرنا یا جلدی مچانا برا ہے یہاں مَا اَعْجَلَكَ میں جلدی جلدی کرنا
مراد ہے اور عَجِلْتُ میں جلدی کرنا مراد ہے اِلٰی حرفِ جر انتہاءِ مقصد و غایت کے لیے
كَ ضمیر واحد مذکر حاضر کا مرجع اللہ تعالیٰ یہ جار مجرور متعلق ہے عَجِلْتُ کا رَبِّ دراصل
ہے یَارَبِّیْ۔ ترجمہ ہے اے میرے رب۔ یا حرفِ ندا یاءِ متکلم کے قرینے سے حذف
ہوا اور یاءِ متکلم تخفیف کے لیے حذف ہوا اور کسرہ (زیر) اس کے قائم مقام رَبِّ
معنوی مرکبِ اضافی منادیٰ ہوا۔ لام تعلیلیہ۔ تَرْضٰی۔ باب سَمِعَ کا فعل مضارع مثبت معروف
واحد مذکر حاضر اَنْتَ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع اللہ تعالیٰ یہ فعل با فاعل جملہ انشائیہ ہو کر علت
ہوئی عَجِلْتُ کی۔ عَجِلْتُ فعل اپنے فاعل متعلق اور علت سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر
جوابِ ندا مقدم۔ ندا اپنے منادا اور جوابِ مقدم سے مل کر معطوف ہوا۔ دونوں عطف
مل کر مقولہ ہوا۔ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ | وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى۔ قَالَ هُمْ اُولَآءِ

عَلٰٓی اَثَرِیْ وَعَجِلْتُ اِلَیْکَ رَبِّ لِتَرْضٰی ۔ اے موسیٰ تم کو کس چیز نے یہاں آنے کی جلدی میں ڈالا۔ اپنی اُس قوم سے جدا ہو کر جس کو ابھی تمہاری نبوت تربیت کی بہت ضرورت ہے کیونکہ یہ قوم چار سو سال سے عیاشوں کافروں، شرک کے تتیے نئے معبود بنانیوالوں مَنْ مرضی کے رب کا انتخاب کرنے والے لوگوں کی صحبتِ بد میں غلامی نوکری کی ذلت آمیز زندگی گزار کر ابھی ابھی آزاد ہوئی ہے ان کو آزادی کی کیا قدر ابھی تو ان کو صحبتِ نبوت مجلسِ رسالت کی ہر ہر لمحہ ضرورت ہے۔ ان کو تو گذشتہ دو تین نسلوں سے کسی بھی نبی کی ایک محفل بھی صحیح طرح آزاد فضاؤں میں نصیب نہیں ہوئی۔ ان کا تو ایمان بھی تقلیدی اور محض دیکھا دیکھی کا ہے۔ شمعِ نبوت کے بغیر بھی کوئی زندگی ہے درس گاہِ انبیا علیہم السلام کی تعلیم و تربیت کے بغیر انسان ایک نرا بیوقوف جانور ہے۔ محفلِ نبی کا نور ہی آدمی کو افضل الخلق اور اَوجِ ثریا کی بلند چوٹیوں پر پہنچا کر رشکِ ملائکہ بناتا ہے۔ نبوت سے خالی فضائیں جھاڑ جھنکاڑ کی خزائیں ہیں عالمِ کائنات میں بہاریں تو جلوۂ انبیا کے وجودِ شمسی سے ہیں۔ آدمیت۔ انسانیت۔ آداب۔ اخلاق۔ ایمان تہذیب تعلیم۔ عرفان۔ عقل۔ شعور۔ اور حُسنِ طبیعت یہ سب نعمتیں خزانۂ نبوت کے قیمتی جوہر ہیں جو صرف سچے متبع مطیع اُمتی کو ملتے ہیں۔ انسان رب تعالیٰ نے پیدا فرمائے مگر انسانیت سکھانے کے لیے انبیا علیہم السلام تشریف لائے۔ اسی لئے مبعوث فرمائے گئے۔ انسانیت کو درس ملا تیری ذات سے ؎ بے نور تھا خرد کا ستارہ تیرے بغیر۔ (اعظم چشتی مرحوم) ایک قول یہ بھی ہے کہ مَا اَعْجَلَکَ میں سوال اقراری ہے۔ تب معنیٰ یہ ہے کہ اے موسیٰ تمہارا یہ جلدی آنا ممنوع یا گناہ نہیں مگر ہم پوچھنا چاہتے ہیں تاکہ تم خود اپنے منہ سے اِس کی وجہ بیان کرو ہمیں یہ پسند ہے۔ بعض نے کہا یہ سوال احترازی ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ جلدی آنا ممنوع تھا۔ (تفسیر مظہری) مگر صحیح قول یہ ہے کہ یہ سوالِ انکاری ہے روشن کلام و طرزِ بیان سے یہی ثابت ہو رہا ہے کہ عَنْ قَوْمِہٖ فرمایا گیا۔ سوالِ انکاری کا مقصود معنیٰ یہ ہے کہ جلدی کرنا ممنوع و گناہ تو نہیں البتہ بہتر نہ تھا۔ اِسی کو اعلیٰ حضرت نے اپنے ترجمہ میں اختیار فرمایا اسی کے مطابق تفسیر عالمانہ کی گئی ہے۔ اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب تیرے وعدۂ طور کی جانب اپنی بلانے کے بعد میں اتنا شاداں فرحاں مسرور مرزوق ہو کر لذتِ کلام و شوقِ ملاقات میں اتنا وارفتہ ہو گیا کہ مجھ کو قوم کی اِس حالت و کیفیت و ضرورت کا احساس و دھیان ہی نہ رہا ویسے بھی اے میرے رب رحیم

لوگ مجھ سے دور تو نہیں ہیں۔ اسی پہاڑ کے نیچے وادی میں عَلٰٓی اَثَرِیْ۔ میرے چند قدم کے فاصلے
پر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ میں اُن کو کہہ کر آیا ہوں کہ میں ایک ماہ بعد آؤں گا اور ہرون کو اپنا خلیفہ ان
کا امام قائد بنا کر آیا ہوں وہ سب میرے منتظر ہیں۔ ان سے جدا ہو کر تیرے حکم کے مطابق
میں نے تیس ۳۰ روزے رکھے رات کو جاگ کر دن کو روزہ رکھ کر مسلسل متواتر تیس ۳۰ دن کا اعتکاف
بھی کر کے اب تیرے حضور سلامِ حاضری و کلامِ بندگی پیش کرنے آگیا ہوں۔ اور اے میرے
رحیم کریم خالقِ مالک رب صرف اس لیے جلدی آگیا کہ تو میری اس عبادت کی جلدی سے خوب
خوب راضی ہو جائے۔ اے خالقِ کریم مجھے تیرے احکام تو یاد تھے کہ روزہ رکھنا اعتکاف
کرنا رات کو جاگنا ذکرِ الٰہی کرنا مگر مجھ کو وقت کا تعین معلوم نہ تھا یہ پتہ نہ تھا کہ طور پر جانا کب ہے
میں نے خود ہی اپنے دل کے شوق عقل کی سوچ اور ذہنی تصور سے اجتہاد کر لیا۔ کہ میں تیری بارگاہِ
بے نیاز میں جلدی پہنچوں تاکہ تو اور زیادہ مجھ سے راضی ہو جائے کہ میرا بندہ میری طرف ذوق
شوق اور عشق سے سرشار ہو کر جلدی آگیا طور پر اس جانے میں مفسرین کے دو قول ہیں پہلا
یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے کتابُ اللہ عطا فرمانے کی دعا عرض کی تو رب تعالیٰ نے
فرمایا کہ ستر اسرائیلی لے کر طور پر آجاؤ کتاب دیدی جائیگی حضرتِ موسیٰ نے نقباءِ بنی اسرائیل
سے ستر آدمی منتخب فرمائے اور چل پڑے جب قریب طور پہنچے تو ان کے پیچھے چھوڑ کر خود
جلدی کرتے ہوئے طور پر پہنچ گئے۔ تب رب نے فرمایا۔ مَآ اَعْجَلَكَ۔ مگر یہ قطعاً غلط ہے
فرمودات قرآنیہ کی مختلف سورتوں میں تقریباً نو سورتوں میں بیان کیا گیا مختلف پہلوؤں کو ظاہر
کیا گیا جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس حاضری میں موسیٰ اکیلے ہی بلائے گئے تھے مفسرین
کا قول تمام آیات اور حقائق کے بالکل خلاف ہے۔ لکھنے والوں نے بے سوچے سمجھے
یہ قول بنا لیا۔ تین وجہ سے۔ پہلی یہ کہ ستر اسرائیلی لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے نہیں بلایا تھا نہ کتاب
دینے کے لیے اُن کی ضرورت تھی دوم یہ کہ جلدی چلنا یا تیز قدم بڑھا کر آگے نکل جانا قابلِ
اعتراض بات نہیں بلکہ یہ جلدی مَآ اَعْجَلَكَ۔ میں شمار ہی نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ بھی چل رہے
تھے چند لمحے تاخیر سے پہنچ ہی جاتے سوم یہ کہ ستر بنی اسرائیل کو طور پر لے جانے کا
واقعہ بعد کا ہے۔ ان کو توبہ کرانے کے لیے بچھڑے کو پوجنے والوں کی طرف سے
خود موسیٰ علیہ السلام اپنی مرضی سے لے کر گئے تھے۔ جس کا ذکر قرآن مجید میں علیحدہ مذکور
ہوا چنانچہ سورۃِ اعراف آیت ۱۵۵ میں ہے وَاخْتَارَ مُوْسٰی قَوْمَهٗ سَبْعِیْنَ رَجُلًا بیان

صحیح واقعہ اس طرح ہے کہ جب دریا پار ہو کر غرقِ فرعونی کا نظارہ کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کی ہمراہی میں تمام بنی اسرائیل ملکِ فلسطین کی طرف جا رہے تھے تو راستے میں ایک مندر کے خوبصورت بُت اور اس کے پجاریوں کو دیکھ کر کچھ شر پسندوں نے اپنی پرانی غلامانہ زندگی کے تاثر کے تحت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ ہم کو بھی کوئی اسی قسم کا معبود بنا دو موسیٰ علیہ السلام نے سخت جھڑکا۔ تب بنی اسرائیل کے نیک پاک بزرگوں نے عرض کیا یا نبی اللہ ہم کو رب تعالیٰ سے کوئی کتاب لے دیجئے جس میں عبادت اور دنیوی زندگی کا ایمانی طریقہ لکھا ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے عرض کی تب رب نے وعدہ فرمایا کہ تم کو کتاب عطا فرما دی جائے گی مگر اس کی شرائطِ حصول یہ ہیں کہ تم تیس روزے رکھو گے اور اتنے ہی دن اعتکاف کی خلوت میں چلہ کشی کرو گے چلے کا طریقہ یہ ہو گا کہ مسلسل متواتر تیس دن رات کو جاگنا ذکرِ الٰہی کرنا اور تمام دن روزہ رکھنا پھر میرے پاس طور پر آنا توریت کتاب دیدی جائے گی۔ اسی بات کا ذکر وَاعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ میں گزرا۔ اس وعدے میں طریقہ تو بتا دیا گیا مگر وقت کا تعین نہ فرمایا گیا۔ حضرت موسیٰ نے لذتِ کلام و زیارتِ بارگاہ مقدس کے شوق اور تڑپ میں انتظارِ مزید دشوار محسوس کیا اس لیے آپ نے خود ہی اپنی اجتہادی سوچ سے قوم سے علیحدہ کسی غار کی خلوت میں روزے اور اعتکاف شروع فرما دیا۔ اس وقت تمام لوگ طور کی قریبی وادیوں میں ہی تھے ان ایام میں آپ نے ہرون علیہ السلام کو اپنا نائب مقرر فرما دیا۔ جب تیس روزے اور اعتکاف مکمل ہو گیا تو آپ اس خلوت گاہ سے نکل کر طور پر حاضر ہو گئے اور روانگی سے پہلے ادب و احترام کی خاطر خوب اچھا غسل کیا خوشبو لگائی مسواک کی لباس فاخرہ پہنا اور خوب مزین ہو کر چلے گئے۔ رب تعالیٰ نے اس جلدی پر سوال فرمایا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب عرض کیا جس کا یہاں ذکر ہے۔ پھر رب تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ تمہارے منہ سے روزوں کی وہ خوشبو نہیں آرہی جو مجھ کو مشک و عنبر سے زیادہ پیاری ہے عرض کیا میرے مولیٰ میں نے اس کو آدابِ بارگاہ کے خلاف سمجھا اس لیے مسواک کر لی حکم ہوا اچھا دس روزے اور رکھو اور وہ خوشبو لے کر آؤ۔ تب حضرت موسیٰ نے پھر وہیں کہیں دس روزے اور اعتکاف کیا پھر حاضر ہوئے رب تعالیٰ نے حاضری قبول فرمائی اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے التجا عرض کی رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ۔ اے ربِّ کریم مجھ کو اپنا دیدار بھی کرا دے تیرا کلام تو سنتا ہوں میں اپنی آنکھوں سے تیرا جمالِ جہاں آرا بھی

دیکھ لوں جواب آیا۔ لَنْ تَرَانِیْ۔ وَلٰکِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ اِنِ اسْتَقَرَّ مَکَانَہٗ فَسَوْفَ تَرَانِیْ (الخ) اے موسیٰ تم میں اتنی ہمت نہیں کہ مجھ کو دیکھ سکو ہاں البتہ پہاڑ کی طرف دیکھو میں اس پر اپنی ایک صفت کی تجلی ڈالتا ہوں اگر یہ پہاڑ ٹھہر گیا تو پھر تم میری ذات کی تجلی بھی دیکھ لو گے (سورۂ اعراف آیت ۱۴۳) تجلی پڑی طور پھٹا موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گر پڑے جب ہوش آیا تو اس جسارت کی معافی مانگی قبول ہوئی کتاب عطا ہوئی اس کے بعد رب نے جو کلام فرمایا وہ اگلی آیت قَدْ فَتَنَّا (الخ) میں مذکور ہوا۔ اس کے بعد کے واقعے میں ستر بنی اسرائیل طور پر لے جائے گئے۔ لہٰذا یہاں بنی اسرائیل کو لے جانے کا واقعہ مفسرین کی غلطی ہے اگر توریت لینے کے لیے بھی ستر اسرائیلی لے جائے گئے ہوتے تو وہ اُس تک پہنچے کیوں نہیں موسیٰ علیہ السلام اکیلے گئے اور اکیلے ہی تختیاں اٹھا کر کیوں واپس آگئے اس لیے علیٰ اثری کا یہ معنی کرنا کہ وہ میرے پیچھے پیچھے نقش قدم پر آرہے ہیں غلط ہے۔ اس وقت ہارون علیہ السلام کی تحویل میں چھ لاکھ اسرائیلی تھے جن میں سے صرف بارہ ہزار افراد بچھڑے کی پرستش سے بچے تھے۔ باقی سب مشرک و مرتد ہو گئے تھے۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں پہلا فائدہ۔ مبارک چیزوں مقدس مقامات اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے پاس حاضری دینا اللہ کے پاس جانا ہے اور یہ حاضری اور اس کے لیے سفر کر کے جانا بہت عظیم سنت ہے فائدے مند عقیدت ہے۔ یہ فائدہ وَعَجِلْتُ اِلَیْکَ رَبِّ لِتَرْضٰی۔ سے حاصل ہوا۔ کیونکہ اِلَیْکَ میں لفظ اِلیٰ۔ انتہا کے لیے ہے اور انتہا ابتدا یہ جسم کی کیفیات ہیں اللہ تعالیٰ جسم سے پاک اُس کے پاس مکاناً جانا محال بالذات جب کہ حضرت موسیٰ طور پہاڑ پر داہنی جانب سے گئے تھے اسی کو اِلَیْکَ فرما رہے ہیں۔ گویا طور کے قریب جانا اللہ کی طرف جانا ہوا تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ مدینہ منورہ جانا آقائے کائنات حضور اقدس کی خدمت اقدس میں حاضری دینا اللہ تعالیٰ کے پاس جانا ہے۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا بِزِیَارَۃِ الْمَدِیْنَۃِ الْمُنَوَّرَۃِ مَرَّۃً بَعْدَ مَرَّۃٍ۔ دوسرا فائدہ۔ جلدی کی تین قسمیں ہیں ۱۔ جلدی کرنا ۲۔ جلدی دکھانا ۳۔ جلدی مچانا۔ آتے جاتے یا کسی کو شروع کرنا تاخیر نہ کرنا وقت پر یا وقت سے بھی کچھ پہلے جب کہ وقت مقرر نہ کیا گیا ہو یہ جلدی کرنا ہے۔ تیز تیز باتیں یا تیز تیز کام کرنا یہ جلدی دکھانا اور کسی کو جلد بازی پر اکسانا یا کسی جلدی کا کہنا یہ جلدی مچانا ہے۔ دنیوی چیزوں میں یہ

تینوں قسم جلدیاں منع ہیں شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ تعجیل کارِ شیاطین بُوَدْ۔ جلد بازی کرنا شیطان کا کام ہے۔ مگر دینی امور میں جلدی کرنا جائز ہے لیکن جلدی دکھانا جلدی مچانا جائز نہیں ہے یہ فائدہ وَمَا اَعْجَلَكَ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ اَعْجَلَ کا معنی ہے جلدی کی۔ اور یہ کام وعمل سنّتِ موسیٰ علیہ السلام ہوا۔ یہ عجلت ممنوع یا حرام نہ تھی۔ اسی لیے مَا اَعْجَلَ کا سوال احترازی نہیں تھا۔ تیسرا فائدہ۔ بندوں کو چاہیئے کہ پہلے علومِ شریعت حاصل کریں پھر اعمال شریف پر پابندی کریں تاکہ بارگاہِ الٰہی میں محبوبیت ومقبولیت ہو۔ جب یہ کام شروع ہو جائیں تب راہِ طریقت اور پیری مریدی میں عجلت کرنی چاہیے۔ جب بندہ رب تعالیٰ کا پیارا بن جاتا ہے اور اعمالِ شریعت فرائض ونوافل کی کثرت سے محبوبیت پا لیتا ہے تو بندے کی ہر بات رب تعالیٰ کو پیاری لگتی ہے اور ہر ادا پسندیدہ ہو جاتی ہے۔ یہ فائدہ وَمَا اَعْجَلَكَ۔ کو سوالِ اقراری بنانے سے حاصل ہوا۔ کہ رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اے موسیٰ تم اپنے منہ سے خود بتاؤ کہ تم کو کس چیز نے جلدی میں ڈالا۔ ہمیں تمہارے منہ سے سننا پسند ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا۔ مولیٰ تیرے عشق نے شوقِ کلام اور تیری رضاءِ کثیر کے حصول نے جلدی آنے کی جلدی کرائی۔ یہی اشارہ وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى۔ میں ہے۔ ورنہ رب تعالیٰ تو سب کچھ جانتا ہے اُس کو پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ جب کلیم کی یہ محبوبیت ہے تو۔ پھر حبیب کی محبوبیت کی کیا شان ہو گی کسی نے کیا خوب فرمایا۔

قُل کہہ کے اپنی بات بھی منہ سے تیرے سنی ؛ کتنا پسند ہے تیرا اللہ کو کلام

احکام القرآن ان آیاتِ کریمہ سے چند فقہی مسائلِ مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ جس طرح شرعی فقہی مسائل کے استنباط واجتہاد کرنے میں اجتہادی غلطی قابل معافی ہوتی ہے کہ مجتہد غلطی کر کے بھی برحق مانا جاتا ہے اس طرح راہِ طریقت میں محبتِ ربانی حاصل کرنے کے لیے اجتہاد کرنا جائز اور اجتہادی غلطی کر جانا قابلِ معافی اور ذریعہ محبت بن جاتا ہے یہ مسئلہ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى۔ کو سوالِ انکاری بنانے سے مستنبط ہوا کہ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے یہ جلدی لِتَرْضٰى کی غرض سے کی جو پسندیدہ ہوئی۔ دوسرا مسئلہ۔ قومی ملکی رواجی یا لغوی اصطلاحات کو دینی شرعی چیزوں میں شامل کرنا اور داخل سمجھنا شرعاً جائز ہے دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی رواجی اصطلاح کو شرعی دینی

امور میں داخل فرماتے ہوئے عرض کیا یارب میرا اپنی قوم سے صرف کوہ طور پر وقت سے پہلے جلدی آجانا یہ کوئی دوری یا جدائی نہیں۔ وہ تو میرے قریب ہی ہیں اتنے قرب کو رواجا و اصطلاحا دوری یا جدائی نہیں کہا جاتا۔ یہ مسئلہ۔ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰۤى اَثَرِیْ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ اَثَری کا معنیٰ ہے میرے چند قدم کے فاصلے پر وہ قافلہ ٹھہرا ہوا ہے۔ تیسرا مسئلہ۔ شرعی فقی معاملات میں فقہاء علماء کا اجتہاد کرنا نئے مسائل قرآن و حدیث سے مستنبط کرنا بالکل جائز ہے۔ اور غیر مقلد وہابیوں کا فقہاء کرام کے اجتہاد پر اعتراض کرنا غلط اور لغو ہے یہ مسئلہ متعدد احادیث مبارکہ کے علاوہ اس آیت پاک۔ وَعَجِلْتُ اِلَیْكَ رَبِّ (الخ) سے مستنبط ہوتا ہے۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طور پر جلدی جانے کے لیے اپنے ذہن و عقل سے اجتہاد فرمایا اور اپنے اجتہاد پر عمل فرمایا اور لِتَرْضٰی۔ کو علت استنباط بنایا۔ اجتہاد کے ثبوت میں مزید تفصیلی دلائل کے لیے مشہور زمانہ کتاب جاء الحق حصہ دوم میں مطالعہ فرمایا جائے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا مَآ اَعْجَلَكَ اے موسیٰ تم کو کس نے جلدی میں ڈالا یہ ایک سوال ہے جس میں کرنے والا سائل ہوتا ہے اور سوال اپنی معلومات اور علم کے لیے کیا جاتا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ کو پہلے علم نہ تھا اگر تھا تو پوچھا کیوں یہ اعتراض دراصل معتزلیوں کا ہے اور ان کی دیکھا دیکھی بلغت الحیران کے وہابی مصنف کا۔ وہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کو بندے کے کام سے پہلے کام کا پتہ نہیں لگتا جب بندہ کر لیتا ہے تب پتہ لگتا ہے (از بلغۃ الحیران ص۱۸۱) جواب ہم نے تفسیر میں بتا دیا ہے کہ یہ استفہام یعنی سوال انکاری ہے۔ اور کیا کا معنیٰ ہے کیوں پوچھنا اور جاننا مقصود نہیں بلکہ فرمایا جا رہا ہے کہ تم نے ایسا کیوں کیا نہ کرنا چاہیئے تھا اگر سوال اقراری ہو تب بھی جاننا اور پوچھنا مقصود نہیں بلکہ سننا مقصود ہے جیسے کہ استاد شاگرد سے یا کوئی محبوب اپنے دوست سے محبوبانہ وجہ اس کے منہ سے سننا پسند کرتا ہے یہاں تا قیامت لوگوں کو بتایا یا سمجھایا جا رہا ہے کہ محبوبین کی ہر ادا ہمیں پیاری ہے۔ کیونکہ ادائے محبت ہے دوسرا اعتراض اللہ تعالیٰ نے فرمایا مَآ اَعْجَلَكَ اے موسیٰ تم نے جلدی کیوں کی کس نے جلد بازی کرائی۔ یہ سوال یا انکاری ہے یا اقراری دونوں صورتوں میں اگر یہ جلد بازی ممنوع تھی تو گناہ ہوئی اور گناہ کا صدور انبیاء علیہم السلام سے محال ہے اگر ممنوع نہ تھی تو جائز ہوئی تو پھر رب تعالیٰ نے سوال کیوں فرمایا یہ بھی غلطی ہے کہ جائز کام پر انکار اور

جھڑک فرمائی جائے۔ جواب یہ سوال احترازی نہیں بلکہ انکاری ہوسکتا ہے۔ اور انکاری کا معنٰی
یہ ہے کہ یہ عُجلت نہ گناہ تھی نہ حرام و ممنوع صرف ناپسندیدہ وہ بھی اس لیے کہ قوم کو نقصان
ہوا جس کو شریعت میں کراہتِ تنزیہی کہا جاتا ہے کسی کے کسی کام کی وجہ سے کوئی دوسرا
ناجائز فائدہ اٹھا کر کوئی گناہ و کفر کرلے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ موسیٰ علیہ السلام نے
اس لیے جلدی کی کہ نہ تو آپ کو جلدی کی ممانعت کی کوئی دلیل ملی نہ کھلے عام وقت کی اجازت
کا کوئی اشارہ ملا کہ جب چاہو آجانا۔ اس لیے آپ نے اپنی عقل سے اجتہاد کیا اور چل
پڑے طور پر آکر پتہ لگا کہ اجتہاد میں غلطی ہوئی ہے۔ تیسرا اعتراض۔ جلد بازی بُری چیز ہے
موسیٰ علیہ السلام نے کیوں کی؟ جواب۔ یہ جلد بازی نہیں بلکہ عجلت کرنا ہے۔ جو دنیا میں
اگرچہ مذموم ہے مگر دینی کاموں میں ممدوح ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَسَارِعُوْٓا اِلٰی
مَغْفِرَةٍ وَّجَنَّةٍ (سورۃ آلِ عمران آیت ۱۳۳) اور جلدی کرو تم مغفرت اور جنت کی
طرف اسی طرح رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہمارے پیارے بندے یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ
اچھے کاموں میں جلدی کرتے ہیں (آل عمران آیت ۱۱۴) اور سورۃ انبیا آیت ۹۰) میں
ہے اِنَّهُمْ كَانُوْا یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ۔ بے شک وہ انبیاء کرام جلدی کرتے
تھے نیکیوں میں۔ ان تمام آیت سے ثابت ہوا کہ نیک کام میں سُرعت و عُجلت کرنا شرعاً
جائز اور اچھا ہے اور جو روایت کی جاتی ہے کہ جلدی کرنا شیطان کا کام ہے وہاں مراد جلدی
دکھانا ہے اس کو عربی میں تعجیل کہتے ہیں کہ تیز تیز کام یا باتیں کرنی کہ کام ادھورا رہ جائے
اور سانس پھول جائے غلط سلط بولتا پڑھتا چلا جائے۔ یا مراد ہے جلدی مچانا جس کو عربی میں
استعجال کہتے ہیں۔ کہ یہ کام جلد سے جلد ہو جائے۔ فلاں کام ہوتا کیوں نہیں۔ یہ ہے شیطانی
فعل چوتھا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا وَعَجِلْتُ اِلَیْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى۔ اے میرے رب میں
تے اس لیے جلدی کی تاکہ تو راضی ہو جائے۔ تو کیا اس سے پہلے رب تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام
سے راضی نہ تھا اگر ایسا مانا جائے تو یہ شانِ نبوت کے خلاف ہے۔ کیونکہ رضا نہ ہو تو ناراضگی
لازم ہوتی ہے۔ رضا و ناراضگی نہ دونوں ختم ہوسکتی ہیں نہ دونوں جمع ہوسکتی ہیں یعنی نہ مانعۃُ
الخلو ہوسکتا ہے نہ مانعۃ الجمع۔ اور پھر اگر رضا نہیں تھی تو اللہ تعالیٰ کو بتانا چاہیئے تھا کہ اے
موسیٰ میں تم سے راضی نہیں ہوں۔ اور اگر رب تعالیٰ راضی تھا تو لِتَرْضٰى کہنا تحصیل حاصل ہے
اور وہ محال ہے۔ اس لیے کہ لِتَرْضٰى کہنا رضا کو حاصل کرنا ہے جو پہلے ہی حاصل ہے جواب

لِتَرضٰی کہنا تحصیلِ رضا نہیں بلکہ کثرتِ رضا ہے جس کو کہا جاتا ہے خوب خوب راضی ہوجانا یا مراد ہے دوامِ رضا۔ یا مراد ہے اس کام سے خوش ہوجانا۔ یا شوقِ قرب مقصود تھا اور یہ واقعی پہلے نہ تھے۔ رضا تو حاصل تھی مگر زیادتیِ رضا کی خواہش تھی جس کی انتہا کوئی نہیں ہے ہر آن نئی رضا ہوسکتی ہے جیسے کہ ثُمَّ اهْتَدٰی میں دوام اور کثرتِ اہتدا مراد ہے۔ پانچواں اعتراض عَجِلْتُ اِلَیْكَ سے ثابت ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو وقتِ مقررہ بتا دیا گیا تھا کہ فلاں دن فلاں وقت آنا ہے مگر اُس سے پہلے چلے گئے اس لیے مَا اَعْجَلَ والا سوال ارشاد ہوا اگر نہ بتایا ہوتا تو کبھی بھی چلے جاتا عجلت میں شمار نہیں ہوسکتا اس لیے کہ عجلت ہمیشہ کسی کے مقابل ہوسکتی ہے یا وقتِ مقررہ کے مقابل یا پھر تسلیم کیا جائے کہ ستر اسرائیلی ساتھ تھے ان کے مقابل آپ پہلے آئے۔ پہلے کے لیے کسی کا بعد میں ہونا ضروری ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ موسیٰ علیہ السّلام نے جلدی جا کر اُس مقررہ وقت کی مخالفت کی جو سراسر اللہ تعالیٰ کی مخالفت ہے اور یہ پابندیِ وقت موسیٰ علیہ السّلام پر فرض تھی جیسے کہ کوئی فرض نماز وقت سے پہلے پڑھ لیا جائے۔ موسیٰ علیہ السّلام تے جانتے بوجھتے غلطی کرنے پر بھی اُمید رضاءِ الٰہی کی رکھی کلیم اللہ سے ایسا ارتکاب محال ہے پھر ایسا کیوں ہوا۔ دیہ اعتراض دراصل نیچری فرقے کا ہے جو کہتے ہیں کہ انبیاء بھی گناہ کر لیتے ہیں یا کر سکتے ہیں۔ (معاذ اللہ) ہم نے اس کو اسلامی زبان میں پیش کیا ہے۔ **جواب** ظاہراً وقت مقرر نہیں فرمایا گیا تھا مگر اقتضاءً ثابت تھا کم از کم کسی جگہ سکونت کرکے ہی روزے عبادتِ اعتکاف یا اطمینان ہو سکتے ہیں اِس اقتضا کو سمجھنے میں موسیٰ علیہ السّلام نے اجتہادی غلطی کی۔ آپ جب طور کے قریب وادی میں پہنچے آپ نے خیال کیا کہ قوم کو ہدایت کی اشد ضرورت ہے اور ہدایت کے لیے کتاب کی اور کتاب کے لیے طور پر جانے کی۔ اُس وادی میں آپ نے اندازہ لگالیا کہ اعتکاف کی خلوت بھی میسر ہے۔ قوم کے بچھڑنے کا وسیع میدان بھی ہے طور سے فاصلہ بھی تھوڑی دور پر ہے اتنا اطمینان ہی کافی ہے خیال کیا کہ اگر اس وقت کتاب نہ لی گئی تو نہ جانے کہاں نکل جائیں طور کتنی دور ہو جائے پھر کہیں کوئی دنیوی اُلجھن رکاوٹ نہ بن جائے۔ اس لیے جلدی فرماتے وقت یہ دھیان نہیں رہا کہ قوم کو کتاب سے زیادہ ابھی ڈنڈے کی ضرورت ہے فرض نماز پر اس کو قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وقت سے پہلے نماز پڑھ لینا گناہ ہے اور گناہ کرکے ثواب کی اُمید مزید گناہ اور غلطی۔ نماز پہلے پڑھنے والے کو

ثواب بالکل نہیں ملتا مقصد نماز قطعًا نہیں دیا جاتا۔ مگر یہاں اگرچہ مَآ اَعْجَلَ سے سوال فرمایا مگر کتاب بھی دیدی گئی کلام کا شرف بھی بخشدیا گیا قوم کے تمام حالات وہیں بتا دیئے گئے گویا یہ خطا بھی بہت سی عطاؤں کا ذریعہ بن گئی۔ اگر یہ جانا گناہ اور مخالفت تھی مثل نماز تو قطعًا نہ کتاب دی جاتی نہ شرفِ کلام۔ جانے کا مقصد پورا کر دیا جانا مقبولیت کی نشانی ہے اگر گناہ ہوتا تو قبول نہ ہوتا اسی طرح واپس لوٹا دیا جاتا۔ چھٹا اعتراض۔ اللہ تعالیٰ نے سوال فرمایا تھا۔ مَآ اَعْجَلَكَ اس کا درست جواب یہ تھا کہ آپ پہلے عجلت کی وجہ بتاتے۔ مگر جواب میں آپ نے فرمایا هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِیْ۔ یعنی وہ مجھ سے دور نہیں وہ میرے چند قدم کے فاصلے پر ہیں اس کی کیا وجہ! جواب۔ امام رازی نے جواب فرمایا کہ جب موسیٰ اپنے اجتہاد سے طور پر پہنچے تو وہ بہت خوش تھے کہ میں صحیح آیا ہوں مگر جب عتابانہ سوال ہوا تو خشیتِ الٰہی سے گھبرا گئے۔ اور گھبرا کر آگے کا جواب پیچھے اور پیچھے کا آگے کر دیا۔ جواب دوم یہ کہ سوالِ ربّانی میں دو باتیں تھیں ۱ مَآ اَعْجَلَكَ۔ ۲ عَنْ قَوْمِكَ۔ اس طرزِ سوال سے موسیٰ علیہ السلام نے منشاءِ سوال سمجھ لیا کہ جلدی آنے پر اعتراض نہیں بلکہ عَنْ قَوْمِكَ۔ یعنی قوم سے دوری پر اعتراض ہے یہی ناپسندیدگی وکراہت ہے کیونکہ قوم میں سامری وغیرہ جیسے شر پسند لوگ بھی ہیں اور ھٰرون علیہ السلام نرم دل بھی اس لیے اس سبب والے جواب کو زیادہ اہمیت دیتے ہوئے پہلے یہ جواب عرض کیا کہ یا اللہ میں قوم سے زیادہ دور نہیں ہیں اس کو دوری نہ سمجھا بعد میں اپنی عجلت کی وجہ بیان کر دی وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔ (از تفسیر کبیر۔ روح المعانی روح البیان تفسیر صاوی فتح القدیر۔ مظہری مدارک۔ خازن۔ بیضاوی۔ تفسیر ابن عباس۔ نیشاپوری جامع البیان۔ جلالین) ان آیت کی تفسیر صوفیانہ آیت ۹۶ کے بعد ہوگی۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ

رب تعالیٰ نے فرمایا بے شک ہم نے آزمائش میں ڈال دیا آپ کی قوم کو آپ کے بعد سے

فرمایا تو ہم نے تیرے آنے کے بعد تیری قوم کو بلا میں ڈالا

وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿٨٥﴾ فَرَجَعَ مُوْسٰٓى

اوران لوگوں کو سامری نے گمراہ کر دیا ہے۔ تو لوٹ پڑے موسیٰ

اور انہیں سامری نے گمراہ کر دیا۔ تو موسیٰ اپنی

اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ

اپنی قوم کی طرف غضب ناک ہو کر افسوس کرتے ہوئے فرمایا اے میری قوم

قوم کی طرف پلٹا غصہ میں بھرا افسوس کرتا۔ کہا اے میری قوم

اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۗ ط

کیا نہیں وعدہ کیا تھا تم سے تمہارے رب تعالیٰ نے ایک اچھا وعدہ کیا

کیا تم سے تمہارے رب نے اچھا وعدہ نہ کیا تھا

اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ

پس لمبا دشوار ہو گیا تم پر وعدے کا انتظار یا تم نے دل سے ٹھان لیا کہ

کیا تم پر مدت لمبی گزری یا تم نے چاہا کہ تم

يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

آجائے تم پر غضب تمہارے رب جلال کی طرف سے

پر تمہارے رب کا غضب اترے

فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ﴿٨٦﴾

جو تم نے خلاف ورزی کی مجھ سے کئے ہوئے وعدے کی

تو تم نے میرا وعدہ خلاف کیا

تعلقات ان آیت کریمہ کا پچھلی آیت کریمہ سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تنبیہ فرمائی کہ تم نے اپنی قوم کو اکیلا کیوں چھوڑا ابھی وہ اس طرح چھوڑنے کے لائق نہیں ابھی ان میں فرعون کی تین سو سالہ بت پرست صحبت کا اثر ہے۔ اب ان آیت میں اس تنبیہ کی وجہ بتائی جا رہی ہے کہ حضرت موسیٰ کے نہ موجود ہونے کی وجہ سے قوم کو سامری نے گمراہ کر دیا۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں حضرت موسیٰ کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں طور پر جانے کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں حضرت موسیٰ کا اپنی قوم کی طرف لوٹنے کا ذکر ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ کے فرمودات کے بیان کا ذکر ہوا کہ نیک لوگوں سے آخرت کے اچھے وعدے ہیں اور بدکار لوگوں سے غضب نازل ہونے کا دردناک عذاب ہے اب ان آیت میں بنی اسرائیل کے گمراہ لوگوں کو شرمندہ اور خوف زدہ کرتے ہوئے ان فرمودات الٰہیہ کو یاد دلانے کا ذکر ہے چوتھا تعلق۔ پچھلی آیت میں کہ ۷۹ میں اَضَلَّ فِرْعَوْنُ فرمایا گیا کہ فرعون نے اپنی قوم قبطی کو گمراہ کیا یہاں اَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ فرمایا گیا کہ سامری نے بنی اسرائیل کو گمراہ کیا فرعون نے اپنی پوجا کرائی سامری نے بچھڑے کی۔

تفسیر نحوی قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ۔ فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا۔ قَالَ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ فَ زائدہ سیاق کلام کے لیے اِنَّ حرف مشبہ بالفعل (یعنی عمل میں فعل کے مشابہ یہ کل چھ حرف ہوتے ہیں اِنَّ اَنَّ کَاَنَّ لٰکِنَّ۔ لَیْتَ۔ لَعَلَّ) نَا۔ ضمیر متصل جمع متکلم منصوب ہے کیونکہ اسم اِنَّ ہے قَدْ فَتَنَّا باب سمع کا فعل ماضی قریب ہے۔ جمع متکلم فَتْنٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ آزمائش میں ڈال دینا۔ اس کا فاعل اسی کی ضمیر صیغہ ہے۔ آخر میں نونِ مادہ اور نونِ ضمیر کا ادغام (تشدید) ہے۔ قَوْمَ اسم مفرد لفظاً واحد معناً جمع ہے مضاف ہے کَ ضمیر مجرور متصل مضاف الیہ مرجع حضرت موسیٰ ہیں یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے مِنْ ابتداءِ غایت کے لیے بَعْدِ اسم ظرف زمانی نکرہ ہے قبل کا ضد جب یہ مضاف ہوتا ہے تو نکرہ ہوتا ہے جب مفرد یعنی مضاف نہ ہو تو کبھی مبنی بر ضمہ ہوتا ہے کبھی نکرہ تنوینی یا لفتحہ (دو زبر) کَ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے قَدْ فَتَنَّا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ اَضَلَّ۔ باب افعال

کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب ایک قول میں بابِ نَصَرَ کا اسم تفضیل مذکر ہے۔ ضَلٌّ سے بنا ہے بمعنی گمراہ ہونا بابِ افعال میں متعدی بیک مفعول ہو کر ترجمہ ہوا گمراہ کرنا اس کا مصدر ہے اِضلَال۔ اس کا حاصل مصدر ہے ضَلالۃٌ بمعنی گمراہی ھُمُ ضمیر جمع مذکر غائب کا مرجع قَوم ہے مفعول بہ ہے۔ السَّامِرِیُّ السُّمِرِیُّ کھڑے زیر سے بھی لکھا جاتا ہے معرّف باللام ہے آخر میں یاءِ نسبت ہے ترجمہ سامر والا لفظِ سامر میں تین قول ہیں ۱ بنی اسرائیل یہودیوں کی ایک قوم یا قبیلے کا نام ہے ۲ سمیری ایک علیحدہ قوم ہے جو ایک قبطی قوم سَامِرَۃٌ کی اصل اولاد سے منسوب ہے ۳ سامِر عراق کے قریب فلسطینی حدود میں ایک علاقے کا نام تھا موجودہ تلعبید یا تلعبیب اب اسرائیلی حکومت کا دار الخلافہ بھی اسی علاقے میں ہے اِن نسبتوں سے اس قبطی کو سامری کہا گیا یہ اس کا ذاتی نام نہیں وطنی یا قومی نام ہے قبطیوں میں یا اسرائیلیوں میں سے صرف یہی ایک منافقانہ مومن بنا تھا۔ یہ فاعل ہے۔ اَضَلَّ سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف دونوں عاطفہ یہ جملے مل کر مقولہ ہوا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ فَ۔ بیانیہ بمعنی ثُمَّ۔ یعنی بہت دنوں بعد رَجَعَ بابِ سَمِعَ کا فعل ماضی مطلق واحد مذکر غائب مُوسٰی اسم مفرد جامد اسم منقوص۔ بحالتِ رفع کیونکہ فاعل ہے اِلٰی جارہ انتہاءِ غایتِ زمانی کے لیے قوم اسم مفرد مذکر یہ لفظ صرف مردوں کے بڑے گروہ کے لیے مستعمل ہے قبیلے کی عورتیں اس میں شامل نہیں ہوتیں لیکن کبھی قوم بمعنی نسل اور قبیلہ ہوتی ہے تب عورتیں بھی داخل ہوتی ہیں گویا کہ بلاواسطہ صرف مرد اور بالواسطہ عورتیں بھی مرد ہوتی ہیں جیسے تمام قوانین امر و نہی کے جمع مذکر صیغے۔ اِس کی جمع ہے اَقوام اور جمع الجمع اَقاوِیم یا اَقَاوِم اِس کی تصغیر ہے قُوَیمٌ۔ یہ مصدر بھی مستعمل ہے بابِ نَصَرَ میں گردان ہوتا ہے یہ مضاف ہے ہٖ ضمیر نفسی واحد مذکر غائب بمعنی اپنی مرجع موسٰی ہے یہ مرکب اضافی جار مجرور متعلق ہے غَضْبَانَ اسم صیغہ مبالغہ بر وزنِ فَعْلَانَ غَضَبٌ سے بنا ہے آخر الف نون زائد تان ہے ترجمہ ہے شدید غصے حالت میں ہوتا۔ اسی سے ہے غُضُوبٌ اور غُضْبَۃٌ۔ فرق یہ ہے کہ غضبان غصے کی کیفیت یعنی شدت کا بیان ہے اور غُضُوبٌ غصے کی تعداد کا بیان یعنی بار بار غصہ آنا اور غُضْبَۃٌ غصے والے کی عادت کا بیان ہے یعنی جلدی غصہ آجانا۔ یہ عطف بیان ہے اَسِفًا۔ اسم مفرد صفت مشبہ بر وزنِ فَعِلًا اَسَفٌ سے مشتق ہے بمعنی افسوس کرنا آخر کا الف تنوین کے لیے ہے یہ عطف ہے غضبان پر دونوں مل کر حال ہوا موسٰی کا ذوالحال حال مل کر فاعل رَجَعَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ قَالَ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ یا حرفِ ندا قوم۔ دراصل قومی تھا

یعنی اے میری قوم یٰ ضمیر متکلم خفت کے لیے گرادی گئی۔ قَوْمِ منادیٰ اَ ہمزہ سوالیہ لَمْ یَعِدْ باب ضرب کا فعل مضارع نفی جحد بلَمْ۔ واحد مذکر غائب وَعْدٌ سے مشتق ہے ماضی کے معنی میں ہے مگر تذکرہ آئندہ کا ہے اصلاً یَوْعِدُ تھا۔ تعلیلِ نحوی میں واؤ ثقل کی وجہ سے گر گئی کُمْ ضمیر مفعول لہٗ رَبُّکُمْ مرکب اضافی اس کا فاعل ہے وَعْدًا اسم حاصل مصدر جامد موصوف ہے حَسَنًا اسم حاصل مصدر جامد بمعنی اچھا خوبصورت صفت ہے یہ مرکب توصیفی مفعول بہٖ ہے لَمْ یَعِدْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا اَفَ۔ دراصل فَا ہے سوال کی اہمیت کے لیے ہمزہ استفہام کو پہلے کر دیا گیا۔ لفظ اَفَ قرآن مجید میں ایک سو چودہ مرتبہ آیا ہے ہمزہ سوالیہ اور فَ عاطفہ اَفَطَالَ عَلَیْکُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ یَّحِلَّ عَلَیْکُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِیْ۔ طَالَ باب نصر کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب طُوْلٌ سے مشتق ہے بمعنی لمبا ہونا متعدی بیک مفعول ہے طُوْلٌ اور لمبائی تین قسم کی ہوتی ہے ۱ وقت اور زمانے کی وہی یہاں مراد ہے اس کو طوالتِ زمانی کہتے ہیں ۲ طوالتِ مکانی یعنی چیزوں کی لمبائی کپڑا وغیرہ ۳ طوالت باطنی یعنی اچھی یا بری خواہشات کی درازیاں اسی سبب سے دولت دینوی کو طول کہا جاتا ہے کیونکہ مال و دولت سے سخی کے ہاتھ اور کنجوس کی خواہشات دراز ہوتی ہیں عَلَیْکُمْ یہ جار مجرور متعلق ہے طَالَ کا اَلْعَهْدُ الف لام عہد خارجی عَهْدٌ اسم مفرد حاصل مصدر جامد بمعنی وعدہ۔ اس کی جمع ہے عُهُوْدٌ۔ عربی میں کسی چیز کے لازم کرنے کے لیے تین لفظ ہیں مگر تینوں میں نوعی فرق ہے ۱ عہد جو خود کیا جائے کہ ہم یہ کریں گے ۲ میثاق جو کسی سے لیا جائے ۳ وعدہ کسی کو اپنی طرف سے کسی چیز کا دلانا۔ خواہ اچھی خواہ بری۔ اَلْعَهْدُ فاعل ہے طَالَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ اَمْ۔ حرفِ عطف تردید یا تخییر کے لیے ہے طرز بیانی میں سوالیہ ہوتا ہے ایک قول میں بمعنی بَلْ ہے اَرَدْتُّمْ باب اِفعال کا فعل ماضی مطلق جمع مذکر حاضر اَنْتُمْ اس میں پوشیدہ اسی کی ضمیر صیغہ اس کا فاعل رَوْدٌ سے مشتق ہے اس کا مصدر ہے اِرَادٌ اور اِرَادَۃٌ بمعنی چاہنا۔ اچھا یا برا۔ یہاں برا چاہنا مراد ہے اَنْ حرفِ ناصب یَحِلَّ باب ضرب کا فعل مضارع معروف مثبت واحد مذکر غائب حَلَلٌ مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے دراصل یَحْلِلَ تھا عین کلمے (پہلا لام) کو لام کلمے (دوسرے لام) میں ادغام کیا پہلے لام کا زیر ماقبل حَ کو دیا۔ بحالتِ نصب ہے اَنْ کی وجہ سے عَلَیْکُمْ جار مجرور متعلق ہے غَضَبٌ اسم حاصل جامد اس کا فاعل مِنْ رَّبِّکُمْ جار مجرور مل کر متعلق دوم ہے سب مل کر جملہ

فعلیہ انشائیہ استفہامیہ ہو کر مفعول بہ ہوا بَل کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر سبب ہوا۔ ف۔ عاطفہ سببیہ برائے ترتیب فَاَخْلَفْتُمْ۔ بابِ افعال کا ماضی مطلق جمع مذکر حاضر مصدر ہے اِخْلَافٌ اور خِلَافٌ بمعنی نافرمانی کرنا۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے مَوْعِدِ۔ اسم مصدر میمی بمعنی حاصل مصدر جامد یعنی وعدہ بتانا۔ یا کرانا۔ یا وعدے کی خبر دینا۔ آخر کی ی ضمیر متکلم مضاف الیہ ہے مرجع موسیٰ ہے یہ مرکبِ اضافی مفعول بہ ہے۔ اَفَاَخْلَفْتُمْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مسبّب ہوا اَمْ اَرَدْتُمْ کا سبب مسبّب مل کر معطوف ہوا۔ طال کا۔ یہ دونوں عطف پھر معطوف ہوئے اَلَمْ یَعِدْ پر سب مل کر جوابِ ندا یا اپنے منادیٰ اور جواب سے مل کر مقولہ ہوا۔ قَالَ کا سب مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِیُّ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ ہم نے اپنے ارادۂ تقدیری ازلی سے آزمائش میں ڈال دیا ہے تمہاری تمام قوم کو تمہارے جدا ہونے کے بعد ایک بڑے سخت امتحانی فتنے میں اور وہ اکثریت سے اس آزمائشی فتنے میں ملوث و مبتلا ہو کر امتحانِ الٰہی میں بری طرح ناکام ہو چکے ہیں۔ خیال رہے کہ مِنْۢ بَعْدِكَ سے اشارہ فرمایا جا رہا ہے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام وہاں موجود رہتے تو یہ ازلی تقدیرِ معلق کا فیصلہ ٹل سکتا تھا یا اس طرح کہ امتحان آتا ہی نہ اور یا اس طرح کہ اگر کسی طرح کی آزمائش آتی تو قوم مبتلا و ملوث نہ ہوتی بلکہ صحبتِ نبی کی برکت سے بچی رہتی امتحان میں کامیاب ہو جاتی۔ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِیُّ یہ آزمائش سامری جادوگر۔ جو خاندانی زرگر تھا اس کی گمراہ گری کے ذریعہ ہوئی کہ اس نے اپنی مکارانہ تدبیر۔ تقریر اور صنعت کاری سے قوم کو گمراہ کر دیا ہے۔ جس سے تمہاری چند روزہ صحبتِ ایمانی عرفانی کا سب اثر ان کے ذہنوں عقلوں سے اتر کر دلوں سے جاتا رہا۔ اس لیے کہ ابھی ان کے ذہن فرعونیوں کی مشرکانہ صحبتوں سے نئے نئے آزاد ہوئے تھے ابھی ان کو اپنی نبی زادگی کا شعور نہ تھا اپنے آبائی دینِ ابراہیمی کا پورا علم نہ تھا اس لیے قدر بھی نہ تھی۔ مصر کے جس گندے اور شرکیہ غلیظ ماحول میں ان بنی اسرائیل کی پرورش تربیت بلکہ اکثریت کی ولادت اور اب تک کی پوری زندگی بسر ہوئی تھی وہاں گھر گھر شرک کفر کا گھٹا ٹوپ اندھیرا پھیلا ہوا تھا ہر گھر مندر اور بتخانہ تھا۔ تیرہ قسم کے بت پوجے جاتے تھے۔ رانیفات دیوتا۔ اس کو آسمانوں کا مالک سمجھا جاتا تھا۔ تفا دیوی اس کو زمین

کی مالک ۳ مات۔ یا ماتا دیوی۔ بہار لانے والی ۴ اور زیریس دیوتا آخرت کا مالک ۵ نبیتہ ورت دیوتا جنت کا مالک ۶ کنیمو دیوتا اجسام بنانے والا۔ ان سب کی شکل ہمدردوں جیسی ہوتی تھیں یہ پتھر لکڑی سونے چاندی کے بنے ہوتے ۷ ایزیز۔ دیوی جسموں میں جان ڈالنے والی اس کی مورتی چاندی سے بنائی جاتی تھی ننگی عورت کی شکل پر۔ اور کاغذ کپڑے پر۔ ہر شخص اپنی جیب میں ہر وقت لیئے پھرتا تھا اس کی قسم بھی کھائی جاتی سینے پر ہاتھ رکھ کر یعنی اس کی مورت فوٹو پر ہاتھ رکھ کر۔ آج بھی مصریوں میں بات یا کوئی وعدہ کرتے وقت سینے پر ہاتھ رکھ کر تھوڑا سا جھکنے کی عادت اس شرکیہ رسم سے چلی ہے ۸ طواط دیوتا۔ عمریں دینے والا ۹ ہوراس۔ بیماری غم پریشانی درد تکلیف دور کرنے والا۔ دیوتا ۱۰ ماتور۔ یا حورث۔ رزق دینے والا دیوتا اس کی شکل گائے بیل جیسی بنائی جاتی تھی جسم انسانوں جیسا ۱۱ بدا مانی دیوی۔ خزاں اور مصیبتیں بیماریاں لانے والی دیوی اس کی مورتی بھیڑیئے جیسی بالکل سیاہ مٹی کی یا بنا کر کالا رنگ پھیر دیا جاتا تھا۔ ہندوستان میں اس کا نام کالی ماتا ہے ۱۲ امن رائع۔ سورج دیوتا یہ سب سے بڑا اور کرخت دیوتا کہلاتا تھا اس کا چہرہ گول سورج کی شعاعوں کی تصوراتی شکل کا صرف چہرے کی مورت یا کاغذ کپڑے پر فوٹو تصویر۔ ۱۳ ملک کا بادشاہ فرعون۔ یہ سورج دیوتا کا اوتار سمجھا جاتا تھا۔ فرعون سورج کی پوجا کرتا تھا اور خود کو اس کا مظہر سمجھتا سمجھاتا بتاتا تھا اور اسی بنا پر اپنے لیے سجدے کراتا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى اور الٰہ بنتا تھا۔ اس پلیدی ماحول سے یہ اسرائیلی ابھی نکلے تھے لہٰذا ان کا اتنی جلدی ورغلایا جانا کوئی حیران کن نہ تھا اگرچہ یہ سب مومن تھے خود بت پرستی نہ کرتے تھے مگر چاروں طرف کے ماحولِ بت خانگی ان کے ذہنوں عقلوں پر چھائی ہوئی تھی اور زندگی غلامانہ تھی۔ کافر آقاؤں کے کہنے پر انہیں بہت کفر نوازیاں کرنی پڑتی تھیں مثلاً مندروں کی صفائی بتوں کی جھاڑ پھونک وغیرہ سامری قربِ فرعونی کی بنا پر جادوگری سے کافر ہونے کے علاوہ دھدیال کی خاندانی گائے پرستی کی محبت میں مبتلا تھا اور عیار بدمعاش بھی تھا بنی اسرائیل کی ناپختہ ذہنی کیفیت کو سمجھتا تھا۔ انسان کے لیے صحبتِ بد ہی تو زہرِ قاتل اور ایمان کش ہے۔ ہم نے تو چند سالہ ہندوؤں کی صحبت میں رہنے والے خاندانی مسلمانوں کو بہکتے بھٹکتے دیکھا ہے یہ پیروں اور ان کی قبروں کو سجدے شادی بیاہ گانا باجہ مایوں مہندی گانا باندھنا لاکھوں کا جہیز اور حق مہر کی ذلت و رسوائی اس طرح جہیز کی دن بدن مطالباتی فہرست بڑھتی جاتی ہے حق مہر جس کی با[illegible] اسلامی حکم ہے [illegible] جاتا ہے۔ یہ سب

ھندوانہ رسمیں ہیں جن کی رسمیں صحبتِ بد سے مسلمانوں میں آگئیں ہیں تعظیمی سجدے یہ فرعونی رسمیں مصر سے براستہ ھندوستان مسلمانوں میں آئیں اللہ تعالیٰ ہی ہم سب کو ان حماقتوں سے بچانے والا ہے مِنۡۢ بَعۡدِكَ سے مراد موسیٰ علیہ السّلام کی توریت لینے کے لیے تیس روزہ اعتکاف صیام کرنے کی خلوت جدائی پھر وہاں سے ہی طور پر چلے جانا مراد ہے یہ خلوت وجدائی خاموشی اختیار کرنے کی وجہ سے تھی اسرائیلیوں نے اِن ایّام کی گنتی کو دن رات کو علیحدہ علیحدہ کرکے گنا جب موسیٰ علیہ السّلام کو گئے ہوئے بیسؔ دن ہو گئے تب سامری اور چند ساتھیوں نے کہنا شروع کر دیا کہ تیسؔ دن کا وعدہ تھا مگر اب چالیسؔ دن ہو گئے موسیٰ اب نہیں آئیں گے شاید وہ فوت ہو گئے یا ناراض ہو گئے۔ کیونکہ تمہارے پاس فرعونی زیور ہیں جو تم پر بوجہ دھوکہ دہی سے لینے پہننے حرام ہیں۔ یہ زیور تم مجھ کو دیدو میں اِس کو جلا کر ختم کردوں سب ڈر گئے اور اپنی بیویوں سے لے کر سامری کو دیدیا سامری کی گھریلو عورتوں کے پاس جو زیور تھا وہ بھی اُس نے ایک بنائے ہوئے گڑھے میں ڈال دیا۔ اور اس نے اپنے منصوبے کے تحت اس تمام سونے کو گلا کر بچھڑے کا بت بنا لیا جو چھ ماہ بچھڑے کے برابر قد کاٹھ کا صحت مند لگتا تھا۔ اِن اسرائیلیوں نے بھی سامری کے اُکسانے بتانے پر بیس دن کو چالیس دن گنا۔ اور یہ عادت آج بھی یہود و نصاریٰ کے قانون میں شامل ہے کہ کسی بھی مدت گزارنے میں رات کو علیحدہ دن کو علیحدہ شمار کرتے ہیں مگر تاریخ دن رات کی ایک رکھتے ہیں مثلاً تیس دن رات تاریخاً ایک ماہ ہوگا مگر مُدّتاً دو ماہ گزرنا شمار ہوں گے۔ سامری شخص کا اِس پوری قوم میں صرف یہی ایک واحد فرد تھا۔ یہ قبطی اُلنسل تھا اس طرح کہ اس کا باپ ظفر نامی قبطی تھا جو خفیہ مومن بن گیا تھا دینِ ابراہیمی پر اور ایک اسرائیلی عورت سے شادی کر لی تھی جس سے سامری پیدا ہوا۔ یہ اکلوتی اولاد تھی دھدیال سے قبطی ننھیال سے اسرائیلی ابن جریر محدث نے عن ابن عباسؓ روایت فرمائی کہ یہ فرعونی قتل کے سال پیدا ہوا تو اِس کی والدہ نے اس کو جنگل میں ایک غار کے اندر چھپا دیا اور بھول گئی حضرت جبرئیلؑ بحکمِ رب تعالیٰ اِس کی پرورش فرمائی۔ ان کی برکت سے رب تعالیٰ نے اِس کی دائیں ہاتھ کی تین انگلیوں سے تین غذائیں جاری فرما دیں سبابہ میں دودھ وسطیٰ میں شہد ساتھ والی میں گھی نکلتا جب یہ چوستا۔ اس کا آبائی مکان حضرت موسیٰ کے پڑوس میں تھا اس کا نام بھی اس کی والدہ نے موسیٰ رکھا حضرت موسیٰ کی وجہ سے ورنہ موسیٰ بن ظفر ہوا اِس کا والد اس کی ولادت سے پہلے مر گیا تھا۔ یہ سامری جب جوان ہوا فرعون کے دربار میں باعزت رسائی مل گئی فرعون نے اس کو جادوگری کے لیے منتخب کر لیا۔ اِن کا

آبائی پیشہ زرگری تھا یہ زرگر سے جادوگر پھر گمراہ گر بن گیا۔ قبطیوں سے جادو سیکھا تھا جب جادوگر مقابلے میں ہار گئے تو تین جادوگر فرعون کے ڈر سے بھاگ نکلے تھے ان میں ایک یہ تھا موسیٰ علیہ السّلام نے جب رات میں نکلنے کا خفیہ اعلان فرمایا تو یہ بھی مع والدہ ساتھ نکل پڑا اس کے دھدیاں میں گائے تما جانور دیوتا کی پوجا ہوتی تھی اس لیے اس کے دل میں گائے پرستش کی محبت ورثے میں ملی تھی اور ننھیال سے ایمان ورثہ میں ملا تھا اس لیے اس کا رویہ منافقانہ تھا اور جادوگری کی وجہ سے بھی مائل بہ کفر ہی تھا لہٰذا ان وجوہ سے یہ موقعہ اس نے غنیمت جانا موسیٰ علیہ السّلام کی موجودگی میں یہ کر نہ سکتا تھا۔ آپ کا رعب جلالی ہی اتنا تھا کہ جمادات پر بھی لرزہ طاری ہوتا محسوس ہوتا تھا۔ غیر موجودگی میں یہ اَضَلَّ السَّامِرِیُّ ہوگیا اپنے آبائی دین شرکیہ پر سب کو ورغلا دیا۔ اس کے بارے میں مفسرین کے چند مختلف اقوال ہیں ۱ یہ اسرائیلی قبیلہ سامرہ سے عظماءِ قبیلہ میں سے تھا یعنی بڑے لوگوں میں شمار ہوتا تھا ۲ موسیٰ علیہ السّلام کی سگی خالہ یا پھوپھی کا بیٹا تھا ۳ چچا کا بیٹا تھا ۴ یہ کرمانی زرگر کا بیٹا تھا کرمان سے آکر بنی اسرائیل میں شامل ہوگیا تھا مگر منافق رہا ۵ یہ علاقۂ موصل کے باجرما قبیلے سے تھا اس کا اصل نام موسیٰ بن ظفر تھا سامری قومی لقب تھا اور بنی اسرائیل میں اس لقب کا فقط یہی ایک تھا اس لیے یہ لقب اس کی شناخت تھی اسی لیے قرآنِ مجید میں اس لقب سے اس کا تذکرہ آیا۔ ایک شاعر لکھتا ہے شعر

فَمُوْسَى الَّذِىْ رَبَّاهُ جِبْرِيْلُ كَافِرٌ ۔۔۔ وَمُوْسَى الَّذِىْ رَبَّاهُ فِرْعَوْنُ مُرْسَلٌ

یعنی حیرت ہے کہ جس موسیٰ کو جبریل علیہ السّلام نے پالا وہ تو کافر رہا اور جس موسیٰ کو فرعون کافر نے پالا وہ نبیوں کے سردار مُرسَل نبی ہوئے (تفسیر روح المعانی) قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا (الخ) یہ رب تعالیٰ کا فرمانِ مبارک ہے مِنْ بَعْدِكَ سے مراد بیس روزہ جدائی کے بعد کی مدت ہے بچھڑا بیس دن بعد بنایا گیا قَدْ فَتَنَّا سے مراد ارادۂ الٰہی تقدیرِ ازلی کا فیصلہ اور بچھڑے کا مخلوق ہونا ہے کہ یہ ہی آزمائش تھی۔ اَضَلَّ سے مراد سامری کی تدبیر تصنیع اور تقریر کے ذریعے قوم کو ورغلانا ہے قَوْمَكَ سے مراد چھ لاکھ اُمّت بنی اسرائیل ہیں ان میں حضرت ھٰرون اور سامری شامل نہیں ھٰرون نبی ہونے کی وجہ سے اور سامری منافق کافر گمراہ گر ہونے کی وجہ سے ایک قرأت میں اَضَلُّهُمْ اسم تفضیل ہے یعنی سامری ان سب سے زیادہ گمراہ ہے مگر یہ قول غلط ہے اس لیے کہ قوم کی گمراہی کے لیے ایک اور اَضَلَّ پوشیدہ ماننا پڑے گا

کیونکہ اسم تفضیل تقابل کا متقاضی ہے کہ فلاں گمراہ سے زیادہ گمراہ یہ بنی اسرائیل اس وقت دریاء نیل کے کنارے اُس جگہ ٹھہرے ہوئے تھے جو مصر سے چالیس میل دور۔ اور طور سے چھ میل کے فاصلے پر تھی۔ فَرَجَعَ مُوسٰىٓ اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۚ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ یہاں فَرَجَعَ کی فَ تعقیبیہ نہیں بلکہ ترتیبیہ ہے یہ بتا رہی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ غمناک و افسوس ناک خبر سنتے ہی نہیں چل پڑے تھے بلکہ اس کے بعد مزید دس روز سے مع اعتکاف رکھنے کا حکمِ ربانی ملا۔ آپ نے یہ دس روزہ مدت پوری کر کے پھر حاضری لَنْ تَرٰىنِیْ کا پورا واقعہ ہوا پھر بارہ تختیاں تورات کی ملیں ان کو لے کر فَرَجَعَ مُوسٰىٓ اِلٰى قَوْمِهٖ تب آپ قوم کی طرف لوٹے۔ سورۃِ اعراف آیت ۱۴۲ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ یعنی پہلے تیس ۳۰ روزہ چلہ یہ یکم ذیقعدہ سے تیس ذیقعدہ تک پھر یکم ذی الحج سے دس ذی الحج تک گیارہ ذی الحج کو توریت کی تختیاں ملیں جو دو طرفہ لکھی ہوئی تھیں سولہ سے بنی تختیاں تھیں ان میں ایک ہزار سورتیں ہر سورت میں ایک ہزار آیات تھیں تقسیم اس طرح تھی کہ آٹھ تختیوں میں تیراسی تیراسی سورتیں اور چار میں چوراسی چوراسی سورتیں ان میں پہلی آٹھ میں شریعت کے احکام تھے ۱ عبادت کی تعداد و طریقے ۲ انتظامی مُلکی قانون (نظامِ عدل) ۳ دعائیں ۴ سابقہ تاریخی واقعاتی قصے ۵ فضائل ۶ رحمت برکت ۷ پیشگوئیاں ۸ قیامت کا ذکر ثواب و عذاب کا بیان اور دوسری چار میں طریقت کے مسائل ۹ وظائف ۱۰ چلہ مراقبہ خلوت ۱۱ قربِ الٰہی اور مکاشفات معجزات و کرامات کا ذکر ۱۲ معرفت کے اسباق۔ یعنی شریعت کی آٹھ اور طریقت کی چار توریت کا مکمل مجموعہ تھا یہ لے کر [illegible] پر اٹھا کر طور سے وقتِ اشراق چلے بوقتِ عصر خیمہ زن قوم میں پہنچے نہایت غَضْبَانَ اَسِفًا قوم کی حرکتوں پر غضب و غصہ کرتے ہوئے اور اپنی جلدی پر رنج و غم افسوس کرتے ہوئے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ انسان کے ظاہری یا باطنی جسم پر کسی کے غلط کام کی وجہ سے پانچ کیفیاتِ ظاہری ہوتی ہیں ۱ غضب یعنی کسی کے غلط کام پر اُس کو سخت سزا دینے کا ارادہ کرنا۔ اسی معنی میں غضب کو اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کیا جاتا ہے اور کرنا جائز ہے۔ ورنہ اس کا لغوی [illegible] پر ہوتا ہے اس سے رب تعالیٰ پاک ہے ۲ غصہ یعنی کسی برے کام پر [illegible] کا [illegible] یہاں غَضْبَانَ کا معنی غضب و غصہ ہے یعنی مجرموں پر غضب۔ [illegible] پر غصہ [illegible]

غضب وغصہ کا وہ اثر جو شدت کی صورت میں جسم پر ظاہر ہوتا ہے۔ جیسے ہنسنے۔ رونے کا اثر بھی جسم پر آتا ہے ۳ تاسّف۔ یعنی اپنے غلط کام پر رنج وملال افسوس ہونا ۵ حزن۔ اپنی یا پرائی کسی کی بھی غلطی پر اندرونی غم ہونا۔ موسیٰ علیہ السلام پر اس وقت یہ پانچوں کیفیات طاری تھیں۔ ان تمام کیفیات کے ساتھ جب آپ قوم میں پہنچے تو آپ نے چار کام کیے اَوّلاً۔ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ۔ بیخودی اور انتہائی غضب کی مجذوبانہ حالت میں آپ نے کلامِ الٰہی کی ان تختیوں کو زمین پر زور سے ڈال دیا (پھینک دیا) ثانیاً وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ (از اعراف آیت ۱۵۰) یعنی سب سے پہلے گھر کی خبر لیتے ہوئے اپنے خلیفہ حضرت ہارون کی داڑھی اور سر کے بال پکڑ کر جھنجھوڑا۔ یہ بھی اسی انتہائی جذباتی غصہ کی بنا پر کیا اور ہارون علیہ السلام کا جواب۔ ثالثاً پھر آپ نے قوم کو جھڑک کا خطاب فرمایا اور قوم نے جواباً کچھ عرض کیا رابعاً۔ پھر آپ نے سامری کو مخاطب کر کے سرزنش کرتے ہوئے بازپرس کی اُس نے جو عرض کیا پھر آپ نے اس کو آخری وعید سنائی۔ یہ آپ کا غضب غصہ اور غیظ تھا۔ پھر رب تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ۔ یہ آپ کا اَسَفًا تھا۔ پھر چند دن بعد آپ نے بہتر ۷۲ بزرگ ومتقی اسرائیلی لوگوں کو قوم کی توبہ کے لیے چنا ہر قبیلے کے چار فرد۔ اور فرمایا کہ مرتدین پر اللہ تعالیٰ کا غضب ضرور نازل ہوگا دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذابِ جہنم سے (اعراف آیت ۱۵۲) یہ آپ کا حزن ہے۔ قوم سے فرمایا۔ اے میری قوم کیا تم سے تمہارے ربِّ کریم نے حَسَنًا وعدے نہیں کیے تھے؟ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ اور یہ وعدے ابھی چند دن پیشتر تم کو بتا سمجھا دیئے گئے تھے میں انہی وعدوں کے لیے طور پر گیا تھا۔ میرے جانے کو ابھی تو زیادہ عرصہ بھی نہ ہوا تھا یہ تھوڑی سی مدت بھی تم پر ایسی بھاری ہو گئی ابھی تو تمہاری فرعونی نجات کو بھی زیادہ دن نہیں گزرے اور تم اپنے رحیم کریم مولیٰ تعالیٰ سے پھر گئے یہ کفریہ حرکت تم نے کیوں کی کیا کسی کے ورغلانے سے بھول کر بیس دن کو چالیس بنا کر مخالفت کی یا جان کر کی۔ یا تم نے یہ کفریہ حرکتیں۔ لَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ کی ربانی وعید شدید کو یاد رکھتے ہوئے کیں۔ گویا تم نے اپنی مرضی اور ارادے سے چاہا کہ تم پر عذابِ غضب نازل ہو جائے تمہارے ان کفریہ کاموں کی دیدہ دلیری سے یہی اشارہ ملتا ہے کہ تم کو رب کے غضب کا کچھ خوف نہیں رہا بے شک نازل ہوتا ہے تو ہو جائے۔ خیال رہے کہ غضب ربانی صفتِ فعل ہے نہ کہ صفتِ ذات اس لیے کہ کسی پر ذاتِ باری کا نزول محال ہے صفت کا نزول ممکن ہے اسی لیے فَيَحِلَّ۔ فرمایا گیا۔ یعنی تم بتاؤ کہ تم نے کفر یہ شرکیہ کام میرے ساتھ کیے ہوئے

وعدے کی مخالفت بھول کر کی ہے یا عمداً کی ہے ورنہ یہ بات سمجھ سے دور ہے کہ اتنی جلدی کوئی شخص اتنے واضح اور بہترین صفت کے نفع بخش مطلوبہ وعدوں کو بھول سکتا ہے غلبی جلدی فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِیْ تم نے میرے ساتھ کئے ہوئے وعدے کی مخالفت کی خیال رہے کہ رب تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے تیرہ ۱۳ وعدے فرمائے تھے اور بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے چار وعدے کئے تھے۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے تین وعدے فرمائے تھے۔ رب تعالیٰ کے وعدے ۱ کتاب دی جائیگی جس میں ۲ قانونِ دینی ہوگا ۳ رحمت ۴ برکت ۵ فضیلت ۶ عملِ صالحہ کی توفیق ۷ ہدایت کا نور ۸ اگر تم سرکشی نہ کرو بلکہ توبہ ایمان عبادت پر تاعمر قائم رہ کر مروگے تو اِنِّیْ لَغَفَّارٌ کا وعدہ ۹ جنت کی عطا جہنم سے بچانے کا وعدہ ۱۰ دنیا میں مصر کی حکومت ۱۱ ہر جگہ فتح و نصرت کا وعدہ ۱۲ بذریعہ موسیٰ علیہ السلام کلامِ الٰہی سننے کا وعدہ ۱۳ فرعونی محلات و خزانے کے ملنے کا وعدہ۔ ان ہی وعدوں کو حَسَنًا فرمایا گیا۔ حَسَنًا وعدہ وہ ہوتا ہے جو کرنے والے کے اختیار سے یقینی پکا سچا صادق ہو۔ اور جس کے لیے کیا جائے اس کے لیے دین دنیا میں مفید اور نفع بخش ہو۔ اسی کو میثاق کہتے ہیں اگر ایک طرف مفید ہو تو اُس کو عہد کہتے ہیں۔ قوم کے چار وعدے یہ ہیں ۱ میرے بعد ہر بات میں میرے نائب حضرت ہرون کی اتباع کرنی ہے ۲ عبادتِ الٰہیہ ذکر اذکار وظائف جاری رکھنے ہیں ۳ دین پر ہر حالت میں قائم رہنا ہے بدتمیزی سرکشی شرک کفر نہ کرنا ۴ بجز ہارون علیہ السلام کے کسی کی بات نہیں ماننی۔ قوم نے سب کو پورا کرنے کا سر جھکا کر عہد و اقرار کیا۔ موسیٰ علیہ السلام کے تین وعدے ۱ فرعون سے تم کو نجات ملے گی۔ ۲ دریا کی غرقابی سے بھی تم کو بچایا جائے گا ۳ میں تقریباً ایک ماہ بعد واپس آؤں گا۔ ایک قول ہے کہ۔ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِیْ کا معنیٰ ہے کبھی تم نے میرے کسی وعدے کا خلاف پایا ہے کہ میں نے وعدہ کیا ہو مگر وہ پورا نہ ہوا ہو میں نے تو جو وعدہ بھی کیا وہ پورا ہوا۔ مگر یہ قول یہاں درست نہیں اس لیے اگلے جوابی قول قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا (الخ) کے خلاف ہے

فائدے ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوتے پہلا فائدہ۔ جو کام بھی خالصتاً اللہ کے لیے کیا جائے وہ اچھا مفید اور کارِ ثواب ہی ہوتا ہے اگرچہ ظاہراً کسی کو کبھی برا یا معیوب ہی نظر آتا ہے۔ لہٰذا کسی مسلمان کو کسی وقت کسی مُلک کسی علاقے میں اللہ تعالیٰ کے کسی کام میں شرم جھجک یا عار محسوس نہ کرنی چاہیے۔ یہ فائدہ غَضْبَانَ اَسِفًا

سے حاصل ہوا۔ دیکھو انتہا سے زیادہ جذباتی اور غضب ناک ہونا عام طور پر برا سمجھا جاتا ہے اور دنیوی لحاظ وافعال میں شرعاً منع بھی ہے مگر موسیٰ علیہ السلام کو قوم کی اس شرکیہ حرکت پر اس قدر غضب آیا کہ آپ پر جذباتی کیفیت طاری ہو گئی اور تن بدن کا ہوش نہ رہا یہاں تک کہ کلامِ الٰہی کی تختیاں بھی اسی جذباتی حالت میں زمین پر پٹخ دیں مگر چونکہ یہ سب غصہ و غضب محض اللہ تعالیٰ کے لیے تھا اس لیے اس حالت کا کوئی کام برا نہ ہوا بلکہ اس جذبے پر آپ کو ثواب ملا۔ جو مسلمان غیر مسلم ماحول میں آذان و نماز اور ٹوپی پہننے سے جھجکتے شرم کرتے ہیں ان کو عبرت پکڑنی چاہیئے۔

دوسرا فائدہ۔ جس طرح کفر شرک گناہ اور گمراہ کرنے کی نسبت برے انسان کی طرف کرنا جائز ہے اسی طرح نیکی ایمان اور ہدایت دینے کی نسبت انبیاءِ کرام علیہم السلام اولیاءِ عظام علماءِ اسلام مشائخِ انام کی طرف کرنا جائز ہے۔ یہ فائدہ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِیُّ فرمانے سے حاصل ہوا کہ اگرچہ ہر نیک و بد ہدایت و ضلالت کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے مگر گمراہ کرنے کی نسبت سامری زرگر جادوگر کی طرف کی گئی کہ وہ گمراہی کا سبب بنا۔ اسی طرح یہ بھی کہنا جائز و درست ہے کہ اولیاء اللہ مرشدِ برحق ہدایت، ایمان، عرفان دیتے ہیں اور ہر امتی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہ۔

تم نے ایمان دیا تم نے ہمیں قرآن دیا تم سے عزت بھی ملی تم نے ہی رحمٰن دیا

تیسرا فائدہ۔ جہاں جس علاقہ میں اللہ تعالیٰ کے نیک پاک اور برگزیدہ لوگ رہتے ہوں وہ جب تک وہاں رہیں اس وقت تک اس بستی میں کوئی فتنہ مصیبت گمراہی نہیں آسکتی نہ دینی نہ دنیوی۔ ہاں البتہ اگر وہ نیک ہستی کہیں چلی جائے یا جدا ہو جائے یا وہ لوگ اس ہستی و پاک کو ذہناً قلباً جسماً ظاہراً یا باطناً چھوڑ دیں تب وہاں دینی فتنے بھی آجاتے ہیں اور دنیوی بھی یہ فائدہ قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔ اس لیے مسلمانوں کو چاہیئے کہ مرتے دم تک انبیاء علیہم السلام اولیاء اللہ کے قدموں سے لگے رہیں اور ذہناً قلباً عقیدۃً اہل بیتِ پاک مولیٰ علی اور صحابہ کرام قرآن و حدیث سے جڑے رہیں۔ جسماً قربت و نسبت ان کی محفل مجلس اور ان کی پاکیزہ تصنیفات اور کتابیں ہیں۔ ذہنی قربت ان کی عقیدت ہے قلبی قربت ان کی بیعت اور سلسلے سے جڑنا ہے۔ خوش قسمتی سے اگر جسمی قربت نصیب ہو تب تو فتنے آتے ہی نہیں لیکن اگر جسماً جدائی ہو مگر ذہنی یا قلبی قربت ہو تو اگر فتنے اور گمراہیاں آبھی جائیں تب بھی عقیدت مند مخلصین کو بچا لیا جاتا ہے۔ دیکھو موسیٰ

علیہ السلام جسماً کچھ دنوں کے لیے بنی اسرائیل سے جدا ہوئے تب فتنہ آیا اور جو بنی اسرائیل قلباً ذہناً وعقیدتاً بھی موسیٰ علیہ السلام سے جدا ہو گئے وہ فتنے میں مبتلا و ملوث ہو کر دین دنیا میں برباد ہو گئے لیکن بارہ ہزار بنی اسرائیل کو ذہنی قلبی قربت موسیٰ علیہ السلام حاصل رہی وہ ابتلا و گمراہی سے محفوظ رہے اور بچا لیے گئے۔

احکام القرآن ان آیت پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ اللہ تعالیٰ کی ہر چیز کا انتہائی ادب احترام کرنا کرانا ہر انسان جن و ملک پر فرض یہاں تک کہ انبیاء کرام علیہم السلام پر بھی فرض ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے اسماء پاک آیت قرآنیہ الفاظ احادیث۔ کلام اللہ کی کتابیں سپارے قاعدے ان سب کا ادب احترام ہر مسلمان پر اشد فرض ہے اس کو زمین پر ڈالنا پھینکنا۔ یا جوتوں پر رکھنا یا لکھنا سخت ترین ہر ایک پر حرام ہے۔ اگرچہ جوتہ نیا ہو یا کسی جوتی کا نقشہ ہو کسی بھی معزز و محترم شخص کی نعلین ہو وہ شخصیت اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے زیادہ معزز نہیں ہو سکتی۔ نیز جو چیز قرآن مجید رکھنے کے لیے بنائی گئی ہو مثلاً رحل۔ تپائی چھوٹی میز اُس پر کسی بھی حالت میں کسی بھی شخص کو پاؤں رکھنا جائز نہیں اور جو چیز پاؤں رکھنے کے لیے بنائی گئی ہو یا جس پر ایک دو بار قدم رکھے گئے ہوں اُس پر قرآن پاک حدیث پاک رکھنا ہرگز ہرگز جائز نہیں یہ مسئلہ فقہاء احناف۔ غَضْبَانَ اَسِفًا کی تفصیلی تفسیر سے مستنبط فرماتے ہیں اس کی تفصیل سورۃ اعراف آیت ۱۵۰ تا ۱۵۳ میں اس طرح ہے کہ پہلے فرمایا۔ وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا پھر فرمایا گیا۔ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ۔ پھر فرمایا گیا۔ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ۔ یہی واقعہ یہاں سورۃ طٰہٰ میں اجمالاً ہے فرمایا یہ جا رہا ہے کہ حضرت موسیٰ نے توریت شریف کی مقدس تختیاں بیخودی کی مجذوبانہ حالت میں پھینکی تھیں وَلَمَّا سَكَتَ۔ اور جب یہ بے خودی کی غصہ ورانہ غضب ناک حالت ختم ہوئی تو اپنی اِس خطا کا احساس فرماتے ہوئے فوراً ایک دم وہ تختیاں اٹھالیں اور بہت ادب فرمایا۔ آج کل پاکستان میں بعض حمقا لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین شریفین کا نقشہ چھاپتے ہیں اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام پاک اور بسم اللہ شریف لکھتے ہیں۔ یہ حرام اور گناہ عظیم بے ادبی گستاخی ہے اللہ تعالیٰ ہی ان شیطانی حرکتوں سے بچاتے ہدایت دینے والا ہے اور حماقت کی حد یہ ہے کہ بعض ان پڑھ مرتبین نے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کے فتاویٰ رضویہ میں اس کا جواز گھسیڑ دیا ہے

یہ بدترین تخریب کاری اور خیانتِ مذموم ہے۔ بیخودی کی حرکات و افعال کا حکم باخودی کی حالت پر نہیں لگایا جا سکتا بیخودی میں جن کاموں پر معافی مل جاتی ہے باخودی میں ان پر ضرور سزا ملے گی اسی طرح بعض شیعہ کا یہ کہنا کہ امام حسین بچے بچپن میں قرآن مجید پر پیر رکھ کر کھڑے ہو گئے تھے اور نبی کریم نے یہ کہہ کر جائز قرار دیا تھا کہ قرآن پر قرآن چڑھا ہے۔ یہ بات سراسر کذب بیانی ہے ان پر ضرور سزا ملے گی دیکھو اعلیٰ حضرت بریلوی سجدۂ تعظیمی کو حرام فرماتے ہیں آپ نے مستقل ایک رسالہ اس کی حرمت پر تصنیف فرمایا۔ مگر بیخودی والے مجذوب و مجنوں لوگوں کے لیے آپ کا نظیہ ارشاد ہے کہ۔

بیخودی میں سجدۂ در یا طواف ؛ جو کیا اچھا کیا پھر تجھ کو کیا

اِس فرق کو شریعت نے بھی ملحوظ رکھا ہے۔ دوسرا مسئلہ شرک کی بہت سی قسمیں ہیں اور دنیا بھر کے کفار مختلف قسم کے شرک میں مبتلا ہیں یہ بھی شرکِ جلی اور کفرِ عظیم ہے کہ رب تعالیٰ کو رب مان کر پھر کسی چیز یا کسی شخص میں ربانی قوتیں قدرتیں تسلیم کی جائیں یا یہ کہا جائے کہ فلاں میں رب بولتا ہے۔ رب اس میں حلول کر گیا ہے یہ سخت بدعقیدگی اور بت پرستی ہے۔ یہ مسئلہ اَلَمۡ یَعِدۡكُمۡ رَبُّكُمۡ وَعۡدًا حَسَنًا سے مستنبط ہوا کہ دیکھو بنی اسرائیل کو سامری نے مرتد کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت و الوہیت کا منکر نہ بنایا تھا نہ خود منکر تھا بلکہ اُس نے یہی عقیدہ بنایا پھیلایا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس بچھڑے میں سما گیا ہے حلول کر گیا ہے۔ اللہ ربِّ اکبر ہے یہ بچھڑا ربِّ اصغر ہے۔ موسیٰ علیہ السلام سے اَلَمۡ یَعِدۡكُمۡ رَبُّكُمۡ سن کر انکار نہ کیا تھا آج بہت سے سجدہ کرانے والے گمراہ پیر اپنے مریدوں کے ذہن میں یہی بات ڈالتے ہیں کہ رب ہمارے اندر سما گیا ہے اس لیے ہمیں تعظیمی سجدہ کرو (معاذ اللہ) یہی عقیدہ شیعوں کا حضرت علی کے متعلق ہے اللہ ہم سب مسلمانوں کو اس بدعقیدگی سے بچائے رکھے اور اُن کو ہدایت دے۔ تیسرا مسئلہ۔ بعض صوفیا نے لکھا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے اُس سے اُن کی مراد انبیاءِ کرام علیہم السلام کی اپنی ولایت قرب ہے یعنی ان کی اپنی ولایت جو ان کو بارگاہِ قرب میں حاصل ہے وہ ان کی اپنی نبوت سے افضل ہے اس لیے کہ ہر نبی کو بارگاہِ الٰہی سے تین مقام عطا ہوئے ہیں ۱ مقامِ نبوت ۲ مقامِ رسالت ۳ مقامِ ولایت۔ مقامِ ولایت کا معنیٰ ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا متوجہ اِلَی اللہ۔ استغراق فی اللہ تعلق باللہ ہونا۔ مقامِ نبوت سے مراد ہے تعلق بالامت کہ اللہ سے لے کر بندوں کو دینا اللہ تعالیٰ

کی غیب کی خبریں بندوں کو سنانا جنت دوزخ عذاب ثواب بتانا۔ اور مقامِ رسالت سے مراد ہے۔ نبی کو شریعت اور کتاب کلام کاملنا حضرت مجدد الفِ ثانی نے فرمایا کہ شرعاً نبوت کا مقام ولایت سے کروڑوں درجہ بلند ہے حضرت مولیٰ علیؓ جیسے سرکارِ ولایت صحابی بھی حضرت خضر علیہ السّلام صاحبِ طریقت نبی کے درجہ و مقام تک نہیں پہنچ سکتے۔ دونوں اقوال کی مطابقت اس طرح ہے کہ قولِ صوفیا میں نبی کی ولایت مراد ہے اور قولِ مجدد علیہ الرحمۃ میں غیر نبی کی ولایت مراد ہے حضرت مجددؒ کی دلیل یہ ہے کہ ولایت نام ہے تجلیاتِ صفاتیہ سے قربِ روحانی اور نبوت نام ہے تجلیاتِ ذاتیہ سے قُربِ روحانی ولی کتنا بھی بڑا مقام پائے مگر اُس کا عروج صفاتِ الٰہیہ تک ہوگا نہ کہ ذاتِ الٰہیہ تک خواہ خلفاءِ اربعہ ہوں یا غوثِ پاک جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین لیکن انبیاءِ کرام کا عروجِ روحانی ذاتِ الٰہی تک ہوتا ہے اور سردارِ انبیاء کا عروجِ جسمانی ذاتِ الٰہی تک ہوتا ہے اس لیے طور پر لَنْ تَرَانِی ہوا۔ لامکان پر مَنْ رَاٰنِی ہوا۔ طور پر تجلّیِ صفت ڈالی گئی تو طور پھٹ کر ٹکڑے ہوا مگر موسیٰ صرف بیہوش ہوئے آپ کا کپڑا بھی نہ پھٹا۔ لہٰذا بعض تفضیلی شیعہ بنا وٹی سنی مقررین کا یہ کہنا کہ مولیٰ علیؓ پیر ہیں خضر علیہ السّلام کے یہ اُنکا اپنا ذاتی گمراہانہ قول ہے شریعت طریقت اور سنیت سے اس کا کوئی تعلق نہیں یہ مسئلہ مِنْ بَعْدِكَ سے مستنبط ہوا کہ یہاں نبوتِ موسیٰ کا ذکر ہے اور پہلے عَجِلْتُ اِلَيْكَ میں ولایتِ موسیٰ کا ذکر ہوا علیہ الصّلوٰۃ والسّلام۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں پہلا اعتراض۔ یہاں پہلے فرمایا گیا اِنَّا قَدْ فَتَنَّا۔ ہم نے فتنے میں ڈال دیا۔ پھر فرمایا گیا اَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ سامری نے قوم کو گمراہ کیا۔ فتنے کی نسبت رب کی طرف اور گمراہی کی نسبت سامری کی طرف کیوں کی گئی؟ جواب۔ اس لیے کہ فتنے کی نسبت اِظہارِ مُسَبِّب ہے اور گمراہی کی نسبت اظہارِ اسباب ہے یعنی قوم کے گمراہ ہونے کے مسببات اللہ تعالیٰ کا ارادہ اُس کی قدرت اور بچھڑے کی تخلیق ہے۔ افعالِ الٰہی (تقدیر و تخلیق) مسبّب تھے اور گمراہی کی نسبت اظہارِ اسباب سامری نے اپنی تدبیر تصنیع اور تقریر سے ورغلا کر حیلے کئے سامری نے بچھڑے کا بے جان دھڑ بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں جان ڈال کر جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ بنا دیا۔ لہٰذا آزمائش رب تعالیٰ کی طرف سے اور گمراہی سامری کی طرف ہے۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں قَدْ فَتَنَّا کا ذکر پہلے فرمایا گیا اور اَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ کا ذکر بعد میں فرمایا گیا حالانکہ اَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ سبب ہے اور

قَدْ فَتَنَّا مسبّب اور ہمیشہ سبب پہلے ہوتا ہے مسبّب بعد میں تو الٹ کیوں فرمایا گیا۔ پہلے سامری
کی تدبیر تصنیع اور تقریر ہوئی بعد میں قوم آزمائش میں پڑی کہ بات مانیں یا نہ مانیں جواب۔ قَدْ فَتَنَّا
کا پہلے ذکر کرنا اور وجوہ کے علاوہ ایک یہ وجہ بھی ہے کہ یہاں اشارۃً بتایا جا رہا ہے کہ یہ آزمائش
ازلی قدیمی فیصلے کے مطابق ہے۔ اس فیصلے کا ظہور اب سامری کے ذریعے اس کی کارکردگی کو
نفوذِ تقدیر کا سبب بنا کر ہو رہا ہے۔ گویا لفظًا ظاہرًا مسبّب اور سبب کو بیان کیا جا رہا ہے مگر
باطنًا اشارۃً کنایۃً ازلی قدیمی تقدیری فیصلہ بتایا جا رہا ہے۔ اس لیے قَدْ فَتَنَّا کو پہلے فرمانا بہت مناسب
ہے۔ یہ اَضَلَّ فیصلے کے تحت ہے اس لیے اس کے بعد میں تخلیق ہوئی۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا
گیا وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِیُّ۔ سامری نے گمراہ کیا جس سے ثابت ہوا کہ برائی کا خالق خود بندہ ہے اللہ تعالیٰ
برائی کا خالق نہیں ورنہ اَضَلَّ کہنا غلط ہو جائے گا۔ سامری اس گمراہی کا خالق تھا اور اس کی اس خلقت
کا اثر بھی ہوا کہ قوم گمراہ ہو گئی اور قَدْ فَتَنَّا کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کھرے کھوٹے کو ممتاز اور
علیحدہ کر دیا جیسے کہ سونے کو گلا پگھلا کر گندگی سے صاف کیا جاتا ہے۔ نیز حضرت موسیٰ بھی سامری
ہی کی گرفت کرتے عتاب فرماتے اور وعید سناتے ہیں اور قوم کو جھڑکتے ہوئے سزا سناتے
ہیں کہ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (بقرہ آیت ۵۴) کیونکہ قوم سخت ترین مکلف تھی۔ اس بات کی کہ سامری
سے بچھڑے کی الوہیت پر دلیل طلب کرتی مگر نہ طلب کی اور اندھا بن کر کافر کی اتباع کر لی اگر
اس گمراہی کا خالق رب ہوتا تو نہ گرفت ہوتی نہ وعید نہ سزا۔ بھلا جس چیز کو رب نے پیدا کیا
ہے اس پر وعید غضب کیسے ہو سکتی ہے (معتزلی) **جواب**۔ اس کے تین جواب ہیں دو الزامی
ایک تحقیقی ۱۔ بقول تمہارے ہر بندہ اپنے گناہ کا خالق ہے تو پھر اکیلا سامری ہی خالق نہ ہوا
ہر اسرائیلی اپنی گمراہی کا خود خالق ہوا۔ تو پھر اَضَلَّ فقط سامری کو کیوں کہا گیا۔ دوم الزامی یہ کہ
پھر تو اللہ تعالیٰ نیکی کا خالق بھی نہ رہا۔ اس لیے کہ نیکی کرنے کی نسبت بھی بندے کی طرف کی گئی ہے
ہر جگہ مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فرمایا جاتا ہے۔ یہاں غضب کی وعید ہے تو وہاں ثواب کا وعدہ
ہوتا ہے۔ اگر یہاں برائی کا خالق اس وعید کی وجہ سے بندہ بن گیا تو وہاں وعدے کی وجہ سے بندے کو
ہی نیکی کا خالق کہنا چاہیے تو جو تم وہاں جواب دو گے وہی جواب یہاں بن جائے گا۔ تحقیقی جواب
یہ ہے کہ وعدہ وعید خلقت پر نہیں ہوتی بلکہ کسب پر ہوتی ہے بندہ اپنی نیکی بدی کا صرف
کاسب ہے خالق نہیں خالق سب کا اللہ تعالیٰ ہے۔ سامری گمراہ کرنے کا اور قوم گمراہ ہونے
کی کاسب ہے۔ اس لیے وعید ہوئی رہا مکلف ہونا اور دلیل مانگنا تو یہ غلط ہے کوئی بندہ

دلیل مانگنے کا کبھی بھی مکلف نہ ہوا۔ یہ وعید سب کفر پر نہ تھی اسی لیے جو اسرائیلی اس شرک سے بچے
رہے اُن پر وعید نہیں آئی ورنہ دلیل تو انہوں نے بھی سامری سے نہیں مانگی نیز یہ بچھڑے کی
پرستش چاند سورج کی پرستش سے کوئی زیادہ شدید شرک نہیں تھا کہ چاند سورج کے پجاریوں
کو اس دلیل مانگنے سے مستثنیٰ کر دیا جائے اور ان کو مکلفِ استدلال نہ سمجھا جائے صرف ان
کو سمجھ لیا جائے ثابت ہوا کہ یہ وعید کسبِ شرک پر ہے نہ کہ خلقِ کفر پر۔ اسی طرح تمام
کفریات شرکیات کا حکم ہے کہ ہر نیکی بدی کا خالق اللہ ہے پھر یہاں تو اَضَلَّ سے تم نے
دلیل پکڑی کہ گمراہی کا خالق سامری ہوا مگر مَنْ یُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ میں ضلالت کا کون
خالق ہوا!

تفسیر صوفیانہ

وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى۔ مقامِ معرفت میں طورِ تجلیات
پر پہنچنے کے لیے تین منزلیں ہیں پہلی منزل ثباتِ ایمان کی دوسری
تقرر علی الحق بالیقین کی تیسری منزلِ مراقبۂ خلوت کی ہر سالک مرید کو اس کی پابندی اشد
ضروری ہے کسی صورت بھی عجلت نہ کرنی چاہیئے۔ شکر کے روزے فکر کے اعتکاف ذکر کی
شب بیداری یہ طالبِ قرب کے اسباق ہیں اگر کوئی عجلت کرتا ہے تو قلب پر الہامِ اسرار
کا عتابِ محبوبانہ نازل ہوتا ہے کہ وَمَآ اَعْجَلَكَ۔ اے موسیٰ قلب منازلِ قرب کی سیاحت
میں کس چیز نے تجھ کو اعضاءِ ظاہری سے بے توجہ ہو نیکی جلدی میں ڈالدیا۔ اور فراقِ باطنی پہ
مجبور کیا کہ نہ ابھی ان کو ثباتِ ایمانی کی پختگی حاصل ہوئی نہ تقرر علی الحق کا یقین اعمال نصیب
ہوا نہ مراقبۂ خلوت میں جھکایا۔ تمام منزلوں محنتوں لطافتوں رفاقتوں کو چھوڑ کر تو تصورِ طورِ قرب
کی طرف آگیا۔ فکر کے قدموں کو اتنا تیز کیوں چلایا۔ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ
رَبِّ لِتَرْضٰى۔ قلبِ مسعود ملہمی بارگاہ ہو کر عرض کرتا ہے کہ اے میرے رب یہ اعضاءِ ظاہری اور
اُن کے اعمالِ کسبی تو وادیِ بدنی میں میرے نشانِ قدم پر سیرانی میں قریب آتے ہیں۔ اس سے ان کی مجھ
کو فکر نہ تھی۔ فکرِ تصور تو مجھ کو انتہاءِ شوقِ مشاہدۂ انوار کا ہے۔ مشاہدے کے لیے قرب اور
قرب کے لیے مقامِ سیر اور سیر الی اللہ کے لیے تکمیلِ مسافرت میں جلدی کا تقاضہ ہوتا ہے
اے میرے رب یہی میری فکر یا نفس نے تقاضہ کیا۔ اس لیے کہ تکمیل میں معرفتِ یقینیہ سے اور
کمالِ علمی کا وصول اطاعت میں ثابت قدمی سے ہے اور امورِ رضاءِ محبوب ترقیِ حال کو مستلزم
ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ جب بندہ متابعۃ فی الدین میں دائم ہو تو اگرچہ یقینِ قبولیت میں غلطی

بھی ہو جائے اور عقل و فکر کی بنیاد پر معاملاتِ فلاح ظاہر نہ بھی ہوں تب بھی بندۂ طلب معذور اور قابلِ معافی ہو جاتا ہے۔ مقامِ رضا کی طلب فنا فی الصفات کا کمال ہے۔ یہی وہ تجلیِ صفت کا مقام ہے جہاں مکالمۂ ربانی کا شرف میسّر ہوتا ہے۔ اس لیے عارف و عاشق اِس مقام سے دوری برداشت نہیں کر سکتے اور جلدی کرتے ہوئے تن مَن دھن سے دور اور بے پرواہ ہو جاتے ہیں۔ شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی مگر یہ شرعی پابندی ان کی ہمتِ شوق سے باہر ہے اور وہ مجذوب کا صُوتِی بن جاتا ہے۔ عارف کی تکمیلِ معرفت زینۂ جسمانی سے طورِ روحانی کی طرف تین قدم بڑھاتا ہے۔ پہلا قدم سیر لِلّٰہ دوسرا قدم سیر اِلَی اللّٰہ تیسرا قدم سیر فی اللّٰہ پہلے قدم میں کیفیتِ موسٰی کی لیاقت ہونی چاہیئے دوسرے قدم میں رَبِّ لِتَرْضٰی کی شان ہونی چاہیئے کہ کسی ماسِوَا اللّٰہ کی چاہت نہ رہے یہاں تک کہ اپنی بھی چاہ نہ رہے۔ تیسرے قدم میں ایسا متوجّہ اِلَی اللّٰہ ہو کہ غیر اللہ سے کٹ جائے۔ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ۔ فَرَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا۔ حیاتِ دنیوی امتحان گاہِ ابدان ہے عقلِ انسانی کے آٹھ حصّے ہیں۔ (۱) حفظ (۲) فکر (۳) تصوّر (۴) تخیّل (۵) تذکّر (۶) فہم (۷) اِدراک اور (۸) خرد۔ باطنِ انسانی کا سامری خرد ہے۔ یہ ہی اَجسامِ اسرار میں جادو پھیلاتا ہے یہ اِبتلاءِ ربانی ہے کہ کس کی فکرِ بدی کس کے ساتھ لگتی ہے یہ خلاقِ کائنات کی آزمائشیں ہیں۔ گلشنِ بیعقولی کے پھولوں میں سامری کانٹے پیدا کیے جاتے ہیں اور فتنۂ ابلیس میں ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اور ارشاد ہوتا ہے کہ بے شک یہ آزمائش ہماری طرف سے ہے لیکن گمراہی سامریِ خرد کی طرف سے ہے یعنی اِس آزمائش کے خالق ہم ہیں فاعل خِرد ہے اور مفعول قومِ قلب تو جو شخص کمالات کو قبول کرنے کی قوت ہمت لیاقت و استعداد رکھتا ہے اور باطل کے مقابل قیامِ شعور کا میں کھڑا رہتا ہے وہ فلاح پا لیتا ہے اور جو قاصرِ ہمّت طبیعت کا بزدلِ باطل کے سامنے سجدہ ریز اور معتکفِ اَشرار ہو جاتا ہے وہ ہلاکت کی ناکامی میں پڑ جاتا ہے یہ وہ فتنہ ہے کہ خِردِ عقل اس کو نہیں سمجھ سکتی صِرف حسِّ ایمانی ہی اس کا اِدراک کر سکتی ہے (ابن عربی)۔

انبیا علیہم السّلام اور اُن کے متبعین کے ساتھ ایسی ابتلائیں ہوتی ہی رہی ہیں۔ حدیث پاک میں ہے اِنَّ اَلْبَلَاءَ مُوَكَّلٌ بِالْاَنْبِيَاءِ اَلْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ۔ بلاءِ فتنہ صادقین و سالکین کے ساتھ ایسا ہے جیسے بھٹی کی آگ سونے کے لیے ہمت اگر اپنے نبی علیہ السّلام سے مفرورق

ہو تو فتنے سے مقرون ہوگی اور اگر نبی علیہ السلام سے مقرون رہے تو فتنے سے مفروق رہے گی مِنۡۢ بَعۡدِكَ ہی فتنہ ہے۔ اُمت کو بچنا چاہیئے آستانہ نبوت سے دوری اُمت کی ہلاکت ہے انبیاء علیہم السلام کے نقش قدم پر پیر کامل ہے۔ اسی طرح پیر کے ہوتے سے مرید ابتلاء فتنہ سے مفروق اور جدا ہے لیکن پیر سے ہٹ جانا فتنوں سے مقرون ہونا ہے جس طرح مسافر بیابانی اپنے ساتھیوں سے جدا ہو کر چوروں ڈاکوؤں یا غولِ بیاباتی سے ہلاک ہو جاتا ہے اور بکری ریوڑ سے نکل کر کسی بھیڑیے کا شکار ہو جاتی ہے ؎

قطع ایں مرحلہ بے ھمرہی خضر مکن ظلمات است بترس از خطر گمراہی (حافظ شیرازی)

أَفَطَالَ عَلَيۡكُمُ ٱلۡعَهۡدُ أَمۡ أَرَدتُّمۡ أَن يَحِلَّ عَلَيۡكُمۡ غَضَبٌ مِّن رَّبِّكُمۡ فَأَخۡلَفۡتُم مَّوۡعِدِي ۔ اے بد باطنین طبع شیطانی کیا تم پر عہدِ میثاق بھاری ہو گیا تھا یا تم نے حماقتِ طبعی سے غضب کا قصد بدبختی سے ارادہ کر کے میرے وعدۂ قالوا بلیٰ کی مخالفت چاہی سفر میں بہت سی تکالیفِ نفسانی مصائبِ شیطانی اور حوادثِ طغیانی پیش آتے ہیں جن پر علم و معرفت کے ذریعے قابو پانا کمزور دلوں کے بس کی بات نہیں کیونکہ خود عیار کا سامری پروادیِ سلوک میں بندۂ عشق کو ورغلانے کے لیے ہمراہ ہے۔ اس لیے علم کے ذریعے سفر طریقت کی نئی نئی مشکلات پر قابو پانا بہت بڑے طاقتور انسان کا کام ہے اگر اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اس راہِ معرفت کی پریشانیوں اور دنیا کے سنہری بچھڑے کی چمک دمک سے بچائے رکھے اور اپنے وطنِ صدر کی الفت میں ہی اُسے صحبتِ شیخ کی خوش نصیب محفل عطا فرمائے اور پاکیزہ صحبت مہیا فرمائے جس کے وسیلے سے روحانی زندگی حیاتِ طیبہ بن جائے اور سدھر کر طورِ عرفانی کی بلندیوں پر پہنچ جائے تو یہ بہت بڑا احسان ہے مگر اُس کے لیے ابتلاءِ الٰہی میں ثابت قدم رہنا شرط ہے۔ تین چیزوں سے بندے کو ثابت قدمی نصیب ہوتی ہے (۱) اللہ کا خوف خشیت (۲) رزقِ طیبات (۳) قربِ مربی اور اغیار سے اجتناب۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا تو اللہ تعالیٰ اُس کے لیے مصائب سے چھٹکارے کی راہ نکال دے گا اور اُس کو بلا محنت ایسا رزق عطا فرمائے گا جو طیباتِ حقیقی ہو گا اور وہاں سے رزقِ حلال کا نزول ہو گا جہاں سے بندے کا گمان بھی نہ ہو گا۔ یہی راہِ معرفت کا منّ و سلویٰ ہے۔

قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا

مرتدین نے کہا نہیں مخالفت کی ہم نے آپ کی میعاد کی اپنی مرضی سے

بولے ہم نے آپ کا وعدہ اپنے اختیار سے خلاف نہ کیا

وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ

اور لیکن ہم اٹھوائے گئے بھاری بوجھ فرعونی قوم کے زیورات

لیکن ہم سے کچھ بوجھ اٹھوائے گئے اس قوم کے گہنے کے

الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى

کا پس لا ڈھیر کیا ہم نے اُس کو تو اُسی طرح اُنڈیلا

تو ہم نے انہیں ڈال دیا پھر اسی طرح سامری نے

السَّامِرِيُّ ﴿۸۷﴾ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا

سامری نے تو بنا نکالا اُس نے اِن لوگوں کے لیے ایک مجسّم بچھڑا

ڈالا۔ تو اُس نے ان کے لیے ایک بچھڑا نکالا

جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَ

ایسا کہ اُس کی زندہ آواز تھی پھر ان سامریوں نے کہا یہ ہے تم سب کا معبود اور موسیٰ

بے جان کا دھڑ گائے کی طرح بولتا تو بولے یہ ہے تمہارا معبود اور

اِلٰهُ مُوْسٰى ۬ فَنَسِيَ ﴿۸۸﴾ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا

کا معبود حالانکہ وہ بھلا بیٹھے۔ ارے کیا یہ غور نہیں کرتے کہ بچھڑا

موسیٰ کا معبود۔ موسیٰ تو بھول گئے تو کیا نہیں دیکھتے کہ وہ

يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ

تو ان کی طرف کسی بات میں توجہ نہیں کرتا اور نہ وہ اختیار رکھتا ہے ان بچاریوں کے لیے

انہیں کسی بات کا جواب نہیں دیتا اور ان کے کسی

ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿۸۹﴾ وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ

کسی قسم کے نقصان دینے اور نفع دینے کا۔ اور یہاں ھرون کہتے رہے ہیں

برے بھلے کا اختیار نہیں رکھتا۔ اور بے شک ان سے ہارون نے

مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَ

ان کو پہلے سے اے میری قوم تم تو فتنے میں ڈال دیئے گئے ہو اس بچھڑے سے وہ

اس سے پہلے کہا تھا کہ اے میری قوم یونہی ہے کہ تم اس کے سبب فتنے میں پڑے اور

اِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا

بے شک تمہارا رب تو رحمٰن ہے لہٰذا میری مانو اور میری پیروی کرو

تمہارا رب رحمٰن ہے تو میری پیروی کرو اور

اَمْرِيْ ﴿۹۰﴾

کہ حکم کی اطاعت کرو

میرا حکم مانو

تعلقات ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات کریمہ سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیت میں حضرت موسیٰ کا فرمان منقول ہوا کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا تم نے وعدے کی خلاف ورزی کی۔ اب ان آیات میں گمراہ ہونے والوں

قوم کا جواب نقل فرمایا گیا۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں ذکر ہوا کہ مقامِ طور پر رب تعالیٰ نے بتایا کہ سامری نے قوم کو گمراہ کیا۔ اب آیت میں فرمایا گیا کہ قوم نے بھی موسیٰ علیہ السلام کو بتایا کہ ہم کو سامری نے گمراہ کیا۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں حضرت موسیٰ اور قومِ بنی اسرائیل کے کلام کا ذکر ہوا اب آیت میں حضرت ھٰرون علیہ السلام کے کلام کا ذکر ہے جو آپ نے قوم سے خطاب فرمایا۔

تفسیر نحوی

قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ۔ قَالُوْا فعل ماضی مطلق جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ہے۔ قَوْم۔ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا مَآ اَخْلَفْنَا۔ بابِ افعال کا فعل ماضی مطلق جمع متکلم منفی۔ ضمیر متکلم پوشیدہ ہی اس کا فاعل ہے مَوْعِدَكَ۔ یہ مرکبِ اضافی مفعول بہ ہے۔ مَوْعِد اسم مصدر میمی حاصل مصدر جامد ہے بمعنی عہد وَعْدٌ سے بنا ہے بِ جارہ سببیہ بمعنی ذریعے مَلْك۔ اسم مصدر میمی یہاں حاصل مصدر جامد بمعنی اختیار۔ ارادہ۔ اس کی دو قرأتیں اور بھی ہیں ۱ مُلْكِنَا بمعنی اپنے قانون ۲ مِلْكِنَا۔ اپنی قوت اپنی ملکیت یہ مرکبِ اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے۔ مَآ اَخْلَفْنَا سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف وَاوٗ عاطفہ لٰكِنَّ حرفِ مشبہ بالفعل اسم کو نصب اور خبر کو پیش دیتا ہے۔ یہ حرف عاملہ استدراک کے لیے یعنی اپنے ماقبل بات کو غلط کر کے مابعد بات کو ثابت کرتا ہے مابعد کلام ماقبل کلام کی نقیض ہوتی ہے۔ کبھی کبھی یہ حرف ماقبل کی تاکید اور تصحیح بھی کرتا ہے مگر اصلاً اور اکثر استدراک کے لیے ہی ہوتا ہے اس کا اسم اسم ظاہر بھی ضمیر بھی مگر مفرد ہوتا ہے جملہ نہیں ہوتا۔ مرکب ہو سکتا ہے اس کی خبر لفظِ واحد۔ مرکب۔ جملہ فعلیہ اسمیہ۔ سب کچھ ہو سکتی ہے مگر اس کی خبر پر لامِ تاکید یہ نہیں آسکتا۔ یہی حالت تمام حروفِ مشبہ کی ہے نَا ضمیر جمع متکلم منصوب متصل اسم ہے حُمِّلْنَا۔ بابِ تفعیل کا ماضی مطلق مثبت جمع متکلم مجہول ایک قرأت میں معروف ہے حَمْلٌ سے مشتق ہے بمعنی اُٹھانا اس کا مصدر تَحْمِیْلٌ اَوْزَارًا۔ اسم جمع مکسر تکثیری واحد وِزْرٌ ہے بمعنی بوجھ ہر قسم کے اچھے برے دنیوی اُخروی سامان کے لیے مستعمل ہے بحالتِ نصب مفعول بہ ہے نَا ضمیر متصل نائب فاعل ہے مِنْ حرف

جارہ بعضیت کا زِیْنَتِ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ خوب صورت بنانے والی چیز۔ یہ مضاف ہے یہ اضافت ملکیت ہے اَلْقَوْمِ۔ الف لام عہدِ خارجی قوم اسم مفرد معنًا جمع مراد یا قومِ فرعون یا بنی اسرائیل کی عورتیں کیونکہ زیور عموماً عورتوں کا ہی ہوتا ہے یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے۔ فَ سببیہ یا عاطفہ تعقیبیہ قَذَفْنَا۔ بابِ ضَرَبَ کا فعل ماضی مطلق جمع متکلم قَذْفٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ حقیقی یعنی لغوی پھینکنا۔ جھٹک کر ڈالنا۔ اُتار پھینکنا۔ مجازاً تیر پھینکنا۔ اصطلاحی معنیٰ ہے تہمت لگانا اکثر صرف زنا کی تہمت کے لیے بولا جاتا ہے یہاں پہلے (لغوی) معنیٰ میں مستعمل ہے ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب مفعول بہ ہے۔ قَذَفْنَا کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ فَ عاطفہ تعقیبیہ۔ کَذٰلِکَ اسم تشبیہی۔ یہ چار لفظوں کا مجموعہ ہے۔ کَ حرفِ تشبیہ۔ ذَا۔ اسم اشارہ بعید لام تشبیہی ماقبل کے لیے کَ ضمیر حاضر مذکر ہے مشارٌ لہٗ کی نسبت ظاہر کرتا ہے اس لیے حاضر کی تمام ضمیریں اس کے ساتھ آجاتی ہیں مگر غائب اور متکلم کی ضمیر اس کے ساتھ نہیں آسکتی نہ ظاہر اسم۔ اس کو ماقبل سے تشبیہی اشارہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے بمعنیٰ اسی طرح۔ اَلْقٰی۔ بابِ افعال کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب لَقْوٌ سے مشتق ہے اس کا مصدر ہے اِلْقَاءٌ۔ ترجمہ ہے اس نے ڈالا۔ اس نے پھینکا۔ قذف اور لقوٌ دونوں کا معنیٰ پھینکنا ڈالنا ہے مگر فرق یہ ہے کہ بغیر انداز کے بلا مقصد بغیر تعین اندھا دھند کسی چیز کو رکھنا قذف ہے اور انداز سے مناسب جگہ با مقصد رکھنا لقوٌ ہے۔ السَّامِرِیُّ اسم معرّف باللّام اس کا فاعل ہے یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر مشبّہ بہ مشارٌ الیہ۔ کَذٰلِکَ کا دونوں مل کر معطوف علیہ فَ عاطفہ تعقیبیہ۔ اَخْرَجَ بابِ افعال کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب خَرْجٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ نکلنا یہ لازم ہے اس کو متعدی کرنے کے لیے بابِ افعال میں لایا گیا مصدر ہے اِخْرَاجٌ بمعنیٰ نکالنا ضمیر مستتر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع سامری لام جارہ لَھُمْ کا ھُمْ ضمیر کا مرجع قوم عِجْلًا۔ اسم مفرد جامد اس کا مؤنث ہے عِجْلَۃٌ اس کی جمع عُجُوْلٌ گائے کے چھوٹے ایک ماہ تک کے مذکر بچے کو کہا جاتا ہے گائے کا بچہ چونکہ پیدا ہوتے ہی بڑے اُچھل کود شروع کر دیتا ہے اس لیے عَجَلَۃٌ کے معنیٰ میں عجل کہا جاتا ہے جوان بیل کو ثورٌ کہا جاتا ہے اور اس کا جنسی نام بَقَرٌ اور بَقَرَۃٌ ہے یہ ممیّز ہے جَسَدًا۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ جسم ڈھانچہ (باڈی) تمییز ہے۔ ممیّز تمییز مل کر موصوف ہے۔ لَہٗ۔ جار مجرور متعلق ثَابِتٌ پوشیدہ اسم فاعل خُوَارٌ اسم مفرد جامد بچھڑے کی آواز کو کہتے ہیں فاعل ہے ثابتٌ پوشیدہ سب سے مل کر جملہ اسمیہ صفت ہے۔ ایک قول میں عِجْلًا جَسَدًا ذوالحال

اور کہ خُوَارٌ کا جملہ اسمیہ اس کا حال ہے بہر کیف سب مل کر مفعول بہ ہے اَخْرَجَ کا وہ سب جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ۔ فَ عاطفہ تعقیبیہ۔ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِىَ۔ قَالُوْا باب نَصَرَ کا ماضی جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ہے سامری اور اس کے چند شاگرد یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ هٰذَا اسم اشارہ مبتدا۔ اِلٰهُكُمْ مرکب اضافی معطوف علیہ واؤ عاطفہ اِلٰهُ مُوْسٰى مرکب اضافی معطوف صرف لفظ مُوْسٰى ذوالحال فَ زائدہ بیانیہ نَسِىَ باب سَمِعَ کا فعل ماضی مطلق واحد مذکر غائب ھُوَ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع مُوْسٰى یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر حال یہ دونوں مل کر مضاف الیہ اِلٰهُ کا پھر معطوف دونوں عطف مل کر خبر مشار الیہ مبتدا خبر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ ہوا دونوں مل کر معطوف ہوا اَخْرَجَ پر دونوں عطف مل کر پھر عطف ہوا اَلْقَى پر وہ دونوں عطف مشتبہ ہوا كَذٰلِكَ کا یہ اپنے مشار الیہ مشتبہ سے مل کر عطف ہے قَذَفْنَا کے جملے پر یہ عطف ہوا یا مسبب ہوا اَلْقَيْنَا پر یہ دونوں مل کر اس قدر اکی عطف ہوا مَآ اَخْلَفْنَا کے جملے پر پھر مقولہ ہوا قَالُوْا کا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِىْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِىْ

ہمزہ سوالیہ اقراریہ۔ یعنی اگلے کلام میں بتایا جا رہا ہے کہ سب کچھ دیکھتے جانتے سمجھتے ہیں۔ فَ زائدہ لَا يَرَوْنَ باب فَتَحَ کا مضارع منفی بلا جمع مذکر غائب ھُمْ پوشیدہ فاعل کا مرجع گمراہ و مرتدین بنی اسرائیل ہیں یہ فرمان اللہ تعالیٰ کا ہے یا حضرت موسیٰ کا۔ اَلَّا۔ دراصل اَنَّهٗ لَا يَرْجِعُ ہے۔ اَنَّ حرف مشبہ ہٗ اس کا اسم لَا يَرْجِعُ باب ضَرَبَ کا مضارع منفی بلا ایک قول میں اَلَّا دراصل اَنْ لَا يَرْجِعَ ہے یعنی اَنْ ناصبہ مگر یہ قول غلط ہے کیونکہ اَنْ سے شک کا اظہار ہوتا ہے۔ حالانکہ لَا يَرَوْنَ یقینی ہے اور یقینی بات کے بعد اَنْ ناصبہ نہیں آسکتا ہٗ اس میں پوشیدہ ضمیر صیغہ کا مرجع عِجْلًا ہے رَجْعٌ سے مشتق ہے بمعنی لوٹنا متوجہ ہونا یہاں متوجہ ہونا مراد ہے۔ اِلَيْهِمْ جار مجرور متعلق ہے لَا يَرْجِعُ کا قَوْلًا اسم مصدر اَجْوَفْ واوی مفعول فیہ ہے یا تمیز ہے لَا يَرْجِعُ کے پوشیدہ ضمیر فاعل کی یہ سب مل کر جملہ فعلیہ منفیہ ہو کر معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ لَا يَمْلِكُ باب ضَرَبَ کا مضارع منفی بلا اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر مرجع عِجْلًا لَهُمْ جار مجرور متعلق ہے۔ ضَرًّا اسم مفرد حاصل مصدر بمعنی نقصان معطوف علیہ واؤ عاطفہ نَفْعًا۔ اسم مفرد حاصل مصدر معطوف ہے دونوں مل کر مفعول بہ ہے لَا يَمْلِكُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ منفیہ ہو کر معطوف ہوا لَا يَرْجِعُ پر دونوں مل کر مفعول بہ ہوا لَا يَرَوْنَ

کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا. خیال رہے ضرًا اور نفعًا دونوں کی چار چار قسمیں ہیں ۱؎ روحانی قلبی جیسے کافر گمراہ فاسق بنانا ضرًا ہے مومن متقی بنانا نفعًا ہے ۲؎ جسمانی اندرونی اعضا کا نفع نقصان ۳؎ جسمانی بیرونی اعضاء کا نفع نقصان ۴؎ ظاہری نفع نقصان جیسے امیر یا غریب کرنا یہاں ہر قسم کا ضرًا اور نفعًا مراد ہے. واو برحملہ. لام ابتدائیہ. قَدْ قَالَ باب نصر کا ماضی قریب واحد مذکر غائب لَہُمْ سے مراد مرتدین کا گروہ ہے متعلق ہے قَالَ کا ھٰرُوْنُ. اسم مفرد جامد غیر منصرف کیونکہ عجمی علم ہے مِنْ جارہ زائدہ قبل. اسم ظرف زمانی تقدم کے لیے آتا ہے تقدم چار قسم کا ہوتا ہے ۱؎ تقدمِ مکانی ۲؎ تقدمِ رتبی ۳؎ تقدمِ ترتیبی ۴؎ تقدمِ زمانی یہاں یہی مراد ہے قَبْلُ جب ظاہرًا مضاف نہ ہو تو ضمہ سے مبنی ہوتا ہے دراصل تھا مِنْ قَبْلِہٖ یہ جار مجرور متعلق دوم ہے قَالَ اپنے فاعل ھٰرُوْنُ اور دونوں متعلقوں سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا. یَا قَوْمِ یا حرفِ ندا قوم منادیٰ اِنَّمَا حرفِ حصر فُتِنْتُمْ باب ضرب کا ماضی مطلق مجہول جمع مذکر حاضر ضمیر فَتْنٌ سے مشتق ہے مصیبت اور فساد میں گرنا. پڑنا یا آزمائش میں پڑنا. اَنْتُمْ ضمیر صیغہ اس میں پوشیدہ اس کا فاعل بِہٖ جار مجرور متعلق ہے ہٖ ضمیر سے مراد عجلًا ہے فُتِنْتُمْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اِنَّ حرف مشبہ رَبَّكُمْ کا ضمہ صرف وصلی ہے نہ کہ اعرابی یہ مرکب اِضافی اُس کا اسم الرَّحْمٰنُ اس کی خبر یہ جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ فَ عاطفہ تببیہ اِتَّبِعُوْا. بابِ افتعال کا امر حاضر جمع مذکر. اَنْتُمْ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعلِ مخاطب مرتدین ہیں نون وقایہ کی ضمیر واحد متکلم مفعول بہ ہے یہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ. اَطِیْعُوْا. بابِ افعال کا امر جمع مذکر حاضر اس کا مصدر ہے اِطْبَاعٌ اور اطاعۃ. اَنْتُمْ پوشیدہ اس کا فاعل اَمْرِیْ مرکب اِضافی یعنی میرا حکم مفعول بہ ہے. اَطِیْعُوْا سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف. اِنَّمَا فُتِنْتُمْ سب معطوفوں سے مل کر جواب ندا ہوا حرف ندا سب سے مل کر جملہ اسمیہ ندائیہ ہو کر مقولہ ہوا قَالَ اپنے مقولے سے مل کر جملہ قولیہ ہو گیا.

تفسیر عالمانہ قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ. مرتدین بنی اسرائیل نے عرض کیا اے ہمارے نبی ہم نے اپنی طلب اور چاہت سے جان بوجھ کر آپ کے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کی بلکہ شاید آپ کو معلوم نہیں کہ ہماری عورتوں نے ابھی اس ردی گی

کو خفیہ رکھنے کی ایک ترکیب کے طور پر فرعونی عورتوں سے عید شادی بیاہ کا بہانہ بنا کر لیے
تھے یا ولیمے کی تقریب کا کہہ جیسا کہ پہلے بھی ایسا لین دین ہوا کرتا تھا۔ وہ زیور ہمارے پاس ایک
بھاری بوجھ کی صورت میں موجود تھا۔ ہمیں سامری نے آپ کے جانے کے بعد کہا کہ یہ زیور مجھ کو
دیدو میں اس کو خوب اچھی طرح کہیں ضائع کردوں دبا دوں۔ یہ تمہارے لیے جائز نہیں نہ تمہاری
عورتوں کے لیے نہ زینتاً نہ ملکیتاً۔ کیونکہ یہ دھوکہ دے کر حاصل کیے گئے ہیں اگرچہ ان کی مالکہ عورتیں
اب غرق سے مرچکی ہیں مگر یہ زیور نہ تمہاری وراثت بن سکتا ہے نہ مالِ غنیمت تمہاری اسی بددیانتی
کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام تم سے ناراض ہو کر چلے گئے۔ غرضکہ ہزار باتیں کر کے اس نے ہم سے
وہ سب زیور لے لیا جو ہم پر لادا گیا تھا چونکہ ہمارا زر خرید نہ تھا قوم فرعون کی زینت تھا۔ ہم
نے ہماری عورتوں نے وہ سب سامری کو دیدیا اور لاکر اس کے سامنے ڈھیر کر دیا۔ اسی طرح
اس نے اپنی فن کاری زرگری صنعت سازی سے اپنی آگ میں ڈال کر پگھلایا اور ڈھال کر بچھڑا
بنا دیا اور پھر نہ جانے کیا جادو چلایا کہ وہ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ہو گیا۔ زندہ چلتا پھرتا بولتا بچھڑا
بن گیا صرف مورتی دیکھ کر تو ہم کبھی بھی متاثر نہ ہوتے۔ ایسی بہت قسم کی مورتیاں لکڑی لوہے پتھر
کی تو ہم مصر میں دن رات دیکھتے ہی رہتے تھے اس مورتی کو جب جاندار شکل میں دیکھا تب
ہمارے ہوش وحواس گم ہو گئے ہم کو اپنی عقل پر کوئی قابو نہ رہا۔ ہماری سمجھ قبضے سے باہر
ہو گئی۔ ابھی ہم اسی تحیر میں تھے کہ یہ سب کچھ کیا ہے فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ سامری اور اس
کے ساتھیوں نے کہنا شروع کر دیا کہ یہ تمہارا معبود ہے۔ جس کی تم نے ابھی چند دن پہلے
موسیٰ علیہ السلام سے راستہ چلنے خواہش کی تھی۔ ایک مندر کے پجاریوں کو دیکھ کر کہ لے
موسیٰ ہمارے لیے بھی کوئی اسی طرح کا معبود بنا دو۔ وہاں تو حضرت موسیٰ نے تم کو جھڑک دیا
تھا مگر طور پر ڈھونڈنے چلے گئے مگر وہ معبود یہی اسی طرح بچھڑے میں حلول کر کے آگیا۔ یہ
موسیٰ کا بھی معبود ہے مگر موسیٰ بھولے ہوئے ہیں۔ واقعہ۔ سامری کی اس حرکت کا پس
منظر اس طرح ہے کہ سامری زرگر جس کا آبائی مذہب گائے پرستی تھی وہ منافقانہ طور پر
موسیٰ علیہ السلام کے دین میں شامل ہو گیا درپردہ مقصد شرارت پھیلانا اپنا دین پھیلانا تھا یا غرق
فرعونی سے بچنے کے لیے بنی اسرائیل کے ساتھ لگتا۔ لیکن خبیثانہ فطرت کی بنا پر آخر اس نے
گمراہ ہی کیا اور ایسی چال بازیاں ہر دین میں پھیلائی جاتی رہیں اور اہل ایمان کو بگاڑنے کی شیطانی
کوششیں ہر دور میں ظاہر ہوتی رہیں۔ مثلاً حضرت آدم کے ساتھ ابلیس نے فَقَاسَمَهُمَآ اِنِّیْ

كَمَا لَمِنَ النَّاصِحِیْنَ کی چال چلی (سورۃ اعراف آیت ۲۱) ۲ ھابیل کے لیے قابیل کی چالبازی
۳ نوح علیہ السلام کے ساتھ ان کی بیوی کنعان کی ماں کی منافقانہ غداری ۴ لوط علیہ السلام کے ساتھ
ان کی بیوی کی غداری ۵ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے لیے یہ سامری ۶ عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کے
لیے پولوس یہودی کی منافقانہ چالبازی جس میں آج تک عیسائی بے وقوف بنے ہوئے ہیں ۷
صحابہ کرام میں عبداللہ بن اُبی منافق ۸ دورِ صدیقی میں مُسیلمہ کذاب یمامی ۹ دورِ مرتضوی میں عبداللہ
بن سبا مصری یہودی ۱۰ اور ہمارے دور میں غلام قادیانی اپنی اپنی منافقانہ چالیں پھیلاتے رہے
کوئی کامیاب ہوا کوئی ناکام مگر انجام سب کا جہنم ہی ہوا۔ جب سامری اور بنی اسرائیل دریا سے نجات
پاکر نکلے تب سامری نے دیکھا کہ ایک فرشتہ آسمان سے اترا گھوڑی پر بیٹھا ہوا فرعون کے آگے آگے
چل رہا ہے۔ جب وہ فرشتہ دریا سے باہر نکلا۔ اور فرعون ابھی دریا میں ہی تھا کہ پانی جڑ گیا
فرعون و فرعونی ڈوبنے مرنے لگے تمام بنی اسرائیل تو اس نظارے میں تھے مگر سامری نے دیکھا
کہ فرشتے کی گھوڑی جہاں پاؤں رکھتی ہے وہاں گھاس اُگ آتی ہے۔ سامری نے ان جگہوں سے
ایک مٹھی کے مٹی اٹھالی سنبھال کر رکھ لی۔ جب آگے روانہ ہوئے تو چند بنی اسرائیل نے ایک
مندر دیکھ کر اپنے لیے بھی ایک معبود بنانے کا مطالبہ کر دیا کہ ہم کو ایک خوب صورت بُت
بنا دو ہم بھی اس کو خدا مان کر پوجا کر لیا کریں۔ موسیٰ علیہ السلام کے جھڑکنے پر اسرائیلی تو خاموش
ہو گئے لیکن سامری نے بنی اسرائیل کی قلبی کیفیت اور ایمانی کمزوری کو اور فرعونی صحبت کے اثر کو
بھانپ لیا سمجھ گیا کہ ان کو ورغلانہ گمراہ کرنا بڑا آسان ہے۔ اور تو کوئی چیز نہ ملی جس سے زرگری
کے فن اور جادوگری کے کرتب دکھاتا البتہ ان زیورات پر اُس کی شروع دن سے نظر تھی بس
موقعہ کی تلاش میں تھا۔ سو حضرت موسیٰ کے بیس دن بعد یہ موقعہ غنیمت جانکر ایک گڑھا کھود کر اس
میں بہترین فن کاری سے بچھڑے کا سانچہ بنایا پھر اسرائیلیوں سے زیور سنبھا کر مٹی کے بڑے
برتن میں زیور گلا کر اسی سانچہ میں بھر دیا۔ چند منٹ بعد بچھڑے کی ایک خوب صورت مورتی
تیار تھی بے جان۔ اُس کی ناک میں سامری نے وہی مٹی ڈالی جو فرشتے کی گھوڑی کی ٹاپ سے اٹھائی
تھی۔ سامری کو پتہ نہ تھا کہ اس کا اثر کیا نکلے گا مگر قدرتِ الٰہی سے وہ مورتی زندہ گوشت
پوست والا بچھڑا بن گیا۔ اور بچھڑوں کی طرح بولنے لگا۔ تب سامری نے بنی اسرائیل کو دکھایا اور
بتایا کہ اس میں معبود کی جلوہ گری ہے اس کو پوجو اس متحیر کارنامے کو دیکھ کر یہ اسرائیلی گمراہ ہو
گئے نہ کہ فقط مورتی دیکھ کر اور جب موسیٰ علیہ السلام طور سے توریت لے کر واپس آئے تو۔

بنی اسرائیل نے سب کچھ بتا دیا۔ یہ تھی وہ صحیح اور سچی تفصیل جو روایت و درایت اور مفسرین کے صحیح اقوال سے لی گئی۔ مگر بعض تفاسیر میں کچھ غلط اقوال بھی اس بارے میں ملتے ہیں۔ مثلاً ۱؎ قَالُوْا سے مراد وہ لوگ ہیں جو مرتد نہ ہوئے تھے۔ مگر یہ قول سیاق و سباق سے اعتبار سے غلط ہے ۲؎ مَوْعِدَکَ میں چار قول ۱؎ مَوْعِدَکَ سے مراد طور سے واپسی تک درست رہنے کا وعدہ یا طور پر چلے آنے کا وعدہ یا ھٰرون علیہ السلام کی بات ماننے کا وعدہ یا مراد ہے دین ایمان اعمال عبادت پر قائم رہنے کا وعدہ یہ قول درست ہے ۳؎ حُمِّلْنَا کا معنٰی یا یہ ہے کہ ہم سے موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا کہ فرعونی زیور لے لینا اور موسیٰ علیہ السلام سے رب نے کہا کہ زیور لے کر مصر سے بھاگ پڑو۔ یہ قول قطعاً غلط ہے یا یہ معنٰی ہے کہ دریا نے مردہ فرعونیوں کو باہر پھینک دیا تھا تو بنی اسرائیلی ان پر ٹوٹ پڑے اور ان مرتے سسکتے ہوؤں کے زیور اُتار لیے تھے مگر یہ قول بھی غلط ہے نہ دریا نے بجز فرعون کسی مردے کو باہر پھینکا تھا نہ اخلاقی طور پر موسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں یہ لوٹ کھسوٹ جائز تھی نہ کسی کی جرأت تھی۔ نہ حضرت موسیٰ اس کی اجازت دیتے۔ بعض نے لکھا کہ صرف زیور باہر پھینکے تھے مُردے نہیں۔ یہ سب اقوال لغو۔ بیہودہ مضحکہ خیز ہیں تین وجہ سے پہلی یہ کہ نہ دریا نے مردے پھینکے نہ اُن کے زیور آتار آتار کر۔ صرف فرعون کی لاش پھینکی جس کی وجہ قرآنِ مجید نے یہ فرمائی کہ تاقیامت لوگوں کی عبرت کے لیے اور سمجھانے کے لیے کہ جھوٹے معبود بننے بنانے والوں کا یہ انجام ہوتا ہے۔ دوم وجہ یہ کہ ابھی ابھی بنی اسرائیل کو فرعون اور دریا سے نجات ملی تھی یہ وقت شکر کے سجدوں کا تھا زیور لوٹنے کا کسے ہوش تھا۔ سوم وجہ یہ کہ نبی کی موجودگی میں ایسی بد اخلاقی اور اُن نبی موسیٰ و ھٰرون کا منع نہ کرنا۔ قطعاً ناممکن۔ مُردوں سے لوٹ مار انتہائی بداخلاقی ہے۔ چوتھی وجہ یہ کہ ابھی چند منٹ پہلے یہ اسرائیلی جن سے تھر تھر کانپتے تھے اب ایک دم دشمنوں کا اس طرح جرأت دکھانا بعید از عقل ہے۔ ہمارے اردو مفسرین بھی کچھ لکھتے وقت ذرا نہیں سوچتے ۴؎ اَوْزَارًا۔ اس زیور کو اوزارًا کہنا تین وجہ سے ہے یا اس لیے کہ یہ زیور بنی اسرائیل کے لیے بقولِ سامری غیر شرعی چیز تھا جو گناہ تھا اور گناہ کو وِزر اور اس کی جمع اوزار ہی کہا جاتا ہے۔ یا اس لیے کہ زیور محض زینت اور بے فائدہ فیشن ہے جو آرام و سکون میں تو اچھا لگتا ہے اور فرعون و فرعونی کرتے تھے ان کی دیکھا دیکھی یہ اسرائیلی مرد بھی کرتے تھے مگر مسافرت کی حالت میں یہ ایک بوجھ محسوس ہوتا تھا۔ یا اس لیے کہ زیور کی زینت محض کھیل تماشہ ہے اس لیے مردوں کو حرام۔ اور حرام کام ایمانی ذہن کے لیے بوجھ ہوتا ہے اس لیے ان اسرائیلیوں

نے اپنی ایمانی صفائی پیش کرتے ہوئے اس کو بوجھ کہا۔ یہ سب قول درست ہو سکتے ہیں ۵ فَقَذَفْنَا میں دو قول ہیں۔ ۱ بعض نے لکھا کہ سب زیور ہم نے سامری کے کہنے سے ایک جگہ ڈھیر کر دیا۔ یہ قول درست ہے۔ ۲ ھٰرون علیہ السّلام کے کہنے سے کہ انہوں نے کہا تھا کہ یہ زیور تمہارے لیے اس لیے حرام ہے کہ یہ مالِ غنیمت ہے اور پہلی اُمتوں پر ہر قسم کا مالِ غنیمت حرام تھا منقولہ غیر منقولہ لہٰذا تم اے بنی اسرائیل اس کو فلاں گڑھے میں پھینک دو۔ موسیٰ علیہ السّلام کے آنے تک یہ قول غلط ہے۔ اس لیے کہ اگر یہ زیور بوجہ مالِ غنیمت ان پر حرام تھا تو موسیٰ علیہ السّلام ہی منع فرما دیتے یا ھٰرون علیہ السّلام پہلے ہی منع کر دیتے اتنے دن بعد کیوں۔ نیز یہ مالِ غنیمت نہ تھا اس لیے کہ غنیمت حاصل ہوتی ہے فتوحات سے نہ کہ اُدھار یا امانت سے ۶ اَلْقَی السَّامِرِیُّ میں دو قول ہیں ۱ ہم نے جب اپنے اپنے زیور ایک جگہ ڈھیر کر دئے تو اسی ڈھیر کی شکل میں سامری نے اپنی کاری گری سے اس تمام کو بڑے سلیقے سے آگ میں ڈالا یہ قول درست ہے ۲ یہ کہ ہم نے اپنا زیور سامری نے اپنا زیور ڈال دیا۔ یہ قول اس لیے غلط ہے کہ پہلے قَذَفْنَا ہے پھر اَلْقَی ہے اگر دونوں کا ڈالنا ایک جیسا ہوتا تو دونوں جگہ قذف ہوتا۔ نیز اَلْقَی اور قَذَفْنَا میں علمی فرق بھی ہے کہ اِلقاء کا معنیٰ ہے نہایت ترکیب و ترتیب سے ڈالنا اور قذف کا معنیٰ ہے پھینک دینا۔ اور کَذٰلِکَ سے فعل تشبیہ مراد نہیں بلکہ تشبیہ ترتیب مراد ہے کہ جب ہم نے سب پھینک دیا تو فوراً ہی سامری نے اسی وقت اس کو ترکیب سے اپنے عمل میں ڈال دیا۔ نہ جلد بازی کی نہ دیر لگائی۔ عِجْلًا میں دو قول ہیں ۱ صحیح قول یہ ہے کہ وہ سونے کا بت جاندار گوشت پوست ہڈی والا جانور بچھڑا بن گیا تھا ۲ بعض نے کہا کہ یہ بچھڑا سونے کی بے جان دھڑ کی مورتی تھی اس میں سامری نے آگے پیچھے سوراخ بنائے تھے۔ تو جب پیچھے سے ہوا اس میں داخل ہوتی تو ناک یا منہ سے بچھڑے جیسی آواز نکلتی مگر یہ احمقانہ جاہلانہ قول ہے۔ اس کے دلائل ناکارہ و کمزور ہیں پہلا قول قوی تر ہے اُن کے دلائل مضبوط ہیں ہم دونوں کے دلائل پیش کرتے ہیں۔ پہلے قول کی دلیل اول۔ رب تعالیٰ نے فرمایا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَکَ ہم نے آزمایا قوم کو اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اس بچھڑے میں قدرتِ الٰہی کا ظہور ہے ورنہ آزمائش الٰہی نہیں ہو سکتی کیونکہ بے جان مورتیں تو مصر میں دن رات دیکھتے تھے اور فرعونی ان کو معبود ہی کہتے تھے۔ بنی اسرائیل کے کان یہ کفریہ باتیں سننے کے عادی تھے مگر کسی مورتی کو آواز نکالتے چلتے پھرتے انہوں نے آج تک نہ دیکھا۔ یہی جاندار ہوتا ان کی آزمائش تھی اس لیے کہ بندے نے یہ سوچا ہے کہ فقط جاندار

ہو جانا تو الٰہیت کے لیے کافی نہیں جس نے یہ تدبر کر لیا وہ بچ گیا۔ جنہوں نے اپنی عقلوں کو متحیر کر دیا وہ گمراہ ہو گئے۔ لفظِ فِتنَہ اپنے مختلف صیغوں کے ساتھ قرآنِ مجید میں تقریباً ساٹھ جگہ آیا ہے کہیں بھی بے جان مورتی کو فتنہ نہ فرمایا گیا۔ حیوانات میں صرف دو قدرتی جانوروں کو فتنہ فرمایا گیا۔ ایک ناقۂ صالح جو پتھر میں سے قدرتِ الٰہی اور معجزۂ صالح علیہ السلام بن کر زندہ نکلی تھی دوم یہ بچھڑا معجزۂ جبرئیل اور قدرتِ الٰہیہ سے سونے کی مورتی کے زندہ جاندار ہونے سے ہوا۔ ناقۂ صالح کے لیے سورۃ قمر آیت ۲۷ میں فرمایا گیا۔ اِنَّا مُرۡسِلُوا النَّاقَةِ فِتۡنَةً لَّهُمۡ فَارۡتَقِبۡ اور بچھڑے کے لیے یہاں فرمایا گیا۔ اِنَّا قَدۡ فَتَنَّا قَوۡمَكَ۔ ناقۂ صالح کے لیے کھانے پینے دودھ دینے کا ذکر ہے بولنے کا نہیں بچھڑے کے بولنے کا ذکر ہے کھانے پینے کا ذکر نہیں۔ ناقہ چالیس دن بعد قتل کر دی گئی بچھڑا بارہ دن بعد ذبح کر کے جلا دیا گیا۔ دوسری دلیل فرمایا گیا عِجۡلًا جَسَدًا۔ اگر وہ بے جان سونے کی مورتی ہوتی تو عِجۡلًا صَنَمًا فرمایا جاتا عربی اصطلاح اور لغت میں لفظ جسد صرف گوشت پوست ہڈی کے جسم کو کہا جاتا ہے۔ خواہ زندہ ہو یا مردہ یا اپاہج جیسا کہ حضرتِ سلیمان کے ناقص الخلقت اپاہج بچے کو جَسَدًا فرمایا گیا۔ تیسری دلیل فرمایا گیا لَّهٗ خُوَارٌ۔ اس کے لیے آواز تھی اور آواز بھی کوئی مختلف نہیں۔ یعنی سیٹی۔ یا چڑیا یا بھینس ہاتھی شیر بلی کتے بکری جیسی نہیں بلکہ شکلاً صورتاً بچھڑا تھا تو بچھڑے جیسی ہی آواز تھی اور منہ سے ہی بولتا تھا نہ کہ ناک کان یا پچھلے سوراخ سے۔ لَہٗ کی ضمیر بتا رہی ہے کہ یہ اُس کے منہ کی آواز تھی صرف منہ کی آواز کو اُس جاندار کی آواز کہا جاتا ہے اور اصل بولی کو ہی اس کی آواز کہا جاتا ہے۔ کھانے پینے سٹھار نے چھینک کی یا ریاح کی آواز کو اُس کی آواز نہیں کہا جا سکتا۔ اور منہ کی آواز منہ کو کھولنے بند کرنے سے نکلتی ہے مسلسل کھلا رہنے سے اصل آواز نہیں نکلتی۔ خوار کا لفظ بتا رہا ہے کہ منہ کھلتا بھی تھا بند بھی ہوتا تھا اور دھات وغیرہ کی مورتی کا منہ کھلا ہو تو بند نہیں ہو سکتا اور بند ہو تو کھل نہیں سکتا۔ چوتھی دلیل فرمایا گیا لَنُحَرِّقَنَّهٗ ہم اُس کو جلا ڈالیں گے۔ ثُمَّ لَنَنۡسِفَنَّهٗ فِی الۡيَمِّ نَسۡفًا پھر ہم اس کو راکھ بنا کر بہا دیں گے سمندر میں۔ ہر عقل مند جانتا ہے کہ کوئی بھی دھات راکھ بنائی نہیں جا سکتی نہ کوئی دھات آگ سے جل کر راکھ ہوتی ہے اگر یہ سونا راکھ بن سکتا تو جب سامری نے اس کو آگ میں ڈالا تھا تو اُسی وقت جل کر راکھ ہو جاتا۔ مورتی نہ بنتا۔ دھات کو آگ میں تپایا پگھلایا جا سکتا ہے۔ جس کو عربی میں اِحۡمَادٌ (تپانا) اور اِذَابَةٌ۔ ذَوۡبٌ۔ (پگھلانا) کہا جاتا ہے۔ پانچویں دلیل۔ یہاں سامری کا بیان اس طرح

منقول ہے فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا. سامری نے کہا کہ میں نے رسول یعنی فرشتے کی گھوڑی کے نشانِ قدم سے ایک مٹھی مٹی اٹھائی تھی۔ میں نے وہی اِس مورتی کے اندر ناک میں ڈالدی تھی اگر وہ مورتی ہی تھی تو یہ بات کرنے کی ضرورت کیا تھی۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ رسول سے مراد جبرئیل فرشتہ ہیں اور اثر سے مراد گھوڑی کے نشاناتِ قدم۔ اس گھوڑی کا نام فرس الحیوٰۃ لکھا گیا ہے یہ ہیں وہ دلائل جن کو توڑا موڑا نہیں جاسکتا۔ دوسرے قول باطل کے دلائل حسب ذیل ہیں دلیل ۱: مورتی کا جانور بننا خرقِ عادت ہے اور خرقِ عادت کام گمراہ و کافر کے ہاتھ سے ظاہر نہیں ہوسکتا۔ جواب یہ بات غلط ہے جادوگری سے خرقِ عادت کام ہی ظاہر ہوتے ہیں حالانکہ ہر جادوگر کافر ہے نیز فرعونی جادوگروں نے اپنے رسوں بانسوں کو سانپ بنا کر دکھا دیا یہ بھی خرقِ عادت کام تھا وہ بھی سب کو جاندار سانپ ہی نظر آتے تھے۔ دلیل ۲: سامری مصر کے مندروں کے اندرونی بھید جانتا تھا وہاں اس ترکیب سے مورتیاں بنائی جاتی تھی کہ جونہی ہوا اُن کے اندر جاتی طرح طرح کی آوازیں نکلنے لگتیں۔ آج کل یہ صفت باجوں اور کھلونوں میں استعمال کی جاتی ہے اُس زمانے میں معبدوں کا شعبدہ تھا۔ چنانچہ سامری نے بچھڑے کی مورتی میں بھی یہی کاریگری رکھی تھی کہ پیچھے سے ہوا گزرتی تو منہ سے بچھڑے کی آواز نکلتی تھی۔ (ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن) جواب کیسی کمزور دلیل ہے ہواؤں کے رخ بدلتے رہتے ہیں۔ کبھی آگے سے کبھی پیچھے سے اس کا معنیٰ یہ ہوا کہ کبھی آگے سے آواز نکلتی تھی کبھی پیچھے سے۔ نیز اِس بچھڑے کو ایک خیمے کے اندر رکھا گیا تھا جہاں ہوا کا داخلہ نہیں تھا۔ اور اگر ناک سے نکلتی تھی تو بھی خوار نہیں اگر پیچھے کی آواز تھی تو بھی خوار نہیں۔ اگر منہ سے نکلتی تھی تو منہ کا ہر وقت کھلا رہنا ضروری۔ بند منہ سے بھی نہیں نکل سکتی۔ نیز ہوا کبھی تیز چلتی ہے کبھی ہلکی جس سے آواز میں فرق پڑسکتا ہے۔ اور پھر آج تک کسی نے نہیں دیکھا کہ کوئی باجہ یا کھلونا خود بخود ہوا میں رکھنے سے بجنے لگے خواہ ہوا کتنی تیز ہو۔ ہر باجہ اور سیٹی کو بجانا پڑتا ہے۔ ہارمونیم ہو یا منہ کا باجہ یا کوئی وِسل۔ اوّلاً تو یہ بھی غلط ہے کہ مصر کی مورتیوں کی آوازیں نکلتی تھیں نہ تاریخ سے کہیں ثابت ہے مصر سے شرک کفر ہندوستان منتقل ہوا ہے آج ہندوستان میں مورتیوں سے بھرا پڑا ہے کبھی کسی مورتی کی آواز نہیں سنی گئی۔ نیز صرف سامری ہی مصر کے مندروں کے بھید سے واقف نہ تھا۔ بنی اسرائیل نے بھی اُسی ماحول میں تقریباً تین سو سال گزارے تھے مصر کی تمام مورتیاں بنتی بگڑتی دیکھی تھیں وہاں کیوں نہ گمراہ اور مرتد ہوئے۔ ان وجوہ سے یہ دلیل نہایت کمزور

ہے۔ باطل کی دلیل نمبر ۳ یہ ساری کہانی ہی غلط ہے کہ جبرئیل کسی گھوڑی پر سوار تھے اور اُس کے قدموں میں زندہ کرنے کی طاقت تھی وہاں سے سامری نے مٹھی بھر مٹی اٹھالی تھی اور یہ چیز صرف سامری کو دکھائی دی اور کسی بنی اسرائیل بلکہ ھرون علیہ السلام کو بھی نظر نہ آئی بلکہ ہمزہ اعمش اور کسائی قراء کی قرأت بِمَا لَمْ تُبْصِرُوا کے مطابق حضرت موسیٰ کو بھی جبرئیل نظر نہ آئے گویا کہ سامری کی روحانی قوت سب سے بڑھ گئی۔ تو کیا یہ کہانی بنانا درست ہے۔ اور جب یہ کہانی درست نہیں تو آیت کا مطلب یہ ہوا کہ میں نے وہ بات پالی جو دوسرے نہ پا سکے۔ فَقَبَضْتُ اس لیے میں نے رسول کی یعنی آپ کی پیروی کی فَنَبَذْتُهَا پھر میں نے چھوڑ دی۔ دلیل نمبر ۴ قرآن مجید میں جہاں کہاں بھی بغیر اسناد اضافت کے اَلرَّسُوْلَ کہا گیا ہے وہاں اس کا صرف ایک مطلب ہے۔ یعنی پیغمبر اس لیے یہاں اَلرَّسُوْل سے فرشتہ مراد لینا درست نہیں دلیل نمبر ۵ یہاں کہا گیا ہے۔ عِجْلاً جَسَدًا لَّهٗ۔ یعنی ایک بے جان دھڑ جس سے آواز نکلتی تھی اگر ملکوتی کرشمہ نے اسے زندہ کر دیا ہوتا تو قرآن مجید عِجْلاً جَسَدًا کیوں کہتا (ازالوالکلام آزاد) جواب ان تینوں دلیلوں کی مضحکہ خیز کمزوری دیکھ کر ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر لکھنا بھی رب تعالیٰ کی توفیقِ کریمانہ سے میسر ہوتا ہے۔ اگر رب تعالیٰ دستگیری نہ فرمائے تو عقلیں اسی طرح اوندھی چال چلتی ہیں اور قلم اسی طرح بھٹکتے ہیں ان دلیلوں میں سوائے نادان تانے بانے کے اور کیا ہے۔ ان تینوں کا جواب اس طرح ہے کہ۔ صرف نبی کی روحانی بصیرت کو آڑ بنا کر آیت کو مسخ کرتے اور معنی میں تحریف کرتے چلے جانا کہاں کی عقلمندی اور تفسیر دانی ہے۔ یہاں تو ایک کافر منافق سامری کے بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ یا۔ بِمَا لَمْ تَبْصُرُوْا کے معنی پر تم نے شور مچا دیا کہ مفسرین کی یہ بات فرشتے والی غلط ہے محض کہانی ہے نبی کی روحانی بصیرت کی گستاخی ہے۔ لیکن آج کل وہابیت دیوبندیت کا پورا ٹولہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہوئے بھی انبیاء علیہم السلام کے علم فہم اور روحانی بصیرت کا کھلے عام تحریرًا تقریرًا انکار کرتا پھر رہا ہے کہ معاذ اللہ انبیا کچھ نہیں جانتے ان کو پیٹھ پیچھے کا پتہ نہیں وغیرہ وغیرہ۔ وہاں تم کچھ نہیں بولتے بلکہ ان کی تائیدیں کرتے پھرتے ہو۔ ان حرکتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ تم کو انبیاءِ کرام کی روحانی قوت کی گستاخی اور انکار سے کوئی سروکار نہیں تم تو اس آڑ میں مزید ایک ملکوتی قوت کا انکار کر رہے ہو جو خود ایک گستاخی جہالت اور تحریفِ قرآن ہے۔ اس آیت میں لغو توڑ پھوڑ کرنا ہے۔ سچی اور حقیقی بات یہ ہے کہ

بَصُرْتُ سے روحانی بصیرت مراد نہیں بلکہ جسمانی بصارت مراد ہے سامری نے یہ سب کچھ اپنی آنکھ سے دیکھا تھا نہ کہ روحانی قوت سے۔ جبریل اس وقت اس کو بلکہ فرعون کو بھی اور تمام لوگوں کو مع گھوڑے کے ظاہر ظہور نظر آرہے تھے مگر اتنی پریشان بھیڑ بھاڑ اور حالات میں کسی نے بھی پیچھے کھُروں کی طرف نہ دیکھا نہ دھیان دیا بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا سے سامری یہی بتا رہا ہے یہ روحانی قوت اور بصیرت کا انکار نہیں بلکہ عدم توجہ کا ذکر ہے اور یہ انکار گستاخی نہیں۔ بنی اسرائیل ہارون بلکہ موسیٰ علیہما السّلام سے بھی ہو سکتی ہے اور اگر نیتِ سامری میں روحانی بصیرت ہی ہو تب بھی یہ ایک کافر کی بکواس ہے۔ اِس سے حقیقت کا انکار نہیں ہو سکتا آج بہت سے گستاخ شانِ نبوت میں گستاخیاں کرتے پھر رہے ہیں کب کسی پر اثر ہوتا ہے اور کب حقیقت کا انکار ہوتا ہے۔ نیز تم اپنے تخریبی مطلب اور بیان کردہ معانی میں بِمَا لَمْ تَبْصُرُوْا کی قرئت والا ترجمہ کیسے کرو گے جس کا تم نے اعمش اور حمزہ کسائی نحوی پر اتہام لگایا۔ رہا عِجْلًا جَسَدًا فرمانا۔ تو یہ بات قرآن کریم کی دیگر آیات سے ثابت ہے کہ جَسَدًا۔ گوشت پوست والے بدن کو ہی کہا جاتا ہے جیسا کہ سورۃ نمل سے ہم نے پہلے ثابت کر دیا۔ مورتی کو مجسمہ کہا جاتا ہے نہ کہ جَسَدًا بہر کیف اِس قسم کے کم علم لوگوں کی یہ تاویلیں محض تخریب کاری ہے دلیل ۱۰ تمہارے اعلیٰ حضرت بریلوی نے بھی اِس آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔ بے جان کا دھڑ جواب اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ترجمہ فرمانا اس مصلحت کی بنا پر ہے کہ اس کا تعلق اَخْرَجَ سے ہے نہ کہ فَتَنَّا سے۔ یعنی سامری نے تو بے جان کا دھڑ ہی بنا کر نکالا تھا اگر یہاں جاندار کا ترجمہ کیا جاتا تو شبہ پڑ سکتا تھا کہ شاید سامری نے ہی اس کو زندہ کیا ہے حالانکہ یہ غلط ہے۔ زندہ تو رب تعالیٰ نے فرمایا۔ جیسا کہ صالح علیہ السّلام کی ناقہ۔ عیسیٰ علیہ السّلام کے ہیئۃ الطیر پرندہ کو اللہ تعالیٰ نے زندہ کیا ظہور اس طرح ہوتا رہا کہ صالح علیہ السّلام نے جب پہاڑی کو ہاتھ لگایا تو ناقہ نکل آئی۔ عیسیٰ علیہ السّلام نے مٹی کا پرندہ بنا کر جب پھونک ماری تو اس میں رب نے زندگی بھر دی یہاں اثرِ رسول کی مٹی جب پڑی تو زندگی آگئی مخالفین کا یہ کہنا بھی غلط ہے الرَّسُوْلَ سے مراد ہمیشہ پیغمبر ہی ہوتا ہے یہ بات قرآنِ مجید میں تدبّر اور غور نہ کرنے کی وجہ سے ہے دیکھو سورۃ یوسف آیت ۵۰ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ یہاں رسول سے مراد پیغمبر نہیں۔ بلکہ وہ آزاد شدہ قیدی ہے جس کو یوسف علیہ السّلام نے تعبیر بتائی تھی ۲ سورۃ مریمؑ

آیت ۹۵ میں ہے لَنَزَّلْنَا عَلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ۔ یہاں رَسُوْلًا سے مراد فرشتہ ہے پیغمبر نہیں حالانکہ دونوں جگہ لفظ رسول بغیر اسناد و اضافت ہی ہے۔ مخالف کی یہ باطل بات ٹوٹ گئی کہ رسول سے مراد صرف پیغمبر ہی ہوتا ہے ۲ سورۃ مریم میں جبرئیل علیہ السلام نے اپنے آپ کو رسول فرمایا۔ لہٰذا اکثر الرسول سے مراد بھی فرشتہ ہے باطل کی دلیل ۳ یہاں فرمایا گیا۔ اَفَلَا یَرَوْنَ اَلَّا یَرْجِعُ اِلَیْهِمْ قَوْلًا ۔ وَّلَا یَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا قرآن کریم اُن بنی اسرائیل کی بے وقوفی کا ذکر فرما رہا ہے کہ یہ کتنے احمق ہیں کہ ایک بے جان مورتی کو اپنا معبود بنا بیٹھے جو نہ ان کی کسی بات کا جواب دیتا ہے اور نہ اُن کے نفع نقصان کی ملکیت و قوت رکھتا ہے۔ ثابت ہوا کہ وہ بچھڑا بیجان مورتی تھا۔ جواب کیا عجیب استدلال ہے۔ اسی پر علم کا دعویٰ ہے ہم پوچھتے ہیں کہ کیا جاندار صحت مند طاقتور بچھڑا بلکہ پورا جوان بڑا بیل کسی شخص کو باتوں کا جواب دیتا ہے ہماری بولی سمجھتا ہے۔ اور کیا وہ بیل بچھڑے جو دنیا میں ہزاروں کی تعداد میں پھر رہے ہیں کیا کسی شخص کے نفع نقصان کے مالک ہیں اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر اس بچھڑے کو زندہ ماننے میں یہ آیت کیسے دلیل بنی یہ آیت تو زندگی ثابت کر رہی ہے کہ اے اسرائیلیو اور دنیا بھر کے گائے پرستو۔ یہ جانور معبود نہیں ہو سکتے۔ اس لیے کہ نہ بات کا جواب دے سکیں نہ نفع نقصان کا اختیار رکھیں ثابت ہوا کہ بچھڑے کو مورتی بے جان سمجھنا حماقت و جہالت ہے۔ مخالفانہ توڑ پھوڑ تخریب کاری ہے۔ صحیح قول وہی ہے کہ بچھڑا زندہ ہو گیا تھا۔ فَقَالُوْا میں دو قول ہیں ۱ مرتدین نے آپس میں ہی کہا ۲ سامری اور اس کے چند معاون ساتھیوں نے دیگر بنی اسرائیل سے کہا فَنَسِیَ میں تین قول ہیں ۱ سامری نے کہا تھا کہ موسیٰ معبود کو بھول گئے ۲ یہ علیحدہ رب کا کلام ہے کہ سامری۔ دین و شریعت اور فرمودات موسیٰ کو بھول گیا ۳ رب نے فرمایا کہ بنی اسرائیل سامری سے دلیل مانگنا بھول گئے کہ بچھڑا کس طرح معبود ہے۔ مگر یہ قول غلط ہے کیونکہ نَسِیَ واحد ہے۔ اور فاعل مضمر ہے۔ بنی اسرائیل جمع ہے اَفَلَا یَرَوْنَ اَلَّا یَرْجِعُ اِلَیْهِمْ قَوْلًا وَّلَا یَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ یٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِیْ وَاَطِیْعُوْۤا اَمْرِیْ ۔ کتنے احمق ہیں یہ بنی اسرائیل کہ اندھا دھند اس بچھڑے کو معبود بنا بیٹھے بیل بچھڑا تو جانوروں میں بھی بے وقوف ترین شمار کیا جاتا ہے یہ بھی نہ سوچا کہ جو جانور اتنے عاجز کہ کبھی کسی کی بات کا جواب نہیں

دے سکتے نہ کسی سے بیماری پریشانی نقصان دور کرسکیں نہ اپنی مرضی ارادے قوت طاقت اختیار سے کسی شخص کا دینی دینوی نقصان کرسکیں نہ کسی کو امیر غریبی دولت مندی اور شفاء بقا کا فائدہ پہنچا سکیں بھلا یہ بچھڑا جو دنیا کے دیگر بچھڑوں کی طرح بجز کھانے پینے چلنے پھرنے باں باں کرنے کے کچھ کرہی نہیں سکتا کیا یہ معبود ہو سکتا ہے تم صرف مورتی میں زندگی دیکھ کر بیوقوف بن گئے جب کہ تم اتنے اتنے بڑے وحشت ناک جادوگروں کے سانپ دیکھ کر متاثر نہ ہوئے تھے۔ تم نے نو ہزار یا معجزے دیکھے تھے تم کو تو اس طرح مبہوت و متحیر ہو کر اس طرح بیوقوف نہ بننا چاہیئے۔ اور البتہ بے شک حضرت موسیٰ کے آنے باز پرس کرنے سے پہلے خود ھرون بھی ان کو سمجھا چکے تھے کہ اے میری قوم ایک بچھڑے کو زندہ دیکھ کر فریفتہ مت ہو جاؤ دین نہ لٹاؤ۔ تم اللہ کی طرف سے آزمائے جا رہے ہو۔ مورتی میں یہ جان پڑ جانا تمہارے عقل فکر تدبر اور ایمان کا امتحان ہے رب تعالیٰ تو تمہارا ازلی قدیم سے وہی رحمٰن و رحیم ہے جو اب بھی تمہاری توبہ قبول فرما لینے والا تم پر مشفق و مہربان ہے اب بھی بندے بن جاؤ اور میری اتباع کرو۔ جیسا میں کہا کرتا حکم دیتا ہوں میرے ان حکموں کی اطاعت کرو کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کا نبی رسول ہوں میرا حکم شریعت ہے۔ یہ تھی وہ شفقتِ تامہ جو حضرت ہارون نے قوم پر بھی فرمائی اور اپنی ذات پر بھی۔ اپنے پر اس طرح کہ آپ اللہ تعالیٰ کے نبی تھے موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ بھی تھے ولی بھی لوجہ نبوت آپ پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تبلیغ فرض تھی جو آپ نے ادا فرمائی۔ اور اُخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ (از سورۃ اعراف آیت ۱۴۲) کی وصیت پر عمل فرمایا۔ اور قوم پر شفقت یہ کہ آپ نے اپنے اس جامع مانع کلامِ مقدس میں پانچ چیزیں بیان فرمائیں اوّلاً یہ کہ بے دینی کی نشاندہی کرکے اس سے بچانا چاہا کہ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ پھر توحیدِ باری تعالیٰ کی تبلیغ فرمائی۔ رَبُّکُمُ الرَّحْمٰنُ۔ پھر رسالت کی تبلیغ فرمائی کہ فَاتَّبِعُوْنِیْ۔ پھر شریعت کی شان بتائی کہ اَطِیْعُوْا اَمْرِیْ۔ ۵۔ بیانِ توحید میں آپ نے معرفتِ الٰہی بھی فرما دی کہ صفتِ رحمانیت کا ذکر فرمایا اور محبت شفقت غفاریت توابیتِ الٰہی کی یاد دہانی کرائی۔ حکایت۔ امام رازی نے تفسیر کبیر میں فرمایا کہ ایک یہودی نے مولیٰ علی شیرِ خدا پر اعتراض کیا۔ تم مسلمان کیسے ہو کہ ابھی اپنے نبی کا دفن مکمل نہ کیا کہ خلافت میں جھگڑ پڑے تم کیسی امت ہو مولیٰ علی نے جواباً فرمایا۔ کہ ہمارا اختلاف دین و عقائد کی گڑبڑ یا تبدیلی کا نہیں ہے۔ یہ تو صرف ملکی انتظام پر ہے۔ لیکن تم کیسی امت ہو کہ اپنے نبی کی زندگی موجودگی میں ہی ابھی تمہارے پاؤں دریائے قلزم کی نجاتِ الٰہیہ سے خشک بھی نہ ہوئے تھے کہ تم دین ہی بھول بیٹھے اور موسیٰ علیہ السلام

سے مطالبہ کر دیا کہ اِجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ اور پھر چند دن بعد بچھڑا بنا بیٹھے یہودی شرمندہ ہو گیا۔

فائدے ان آیت کریمہ چند فائدے حاصل ہوتے ہیں پہلا فائدہ جس طرح شرک کفر ارتداد کرنا جرم ایمانی ہے شرعی حرام ہے اسی طرح جرم پر خاموش رہنا اور بقدرِ طاقت نہ روکنا بھی جرم ہے یہ فائدہ فَالُوا اَسَفًا اَخْلَفْتَ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ حکایت۔ تفسیر روح البیان میں ہے کہ یوشع علیہ السلام کو وحی آئی کہ تمہاری قوم اور امت کے ساٹھ ہزار اشرار اور چالیس ہزار ابرار کو ہلاک کیا جائے گا۔ عرض کیا مولیٰ ابرار کو کیوں ہلاک فرمایا جائے گا وحی آئی کہ۔ لَمْ يَغْضَبُوا لِغَضَبِي یہ نیک لوگ خود تو نیک ہیں مگر مجرموں کو میرے غضب سے آگاہ نہ کیا نہ اُن سے ناراض ہوئے نہ اُن کو روکا نہ برا منایا نہ ان سے ہٹے علیحدہ ہوئے۔ دوسرا فائدہ۔ اسلام میں سب سے زیادہ اہمیت شفقت و محبت کی ہے ہر مسلمان کو ایک دوسرے پر شفقت چاہیئے اور حقیقی شفقت دینی رہنمائی برائیوں سے بچنا بچانا ہے شفیق انسان ہی تمام حقوق ادا کر سکتا ہے را حقوق اللہ ۲ حقوق العباد ۳ حقوق النفس ان حقوق کی ادائیگی کا دوسرا نام شفقت ہے یہ فائدہ وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ میں ہٰرون علیہ السلام کی اُس مشفقانہ تبلیغ فرمانے سے حاصل ہوا جو آگے مذکور ہے۔ حضرت ہٰرون کو قوم کی اس گمراہی پر انتہائی سخت غم فکر اور قلبی پریشانی تھی یہ آپ کی شفقت قوم تھی۔ حدیث پاک میں ہے امام شعبی نے نعمان بن بشیر سے روایت فرمایا کہ آقاء کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مقدس ہے کہ مَثَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَكٰى عُضْوٌ مِّنْهُ تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى (از تفسیر کبیر۔ رازی) یعنی شفقت و محبت ترحم دلی میں تمام مومن ایک جسم کی مثل ہیں کہ جب ایک عضو بیمار یا زخمی ہوتا ہے تو سارے جسم میں بلچل پریشانی اور بخار آجاتا ہے۔ دیکھو ہٰرون علیہ السلام نے باوجود قومِ مرتد کی سخت مخالفت اور دشمنی کے شفقت نہ چھوڑی مسلمانوں کو اس سے سبق لینا چاہیئے کہ بدسے بدتر انسان کو بھی اولاً سمجھانے کی کوشش کرے اگر باز نہ آئے تو خود علیحدہ ہو جائے کسی بزرگ نے فرمایا کہ جرم سے نفرت چاہیئے نہ کہ مجرم سے اُس کا یہی مطلب ہے۔ تیسرا فائدہ اگرچہ رب تعالیٰ کے بے شمار اسماءِ پاک ہیں اور سب ہی اعلیٰ عظمیٰ وحسنیٰ ہیں۔ مگر مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنے وِرد وظائف تذکروں میں صفتِ رحم وکرم غفاریت والے اسماءِ پاک کا ذکر کریں۔ یہ فائدہ رَبُّكُمُ الرَّحْمٰنُ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا کہ اگرچہ قوم اس وقت لائقِ جبر وقہر غضب

وغضبہ تھی اس لحاظ سے دَعٰکُمُ الْقَهَّارُ وَالْجَبَّارُ سے خطاب کی مستحق تھی مگر حضرت ہارون نے صفتِ رحمانیت کے ذکر سے شفقت محبت رحم کرم کا ذکر فرما کر بھولے بھٹکوں کو سمجھانے کی کوشش کی یہ تبلیغِ دین کا ایک بہترین طریقہ ہے جو آستانۂ نبوت سے حاصل ہوتا ہے۔

احکام القرآن ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ ظالم کافر کے ظلم سے اپنے کو بچانے کے لیے کفار کو دھوکہ دینا جھوٹ بول کر ان سے چھٹکارا حاصل کرنا جان بچانا شرعًا جائز ہے۔ خواہ کفار سے جنگ کی حالت ہو یا بغاوت یا بھاگنے بچنے کی۔ یہ مسئلہ حُمِّلْنَا اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ الخ کی تفسیر و تفصیل سے مستنبط ہوا کہ دیکھو تمام بنی اسرائیل نے جنہیں بڑی بڑی پاک دامن عورت اور وَلِیُّ اللہ بزرگ مرد بھی موجود تھے باہمی مشورہ سے فرعونیوں کو دھوکہ دیتے ہوئے جھوٹ بول کر ان کے تمام زیور ادھار مانگ لیے کہ ہم شادی ولیمہ یا عید میلے میں جا رہے ہیں ہم کو تین چار دن کے لیے اپنے زیور ادھار دے دو اور لے کر چل پڑے حالانکہ جانتے تھے کہ اب ہم ان کے پاس نہ لوٹیں گے نہ یہ زیورات لوٹائیں گے چونکہ یہ سب کچھ محض اپنے بچاؤ کے لیے کیا تھا اس لیے شریعت میں جائز تھا اسی قانون پر جنگ میں ہر طرح کفار کو دھوکہ دینا جائز ہے چنانچہ احادیث میں ہے۔ اَلْقِتَالُ خُدْعَةٌ یا اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ (از بخاری باب الکذب فی الحرب۔ ابو داؤد) یعنی جنگ میں کفار کو دھوکہ دینا جائز ہے اسی روایت سے فقہاءِ کرام صرف مجاہد کے لیے میدانِ جنگ میں کالے خضاب کے جواز کا استنباط کرتے ہیں۔ ہاں البتہ ان مجبوریوں کے بغیر کافر کو دھوکہ دینا بھی ناجائز ہے۔

دوسرا مسئلہ۔ اگر مسلمانوں نے کفار سے کوئی چیز امانتًا یا ادھار لی ہو اور وہ ہی کفار ان ہی مسلمانوں کے ہاتھوں یا مقابلے میں مارے جائیں تو وہ امانت و ادھار کی چیزیں مجازی غنیمت بن جائیں گی اور ان ہی مسلمانوں کی ملکیت میں ہو جائیں گی اگرچہ حقیقی قانونی غنیمت نہ بنے گی لہٰذا تقسیم نہ ہوگی۔ مگر جس جس کے قبضے میں ہوگی اسی کی ملکیت بن جائے گی یہ مسئلہ یہاں مِنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ اور سورۃِ اعراف آیت ۱۴۸ میں مِنْ حُلِيِّهِمْ۔ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ اس طرح کہ زینۃ القوم سے ثابت ہوا کہ وہ فرعونی قوم کا زیور تھا اور حُلِيِّهِمْ کی نسبت اضافت سے ثابت ہوا کہ اب وہ زیور ان کا تھا۔ تیسرا مسئلہ۔ مالِ غنیمت دو قسم کا ہے ایک حقیقی دوسرا مجازی حقیقی مالِ غنیمت وہ منقولہ یا غیر منقولہ دولت ہے جو کفار کو جنگ میں شکست دے کر ان کے سامان ہتھیار خزانوں شاہی و فوجی املاک پر قبضہ کیا جاتا ہے۔ یہ مالِ غنیمت پہلی امتوں

پر استعمال احرام تھا۔ مگر اب مسلمانوں کے لیے جائز ہے۔ مجازی مالِ غنیمت وہ منقولہ دولت جو کسی طرح کے کفر مقابلے میں کفار کے ہلاک ہونے کے بعد ان کی امانتوں کی شکل میں مسلمانوں کو ملے یہ مالِ غنیمت پہلی اُمتوں پر بھی حلال تھا۔ اب بھی یہ مسئلہ فَقَذَفْنَا (الخ) کی تفسیر سے مستنبط ہوا دیکھو حضرت ہارون علیہ السلام کی موجودگی میں بنی اسرائیل اس زیور کو استعمال کرتے بھی رہے اور پھر اپنی مرضی سے سامری کو بھی دیدیا۔ ھٰرون علیہ السلام نے کسی کو منع نہ کیا۔ اگر یہ امانت اِن بنی اسرائیل کی ملکیت نہ ہوگئی ہوتی تو نہ اس کا استعمال جائز تھا نہ سامری وغیرہ کو دینا کیونکہ کسی کا امانت غیر کو دینا بھی ناجائز ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں پہلا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ کہ یہاں فرمایا گیا اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ۔ اور سورۃ اعراف میں فرمایا گیا مِنْ حُلِيِّهِمْ۔ اَوْزَارًا۔ اور حُلِي اور ھِم ضمیر اور لفظ قوم کا فرق کیوں اور کیسے ہے جواب ان دونوں آیتوں میں دو مختلف نوعیتوں کی وضاحت فرمائی جارہی ہے۔ اور وضاحت کے لیے چار طرح فرق کیا گیا پہلا فرق یہ کہ یہاں۔ بنی اسرائیل کا قول ہے انہوں نے حقیقتِ حال بیان کرتے ہوئے کہا اَوْزَارًا الْقَوْمِ اور وہاں اعراف میں رب تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اب زیور کی ملکیت اِن بنی اسرائیل کی ہوچکی تھی۔ دوسرا فرق یہ کہ یہاں فرمایا گیا۔ سامری نے بچھڑا بنایا تھا کسی اور کا دخل بنانے کی کارکردگی میں نہ تھا۔ وہاں فرمایا گیا کہ مرضی سب کی تھی۔ اس لیے یہاں فَاَخْرَجَ ہے وہاں وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰی ہے۔ تیسرا فرق یہاں بتایا گیا کہ یہ زیور فرعونیوں کا تھا۔ وہاں بتایا گیا اب شرعًا ان کا ہوگیا۔ چوتھا فرق یہ کہ یہاں بتایا جارہا ہے کہ ھٰرون علیہ السلام اس فعلِ بد میں قطعًا شریک نہ تھے بعد کے یہودیوں عیسائیوں کا یہ الزام واتہام سراسر غلط ہے کہ ھٰرون نے بچھڑا بنایا یا بنوایا یہاں ھٰرون علیہ السلام کی پاک دامنی بیان فرمائی گئی اور وہاں اعراف میں دیگر بنی اسرائیل کے ملوث ہونے اور سامری کے ساتھ تعاون وتائید کا ذکر ہے۔ اس لیے وہاں اور یہاں یہ فرق درست ہے۔ دوسرا اعتراض۔ یہ بات عقل میں نہیں آتی کہ اتنی بڑی قوم جو تعداد میں تقریبًا چھ لاکھ تھی۔ ایک دم ساری کی ساری بچھڑے کو دیکھتے ہی بھٹک گئی مرتد ہوگئی جب کہ مصر میں اتنے بڑے شرکیہ ماحول میں رہتے کے باوجود اپنے توحیدی دین سے مرتد نہ ہوئے اب صرف سامری کے بہکنے سے کافر ہوگئے اور پھر جب موسیٰ علیہ السلام آئے تو ایک دم سب درست بھی ہوگئے اور توبہ کے

لیے تیار بھی ہو گئے جیسا کہ سورۃ اعراف آیت ۱۴۹ میں ہے۔ وَلَمَّا سُقِطَ فِیۡۤ اَیۡدِیۡهِمۡ وَرَاَوۡا اَنَّهُمۡ قَدۡ ضَلُّوۡا قَالُوۡا لَئِنۡ لَّمۡ یَرۡحَمۡنَا رَبُّنَا (الخ) یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جواب اس کی دو وجہ ایک یہ کہ مصر میں غیروں مخالفوں کا ماحول تھا جو صرف خود مشرک تھے بنی اسرائیل کو نہ کہتے تھے کہ تم بھی پوجا کرو یہ فلاں تمہارا معبود ہے فرعون بھی صرف قبطیوں سے خود کو سجدے کرایا کرتا تھا اگر کہتے بھی کہ موسیٰ غلط ہیں تو کوئی اسرائیلی نہ مانتا۔ دیکھو قبطیوں نے موسیٰ وہٰرون علیہما السلام کو کبھی ساحر کبھی مسحور کبھی مکار و کائد کہا۔ مگر کوئی اسرائیلی ان باتوں میں نہ آیا مگر یہاں گمراہ کرنے والا ان کا اپنا تھا اُس کے ہر کہنے کو فوراً مان لیا اِلٰهُكُمۡ کو بھی۔ الٰہ موسیٰ کو بھی اور نَسِیَ کو بھی اور یہ بات تاریخی مشاہدے اور تجربے میں ہے کہ غیر بن کر کسی کو کوئی کبھی گمراہ نہیں کر سکتا۔ ہمیشہ جب کسی قوم کو گمراہ کیا یا کرایا جاتا ہے تو اپنا بن کر اپنائیت کا لبادہ اوڑھ کر گمراہ کرے تو قوم جلدی گمراہ ہوتی ہے باطل کا شروع سے یہ طریقہ رہا۔ ابلیس نے حضرت آدم و حوا سے بھی یہ ہی طریقہ اپنایا دیکھو جو کفریہ گستاخیاں وہابی لوگ تحریراً تقریراً کر کے مسلمانوں کو ورغلا کر منوا۔ کہلوا لیتے ہیں کہ نبی و ولی کچھ نہیں کر سکتے خواجہ اجمیری داتا گنج بخش کے مزار پر جانا شرک ہے وغیرہ وغیرہ اور مسلمان ان کی کتابوں تقریروں جلسوں سے متاثر ہو کر اس طرح بد عقیدہ بھی ہو جاتے ہیں جس طرح یہ اسرائیلی سامری سے یہی بات کوئی ہندو و سکھ کہے تو مسلمان ہرگز نہ مانیں۔ ہندوؤں نے ایک بابری مسجد شہید کی تو مسلمانوں نے کتنا شور مچایا مگر اُس سے زیادہ اہم و تاریخی مساجد و متبرک مقامات سعودی وہابیوں نے تباہ کئے اس جگہ اپنے محل بنوا لئے مزاراتِ صحابہ شہید کئے کوئی مسلمان نہ بولا۔ آج کوئی ہندو خواجہ اجمیری کے مزار پر تو ہاتھ یا بات اُٹھا کر دکھائے۔ دوسری وجہ یہ کہ قوم موسیٰ گمراہ تو ہو گئی تھی مگر یہ گمراہی ابھی نئی نئی تھی راسخ نہ ہوئی تھی اور اُشۡرِبُوۡا فِیۡ قُلُوۡبِهِمُ الۡعِجۡلَ کے مقام پر نہ پہنچی تھی اس لیے جلدی راہِ راست پر آ گئی اور کچھ جلالِ موسوی کا بھی اثر تھا۔ یہ بات اللہ جلال طبیعتِ ہٰرون میں نہ تھا۔ **تیسرا اعتراض**۔ صرف مولیٰ علی شیرِ خدا ہی وصی رسول اللہ اور خلیفہ بلافصل ہیں اس لیے کہ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ لِعَلِیٍّ۔ اَنۡتَ مِنِّیۡ بِمَنۡزِلَةِ هٰرُوۡنَ مِنۡ مُّوۡسٰی (بخاری و مسلم مشکوٰۃ) یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے علی تو میرے لیے بالکل اسی مقام و درجہ کا ہے جیسے ہٰرون موسیٰ کے لیے۔ اور قرآن مجید کی ان آیات سے ثابت اور واضح ہو رہا ہے کہ حضرت موسیٰ نے حضرت ہٰرون کو اپنا خلیفہ بنایا تھا جب طور

پر گئے تھے اس آیت وحدیث کی مطابقت سے ثابت ہوا کہ مولیٰ علی بھی خلیفہ ہیں اور چونکہ ھٰرون بھی خلیفہ بلا فصل تھے لہٰذا یہ تشبیہی مماثلت بتا رہی ہے کہ مولیٰ علی بھی بلا فصل خلیفہ ہیں اس سے بڑی وضاحتی دلیل کے بعد اب کسی اور دلیل کی ضرورت ہی نہیں (شیعہ رافضی) جواب اور اس کے علاوہ کوئی دلیل ہے بھی نہیں۔ شیعہ لوگوں کو اپنی اس دلیل پر بڑا فخر وناز ہے حالانکہ یہ دلیل بھی ان کے خلاف جاتی ہے۔ اولاً اس طرح کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک میں تشریف لے جانے لگے تو مولیٰ علی سے فرمایا تم یہیں مدینہ منورہ میں رہو عورتوں بچوں کی حفاظت ودیکھ بھال کے لیے مولیٰ علی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ میں ساتھ جانا چاہتا ہوں۔ تب آپ نے فرمایا کہ اے علی تم میرے لیے ایسے ہو جیسے ھٰرون موسیٰ علیہ السّلام کے لیے۔ یعنی جس طرح موسیٰ علیہ السّلام نے طور پر جاتے ہوئے عارضی طور پر چند دن کے لیے خلیفہ بنایا تھا صرف بنی اسرائیل کی دیکھ بھال کے لیے اپنی زندگی میں ہی اسی طرح اے علی تبوک کے چند دن کی مدت کے لیے تم عورتوں بچوں بوڑھوں کی حفاظت کے لیے میرے نائب ہو میری زندگی میں ہی واپسی تک ثانیاً ھٰرون علیہ السّلام کی خلافت ختم ہو گئی تھی طور سے واپسی پر اور مولیٰ علی کی یہ خلافت و نیابت ختم ہو گئی تھی تبوک سے واپسی پر ثالثاً۔ مولیٰ علی کی یہ خلافت تامہ اور مکمل نہیں اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلیفہ مولیٰ علی کو بنایا لیکن امام نہ بنایا۔ امامت کے کام عبداللہ ابن اُمِ مکتوم کے سپرد کیے کہ مصلّٰے نبوی پر وہ کھڑے ہوں۔ حالانکہ یہ مسئلہ شیعہ سنی کا متفق علیہ ہے کہ خلیفۃ المسلمین ہی امامتِ امت کا حقدار ہے اسی لیے امامت کا مقام ہوتا ہے۔ رابعاً۔ اس طرح کہ خلافتِ تامہ عورتوں مردوں سب کے لیے ہوتی ہے مگر مولیٰ علی کی یہ خلافت صرف عورتوں بچوں کے لیے تھی تمام صحابہ تبوک میں تھے۔ خامساً اس طرح کہ موسیٰ علیہ السّلام کی زندگی کے بعد ھٰرون آپ کے خلیفہ نہ ہوئے ھٰرون علیہ السلام پہلے فوت ہو گئے تھے۔ (از لمعات) ہم کہتے ہیں کہ واقعی مولیٰ علی خلیفہ تھے مگر حیاتِ نبوی میں چند دن غیر موجودگی میں نہ کہ بعدِ وفات۔ ششم یہ بات بھی ذھن میں رکھو کہ شیعہ کہتے ہیں مولیٰ علی نے تقیہ کرتے ہوئے صدیق وفاروق وعثمان کی بیعت کر لی تھی۔ مخالفت نہ کی۔ حالانکہ حضرت ھٰرون نے کبھی تقیہ نہ کیا۔ جب کہ بقول قرآن ان کو جان کا بھی خطرہ تھا۔ (وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي اعراف آیت ۱۵۰) بلکہ علی الاعلان سامری کی برائی فرمائی اور قوم کو اس کی مشرکانہ چال بازی سے دور کرنے کی کوشش فرمائی۔ تو اگر صدیق وفاروق وعثمان غلط ہوتے مولیٰ علی بھی تقیہ نہ کرتے بلکہ تمام صحابہ کو علی الاعلان صدیق وفاروق وعثمان سے دور

رکھتے کوئی بچتا نہ بچتا۔ کیونکہ بقول تمہارے علی اُس وقت بھی بمنزلت ہارون تھے مگر مولیٰ علی نے نہ بچایا جس سے ثابت ہوا کہ یا مولیٰ علی بمنزلۂ ہارون نہیں رہے تھے یا پھر صدیق و فاروق صحیح تھے غلط نہ تھے۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔

تفسیر صوفیانہ قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ۔ اہلِ دنیا راہِ معرفت کی خوشگواریوں آسانیوں کی رونقوں کو دیکھ کر اوّلاً بڑے ذوق و شوق سے اس راہِ پُرخار میں چل پڑتے ہیں مگر جب ان کی تنہائیوں خلوتوں ریاضتوں مشقّتوں کو دیکھتے اور جانگسل پابندیوں شب بیداریوں میں آزمائے جاتے ہیں تب دنیا کی لذتوں کو یاد کرتے ہوئے ارتداد و رجوع کرتے ہیں اور عجلِ طبیعتِ نفسانی کے پجاری بن جاتے ہیں دنیا کی فانی دولت امارت کا بچھڑا ان کا معبودِ شیطانی بن جاتا ہے۔ پھر جب مرشدِ آفاقی کی جھڑک پڑتی ہے تو مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ کی عذر تراشی کرتے ہوئے کہتے ہیں ہم نے اپنے تصورِ تخیل اور قلبِ رائے سے وعدۂ سلوک کی مخالفت نہ کی بلکہ ہم کو نفسِ باطنی نے مجبور و مقہور کر دیا نہ ہماری رائے رہی نہ قوت و اختیار ہم کو طبیعت کا اس طرح مسحور کر دیا گیا تھا کہ بدنِ ظاہری کو سجدہ دبا بیٹھے۔ یہ راہِ معرفت ہم سے روپوش ہو گیا۔ تقلید شرک تعیلِ کفر زیوراتِ شہواتِ دنیوی کو ہم پر لاد دیا گیا۔ ضعفِ انسانی کے سامری نے اپنے طلسمِ نفسانی کو ہم پر اس طرح ڈالا کہ ہم مبہوت و متحیّر ہو گئے اہلِ اشرار نے کہا کہ دنیا پرستی ہی تمہارا سب کا معبودِ اصلی نسلی ہے۔ قلب کا بھی یہی معبود و مطلوب ہے۔ وارداتِ انوار اسی میں حلول کر گئے ہیں۔ مگر اس قلب نے بھلا دیا اور عبادت ریاضت مشقت کے خلوتِ طورِ عرفانی میں چلا گیا ان ہی باتوں نے لذاتِ وصی کی جھلک دکھائی اور عجلِ دنیوی کی محبت ہم میں جذب کر گئی۔ اس کی قوتِ ساوی۔ ہماری ہمتِ ارضی پر غالب آگئی۔ سامری نفسِ امّارہ کی صحبتِ بد کے امتزاج نے ہم کو خراب کر دیا (ابن عربی) دنیوی جادو دولت متاعِ دنیا ہے اس متاعِ فانی میں ریا کی عبادت بھی اگر شامل کر دی جائے تب بھی اس سے فساد ہی ہوگا۔ اثرِ رسول کی مٹی متبرک تھی مگر فرعونی زیور خبیث تھا۔ اور نیتِ سامری ریاکاری تھی اس لیے اُس متبرک سے بھی گمراہی میں ملی یہی حال عبادتِ ریاکا ہے کہ عبادت اگرچہ متبرک ہے مگر عابد کی نیتِ بد اُس کو بد بنا دیتی ہے۔ متاعِ دنیا سبب ہے غرور اور گمراہی کا اور

ضلالت غرور سبب ہے ہلاکت کا گمراہی سبب ہے فساد کا فرعون نے متاعِ دنیا پر غرور کیا لہٰذا ہلاک ہوا سامری نے متاعِ دنیا سے گمراہ کیا۔ اس لیے فساد ہوا۔ اگر بنی اسرائیل یہ خبیث سونا ساتھ نہ لاتے تو شرک کفر اور فساد سے بچ جاتے۔ مریدانِ باصفا کو راہِ معرفت میں نکلنے سے پہلے یہ دعا مانگنی چاہیئے کہ اے اللہ ہم تجھ سے مانگتے ہیں ہدایتِ کاملہ۔ اے رب ہمارے نہ بھگا ہم کو اپنے دروازے سے اور نہ مبتلا کر ہم کو اسبابِ عذاب میں تاکہ نہ ملوث ہو جائیں ہم رذالتِ نفسی میں یہ دعا مانگ کر پھر اس وادیٔ پُرخار میں ہمت کے قدم اٹھائے صوفیا فرماتے ہیں کہ مریدینِ دنیوی مثل بنی اسرائیل ہیں۔ بھٹکنا۔ قوت ارادی کی کمزوری ہے مُحلّنا ضعف اعتقادی ہے اَوْزَارًا۔ دنیوی شہواتِ خوب صورت ہیں۔ زِيْنَةِ الْقَوْمِ۔ رسوماتِ کفر ہیں فَقَذَفْنٰهَا رسوماتِ ابلیسیہ کو اپنے سینے میں بسانا رغبت کرنا ہے۔ فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ۔ یہ نفسِ امارہ کی چالبازیاں ہیں کہ رسوماتِ کفریہ کو انسان کے دل میں خوبصورتی سے سجا دیتا ہے عِجْلًا جَسَدًا دنیا پرستی ہے هٰذَاۤ اِلٰهُكُمْ دنیا کو دین پر اہمیت دینا ہے وَاِلٰهُ مُوْسٰى تلبیسِ ابلیس اور مکرِ شیطان ہے فَنَسِيَ کفر کے اقوال کا ذریہ اور عقائدِ باطلہ ہیں۔ یہی فساد فی الارض کی حماقتیں ہیں اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْۤا اَمْرِيْ انسان کا ذہنِ سفیہ کتنا عجیب اور احمق ہے کہ دعوے کرتا ہے آسمان پر طنابیں ڈالنے کی ستاروں پر کمندیں پھینکنے کی۔ مگر معبود اس کو بنا لیتا ہے جو لَا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا۔ اُس کی بات کا جواب تک نہیں دے سکنے نہ اُس کی مثل بول سکتا ہے نہ سمجھ سکتا ہے۔ اور نبوت کے لیے دلیلیں مانگتا ہے معبود اپنی من مرضی سے ایسا جانور بنا لیتا ہے جو لَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ہے۔ نہ نقصان سے بچا سکے نہ نفع دے سکے یہی حال طبیعتِ انسانی اور کثافتِ بشری کا ہے۔ ہر انسان کے باطنِ خفی میں توجہ قلب سے پہلے عقلِ لاحوتی ندا کرتی ہے کہ اے نفسانی طغیانی خواہشات والو حیاتِ عارضی کے یہ دنیوی لمحاتِ عیش تمہارے لیے فتنۂ امتحان ہے تم آزمائے جا رہے ہو تمہارا مربی یہ دنیوی ساز و سامان اسباب و وسائل نہیں تمہارا رب صرف خالق تعالیٰ ہے جو رحمٰنِ کائنات ہے لہٰذا عقلِ سلیم کی ہی پیروی کرو کیونکہ یہی آستانۂ الہاماتِ الٰہیہ ہے اور عقلِ شعور ہی کا حکم مانو۔ کیونکہ وہی شریعت و طریقت کا فہیم ہے متاعِ دنیوی انسان کو چار طرح ملتی ہے تجارتًا۔ وراثتًا۔ تحفتًا۔ محنتًا یہ سب حلال ہیں اور چار طرح

ناجائز طریقے سے انسان خود حاصل کرتا ہے ظلماً، غصباً، سرقتاً، حراماً، تحفہ نذرانہ قبول کرنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی مومن کسی مومن پر بغیر طمع اور بغیر طلب کوئی احسان کرے تو لینے والے کو چاہیئے کہ اس کا سچا دوست بن جائے تب وہ دنیا آخرت کے خطرات سے محفوظ رہے گا۔ جو اللہ کی عطاءِ رزق کو رد کرتا ہے وہ خطرات میں گھر جاتا ہے اس لیے کہ رزقِ حلال کو روکنا غرور و نخوت پیدا کرتا ہے اگر اللہ تعالیٰ سے بندے کے تمام معاملات و تعلقات درست ہوں اور بندہ اپنی خواہشات کو فنا کر دے ہر وقت رضاءِ الٰہی کا طالب رہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل سے دنیا کے افکار دور کر دیتا ہے اور دل کی تونگری عطا فرماتا ہے سہولت کے دروازے کھول دیتا ہے راہِ معرفت کی فقیری یہ ہے کہ ضروریات کو دل کے اندر ہی پوشیدہ رکھے رب تعالیٰ کے سوا کسی کے سامنے اظہار نہ کرے درویشِ ربانی اصل مالک سے مانگتا ہے اور اصل مالک رب تعالیٰ ہے جس نے دنیا کے دروازے کھٹکھٹائے وہ درویش نہیں پست ہمت ہے

قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى

مرتدین نے کہا ہرگز نہ ہٹیں گے ہم اس بچھڑے کے پاس اعتکاف کرنے سے یہاں تک کہ

بولے ہم تو اس پر آسن مارے جمے رہیں گے جب تک

يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿٩١﴾ قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا

لوٹیں ہماری طرف موسیٰ ۔ فرمایا اے ہارون کس چیز نے

ہمارے پاس موسیٰ لوٹ کے آئیں۔ موسیٰ نے کہا اے ہارون تمہیں کس بات نے

مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿٩٢﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ

منع کیا تم کو جب کہ تم نے دیکھ لیا تھا کہ یہ گمراہ ہو گئے اس بات سے کہ پیچھے چلے آتے میرے

روکا تھا جب تم نے انہیں گمراہ ہوتے دیکھا تھا کہ میرے پیچھے آتے

أَفَعَصَيْتَ أَمْرِي ﴿٩٣﴾ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ

تو کیا تم نے دھیان نہ دیا میرے حکم پر۔ فرمایا (جواباً) اے میرے ماں جائے نہ پکڑو

تو کیا تم نے میرا حکم نہ مانا۔ کہا اے میری ماں جائے نہ میری

بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي إِنِّي خَشِيتُ أَنْ

میری داڑھی اور نہ زلفیں بے شک میں نے اندیشہ سوچا کہ کہیں

داڑھی پکڑو نہ میرے سر کے بال مجھے یہ ڈر ہوا کہ

تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَاءِيلَ وَلَمْ

تم یہ کہو کہ تو نے ہی فرقہ بازی کرادی بنی اسرائیل کے درمیان اور نہ

تم کہو گے تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور تم نے

تَرْقُبْ قَوْلِي ﴿٩٤﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ

انتظار کیا تو نے میرے فیصلے کا۔ فرمایا اچھا اب تیرا کیا بیان ہے

میری بات کا انتظار نہ کیا۔ موسیٰ نے کہا اب تیرا کیا حال ہے

يَسَامِرِيُّ ﴿٩٥﴾

اے سامری

اے سامری

تعلقات ان آیت پاک کا پچھلی آیت پاک سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں حضرت ھارون کے خطاب کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں گمراہ قوم کی ضد اور ھٹ دھرمی سے انکار کرتے ہوئے جواب دینے کا ذکر ہے دوسرا تعلق پچھلی آیت میں ذکر ہوا کہ حضرت موسیٰ نے قوم کو جھڑکا جس پر قوم نے بچھڑا بنانے کا طریقہ اور گمراہ

گرسامری کا ذکر کیا۔ اب ان آیات میں حضرت موسیٰ کا حضرت ھٰرون کو جھڑکنے کا تذکرہ ہے۔
تیسرا تعلق۔ پچھلی آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جلالی اور فائدے مند طبیعت کا ذکر ہوا اب ان آیات میں حضرت ھٰرون علیہ السلام کی نرم دلی اور جمالی طبیعت کا ذکر ہوا۔ اور اشارہ فرمایا گیا کہ رہنمایانِ قوم کی جمالی طبیعت اکثر فائدہ نہیں دیتی بلکہ قوم اس سے ناجائز فائدہ اٹھا لیتی ہے۔

تفسیر نحوی

قَالُوا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْا اَلَّا تَتَّبِعَنِ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ۔ قَالُوا فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ لَنْ نَّبْرَحَ۔ بابِ فَتَحَ کا فعل مضارع نفی تاکید بلن جمع متکلم مستقبل بَرْحٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی ہٹنا۔ گزر جانا۔ بچ نکلنا۔ یہاں پہلے معنی میں ہے گزشتہ رات کو بارحہ اور بچ نکلنے والے کو مبروح اسی معنی میں کہتے ہیں کشادہ میدان یا جگہ کو براح اسی لیے کہا جاتا ہے وہاں سے بچ نکلنا آسان ہوتا ہے۔ سختی اور تکلیف کو مبرح اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اس سے دور بھاگا جاتا ہے یہاں براحۃ کی نفی تاکیدی کا معنیٰ ہوا سختی سے ڈٹ جانا۔ عَلَيْهِ جار مجرور متعلق ہے ہ ضمیر کا مرجع عجلاً یا عقیدۂ معبودیت عاکفین۔ بابِ ضَرَبَ کا اسم فاعل جمع مذکر واحد ہے عَاكِفٌ بمعنی اعتکاف بیٹھنے والے عُكُوفٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے ایک جگہ مقید ہو کر مقیم رہنا یہ بحالتِ نصب ہے حال ہے لَنْ نَّبْرَحَ کے فاعل کا حتیٰ حرفِ جر بمعنی اِلٰی انتہاءِ غایت کے لیے یعنی جب تک حتیٰ کا اپنا معنیٰ ظرفِ زمانی یعنی جب اور اِلٰی کے معنیٰ سے انتہائیہ ہوا یعنی تک اس میں اَنْ ناصبہ پوشیدہ ہوتا ہے یرجع بابِ ضَرَبَ کا مضارع مثبت معروف واحد مذکر غائب رُجُوعٌ سے بنا ہے بمعنی لوٹنا واپس آنا۔ اِلَيْنَا دو لفظ ہیں ۱ اِلٰی حرفِ جر انتہاءِ مقصد کے لیے ۲ نَا ضمیر جمع متکلم مجرور متصل اس کا مرجع مرتدین بنی اسرائیل ہیں۔ موسیٰ یہ اسم مقصورہ ہے اس کے تینوں اعراب تقدیری یعنی پوشیدہ ہوتے ہیں۔ یہاں بحالتِ ضمہ ہے کیونکہ فاعل ہے یرجع کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر حتیٰ سے مجرور ہو کر متعلق ہے لَنْ نَّبْرَحَ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ ہوا۔ قَالُوا۔ کا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ قَالَ يٰهٰرُوْنُ قَالَ فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ خیال رہے کہ ہر فعل کا فاعل ضرور ہوتا ہے۔ کبھی ظاہر کبھی پوشیدہ کبھی معلوم کبھی نا معلوم۔ پوشیدہ ہو تو اس کو فعل بافاعل کہتے۔ فاعل معلوم ہو تو فعل معروف

نا معلوم ہو تو فعل مجہول کہتے ہیں۔ یَا حرفِ ندا۔ ھٰرُوْنُ۔ منادیٰ مرفوع۔ جب منادیٰ مضاف نہ ہو تو ہمیشہ مرفوع ہی ہوتا ہے اور جب مضاف ہو تو منصوب ہوتا ہے جیسے یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔ مَا معولہ سوالیہ استفسار اور وضاحت کے لیے۔ مَنَعَ۔ بابِ فَتَحَ کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب ھُوَ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل ہے اس کا مرجع مَا ہے۔ کَ ضمیر متصل واحد مذکر حاضر۔ اس کا مرجع ہے ھٰرُوْنُ مفعول بہ ہے مَنَعَ کا۔ اِذْ حرفِ ظرفِ زمانی رَاَیْتَ بابِ فَتَحَ ماضی مطلق واحد مذکر حاضر اس میں اَنْتَ ضمیر بارز اس کا فاعل ہے ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب منصوب متصل اس کا مفعول بہ ہے ضَلُّوْا۔ بابِ نَصَرَ کا ماضی مطلق۔ جمع مذکر غائب۔ ضَلَلٌ مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے بمعنی صحیح راستے سے ھٹ جانا۔ یعنی گمراہ ہو جانا کچھ سجھائی نہ دینا۔ فارقتہ ہو جانا محبت میں یہاں پہلے معنی میں ہے ھُمْ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل ہے۔ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر حال ہوا ھُمْ ضمیر ظاہر کا وہ حال ذوحال مل کر مفعول بہ ہے رَاَیْتَ کا۔ وہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر ظرف ہوا مَنَعَ کا اَلَّا در اصل اَنْ لَا ہے اَنْ ناصبہ مصدریہ مضارع کو نصب دے کر مصدر کے معنی میں کرنے والا لَا تَتَّبِعَ بابِ افتعال کا فعل مضارع منفی بلا واحد مذکر حاضر اس میں پوشیدہ ضمیر صیغہ اَنْتَ فاعل ہے۔ مرجع ہے ھٰرُوْنُ اس کا مصدر ہے اِتِّبَاعٌ تَبِعٌ سے بنا ہے بمعنی پیچھے پیچھے آنا۔ یہاں اسی معنی میں ہے۔ نِ در اصل نِی تھا نون وقایہ یٰ ضمیر متکلم مفعول بہ ہے۔ لَا تَتَّبِعَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ اَفَ۔ در اصل ءَ اَفَ تھا۔ فَ حرفِ عطف اَ ھمزہ سوالیہ حصر تاکیدی پیدا کرنے کے لیے سوال کو پہلے کر دیا گیا۔ لفظ آف قرآن مجید میں تقریباً ایک سو چودہ بار آیا ہے۔ ترجمہ ہے کیا پس فَ عاطفہ تعقیبیہ عَصَیْتَ بابِ ضَرَبَ کا ماضی مطلق واحد مذکر حاضر اس کا فاعل ضمیر بارز اَنْتَ ہے مرجع ھٰرُوْنَ سے اَمْرِیْ۔ مرکب اضافی مفعول بہ ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا لَا تَتَّبِعَ کا دونوں عطف مل کر مفعول بہ ہے مَنَعَ کا مَنَعَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا موصول صلہ جواب ندا ہوا حرفِ ندا اپنے منادیٰ و جواب سے مل کر جملہ ندائیہ اسمیہ ہو کر مقولہ قَالَ اپنے مقولہ سے مل کر جملہ قولیہ ہو گیا قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَآءِيلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِي قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ۔ قَالَ فعل با فاعل ھُوَ پوشیدہ مرجع ھٰرُوْنُ جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ یَبْنَؤُمَّ۔ یَا ابْنَ اُمَّ۔ یا حرفِ ندا۔ اِبْن اسم مفرد جامد بمعنی بیٹا مضاف ہے درمیان کی واؤ وصلی ہے جو کہ اس کو اُمّ سے ملانے کے لیے تا کہ اُمّ کی ہمزہ اصلیہ مع اعراب و حرکت

سلامت رہے اُمّ۔ دراصل اُمِّی تھا یائے متکلم کو حذف کیا تخفیف کے لیے اور منادیٰ مضاف کا فتحہ باقی رکھا اس لیے ہوا اُمَّ۔ مضاف الیہ ہے ابن کا یہ مرکب اضافی منادیٰ ہے لَا تَاْخُذْ باب نَصَرَ کا فعل نہی حاضر معروف واحد مذکر حاضر اَنْتَ پوشیدہ اس کا فاعل بِ جارہ تعدیہ کی لِحْیَۃ اسم مفرد وحدت کی تَ ہے بمعنیٰ داڑھی کے بال مضاف ہے یٖ ضمیر متکلم مضاف الیہ یہ مرکب اضافی معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَا نافیہ لَاتَاْخُذْ کی عطفی تاکید کے لیے بِ جارہ تعدیہ کا رَاْسُ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ سَر مراد ہے سر کے بال زُلفیں یہ مرکب اضافی معطوف علیہ ہے پہلے مجرور بِلِحْیَتِیْ پر دونوں معطوف مل کر متعلق ہے لَا تَاْخُذْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ جوابِ ندا یَا بْنَؤُمَّ ایک قرأت میں یَا بْنَؤُمِّ ہے۔ ایک قرأت میں بِلِحْیَتِیْ ایک میں بِلَحْیَتِیْ۔ اس طرح بِرَاْسِ اور بِرَاْسِیَ ہے اِنَّ حرفِ مشبہ یٖ ضمیر متکلم اس کا اسم خَشِیْتُ۔ باب سَمِعَ کا ماضی مطلق واحد متکلم خَشْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ اندیشہ کرنا یعنی دل میں ڈرنا کسی کے رعب میں آنا ضمیر بارز متکلم اس کا فاعل مراد ہارون ہیں۔ اَنْ ناصبہ تَقُوْلَ فعل مضارع مستقبل اَنْتَ ضمیر پوشیدہ صیغہ اس کا فاعل فَرَّقْتَ بابِ تفعیل کا ماضی مطلق واحد مذکر حاضر اَنْتَ اس کا فاعل۔ تَقُوْلَ کا مرجع موسیٰ اور فَرَّقْتَ کا مرجع ہارون علیہما السّلام بَیْنَ اسم ظرف مضاف ہے بنی اسرائیل مرکب اضافی مضاف الیہ ہے یہ دونوں مل کر ظرف ہوا فَرَّقْتَ کے سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ وَاؤ عاطفہ لَمْ تَرْقُبْ باب نَصَرَ کا فعل مضارع نفی جحد بِلَمْ بمعنیٰ ماضی اَنْتَ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ہارون قَوْلِیْ۔ قَوْلِ مصدر مضاف یائے متکلم مفعول مضاف الیہ یہ مرکب اضافی شبہ جملہ ہو کر مفعول بہٖ ہوا۔ لَمْ تَرْقُبْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا فَرَّقْتَ پر دونوں عطف مل کر مقولہ مفعول بہٖ ہوا تَقُوْلَ کا سب سے مل کر مفعول بہٖ ہوا خَشِیْتُ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر خبر اِنَّ ہوا وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ مقدم ہوا سب مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ قَالَ فعل ھُوَ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل مرجع موسیٰ علیہ السلام۔ فَ زائدہ تحسینِ کلام کے لیے مَا حرفِ سوال خَطْبُ اسم مفرد جامدِ حاصلِ مصدر خَطْبٌ کا لغوی ترجمہ ہے باتیں کرنا کسی سے خطاب کرنا۔ اصطلاح میں ہر اس معاملے اور حالت کیفیت و حقیقت کو کہا جاتا ہے جس کا تذکرہ چرچہ اور باتیں لوگوں میں اہمیت سے کی جا رہی ہوں یہاں اصطلاحی معنیٰ میں ہے یہ مرکب اضافی سوال و مسؤل ندا کا جوابِ مقدم ہے یا حرفِ ندا سامری منادیٰ یَا ندائیہ اپنے منادیٰ اور جوابِ مقدم سے مل کر جملہ ندائیہ ہو کر مقولہ ہوا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ لفظ تَرْقُبْ رَقْبٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ انتظار کرنا۔ نظر رکھنے

کو رَقُوبٌ اور عاشق کے مخالِف کو رقیب اسی معنیٰ میں کہتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کی ہلاکت یا ذلت و رُسوائی کا انتظار کرتے ہیں رَقَبٌ ہفت قسام میں صحیح ہے۔ خیال رہے کہ عربی زبان میں کُل اصولی الفاظ سات ہیں اور ان کی شِقیں و شاخیں بن کر اُنیس ہو جاتی ہیں ۱ لفظِ صحیح۔ وہ ثلاثی یا رباعی (تین حرف یا چار حرف والا) جس میں حرفِ علّت (واوٗ۔ الف۔ ی) ہمزہ ایک جنس کے دو حرف نہ ہوں ۲ مہموزُ الفا وہ ثلاثی لفظ جس کا فٗ کلمہ (پہلا حرف) ہمزہ ہو جیسے اَمرٌ ۳ مہموز العین وہ ثلاثی لفظ جس کا عین کلمہ (دوسرا حرف) ہمزہ ہو جیسے مَنْدٌ ۴ مہموزُ اللام جس کا تیسرا حرف (لام کلمہ) ہمزہ ہو جیسے مَرُؤٌ ۵ معتل مثال الفی وہ ثلاثی لفظ جس کا پہلا حرف الف ہو مگر اس کا وجود کوئی نہیں ہوتا ۶ معتل مثال واوی وہ ثلاثی لفظ جس کا پہلا حرف واوٗ ہو جیسے وَعدٌ وَلدٌ ۷ معتل مثال یائی وہ ثلاثی جس کا پہلا حرف ی ہو جیسے یُسْرٌ ۸ معتل اَجوفُ الفی وہ ثلاثی لفظ جس کا دوسرا حرف الف ہو جیسے رَائٌ ۹ معتل اَجوف واوی جس کا دوسرا حرف واوٗ ہو جیسے قولٌ ۱۰ معتل اَجوفُ یائی وہ ثلاثی لفظ جس کا دوسرا حرف ی ہو جیسے بَیعٌ ۱۱ معتل ناقص الفی وہ ثلاثی جس کا تیسرا حرف الف ہو جیسے خِفارٌ ۱۲ معتل ناقص واوی وہ ثلاثی جس کا تیسرا حرف واوٗ ہو جیسے وَلْوٌ ۱۳ معتل ناقص یائی وہ ثلاثی جس کا تیسرا حرف ی ہو جیسے رَمْیٌ ۱۴ لفیف مفروق۔ وہ ثلاثی لفظ جس کا پہلا اور تیسرا حرف حرفِ علّت ہو جیسے وَلْیٌ ۱۵ لفیف مقرون اُولیٰ وہ ثلاثی لفظ جس کا پہلا دوسرا حرف حرفِ عِلت ہو جیسے وَیْلٌ ۱۶ لفیف مقرون ثانی وہ ثلاثی لفظ جس کا دوسرا و تیسرا حرف حرفِ علت ہو جیسے لَوْیٌ ۱۷ مضاعف ثلاثی اُولیٰ جس کا پہلا اور دوسرا حرف حرفِ صحیح ایک جنس کا ہو جیسے مَمْرٌ کَکٌ۔ مگر یہ مستعمل نہیں ۱۸ مضاعف ثلاثی ثانی جس کا دوسرا و تیسرا حرف ایک جنس کا حرف صحیح ہو جیسے زَلٌّ ۱۹ مضاعف رباعی جس کا پہلا اور تیسرا و دوسرا و چوتھا ایک جنس کا حرفِ صحیح ہو جیسے زُلْزِلْ۔ ان کی اصولی اَقسام سات ہیں اس لیے اِن سب کو ہفت اقسام ہی کہتے ہیں۔ ایک شاعر نے اِن کو اِس شعر میں اس طرح جمع کیا ہے۔

صحیح ہست و مثال است مضاعف لفیف و ناقص مہموز و اَجوف

تفسیر عالمانہ | قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْۤا ۔ اَلَّا تَتَّبِعَنِ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ۔ حضرت

ھٰرون کی یہ نصیحت آمیز مشفقانہ تقریر و تبلیغ سن کر مرتدین نے کہا اے ھٰرون ہم تمہاری

ان مخالفانہ نصیحتوں پر ہرگز عمل نہ کریں گے بلکہ اسی طرح اسی جگہ اس بچھڑے کے حضور میں حاضر و معتکف رہیں گے۔ جب تک کہ موسیٰ علیہ السّلام ہمارے پاس لوٹ کر نہیں آجاتے اب اس کا فیصلہ حضرت موسیٰ کریں گے وہ ہم کو بتائیں کہ یہ عبادت اور بچھڑے کی پوجا شرک و کفر ہے یا نہیں دیکھیں کہ وہ ہم کو منع کرتے ہیں یا قائم رکھتے ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ ہمارے اس کام سے خوش ہوں ہم کو شاباش دیں اور فرمائیں کہ واقعی یہ بچھڑا اللہ کی طرف سے ایک معبود و مسجود ہی بن کر آیا ہوا ہے اس میں اللہ کی ہی جلوہ گری ہو رہی ہے رب اس میں حلول کر گیا ہو اور سما گیا ہو۔ اگر حضرت موسیٰ نے اس کی تصدیق کر دی پھر تو ہم کامیاب ہو گئے۔ لیکن اگر انہوں نے اے ہٰرون آپ کی ہی طرح اِس کی ممانعت فرمائی اور اِس کام پوجا پاٹ کو شرک کفر اور حرام فرمایا تو ہم توبہ کر لیں گے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اِن مرتدین نے اِس بچھڑے کی تین طریقے سے عبادت کی۔ پہلا یہ کہ اُس کے پاس اعتکاف کیا۔ اعتکاف بھی عبادت ہی ہوتا ہے۔ یعنی ہر وقت صبح شام رات دن کسی کو بطورِ تعظیم اور بنیتِ عبادتِ اعتکاف اُس کے پاس حاضر رہنا اور ادب و احترام سے بیٹھے رہنا۔ صرف ضرورت کی بات کرنا یا اشاروں سے سمجھا سمجھا نا اور ضروریاتِ انسانی کے لیے باری باری نکلنا بنی اسرائیل نے یہ اعتکاف بھی کیا اور دوم یہ کہ کبھی کبھی اسی اعتکاف میں بچھڑے کے آس پاس رقص کرنے لگ جاتے۔ سوم یہ کہ جب وہ بچھڑا بولتا تو سجدے میں گر جاتے اس کی طرف منہ کر کے اور اس وقت تک سجدے میں پڑے رہتے جب تک دوسری بار بولتا اور جب دوسری بار بولتا تو اُٹھ کر اسی طرح ناچنا شروع کر دیتے (از تفسیر روح المعانی مقام) وَلَقَدْ قَالَ سے عٰکِفِیْنَ تک رب تعالیٰ کا خبریہ فرمان ہے اور سیاق و سباق سے معلوم اس کے بعد قَالَ یٰھٰرُوْنُ سے قَوْلِیْ تک حضرت موسیٰ و ہٰرون کا مکالمہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السّلام نے مرتدین اسرائیلیوں کا پورا بیان معذرت سن لیا۔ تو اسی شرعی جذباتی غصہ و غضب کی حالت میں اپنے وزیر مشیر بڑے بھائی اور اُس وقت کے خلیفہ نائب حضرت ہٰرون کی طرف لوٹے جو وہیں نزدیک ہی تھوڑے سے فاصلے پر اپنے بارہ ہزار اہلِ ایمان ساتھیوں کے ساتھ موجود تھے۔ مگر صحیح قول یہ ہے کہ پہلے ہٰرون علیہ السّلام سے سخت لہجے میں باز پرس کی تھی۔ جیسا کہ سورۃ اعراف آیت ۱۵۰ سے واضح ہوتا ہے۔ فرمایا اے ہٰرون تم کو کس بات نے منع کیا اور روکا تھا جب کہ تم نے دیکھا تھا ان لوگوں کو کہ یہ سب گمراہ ہو گئے ہیں میری اتباع کرنے سے اور تم نے میری اِتباع نہ کی کیا جان بوجھ کر تم نے میری بات میرے حکم کی پرواہ نہ کی

حالانکہ تم میرے خلیفہ تھے مگر تم نے حقوقِ خلافت و نیابت ادا نہ کئے۔ نہ ان کو جھڑکا نہ ڈانٹا نہ ان سے جنگ کی میں تم سے کہہ کر گیا تھا کہ۔ اُخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ (از سورۂ اعراف آیت ۱۴۲) میری قوم میں میرے خلیفہ بن کر رہنا میری طرح تبلیغ و اصلاح کرنا اور کسی بھی سر اٹھاتے مفسدین کی بات پر نہ لگ جانا نہ کسی قسم کی نرمی برتنا۔ بہ حکم عدولی کیوں کی نہ یہ علیحدہ بیٹھ رہنے کا موقعہ تھا نہ نرم دلی اور شفقت و مروت کا وقت تھا آخر دور کھڑے اس طرح تماشہ دیکھنے کی وجہ کیا تھی یہ مجھے صاف صاف بتاؤ کہ کیا کوئی دباؤ تھا تم پر یا تمہاری بھول چوک تھی یا تمہاری ناسمجھی کہ تم نے اس وقت میری وہ باتیں نصیحتیں سمجھی نہ تھیں کہ میں کہنا کیا چاہتا ہوں تم نے غور سے نہ سنیں تھیں یا تم کسی اُلجھن میں پڑ گئے تھے کہ کیا کروں کیا نہ کروں۔ بعض نے فرمایا کہ اَلَّا تَتَّبِعَنِ کا معنیٰ ہے۔ تم میرے پاس فوراً طور پر کیوں نہ آ گئے اور آ کر مجھ کو نہ بتایا۔ تمہاری یہ جدائی بھی ان کے لیے ایک زجر ہی ہوتی۔ (از تفسیر خازن) قَالَ یَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْیَتِیْ وَلَا بِرَاْسِیْ اِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَیْنَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ ھٰرون علیہ السلام نے فرمایا اے میرے ماں جائے بھائی میری داڑھی اور میرے سر کے بال نہ کھینچ میں نے اس لیے ان مرتدین پر سختی نہ کی کہ میں تمہاری طرف سے ڈرتا تھا کہ کہیں تم نہ کہو۔ اے ھٰرون تم نے فرقہ بازی اور خانہ جنگی کرادی بنی اسرائیل میں اور میرے آنے میرے فیصلے کا انتظار بھی نہ کیا ورنہ زبانی کلام سے تو میں نے ان کو کئی دفعہ سمجھایا تھا کہ توحید و رسالت اور شریعت والے دین پر ہی قائم رہو۔ میری اسی مشفقانہ گفتگو نرم دلی کی وجہ سے اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَکَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (سورۃ اعراف آیت ۱۵۰) میری اس قوم نے مجھ کو کمزور سمجھ لیا تھا اور میری مصلحانہ نصیحتوں سے اتنے بیخ پا ہوئے تھے لگتا تھا کہ مجھ کو قتل کر دیں گے۔ یہ میری علیحدگی اپنی ایمان والی قوم کے ساتھ بھی اسی اصلاح کی غرض سے تھی لہٰذا۔ اے میرے ماں جائے سگے بھائی دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقعہ نہ دو وہ لوگ تو پہلے ہی ہمارے خیر خواہ نہیں ہیں چاہتے ہیں کہ ہم دونوں بھائی لڑتے رہیں۔ مجھ سے اپنے غصے کو ٹھنڈا کرو اور مجھے ظالموں میں شمار نہ کرو۔ مفسرین فرماتے ہیں ھٰرون علیہ السلام حضرت موسیٰ کے سگے بھائی تھے۔ ماں باپ میں اور یَابْنَؤُمَّ کہہ کر صرف ماں کا تذکرہ کرنا فقط شفقت اور دل کو نرم کرنے کی وجہ اور غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے تھا خیال رہے کہ بہن بھائی تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ۱ سگے۔ یعنی دونوں کے والدین ایک ہی ہوں ۲ علاتی

والد ایک والدہ مختلف ۳ اخیافی والدہ ایک والد مختلف۔ امام رازی نے تفسیر کبیر میں فرمایا کہ ھٰرون علیہ السلام نے معذرت کا یہ طریقہ و لہجہ اس لیے بھی اختیار فرمایا کہ بنی اسرائیل میں بہت سے خناس نفس ابلیس طبیعت اور شر پسند لوگ ایسے بھی تھے جو چاہتے تھے کہ ہر طرف سے فساد کی آگ بھڑکتی رہے یہاں تک کہ ھٰرون و موسیٰ علیہما السلام کو بھی آپس میں لڑانے بھڑانے کی کوششیں بے فائدہ کرتے رہتے تھے اور ایسے موقعوں کی تاک میں رہتے تھے کہ جس سے انہیں فساد مچانے میں مدد ملے۔ ایک دفعہ حضرت ھٰرون چند دنوں کے لیے کسی جگہ تشریف لے گئے تو ان ہی خبثاء نے مشہور کر دیا کہ موسیٰ نے ھٰرون کو قتل کر دیا ہے۔ معاذ اللہ۔ آج جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اگر ھٰرون علیہ السلام پر اس طرح سختی فرمائی تو ھٰرون علیہ السلام ان شر پسندوں کی کسی نئی شرارت سے اندیشناک ہو کر اس طرح ملتجیانہ انداز میں معذرت کرتے ہوئے والدہ محترمہ کی نسبت کا واسطہ دیتے ہیں کہ یَا بْنَؤُمَّ۔ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَاءَ۔ منافق دشمن کو نیا فساد مچانے کی مذاق بازی کرنے کا موقعہ نہ دو بعض مفسرین نے اسی یَا بْنَؤُمَّ سے دھوکہ کھا کر کہا کہ حضرت موسیٰ و ھٰرون آپس میں اخیافی بھائی تھے۔ اور ھٰرون کے والد فوت ہو گئے تھے تب والدہ نے دوسرے شخص عمران سے نکاح کیا اور ان سے موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ مگر یہ قول قطعاً غلط اور لغو ہے اس لیے کہ جب دو بھائیوں کی عمر میں دو یا تین سال کا فرق ہو تو دوسری شادی اتنی جلدی رواجاً مشکل ہے جمہوری اور صحیح قول یہی ہے کہ آپ ؑ والدین میں سگے شریک تھے صرف یَا بْنَؤُمَّ کہنا [illegible] کو نرم غصے کو ٹھنڈا کرنے کے لیے تھا حضرت موسیٰ نے ھٰرون علیہ السلام کے سر اور داڑھی کے بال پکڑ کر جھنجھوڑا تھا جس سے ثابت ہوا کہ آپ کے سر اور داڑھی شریف کے بال اتنے [illegible] تھے جو پکڑے جا سکیں تفسیروں روایتوں میں ہے کہ حضرت موسیٰ نے دائیں [illegible] (دست یمین سے) سر کے بال شریف اور بائیں دست یسار سے داڑھی کے بال شریف پکڑے تھے (از تفسیر بیضاوی صاوی۔ مدارک مظہری) اس موقعہ پر حضرت موسیٰ نے تین لوگوں سے سرزنش اور باز پرس فرمائی۔ پہلے آتے ہی ھارون علیہ السلام کو سرزنش فرمائی ان کی سچی حقیقی معذرت سننے کے بعد مرتدین سے باز پرس فرمائی۔ قوم نے اپنی معذرت اور بیانِ صفائی دیتے ہوئے اصل مجرم سامری کو بتایا اور جب ان کو حضرت موسیٰ کے غضب غصے اور جھڑک وجلال سے پتہ لگ گیا کہ ہم گمراہ ہو گئے ہیں تب مزید معذرت اور پشیمانی کرتے ہوئے اِن لفظوں سے کہتے ہیں کہ وَلَمَّا سُقِطَ فِيٓ أَيْدِيهِمْ وَرَأَوْا أَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوا قَالُوا لَئِنْ لَمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا

وَیَغْفِرْ لَنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ۔ (سورۃ اعراف آیت ۱۴۹) اور جب گرا دیئے گئے وہ اپنی نظروں میں اپنے ہی سامنے اور سمجھ گئے کہ بے شک وہ گمراہ ہو گئے ہیں تب (ندامت سے) کہنے لگے کہ اب اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ فرمائے اور مغفرت نہ کرے تو یقیناً ہم بہت ہی ابدی نقصان والوں میں سے ہوں گے۔ حضرت موسیٰ اُن دونوں طرف کی معذرت سننے کے بعد اِن مُرتدین کی توبہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد فرما کر فرمایا کہ اب ان کی توبہ اور توبہ کا طریقہ رب تعالیٰ کے سپرد ہے پھر سامری کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اس میں تین قول ہیں کہ اُس وقت سامری کہاں تھا ۱ سامری وہیں قریب کھڑا تھا۔ سہما لرزا ہوا اور یہ سب جھڑک وجلال معذرت وبیان کا منظر دیکھ رہا تھا حضرت موسیٰ پھر وہیں اُس کی طرف متوجہ ہوئے ۲ سامری اپنے خیمہ میں ڈرا سہما بیٹھا تھا ۳ سامری بچھڑے کے پاس معتکف بیٹھا تھا ہو سکتا ہے بچھڑے سے التجائیں کرتا ہو کہ مجھے جلالِ موسیٰ سے بچالے حضرت موسیٰ اس کی طرف گئے اور قَالَ فَمَا خَطْبُکَ یٰسَامِرِیُّ۔ ہاں اب تو بول اے سامری اِس کفریہ شرکیہ فعلِ بد سے تیرا کیا ارادہ تھا تو نے یہ سب کچھ کیوں کیا کیسے کیا پوری قوم کی گمراہی سے تجھ کو کیا حاصل ہوا۔ تیری کیا شان وعزت بڑھی اِس حرکت کی برائی اور بیان تو سب کے سامنے اپنی زبان سے بتا تاکہ اِن گمراہوں کو بھی معلوم ہو جائے کہ تو کتنا مکار جھوٹا گمراہ گر ہے تیری اس کذب بیر نقریر سننے کہ یہ بچھڑا تمہارا اور موسیٰ کا معبود ہے تجھ کو دینی یا دنیوی کیا فائدہ پہنچایا۔ بتا تیری غرض کیا تھی۔ حضرت موسیٰ کا یہ غصہ وجلال اُلْقَی الْاَلْوَاحَ سے۔ یہاں سامری کی سرزنش اور بازپرسی تک ایک جیسا رہا۔ ھٰرون علیہ السلام کے بال آپ نے اُن سے شروع کلام میں پکڑ لیے تھے اور معذرت کے آخری قول لَا تَرْقُبْ قَوْلِیْ کے بعد چھوڑے پھر سامری کو اس کی پوری بات سن کر سزا سنائی جس کا ذکر آگے آرہا ہے پھر اپنے اور اپنے بھائی ھٰرون علیہ السلام کے لیے دعا مانگی۔ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِاَخِیْ (اعراف آیت ۱۵۱) پھر مرتدین کی سزا کا حکم طور پر جاکر رب تعالیٰ سے سنا کہ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ (بقرہ آیت ۵۴)

فائدے اِن آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں پہلا فائدہ دنیا میں انسان کے واسطے دینی دنیوی کامیابیوں کے حصول کے لیے دلیلوں ترکیبوں سے زیادہ ہدایتِ الٰہی ملنا ضروری ہے اگر کسی خوش قسمت کو ہدایتِ ربانی حاصل ہو جائے تو نہ اُس کو دلیلوں کی حاجت رہتی ہے نہ کسی گمراہ گر کی گمراہ گری کا نقصان لیکن اگر اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور ایمان

کی روشنی دل پر نہ آئے تو بیسیوں دلیلیں دیکھ سن کر بھی انسان گمراہ ہوتا جاتا ہے بلکہ الٹا اسے ضد و تعصب کرتا ہے۔ یہ فائدہ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ (الخ) کے کلام فرمانے سے حاصل ہوا کہ دیکھو فرعونی جادوگروں نے صرف ایک سانپ کی دلیل دیکھی تو ہدایت نصیب ہوگئی اور مومن صحابی دلیر صابر شہید ہو گئے مگر بنی اسرائیل نے تیرہ دلائل دیکھے پھر بھی قسمت میں ہدایت نہ تھی مرتد ہو گئے ۱ عصا کا معجزہ ۲ ید بیضا کا معجزہ ۳ جادوگروں کا اقرار کرنا کہ موسیٰ علیہ السلام کا عصا جادوگری نہیں نشانِ نبوت کا معجزہ ہے ۴ فرعون و فرعونیوں پر جوؤں کا عذاب پھر دعاءِ موسیٰ کے سبب نجات ۵ مینڈک کا عذاب ۶ قحط کا عذاب ۷ خون کا عذاب ۸ طوفان کا عذاب ۹ مکڑی کا عذاب ۱۰ بنی اسرائیل کے لیے دریا میں بارہ راستے بن جانا ۱۱ تمام بنی اسرائیل کا دریا سے نجات پا جانا ۱۲ فرعون اور فرعونیوں کا غرق ہو جانا ۱۳ موسیٰ علیہ السلام کی پیشگی خبریں اور ان کا سچا ہونا۔ ان نشانیوں کو دیکھنے کے باوجود ہدایت نہ ملی لہٰذا گمراہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت نے فرعون سے نجات دی مگر اپنی اندھی تقلید سے پھر گمراہی میں پھنس گئے۔ ان واقعات سے ہمیں یہ سبق اور فائدہ ملتا ہے کہ ہم بھی دلائل اور معجزات و کرامات کی کھوج میں نہ لگے رہیں۔ بس اللہ تعالیٰ سے ہدایت اور نورِ قلبی کی دعا مانگا کریں عقلی اور انسانی دلیلیں توڑی جاسکتی ہیں مگر ہدایت کو کوئی نہیں توڑ سکتا۔ دوسرا فائدہ۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ امر و نہی میں پہلے اپنے گھر کی خبر لے شریعت کا حکم اور ممانعت پہلے گھر والوں کو سنائے خطا و لغزش سے پہلے اپنوں کو روکے ٹوکے پھر دوسروں کی طرف متوجہ ہو۔ یہ فائدہ یہاں قَالَ يٰهٰرُوْنُ (الخ) اور سورۂ اعراف آیت ۱۵۰ میں۔ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا کہ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے پہلے یہ سرزنش اور باز پرس اپنے گھر سے شروع کی۔ بلکہ اپنے بھائی پر زیادہ غصہ اور سختی فرمائی۔ حالانکہ یہ اہلِ خانہ رسول و نبی تھے تیسرا فائدہ۔ عند اللہ بزرگی ہمیشہ مرتبہ اور مقام سے ہوتی ہے اور مقام و مرتبہ علم و عقل سے حاصل ہوتا ہے نہ کہ فقط خاندانی عمر سے۔ اور زیادہ احترام بزرگی کا ہوتا ہے نہ کہ عمر کا یہ فائدہ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ فرمانے سے حاصل ہوا کہ دیکھو ہارون علیہ السلام عمر میں حضرت موسیٰ سے بڑے تھے مگر مقام اور مرتبے میں موسیٰ علیہ السلام کو بزرگی حاصل تھی اس لیے حضرت موسیٰ نے حضرت ہارون کا احترام نہ فرمایا بلکہ ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ کا احترام کیا۔

احکام القرآن

اِن آیات کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ۔ اعتکاف بیٹھنا بھی عبادت ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کے سوا جس طرح کسی کو سجدہ کرنا حرام ہے اسی طرح کسی بھی غیر اللہ کے لیے کہیں بھی اعتکاف بیٹھنا اور نیت کرکے اعتکاف سے ٹھہرا رہنا یا ایسے اعتکاف کی منت ماننا حرام اور شرک ظاہری کے درجہ میں ہے خواہ کسی کے مزار کے پاس یا اپنے کسی چلے خانے یا خلوت و مراقبے میں یہ نیت کرنا کہ میں فلاں بزرگ یا اپنے پیر کے لیے اعتکاف بیٹھ رہا ہوں یہ سب اس لیے حرام ہے کہ یہ عبادت غیر اللہ بن جائیں گی اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے غیر کی تعظیم کے لیے اعتکاف بیٹھا تو شرک ہوجائے گا آج کل بہت سے شیطانی پیروں مریدوں میں فوٹو تصویر بنانے بنوانے کی عادت پڑگئی ہے اور بعض بدبخت خطیب تو اس کو جائز بھی قرار دے رہے ہیں حالانکہ تقریباً چالیس احادیث مبارکہ سے اس کی حرمت قطعی ثابت ہورہی ہے جو صحاح ستہ میں مذکور ہیں۔ پیر لوگ یہ کوشش کررہے ہیں کہ ان کا ہر مرید ان کی تصویر ہر وقت اپنے پاس رکھے بہانہ کرتے ہیں تصور شیخ کا اسی طرح بعض پیر اپنی تعظیم و تصور کے لیے اعتکاف بٹھاتے ہیں اور مراقبے کراتے ہیں کہ پیر کی بھی سجائی فوٹو اُن کے سامنے رہے۔ اگر کوئی مرید اپنے کسی پیر کے حکم سے اعتکاف بیٹھ کر چلہ کشی کرے گا تو کرانے والا مثل سامری گمراہ گر اور زندیق ہوگا اور وہ مرید ایمان سے خارج ہوکر مرتد ہوجائے گا۔ ہر بت پرست اپنے بت کے پاس بیٹھ کر اعتکاف کرتا ہے۔ قرآن کریم نے اس اعتکاف کو بت پرستی میں شمار کیا ہے۔ یہ مسئلہ لَنْ نَّبْرَحَ عَلَیْهِ عٰكِفِیْنَ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ قرآن مجید میں لفظ اعتکاف کو بہت جگہ کفار کی عبادت و پرستش فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ سورۃ شعریٰ آیت ۷۱ میں قوم ابراہیم کے اعتکاف کا اس طرح ذکر ہے۔ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِیْنَ۔ یعنی کہا انہوں نے ہم بتوں کو پوجتے ہیں تو اُن کے لیے اعتکاف بیٹھتے ہیں۔ اعراف آیت ۱۳۸ میں ہے کہ بنی اسرائیل دریا سے نجات پاکر نکلے تو۔ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ یَّعْكُفُوْنَ عَلٰۤى اَصْنَامٍ لَّهُمْ۔ ایک قوم پر سے گزرے جو بتوں کے پاس اعتکاف کی عبادت کررہے تھے۔ یہاں بھی آگے فرمایا جارہا ہے۔ فَانْظُرْ اِلٰۤى اِلٰهِكَ ظَلْتَ عَلَیْهِ عَاكِفًا۔ ان تمام آیات سے ثابت ہورہا ہے کہ ہر اعتکاف عبادت ہی ہے بلکہ سامری نے خود بچھڑے کی عبادت صرف اعتکاف کی تعظیم سے کی نہ اُس نے بچھڑے کو سجدہ کیا تھا نہ اُس کے سامنے رقص۔ مسلمان مرد کا اللہ تعالیٰ کے لیے اعتکاف بھی صرف مسجد

میں جائز ہے اور مسلمان عورت کا اعتکاف صرف گھر کے ایک مخصوص کمرے میں اگر کسی مزار یا گھر وغیرہ کے پاس اللہ کے لیے اعتکاف کیا تب بھی اسی طرح گنا ہگار ہوگا جس طرح غیر کعبہ کو منہ کر کے نماز پڑھنے سے۔ دوسرا مسئلہ۔ اللہ تعالیٰ کے لیے غضب ناک ہونا بھی عبادت و کارِ ثواب ہے اس غضب ناکی میں کوئی غلطی کر جانا بھی قابلِ معافی ہے قابلِ گرفت نہیں۔ یہ مسئلہ یہاں لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِیْ (الخ) فرمانے اور سورۃ اعراف آیت نمبر ۱۵۰ میں وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا کہ دیکھو کلام اللہ کی تعظیم اور بڑے بھائی کا احترام واجب تھا مگر غضب للہ سے مجذوبانہ کیفیت پیدا ہوئی جس میں توریت کی تختیاں زمین پر پھینک دیں اور بڑے بھائی کی داڑھی اور سر پکڑ لیا بلکہ کھینچا جھنجھوڑا یہ سب درست نہ تھا ہارون علیہ السلام اس سرزنش کے مستحق نہ تھے انہوں نے قوم کی اصلاح اور سمجھانے منع کرنے میں غفلت نہیں برتی تھی۔ مگر پھر بھی اس نادرست سرزنش کر دینے پر حضرت موسیٰ سے بدلہ نہ لیا گیا۔ اس سے یہ مسئلہ بھی واضح ہوا کہ استاد شاگرد کو والد والدہ اپنی اولاد کو پیر مرید کو اگر غلطی سے سزا دیدے تو جائز ہے گرفت اور مواخذہ نہ لیا جائے گا۔ تیسرا مسئلہ۔ ہر مسلمان مرد کو سر پر لمبے بال رکھنے جائز ہیں مگر عورتوں کی طرح چٹیا کی حد تک نہیں ان کی اصولی حد مقرر ہے کہ اس حد سے زائد نہ رکھے جائیں۔ لیکن داڑھی کے بال چار انگل لمبی رکھنی واجب و لازم ہے نہ کم نہ زیادہ۔ داڑھی کے بال قابلِ احترام ہیں کیونکہ مومن کی نشانی ہے۔ داڑھی مونڈنا یا کترانا اور داڑھی کے بال اتار پھینکنا اس کی توہین ہے یہ مسئلہ یہاں لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِیْ (الخ) اور سورۂ اعراف میں صرف اَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا کہ اگرچہ حضرت موسیٰ نے داڑھی اور سر دونوں کے بال پکڑے تھے مگر وہاں رب تعالیٰ نے صرف سر کا ذکر فرمایا داڑھی کا تذکرہ نہ فرمایا۔ تاکہ عوام کی نظروں میں داڑھی کا احترام برقرار رہے۔ لہٰذا مسلمانوں پر بھی اپنی اور ہر مسلمان کی داڑھی کا احترام واجب ہے اور داڑھی منڈانا داڑھی کی توہین ہے جو شرعاً جرم ہے۔ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِیْ سے ثابت ہوتا ہے کہ اتنی داڑھی رکھنی لازم ہے جتنی داڑھی انبیاءِ کرام نے رکھی اور وہ چار انگل ہی ہے اس لیے کہ اتنی لمبی داڑھی پکڑی جا سکتی ہے۔ انبیاء کرام کی سنتیں امت پر واجب ہوتی ہے۔ نیز احادیث سے ثابت ہے کہ چار انگل سے زیادہ رکھنی بھی ناجائز و گناہ ہے اس کے دلائل ہمارے فتاویٰ العطایا جلد دوم میں دیکھیے۔ عربی زبان میں سر کے بالوں کے سات نام ہیں نمبر ۱ حلقہ نمبر ۲ قصرہ نمبر ۳ قزع نمبر ۴ جمّہ نمبر ۵ لمّہ نمبر ۶ وفرہ نمبر ۷ عقصہ شریعتِ اسلامیہ میں مسلمان مردوں کو پانچ

قسم کے بال رکھنے جائز ہیں ۱؎ حلقہ یعنی پورا سر استرے سے منڈانا ۲؎ قصرہ یعنی پورا سر قینچی یا مشین سے کترانا ۳؎ وفرہ کندھوں تک زلفیں رکھنا ۴؎ لمّہ۔ کانوں کی لو یعنی گدی تک زلفیں رکھنی ۵؎ جُمّہ کانوں کے اوپری حصہ کے برابر پٹے رکھنا۔ عورتوں کو صرف عقصہ بال رکھنے جائز ہیں یعنی پوری چٹیا۔ باقی حلقہ۔ قصرہ۔ وفرہ۔ لمّہ۔ جُمّہ یہ سب قسمیں عورتوں کو منع ہیں۔ ۶؎ قزع یعنی سر کے کچھ بال منڈانا یا مشین وغیرہ سے کترانا اور کچھ بال بڑے بڑے رکھنا (منجد) یہ طریقہ اور اس قسم کے بال رکھنا عورت و مرد دونوں کو منع ہیں شرعًا ناجائز ہیں۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ انبیاء کرام بھی لغزشیں کر سکتے ہیں بلکہ گناہِ کبیرہ وصغیرہ کا ارتکاب بھی اُن سے ممکن ہے یہ بات اس آیتِ قرآنیہ سے ثابت ہو رہی ہے اس طرح کہ قال یٰهٰرُوْنُ (الخ) اگر حضرت موسیٰ نے اپنی اتباع کا حکم دیا تھا اور ھٰرون علیہ السّلام نے نہ کی تو حضرت ھٰرون گناہگار ہوئے کیونکہ یہ اتباعِ شریعت کا حکم تھا جس کی اتباع واجب تھی اور ترکِ اتباع معصیت اور گناہ اور اگر حکم نہ دیا تھا لیکن پھر بھی یہ کہہ رہے ہیں تو موسیٰ علیہ السّلام گناہگار کیونکہ اس پر سرزنش کر رہے ہیں جس کا حکم ہی نہ دیا۔ اگر حکم دیا تھا اور ھٰرون علیہ السّلام نے اتباع بھی کی تب بھی حضرت موسیٰ گناہگار ہوئے کہ جس حکم پر عمل ہو چکا ہے اُس پر پھر سرزنش کر رہے ہیں اور ملامت و سرزنش گناہ ہے اس لیے کہ غیر مجرم کو ملامت گناہ ہے نیز حضرت موسیٰ نے فرمایا اَفَعَصَيْتَ اَمْرِیْ۔ یہ استفہام انکاری ہے یعنی ایسا کیوں کیا نہ کرنا چاہیئے تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ ھٰرون علیہ السّلام نے واقعتًا نافرمانی کی تھی اور یہ نافرمانی گناہ تھی اگر نافرمانی نہ کی تھی تو اَفَعَصَيْتَ کہنا کذب ہوتا ہے۔ اور پھر حضرت موسیٰ نے حضرت ھٰرون کی داڑھی پکڑ لی سر کے بال بھی اگر یہ پکڑنا تحقیقِ حال سے پہلے تھا تو موسیٰ گناہ گار کہ تحقیقِ حال سے پہلے سزا دیا توہین جائز نہیں اگر تحقیقِ حال کے بعد تب بھی غلط کیونکہ ھٰرون علیہ السّلام نے قوم کو بہت سمجھایا تھا۔ یہی ان کا فرض تھا جو انہوں نے پورا کیا اس کے باوجود موسیٰ علیہ السّلام کا ھٰرون کی توہین ناجائز تھی اور اگر جائز تھی تو حضرت ھٰرون کا لَا تَاْخُذْ۔ کہنا غلط ہوا اور یہ بھی گناہ بہرکیف دونوں نبی ہیں مگر کسی نہ کسی طرف گناہ لازم آتا ہے۔ (چکڑالوی اور منکرینِ عصمتِ انبیاء) جواب۔ تفسیر کبیر نے اس کے چند جواب دیئے ہیں مگر سب کا خلاصہ یہ کہ اس ساری باز پرس سوال وجواب میں نہ موسیٰ غلط ہوئے نہ ھٰرون علیہما السّلام۔ گناہ تو بڑی بات ہے اس کو خطا و لغزش بھی نہیں

کہا جا سکتا۔ حضرت ھٰرون تو اس لیے بری الذمہ کہ بحیثیت نبوت قانونِ تبلیغ کے مطابق انہوں نے اپنی پوری ذمہ داری ادا فرما دی۔ وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ ۔ پورا فرما دیا۔ اور حضرت موسیٰ اس لیے بری کہ آپ کی ذمہ داری اور اَلْغَضَبُ لِلّٰہِ کی کیفیت اُس وقت اسی بات کا تقاضہ کرتی تھی کہ آپ اُس وقت تحمل اور نرمی کا ہرگز مظاہرہ نہ فرمائیں ورنہ ارتداد کی کفریہ اہمیت اور جرم کی بدترین نفرت انگیز کیفیت ختم ہو جاتی اور مرتدین کو اپنے جرم کا احساس نہ ہوتا۔ اُس وقت اگرچہ حضرت ہارون پر سختی کی گئی مگر لرزہ سب پر طاری ہو گیا۔ اور بدکرداری کا احساس ہو گیا اسی احساس نے توبہ کی طرف مائل کر دیا اور اعتراف جرم کر لیا حضرت موسیٰ کا یہ جلال آمیز کردار عین شریعت کے مطابق تھا۔ حضرت ھٰرون کی تبلیغ کا نہ موسیٰ علیہ السّلام کو علم تھا نہ مرتدین کو احساس اپنے علم اور مرتدین کو احساس دلانے کے لیے موسیٰ علیہ السّلام کا یہ رویہ ایسا ہی جائز اور موقعہ کے لحاظ سے ضروری تھا جیسا کہ استاد دیگر شاگردوں کی تخریب کاری دیکھ کر ذمہ دار شاگرد یا ناظم الامور پر اُس کی ذمہ کے متعلق گرفت و مؤاخذہ کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اس میں اگر کچھ خطا بھی ہو جائے اس طرح کہ واقعتاً اُس ناظم نے اپنی ذمہ داری نبھائی مگر حالات اُس کے قابو سے باہر ہو گئے ہوں پھر بھی سب کے سامنے یہ سختی مفید ہے۔ تاکہ وہ ناظم خود بتائے کہ میں نے ان کو سمجھایا تھا مگر یہ نہ مانے۔ اس طرح مجرم کا دُگنا جرم ثابت ہو جاتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی ھٰرون علیہ السّلام پر یہ سختی قانونی طور پر تفتیش اور عدالتی تحقیق تھی تاکہ مجرمین کا جرم با دلائل ثابت ہو جائے یہ بات نرمی دکھلانے سے حاصل نہ ہوتی۔ بعض نے جواب دیا کہ موسیٰ علیہ السّلام کی یہ سختی آپ کی اجتہادی غلطی تھی۔ اور حضرت ہارون پر یہ اتباع واجب نہ تھی اَولیٰ تھی۔ اس سے ترکِ اَولیٰ ہوا جو گناہ نہیں صرف نسیان ہے۔ دوسرا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ کہ یہاں فرمایا گیا لَا تَاْخُذْ بِلِحْیَتِیْ وَلَا بِرَاْسِیْ ۔ لیکن اسی واقعہ کو سورۃ اعراف کی آیت ١٥٠ میں بیان فرمایا گیا تو فرمایا وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِیْهِ ۔ یعنی یہاں داڑھی اور سر کا ذکر مگر وہاں صرف سر کا ذکر ہے یہ تضاد بیانی کیوں؟ جواب۔ اس کی تین وجہ بیان کی گئی ہیں۔ ١۔ یہ کہ وہاں جمانیت بیان کی گئی ہے کیونکہ اصطلاحاً راس اس پورے عضو کو کہتے ہیں جس میں چہرہ ناک کان داڑھی آنکھیں ہوتی ہیں۔ اور اسی کو پکڑ کر کھینچا جاتا ہے تو راس کہنے میں دونوں چیزیں آ گئیں اور اس کی وجہ یَجُرُّهٗ اِلَیْهِ کی وضاحت مقصود ہے کہ جھنجھوڑنے میں پورا راس تب ہی آتا ہے جب کہ گردن تک شامل ہو۔ اور پکڑنے کی نوعیت و کیفیت بیان کی جا رہی ہے کہ سر اس انداز میں پکڑا تھا کہ بائیں ہاتھ میں داڑھی تھی اور دائیں میں اوپر سر کے بال۔ ٢۔ جواب یہ کہ وہاں چونکہ رب تعالیٰ نے بیان فرمایا اس لیے داڑھی کا

احترام سمجھانے کے لیے اس کا ذکر چھوڑ دیا۔ یہاں چونکہ ھٰرون علیہ السلام کا اپنا بیان تھا اس لیے اپنی داڑھی کا بھی نام لیا اور سر کا بھی اس میں حقیقت کی وضاحت ہو گئی۔ سوم جواب یہ کہ پہلے سر پکڑا پھر داڑھی اور یکجرہ میں دونوں شامل پھر جب ھٰرون علیہ السلام نے اپنا کلام معذرت شروع فرمایا تب آپ نے داڑھی تو چھوڑ دی مگر سر آخر کلام تک پکڑے رکھا۔ یعنی یہاں صرف ابتدا کا ذکر ہے وہاں اول سے آخر تک کا ذکر ہے۔ کہ اول سے آخر تک سر پکڑے رکھا جب ھٰرون علیہ السلام کا کلام ختم ہوا تب آپ نے سر چھوڑا۔ مگر پہلا جواب زیادہ بہتر ہے۔ تیسرا اعتراض۔ دنیا میں ہر مذہب ہر انسان کے نزدیک سب سے زیادہ بری چیز فرقہ بازی اور اتحادِ انسانی کو توڑتا ہے اور قوم میں افتراق پیدا کرتا ہے اتحاد بڑی ضروری چیز ہے اتحاد کی خاطر گناہ خطا اور بے عملی کرنا یا بوقتِ ضرورت گمراہوں کا ساتھ دینا بھی جائز ہے اور قوم میں گھل مل کر رہنا جائز ہے دیکھو حضرت ہارون نے صرف اس خیال سے کہ قوم میں فرقہ بازی نہ ہو اور قومی اتحاد برقرار رہے مرتدین پر سختی نہ فرمائی صرف زبانی شیریں کلامی سے چند باتیں بطورِ نصیحت فرما دیں تاکہ کسی کا دل نہ دکھے اور جب موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا تو یہی فرمایا۔ خَشِيتُ أَن تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَائِيلَ یعنی مجھے یہی ڈر تھا کہ کہیں تم یہ نہ کہو کہ ھٰرون نے بنی اسرائیل میں فرقہ بازی کر دی اور قومی اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا۔ لہٰذا آج اگر اتحاد کو بچانے کے لیے اور فرقہ بازی کی لعنت سے بچنے کے لیے سب کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے اور سب اچھے کا نعرہ لگایا تو بالکل جائز اور درست ہے۔ گمراہوں کے بداعمال کو بھی برا نہ کہو قرآن کریم کی اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ اتحادِ قوم ہر چیز سے زیادہ ضروری کیونکہ اتحاد سے کفر کو شکست ہوگی۔ اور جب کافر حملہ کرے گا تو نہ سنی کو دیکھے گا نہ وہابی کو نہ شیعہ کو اس لیے ہمیں بھی سب طرح کے لوگوں فرقوں سے مل کر سب کا احترام کر کے قوم کو مضبوط بنانا چاہیئے نہ کسی کو کافر کہو نہ کسی کو برا کسی کے جھوٹے خدا کو بھی گالی نہ دو بلکہ عزت کرو یہی تعلیم قرآن ہے ہلاکو وغیرہ کی تاریخ بتاتی ہے کہ جب مسلمانوں نے فرقہ بازی کی تو غیروں نے سب فرقوں کو ہلاک کر دیا۔ ہمارے اکابر نے انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کے لیے ہندوؤں سے اتحاد کیا گاندھی کو منبر پر جامع مسجد دہلی میں بٹھایا سعودی عرب میں نہرو کو یا رسولِ امن کے نعروں سے نوازا اس کی شان کا استقبال میں جلوس نکالے یہ سب قومی اتحاد اور وطنی محبت اسی آیت سے ثابت کرتے ہوئے کیا گیا۔ ڈاکٹر اقبال بھی پہلے پہل اسی قومی اتحاد کے قائل تھے بعد میں نامعلوم ان کو کیا ہوا کہ محمد علی جناح (قائد اعظم) کے کہنے

یعنی آل انڈیا کانگریس قومیت کی حمایت کرنے لگے (راز حیات اقبال۔ محمد کلیم آرائیں طبع مکتبہ تعمیر انسانیت اردو بازار لاہور ص ۲۰۲) اور اتحادی لیڈروں کے خلاف ہو گئے۔ (احراری دیوبندی اور بعض احمق سنی لیڈر) جواب۔ مذکورہ آیت مبارکہ سے اس طرح استدلال کرنا در پردہ آیت اور ہرون علیہ السلام پر اعتراض ہے اور یہ استدلالی اعتراض چند وجوہ سے غلط ہے۔ ایک یہ کہ معترض آیت کا معنی نہ سمجھا آیت کا معنیٰ یہ نہیں ہے کہ راہِ راست سے ہٹ کر اتحاد کیا جائے یا باطل کے ساتھ مل کر اتحاد ہو اتحاد کا مقصد تو باطل کو مٹانا اور اس کی قوت توڑنا ہے نہ یہ کہ اُس کو مزید مضبوط کرنا دوم یہ کہ معترض فرقہ بازی کا معنیٰ بھی نہ سمجھا نہ اتحاد کی حقیقت کو سمجھا جس اتحاد کا تذکرہ معترض کر رہا ہے وہ اتحاد نہیں بلکہ دین فروشی اعمال بربادی اور غیرتِ ایمانی کا جنازہ نکالنا ہے ایسا اتحاد اس آیت کے بھی خلاف اور متعدد احادیث کے بھی اور تعلیم قرآن کے بھی سوم یہ کہ معترض تاریخ سے بھی ناواقف ہے۔ ہلاکو خان کے حملے و ہلاکت کی وجوہ وہابی سنی فرقے بازی نہ تھی نہ حنفی شافعی اختلافات تھے بلکہ اُس وقت کی حکومتِ بغداد کی عسکری اور سیاسی کمزوری اور کنبہ پروری خزانہ سازی کی ہوس اپنوں سے دوری غیروں پر اندھا اعتماد تھی جس کی وجہ سے فوج مفلوس و مفلوج تھی اور شاہزادگی بدمست و مدہوش تھی جس کا ذکر خود ہلاکو نے تخت و خزائن پر قابض ہو کر کیا کہ اے سلطانِ بغداد تو نے یہ خزانے اپنی فوج پر کیوں نہ خرچ کئے جو آج ہمارے حملوں قبضوں سے بچ جاتا۔ اسی طرح آپس کی غداری نے بھی غیروں کو جرأت و ہمت دی۔ آیتِ مذکورہ کا بیان یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اَلَّا تَتَّبِعَنِ، تم میرے پیچھے طور پر کیوں نہ آگئے تب جواب میں ہرون علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ آپ ہی کہو گے کہ تم بنی اسرائیل کے درمیان سے کیوں متفرق اور جدا ہوئے۔ اور اگر ہرون علیہ السلام کا پہلا بیان بھی شامل کیا جائے سورۃ اعراف والا تو معنیٰ یہ ہو گا کہ جب میں نے قوم کو اس برائی سے روکا تو انہوں نے اِسْتَضْعَفُوْنِیْ مجھے کمزور سمجھ کر مجھ پر حملہ کرنا چاہا اُس وقت اگر میں ذرا سختی کرتا تو میرے بارہ ہزار ساتھی ان پر ٹوٹ پڑتے اور خانہ جنگی شروع ہو جاتی اور پھر آپ کہتے کہ یہ فرقہ بازی کی جنگ تم نے چھیڑی وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ اور میرے فیصلے کا انتظار نہ کیا۔ بتایئے حضرت ہرون نے کب ان باطل مرتدین سے اتحاد کیا یا اُن کی تائید کی۔ بلکہ فرقہ بازی تو قوم نے کی کہ ایمان سے نکل کر گمراہی کا نیا ٹولہ بنا کر جدا ہو گئے۔ رہا یہ کہنا کہ ہر ایک کو اچھا کہو ہر ایک کے پیچھے نماز پڑھ لو یہ اتحاد نہیں نہ اس سے قوموں کی مضبوطی

ہے کسی آیت نے بھی اتحاد کا اس طرح کا سبق یا حکم نہیں بتایا نہ ہی ایسے اتحاد سے فائدہ ہے بلکہ یہ تمام رویہ تو باطل نوازی ہے اور قرآن و حدیث کی مخالفت۔ قرآن کریم فرماتا ہے وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا۔ یعنی اتحاد یہ ہے کہ بروں کو سچائی اور باطل کو حق کی طرف لاؤ اور سب ایک اللہ کی رسی دامن مصطفیٰ میں لگ جاؤ۔ وَلَا تَفَرَّقُوا۔ اس حَبْلِ اللّٰہ سے دور ہٹنا ہی فرقے بازی ہے۔ بجائے اس کے باطل کے پیچھے لگ جانا سیاسی اتحاد ہو سکتا ہے ایمانی اتحاد نہیں ہے حدیث پاک میں ہے کہ امت مسلمہ تہتّر فرقوں میں بٹے گی صرف ایک اچھا ہوگا باقی سب برے۔ اب یہ کہنا کہ کوئی برا نہیں سب اچھے ہیں گویا فرمان رسول اللہ کی مخالفت کرنا ہے اور اپنا ہی ایمان بگاڑنا ہے۔ حق یہ ہے کہ اوّلاً تو کسی باطل فرقے سے کسی معاملے میں کسی قسم کا اتحاد نہ کرو لیکن اگر کبھی سیاسی اتحاد کرنا پڑ جائے تو اپنی نماز و عقائد کو اس دنیوی اتحاد سے علیحدہ رکھو۔ نماز اعمال و عقیدے بڑے نازک خزانے ہیں ان کی حفاظت کرو نماز تو ہم اپنے فاسق بھائی۔ اور بے وضو ہم عقیدہ سنی کے پیچھے اور وقت سے ایک منٹ پہلے نہیں پڑھ سکتے تو بھلا بدعقیدہ کے پیچھے کیسے پڑھ سکتے ہیں اور دیکھا گیا ہے کہ یہ شیطانی اتحاد صرف ہمارے ہی سُنی خطبا واعظین پروفیسر قسم کے لیڈری کے شوقین علماء کرتے پھرتے اور باطل کے پیچھے لگ جاتے ہیں مگر باطلین بہت متعصب ہیں وہ کبھی ہمارے پیچھے نماز نہیں پڑھتے چھال مار کر آگے کھڑے ہو جاتے ہیں اور مصلے پر قابض اور یہ سنی نام نہاد منہ لٹکائے پیچھے ہاتھ باندھے کیا اسی چاپلوسی کاسہ لیسی اور باطل عیاری کا نام اتحاد ہے۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ رہا احراری لوٹے کا کردار تو ان کی عیاری کے لیے ہماری کتاب فتاوٰی دوم دیکھو۔

تفسیر صوفیانہ قَالُوا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى۔ قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا۔ اَلَّا تَتَّبِعَنِ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ۔ جب مرید مخلص صدقِ ارادت سے خدمت مرشد کی سعادت حاصل کرتا ہے اور اس کے امر و نہی پر توجہ رکھتا ہے تب وہ تصرفات شیخ کامل مرشد برحق کے قابل ہو کر اسی کے رُشد و ہدایت اور اس کی ولایت کے نور سے سمیع و بصیر بن جاتا ہے پھر اسرار و معانی کو دیکھتا ہے۔ اور اس نورِ مرشد سے وہ کچھ دیکھ سن لیتا ہے جو بغیر اس کے نہ دیکھ سکے نہ سن سکے۔ پھر طالب مرید پر اگر کبھی فراقِ مرشد کی مصیبت آجائے یا وقت سے پہلے آجائے تو وہ ہی ایک آزمائشی فتنہ ہے اگر وہ مرید مفتون ان لمحات میں آزمایا جائے تو اس پر ضلالت کے حجابات آجاتے ہیں اور نور

ولایت زائل ہو جاتا ہے اور وہ بدقسمت اندھا بہرا رہ جاتا ہے جیسے راہِ معرفت سے پہلے تھا۔ جب تک کہ پھر وہ صحبتِ مرشد میں نہ پہنچے اور وہی نور اس کو پھر نہ ملے۔ نور کے زوال کی نشانی یہ ہے کہ ہر نیک نصیحت پر کج بحثی جھگڑا مناظرہ اور ضد بازی سے۔ لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ کی شیطانی آوازیں ہی نکلتی ہیں۔ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى کے سلوکِ معرفت سے واپسی تک۔ اور جب موسیٰ قلب شواہدِ حق کے دریا میں مستغرق ہوتا ہے اور عروجِ عرفانی کے میقات پر پہنچتا ہے تو غیرتِ حق کے تمام حجاباتِ واسطہ ختم ہو جاتے ہیں اور بجز حق تعالیٰ کے کسی کو نہیں دیکھتا۔ پھر مربیِ حقیقی کی طرف سے واسطوں کے حجابات ڈالے جاتے ہیں کہ ہم نے آزمائشی فتنہ ڈالا۔ اور سامریِ نفس نے زمینِ بدنی میں فسادِ گمراہی مچایا یہ اس لیے ہوا کہ قومِ عقلیات نے تقدیر کے ساتھ تدبیر کو بھی اہمیت دی اور اللہ معبود کے ساتھ غیر اللہ پر بھی نظری فکری توجہ دی اور خبر کے ساتھ نظر کا بھی احترام کیا تب حضورِ طورِ قربِ جمال سے میدانِ مادیات میں آکر خلوتِ اسرار سے نکل کر محفلِ اشرار میں آکر سب سے پہلے قلبِ مسعود نے عقلِ سلیم سے خطاب فرمایا کہ اے ہارونِ عقلِ مشفق عالمِ ناسوتی کے فسادِ برپا میں وسیلۂ معرفت کی طرف کیوں نہ توجہ فرمائی اور اتباعِ قلب میں گامزنِ طورِ تجلیات کی طرف کیوں نہ ہوا اور افعالِ اعضا کو مقامِ حقیقت سے کیوں نہ دیکھا۔ خیمۂ خلوت سے قدمِ شریعت کیوں نہ بڑھائے اور نورِ جمال کی طرف میری پیروی نہ کی۔ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ کیا رعایتِ حق میں میرے افکار و اشغال کی مخالفت کر لی تھی عالمِ اجسام میں اعضاءِ ظاہری کی مصلح عقلِ فطرت ہے اور قلبِ مومن حادیِ عقل ہے دنیا چلانے کے لیے عقل کی تدبیر اور دین چلانے کے لیے قلب کی تقسیم ضروری ہے۔ قلب مزکی مرشدِ عقل ہے اور عقل خلیفۂ قلب ہے۔ قلب قربِ حق کے طور پر ہے اور عقل خلافتِ ارشاد میں ہے۔ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ۔ عالمِ ناسوت میں روح اُمِّ وجود ہے اور جسم ابِ وجود ہے۔ روح سے اصلِ وجود ہے اور جسم سے نسلِ وجود ہے عقل بھی مربی کا بدان ہے اور قلب بھی مگر عقل میں ماں کی رحمت ہے قلب میں باپ کا جلال جب قلب جلالی کا جلال ظاہر ہوتا ہے تو عقل کی بازپرس ہو جاتی ہے۔ تب عقل محبتِ مادری کی شفقت بھری محبت یاد دلاتی ہے کہ اے میری مادرِ فطرتِ ایمانی کے مربوب میری لحیۂ اقوال اور راسِ افکار نہ کھینچ جب سمجھتی ہے کہ قلبِ مسعود شکرانِ شوق اور ملالِ ذوق کی بارگاہ سے رجوع فرما رہا ہے اور اس وقت مکالمۂ اصطفائی کی قربت سے معمور و محزون ہے تو عقل کو بجز معذرتِ انکسار کے

کے کوئی گنجائش نہیں ہوتی اور گوشۂ خلوص سے عرض کرتی ہے کہ اے میرے قلبِ منور تیرے انتظار نے مجھ کو عمل سے اور تیرے فراق نے اتباع سے اور تیرے جلال نے اطاعت سے روکا یہ عصیان نہیں خشیت ہے۔ خشیت کی لغزش بھی مفید و مبارک ہے معذرت تین طرح سے ہوتی ہے (۱) میں نے یہ کام کیا ہی نہیں (۲) میں نے کام کیا مگر اپنی سمجھ کی بنا پر (۳) میں نے اب تو یہ کام کر لیا مگر آئندہ نہ ہوگا پہلی دو فقط معذرت ہیں اور تیسری توبہ ہے ہر توبہ عذر ہے مگر ہر عذر توبہ نہیں عقلِ مومن حلیم ہوتی ہے اس لیے رفیق ہے قلبِ مومن رقیق ہوتا ہے اس لیے محبت ہے۔ مولیٰ علی نے فرمایا سب سے اچھا خزانہ محبتِ قلب ہے سقراط نے کہا جس کے اخلاق اچھے اُس کی زندگی کا عیش مبارک ہے اس کی محبت خلق کے نفسوں میں ہے اس کی سلامتی دائمی ہے۔ اور جس کے اخلاق گندے اُس کی زندگی تنگ اُس کی نفرت دائمی اُس کا بغض نفوسِ خلق میں۔ صوفیا فرماتے ہیں قناعت کا پھل راحت ہے اور عاجزی کا پھل محبت ہے۔ ارسطو نے کہا اچھی بات سے قدر و عزت اچھی ہوتی ہے اور اچھی تواضع سے محبت اچھی ہوتی ہے نرمی سے خدمت گار بڑھتے ہیں اور حلم سے مددگار بڑھتے ہیں وفا سے دوستی کو دوام ہے۔ یہ سب نعمتیں اُس کے دروازے سے ملتی ہیں جس کو رب تعالیٰ کائنات میں رؤف رحیم بنا دے اور یہ ذات صرف محمد مصطفیٰ کی ہے۔ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ۔ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ درستگی اسرار سے پہلے درستگی اعمال ضروری ہے قلبِ مرشد کی توجہ پہلے اعمالِ مرید کی طرف ہوتی ہے کیونکہ اعضاءِ ظاہری کی تربیت و اصلاح شریعت ہے جب یہ حاصل ہو جائے تب عیاری نفس کی طرف توجہ مناسب ہے اور اس وقت مرشد روحانی کا خطاب یہی ہوتا ہے کہ اے سامریٔ نفسِ امارہ تیری کیا مرضی و ارادت ہے۔ یہ طریقت کا پہلا سبق ہے کہ سوالِ حال کر کے کیفیتِ استقبال کا پتہ لگایا جائے۔ (از تفسیر روح البیان۔ و محی الدین ابن عربی) طریقت کا دوسرا سبق حکمتِ الٰہی کا احترام ہے حکایت ایک عارف نے دنیا سے اس قدر کنارہ کشی اختیار کی کہ لوگوں کو چھوڑ کر آبادی سے باہر جنگل کی طرف نکل گیا اور عہد کیا کہ کسی سے کچھ نہیں مانگیں گے تاکہ ان کا مقدور رزق خود اُن کے پاس آئے چند دن سیاحت کرتے رہے کچھ نہ ملا ایک دفعہ ایک پہاڑ کے دامن میں جا بیٹھے اور ہلاکت کے قریب جا پہنچے۔ تب انہوں نے بارگاہِ رب تعالیٰ میں دعا کی کہ اے مولیٰ تعالیٰ اگر تو مجھ کو زندہ رکھنا چاہتا ہے تو مجھ کو میری قسمت کا رزق عطا فرما ورنہ مجھے اپنے پاس بلا لے اس وقت اُن کو الہام ہوا کہ میری عزت و جلال کی قسم میں تمہیں اُس وقت تک رزق نہ دوں گا جب تک تم شہر جا کر لوگوں سے میل ملاقات حسبِ سابق جاری نہ رکھو لہٰذا وہ شہر میں آباد

ہوئے تو کوئی ان کو پانی پلاتا کوئی کھانا کھلاتا۔ اس عزت افزائی سے وہ اپنے نفس پر ڈرے کہیں بہکا نہ دے۔ تب غیبی فرشتے کی آواز آئی کہ اے عارف کیا تو چاہتا ہے کہ ترکِ دنیا کر کے اللہ تعالیٰ کی حکمت کو دنیا میں باطل کر دے کیا تجھے یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو قدرت کے ہاتھ رزق دینے سے بندوں کے ہاتھ سے رزق دینا زیادہ پیارا ہے یہ سب نظامِ کائنات حکمتِ الٰہیہ ہے اور حکمت کو تسلیم کرنا ہی راہِ معرفت ہے جب صوفی کی روحانی حالت صحیح ہو اور اس کی دنیوی طمع باقی نہ رہے اور تمام خواہشیں مٹ جائیں نہ فرعونیتِ ظاہری رہے نہ سامریتِ باطنی تو دنیا اور اہلِ دنیا اس کی شفقت کا احترام اور اس کے جلال کا اہتمام کرتے ہیں اور اس کی خدمت کو سعادت سمجھتے ہیں بلکہ خادمِ آستانہ بننے کی لیاقت حاصل کرنے کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں مگر صراطِ طور کے اہلُ اللہ اہلِ دنیا کو اپنا خادم اور خود کو ان کا مخدوم بنانا پسند نہیں کرتے اور صاحبِ فتحِ قلبی نفس کی ہر جنبش شوق کو گناہ و جرم قرار دیتے ہیں۔ راہِ معرفت میں اتنی سی جنبش و لغزش بھی اَنْعَصَیْتَ آمیزی ہے۔ دنیوی جاہ و مرتبہ فرعونی سونا ہے جو صوفی یا پیر ضرورت سے زیادہ جمع کرتے ہیں وہ ڈھونگ رچانے والے تاجر ہیں پیر و مرشد بننے کے لائق نہیں۔ مولیٰ علی شیرِ خدا نے فرمایا کہ فقیری میں ثواب بھی ہے عذاب سزا بھی ہے جزا بھی عروجِ طور بھی ہے اور زوالِ رتبہ بھی فقرِ عروج راہِ موسیٰ ہے اور فقرِ زوال طمع سامری ہے۔ سچے درویش کی چار نشانیاں ہیں ۱ اخلاق اچھے ۲ طبیعت مطیع ۳ ہر حالت پر صابر ۴ اپنی فقیری پر شاکر ایسے درویش کو عروجِ طور کا مقام ہے۔

قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهٖ فَقَبَضْتُ

اُس نے کہا کہ میں نے ایک چیز دیکھی تھی جس کو ان لوگوں نے نہ دیکھا تھا تو فوراً مٹھی بھر لی تھی میں نے

بولا میں نے وہ دیکھا جو لوگوں نے نہ دیکھا تو ایک مٹھی بھر لی

قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَ

ایک مٹھی اس رسول فرشتے کی گھوڑی کے قدموں کے نشان سے اور

فرشتے کے نشان سے پھر اُسے ڈال دیا اور

كَذٰلِكَ سَوَّلَتۡ لِیۡ نَفۡسِیۡ ﴿۹۶﴾ قَالَ فَاذۡهَبۡ

یہی لبھایا مجھ کو میرے دل نے فرمایا سٹ چا یہاں سے

میرے جی کو یہی بھلا لگا۔ کہا تو چلتا بن

فَاِنَّ لَكَ فِی الۡحَیٰوةِ اَنۡ تَقُوۡلَ لَا مِسَاسَ

بس اب بے شک تیرے لیے زندگی بھر یہی سزا ہے کہ کہتا پھرے گا تو نہ ہاتھ لگانا مجھ کو

کہ دنیا کی زندگی میں تیری سزا یہ ہے کہ تو کہے۔ چھو نہ جا۔

وَاِنَّ لَكَ مَوۡعِدًا لَّنۡ تُخۡلَفَهٗ ۚ وَانۡظُرۡ

اور بے شک تیرے عذاب کے لیے ایسا وعدہ ہے کہ ہرگز نہ خلاف کیا جائے گا وہ اور دیکھ تو

اور بے شک تیرے لیے ایک وعدے کا وقت ہے جو تجھ سے خلاف نہ ہوگا اور اپنے اس

اِلٰۤی اِلٰهِكَ الَّذِیۡ ظَلۡتَ عَلَیۡهِ عَاكِفًا ؕ

اپنے اس بناوٹی معبود کو معتکف بیٹھا رہا تو جس پر

معبود کو دیکھ جس کے سامنے تو دن بھر آسن مارے رہا۔

لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنۡسِفَنَّهٗ فِی الۡیَمِّ نَسۡفًا ﴿۹۷﴾

البتہ ضرور آگ لگا دینگے اُس کو پھر راکھ بنا کر اڑا دیں گے ہم اُس کو سمندر میں بالکل راکھ

قسم ہے ہم ضرور اسے جلائیں گے پھر ریزہ ریزہ کرکے دریا میں بہائیں گے۔

اِنَّمَاۤ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ

تمہارا معبود تو فقط اللہ ہے جس کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں

تمہارا معبود تو وہی اللہ ہے جس کے سوا کسی کی بندگی نہیں

وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿٩٨﴾

بس وہی ہے جس نے سما لیا ہے ہر مخلوق کو اپنے لبسے علم میں

ہر چیز کو اس کا علم محیط ہے

تعلقات ان آیات کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں ذکر ہوا کہ حضرت موسیٰ نے سامری کو جھڑکتے ہوئے اُس کے گمراہ کرنے اور بچھڑا بنانے کی جواب طلبی کی۔ اب ان آیت میں سامری کا جواب دینا ذکر ہو رہا ہے دوسرا تعلق پچھلی آیت میں بنی اسرائیل کے بچھڑے کی پرستش کا ذکر ہوا جس کو انہوں نے سامری کے کہنے سے معبود سمجھ لیا تھا۔ اب ان آیت میں ان کے اس جھوٹے معبود کے ذلت آمیز اُس انجام کا ذکر ہوا جو ان کی نگاہوں کے سامنے کیا گیا۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں گمراہوں کے جھوٹے خود ساختہ معبود کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں سچے معبود اِلٰہُ العٰلمین کا ذکر فرمایا گیا

تفسیر نحوی قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ أَثَرِ الرَّسُولِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذَٰلِكَ سَوَّلَتْ لِي نَفْسِي۔ قَالَ فعل ماضی بافاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ اس ضمیر کا مرجع سامری ہے۔ بَصُرْتُ مطرد کے یا بچھیں باب کَرُمَ کا فعل ماضی مطلق واحد متکلم بَصَرٌ سے مشتق ہے بِ حرف جر تعدیہ کی مَا اسم موصول لَمْ يَبْصُرُوا۔ باب کَرُمَ کا فعل نفی جحد بلم بمعنی ماضی ور اصل يَبْصُرُوْنَ تھا لَمْ حرف جازم نے نون اعرابی گرادی ہُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل ہے مرجع بنی اسرائیل بِ جارہ تعدیہ (مفعولیت) کی ایک قرءت میں بَصِرْتُ ہے باب سَمِعَ یا حَسِبَ سے نیز ایک قرءت میں لَمْ تَبْصُرُوْا جمع مذکر حاضر کے صیغے سے ہے۔ فَ عاطفہ تعقیبیہ یعنی بعدیت کے لیے کہ دیکھنے کے بعد قَبَضْتُ باب ضَرَبَ کا فعل ماضی واحد متکلم قَبْضَةً۔ اسم مصدر جامد مفعول فیہ ہے یا اسم مصدر ہے آخر میں ۃ مصدریہ ہے تب یہ مفعول مطلق ہے۔ ایک قرءت میں ہے قَبَصْتُ قَبْصَةً۔ قَبْضٌ اور قَبْصٌ میں فرق یہ ہے کہ قَبْضٌ ایک مرتبہ مٹھی بھرنا اور قَبْضٌ کا معنیٰ مٹھی بھر چیز یہاں یہی مراد ہے اور قَبْضٌ کا معنیٰ پوری ہتھیلی بھر مٹھی لینا لیکن قَبْصٌ کا معنیٰ انگلیوں سے پکڑ کر اٹھانا یا چٹکی بھر لینا جیسے خَضْمٌ پورا منہ بھر کر کھانا اور قَضْمٌ اگلے دانتوں

سے کھانا چبانا (تفسیر معانی) مِنْ جارّہ بیانیہ یا تبعیضیہ۔ اَثَرٌ اسم مفرد جامد بمعنی نشان علامت یہاں مراد ہے نشانِ قدم رسول بمعنی قاصد۔ رہنما پیغامبر دراصل تھا مِنْ اَثَرِ فَرَسِ الرَّسُوْلِ۔ یعنی قاصد کے گھوڑے کے نشانِ قدم کی مِنْ تبعیضی کی وجہ سے تخفیف کے لیے دوسرا مضاف حذف ہو گیا ف عاطفہ تعلیلیہ بمعنی لہٰذا (اس لیے) نَبَذْتُ۔ باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق واحد متکلم نَبْذٌ سے مشتق ہے بمعنی ڈالنا۔ جھونکنا کھینچنا پھینک کر۔ ھَا ضمیر واحد مونث غائب مرجع قَبْضَۃً یعنی مٹھی والی چیز۔ ترکیب نحوی۔ بَصُرْتُ فعل با فاعل مَا موصولہ لَمْ یَبْصُرُوْا فعل با فاعل بہٖ جار مجرور اس کا متعلق یہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مجرور۔ جار مجرور متعلق ہے بَصُرْتُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ فَ عاطفہ ہے قَبَضْتُ فعل با فاعل قَبْضَۃً اس کا مفعول فیہ مِنْ جارّہ اَثَرِ مضاف الرَّسُوْلِ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے قَبَضْتُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ فَ عاطفہ نَبَذْتُ فعل با فاعل ھَا ضمیر مفعول بہٖ نَبَذْتُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر پھر معطوف علیہ واؤ عاطفہ کَذٰلِکَ اسم اشارہ تشبیہی سَوَّلَتْ۔ باب تفعیل کا فعل ماضی مطلق واحد مؤنث غائب مصدر ہے تَسْوِیْلٌ سَوْلٌ سے بنا ہے بمعنی اچھا لگنا۔ اچھا کر کے دکھانا۔ حقیقت کے خلاف ہونا۔ لام جارہ تعدیہ بمعنی مجھ کو نَفْسُ اسم مفرد جامد بمعنی نَفْسِ امّارہ یہاں مراد ہے عقل اور دل مضاف ہے یِ متکلم مضاف الیہ یہ مرکب اضافی فاعل ہے سَوَّلَتْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا سب عطف مل کر مقولہ ہوا قول کا قَالَ اپنے پورے مقولے سے مل کر جملہ قولیہ فعلیہ خبریہ ہو گیا یہ تمام عبارت سامری کا جوابی مقولہ ہے۔ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِی الْحَیٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ وَ اِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ وَ انْظُرْ اِلٰۤى اِلٰهِكَ الَّذِیْ ظَلْتَ عَلَیْهِ عَاكِفًا لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِی الْیَمِّ نَسْفًا۔ قَالَ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ فَ زائدہ اِذْهَبْ باب فَتَحَ کا امر حاضر معروف ذَهَبٌ سے مشتق ہے اَنْتَ پوشیدہ ضمیر فاعل کا مرجع سامری ہے فَ سببیہ اِنَّ حرفِ مشبّہ لَكَ جار مجرور متعلق اوّل ہے ثَابِتٌ پوشیدہ اسم فاعل کا فِی الْحَیٰوةِ یہ جار مجرور متعلق دوم ہے ثَابِتٌ اپنے فاعل اور دونوں متعلقوں سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر اِنَّ کی خبر مقدم اَنْ حرفِ ناصب تَقُوْلَ باب نَصَرَ کا فعل مضارع مستقبل واحد حاضر خطاب ہے سامری کو۔ لَا حرفِ نفی جنس مِسَاسَ اسم مبالغہ مَسٌّ سے مشتق ہے بمعنی ہاتھ سے چھونا مِسَاسَ اسم ہے لَا نفی کا یہ دونوں جملہ شبیہہ ہو کر مفعول بہٖ تَقُوْلَ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اِنَّ حرفِ مشبّہ۔ لَكَ جار مجرور متعلق ہے

ثَابِتٌ پوشیدہ کا یہ جملہ اسمیہ ہو کر اِنَّ کی خبر مقدم مَوْعِدًا اسم مصدر میمی بمعنی عہد یا میعاد مقررہ موصوف ہے لَنْ تُخْلَفَ بابِ نَصَرَ یا باب افعال کا فعل مضارع نفی تاکید بلن مجہول واحد مونث ایک قرأت میں ہے لَنْ تُخْلِفَ مستقبل خلف سے مشتق ہے بمعنی خلاف ہونا یا بدل دینا۔ ہٗ اسم ضمیر واحد مذکر مفعول بہ یا نائب فاعل ہے اس کا مرجع مَوْعِدًا ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے مَوْعِدًا کی یہ مرکب توصیفی اسم اِنَّ۔ یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے اَنْ تَقُوْلَ کا دونوں عطف مل کر اسم فَاِنَّ کا فَاِنَّ اپنے اسم اور خبر مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر سبب ہوا اِذْهَبْ کا۔ یہ فعل فاعل مسبب سبب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ واؤ عاطفہ۔ اُنْظُرْ بابِ نَصَرَ کا فعل امر حاضر معروف مذکر اَنْتَ اس میں ضمیر صیغہ اس کا فاعل اِلٰی اِلٰهِكَ۔ یہ مرکب اضافی جار مجرور متعلق ہے اُنْظُرْ کا۔ اِلٰهِكَ موصوف ہے اَلَّذِیْ اسم موصول ظَلْتَ ایک قرأت میں ظِلْتَ ہے فعل ناقصہ واحد مذکر حاضر یعنی دُمْتَ یعنی جم کر بیٹھا رہا تو عَلَیْهِ جار مجرور متعلق ہے عَاكِفًا اسم فاعل واحد مذکر ایک قرأت ہے عَكِفًا اسم فاعل واحد مذکر مگر پہلی قرأت مشہور ہے خبر ہے ظَلْتَ کی اس کا اسم ضمیر پوشیدہ اَنْتَ ہے۔ یہ ناقصہ فعل اپنے اسم خبر اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر صلہ ہوا اَلَّذِیْ کا دونوں مل کر صفت سے اِلٰهِكَ کی یہ مرکب توصیفی مجرور ہو کر متعلق ہوا اُنْظُرْ کا۔ لَنُحَرِّقَنَّ باب تفعیل کا فعل لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ جمع متکلم حَرْقٌ سے مشتق ہے بمعنی جلنا آگ لگنا لیکن باب تفعیل میں آکر متعدی ہوا بمعنی خوب جلانا آگ لگانا۔ ہٗ ضمیر اس کا مفعول بہ مرجع اِلٰهِكَ مراد ہے۔ پھر یہ جملہ فعلیہ تاکید یہ ہو کر معطوف علیہ ہوا ثُمَّ حرف عطف تراخی کے لیے ایک قرأت میں لَنُحْرِقَنَّ باب افعال سے بمعنی تھوڑا جلانا اور ایک قرأت میں لَنَحْرُقَنَّ باب نصر سے ہے حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأت میں ہے لَنَذْبَحَنَّهٗ ثُمَّ لَنُحَرِّقَنَّهٗ۔ لَنَنْسِفَنَّ باب ضَرَبَ کا فعل لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ مستقبل معروف جمع متکلم نَسْفٌ سے مشتق ہے لغوی ترجمہ ہے غبار اڑانا۔ دھول مچانا۔ یہاں مراد ہے راکھ اڑا کر پانی میں بہا دینا جس سے ریزہ ریزہ دور ہو جائے ریزہ صرف راکھ ہو سکتی ہے یا غبار کیونکہ سب سے چھوٹے ذرہ کو اردو میں ریزہ کہتے ہیں اور حقیقت گلیۃً مٹ جائے۔ عربی میں سوپ (چھاج) کو نسوف اسی پھٹکنے غبار اڑانے کے معنی میں کہتے ہیں۔ راز کہنے کو نسیف اسی معنی میں کہتے ہیں۔ ہٗ ضمیر کا مرجع اِلٰهِكَ ہے فِیْ جارہ ظرفیہ اَلْیَمِّ۔ اسم مفرد معرفہ جامد بمعنی سمندر یا بڑا دریا جو سمندر کی مشابہ ہو۔ عربی میں پانی کے ذخیرے پندرہ ۱۵ قسم کے ۱۔ یَمٌّ ۲۔ عَیْنٌ ۳۔ یَنْبُوْعٌ ۴۔ مَنْهَلٌ ۵۔ حَمْئَةٌ ۶۔ دَمَاءٌ بَحْرٌ

۸ غدیر ۹ بُن ۱۰ نا دوران ۱۱ شَھبَۃ ۱۲ اَکھَیب ۱۳ اَحوض ۱۴ اَضَاۃ ۱۵ نِھبَۃ اِن سب میں بڑا ذخیرہ یم یعنی سمندر اور سب میں چھوٹا ثم یعنی قطرہ ہے یہ جار مجرور متعلق ہے نَسۡفًا اسم مصدر مفعول مطلق ہے لَنَنۡسِفَنَّ کا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا لَنُحَرِّقَنَّ کا دونوں مل کر تاکید ہوئی وَانۡظُرۡ کی تاکید مؤکد مل کر معطوف ہوئی فَاذۡھَبۡ کا دونوں مل کر مقولہ اول ہوا قَالَ کا اِنَّمَا اِلٰھُکُمُ اللّٰہُ الَّذِیۡ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ وَسِعَ کُلَّ شَیۡءٍ عِلۡمًا۔ اِنَّ حرف مشبہ لغو مَا کافہ حصریہ کی وجہ سے اب ترجمہ ہوا ہی (فقط) اِلٰھُکُمۡ یہ مرکب اضافی مبتدا ہے اَللّٰہُ اسم ذاتی موصوف ہے اَلَّذِیۡ اسم موصول لَا حرف نفی جنس اِلٰہَ مستثنیٰ منہ اِلَّا حرف استثنا ھُوَ ضمیر منفصل واحد مذکر غائب اس کا مرجع اَللّٰہ ہے مستثنیٰ متصل ہے مستثنیٰ منہ اپنے مستثنیٰ سے مل کر اسم ہوا لَا نفی کا وہ سب مل کر پہلا صلہ ہوا۔ وَسِعَ باب سَمِعَ کا ایک قرأت میں وَسَّعَ ہے باب تفعیل کا ماضی مطلق واحد مذکر ہے متعدی بیک مفعول ہے وُسۡعٌ سے مشتق ہے بمعنی گھیرنا۔ قدرت وطاقت والا ہونا کشادہ ہوتا۔ سما جانا۔ یہاں یہی معنی ہیں کُلَّ شَیۡءٍ مرکب اضافی مفعول بہ ہے عِلۡمًا اسم مفرد نکرہ یا یہ مصدر ہے مفعول فیہ ہے اس کی تنوین تعظیمی آخر کا الف بعوض تنوین ہے یا یہ تمیز ہے وَسِعَ کے فاعل کی اپنے مفعول بہ اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ دوم ہوا اَلَّذِیۡ دونوں صلہ سے مل کر صفت ہے اَللّٰہُ کی وہ مرکب توصیفی خبر ہے مبتدا کی مبتدا خبر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ دوم ہوا قَالَ اپنے دونوں مقولوں سے مل کر جملہ قولیہ فعلیہ ہو گیا

تفسیر عالمانہ قَالَ بَصُرۡتُ بِمَا لَمۡ یَبۡصُرُوۡا بِہٖ فَقَبَضۡتُ قَبۡضَۃً مِّنۡ اَثَرِ الرَّسُوۡلِ فَنَبَذۡتُھَا وَکَذٰلِکَ سَوَّلَتۡ لِیۡ نَفۡسِیۡ قَالَ فَاذۡھَبۡ فَاِنَّ لَکَ فِی الۡحَیٰوۃِ اَنۡ تَقُوۡلَ لَا مِسَاسَ۔ سامری نے کہا کہ اس ساری کارستانی کی ذہنی تحریک اس طرح پر ہے کہ جس دن غرقابیِ فرعون اور آلِ فرعون ہوئی اس دن ایک فرشتہ بشکلِ انسانی ایک گھوڑی پر دریا میں فرعون کے آگے چل رہا تھا اس کے پیچھے گھوڑے پر فرعون تھا اُس پر ہامان تھا فرعون کے پیچھے اس کی ساری قوم سوار و پیدل تھی اور ہم سب بنی اسرائیل دریا کے پار اس دوسرے کنارے پر ڈرے سہمے کھڑے تھے جب وہ گھوڑ سوار فرشتہ دریا سے باہر نکلا ابھی فرعون اور اُس کی قوم دریا کے اندر ہی تھی کہ پانی سب مل گیا خشک راستے ختم ہو گئے وہ تو سب ڈوب رہے تھے شور وغل مچا ہوا تھا تمام بنی اسرائیل اسی دوسرے کنارے کھڑے وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ کے نظارہ میں تھے سب اسی دریا کی طرف متوجہ تھے تب اُس وقت میں نے ایک ایسا نظارہ کیا جو ان بنی اسرائیل میں سے کسی نے بھی نہ کیا میں نے اپنی توجہ ڈوبنے والوں سے

هٹا کر اس چیز پر لگائی جس پر کسی کی توجہ نہ تھی اور میں نے وہ کچھ دیکھا جو انہوں نے نہ دیکھا۔ اور بقول ایک قرءت ، ہو سکتا ہے کہ ان ہنگامہ خیز حالات میں بِمَا لَمْ تُبْصِرُوْا آپ نے بھی اس جانب توجہ نہ فرمائی ہو وہ یہ کہ گھوڑی سوار کو میں نے پانچ وجوہ سے رسولِ ربانی قاصدِ الٰہی اور فرعون پر عذابِ الٰہی لانیوالا فرشتہ سمجھا۔ ایک اس کی نورانی وجاہت دوم اس کی اجنبیت کہ نہ وہ اسرائیلی تھا نہ قبطی سوم اس کا دریا میں فرعون کے ساتھ آگے چلنا جب کہ فرعون کی قوم اُمرا وزرا سب پیچھے تھے چہارم اس کا دریا سے بچ نکلنا اور باقی تمام فرعونیوں کا ڈوب جانا۔ پنجم اس کا باہر نکل کر ہم میں نہ آنا اور ایک دوسری جانب نکل جانا۔ میں سمجھ گیا کہ یقیناً یہ وہی فرشتہ ہے جو قومِ عاد وقوم ثمود پر عذاب لایا تھا اسی کو تاریخ والے جبرئیل کہتے ہیں اور جبرئیل کا لفظ ولقب آپ کی زبان سے بھی کئی دفعہ سنا تھا اسی کو رسولِ الٰہی بھی کہا جاتا ہے۔ اسی رسول کی یہ بات بڑی توجہ سے میں نے دیکھی کہ اس کی گھوڑی جہاں قدم رکھتی تھی تو پرانی چٹیل خشک ریتلی زمین پر بھی فوراً ہری ہری تازہ گھاس اُگ آتی تھی۔ میں نے یہ حیرت زدہ بات دیکھ کر ان نشاناتِ قدم سے ایک مٹھی بھر تھوڑی سی مٹی اٹھالی تھی اس وقت تبرکاً اٹھائی تھی اس وقت بجز تبرک کوئی ارادہ یا تصور میرے دل میں نہ تھا تفسیر ابن عباس میں ہے جبرئیل علیہ السلام کی گھوڑی کا نام حیزوم اور لقب فرس الحیٰوۃ ہے۔ پھر جب راستے میں ان بنی اسرائیل نے ایک مندر سے گزرتے ہوئے وہاں کے پجاریوں کو بت پرستی کرتے ہوئے دیکھ کر بہت ملتجیانہ انداز میں خواہش وطلب کی تھی کہ۔ یٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ۔ اے موسیٰ کتنا اچھا ہو۔ اگر آپ بھی ہمارے لیے ایک ایسا ہی معبود بنا دیں جیسے انکا ہے۔ کتنا خوب صورت چمکتا دمکتا بت ان کا معبود بنا بیٹھا ہے۔ تب آپ نے تو۔ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ۔ کہہ کر ان کو اس دن جھڑک دیا تھا مگر میں ان کی ذہنی کیفیت اور فرعونی صحبت کا اثر اسی دن سمجھ گیا تھا اور میرا ذہن اسی دن سے ایک منصوبے کی تاک میں ہو گیا تھا۔ پھر جب آپ طور پر چلے گئے اور کافی دیر لگا دی تو میں نے اس منصوبے کو ظاہر کرنے کے لیے ان بنی اسرائیل سے ان کا فرعونی زیور لے کر اپنی ہنر مندی اور صنعتِ زرگری سے ایک بچھڑا ڈھال دیا اور ایک خوب صورت مورتی بنا دی پھر۔ كَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ۔ ایسے ہی میرے دل میں آیا کہ وہ مٹی تو اس کے منہ میں ڈال کر دیکھوں۔ فَنَبَذْتُهَا میں نے وہ سب مٹی اپنی جیب میں سے نکال کر اس کے نتھنوں کے سوراخوں میں ڈال دی۔ بس دیکھتے ہی فوراً وہ مورتی زندہ بچھڑا بن گیا بولنے اور چلنے لگا یہ سب کچھ مجھے کسی نے نہ بتایا نہ کوئی ترکیب

کسی نے سکھائی بلکہ میرے اپنے دل کی اختراع ہے نہ کوئی جادوگری ہے نہ کوئی شعبدہ نہ کوئی فنی ترتیب بس ویسے ہی میرے دل میں یہ منصوبہ آگیا اور میرے ہی نفس نے مجھ کو اکسایا ورغلایا۔ اس آیت میں مفسرین کے مختلف اقوال اس طرح ہیں ۱۔ بَصُرْتُ۔ بصارتٌ سے مشتق ہے۔ یعنی میں نے اپنی آنکھوں سے وہ دیکھا جو انہوں نے اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا ۲۔ بَصُرْتُ۔ بصیرۃٌ سے مشتق ہے یعنی میں نے اپنی عقل و دل اور روحانی قوت سے وہ کچھ جانا جو انہوں نے نہ جانا۔ مگر یہ معنی قطعًا غلط اور لغو بیہودہ ہے۔ اس ترجمے کا موجد ابو مسلم اصفہانی (تو مسلم معتزلی) یہ شخص تفسیر بالرائے اور قرآن مجید کے معانی میں تخریب کاری کرنے میں مشہور ہے یہ پانچویں ھجری میں پیدا ہوا اسی نے تاریخ اسلامی میں اسرائیلیات کو شامل کرکے اسلامی معاشرے کو بگاڑنا چاہا بہت سے اسلامی مفسر اس کے راستے پر چل کر اس کی تفسیری تائید کرکے گمراہ ہوئے۔ یہ ابو مسلم اس آیت کا مطلب یہ بیان کرتا ہے۔ کہ اے موسیٰ آپ کے دین میں جو میں نے اندازے لگائے وہ انہوں نے نہ لگائے۔ تو میں نے قَبَضْتُ قَبْضَۃً۔ کچھ دنوں آپ کے دین کی پیروی کی۔ مِنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ۔ رسول یعنی آپ کی اثر۔ یعنی شریعت اور دین سے کچھ عمل کیا فَنَبَذْتُھَا۔ پھر مجھے یہ دین اچھا نہ لگا تو میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ میری طبیعت کا ولولہ اور جوش بے اختیار ہو گیا جس نے مجھے یہ دین چھوڑنے پر مجبور کیا۔ اور مجھے اپنے آباء کا دین بت پرستی اچھا لگا اس لیے میں نے اس کو اپنایا بچھڑا بنایا اور آبائی دین جاری کر دیا یہ تھا اصفہانی کا بیہودہ قول اصفہانی تو خیر ایک بد بخت گمراہ انسان تھا ہی مگر افسوس تو امام رازی پر ہے جنہوں نے اندھا بن کر اس کی اس احمقانہ جاہلانہ تخریب کاری کی تائید کر دی پھر گئے اُس کی تائید میں لغو وجوہ بیان کرتے امام رازی نے اس بیہودہ قول کی تائید میں پانچ وجوہ بیان کیں اور تمام متقدمین و متاخرین کی اچھی و سچی تفسیر و تحقیق و منشاء قرآنی کی مخالفت کر دی۔ رازی کی پہلی توجیہ رسول سے مراد موسیٰ ہیں نہ کہ جبرئیل۔ جبرئیل کو کبھی رسول نہ کہا گیا نہ وہ اس لقب سے مشہور۔ دوسری توجیہ یہ کہ اگر رسول سے مراد فرشتہ لیا جائے تو یہاں ایک پوشیدہ عبارت ماننی پڑے گی یعنی مِنْ قَبْضَۃِ اَثَرِ حَافِرِ فَرَسِ الرَّسُوْلِ۔ اور بلا وجہ پوشیدہ عبارت ماننی شرعًا ممنوع ہے۔ امام رازی کی تیسری توجیہ یہ کہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اتنی کثیر تعداد لوگوں میں صرف سامری نے جبرئیل کو دیکھا اور پہچانا۔ چوتھی توجیہ یہ کہ سامری نے یہ کیسے پہچانا کہ نشانِ قدم کی مٹی کا یہ اثر ہے۔ پانچویں توجیہ یہ کہ یہ جو بعض لوگوں میں مشہور ہو گیا ہے کہ جبرئیل نے چونکہ سامری کو بچپن میں جب کہ اس کی والدہ

قتل فرعونی کے خوف سے سامری کو ایک جنگلی غار میں اللہ کی سپرداری میں ڈال آئی تھی تو جبریل نے رب تعالیٰ کے حکم سے پرورش کیا تھا۔ اس لیے اب سامری نے جبریل کو پہچان لیا تھا۔ یہ سب بعید از عقل باتیں ہیں۔ کیونکہ شیر خوارگی اور بچپن میں دیکھی ہوئی چیز یا شخصیت جوانی میں نہیں پہچانی جا سکتی اگر سامری نے محض اپنی عقل سے جبریل کو پہچانا تو موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو بدرجۂ اولیٰ و اتم پہچانا ہوگا پھر گمراہی ناممکن یہ تھیں امام رازی کی توجیہات عقلیہ جس کی بنا پر ایک معتزلی تخریب کار کی تائید کر بیٹھے۔ سچ فرمایا بزرگوں نے کہ اگر اللہ تعالیٰ سچی سمجھ کی ہدایت نہ فرمائے تو یہ نفس خبیث بڑوں بڑوں کو چھوٹی چھوٹی الجھنوں میں پھنسا لیتا ہے اسی لیے مولانا رومی نے فرمایا۔

گر بہ استدلال کار دین بُدے ۔۔۔ فخر رازی راز دار دیں بُدے

امام رازی کی ان لغو وغلط توجیہات کا جواب یہ ہے ۱۔ پہلی کتب اور قرآن کریم میں حضرت جبریل کو رسول کے لقب سے ہی ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ مریم میں ہے۔ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۔ سورۃ تکویر آیت ۱۹ میں ہے هٰذَا قَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ بعد ۲۔ فرشتوں کو رسول فرمایا گیا۔ سورۃ اسریٰ آیت ۹۵۔ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا حیرت ہے امام رازی کو یہ آیت نظر نہ آئیں (روح المعانی)۔ ۳۔ یہ ٹھیک ہے بلاوجہ پوشیدہ عبارت ماننی ممنوع ہے مگر یہاں پوشیدہ ماننے کی ضرورت ہی نہیں۔ کیونکہ اثر بمعنی تاثیر ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ مٹی میں یہ زندگی پیدا ہونا رسول فرشتے کا ہی اثر تھا جو براستہ گھوڑی زمین تک پہنچا ہے ۴۔ رہا یہ کہ اتنی کثیر تعداد نے نہ دیکھا تو یہ ممکن ہے اس لیے کہ اُس وقت حالات ہی اتنے گہما گہمی اور افراتفری کے تھے ایسی دلخراش و جانسوز کیفیات میں تو ماؤں کو اپنے بچے نظر نہیں آتے۔ اور یہ بَصُرْتُ بصارت سے ہے نہ کہ بصیرت سے ۵۔ مٹی میں اُس اثر کا پہچان لینا بھی کچھ مشکل نہیں رہا کہ جب وہ دیکھ رہا ہے کہ جہاں قدم پڑتا ہے وہاں فوراً ہری گھاس اُگ آتی ہے آگے پیچھے کہیں ہری گھاس نہیں ہے تو اس حیران کن کرامت کا پہچاننا کیا مشکل رہا۔ اب اُس کو بچھڑے میں ڈالنے کا اُس کا اپنا ایک اندازہ تھا جو صحیح ثابت ہوا۔ ڈالنے سے پہلے سامری کو کچھ پتہ نہ تھا کہ یہ مٹی بچھڑے کی مورتی میں جا کر کیا کرے گی ۶۔ رہا سامری کا جبریل کو پہچان لینا تو یہ بچپن کی پرورش کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہی ہے جو ہم نے ابھی تفسیر میں اُس کے بیان کے اندر ظاہر کیں کہ وہ اِن حیران کن علامات سے اُس شخصیت کو فرشتہ سمجھے وغیرہ وغیرہ۔ ہمارے ان جوابات سے امام رازی کی تمام توجیہات غلط ہو گئیں۔ قَبْضَةً میں دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ قبض سے ہے بمعنی مٹھی بھر دوم یہ کہ یہ قص سے ہے

یعنی چٹکی بھر مِنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ میں کچھ لوگوں نے یہاں پوشیدہ عبارت مانی ہے کہ رسول کی گھوڑی کے قدم کے اثر سے۔ مگر یہ کچھ ضروری نہیں۔ جیساکہ ہم نے اوپر بیان کر دیا فَنَبَذْتُهَا میں تین قول ہیں ۱۔ میں نے سونا گلاتے وقت یہ مٹی ساتھ ہی ڈال دی تھی ۲۔ میں نے مورتی بننے کے بعد اُس کی ناک میں ڈالی تھی۔ ۳۔ میں نے پچھلی طرف سے ڈالی تھی۔ سَوَّلَتْ لِیْ نَفْسِیْ میں دو قول ہیں ۱۔ فقط میرے نفس نے مجھ کو اس کام پر اُبھارا کسی دوسرے نے مجھ کو کچھ نہ بتایا نہ سکھایا ۲۔ شیطان نے میرے نفسِ امارہ کو اور میرے نفسِ امارہ نے مجھ کو اس کام پر آمادہ کیا اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے سامری کا یہ پورا بیان سن کر تین طریقہ سے اُس کا جرم ثابت فرمایا کہ پہلا جرم یہ کہ اُس نے مورتی بنائی یہ فوٹو اور تصویر سازی ہے جاندار کی ایک علیحدہ حرام جرم ہے پھر اُس نے قوم کو کافر و مشرک بنایا کہ یہ تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا معبود ہے اِس سے وہ سارے مرتد ہوئے پھر اس کا کہنا کہ موسیٰ علیہ السّلام اب واپس نہیں آئینگے وہ تم سے ناراض ہو گئے ہیں کیونکہ تم نے فرعونی زیور غصب کیا ہے، پھر کہا کہ رب تو یہاں اس بچھڑے میں آگیا ہے موسیٰ کوہ طور پر تلاش کرنے گئے ہیں وہ بھول گئے اِن اپنے معبود کو سامری کا تیسرا جرم یہ کہ اگرچہ خود سامری نے بچھڑے کو نہ سجدہ کیا نہ رقص کیا مگر اُس کے پاس اعتکاف بیٹھا اور غیر اللہ کے لیے اعتکاف بیٹھنا بھی اُس کی عبادت ہے اس لیے اس حرکت سے اس کا کفر ثابت ہوا چونکہ سامری کے تین جرم ثابت ہوئے اس لیے موسیٰ علیہ السّلام نے اس کو تین قسم کی سزا سنائی ۱۔ فَاذْهَبْ اے سامری تو نے اِن بنی اسرائیل میں عزّت و شان اور بڑا بن کر رہنا چاہا تھا۔ اِس کی سزا ساری زندگی تجھے یہ کہ تو ان سے دور ہٹ جا اب تجھے ان سے کبھی عزّت نہ ملے گی بلکہ یہ تجھے ذلیل ہی کرتے رہیں گے اور تو ان رونقوں سے نکل کر تن تنہا اب جنگلوں میں بھٹکتا پھرے گا۔ دوسری سزا یہ کہ چونکہ تو نے اپنی شرارت سے بچھڑا بنایا اور ذہنی فراست سے اس میں مٹی ڈال دی پھر قدرت سے اس میں جان اور زندگی آگئی تو تُو نے اس ذریعہ سے بنی اسرائیل کی ایمانی زندگی برباد کی اس کی سزا یہ کہ تیری بقیہ دراز زندگی دنیا میں تباہ و برباد اور آخرت میں عذاب ۳۔ تیسری سزا یہ کہ چونکہ گمراہی کی بیماری پھیلا کر شرک کی چیخ و پکار مچا دی اس کی سزا میں تو بھی ساری زندگی چیختا چلاتا اور کہتا پھرے گا۔ لَا مِسَاسَ مجھ کو ہاتھ نہ لگانا مجھے ہاتھ نہ لگانا۔ یہ اس لیے کہ اگر تجھ کو کوئی ہاتھ لگا دے گا تو تجھ کو بھی اور اُس کو بھی فوراً اذیت ناک درد و اَلَم والا بیہوشی کا سردی والا سخت بخار آجایا کرے گا جو تین دن رہے گا مگر مہینہ بھر کے پہلے دونوں کو نچوڑ کر رکھ دے گا جس کا علاج بھی کوئی نہ ہوگا۔ لَا مِسَاسَ میں دو قول اور بھی ہیں ۱۔ بعض نے کہا کہ لَا مِسَاسَ کا معنیٰ ہے

تو اپنی بیوی سے نہ مل سکے گا اور تیسری نسل بند یا ختم ہو جائے گی ۔ ۳ تمام بنی اسرائیل کو حکم دیدیا جائے گا کہ ہمیشہ کے لیے تجھ سے مکمل مقاطعہ (یعنی بائیکاٹ) کر لیں گے ۔ بات چیت ۔ خرید و فروخت معاملہ ۔ معاہدہ کھانا ۔ پینا اور تناسلت سب بند ہر قسم کا تعاون ممنوع ۔ بعض نے کہا کہ لَا مِسَاس کا معنیٰ یہ کہ جب کوئی اس سے پوچھتا کہ تیرا حال کیا ہے تو کہتا کہ دیکھ لو میں تن تنہا ذلت کی زندگی گزار رہا ہوں کسی کا مجھے ملنا جلنا نہیں ہے یہ میری زندگی موت سے بدتر ہے ۔ میں اپنی موت کی دعائیں کر رہا ہوں ۔ یہ سب اقوال ہی درست ہیں ۔ مقاطعہ اور اس قسم کی بیماری میں ایسا ہی ہوتا ہے ۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس کی نسل میں اسی قسم کی تنہائی پسند وحشیانہ زندگی کی عادت ہے مگر اب دنیا میں اس کی نسل موجود نہیں لیکن ہندوؤں میں مصر سے آئی ہوئی چھوت کی عادت کا وہم موجود ہے ۔ اس پیشگی خبر دینے کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تو تیری دنیوی تا حیات سزا ہے لیکن وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۔ اور بے شک قبر حشر جہنم کا دائمی عذاب اس کے علاوہ ہے جو ہر کافر کا مَوْعِدًا ہے اسی طرح تیرے لیے بھی اٹل وعدہ ہے ہرگز ہرگز تو اس کے خلاف نہ رکھا جائے گا ۔ نہ تیرا عذاب ہٹے نہ نرمی سے نہ کمی سے نہ ختم ہونے سے ۔ چند دن کی حیاتِ فانی کی عزت کی خاطر تو نے کتنا بڑا ابدی نقصان کر لیا ۔ اور یہ جو تو نے اپنے آبائی دین و مذہب کا اظہار کرتے ہوئے بچھڑے کی مورتی بنا کر اور پھر جب قدرت سے اس میں جان پڑ گئی تو تو نے اس کو جھوٹا معبود بنا لیا اور دوسروں کو گمراہ کیا اور خود بھی اس کی عبادت پوجا پاٹ میں معتکف بیٹھا ۔ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِىْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ۭ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِى الْيَمِّ نَسْفًا اس کو خوب جی بھر کے دیکھ لے ابھی ہم اس کا عبرت ناک ذلت آمیز سب کے سامنے کیا حال کرتے ہیں ہم اس کو ذبح کر کے آگ میں خوب جلا کر راکھ بنا دیں گے ۔ اور تیرے دیکھتے ہی دیکھتے ہم اس کی راکھ کو بھی دریا میں بہا دیں گے اس طرح کہ اس کا نام و نشان باقی نہ رہے گا ۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا اے گمراہو مرتدو بتاؤ کیا یہ تمہارا معبود ہے اپنے آپ کو ہماری چھری اور ہماری آگ سے بچا سکتا ہے ۔ اس کو تو ہماری ان باتوں کا بھی علم نہیں کہ ہم اس کے بارے میں کیا کہہ رہے ہیں اور اب اس کے ساتھ کیا سلوک کرنے والے ہیں بدبختو کم عقلو نادانو کیا جانور بے علم بے عقل چیزیں بھی معبود ہو سکتی ہیں ۔ اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَسِعَ كُلَّ شَىْءٍ عِلْمًا ۔ تمہارا سچا معبود تو فقط وہی اللہ ہے جس کے سوا کہیں کوئی معبود نہیں ہو سکتا ہر جگہ ہر وقت ہر ایک کے لیے بس وہی حقیقی ابدی ازلی معبود ہے دیگر بے شمار وجوہ و حقائق و دلائل

کے علاوہ یہ وجہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی قوت و طاقت قدرت غلبے والا اور ہر چیز ہر علم و خبر کا مالک ہے معدوم و موجود معلوم و مقصود پر اس کا علم محیط ہے معبود کے لیے ایسا وسیع و عریض علم قوت اور قدرت ضروری ہے اور یہ چیزیں کسی اور کے پاس نہیں لہٰذا کوئی دوسرا معبود نہیں ہو سکتا۔ بعض قرا نے لَنُحْرِقَنَّهٗ باب اِفعال سے پڑھا ہے اور ترجمہ کیا ہے کہ ہم اس کو کوٹیں گے ہتھوڑوں سے جیسے لوہار یا جیسے دھوبی کپڑے کو کوٹتے ہیں اور سونے کے بچھڑے کا برادہ بنا دیں گے اور پھر دریائی سمندر میں بہا دیں گے ان لوگوں نے اس کو مورتی ہی مانا ہے مگر یہ قول اس لیے احمقانہ اور غلط ہے کہ سونے کو کتنا ہی کوٹا جائے یا جلایا جائے نہ وہ ختم ہوتا ہے نہ راکھ بنتا ہے نہ بہتا ہے بلکہ نیچے پانی میں بیٹھ جاتا ہے جس کو نیارے سے چھان کر نکالا جا سکتا ہے۔ بعض نے کہا کہ لَنُحْرِقَنَّ کا معنیٰ ہے کہ تھوڑا جلائیں گے پھر اُس کی ہڈیوں کو کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دیں گے مگر یہ سب فضول باتیں ہیں اس کوٹنے کا مقصد کیا جب کہ آگ سے ہی اصل مقصد حاصل ہو جاتا ہے پہلے جلاؤ پھر بجھاؤ اور ہڈیوں کو کوٹو وقت ضائع کرو اور پھر کٹی ہوئی ہڈی بھی پانی میں نیچے بیٹھ جاتی ہے نشان پھر بھی باقی رہا اگرچہ بے فائدہ نام و نشان مٹانے کے لیے سب سے زیادہ مفید و مؤثر طریقہ یہی ہے کہ لَنُحْرِقَنَّهٗ ہم خوب جلا ڈالیں گے مکمل طور پر اور مکمل جلنے کے بعد پھر کوٹنے کی ضرورت نہیں رہتی آگ خود ہی گوشت پوست ہڈی کو راکھ بنا دیتی ہے۔ یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ واقعہ اختتام ہوا یہ آپ کا آخری جلنا ہے قرآن مجید کی گیارہ سورتوں میں یہ قصہ مبارکہ مذکور ہے ۱ سورۃ بقرہ ۲ اعراف ۳ سورۃ یونس ۴ سورۃ ہود ۵ طٰہٰ ۶ شعراء ۷ نمل ۸ قصص ۹ مومن ۱۰ زخرف ۱۱ نازعات۔ جن میں مختلف پہلوؤں۔ انداز اور وضاحت سے موسیٰ و ہارون علیہما السلام، بنی اسرائیل۔ قبطی اور سامری کا تذکرہ ہے۔ اِس بچھڑے کو راکھ بنا کر بہا کر پھر حضرت موسیٰ نے سامری کو اس اسرائیلی خیمہ بستی سے نکال دیا۔ یا بنی اسرائیل نے اُس کو بیماری کے ڈر سے نکال دیا۔ بعض نے کہا کہ وہ خود ہی کچھ دن بعد اِس نفرت انگیز ماحول سے اکتا کر جنگل کی طرف نکل گیا اور اپنی تیس سالہ بقیہ زندگی بھر جنگلوں میں بھٹکتا پھرا۔ اور تنہائیوں میں سسک سسک کر مرا۔

فائدے اِن آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ**: بارگاہِ رب العزت میں سب سے زیادہ عزت انبیاءِ کرام علیہم السلام کی ہے یہود و نصاریٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام پر طرح طرح کے بیہودہ اور گستاخانہ الزامات اور اتہامات لگائے جو اب بھی ان کی تالمود اور بائبل میں لکھے ہوئے ہیں کہ معاذ اللہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے پاس

جانے سے انکار کر دیا اور اللہ سے کہا کہ مجھے نبوت نہیں چاہیئے تو ہارون کو دیدے۔ اور ہارون پر معاذ اللہ یہ اتہام لگایا کہ بنی اسرائیل کے لیے بچھڑا انہوں نے بنایا تھا اور انہوں نے کہا تھا کہ یہ بچھڑا تمہارا معبود ہے رب تعالیٰ نے قرآنِ مجید کی مختلف سورتوں میں ذکر کر کے اِن تمام گستاخیوں اور کفریہ باتوں کی تردید فرما کر سچا حقیقی واقعہ پیش فرما دیا یہ فائدہ۔ قَالَ بَصُرْتُ (الخ) سے حاصل ہوا کہ یہ کفر یہ کام سامری نے کیا تھا جس کا وہ خود اقرار کر رہا ہے۔ بائبل وغیرہ میں سامری کے وجود سے ہی انکار کیا گیا جس کی وضاحت قرآن مجید نے فرمادی۔ دوسرا فائدہ۔ اِن آیات سے مسلمانوں کو یہ سبق ملتا ہے کہ ایک ہی چیز کسی کے لیے رحمت کسی کے لیے زحمت کسی کے لیے ہدایت کسی کے لیے ضلالت۔ اہلِ کرامت کے لیے کرامت۔ اہلِ کراہت کے لیے کراہت اہلِ غرامت کے لیے فتنہ و فساد۔ دیکھو حضرت جبرئیل کی گھوڑی کے نشانِ قدم کی مٹی جو نہایت شاندار تبرک تھی مگر جب اہلِ باطل کے ہاتھ میں پہنچی اور خبیث فرعونی سوتے میں گئی تو اس سے کفر شرک ہی پھیلا اِس کی وجہ یہ کہ اہلِ کرامت تبرکات کو مقامِ حق پر خرچ کرتے ہیں اور اہلِ کراھت و غرامت خباثت میں ضائع کرتے ہیں یہ فائدہ فَنَبَذْتُهَا فرمانے سے حاصل ہوا لہٰذا مسلمانوں کو کسی گمراہ گر کے صرف قرآن و حدیث پڑھنے اور قرآنی حوالوں کی تقریر و تحریر سے متاثر و مرعوب نہ ہونا چاہیئے بلکہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ یہ کس کے ہاتھ میں ہے اور کس کے منہ سے نکل رہا ہے۔ یہی قرآنِ کریم جب اہلِ حق کے ہاتھ ثناخوانِ مصطفٰے کے منہ زبان و قلم۔ تقریر و تدریس سے ملے گا نورِ ہدایت پھیلاتا جائے گا۔ اور اگر کسی باطل سامری سے ملے گا تو فتنہ و ضلالت پھیلائے گا۔ تیسرا فائدہ۔ بدوں کی صحبت سے ہمیشہ نقصان ہی ہوتا ہے اِس لیے ایسی مجلس سے بچنا چاہیئے بری مجلس کی چار قسمیں ہیں (۱) بری کتاب پڑھنا (۲) بری تقریر سننا (۳) برنگی محفل میں بیٹھنا (۴) بروں کو دوست بنانا۔ ہر وہ چیز جس کا قلب وہ ہی حقیقت میں بری ہے لہٰذا مومن مسلمان کو اُس سے محبت لگانی چاہیئے جس کو بقا ہے۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

چو عاقبت زصحبت یاراں بریدنست   پیوند با کسی نکند آنکہ عاقل است

یعنی جس دوست کی دوستی نے آخر ٹوٹنا ہے عقل والا اُس سے دوستی نہیں لگاتا۔ یہ فائدہ لَا مِسَاسَ فرمانے سے حاصل ہوا کہ دیکھو سامری نے اُلفت۔ عزت۔ شہرت، قربت۔ رونق چاہی مگر اس کو نفرت ذلت۔ غربت۔ بجائے خلوت ملی یہ اس لیے ہوا کہ اُس نے ان نعمتوں دونوں کو حاصل کرنے کے لیے غلط راستہ اور بروں کی صحبت کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اِن نعمتوں کے لیے صحیح اور سچا مضبوط

دروازہ تو آستانۂ نبوت اور مجالس ولایت تھا جو اس نے چھوڑا. حق سے منہ موڑا. چوتھا فائدہ. کسی مسلمان کو کسی وقت اپنی عقل فکر علم ذھن پر بھروسہ نہ کرنا چاہیئے یہ سب شیطان کے جال اور پُرفریب رستے ہیں بے فائدہ. وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ سے حاصل ہوا کہ سامری نے اتنا بڑا فتنہ فساد ذلت تباہی کا سلسلہ صرف اپنے نفس وعلم پر غرور اور بھروسہ کرنے کی وجہ سے کیا. خود بھی ڈوبا تباہ ہوا اور ساتھیوں کو بھی تباہ وبرباد کیا.

احکام القرآن ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں. پہلا مسئلہ. قانون شریعت کے مطابق کفر دو قسم کا ہے. ایک کفر شرعی دوم کفر حکمی کفر شرعی میں مرتد ہونے والا واجب القتل ہے اور کفر حکمی میں مرتد ہونے والا واجب القتل نہیں ہوتا. یہ مسئلہ. فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ. سے مستنبط ہوا کہ دیکھو. بنی اسرائیل نے بچھڑے کو معبود سمجھ کر اس کی پرستش سجدہ ریزی کی اس لیے ان کی سزا فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ہوئی. اور سامری نے یہ کہا تھا اِلٰهُكُمْ یہ نہ کہا تھا اِلٰهُنَا کچھ اس وجہ سے اور پھر بنی اسرائیل نے تو اس کو سجدہ بھی کیا اعتکاف بھی کیا اور طواف بھی کیا بشکل رقص. مگر سامری نے صرف اعتکاف کیا بچھڑے کو سجدہ نہ کیا اس لیے وہ قتل نہ کیا گیا. اگر وہ توبہ کر لیتا تو شاید لَا مِسَاسَ کی دینوی سزا سے بھی بچ جاتا. لہٰذا آج کل مرزا غلام قادیانی کو ماننے والے شرعی کافر ہیں اس لیے ان کو اقلیت قرار دیا گیا اور مسلمان اب مرزائی بن جائے وہ شرعی مرتد ہوگا. لیکن تبرائی رافضی. خارجی. نیچری. چکڑالوی شرعی کافر نہیں ہیں حکمی کافر ہیں. دوسرا مسئلہ. انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے غیب کا علم عطا فرمایا ہے لہٰذا اس کا منکر گمراہ ہے. یہ مسئلہ اِنَّ لَكَ (الخ) سے مستنبط ہوا. اس طرح کہ جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام سامری کو یہ سزا سنا رہے ہیں اس وقت نہ سامری بیمار تھا نہ قریب موت نہ کوئی علامت بیماری اس میں ظاہر تھی مگر موسیٰ علیہ السلام اس کی اگلی تمام زندگی. بیماری اس کے انجام موت وقبر حشر جہنم اور توبہ کی توفیق نہ ملنے کی سب خبریں دے رہے ہیں یہ ہی علوم غیبی ہیں. تیسرا مسئلہ آلات فسق وفجور اور حرام کاموں کا ساز وسامان کفر اور گمراہی پھیلانے والی چیزیں توڑنا پھوڑنا جلانا ضائع برباد کرنا جائز اور ضروری ہے اور ان پر کچھ بدلہ یا تاوان نہیں لیا جا سکتا اگرچہ وہ سامان کتنا ہی قیمتی ہو. اسی طرح طبلہ سارنگی ڈھول باجہ توڑنا جائز اور کار ثواب ہے یہ مسئلہ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا. فرمانے سے مستنبط ہوا. اس طرح کہ موسیٰ علیہ السلام نے وہ بچھڑا جو اپنی مالیت میں اچھا خاصا قیمتی تھا. ذبح کر کے جلا دیا اور اس کی راکھ کو بہا دیا مگر نہ کسی

تھالی کے ہاتھ اس کو بیچا نہ خود کسی کو اس کا گوشت کھانے دیا نہ کسی زمین میں ہل چلانے کے لیے رکھا۔ نہ اُن پر کچھ شرعی تاوان واجب ہوا نہ بدلہ اس لیے کہ وہ بچھڑا کفر و شرک کا ذریعہ تھا۔ اسی طرح کسی بھی کھیل کود گمراہی کی چیز کو ضائع کرنا جائز ہے اگر کوئی مسلمان کسی دوسرے شرابی جواری مسلمان کی شراب اور جوئے بازی کا سامان تاش و شطرنج وغیرہ ضائع کر دے تو ضائع کرنے والے پر کچھ تاوان یا سزا واجب نہ ہوگی۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ اس کی کیا وجہ کہ حضرت موسیٰ نے سامری کو فرمایا ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لیکن کسی اسرائیلی کو یہ نہ کہا حالانکہ اس سے پہلے بنی اسرائیل تو اپنی زبانوں سے کہہ رہے تھے لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عَاكِفِيْنَ۔ چاہیئے تھا موسیٰ علیہ السلام کہتے ظَلْتُمْ عَلَيْهِ عَاكِفِيْنَ سب کو شامل کرتے۔ **جواب**۔ دو وجہ سے ایک یہ کہ سامری اس وقت بھی بچھڑے کے پاس آسن جمائے پالتی مارے بیٹھا تھا جس وقت حضرت موسیٰ نے اُس سے یہ خطاب کیا اور حضرت موسیٰ نے اس کو خود معتکف دیکھا تھا۔ لیکن بنی اسرائیل نے جب دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام حضرت ھرون کو سخت سرزنش فرما رہے ہیں اُسی وقت بچھڑے کو چھوڑ کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آ گئے تھے اور شرمندہ سر جھکائے معذرت بیان دینے کی تیاری میں لگ گئے تھے۔ سامری خود نہ آیا بلکہ اُس کو بلانا پڑا۔ یا موسیٰ علیہ السلام خود اس کے پاس گئے۔ دوم وجہ یہ کہ اس سب کام کا اصل سرغنہ شیطان سامری تھا اس لیے اسی کو یہ جرم بتاتے ہوئے اس طرح فرمایا کہ یہ اعتکاف بیٹھنا بھی شرک و کفر ہے۔ گویا کہ رئیس الجہال اور سردار گمراہاں وہی تھا۔ **دوسرا اعتراض** اس کی کیا وجہ کہ مرتد تو سب ہو گئے تھے بنی اسرائیل بھی اور سامری بھی مگر قرآن مجید میں ان مرتدین بنی اسرائیل کے قتل کا تو ذکر ہے مگر سامری کو قتل نہ کرایا جرم ایک لیکن سزا مختلف کیوں۔ **جواب** اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں ایک یہ کہ سامری شرعی کافر نہ تھا حکمی کافر ہو گیا تھا اور حکمی کافر کی سزا قتل نہیں جس طرح گمراہ فرقے یا قبر پرست پیر پرست جُہلا کہ یہ سب حکمی کافر ہوں گے نہ کہ شرعی۔ دوم جواب یہ کہ سامری مرتد نہ ہوا تھا۔ بلکہ وہ شروع سے منافق کافر تھا۔ اس کا مومن بننا منافقت تھی۔ اسی لیے نہ اُس پر عذاب غرق آیا کہ منافق مومن تھا قتل کی سزا نہ ہوئی کہ مرتد نہ تھا۔ قتل صرف مرتد کی سزا ہے نہ کہ شروع کے کھلے کافر کی نہ منافق کافر کی۔ بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اُس کے قتل کی اجازت رب تعالیٰ سے مانگی مگر نہ ملی کیونکہ وہ سخی بہت تھا مگر یہ غلط ہے کہیں ثبوت نہیں۔

تفسیر صوفیانہ

قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ۔ سامریِ طبیعت نے اپنی شرارتِ باطنی کا اظہار کیا کہ میں نے اپنے علمِ طبعی اور قوتِ بصری سے دنیاءِ ناسوت میں وہ کچھ دیکھا جو میرے ہم نشین نہیں دیکھ سکتے یہ عالَمِ باطن طلسمات وسمیات کا جھاڑ ہے قاصدِ ضمیرِ روشن کے نشانِ اتباع سے میں نے کاسۂ شعور حاصل کیا اور نفسِ حیوانیہ کلبیہ مسخرہ سے عقلِ فعّال کی مٹھی بھرلی جو اثر و تاثیر کی جذب سے ہے اور طبیعتِ عنصری میں اجسامِ سفلیہ کے واسطے سے چلا آرہا ہے پھر میں نے اس عقلِ فعّالی کو مکر و فریب کے بچھڑے کے اندر ڈال دیا اور یہ سب کچھ صرف نفس و شیطانِ شریر کے دعووں سے ہے قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۔ بندۂ مومن کا غضب عذابِ الٰہی کی وعید ہے جب قلبِ مومن پر کشفِ اسرار کی سبقت ہوتی ہے تو اجتہادِ سلوک کا جذبہ غالب ہوتا ہے مومن کو عبادتِ ریاضت سے علمِ کشفی حاصل ہوتا ہے فاسقِ معلن کی ریاضت سے علمِ کسبی حاصل ہوتا ہے ۔ اکتسابِ علم سے استقامت ملتی ہے ۔ علمِ کسبی سے کسبی استقامت علمِ کشفی سے کشفی استقامت کسبی سے خرافاتِ خبیثہ ناقصہ کا صدور ہوتا ہے اور قومِ شریر میں گمراہی پھیلتی ہے جس سے چار نقصان ۱ شقاوتِ دنیوی ۲ آخرت کا بُعد ۳ عذابِ ابدی کی سزا ۴ وبالِ عملی کا ذائقہ حاصل ہوتا ہے ۔ اور کسبِ شیطانیہ کے تمام مکر کا ابطال ہوجاتا ہے محنت برباد منافقت کا پردہ فاش ہوتا ہے اور فَاذْهَبْ کی لعنت ڈال دی جاتی ہے ۔ حُبِّ شہوات کی آگ بجھ جاتی ہے ۔ فریبِ حیات سے جو ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے وہ دائمی ذلت میں بدل جاتا ہے لذتِ شہوت کا بچھڑا صرف کھانے پینے تک محدود ہوجاتا ہے یہ دنیا چند دن کا رقص و سرود ہے پھر لا مِسَاس کی ابدی قہرِ محرومی ہے جو بِن موت کے موتِ عذاب ہے مومن کو چار قسم کے غضب سے بچنا چاہیئے ۱ غضبِ انبیاء ہے کہ یہ دردناک عذاب ہے بندہ جیتے جی مردہ ہوجاتا ہے دوم غضبِ اولیاءَ اللہ ہے یہ لَنْ تُخْلَفَهٗ کی وعیدِ قہر ہے سوم غضبِ والدین ہے کہ اس میں فَاذْهَبْ کی دُھتکار اور راندۂ درگاہ ہونے کی پھٹکار ہے چہارم غضبِ محسن (استاد اور مرشد) ہے کہ اس سے فِي الْحَيٰوةِ تمام زندگی نورِ ہدایت سے حیاتِ وحشیہ ظلمانیہ والی نفرت و تنہائی کا عذاب ہے ان غضبوں سے ملوث ہوکر آدمی ملعون، مطرود، محدود اور مغرور وحشت ہوجاتا ہے ۔ عالمِ باطن میں نفسِ شریر پر جب قلب کا غضب وارد ہوتا ہے تو پھر اس سے تمام روحانی قوتیں سلب کرلی جاتی ہیں جس سے اہلِ ایمان کو بھی نقصان

ہوتا ہے خود نفس کی بھی کثافت بڑھ جاتی ہے اس لیے اہلِ نفس بھی اہلِ حق سے دور ہی رہنا چاہتے ہیں اور مساجد و مدارس، خانقاہ مجالس سے لا مساس ہوتے ہیں یہ دوری قہرِ ربانی ہے اس کی وعید دائمی ہے۔ لَنْ تُخْلَفَهٗ۔ اس میں کبھی خلاف نہیں ہو سکتا (ابن عربی) مرشد برحق کی مرید کو چلانے کے لیے چار ذمہ داریاں ہیں پہلی یہ کہ عبرت دلائے دوم یہ کہ باطل سے نفرت کرائے سوم یہ کہ زندگی کی جہت بتائے چہارم یہ کہ انجام کار بتائے۔ پھر راہِ سلوک پر نظریں لگوائے کہ برے کی برائی کا انجام اپنی بصیرتِ نظری سے دیکھ لے اور فرمایا کہ وَانْظُرْ اِلٰى اِلٰهِكَ الَّذِیْ ظَلْتَ عَلَیْهِ عَاكِفًا لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِی الْیَمِّ نَسْفًا۔ اے نفسِ شریر اپنی طبیعتِ جسمانیہ کے بچھڑے اور دولتِ فانیہ سے اس بنائے ہوئے عجلِ خواہشات کو جی بھر کے دیکھ لے جس کی شہوت پرستی میں تو نے زندگی کے قیمتی لمحات ضائع کر دیے اور موسیٰ قہر و جلال کے آنے کی بھی پرواہ نہ کی مرشد کامل کی سزا سے نہ بچ سکے گا ہم اس کو ریاضتِ قلبی کی آگ سے جلا کر رکھ دیں گے پھر ضرب اِلَّا اللّٰہ کے ہتھوڑوں سے کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دیں گے اور نفحاتِ رحمت کے دریا میں اس کے جلاپے کو ایسا بہا دیں گے کہ نہ زندگی رہے گی نہ حرکاتِ زندگی اور نفس و ھویٰ کے تمام جھوٹے عبد و معبود بحرِ قہر میں اس طرح حَصَبُ جہنم بن جائیں گے کہ پھر چھٹکارہ نصیب نہ ہوگا۔ (روح البیان) نظرِ عبرت مومن کا زیور ہے۔ اس لیے کہ اِنَّمَاۤ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَؕ وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا چونکہ پوری مخلوقِ کائنات کا اِلٰہ وہی اللہ سبحانہٗ ہے اس کے سوا کہیں کوئی کسی کا اِلٰہ نہیں ہے لہٰذا جو غیر کو معبود بنائے گا اُس کو نارِ قطعی سے جلایا جائے گا اور دریائے قہر میں بہایا جائے گا۔ یہی ابدی فنا اور سزا بقا ہے اِلٰہ وہی ہے جس کا علم ہر چیز پر غالب ہے وہ جانتا ہے کون لطف کا حقدار ہے کون قہر کا سزاوار۔ جب قلب اور طبیعت کا ملاپ ہوتا ہے تو شریعت طریقت معرفت حقیقت کی نسل پیدا ہوتی ہے۔ اور قوم سالکین بن جاتی ہیں مگر جب نفس و خباثت کا ملاپ ہوتا ہے تو ادیانِ باطلہ۔ اَخلاقِ مذمومہ عاداتِ بد عتیبہ۔ لذاتِ شہوانیہ جنم لیتے ہیں۔ بدعت اور ضلالت کا نقصان گناہ اور معصیت سے زیادہ ہے کیونکہ گمراہ انسان اپنے گناہوں عیبوں کو نیکیاں سیئات کو حسنات سمجھتا ہے اس لیے غرور کا سامری بنا رہتا ہے توبہ نہیں کرتا۔ لیکن گناہگار معصیت والا اپنے گناہ کو برا سمجھتا ہے اور توبہ میں خنجرِ تسلیم سے قتل ہو جاتا ہے اور حیوٰۃِ ابدی کی روح پا لیتا ہے۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

اے معرفت میں قدم رکھنے والے پہلے اس سبق کو یاد کرلے کہ ہر فرعون کے لیے قدرت کا ایک موسیٰ ہے ہر باطل کے لیے ایک حق ہے ہر مفسد سامری کے لیے ایک مصلح طرون ہے اور ہر عجل خراب کے لیے سزا و عذاب ہے اس طرح کہ جب فرعونِ نفس زمین جسمانی میں کفر ظلم تکذیب ستم اور فساد معاصی کی یلغار مچاتا ہے تو مصلحِ قلبی ایمان تصدیق عدل و اطاعت کی اصلاح پھیلاتا ہے۔ جب سامری خباثت دینِ حق کے آئینۂ جمال کو اپنی بدکرداری سے اندھیارا کرنا چاہتا ہے تو طرونِ عقل اور موسیٰ قدرت کا دستِ یداللہ اس کو صاف اور مزین فرما دیتا ہے اور غیرت ایمانی کی پالش لگا دیتا ہے اے مردِ مرید خبردار ہوجا کہ حق و باطل کے یہ جھگڑے تیرے ظاہر و باطن میں اس طرح تاقیامت رہیں گے اسی لیے ہر مسلمان کو ہر وقت مرشدِ حق کی ضرورت ہے یہ دنیا بڑی خطرناک ہے یہاں ہر فرعون لباسِ موسیٰ میں اور سامری لبادہ طرون میں پھر رہا ہے جو ان بھیڑیوں سے بچ گیا وہ کامران ہوا۔ مگر جو بھٹکا اس نے سزا پائی۔ درویش کو اس وقت سزا ملتی ہے جب اس کے اخلاق خراب ہو جائیں خراب اخلاق یہ ہیں کہ ۱؎ اپنے رب تعالیٰ کی نافرمانی کرے ۲؎ اپنی حالت کی شکایتیں کرتا پھرے ۳؎ یہ کہ ہر وقت تقسیمِ تقدیر پر ناراض رہے سچے صوفی کی پہچان یہ ہے۔ ہر قبض و بسط سوال و عطا میں حسنِ ادب قائم رکھے ہر بدلتی بنتی بگڑتی حالت میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ قدس میں صداقت کا ثبوت دیتا رہے جس بزرگ پیر فقیر درویش میں لالچ اور نفس پرستی خودی کی بدبو پیدا ہو گئی وہ اس زمین پر سامری وقت ہیں کہ خود بھی گمراہ اور مریدوں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ مرشد پکڑتے وقت چار چیزوں کا خیال رکھنا چاہیے ۱؎ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا اعلیٰ غلام ہے یا نہیں ۲؎ شریعت پر مکمل ملفوف ہے یا نہیں ۳؎ کسی نسبت کا پابند ہے یا نہیں ۴؎ پیری کے قابل ہے یا نہیں۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا

اسی طرح بیان کرتے رہیں گے ہم تمہارے پاس ان واقعات کی خبریں جو

ہم ایسا ہی تمہارے سامنے اگلی خبریں بیان

قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا

گزر گئے ہیں اور ہم نے دی تم کو اپنے قرب خاص سے ایک

فرماتے ہیں اور ہم نے تم کو اپنے پاس سے ایک ذکر عطا

ذِكْرًا ۚ ﴿٩٩﴾ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ

بڑے ذکر والی چیز۔ جس نے بھی منہ پھیرا اس سے تو وہ یقیناً اٹھائے گا

فرمایا جو اس سے منہ پھیرے تو بے شک وہ قیامت

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿١٠٠﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۭ وَ

قیامت کے دن بھاری بوجھ اور ایسے سب لوگ ہمیشہ ہی اس بوجھ میں دبے رہیں گے اور

کے دن ایک بوجھ اٹھائے گا وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ اور

سَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ﴿١٠١﴾ يَّوْمَ

کتنا برا ہوگا قیامت کے دن یہ لدا ہوا بھاری بار رد لا دیئے وہ دن

وہ قیامت کے دن اُن کے حق میں کیا ہی برا بوجھ ہوگا۔ جس دن

يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ

کہ پھونکا جائے گا صور میں اور گھیر لائیں گے ہم تمام مجرموں کو

صور پھونکا جائے گا اور ہم اس دن مجرموں کو اٹھائیں گے

يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ﴿١٠٢﴾ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ

اس دن نیلی آنکھوں والے سرگوشیاں کریں گے کہ نہیں

نیلی آنکھیں آپس میں چپکے چپکے کہتے ہوں گے کہ تم

اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿۱۰۳﴾

زندگی گزاری تم نے مگر دس گھڑی

دنیا میں نہ رہے مگر دس رات

تعلقات اِن آیت کا سابقہ آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت میں بنی اسرائیل اور موسیٰ علیہ السلام کے ایک قصے کا ذکر ہوا۔ اب اِن آیت میں اس قصے کے متعلق آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا جا رہا ہے کہ اے محبوب ہم تم کو سابقہ خبروں کے قصے سناتے رہیں گے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں بنی اسرائیل اور سامری کی دنیوی سرکشیوں کا ذکر ہوا۔ اب آیت میں گمراہ گروں کے اُخروی انجام و عذاب کا ذکر ہے تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں گمراہ کرنے والوں کا ذکر ہوا جو قوم پر گمراہی کا بوجھ ڈال دیتے ہیں۔ اب اِن آیت میں خود گمراہ گروں پر قیامت کے دن بوجھ پڑنے کا ذکر ہو رہا ہے۔

تفسیر نحوی كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا۔ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ۔ اسم اشارہ اور حرف تشبیہ و ضمیر مخاطب سے مرکب لفظ كَذٰلِكَ یہاں مبتدا ہے نَقُصُّ باب نَصَرَ کا مضارع جمع متکلم قَصَصٌ سے مشتق ہے بمعنی خوب کھول کر بیان کرنا عَلٰی جارہ بمعنی عِنْدَ كَ ضمیر خطاب مرجع آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مِنْ جارہ تبعیضیت کا اَنْبَآءِ اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے نَبَاءٌ بمعنی خبر بن غیبی۔ مضاف ہے مَا اسم موصول قَدْ سَبَقَ باب ضَرَبَ کا فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا ما موصولہ کا دونوں مل کر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہوا۔ جار مجرور متعلق دوم ہوا نَقُصُّ کا عَلَيْكَ پہلا متعلق تھا قَدْ نَقُصُّ سب سے مل کر جملہ فعلیہ معطوف علیہ ہوا واؤ حالیہ ہے یا عاطفہ ہے قَدْ اٰتَيْنَا۔ باب اِفعال کا ماضی قریب جمع متکلم مِنْ حرف جر ابتداء غایت کے لیے لَدُنْ مضاف اسم تقریبی بمعنی پاس نا ضمیر جمع متکلم مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے قَدْ اٰتَيْنَا سے ذِكْرًا اسم مصدر جامد حاصل مصدر بمعنی تذکرہ۔ یادگار قابلِ ذکر چیز مراد ہے قرآن مجید مفعول بہ دوم ہے پہلا مفعول بہ كَ ضمیر خطاب ہے قَدْ اٰتَيْنَا اپنے فاعل دونوں مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف ہوا نَقُصُّ کا

دونوں عطف مل کر خبر مبتدا پھر دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا مَنْ اسم موصول برائے اہل عقول مذکر مؤنث دونوں کے لیے ہے اَعْرَضَ باب افعال کا فعل ماضی مطلق واحد مذکر غائب عَرْضٌ سے مشتق ہے لازم ہے بمعنی پیش ہونا عرض کرنا سامنے ہونا۔ باب افعال میں آکر متعدی ہوا بمعنی سامنے کرنا چہرے اور منہ کو جب اس کے بعد عَنْ جارہ ہو تو معنی ہوں گے سامنے سے چہرہ ہٹا لینا منہ پھیر لینا نفرت کرنا۔ یہاں یہی معنی ہیں عَنْہُ ہٗ ضمیر کا مرجع ذِکْرًا ہے یہ جار مجرور متعلق ہے اَعْرَضَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر شرط ہوا فَ جزائیہ اِنَّ حرف مشبہ ہٗ ضمیر اس کا اسم منصوب یَحْمِلُ باب ضَرَبَ کا مضارع مستقبل حَمْلٌ یا حِمْلٌ سے مشتق ہے بمعنی بامشقت اٹھانا حَمْلٌ اور حِمْلٌ میں فرق یہ ہے کہ جو چیز سر پر یا پیٹھ پر ہو وہ حِمْلٌ ہے اور مادہ رحم میں یا پیٹ میں یا درخت پر پھل پھول ہو وہ حَمْلٌ ہے یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔ یہ مرکب ظرفِ زمانی ہے یَحْمِلُ کا وِزْر اسم مفرد جامد حاصل مصدر بمعنی بوجھ اس کی جمع ہے اَوْزَارٌ مفعول بہ ہے۔ خٰلِدِیْنَ اسم فاعل جمع مذکر باب نَصَرَ سے خُلْدٌ سے مشتق ہے بمعنی ہمیشہ رہنا بحالت نصب ہے کیونکہ حال ہے یَحْمِلُ کا فاعل ھُوَ ضمیر صیغہ پوشیدہ کا اس کا مرجع مَنْ ہے وہ جنسی جمع ہے اس لیے خالدین جمع آیا مراد ہے تمام کفار۔ فِیْہِ۔ ہٖ ضمیر کا مرجع وِزْرًا ہے یہ جار مجرور متعلق ہے خٰلِدِیْنَ کا سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر حال ہوا یَحْمِلُ کے فاعل کا ذوالحال سے مل کر فاعل ہے یَحْمِلُ سب سے مل کر جملہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ سَآءَ فعل ذم ماضی مطلق واحد مذکر غائب ہُمْ میں ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب کا مرجع مَنْ جنسی جمع ہے یہ

جار مجرور متعلق ہے سَآءَ کا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ظرف زمانی ہے حِمْلًا اسم حاصل مصدر حَمْلٌ سے ہے بمعنی اٹھایا ہوا بوجھ۔ وِزْرٌ مطلق بوجھل چیز کو کہتے ہیں خواہ اٹھائی ہو یا نہ لیکن حمل اس بوجھل چیز کو جو اٹھائی ہوئی ہو اور اٹھانے والا بوجھ تلے دبا ہوا ہو کر چلے یہ تمیز ہے سَآءَ کے فاعل مخصوص بالذم کی سَآءَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے یَحْمِلُ کا دونوں عطف مل کر خبر اِنَّ دونوں سے مل کر اِنَّ جملہ اسمیہ ہو کر جزا ہے مَنْ کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ شرطیہ ہو گیا۔

یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَئِذٍ زُرْقًا۔ یَّتَخَافَتُوْنَ بَیْنَھُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا۔ یَوْمَ اسم مفرد ظرف زمانی اُذْکُرْ فعل پوشیدہ امر کا۔ اور موصوف ہے اگلی عبارت کا یُنْفَخُ باب فَتَحَ کا فعل مضارع مجہول مستقبل ہے واحد مذکر غائب نَفْخٌ سے مشتق ہے بمعنی

پھونکنا پھونک مارنا۔ لغت میں کسی بھی چیز سے ہوا ڈالنا کسی مخصوص جگہ میں لیکن اصطلاح میں منہ سے پھونک مارنا ہے فِیْ حرفِ جر ظرفیت کا اَلصُّوْرِ اسم مفرد جامد اس کا جمع مکسر صُوَر ہے اس کی حقیقت تفسیر عالمانہ میں بتائی جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ اس کا ترجمہ ہے ناقوس فارسی میں نرسنگھا اردو میں دھوتو کہتے ہیں۔ یہ جار مجرور متعلق ہے ایک شاذ قرأت میں نَنْفُخُ جمع متکلم معروف ہے۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ نَحْشُرُ باب نَصَرَ کا فعل مضارع مستقبل معروف جمع متکلم حَشْرٌ سے مشتق ہے بمعنی گھیر کر ایک جگہ کرنا اَلْمُجْرِمِیْنَ۔ اسم فاعل باب افعال سے جمع مذکر سالم کثرت ایک قرأت میں یَحْشُرُ الْمُجْرِمُوْنَ ہے یَوْمَ اسم ظرف زمانی مضاف اِذٍ اسم ظرفیہ وقتیہ ہے مضاف الیہ بمعنیٰ اُس دن یہ مرکب اضافی ظرف ہے یا مفعول فیہ ہے زُرْقًا اسم جمع مکسر اس کا واحد ہے اَزْرَق۔ زَرْقٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ نیلی ہونا یہ حال ہے مُجْرِمِیْنَ کا۔ دونوں مل کر مفعول بہ ہوا نَحْشُرُ فعل اپنے پوشیدہ ضمیر صیغہ فاعل اور مفعول بہ مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف یُنْفَخُ کا دونوں مل کر صفت ہے یَوْمَ کی یہ مرکب توصیفی ظرف ہے اُذْکُرْ پوشیدہ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ یَتَخَافَتُوْنَ باب تَفَاعُلٌ کا فعل مضارع معروف مستقبل جمع مذکر غائب خَفْتٌ سے بنا ہے بمعنیٰ آہستہ آہستہ باتیں کرنا عربی میں آہستہ باتیں کرنے کے لیے چار مصدر ہیں اور چاروں کی نوعیت اور سبب میں فرق ہے ۱؎ سِرٌّ آہستہ راز کی بات کہنا ۲؎ خَفْضٌ بیماری یا کمزوری ضعیفی کی وجہ سے آہستہ باتیں کرنا ۳؎ بَحٌّ یا نَجٌّ گلے کی خرابی کی وجہ سے آہستہ بولنا ۴؎ خَفْتٌ کسی کے رعب یا دبدبے یا خوف کی بنا پر آہستہ بولنا۔ بَیْنَهُمْ یہ مرکب اضافی ظرف مکانی ہے اِنْ نافیہ ہے۔ حرفِ اِنْ چار قسم کا ہوتا ہے ۱؎ اِنْ شرطیہ اس کا ترجمہ ہے اگر یہ ہمیشہ دو جملوں شرط و جزا پر ابتدا میں آتا ہے ۲؎ اِنْ تاکیدیہ یہ خود زائدہ ہوتا ہے اس سے پہلے حرفِ نفی مَا ہوتا ہے جس کی نفی کی یہ تاکید کرتا ہے ۳؎ اِنْ مخففہ یہ اِنَّ مشبہ سے بدلا ہوتا ہے مگر اب یہ مخففہ ہو کر عمل نہیں کرتا اس کے بعد لام کے مفتوح ضرور ہوتا ہے اس کا ترجمہ ہے بے شک ۴؎ اِنْ نافیہ جب یہ استثنا کے لیے آتا ہے تو اس کے بعد اِلَّا ضرور آتا ہے جیسے یہاں اس کا ترجمہ ہے نہیں۔ لَبِثْتُمْ باب حَسِبَ کا ماضی مطلق جمع مذکر حاضر معروف اس میں پوشیدہ ضمیر صیغہ اَنْتُمْ اس کا فاعل ہے اِلَّا حرف استثنیٰ اس نے مَا نافیہ کی نفی توڑ دی عَشْرًا۔ اسم عددی بمعنیٰ دس اس سے کیا مراد ہے یہ انشاء اللہ تعالیٰ تفسیر عالمانہ میں بتایا جائے گا یہ مستثنیٰ ہے لَبِثْتُمْ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر مستثنیٰ منہ ہوا دونوں مل کر مفعول بہ ہے یَتَخَافَتُوْنَ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا خٰلِدِيْنَ فِيْهِ۔ اے کائناتِ عالم کے محبوب نبی مکرم یہ موسیٰ فرعون بنی اسرائیل و سامری کا واقعہ جس طرح تفصیل و تصحیح کے ساتھ ہم تم پر بیان کرتے ہیں تاکہ سب لوگ تا قیامت جان لیں کہ حقیقت کیا ہے اسی طرح دیگر تمام واقعات بھی اس قرآن مجید کے ذریعے ہم بیان فرمائیں گے کہ سابقہ انبیاءِ کرام اولیاءِ عظام اور پچھلی امتوں کی زندگی کے واقعات حالات کی سچی تبریں کیا ہیں تاکہ ان کفار یہود و نصاریٰ نے جن واقعات کی اصلیت پر اپنی بناوٹ گراوٹ خیانت حماقت ملاوٹ خباثت کے جھوٹے اور توڑ پھوڑ کے پردے ڈال رکھے ہیں وہ ہٹ جائیں اور جہان میں سچائی ظاہر ہو۔ اور بے شک ہم نے تم کو بلا واسطہ بغیر وسیلہ اپنے پاس سے ذکرِ جلی وحی خفی ظاہری سری لفظی معنوی۔ بیانی۔ معنوی۔ قانون احکام شریعت طریقت کا قرآن و حدیث عطا فرمایا تو جو بھی اللہ رسول کے ذکر اور قرآن و حدیث کے ذکر سے منہ پھیرے کہ نہ ایمان لائے نہ تصدیق نہ عمل کرے نہ تسلیم۔ تو اس قسم کے سب ہی لوگ قیامت کے دن اپنے کندھوں پر کمر توڑ بوجھ اٹھائے ہوں گے اور اس بوجھ کے سخت بھاری دباؤ میں اَبَدُ الآباد تک ہمیشہ ہی رہیں گے کہ نہ خود اتار سکیں نہ اس بوجھ سے نکل سکیں نہ کوئی ان کو نکالے نہ نکال سکے نہ سفارش یا شفاعت کرے نہ کر سکے یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ قومِ عرب اپنی ضد ہٹ دھرمی غرامت غباوت جہالت سرکشی ظلم تکبر میں بالکل اسی طرح جس طرح گذشتہ فرعون اور فرعونی قوم اور موجودہ یہودی عیسائی بالکل اسی طرح منافقانہ چال بازی معمہ سازی میں طریقہ ثانی پر ہیں جس طرح سامری اور اس کے چند ساتھی۔ خیال رہے کہ قرآن مجید میں اکثر جگہ اَنْبَاءِ مَا سَبَقَ اور نَقُصُّ الْقَصَصَ سے مراد صرف انبیاءِ سابقین اور ان کی اُمم ماضیہ کے حالات مشکلات و کیفیات ابتلاء و عاقبت و انجام کا ذکر و تذکرہ مراد ہے کیونکہ تمام کائنات پر نبوت محیط ہے کوئی زمانہ کوئی علاقہ نبوت سے خالی کبھی نہیں رہا۔ اسی لیے شیطانی لوگوں نے ان ہی کے حالات میں طرح طرح کی من پسند خیانتیں ملاوٹیں کیں اور کرتے رہتے ہیں۔ اور پہلی قوموں میں ملاوٹیں کرنے والی یہود و نصاریٰ کی قومیں ہوئیں ان میں سے ہی کچھ لوگ مرتد مشرک ہو کر گائے بیل چاند ستاروں اور دیوتاؤں کے پجاری بن بن کر نکلتے رہے۔ کتبِ الٰہیہ اور قصصِ انبیاء میں ملاوٹیں کرنے کے دو زمانے ہوئے اور دونوں زمانوں میں یہود و نصاریٰ نے پانچ طرح اپنی کتبِ دینیہ میں ملاوٹیں کیں (۱) مسائل بدل کر (۲) تاریخ غلط کر کے (۳) تضاد بیانی (۴) نبی کریم کی نعت و نام مٹا کر (۵) دیگر انبیاء کی گستاخیاں کر کے۔ پھر ملاوٹیں دنیوی لالچ میں کچھ بغض دشمنی میں کچھ بعثتِ نبی کریم سے پہلے کچھ بعد میں اسلاف ملاوٹ کی

کے دو زمانے ہوئے پہلا آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ پاک سے پہلے دوسرا زمانہ۔ بعثتِ مقدس کے بعد۔ پہلی ملاوٹوں خیانتوں کذب بیانیوں اور کتب میں تبدیلیوں کا مقصد اور بڑی وجہ آقاءِ دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن مجید کے بیان فرمودہ قصص و واقعات کی تکذیب کر کے قرآنِ کریم کے کلامِ الٰہی ہونے کا انکار کرنا ہے۔ پہلی تخریب کاری سے ان بائبلوں نئے پرانے عہد ناموں تالمودوں میں انبیاءِ کرام علیہم السّلام کی گستاخیاں اور شرکیہ عقائد بھر دیئے گئے۔ دوسری تخریب تعصب بازی سے جو اَب تک جاری ہے۔ ایسی ایسی تاریخی مسخ کاریاں کی جا رہی کہ علم و عقل کو رونا آئے۔ بات بنے نہ بنے حماقت کے طومارِ جہالت کے خواہ کتنے ہی ڈھیر لگتے چلے جائیں مگر کسی طرح قرآنِ کریم کا انکار اور اس کے بیان کردہ تاریخی حقائق سے اعراض ہو جائے جو نعوذ اجماعی باتیں آقا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اُس وقت کے دشمن یہودی عیسائی اہلِ عرب ثابت نہ کر سکے اور کسی قرآنی چیلنج کو قبول کرنے کی ہمت نہ پا سکے وہ آج ان خبثاءِ باطن کو کہاں مل سکتی ہیں مگر پھر بھی تعصب اور ملاوٹ کا زور اس حد تک ہے کہ پھر بھی حماقت و ذلالت کا بوجھ اپنے اوپر لادے ہی چلے جا رہے ہیں جو قیامت تک اُن پر لدا رہے گا اگرچہ ہر مناظرے مکالمے میں منہ کی کھاتے پھریں۔ ان ہی شکست خوردہ تخریب کاریوں میں یہ واقعاتِ موسیٰ علیہ السّلام ہے کہ موجودہ عیسائیوں یہودیوں نے کبھی تو فرعون کی لاش کے اب تک موجود ہونے کا احمقانہ انکار کیا۔ اور کبھی سامری کے وجود کے منکر ہوئے۔ اور نہ جانے کس کس کو سامری اور سامر بنا بیٹھے اور بچھڑے کا الزام ھٰرون علیہ السّلام کو دے دیا کہ معاذ اللہ ھٰرون علیہ السّلام نے بچھڑا بنایا اور پرستش کرائی۔ کبھی عصا موسیٰ علیہ السّلام کو دیدیا اور کبھی اُن سے چھین کر ھٰرون علیہ السلام کو دلوا دیا۔ وغیرہ وغیرہ دیکھو۔ بائبل تالمود اور دیگر عیسائی کتب اور بائبل کی اَحبار۔ خروج۔ گنتی یشوع۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّ شِرْکٍ وَّ کُفْرٍ وَضَلَالَتٍ وَّ تَعَصُّبٍ وَّ حِمَاقَتٍ وَّ کُلِّ خُرَافَاتٍ اسی سابقہ و موجودہ و آئندہ تخریب کا سدِّ باب کرنے کے لیے رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَقَدْ اٰتَیْنٰکَ مِنْ لَّدُنَّا ذِکْرًا۔ قرآنِ مجید میں لفظِ ذِکْرًا ننانوے بار آیا ہے اور مختلف جگہ بائیس معنی میں مستعمل ہوا ہے ۱؎ یہاں قرآن مجید کے لیے ہے اور مراد علوم قرآنیہ ۲؎ ذِکْرًا سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرش تا عرش چرچہ یعنی اے نبی ہم نے آپ کا ذکر مِنْ لَّدُنَّا اپنے نام اور ذکر کے ساتھ لگا دیا (تفسیر مظہری) اس طرح کہ کلمہ کلام۔ آذان تکبیر نماز تشہد میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ اِسْمُہٗ مَشْفُوْعٌ ہو کر۔ نبیِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نام شفع

کو مذکور بن گیا۔ یہ آپ کی ان خصوصی شانوں میں سے ایک شان ہے جو کسی اور نبی علیہ السلام کو نہ ملی کسی بھی سابقہ اُمت کو ایسا کلمہ طیبہ نہ ملا جس میں ان کے نبی علیہ السلام کا نام لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کے ساتھ ہو بجز لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ کے ۳ ذکر بمعنی وظیفہ پڑھنا ۴ ذکر بمعنی یاد داشت ۵ بمعنی دینی تبلیغ ۶ یعنی ذکر الٰہی ۷ بمعنی معلومات ۸ بمعنی نصیحت ۹ ہر وقت ذکر ۱۰ ذکر کا معنی دین ۱۱ بمعنی عبادت ۱۲ دعائیں ۱۳ اللہ کی یاد ۱۴ آیاتِ الٰہیہ ۱۵ ذکر سے مراد شریعت ۱۶ ذکر بمعنی پڑھنا ۱۷ خطبہ و نمازِ جمعہ ۱۸ ذکر بمعنی قصہ ۱۹ تاریخی حالات ۲۰ تذکرہ چرچہ ۲۱ انعام ۲۲ ذِکرًا کا معنی اعمالنامہ۔ قرآنِ مجید کو تین وجہ سے ذکر فرمایا گیا۔ پہلی یہ کہ اس میں شریعت طریقت معرفت حقیقت۔ ضروریاتِ دینی دنیوی کا پورا حق وسیع کے ساتھ بیان ہے دوم یہ کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں نصیحتوں کا پورا بیان ہے سوم یہ کہ اس میں اُمتِ مصطفیٰ (مسلمہ) کی دینی دنیوی شرافت امانت توت شان و شوکت کا ذکر ہے۔ پچھلی کتابوں کو بھی ذکر فرمایا گیا چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے فَاسْئَلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ۔ بعض نے فرمایا یہاں ذکرًا سے مراد مواعظِ حسنہ ہیں جس سے بندہ ادب اور نصیحت حاصل کرے۔ قیامت میں تین قسم کے لوگوں پر بوجھ ہوگا ۱ کافر۔ ان پر کفر و شرک کا یہ خالِدِیْنَ فِیْھَا ہوگا۔ ۲ فاسقین پر حقوق العباد کے ظلم کا اس کا بدلہ دلوایا جائے گا ۳ غاصبین پر غاصب کے اعمال اہلِ حق کو دلوا دیئے جائیں گے یہ دونوں بوجھ تو اس طرح میدانِ محشر میں رہ جائیں گے ان میں ہمیشگی نہ ہوگی۔ یہ تینوں بوجھ مختلف شکلوں میں ہوں گے۔ کافر کے کفر یہ اعمال ڈراؤنی بھیانک بدصورتی اور سخت بدبودار جانوروں کیڑوں مکوڑوں سانپ بچھو کی شکل میں ان پر سوار ہوں گے جن کی بدشکلی سے جسم پر لرزہ بدبو سے چکراتے اور بوجھ سے ٹوٹے پڑتے ہوں گے یہ اعمال اپنے کافر مشرک مرتد عامل سے پوچھ لیں گے تو بتا ہم کون ہیں کافر کہے گا کہ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ تم ایک بھاری بھر کم بدشکل بدبودار جانور ہو جس سے میرا دل اور سر پھٹا جا رہا ہے اور کمر ٹوٹی جا رہی ہے۔ وہ بوجھ کہیں گے ہم تیری کفریہ شرکیہ بدعملیاں ہیں جن پر تو دنیا میں سوار ہوا کرتا تھا اور اکڑا پھرتا تھا آج ہم تجھ پر سوار رہیں گے۔ یہ سواری عقوبۃً وصعوبۃً سزا ہوگی اس طرح کہ بوجھ میں عقوبت حمل میں صعوبت۔ فاسقوں کا بوجھ اونٹ گائے بکری کی شکل میں کندھوں پر لدا ہوگا جن کی اپنی اپنی مسلسل چیخ و پکار کی آوازیں ہوں گی۔ اونٹ کی رغا۔ گائے کی خوار بکری کی آواز تعری۔ غاصبین کا بوجھ انہی مغصوبہ (چھینی ہوئی) چیز کو بے انتہا بڑا کر کے اُس کے گلے میں طوق بنا کر ڈالا جائے گا۔ یہاں تک کہ اگر کسی نے کسی کی زمین چھینی ہوگی یا ناجائز بلا مرضی قبضہ

کیا ہوگا تو وہ زمینی ٹکڑا ساتوں زمین کی تہہ تک موٹا طوق بنا کر غاصب کی گردن اتنی ہی لمبی کرکے اُس کے گلے میں ڈالا جائے گا اگرچہ ایک بالشت بھر زمین غصب کی ہو۔ (حدیث پاک) ذِکرًا فرمانا اظہارِ نعمت ہے۔ مَنۡ اَعۡرَضَ فرمانا اظہارِ زحمت ہے۔ ذِکۡرًا۔ وعدہ ہے اَعۡرَضَ وعید ہے ذِکۡرًا۔ رضاءِ الٰہی ہے مَنۡ اَعۡرَضَ غضبِ الٰہی ہے وِزۡرًا کے معنی بوجھ کی سات قسمیں ہوتی ہیں ۱۔ ثِقۡلٌ جیسے مزدور کا وزنی بوجھ ۲۔ حَمۡلٌ امانت کا بوجھ۔ ماں کے حمل کو اسی لیے حمل کہتے ہیں کہ وہ باپ کی امانت ہوتی ہے ۳۔ مَوۡزِنَةٌ نیکی اور تحائف کا بوجھ ۴۔ وَقۡرٌ۔ بھراؤ کا بوجھ جیسے تکیے لحاف وغیرہ کا بوجھ ۵۔ تَعۡبٌ ذمہ داری کا بوجھ ۶۔ مَلۡءٌ اپنے جسم کا بوجھ ۷۔ ضَخۡمٌ افراد کا بوجھ۔ قیامت میں مجرمین کا وِزۡرًا۔ ہر طرح کا ہوگا۔ کہ وزن میں ثقل ہوگا۔ حقوق میں حمل ہوگا۔ کیونکہ اُس کے اعمالِ خیر اہلِ حقوق اور مظلومین کی امانتیں ہوں گی ان میں ہی تقسیم ہو جائیں گے باعتبار نیکی مَوَازِیۡنُ خِفَّت ہوں گے انتہائی ہلکے مجرم کی نیکی کا کوئی وزن نہ ہوگا۔ کیونکہ بیکار ہوگی یا تقسیم۔ جسمانیت میں مَلۡءٌ ہوگا۔ باعتبارِ تعداد ضَخۡمٌ ہوگا۔ وَسَآءَ لَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ حِمۡلًا يَوۡمَ يُنۡفَخُ فِي الصُّوۡرِ وَنَحۡشُرُ الۡمُجۡرِمِيۡنَ يَوۡمَئِذٍ زُرۡقًا۔ يَّتَخَافَتُوۡنَ بَيۡنَهُمۡ اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا عَشۡرًا۔ اور یہ بوجھ جو سر پر اٹھائے اور پیٹھ پر لادے ہوں گے قیامت کے دن اِن کفار کے لیے اتنا سخت برا ہے کہ دنیا میں اِس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ یہاں پرواہ نہیں کرتے حالانکہ بار بار سمجھایا جا رہا ہے اِس بوجھ میں سات چیزیں ہوں گی عقوبت صعوبت مشقت ذِلت نقصان خسران۔ اور خلود قیامت کا دن اُس وقت سے شروع ہوگا جب يَوۡمَ يُنۡفَخُ فِي الصُّوۡرِ جس دن دوسری بار چالیس سال کے بعد صور میں پھونک ماری جائیگی اور تمام کافروں کو میدانِ محشر میں نَحۡشُرُهُمۡ جمع کر لائیں گے مُجۡرِمِيۡنَ مجرم بنا کر اس حالت میں کہ يَوۡمَئِذٍ زُرۡقًا کہ خوف سے منہ کالے آنکھیں سخت گہری نیلی۔ اندھی اجسام پسینے سے رِستے ہوئے لرزے سے پیلے پڑے ہوئے۔ زبانیں پیاسی ہونٹ خشک۔ دہشت کے مارے چپکے چپکے سوالیہ باتیں کریں گے ایک دوسرے سے آپس میں اپنے درمیان ہائے حسرت ہائے افسوس اپنی یہ تباہی بربادی کی حالت پر کرتے ہوئے کہ یہ بتاؤ کیا واقعی نہ ٹھہرے تم لوگ دنیا میں زمین پر پلک جھپکی مدت صرف دس دن رات یا دس ساعتیں مفسرین کے کچھ مختلف اقوال يُنۡفَخُ میں تین قرأتیں ہیں ۱۔ يُنۡفَخُ۔ مضارع مجہول یہ ہی مشہور و جمہور قرأت ہے ۲۔ يَنۡفُخُ۔ مضارع معروف یعنی فرشتہ پھونکے گا ۳۔ نَنۡفُخُ۔ مضارع جمع متکلم بروزن ہمارا فرمان کہ ہم پھونکیں گے مگر یہ قرأت غلط ہے

اس لیے کہ پھونک مارنا فعلِ جوارح ہے اور رب تعالیٰ اس سے پاک ہے۔ صور میں دو قول ہیں ۱ اس
کا معنیٰ ہے نقارہ بگل احادیث میں ہے کہ دونوں مرتبہ اسرافیل علیہ السلام فرشتہ پھونکیں گے ایک
سال تک ہیبت ناک آواز نکلتی رہے گی پہلے بجانے پر تمام زندہ اشیا مرجائیں گے یہاں تک
کہ فرشتے بھی اور قبر والے بے ہوش کفار و فساق کا عذابِ قبر اس مدت میں بند ہو جائے گا۔ یہ
کیفیت یعنی مُردگی اور بیہوشی کا سناٹا چالیس سال تک رہے گا پھر سب سے پہلے اسرافیل زندہ
ہوں گے اور دوبارہ صور پھونکیں گے۔ پہلے صور سے صرف چار فرشتے نہ مریں گے اسرافیل جبرئیل
میکائیل عزرائیل علیہم السلام۔ ان کو رب تعالیٰ فرمائیگا ـ کہ تم بھی مرجاؤ۔ اسرافیل بحکم رب تعالیٰ زندہ
ہوں گے اور باقی تمام انس و جن و ملک دوسرے صوتِ صور سے سب سے پہلے جبرئیل پھر
میکائیل پھر عزرائیل زندہ ہوں گے قبر والے سلامتیِ اجسام والے ہوش میں آجائیں گے صورِ اول
سے تمام حیوانی انسانی جناتی روحیں بھی مرجائیں گی اور دوسرے صور سے روحیں بھی زندہ ہوجائیں
گی روح کی موت بس اتنی دیر کے لیے ہوگی مثل ملائکہ۔ اجسامِ عوام قبروں سے مثل نباتات اُگیں
گے اور اُگتے ہوئے نکلیں گے صور ایک نقارہ ہے بگل کی شکل کا اس میں انسانوں کی تعداد کے
برابر سوراخ ہیں نفخِ اولیٰ اور ثانی میں ہر شخص کو اپنے نام والے سوراخ کی آواز سنائی دے گی
صور کے بارے میں دوسرا قول یہ کہ لفظ صُوَر ہے صورت کی جمع نفخ کا معنیٰ ہے ان تمام صورتوں
جسموں میں روح پھونکنا۔ پہلا قول احادیث کے مطابق ہے اس لیے صحیح ہے۔ زُرْقًا میں پانچ
قول ہیں ۱ سارا جسم نیلا۔ کالا ۲ چہرے کالے اور آنکھیں سخت گہری نیلی ڈراؤنی
۳ زرقًا کا معنیٰ اندھی آنکھیں کیونکہ بیماری سے اندھی آنکھ نیلی ہو جاتی ہے اسی طرح جس کو اندھا
کیا جائے تو وہ نیلی ہو جاتی ہے ۴ شدتِ پیاس سے ہلکی نیلی سفیدی مائل بینائی بہت کم ۵ حسرت
بھری نگاہیں مگر صحیح قول یہی ہے کہ زرقًا کا معنیٰ سخت گہری نیلی آنکھیں اور چہرے سخت کالے
یتخافتون میں مفسرین کے دو قول ہیں ۱ خوف کی وجہ سے آہستہ بولیں گے ۲ بوجھ کی وجہ سے
آواز نہ نکلے گی جب زبان خشک ہو تو پھر آواز نہیں نکلتی یا بہت آہستہ نکلتی ہے لبثتم میں تین
قول ہیں ۱ یہ بات چیت دنیوی زندگی مدت کے بارے میں ہوگی ۲ قبر کی مدت میں ۳ یہ بات چیت دونوں نفخوں کی درمیانی
کی مدت کے بارے میں ہوگی کیونکہ وہی مدت ان کفار پر عذابِ قبر سے سکون کی ہوگی نفخِ اول
سے یہ عذاب بند ہو جائے گا۔ عشرًا میں تین قول ۱ دس دن ۲ دس راتیں ۳ دس ساعتیں۔
ایک ساعت چار گھنٹے کی ہوتی ہے یہ بھول کفار کو یا اس لیے ہوگی کہ ان کے دماغ ماؤف ہوں گے

یا اس لیے کہ آرام کی موت گزرتے محسوس نہیں ہوتی یا قیامت کے دراز مدت کے مقابل یہ تھوڑی لگے گی یا اس لیے کہ دونوں نفخوں کے درمیان چونکہ بے ہوشی تھی عذاب قبر بند تھا اس لیے ان چالیس سالوں کا پتہ ہی نہ چلا۔ زُرْقًا بدصورتی کی نشانی سمجھی جاتی ہے اہل عرب دشمن کی بدصورتی اور بدحالی بیان کرنے کے لیے تین لفظ بولتے ہیں ۱ سینہ سیاہ ۲ چہرہ پیلا مرجھایا ہوا ۳ آنکھیں نیلی۔ گہری نیلی آنکھیں نفرت و نحوست میں شمار کرتے ہیں۔ عجم میں ہلکی نیلی آنکھ اور چہرے سفید خوب صورتی ہے مگر یہاں زُرْقًا سے مراد قرآن و حدیث کی بیان کردہ ہے حدیث کے فرمودات ہیں کہ دوزخیوں کا چہرہ سخت کالا اور آنکھیں گہری یعنی تیز نیلی مذکور ہیں۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** نبی اور غیر نبی میں لاکھوں کے علاوہ ایک بہت بڑا فرق یہ بھی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی ہر چیز منجانب اللہ عطائی اور وہبی ہوتی ہے اُن کا علم عقل قوت طاقت ذہانت مقام مرتبہ عہدہ درجہ فضیلت سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلا کسب عطیہ ہوتا ہے۔ باقی انسانوں کو یہ چیزیں اُن کے کسب و محنت مشقت سے ملتی ہیں یعنی ہم لوگ دنیا میں اعمال افعال لکھائی پڑھائی کی محنت کرتے ہیں تو علم عقل طاقت ذہانت اور مرتبہ مقام حاصل ہوتا ہے مگر انبیاء علیہم السلام ہر مقام عُلیا و کمال پر اللہ تعالیٰ کی طرف مِنْ لَّدُنَّ فائز ہوتے ہیں اسی لیے انبیاء کرام کی کسی چیز کو فنا نہیں نہ جوانی میں نہ بڑھاپے میں نہ حیات دنیوی میں نہ قبر و برزخ میں۔ لیکن ہماری ہر چیز کمال و مقام علم و عقل کو فنا ہے۔ انبیاء اصل والے اُمّی ہیں ہم نقل والے امی انبیاء کا امی ہونا ان کی شان ہے ہمارا اُمی ہونا ہماری کمزوری ہے انبیاء کا اُمی ہونا علم ہے ہمارا اُمی ہونا جہالت ہے یہ فائدہ، وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا۔ سے حاصل ہوا۔ لدنی علم انبیاء کرام علیہم السلام کی خصوصیت ہے۔

دوسرا فائدہ: قرآن پاک کے تمام ذکر و علم کا نزول اُمّت کے لیے ہوتا ہے آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالیٰ نے سب کچھ پہلے ہی سکھا دیا ہے عالم ازل میں یہ فائدہ قَدْ اٰتَيْنَا۔ کے ایک تفسیری قول واؤ کو حالیہ ماننے سے حاصل ہوا اور آیت کا ترجمہ یہ کیا جائے گا کہ اسی طرح بیان فرماتے ہیں ہم آپ پر گذشتہ واقعات کی خبریں حالانکہ بے شک دیدیا ہے ہم نے پہلے ہی آپ کو اپنے قرب خاص سے ہر چیز کا ذکر و علم اسی لیے نَقُصُّ عَلَيْكَ فرمایا گیا نہ کہ نَقُصُّ لَكَ اور یہاں قَدْ اٰتَيْنَا۔ ماضی فرما کر سمجھا دیا کہ ہماری عطا زمانہ ماضی میں آپ کو ہو چکی۔ اسی طرح ایک اور جگہ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ بھی ماضی کا صیغہ ہے یہ سب آیت بتا رہی ہیں کہ آپ علم و ذکر

نہیں دیا جا رہا بلکہ پہلے دیدیا گیا ہے اب یہ نزول تو صرف امت کے لیے ہے۔ تیسرا فائدہ قیامت میں کافر پر دگنا بوجھ ہوگا جو دائمی رہے گا ایک بوجھ کفر کا دوسرا کفریہ اعمال کا مگر فاسقین پر ایک بوجھ ہوگا صرف گناہوں کا وہ بھی سفارش و شفاعت سے مختص ہیں اور اگر سفارش سے نہ ہو تو جہنم کی سزا پاکر جلدی اتر جائے گا خلود و دوام نہ ہوگا۔ یہ فائدہ۔ وِزرًا کی تنوین تعظیمی اور خالدین فیہ سے حاصل ہوا اور یہ بھی ثابت ہوا کہ مجرم اور مجرمین صرف کفار کا لقب کفریہ ہے

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ آقاءِ کائنات نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی بھی فرمان حکم، عبادت، عادت اور مشورے سے منہ پھیرنا ابدی بدبختی اور عذاب جہنم کا باعث ہے اور دنیوی ذلت رسوائی خواری ہے خواہ فرمان قرآن مجید کا ہو یا سنت حدیث پاک کی فرض واجب سنت ہوں یا نفل مستحب۔ مباح۔ یہ مسئلہ ذکرًا کو نکرہ مطلقہ عامہ فرمانے کے بعد مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ کی وعید شدید فرمانے سے مستنبط ہوا۔ لہٰذا جو مسلمان کسی کام کو سنت کہہ کر اس سے بے رغبتی اور ترکِ عمل کر دیتے یا جو کہتے پھرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورے یا سنت عادت پر عمل ضروری نہیں اور جنہوں نے عادت بتالی ہے کہ ڈاڑھی شیطانی، نماز نفسانی۔ لباس طغیانی ہی رکھنا ہے فرض پڑھے بھاگ چھوٹے کہ دعا بھی نہ مانگی ننگے سر بستروں سے بھاگ نماز میں جٹ گئے وضو بھی گنجا لولا کہ جرالوں پر مسح ہی کر لیا پیر دھونے کی فرضیت ختم ایسے بدنصیب مسلمانوں کے یہ اعمالِ ناکارہ بھی بروز قیامت اُن پر بوجھ بن کر لدے ہوں گے۔ دوسرا مسئلہ۔ اللہ تعالیٰ اَجَلَّ مَجْدُہٗ کے لیے جسم۔ بدن اعضا۔ یا جسمانی اعمال افعال جوارح یا اللہ تعالیٰ کے لیے اوپر نیچے ہونے آنے جانے کا تصور باندھنا یا ہاتھ پاؤں منہ چہرے کا اپنے جیسا تخیل بنانا کفریہ گناہ ہے یہ مسئلہ یَوْمَ یُنْفَخُ کے فعل مجہول اور فِی الصُّوْرِ کی طرف نسبت فرمانے سے اور نَحْشُرُ کو جمع متکلم کے صیغے میں فرمانے سے مستنبط ہوا کہ نفخ صور اللہ تعالیٰ کا کام نہیں اور جمع کرنا رب تعالیٰ کا فعل ہے۔ لہٰذا جو مسلمان عیسائیوں کی بری صحبتوں میں رہ کر اور ان کی زبانی بار بار سن کر اللہ کو باپ آسمانی یا ہندوؤں کی زبانی اوپر والا۔ اوپر والا سُن سُن کر اللہ جل سبحانہٗ کے لیے اپنی ذہنی جہالت میں اسی جیسے تصور تخیل و تجسم کا عقیدہ بنائے پھرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو معاذ اللہ۔ اوپر والا ہی سمجھنے لگتے ہیں۔ اُن کو ان بیہودہ کفریہ باتوں سے بچنا چاہیے ورنہ ایمان جانے کا خطرہ ہے۔ دیکھو صُور میں پھونک مارنا چونکہ اعضا اور منہ کا کام ہے اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف اس کو نسبت نہ فرمایا۔ اور نَحْشُرُ میں چونکہ قدرتِ الٰہیہ کا ظہور ہے

اس لیے اُس کی نسبت رب کریم نے اپنی طرف فرمائی۔ جن بعض حمقاء نے یہاں نَنفُخ کی شاذ قرأت نکالی ہے وہ اُن کی ذاتی بناوٹ ہے اور غلط ہے جمہور کے خلاف ہے۔ تیسرا مسئلہ خوب صورتی جسم کی ہو یا آواز کی سریلی شکل دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ اس لیے اِن دونوں کی حفاظت ہر مسلمان پر اس طرح واجب و لازم ہے کہ یہ دونوں چیزیں دونوں جہان میں باقی رہیں قبر و حشر میں چہرے اور جسم کی خوب صورتی کے ساتھ ساتھ آواز کا حسن بھی سلامت رہے اور اِن دونوں نعمتوں کی حفاظت صرف اسلام نے سکھائی ہے۔ کہ غسل وضو لباس و مقام کی طہارت پنج وقتہ فرائض و نوافل کی پابندی سے جسم میں صحت چُستی اور حُسن پیدا ہوتا ہے۔ خاص کر تہجد کے نفل کی پابندی چہرے پر ظاہری چمک اور وجاہت لاتی ہے جس کو قدرتی نورانیت کہا جاتا ہے اور تلاوت و نعت خوانی سے سریلی آواز بنتی ہے جس سے حسنِ صوت پیدا ہوتا ہے۔ یہ مسئلہ زُرْقًا اور یَتَخَافَتُونَ۔ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ کہ کفار کو کفر کی بدعملی کی وجہ سے دنیا و آخرت میں۔ بدبو۔ نجاست۔ نحوست۔ بدشکلی۔ بدصورتی کے ساتھ ساتھ آواز سے بھی محرومی مل جائے گی آواز بھی نہ نکل سکے گی۔ مشاہدات ہیں کہ کتنا ہی گورا چٹا سرخ و سفید انسان ہو فسق و فجور کی وجہ سے چہرے پر پھٹکار اور نحوست طاری رہتی ہے۔ متقی مومن عابد و زاہد ذاکر و عامل تلاوت کرنے درود شریف پڑھنے والا کالے رنگ کا بھی ہو تو بھی اُس پر نورانی چمک بشاشتِ روحانی ہوتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اصل خوب صورتی و بدصورتی نیک و بداعمال سے ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی مگر دنیا میں عبرت نصیحت کے لیے اور آخرت میں ثواب عذاب عقوبت صعوبت کے لیے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا۔ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا اور سورۃ اسریٰ کی آیت ۹۷ میں ارشاد ہے وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا۔ زُرْقًا سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بینا ہوں گے اور عُمْيًا سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نابینا ہوں گے۔ میدانِ محشر ایک ہی ہے پھر یہ تعارض کیوں ہے؟ **جواب** اس کے دو جواب دئے گئے ہیں ایک یہ کہ زُرْقًا کے معنیٰ بھی اندھا ہونا ہی ہے کیونکہ جب کالی آنکھ کالی پتلی کو سفید یا ہلکا نیلا کر دیا جائے تو اُس کی روشنی جاتی رہتی ہے۔ جوابِ دوم یہ کہ میدانِ محشر اگرچہ ایک ہی ہے مگر اُس کے مرحلے مختلف ہیں ایک وقت میں مجرمین کافرین زُرْقًا ہوں گے پھر دوسرے وقت وہ کثرتِ پیاس اور پسینے کی زیادتی سے عارضی اندھے ہوں گے پھر بھی اُن کی آنکھیں دہشت سے چڑھی ہوں گی پھر ایک وقت نامۂ اعمال ملنے کے وقت نظر والے ہو جائیں گے

اعمال نامہ پڑھیں گے جہنم کو دیکھیں گے وغیرہ وغیرہ۔ یا یہ معنیٰ ہے کہ محشر میں زُرق ہوں گے جہنم میں عمیا بعض نے فرمایا کہ مختلف کافروں کے مختلف حالات ہوں گے۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں پہلے فرمایا مَنْ اَعْرَضَ مَنْ۔ اسم موصول واحد ہے۔ اس کے لیے اس کے مطابق صیغہ بھی واحد مذکر غائب آیا جو بالکل درست ہے۔ لیکن پھر ارشاد ہوا خٰلِدِیْنَ فِیْهِ۔ یہ خٰلِدِیْنَ جمع ہے یہاں مطابقت نہ رکھی گئی اس کی کیا وجہ ؟ **جواب** لفظ مَنْ موصولہ شرطیہ ہے۔ شرط میں استغراق ہوتا ہے اور استغراق کے لیے جمع ہونا ضروری۔ موصول میں جنسیت ہوتی ہے جو واحد و جمع دونوں کے لیے مستعمل۔ لہٰذا مَنْ اپنے لفظی اعتبار سے واحد ہے اَعْرَضَ میں اسی جنسی واحد کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اور معنوی اعتبار سے جمع ہے۔ خٰلِدِیْنَ میں اس چیز کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ ترجمہ اس طرح ہے کہ اگر کسی شخص نے ذکر اللہ سے اعراض کیا تو جس جس کی یہ صفت و کیفیت ہو گی تو وہ سب بوجھ تلے ہمیشہ ہی دبے رہیں گے جنسیت میں صفت کا غلبہ ہوتا ہے شرط میں ذات کا معنیٰ ہیں دونوں کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ **تیسرا اعتراض** یہاں فرمایا گیا کَذٰلِكَ نَقُصُّ ہم اسی طرح بیان کرتے ہیں آپ پر گذشتہ قصے۔ کَذٰلِكَ اسم اشارہ تشبیہی ہے اس کا مشبہ نَقُصُّ ہے۔ یعنی جس طرح ہم نے یہ قصۂ موسیٰ و فرعون سنایا اسی طور طریقے سے ہم دیگر قصے بھی سناتے ہیں۔ مگر قرآن کریم کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ قصے مختلف اُن کے زمانے مختلف لوگ مختلف اور قرآن حکیم کی طرزِ بیانی بھی مختلف کسی کو مکمل تفصیل سے بیان کیا گیا کسی کو اختصار سے کسی کو اجمال سے کسی کو تھوڑا بیان کیا گیا کسی کو زیادہ کسی کو ایک بار کسی کو چند بار پھر یہ کَذٰلِكَ فرمانا کیونکہ درست ہوا ؟ **جواب**۔ معترض کا بیان کردہ اختلاف نوعی ہے۔ اور کَذٰلِكَ کی تشبیہ فاعلی ہے۔ جس کا تعلق نَقُصُّ کے صیغے جمع متکلم سے ہے یعنی جس طرح یہ قصہ ہم نے بیان کیا دیگر قَصَصُ الْاَنْبِیَاءِ بھی ہم ہی بیان فرمائیں گے۔ کوئی اور شخص آپ کو نہیں سناتا۔ نہ سابقہ کتبِ الٰہیہ سے آپ نے پڑھے نہ کسی کتبِ تاریخیہ سے طرز بیانی اگرچہ مختلف ہے مگر بیان کرنے والے ہم ہی ہیں۔ اور یہ سب قصص و قانون کا کلام۔ ہمارا ہی کلام ہے یہ کفار کے ایک اتہام کا جواب ہے۔ یا یہ معنیٰ ہے کہ گذشتہ کوئی بات چھپائی نہ جائے گی قرآن پاک کے ذریعہ سب کچھ بتا دیا گیا۔ اور آئندہ بتا دیا جائے گا۔ خواہ کسی طرز و انداز میں بتائی جائے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔

تفسیر صوفیانہ

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ۔ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا جس طرح

شریعت کا راستہ اللہ تعالیٰ کا بیان کردہ ہے اسی طرح اے بندۂ کامل طریقت و معرفت حقیقت کے علوم عین ویقین کے تمام راستے ہم نے ہی تجھ پر آشکارا فرمائے ہیں راہ سلوک میں ہم ہی چلاتے ہیں ہم ہی بلاتے ہیں۔ پیر کا دماغ مرید کا دل ہمارے ہی قبضے میں ہے احوالِ سالکین و مقامِ عارفین کا ذکر وعلم و درس ہم نے ہی تجھ پر قربِ خاص سے نازل فرمائے تاکہ تو عارفین مکلّبین کو درسِ استقامت پڑھا سکے سکھا سکے۔ یہی وہ ذکرِ مَا اَعْظَمَ اور مَا اَحْسَنَ ہے جو مراتبِ توحیدِ ذات پر شامل ہے۔ جس بدبخت ازلی نے اِس ذکر اور تیری محفلِ درس سے علیحدگی و اعراض کیا اور نفسِ طبیعت کی طرف منہ موڑا تو اس قسم کے سب مردودینِ بارگاہ قیامتِ صغریٰ کے عذابِ عقوبت وصعوبت میں ثقلِ جرائم اور مادیات تعلقات کا بوجھ اٹھائیں گے تا اَبد (ابن عربی) حقیقی ذکر اللہ وہ ہے جس کے اول ایقان درمیان میں ایمان آخر میں عرفان ہر وقت قائم ہو۔ جو اس سے اعراض کرے اُس پر بارہ ۱۲ قسم کے بوجھ پڑیں گے ۱ ثقلِ کفر ۲ وزرِ شرک ۳ حِملِ نفاق ۴ اندھاپے کا لقب ۵ وزنِ قساوت ۶ فحمۂ ریاکاری ۷ عملی بداخلاقی ۸ عقل وقلب پر مہر ۹ نفرت کی دوری ۱۰ محرومیِ حسرت ۱۱ بدعملی کی ندامت ۱۲ جہاتِ طبعی۔ ایسے لوگوں کو پانچ قسم کے نقصان ہوں گے ۱ عبادتِ حقیقیہ حاصل نہ ہوگی ۲ ذکرِ دائمی سے محرومی ۳ مراقبۂ فکر کا خاتمہ ۴ توجہِ صادقہ کی بندش ۵ فیضِ الٰہیہ کی رکاوٹ عارفین کو ذکرِ ایمانی کی طرف متوجہ ہونے سے پانچ فائدے ہوتے ہیں۔ ۱ دنیا سے بے رغبتی ۲ ترکِ گناہ کی خلوت ۳ حلال وحرام سے استغنا کی طلب ۴ مشغولیتِ عبادت ۵ روحانیت میں لذت۔ ذکرِ ایقانی کی طرف توجہ سے چار فائدے ہوتے ہیں ۱ اشیاءِ دنیا سے نفرت ۲ آخرت کے درجات کی طلب ۳ دنیا کے ہر رشتے سے بے پرواہی ۴ سعادت سے رغبت اور ذکرِ عرفانی سے پانچ فائدے ہیں ۱ نفسیات سے نفرت ۲ ماسوا اللہ سے دوری ۳ شہودِ ذات پر وجود کی بے دریغ مقبول قربانی ۴ سعادتِ دارین کا انعام پانا ۵ ذکر اللہ کا ایسا مقامِ اعلیٰ کا نصیب ہوناکہ بندہ فنا فی الذکر ہو جائے اور نفس وخودی کا اثر بھی باقی نہ رہے۔ ذکرِ عوام وجودِ نفس سے ہوتا ہے اس لیے صرف ذاکر کو فائدہ لیکن ذکرِ عارفین بذاتِ اللہ ہوتا ہے اس لیے اُس کے ذکر سے جہان کو فائدہ توحید افضل العبادات ہے اور ذکر اللہ اَقْرَبُ القربات ہے۔ عبادت کے وقت مقرر ہیں ذکر اللہ کا کوئی وقت مقرر نہیں یہ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ جاری ہے ہر حرکت وسکون رات دن سردی گرمی میں آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جلاءِ قلب کے لیے تین ذکر ضروری ہیں ۱ اسماءِ الٰہیہ کا ورد ۲ تلاوتِ قرآنِ مجید کی کثرت ۳ درود شریف پڑھتے رہنا۔ **حکایت حضرت موسیٰ علیہ السلام**

نے ایک بار عرض کیا اے مولیٰ تعالیٰ مجھ کو کوئی اپنا ذکر عطا فرما جو میں وِرد کرتا رہوں جواب آیا کہ لا الٰہ اِلّا اللہ کا وِرد کیا کرو عرض کیا مولیٰ یہ وِرد تو میں پہلے ہی کرتا ہوں اور تیرے سب بندے کرتے ہیں پھر جواب آیا کہ یہ کلمہ آسمان سے بھاری ہے اور ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُہٗ ہے کیونکہ مجھ کو یہ پیارا ہے (روح البیان) ایمان اور شریعت طریقت اور حقیقت کی تکمیل اسی کلمۂ نفی و اثبات سے ہے۔ جن گمراہوں بدنصیبوں نے اس سے منہ پھیرا اور وِرد کو چھوڑا ان پر رذالتِ دنیا حماقتِ برزخِ صغریٰ اور خباثتِ کسل کا بوجھ اس طریقہ سے لادا گیا کہ تا صبحِ قیامت نہ اترے اور وہ خٰلِدِیْنَ فِیْہِ وَسَآءَ لَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ حِمْلًا۔ عذابِ محرومی کے بوجھ میں ہمیشہ ہی دبے رہیں گے ان کی راتیں غفلت ان کے دن نفرت حیاتِ دنیوی کی قیمتی سانسیں بک بک اور زق زق میں گزر جاتی ہیں اور قیامتِ ظلمت کے یوم بیکسی و بے لسی میں ان کے لیے ہر طرف بدبختی اور برائی کا ہی بوجھ ہے راہِ معرفت میں پیر و مرید کے لیے نذرانوں کی طلب اور بلا تحقیق حرام و حلال ہر دعوت قبول کرتے چلے جانا زہرِ قاتل ہے یا کل قیامت میں مصیبت ڈال دے گی یہ دل کا بوجھ اور وہ نظر کا فتور یہ بیٹھے، نذرانے عقل کا اندھیرا ہے اور دل کا اِعراض ہے۔ آج کسی پیر مرید صاحب زادے اور پیر زادے کو اس کا احساس نہیں ہوتا مگر کل بروزِ قیامت یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَئِذٍ زُرْقًا۔ جب بدنِ باطنی میں نفخِ حیات کا صورِ محشر پھونکا جائے گا اور اہلِ بلا و اصحابِ جفا ملازمینِ جرائم کو اس محرومیِ لقا اور بربادیِ عمل کی گھبراہٹ کے وقت حال سے بے حال کر کے ہم جمع کریں گے اس وقت شدتِ ہول سے عقل و قلوب کی آنکھیں نیلی پیلی ہو کر اندھی ہو جائیں گی لذتِ گناہ۔ نفرتِ لقا کی مدت اور قیودِ فہم شعورِ عقل کی خاموش گھڑیوں کو نہ پہچان سکیں گے۔ زبانِ قال گنگ کلامِ حال بند ہونٹ خشک بدن لرزتے یَتَخَافَتُوْنَ بَیْنَھُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا۔ طاقتِ گویائی ختم ہو جائے گی خلوتِ مکاشفۂ ریاکارانہ کی تمام تسبیح خوانیاں معدوم پڑ جائیں گی اور ہیبتِ دُرکار تصور و تخیل کے باطنی اعضا سے کہیں گے کہ اس بستیِ فقر و فاقہ کے دامِ تزویر سے زرسازی دولت نوازی کی کیفیاتِ سرور میں تو ابھی دس لمحے ہی گزرے تھے کہ بلاءِ جان فناءِ ایمان کا عذاب آگیا اے بندۂ سالک ان حالاتِ جانکاہ سے پہلے ہی راہِ راست اختیار کر لے اور ذکرِ صادقہ کے دامن پناہ میں آکر اپنی منزل سنوار لے تاکہ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوْ کے گھوڑے پر سوار ہو کر لَا مَقْصُوْدَ اِلَّا ھُوْ کے صراطِ مستقیم سے ہو کر لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا ھُوْ کے مقامِ وحدت الوجود میں خود کو فنا کر دے۔

نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ إِذْ يَقُولُ أَمْثَلُهُمْ طَرِيقَةً

ہم ہی زیادہ جاننے والے اس کلام کو جو وہ بولیں گے جب جوابا کہے گا ان رائے والوں کے سب سے زیادہ شائستہ عقل کے

ہم خوب جانتے ہیں جو کہیں گے جب کہ ان میں سب سے بہتر رائے والا کہے گا

إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا يَوْمًا ﴿۱۰۴﴾ وَيَسْأَلُونَكَ

اعتبار سے کہ نہیں بسے تم مگر ایک دن۔ اور کافر پوچھتے ہیں آپ سے

کہ تم صرف ایک ہی دن رہے تھے۔ اور تم سے پہاڑوں کو

عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾

پہاڑوں کے بارے میں اس لیئے فرما دو کہ بکھیر دے گا ان کو میرا رب دھول بنا کر

پوچھتے ہیں تم فرماؤ انہیں میرا رب ریزہ ریزہ کر کے اڑا دے گا۔

فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾ لَا تَرَىٰ فِيهَا

تو چھوڑ رکھے گا ان کو ایک برابر چٹیل میدان نہ دیکھیں گے آپ اس میدان میں

تو زمین کو پٹ پر ہموار کر چھوڑے گا۔ کہ تو اس میں نیچا

عِوَجًا وَلَا أَمْتًا ﴿۱۰۷﴾ يَوْمَئِذٍ يَتَّبِعُونَ

کوئی نیچائی اور نہ اونچائی اس دن سب مجرم

اونچا کچھ نہ دیکھے۔ اس دن پکارنے والے کے

الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهُ ۖ وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ

دوڑ لگائیں گے بلانے والے کی آواز پر ذرا بھی نافرمانی نہ ہوگی اس کی اور دھیمی ہوں گی تمام آوازیں

پیچھے دوڑیں گے اس میں کجی نہ ہوگی۔ اور سب آوازیں رحمٰن کے حضور

لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿۱۰۸﴾

ہیبتِ رحمٰن کی وجہ سے اس لیے نہ سنیں گے آپ مگر کھسر پھسر

پست ہو کر رہ جائیں گی تو تو نہ سنے گا مگر بہت آہستہ آواز

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق روزِ محشر کفار جو گفتگو کریں گے اپنی دنیوی زندگی کے بارے اس میں سے ایک قول کا ذکر پچھلی آیت میں کیا گیا۔ ان آیت میں اُن کے دوسرے قول کا ذکر ہو رہا ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں صور پھونکے جانے کے بعد بندوں کے حالات کا ذکر کیا گیا۔ اب ان آیت میں صور پھونکے جانے کے دوسرے نتیجے کا ذکر ہو رہا ہے کہ پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں بمیدانِ محشر میں لوگوں کے بہت ہی آہستہ بولنے کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں اُس کی وجہ بیان فرمائی جا رہی ہے کہ یہ خشیتِ الٰہی کی وجہ سے ہو گا۔

شانِ نزول خزائن العرفان امام جلال الدین سیوطی نے فرمایا حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ قبیلہ بنی ثقیف کے ایک کافر نے آقائے کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ قیامت کے دن پہاڑوں کا کیا حال ہو گا۔ تب یہ آیت نازل ہوئیں۔

تفسیر نحوی نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا۔ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا۔ نَحْنُ ضمیر جمع متکلم مرفوع منفصل مبتداء ہے اَعْلَمُ اسم تفضیل واحد مذکر متکلم اس میں پوشیدہ ضمیر صیغہ اَنَا اس کا فاعل ہے اُس کا مرجع نَحْنُ ہے۔ چونکہ یہاں نَحْنُ جمع افرادی کے لیے نہیں صرف فصاحت اور حسنِ کلام کے لیے ہے اس لیے حقیقتًا واحد ہی ہے ب جارہ تعدیہ کی بمعنی کو مَا موصول يَقُوْلُوْنَ باب نَصَرَ کا مضارع مستقبل جمع مذکر غائب ھُمْ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل مرجع مُجْرِمِيْنَ اِذْ اسم ظرفیہ زمانیہ يَقُوْلُ واحد مذکر غائب اَمْثَلُ اسم تفضیل واحد مذکر غائب کے لیے ترجمہ ہے سب سے زیادہ مشابہت والا ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب کا مرجع عقل مند لوگ معنی ہے کہ عقل والے لوگوں کے بہت زیادہ مشابہ ہم مثل عربی محاورے میں اَمْثَلُهُمْ ایک لفظ کے درجہ میں ہے اور بہت عقل مند یا نیک آدمی کو کہتے ہیں یہ مرکب اضافی ممیز ہے

طَرِیْقَةً اسم صفت مشبہ مؤنث لفظی یہاں اسم جامد بمعنی اچھی رائے چونکہ اَمْثَلُهُمْ کی بہت نوعیتیں ہو سکتی ہیں مثلاً نیکی میں سب سے زیادہ اچھا عقل میں چال چلن میں وغیرہ وغیرہ اس لیے طَرِیْقَةً کے ایک معنی معین کئے گئے کہ رائے اور مشورے میں عقل مندیہ تمیز ہے اَمْثَلُهُمْ کی دونوں مل کر فاعل ہوا یَقُوْلُ کا وہ سب مل کر جملہ ہو کر قول ہوا اِنْ نافیہ لَبِثْتُمْ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر مستثنیٰ منہ ہوا اِلَّا حرف استثنا یَوْمًا مستثنیٰ دونوں مل کر مقولہ ہوا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ یَسْئَلُوْنَ باب فتح کا فعل مضارع حال سَئَلَ سے مشتق ہے بمعنی پوچھنا یہ حقیقی معنی ہے مجازاً طلب کو بھی سوال کہہ دیتے ہیں کَ ضمیر واحد مذکر حاضر مفعول بہ ہے مرجع آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ حرف جر اس کے اپنے اصلی معنی زوال اور دور کرنا ہے مگر یہ دوسرے حروف جار کے معنی میں آتا ہے ۱ کبھی بمعہ لام تعلیلیہ ۲ علی کے معنی میں ۳ بمعنی بَ ۴ بمعنی اَکَانَ ۵ بمعنی مِنْ ۶ بمعنی فِیْ یہاں اسی معنی میں ہے یعنی بارے میں اَلْجِبَالِ اسم جمع مکسر معرف اس کا واحد ہے جَبَلٌ بمعنی پہاڑ۔ لغوی ترجمہ ہے سخت اصل مضبوط اسی معنی میں پیدائشی عادات کو جبلت کہتے ہیں یہ جار مجرور متعلق ہے یَسْئَلُوْنَ کے ف جبیہ قُلْ فعل امر حاضر معروف واحد مذکر با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا یَنْسِفُ باب ضرب کا فعل مضارع مثبت معروف واحد مذکر غائب نَسْفٌ سے بنا ہے بمعنی راکھ کی مثل ریزہ ریزہ کر دینا یہ مرکب اضافی فاعل ہے نَسْفًا اسم مصدر حال ہے یا مفعول مطلق ہے یَنْسِفُ کا هَا ضمیر واحد مؤنث غائب منصوب متصل مفعول بہ ہے اس کا مرجع جبال ہے یَنْسِفُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوا یہاں اِذَا شرطیہ پوشیدہ اس کا قرینہ داخلہ ف جزائیہ ہے یَذَرُ۔ باب سمع کا فعل مضارع مثبت معروف واحد مذکر غائب وَذْرٌ سے مشتق ہے بمعنی چھوڑ دینا بے توجہ ہونا۔ عربی میں چھوڑنا پانچ قسم کا ہے ۱ ترک کوئی کام یا کلام یا تعلق نہ رکھنا ۲ رفض کسی اچھی چیز کو چھوڑنا ۳ خلی کسی کے گزرنے کے لیے راستہ چھوڑنا ۴ فلق کسی بندھی چیز کو کھلا چھوڑنا ۵ وَذْرٌ کسی چیز پر توجہ چھوڑ دینا بے پرواہ ہو جانا یہاں اسی معنی میں ہے هَا ضمیر کا مرجع پہاڑ ہیں۔ یعنی پہاڑوں کو ریزہ کر کے ان کی کچھ پرواہ نہ کی جائے گی سب زمین پر بکھر کر ہموار ہو جائیں گے۔ قَاعًا اسم مفرد جامد اس کی جمع ہے ۱ اَقْوَاعٌ ۲ اَقْوُعٌ ۳ قِیْعَانٌ ۴ قِیْعَةٌ ۵ قِیْعٌ۔ ترجمہ ہے وہ چٹیل میدان جس کو پیٹ کر کے یا پیٹ کر کے ایک جیسا ہموار اور برابر کر دیا جائے صَفْصَفًا۔ اسم مفرد جامد بمعنی ایک جیسا۔ قَاعًا صَفْصَفًا یہ دونوں موصوف صفت ہیں یہ مرکب توصیفی حال ہے هَا ضمیر کا دونوں ذوالحال حال مل کر مفعول بہ ہے یَذَرُ کا اس کا فاعل هُوَ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا مرجع رَبِّیْ ہے یَذَرُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر

جزا ہے یَنْسِفُ کی دونوں مل کر جملہ شرطیہ انشائیہ ہو کر مقولہ ہوا قُلْ کا دونوں مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ لَا تَرٰی فِیْھَا عِوَجًا وَّلَا اَمْتًا۔ یَوْمَئِذٍ یَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِیَ لَا عِوَجَ لَهٗ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا۔ لَا تَرٰی باب سَمِعَ کا مضارع مستقبل منفی معروف واحد مذکر حاضر رَأْیٌ سے مشتق ہے بمعنی دیکھنا فِیْھَا ظرفِ مکانی کے لیے ہے ھَا ضمیر کا مرجع قَاعًا ہے عِوَجًا اسم مفرد جامد بمعنی ٹیڑھا۔ عوج اور ٹیڑھ دو قسم کی ہوتی ہے ۱ ظاہری ٹیڑھ جو نظر آئے مثلاً زمین اوپر نیچے اور غار گڑھے ہونا۔ دیوار کا کسی طرف جھکاؤ ہونا برتن میں گڑھا ہونا وغیرہ ۲ باطنی ٹیڑھ مثلاً غلط روش بدعقیدگی۔ اِس جگہ عوج سے مراد ظاہری ٹیڑھ کی نفی ہے اور ساتھ کی آیت میں باطنی عِوَج کی نفی ہے۔ معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَا بھی حرفِ عطف ہے مگر یہ یہاں عطف کے لیے نہیں بلکہ سابقہ نفی کی نسبت کے لیے ہے اَمْتًا اسم مفرد جامد بمعنی چٹان اونچے ٹیلے وغیرہ یہ معطوف ہے دونوں عطف مل کر مفعول بہ ہے لَا تَرٰی کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ یَوْمَئِذٍ مرکب اضافی ظرفِ زمانی مقدم یَتَّبِعُوْنَ کا۔ اِتِّبَاعٌ بابِ انتعال کے مصدر سے مشتق ہے فعل مضارع مستقبل مثبت معروف جمع مذکر غائب تَبِعٌ سے بنا ہے بمعنی فرماں برداری کرنا۔ اطاعت اور اِتباع دونوں کا معنی ہے فرمانبرداری مگر فرق یہ ہے کہ جہاں بالکل نافرمانی ذرہ بھر نہ ہو عمل میں اپنی سوچ و عقل کو دخل نہ ہو وہ اِتباع ہے اور جہاں بعض باتوں میں فرمانبرداری ہو اور اپنی عقل و فکر کا بھی دخل ہو وہ اطاعت ہے ھُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل ہے ظاہری علامت و قرائن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا مرجع صرف مجرمین کفار ہیں اس میں مومنین شامل نہیں پہلا قرینہ یہ کہ پہلے مجرمین کا ذکر ہوا کہ فرمایا گیا نَحْشُرُ الْمُجْرِمِیْنَ قرینہ دوم یہ کہ اُس دن کی عوج کی نفی ہے نہ کہ آج دنیا میں حالانکہ مومنین کی روش میں تو آج بھی عوج نہیں۔ تیسرا قرینہ یَوْمَئِذٍ کی تکرار کہ وہاں بھی ہے اور یہاں بھی۔ اَلدَّاعِیَ۔ بابِ نَصَرَ کا اسم فاعل واحد مذکر بمعنی بلانے والا مراد ہے اسرافیل یا جبریل علیہ السلام۔ دَعْوٌ سے مشتق ہے۔ لَا۔ حرفِ نفی جنس عِوَجَ اِس کا اسم ہے لام حرفِ جر بمعنی فِیْ ظرفیہ ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مجرور متصل کا مرجع اِتباع ہے یعنی اس اتباع میں ٹیڑھ پن نہ ہوگی یہ جار مجرور متعلق ہے ثَابِتٌ پوشیدہ کا وہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے لائے نفی کی سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے یَتَّبِعُوْنَ کے فاعل ھُمْ ضمیر صیغہ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ برجملہ خَشَعَتْ باب فَتَحَ کا ماضی مطلق واحد مؤنث غائب خُشُوْعٌ سے مشتق ہے بمعنی انتہائی عاجزی خوف یا دبدبے سے یا عقیدت سے یہاں خوف سے عجز مراد کہ ڈر کے مارے آواز نہ نکلے گی۔ عربی میں اظہارِ عاجزی کے تین لفظ ہیں ۱ خضع ۲ ضرع ۳ خشع مگر فرق یہ ہے کہ زبان سے اظہارِ عجز خضوعٌ

ہے قلبی حالت سے اظہارِ عجز ضروعٌ ہے اور ظاہری اعضا سے اظہارِ عجز خشوعٌ ہے مثلاً لجیا دبتا لرزتا جھک جھک جانا ٹیڑھا ہونا وغیرہ۔ اَلْاَصْوَاتُ۔ اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد صَوْتٌ ہے بمعنی منہ کی آواز یہ فاعِل ہے۔ لام حرفِ جر بمعنی عِنْدَ یا بمعنی بِ سببیہ یا اپنے ہی معنیٰ میں ہے۔ یعنی اللہ کی بارگاہ کے قرب سے ہیبتِ رحمٰن کی وجہ سے یا اللہ کے لیے عاجزی سے فَ سببیہ بمعنی اس لیے۔ لَاتَسْمَعُ باب سَمِعَ مضارِع منفی معروف مستقبل واحد مذکر حاضر یہ فعل بافاعِل جملہ فعلیہ ہو کر مستثنیٰ مِنہ ہوا اِلَّا حرفِ استثناء متصل ھَمْسًا اسم مفرد جامد لغوی ترجمہ ہے ننگے پیر انسانی قدم چلنے کی چاپ یا اونٹ کے چلنے کی آواز جو حقیقتاً بہت نرم اور مہین ہوتی ہیں مگر یہاں انتہائی پست باتوں کی آواز مراد ہے جس کو اردو میں کھسر پھسر کہتے ہیں۔ سرگوشی اور کھسر پھسر میں فرق یہ ہے کہ سرگوشی یک طرفہ ہوتی ہے اور کھسر پھسر دو طرفہ ہوتی ہے۔ یہ مستثنیٰ ہے مستثنیٰ مِنہ اس مستثنیٰ سے مل کر سبب ہوا خشعت کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا۔ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا۔ اے محبوب گمراہوں کو ہم ہی جانتے ہیں جو یہ کل قیامت میں لغویات بولیں گے اور جس وجہ سے بولیں گے۔ ان میں آج جو سب سے زیادہ خردمند بنا پھرتا ہے اور زیادہ سمجھدار شمار ہوتا ہے اور جس کو آج دنیا میں لوگ قول کا پکا رائے کا سچا عقل کا افضل فہم کا پورا عمل کا درست سمجھتے ہیں وہ اس دن کچھ زیادہ ہی بھکا بھٹکا گھبرایا دہشت زدہ ہو کر کہے گا کہ اے میرے ساتھیو تم تو فقط ایک ہی دن دنیا میں ٹھہرے تھے۔ قرآنِ مجید میں کفار کے ان اندازوں سے متعلق کفار کے پانچ قول بیان کئے گئے ہیں ۱ یہاں دو قول بیان فرمائے گئے جب عام کفار کہیں گے کہ دس دن ٹھہرے ہیں ۲ تو ان میں کا زیادہ عقل مند بننے یا شمار ہونے والا اپنی حساب دانی بگھارتے ہوئے اس سے بھی زیادہ غلط مدت بتائے گا کہ فقط ایک ہی دن ٹھہرے تھے یہ ان کی آپس کی گفتگو والے اندازے ہوں گے ۳ مگر جب رب تعالیٰ کی طرف سے سوال ہوگا کہ قَالَ كَمْ لَبِثْتُمْ۔ اے کافرو مجرمو بتاؤ تم گنتی کے کتنے سال ٹھہرے تھے۔ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ۔ کہیں گے کہ ہم ایک دن یا آدھا دن ٹھہرے تھے (سورۃ مومنون آیت ۱۱۲، ۱۱۳) ۴ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ۔ جس دن قیامت قائم ہوگی مجرم قسمیں کھائیں گے کہ ہم فقط ایک ساعت یعنی چند گھنٹے ٹھہرے تھے (سورۃ روم ۳۰ آیت ۵۵) ۵ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهُمْ وَلَمْ

یَلْبَثُوْا اِلَّا عَشِیَّۃً اَوْ ضُحٰھَا۔ یعنی جس دن قیامت کی دہشت دیکھیں گے تو مارے خوف کے دماغ و عقل ختم ہو جائیگی اور کہیں گے کہ نہ ٹھہرے ہم مگر ایک رات یا ایک دوپہر (سورۃ نازعات آیت ۴۶، پ ۳۰) کفار کی یہ گفتگو حیاتِ دنیا کی مدت کے بارے میں ہوگی۔ یا قبر کی مدت کے بارے یا دونوں نفخوں کی مدت کے بارے میں پہلا قول زیادہ درست ہے۔ اور یہ مختلف اقوال قیامت کی مختلف گھبراہٹوں کے اعتبار سے تمام کفار کے ہیں یا مختلف اوقات کے لحاظ سے مختلف کفار کے یعنی یا تو کبھی کچھ کبھی کچھ قول ہوں گے یا کوئی کافر کچھ بات کرے گا کوئی کچھ اور اے نبی محترم جب آپ ان کفار کے سامنے قیامت کے واقعات وحالات بیان کرتے ہو اور اُس دن کفار کی حالتِ زار بات چیت۔ میدانِ محشر کی طرف ان کا بھاگنا تیز دوڑتے ہوئے آنا بیان فرماتے ہو تو یہ کفار قیامت کا انکار آپ کی بات کا مذاق اڑاتے ہوئے یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْجِبَالِ۔ آپ سے پہاڑوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ قیامت میں یہ پہاڑ کہاں جائیں گے ان کا کیا حال ہوگا ان کے ہوتے ہوئے لوگ کیسے دوڑیں گے میدانِ محشر کہاں قائم ہوگا فی الحال تو یہ زمین ان پہاڑوں کی وجہ سے آنے جانے تیز چلنے دوڑنے میں بڑی رکاوٹوں والی ہے اور ابتدا سے انتہا تک تمام انسانوں کے جمع ہونے کے لیے بھی ناکافی ہے۔ کفار کا یہ سوال سب کافروں کی طرف سے بنی ثقیف کے لوگوں نے کیا خاص اپنا علاقہ مکہ مکرمہ دیکھ کر جس کو پہاڑوں نے اس طرح گھیرا ہوا ہے کہ بستی مکہ ایک بڑے حوض کی طرح معلوم ہوتی ہے۔ ایک قول ہے کہ یہ سوال کیا نہ گیا تھا بلکہ یہ سوال شرطیہ انداز میں ہے کہ اگر وہ آپ سے پوچھیں۔ بعض نے فرمایا کہ یہ سوال خبریہ ہے مگر سوال کرنے والے کفارِ بنی ثقیف نہیں بلکہ چند صحابہ نے اپنی معلومات کے لیے پوچھا تھا کہ قیامت میں پہاڑ کہاں جائیں گے۔ مگر سیاقِ عبارت کے اعتبار سے پہلا قول درست ہے کہ یہ سوال کفار نے ہی کیا تھا۔ یہ سوال ظاہراً عبارتاً تو چند لفظوں کا تھا مگر اصولِ ایمانیات میں بہت اہم کہ سائلین کا نظریہ ارادہ اور نیت مذاق و انکار کا تھا۔ ایمان سے کفر کرنا قیامت کے انکار نبی کا مذاق اور قرآن پر بہتان کرنا تھا اس لیے جواب میں شدت پیدا کرتے ہوئے فرمایا گیا فَقُلْ حرفِ فَ کے ساتھ کہ اے نبی آپ فوراً اس کا یہ جواب فرما دیجئے کہ میدانِ محشر کے انعقاد و اجتماع سے پہلے پہلے میرا رب تعالیٰ ان تمام روئے زمین کے چھوٹے بڑے اونچے نیچے طویل و عریض پہاڑوں چٹانوں ٹیلوں کو راکھ کی مثل باریک ریت بنا دے گا پھر اس تمام پہاڑی ریت کو ہلکی پھلکی راکھ کی طرح ایسے اندازِ تدریج سے رکھے گا کہ پوری روئے زمین ایک ہموار برابر صاف خالی کھلا میدان ہو جائے گی کہ نہ کہیں اینٹ پتھر روڑا نہ کہیں درخت پودا کھیت کھلیان لَا تَرٰی فِیْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا۔ یَوْمَئِذٍ یَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِیَ لَا عِوَجَ

لَهٗ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا۔ اے محبوب تم اپنی مشاہداتِ عالم والی بے مثل بصیرت باکمال بصارت سے اُس دن اس پوری زمین میں کہیں کسی طرف ذرہ بھر چھوٹی بڑی کوئی ٹیڑھ یا اونچ نیچ بلندی پستی ڈھیر ٹیلہ تو وہ ابھار گڑھا پھٹن۔ چرن۔ غار۔ سوراخ۔ کنواں ندی۔ نالی۔ وادی تالاب نہ آنکھوں سے عِوَجًا نہ کسی پیمانے سے عِوَجًا اور پھر زمین میں ہی صرف عِوَج نہ ہوگی بلکہ اس روزِ محشر تو کسی انسان میں بھی عِوَجًا نہ ہوگی نہ بے رغبتی کی نہ بے رخی کی نہ غرور کی نہ مخالفت کی نہ اپنی مرضی سے دائیں بائیں چلنے کی نہ انکار کی بلکہ يَتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ایسے سیدھے تیر کی طرح ہماری طرف سے بلانے پکارنے والے کی آواز پر میدانِ محشر میں دوڑتے چلے آئیں گے اِن کافروں مجرموں اور فاسقوں کی یہ مخالفت بے راہ روی، اکڑ پھکڑ۔ نفرت اِعراض صرف دنیا میں ہے یہیں اسی زندگی میں قرآن و حدیث کا انکار انبیاء اولیاء علماء و مشائخ سے غرور کئے پھرتے ہیں گستاخ خطیبوں کی دھواں دھار تقریریں زہر اُگلتی تحریریں ظالموں کی بلند آوازی کی چیخم دھاڑ صرف اسی دنیوی حیات میں ہے میدانِ محشر میں تو ایسا کچھ نہ ہوگا۔ وہاں تو وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ تمام آوازیں مثلِ مُردہ باتیں بند، زبانیں گنگ رزتے ہونٹ حالانکہ وہاں بھی صفتِ رحمانیت کا غلبہ ہوگا۔ نہ جلال نظر آئے گا نہ قہر بلکہ کسی پر فضل ہوگا کسی پر عدل اِس کے باوجود هيبتِ الٰہی وحشتِ کبریائی وہشتِ قیامت خوفِ انجام کمزوریِ اَبدان کا یہ حال ہوگا کہ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا اتنے کثیر و عظیم اجتماع میں بھی تم صرف قدموں کی چاپ یا سانسوں کی بھاپ اعضا کی سرسراہٹ یا کہیں معمولی گھسر پھسر سن سکو گے۔ یہاں آیت ۱۰۵ سے آیت ۱۱۱ تک رب تعالیٰ نے قیامت کی چھ نشانیاں اور صفات بیان فرمائیں جو من اِن آیات میں تین اگلی آیات میں ہیں۔ ۱۔ يَنْسِفُهَا ۲۔ يَتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ ۳۔ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ ۴۔ یہ اگلی آیات میں مذکور ہیں لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ ۵۔ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ ۶۔ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ (از کبیر، مفسرین کے مختلف اقوال۔ يَوْمَئِذٍ میں تین قول ہیں ۱۔ اس سے مراد محشر میں آنے کا وقت ۲۔ حساب کے لیے آنے کا وقت ۳۔ بعد حساب کتاب پُل صراط سے گزرتے وقت يَتَّبِعُوْنَ میں بھی تین قول ہیں ۱۔ آواز کی سمت پر دوڑیں گے کیونکہ چاند سورج بے نور کرکے اپنے مدار سے جھاڑ دیئے جائیں گے اس لیے سخت اندھیرا ہوگا اور چلنے کے لیے آواز کی سمت مقرر ہو جائیگی۔ ۲۔ روشنی تو ہوگی مگر جس طرف بلایا جائے گا اس کی مخالفت کی کسی کو ہمت نہ ہوگی ۳۔ بلانے والا تو آواز دے گا مگر پیچھے آگ بھی ہوگی جس کی دہشت سے آگے ہی آگے بڑھتے آئیں گے نہ رک سکیں گے نہ دائیں بائیں ڈگمگا سکیں گے۔ یہ سب قول درست ہیں مطابقت اس طرح

کہ چاند سورج کی روشنی نہ ہوگی آگ کی یا اعمال کی روشنی ہوگی۔ اَلدَّاعِیَ میں چار قول ہیں ۱ صور کی آواز ہی داعی یعنی بلانے والا ہوگا۔ ۲ اسرافیل صور پھونکنے کے بعد بیت المقدس کے گنبدِ صخرہ پر چڑھ کر آواز دیں گے ۳ یہ جبرئیل ہوں گے اسرافیل تو صور پھونکنے میں مشغول ہوں گے اور جبرئیل علیہما السّلام گنبدِ صخرہ پر کھڑے ہوکر پکاریں گے کہ اے بکھری ہڈیو بچھرے گوشتوں پھٹی کھالو بکھرے بالو اللہ تعالیٰ کے حکم سے جمع ہوکر حاضرِ بارگاہ ہوجاؤ ۴ یہ داعی کوئی اور دوسرا فرشتہ ہوگا۔ اسرافیل یا جبرئیل علیہم السلام نہ ہوں گے ۵ داعی سے مراد خود آگ ہے اس کو داعی کہنا مجازاً اس کا بڑھتے آنا ہی گویا اُس کا بلانا اور چلانا ہے اور لوگوں کا اس کے آگے آگے بھاگنا اُس کی اتباع ہے مجازاً اتباع کا حقیقی معنیٰ ہے پیچھے چلنا مگر یہاں سب اقوال میں اتباع بمعنی حکم ماننا ہے وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ میں تین قول ہیں ۱ آواز بالکل نہ ہوگی ۲ صرف کھُسر پھُسر ہوگی (انتہائی دھیمی آوازیں بولتے ہوں گے خَشَعُ سے یا وہ خوف مراد ہے جس کا اثر تمام اعضا پر ہو یا وہ خوف جو صرف دل پر طاری ہو اس کو ضراعت کہتے ہیں صوت کا حقیقی معنیٰ دو جسموں کا ٹکرا کر ہوا کو پھاڑنا مجازاً انسان کی آواز کو صوت کہا جاتا ہے ۳ خَشَعَتِ الاصوات میں تیسرا قول یہ کہ صرف ہونٹ ہلتے ہوں گے مگر آواز نہ نکلے گی پیاس کی خشکی یا دہشتِ عذاب کی وجہ سے هَمْسًا میں تین قول ہیں ۱ قدموں کی چاپ کی معمولی سرسراہٹ والی آواز کیونکہ سب اُس دن ننگے پیر ہوں گے ۲ یہ سانسوں کی بھنبھناہٹ کی آواز ہے ۳ کانا پھوسی باتوں کی کھُسر پھُسر کی آواز یہ کیفیات صرف کفار کی ہوں گی بعض نے کہا کہ فاسقین بھی انہی میں شامل ہوں گے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

فائدے ان آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ آسمان بھی سات ہیں اور زمینیں بھی سات ہیں مگر آسمان ہر ایک بالکل علیحدہ کافی فاصلے کے ساتھ ایک ایک کُرہ ہے مگر سب زمینیں مثل پیاز جڑی ہوئی ہیں یہ فائدہ فَیَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا فرمانے کے بعد۔ لَا تَرٰی فِیْهَا عِوَجًا وَّلَاۤ اَمْتًا۔ فرمانے سے حاصل ہوا کہ پوری کُرۂِ ارض کی یہ حالت ہوگی کہ وہاں سب ایک چٹیل میدان ہوگا۔ دوسرا فائدہ۔ دنیوی عقل و فہم صرف دنیوی کاموں کے لیے مفید ہے مگر دینی سمجھ بوجھ و لیاقت میں ناکارہ ہے یہ فائدہ اِذْ یَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِیْقَةً فرمانے سے حاصل ہوا کہ جو کافر آج دنیا میں بڑے عقل مند سیاست دان حساب دان سمجھے جاتے ہیں کل قیامت میں سب سے زیادہ ان کی ہی عقل ماری جائے گی اور وہی سب میں زیادہ بیوقوف ہو جائیں گے۔ نیز دین کی سمجھ بوجھ اور پرکھ میں دنیوی زندگی میں بھی یہی لوگ سب سے پیچھے ہوتے ہیں اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ ان ہی کو کہا گیا

ہے مگر بحمدہٖ تعالیٰ مومن متقی یہاں بھی ذی عقل اور قیامت میں بھی ذی عقل ہی رہے گا جیسا کہ سورۃ روم کی آیت ۵۶ میں مومن کی شان بتائی گئی۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ (الخ) یعنی صرف مومن علما دنیا میں ٹھہرنے کی صحیح مدت جانیں گے تیرا فائدہ کافر کے لیے دنیا کی مصیبتیں عذاب وعتاب ہیں مگر مومن کے لیے باعثِ ثواب ترقیِ درجات ذریعۂ عبادت وسیلۂ صبر ورضا ہیں گویا کہ کافر کے لیے تعقیب وصعوبت مومن کے لیے تادیب وسہولت کافر مصائب پر جزع فزع کرتا ہے۔ مومن صبر اس لیے کل قیامت میں کافر میدانِ محشر کی گرمی وتکلیف دیکھ کر فہم وعقل کھو بیٹھے گا لیکن مومن یہاں صبر وحوصلے کا عادی ہوگا اس لیے وہاں بھی نہ گھبرائے گا۔ شدتِ گھبراہٹ سے عقلیں ماری جاتی ہیں۔ یہ فائدہ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا فرمانے سے حاصل ہوا کہ دہشت وگھبراہٹ کی وجہ سے دنیا کی درازمدت یا قبر کی ہزاروں سال کی مدت بھی کفار کو گذشتہ راحت و سکون کے دس دن یا ایک دن ایک رات یا ایک ساعت محسوس ہوگا اور اس کو خواب وخیال سمجھیں گے اللہ بچائے۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں **پہلا مسئلہ**۔ سچی اتباع کی تعریف وپہچان یہ ہے کہ اس میں بندے کی اپنی عقل فکر رائے کا بالکل دخل نہ ہو اور جس کی اتباع کرنی ہو اپنی عقلیں سوچ وفکر کو بند کر کے چلنا پڑتا ہے۔ جس کو محاورتاً کہا جاتا ہے کہ آنکھیں بند کر کے پیچھے چل پڑنا۔ اور اس کے حکم پر لگ جانا دل ودماغ میں یہ عقیدہ بنانا پڑتا ہے کہ جس کی اتباع ہم پر واجب ہوئی ہے وہ ہر اعتبار سے بالکل حق سچا اور درست ہے یہ مسئلہ يَتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ کے ساتھ لَا عِوَجَ لَهٗ فرمانے سے مستنبط ہوا سمجھایا یہ جا رہا ہے کہ جب حکم ماننے والے میں کسی طرح کی بھی نظری فکری علمی عوج اور حکم کی خلاف ورزی نہ پائی جائے تو اس کو اتباع کہا جاتا ہے لہٰذا چونکہ مسلمانوں کو آقاءِ دوجہان نبی کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا حکم قرآن مجید میں دیا گیا ہے تو گویا رب تعالیٰ بندوں کو یہ سنا سمجھا رہا ہے کہ نبی کریم ہر اعتبار سے اکمل مکمل کامل ہیں ان کی ہر بات حق اور سچی ہی ہے اس سے زیادہ کائنات میں کسی کی بات کام عمل درست نہیں۔ ان کی ہر ہر ادا میں حقانیت ہے ذرہ کمی نہیں، کسی کمی کا تصور بھی نہ کرنا۔ اے بندے ان کی بارگاہ میں تیرا کام صرف یہ ہے کہ عقل قربان کن پیشِ مصطفیٰ! آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی سب عقل فکر علم سائنس منطق تجربہ کاری قربان کر دو۔ یہی سچی حقیقی اتباع ہے اگر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ پختگی سچائی وحقانیت نہ ہوتی اور ذرہ بھر علمی فکری معلوماتی کمزوری ہوتی تو رب تعالیٰ کبھی بھی آپ کی

اتباع کا حکم نہ دیتا صرف اطاعت تک ہی حکم رہنے دیتا۔ دوسرا مسئلہ۔ ہر مسلمان کو چاہیئے کہ ہر وقت ہر حال میں رب تعالیٰ کا پورا خوف رکھے۔ خوف کی چار قسمیں ہیں (۱) خوفِ رہبت (۲) خوفِ فزعت (۳) خوفِ تقویٰ (۴) خوفِ خشعت۔ اللہ تعالیٰ کے لیے بروں کاموں سے بچنا رہبت ہے۔ اس سے زیادہ خوف فَزعَت ہے۔ کہ دل کانپ اٹھے۔ خوف کا اس سے بھی اونچا مقام تقویٰ ہے کہ بندہ اللہ کے خوف سے اعمالِ فرضی واجبی ادا کرے اور اس سے بھی اونچا مقام خوفِ خشع ہے کہ خوفِ الٰہی کا اثر اعضاءِ ظاہری پر نظر آئے یہ مسئلہ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ کہ دنیا میں تو کافر فاسق نہیں ڈرتے مگر کل قیامت میں ان کو سب سے اونچا خوف ہوگا جو ان کے ہاتھ پاؤں دل دماغ کھال بال کے علاوہ ان کے منہ ہونٹ اور ظاہری زبان پر بھی طاری ہوگا مگر چونکہ اہل ایمان والیقان وعرفان دنیا میں ہی اس کی خشعت میں رہتے ہیں اس لیے کل محشر میں ان پر لَاخَوْفٌ کا ظہورِ مجبوبانہ ہوگا جو دنیا میں رب تعالیٰ سے نہیں ڈرتا۔ ان پر قیامت میں ڈر خوف طاری ہوگا۔ معاذ اللہ تعالیٰ تیسرا مسئلہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ کبھی کوئی مسئلہ کسی عالمِ دین۔ یا کسی وَلیُ اللہ بزرگ پیر مرشد سے مذاق کے طریقے پر نہ پوچھیں نہ ہی بحث مباحثے اور انکار کی طرز یا نیت پر سوال کریں خاص کر قرآن وحدیث اور شریعت وطریقت کا مسئلہ کیونکہ اس طریقہ سے سوال اور مذاق بازی کج بحثی کفار کی نشانی بتائی گئی ہے۔ اور اس طرز پر سوال کرنے والے کو اگرچہ جواب تو عطا فرما دیا جاتا ہے مگر جھڑک اور ناراضگی کے ساتھ۔ یہ مسئلہ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ کے بعد جواب میں فَقُلْ کی فَ ارشاد فرمانے سے مستنبط ہوا کیونکہ فَ میں جلدی اور تیزی کا اشارہ ہے اور جلدی وتیزی جھڑک کے لیے ہوتی ہے۔ جیسا کہ متقدمین کی تفاسیر سے ثابت ہے یعنی ایسے سوال کرنے والوں کو جلدی جواب دے کر دور دفع کر دو۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ جالینوس جیسے منکرین قیامت فلاسفہ کہتے ہیں کہ نہ قیامت آئے گی نہ پہاڑ فنا ہوں گے نہ زمین دنیا۔ اس لیے کہ قرآن نے قیامت قائم ہونے کی نشانی بتائی ہے دنیا کا فنا ہونا اور فنا کہتے ہیں باطل وختم ہونے کو بُطلان کے لیے ترتیب وار نقصان شرط ہے یعنی اشیاءِ دنیا آہستہ آہستہ ختم ہوتی چلی جائیں جیسے کہ انسان پر موت آنے لگتی ہے تو پہلے جوانی ختم بڑھاپا آیا اور بڑھاپے میں کبھی بینائی گئی تو سماعت گئی کبھی پاؤں کمزور تو ہاتھوں میں رعشہ یہاں تک کہ پھر موت اس طرح دنیا کے بُطلان کے لیے ہونا چاہیئے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کی ہر چیز آسمان پہاڑ چاند سورج سب

اسی طرح ہیں اگر قیامت برحق ہوتی تو ابتداً نقصانات سے ہوتی اور انتہاءً بُطلان ہو جاتا اور چونکہ نقصان کہیں ظاہر نہیں لہٰذا بُطلان نہیں اور بُطلان نہیں تو قیامت کا قول درست نہیں اور قیامت کے بارے جتنے قول ہیں کہ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وِزْرًا۔ یَوْمَئِذٍ زُرْقًا خَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ۔ یہ سب تخیّلاتِ محضہ ہیں (العیاذ باللہ تعالیٰ) جواب۔ یہ اعتراض تفسیر کبیر و تفسیر نیشا پوری نے نقل فرما کر اس کے دو جواب دئیے ہیں ایک یہ کہ دنیا بھی علی الترتیب ہی ختم کی جائیگی مگر جب دنیا پر بڑھاپا آئے گا اور دنیا کا بڑھاپا قریبِ قیامت ہوگا معترض کو ابھی کیسے نظر آجائے۔ خود اپنی تمثیل پر بھی غور نہیں جلدبازی کیوں کرتے ہو دنیا پر پہلے بڑھاپا تو آنے دو۔ دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے۔ بُطلان دو قسم کا ہے ۱۔ بُطلانِ ذبولی و تدریجی اس میں آہستہ آہستہ ہی نقصان کا وُرود لازم ہوتا ہے جیسے کہ بڑھاپے سے موت میں ہوتا ہے ۲۔ بُطلانِ فجائت (ناگہانی) یہ دَفْعَۃً وَاحِدَۃً ایک دم رونما ہوتا ہے اللہ تعالیٰ دونوں قسم کے بُطلان پر قادر ہے۔ موت بھی دو قسم کی ہے ہر موت بڑھاپے پر موقوف نہیں بچپن اور جوانی بغیر کسی پیشگی نقصان کے موت آجاتی ہے اور ایک دم پوری شخصیت کو باطل و فنا کر کے رکھ دیتی ہے لہٰذا بُطلانِ ناگہانی میں تقدیمِ نقصان کا ظہور اور ورود ضروری نہیں لہٰذا سمجھ لو کہ قیامت بھی بُطلانِ ناگہانی سے آسکتی ہے۔ اس کا انکار کیوں۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا لَا تَرٰی فِیْهَا عِوَجًا۔ اہلِ لغت کے نزدیک عِوَج اس ٹیڑھ کو کہتے ہیں جو معنوی یا علمی ہو جیسے دینی عِوَج عقیدے کی عِوَج کہا جاتا ہے کہ فلاں کا عقیدہ و ایمان ٹیڑھا ہے اس کے لیے عِوَج بولیں گے لیکن ظاہری اشیا کی ٹیڑھ کو عَوَج (عین کے زبر سے) کہتے ہیں تو عَوَج کا تعلق زمین سے ہے کیونکہ فِیْهَا میں ھَا ضمیر کا مرجع زمین ہے اور زمین ظاہری چیز ہے اس کی ٹیڑھ یعنی اونچ نیچ بھی ظاہر تو پھر اس کے لیے عِوَج کیوں فرمایا گیا۔ عَوَجًا ہونا چاہیئے تھا۔ جواب۔ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ زمین اگرچہ ظاہری چیز ہے مگر اس کی ٹیڑھ دو قسم کی ہے ۱۔ ظاہری ٹیڑھ جو ہر شخص کو اس کی آنکھ سے نظر آجائے دور سے خواہ قریب سے ۲۔ معنوی ٹیڑھ جو آنکھ یا بصارت سے نظر نہ آئے بلکہ بصیرتِ عقلی سے نظر آئے اور جس کو پیمانہ یا لیول رکھ کر معلوم کیا جائے یہاں زمین کی انتہائی مکمل ہمواری بیان کرنے کے لیے عِوَجًا فرمایا گیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ کسی قسم کی بھی ٹیڑھ نہ ہوگی بصارت سے دیکھنا تو درکنار کسی کی بصیرت اور پیمانے سے بھی نظر نہ آئیگی اس دن زمین آنِ واحد میں قدرتِ الٰہیہ سے اتنی شاندار طریقے سے برابر و ہموار ہوگی اس لیے عِوَجًا فرمانا عین درست ہے کہ دونوں کی نفی ہوگئی بصیرت کی بھی اور بصارت کی بھی یہ بات عِوَجًا فرمانے سے

نہ ہوتی دین وعقیدے کی ٹیڑھ بصیرتِ قلبیہ سے نظر آتی ہے تو گویا ٹیڑھ تین قسم کی ہے ۱؎ جو آنکھ کی بصارت سے نظر آئے اس کو عوجًا کہتے ہیں ۲؎ جو بصیرتِ عقلی سے نظر آئے بذریعہ تخمینے پیمانے ۳؎ جو بصیرتِ قلبی سے نظر آئے۔ ان دونوں کے لیے عِوَجًا کا لفظ ہے اور بصیرتِ عقلی کی نفی سے بصارت کی نفی خود بخود ہو جاتی ہے۔ اسی لیے یہاں عِوَجًا فرمایا گیا۔ دوسرا جواب یہ کہ اہل لغت کے نزدیک کھڑی اور منتقل چیز کی ٹیڑھ کے لیے عَوَج بفتح العین بولا جاتا ہے جیسے دیوار اور لاٹھی کی ٹیڑھ لیکن پڑی بچھی یا معنوی قلبی اشیا کی ٹیڑھ کے لیے عِوَج بکسر العین بولا جاتا ہے جن اہل لغت کا حوالہ معترض نے پیش کیا وہ پوری بات نہیں ہے اور زمین چونکہ بچھی ہوئی چیز ہے اس لیے اس کے لیے عِوَجًا بولنا بالکل ٹھیک ہے۔ پہلا جواب زیادہ مضبوط ہے۔ تیسرا اعتراض یہاں فرمایا گیا یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْجِبَالِ آگے جواب میں فرمایا گیا فَقُلْ۔ فَ استعمال فرمائی گئی۔ حالانکہ قرآنِ مجید میں اس طرح کے بہت سے سوالات مذکور ہیں اور ان کے جوابات میں قُلْ ہی ارشاد ہوا مگر فَ کہیں نہ بولی گئی۔ مثلاً ۱؎ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ قُلْ فِیْھِمَا ۲؎ یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ ۳؎ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ ۴؎ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْیَتٰمٰی قُلْ اِصْلَاحٌ لَّھُمْ خَیْرٌ ۵؎ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْمَحِیْضِ۔ قُلْ ھُوَ اَذًی ۶؎ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ ۷؎ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَھِلَّۃِ۔ قُلْ ھِیَ مَوَاقِیْتُ یہ سب سوال بھی یَسْئَلُوْنَکَ سے نقل فرمائے گئے مگر ان کے جوابات میں صرف قُلْ ارشاد ہوا۔ فَقُلْ نہ فرمایا گیا۔ لیکن یہاں فَقُلْ ہے اس کی کیا وجہ؟ جواب۔ اس کے دو جواب دئے گئے ایک یہ کہ یہ سوال یہاں یَسْئَلُوْنَکَ جملہ شرطیہ ہے یعنی اگر وہ کفار یہ سوال کریں۔ اس لیے جواب کے لیے فَ جزائیہ آئی اور فرمایا گیا فَقُلْ مگر دیگر سوالات شرطیہ نہیں بلکہ سوالِ ماضیہ کی خبریں ہیں کہ وہ یہ سوال کرتے ہیں آپ ان کو یہ جواب دیدیجئے وہاں فَ کی ضرورت نہیں: یہ جواب تفسیر روح البیان نے دیا مگر یہ جواب کمزور ہے تفسیر کبیر نے جوابِ دوم دیا کہ یہ سوال بھی اگرچہ دیگر مذکور سوالوں کی طرح خبریہ ہی ہے مگر یہ سوال اصولِ دین میں سے ہونے کی وجہ سے اَھَم ہو گیا اور اَھَم سوال کا جواب جلدی دینا چاہیئے اس لیے فَقُلْ ارشاد ہوا کہ آپ فوراً یہ جواب دیدیجئے وہاں پہاڑوں کے متعلق سوال اصولِ دین میں سے اس لیے ہے کہ اس سوال کا تعلق قیامت کے قائم ہونے سے ہے یہ سوال منکرینِ قیامت نے کیا تھا اور قیامت پر ایمان لانا اصولِ دین میں سے ہے اس کا انکار اصولِ دین کا انکار ہے جو کھلا کفر ہے۔ اس کے جواب میں دیر کرنا اصولِ دین سے غفلت یا لاعلمی سمجھی جا سکتی ہے لہٰذا فَقُلْ فرما کر

تا قیامت یہ قانون بنا دیا گیا کہ جب کبھی اصولِ دین کے بارے میں سوال ہو تو اہلِ علم حضرات پر واجب ہے کہ سائل کو فوراً تسلی بخش جواب سمجھائیں۔ بخلاف دیگر مذکورہ سوالات کے کہ وہ فروعی عملی چیزوں کے بارے میں ہیں وہاں جلدی جواب کی ضرورت نہیں بدیں وجہ وہاں صرف قُلْ ارشاد ہوا۔ فَقُلْ کا معنیٰ ہوا کہ ابھی جواب فرما دو۔ اور قُلْ کا معنیٰ ہوا۔ اس کا جواب فرما دینا۔ **چوتھا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا یَوْمَئِذٍ یَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِیَ۔ یعنی اُس دن پکارنے بلانے والے کی اتباع سب کریں گے۔ سوال یہ ہے کہ وہ داعی زندوں کو پکارے گا یا مُردوں کو یعنی جس وقت وہ پکارے گا اس وقت لوگ زندہ ہو چکے ہوں گے یا کہ ابھی مردہ پڑے ہوں گے۔ نیز اگر اسرافیل پکاریں گے تو صور پھونکنے سے پہلے یا بعد یا دوران میں ہی۔ اگر یہ پکار پہلے ہے تو بیکار کیونکہ سب مردہ ہوں گے اور مردوں کو پکارنا بیکار نہ وہ اتباع کر سکیں گے۔ اور اگر مردے اسی پکار کو سن کر زندہ ہو جائیں اتباع کر لیں تو صور پھونکنا پھر بیکار کیونکہ صور ثانی تو صرف زندہ کرنے کے لیے ہو گا۔ مُردے تو پکار سے زندہ ہو کر اتباع میں چل پڑے تو اب صور پھونکنے کی کیا ضرورت۔ اور اگر بحالتِ نفخ پکاریں گے تو محال کیونکہ منہ سے تو صور بگل لگا ہو گا پکاریں گے کیسے۔ اور اگر صور پھونکنے کے بعد جب سب لوگ زندہ و بیدار ہو جائیں گے تب پکاریں گے تو مفسرین کا یہ قول غلط ہو جاتا ہے کہ اُن کی پکار یہ ہو گی کہ اے بکھری ہڈیو بوسیدہ گوشتوں پھٹی کھالو بکھرے بالو۔ اللہ کے حکم سے جمع ہو کر حاضر بارگاہ ہو جاؤ اس اعتراض اور الجھن کا حل فی جواب کیا ہے۔ جواب۔ اس کے چند جواب دئے گئے ہیں مگر سب سے مختصر اور آسان و مکمل تسلی بخش جواب یہ ہے کہ اسرافیل صور پھونک رہے ہوں گے اور جبریل یا کوئی دوسرا فرشتہ علیہم السلام بیت المقدس سے تمام قبروں میں پڑے مردہ جسموں کو آواز دے گا۔ زندہ ہوں گے صور کی آواز پر اور چلیں گے فرشتے کی آواز پر صور اور پکارنے کی آواز بیکدم شروع ہو گی اٹھتے جائیں گے چلتے جائیں گے پھر ایک جگہ جمع ہوں گے صور کی آواز بند ہو جائے گی تب ایک قدرتی آگ نمودار ہو گی جو آگے میدانِ محشر کی طرف چلا کر لے جائے گی۔ نیز احادیث سے ثابت ہے کہ مُردوں میں اب بھی سننے کی قوت ہے اگرچہ جسم گل سڑ کر بکھرا بوسیدہ ہو چکا ہو لہٰذا مردوں کو پکارنا بیکار نہ ہو گا۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم۔

پہاڑوں کا بیان

تفسیر روح البیان جلد پنجم ص ۴۲۷ اسی آیت کے تحت ہے کہ دنیا میں کُل چھ ہزار چھ سو تہتر ۶۶۷۳ پہاڑ ہیں

دنیا کے پہاڑوں کی چار قسمیں ہیں ۱ معدنی ۲ آتش فشاں ۳ سر سبز پیداوار والے ۴ خشک قیمتی پتھر و معدنیات والے۔ آتش فشاں پہاڑ ساری دنیا میں چار سو پچپن ۴۵۵ ہیں۔ سب سے زیادہ آتش فشاں انڈونیشیا میں۔ ایک سو سڑسٹھ ۱۶۷ عدد اس کے بعد اس سے کم فلپائن میں اس سے کم پاکستان میں پھر جاپان میں۔ فلپائن میں آتش فشاں بہت پھٹتے ہیں۔ دنیا میں مبارک اور متبرک گیارہ پہاڑ ہیں ۱ جبلِ سراندیپ شمالی ھند چینی سرحد پر واقع ہے آدم علیہ السلام کے نزولِ جنت کی وجہ سے مبارک ہے ۲ جبلِ جودی نوح علیہ السلام کی وجہ سے فلسطین میں جزیرہ ابن عمر کے شمال میں ۳ جبلِ صفا ۴ جبل مروہ حضرت ہاجرہ کی وجہ سے مکہ مکرمہ میں ہے ۵ جبلِ طور موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے مدین وشام کے درمیان ہے ۶ جبلِ رحمت آدم و حوا کی ملاقات کی وجہ سے میدانِ عرفات میں ۷ جبلِ رقیم (دیخلوس) اصحابِ کہف کی وجہ سے روم میں ہے ۸ جبل ثبیر۔ مکہ مکرمہ میں فدیۂ اسماعیل علیہ السلام میں دنبہ اسی پر پہاڑ پر اُترا تھا ۹ جبلِ حرا۔ غارِ حرا کی وجہ سے مکہ مکرمہ میں ۱۰ جبلِ ثور۔ غارِ ثور کی وجہ سے مدینہ منورہ کی راہ میں ہے مکے سے تین میل دور جانبِ شمال مغرب ۱۱ جبلِ اُحد۔ جنتی پہاڑ نبی کریم کی محبت کی وجہ سے۔ مدینہ منورہ میں ہے۔ دنیا کے چند پہاڑوں کے نام ۱ جبل اوشان روم میں ہے ۲ جبل ابی قُبیس مکہ مکرمہ میں ۳ جبلِ اروند اوّل حمدان میں ہے ۴ اروندِ ثانی۔ علاقۂ سیستان میں ہے۔ ۵ جبلِ اسبرہ علاقۂ شاس ماوراُو النہر ۶ جبل التنز۔ علاقۂ قزوین میں ہے ۷ جبلِ اندلس۔ اندلس میں ہے ۸ جبل تجنہ۔ ترکستان میں ہے ۹ جبلِ قدس بیت المقدس کے پاس ہے ۱۰ جبل تجید علاقۂ اندران میں ۱۱ جبل مینون حلوان کے درمیان ہے ۱۲ جبل ثبیر۔ مکہ مکرمہ میں جبل حرا کے پاس ہے۔ مکے سے تین میل دور جانبِ شمال ۱۳ جبل ثور ۱۴ جبل حراب ہندوستان میں ۱۵ جبلِ جودی فلسطین میں ۱۶ جبلِ جوشن حلب میں ۱۷ جبل حرث ۱۸ حویرث۔ آرمینیہ میں ہے۔ ۱۹ جبلِ حرا مکہ مکرمہ میں ہے ۲۰ جبلِ حود قورہ علاقۂ قورشقا میں ہے ۲۱ جبل حیات۔ ترکستان میں ہے ۲۲ جبل دامغان علاقۂ رے میں ہے ۲۳ جبل دھاوند۔ رے میں ہے ۲۴ جبلِ ربوہ دمشق میں ہے ۲۵ جبل رضوی۔ مدینہ منورہ سے بیس میل دور شعیب داؤدی اور تبوک کے درمیان ۲۶ جبلِ رقیم علاقۂ روم میں ہے ۲۷ جبل رانک ترکستان میں ہے۔ یہاں سدِ سکندری ہے اس کے پار یاجوج و ماجوج ہیں ۲۸ جبلِ زعوان۔ علاقۂ تونس میں ہے ۲۹ جبل سادہ علاقۂ تونس میں ہے ۳۰ جبلِ سیلان۔ علاقہ اردبیل میں ہے ۳۱ جبل سُراۃ علاقۂ تہامہ میں یمنی سرحد پر ۳۲ جبلُ السماق حلب میں ہے ۳۳ جبل سراندیب علاقۂ ھرکند۔ ہند چین کی سرحد

پر ہے۔ ۳۴ جبلِ سمرقند علاقۂ سمرقند میں ہے ۳۵ جبل الیسم چین میں ہے ۳۶ جبل الشیب یمن میں ہے ۳۷ جبلِ شیام علاقۂ صنعا میں ہے ۳۸ جبل شرق البعل۔ علاقۂ شام میں ہے ۳۹ جبلِ شقان خراسان میں ہے ۴۰ جبلِ شکران۔ علاقۂ سکران میں ہے ۴۱ جبلِ صورر۔ علاقۂ کرمان پاکستان میں ہے ۴۲ جبل صفا مکہ مکرمہ خانۂ کعبہ کے پاس ہے ۴۳ جبل مروہ۔ خانۂ کعبہ کے پاس ہے ۴۴ جبل صقلیہ علاقۂ بحرِ مغربی میں ہے۔ ۴۵ جبل الضلع علاقۂ بصرہ میں ہے ۴۶ جبل طارق۔ علاقۂ طبرستان میں ہے ۴۷ جبل ظاہر مصر میں ہے ۴۸ جبل طبرستان طبرستان میں ہے ۴۹ جبل طورِ سینا۔ علاقۂ مدین میں ہے ۵۰ جبلُ الطیّبر۔ مصر میں دریائے نیل کے پاس ہے۔ ۵۱ جبل غزوان۔ طائف کے پاس ہے ۵۲ جبل طائف حجاز (سعودی عرب) میں ہے ۵۳ جبلِ عویر عمان میں ہے ۵۴ جبل کبیر بصرہ میں ہے۔ ۵۵ جبل فرغانہ علاقۂ خوارزم میں ۵۶ جبلِ قیل وان علاقۂ مہرجان ۵۷ جبل قاسیون دمشق میں ہے ۵۸ جبل قاف علاقۂ روس میں ہے ۵۹ جبل فدفو مکہ مکرمہ میں ۶۰ جبل قعران۔ روس میں ہے ۶۱ جبل کحلِ اثمد اندلس میں ہے ۶۲ جبلِ کرنان۔ علاقۂ طوس میں ہے ۶۳ جبل گلستان علاقۂ طوس میں ہے ۶۴ جبلِ ارجان علاقۂ طبرستان میں ہے ۶۵ جبل لبنان، علاقۂ حمص میں ہے ۶۶ جبل مقناطیس علاقۂ قلزم میں ہے ۶۷ جبلِ مورگان فارس میں ہے ۶۸ جبل نار ترکستان میں ہے ۶۹ جبلِ نہاوند، طلسمان میں ہے ۷۰ جبلِ صرمز طبرستان میں ہے ۷۱ جبلِ ہند، ہندوستان میں ہے ۷۲ جبلِ واسط علاقۂ اندلس میں ہے ۷۳ جبلِ یلیسیم علاقۂ قزوین میں ہے ۷۴ جبلِ عیر مدینہ منورہ میں ہے ۷۵ جبل ارارات ایران میں ہے ۷۶ جبل قراقرم۔ پاکستان میں ہے ۷۷ جبل سلیمان۔ پاکستان میں ہے ۷۸ جبل پرالنس اندلس میں ہے ۷۹ جبلِ ابرز، ایران میں ہے۔ ۸۰ جبل ماؤنٹ بلانک۔ اٹلی میں ہے ۸۱ جبلِ گارو روس میں ہے ۸۲ جبل تالاگالا۔ سری لنکا میں ہے۔

			بلندی میٹر میں	بلندی فٹ میں
۸۳	جبل کینابا بلو	ملائیشیا میں ہے۔	۰۰۰۰	۱۳۴۵۵
۸۴	جبلِ ایورسٹ	تبت نیپال میں ہے	۸۸۴۸	۲۹۰۲۸
۸۵	جبل کے ٹو	پاکستان کشمیر میں ہے	۸۶۱۱	۲۸۲۵۰
۸۶	جبلِ کنگ چینگ جنگا	نیپال میں ہے	۸۶۰۰	۲۸۲۱۵
۸۷	جبلِ مکالو	تبت میں ہے	۸۱۸۴	۲۷۸۲۵
۸۸	جبلِ ڈھولاگری	〃 〃 〃	۸۱۷۲	۲۶۸۱۰

			بلندی میٹر میں	بلندی فٹ میں
۸۹	جبلِ ننگا پربت	جموں کشمیر میں ہے	۸۱۲۶	۲۶۶۶۰
۹۰	جبلِ آناپورنا	نیپال میں ہے	۸۵۷۸	۲۶۵۰۴
۹۱	جبلِ گیمشر	جموں کشمیر میں ہے	۸۰۶۸	۲۶۴۷۰
۹۲	جبلِ گوسین تھین	تبت میں ہے	۸۰۱۳	۲۶۲۹۱
۹۳	جبلِ مندادیوی	انڈیا میں ہے	۷۸۱۷	۲۵۶۴۰
۹۴	جبلِ راکاپوشی	جموں کشمیر میں ہے	۷۷۸۰	۲۵۵۵۰
۹۵	جبلِ کیمت تبت	انڈیا میں ہے	۷۷۵۶	۲۵۴۴۷
۹۶	جبلِ نمچابروہ	تبت میں ہے	۷۷۵۶	۲۵۴۴۷
۹۷	جبلِ گورلا مندھاتا	" " "	۷۷۲۸	۲۵۳۵۵
۹۸	جبلِ الُگ مستگ	" " "	۷۷۲۳	۲۵۳۲۸
۹۹	جبلِ کنگر	چین سینکیانگ روس	۷۷۱۹	۲۵۳۲۵
۱۰۰	جبلِ ترگ میر	پاکستان میں ہے	۷۶۹۰	۲۵۲۳۰
۱۰۱	جبلِ مینیاکونکا	چین میں ہے	۷۵۹۰	۲۴۹۰۳
۱۰۲	جبلِ متگ آٹا	سینکیانگ	۷۵۴۶	۲۴۷۵۷
۱۰۳	جبلِ کیمونزما پیک	روس میں ہے	۷۴۹۵	۲۴۵۹۰
۱۰۴	جبلِ پوبیڈی	روس سینکیانگ	۷۴۳۹	۲۴۴۰۷
۱۰۵	جبلِ چومول ہری	بھوٹان تبت	۷۳۱۳	۲۳۹۹۳
۱۰۶	جبلِ لینینا	روس میں ہے	۷۱۳۴	۲۳۴۰۶
۱۰۷	جبلِ اوجس ڈیل سیلاڈو	چلی آرجن ٹینا	۷۰۸۴	۲۳۲۴۰
۱۰۸	جبلِ ایکون کینگوا	آرجن ٹینا میں ہے	۶۹۶۰	۲۲۸۳۴
۱۰۹	جبلِ بونتے	"	۶۸۷۰	۲۲۵۴۱
۱۱۰	جبلِ تپن گینو	چلی میں ہے	۶۸۸۰	۲۲۳۱۰
۱۱۱	جبلِ ہوسکرن	پیرو	۶۷۶۸	۲۲۲۰۵
۱۱۲	جبلِ لُلی یلکو	آرجن	۶۷۲۳	۲۲۰۵۷
۱۱۳	جبلِ کیلس	تبت	۶۷۱۴	۲۲۰۲۸

		جنوبی امریکہ پرو میں ہے	بلندی میٹر میں	بلندی فٹ میں
۱۱۴	جبل یروپاجا		۶۶۳۴	۲۱۷۶۵
۱۱۵	جبلِ سماجا	بولیویا	۶۵۴۲	۲۱۴۶۳
۱۱۶	جبلِ الیمپو	؍	۶۴۸۵	۲۱۰۷۹
۱۱۷	جبلِ کوروپونا	پرو	۶۴۲۵	۲۱۲۷۶
۱۱۸	جبلِ ایماتی	بولیویا	۶۴۰۲	۲۱۰۰۴
۱۱۹	جبلِ چمبورازرو	چلی ایکواڈور	۶۳۱۰	۲۰۷۰۱
۱۲۰	جبلِ کلنجارو	افریقہ تنزانیہ		۱۹۵۶۵
۱۲۱	جبل نانگاپربت ہمالیہ	انڈیا		۲۶۶۵۰
۱۲۲	جبلِ راکاپوشی	چین		۷۷۸۸
۱۲۳	جبلِ انڈیز	امریکہ جنوبی میں ہے	چار ہزار میل لمبائی ہے	
۱۲۴	جبلِ مری	پاکستان میں ہے		۷۵۰۰
۱۲۵	جبلِ ماؤنٹ ایگمانٹ نیوجی ہلا	نیوزی لینڈ		× × ×
۱۲۶	جبلِ ماؤنٹ ایورسٹ	امریکہ		۲۹۰۴۸
۱۲۷	جبلِ کنچن جنگا	چین		۲۸۱۴۶
۱۲۸	جبل ہندوکش	افغانستان		۲۵۰۰۰
۱۲۹	جبلِ پدوروتالاگالا	سری لنکا		× × ×
۱۳۰	جبلِ ماؤنا	روس		۳۱۰۰۰
۱۳۱	جبلِ راکی ماؤنٹین	کینیڈا		× × ×
۱۳۲	جبل نکیال	افغانستان		۱۹۰۰۰
۱۳۳	جبلِ ٹال آتش فشاں	فلپائن		× × ×
۱۳۴	جبلِ ماونٹ کک	نیوزی لینڈ		۴۴۶۵۰
۱۳۵	جبلِ میکنلے			
۱۳۶	جبلِ گلیکن			
۱۳۷	جبلِ مرغریطہ			
۱۳۸	جبلِ ہمیارے			

ہر پہاڑ کے چار حصے ہوتے ہیں ۱ جڑ ۲ دامن ۳ سطح ۴ چوٹی۔ دنیا کی بلند ترین چوٹیاں اٹھارہ ۱۸ عدد ہیں جن میں سے سات چوٹیاں کوہ ہمالیہ کی ہیں۔ کوہ ہمالیہ دنیا کا سب سے اونچا اور لمبا پہاڑ ہے اس کا وجود چودہ ۱۴ ملکوں میں پھیلا ہوا ہے تقریباً آدھے شمال پر اس کا پہاڑی قبضہ ہے ۱ چین ۲ روس ۳ بھارت ۴ تبت ۵ بھوٹان ۶ پاکستان ۷ افغانستان ۸ نیپال ۹ شمالی کشمیر ۱۰ شمالی بنگال ۱۱ علاقہ کاستان میں ۱۲ سکم میں ۱۳ سینکیانگ میں ۱۴ کنیڈا ۱۵ اعماق

دنیا کی اونچی چوٹیاں

یہ سب بلندیاں سطح سمندر سے ہیں۔

			بلندی میٹر میں
۱	چوٹی ایورسٹ، کوہ ہمالیہ	نیپال میں	۲۹۰۲۸
۲	چوٹی کچن جنگا "	چین میں	۲۸۲۰۸
۳	میکا لو "	تبت میں	۲۷۸۲۴
۴	چوٹی دھولگری "	سکم میں	۲۶۸۱۱
۵	چوٹی نانگا پربت "	جموں کشمیر میں	۲۶۶۲۰
۶	" شیشا پنگما "	کاستان میں	۲۱۲۹۰
۷	" تندا دیوی "	تبت میں	۲۵۵۴۵
۸	چوٹی کے ٹو، کوہ قراقرم	پاکستان میں	۲۸۲۵۰
۹	" ترچیم، کوہ ہندوکش	افغانستان میں	۲۵۳۲۰
۱۰	چوٹی بیکنلے	سینکنگ میں ہے	۲۰۳۲۰
۱۱	چوٹی لوگان	کوہ بیکنلے روس میں	۱۹۵۳۹
۱۲	" کلیاں جادر، کوہ کلیمان جارو	افریقہ میں	۱۹۳۴۰
۱۳	" ایرز، کوہ ایرزا۔	ایران میں	۱۸۴۶۴
۱۴	" ادارات، کوہ ارادات	ترکستان میں	۱۶۹۱۶
۱۵	ماونٹ بلانک کوہ آنیس	اٹلی میں	۱۵۷۸۲

۱۶	چوٹی مرغریطہ کوہ مرغریطہ ۔ یوگنڈا میں ہے ۔	بلندی میٹر میں	۱۶۷۶۳
۱۷	چوٹی ماؤنٹ وڈروفی کوہ ماؤنٹ وڈروفی ۔ اسٹریلیا میں ہے	بلندی میٹر میں	۱۴۸۰۰
۱۸	چوٹی مہیاسے کوہ جہیار ہے ۔ اسٹریلیا میں ہے	بلندی میٹر میں	۱۴۱۰۰

یہ تمام معلومات اور پہاڑوں کے نام ہم نے کتاب عجائب المخلوقات جلد اوّل علامہ ذکریا قزوینی اور انگریزی انسائیکلو پیڈیا اور اردو انسائیکلو پیڈیا سے حاصل کی ہیں۔ باقی پہاڑوں کے نام ہم کو حاصل نہ ہو سکے۔ رب تعالیٰ نے انسانی حیوانی ضروریاتِ زندگی کے لیے زمینِ دنیوی کو چھ۶ حصّوں میں تقسیم فرمایا۔ ایک سمندر دوم سمندر سے مٹی سوم مٹی سے دلدل چہارم دلدل سے پتھر پنجم پھر پتھر سے پہاڑ ششم پھر پہاڑوں سے ریت۔ پہاڑ۔ انسان کے لیے قدرت کی عظیم نعمت ہے پہاڑوں میں انسان کے لیے تیرہ قسم کے خزانے ملتے ہیں ۱ پہاڑوں سے زمین کا ٹھیراؤ اور ایک جگہ ساکن ہونا ہے درخت کی جڑ کی طرح پہاڑوں کی جڑیں بھی زمین کے نیچے تک تحت الثریٰ میں ہیں ۲ پہاڑوں کے اندرونی باطنی علاقوں میں سونا ۳ چاندی ۴ لوہا ۵ رانگ سلور ۶ قیمتی پتھر ۷ ہیرے ۸ جواہرات ۹ زبرجد ۱۰ پٹرول ۱۱ مٹی کا تیل ۱۲ گیس ۱۳ آتش فشانی لاوا۔ اس لاوے سے آٹھ چیزیں بنتی ہیں ۱ نمک ۲ نوشادر ۳ پھٹکری ۴ پتھری کوئلہ ۵ گندھک ۶ پٹاس ۷ بارود ۸ سمینٹ۔ یہ اکیس خزانے پہاڑوں کے اندر سے انسانوں کو ملتے ہیں۔ اور پہاڑوں کی ظاہری دولت ۲۲ ہر قسم کی عمارتی اور ایندھنی لکڑی ہر قسم کی ۲۳ خودرو فروٹ اور میوے ۲۴ جنگلات ۲۵ طبی جڑی بوٹیاں ۲۶ بادل ۲۷ ابر ۲۸ برف سے چشمے ۲۹ چشموں سے ندی۔ نالے دریا ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَالْجِبَالَ وَمَا فِیْهِنَّ ۔

تفسیر صوفیانہ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَقُوْلُوْنَ اِذْ یَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِیْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا یَوْمًا۔ اے محبوبِ ازلی ہم ہی دہرِ قدیم سے جانتے ہیں ان تمام مجرمینِ محرومیت کی ظاہری باطنی باتوں کو اور تصوراتی اندازوں کو جو وہ کہتے کرتے ہیں اور اِس وادیِ حسرت میں جو زیادہ عقل و خرد کی بلند آوازی لگاتا ہے وہی پستیٔ حماقت میں زیادہ گہرا نیچے گرتا ہے اور عقلِ ماؤف۔ دماغِ فتور سے سمجھتا ہے کہ لذاتِ ناسوتی شہواتی میں تم فقط ایک ہی دن ٹھہرے تھے ہمارے جرائم تو فقط ایک ہی دن کے ہیں تو پھر عذابِ ذلت اتنا لمبا کیوں۔ جب اہلِ بلا اور بندگانِ ابتلا کو محشرِ حساب الغیابات میں بلانے کے لیے لقاءِ

حشر بجایا جائے گا تو ان کی اس حالتِ یاس اور کیفیتِ فزعِ اکبر کو ہم ہی جانتے ہیں۔ اس دن کون کیا بولے گا اور شدتِ شکر بلا سے کس کا کیا اندازہ ہوگا۔ اہل شقاوت کی قیامتِ صغریٰ جب ان پر برپا ہوگی تو بڑے بڑے بدبختوں کی عقل و دانش خراب ہو جائے گی دنیا تو ایک بادل کا خفیف سایہ ہے جس کی بے ثباتی کا پتہ اہلِ ایمان کو دنیا میں چل جاتا ہے مگر اہلِ شقاوت کو محرومی کی وادی میں گر کر پتہ چلتا ہے تب کہتا ہے ہائے میری ہلاکت یبعث الآخرۃ بالنوم میں نے تو آخرت کو غفلت کی نیند کے بدلے بیچ دیا۔ حضرت سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ؎

مکن عمر ضائع بافسوس و حیف کہ فرصت عزیز است ودر وقت سیف

بیدرداں نوں نیند پیاری آپی سوں جاوے دردمنداں نوں بادسجن دی ساری رات جگاوے
پچھلی راتیں رحمت ربدی گھر گھر کرے آوازہ اٹھو بندیو رب کرو کھلا ہے دروازہ

(عارف کھڑی شریف)

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا

اے محبوب یہ اہلِ ضلالت موتِ روحانیت میں جبالِ اجسام کے وجوداتِ ابدان کی فنا و بقا کا سوال کرتے ہیں۔ تو ان کو بتا دے کہ میرا رب تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے دین و ایمان اعمال و اخلاق کی ان بلند و بالا رکاوٹوں ضلالتوں کو آنِ واحد میں صفاتِ قہریہ کی تجلی ظہور کے ذریعے۔ جڑوں سے اکھیڑ کر ریم و رمان ہباءً منثورا بنا کر زمینِ فنا کے برابر کر دے گا۔ ان نفحاتِ الٰہیہ کی ہواؤں سے جو معدنِ احدیت میں پیدا ہونے والی ہیں پھر پھیلا دے گا ان ذرۂ محسوسہ کو قیامتِ حرمان میں وجوداً احدیاً لغوًیا بنا کر اس طرح کہ نہ غیریت نظر آئے نہ دوئی نہ دوری تب وہ غافلین و کاسلین اتباعِ حق میں اس طرح مشغول ہوں گے کہ ان کی حرکت بجز حق کے نہ ہو۔ نہ حیاتِ نہ انحراف کی ٹیڑھ رہے نہ کسی کھوٹ و ملاوٹ غیر کا اندیشہ رہے۔ وہی حق کا داعی ہر سمت سے اس کی پیشانی پکڑ کر چلانے والا ہے صراطِ مستقیم پر اور پھر یہی غافلین سیرتِ حق کے نقشِ قدم پر چلنے والے ہیں اسی ارادۂ حق کے تقاضے کے مطابق یہ وہ حسرت و یاس کی گھڑیاں ہوں گی جب بجز صوتِ سرمدی آوازِ عرشی نقارۂ قدسی کے کوئی کسی طرف سے کسی کی آواز برآمد نہ ہوگی داعیِ فلکِ رابع کا مدبر اجسام مفیضِ جہات ہوگا۔ اس وقت عالمِ اسرار و معرفت میں حکمتِ الٰہیہ کی خلاف ورزی کوئی نہ کر سکے گا تمناءِ فاسدہ کی سب آوازیں ہیبتِ کشفِ اسرار سے مٹ جائیں گی اے عقل والو تم پر واجب ہے کہ دنیا اور اس کی خواہشات کی طلب میں عمر قیمتی کو

ضائع نہ کرو اس لیے کہ حیاتِ دنیوی کا یہ وقت نقدِ نفیس ہے۔ صالحات اور اعمالِ خیر جوہرِ نفیس ہیں ارادۂ مومن بازِ اشہب ہے جو مُردار پر نہیں گرتا۔ وہ طائرِ لاہوتی کو شکار کرتا ہے عیشِ دنیا قصیر ہے خطراتِ دنیا بسیر ہے۔ اس کی قدر و منزلت حقیر ہے اس کا فائدہ صغیر ہے کہ مچھر کے پر سے بھی کمتر ہے

بر مرد ہشیار دنیا خس است   کہ ہر مدتے جاء دیگر کس است

آرام دنیوی کے ہزار سال مثلِ یک ساعت ہیں۔ اور عذاب کی ایک ساعت مثلِ ہزار سال ہیں۔ تمام اِطاعتوں سے افضل اطاعت ادب و احترام کے ساتھ محبّتِ نبی ہے اور احسنُ الحسنات توحیدِ الٰہی ہے۔ تقویتُ الیقین کی دولت عبادتِ قرآنی سے حاصل ہوتی ہے اور اتباعِ حقیقی کی دولت اطاعتِ احادیث سے حاصل ہوتی ہے کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔ اہلِ جنت کا لباسِ معرفت ہے۔ عارفین کا لباس دو قسم کا ہے ایک عروۃُ الوُثقیٰ دوم معنیٔ حقیقت۔ جنتِ اسرار چار قسم کی ہے ۱ جنت صُوری ۲ جنت معنوی ۳ جنتِ قلبِ مطیع ۴ جنتِ روحِ حیات جن میں انوار کی کلیاں، اسرار کے پھل، تجلیات کی خوشبوئیں ہیں۔ عابدین کے لیے جنت صُوری خوش قسمت ہے وہ بندہ جس کو احراق ملے تو نارِ عشق کا استغراق ملے تو بحرِ توحید کا نجات ملے تو بقاءِ دائمی کا کنارہ ملے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ؕ يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا۔ اے بندۂ اسرار وادیِ محبّتِ الٰہی میں نہ بے رخی کا عِوَج ہے نہ فنا کا اَمْتًا ہے۔ جب مکاشفاتِ قبورِ باطن کا محشر قائم ہوتا ہے تو ہر سالک مرید داعی اِلی الحق کی پکار پر دوڑتا چلا جاتا ہے۔ یہ اسرارِ بے خودی کا وہ مقام ہے جہاں خودی کے نعرے مارنے والے صفاء کی زبانیں گونگی ہو نٹ لرزتے۔ اجسام تھراتے ہیں اور خودی کو بلند کرنے کے سب دعوے فنا ہو جاتے ہیں بہ خودی کی نفسانی چیخ و پکار صرف دنیا میں دنیا سازی ہے۔ مقامِ بیخودی میں لَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا کسی کی کوئی آواز نہیں ہے صرف تارِ انفاس میں اِلَّا ھُوَ کی سانسیں اور دل کی دھڑکنوں کی سراسر صٹے ہوگی ؎

خودی والا اگر وہ شخص ہوتا اس زمانے میں   تو میں بھی اُس کو سمجھاتا مقامِ بیخودی کیا ہے

خودی جبال ہے جس کو نسفًا کر دیا جائے گا۔ بیخودی زمین ہے جس کو قاعًا صفصفًا کی شان دی جائے گی۔ خودی کو نسفًا کی ذلت بیخودی کو صفصفًا کی عزت ہے۔ خودی خود پسندی ہے۔

بیخودی حق پسندی ہے۔ خودی۔ خود چڑھنا ہے جس کا انجام گرنا ہے۔ بیخودی چڑھایا جانا ہے جس کا انجام ترقی ہے خودی میں فرعونیت کا عروج اور سامریت کا اُمنڈا ہے بیخودی عاجزی وانکساری کا لاعوج لہٗ ہے۔ خودی میں شورِ شیطان ہے۔ بیخودی میں خَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ ہے۔ خودی میں جھوٹے دعووں کا نعرۂ کذبا ہے بیخودی میں خوفِ الٰہی کا اِلَّا ھَمْسًا ہے خودی وہ آگ ہے کہ دانہ اس میں جا کر اچھل کودتا اور بلند ہونا چاہتا ہے انجام کار جل بھن جاتا ہے بیخودی وہ خاک ہے کہ دانہ خاک میں جا کر گل وگلزار ہوتا ہے

یہ ہیں وہ آٹھ فرق جو خودی اور بیخودی میں ہیں مولیٰ تعالیٰ ہر مسلمان کو خودی کے دامِ ابلیسی سے بچائے آمین صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ دنیوی زندگی میں جس مردِ مومن کی عادت پاسِ انفاس اور ذکرِ الٰہی کی قائم ہوگی تو وہ میدانِ محشر کی اس ہوش رُبا خاموشی میں بھی نہ گھبرائے گا۔ کیونکہ اُس کا ذکرِ الٰہی وہاں بھی جاری ہوگا اس کی دنیوی عادتِ خاموشی اُس کے کام آئے گی۔ لیکن جو لوگ دنیا میں ذکر و فکر سے غافل شور و غل پر مائل اور عادی ان کی وہاں مصیبت ہوگی۔ اس لیے ہر مسلمان کو چاہیئے کہ خاموشی تنہائی خلوت گزینی پاسِ انفاس اور ذکرِ الٰہی کی عادت دنیا میں ہی بنالے انشاء اللہ تعالیٰ یہ عادت قبر حشر میں کام آئے گی۔ آج کے دور میں پیری مریدی بہت ہے مگر آداب و طریقہ نہ پیر کو یاد نہ مرید کو۔ پیر میں دنیا سازی کی ہوس آرام طلبی کی عادت۔ مرید میں جلد بازی کی طلب نہ اِدھر ذوق نہ اُدھر شوق۔ جسم دبوانے کی عادت بھی خواہشاتِ نفسانی میں سے ہے۔ مشربِ صوفیا میں ہر دنیوی عادت جبلتِ شیطانی ہے اور راہِ معرفت کی رکاوٹ کسی چیز کی عادت نہ بناؤ اگرچہ وہ شرعاً جائز ہی ہو۔ بندہ اپنے آپ کو مسافر سمجھے اور مسافر کے لیے کوئی بھی عادت بڑی مصیبت اور فتنہ ہے۔ عادت ڈالنے سے پانچ خرابیاں پیدا ہوتی ہیں (۱) رکاوٹ (۲) تھکاوٹ (۳) بناوٹ (۴) لگاوٹ (۵) گراوٹ۔ عادت ڈالنے سے عقل میں رکاوٹ جسم میں تھکاوٹ اعمال میں بناوٹ۔ نفس میں لگاوٹ اور قلب میں گراوٹ پیدا ہوتی ہے کیونکہ جب کبھی عادت کی چیز نہ ملے تو عقل ناکارہ بدن تھکا ماندہ اعمالِ عبادت بناوٹی کسلمندی سے نفس عادت میں لگا ہوا۔ قلب پژمردہ ہو جاتا ہے۔ شیطان آسانیاں ڈھونڈتا ہے۔ قلب محنت کا متلاشی ہمت والے مرد آسانیوں کی طرف مائل نہیں ہوتے ؎

رہروانِ راہِ منزل تھک نہ جانا راہ میں   لذتِ صحرا نوردی دوریِ منزل میں ہے

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ

اُس دِن فائدہ نہ دے گی کوئی سفارش مگر

اُس دن کسی کی شفاعت کام نہ دے گی مگر

أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ﴿۱۰۹﴾

اجازت دے گا جس کو اللہ رحمٰن اور اچھا لگیگا جس کا کلام

اُس کی جسے رحمٰن نے اذن دیدیا ہے اور اُس کی بات پسند فرمائی

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

جانتا ہے وہ اللہ اُن تمام کو جو اُن کے سامنے ظاہر ہے اور اُن کو جو اُن سے غائب ہے

وہ جانتا ہے جو کچھ اُن کے آگے ہے اور جو کچھ اُن کے پیچھے

وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَعَنَتِ

اور نہیں گھیر سکتے وہ لوگ اُس ذات کو اپنے علم میں۔ اور ذلت و شرمندگی

اور اُن کا علم اُسے نہیں گھیر سکتا۔ اور سب منہ

الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ ۖ وَقَدْ خَابَ مَنْ

سے جھکے ہوں گے وہ چہرے اللہ حی و قیوم کے حضور اور خراب ہو گا وہ

جھک جائیں گے اُس زندہ قائم رکھنے والے کے حضور۔ اور نامراد رہا جس نے

حَمَلَ ظُلْمًا ﴿۱۱۱﴾

جس نے ظلم کمایا ہے

ظلم کا بوجھ لیا

تعلقات ان آیت کریمہ کا پچھلی آیت کریمہ سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں کفار کا طلب شفاعت کے لیے پیچھے دوڑنے کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں شفاعت کرنے والوں کا تذکرہ ہے کہ کس کی شفاعت معتبر ہے اور کس کی غیر معتبر دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں میدان محشر کا ایک نقشہ کھینچا گیا کہ خشیت الٰہی سے سب کی آوازیں پست اور انتہائی دھیمی ہوں گی۔ اب ان آیت میں قیامت کا دوسرا نقشہ کھینچا جا رہا ہے کہ سب کے چہرے بھی جھکے ہوں گے۔

تفسیر نحوی يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا۔ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا۔ یَوْمَئِذٍ اسم ظرف زمانی مرکب اضافی ظرف مقدم ہے لَا تَنفَعُ۔ باب فَتَحَ کا مضارع مستقبل منفی واحد مؤنث غائب نَفْعٌ سے مشتق ہے بمعنی فائدہ دینا۔ کام بنانا اَلشَّفَاعَةُ۔ اسم معرف باللام مصدر ہے آخر میں تِ مصدریہ ہے شَفْعٌ سے بنا ہے بمعنی سفارش کرنا بچانا۔ دلوانا۔ کام بنوانا۔ یہ فاعل ہے۔ لَا تَنفَعُ اپنے فاعل اور ظرف سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مستثنیٰ منہ ہوا۔ اِلَّا حرف استثنیٰ اَذِنَ باب سَمِعَ کا ماضی مطلق مثبت معروف واحد مذکر غائب لَہٗ لام جارہ تعدیہ کا ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مجرور متصل اس کا مرجع ذھنی ہے مراد ہے شفیع اَلرَّحْمٰنُ فاعل ہے یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ رَضِیَ باب سَمِعَ کا ماضی مطلق مثبت معروف ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ہے اَلرَّحْمٰن لَہٗ یہ جار مجرور متعلق ہے قَوْلًا اسم مفرد مصدر جامد حاصل مصدر بمعنیٰ بات یا پورا کردار یعنی عملی زندگی یہ تمیز ہے ہٗ ضمیر کی یا مفعول بہ ہے رَضِیَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا دونوں مل کر مستثنیٰ ہوا لَا تَنفَعُ کے جملے کا دونوں مل کر جملہ استثنائیہ ہو گیا خیال رہے کہ اَذِنَ اور رَضِیَ دونوں ماضی بمعنیٰ مستقبل ہیں یَعْلَمُ باب سَمِعَ کا مضارع واحد مذکر غائب اس کا فاعل ضمیر صیغہ ھُوَ ہے مرجع اَلرَّحْمٰن ہے مَا موصولہ بَیْنَ اسم ظرف مکانی مضاف ہے اَیْدِیْ جمع مکسر ہے یَدٌ کی بمعنیٰ ہاتھوں کے درمیان مراد ہے سامنے ھِمْ ضمیر جمع کا مرجع مجرمین ہے مضاف الیہ ہے یہ ڈبل مرکب اضافی صلہ ہے دونوں مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ مَا موصول خَلْفَ اسم مفرد جامد مضاف بمعنیٰ پیچھے مراد ہے غائبانہ افعال و اعمال و اقوال یہ مرکب اضافی صلہ ہو کر دونوں معطوف ہوئے دونوں عطف مل کر مفعول بہ ہوا یَعْلَمُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا واؤ سے جملہ لَا یُحِیْطُوْنَ باب افعال کا مضارع منفی معروف حال جمع مذکر غائب حَوْطٌ سے بنا ہے بمعنیٰ گھیرنا مصدر ہے اِحْوَاطٌ اور اِحَاطَةٌ گھیرنا پانچ قسم کا ہے (۱) احاطہ مکانی جیسے زمین

گھیرنا ۲؎ احاطہ نگرانی یعنی مکمل حفاظت چاروں طرف سے بچانا ۳؎ احاطہ منع چاروں طرف سے روک دینا ۴؎ احاطہ قوت وقدرت یعنی مکمل قابو کر لینا یا قابو پا لینا ۵؎ احاطۂ علمی یعنی پوری معلومات حاصل کر لینا یہاں اسی کی نفی ہے بِ جارہ تعدیہ (مفعولیت) کا بمعنی کو۔ ہٖ ضمیر کا مرجع اَلرَّحْمٰنُ ہے یہ جار مجرور متعلق ہے عِلْمًا۔ اسم مفرد جامد حاصل مصدر مفعول فیہ ہے لَا يُحِيْطُوْنَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا۔ واؤ نسر جملہ عَنَتِ باب نَصَرَ کا ماضی مطلق بمعنی مستقبل مثبت معروف واحد مؤنث غائب عَنْوٌ سے مشتق ہے بمعنی ذلت سے جھکنا۔ شرمندگی سے منہ لٹکنا اَلْوُجُوْهُ اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے وَجْهٌ بمعنی چہرہ فاعل اسم ظاہر ہے اس لیے عَنَتِ جمع نہ آیا واحد آیا مگر ترجمہ جمع کا ہو گا لِلْحَيِّ لام حرف جر تعلیلیہ بمعنی لیئے یا بمعنی اعند حَیّ اسم مفرد جامد صفاتی خصوصی نام ہے اللہ تعالیٰ کا لازم بھی ہوتا ہے متعدی بھی یہاں متعدی ترجمہ کرنا زیادہ اچھا ہے یعنی زندہ رکھنے والا اَلْقَيُّوْمُ۔ اسم مفرد صیغہ صفت مبالغ کے لیے بر وزن فَيْعُوْلٌ۔ قوم سے مشتق ہے یہ لازم بھی ہوتا ہے اور متعدی بھی بمعنی قائم رہنے والا قائم رکھنے والا لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ کی ترکیب نحوی میں تین قول ہیں ۱؎ یہ اضافت بیانیہ ہے اور قیوم بیان اور وضاحت ہے حَیّ کی ۲؎ یہ دونوں موصوف صفت ہیں ۳؎ یہ دونوں مُبْدَلٌ مِنْہُ اور بدلُ الکل ہیں یہ دونوں مجرور ہو کر متعلق ہے عَنَتِ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ نسر جملہ قَدْ خَابَ باب ضَرَبَ کا فعل ماضی قریب مثبت معروف واحد مذکر غائب۔ خَيْبٌ سے مشتق ہے بمعنی خراب یا رسوا یا ناکام ہونا۔ مَنْ اسم موصول حَمَلَ باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق بمعنی ماضی قریب مثبت معروف واحد مذکر غائب هُوَ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل ہے مرجع مَنْ ہے ظُلْمًا۔ اسم مفرد حاصل مصدر جامد بمعنی بلاوجہ نقصان کرنا۔ مفعول بہ ہے حَمَلَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر صلہ ہوا مَنْ کا دونوں مل کر فاعل ہوا خَابَ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ خیال رہے کہ ان آیت میں تمام افعال بمعنی مستقبل ہیں سوائے مَنْ حَمَلَ کے کہ وہ ماضی قریب کے معنی میں ہے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔

تفسیر عالمانہ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا۔ قیامت کی چھ بیان کردہ خصوصیات میں سے چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اس دن کسی شخصیت کی کوئی شفاعت کسی مجرم کو کوئی فائدہ نہیں دے گی نہ سفارش میں نہ حمایت میں نہ بچا سکے نہ چھڑا سکے نہ معافی دلا سکے ہاں البتہ اس برگزیدہ اور مقبول بارگاہ باری شخصیت کی شفاعت سفارش قبول ہو گی جو بھی

صحیح اور درست شفاعت کرے اسی کو شفاعت کرنے کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ہوگی اُسی پسندیدہ بندے کی شفاعت رضاءِ الٰہی کے مطابق ہوگی اور مجرم کے حال کے مناسب بھی شفاعت کا لغوی معنیٰ ہے کسی کا کسی سے جڑنا۔ تعلق پیدا کرنا۔ اصطلاحی معنیٰ ہے کسی اعلیٰ شخصیت کا ادنیٰ شخص سے تعلق رکھنا اُس کی مدد کرنے اور جائز طریق پر مصیبت سے چھڑانے کے لیے۔ جب کہ مصیبت زدہ اس شفاعت کی طلب بھی کرے اور لائقِ شفاعت بھی ہو۔ قیامت میں نالائق کی شفاعت کوئی نہیں کر سکتا۔ اصطلاحی شفاعت کی تین صورتیں ہیں ۱۔ کسی کو بچانا مصیبت اور تکلیف سے ۲۔ چھڑانا قیدِ عذاب و جہنم سے ۳۔ نیکی کی طرف داری کرنا اچھائی سے یہاں اصطلاحی معنیٰ ہی مراد ہے قیامت کی شفاعت میں پانچ شرطیں ہیں۔ پہلی یہ کہ شفیع مومن متقی مقبولِ بارگاہ ہو دوم شفیع اپنے مشفوع کے تمام حالات و اعمال و کیفیات اور خطاء گناہ سے واقف ہو۔ اور یہ بھی جانتا ہو کہ یہ مشفوع بارگاہِ الٰہی کی شفاعت کے لائق ہے یا نہیں صرف ایسا ہی شفیع شفاعت کر سکے گا اور اسی کو ہی شفاعت کا اذنِ الٰہی ملے گا بغیر اذنِ الٰہی کوئی بھی شخص اپنی مَن مرضی سے کسی کی شفاعت نہیں کر سکتا نہ سچی نہ جھوٹی نہ غلط نہ صحیح۔ سوم یہ کہ مشفوع بھی مومن ہو کافر نہ شفیع بن سکے نہ مشفوع۔ چہارم یہ کہ مشفوع حق العبد کا ظالم غاصب گناہگار نہ ہو صرف حق اللہ کے گناہِ صغیرہ کبیرہ والے کی شفاعت ہوگی۔ پنجم یہ کہ شفیع اتنا علم شعور اور فراستِ قلبی رکھتا ہو کہ ہر گناہ گار تعلق دار کے ظاہری باطنی عمل و ارادۂ قلبی کو جانتا ہو۔ قیامت کی شفاعت دنیوی سفارشوں کی طرح نہ ہوگی۔ کہ ہر شخص منہ اٹھا کر اپنی سرداری چوہدراہٹ۔ یا رشتے داری کی ناز برداری یا امیری کی دھونس کا سہارا لے کر بلا استحقاق ہر کس و ناکس کی شفاعت پر چلا آئے۔ قیامت میں کوئی ایسی جرأت نہیں دکھا سکتا۔ شفاعت دنیا آخرت میں بڑا نازک مسئلہ ہے اسی لیے رب تعالیٰ نے شفاعتِ قیامت کا قرآنِ مجید میں جتنی دفعہ بھی ذکر فرمایا ہے بے شمار قیود و شرائط کے ساتھ فرمایا۔ تاکہ دنیوی عدالتوں کو عبرت و بصیرت حاصل ہو اور اندھا دھند سفارشوں حمایتوں کا دروازہ بند ہو۔ ذرا سی بھول چوک اور مجرم کے حالات سے بےخبری سینکڑوں قسم کی خرابیاں اور ظلم پیدا کر کے عدالتوں کا ستیاناس بلکہ ملکی سلطنتی امور تباہ و برباد ہو کر ظلم کا دور دورہ اور جرائم پر دلیرانہ بھرمار ہو جاتی ہے۔ سفارش اچھی چیز ہے مگر جب کہ حقدار کو ملے قیامت میں سفارش ہوگی شفاعت کا دروازہ کھلا ہوگا مگر شفاعت کرنے کے لیے سخت قسم کی پابندیاں ہیں جن کا ذکر قرآنِ کریم میں بار بار فرمایا گیا اور ہر شخص کو سنایا گیا۔ واضح بتایا گیا کہ کون شفاعت کر سکتا ہے کس کی کر سکتا ہے۔ شفاعت کے لیے شفیع کا عالم و واقف ہونا پہلی

شرط ہے۔ تفسیر روح البیان نے آیت الکرسی کی تفسیر میں فرمایا کہ۔ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ سے مراد
شفاعت کرنے والے کا معلوماتی علم ہے کہ شفیع جانتا ہے مجرم و مشفوع کے حالات ایسے ہی
شفیع کو شفاعت کی اجازت ہوگی۔ کوئی شخص اپنے علم اور مشفوع کے استحقاق و لیاقت کے بغیر بارگاہِ
الٰہیہ میں یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ یا اللہ فلاں شخص چونکہ میرا عزیز یا دوست ہے یا میرا خاص آدمی
ہے تو اس کو معاف کر دے اگرچہ اُس مشفوع نے دنیا میں کتنے ہی ظلم جرم۔ غرور اکڑ بازیاں کی ہوں
اور اللہ سے دور عبادت سے نفور توبہ سے غرور کیا ہو۔ اسی لیے دنیا میں جس کو رب نے
یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ کی معلوماتی قوت بخشی ہوگی قیامت میں بس اُس کو ہی
مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ کا مقام ملے گا۔ دنیا میں جس نے محبوبیتِ الٰہیہ کی طلب و سعادت حاصل
کی ہوگی قیامت میں بس اُسی کو رَضِیَ لَهٗ قَوْلًا کا انعام ملے گا۔ یعنی وہ شفیع اپنے علوم غیبیہ یا
یا شعور تعلقیہ یا فراستِ ایمانیہ۔ یا مشاہداتِ نظریہ اور تجرباتِ عقلیہ سے جانتا ہو کہ مجرم کون
ہے کہاں کا ہے جرم کیا ہے کیسا ہے۔ قابلِ شفاعت ہے یا نہیں۔ جرم گیارہ قسم ہیں۔ گناہ صغیرہ
کبیرہ۔ جرم۔ کفر۔ ظلم۔ ضد۔ غرور۔ حقوق العباد۔ حقوق اللہ۔ دنیا میں مائل بہ توبہ یا آخر دم تک
اکڑ بازی رہا۔ سورۂ انبیا آیت ۲۸ میں اسی جانب اشارہ ہے کہ لَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی۔
یعنی شفیع المذنبین صرف اسی کی سفارش فرمائیں گے جس کے متعلق جانتے ہوں گے کہ اس
گناہگار خطاکار عاصی بدکردار نے دنیوی زندگی میں گناہوں کے ساتھ ساتھ ایسی نیکیاں عجز
انکساری بھی کی ہیں کلمہ ایمانیہ اور شرمندگی کے آنسو بھی کبھی بہائے ہیں جن کے طفیل اُس غفور الرحیم
مولیٰ تعالیٰ کی رضا بھی حاصل کر لی ہے۔ سورۂ مریم آیت ۸۷ میں یہ ارشاد فرمایا گیا کہ شفاعت صرف
وہ کر سکتا ہے جس نے اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا۔ اپنے کردار اعمال تقویٰ طہارت خشیت
عبادت علم عقل دانائی ادب و عجز سے اپنی زندگی کو ایسا پاکیزہ و محترم بنالیا ہو کہ اللہ کی بارگاہ میں محبوب
و معتبر ہو کر شفاعت کی ذمہ داری نبھانے کا عہد بنالیا۔ اور لَا یَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ
وَقَالَ صَوَابًا (سورۂ نبا آیت ۳۸) شفاعت وہ کر سکتا ہے جو آدابِ بارگاہِ الٰہیہ کو جانتا
سمجھتا ہو سرکارِ قدسی کے حضور درست بات کر سکے جانتا ہو کہ کس گناہگار کی کس قسم کی سفارش
عرض کرنی ہے۔ معافی کی التجا یا تخفیفِ سزا کی بچانا ہے یا چھڑانا۔ رعایت کرانی ہے یا عنایت
جس کا اتنا وسیع علم و دانش ہوگا بس وہی شفیع ہو سکتا ہے جس کو رب کی بارگاہ میں بات کرنے کا
سلیقہ ہو قرآن مجید کی بیان کردہ ان سفارشی پابندیوں سے ہی پتہ لگ جاتا ہے کہ شفاعت کس

اہم وسخت ذمہ داری ہے۔ اور ان ہی فرمودات قرآنیہ سے یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو علم غیب عطا فرمایا جس سے وہ دنیا میں ہی اپنی اپنی امت کے پورے حالات عملیات کیفیات جان لیتے ہیں اور شفاعت محشر کے لیے یہ علوم غیبیہ نہایت ضروری ہیں اگر نبی غیب سے بے خبر ہو تو شفاعت کر ہی نہیں سکتا حالانکہ شفاعت کا پہلا دروازہ نبوت پر ہی کھلے گا۔ ہر شفیع کے لیے یہ تمام معلوماتی شرائط دنیا میں ہی معلوم ہوں گی اس طرح کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو علم غیب یعنی اپنی امت کے حالات علم غیب سے معلوم ہوں گے سورۃ آل عمران آیت ۴۹ میں عیسیٰ علیہ السلام کا فرمانا۔ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ (الخ) اسی یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ۔ کا اظہار ہے۔ مومن کو فراست علمی سے قرابت داروں کو نسبت قرب سے وغیرہ وغیرہ۔ موجودہ دور کے ایک گمراہ اردو مفسر نے لکھا ہے کہ فرشتے ہوں یا انبیاء اولیاء کسی کو بھی معلوم نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے کہ کس کا ریکارڈ کیسا ہے کون دنیا میں کیا کرتا رہا اور اللہ تعالیٰ کی عدالت میں کس سیرت و کردار اور کیسی کیسی ذمہ داریوں کے بارے کر آیا ہے۔ (الخ) ایسی حالت میں یہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ ملائکہ اور انبیاء صلی اللہ علیہم وسلم کو سفارش کی کھلی چھٹی دے دی جائے اور ہر ایک جس کے حق میں جو سفارش چاہے کر دے۔ انبیاء علیہم السلام کے متعلق یہ گستاخیاں کر کے آخر میں لکھا ہے کہ ایسی بونگی سفارشیں کرنے کی وہاں اجازت نہ ہوگی۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) پھر لکھتا ہے کہ ایک معمولی افسر اگر اس طرح ہر دوست کی سفارش سننے لگے تو ملکے کا ستیاناس کر کے رکھ دے پھر بھلا زمین و آسمان کے فرماں روا سے یہ کیسے توقع کی جا سکتی ہے۔ آگے وہ مفسر لکھتا ہے کہ خدا کے ہاں شفاعت کا دروازہ بند نہ ہوگا نیک بندوں کو آخر میں ہمدردی کرنے کا موقعہ دیا جائے گا۔ لیکن (طریقہ یہ ہوگا) کہ وہ سفارش کرنے سے پہلے اجازت طلب کریں گے اور جس کے حق میں اللہ انہیں بولنے کی اجازت دے گا صرف اسی کے حق میں وہ سفارش کر سکیں گے۔ یہ تھی اس مفسر کی احمقانہ تفسیر بالرائے کی وہ چند جھلکیاں جو قرآن مجید کی آیت کے بھی خلاف ہے اور احادیث مشہورہ معتبرہ متواترہ کے بھی۔ میں کہتا ہوں کہ یہ تفسیر ہے یا نادانی کی تخریب کاری گویا کہ مفسر مذکور کہنا یہ چاہتا ہے کہ شفاعت کرنے والے کو کچھ معلوم نہیں ہوگا کہ کس کی شفاعت کرنی ہے اللہ تعالیٰ خود فرمائے گا کہ آؤ فلاں فلاں کے لیے شفاعت کرو یعنی رب پہلے خود ہی ان مجرموں کو سزا سنائے گا اور پھر خود ہی ان کے لیے شفاعتی تلاش فرمائے گا۔ منشا یہ کہ میں پکڑتا جاؤں تم چھڑواتے جاؤ۔ کیسی احمقانہ اختراع اور بناوٹ ہے اگر دنیا میں کوئی بھی عدالت قاضی یا جج اس طرح کرے کہ پہلے

تو مجرموں کو سزا سنا دے اور پھر خود ہی پکارے کہ اے لوگو اس مجرم کی سفارش کرو میرے ہاتھ سے اِس کو بچا لو میری سزا سے چھڑا لو تو عام ذہن یہی سوچے گا کہ یہ عدالت کی کارروائی ہے یا ڈرامہ بازی۔ مفسر مذکور نے بھی شفاعتِ محشر کو اسی قسم کی ڈرامہ سازی بنا کر صرف اپنا ہی ایمان نہ گنوایا بلکہ رب تعالیٰ کی بھی گستاخی کا ارتکاب کیا۔ اور پھر یہ کہنا کہ انبیاء صلحا و ملائکہ وغیرہ کو پتہ اور علم تو کچھ نہیں لیکن وہ شفاعت کی اجازت طلب کریں گے۔ یہ مزید احمقانہ بات ہے۔ کیونکہ جب کسی نبی ولی کو علم ہی نہیں تو اجازت کس ارادے سے طلب کریں گے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے اگلے ارادے کو بھانپ کر اجازت طلب کریں گے تو یہی اُن کا علم غیب ہی ہوا۔ اور جو نبی ولی میدانِ محشر کے ہزار سالہ دراز دن کی مدت میں اللہ تعالیٰ کے مخفی ارادۂ شفاعت اور خواہش کو جان سکتا ہے وہ دنیا کی تھوڑی عمر میں لوگوں کے اعمال و کردار اور مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ کو کیوں نہیں جان سکتا دراصل اِن حمقاءِ زمانہ نے قرآن و حدیث کے بیان کردہ منشاءِ شفاعت کو ہی نہیں سمجھا ظالموں کے ہاتھ قلم لگ گیا ہے جو چاہا لکھا ظلم کمایا۔ نہ خوفِ خدا نہ شرمِ نبی۔ وہابیت بھی عجیب مذہب ہے۔ کہ اگر نبی کی تعریف کرو تو اُن کو خدا کا غم کھائے جاتا ہے کہ ہائے ہمارے خدا کے پاس کچھ نہ چھوڑا اور اگر ولی اللہ کی تعریف کرو تو نبی کے خیر خواہ بن جاتے ہیں یہاں بھی مفسر مذکور خدا کی خیر خواہی جتا رہا ہے۔ حالانکہ شفاعت کی یہ نوعیت قطعًا نہیں جو مفسر مذکور نے یہاں ڈرامائی انداز میں بیان کی بلکہ شفیع مشفوع۔ شفاعت کی اقسام طریقہ و شرائط جو قرآن و حدیث نے بیان فرمائیں اس طرح ہیں۔

شفاعت کا بیان

قرآنِ کریم کی تقریبًا اٹھارہ ۱۸ آیات میں اور احادیث کی کتب صحاحِ ستہ میں تقریبًا چھیاسٹھ ۶۶ احادیث مبارکہ میں شفاعتِ محشر کی دس شرطیں (پابندیاں) اور اٹھارہ طریقے بیان فرمائے گئے ہیں پانچ شرطیں شفیع میں ۱ علمی علومت رکھتا ہو ۲ مومن متقی مقبولِ بارگاہ ہو ۳ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَھْدًا۔ ہو ۴ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ ہو ۵ وَقَالَ صَوَابًا۔ ہو۔ مشفوع میں بھی پانچ شرطیں ہیں ۱ مومن ہو کافر نہ ہو ۲ گناہِ صغیرہ یا کبیرہ کا فاسق و فاجر ہو۔ اللہ تعالیٰ سے بے خوف بے تعلق نہ ہو ۳ کچھ ایسے عمل بھی کئے ہوں جس سے رضاءِ الٰہی حاصل ہو ۴ حقوق العباد کا ظالم غاصب نہ ہو کیونکہ حقوق العباد کی معافی شفاعت سے نہیں کرائی جا سکتی ۵ باوجود گناہگار ہونے کے غیرتِ ایمانی عاجزی مسکینی کے ساتھ ساتھ مائل بہ توبہ ہو یعنی خود کو گناہگار سمجھتا ہو گناہ پر دلیر و مغرور نہ

۲۰ پور شفاعت کے اٹھارہ طریقے۔ ۱ شفاعت صرف وہ کر سکتا ہے جس کو اذنِ الٰہی ہو ۲ یہ اذنِ الٰہی انبیاء عظام علیہم السلام کو دنیا میں ہی دیدی گئی ہے اور مقبولُ القول انہیں کو بنا دیا گیا ہے کہ اس مرتبے کی ہستی شفاعت کریگی لہٰذا دنیا میں اپنے آپ کو اس مرتبے کا بنا کر لاؤ ۳ اذن اُس کو ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں غیب یا فراستِ ایمانی کا علم دیا ہے ۴ علم یہ کہ شفاعت کرنے والا مجرم و مشفوع کو اور اُس کے جُرم کو جانتا پہچانتا ہو ۵ جن شخصیات کو شفیع بنایا گیا ہے۔ ان میں پہلے آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پھر دیگر انبیا علیہم السلام پھر ملائکہ پھر علما پھر اولیاء اللہ پھر صُلحا پھر شہدا پھر کعبہ پھر قرآن مجید پھر مسلمانوں کے نابالغ اور کچے بچے ۶ سابقہ اُمتیں بھی بالواسطہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی اُمت ہیں اس لیے میدانِ محشر میں تمام اگلی پچھلی اُمتیں اور سب مسلمان شفاعت کے لیے آستانۂ مصطفیٰ پر ہی آخر کار آئیں گی اور اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مخلوق سے پہلے نبی بنا دیا گیا تھا جیسا کہ بروایت مستدرک حاکم ہے۔ کُنْتُ نَبِيًّا وَّ آدَمُ بَیْنَ الطِّیْنِ وَالْمَاءِ اور مشکوٰۃ شریف ص۵۱۳ پر ہے۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللهِ مَتٰی وَجَبَتْ لَكَ النُّبُوَّةُ قَالَ وَآدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِی۔ یعنی جب کہ ابھی آدم علیہ السلام کا جسدِ عنصری مٹی اور پانی میں۔ اور دور کہیں روح وجسد میں درمیانی بہت فاصلہ تھا تو میں اُس وقت بھی ہر چیز کو جانتا خبر رکھتا نبی تھا ۷ دنیا میں ملزم میں ملزم کو بچانے کے چار طریقے مروج ہیں جن میں تین طریقے ناجائز اور ایک طریقہ جائز ہے شلاً کبھی سفارش سے کہ یہ میرا خاص آدمی ہے اِس کو بلا شرط چھوڑ دو کبھی حمایت سے کہ مجرم نے جو کیا ہے صحیح کیا ہے اس کو میری وجہ سے چھوڑ دیا جائے کبھی جبر سے کہ فلاں مجرم کو چھوڑ دو ورنہ تمہارا بہ نقصان کر دیا جائے گا۔ یہ تینوں بہرحال ناجائز ہیں قیامت میں یہ نہ ہو سکیں گے یہ سراسر ظلم ہیں۔ مجرم کا حامی ہونا بذاتِ خود جرم ہے۔ چوتھا طریقہ شفاعت کا کہ فلاں گناہگار قابلِ رحم ہے اُس کو معاف کر دیا جائے ہم اس کی برائت کی فریاد کرتے ہیں۔ قیامت میں صرف اسی قسم کی شفاعت ۸ ما ذون مقبول و منظور ہوگی ۸ صرف صغیرہ گناہوں کی شفاعت ہوگی ۹ مرتد و منافق کی شفاعت نہ ہوگی کہ وہ بھی کفر میں شامل اَلْكُفْرُ مِلَّةٌ وَّاحِدَةٌ۔ کفر کسی قسم کا بھی ہو سب ایک ملت و دین ہے ۱۰ شفاعت کے اوقات تین ہیں اَوّلاً میدانِ محشر میں پھر پل صراط پر پھر جہنم میں سے نکالنے کی ۱۱ شفاعت پانچ قسم کی ہوگی پہلی شفاعت سختیِ محشر دور کرنے کے لیے اس کا فائدہ کفار کو بھی خود بخود پہنچ جائیگا دوسری گناہوں کی معافی کے لیے یہ دونوں صرف انبیاء کرام علیہم السلام فرمائیں گے۔ اپنی اُمتوں کے

گناہوں کی معافی کے لیے تیسری شفاعت بلندی درجات کے لیے یہ بھی انبیا عرض فرمائیں گے چوتھی جہنم سے نکالنے کے لیے پانچویں تخفیفِ عذاب کے لیے یہ شفاعت دیگر شفعا بھی کریں گے اور انبیاء علیہم السلام بھی ۱۲ نبی کریم کا حالاتِ امت کا علم بھی تمام انبیاء سے زیادہ ہے کیونکہ آپ کی اُمت بہت وسیع ہے اسی لیے خلیل و نجی مسیح و صفی سبھی سے کہتے پھرے کہیں نہ بنی ✻ یہ بے خبری کہ خلق پھری کہاں سے کہاں تمہارے لیے ۱۳ مسئلۂ شفاعت انبیا اولیا اور مقبولین محبوبین کی شان ظاہر فرمانے کے لیے بنایا گیا ہے خاص کر آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شان دیکھو دنیا میں ہیں یہ سب باتیں بنا دی گئیں مگر قیامت میں بھول کر ہر آستانے پر دوڑتے پھریں گے اور کسی نبی کو بھی آستانۂ حبیب یاد نہ آئے گا یہی منشاءِ قدرت ہے کہ ذرا بھاگ لیں ؎

فقط اتنا سبب ہے انعقادِ بزمِ محشر میں کہ اُن کی شانِ محبوبی دکھائی جانے والی ہے

۱۴ ہر نبی علیہ السلام کو دنیا میں ہی اپنی پوری امت کے مکمل حالات کا علم ہے اور وہ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ کے مکمل حامل ہیں۔ اسی وجہ سے چونکہ وہ غلط شفاعت کر سکتے ہی نہیں انبیاء سے معمولی لغزش و خطا بھی محال ہے اسی لیے ان کو قیامت میں ہر شخص کی ہر قسم کی شفاعت کرنے کی مکمل کھلی چھٹی و اختیار رہے۔ اور آج ہی اِذنِ عام ہے ۱۵ نبی کریم کا علم اور آپ کی معلومات وسیع تر ہے اس لیے آپ کی شفاعت بھی وسیع تر ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے شافع اور شفاعت کا دروازہ کھولنے والے ہیں آپ کے بعد دیگر انبیاء علیہم السلام شفاعت ادا کرنے کی اجازت طلب کریں گے ۱۶ پھر رب تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا تم بھی جن گناہگار مومنوں کی شفاعت کرنا چاہتے ہو کرو تب وہ اپنی پسند و اختیار سے اپنی معلومات کے مطابق شفاعت عرض کریں گے جو قبول ہو گی اور فرشتے گناہگاروں کو جہنم سے نکالیں گے ۱۷ پھر اولیا علما شہدا صلحا اپنی اپنی فراستِ ایمانی کے مطابق اپنے قبیلے والوں عزیزوں اور تعلقِ دینی والوں کو پہچان کر قابل بخشش و معافی ذنلانی لوگوں کے لیے شفاعت عرض کریں گے ۱۸ بروزِ قیامت بندے چھ قسم کے ہوں گے۔ تین قسم کے وہ جن کی شفاعت ہو گی۔ گناہِ صغیرہ اور گناہِ کبیرہ والے بھول چوک لغزش خطا غلط اعمال کسلمند لوگ تین قسم کے وہ جن کی شفاعت کوئی نہ کرے گا۔ کافر منافق گستاخ و گمراہ و متکبر۔ یہ تمام باتیں قرآن و حدیث میں موجود اور ثابت ہیں۔ یہ کہیں بھی ثابت نہیں کہ رب تعالیٰ مجرمین کی نشاندہی خود فرمائے گا کہ اے انبیاء اولیا میں بتاتا جاتا ہوں تم اُن کی مجھ سے شفاعت کرتے جاؤ یہ اختراع صرف منکرینِ شفاعت وہابیوں کی ہے اور اس قسم کی تفسیریں کرنی در پردہ شفاعت کا

انکار ہے۔ قرآن وحدیث سے یہی ثابت ہے کہ شفاعت شفعا کی اپنی معلومات دنیوی پر ہوگی اور شفاعت صحیحہ حقیقہ کا منشا بھی یہی ہے۔ یَعْلَمُ کے بارے میں مفسرین کے دو قول ہیں پہلا جمہور مفسرین کا قول کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے بندوں کے اعمال مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ اور بندوں کے کردار وَمَا خَلْفَهُمْ یا قیامت کے حالات مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ ہیں اور دنیا کے حالات وَمَا خَلْفَهُمْ ہیں یا اقوال ظاہری مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ اور قلبی ارادے وَمَا خَلْفَهُمْ ہیں۔ یا دنیوی کام مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ ہیں اور دینی کام وَمَا خَلْفَهُمْ ہیں۔ یا بندے کے اعمال مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ ہیں اور ان کی جزا سزا وَمَا خَلْفَهُمْ ہیں یا حالات موجودات مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ ہیں اور ماضی ومستقبل کے پوشیدہ حالات وَمَا خَلْفَهُمْ ہیں۔ غرضکہ رب تعالیٰ ہر طرح ہر چیز کو جانتا ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں چونکہ شفاعت کا ذکر ہے اس لیے یہاں یَعْلَمُ کا تعلق شفاعت کرنے والے سے ہے اور علم سے مراد مشفوع کے مَا بَیْنَ اور مَا خَلْفَ حالات کا علم ہے۔ اور یَعْلَمُ کو بعض نے جملہ خبریہ بنایا کہ وہ شفیع اپنے مشفوع کے ظاہری اعمال حالات بھی جانتا ہے اور خفیہ باطنی بھی۔ مگر بعض نے یَعْلَمُ کو جملہ انشائیہ بنایا ہے اور معنیٰ اس طرح کئے کہ شفاعت صرف وہ شخص کرے گا جس کو رب رحمٰن شفاعت کی اجازت دے گا اور اس کی بات سے راضی ہوگا۔ بشرطیکہ وہ شفیع جانتا ہو۔ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ اس قول سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہاں مراد صرف حالاتِ مشفوع کا جاننا ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں بروایت بخاری حدیث پاک منقول ہے۔ آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آج دنیا میں بھی میں آخری جنتی اور آخری جہنمی کو جانتا ہوں۔ اس حدیث مقدسہ کے اقتضاء سے یَعْلَمُ کا تعلق دونوں طرح جائز ہے اور امت کے مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ کو مکمل جان لینا بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا ایک جزء ہے۔ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات صفات شان وقدرت علم ومعلومات کو کوئی بندہ اپنے علم میں گھیر نہیں سکتا نہ حقیقۃً نہ سرًّا۔ یہ جمہور کا قول ہے۔ دوسرے قول کے مطابق آیت کا معنیٰ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اپنے ہر امتی کے ہر ظاہر و پوشیدہ اگلے پچھلے اعمال احوال کو تا قیامت جانتے ہیں مگر یہ لوگ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم شفیع اول کے علم کا ذرہ بھر احاطہ نہیں کر سکتے۔ احاطہ کا معنیٰ ہے کسی چیز کے وجود اور جنس۔ کیفیت۔ غرض وغایت۔ مقصود ایجاد کُنہ۔ حقیقت کو جاننا کہ کیوں ہے کیسے ہے کس سے ہے کس کی ہے یہ علم بجز رب تعالیٰ کسی کو نہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ تو پوری کائنات کا احاطہ کر سکتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی معلومات کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا اس سے فرق ظاہر ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے یَعْلَمُ

مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ اور بندوں کے یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ ہیں۔ اسی کا ظہور قیامت کی پانچویں خصوصیت ہے۔ چھٹی خصوصیت وَعَنَتِ الْوُجُوْہُ لِلْحَیِّ الْقَیُّوْمِ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا۔ اور جھک جائیں گے تمام چہرے قلب وجگر اُس ذاتِ اقدس کی ہیبت خشیت رُعبت۔ خوف ورعب سے جو حیاتِ ابدیہ سے حَیٌّ ہے اور کائناتِ عالَم کی ہر شئی پر اور ہر شئی کے خیر وشر۔ کسب وکمال پر قیوم وغالب ہے وجہ۔ جمع ہے وَجْہٌ کی اس کا معنٰی ہے چہرہ یہاں مراد ہے پوری ذات یعنی ہر نیک وبد کافر ومومن اپنی پوری جسمانی کیفیت سے اُس کے حضور عاجز ومسکین بے بس وبے کس ہوگا۔ مومنینِ اہلِ سعادت کا جھکاؤ رغبتِ عشقِ الٰہی اور ہیبتِ ذاتِ جلال محبتِ صفاتِ جمال کی وجہ سے ہوگا اور کفارِ اہلِ شقاوت کا یہ جھکاؤ خوفِ عذاب ہیبتِ قہر۔ مایوسیِ رحمت توقعِ لعنت وپھٹکار کی وجہ سے ہوگا۔ اگرچہ سارے اعضاءِ ظاہری پر لرزہ طاری ہیبت جاری وَعَنَتِ الْوُجُوْہُ کا ظہور ہوگا مگر چہروں کا ذکر اس لیے ہے کہ اصل اظہارِ ہیبت ووحشت چہرے کے جھکاؤ رنگ بدلتے آثار چڑھاؤ سے ہی ہوتا ہے چہرے اور سر میں ہی غرور وتکبر ہوتا ہے اسی میں انسان کی پہچان اور شخصیت کا تعارف ہوتا ہے اس لیے وُجُوْہٌ بول کر ساری شخصیت مراد لی گئی یہ عَنَتِ الْوُجُوْہُ مومن کی عزت اور کافر کی ذلت کا باعث ہوگا کیونکہ مومن کا یہ جھکاؤ رکوع وسجود میں شامل کر دیا جائے گا مگر کفار صرف لرزتے ہی رہیں گے سجدہ کرنے کی کوشش کریں گے مگر نہ کر سکیں گے اور پیٹھ کے بل گر جائیں گے۔ اس طرح قَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا کا ظہور ہوگا کہ جو بلا توبہ مر گیا وہ ثواب سے محروم ہوا اور یہی اصلاً بڑا نقصان ہے اور وہی ذلیل ونقصان میں ہوگا جس نے حیاتِ دنیوی میں شرک وکفر کا ظلم اُٹھایا۔ ظلم کا لغوی معنٰی ہے کسی چیز کو غیر جگہ میں رکھنا سب سے بڑا ظلم شرک وکفر ہے کیونکہ بندہ اپنے سجدوں کو ان کی اپنی جگہ آستانۂ ربوبیت سے ہٹا کر غیر جگہ بتوں کے سامنے رکھتا ہے۔ اور سجدہ ہی سب سے بڑا عمل وعبادت ہے اسی لیے غیر اللہ کو سجدہ تعظیمی حرام وظلم ہے ظلمِ انسانی کی تین صورتیں ہیں (۱) حقوق اللہ سے ظلم (۲) حقوق العباد سے ظلم (۳) حقوق النفس پر ظلم۔ کافر ومنافق یہ تینوں قسم کے ظلم کرتا ہے۔ محشر میں عَنَتِ الْوُجُوْہُ سے مومن کو فائدہ کافر کو نقصان۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔ ابو امامہ باہلی بروایت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تین سورتوں میں اسمِ اعظم تلاش کرو (۱) سورۃ بقرہ (۲) سورۃ آلِ عمران (۳) سورۃ طٰہٰ۔ اُطْلُبُوْا اِسْمَ اللّٰہِ الْاَعْظَمَ فِیْ ھٰذِہِ السُّوَرِ الثَّلٰثِ الْبَقَرَۃِ وَاٰلِ عِمْرَانَ وَطٰہٰ۔ قَالَ الرَّاوِیْ وَالْمُشْتَرَکُ فِیْھَا اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ۔ تینوں سورتوں میں صرف اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ کے الفاظ مشترک ہیں چنانچہ بقرہ آیت ۲۵۵ آیۃ الکرسی۔ آلِ عمران آیت نمبر ۲ طٰہٰ آیت ۱۱۱ میں

جس سے ثابت ہوا کہ یہی اسم اعظم ہے۔ حی قیوم رب تعالیٰ کی خصوصی صفات ہیں اس لیے صرف اُسی کی ذات وصفات پر کبھی زوال نہیں۔ جس کی ذات وصفات پر زوال جائز ہو وہ اگرچہ فِی الحال موجود ہو مگر حقیقۃً میت سب ہے اور قیوم بجز اللہ تعالیٰ کے دوسرا کوئی کسی طرح بھی نہیں ہو سکتا۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ مومن مسلمان کے لیے اُخروی انعامات میں سے سب سے بڑا انعام شفیع یا مشفوع بنایا جانا ہے یہ مومن کی بڑی خوش نصیبی ہے یہ فائدہ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا فرمانے سے حاصل ہوا کیونکہ باری تعالیٰ نے شفاعت کے اہتمام کے ساتھ شفیع کا بھی خاص مقام بیان فرمایا ہر شخص شفیع المذنبین نہیں ہو سکتا شفیع صرف وہی ہوگا جو رَضِيَ لَهُ قَوْلًا کی شان وعزت والا ہوگا۔ بعض نے فرمایا کہ یہاں رَضِيَ لَهُ کی ضمیر مشفوع کی طرف ہے مگر یہ بات کمزور ہے۔ دوسرا فائدہ۔ شفیع کا محبوب بارگاہ ہونا شرط ہے اور مشفوع کا مومن ہونا شرط ہے۔ اے مسلمانو اگر بروز قیامت شفیع بننے کے خواہش مند ہو تو رب تعالیٰ کا محبوب بننے کی دنیا میں ہی کوشش کرو۔ اور اُن کا دامن تھام لو جن کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نام ہے اور اگر رحمتِ عالمین کی شفاعت لینے کے حق دار سعادت مند بننا چاہتے ہو تو خوش عقیدہ مومن بن کر رہو مومن بن کر مرو۔ یہ فائدہ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ اور رَضِيَ لَهُ قَوْلًا۔ فرمانے سے حاصل ہوا کہ ایک تفسیر کے مطابق مَنْ اَذِنَ سے مراد شفیع اور وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا میں مشفوع کا ذکر ہے۔ تیسرا فائدہ۔ کافر کی کوئی چیز بارگاہِ الٰہی میں پسند نہیں اور مومن کی ہر ادا پسند ہے۔ یہ فائدہ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا فرمانے سے حاصل ہوا کہ دیکھو رب تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ یا رکوع کے لیے جھکنا اچھی بات ہے مگر عَنَتِ الْوُجُوْہُ۔ کے باوجود کفار خائب وخاسر ہی ہوں گے کیونکہ ان کا یہ جھکنا بھی اب پسند نہ کیا جائے گا مگر مومنین کا یہ جھکنا بھی پسند ہوگا اور سجدوں میں شامل کر لیا جائے گا۔

احکام القرآن ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ روزِ محشر کے شفعا صرف تعلق داروں کی شفاعت کر سکیں گے کیونکہ شفاعت کے لیے مشفوع کے اعمال کردار اور نوعیت جرم کی پہچان شرط ہے اور پہچان واقفیت وتعلق داری سے حاصل ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم تمام اُمتوں کی اور دیگر انبیاء اپنی امتوں کی اولیا، علما شہدا صلحا اپنے رشتے داروں کی شفاعت فرمائیں گے کیونکہ انہی سے تعلق تو انہی سے جان پہچان اور شفاعت کے لیے ہر طرح کی جان پہچان ضروری ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ دنیوی زندگی میں ہی آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے واقفیت پیدا کرے یہ مسئلہ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ سے مستنبط ہوا۔ دوسرا مسئلہ شفاعت

کہ قرآنی قانون نے جہاں انبیا اولیا علما کی شانِ علم وعظمت بیان فرمائی اور اختیارِ خداداد کا اظہار فرمایا وہاں دنیا کے حاکموں قاضیوں ججوں کو عبرت بھی دلائی کہ اسے دنیوی عدالتوں کی کرسیوں پر بیٹھنے والو تم لوگ بھی اپنی سفارشوں شفاعتوں حمایتوں پر وہی پابندیاں لگاؤ جو قرآن وحدیث نے اخروی شفاعت پر لگائیں تاکہ تمہاری عدالتوں میں بھی کوئی کسی قسم کی غلط سفارش ناجائز حمایت نہ کر سکے ورنہ ظلم کا دروازہ کھل جائے گا۔ مجرم کا حامی ہونا بدترین جرم ہے۔ یہ مسئلہ اِلَّا مَنْ اَذِنَ۔ (الخ) اور دیگر پابندیوں سے مستنبط ہوا۔ تیسرا مسئلہ۔ دنیوی کام کتنے ہی اہم اور ضروری ہوں مگر جب تک اس میں اللہ رب العٰلمین کی رضا اور رحمۃ للعٰلمین کی ادا شامل نہ ہو وہ نفع بخش نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا ہر مسلمان کو اپنی ہر عادت عبادت ریاضت تجارت میں اللہ رسول کی رضا و ادا کو مدِ نظر رکھنا چاہیے۔ کیونکہ نفع حقیقی وہی ہے جو آخرت میں ملے کوئی کام۔ کاروبار ناجائز نہ کرنا چاہیے۔ یہ مسئلہ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ سے مستنبط ہوا۔ دیکھو دنیا میں کفار عیسائی یہودی اپنے مردوں کو دفناتے ہوئے اور آخرت میں خود اپنے لیے ہزار طرح کی دعائیں فریادیں التجائیں کر کے شفاعت چاہتے ہیں اور چاہیں گے مگر کوئی دعا فریاد نفع نہ دے گی سورۂ شعرا۔ آیت ۱۰۰ میں ہے کافر کہیں گے فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ وَ لَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ۔ اور سورۂ اعراف آیت ۵۳ میں ہے فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَا۔ یعنی ہائے افسوس آج ہمارے لیے کوئی شفیع اور حمایتی نہیں ہے۔ کاش آج ہمارے لیے بھی کوئی شفاعتی ہو جو شفاعت کرے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ کل قیامت میں کافر کا کوئی سفارشی نہ ہوگا نہ کوئی شفاعت کرے حالانکہ حدیث پاک میں ہے کہ ابولہب کو ہر پیر کے دن عذابِ قبر میں تخفیف ہوتی ہے اور وہ شہادت والی کی انگلی سے جنت کا پانی پیتا ہے مزے کرتا ہے۔ اسی طرح ابوطالب کے متعلق روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہم نے اُس کو جہنم میں پایا تو کھینچ کر باہر جہنم کے جھیرے میں کر دیا جہاں لا زمًا بہت خفیف عذاب ہے۔ تو یہ شفاعت ہو گئی حالانکہ یہ کافر ہیں۔ جواب۔ ابولہب کی تخفیفِ عذاب کسی کی شفاعت سے نہیں بلکہ اُس فیضانِ الٰہیہ سے ہے جو آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اُس کو دیا جا رہا ہے بغیر کسی سفارش کے۔ نیز یہ انگلی سے نکلتا پانی جنت کا نہیں بلکہ قدرتی ہے۔ اور پھر عذابِ قبر سزا و اعمال نہیں۔ وہ عذاب آخرت میں ہوگا شفاعت صرف اسی کے لیے ہوگی۔ عذابِ قبر کی تخفیف سے قانونِ شفاعت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اور

حضرت ابوطالب کے متعلق فقہا کا اختلاف ہے کچھ ان کو کافر مانتے ہیں کچھ ان کو مومن مانتے ہوئے ساترین میں شمار کرتے ہیں اور اکثریت اسی مسلک پر ہے شفاعت کا نہ ہونا کھلے کافر اور منافقین مرتدین کے لیے ہے۔ ساترین کا انجام فساق جیسا ہے ان کو دائمی جہنم نہ ہوگی۔ دوسرا اعتراض۔ یَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ۔ اس نفی کو دو شرطوں کے استثنا سے توڑا گیا۔ پہلی شرط حصول اذن دوسری شرط رَضِيَ لَهُ قَوْلًا اگر لَا تَنفَعُ کا تعلق شفیع سے ہے تو پہلا استثنا اِلَّا مَنْ اَذِنَ کافی تھا دوسری شرط و استثنا کی ضرورت نہ تھی اور اگر لَا تَنفَعُ کا تعلق مشفوع سے ہے تو پہلے استثنا کی ضرورت نہ تھی صرف رَضِيَ لَهُ قَوْلًا۔ فرمانا کافی تھا۔ ان دونوں کی وجہ کیا ہے؟ جواب ہم نے اس کی وضاحت تفسیر عالمانہ میں کر دی کہ لَا تَنفَعُ کا تعلق صرف شفیع سے ہے نہ کہ مشفوع سے اور شفیع کے لیے ہی یہ دونوں شرطیں ضروری ہیں اور معنی یہ ہے کہ فقط اس شفیع کی شفاعت قبول ہوگی جس نے اپنی دنیوی زندگی میں ہی رب تعالیٰ کی مقبولیت اور محبوبیت اس شان کی حاصل کر لی ہو کہ رب تعالیٰ اس کی ہر ہر بات کو پسند فرماتا ہو۔ جو دنیا میں رَضِيَ لَهُ قَوْلًا کا انعام یافتہ ہوا اس کو ہی شفاعت کی اجازت ہوگی یہ در اصل ایک ہی شرط ہے کہ پہلے رَضِيَ لَهُ ہو گا تب اَذِنَ لَهُ کا انعام ملے گا اسی بنا پر بعض نے وَرَضِيَ کی واؤ کو حالیہ مانا۔ تیسرا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ کہ پہلے رب تعالیٰ مجرمین کی جہنم کا فیصلہ فرما دے گا پھر ان کو بچانے چھڑانے کے لیے شفاعت کا حکم دے گا کہ فلاں فلاں کی شفاعت کرو اولاً فیصلہ ہی کیوں کیا اگر کر دیا اور بعد میں رحم آیا تو پھر خود ہی کیوں نہ بچا لیا یا چھوڑ دیا شفاعت کیوں کرائی جواب۔ شفاعت کا یہ طریقہ نہیں جو معترض نے بیان کیا رب تعالیٰ کسی مشفوع کی نشان دہی نہ فرمائے گا بلکہ مشفوعین کا انتخاب صرف شافعین کی صوابدید و اختیار پر ہوگا۔ رہا یہ سوال کہ پہلے مجرمین کی جہنم کا فیصلہ پھر شافعین کو مجرم چھڑانے کا اذن کیوں خود کیوں نہ چھوڑ دیا۔ تو وجہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ عدل قائم کرتا ہے اور یہ ظاہر فرماتا ہے کہ اس گناہ کی سزا عدل و انصاف میں یہ ہے شفاعت کا مقصد گویا رحم کی اپیل ہے، شفعا کو اذن ملنا انبیاء کرام علیہم السلام کی محبوبیت شان اور علم و اختیار کا اظہار ہے ان کے طفیل دیگر اولیا علما صلحا شہدا کی شان فراست ایمانی اور ولایت الٰہیہ کی برکات ظاہر فرماتا ہے میدان محشر میں شفیع بنانے کی اجازت نہ ملے گی وہ تو دنیا میں دیدی گئی احادیث میں بتا دیا گیا ہے کہ کون کون شفاعت کرے گا۔ وہاں اجازت اداء شفاعت کی ہوگی۔ چوتھا اعتراض۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ مجرم کی حمایت ناجائز ہے مگر مولانا حسن رضا خان بریلوی کا ایک یہ شعر ہے۔

عجب کرم ہے کہ خود مجرموں کے حامی ہیں   گناہگاروں کی بخشش کرا رہے آئے ہیں

یا یہ شعر غلط ہے ۔ یا مفسرین کا قول ۔ جواب ۔ یہ شعر ہی غلط ہے یہاں اس طرح ہونا چاہئے کہ عجب کرم ہے کہ خود عاصیوں کے شافع ہیں مجرم کی حمایت تو واقعی خود جرم ہے کیونکہ حمایت کا معنی تائید کرنا اور جرم کو اچھا کہنا ہے جو بدترین جرم ہے ۔

تفسیر صوفیانہ یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ ۔ دنیوی محبتوں دوستیوں اقتداؤں بیعتوں کا تقاضا اگرچہ یہ ہے کہ اپنے متعلقین کی دل کھول کر حمایت وسفارش کی جائے کہ اسی میں ظاہراً نفع ہے مگر عالم روحانیت کا طور طریقہ ہی بدلا ہے وہاں ذاتی محبت اور جائز وناجائز الفت کام نہیں دیتی راہ عرفانی میں اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ کی شرط اول ہے جس کے لیے استعداد اور لیاقت قبولیت کا خزانہ ہو بس اسی کو اذن رحانی حاصل ہو گا کیونکہ اُن نفوس کاملہ کا فیض جن کی طرف نفوس ناقصہ ارادوں اور رغبتوں سے متوجہ ہوتے ہیں وہ سب موقوف ہیں صفائی باطنی اور قبول اعمال کی استعداد پر اور یہی استعداد اذن بارگاہ ہے ۔ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ۔ قہاری جلال کے روز محشر میں شافع ومشفوع دونوں کے لیے وہ تاثیر باطنی بھی ضروری ہے جو حال مشفوع کے مناسب ہو ۔ لہٰذا عالم روحانیت میں شفاعت کا یہ دو چیزوں پر موقوف ہو گی پہلی چیز یہ کہ شفیع میں اثر کرنے کی قدرت ہو ۔ دوم یہ کہ مشفوع میں اثر لینے کی ہمت ہو ۔ ان دونوں جہتوں کو ۔ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وہی خالق کائنات جل مجدہٗ جانتا ہے کہ تاثیر شفاعت کا مَا بَيْنَ أَيْدِي اور قبولیت کی قوت استعداد کا مَا خَلْفَهُمْ کس کے پاس ہے ۔ اسی لیے وہی خالق تعالیٰ عالم انوار کی شفاعت کبریٰ وصغریٰ کی اجازت عطا فرمانے والا ہے اور وہی رب قدیر جہتِ یدیہ کے مَا بَيْنَ أَيْدِي کو اور قوائے جسدیہ کے عوارض وموانع کے مَا خَلْفَهُمْ کو بھی جانتا ہے اور ان ہیئۃ فاسقہ کو بھی وہی مولیٰ تعالیٰ جانتا ہے کہ قدرت شفیع اور ہمت مشفوع کے لیے رکاوٹیں کیا ہیں ۔ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا اور دنیا جہان عقول علیہ وفہم شاہدہ کتنی ہی طاقتیں ترقی کے حاصل کر لیں ہرگز جلال اصلیہ کا احاطہ نہیں کر سکتیں ۔ اس لیے کہ وَعَنَتِ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ ۔ تمام موجودات عالم اُسی حی وقیوم کے دامن قدرت اور دروازہ ملکت پر سر بسجود ہیں نہ کسی کی حیوۃ اس کے ارادے کے بغیر نہ کسی کا قیام اس کے حکم کے بغیر قہر ہیبت ۔ جلال خشیت کے تلے دو قیامت لاصوتی میں سب دم بخود سانسیں روکے سر جھکائے کھڑے ہیں ۔

کس نہ دانست کہ منزل گہہ محبوب کجا است   ایں قدر ہست کہ بانگ جرسے می آید

نہ کوئی قائم رہنے والا نہ کوئی کسی کو قائم رکھنے والا۔ بس وہی جبار و قہار ہی حی ابدی اور قیوم سرمدی ہے
وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا۔ اور بے شک نقصانِ عظیم خسارۂ کثیر اُس کو ہوا جس نے اپنے آپ
پر محبتِ ربانی کے نور کی محرومی اور شافعین کی شفاعت سے نامرادی و رحمتِ الٰہی سے مایوسی کے
ظلم کا بوجھ اٹھا لیا اس طرح کہ استعدادِ علمی کو کم کر کے صفائی فطرت کو گندا کر کے نورانیتِ حق سے
دور رہ کر اپنے چہروں کو ظلمت کی سیاہی سے کالا کر لیا (ابن عربی) قیامت میں تین چیزیں
بندوں کو خائب خاسر کریں گی ۱۔ گناہوں کا بوجھ ۲۔ دولت کا ظلم ۳۔ عورت کا فتنہ۔ روایت میں ہے کہ اگر
تم میں سے کوئی ایک رسی سے لکڑیوں کا گٹھا باندھے اور اس کا بوجھ کمر پر اٹھا کر گلیوں بازاروں میں پھر
کر اپنی حلال طیب روزی کمائے اور اسی میں سے صدقہ و خیرات کرے تو اُس بندے کے لیے دنیا
کا یہ بوجھ اور محنت مشقت اور اس بوجھ سے جھکا ہوا سر کملایا ہوا چہرہ۔ پسینہ پسینہ جسم خشک ہونٹ
پریشان روزی ہزار درجہ بہتر ہے اس حرام دولت ناجائز عیش و آرام سے جو آخرت میں عَنَتِ الْوُجُوْہ
اور وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا بن جائے۔ دنیا کی ذلت کسی کے سامنے دستِ سوال دراز
کرنے سے ہے جس سے مانگا جائے وہ دے یا نہ دے مگر ذلت مل گئی۔ اور آخرت کی ذلت
فَهَلْ لَنَا مِنْ شُفَعَاءَ کی صدائیں بلند کرنے سے ہے مومن کا ہاتھ یہاں بھی بلند ہے صدقات و خیرات
بانٹنے سے اور آخرت میں بھی بلند ہوگا شفاعت بانٹنے سے۔ مگر فاسقین طامعین کا ہاتھ یہاں
بھی نیچے ہے اور آخرت میں بھی بہر کیف اونچا ہاتھ ہی محمود و مسعود ہوتا ہے۔ جو ہاتھ دنیا سے
مانگتا ہے وہ مردود و مذموم ہوتا ہے۔ جو بندہ محتاجی کے باوجود نہیں مانگتا رب تعالیٰ اس کو محفوظ
رکھتا ہے۔ جو بے نیاز رہے اس کو خوش حال رکھا جاتا ہے۔ جو رب تعالیٰ سے ہر چیز مانگے وہ سب
کی ہمدردی اور توقیر میں آجاتا ہے اور اسی کو سب کچھ ملتا ہے اور محبوب بھی وہی ہوتا ہے۔ اسی لیے
روایت میں ہے کہ جو دنیا داروں کے دروازے پر دستِ سوال اور طلب کا ہاتھ دراز کرتا ہے
وہ قیامت میں ایسی ذلت والا ہوگا کہ اُس کے چہرے پر گوشت نہ ہوگا۔ بدصورت و مکروہ شکل
کے ساتھ۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ بروزِ قیامت خوش نصیب وہ ہے جو شفیع بنایا جائے کم نصیب
وہ ہے جو مشفوع بنایا جائے اور بدنصیب وہ ہے جو مشفوع بھی نہ بن سکے۔ مسکین غریب وہ
نہیں جس کو ایک یا دو لقمے خوراک نہ ملے بلکہ مسکین وہ ہے جو لوگوں کے سامنے ذلیل کیا جائے
خواہ دنیا کی زمین ہو یا محشر کا میدان ان آیات میں محشر کا نقشہ پیش فرمایا گیا ہے مگر محشر سے پہلے
محشر کی نشانیوں میں سے بچ نکلنا کڑی محنت اور سخت ہمت کا کام ہے۔ مردوں کے لیے

فتنہ عورت ہے اور عورتوں کے لیے فتنہ دولت ہے۔ تنگدستی میں مبتلا کے لیے صبر آسان ہے لیکن خوش حالی میں آزمائش کا صبر سخت مشکل۔ غریب کا صبر خاموشی ہے اور دولت مند امیر کا صبر طبیعت پر جبر کرنا ہے عورت و دولت ایک سانپ کے دو منہ ہیں جب یہ دونوں جمع ہو جائیں تو فتنہ محشر برپا ہو جاتا ہے نفسا نفسی کا دور ہوتا ہے اعمال تو درکنار دنیا پرست لوگ ایمان بھی بھول جاتے ہیں۔ اے بندو ڈرو اس وقت سے جب سونے کے کنگن شام کی چادریں یمنی سرخ سنجاب والی عورتیں مردوں پر حاکم و غالب ہو جائیں۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ

اور وہ شخص جس نے عمل کئے اچھائیوں میں سے حالانکہ وہ مومن ہو گیا ہو تو کبھی وہ

اور جو کچھ نیک کام کرے اور ہو مسلمان تو اسے نہ زیادتی کا خوف ہو گا

ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿۱۱۲﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا

اندیشناک نہ ہو گا کسی نقصان اور نہ کسی کمی سے اور ان سابقہ واقعات کی طرح اتارا ہم نے

نہ نقصان کا۔ اور یونہی ہم نے اسے عربی قرآن اتارا

عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ

ان آیات کو بھی قرآن بنا کر عربی میں اور بار بار واضح بیان کیا ہم نے اس میں عذاب سے ڈراووں کو

اور اس میں طرح طرح سے عذاب کے وعدے دیئے

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾

تاکہ وہ متقی بن جائیں یا پیدا کرے یہ قرآن ان کے لیے کوئی نصیحت۔ یاد رہے

کہ کہیں انھیں ڈر ہو یا ان کے دل میں کچھ سوچ پیدا کرے

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ

کہ بلندیوں والا ہے اللہ حقیقی شہنشاہ اور نہ جلدی کرو

تو سب سے بلند ہے اللہ سچا بادشاہ۔ اور قرآن میں جلدی

بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّقْضٰۤی اِلَیْكَ

قرآن پڑھنے میں پہل کرکے اس سے کہ پوری کی جائے آپ تک

نہ کرو جب تک اس کی وحی تمہیں پوری نہ ہوے

وَحْیُهٗ٘ وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَ

اس کی وحی اور عرض کیجئے اے میرے پروردگار زیادہ سے زیادہ کردے مجھ کو علم میں اور

اور عرض کرو اے میرے رب مجھے علم زیادہ دے ۔ اور

لَقَدْ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤی اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ

البتہ ہم نے عہد لیا تھا آدم سے بہت پہلے مگر وہ بھول گئے

بے شک ہم نے آدم کو اس سے پہلے ایک تاکیدی حکم دیا تھا تو وہ بھول گیا

وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾ ع

اور نہ پایا ہم نے ان کا کوئی دلی ارادہ

اور ہم نے اس کا قصد نہ پایا

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیت میں کفار کی نامرادی کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں مومنین کی مرادمندی اور کامیابی کا ذکر ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں کفار کو عذاب و قیامت کی چند وعیدیں سنائیں گئیں اب ان آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ ہم نے قرآن مجید اس لیے نازل فرمایا ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کے علم کی کثرت اور لامحدودیت بتائی گئی اب ان آیت میں بندے کے علم کی کمی اور محدودیت بیان فرمائی جا رہی ہے۔

شانِ نزول ابتداءِ نزولِ وحی میں جب کبھی حضرت جبرئیل وحی تلاوت فرماتے تو آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس کو جلدی جلدی رجبرئیل امین سے بھی آگے

آ گئے (پڑھتے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی ۱۱۴۔ (خزائن العرفان) اسی طرح کی ایک آیت سورۃ قیامت میں بھی ہے۔

تفسیر نحوی وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا یَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا وَّصَرَّفْنَا فِیْهِ مِنَ الْوَعِیْدِ لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ اَوْ یُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا۔ واؤ سر جملہ یعنی ابتداء کلام کے لیے ہے مَنْ اسم موصول کلمات مجازات میں سے ہے جازم ہے یَعْمَلْ باب سَمِعَ کا مضارع مثبت معروف حال واحد مذکر غائب مجزوم ہے مَنْ موصولہ جازمہ کی وجہ سے عَمَلٌ سے مشتق ہے بمعنی دینی کام کرنا مِنْ حرف جر تبعیضیہ الصّٰلِحٰتِ اسم جمع مؤنث سالم بمعنی اچھے اعمال یہ جار مجرور متعلق ہے واؤ حالیہ بمعنی حالانکہ هُوَ ضمیر واحد مذکر غائب مرفوع منفصل مبتدا ہے مُؤْمِنٌ باب افعال کا اسم فاعل واحد مذکر مگر مراد سب ہر قسم کے عورت و مرد ہیں۔ بمعنی ماضی ہے یعنی ایمان رکھنے والا یہاں اسم جامد ہے صفاتی نام ہے خبر مبتدا ہے دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے یَعْمَلْ کے فاعل هُوَ پوشیدہ ضمیر صیغہ ذوالحال کا یَعْمَلْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَنْ کا دونوں مل کر شرط ہوا ف جزائیہ لَا یَخٰفُ باب سَمِعَ کا فعل مضارع منفی معروف ایک قرأت میں لَا یَخَفْ نہی ہے منفصل واحد مذکر غائب خوفٌ سے مشتق ہے بمعنی ڈرنا اندیشہ کرنا هُوَ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل ہے ظُلْمًا اسم مفرد حاصل مصدر جامد بمعنی بلاوجہ نقصان کرنا واؤ عاطفہ لا عاطفہ تاکید کے لیے هَضْمًا اسم مفرد حاصل مصدر بمعنی کمی معطوف ہے ظُلْمًا پر دونوں مل کر مفعول بہ ہے لَا یَخٰفُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزا شرط و جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہو گیا۔ واؤ حرف عطف كَذٰلِكَ حرف تشبیہ اس کا معطوف علیہ پہلا كَذٰلِكَ نَقُصُّ آیت ۹۹ ہے اور چونکہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اس لیے كَ ضمیر خطاب واحد مذکر کی آئی یہ مبتدا ہے جو اپنی اگلی خبر سے مل کر مشبہ ہوگا پہلے تمام بیانات و واقعات کا۔ اَنْزَلْنَا باب افعال کا ماضی مطلق جمع متکلم مثبت معروف فعل با فاعل ہ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ ہے قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا یہ آخر کی ی نسبتی ہے دونوں موصوف صفت ہیں مرکب توصیفی حال ہے ہ ضمیر مفعول بہ ہے اس کا مرجع پچھلی تمام آیات و عبارات اور واقعات ہیں بعض نے کہا ہ مفعول بہ قُرْاٰنًا مفعول بہ دوم عَرَبِیًّا مفعول فیہ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔ اَنْزَلْنَا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ صَرَّفْنَا۔ باب تفعیل کا فعل ماضی مطلق جمع متکلم صَرْفٌ سے مشتق ہے اس کا مصدر ہے تَصْرِیْفٌ بمعنی ہر حال اور سمت کو ظاہر و باطن سے کھول کر ظاہر کر دینا یا بیان کر دینا باب تفعیل میں ہر زیادتی کے معنی پیدا ہوئے یعنی بہت زیادہ بار بار بیان

کرنا سمجھانا فِیْ حرفِ ظرف مکانی کے لیے ہٖ ضمیر واحد غائب کا مرجع قُرْاٰنًا ہے یہ جار مجرور متعلق اوّل ہے مِنَ جارّہ بیانیہ ہے یا تبعیضیہ الوعید اسم صفت مشبہ مبالغے اور شدت کے لیے بروزنِ فعیلٌ اس کا عام فہم ترجمہ ہے دھمکی بحالتِ غصہ اور بحالتِ نصیحت آگاہی۔ خبردار کرنا مراد ہے اُخروی عذاب سے خبردار کرنا۔ یہ جار مجرور متعلقِ دوم ہے لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ بابِ افتعال کا فعل ماضی تمنائی برائے سببیت۔ جمع مذکر غائب اس کا فاعل ھُمْ پوشیدہ ضمیرِ صیغہ جس کا مرجع مُجْرِمِیْن تَقْوٰی سے بنا ہے مصدر اِتِّقَاءٌ بمعنیٰ پرہیزگار بننا اور کفر شرک گناہ سے بچنا۔ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ اَوْ حرفِ عطف تردیدی (اختیاری) يُحْدِثُ بابِ افعال کا مضارع مثبت معروف واحد مذکر غائب اس کا فاعل ھُوَ ضمیرِ صیغہ پوشیدہ ہے اُس کا مرجع قرآنًا لَهُمْ جار مجرور متعلق ہے ذِكْرًا۔ اسم مفرد حاصل مصدر جامد بمعنیٰ عقل خرد۔ یا سوچ فکر نصیحت مفعول بہ ہے يُحْدِثُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا دونوں عطف مل کر معلول یا مسبب ہوا صَرَّفْنَا کا وہ سب مل کر معطوف ہوا اَنْزَلْنَا کا یہ جملہ عاطفہ مشبہ عطف ہے پہلے گذٰلِكَ نَقُصُّ پر اور وہ سب عطف مشبہ ہیں پہلی آیتوں کے وہ سب مل کر ایک دراز جملہ تشبیہی بن جاتا ہے۔ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا۔ فَ زائدہ بیانیہ تَعَالٰی بابِ تَفَاعُلٌ کا ماضی مطلق مثبت معروف واحد مذکر غائب عُلُوٌّ سے بنا ہے اس کا مصدر ہے تَعَالِیٌ بابِ تَفَاعُلٌ سے مبالغہ (زیادتی) پیدا ہوئی بمعنیٰ بہت ہی بلند اللّٰہ اس کا فاعل ہے اَلْمَلِكُ اسم مفرد جامد بمعنیٰ بادشاہ مالک اَلْحَقُّ اسم مفرد جامد بمعنیٰ حقیقی۔ سچا یہ دونوں صفتیں ہیں اللّٰہ موصوف اپنی دونوں صفتوں سے مل کر فاعل ہوا تعالیٰ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا واؤ سرجملہ لَا تَعْجَلْ بابِ سَمِعَ کا فعل نہی واحد مذکر حاضر عَجَلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ جلدی کرنا یہاں مراد ہے تیز پڑھنا اس کا فاعل اَنْتَ پوشیدہ ضمیرِ صیغہ ہے اس کا مرجع نبی کریم ہیں بِ حرفِ جر بمعنیٰ فِیْ یا بمعنیٰ مع یعنی جلدی نہ پڑھو جلدی نہ کرو قرآن میں یا قرآن کے ساتھ یہ جار مجرور متعلقِ اوّل ہے مِنْ زائدہ بیانیہ قَبْلِ اسم ظرفیہ زمانیہ مضاف ہے اَنْ ناصبہ يُقْضٰى بابِ ضَرَبَ کا مضارع مثبت مجہول قَضْیٌ ناقص یائی سے مشتق ہے بمعنیٰ ادا کرنا پورا کرنا پہنچا دینا اِلَيْكَ یہ جار مجرور متعلق ہے يُقْضٰى کا وَحْيُهٗ وَحْیٌ اسم مفرد جامد بمعنیٰ قرآنِ مجید کی اترتی ہوئی آیتیں ہٗ ضمیر کا مرجع قرآن یہ مضاف و مضاف الیہ نائب فاعل ہے يُقْضٰى کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ کیونکہ یہ فعل سابقہ فعل نہی کے تحت ہے اس لیے انشائی ہے

نہ کہ خبری یہ جملہ مضاف الیہ ہے قَبْلِ کا یہ مرکب اضافی مل کر مجرور اور پھر متعلق دوم ہے لَا تَعْجَلْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔ واؤ سرِ جملہ قُلْ فعل اَمر حاضر معروف واحد مذکر اَنْتَ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل مرجع آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر قول ہوا۔ رَبِّ۔ دراصل ہے یَا رَبِّیْ بمعنٰی اے میرے رب یَا حرفِ ندا کو قرینے کی وجہ سے اور یائے متکلم کو تخفیف کی بنا پر حذف کیا گیا مگر ترکیب میں ذہنًا سب موجود ہیں یَا۔ ندا۔ رَبِّ مرکب اضافی ذہنی منادٰی زِدْ باب ضَرَبَ کا فعل امر حاضر معروف واحد مذکر حاضر اَنْتَ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ہے رَبِّ زِیْدٌ سے مشتق ہے بمعنٰی بڑھانا۔ نِیْ نونِ وقایہ یِ ضمیر واحد متکلم منصوب متصل مفعول بہ اول عِلْمًا مفعول بہ دوم زِدْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جوابِ ندا ہوا حرفِ ندا اپنے منادٰی و جوابِ ندا ہی سے مل کر مقولہ ہوا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ واؤ سرِ جملہ لام مفتوح حرفِ تاکید بمعنٰی البتہ قَدْ عَهِدْنَا باب ضَرَبَ کا ماضی قریب معروف مثبت جمع متکلم نَحْنُ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل ہے مرجع باری تعالٰی عَهْدٌ سے مشتق ہے بمعنٰی وعدہ لینا اِلٰی حرفِ جر بمعنٰی اِلْحَاق یعنی سے اٰدَمَ اسم غیر منصرف دو سبب موجود ہیں ۱ عجمی ۲ علم اس لیے بحالتِ جر نصب ہے مِنْ جارہ زائدہ یا بیانیہ قَبْلُ اسم ظرف زمانی مفرد ہے مضاف نہیں ہے اس لیے ضمہ پر مبنی ہے اِلٰی اٰدَمَ جار مجرور پہلا متعلق ہے اور مِنْ قَبْلُ جار مجرور دوسرا متعلق ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا فَ عاطفہ تعقیبیہ بمعنٰی لیکن۔ نَسِیَ ماضی مطلق صیغہ واحد مذکر غائب۔ باب سَمِعَ۔ نَسْیٌ ناقص یائی سے مشتق ہے بمعنٰی بھول جانا اور بھول کر اُس کے خلاف کر لینا یا چھوڑ دینا هُوَ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ہے اٰدَمُ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَمْ نَجِدْ باب ضَرَبَ کا فعل نفی جحد بلم معروف جمع متکلم مضارع بمعنٰی ماضی مطلق وَجْدٌ سے مشتق ہے بمعنٰی پا لینا یعنی دل دماغ سے محسوس کرنا یہ متعدی بدو مفعول ہے۔ چونکہ اس کا فاعل نَحْنُ ضمیر کا مرجع اللہ تعالٰی ہے اس لیے یہ فعل اور یہ آیت متشابہات میں سے ہے کیونکہ اللہ تعالٰی کے لیے دل دماغ محال بالذات ہے لَهٗ یہ جار مجرور مفعول بہ اول کے درجہ میں ہے ہٗ ضمیر کا مرجع اٰدَمَ ہے عَزْمًا اسم مفرد جامد بمعنٰی قلبی ارادہ یعنی جان بوجھ کر کوئی کام یا خلاف ورزی کرنا یہ مفعول بہ دوم ہے جار مجرور متعلق ہے ظاہر لَمْ نَجِدْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا نَسِیَ کا دونوں مل کر معطوف ہوا لَقَدْ عَهِدْنَا کا دونوں مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ ان آیات کی دیگر قرأتیں ۱ لَا یُخَافُ ۲ لَا یَخَفْ یُحْدِثُ میں تین قرأت ۱ یہی مشہور ۲ تُحْدِثُ ۳ نُحْدِثُ واحد مذکر حاضر باب افعال خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشہور قرأت مِنْ قَبْلِ اَنْ یُقْضٰی ہے ۱ ۲ ایک

مجہول قرأت میں مِنْ قَبْلِ کی بجائے حَتّٰی اَنْ یُّقْضٰی ہے نیز ایک شاذ قرأت میں اَنْ نَّقْضِیَ وَحْیَہٗ ہے ۱
مشہور قرأت نَسِیَ ہے ۲ شاذ قرأت نُسِّیَ باب تفعیل کا ماضی مجہول ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا یَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا ھَضْمًا ۔
وَکَذٰلِکَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا وَّصَرَّفْنَا فِیْهِ مِنَ الْوَعِیْدِ لَعَلَّھُمْ یَتَّقُوْنَ
اَوْ یُحْدِثُ لَھُمْ ذِکْرًا ۔ اور اے حبیب عرشی یہ پیغام الٰہی وحی ربانی بشارت رحمانی بھی سنا
دیجئے کہ دنیوی زندگی میں جو شخص سچی حقیقی نیکیوں والے اعمال کرے مخلص بے ریا بن کر اس حال میں
کہ اللہ رسول پر صحیح قلب و زبان سے ایمان لانے والا مومن صادق ہو تب اُس کو بعد موت قبر حشر
میں نہ کسی کے ظلم زیادتی کا خوف کرنا چاہیئے نہ کسی قسم کی کمی و نقصان کا اندیشہ۔ ظلم و ہضم میں مفسرین
نے تین طرح فرق فرمایا ہے ۱ کسی سے اپنے حق کو زیادہ لینا ظلم ہے اور کسی مستحق کو اُس کے حق سے
کم دینا ہضم ہے ۲ گناہ اور جرم کو بڑھا دینا ظلم ہے۔ اور نیکیوں اچھائیوں کو گھٹا دینا ہضم ہے
۳ ناکردہ جرم کی سزا دینا ظلم ہے اور نیکی کی جزا نہ دینا ہضم ہے۔ ظلم بھی خسران ہے اور ہضم
بھی۔ مومن پر لازم ہے کہ ایمان و اعمال کو درست رکھے اور اللہ تعالیٰ کے کرم پر بھروسہ اور عدل
کی توقع اور رحمت کی امید کرتا رہے نہ ظلم کے اندیشہ کا تصور کرے نہ ہضم کا وسوسہ اگرچہ قیامت
میں کسی پر بھی ظلم اور ہضم نہ ہوگا ہر مومن و کافر سے پورا پورا عدل ہوگا مگر کافر بروزِ قیامت یہ اندیشہ
کرے گا کہ اُس پر ظلم ہوا ہے مومنین کو اس اندیشے و خطرے کے تصور و گمان سے بھی منع فرمایا جا
رہا ہے۔ مگر ایمان شرط و اعمالِ صالحہ ضروری۔ اے محبوبِ کائنات جس طرح ہم نے اس سے پہلے
سابقہ انبیاء پر اپنے کلام نازل کئے ان کی اپنی زبانوں میں اسی طرح ہم نے ہی یہ کلام بھی نازل
فرمایا قرآن بنا کر عربی زبان میں پہلے کلاموں کو توریت یعنی قانون زبور یعنی دعائیں انجیل یعنی خوش
خبری بنایا اسی طرح اس کو یہ قرآن مجید بنایا یعنی ساری کائنات میں پڑھا جانے والا یا مرتبوں کو قربتوں
سے ملانے والا یا ملنے والا کبھی جدا اور منسوخ نہ ہونے والا بنایا۔ اور کسی کلام کو صحفِ ابراہیم آدم
و موسیٰ کا نام دیا۔ اس قرآن مجید کی دوسری امتیازی شان یہ ہے کہ وَصَرَّفْنَا فِیْهِ۔ اس کلام
مجید میں ہم نے بار بار مختلف انداز سے عذاب و عتاب کی وعیدیں نازل فرمائیں کبھی جہنم کا
نقشہ بنا کر کبھی میدانِ محشر کی حالت سنا کر کبھی قبر کی تنہائی کبھی موت کی تلخی بتا کر کبھی مسلمانوں کے
ہاتھوں جنگ و جہاد کی شکستیں دلا کر کبھی پچھلی منکرین امتوں کی آسمانی ہلاکت سنا کر اور سفر حضر
میں اُن کی اُجڑی بستیوں کی نشاندہی کر کے اس طرح کی عبرت خیز باتیں نصیحتیں پچھلی کتابوں میں نہ

تھیں نہ ان کا بار بار نزول ہوتا تھا وہاں تو سب نرم گرم حکم ایک دم ہی نازل ہوتا تھا نہ مہلت نہ سہولت ایک ہی دم اٹل قانون کہ یا مانو ورنہ عذاب آتا ہے۔ اے حبیب ازلی ابدی یہ تو آپ کے طفیل آپ کی امت پر کرم و رحم کی شفقت الفت مہلت سہولت ہے کہ ان کی اسی طرح سمجھا سمجھا کر ناز برداری کی جا رہی ہے اور تھوڑے تھوڑے قانون نازل کئے جا رہے ہیں لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ تاکہ یہ لوگ کافر و منافق تاعمر کفر شرک سے بچیں ایمان قبول کر لیں اور ہم کو رب العالمین تم کو رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ مان لیں کیونکہ یہی ایمانِ اوّل ہے اور ایمان لا کر حرام مکروہ گناہ خطا سے بچ جائیں اور فاسقین تا قیامت اَوامر کی اتباع نواہی سے اجتناب کریں اور قلب و عقل اعضاء و اجسام کا تقویٰ حاصل کریں۔ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا۔ یا اگر کسی کی خوش بختی اس کا جلدی ساتھ نہ دے اور وہ اِس قرآنِ کریم کے سننے سنانے سے تقویٰ ایمانی و عرفانی حاصل نہ کر سکے تو کم از کم اس قرآن مجید یا اس کے وسیلے سے اُس شخص کے قلب سعادت اور عقلِ فطرت میں تذکرۂ تلاوت کے ذریعہ قبولِ نصیحت کی توجہ پیدا ہو جائے گی یہ توفیق بھی منجانب اللہ ہی ہوتی ہے مگر وسیلہ مجازی قرآن مجید ہوتا ہے۔ یہاں کلامِ الٰہی کی تین صفات بیان فرمائی گئیں۔ اوّلاً یہ کہ وہ قرآن ہے یعنی اُس کا پڑھنا ہر مومن کافر پر بڑا آسان اور لذت و سرور والا ہے۔ ثانیاً وہ عربی ہے یعنی اُس کی لغت زبانِ عربی ہے یہ زبان اپنی فصاحت بلاغت سُرور مٹھاس اختصار جامع مانع ہونے میں اہلِ عرب کو متحیر اور اہلِ عجم کو متشرّف کرنے والی ہے اِس کی کاملیت اہلِ عقل کے عُقدے کھولنے والی ہے مفکرین کے دماغ اور مفسرین کے ذہن معطر کرنے والی عربی زبان اپنی پانچ خصوصیات کی وجہ سے تمام زبانوں کی شہنشاہ ہے (۱) مختصر اتنی کہ اس کے زیر زبر بھی مکمل الفاظ کی جگہ معانی بنا دیں (۲) جامع ایسی کہ ایک ایک لفظ اپنے ملفوظ کا پورا تعارف کرا دے (۳) مانع اتنی کہ اپنی تفہیم میں کسی دوسری لغت سے کوئی لفظ ادھار نہیں لینا پڑتا (۴) کامل ایسی کہ چند لفظوں میں معانی کے دریا بہا دے (۵) آسان اتنی کہ عجم والے بھی اس سے اسی طرح فائدہ حاصل کر سکتے ہیں جس طرح اہلِ عرب یہ خصوصیات قرآن مجید کی عربی میں ہیں تیسری بات یہ فرمائی گئی کہ صَرَّفْنَا فِيْهِ۔ یعنی بار بار نزول فرمانا جن میں وعید یں نذارت بشارت فرائض واجبات مستحبات۔ حرام و حلال کا بیان ہے قانونِ شریعت میں ترکِ معاصی اور ترکِ منکرات و فعل الخیرات کا مجموعہ تقویٰ ہے۔ اور یادداشت حفاظتِ اعمال ضدِ نسیان اطاعت عبادت ریاضت کا مجموعہ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ہے اور چونکہ گناہوں کا چھوڑنا قلب و جسم

کا غسل ہے اس لیے تقویٰ کا ذکر پہلے کیا گیا اور عبادت و ریاضت ظاہر و باطن کا زیور ہے اس لیے اس کا ذکر بعد میں کیا گیا۔ غرضکہ قرآن مجید کے اس طرح نزول کا بہت فائدہ اور عظیم حکمت ہے فَتَعٰلَی اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ۔ یہ قرآنِ مجید کی چوتھی عظمت و نسبت بیان فرمائی گئی کہ اے حبیب ربّ کائنات بتا دیجئے کہ یہ کلام بے مثل اس لیے ہے کہ اس ذات بے مثل لاشریک برتر بزرگ اللہ تعالیٰ جَلَّ مَجْدُهٗ کی طرف سے نازل ہوا ہے جو پوری کائنات اور عالمینِ تمام کا حق بادشاہ ہے اور برتر ہے وہ ان تمام خیال و گمان و وہم سے جو کوئی اُس کے بارے میں اپنی عقل خرد فہم تدبر تعمق سے کرے یا کہے یا سنے قدیم ہے اُس کی سلطنت عظیم ہے اُس کا قہر شدید ہے اُس کی پکڑ نافذ ہے اس کا امر قائم ہے اُس کی نہی۔ عام ہے اُس کا انعام۔ تام ہے اُس کا اکرام۔ حق ہے اُس کا کلام ثابت ہے اس کا وجود قائم ہے اس کی ذات دائم ہیں اُس کی صفات ظاہر ہے اُس کی قدرت کامل ہے اُس کی قوت نہ فساد کا احتمال نہ زوال کا خطرہ وہ ذات و صفات احوال افعال اقوال اسرار میں حق ہے جس کا کلام ایسا بے مثل و قدیم ہے اُس کی ذات کی کوئی کیا شان بیان کر سکتا ہے واعظین فکر سے کاملین عجز سے واصلین حیرت سے پکارتے ہیں یا اللہ تیری ثنا اس طرح کوئی نہیں کر سکتا جس طرح تو خود اپنے ارادۂ ازلیہ سے اپنی ثنا فرماتا ہے ؎

اے برتر از قیاس و خیال و گمان و وہم ۔۔۔ وز ہرچہ گفتہ ایم و شنیدیم و خواندہ ایم (سعدیؒ)

یہ قرآن اُس خالق تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ جس کی یہ شان ہے یہ امر نہی وعدہ وعید قانون احکام سب اسی کی طرف سے نزولِ اجلالی ہیں۔ لہٰذا کلام سے رب تعالیٰ کا تعارف دلیلِ اِنّی ہے اور رب تعالیٰ سے کلام کا تعارف دلیلِ لِمّی ہے۔ اے شرک و کفر کی جھوٹی اختراعی باتیں اللہ تعالیٰ کی طرف لگانے والو وہ ذاتِ بابرکات اُن تمام سے برتر و بالا ہے اے حبیبِ ازلی یہ تمام آئینیں عبادتیں اطاعتیں تو امت کو سمجھانے کے لیے ہیں، لیکن آپ کے لیے یہ حکم ہے کہ۔ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّقْضٰٓی اِلَیْكَ وَحْیُهٗ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا۔ اور نہ جلدی کیا کریں آپ قرآنِ مجید کی قرأت لہجہ ادائیگی طرز قرأت اور لحنِ جبریلی یاد کرنے میں۔ اس سے پہلے کہ پوری پہنچا دی جائے آپ کی طرف وحی اس کی آپ فکر نہ کریں ہاں البتہ ہر وقت یہ دعا ضرور مانگا کرو کہ اے میرے رب میرے سینے میں قرآن مجید کے علوم کو اور زیادہ فرما دے۔ یہاں علم سے مراد میں دو قول ہیں پہلا یہ کہ قرآن مجید کا علم مراد ہے اس لیے قرآن مجید بھی علوم کثیرہ کا مجموعہ بلکہ اس کے ہر حرف۔ زیر زبر۔ پیش۔ شد۔ مد اور۔ نقطوں میں اسرارِ علوم کے خزانے ہیں۔ دوم یہ کہ علم سے مراد مطلقًا کائنات

عالمین کے علوم مراد ہیں لَا تَعْجَلْ میں چار قول ہیں ۱۔ ساتھ ساتھ پڑھنے کی نہی ہے ۲۔ آیت کا مسئلہ بتانے میں جلدی کرنے کی ممانعت ہے ۳۔ وحی کی کتابت میں جلدی کی نہی ہے ۴۔ جلدی جلدی وحی آنے کی تمنا و دعا کرنے کی نہی ہے۔ اس آیت وَقُلْ رَّبِّ کے نزول کے بعد آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ انْفَعْنِیْ بِمَا عَلَّمْتَنِیْ وَعَلِّمْنِیْ مَا یَنْفَعُنِیْ وَزِدْنِیْ عِلْمًا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ۔ اس آیت کی چار طرح تفسیر کی گئی ہے۔ پہلی تفسیر جلدی نہ فرمایئے قرآن مجید کی طرزِ ادا یاد کرنے میں جب تک کہ وحی بذریعہ جبرئیل پوری نہ اتار دی جائے اور چونکہ اس وحی قرآنی میں بے شمار علم ہیں ہر رطب و یابس (خشک و تر) کا علم اسی کتاب مبین میں ہے لہٰذا آپ یہ دعا مانگا کریں۔ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا۔ ہر ہر آیت میں آپ کے لیے علوم کا خزانہ ہے جو تا قیامت آپ کو ملتا رہے گا ہر آیت کا نزول آپ کا علم بڑھائے گا۔ آپ پر حصولِ علم اور آپ کے رب تعالیٰ پر عطاءِ علم کا دروازہ کبھی بند نہ ہوگا۔ بلکہ ہر اعتبار وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی۔ ہر آخری آنے والی ساعت آپ کے لیے پہلی گذشتہ سے بہتر ہی ہوگی تا قیامت یہ سلسلہ جاری رہے گا کہ آپ کی دعائیں ہماری عطائیں ہوتی ہی رہیں گی۔ اے محبوب یہ دعائیں منگواتے سے رب تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ تم مجھ سے مانگتے رہو کیونکہ میں معطی ہوں اور ساری مخلوق تم سے مانگتی رہے کیونکہ تم قاسم ہو۔ مجھ سے تم۔ تم سے خلائق۔ تا ابد یہ سلسلہ ہو چونکہ آپ کی شانِ اعظم کے لائق صرف علم کی طلب ہے اس لیے یہی دعا مانگا کرو۔ رہا دنیا کی چیزیں تو وہ اور خزائنِ ارض کی چابیاں تقسیم امت کے لیے ہم نے پہلے آپ کے مانگے بغیر ہی آپ کو دیدی ہیں ان کا مانگنا آپ کی شانِ عظیم کے لائق نہ تھا آپ عظیم آپ کا رب تعالیٰ عظیم رب تعالیٰ کا علم عظیم۔ اس لیے عظیم کو چاہیئے کہ عظیم رب سے اُس کی عظیم نعمت علم کائناتی و قرآنی کی زیادتی کی ہی دعائیں مانگے۔ دوسری تفسیر یہ آیت اپنے شانِ نزول کے باعتبار ایک گذشتہ واقعے کی طرف اشارہ فرما رہی ہے ایک مرتبہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بی بی صاحبہ نے اپنے خاوند کی شکایت کی کہ یا رسولَ اللہ مجھے میرے خاوند نے مارا ہے، نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً جواب فرمایا کہ خاوند سے قصاص لیا جائے گا تب یہ آیت نازل ہوئی کہ لَا تَعْجَلْ۔ اے نبی محترم قرآن کریم اور وحیِ الٰہی کے احکام سنانے میں جلدی نہ فرمایا کریں۔ خیال رہے کہ جس آیت کا حکم کسی شانِ نزول سے متعلق ہو وہ آیت اُس واقعہ کے بعد نازل ہوتی ہے نہ کہ دورانِ وحی لہٰذا یہ آیت بھی جس تعجیل سے منع فرما رہی ہے وہ جلدی پہلے کبھی ہوئی تھی۔ پہلی تفسیر کے مطابق

پہلے کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت میں جلدی یعنی ساتھ ساتھ تلاوت فرمائی تھی جس سے منع فرمایا گیا کہ یہ ایک مشقت ہے اور حبیب کی اتنی مشقت بھی گوارہ نہیں ۔ دوسری تفسیر ہے کہ پہلے کبھی ایک عورت کو حکمِ شرعی سنا دیا حالانکہ ابھی اس حکم پر وحی نازل نہ ہوئی تھی تب دونوں صورتوں میں فرمایا گیا کہ اِس سے پہلے کہ آپ کی طرف اُس وحی کے معانی مقاصد احکام وتفصیل وتلاوت پورے نہ بیان کر دیئے جائیں آپ اُن میں جلدی نہ کیا کریں ۔ تیسری تفسیر بعض نے فرمایا کہ لَا تَعْجَلْ کا معنیٰ ہے ۔ اس وحی کی کتابت بذریعہ صحابہ جلدی نہ کرایا کریں آپ کو یہ تو خطرہ ہوتا ہے کہ صحابہ کے ذہنوں سمجھوں حافظوں سے یہ الفاظ یا ترتیب اتر نہ جائے مگر ہم اُس کے محافظ ہیں صحابہ کے ذہنوں سے بھی نہ اُترتے دیں گے ۔ چوتھی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغامِ الٰہی اور ملاقاتِ جبرئیل کا اتنا شدید شوق رہتا تھا کہ آپ چاہتے بلکہ دعائیں مانگا کرتے تھے کہ جلدی وحی آیا کرے ۔ یہ ایک قلبی مشقت بھی تھی اور حکمتِ نزولِ وحی کے خلاف بھی اس لیے اس آیت میں منع فرمایا گیا کہ نزولِ وحی میں جلدی کی تمنّا مت کیا کرو کبھی اس لیے بھی جلدی نزول کی تمنا فرماتے کہ یہودی عیسائی یا کفارِ مکہ کوئی جواب طلب سوال کرتے اور وہ جلد بازی مچاتے تب نبی پاک بھی چاہتے کہ اِن خبثاء کو جلدی جواب دیا جائے ان دونوں صورتوں میں بھی منع فرمایا کہ اے محبوب نزولِ وحی ہماری حکمت و اسرار پر مبنی ہے جب تک اِس کے موقعہ محل مناسب وقت کے مطابق ہماری طرف سے خود پوری وحی نازل نہ کر دی جائے آپ جلدی نہ کیا کریں ۔ بعض جہلا نے یہ معنیٰ کیا ہے کہ اسی موقعہ پر نبی کریم جبرئیل کے ساتھ جلدی جلدی پڑھ رہے تھے تو منع کیا گیا ۔ مگر یہ قول غلط طریقۂ وحی کے خلاف ہے اور اس آیت کے سیاق وسباق کے بھی خلاف ہر کیف یہ چار تفسیریں کی گئی ہیں مگر پہلی تفسیر صحیح اور مضبوط ہے کیونکہ مدلّل و مؤثر ہے ۔ پہلی تفسیر کے دلائل حسبِ ذیل ہیں ۱؎ دلیلِ اوّل ۔ قرآن مجید کی تین سورتوں میں اس قسم کی نہی مذکورہ دو جگہ میں صراحتًا ۱؎ اس جگہ سورۃ طٰہٰ میں ۲؎ سورۃ قیامت آیت ۱۶ اور ۱۷ میں لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۔ یعنی اے نبی محترم نہ حرکت دیجیے اِس وحی کی ادائگی میں اپنی زبان کو کہ جلدی کرو تم اس کو ادا کرنے لحن بناتے بیں بے شک ہمارے ذمۂ کرم پر ہے اِس وحی کا قائم اور جمع رکھنا اور تم کو اس کی طرزِ قرأت و طریقہ تلاوت پڑھانا تم جبرئیل کا لہجہ یاد کرنیکی جلدی مت کرو ہم خود تم کو اِس کی ادا بھی سکھا دینگے ۳؎ سورۃ اعلیٰ آیت ۶ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰۤى اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ یعنی اے محبوب عنقریب اب ہم تم کو یہ قرآن احکامی طرز اور لہجے میں پڑھائیں گے اِس شان سے کہ تم اس کو کبھی نہ بھولو گے مگر وہی کلام جو

اللہ تعالیٰ بھلانا چاہے گا (بوجہ منسوخ التلاوت کرنے کے) سُوْرَۃُ اَعْلٰی ترتیب نزول میں آٹھویں نمبر پر ہے تمام احکام اس کے بعد ہی نازل ہوئے۔ اس میں نبی کریم کی کسی جلدی کرنے کا ذکر نہیں بلکہ بتایا جا رہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہیں اللہ تعالیٰ نے ہی سب کچھ پڑھایا سکھایا ان آیت کا مقصد یہ بیان فرماتا ہے کہ ابتدا میں ایک دفعہ ایسا ہوا کہ جب حضرت جبرئیل وحی لے کر حاضر بارگاہ ہوئے اور آیت کو شرعی طرز پر تلاوت فرمانے لگے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرز ادا کو یاد کر لینے کی خواہش میں خود بھی ساتھ ساتھ پڑھنے لگے جس سے جلد بازی کی مشقت ہوئی تب رب تعالیٰ نے اس مشقت کو بند فرماتے ہوئے اس خواہش کی تکمیل کو اپنے ذمہ کرم پر لے لیا کہ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ۔ (الخ) آپ کی یہ خواہش اس لیے تھی کہ قرآن مجید بولتا ہوا نازل ہوا ہے نہ کہ کتب سابقہ کی طرح صرف حفظ یا مکتوب مکتوبی۔ ملفوظی منقولی کلام میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ منقولی کلام میں۔ طرز ادا۔ لہجہ اور لحن کا قانونی دخل ہوتا ہے اور طرز بیان سے کئی قانون بنتے چلے جاتے ہیں۔ مثلاً طرز کہنے سے عبارت کو سوالیہ اور خبریہ۔ انشائیہ اور شرطیہ تاکیدیہ تنقیدیہ بنا لیا جاتا ہے اور ان ہی اداؤں سے فرض و نفل کے احکام ظاہر ہوتے ہیں کیونکہ قرآن مجید کی طرز ادا بھی منجانب اللہ وحی الٰہی ہے اسی لہجے اور طرز ادا میں تلاوت کرنا لازم جس میں جبرئیل علیہ السلام نے تلاوت فرمائی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو سنائی۔ اسی کا دوسرا نام علم تجوید ہے قرأت سبعہ کا اختلاف تو صرف چند لفظوں میں ہے مگر طرز بیانی پورے قرآن مجید کی ایک ہی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو ایک دفعہ جلدی جلدی یاد کر لینے کی خواہش میں جبرئیل کے ساتھ ساتھ پڑھنے کی زحمت فرمائی تھی جس سے سورۃ طٰہٰ میں اور پھر سورۃ قیامت میں منع فرمایا گیا۔ یہ کہنا غلط ہے کہ آپ کو جلدی مسئلے بتانے یا جلدی کتابت کرلینے یا جلدی وحی آنے کی تمنا سے روکا گیا۔ دوسری دلیل۔ آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو الفاظ قرآن بھولنے کا کوئی خطرہ نہیں تھا کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام بھول چوک خطاؤ لغزش سے معصوم ہوتے ہیں کسی نبی علیہ السلام سے کبھی کسی نسیان کا صدور ثابت نہیں۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو پورا قرآن مجید سبعہ قرأت کے ساتھ عالم ازل سے حاصل تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ توریت زبور انجیل صحف آسمانی بھی مکمل لفظاً یاد تھے چنانچہ بخاری شریف جلد اول ص۴۵۵ کتاب بدء الخلق باب الملائکہ حدیث پاک ۱۵۳ میں ہے کہ ہر رمضان مبارک کی ہر رات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرئیل کے ساتھ قرآن مجید کا دور فرمایا کرتے تھے۔ اس کی شرح میں۔ فتح الباری۔ اور شرح کرمانی نے لکھا کہ جبرائیل ہر رات کو

آتے اور اوّل سے آخر تک قرآن مجید ایک دوسرے کو سناتے مخارج اور تجوید کے ساتھ۔ اور یہ دور بھی بھولنے کے اندیشے سے نہیں بلکہ اس لیے تاکہ یہ رمضان مبارک میں حافظوں کا دور کرنا اور قاریوں کا علم تجوید و مخارج حروف سے تلاوت کرنا اُمّت کے لیے سنت ہو جائے اور مسلمان ذوق و شوق سے حافظ و قاری بنیں لمعات شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ یہ ایسا ہی دور کرنا تھا جیسے مدارس میں حفاظ کرتے ہیں۔ (از حاشیہ بخاری ص۲۵۲) اس سے ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام قرآن پہلے ہی ازل سے یاد تھا یہ تھوڑا تھوڑا نزول تو اُمت کے لیے کیونکہ دور وہی حافظ کر سکتا ہے جس کو قرآن مجید یاد ہو۔ یہ حدیث پاک مشکوٰۃ شریف میں بھی ہے۔ تیسری دلیل حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے پیدا ہوتے ہی فرمایا اِنِّی عَبْدُ اللّٰہِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا۔ مجھ کو رب نے کتاب دی اور مجھ کو نبی بنایا۔ روایتوں میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل زبور توریت شکم مادر میں ہی حفظ کرا دی گئی تھیں۔ نبی کریم تو اُن سے افضل ہیں۔ بلکہ عیسیٰ علیہ السّلام کی یہ شان قرآن مجید میں ظاہر فرمانے کا اشارہ ہی یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تمام کتب الٰہیہ کے ازلی حافظ ہیں۔ نیز عیسیٰ علیہ السّلام نے پہلے کتاب اور پھر نبوت کا ذکر فرمایا جس سے اقتضاءً ثابت ہوا کہ صاحب کتاب نبی کے لیے نبوت کے ساتھ کتاب لازم ہے یعنی مجھ کو کتاب اس لیے دی کہ میں نبی ہوں۔ اور ہمارے آقا نبی رحمت نے فرمایا۔ کُنْتُ نَبِیًّا وَّ اٰدَمُ بَیْنَ الطِّیْنِ وَالْمَاءِ معنی یہ کہ عیسیٰ علیہ السّلام شکم مادر سے نبی تو شکم مادر میں کتاب ملی۔ اور میں ازل سے نبی تو ازل سے کتاب ملی تو اب بھولنے کا کیا خطرہ۔ چوتھی دلیل۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔ رحمٰن نے قرآن سکھایا کسی کو سکھایا تا و شما نہیں ورنہ پھر ہم کو دنیا میں آ کر کسی اُستاد سے پڑھنے کی ضرورت نہ تھی بڑے استاد سے پڑھ کر چھوٹے سے پڑھنے کی ضرورت نہیں ہوتی ثابت ہوا کہ رحمٰن نے حبیب الرحمٰن کو قرآن سکھایا۔ کب سکھایا۔ کہاں سکھایا۔ دنیا میں تو کوئی کہیں اللہ تعالیٰ کا مدرسہ نظر نہیں آتا۔ ثابت ہوا کہ عالم ازل میں سب قرآن مجید سکھا دیا۔ اور جب رب تعالیٰ نے صفت رحمانیت سے قرآن سکھا دیا تو کوئی علم کسی لفظ کسی حرف کا پوشیدہ نہ رکھا۔ اب بھولنے کا قطعًا اندیشہ نہیں۔ لہٰذا لَا تَعْجَلْ اور تُحَرِّکْ کی نہی بھولنے کی نہیں بلکہ تاقیامت مسلمانوں کو ایک مسئلہ سمجھانے کے لیے ہے۔ پانچویں دلیل موجودہ قرآن مجید کی دو ترتیبیں ہیں ۱ ترتیب نزول ۲ ترتیب تلاوت اور دونوں بے حد مختلف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ترتیب نزول کو جبرئیل علیہ السّلام کے ذریعہ نازل فرمایا مگر ترتیب تلاوت کو رب تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ قائم اور درست فرمایا۔ موجودہ ظاہری ترتیب مکتوبہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا قرآن مجید عالم ازل

سے مکمل ترتیب سے یاد تھا۔ دیکھو قرآن مجید کا نزول عجیب حکمت ربانی سے ظاہر ہو رہا ہے آج سورۃ نمل کی چند آیت کل سورۃ والضحیٰ کی دو آیت پھر سورۃ بقرہ کی تین آیت پھر دوسرے دن مدثر کی دو آیتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اے صحابہ ان آیتوں کو بقرہ میں لکھو ان کو نمل میں ان کو فلاں سورۃ میں اتنی آیتوں کے بعد لکھو۔ اور یہ سورت اِس نمبر کی ہے یہ اس نمبر کی مختلف آیت اور مختلف سورتوں کو اپنی اپنی صحیح جگہ پر رکھنا وہی کر سکتا ہے جس کو پورا قرآن یاد ہو یہی سورۃ طٰہٰ چوالیس سورتوں کے بعد مکہ مکرمہ میں نازل ہوتی ہے اور اس کا نزولی نمبر پینتالیس بنتا ہے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو انیس سورتوں کے بعد لکھواتے ہیں۔ اور اس کو بیسواں نمبر دیتے ہیں۔ یہ کس بنا پر کیا جا رہا ہے؟ اسی پر کہ آپ کو سارا قرآن مجید عالم ازل سے حفظ ہے اور جانتے ہیں کہ کونسی آیت کس سورۃ کی اور کونسی سورۃ کس جگہ کی ہے آج کسی حافظ کے سامنے پورا قرآن مجید ورقہ ورقہ آیتیں آیتیں کر کے بکھیر کر کہو کہ حافظ صاحب ان ورقوں کو صحیح ترتیب سے جوڑ دو حافظ قرآن چند منٹوں میں صحیح جوڑ دے گا۔ مگر یہی کام غیر حافظ نہیں کر سکتا۔ چھٹی دلیل۔ سورۃ نساء آیت ۱۱۳ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔ اے نبی اللہ۔ رب تعالیٰ نے آپ کو عالم ازل کے گذشتہ زمانوں میں ہی سب کچھ سکھا دیا۔ انہیں میں قرآن مجید بھی شامل ہے عَلَّمَ فعل ماضی ہے جو گذشتہ زمانوں کی یاد اور نشاندہی فرما رہا ہے۔ ساتویں دلیل۔ لَا تَعْجَلْ اور لَا تُحَرِّكْ کی نہی اس لیے ہے کہ تا قیامت کوئی بدبخت گستاخ یہ نہ کہدے کہ نبی نے جبرئیل سے قرآن یا طرز قرآن سیکھی اور جبرئیل استاد بن گئے ایسا نہیں ہے بلکہ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ۔ بے شک اے محبوب عالمین یہ تو ہمارے ذمہ کرم پر ہے کہ اس قرآن مجید کو ہر علم قرآنی کے ساتھ آپ کے سینۂ اقدس میں ہم خود جمع فرما دیں۔ خیال رہے کہ قرآن کریم کے پانچ جامع القرآن ہیں۔ پہلا جامع القرآن رب تعالیٰ۔ دوم جبرئیل۔ سوم آقائے دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم چہارم صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پنجم عثمان غنی رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ نے تمام قرآن مجید الفاظ و مضمون ترتیب و معانی کے ساتھ جمع فرمایا سینۂ مصطفیٰ کے اندر عالم ازل میں پھر جبرئیل علیہ السلام نے جمع فرمایا ترتیب نزول میں۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع فرمایا ترتیب تلاوت میں۔ پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جمع فرمایا حافظوں کے سینوں سے لے کر کتابت میں پھر عثمان غنی نے جمع فرمایا چھانٹ کر کے افراط و تفریط کی مخلوطیت سے بچا کر۔ کچھ قرآن مجید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کتابت کروا دیا زمانۂ نبوی شریف میں جو بیس صحابہ کرام کو کاتبین وحی ہونے کا شرف حاصل ہوا ۱ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ۲ عثمان غنی رضی اللہ عنہ ۳ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ ۴ زید بن ثابت ۵ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ۶ زبیر ابن العوام ۷ خالد بن سعید ۸ حنظلہ بن ربیع۔

۹ خالدؓ بن ولید ۱۰ عبداللہ بن رواہ ۱۱ محمدؓ بن مسلم ۱۲ عبداللہ بن سلول ۱۳ مغیرہؓ بن شعبہ ۱۴ عمروؓ ابن العاص ۱۵ امیر معاویہؓ ۱۶ جہمؓ بن صلت ۱۷ معیقیبؓ بن فاطمہ ۱۸ عبداللہؓ بن ارقم زہری ۱۹ ثابتؓ بن قیس ۲۰ عبداللہؓ بن ابی سرح ۲۱ حذیفہؓ بن سلمان ۲۲ عامرؓ بن فہیرہ ۲۳ سعیدؓ بن جبیر ۲۴ ابانؓ بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ آٹھویں دلیل۔ لَا تُحَرِّكْ اور لَا تَعْجَلْ کی نہی اس لیے بھی ہے کہ تاقیامت یہ مسئلہ بنا دیا جائے کہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ (سورۃ اعراف آیت ۲۰۴) یعنی جب قرآنِ مجید کی تلاوت کی جائے تو سنو اور خاموش رہو۔ لہٰذا کسی ایک موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جبرئیل امین کے ساتھ مل کر جلدی پڑھنا حکمتِ الٰہیہ اور اسرارِ ربّانی میں سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ایک مرتبہ عجلت اور تحریکِ لسانی فرمائی تب یہ لَا تُحَرِّكْ اور لَا تَعْجَلْ کی آیت نازل ہوئیں۔ یہ اس طرح ہے جیسے کہ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابہ ایک سفر میں نمازِ فجر کے وقت سوتے رہ گئے تو طریقۂ قضا کی آیت نازل ہوگئیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ بعض نے فرمایا کہ لَا تُحَرِّكْ اور لَا تَعْجَلْ کی نہی سے اشارۃً منکرین کلامِ الٰہی کو سمجھایا جا رہا ہے کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ کا ہے جبرئیل لانے والے ہیں۔ اور نبی کریم اس کی طرزِ بیانی کو جلدی جلدی زبان پر جاری کرنا چاہتے ہیں اگر یہ ان کا اپنا کلام ہوتا جیسا کہ کافر کہتے ہیں تو یاد کرنے میں جلدی کیوں کرتے۔ واللہ ورسولہ اَعْلَمُ۔ ایک وہابی صاحب نے اس آیت لَا تَعْجَلْ کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ۔ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ پر تقریر ختم ہو چکی تھی اس کے بعد رخصت ہوتے ہوئے فرشتہ اللہ کے حکم سے نبی کو ایک بات پر خبردار کرتا ہے جو وحی نازل کرنے کے دوران اس کے مشاہدے میں آئی بیچ میں ٹوکنا مناسب نہ سمجھا گیا اس لیے پیغام کی ترسیل مکمل کرنے کے بعد اب وہ اس کا نوٹس لے رہا ہے۔ بات کیا تھی جس پر تنبیہ کی گئی (الخ) نبی وحی کا پیغام وصول کرنے کے دوران میں اسے یاد کرنے کی کوشش کر رہے ہوں گے۔ اس کوشش کی وجہ سے آپ کی توجہ بار بار بٹ جاتی ہوگی سلسلۂ اخذِ وحی میں خلل واقع ہو رہا ہو گا اس کیفیت کو دیکھ کر یہ ضرورت محسوس کی گئی کہ آپ کو پیغامِ وحی وصول کرنے کا صحیح طریقہ سمجھایا جائے (الخ) ابتدائی زمانے میں جب کہ نبی کو ابھی اخذِ وحی کی عادت اچھی طرح نہ پڑی تھی (الخ) کئی کئی دفعہ آپ سے یہ فعل سرزد ہوا۔ اور ہر دفعہ آپ کو متنبہ کیا گیا سورۃِ قیامت میں بھی ایسا ہوا تھا اور اس پر سلسلۂ کلام کو توڑ کر آپ کو ٹوکا گیا کہ لَا تُحَرِّكْ سورۃِ اعلیٰ میں بھی اسی طرح اطمینان دلایا گیا (الخ) بعد میں جب آپ کو پیغاماتِ وحی وصول کرنے کی اچھی مہارت حاصل ہو گئی تو اس طرح کی کیفیات آپ پر بند ہو گئیں یہ تھیں اس مفسر مذکور کی جاہلانہ ہرزہ

سرائی اور لغو لفاظی۔ اس میں مفسر کی جہالت کے علاوہ بعض مندرجہ ذیل کفریہ گستاخیاں بھی ہیں ۱۔ یہ تفسیر ساری کی ساری باطل ہے اور باطل ہے تفسیر گمراہی ۲۔ لَا تَعْجَلْ کے پورے کلام کو رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا تک جبریل کا کلام کہا گیا اور مانا گیا ہے نہ کہ رب تعالیٰ کا حالانکہ قرآن مجید کے ایک لفظ کے کلام الٰہی ہونے کا انکار کرنا اسی طرح کفر ہے جس طرح سب کا انکار۔ سورۃ قیامت کی آیت لَا تُحَرِّكْ ۱۶ الخ کے کلام اللہ ہونے کا بھی انکار ہے۔ ہے مگر در پردہ۔ کیونکہ مفسر لکھتا ہے سلسلہ کلام کو توڑ کر آپ کو ٹوکا گیا (معاذ اللہ) اگر یہ کفر نہیں تو کذب بیانی اور گمراہی ضرور ہے اور اگر ٹوکا گیا کا فاعل جبریل کو مانا گیا ہے تو یہ بھی صراحتاً پہلے کی مثل کفر ہے ۳۔ اس ساری تفسیر کی بنیاد اپنی ذاتی تخیلاتی وہمی رائے پر مثلاً کوشش کر رہے ہوں گے۔ توجہ بار بار بٹ جاتی ہوگی۔ خلل واقع ہو رہا ہوگا وغیرہ وغیرہ یہ ابلیسی وسوسے اور ذاتی تصور ہے کیونکہ شاید ایسا ہوا ہوگا ویسا ہوا ہوگا یہ تو ماضی شکیہ ہے ایسے لغو شکوک و شبہات کی بنیاد پر اپنی مرضی کی تفسیر تو قرآن مجید میں بدترین تخریب کاری ہے جس کا مقصد محض گمراہی اور کفر کمانا ہے ۴۔ یہ کہنا کہ نبی کو وحی لینے کا صحیح طریقہ نہیں آتا تھا۔ لہٰذا وحی وصول کرنے کا صحیح طریقہ سمجھایا جائے (معاذ اللہ) یہ خبیثانہ گستاخی ہے ۵۔ یہ کہنا کہ فرشتہ نبی کو خبردار کر رہا ہے اور ایک غلطی کا نوٹس لے رہا ہے اللہ تعالیٰ کی بھی گستاخی ہے اور انبیا علیہم السّلام کی بھی۔ اس لیے کہ فرشتے کو اللہ سے بڑھا دیا کہ اللہ نے نوٹس نہ لیا اور رب کو محسوس نہ ہوا فرشتے کو محسوس ہو گیا۔ نبی کی گستاخی اس طرح کہ فرشتہ صرف قاصد ہوتا ہے اور انبیا کا خادم خادم کی یہ جرأت نہیں ہو سکتی کہ نبی کے آگے وحی الٰہی یا کسی پیغام ربانی کے علاوہ بولنے کی ہمت کر سکے۔ جیسا کہ سورۃ مریم کی آیت ۶۴ سے ظاہر ہے۔ خاص کر جب وحی قرآن لے کر آئے تب تو ایک لفظ بھی اپنے منہ سے نہیں بول سکتا۔ مفسر نے اتنی بڑی بناوٹی جرأت دکھا کر اپنا ہی ایمان برباد کیا۔ اور اپنی قوم کو تباہ ۶۔ یہ کہنا کہ نبی سے جلد بازیاں ابتدائی دور میں ہوئیں یہ مفسر مذکور کی کتنی بڑی جہالت و ناواقفی ہے کہ اسے سورۃ طٰہٰ کے نزول کا وقت بھی معلوم نہیں۔ یہ ابتدائی دور نہیں بلکہ ترتیب نزول سے طٰہٰ پینتالیسویں سورۃ ہے جب کہ ترتیب تلاوت میں بھی بیسویں ہے کیا اس کو ابتدا کہتے ہیں ۷۔ مفسر مذکور کا یہ کہنا کہ ہر دفعہ آپ کو متنبہ کیا گیا یہ بھی نبوت کی گستاخی ہے۔ گویا کہ معاذ اللہ انبیا اتنے کند ذہن یا کمزور حافظے کے ہوتے ہیں کہ عام ذہین طالب علم کو سمجھایا جائے تو وہ اس لغزش سے پہلی بار ہی باز آ جاتا ہے تنبیہ کو یاد رکھتا ہے مگر نبی کو بار بار سمجھانا پڑتا ہے تب کہیں جا کر وہ لغزش سے رکتے ہیں (معاذ اللہ) میں کہتا ہوں یہ تفسیر لکھی ہے یا کفریہ سازش ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی مرتبہ ایسا کیا تھا جس کو سورۃ قیامت کی آیت ۱۶ سے منع فرمایا گیا۔ یہ سورۃ ترتیب نزول میں اکتیس نمبر

کی ہے رسورۃِ اعلیٰ میں کسی جلد بازی سے نہیں روکا گیا وہاں رب تعالیٰ کا ایک قانون مذکور ہے اور سورۃِ
لا میں کئی احتمال ہیں کہ یہ ممانعتِ لَا تَعۡجَلۡ کیوں ہے کس کی ہے۔ اس کی وضاحت کر دی گئی۔ اگر جلدی
پڑھنے کی ہے تب اُسی کی نہی دوسرے انداز میں ہے ۹ یہ کہنا کہ نبی کو ابھی اخذِ وحی کی عادت اچھی طرح نہ
پڑی تھی اور یہ لکھنا کہ جب آپ کو وحی وصول کرنے کی اچھی مہارت ہو گئی (معاذ اللہ) یہ بھی اللہ تعالیٰ کی گستاخی
اور شانِ نبوت کی توہین ہے۔ گویا کہ مفسر مجہول عقل یہ کہنا چاہتا ہے کہ عام انسانوں کی طرح کمالاتِ
نبوت بھی اپنی محنت و مہارت سے حاصل کئے جاتے ہیں اور نبوت و افعالِ نبوت کسبی کمال ہے اللہ تعالیٰ
کا اس میں کوئی کام وھبی انعام نہیں۔ بخشش و عطا کو کچھ دخل نہیں۔ نَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ ذَالِکَ الۡخُرَافَاتِ
ظالم کے ہاتھ قلم آگیا جو چاہے لکھتا پھرے مگر اس بیہودہ گفتگو کو تفسیر نہیں کہا جا سکتا نہ اسی طرح
تفہیم انسانی ہو سکتی ہے بلکہ یہ تحریف قرآنی گمراہی پھیلانی ہے خیال رہے کہ نزولِ قرآن مجید مکی مدنی حیاتِ
طیبہ کے تئیس ۲۳ سال میں نازل ہوا۔ اس طرح کہ لوحِ محفوظ سے اسرافیل نے اسرافیل سے جبرئیل علیہما السلام
نے اور جبرئیل علیہ السلام سے آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے (صاوی و تفسیر نیشاپوری) یہ نزول بہولت
امت کے لیے تھوڑا تھوڑا نازل ہوا۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سارا قرآن مجید لفظاً لفظاً لوحِ محفوظ
اور جبرئیل اسرافیل سے بھی پہلے عالمِ ازل میں یاد کرا دیا گیا تھا۔ غارِ حرا سے آخری وقت تک جبرئیل
امین چوبیس ہزار دفعہ حاضرِ بارگاہِ رسالت ہوئے۔ قرآنِ مجید کی پہلی وحی سورۃِ اِقۡرَاۡ کی پہلی پانچ
آیتیں پیر کے دن بارہ ۱۲ ربیع الاوّل شریف دوپہر کے وقت غارِ حرا میں نازل ہوئی سنِ ولادت
۴۰ھ تھا اور ۶۱۰ء تھا اور آخری وحی سورۃِ بقرہ کی سات آیاتِ حرمتِ سود از آیت ۲۷۵ تا آیت
۲۸۱ نازل ہوئی (بروایت ابنِ مسعود از نور العرفان) ایک قول) بعض نے فرمایا کہ سورۃِ توبہ کی آخری
آیت ۱۲۸ و ۱۲۹ بروز جمعہ بعد نمازِ فجر وفات سے نو دن پہلے سن گیارہ ہجری دو ۲ ربیع الاوّل شریف
۶۳۲ء نازل ہوئیں۔ اللہ اکبر کیا شان ہے حفظِ نبوت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حافظہ
قرآنی کے کہ دیکھو یہ آیات نازل ہوتی ہیں آخری وقت میں اور ان کو لکھایا جا رہا ہے بقرہ اور توبہ
میں جو نزول میں ۸۷ اور ۱۱۳ ہیں۔ اب بھی کوئی بدبخت یہ کہے کہ لَا تَعۡجَلۡ کی نہی اس لیے فرمائی گئی
تھی کہ نبی کریم کو قرآن بھولنے کا خطرہ تھا اس کے خوف سے آپ جبرئیل کے ساتھ پڑھتے جاتے
تو یہ اس بدبخت کی جہالت ہے۔ جو ذاتِ پاک آیتوں کو اپنی صحیح جگہ لکھانا نہ بھولے وہ بھلا الفاظ
قرآن بھول سکتا ہے؟ رب تعالیٰ مسلمانوں کو ان ابلیسی تفسیروں سے بچائے۔ آمین یَا رَبَّ
الۡعٰلَمِیۡنَ وَلَقَدۡ عَہِدۡنَاۤ اِلٰۤی اٰدَمَ مِنۡ قَبۡلُ فَنَسِیَ وَلَمۡ نَجِدۡ لَہٗ عَزۡمًا۔ اے محبوب مکرم

آپ قرآن مجید کی طرزِ ادا یاد کرتے میں جلدی نہ کیا کرو۔ کیونکہ نسیان کا کوئی اندیشہ نہیں آپ تو نبوت کے ازلی تاجدار ہو۔ لغزش وخطا بھول چوک تو بشری کمزوری سے ہوتی اور نبوت بشریت پر غالب ہے جو بشر ابتدا سے ہی نبی بنا دیا گیا ہو وہ ہر بشری کمزوری سے معصوم ہوتا ہے۔ محض بشر میں نسیانی کمزوری ہوتی ہے اور اس کا مظاہرہ ایک دفعہ ہو چکا ہے کہ بے شک آج سے کئی زمانے صدیوں پہلے ہم نے ایک بشر آدم سے ایک وعدہ لیا تھا جو پہلے بشر اور انسانوں کے جدِ اعلیٰ تھے۔ فَنَسِیَ تو وہ بھول گئے تھے اور وہ بھی بلا عزم و ارادہ ایک لغزش ہم نے اس غلطی میں قطعًا ذرہ بھر ان کا قلبی ارادہ نہ پایا تھا۔ عزم سے مراد ہے قلبی ارادہ۔ اسی بھول سے یہ ثابت ہو گیا تھا کہ تا قیامت ہر انسان کی فطرت میں بھول چوک داخل ہے یہ انسانی سرشت ہے انسان خواہ کسی مقام پر ہو۔ انسانی کمزوریوں سے صرف نبوت ہی بچا سکتی ہے انسانوں میں صرف انبیا کو ہی ہر عیب سے معصوم بنایا گیا ہے رب تعالیٰ کا یہاں آدم علیہ السّلام کے واقعے کا ذکر فرمانے کا مقصد صرف انسانی بشری بھول بیان کرنا ہے کہ انسان شروع سے بھولتا چلا آیا ہے۔ پچھلی آیات وواقعات میں مختلف بھولوں کا ہی ذکر ہے۔ کوئی انسان خطاءً بھولتا ہے کوئی عزمًا۔ کوئی توعًا۔ کوئی لغزشًا۔ کوئی ذہنًا۔ کوئی عقلًا۔ کوئی قلبًا۔ کوئی عمدًا۔ کوئی تعصبًا کوئی حسدًا کسی کے نسیان نے خطا کرا دی کسی کے نسیان نے گناہ کسی کے نسیان نے کفر کرا دیا۔ رب تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں اور سابقہ کتبِ الٰہیہ میں مختلف بھولوں پر مختلف وعیدیں نازل فرمائیں۔ کسی نے اپنی بھول کا خیال نہ کیا اور کسی نے صرف اندیشۂ بھول سے اتنی احتیاط برتی کہ لَا تُحَرِّكْ اور لَا تَعْجَلْ کی نہی فرمائی گئی۔ آدم علیہ السّلام کی یہ نسیان اور بھول کس قسم کی تھی اس میں مفسرین کے چار قول ہیں ۱۔ بعض نے فرمایا عزم میں نسیان تھا یعنی وعدہ وفائی میں ان کا مضبوط ارادہ نہ پایا اس وجہ سے انہوں نے رب تعالیٰ کے وعدے کا خیال نہ رکھا مگر یہ قول آیت کے سیاق وسباق کے خلاف ہے اس لیے غلط ہے ۲۔ یہ خطا فقط بلا ارادہ بھول تھی اور آپ درخت بھول گئے تھے کہ وہ کونسا درخت ہے جس سے منع کیا گیا ہے۔ یہ قول بھی کمزور ہے ۳۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اگرچہ حضرت آدم کو درخت کا بھی پتہ تھا اور یہ بھی پتہ تھا کہ ابلیس ہمارا دشمن ہے مگر جس بھیس میں ابلیس اُن کے سامنے دوست نما قسمیں کھاتا ہوا جنت میں آیا تو وہ ابلیس کو پہچان نہ سکے وہ سمجھے شاید یہ کوئی فرشتہ ہے اور واقعتًا دوست ہے۔ اس کے بھیس اور قسموں سے دو وجہ سے دھوکہ کھایا ۱۔ ان کا خیال تھا کہ ابلیس تو مردود اور راندۂ درگاہ ہو چکا ہے وہ جنت میں نہیں آسکتا ۲۔ اور چونکہ وہ کَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ہو گیا اس لیے ابلیس رب کی قسم نہیں بول سکتا وہ تو رب کا منکر و گستاخ ہو چکا ہے اور یہ آنے والا

تو اللہ تعالیٰ کا نام اور اُس کی قسمیں کھا رہا ہے یہ بھی ایک بشری کمزوری ظاہر فرمائی گئی ہے کہ کتنا ہی عقل فکر اور ہنر مند سیاستدان چالاک ہو کر مگر اپنی عقل و خرد سے دوست و دشمن کو نہیں پہچان سکتا وَقَالَ مِلۡكُ کے دھوکے میں آ ہی جاتا ہے بجز اُس کے جو عَلٰی قَدَمِ النَّبِیِّ بِكَدٍ الكَمَالِ کے انعام والا ہو وہی سمجھتا ہے کہ وَقَانِیۡ فَضۡلُ رَبِّیۡ۔ اِس وقت آدم علیہ السلام کے پاس نبوت کی قوت نہ تھی محض بشریت پر یہ تمام واردات ہو رہی ہیں ۔ چوتھا قول یہ کہ آدم علیہ السّلام کو عَهِدَ لَا تَقۡرَبَا۔ تو یاد تھا مگر عہد کی نوعیت یاد نہ رہی یا شروع سے ہی نہ سمجھی کہ یہ عہد فرض ہے یا واجب یا مستحب یہ فرض تھا مگر اس وقت آپ مستحب سمجھے۔ (از مظہری صاوی معانی بیان کبیر) مِنۡ قَبۡلُ ۔کی مراد میں تین قول ہیں ۔ یعنی آدم علیہ السلام سے یہ وعدہ لینا بعد کے کفار یا کفارِ مکہ کے وعدوں وعیدوں سے پہلے لیا گیا تھا ۔ وہ بھی بھول گئے تو انہوں نے معمولی خطا کی اور پھر متنبہ کرنے پر تین سو سال روتے توبہ کرتے رہے لیکن کفارِ مکہ بھی عہدِ اَلَسۡت کو بھولے بھٹکے ہوئے ہیں اور اس بھول سے سخت ترین کفر بدترین ظلم کما رہے ہیں باوجود صَرَّفۡنَا مِنَ الۡوَعِيۡدِ کی تنبیہ کے نہ روتے ہیں نہ توبہ کرتے ہیں ۔ اپنے جدِّ اعلیٰ کی فطرتِ بشری پر ڈٹے ہیں ان کی فہمِ ایمانی پر نہیں آتے ۔ ۲ مِنۡ قَبۡلُ کا معنٰی ہے درخت کھانے سے پہلے آدم کو بتا سمجھا دیا گیا تھا اور عہد لیا تھا ۔ ۳ نزولِ قرآن سے پہلے یا اے نبی کریم تمہارے دنیا میں آنے سے پہلے گذشتہ زمانوں میں ہم نے عہد لیا تھا ۔ یہ سب قول درست ہو سکتے ہیں ۔

فائدے ان آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں ۔ پہلا فائدہ ۔ کتبِ الٰہیہ اور آسمانی کلامِ الٰہی و صحیفوں میں صرف قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا ۔ توریت زبور انجیل وغیرہ عربی میں نہ اترے ۔ لہٰذا سفیان ثوری کا وہ قول کہ سب کتابیں عربی میں نازل ہوئیں غلط اور بناوٹی ہے اس کی پوری تفصیل ہمارے فتاویٰ العطایا سوم میں دیکھئے ۔ یہ فائدہ یہاں قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا کی تخصیص سے حاصل ہوا ۔ دوسرا فائدہ ۔ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی کوئی انتہا کسی بھی مخلوق کو معلوم نہیں نہ یہ معلوم کہ کب انتہا ہو گی مخلوقی معلومات کے اعتبار سے نبی پاک کا علم مَا كَانَ وَمَا يَكُوۡنُ بے انتہا اور بحرِ بیکنار ہے ۔ یہ فائدہ وَقُلۡ رَّبِّ زِدۡنِیۡ عِلۡمًا کی دعا مانگنے کے ربانی حکم سے حاصل ہوا کہ اے محبوب تم تا قیامت یا تا ابد یہ دعا مانگتے رہو اور ہم دعا قبول کرتے ہوئے زیادتی فرماتے رہیں ۔ تیسرا فائدہ دنیا میں سب سے بڑی نعمت اور دولت علم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فقط اسی کی دعا مانگنے کا حکم دیا گیا کسی اور دوسری چیز کے مانگنے کا حکم نہ دیا گیا وہ تمام چیزیں رب تعالیٰ نے اپنے حبیب کو بن مانگے خود ہی عطا فرما دیں ۔ نیز بڑی نعمت کی عزت و قدر بھی ہونی چاہیے اور طلب و خواہش سے

دعائیں مانگ کر لینا یہ بھی نعمتِ الٰہی کی قدر دانی ہے یہ فائدہ بھی رَبِّ زِدْنِی عِلْمًا کی دعا سے حاصل ہوا۔ تفسیر روح البیان و معانی میں ہے کہ عبداللہ ابن مسعودؓ اس کے بعد یہ دعا ہمیشہ مانگا کرتے تھے رَبِّ زِدْنِی عِلْمًا وَّ اِیْمَانًا وَّ فِقْهًا وَّ یَقِیْنًا۔ چوتھا فائدہ ۔ بارگاہِ الٰہی میں تمام عرشی فرشی مخلوق سے زیادہ افضلیت اور درجۂ اقربیت و محبوبیت آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔ اس لیے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو زیادتیِ علم کی خواہش ہوئی تو ان کو صرف ایک بار ایک اور نبی رسول خضر علیہ السلام کے پاس بھیج دیا لیکن جب حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادتیِ علم کی خواہش ہوئی تو تا ابد خود اپنی بارگاہِ ربانی میں دعا مانگنے اور زیادتیِ علم کے حصول کا طریقہ بتا دیا کسی دوسرے کے پاس نہ بھیجا۔ اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ کائناتِ مخلوق میں رَبِّ زِدْنِی سے پہلے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اتنا کثیر علم تھا کہ کسی اور کے پاس نہ تھا۔ زِدْنِی کا مسئلہ بجز خالق تعالیٰ کے کوئی حل ہی نہ کر سکتا تھا یہ فائدہ قُلْ رَّبِّ زِدْنِی میں رَبِّ فرمانے سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ ۔ انسانی کمزوریوں میں سب سے بڑی اور نقصان دہ بیماری جس سے دنیا و آخرت کے ہزارہا نقصانات ہیں وہ بھول و نسیان ہے۔ یہ بیماری عقل و ذہن قلب و فکر کو بھی ناکارہ کر دیتی۔ لغزش خطا گناہ وعدہ خلافی کفر شرک سب اسی کے نقصانات ہیں۔ ہر مسلمان کو اس سے بچنے کی بڑی ہمت کرنی چاہیے۔ یہ فائدہ فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا فرمانے سے حاصل ہوا۔ کہ رب تعالیٰ نے ابتداءِ آفرینش میں تمام کمزوریوں سے پہلے اس کمزوری کی نشاندہی فرمائی۔ اور بتا دیا کہ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا کے باوجود بھی اس بیماری نے اپنا نقصان کر دیا۔ کہ جنت سے نکلوا دیا۔ لباس اتروا دیا۔ تین سو سال رلا دیا۔ عَصٰی اٰدَمُ کی تنبیہ کا پیغام سنا دیا۔ یہ بیماری پیدائشی بھی ہوتی ہے اور بعد کی بعض غلط عملیات کی وجہ سے بھی بزرگانِ دین نے ان اسبابِ نسیان کی کچھ نشاندہی کروائی ہے۔ چنانچہ مولیٰ علی نے فرمایا کہ دس چیزیں نسیان پیدا کرتی ہیں ۱ کثرتِ فکر غم پریشانی ۲ کھڑے پانی میں پیشاب کرنا ۳ کھٹا سیب کھانا ۴ چوہے کا جھوٹا کھانا یا پینا ۵ قبروں کی تختیاں بلاوجہ پڑھنا ۶ سولی یا پھانسی والے مردے کی طرف زیادہ دیکھنا ۷ اونٹوں کی قطار میں دو اونٹوں کے درمیان چلنا ۸ بدن یا سر میں سے جوں نکال کر زندہ ہی زمین پر پھینک دینا یا پھر سر میں ہی چھوڑ دینا ۹ چاندی کے برتنوں یا دانت کا استعمال کرنا ۱۰ عورتوں والا سکڑا مردوں کو ملنا۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ کثرتِ گناہ سے بھی نسیان پیدا ہوتا ہے آپ اپنے استاد کا ایک شعر سنایا کرتے تھے۔

فَاِنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ مِّنْ اِلٰهٍ   وَاِنَّ النُّوْرَ لَا یُعْطٰی لِعَاصٍ

یعنی اے شافعی علم اللہ کا نور ہے اور گناہ والے کو نور نہیں دیا جاتا۔

احکام القرآن

ان آیتِ کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ باری تعالیٰ نے اس آیت پاک میں بندوں کو یہ بات سمجھائی ہے کہ ہمیشہ ایسی بات کرنی اور لکھنی چاہیئے جس میں انبیاء کرام علیہم السّلام کی تعظیم اور شان ظاہر ہوتی ہو۔ خود رب تعالیٰ بھی ہمیشہ اپنے پیارے محبوب بندوں کی ہر طرح مدح وثنا فرماتا ہے یہ مسئلہ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا کے تعریفی وثنائی جملے سے مستنبط ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ نے یہ جملہ ارشاد فرما کر اپنے پیارے بندے حضرت آدم علیہ السّلام کے دامن سے گناہ وعصیان کا داغ دھو دیا کہ اگرچہ بشری کمزوری سے نسیان تو ہوا مگر یہ اجتہادی غلطی تھی۔ نہ کہ عزم۔ لہٰذا ہر مسلمان کو ایسے بیہودہ مردود اور جاہلانہ قول چھوڑ دینے چاہیئے جس میں توہین یا کسی کمی کا ذرہ بھر شائبہ ہو۔ کیونکہ بیہودہ اقوال نبیطانوں کے قلم اور زبان سے نکلتے ہیں۔ دوسرا مسئلہ جب قرآن مجید بغرضِ تلاوت پڑھا جائے تب قریب بیٹھے ہوئے تمام لوگوں کو سننا اور خاموش رہنا واجب ہے صرف ایک شخص تلاوت کرے باقی سنیں۔ دوسرے لوگ نہ تو دنیوی بات کر سکتے ہیں نہ دینی بلکہ نہ قرآن مجید ہی پڑھ سکتے ہیں۔ ختم شریف یا ایصالِ ثواب کے لیے اجتماعی تلاوت کرنا ضروری ہو تو سب ایک محفل میں آہستہ پڑھیں اگر کوئی وہیں بیٹھے زور سے پڑھے گا تو باقیوں کا پڑھنا منع ہو جائے گا ان پر اس کا سننا واجب ہوگا۔ ہاں البتہ اگر کوئی مدرسہ ہے اور قرآن پاک بغرضِ تعلیم شاگرد پڑھ رہے ہیں تو سب کا زور سے پڑھنا بھی بیک وقت جائز اور استاد کا زور سے بولنا پڑھانا بھی جائز ہے یہ مسئلہ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ کی ایک تفسیر سے مستنبط ہوا کہ جبرئیل علیہ السّلام کا وحی کی آیت کا زور سے پڑھنا چونکہ تعلیم دینا نہ تھا نہ تعلیم لینا۔ بلکہ تلاوتِ قرآن تھا۔ اس لیے جب ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ساتھ ساتھ پڑھنا شروع کیا تو اس آیت میں آپ کو منع فرما دیا گیا اور تاقیامت مسلمانوں کو اس مسئلے کا علم ہو گیا۔ ہمارے ایک ہم عصر بزرگ مفسر صاحب نے ایک لغزش کرتے ہوئے نزولِ وحی کی محفل کو محفلِ تدریس سے تشبیہ دے ڈالی وہ لکھتے ہیں کہ حصولِ علم کا عام طریقہ تو یہی ہے کہ استاد جو کہے شاگرد اُسے غور سے سنتا بھی جائے اور ساتھ ساتھ اسے ذہن میں محفوظ بھی کرتا جائے اور میں کہتا ہوں یہ تفسیری نکتہ احمقانہ ہے۔ یہ تشبیہ غلط بھی ہے۔ مجالسِ تعلیم کے طور طریقے تجربے اور مشاہدے وحقیقت کے خلاف بھی۔ کہیں بھی مدرسوں میں خاموش فہمی سے تعلیم نہیں ہو سکتی خاص کر حفظ القرآن یا ناظرے قرآن کی درس گاہوں میں نیز جبرئیل صرف ایک قاصد ہیں۔ ان کو استاد سے تشبیہ دینا اگر عقیدۃً ہے تو گستاخی ہے مفسر کو توبہ کرنی چاہیئے۔ اگر نسیاناً

ہے تو خطا ہے۔ آئندہ اس تشبیہ کو مٹانا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمائے کیونکہ یہ بات منشاءِ قرآن حکیم کے خلاف ہے **تیسرا مسئلہ**۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ کسی بھی شخص پر نہ اس کی حق تلفی اور کمی کا ظلم کرے نہ زیادتی اور چھینا جھپٹی کا ہضم کرے۔ مقررہ حق سے کم دینا ظلم ہے اور زیادہ لینا ہضم ہے دونوں سے بچنا عدلِ اسلامی ہے یہ مسئلہ لَا يَخَافُ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا سے مستنبط ہوا رب تعالیٰ نے اپنی عدالتِ الٰہیہ کی شان یہ بتائی کہ باوجود اس کے کہ وہ خالق سب اس کی مخلوق و مملوک پھر بھی نہ ظلم فرمائے نہ ہضم تو پھر دوسرے انسانوں کو اس کی کیسے اجازت ہو سکتی ہے فقہاءِ کرام فرماتے ہیں کہ ملاوٹ کی چیز بیچنا ظلم ہے اور دھوکہ دے کر کوئی چیز حاصل کرنا ہضم ہے۔ چنانچہ کالا خضاب لگا کر رشتہ مانگنا ہضم میں شامل۔ اسی لیے کالا خضاب حرام ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا فَنَسِيَ دوسری جگہ طٰہٰ آیت ۱۲۱ میں ہے وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ۔ یعنی آدم نے نافرمانی کی تو گمراہ ہوا (وہابی ترجمہ) نسیان معمولی خطا ہے اس پر سزا نہیں ہوتی اور عصیان سخت جرم ہے اس پر سزا لازم اور آدم کو سزا ہوئی کہ جنت سے نکالا گیا۔ اگر حضرت آدم کا یہ فعل نسیان تھا تو اسے عصیان کیوں فرمایا گیا اور اگر عصیان تھا تو نسیان کیوں فرمایا گیا! **جواب**۔ یہ فعل نسیان ہی تھا اور جنت سے نکالا جانا سزا نہ تھی مگر معترض نے نسیان عصیان اور فَغَوَىٰ کا ترجمہ درست نہ کیا، اس لیے یہ الجھن پڑی۔ نسیان کے چار معنیٰ ہیں ۱۔ بھولنا یاد نہ رکھنا ۲۔ چھوڑ دینا نہ کرنا نہ پرواہ کرنا ۳۔ بے توجہ ہونا ۴۔ دھیان نہ دینا، یہاں مراد ہے بھول کر چھوڑ دیا۔ قرآن مجید میں یہ لفظ تقریباً ۴۵ جگہ ارشاد ہوا ہے اور ان ہی چار معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً سورۃ توبہ آیت ۶۷ میں ہے نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ۔ انہوں نے اللہ کو چھوڑ دیا تو اللہ نے ان کو چھوڑ دیا۔ یہاں بھولنے کا ترجمہ نہیں کیا جا سکتا۔ ایسے ہی فَنَسِيَ آدَمُ میں بھی صرف بھولنا ترجمہ نہیں بلکہ بھول کر چھوڑ دیا۔ مراد ہے۔ اس لیے کہ شیطان ابلیس تو دہرا رہا ہے کہ مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَٰذِهِ الشَّجَرَةِ (سورۃ اعراف آیت ۲۰) عَصَىٰ کا معنیٰ بھی یہاں نافرمانی کرنا منشاءِ قرآن کے خلاف ہے۔ بلکہ عَصَىٰ میں نَسِيَ کی وجہ بتائی جا رہی ہے۔ یعنی یہ عہد چھوڑنا اس لیے تھی کہ عَصَىٰ۔ پس وہ بے توجہ ہو گئے تھے نوعیتِ ممانعت سے۔ عَصَىٰ کی وجہ سے نَسِيَ اور نَسِيَ کی وجہ سے فَغَوَىٰ تو اپنے مقصد میں ناکام ہو گئے۔ غَوَىٰ کا ترجمہ گمراہی کرنا جہالت ہے جنت سے نکالا جانا اس نَسِيَ کا نتیجہ ہے نہ کہ سزا۔ جیسے کوئی ڈاکٹر کہے کہ اگر مریض نے سخت غذا کھائی تو پیٹ میں درد ہوگا تو پیٹ میں درد ہونا سزا نہیں بلکہ نتیجہ ہے۔ **دوسرا اعتراض** اس کی کیا وجہ کہ تقوے کو قرآن مجید

کی طرف منسوب نہ کیا گیا ذکر کو منسوب کیا گیا کہ ارشاد ہوا لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ. تاکہ وہ خود متقی ہو جائیں اَوْ يُحْدِثُ
لَهُمْ ذِكْرًا. یا یہ قرآن مجید مہیا کرے ان کے لیے ذکر۔ جواب۔ اس لیے کہ تقوے میں سلب اور
معدومیت ہے مگر ذکر میں ایجاب اور ثبوت ہے۔ یعنی بندہ اپنے سے برے کاموں کو ختم کردے
عیوب سے ہمیشہ کے لیے بچنے لگے یہ تقویٰ ہے اس استمراری معدومیت اور منفی پہلو کی وجہ سے
اس کو قرآنِ مجید کی طرف نسبت نہ کیا گیا جب بندہ متقی بن جائے اور اس کا باطن خالی ہو جائے تب
قرآن مجید اس سینے میں ذکر فکر ہدایت بھر دے گا۔ اگر کوئی تقویٰ اختیار کر لے تب بھی قرآنِ پاک اس کے
لیے راستہ درست ہموار فرما دے گا بہرحال تقویٰ تو خود ہی اپنانا پڑے گا۔ تیسرا اعتراض قرآن مجید
سے حدوثِ ذکر کیسے ہوتا ہے۔ جواب۔ اس طرح کہ جب بندہ بار بار تلاوت کرتا ہے تو اس کو
روشنی حاصل ہوتی ہے روشنی سے سمجھ اور سمجھ سے نصیحت یعنی ذکر حاصل ہو جاتا ہے چوتھا اعتراض
یہاں تقوے اور ذکر کے درمیان لفظ اَوْ۔ ارشاد ہوا۔ اَوْ دو چیزوں کے درمیان نفی پیدا کرتا ہے
حالانکہ تقویٰ اور ذکر آپس میں منافی نہیں ہیں بلکہ لازم و ملزوم ہیں کہ ذکر ہوگا تو تقویٰ خود بخود ہوگا اور
تقویٰ ملے گا تو ذکر و نصیحت بھی یہاں اَوْ نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ جواب یہاں حرفِ اَوْ کا تعلق تقوے
اور ذکر سے نہیں بلکہ بندے کے دل سے ہے یعنی نزولِ قرآن کا مقصد یہ ہے کہ بندے کا
دل خالی نہ رہے یا خوفِ وعید سے تقویٰ دل میں آجائے یا قرآنِ کریم ان کے دل میں ذکرِ الٰہی ڈال
دے۔ اس کی مثال اس طرح سمجھو کہ کوئی کہے اس گھر میں یا زید رہتا ہے یا بکر۔ تو حرفِ یا نے زید بکر
میں منافات نہ کی وہ تو دونوں بھی رہ سکتے ہیں نفی خالی رہنے کی ہے کہ گھر کبھی خالی نہ رہا ایسے ہی
یہاں ہے کہ تقوے اور ذکر سے بندے کا قلب خالی نہ رہے گا یا تقویٰ آئے گا یا دونوں جواب
دوم یہ کہ اَوْ کا تعلق تقوے اور ذکر سے نہیں بلکہ تقوے اور حدوثِ ذکر سے ہے کہ اگر کوئی متقی
نہ بنے تو کم از کم یہ قرآنِ حکیم ان میں ذکر پیدا کر دے گا۔

تفسیر صوفیانہ

وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ۝ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ
اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا۔ بندہ مثلِ مکان ہے۔ اس کے اعمالِ شریعت عمارت اور اعمالِ طریقت اس
کا سامانِ زیب و زینت۔ اس کی نیتِ صالحہ ایمان ہے یہ ہی بنیادی مضبوطی ہے بندۂ مومن چار چیزوں
سے مکمل ہوتا ہے (۱) اعمالِ شریعت (۲) تفکرِ طریقت (۳) تدبرِ ایمانی (۴) تیقنِ عرفانی سے اور جس نے ترکئے
کے غسل۔ تقلیبات کے زیور سے اپنے خود کو مزین کیا اور لباسِ ایمانی کا مومن بن گیا تو اس کو کہیں بھی کبھی بھی

کمالاتِ حاصلہ میں کمی کا اندیشہ نہ ہوگا کہ یہ ظلمِ باطنی ہے اور نہ اُس کو استعدادِ توفیق کا کبھی خسارۂ صلبی ہو کیونکہ یہ ھضمِ باطنی ہے۔ بندۂ مخلص دونوں مصیبتوں سے بے خوف کر دیا جاتا ہے، نہ ذلّت کا ظلم نہ مرتبے کا ھضم عالمِ ناسوت میں اجسام کی زبانیں اگرچہ مختلف ہیں مگر ارواحِ عالم کی زبان صرف عربی ہے جن وانس سب کی اسی لیے ارواحِ قدسیہ پر الہاماتِ صمدیہ لغتِ عربی میں نازل ہوتے ہیں۔ اِن الہاماتِ معرفت میں مریدانِ بے خلوص و مسافرانِ راہِ سلوک میں ریاکاری نمود کے لیے بے توفیقی کی وعیدیں ہیں تاکہ یہ غافل لوگ سُست اقدام کاہل الاعمال مسافر اپنے تزکیۂ نفس سے تقویٰ کی منزل جلدی پالیں یا الہاماتِ ربّانی کے انوار کا زیور ذکر وحفظ الہامات سے دیدیا جائے تب ان میں کیفیاتِ تفکر پیدا ہو جائے فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ۔ انوار اسرار کی تمام قدرتیں اس اللہ تعالیٰ کو ہیں جو علم وجلال عظمت وکمال میں تمام کائنات سے اعلیٰ و بالا و تعالیٰ ہے۔ اُس کی قدرت سے کوئی بالا نہیں اور اُس کے امر سے کوئی باہر نہیں ہو سکتا اسی کی ملکیتِ حقیقیہ اور سلطنتِ اصلیہ ہر شی پر غالب ہے، اسی کا تصرف اُس کے ارادے اور قدرت کے مطابق ہے اسی کا عدل نافذ ہے عاملین پر اُسی کا کرم قائم ہے خائفین پر، ہر مخلوق کو اُس کا حصہ اس کے حق کے مطابق عطا فرماتا ہے اپنی حکمت سے اُس کے وقت کے آنے پر۔ لہٰذا وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰۤى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا۔ جب حبیبِ ابدی کو مقامِ لامکانی پر قُربِ کلام کا شرف حاصل ہوتا ہے تو غایتِ ذوق سے لذّتِ قول میں ہیجانِ شوق بڑھتا ہے اور لسانِ عشق میں تیزی آجاتی ہے تب صداءِ قَابَ قَوْسَيْنِ بلند ہوتی ہے کہ اے حبیبِ قدسی ترقیِ علمِ لدُنّی وتلقیِ اسرارِ منی میں جلدی نہ فرما کیونکہ علم وحکمت کا نزول نافذ ہے مراتبِ قبولیت کی ترقی وترتیب پر۔ نہ طلب میں جلدی فرما اس کے لیے فیضانِ انوار غیر متناہی ہیں کسی کی شمار میں نہیں آسکتے۔ طلب عرض فرما ترقیِ علمِ اسرار اور قلب کے غُسل تصفیہ اور قالب کے زیور تذکیہ کی کیونکہ طلب کثرت نقط ودعاءِ حالی اور زبانِ استعدادی سے میسر ہوتی ہے نہ کہ جلد بازی سے امکانِ قبول سے پہلے کچھ نہیں ہو سکتا اور جب تو نے کسی چیز کو جان لیا تو تیری قبولیت کا درجہ پہلے سے اعلیٰ ہوگا (از ابن عربی)، وَلَقَدْ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا۔ اور البتہ بے شک ہم نے ہر آدمِ باطنی سے معرفتِ اسرار کا عہد لیا تھا کہ شجرِ ظلمت کے قریب نہ جانا یہ عہدِ خلقیت قُربِ انوار کی جنتِ روحانیت میں جانے سے پہلے لیا تھا۔ پھر جب جنتِ روحانیہ میں پہنچ کر نعیمِ جنت پر نگاہ ڈالی۔ فَنَسِيَ تو یہ بندۂ خاکی ہمارے عہد اور تعلقِ شجر کی ممانعت اور عداوتِ ابلیسی کو بھول گیا یہ سب اس لیے ہوا کہ جب آدمی کو خلقتِ معرفت دی گئی تو اوّلاً قلبِ

باطنی پر صفاتِ کثیرہ کی تجلی ڈالی گئی جس سے صفاتِ انسانی کی ظلمات مغلوب و مستور ہو گئیں۔ صفاتِ ربوبیت کی ہیبت سے بدنِ ناسوتی میں تعلقات ماسوا اللہ اور انقیاد لغیر اللہ کا مادہ ہی باقی نہ رہا۔ پھر جب انسان کی بشریتِ حیوانیہ اور خواہشاتِ نفسانیہ کو حرکت ہوئی اور وہ لذاتِ آدمیت کو پورا کرنے میں مشغول ہوا تو حقوقِ معرفت کو ادا کرنا بھول گیا۔ اس لیے یومِ معرفت کا سورج اور لیلِ مکاشفہ کا چاند نسیان کے بادلوں میں صرف چھپ گیا غروب نہ ہوا کیونکہ یہ خطاءِ اجتہادی تھی عزم بالجزم نہ تھا اے بندۂ عارف اس بھول سے بچنے کے لیے اپنے رب حیّ و قیوم سے طلبِ علم لدنی کی کثرتِ دعا عرض کرتا رہ ہم مثلوں سے نہ مانگ بے مثل سے مانگ۔ بے مثلی کا دعویٰ صرف حَیٌّ وَّ لَا یَمُوْتُ کو ہے اور اس دعوے کی بُرْھَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ نبی بے مثل ہے۔ بایزید بسطامی نے فرمایا کہ مسکین وہ ہے جو ہم مثل سے طلب کرے غنی وہ ہے جو بے مثل سے طلب کرے۔ ہم مثل کا بھکاری نامراد رہتا ہے مگر بے مثل سے مانگنے والا یقیناً مراد پا لیتا ہے علم انوارِ الٰہی کا ایک نور ہے کوئی عبدالرزاق سے لیتا ہے کوئی رزاق سے روایت میں ہے کہ سب سے اچھا و افضل عمل علم باللہ ہے۔ اس لیے کہ علم والا تھوڑا کام بھی زیادہ نفع دیتا ہے اور جہالت والا زیادہ کام بھی نفع نہیں دیتا۔ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تعلیمِ امت کے لیے اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عِلْمٍ لَّا یَنْفَعُ۔ اے اللہ میں پناہ مانگتا تیری اُس علم سے جو نفع نہ دے۔ علم باللہ صفائیِ باطن کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ صفائیِ قلب اعظمِ قربات اور افضلِ طاعات ہے۔ ہر بندے پر عبادت کے چار حقوق ہیں پہلا حق فرائض کی ادائیگی جس نے فرض چھوڑ کر نفلی عبادتیں شروع کیں اس نے خواہشاتِ شیطانی کی اتباع کی یہ بھی ابلیس کا ورغلانا ہے۔ دوسرا حق واجبات کی ادائیگی۔ تیسرا حق مستحبات کی ادائیگی چوتھا حق اور آخری نوافل کی ادائیگی اور کثرت میں مشغولیت۔ فرائض مثلِ برتن ہے۔ واجبات اس کی مضبوط بناوٹ و خوب صورت شکل و صورت ہے مستحبات اس کی نکل پالش اور قلعی ہے نوافل اُس کے اندر لذیذ پانی اور کھانا ہے۔ انسان کو پہلا دھوکا عورت کے ذریعے ملا۔ عورت کے نہ ہونے پر صبر کر لینا بہتر ہے عورت کے حصول پر بے صبری کرنے سے آدمی کی سب سے بڑی بشری کمزوری یہ ہے کہ وہ عورت کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا

اور یاد کیجئے اے محبوب اُس وقت کو جب کہا تھا ہم نے فرشتوں کو سجدہ کرو تم آدم کو تو سب نے ہی سجدہ کیا تھا

اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب سجدے میں گرے

اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا

مگر ابلیس نے انکار کر دیا تھا تو کہا تھا ہم نے اے آدم بے شک یہ

مگر ابلیس اس نے نہ مانا۔ تو ہم نے فرمایا اے آدم بے شک یہ

عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا

سخت دشمن ہے تمہارا اور تمہاری بیوی کا تو یہ نکلوا نہ دے تم دونوں کو

تیرا اور تیری بی بی کا دشمن ہے تو ایسا نہ ہو کہ وہ تم دونوں کو

مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ

جنت سے پھر تم مشقتوں میں پڑ جاؤ بے شک یقینی بات ہے کہ نہ بھوک محسوس کرو گے تم

جنت سے نکال دے پھر تو مشقت میں پڑے۔ بے شک تیرے لیے جنت میں یہ ہے

فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا

اس جنت میں نہ کبھی ننگے ہو گے تم۔ اور بے شک نہ پیاس محسوس کرو گے تم اس میں

کہ نہ تو بھوکا ہو نہ ننگا ہو۔ اور یہ کہ تجھے نہ اس میں پیاس لگے

وَلَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ

اور نہ گرمی پاؤ تم۔ تو فریب کاری کی اُن کی طرف شیطان نے کہ

نہ دھوپ۔ تو شیطان نے اسے وسوسہ دیا

قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ

کہا اے آدم کیا پتہ بتا دوں تم کو ہمیشہ کی زندگی دینے والے درخت کا

بولا اے آدم کیا میں نہیں بتا دوں ہمیشہ جینے کا پیڑ

وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾

اور ایسی سلطنت کا جو کبھی ختم نہ ہو

اور وہ بادشاہی کہ پرانی نہ پڑے

تعلقات ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیت میں حضرت آدم علیہ السلام کے ایک عہد کا ذکر فرمایا گیا۔ اب ان آیات میں اس کی تفصیل بتائی جا رہی ہے۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں مومن کی شان بتائی گئی کہ عالم آخرت جنت میں حشر و قیامت میں ان پر کوئی ظلم وغیرہ نہ ہوگا۔ اب ان آیات میں حضرت آدم کے وقت سے جنت کا نقشہ بتایا گیا کہ اس وقت بھی آدم علیہ السلام سے فرمایا گیا تھا کہ تم کو جنت میں کسی قسم کا اندیشہ و خوف نہ ہوگا۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ یہ قرآن مجید متقی بننے اور اپنے برے بھلے کو سوچنے سمجھنے کے لیے نازل کیا گیا ہے اب ان آیات میں فرمایا جا رہا ہے کہ برا کون ہے جس سے بچنا ضروری ہے اور جس سے بچ کر ہی انسان متقی بن سکتا ہے۔

تفسیر نحوی وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى۔ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى۔ واؤ ابتداءِ کلام کے لیے د سر جملہ قُلْنَا فعل ماضی مطلق جمع متکلم مثبت معروف مرجع اللہ تعالیٰ لام جارہ تعدیہ (مفعولیت) کا اردو ترجمہ ہے "کو" ملٰئکۃ اسم جمع مکسر ہے اس کا واحد ملک ہے بمعنی فرشتہ یہ جار مجرور متعلق ہے قلنا کا وہ فعل با فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا مقولہ اُسْجُدُوْا باب نصر کا فعل امر حاضر جمع مذکر سجدہ سے مشتق ہے بمعنی زمین پر سر ماتھا لگانا ٹیکنا۔ اس کی بہت سی قسمیں ہیں جو ان شاء اللہ تعالیٰ تفسیر عالمانہ میں بیان کی جائیں گی کم و ضمیر

پوشیدہ اس کا فاعل لِاٰدَمَ یہ جار مجرور متعلق ہے اُسْجُدُوْا کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ ہوا قُلْنَا کا قول مقولہ مل کر شرط ہوا اِذْ ظرفیہ زمانیہ شرطیہ کی وجہ سے فَ جزائیہ سَجَدُوْا باب نَصَرَ کا ماضی مطلق مثبت معروف ھُم ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ہے مَلٰٓئِکَہ اِلَّا حرفِ استثنا اِبْلِیْسَ اسم مفرد جامد غیر منصرف کیونکہ عجمی عَلَم ہے بحالت نصب ہے کیونکہ مستثنیٰ منقطع ہے اور منقطع چونکہ صرف مستثنیٰ ہی ہو سکتا ہے کسی قسم کا بدل نہیں ہو سکتا لہٰذا نصب دینا واجب ہے خیال رہے کہ مستثنیٰ کا اعراب چار قسم کا ہوتا ہے ۱ نصب واجب یہ پانچ سورتوں میں ہے اوّل یہ کہ مستثنیٰ مَاخَلَا یا مَاعَدَا یا لَیْسَ کے بعد ہو دوم یہ کہ مستثنیٰ مقدم ہو مستثنیٰ مِنہ سے سوم یہ کہ مستثنیٰ صفت نہ بن سکے اور کلام منفی نہ ہو چہارم یہ کہ مستثنیٰ خَلَا یا عَدَا کے بعد ہو مگر اس میں اختلاف ہے پنجم یہ کہ مستثنیٰ منقطع ہو یعنی کسی گروہ سے نکالا اس کو جائے جو پہلے داخل ہی نہ ہو صرف کسی تعلق یا نسبت وغیرہ کی بنا پر شامل ہو گیا ہو۔ گویا کہ مستثنیٰ کا اصل اعراب نصب ہے ان پانچ جگہ نصب اس لیے واجب ہے کہ یہاں مستثنیٰ اپنے مستثنیٰ منہ کا نہ بدل بنایا جا سکتا ہے نہ صفت موصوف صرف مستثنیٰ ہی بن سکتا ہے جہاں یہ بات نہ ہو وہاں مستثنیٰ پر کسرہ بھی آسکتا ہے اور عامل کے مطابق اعراب زیر زبر پیش آسکتا ہے اور اگر وہ لفظ مستثنیٰ بھی ہو سکتا ہے اور بدل یا صفت بھی تو نصب (زبر) جائز ہے۔ اِبْلِیْسَ پر تنوین (دو زبر) اس لیے نہیں آسکتا کیونکہ یہ غیر منصرف ہے یہ سَجَدُوْا کے فاعل کا مستثنیٰ ہے اور ذوالحال ہے اَبٰی کا باب ضَرَبَ یا فَتَحَ کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب اَبْیٌ سے مشتق مہموز الفا اور ناقص یائی بمعنیٰ سختی اور متکبرانہ کسی چیز یا کلام سے انکار کرنا خیال رہے کہ نُکْرٌ، کُفْرٌ، اَبٰی، جَحْدٌ، نَکْلٌ یا نچوں مصدروں کا ترجمہ ہے انکار کرنا مگر فرق یہ ہے ۱ نُکْرٌ عام ہے ہر قسم کے انکار کو ۲ کُفْرٌ کسی دینی مذہبی یا قلبی اچھے یا برے عقیدے کا انکار کرنا مگر اصطلاح میں اچھے دینی عقیدے کا انکار کرنا ۳ اَبٰی سختی و متکبرانہ طریقے سے انکار کرنا ۴ جحد کوئی بات یا وعدہ کر کے جان بوجھ کر انکار یا نفی کرنا ۵ نَکْلٌ قسم یا منت یا شرط سے انکار کرنا۔ اَبٰی فعل با فاعل پوشیدہ ضمیر ھُوَ کا مرجع اِبْلِیْسَ ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر حال ہوا اِبْلِیْسَ کا دونوں مل کر مستثنیٰ ہوا سَجَدُوْا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہوئی قُلْنَا کی شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ فَ عاطفہ قُلْنَا فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا یا حرفِ ندا اٰدَمُ اس کا منادیٰ اِنَّ حرفِ تحقیق ھٰذَا اسم اشارہ قریبی اس کا مشار الیہ اِبْلِیْسَ ہے یہ اسم اِنَّ ہوا عَدُوٌّ اسم مفرد صفت مشبہ صیغہ مبالغہ عَدُوْوٌ تھا بروزن فَعُوْلٌ واؤ کا واؤ میں ادغام کر دیا بمعنیٰ بہت ہی سخت مکمل دشمن ہر چیز جان مال عزت و آبرو کا دشمن اور ہر طرح سے دشمنی لینے والا یعنی موذی دشمن۔ اس کے علاوہ بھی عربی لغت میں دشمن کے لیے تین لفظ ہیں جن میں نوعی فرق یہ ہے ۱ لَدُوْدٌ وہ دشمن جو ضدی اور جھگڑالو ہو جو کبھی دوست نہ بن سکے

۲ مُنَاصِحٌ جو موذی دشمن نہ ہو موذی دشمن وہ ہوتا ہے جو صرف نقصان کرے اپنا فائدہ ہو یا نہ ہو جیسے چوہا کتابیں کاٹتا ہے اس میں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا ۳ مباغض کینہ پرور، شہ دشمن دل سے دشمنی نہ نکالے انتقام کے بعد بھی بھڑاس نہ نکلے لَکَ جار مجرور معطوف علیہ اور لِزَوْجِکَ مرکب اضافی جار مجرور معطوف لِ ضمیر میں دونوں جگہ مرجع حضرت آدم ہیں اور زوج سے مراد حضرت حوا ہیں دراصل زَوْجَتِکَ کا ہے تاء تانیث تخفیف کے لیے ضمیر مخاطب مذکر کے قرینے سے گرادی گئی یہ دونوں عطف متعلق ہیں عَدُوٌّ کا هُوَ ضمیر پوشیدہ ہے وہ اس کا فاعل ترجمہ ہے وہ ابلیس سخت دشمنی کرنے والا ہے یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر اِنَّ ہے اِنَّ اپنے اسم خبر سے مل کر شبہ جملہ ہو کر جواب (دیا) ندا ہوا ندا منادیٰ جوابِ ندا سب مل کر معطوف علیہ سبب ہوا فَ عاطفہ سببیہ لَا يُخْرِجَنَّ باب افعال کا فعل نہی تاکید بہ با نون ثقیلہ اِخْرَاجٌ مصدر متعدی ہے بمعنیٰ نکالنا باہر کرنا خُرُوجٌ مادہ سے بنا ہے بمعنیٰ نکلنا هُوَ پوشیدہ فاعل ہے جس کا مرجع ابلیس ہے کُمَا اسم ضمیر تثنیہ مذکر حاضر اس کا مرجع ہے آدم و حوا مفعول بہ ہے مِنَ الْجَنَّةِ یہ جار مجرور متعلق ہے لَا يُخْرِجَنَّ سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر سبب ہوا فَ سببیہ تَشْقٰى باب فَتَحَ کا فعل مضارع مثبت معروف واحد مذکر حاضر شَقْوٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ مشقت مصیبت پریشانی میں پڑنا یہاں دنیوی تکالیف مراد ہے اس کا فاعل اَنْتَ ضمیر صیغہ پوشیدہ مرجع آدم ہیں یہ جملہ فعلیہ ہو کر مسبب ہوا لَا يُخْرِجَنَّ کا سب مل کر پھر معطوف سبب ہے اِنَّ کے پورے جملے کا اگلی عبادت وَلَا تَضْحٰى تک تمام عبارت جواب دوم ہے۔ اِنَّ لَکَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى وَ اَنَّکَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَ لَا تَضْحٰى۔ اِنَّ حرفِ تحقیق بمعنیٰ بے شک لَکَ جار مجرور متعلق ہے مُحَقَّقٌ پوشیدہ اسم مفعول کا یعنی یقینی وعدہ یا حقیقت ہے تمہارے لیے اَنْ حرفِ ناصب اَلَّا دراصل اَنْ لَا ہے اَنْ حرفِ ناصبہ لَا تَجُوْعَ باب نصر کا مضارع مستقبل منفی معروف واحد مذکر حاضر جُوْعٌ سے بنا ہے خطاب ہے حضرت آدم کو فِيْهَا کا معنیٰ جنت میں یہ متعلق ہے لَا تَجُوْعَ کا واو عاطفہ لَا تَعْرٰى باب ضَرَبَ کا فعل مضارع مستقبل منفی معروف واحد مذکر حاضر عُرْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ ننگا ہونا۔ اَنْتَ پوشیدہ اس کا فاعل ہے جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف ہے لَا تَجُوْعَ پر دونوں مل کر اسم مؤخر ہے اِنَّ کا لَکَ مُحَقَّقٌ پوشیدہ سے متعلق ہوا اسم مفعول اپنے نائب فاعل هُوَ پوشیدہ کے ساتھ ہو کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَنَّ حرفِ مشبہ تحقیقیہ کَ ضمیر واحد مذکر حاضر منصوب متصل اس کا اسم ہے لَا تَظْمَؤُا باب سَمِعَ کا مضارع مستقبل منفی واحد مذکر حاضر اَنْتَ پوشیدہ اس کا فاعل مخاطب ظَمَاٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ پیاسا ہونا پیاس لگنا یہ آخر کا الفِ ہمزہ نشان ہے فِيْهَا

جار مجرور متعلق ہے لَا تَظْمَؤُا کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَا تَضْحٰی۔ باب سَمِعَ کا مضارع منفی معروف واحد مذکر حاضر ضُحُوْءٌ سے مشتق ہے بمعنٰی دھوپ کی تپش لگنا گرمی لگنا۔ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا دونوں عطف مل کر خبر اِنَّ ہوئی اَنَّ سب سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہوا اِنَّ لَكَ پر دونوں عطف مل کر نِدَا کا جواب دوم ہوا نِدا سب سے مل کر مقولہ ہوا قُلْنَا کا یہ جملہ قولیہ ہو کر معطوف اِذْ قُلْنَا کے جملہ قولیہ پر دونوں مل کر ظرف زمانی ہوا۔ اُذْکُرْ فعل اَمر پوشیدہ کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوگیا۔ فَوَسْوَسَ اِلَیْهِ الشَّیْطٰنُ قَالَ یٰاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰی شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا یَبْلٰی ف تعقیبیہ وَسْوَسَ۔ باب بَعْثَرَ کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف واحد مذکر غائب رباعی مصادر میں سے ہے اس کو نحو میں مضاعف رباعی کہتے ہیں یعنی فَ اور لام کلمہ دوم ایک جنس کے حرف اور عین و لام کلمہ اوّل ایک جنس یعنی وَسْ سین اور وَ واؤ اِلَیْهِ جار مجرور متعلق ہے۔ الشیطٰن اسم مفرد جامد عربی لفظ ہے ابلیس کا لقب ہے بحالتِ رفع فاعل ہے وَسْوَسَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مفسّر ہوا۔ قَالَ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا یا حرفِ ندا۔ اٰدَمُ اسم مفرد غیر منصرف عجمی اور علم ہے مبنی ہے ضمہ پر کیونکہ منادیٰ مضاف نہیں ہے هَلْ حرفِ سوالیہ اَدُلُّ باب نَصَرَ کا فعل مضارع سوالیہ معروف واحد متکلم دَلٌّ سے مشتق ہے ایسے مصدر کو نحو میں مضاعف ثلاثی کہتے ہیں بمعنٰی رہنما کرنا نامعلوم چیز کا پتہ بتانا۔ كَ ضمیر کا مرجع آدم مفعول بہ ہے علٰی حرف جر بمعنٰی اِلٰی شَجَرَةِ اسم مفرد جامد اس کی جمع ہوتی ہے اَشجار بمعنٰی بڑا تنا ور درخت مضاف ہے اَلْخُلْدِ اسم معرّف باللام مصدر بمعنٰی اسم فاعل بمعنٰی ہمیشہ رہنے والا۔ خُلْدٌ کا معنٰی ہے دیرپا نہ بگڑنے والا مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ مُلْكٍ اسم مفرد جامد بمعنٰی سلطنت بادشاہت موصوف ہے لَا یَبْلٰی باب سَمِعَ کا فعل مضارع مستقبل منفی معروف ایک قرأت میں مجہول ہے واحد مذکر غائب بِلًی سے مشتق بمعنٰی فنا ہونا۔ خراب ہونا۔ اس میں ضمیر صیغہ ہُوَ پوشیدہ اس کا فاعل ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے مُلْكٍ کی یہ مرکب توصیفی معطوف ہے شَجَرَةِ الْخُلْدِ پر دونوں عطف مجرور ہو کر متعلق ہے اَدُلُّ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جوابِ ندا ہوا سب ندا منادیٰ جواب ندا مل کر مقولہ ہوا قول مقولہ جملہ قولیہ ہو کر مفسّر ہے یہاں حرفِ تفسیر پوشیدہ ہے دونوں مفسَّر مفسِّر مل کر جملہ تفسیریہ ہوگیا۔

تفسیر عالمانہ

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ اَبٰی۔ فَقُلْنَا یٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا

يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى۔ اور یاد کیجئے اے حبیب اپنا وہ دیکھا سنا واقعہ جب ہم نے فرمایا تھا تمام فرشتوں سے کہ آدم کو احترام و تعظیم و تعظیم کا سجدہ کرو سجدۂ عبادت کے مشابہ زمین پر سر رکھ کر کیونکہ تم نے آدم کے تین جرم کئے ہیں۔ پہلا یہ کہ تم نے پیدائشِ آدم پر اعتراض کیا دوم یہ کہ تم نے اپنے غیبی اندازوں سے آدم کی غیر موجودگی میں ان کو خون ریز اور فسادی کہا یہ ان کی غیبت ہوئی۔ سوم یہ کہ تم نے اپنے آپ کو اُن سے افضل کہا کہ ہم ہی تقدیسِ الٰہی اور تسبیح کبریائی کے عبادت گزار ہیں یعنی وہ نہیں یہ بھی ان کی شان کی توہین الزام ہے۔ حالانکہ بارگاہِ الٰہیہ کی فضیلت عبادت سے زیادہ علمِ نافع سے ہے۔ اب جب کہ تم آدم کی علمی برتری کو جان چکے لہٰذا اپنی غلطیوں کی اُن سے معافی مانگو اور تمہاری معافی کا طریقہ یہ ہے کہ اعترافِ خطا کرتے ہوئے اُن کے سامنے سجدہ ریز ہو کر ان کی عزت افزائی اور اِجلال و اعزاز کا مظاہرہ کرو اِس حکم سجدہ میں ابلیس کو اس لیے شامل کیا گیا اُن جرائم میں فرشتوں کے ساتھ برابر کا شریک تھا بلکہ اِن اعتراضانہ مخالفتِ خلقتِ آدم پر ابلیس نے ہی فرشتوں کو اکسایا تھا۔ اس طرح کہ جب رب نے فرمایا اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً۔ تب فرشتوں نے اپنے ساتھ رہنے والے اِس جن سے مشورہ لیا کہ رب تعالیٰ نے یہ خبر سنائی ہے بتا ہم کیا عرض کریں۔ تب اُسی نے رب تعالیٰ کے عمل پر اعتراض کرنے کی جرأت فرشتوں کو سکھائی اور فرشتوں کے ساتھ مل کر اُس نے بھی کہا تھا۔ اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ (الخ) اس لیے اگرچہ وہ فرشتہ نہیں کیونکہ وہ ناری مخلوق ہے اور فرشتے نوری۔ مگر مجرم تھا اور یہ سجدہ جرم کی معافی کا ہی تھا اِس وجہ سے شیطان شامل ہوا نہ کہ فرشتہ ہونے کی وجہ سے مفسرین فرماتے ہیں کہ یہی وجہ ہے صرف فرشتوں کو حکم سجدہ ہوا اِن کے علاوہ کسی اور مخلوق چرند پرند درند شجر حجر حور و غِلمان اور دیگر جنات کو سجدے کا حکم نہ تھا یہ سجدہ معافی کا تھا اور معافی صرف اُس سے لی جاتی ہے جو جرم کرے اسی بنا پر یہاں اِلَّا سے مستثنیٰ متصل بھی بتانا درست ہے کہ کیونکہ استثنا فرشتوں کی جنسیت سے بھی نہیں بلکہ مجرموں سے ہے جن میں فرشتے تو تمام شامل مگر غیر فرشتے میں سے صرف ابلیس۔ اِس حکم الٰہی کو سن کر تمام فرشتے تو ایک دم گول حلقے کی چالیس صفیں بنا کر سجدے میں گر گئے مگر ابلیس نہ جھکا اگرچہ علمی مناظرے میں دیگر فرشتوں کی طرح وہ بھی حضرت آدم سے شکست کھا چکا تھا۔ ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اور فَقَالَ اَنْۢبِئُوْنِیْ میں بھی وہ شامل تھا اور قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا کے اظہارِ عجز میں بھی۔ اگر ایسا نہ ہوا ہوتا تو وہ تکبر اور انکار کی وجہ بتاتے وقت صرف خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ۔ نہ کہتا بلکہ علمی برابری یا بڑائی کا ذکر کرتا۔ ملٰئکہ کے خطاب میں یہ دو وجہ سے

شامل ہوا تھا ۱ یہ کہ یہ ابلیس فرشتوں کے ہر وقت ساتھ ہی رہتا تھا ۲ ابلیس فرشتوں کی طرح کثرت سے عبادت کرتا اور رئیس الملئکہ کہلاتا تھا۔ (از تفسیر خازن) لیکن خطاب الٰہی میں لِلْمَلٰٓئِكَةِ فرماتے اور ابلیس کو علیحدہ خطاب نہ کرنیکی وجہ ان کی کثرت ہے اور لِلْاَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ ہوتا ہے اور پردہ پوشی کرتے ہوئے جرم کا اظہار نہ فرمایا گیا۔ آدم علیہ السّلام کو یہ سجدہ نبوت کی وجہ سے نہ کرایا گیا نبی تو اُس وقت تھے ہی نہیں نہ عظمتِ خلافت کی وجہ سے بلکہ صرف معافی منگواتے ہوئے یہ سجدہ آدم علیہ السّلام کا حق تھا۔ تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ نو وجوہ سے آدم علیہ السّلام کو سجدہ کا استحقاق ملا ۱ خلافۃ الٰہیہ کی وجہ سے کیونکہ یہ امر عظیم ہے ۲ وجودِ آدم مجموعہ ہے عالمِ خلق۔ عالمِ امر۔ عالمِ ملک۔ عالمِ ملکوت، عالمِ دنیا۔ عالمِ آخرت، عالمِ اسرار کا آدم علیہ السّلام کے جسم میں عالمِ خلق کی اشیا امانت رکھی گئیں آپ کے باطن میں عالمِ دنیا کی آپ کے قلب میں عالمِ ملک آپ کی عقل میں عالمِ ملکوت کی آپ کی روح میں عالمِ امر آپ کے ظاہر میں عالمِ آخرت آپ کے مادۂ مزاجیہ میں عالمِ اسرار کی اشیاء ودیعت رکھی گئیں مگر فرشتے صرف عالمِ خلق اور عالمِ ملکوت سے ہیں اور ابلیس صرف عالمِ خلق سے ہے اس نسبتِ کمالیہ کی وجہ سے آدم علیہ السّلام کمال پر تھے لہٰذا سجدے کے مستحق ہوئے ۳ احسنیتِ تامہ مولیٰ تعالیٰ نے صرف آدم علیہ السّلام کو عطا فرمائی یعنی آدمیت کو نہ کسی فرشتے کو احسنیت ملی نہ جنات حیوانات شجرات حجرات کو اس طرح کہ روحِ آدم احسنِ تقویم اور بدنِ آدم احسنِ صورت بنایا گیا شکلِ آدم صورتِ رحمانی پر ہے لیکن ملئکہ نہ احسن تقویم نہ احسن صورۃ ان کی جسمانیت روحانی ان کی شباہت ملکی اس لیے فضیلت صرف بدنِ آدم و روحِ آدم کو ملی اس افضلیت کی وجہ سے سجدے کا استحقاق بھی آدم علیہ السّلام کو ملا ۴ آدم علیہ السّلام کی خلقت خَلَقْتُ بِيَدَيَّ سے ہے یہ اس کی اشرفیت ہے اسی بنا پر اشرف المخلوقات ہے لہٰذا سجدے کا مستحق قرار پایا ۵ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي کی کرامت ہے اس لیے فَقَعُوا لَهٗ سٰجِدِينَ کا استحقاق انعام ملا ۶ رب تعالیٰ نے بھی اس استحقاق کا ذکر فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہوا تھا۔ يٰٓاِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ۔ یعنی اے ابلیس کس چیز نے تجھ کو منع کیا اس سجدۂ معافی سے اُس کے لیے جس کو میں نے اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا ۷ جب آدم علیہ السّلام پیدا کیے گئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام صفات کی تجلی جسمِ آدم پر ڈالی جس کی وجہ سے وہ تعظیم تکریم تعزیز تجلیل کے قابل ہو گئے اور جو اس درجے کا ہو وہ مستحقِ کمال ہوتا ہے اس لیے فرشتوں کی معافی کا طریقہ سجدہ مقرر فرمایا گیا۔ اور تمام فرشتوں کو معافی کفارہ استغفار عاجزی و اقرارِ خطا کے

سجدے کے حکم ملا ۸ آدم علیہ السّلام کو تمام عقلی فکری دینوی علوم دیئے گئے جس کی وجہ سے آپ تمام مخلوق سے بڑے عالم بن گئے تمام فرشتے حصولِ علم میں آدم علیہ السّلام کے محتاج تھے۔ عالم ہی اُستاد ہوتا ہے اور اُستاد کے کچھ حقوق ہوتے ہیں لہٰذا آدم مستحق سجدہ ہوئے۔ فرشتوں پر یہ سجدہ فرض تھا اور فرض کا انکار کفر ہے۔ ابلیس نے انکار کیا۔ فَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ تو وہ کافروں میں سے ہو گیا ۹ خلقتِ آدم کے مزاج میں نور بھی ہے اس لیے نوریوں کے سجدے کے مستحق ہوئے اور آپ کے مزاج میں نار بھی ہے اس لیے ناریوں کے سجدے کے بھی مستحق تو جس ناری ابلیس نے حضرتِ آدم کی غیبت کی اُس کو معافی کے سجدے کا حکم دیا گیا باقی جنات چونکہ مومن و عابد نہ تھے اس لیے ان پر شرعی فرائض نافذ نہ تھے نہ وہ گستاخِ آدم کے مرتکب ہوئے اس لیے وہ جنات حکمِ سجدہ میں شامل نہ ہوئے ابلیس نے چار وجہ سے سجدہ نہ کیا ۱ ابلیس نے صرف بدنِ آدم دیکھا سجدے کا منکر ہوا۔ فرشتوں نے نورِ ودیعت دیکھا سجدہ کر لیا ۲ ابلیس سب فرشتوں میں جاہل تھا جو لوگ کہتے ہیں کہ ابلیس بڑا عالم ہے وہ غلط کہتے ہیں۔ ہاں البتہ بہت چالاک اور باتونی تھا ۳ جہالت کی وجہ سے مغرور تھا ۴ غرور کی وجہ سے حاسد تھا اور یہ مشہور و مشہود ہے کہ ہر جاہل ہر عالم سے حسد کرتا ہے خاص کر شیخِ جاہل یعنی بوڑھا جاہل عمر رسیدہ جوان عالم سے سخت متنفر ہوتا ہے۔ ابلیس شیخِ جاہل تھا آدم علیہ السّلام جوان عالم تھے ان کو اور ان کی شان و عزت کو دیکھ کر متحیر، مایوس اور نارِ حسد میں جل گیا اپنی عزتِ سابقہ گرتی نظر آئی سجدے کا منکر ہوا۔ ابلیس کو چار طرح غرور تھا ۱ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ (سورۃ اعراف آیت ۱۲ سورۃ ص آیت ۷۶) ۲ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ۔ ۳ صرف اپنے ذہن و گمان سے آگ کو خاک سے افضل و اعلیٰ سمجھ لیا کہ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ۴ اپنے جاہلانہ غرور سے اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے کو بھی غلط سمجھا کہ بولا اَرَءَیْتَکَ هٰذَا الَّذِیْ کَرَّمْتَ عَلَیَّ یعنی ذرا دیکھ اس کو جس کو تو نے مجھ سے بھی اعلیٰ شان کا مکرم و عزت دار کر دیا۔ ابلیس نے چار طرح غرور ظاہر کیا ۱ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۲ اَبٰی ۳ اِسْتَکْبَرَ ۴ لَمْ یَکُنْ مِّنَ السّٰجِدِیْنَ ۱ یعنی فاسق ہو کر ۲ انکار کر کے ۳ تکبر کر کے ۴ سجدہ نہ کر کے (سورۃ کہف آیت ۴۹) ابلیس نے رب تعالیٰ کی چار گستاخیاں کیں ۱ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ بولا کہ تو نے مجھے اغوا کیا (اعراف آیت ۱۶ اور سورۃ حجر آیت ۳۹) ۲ قَالَ لَمْ اَکُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ۔ بولا۔ اے رب تو بے شک مجھ کو سجدے کا حکم دے مگر میں ایسا بیوقوف نہیں ہوں کہ بشر کو سجدہ کروں (سورۃ حجر آیت ۳۳) ۳ اَرَءَیْتَکَ۔ یعنی اے اللہ اب تو غور کر (سورۃ اسریٰ آیت ۶۲) ۴ فَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ

اپنے قول وفعل سے رب تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی اور اپنے اعتراض غیبت اور خود پسندی پر ڈٹا رہا اور اپنی خودی کو بلند کرتا رہا (از سورۃ ص آیت ۷۶ اور بقرہ آیت ۳۴) ان تمام حرکتوں اور گستاخیوں پر ابلیس کو چار دنیوی ذلتیں ملیں ۱۔ فَاخْرُجْ مِنْهَا ۲۔ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ یعنی ۱۔ نکل جا دفعہ دور ہو جا وہاں سے ۲۔ تو ذلیلوں میں سے ہے (از سورۃ اعراف آیت ۱۳) ۳۔ فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ بے شک تو مردود رجیم ہے (سورۃ ص آیت ۷۷)، ۴۔ وَاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ اور تجھ پر قیامت تک لعنت ہے (از سورہ ص آیت ۷۸) جب ابلیس نے اَبٰی یعنی انکار کر دیا قولاً بھی اور عملاً امتناع بھی ہو۔ نیز اَبٰی یعنی سخت ترین انکار ہے۔ فَقُلْنَا۔ اس کے بعد حضرت آدم کو جنت میں پہنچا دیا گیا۔ وہاں ان کی بیوی ان کی ہی پسلی سے پیدا ہوئیں جن کا نام خود آدم علیہ السلام نے حوا رکھا۔ تب آدم کو رب نے فرمایا۔ اے آدم تم کو یاد ہے کہ ابلیس نے تم کو سجدہ نہ کیا۔ تھا بلکہ انکار و تکبر کیا تھا لہٰذا سمجھ لو کہ ابلیس تمہارا بھی دشمن ہے اور تمہاری بیوی کا بھی۔ لفظ زوج ہر اُس دوسرے ساتھی کو کہا جاتا ہے جو جنساً ایک ہو نوعاً مختلف خواہ مرد ہو یا عورت مذکر ہو یا مؤنث مثلاً خاوند یا بیوی۔ تو کہیں ایسا نہ ہونے دینا کہ وہ تم کو جنت سے نکال دے یعنی جنت سے نکلنے کا وہ سبب بن جائے اگر ایسا ہوا۔ اور تمہارے جنت سے نکلنے کا سبب ابلیس بنا فَتَشْقٰی۔ تو تم اے آدم دنیا میں بے شمار مصیبتوں مشقتوں محنتوں میں گھر جاؤ گے۔ یعنی نکلنا تو تم دونوں کو پڑے گا مگر دنیوی مشقت صرف تم کو اکیلے کو پڑے گی کیونکہ تم خاوند مرد ہو اور خاوند پر ہی وہاں روزی کمانا بیوی بچوں کو کھلانا فرض ہے۔ جنت میں یہ کوئی مشقت زندگی نہیں ہے یہاں کی رہائش کو غنیمت سمجھو فائدہ اٹھاؤ خوب عبادت کرو جنت سے باہر نہ یہ فرصت نہ آرام بڑی نعمتیں تو درکنار یہ لباس و خوراک کی معمولی نعمتیں بھی نہ ملیں گی ان کے لیے بھی تم کو جان کھپانا پسینہ بہانا پڑے گا دنیا کی آدھی قیمتی زندگی اسی میں گزر جائے گی۔ تا چہ خورم صیف و چہ پوشم شتا۔ تفسیروں میں ہے جب حضرت آدم زمین پر آئے تو آپ کے ساتھ دیگر ساز و سامان کے علاوہ ایک سرخ رنگ کا بیل بھی ساتھ بھیجا گیا۔ آدم علیہ السلام اس سے ہل چلاتے تھے پسینہ پونچھتے جاتے توبہ کا رونا روتے جاتے ذکر اللہ بھی کرتے جاتے جنت کو یاد کرتے رہتے گرد و غبار سے اٹ جاتے کپڑے میلے۔ رنگت خراب ہر طرف خاک دھول تھکاوٹ سے چور یہی تھی وہ کیفیت فَتَشْقٰی جس کی خبر پہلے دے دی گئی تھی۔ ابلیس کی دشمنی چار وجہ سے ہوئی ۱۔ ابلیس آگ سے حضرت آدم مٹی سے اور ان دونوں میں جنسی مخالفت ہے کیونکہ دونوں زمینی چیزیں ہیں ۲۔ شیطان چاہتا تھا کہ زمین کا خلیفہ مجھ کو بنایا جائے کیونکہ میں زمین کی اعلیٰ

مخلوق ہوں ۳؎ آدم کے پاس علم ہے اور ابلیس کے جسمانی قوت اور طاقت و علم کی ہمیشہ دشمنی ہوتی ہے قوت کا نشہ سخت ہوتا ہے ۴؎ ابلیس کی سوچ یہ تھی کہ آدم ناتجربہ کار جوان ہے اور میں تجربہ کار بوڑھا ہوں لہٰذا میں زمین کی حکومت کا حق دار اس کو یہ حسد کھا گیا۔ یہی سیاسی مخالفت آج تک چلی آرہی ہے

اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى اے آدم ابھی تو تمہاری یہ شان ہے کہ ہر نعمت تمہارے پاس ہے ہر سعادت تم کو میسر ہے اور سعادت الٰہیہ کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ جب سے پیدا ہوئے ہو تم کو بھوک ہی نہ لگی تم زمین پر ٹھہرے کھانے کی حاجت نہ ہوئی تم کو چالیس سال تک سجدہ ہوتا رہا تم تخت پر ہی بیٹھے رہے کسی چیز کی بھوک پیاس نے نہ ستایا۔ اب تم جنت میں رہ رہے ہو کبھی تم کو اس جنت میں بھوک کی تکلیف نہ پہنچی اور پھر جنت میں اتنی کثیر نعمتیں ہیں کہ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا (بقرہ آیت ۳۵) لذتِ ذوق کے لیے جہاں سے جو چاہو کھاؤ بھوک بہرحال نہ ہوگی ابھی تو تم بھوک کی تکلیف سے آشنا ہی نہیں ہو۔ وَلَا تَعْرٰى۔ نہ تم کبھی ننگے ہوئے نہ لباس پرانا نہ میلا نہ کبھی دھونے کی حاجت نہ تبدیلی کی ضرورت کیونکہ سعادت الٰہیہ کا لباس ہے۔ صنعتِ انسانی کا نہیں ہے صنعت انسانی شقاوت سے ملتی ہے اور نعمتِ رحمانی سعادت سے ملتی ہے غرضکہ اس جنت میں نہ بھوک کا ظاہری قلو و خطرہ نہ ننگے ہونے کا ظاہری قلو و خطرہ خیال رہے کہ بھوک کی وجہ سے انسان کا باطن خالی اور عریانی سے انسان کا ظاہر خالی ہو جاتا ہے۔ اسی مناسبت سے بھوک اور عریانی کو ساتھ بیان کیا گیا۔ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا اور اے آدم اس جنت میں بے شک تمہارے لیے ایک اور ایسی ضروری نعمت ہے جس کے بغیر گزارا نہیں وہ یہ کہ اس جنت اور جنتی زندگی و رہائش میں نہ تم کبھی پیاسے ہوگے نہ شدتِ پیاس کی کبھی تکلیف لذتِ ذوق کے لیے یہاں سعادتِ الٰہیہ کے روحانی جسمانی ہر طرح کے چشمے اور نہریں مجھور جاری ہیں۔ وَلَا تَضْحٰى۔ اور نہ ہی اس جنت میں کبھی کسی قسم کی دھوپ لگے نہ وہاں نہ یہاں کوئی سورج نہ کسی چیز کی تپش نہ جلن نہ محنت کی گرمی نہ مشقت کا پسینہ غرضکہ نہ پیاس کی باطنی گرمی نہ دھوپ کی ظاہری خیال رہے کہ پیاس باطنی گرمی سے ہوتی ہے اور پسینہ ظاہری گرمی سے اس مناسبت سے پیاس اور دھوپ کو ساتھ بیان کیا گیا۔ جنت کی ساری نعمتیں ماکولات و مشروبات ملبوسات اور منکوحات سعادتِ الٰہیہ سے ہیں اور یہی چیزیں زمین پر مشقت سے ہیں اے آدم اگر اپنے رب کریم کی مرضی اور عہد پر رہو گے تو ہمیشہ سعادت کے خزانے ملیں گے اس کی مرضی سے اگر زمین پر بھی جاؤ تب بھی حسب سابق کوئی مشقت نہ پڑے گی لیکن اگر ابلیس کے ورغلانے میں آ گئے اس کا کہا ماننے کی وجہ سے تم کو زمین پر جانا پڑا فَتَشْقٰى تو ہر طرح مشقت ہی مشقت ہے ساری زندگی کہ کبھی حرث کبھی زرع کبھی حصد کبھی طحن پھر کبھی عجن کبھی خبز۔

پھر کہیں اکل نصیب ہو گا۔ یعنی ایک صرف پیٹ بھرنے کے لیے پہلے کھیتی باڑی پھر کھیتی اُگا پھر اس کی رکھوالی پھر پکائی پھر کٹائی پھر چھٹائی پھر صفائی پھر پسائی پھر گندھائی پھر روٹی پکائی پھر کہیں کھلائی یہاں تین چیزیں بیان ہوئیں ۱۔ بشریت کی عزت ۲۔ جنتی رہائشی زندگی کا آرام ۳۔ ابلیس کی دشمنی کے نقشے جو ہر طرح آدم علیہ السلام کو سمجھا بتا دکھا دیئے گئے۔ لیکن اس کے باوجود ہوا کیا۔ تقدیرِ مبرم نے کیا کرایا۔ بہت عرصہ بعد (بقولِ تفاسیر چالیس سال) فَوَسْوَسَ اِلَیْهِ الشَّیْطٰنُ۔ قَالَ یٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰی شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا یَبْلٰی۔ پھر بھی شیطٰن نے اپنا وسوسہ کسی نہ کسی طریقے سے اُن آدم تک پہنچا ہی دیا۔ وہ اس طرح کہ ابلیس اگرچہ علم والا نہ تھا مگر اس نے اپنی عیاری مکاری اور تخمینے اندازے سے۔ بشریت کی تین کمزوریاں جان لیں ۱۔ نسیان بھول ۲۔ لالچ یعنی دنیوی زندگی کی حرص و خواہش ۳۔ موت کا ڈر یعنی موت نہ چاہنا لمبی سے لمبی زندگی کافی عرصہ بعد جب ابلیس نے گمان کیا کہ اب آدم پچھلی باتیں یعنی میری گستاخانہ گفتگو عدم سجدہ کی دشمنی اور مخالفانہ رویہ اور اللہ کا عہد بھول گیا ہو گا تو وہ بوڑھے بزرگ فرشتے کے لبادے میں بھیس بدل کر آیا اور پہلے حضرت حوا کے پاس آیا۔ موت سے ڈرایا ہمیشہ زندہ رہنے کا گر سکھانے کا وعدہ کیا اور پھر آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔ حوا ڈر گئیں اور اس کو اپنا بہت بڑا غمخوار و دوست سمجھ لیا جب آدم علیہ السلام آئے تو حوا بیوی نے آپ کو یہ واقعہ سنایا۔ موت کی بات سن کر وہ بتقاضائے بشری وہ بھی مرنے سے گھبرائے اس بوڑھے مہربان کا انتظار کرنے لگے کچھ دنوں بعد وہ ابلیس پھر اسی طرح بھیس بدل کر ظاہر ہوا۔ اور نہایت عیارانہ طریقے سے دوستی ظاہر کرنے لگا قسمیں کھانے اور نصیحتیں کرتے ہوئے کہنے لگا۔ یٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ کیا میں تم کو ایسے درخت کا پتہ نہ بتا دوں جس کو شجرِ خلد کہتے ہیں اس لیے کہ جو اس کا پھل کھا لے وہ کبھی مرتا نہیں ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔ اور ایسی دولتوں بادشاہتوں کا مالک ہو جاتا ہے جو نہ کبھی خراب ہوں نہ کبھی فنا ہمیشہ وہ بندہ اور اس کی سب چیزیں ایک حالت پر رہتی ہیں۔ خلد کے معنٰی ہے ایسی شان کی زندگی کہ نہ فنا ہو نہ فساد نہ بیماری نہ بگاڑ بس درستی سے ہی قائم رہے۔ ابلیس نے چار طرح آدم علیہ السلام کو وسوسے دے کر ورغلایا ۱۔ قَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَیْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِیْنَ (سورۃ اعراف آیت ۲۰) ۲۔ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ۔ (اعراف آیت ۲۱) ۳۔ قَالَ یٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰی شَجَرَةِ الْخُلْدِ (سورۃ طٰہٰ آیت ۱۲۰) ۴۔ وَمُلْكٍ لَّا یَبْلٰی (سورۃ طٰہٰ آیت ۱۲۰) ابلیس کے یہ وسوسے

اس لیے کہ آدم علیہ السّلام کی وجہ سے اس کو دنیوی زندگی کی چار ذلتیں ملیں اور ذلتیں اس لیے ملیں کہ وہ ابلیس اِس ضد پر اڑا رہا کہ شخصیت آدم پر میرا اعتراض درست تھا۔ اور میں اُس کو ہر طرح درست ثابت کروں گا۔ اس کام کے لیے شیطان نے چار باتوں کا ذکر کیا ابلیس نے رب تعالیٰ سے چار چیزیں مانگیں ۱۔ تا قیامت لمبی زندگی مانگی۔ اس لیے کہ چونکہ میرا دعویٰ ہے کہ میں لائق ہوں لہٰذا میں ہی افضل ہوں مجھے میرے اس دعوے کو ثابت کرنے کے لیے مہلت دی جائے تاکہ میں تا قیامت اپنی لیاقت اور آدم و آدمیان کی نااہلی ثابت کرتا رہوں ۲۔ ہر انسان بلکہ دنیا کی چیزوں پر اختیار و تصرف مانگا ۳۔ ہر شخص پر تسلط اور اس کے پاس پہنچنے کی سہولت مانگی کہ جہاں تک بشریت کی رہائش ہو۔ وہاں تک میری پہنچ ہو ۴۔ قوت مانگی کہ جس بشر کی طاقت جس قسم کی ہو۔ اُسی قسم کا اس پر میرا غلبہ ہو سکے۔ لمبی عمر اس لیے مانگی کہ جب تک زمین پر بشریت رہے میری عمر بھی رہے۔ یہ کتنی بڑی اُس کی عیاری تھی کہ خود تو رب تعالیٰ سے لمبی عمر مانگ رہا ہے اور آدم و حوّا کو لمبی عمر کے لیے شجرۃ الخلد دکھا رہا ہے۔ بشریت کے ساتھ اُس کا رویہ تا قیامت ایسا ہی ہوگا۔ شجرۃ الخلد کی اضافت توصیفی ہے جیسے فرس جبریل میں قدم کی اضافت والا نام فرس الحیٰوۃ ہے۔ یعنی جو اُس سے لگ جائے وہ کچھ دیر کے لیے زندہ ہو جائے تو شجرۃ الخلد کا معنیٰ ہوا جو اُسے تھوڑا سا کھالے وہ ہمیشہ کے لیے زندہ ہو جائے۔ اُس درخت کا یہ نام خود ابلیس نے اس وقت دھوکہ دینے کے لیے رکھا اور یہ درخت دکھایا کہ یہ وہی ہے جس سے تم کو رب نے منع کیا ہے مگر یہ حرام نہ کیا ہے بلکہ اس لیے منع کیا ہے کہ تم فرشتے بن کر ابدی زندگی نہ پا لو۔ مگر میں تم کو ایسی ترکیب بتاتا ہوں کہ ابدی زندگی بھی مل جائے اور فرشتے بھی نہ بنو بلکہ بشر ہی رہتے ہوئے ابدی زندگی والے بادشاہ بن جاؤ۔ خیال رہے کہ اُس وقت تک حضرت آدم کو نبوت نہ ملی تھی آدم علیہ السّلام کو نبوت بعدِ توبہ زمین پر ملی جیسا کہ قرآن مجید سے ثابت ہے وسوسۂ ابلیس اور آپ کی خطا و نسیان رونا توبہ کرنا اور ابدی زندگی کے لالچ دائمی بادشاہت مل جانے کی خواہش میں آجانا۔ ابلیس کے جھانسے میں آجانا اس کا داؤ چل جانا جنت سے نکالا جانا یہ سب کچھ آپ کی بشریت کی واردات ہیں اور ضعف بشری کے تقاضے یہی بشری کمزوریاں تا قیامت انسانوں کو بتانا مقصودِ کلام ہے۔ یہ بشری کمزوریوں کا ظہور آدم علیہ السّلام سے اس لیے ہوا کہ ابھی آپ کا وجود نبوی قوت سے خالی تھا۔ گروہ انبیا علیہم السلام میں صرف آدم علیہ السّلام کو پیدائش کے تین سو سال بعد نبی بنایا گیا باقی تمام انبیاء کو شکمِ مادر میں تکمیلِ بدنی کے وقت ہی نبی بنا دیا جاتا رہا۔ اور آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی ہستی ہے کہ آپ کو شکمِ مادر سے کروڑوں سال پہلے نبی بنا دیا گیا (مشکوٰۃ ص۵۱۳ و ترمذی)

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ ۔** جس طرح آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ازل میں نبی بنائے جانے کی ہزار ہا حکمتیں اور اسرارِ الٰہیہ ہیں اسی طرح آدم علیہ السلام کو اوّلاً نبی نہ بنانے اور بعد توبہ نبی بنانے میں بھی بہت حکمتیں اور راز ہیں۔ ایک یہ بھی کہ اوّلاً انسانوں کو انسانیت کا نقشہ سمجھانا مقصود تھا کہ تاقیامت انسان اپنی انسانیت آدمیت بشریت کو ہر پہلو سے دیکھ لیں سمجھ لیں جن چیزوں سے بچنا ہے اُن سے بچ جائیں جن کو اپنانا ہے ان کو اپنا لیں۔ اگر شروع سے ہی آپ کو نبی بنا دیا جاتا تو ابلیس کسی طرح بھی آپ کو وسوسہ نہ دے سکتا اور کوئی بشری کمزوری آپ سے صادر و ظاہر نہ ہوتی اس لیے کہ نبوت کی طاقت تمام آسمانوں زمینوں عرش فرش لوح وقلم جن و ملک سے زیادہ ہے اور ہر بشریت پر بھاری ہے بلکہ جو دامنِ نبوت کا پناہ گیر ہو جائے وہ بھی اپنی بشریت پر غالب رہتا ہے یہ بات ابلیس بھی جانتا تھا اسی لیے اُس نے برملا اقرار کیا تھا۔ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ۔ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ۔ یعنی اے رب میں سب انسانوں کو اغوا کروں گا۔ مگر تیرے مخلص بندوں کو نہیں کر سکوں گا۔ (سورۃ ص آیت ۸۲ و ۸۳) یہ مخلصین کون ہیں۔ یہی انبیاء کرام اور اُن کے دامنِ پناہ میں آنے والے اولیاء اللہ علماء ربانی

دوسرا فائدہ ۔ حضرت آدم سے فرشتوں کا علمی مقابلہ دنیوی علم کا ہوا تھا۔ یعنی دنیا میں رہنے دنیا برتنے دنیا کی بولیاں ساز و سامان گھر بار وغیرہ وغیرہ کے اسماء و احوال کا علم یہ مقابلہ علمِ نبوت کا نہ تھا علمِ نبوت تو اس سے کہیں درجہ وراء الورا ہے یہ علمِ بشریت تھا جو ہر انسان کو آجاتا ہے مگر فرشتوں کو یہ علم نہ دیا گیا اسی علم کی وجہ سے انسان اشرف المخلوقات ہوا خیال رہے کہ ملائکہ افضل الخلق ہیں اور انسان اشرف الخلق اور ابلیس اشرّ الخلق اشرف الخلق کی پیدائش کا ذکر صرف افضل الخلق سے کیا گیا اور اشرّ الخلق کو سنایا گیا تاکہ جس نے افضل الخلق بننا ہے وہ فرشتوں کی طرح بنے اور جس نے اشرف الخلق بننا ہے وہ علم و عقل حاصل کرے اور جس نے محبوبِ الٰہی بننا ہے وہ اشرّ الخلق سے بچتا رہے۔ اس پہلے مقابلے سے شانِ بشریت کا اظہار مقصود تھا اور یہ بتایا گیا کہ بشری علم و عقل ہنر کسی کو کتنا بھی آجائے مگر بشریت پر غالب نہیں آسکتا۔ بشری کمزوریاں بیوقوفیاں خطائیں لغزشیں بھی سرزد ہوتی رہیں گی۔ بشری کمزوریوں سے بچنے کے لیے صرف نبوت کی دولت و قوت اور دامنِ نبوت ہے۔ اسی لیے علمِ نبوت ملنے کے بعد آدم علیہ السلام سے بلکہ کسی بھی نبی سے کبھی کوئی ذرہ بھر بھول نسیان لغزش خطا صادر نہ ہوئی نہ ہو سکتی ہے کوئی نبی کسی لغزش پر قادر ہی نہیں ہوتے وہ ہر خطا سے بھی معصوم ہوتے ہیں اور نہ ہی پھر کبھی آدم علیہ السلام پر ابلیس کا کوئی داؤ

چلا نہ کسی اور نبی کو شیطان کبھی نسیان دے سکا۔ نہ کوئی نبی کبھی کوئی بات بھولا حالانکہ شیطان نے بعد میں بھی بہت کوشش کی اور تا قیامت کرتا رہے گا ہر انسان سے کرتا رہے گا۔ کیونکہ اس کی دشمنی کسی نبی ولی سے ختم نہیں ہوئی۔ پتہ لگا کہ نبوت سب بشریت آدمیت انسانیت پر غالب ہے۔ شیطان تو ان کے سائے سے بھی ڈرتا اور بھاگتا پھرتا ہے جو نبی کے دامن پناہ میں ہوں صرف ان ہی انسانوں کو شیطان دھوکہ دے جاتا ہے جن کے قالب میں نبوت کی دولت اور ہاتھوں میں نبی کا دامن نہ ہو۔ یہ دونوں فائدے واقعۂ آدم کو مختلف سورتوں میں مختلف انداز کے بیان کرنے سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ جو کام اللہ رسول کے بتائے راستے پر چل کر اور شریعت کے سمجھائے ہوئے طریقے کے مطابق کیا جائے اس میں ہمیشہ دین دنیا کی سعادتیں ہی ملتی ہیں اور اگر وہی کام اللہ تعالیٰ کے عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدے اور شریعت کے رستے سے ہٹ کر کیا جائے اور اور ابلیس کے وسوسے میں آ کر اس کا کہا مان کر کیا جائے تو اگرچہ جنت کے اعلیٰ و بالا مقام پر ہو۔ اس کو اخروی دنیوی شقاوتیں اور مشقتیں ہی ملیں گی یہ فائدہ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا کے بعد فَتَشْقٰى کی فَ سببیہ سے حاصل ہوا۔ اشارہ یہ دیا گیا - کہ اے آدم یہ جنتی رہائش عارضی ہے۔ تم نے یہاں سے آخر نکلنا ہے لیکن اگر ابلیس تمہارے نکلنے کا سبب بنا اس کے کہنے سے تم نکلے تو تم کو ہر طرح کی سخت مشکلیں مشقتیں پڑیں گی۔ لیکن اگر اپنے وعدے پر قائم رہے اور رہائشِ جنت کا تربیتی کورس یعنی نصابِ خلافت یہیں پر مکمل کر لیا۔ اور پھر مکمل کامیاب ہو کر تاجِ خلافت پہن کر نکلے۔ تو دنیوی کام کاج کی مشقتیں نہ پڑیں گی۔ تمہارے استنے شاہی ملازم خدام ہوں گے کہ تم حسبِ سابق اسی طرح تختِ خلافت پر بیٹھ کر دنیا میں بھی جنت جیسا مزہ پاؤ گے۔ سعادت اور شقاوت دونوں کی دو قسمیں ہیں ۱ سعادت دنیوی ۲ اخروی اور شقاوت دنیوی اخروی اسی طرح سعادتِ دنیوی اور شقاوت دنیوی کی تین تین قسمیں ہیں۔ سعادتِ نفسی۔ بدنی۔ خارجی۔ شقاوتِ نفسی۔ بدنی۔ خارجی فَتَشْقٰى میں صرف شقاوتِ دنیوی کی یہی تینوں قسمیں مراد ہیں نہ کہ اخروی اس لیے کہ ابلیس نے صرف دنیوی وسوسہ دیا تھا نہ کہ دینی اور آدم علیہ السلام نے بھی دنیوی عہد توڑا تھا نہ کہ دینی اسی لیے نتیجہ میں صرف جنت کا خروج اور زمین کی مشقت ملی نہ کہ دینی عتاب چوتھا فائدہ سب سے بڑا گناہ حسد ہے۔ یہی ہر دشمنی کی اصل جڑ ہے اگرچہ بھائی کو بھائی سے ہو۔ یہ فائدہ عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔ حسد سے چار نقصان ہوتے ہیں اول جان کو خطرہ دوم ایمان کو اندیشہ سوم۔ حالات کا فساد چہارم ترقی میں تنزل۔

احکام القرآن

ان آیات کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ دنیوی زندگی میں ہر مومن و مسلمان پر شریعت کی پابندی لازم ہے

خواہ کسی درجہ کسی مقام و مسکن میں ہو۔ اگر کوئی خلاف ورزی کرے گا تو آخرت کے علاوہ دنیوی نقصانات کا اندیشہ ہے۔ یہ مسئلہ واقعۂ آدم میں شجرِ ممنوعہ کی پابندی لگانے سے مستنبط ہوا۔ کہ جنت میں رہنے کے باوجود آدم علیہ السلام پر شریعت کی پابندی لگائی خیال رہے کہ ہر وہ پابندی جو اللہ کی طرف سے ہو امر کی یا نہی کی وہ شرعی پابندی ہوتی ہے۔ لِهٰذَا الَّا تَقْرَبَا۔ (الخ) کی پابندی شرعی ہی تھی۔ دوسرا مسئلہ جس طرح تصویر اور فوٹو سازی ہر شریعت میں حرام رہی اسی طرح سجدۂ تعظیمی بھی غیر اللہ کے لیے ہر شریعت میں حرام رہا۔ ملائکہ کو سجدۂ آدم کا حکم ان کے لیے معافی کا ایک طریقہ تھا نہ کہ محض تعظیم آدم اسی لیے بجز ملائکہ اور کسی مخلوق نے کبھی نہ کیا ملائکہ نے بھی اپنے جرم کی معافی میں صرف ایک دفعہ ہی سجدۂ آدم کیا پھر نہ کبھی وہ جرم کیا نہ کبھی سجدۂ معافی اگر یہ سجدۂ تعظیمی ہوتا تو بار بار حکم دیا جاتا۔ جرم میں شرکت کی وجہ سے ابلیس کو بھی سجدہ کا حکم دیا گیا کسی اور دوسرے جنات کو حکم نہ دیا گیا۔ حالانکہ ابلیس نہ فرشتہ تھا نہ فرشتوں کا استاد۔ یہ مسئلہ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ معافی مانگنا سب خطا کاروں پر واجب تھی نہ کہ محض تعظیم۔ تیسرا مسئلہ۔ کاروبار اور محنت مزدوری کرنا بیوی بچوں کو پالنا مردوں خاوندوں پر فرض ہے بیوی عورتوں کا کام باپردہ رہ کر گھر سنبھالنا ہے نہ کہ سڑکوں دکانوں پر کھڑے ہو کر محنت مزدوری کرنا اور کمائی کرنا یہ مسئلہ لَا يُخْرِجَنَّكُمَا۔ تثنیہ فرمانے کے بعد فَتَشْقٰى واحد مذکر فرمانے سے مستنبط ہوا کہ جنت سے نکلنے میں دونوں کو شامل کیا گیا مگر محنت مزدوری روٹی کمانے میں صرف خاوند آدم علیہ السلام کو خطاب ہوا لہٰذا جو لوگ اپنی عورتوں کو بے پردہ پھراتے ملازمتیں کرواتے نوکریاں دلواتے ان کی تنخواہیں کھاتے ہیں وہ شرعاً بے غیرت مجرم ہیں۔ واقعاتِ آدم و حوا میں یہ بھی مسلمانوں کو سمجھایا جا رہا ہے

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ اس کی کیا وجہ کہ نکلنے میں دونوں کا ذکر کیا۔ لَا يُخْرِجَنَّكُمَا۔ اور مشقت پڑنے میں صرف اکیلے آدم کا جواب۔ دو وجہ سے ایک یہ کہ نکالنا کسی کا عمل ہے جو دونوں پر خود بخود وارد ہوا۔ اور مشقت اپنا عمل ہے جو دنیا میں آ کر کرنا ہے۔ آئندہ دنیا میں یہ بھی ایک انسانی زندگی کا شرعی قانون اور صنفی نقشہ سمجھایا گیا ہے کہ عورت آسان کاموں کے لیے پیدا کی گئی ہے اس نے گھر کی چار دیواری کے اندر گھر ستی سنبھالنی ہے اس نے بچے پیدا کرنے پرورش کرنے ہیں وہ صنفِ نازک ہے اسی کام کے لیے پیدا کی گئی ہے مرد صنفِ قوی ہے اس نے باہر کے با مشقت و محنت کام کرنے ہیں روزی کمانی۔ دوم یہ کہ یہاں بشری تقاضوں کا ذکر ہے اس اعتبار سے ان دونوں کا تعلق خاوند بیوی والا ہے اور ضروریاتِ زندگی حاصل کرنا خاوند کی ذمہ داری ہے اس ذمہ داری میں مرد اور خاوند

اصل میں اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ کے درجے میں ہیں اس لیے شقت کی کل ذمہ داری آدم علیہ السلام یعنی خاوند کی طرف کی گئی خیال رہے کہ تَشْقٰی سے مراد مشقتِ دنیوی ہے نہ کہ اُخروی شقاوت اسی لیے تَشْقٰی واحد آیا اُخروی شقاوت میں یہ بات نہیں ہوتی۔ دوسرا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ کہ بھوک اور ننگا ہونے کا ذکر ایک جگہ ملا کر کیا گیا اور پیاس و دھوپ کا ذکر ایک جگہ ہوا یعنی بھوک کو ننگ سے جوڑا۔ پیاس کو دھوپ سے جوڑا چاہیئے تھا کہ بھوک و پیاس کا ذکر ایک جگہ کیا جاتا کیونکہ دونوں کا تعلق منہ اور پیٹ سے ہے اور ننگ و دھوپ کی تپش کا ذکر ایک جگہ کیا جاتا کیونکہ دونوں کا تعلق ظاہری جسم سے ہے۔ جواب۔ یہاں اثرات اور نتائج کا اعتبار کر کے تعلق قائم کیا گیا ہے نہ کہ ظاہری اسباب و علل کے اعتبار سے بھوک نام ہے باطنی جسم کا خالی ہونا ننگ نام ہے ظاہری جسم کا خالی ہونا۔ اسی طرح پیاس نام ہے باطنی جسم میں گرمی لگنا اور دھوپ کی تپش کا معنٰی ہے ظاہری جسم کو گرمی لگنا۔ اور مقام کے اعتبار سے بھوک و ننگ کا ساتھ ہوتا ہے اثرات کے اعتبار سے پیاس و دھوپ کی تپش کا ساتھ ہوتا ہے اس لیے یہ اندازِ بیان نہایت درست ہے اور مشقت کی کیفیت اِسی طرح سمجھائی جا سکتی ہے۔ محاورۃً بھی اکثر غربت سمجھانی ہو تو بھوکا ننگا کہا جاتا ہے اور فاقہ کشی سمجھانا ہو تب بھوکا پیاسا کہا جاتا ہے۔ نیز پیاس کا تعلق دھوپ کی تپش سے ہے کہ جب شدت کی گرمی پڑے تو پیاس بھڑکتی ہے نہ کہ بھوک۔ اِس ترتیبِ قرآنی میں اسی چیز کا لحاظ رکھا گیا ہے یعنی ۱ بھوک ۲ ننگ ۳ پیاس ۴ گرمی۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا فَوَسْوَسَ اِلَیْهِ الشَّیْطٰنُ۔ اور سورۂ اعراف آیت نمبر ۲۰ میں فرمایا گیا فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّیْطٰنُ یعنی یہاں ہے کہ صرف آدم کو شیطان نے وسوسہ دیا اور وہاں ہے کہ آدم و حوّا دونوں کو شیطان نے وسوسہ دیا۔ یہ فرق کیوں؟ جواب یہ فرق بالکل صاف ہے کہ یہاں فعل وَسْوَسَ متعدی بالٰی ہے اور وہاں وَسْوَسَ ماضی متعدی باللّام ہے یعنی یہاں طریقۂ وسوسہ بتایا گیا کہ ابلیس نے کس طرح اپنا وسوسہ حضرت آدم تک پہنچایا اور شیطان کا اصل مقصد بتایا گیا کہ وہ اصل میں آدم علیہ السّلام کو ہی وسوسہ دینا چاہتا تھا اور وہاں سورۂ اعراف میں وسوسے کے اثرات کا ذکر ہے کہ ابلیس کے وسوسے کا دونوں کو اثر ہوا اور دونوں ورغلانے میں آ کر مبتلا ہو گئے کیونکہ شیطان نے دونوں سے بات کی اگرچہ اصل مدعا و مقصد صرف آدم تھے۔ چوتھا اعتراض اس کی کیا وجہ کہ یہاں عَدُوٌّ لَّکَ وَلِزَوْجِکَ میں لام جارّہ علیحدہ علیحدہ جب کہ ایک لام سے بھی کام چل سکتا تھا۔ اور کلام بھی مختصر و خوب صورت ہو جاتا۔ چاہیئے تھا کہ عَدُوٌّ لَّکَ وَزَوْجِکَ فرمایا جاتا جواب۔ خوب صورت و مختصر نہیں بلکہ فصاحت کے خلاف اور پڑھنے میں ثقیل ہوتا۔ اور قانونِ نحوی کے بھی خلاف ہوتا۔ قانونِ نحوی یہ ہے کہ اگر ضمیر مجرور متصل پر کسی کو عطف کرنا ہو تو حرفِ جار دوبارہ

لانا ضروری ہے۔ اس لیے کہ ضمیر مجرور متصل کا معطوف محض بالتبع عطف میں شامل نہیں ہوتا بلکہ اس کا اپنا ایک مستقل مقام ہوتا ہے۔ لہٰذا حرفِ جار علیحدہ لایا جاتا ہے۔ یہاں یہ ہی بتایا جا رہا ہے کہ اے تا قیامت انسانوں تم مرد ہو یا عورت شیطٰن تم دونوں کا علیحدہ مستقل دشمن ہے مرد کی وجہ سے نہیں۔ جیسے کہ ابلیس مستقل طور پر آدم کا بھی دشمن تھا۔ اور حوّا کا بھی آدم کی وجہ سے حوّا کا دشمن نہ تھا۔

تفسیر صوفیانہ

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى. فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى. صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ قصۂ یوسف اَحْسَنُ الْقَصَصِ ہے اور قصۂ آدم اَعْجَبُ الْقَصَصِ ہے اس لیے کہ اَعْجَبُ الْمَخْلُوْقَات انسان کی خلقت وخصلت عادت وفطرت۔ جبلّت و فطانت کا عجیب نقشہ بیان فرمایا گیا۔ انسان قدرت کا عظیم شاہکار ہے اس کی انتہائی کمزوری اس کی بشریت ہے اور انتہائی اشرفیت اس کی خلافت ہے۔ انتہائی افضلیت مسجودیت ہے اس کا مقام انتہائی بلند رہائش جنت ہے اس کا کام انتہائی سخت نظامِ دنیا ہے اس کی انتہائی قوت نبوت ہے۔ اس کا انتہائی غلبہ تمام مخلوق پر انسان ہی صفی اللہ یہ ہی نجی اللہ یہ ہی خلیل اللہ یہی ذبیح اللہ۔ یہی کلیم اللہ یہی روح اللہ اور یہی حبیب اللہ یہی اوّل مخلوقات یہی آخر مخلوقات۔ یہی زمین پر بَیْنَ الطِّیْنِ وَالْمَا یہی لامکان پر قَابَ قَوْسَیْن ہوا۔ یہی رحمتِ عالمین یہی شاہدِ عالمین غرضیکہ تمام ابتدائیاں تمام انتہائیاں اسی پر انتہا ہو گئیں۔ اسی کو اوّل بنایا مشاہدِ کائنات کی بصارت وبصیرت عطا فرما کر اسی کو فرمایا وَاِذْ قُلْنَا۔ اے حبیب اُس چشم دید واقعے کو یاد کرو جب ہم نے تمکو دکھایا تھا آدم کو بنایا تھا زمین پر بٹھایا تھا فرشتوں سے فرمایا تھا کہ اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ۔ آدمِ روح وقالب کو سجدہ کرو اُس کی تعظیم اپنی عاجزی دکھاؤ اس کی شان کا اظہار اپنی خطاءِ اعتراض کا اعتراف کرو فَسَجَدُوْا تو سب ملائکہ نے ایک دم ایک ساتھ مل کر صف بندی کی شوکت و وقار سے مقامِ معرفت میں زمینِ عجز پر شانِ بشریت کو سجدہ کر دیا۔ اِلَّآ اِبْلِيْسَ۔ مگر ابلیسِ فطرت اور شیطانِ جبلّت نے مقصدِ انسانیت اور حکمتِ رحمانیت کو اقرارِ عجز کا سجدہ نہ کیا اَبٰى بلکہ اعترافِ حقیقت سے منکر ہوا۔ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ۔ پس ہم نے آدمِ ملکوتی کو عالمِ اسرار سے الہامِ باطنی فرمایا۔ اے آدمِ قلبی یہ ابلیس تیرا بھی دشمن ہے اور تیری زوجۂ عقل کا بھی۔ تم دونوں مقامِ معرفت کی جنتِ انوار میں ہی رہنا ایسا نہ ہو کہ وہ دشمنِ ابدی تم دونوں کو اس جنتِ معرفت سے نکال دے اور پھر تم کو وادیِ ظلمات کی تمام مشقتیں پڑ جائیں۔ گناہ مثلِ ابلیس ہے جو بندے کو جنتِ قرب میں آئے ترقی کرنے کے بعد جنتِ راحت سے نکال کر زمینِ بشری کی مشقتِ بُعد میں گرا دیتا ہے پھر جب تک بندہ توبہ سے

قربِ حق کی لیاقت پیدا نہ کرے حضور بارگاہ نصیب نہیں ہوتا۔ قربِ حضوری ہی بندۂ عارف کی جنت ہے فرشتوں پر انکشافِ کمالِ آدم ہوا جو اُن کے کمال سے بلند تھا تو فرشتوں نے آدم کے نورِ باطن کو دیکھ لیا سجدے میں گر گئے مگر ابلیس پر ظلمتِ وھم کے پردے پڑے رہے اُس نے صرف جسدِ آدم کی ظاہر خاکی کو دیکھا اپنے جسم و خلق سے کمتر سمجھا تو انکار کر دیا۔ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى بھوک ننگ پیاس تپش یہ نفس کی چار کیفیاتِ ناسوتی ہیں۔ عالمِ روحانیت میں نہ ملابیت کی بھوک نہ طاوٹ کی عریانی نہ ضدین کے ٹکراؤ کی پیاس نہ فسادِ باطنی تک پہنچانے والی شدتِ حرارت بلکہ اُس عالمِ سکونِ خلوت میں فناء و فساد سے امن پا کر لذاتِ ابدیہ کا حصول ہے سالکین کی جنتِ جوادِ حق ہے اور اس کی چار نعمتیں ہیں ۱۔ شریعت کے ماکولات یعنی غذا ۲۔ طریقت کے مشروبات ۳۔ حقیقت کے ملبوسات ۴۔ معرفت کے منکوحات یہ چار مقامات جنتِ اسرار ہیں نفس و شیاطین کو ان کا ہی حسد ہے بندۂ عارف آگاہ کر دیا گیا کہ یہ حسد ہی تھا کہ ابتدا میں فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى۔ پس وسوسہ ڈالا آدمِ قلبی اور روحِ بشری کی طرف شیطانِ مخفی نے مکرِ ظاہری سے بولا۔ اے آدمِ قلبی ذیشان و کمال کیا میں تجھ کو مرتبۂ عظیم کے درختِ ابدی کا نشانِ خلود بتا دوں جس میں ہر سالکِ معرفت کے لیے قوتِ ملکوتی اور حیاتِ جبروتی ہے یہی وہ حیاتِ دائمی ہے جس میں اُس سلطنتِ لاھوتی کا حصول ہے جس کو کبھی زوال نہیں۔ واقعۂ آدم میں چار کمالات ہوئے ۱۔ رب تعالیٰ کے کرم کا کمال کہ سب کچھ پہلے ہی بتا دیا۔ یہ شجرِ ممنوع ہے یہ جنت یہ ابلیس کا ارادہ ہے ۲۔ آدم علیہ السّلام کا کمال یہ کہ سب کچھ جان لیا کہ اللہ تعالیٰ ہمارا مولیٰ ہے ناصر ہے مربی ہے شجرِ ممنوعہ کو پہچان لیا ۳۔ فرشتوں کا کمال کہ انکشافِ باطن سے آدم علیہ السّلام کے نورِ دائم و حقیقتِ قائم کو دیکھ لیا ۴۔ ابلیس کا کمالِ تنزل کہ اُس نے عداوت حسد تکبر کی وجہ سے ذلت لعنت۔ نفرت مردودیت کا ابدی طوق ڈال لیا مگر ضد و عداوت نہ چھوڑی۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ راہِ منزلِ طلب میں دو صدائیں ہیں ایک صدائے رحمانی دوسری صدائے شیطانی، صدائے ربانی میں لَا تَقْرَبَا کا بچاؤ۔ لَا تَجُوْعَ کی رغبت لَا تَعْرٰى کی راحت لَا تَظْمَؤُا کی معیشت۔ لَا تَضْحٰى کی سہولت ہے صدائے ابلیسی میں شجرۃ خلد کی عیاری رغبتِ دوام کی مکاری۔ راحتِ ابدی کی کذب بیانی اور مُلْكٍ لَّا يَبْلٰى کی معیشتِ انتقامیہ کے وعدۂ نفسانیہ ابلیس ہر آدمی کو ہر بھیس میں ہر حالت میں ہر وقت ورغلاتا دشمنی دکھاتا ہے دین ہو دنیا عبادت ہو یا تجارت دنیوی امور میں سود رشوت چوری جوا ڈکیتی فریب۔ دینی امور میں نوافل میں مشغول کرا کے تھکا دیا فرائض کو چھڑا دیا۔ نماز میں سرننگے کرا دئے ہر وقت ٹخنے ڈھکا دئے۔ آستین چڑھا دیں تہبند لٹکا

دئے۔ اگر جماعت نماز میں خیر سے کوئی آگیا تو دعا اور سنتوں سے بھگا دیا کبھی پیر بن کر بہکایا کبھی گمراہ خطیب بن کر کبھی داڑھی کو منڈوایا مونچھوں کو رکھوایا۔ کبھی چار انگل داڑھی سنتِ واجبہ سے مصنف بن کر ورغلایا یہ سب شیطان کی دشمنی کے نمونے ہیں۔ مگر وہاں صداءِ رحمانی میں شجرۂ ممنوعہ مفاقت لازمی اور صداءِ ابلیسی میں اسی شجر سے مفارقت ضروری بتائی تاقیامت ہر بندہ ان دو صداؤں کے درمیان ہے صداءِ ربانی کانِ شرافت سے سنی جاتی ہے جو دائیں جانب ہے اور صداءِ ابلیسی کانِ حماقت سے سنی جاتی ہے جو بائیں جانب ہے۔ اتنا بتا دیا گیا ہے کہ صداءِ رحمانی سخاوت ہے صداءِ شیطانی شرارت ہے۔ صداءِ رحمانی عدالت ہے۔ صداءِ شیطانی عداوت ہے۔ وہ مربی و محافظ کی آواز ہے یہ دشمن و حاسد کی پکار ہے۔ آگے فیصلہ بندے کا اپنا ہے۔ خواہ صراطِ عافیت پر چلے یا صراطِ شرارت پر نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ وَمِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا۔ انسان کا سب سے سخت پرانا اور ابدی دشمن ہے، جس کی دشمنی انسان پر ظاہر پوشیدہ ہر طرح مسلط ہے اسی لیے قرآن مجید میں تقریباً بیالیس جگہ شیطان کی دشمنی اور اس سے بچنے کا ذکر فرمایا گیا جسم انسانی میں نفس کے ذریعے شیطان کو راستہ ملتا ہے جب بندۂ عارف کے دل اور روح پر فیوضات نازل ہوتے ہیں تو نفس کے اندر ابلیس چھپ کر سن لیتا ہے اسی وجہ سے نفس امارہ بن جاتا ہے اور اس کے لیے فیوضات کا کچھ حصہ پا لینے کے بعد بے پرواہ اور سرکش ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے مزید برکات کا دروازہ بند ہو جاتا ہے نفس کی سرکشی اسی لیے ہے کہ وہ تنگ ظرف ہے حرص زیادہ برتن چھوٹا شیطان کی حرکتیں سات قسم کی ہیں ۱۔ اونگھ ۲۔ جمائی ۳۔ خارش ۴۔ ادھر ادھر دیکھنا ۵۔ وہمی وسوسے آنا ۶۔ شک میں پڑے رہنا ۷۔ دشمنیاں کرانا جس کا قلب آخرت کے ذکر سے خالی ہو وہ شیطانی وسوسوں کا شکار بن جائے گا۔ مگر جس کا باطن یقین کامل اور نورِ معرفت سے معمور ہو تو اسے کسی مشاہدے اور تصور کی ضرورت نہیں۔ وہ عبد کی بجائے خالقِ عبد کے مشاہدے میں ہوتا ہے۔ شیطان نے سب سے پہلے انسان کی بشریت کو کھانے کا وسوسہ دیا۔ انسان پر شریعت کی سب سے پہلی پابندی کھانے ہی کی لگائی گئی۔ تاکہ بندہ تاقیامت کھانے میں محتاط رہے۔ جو کھانے کی حرص میں مبتلا ہو گیا وہ آتشِ شہوت میں جل گیا فرزندِ آدم میں ہزار قسم کی برائیاں ہیں اور وہ سب شیطان کی طرف سے آتی ہیں۔ بھوکا انسان نفس کو ریاضت کی طرف لگاتا ہے تو تمام اجزاءِ خبیثہ خشک ہو جاتے ہیں یا نارِ فاقہ سے جل جاتے ہیں۔ تب ابلیس اس کے پاس سے بھاگ جاتا ہے۔ جب انسان شکم سیری کی عادت میں پڑ جاتا ہے تو حرام حلال کی پرواہ اور

پابندی نہیں کرتا۔ اپنے حلق کو آزاد چھوڑنا قیدِ شیطانی ہے۔ شکم سیری نفسِ امارہ کی وہ نہر ہے جس پر شیطان کا گزر ہوتا ہے اور روحِ آدم کی بھوک و فاقہ کشی وہ نہر ہے جس پر فرشتوں کا نورانی نزول ہوتا ہے۔ روزے دار سویا بھی ہو تو شیطان اُس سے شکست کھا جاتا ہے۔ مگر پیٹ بھرے آدمی سے شیطان بغل گیر رہتا ہے اگرچہ وہ نماز میں کھڑا ہو۔ جسمِ آدم میں سات چیزیں پیدا کی گئی ۱۔ رطوبت ۲۔ خشکی ۳۔ برودت ۴۔ حرارت ۵۔ ظلمت ۶۔ روشنی ۷۔ غم۔ رطوبت پانی سے خشکی مٹی سے حرارت نار سے برودت ہوا سے ظلمت نفس سے روشنی قلب سے غم عقل سے پیدا ہوتا ہے۔ قوتِ روحانی سب پر غالب ہے۔

فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَ

پس دونوں نے کھا لیا اس درخت سے اس لیے بے پردہ ہوگئیں اُن کے سامنے ان دونوں کی

تو ان دونوں نے اس میں سے کھا لیا اب اُن پر اُن کی شرم کی چیزیں

طَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ

شرم گاہیں اور چپٹنے لگے وہ دونوں اپنے بدن پر جنت کے پتوں

ظاہر ہوئیں اور جنت کے پتے اپنے اوپر چپکانے لگے

الْجَنَّةِ ۫ وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ ص صلے

سے اور دھیان نہ رکھا آدم نے اپنے رب کا اس لیے ناکام ہوئے

اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا اس کی راہ نہ پائی

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾

پھر ان کو نبوت کے لیے چن لیا اُن کے رب نے توجہ فرمائی اُن پر اور ھادی بنایا۔

پھر اُس کے رب نے چن لیا تو اس پر اپنی رحمت سے رجوع فرمائی اور اپنے قربِ خاص کی راہ دکھائی۔

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ

فرمایا کہ دونوں ایک دم اتر جاؤ اِس جنت سے تمہارے کچھ لوگ کچھ لوگوں کے

فرمایا تم دونوں مل کر جنت سے اترو تم میں ایک دوسرے کا

عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ

دشمن ہیں پھر جب بھی ملے تم کو میری طرف سے ہدایت تو جو بھی

دشمن ہے پھر اگر تم سب کو میری طرف سے ہدایت آئے۔ تو جو میری

اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿١٢٣﴾

پیروی کرے گا میری ہدایت کی تب وہ نہ گمراہ ہوگا نہ بدقسمت ہوگا۔

ہدایت کا پیرو ہوا وہ نہ بہکے نہ بد بخت ہو۔

تعلقات

ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق۔** پچھلی آیت میں حضرت آدم کے قصے کا کچھ حصہ ذکر ہوا۔ اب اِن آیت میں بقیہ قصہ مذکور ہوا۔ **دوسرا تعلق۔** پچھلی آیت میں ابلیس شیطان کے وسوسہ ڈالنے کا ذکر ہوا اب اِن آیت میں حضرتِ آدم کے وسوسے میں مبتلا ہو جانے کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں آدم علیہ السّلام کو ایک اندیشے اور خطرے سے متنبہ کرنے کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں اس اندیشے کے پورا ہو جانے کا ذکر ہے کہ جس جنت سے نکالے جانے کا خطرہ و اندیشہ پہلے بتا دیا گیا تھا وہ خطرہ آخر کار حضرت آدم کی بھول کی وجہ سے ہو کر رہا۔

تفسیر نحوی

فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ وَعَصٰى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى۔ فَ زائدہ اَكَلَا باب نصر کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف تثنیہ مذکر غائب ہُمَا ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ہے آدم و حوا۔ اَكَلَا "اَكْلٌ" بمعنی اَلْتِقَامٌ سے مشتق ہے بمعنی چبا کر کھانا۔ مِنْ حرفِ جر تبعیضیہ ھَا ضمیر کا مرجع شجرۃ الخلد ہے یہ جار مجرور متعلق ہے اَكَلَا کا فَ سببیہ

بَدَتْ بابِ نَصَرَ کا ماضی مطلق مثبت معروف واحد مؤنث غائب بُدُوٌّ سے مشتق ہے بمعنی کھل جانا بے پردہ ہوجانا ظاہر ہوجانا۔ لام جارّہ تعلیلیہ بمعنی وجہ سے یا بمعنی عِنْدَ صرف یعنی اُن کے اپنے عمل کی وجہ سے یا صرف اُن کے اپنے سامنے ان کی بے پردگی ہوئی ھُمَا ضمیر تثنیہ کا مرجع آدم و حوا ہیں یہ جار مجرور متعلق ہے بَدَتْ کا سَوْاٰتُ۔ اسم جمع مؤنث سالم اس کا واحد ہے سَوْاَۃٌ بمعنی بری چیز اصطلاح میں ہر وہ چیز جس کا دیکھنا بُرا اور معیوب لگے اسی معنی میں ہر مذکر مؤنث شرمگاہ اور ہر بُرے کام کو یا کلام کو سَوْاَۃٌ کہا جاتا ہے لاش کو بھی سُوْءَۃٌ اسی لیے کہہ دیا گیا ہے کہ وہ خوشی نہیں لاتی غمی اور برائی لاتی ہے۔ یہاں مراد شرم گاہیں ہیں کیونکہ ہر انسان کی آگے پیچھے دو شرم گاہیں ہوتی ہیں اس لیے سوٰاٰت جمع ہے ھُمَا مضاف الیہ یہ مرکب اضافی فاعل ہے بَدَتْ کا یہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ طَفِقَا۔ بابِ سَمِعَ کا فعل مقاربہ ماضی مطلق تثنیہ مذکر طَفْقٌ سے مشتق ہے تَفَوُّق بھی اسی کا مصدر ہے خیال رہے کہ افعالِ مقاربہ فعل ناقصہ کی طرح ناقص ہوتے ہیں اور اسم و خبر پر عمل کرتے ہیں اپنی خبر سے مل کر پورے اور مکمل ہوتے ہیں مگر افعال ناقصہ اور ان میں فرق یہ ہے کہ ناقصہ کی خبر اُس کے اسم پر بھی اور خود فعل پر بھی مقدم ہوسکتی ہے مگر مقاربہ کی خبر کسی پر مقدم نہیں ہوسکتی اگر کبھی خبر مقدم ہو تو وہ خبر نہیں رہتی بلکہ پورا جملہ فاعل بن جاتا ہے اور فعل عسٰی تامہ ہوجاتا ہے یہ کل سات فعل ہیں مگر اس کی نوعیتیں تین ہیں ۱۔ عسٰی یہ وہاں آتا ہے جہاں خبر کے اسم سے قریب ہونے کی فقط اُمید ہو یعنی یہ لَعَلَّ کی شل ہے اسی لیے اِس کی صرفِ صغیر نہیں ہوتی فقط فعل ماضی کی صرف کبیر ہوتی ہے اس کا فعل مضارع امر نہی اسم فاعل مفعول وغیرہ نہیں ہوتے محال و ناممکن چیزوں کیلیے بھی عسٰی استعمال نہیں ہوسکتا عسٰی پر حرف نفی نہیں آسکتا اس کی خبر پر اَنْ ناصبہ ضرور آتا ہے مگر جب کَادَ مقاربہ کے معنی میں ہو تو نہیں آتا ۲۔ کَادَ یہ وہاں آتا ہے جہاں خبر اپنے اسم سے واقعۃً قریب ہو اس کی خبر پر اَنْ ناصبہ نہیں آتا مگر جب یہ عسٰی کے معنی میں آئے یعنی اُمیدِ قرب کے لیے تب اَنْ آجاتا ہے کَادَ مقاربہ پر حرفِ نفی نہیں آتا لیکن اگر آجائے تو اپنی خبر کی نفی کرتا ہے ایک قول ہے کہ نفی نہیں کرتا اور ایک قول ہے کہ کَادَ ماضی ہو تو نفی نہیں کرتا اگر اس کا مضارع بن کر آئے تو خبر کی نفی کرتا ہے۔ عسٰی اور کَادَ میں فرق یہ ہے کہ عسٰی میں خبر ضروری نہیں کبھی اِس کی خبر نہیں ہوتی مگر کَادَ کی خبر ہمیشہ لازمی ہے نیز یہ دونوں متفق علیہ مقاربہ ہیں ۳۔ طَفِقَ ۴۔ کَرَبَ ۵۔ اَوْشَکَ یہ تینوں فعل وہاں مستعمل ہیں جہاں خبر کا فعل (کام) شروع ہو چکا ہو انتہا کے قرب کو بتائے اس وجہ سے بعض نحاۃ نے اُن کو افعالِ مقاربہ میں سے نہیں مانا مگر صحیح یہ ہے کہ یہ بھی مقاربہ ہیں فرق صرف یہ ہے کہ عسٰی و کَادَ ابتدا کے قرب کو بتاتے ہیں اور یہ فعل کے اختتام کے قرب کا اشارہ

کرتے ہیں ان پر بھی عسٰی کی طرح حرفِ نفی نہیں آسکتا یہ عمل میں کَادَ کی طرح ہیں بعض اسم خبر دونوں کو ہمیشہ چاہتے اور اس کی خبر فعل مضارع بغیر اَنْ ناصبہ کے ہوتی ہے ہاں اَوْشَکَ کبھی کبھی عسٰی کی شکل ہوتا ہے تب اس میں کبھی خبر ضروری نہیں رہتی ۶ جَعَلَ ۷ اَخَذَ یہ دونوں اصلاً فعل تامہ ہیں مگر ضرورتاً کبھی فعل ناقصہ بن کر مقاربہ ہوتے ہیں یہ دونوں ہر بات میں طَفِقَ کی شکل ہیں۔ اسی لیے ان پانچوں فعلوں کا اردو ترجمہ ہوتا ہے لگا جیسے کرنے لگا آنے لگا۔ یہاں طَفِقَ یَخْصِفَانِ کا ترجمہ ہے وہ دونوں لپٹنے لگے۔ ایک قرأت میں طَفِقَا باب ضَرَبَ سے ہے اس کا اسم اسی میں پوشیدہ ھُمَا ضمیر تثنیہ ہے یَخْصِفٰنِ باب ضَرَبَ کا فعل مضارع بمعنیٰ ماضی تثنیہ مذکر غائب ایک قرأت یُخَصِّفٰنِ باب تفعیل سے ہے خَصْفٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ اپنے جسم پر لپٹینا۔ عَلَیْهِمَا یہ جار مجرور متعلق ہے مِنْ جارہ بعضیت کا وَرَقِ اسم مفرد جنسی وحدت اور جمعیت دونوں کے لیے مستعمل ہے مضاف ہے الْجَنَّةِ اسم مفرد معرفہ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی جار مجرور ہو کر متعلق دوم ہے یَخْصِفٰنِ کا یَخْصِفَانِ اپنے فاعل مضمر اور دونوں متعلقوں سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر ہے طَفِقَا کی سب مل کر جملہ فعلیہ تقریبیہ ہو کر معطوف ہوا بَدَتْ پر دونوں مل کر مسبب ہوا اَکَلَا کا اَکَلَا فعل اپنے مضمر فاعل متعلق اور مسبب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ سببیہ ہو گیا۔ واؤ بر جملہ عَصٰی باب ضرب کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب عَصْوٌ یا عَصْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ حکم پر دھیان نہ رکھنا ۲ مخالفت کرنا ۳ نافرمانی کرنا ۴ اطاعت نہ کرنا ایسے مصادر کو اصطلاح میں نفی اثبات کہتے ہیں کہ ظاہراً تو ثبوت ہیں مگر باطناً نفی ہیں اسی طرح کے مصدر عربی میں تقریباً چار ہیں ۱ عَصْیٌ بمعنیٰ مخالفت کرنا یعنی نہ ماننا ۲ غَوًی بمعنیٰ بھٹک جانا (مقصد اور سیدھا راہ نہ پانا) ۳ خَتْمٌ پورا ہو جانا (کہیں نظر نہ آنا) ۴ زَوَالٌ زائل ہونا (نہ رہنا) وغیرہ عَصٰی دراصل عَصَیَ تھا یٰ متحرک اس سے پہلا حرف مفتوح یٰ کو الف سے بدلا گیا۔ آدَمُ اسم مفرد جامد غیر منصرف کیونکہ عجمی علم ہے۔ بحالت رفع کیونکہ فاعل ہے رَبَّهٗ مرکب اضافی مفعول بہ ہے فَ سببیہ غَوٰی۔ باب ضرب کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب غَوًی سے مشتق ہے ایک قرأت میں غُوِیَ فعل مجہول ہے منفی ثبوت والے مصادر سے ہے بمعنیٰ بے مزہ ہونا۔ ناکام ہونا، بھک جانا۔ نقصان پانا۔ گمراہ ہونا یہاں پہلے دو معنی میں ہے اس کا فاعل اسی میں پوشیدہ ھُوَ ضمیر صیغہ ہے جس کا مرجع آدَمُ ہے یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر مسبب ہے عَصٰی کا اور معطوف علیہ ہے مابعد جملے کا ثُمَّ حرف عطف تراخی کے لیے (دیر میں ہونے کے لیے) اِجْتَبٰی باب افتعال کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب جَبْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ چن لینا منتخب کرنا اس کا مصدر ہے اِجْتِبَاءٌ ہٗ ضمیر منصوب متصل اس کا مفعول بہ مرجع آدَمُ رَبُّهٗ مرکب اضافی اس کا فاعل ہے فَ عاطفہ

تعقیبیہ تَابَ۔ بابِ نصر کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب تَوْبَۃٌ سے مشتق ہے بمعنی لوٹنا رجوع کرنا۔ متوجہ ہونا برائی سے ہٹ جانا یہ ہر معنی میں متعدی ہوتا ہے جب یہ متعدی اِلٰی سے ہو تو نسبت بندے کی طرف ہوتی ہے یعنی بندے نے گناہ چھوڑا اللہ کی طرف متوجہ ہوا۔ جب متعدی عَلٰی سے ہو تو نسبت اللہ کی طرف ہوتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے بندے کی بات اور معافی قبول فرمائی بندے کی طرف متوجہ ہوا یہاں متعدی علیٰ سے ہے اس لیے تَابَ کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے، معافی توبہ و معذرت کا فرق تفسیر عالمانہ میں بیان کیا جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ علیہ یہ جار مجرور متعلق ہے فَ حرفِ عاطفہ تعقیبیہ ھَدٰی باب ضَرَبَ کا فعل ماضی واحد مذکر غائب اس کا فاعل اسی میں پوشیدہ ھُوَ ضمیر صیغہ مرجع اللہ تعالیٰ۔ ھَدْیٌ سے مشتق ہے بمعنی راہ دکھانا منزلِ مقصود تک پہنچانا۔ پاس بلانا قریب کرنا کامیاب بنانا متعدی ہے اس کا مفعول بہ ذہنی پوشیدہ ہے پہلی ضمیروں کے قرینے اور دلالت سے دراصل تھا ھَدَاہُ۔ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا اِجْتَبٰہُ پر دونوں عطف مل کر معطوف ہوا اِجْتَبٰی کا یہ دونوں مل کر معطوف ہوا غَوٰی کا یہ دونوں مل کر مسبب ہوا عَصٰی کا سب مل کر جملہ فعلیہ سببیہ ہو گیا۔ قَالَ اھْبِطَا مِنْھَا جَمِیْعًا بَعْضُکُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی فَمَنِ اتَّبَعَ ھُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَلَا یَشْقٰی قال فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا اس کا فاعل ھُوَ ضمیر صیغہ کا مرجع رب تعالیٰ ہے۔ اِھْبِطَا۔ باب ضرب کا فعل امر حاضر معروف تثنیہ مذکر ھَبْطٌ سے مشتق اس کا فاعلِ مخاطب (مامور) اَنْتُمَا ضمیرِ صیغہ پوشیدہ ہے مرجع آدم و حوا بمعنی اترنا بغیر کسی وسیلے اور سہارے کے مِنْ جارہ ابتدائیہ ھَا ضمیرِ واحد مؤنث غائبِ مجرور متصل کا مرجع جنت ہے یہ جار مجرور متعلق ہے جَمِیْعًا اسم مفرد مبالغہ بروزنِ فَعِیْلٌ بمعنی تمام کے تمام (سارے کے سارے) یہاں جَمِیْعًا تثنیہ فاعل کا حال ہے بمعنی ایک ساتھ مل کر اِھْبِطَا اپنے حال ذوالحال والے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر مقولہ اول ہوا۔ بَعْضُ اسم مفرد جامد اسم جنس جمع ہے ایک اور چند کے لیے مستعمل ہے اسم جزئی ہے اسم کل کے مقابل بمعنی کچھ یعنی تمام نہیں مضاف ہے کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مجرور متصل اس کا مرجع ذہنی جمع ہے۔ یا کُمْ بمعنی کُمَا ہے مراد ہے حضرتِ آدم و حوا یعنی تم سے جو بعض پیدا ہوں گے وہ آپس میں لِبَعْضٍ یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے عَدُوٌّ اسم مشتق صفت مشبہ بروزنِ فَعُوْلٌ کا۔ عَدْوٌ سے بنا ہے بمعنی حد سے بڑھ کر بلا وجہ ظلم اور نقصان کرنے یا چاہنے والا۔ دراصل عَدُوْوٌ تھا تخفیف کے لیے دونوں واؤ کا ادغام کر دیا گیا۔ عَدُوٌّ اپنے پوشیدہ فاعل ھُوَ ضمیر اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے بَعْضُکُمْ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا فَ حرفِ عطف بمعنی ثُمَّ عاطفہ۔ اِمَّا۔ دراصل اِنْ مَا ہے اِنْ حرفِ شرط مَا موصولہ مگر اب

مرکب (متصل) ہو کر شرط ظرفی کے معنی ہے ترجمہ ہے پھر جب بھی یہ پانچ معنی کے لیے مستعمل ہے ۱ بیانِ وضاحت کے لیے یہاں اس معنی میں ہے ۲ شک کے لیے تب ترجمہ ہوگا اگر کبھی ۳ ابہام کے لیے ترجمہ اگر کسی کے پاس ۴ اختیار دینے کے لیے ترجمہ ہوگا جو چاہے ۵ اباحت کے لیے ترجمہ ہوگا ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ یَاْتِیَنَّ بابِ نَصَرَ کا مضارع معروف با نون ثقیلہ واحد مذکر غائب اَتٰی سے بنا ہے بمعنی آنا لانا پانا۔ ملنا یہاں آخری معنی میں ہے کُمْ ضمیر اس کا مفعول بہ مِنِّیْ جار مجرور متعلق ہے۔ هُدًى اسم مفرد جامد مضاف ہے اس کا مضاف الیہ یاءِ متکلم محذوف منوی ہے دراصل تھا هُدَایَ (میری ہدایت) کی طرف (کنارے) میں واقع ہوئی اس لیے الف سے بدلی گئی اُس پر تنوین عوض لگائی جو الف کی وجہ سے بشکلِ نصب (زبر) آئی اصلاً یہ مرفوع ہے کیونکہ فاعل ہے یَاْتِیَنَّ کا سب مل کر معطوف علیہ فَ عاطفہ تعقیبیہ مَنْ اسم خبریہ موصول خبریہ اِتَّبَعَ بابِ اِفتِعَال کا ماضی مطلق بمعنی مستقبل تَبَعٌ سے مشتق ہے بمعنی پیروی کرنا هُدَایَ یہ مرکب اضافی فاعل ہے اِتَّبَعَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا دونوں عطف مل کر شرط ہوئی فَ جزائیہ لَا یَضِلُّ بابِ ضَرَبَ کا مضارع منفی فعل با فاعل پوشیدہ هُوَ کا مرجع مَن ہے جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَا یَشْقٰی بابِ سَمِعَ کا مضارع منفی با فاعل شَقْوٌ سے بنا ہے بمعنی بدقسمت ہونا هُوَ ضمیر پوشیدہ کا مرجع مَنْ ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف دونوں عطف مل کر جزا ہوئی شرط و جزا مل کر عطف ہے یَاْتِیَنَّکُمْ کے جملہ اسمیہ پر مقولہ دوم ہوا قَالَ دونوں مقولوں سے مل کر جملہ فعلیہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا یَخْصِفٰنِ عَلَیْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَیْهِ وَهَدٰى۔ ابلیس کی اس دھوکہ دہی سے متاثر ہو کر آدم و حوّا دونوں نے اُس درختِ ممنوعہ سے کچھ کھا لیا اس درخت کو ابلیس نے شجرِ خلد کا نام دیا تھا۔ یہ اُس کی سراسر کذب بیانی تھی پہلے حوّا نے کھایا پھر اُن کی دیکھا دیکھی یا حوّا کے کہنے سے یا دونوں نے ایک دم کھایا اکٹھا ہی کھاتے ہی یہ نتیجہ اوّل ظاہر ہوا کہ ان کا وہ جنتی لباس دونوں کا اتر کر غائب ہو گیا۔ تفسیر نیشاپوری میں ہے کہ یہ لباس ناخن کی مثل سرخی مائل گلابی موٹے ریشم کا نرم اور نہایت ملائم تھا۔ صرف بطور یادگار رہا تھ پاؤں کی دس انگلیوں پر رہ گیا جو اب تک ہر انسان کے ساتھ ہے اب یہ ناخن سخت کر دیئے گئے مگر اس وقت سارے جسم پر نرم تھا۔ بعض نے فرمایا یہ لباس نور کی چادریں تھیں۔ حضرت آدم و حوّا مثل لمبی شجرِ کھجور کے دراز قد نہایت خوب صورت سرخی مائل سفید۔ حضرت آدم کے جسم پر کثیر بال تھے۔ لَهُمَا سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ننگا ہونا صرف صرف

آدم وحوا کے لیے تھا کوئی تیسرا اس جگہ دیکھنے والا نہ تھا۔ یہ کھانے کا فعل ابلیس کے وسوسہ دینے کے پانچ دن بعد عمل میں آیا سَوْاٰت کا معنیٰ ہے قابلِ شرم یا قابلِ نفرت یا بدصورت انسان کتنا ہی خوب صورت ہو ننگا ہو جائے تو بدصورت اور بُرا لگتا ہے ہر انسان لباس میں ہی اچھا و مہذب لگتا ہے۔ اس لیے شرم گاہ کو سَوْاٰت کہا گیا۔ اگر ان دونوں کا ننگا پن کسی تیسرے کو بھی نظر آیا ہوتا تو لَهُمَا نہ ہوتا۔ مِنْهُمَا ہوتا لباس کے غائب ہوتے ہی آدم وحوا دونوں سخت ترین گھبرائے خوف زدہ اور ایک دوسرے سے شرمندہ ہوئے۔ شرمندگی ننگا ہونے کی اور خوف اپنے اس جرم کا گھبراہٹ اس کی کہ کوئی اور نہ دیکھ لے اور تو کوئی چیز نہ ملی قریب ہی انجیر کے درخت تھے اُن کے پتے جو تقریبًا ایک گز لمبے چوڑے تھے ان کو ایک دوسرے سے لپے جوڑ جوڑ کر اپنے اپنے جسم پر چپکانے لگے۔ یا ایک ایک پتہ شرم گاہ پر لپیٹنے لگے۔ تاکہ پردہ ہو جائے۔ آدم علیہ السلام کا ابلیس کے دھوکے میں آکر شجرِ ممنوعہ کو تھوڑا سا کھا لینا یہ نافرمانیِ رب تھی۔ قانونِ شریعتِ الٰہیہ میں نافرمانی کی سات قسمیں ہیں ۱ بھول کر نافرمانی کرنا ۲ جان کر نافرمانی ۳ واجب کی مخالفت کر کے نافرمانی ۴ مستحب کی مخالفت کر کے نافرمانی ۵ دھوکہ کھا کر نافرمانی کرنا ۶ سرکشی سے نافرمانی کرنا ۷ وعدہ خلافی سے نافرمانی کرنا۔ واقعۂ آدم میں تین شخصیتوں نے نافرمانی کی۔ پہلی نافرمانی ابلیس نے کی سرکشی کرتے ہوئے اس لیے کافر ملعون و مردود ہوا۔ دوسری نافرمانی حضرتِ حوا نے کی لغزش اور شیطانی جھوٹ سے دھوکا کھا کر تیسری نافرمانی حضرت آدم نے کی کہ عہدِ فرضیہ کو مستحب سمجھا انہوں نے اس میں بھی رب کی رضا چاہی تھی کہ خلودِ جنت میں فرصت ولذتِ عبادت زیادہ ہے یہ آپ کا اجتہاد تھا مگر اجتہادی غلطی کر گئے بعض نے فرمایا کہ ممانعت تو جنسِ درخت سے تھی کہ اس طرح کا کوئی بھی درخت جنت کے کسی مقام رحصے میں نہیں کھا سکتے مگر آپ نے نوعِ درخت سمجھی کہ صرف هٰذِهِ الشَّجَرَةَ یعنی یہ درخت نہیں کھا سکتے۔ ابلیس نے اسی قسم کا دوسرا درخت دکھایا۔ لہٰذا تقوی، ہر بات ہر ارادے ہر خواہش ومتنا میں ناکام ہو گئے نہ رضاءِ الٰہی ملی نہ رہائشِ جنت باقی رہی نہ دارِ زمر نہ مُلْكٍ لَّا يَبْلٰى نہ خلود نہ شہود۔ خلودِ بہشتی کے بجائے ھبوطِ ارضی سچ کے بجائے جھوٹ خوشی کی بجائے غمی تین سو سال تک روتے رہے کبھی توبہ کرتے کبھی معذرت چاہتے، کبھی معافی مانگتے معافی معذرت اور توبہ میں شرعی واصطلاحی فرق یہ ہے کہ اپنے جرم کا سب سے بڑا اعتراف وندامت تو یہ ہے اس میں سابقہ کو ختم کرانا آئندہ یہ جرم نہ کرنے کا پختہ وعدہ اور توفیق وہمت ملنے کی التجاء دعا اس کی قبولیت یہ ہے کہ سابقہ کی مغفرت اور آئندہ نہ کرنے کی توفیق مل جاتی ہے۔ معذرت یہ ہے کہ بندہ اپنے سابقہ جرم پر شرمندگی د

ندامت کا اظہار وعرض کرے اِس کی قبولیت یہ ہے کہ سابقہ جرم سے درگزر کر دی جاتی ہے۔ معافی یہ ہے کہ مجرم اپنے جرم کا کوئی کفارہ اور بدلہ پیش کر دے اس کی قبولیت یہ ہے کہ کفارہ منظور کر لیا جائے خیال رہے کہ جرم وخطا کا بدلہ کفارہ ہے۔ حفاظت کا بدلہ فدیہ ہے اور رضا کا بدلہ ہدیہ کہلاتا ہے حضرت آدم کی وِرد یہ دعائیں آپ کی توبہ تھی آپ کا غم آپ کی معافی تھی آپ کی بے چینی اور تین سو سال تک آسمان کی طرف منہ نہ اٹھانا آپ کی معذرت تھی آپ کے آنسو اِس معافی کا کفارہ تھا۔ ثُمَّ اجْتَبٰهُ۔ جنت سے نکلنے مشقت میں پڑتے آدم وحوّا کی جدائی دوطرفہ تنہائی۔ روتے دعائیں التجائیں کرنے کے بعد پھر کہیں مدّتِ دراز کے بعد فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ۔ کا ظہور ہوا جب یہ کلمہ طیبہ اور اِسمِ مشفوع ومنقوش ملا تو فَتَابَ عَلَيْهِ۔ اللہ تعالیٰ نے انتہائی شان وتکریم سے آپ کی توبہ معذرت ومعافی سب کچھ قبول فرما لیا۔ یعنی اپنی رحمت نعمت عزت عظمت کا رجوع فرمایا مزید انعام یہ کہ وَهَدٰى آپ کو اُس وقت کی آئندہ اَقوامِ انسانی نسلِ بشری اولادِ آدمیت کا ہادی بنا دیا۔ وَاخْتَارَ لِلرِّسَالَةِ اپنی نبوت رسالت وحیِ کلامی صُحُفِ شرعی کے لیے چن لیا اور زمین پر پہلے نبی رسول صاحبِ شریعت کی بعثت ہوئی (از تفسیر نیشا پوری۔ بیان۔ معانی۔ کبیر) سورۃ بقرہ آیت ۳۷ میں فَتَابَ عَلَيْهِ کا معنیٰ ہے توبہ قبول فرمائی اور یہاں۔ ثُمَّ اجْتَبٰى کے قرینے کی وجہ سے فَتَابَ عَلَيْهِ کا معنیٰ ہے، سابقہ انعامات کا رجوع فرمانا لوٹانا جاری فرما دینا۔ هَدٰى کا معنیٰ ہے ہدایتِ قوم کے خزانے عطا فرمانا۔ اس لیے کہ نبی رسول ہی امت کا ہادی ہوتا۔ سب کو نبی کے آستانے سے ہی ہدایت، ایمان۔ عرفان۔ ایقان۔ علم وعقل کی تقسیم ہوتی ہے قرآن مجید میں تقریباً دس جگہ لفظِ اجتبیٰ ارشاد ہوا ہے۔ سب جگہ اس کا معنیٰ۔ نبوت وحی یا خدمتِ وحی ونبوت۔ ہی ہے۔ مثلاً ۱۔ آلِ عمران آیت ۱۷۹ میں ہے يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ ۲۔ انعام آیت ۸۷ میں ہے۔ اِجْتَبَيْنٰهُمْ ۳۔ سورۃ یوسف آیت ۶ میں ہے۔ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ ۴۔ سورۃ نحل آیت ۱۲۱ اِجْتَبٰهُ وَهَدٰىهُ یہاں ابراہیم علیہ السّلام کے نبی بنانے کا ذکر ہے ۵۔ مریم آیت ۵۸ اِجْتَبَيْنَا ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ ۶۔ شوریٰ آیت ۱۳ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ ۷۔ قلم آیت ۵۰ فَاجْتَبٰهُ یونس علیہ السّلام کے نبی بنانے کا ذکر ۸۔ یہی سورۃ طٰہٰ آیت ۱۲۲ ۹۔ اعراف آیت ۲۰۳ لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا یعنی کفار نے کہا اے محمد تم خود کلامِ وحی کیوں نہیں بنا لیتے ۱۰۔ سورۃ حج آیت ۷۸ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ۔ یہاں اُن علماءِ اُمّتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے جن کے بارے میں ارشادِ نبوی ہے علماءُ اُمتی کانبیاءِ بنی اسرائیل یعنی خدمتِ وحی کرنے والے علما کا ذکر ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اِجْتَبٰى کا معنیٰ ہے نبی بنا دیا

اور لفظِ ثُمَّ سے ثابت ہوا کہ آدم علیہ السّلام پہلے نبی نہ تھے توبہ کی قبولیت کے بعد نبی بنائے گئے تمام انبیا میں یہ صرف آپ کی خصوصیت ہے خیال رہے کہ نبوت کے تین زمانے ہوتے ہیں پہلا زمانہ نبی بننے کا دوسرا زمانہ اظہارِ نبوت کا تیسرا زمانہ تبلیغِ نبوت اور بیعتِ امت کا حضرت آدم کو پہلا دوسرا تیسرا ایک وقت بعمر تین سو سال بعد توبہ۔ باقی انبیاءِ کرام علیہم السّلام کا پہلا زمانہ شکمِ مادر میں تخلیقِ بدنی کی تکمیل کے بعد دوسرا زمانہ چالیس سال کی عمر میں تیسرا زمانہ چالیس سالہ عمر سے آخرِ عمر (وفات) تک مگر عیسیٰ علیہ السّلام کے لیے پہلا زمانہ تو وہی شکمِ مادر۔ دوسرا زمانہ۔ یومِ ولادت بعمر آٹھ گھنٹہ بحالتِ شیر خوارگی جب آپ نے ننھی سی انگلی اٹھا کر فرمایا تھا اِنِّی عبد اللہ۔ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اور اُمتِ دعوت کو فرمایا تھا اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا (الخ) اور عیسیٰ علیہ السّلام کا تیسرا زمانہ بعمر پچیس سال تا رفعتِ آسمانی۔ آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا زمانۂ نبوت۔ کُنْتُ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الطِّیْنِ وَالْمَاءِ یا۔ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ۔ دوسرا زمانہ ایک قول میں۔ یومِ ولادت سجدے میں سر رکھ کر عرض کیا۔ رَبِّ ھَبْلِیْ اُمَّتِیْ۔ یا۔ چالیس سالہ عمر شریف میں آپ کا تیسرا زمانہ پہلی بیعتِ ابوبکر صدیق کے وقت سے تا وصالِ مقدس۔ تفسیر جامع البیان میں ہے کہ آدم علیہ السّلام نے شجر کھانے سے انکار کیا تو پہلے حضرتِ حوّا نے کھایا اور پوری دیکھو بھے کچھ نہ ہوا تب حضرت آدم نے بھی کھا لیا۔ مگر صحیح یہ ہے کہ دونوں نے ایک دم کھایا اور کھاتے ہی لباس اتر گیا۔ بعض نے کہا کہ تین گھنٹے بعد جب کھایا ہوا ہضم ہوا تب لباس اترا وَاللہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَعَصٰٓی اٰدَمُ۔ میں دو قول ہیں ۱ حضرت آدم نے وعدہ خلافی کی ۲ بھول چوک ہوگئی۔ یعنی وعدہ خلافی ہوگئی۔ فَغَوٰی میں تین قول حصولِ مقصد میں ناکام ہوگئے۔ سلطنت و مقصدِ خلود نہ پایا ۲ صحیح راہ اور سچی سوچ فکر سے ناواقف ہوگئے۔ یعنی دماغ ماؤف ہوگیا ۳ جنتی رہائش چھن گئی۔ اور یہ سب خطائیں نبوت نہ ہونے کی وجہ سے ہوئیں۔ بشری کمزوری کے باوجود یہ عَصٰی ذنب نہ تھا۔ زَلَل تھا۔ لغزشِ عمدی کو ذنب کہا جاتا ہے لغزشِ خطائی کو زَلَل یعنی پھسل جانا کہا جاتا ہے یہ خطا صرف پہلی اور آخری بار تھی۔ اسی لیے عَاصِیًا وَغَاوِیًا نہ فرمایا گیا۔ عادی گنا ہگار یا خطا کار کو عاصی کہا جاتا ہے۔

مسلکِ اہلسنّت

صحیح اور تعلیمِ قرآن و فرمانِ حدیث کے مطابق سچا قول یہ ہے کہ نبی بننے سے تا وفات کوئی نبی کسی قسم کی غلطی لغزش خطا بھول چوک گناہ کبیرہ یا صغیرہ کر سکتا ہی نہیں یہ شخصیاتِ پاکیزہ ہر کمزوری سے

معصوم پیدا کی جاتی ہیں۔ اگر کسی بدبخت گستاخ مصنف نے یہ لکھ دیا کہ نبی گناہ کر سکتا ہے مگر کرتا ہے نہیں تو وہ مصنف خود ابلیس وشیطان ہے۔ نبوّت کے دامن تقدیس پر کوئی داغ نہیں جن خبیثا نے نبوت پر کسی کمزوری کا اتہام لگایا وہ فقط اس واقعۂ آدم سے دلیل پکڑتے ہیں مگر قرآن کریم نے وضاحت فرما کر اس بیہودہ دلیل کو بھی ختم کر دیا۔ اور بتا دیا کہ یہ نسیان قبلِ نبوت ہوا۔ نہ کہ بعدِ نبوت قرآن مجید میں کُل انتیس ۲۹ قصے بیان فرمائے جن میں تیرہ ۱۳ قصے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کے لیے چند جگہ بیان کئے باقی ایک ایک مقام پر۔ چنانچہ حضرت آدم کا واقعہ سات جگہ مذکور ہوا جس کی ترتیب مندرجہ ذیل ہے ۲ حضرت نوح اور ان کی قوم کا واقعہ ۳ حضرت ہود اور اُن کی قوم کا واقعہ ۴ حضرت صالح اور ان کی قوم کا واقعہ ۵ حضرت ابراہیم اور ان کی قوم نمرود اور آذر کا واقعہ نمرود سے مناظرہ ابراہیم علیہ السّلام کے چار جانوروں کا واقعہ آگ میں جانے بَرْدًا وَّسَلٰمًا ہونے کا تذکرہ ۶ حضرت لوط اور ان کی قوم کا واقعہ ۷ حضرت اسماعیل کے ذبح کا واقعہ ۸ حضرت داوٗد کا واقعہ ۹ حضرت سلیمان کا واقعہ ۱۰ حضرت ایوّب کا واقعہ ۱۱ حضرت یوسف کا واقعہ ۱۲ حضرت یونس اور ان کی قوم کا واقعہ ۱۳ حضرت شعیب اور اُن کی قوم کا واقعہ ۱۴ حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کا واقعہ نیز خوارگی دریا میں ڈالنا ولادتِ موسیٰ فرعون کے گھر میں پرورش قبطی کو مارنے مدین میں آتے شعیب علیہ السّلام کے گھر رہنے بکریاں چرانے ان کی بڑی بیٹی سے نکاح کرنے طور پر آنے آگ دیکھنے کا واقعہ جادوگروں سے مقابلہ غرقِ فرعون توریت ملنے کا واقعہ ۱۵ خضر اور موسیٰ علیہ السّلام کا واقعہ ۱۶ حضرت ذوالقرنین سکندر اعظم و یاجوج ماجوج کا واقعہ ۱۷ حضرت ذکریا اور پرورشِ مریم کا واقعہ اور دعاءِ ذکریا اور یحییٰ کی بشارت کا واقعہ ۱۸ حضرت عیسٰی کا واقعہ آپ کی۔ آسمانی رِفعت کا تذکرہ ۱۹ طالوت اور جالوت کا واقعہ ۲۰ اصحابِ کہف کا واقعہ ۲۱ باغ والوں کا واقعہ ۲۲ دو بھائیوں کا قصہ ۲۳ حضرت عیسٰی کے منادی کرنے والے حواریوں کا واقعہ ۲۴ نزولِ مائدہ کا واقعہ ۲۵ حبیب نجار کا واقعہ ۲۶ حضرت عذیر علیہم السّلام کا واقعہ ۲۷ بیت المقدس پر چڑھائی کا واقعہ ۲۸ اصحاب اخدود کا واقعہ ۲۹ اصحابِ فیل کا واقعہ قرآن مجید میں سات جگہ حضرتِ آدم کا واقعہ مذکور ہوا مگر کہیں بھی ان کی نبوت کا ذکر برملا نہیں ہے بلکہ بشریت خلافت کا ذکر ہے۔ اسی بنا پر بعض جہلا نے اُن کی نبوت کا انکار کیا ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ آپ صاحبِ شریعت نبی و رسول ہیں۔ اس کے دلائل ہم بھی آئندہ بیان کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ قرآن پاک میں آپ کی نبوت کا بالوضاحت نہ ہونا اس میں بھی رب تعالیٰ کی یہ حکمت کاملہ ہے کہ بشریت کا نقشہ ظاہر ہو اور نبوت و بشریت کے پہلو مخلوط نہ ہوں اور

تا قیامت ثابت ہو جائے کہ بشریت سے خطا ہو سکتی ہے نبوت سے نہیں ہو سکتی۔ قرآن مجید کے بیان کردہ واقعۂ آدم میں انسانی فطرت کمزوری اور آئندہ نسل انسانی کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ اس میں شقاوت بھی ہے۔ سعادت بھی توبہ و عبادت کی افضلیت بھی ہے عقل و علم شرافت بھی ہے۔ شرافت کی وجہ سے اس کی تکریم ہوتی رہے گی فضیلت کی وجہ سے تعظیم ہوتی رہے گی۔ واقعہ کی ابتدا سورۃ ۲ بقرہ سے ہوتی ہے از آیت ۳۰ تا آیت ۳۹ یہاں سات چیزیں بیان ہوئیں ۱ خلافتِ آدم ۲ فرشتوں کا اعتراض ۳ فرشتوں کا معافی مانگتے ہوئے سجدہ کرنا ۴ بشریت کی علمی شان ۵ ابلیس کا انکارِ سجدہ اور ہمیشہ کے لیے دشمنی ۶ بشر کا شیطان کے دھوکے میں آکر غلطی کر جانا پھسل پڑنا ۷ بھولنا انسانی فطرت ہے۔ پھر سورۃ ۷ اعراف میں بھی سات چیزیں مذکور ہوئیں۔ از آیت ۱۱ تا ۲۵ یہاں خلقتِ انسانی، شکل و صورت ۳ انسانوں پر انعاماتِ الٰہی ۴ اس کے ازلی ابدی دشمن پر ذلت و خواری ۵ انسان کی شرعی زندگی کا ذکر کہ کسی مقام کسی حال میں ہو شریعت کی پابندی لازمی ہے یہ لَا تَقْرَبَا کی ممانعت شرعی پابندی کی ہی ایک شق تھی۔ اگر آدمی شرعی پابندی نہ کرے تو رسوا ننگا بے عزت ہو جائے گا ۶ بری صحبت کا ذکر کہ اس سے بچنا ہر انسان پر فرض ہے ۷ انسان کمزور ہے اس کا دشمن عیار ہے۔ پھر سورۃ ۱۵ حجر میں از آیت ۲۸ تا ۴۴ بھی سات چیزیں مذکور ہوئیں ۱ بشر کو مٹی سے بنایا گیا ۲ اس میں روح ربانی پھونکی ڈالی گئی ۳ اس لیے اس کی تکریم کی گئی ۴ اس کی خاطر ابلیس کو ملعون کیا گیا ۵ ابلیس پوری انسانیت کا تا قیامت فرداً فرداً موذی دشمن ہے ۶ یہاں سجدہ کرنے کا فرشتوں کو پیشگی حکم دیا گیا کہ جب میں پیدا کر دوں گا تو تم سب سجدہ کر دینا ۷ ابلیس کا لمبی عمر مانگنا اور مل جانا اور اعتراف کرتا کہ تیرے نیک بندوں پر میرا دھوکہ نہیں چل سکتا کیونکہ وہ خلوص کی قوت والے ہوں گے پھر سورۃ ۱۷ اسرای میں از آیت ۶۱ تا ۶۲ یہاں بھی سات چیزیں مذکور ہوئیں ۱ ابلیس کا بشر سے حسد ۲ گمراہ کرنے کی دھمکی ۳ انسانی پیدائش پر طعنہ و طنز ۴ فرشتوں کا سجدہ کرنا ۵ ابلیس کا انکار اور اس کی وجہ کا بیان ۶ کَرَّمْتَ عَلَيَّ سے حسد اور رب تعالیٰ پر سوالیہ اعتراض ۷ ابلیس کا رب تعالیٰ سے مہلت مانگنا۔ اور پوری قوت طاقت تسلط کے ساتھ لمبی عمر کی مہلت ملنا۔ پھر سورۃ ۱۸ کہف میں بھی از آیت ۵۰ تا ۵۹ سات چیزیں مذکور ہوئیں ۱ سجدۂ ملائکہ ۲ ابلیس کے انکارِ سجدہ کی صرف ایک فطری وجہ کہ وہ ناری تھا جن تھا۔ ناریں غرور اور جنات میں گھمنڈ ہوتا ہے ۳ واقعاتِ آدم سنانے کی اصل مصلحت و حکمت کا بیان کہ اے انسانو تم اپنے اتنے موذی مکار بڑے دشمن کی پھر بھی مانتے ہو جب کہ اس کا ہر وسوسہ ہی اس کی عداوت اور تمہارا نقصان ہے ۴ ابلیس رب تعالیٰ کے حکم کا فاسق ہوا ۵ ابلیس جنوں کا باپ ہے لہٰذا وہ تمام شرارتوں کا مجموعہ ہے ۶ ظالموں کے بدلے کا ذکر

۷ شیطان کی ماننا ظلم ہے پھر یہاں سورۃ ۲۰ طٰہٰ از آیت ۱۱۵ تا ۱۲۳ میں بھی سات چیزیں مذکور ہوئیں ۱
بشری وعدے کا ذکر ۲ نسیان کا ذکر ۳ ابلیس نے دشمنی کا اعلان کر دیا ۴ ابلیس کی ماننے کا نقصان
۵ اللہ رسول کے حکم پر چلنے کے فائدے ۶ بشری کمزوری اور نبوت کی قوت کا ذکر کہ محض بشری عقل
علم فہم کے باوجود ابلیس کے پھندے میں پھنس جاتا ہے۔ اسی لیے ہر انسان کو ہر وقت اَعُوْذُ بِاللّٰہِ پڑھ کر
رب تعالیٰ کی پناہ پکڑتے۔ مانگنے کا حکم ہے۔ اپنی عقل فکر پر بھروسہ کرنا منع ہے ۷ اشارہ فرمایا گیا کہ
بشری کمزوریوں سے صرف نبی کا دامن اور قرب ہی بچا سکتا ہے گویا کہ اللہ کی پناہ دنیا میں نبی کا وجود ہے
آدم علیہ السّلام کو جب تک نبوت نہ ملی یہ بشری کمزوریاں ظاہر ہوتی رہیں مگر جب نبوت مل گئی تو پھر ابلیس
کا کوئی وسوسہ نہ آسکا۔ پھر آخر میں ساتویں جگہ سورۃ ۳۸ ص میں از آیت ۷۱ تا ۸۳ میں بھی سات چیزیں مذکور
ہوئیں ۱ بشر کی تخلیق ۲ مادۂ بشری مٹی ہے ۳ ابلیس کا حاسدانہ تکبر ۴ ابلیس کا ذلیل اور لعنتی ہونا ۵
تاقیامت انسانوں پر مسلط ہونے اور گمراہ کرنے کا ذکر ۶ نبوت کے دامن میں آنے والے نیک لوگوں
پر ابلیس کی قوت طاقت تسلّط اور وسوسہ نہ آسکنے کا ذکر یہ تو عام نیک مخلصین کی شان ہمت ہے نبوت
تو کہیں زیادہ قوت کی چیز ہے تمام قوتوں پر غالب ۷ ابلیس نے مہلت مانگی اور دیدی گئی یہ بھی انسانیت
و بشریت کا تاقیامت امتحان ہے۔ خلاصہ یہ کہ ان سات مقامات میں سات سات پہلوؤں سے شخصیتِ
آدم کو سامنے رکھ کر انسانی فطرت کا نقشہ پیش فرمایا گیا کہ انسان کیا ہے۔ بشر کیا۔ آدمیت کیا ہے۔ اس کی
شان کیا۔ اس کی کمزوری کیا ۶ اس کا دشمن کتنا عیار اور کتنی وسیع قوت کتنی دراز عمر والا ہے ۷ اس سے
بچنا کتنا ضروری اور ایسے خفیہ دشمن سے بچنے کا کیا طریقہ۔ بشریت کے تین روپ بیان کیے گئے۔ پہلا
روپ دنیوی علوم کے باوجود بیوقوفی کم عقلی دوسرا پہلو لالچ تیسرا پہلو بھول۔ پہلے روپ میں انسان کی شکلِ
ایمانی عرفانی ہے دوسرے میں شکلِ نادانی ہے تیسرے میں شکلِ پشیمانی ہے۔ انسان کی تین خصلتیں بیان
کی گئیں پہلی خصلت سے جنت ملی دوسری سے جنت چھنی تیسری سے توفیقِ توبہ ملی بشر کی تین کمزوریاں
بیان ہوئیں پہلی کمزوری سے وسوسۂ شیطانی ملا۔ دوم سے وعدے کی بے وفائی سوم سے دنیوی مشقت
ملی یہی حکمت تھی حضرت آدم کو پہلے نبی نہ بنانے کی اگر پہلے ہی دیگر انبیاء علیہم السّلام کی طرح ان کو
بھی نبی بنا دیا جاتا تو یہ کوئی کمزوری ظاہر نہ ہوتی اور بشری انسانی نقشہ سمجھا کر عبرت نہ سکھائی جاسکتی۔ یہ
سب کچھ مقابلۂ آدم و ابلیس مناظرۂ علمی انسانوں کو سمجھانے بتلانے سکھلانے عبرت دلانے بندہ بنانے ابلیس
سے بچانے کے لیے تھا۔ حضرت آدم علیہ السّلام کی نبوت و رسالت کے دلائل۔ پہلی دلیل۔ قرآن مجید
سورۃ آلِ عمران آیت ۳۳ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ

وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ۔ یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے منتخب فرما لیا آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم کی
آل کو (اسماعیل اسحاق یعقوب وغیرہم کو) علیہم السّلام اور آلِ عمران کو (موسیٰ ھرون عیسیٰ کو) علیہم السّلام
تمام جہانوں پر۔ اس آیت سے دو باتیں واضح ہوئیں ایک یہ کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کا انتخاب صرف نبوّت کے
لیے ہوتا ہے اس لیے آدم و نوح اور آلِ ابراہیم و آلِ عمران کے مذکورہ حضرات سب انبیا ہی ہیں دوم
یہ کہ انبیاء علیہم السّلام تمام کائنات کی مخلوق سے اعلیٰ و افضل فرشتوں جنات سے بھی تمام دیگر انسانوں سے
بھی اللہ کا چناؤ انتخاب اور پھر عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۔ فرمانا اسی کو ثابت فرما رہا ہے۔ دوسری دلیل یہی آیت
سورۃ طٰہٰ آیت ۱۲۲ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ ۔ یعنی آدم علیہ السّلام کی بشریت ظاہر کر
دینے انسانیت اُجاگر ہو جانے کے بعد پھر اُن کو نبوت کیلئے چُن لیا۔ اِصطفا اور اِجتبا کا فرق یہ ہے کہ
نبی کا رب سے قُرب اِصطفا ہے اور نبی کا اُمت سے قُرب اِجتبا ہے گویا کہ رب سے لینا اِصطفا
ہے، اُمت کو دینا اِجتبا ہے۔ آدم علیہ السّلام کو نبی بنانے کے بعد نبوّت کی تمام قوتیں نعمتیں ان کو عطا
فرمائیں وَھَدٰی اور اُن کو ھادی بنا دیا۔ تمام قوم کی ہدایت اُن کو دیدی۔ یہاں ھُدٰی کے دو معنی ہو سکتے
ہیں ۱۔ ان کو قُربِ نبوی کی ہدایت بارگاہِ الٰہی میں عطا فرمائی ۲۔ یہ کہ ان کو ہدایت کا خزانہ دیدیا تاکہ اپنی
امت میں ہدایت تقسیم فرمائیں۔ نبوت سے پہلے خود ہدایت کے ضرورت مند، نبوت ملنے کے بعد پوری
قوم اُن کے در سے ہدایت لینے کی محتاج۔ تیسری دلیل۔ مشکوٰۃ شریف باب بدءُ الخلق فصل
ثالث ص ۵۱۱ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَیُّ الْاَنْبِیَاءِ کَانَ اَوَّلَ ۔ قَالَ آدَمُ
قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوَنَبِیٌّ کَانَ ۔ قَالَ نَعَمْ نَبِیٌّ مُّکَلَّمٌ ۔ اَیْ اُنْزِلَ عَلَیْهِ الصُّحُفُ
رواہ احمد و ابن حنبل۔ حضرت ابوذر غفاری سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ سب
سے پہلے نبی کون تھے۔ فرمایا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آدم تھے میں نے عرض کیا کہ کیا آدم علیہ السّلام
نبی تھے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں بلکہ کلام والے نبی تھے۔ یعنی رسول نبی اُن پر صحیفے نازل ہوئے
تھے۔ اِن دلائل سے ثابت ہوا کہ دنیا میں پہلے نبی حضرت آدم اور آخری نبی۔ آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ
علیہ وسلم، کتاب روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ آدم علیہ السّلام اور نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم
کا درمیانی فاصلہ چھ ہزار نو سو (۶۹۵۰) پچاس سال ہے۔ بعض روایات میں پانچ ہزار آٹھ سو سال ہے۔ مطابقت
اس طرح ہے کہ آدم علیہ السّلام کی رہائشِ جنت کی عمر سجدے کی مدت اور طبعی عمر نکال کر پانچ ہزار آٹھ
سو۔ اور یہ تمام مدت شامل کر کے چھ ہزار نو سو پچاس سال۔ یعنی خلقتِ آدم سے شمار کیا جائے تو
پہلی مدت برابر فاصلہ اور وفاتِ آدم سے شمار کیا جائے تو دوسری مدت برابر فاصلہ بنتا ہے۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ قَالَ اھْبِطَا مِنْھَا جَمِیْعًا ؕ بَعْضُکُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی فَمَنِ اتَّبَعَ ھُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَلَا یَشْقٰی۔ رب تعالیٰ نے الہام فرمایا کہ اب تم دونوں (آدم وحوا) اسی جنت سے اپنی تمام باطنی ذریت نسل و اولاد کو اپنی پشت وصدر، رحم وبطن میں لیئے لیئے فوراً نیچے زمین کی طرف کو دپڑو اب تم کو اتارنے کے لیے ضبتی تخت نہ آئے گا۔ نہ پہلے جیسی آن بان شان عزت کا ملکوتی جلوس ہوگا۔ بلکہ دوسرے خدام تو درکنا ر تم آپس میں بھی ایک دوسرے کے دشمن بنتے بناتے رہو گے اور اس خود غرض دشمن کی وجہ سے زمین پر فساد گمراہی۔ بدمزگی کا دور ہوجائے گا کفر وطغیان کا اندھیرا پھیلے گا پھر جب میرے پاس سے ہدایت کی روشنی نبوت کا چراغ رسالت کا نور کلام الٰہی کی سچی راہنمائی آئے گی۔ اس طرح کہ اوّلاً آدم علیہ السّلام کو نبی بنا دیا جائے گا کلام ربانی کے صحیفے وحیٔ الٰہی کے پیغامات دے دیئے جائیں گے پھر اس کے بعد ہر قوم ونسل میں انبیاء ورسل کتب وکلام آتا رہے گا۔ اور ایسا یقیناً ہوگا تو جو خوش نصیب انسان، ابلیس کی فریب کاری وسوسہ اندازی سے بچ کر میری بھیجی ہوئی ہدایت کی ساری زندگی سچی لگن مکمل شوق اکمل ذوق خالص محبت سے پیروی کرتے ہوئے عداوت بناوٹ فساد کو ختم کرے گا، وہ ایسا کامل کامیاب کامران ہوگا کہ نہ کبھی دنیا میں تا عمر گمراہ کیا جا سکے اور نہ قبر حشر میں کسی قسم کی بدبختی یا شقاوت اس کو پہنچے یہ حکم سنا کر آدم حوا کو زمین پر اتار دیا گیا۔

مفسرین کے مختلف اقوال

۱۔ جَمِیْعًا سے مراد آدم وحوا اور ان کی پشت وصدر اور حمل کی اولاد نسل ذریت ہے حضرت حوا اس وقت دو بچوں سے حاملہ تھیں ۲۔ جمیعًا سے مراد آدم حوا ابلیس، سانپ مور ہے یہ پانچ چیزیں جنت سے نکالی گئیں۔ عَدُوٌّ سے مراد ۱۔ یہ کہ انسان آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے ۲۔ یہ پانچوں آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔ یعنی ابلیس سارے انسانوں کا اور انسان ابلیس کے دشمن، سانپ مور کا مور سانپ کا۔ انسان سانپ کا سانپ انسان کا۔ مگر پہلے قول درست ہیں۔ اِھْبِطَا میں تین قول ۱۔ سانپ کو دکر مور اڑکر ابلیس جناتی قوت سے اور آدم وحوا کو ایک ایک فرشتہ کندھوں پر بٹھا کر حوا کو جدے میں اتارا۔ آدم علیہ السّلام کو سراندیپ میں ۲۔ ہوا نے آدم وحوا کو مختلف جگہ اتار دیا ۳۔ حضرت آدم وحوا کو مور اور مورنی نے اپنے اوپر بٹھا کر زمین پر پہنچایا۔ اسی لیے مور اور انسان میں دوستی ہے عداوت نہیں۔ کیا عظیم فرق ہے کہ جب جنت میں گئے تھے تو فرشتوں کے جلوس میں تخت

بہشتی پر بیٹھ کر۔ مگر جب آتارے گئے تو نہ کچھ شان نہ شوکت یہ بتایا گیا کہ اے انسان بیفرق تیری فرمانبرداری اور نافرمانی کی زندگی میں ہے۔ لَا یَضِلُّ وَ لَا یَشْقٰی میں انسانی زندگی کا پورا نقشہ بیان فرمادیا گیا کہ ہدایت کی پیروی مومن کی زندگی ہے اور ہدایت سے منہ پھیرنا کافر کی زندگی ہے۔ پیروی سے لَا یَضِلُّ وَ لَا یَشْقٰی کا انعام ہے منہ پھیرنے میں شقاوت وضلالت کی ذلت و نقصان اتباع کے دو قدم پہلا ہدایت کا دوسرا سعادت کا ہدایت کا نتیجہ سعادت سعادت کا نتیجہ رفعت شرافت تین چیزوں کا نام ہدایت ہے عجز، انکسار، گریہ۔ ان سب کا نشان توبہ ہے۔ نافرمانی کے دو قدم ہیں پہلا قدم گمراہی ضلالت اور اس کے نتیجہ میں دوسرا قدم شقاوت و بدبختی۔ ہدایت بندے کو چار چیزوں سے بچاتی ہے ۱۔ ابلیس سے ۲۔ گمراہی سے ۳۔ بدبختی سے ۴۔ نفس امارہ کی خباثت سے۔ جنت سے ابلیس کا نکلنا اس کی ذلت لعنت کفر تھا۔ سانپ کا نکلنا اس کی سزا تھی۔ مور کا نکلنا اس پر عتاب تھا۔ آدم وحوا کا نکلنا شجرِ ممنوعہ کھانے کا نتیجہ تھا۔ نہ سزا نہ عتاب اسی لیے یہ نکلنا توبہ کا ذریعہ بنا اور توبہ شرافت کا شرافت رفعت کا رفعت نبوت کا اور نبوت ہدایت کا ذریعہ۔ اس طرح انسانی زندگی میں کامیاب و ناکام زندگی کا نقشہ و نمونہ بتایا گیا۔ کہ آدم کا کونسا نمونہ کامیابی والا ہے اور کونسا ناکامی والا۔ تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ اِھْبِطَا ظاہری خطابِ عتاب ہے۔ صورۃً ملامت ہے اور معنًا حقیقتًا تکمیل و تشریف ہے۔ اترنے کی تین صورتیں ہوتی ہیں ۱۔ ہبوط ۲۔ نزول ۳۔ زوال۔ تیزی سے گرنا ہبوط ہے جیسے پتھروں کا گرنا یہ بہارا ہوکر، گرنے میں کوئی جگہ مقرر نہیں ہوتی۔ اسی بے تعیینی اور تیزی کی وجہ سے آدم وحوا کے اترنے کو ہبوط فرمایا گیا۔ عزت ترتیب اور تعین سے آنا نزول ہے جیسے بارش ملائکہ اور وحی کا اترنا نزول ہے۔ اور اپنی جگہ سے ہٹ جانا یا ہٹایا جانا زوال ہے۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ**۔ انسان کی دو خصلتیں ہیں۔ رونا۔ اور ہنسنا رونا تمام مخلوق کو دیا گیا انسان جنات فرشتے نباتات جمادات حیوانات لیکن ہنسنا صرف جنات و انسان کو دیا گیا سب سے پہلے ابلیس ہنسا۔ اور سب سے پہلے آدم علیہ السّلام روئے۔ اسی لیے اللہ تعالٰی کو رونا پسند ہے اور ہنسنا ناپسند۔ جب آدم علیہ السّلام کو اِھْبِطَا کا حکم ملا تو ابلیس خوب زور زور سے ہنسا۔ لیکن جب اس کو ابدی لعنت کا طوق ڈالا گیا تو رویا اور آج تک رو رہا ہے بلکہ تا قیامت روتا ہے اپنی بدنصیبی پر مگر یہ رونا مردودیت کا ہے۔ روایت میں ہے کہ دنیا میں چار حضرات بہت روئے داؤد علیہ السّلام یادِ الٰہی میں تمام روئے زمین کے رونیوالوں کا رونا جمع کر لیا جائے تو بھی گریۂ داؤدی

کے برابر نہیں ہو سکتا اِن سے بھی زیادہ یعقوب علیہ السّلام روئے داؤد علیہ السّلام کے تمام آنسو بھی یعقوب علیہ السّلام
کے آنسوؤں کے برابر نہیں ہو سکتے۔ اِن سے بھی زیادہ ایوب علیہ السّلام روئے بیماری میں عبادت رہ جانے
کی وجہ سے ان کے آنسو گریۂ یعقوبی سے زیادہ ہوئے اِن سے بھی زیادہ نوح علیہ السّلام روئے اُمّت کے
غم میں کہ گریۂ ایوبی بھی نوح علیہ السّلام کے آنسوؤں کے برابر نہ ہوا۔ یہاں درازیِ عمر کی وجہ بھی کثرت کا
سبب ہے سب سے پہلے آدم علیہ السّلام روئے توبہ کے لیے اِن کے آنسو نوح علیہ السّلام کے آنسوؤں
سے زیادہ تھے آپ تین سو سال تک روئے نوح علیہ السّلام ایک سو سال تک یعقوب چالیس سال تک
ایوب پچاس سال تک داؤد علیہم السّلام تین سال تک ثابت ہوا کہ رونا سنتِ انبیاء ہے۔ ہنسنا طریقۂ
شیطان۔ رونے سے دل کو تازگی اور نور ملتا ہے۔ ہنسنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے کبھی کوئی نبی نہ ہنسا
مسکرانا ثابت ہے علیہم الصّلوٰۃ والسّلام لہٰذا تمام مسلمان مرد عورت ہنسی مذاق ٹھٹھا مارنے سے بچیں
یادِ آخرت میں رونے کی عادت ڈالیں یہ فائدہ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ (الخ) سے حاصل ہوا کہ انبیاءِ کرام
کی ہر عادت و خصلت ہدایتِ الٰہی ہے اُس کی اِتباع ہی مومن کی سعادت ہے۔ **دوسرا فائدہ**
انسان کی سب سے بڑی کمزوری کھانے پینے میں ہے اور ابلیس و شیاطین کا سب سے بڑا اور
سب سے پہلا وسوسہ کھانے کے ذریعے ہی چلا۔ یہ فائدہ فَکُلَا مِنْهَا فرمانے سے حاصل ہوا۔ لہٰذا
ہر مسلمان کو کھانے پینے میں بڑی احتیاط چاہیے۔ ہزارہا دینی دنیوی طبی خرابیاں کھانے کی بے احتیاطیوں
کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ حرام و حلال کا کثرت سے اندیشہ اور ان میں ملوث ہونے کا خطرہ حرام و
حلال غذاؤں اور پانیوں میں ہی ہے۔ **تیسرا فائدہ**۔ ہر مسلمان کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے
کہ شریعت کے خلاف کرنے سے کبھی دینی دنیوی فائدہ نہیں ہو سکتا ہمیشہ نقصان ہی ہوتا ہے
اگرچہ ظاہر بین بیوقوف دنیا ساز انسان اُس کو کتنا ہی فائدے مند سمجھتا رہے اس لیے ہر کام میں
شریعتِ پاک کو مدِنظر رکھنا چاہیے جس چیز سے اللہ رسول منع فرما دیں اس سے ہر مسلمان کو
ایک دم الگ ہو جانا چاہیے۔ یہ فائدہ فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا فرمانے سے حاصل ہوا کہ
کھانا پینا حقیقتاً اچھی چیز ہے مگر آدم و حوّا کو وہ شجرِ ممنوعہ کھانا شرعاً منع تھا۔ اس لیے اُس کے کھانے
سے نقصان ہی ہوا۔ **چوتھا فائدہ**۔ ہر زبان میں بہت سے الفاظ ایسے ہوتے ہیں جن کو عربی میں مشترک
کہا جاتا ہے کہ ایک لفظ ہو اُس کے معنیٰ چند ہوں۔ ہر اہلِ زبان ہی جانتا ہے کہ یہاں اِس لفظ کے کیا معنیٰ
ہیں لہٰذا مترجمین کو خاص کر قرآن کریم کا ترجمہ کرنے والوں کو اس کا بہت خیال رکھنا چاہیے مثلاً اردو
میں لفظِ بیٹھنا مشترک المعانی ہے ۱؎ انسان بیٹھ گیا ۲؎ رعب بیٹھ گیا ۳؎ مکان بیٹھ گیا ۴؎ بچہ بیٹھ گیا

ہ کاروبار بیٹھ گیا سب جگہ بالکل مختلف معنی ہیں جو موقع محل کے اعتبار مناسب حال کئے جائیں گے۔ اسی طرح نعصیٰ اور غوٰی میں بھی موقع کے مناسب با ادب عالمانہ ترجمہ کیا جائے تب ہی درست اور عالمانہ ہوگا۔ اگر غلط معنیٰ یا غلط تفسیر کی گئی تو مترجم و مفسر کا گمراہ ہو جانا یقینی ہے۔ یہ فائدہ وَعَصٰی اور فَغَوٰی کے صحیح عالمانہ ترجمہ اور تفسیر سے حاصل ہوا کہ عصٰی کا معنٰی ہے وعدہ خلافی کی لغزش کی اور غوٰی کا دنیوی امور و مقاصد میں، ناکامی اسی لیے توبہ کی توفیق ملی اور ثُمَّ اجْتَبٰهُ کا اعزاز ملا۔ وہابی گستاخ مترجمین نے ترجمہ کیا آدم نے نافرمانی کی اور گمراہ ہوا۔ (معاذ اللہ) یہ سراسر جہالت و بے ادبی ہے۔

احکام القرآن

ان آیت پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ شرم و حیا دین و ایمان کی بڑی نعمت ہے اس کی قدر کرنی چاہیئے اور ہر طرح شریعت کی حدود میں رہنا چاہیئے۔ کیونکہ غیرت و شرم و حجاب آدھا ایمان ہے۔ بے غیرتی شیطانیت ہے۔ خاوند بیوی پر اگرچہ کسی قسم کا پردہ واجب نہیں۔ مگر بلا وجہ عام حالات میں ایک دوسرے کے سامنے ننگے ہونا۔ رہنا بھی خلاف شریعت ہے بلکہ احتیاط یہ چاہیئے کہ خاوند بیوی حتی الامکان صحبت کے وقت بھی ایک دوسرے کا ستر نہ دیکھیں۔ یہ مسئلہ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا۔ فرمانے سے مستنبط ہوا یعنی آدم وحوا کا ستر صرف ان کے ہی سامنے کھلا تھا۔ اس کو بھی سوأت یعنی برائی فرمایا گیا اور وہ دونوں بے حجاب ہوتے ہی شرم و حیا سے گھبرا گئے۔ اور جلدی پردے کی طرف دوڑے اور جلدی پردہ کر لیا۔ اس سے وہ مسلمان خاوند بیوی عبرت پکڑیں جو انگریزوں کی نقلیں دیکھ کر جانوروں سے بدتر حالت میں صحبت کرتے بلکہ ایک دوسرے کا منہ زبان تک پلید کر دیتے ہیں ان مدہوشوں کو یہ ہوش بھی نہیں رہتا کہ یہ منہ کافر کا منہ نہیں بلکہ مومن کا منہ ہے۔ اور مومن مومنہ کا منہ قرآن مجید کی رحل ذکر الٰہی کلمہ کلام نماز تلاوت کا برتن ہے۔ اللہ ہی ہدایت دینے والا ہے۔ دوسرا مسئلہ ہر وہ چیز جس کو دیکھ کر شہوت نفسانی ظاہر ہو وہ ننگیز ہے اس کا چھپانا مسلمان پر فرض ہے آج کل کے جو بعض ڈاکٹر پروفیسر نما جاہل و عیاش خطیب و لیڈر یہ کہتے پھرتے ہیں کہ صرف بالوں کو چھپانا فرض ہے چہروں کا پردہ ضروری نہیں وہ گمراہ ہیں اصل پردہ جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے وہ تو چہرہ ہی ہے چہرہ دیکھ کر شہوت نفسانی ابھرتی ہے۔ اس لیے ہر مسلمان عورت کو ہر اجنبی غیر محرم سے چہرہ ڈھکنا فرض ہے۔ جس کے لیے ہندوستانی برقعہ بہتر ہے صرف سکاف اوڑھ کر سمجھ لینا کہ اسلامی پردہ ہو گیا قطعًا غلط اور ابلیسی دھوکا ہے یہ مسئلہ وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا سے مستنبط ہوا۔ کہ آدم و حوا نے اپنے اپنے جسم کے وہ تمام حصے ڈھکے تھے جس کا تعلق شرم و حیا اور ننگیز و ننگیز کی شہوت سے

تھا۔ بلکہ روایتوں میں آتا ہے کہ حوا رضی اللہ تعالیٰ عنہا شرم و حیا غم و افسوس سے مکمل تین سو سال تک اپنے چہرے کو ہر چیز سے چھپائے رہیں آدم علیہ السلام کے سامنے بھی بعد قبولِ توبہ ہی آئیں۔ تیسرا مسئلہ۔ دنیا میں بدبختی کی نشانی یہ ہے کہ عبادت اور یادِ الٰہی خوفِ آخرت سے بندہ ہٹ جائے۔ یہی قہرِ الٰہی اور سزاءِ دنیوی و عتابِ جباری ہے۔ تلاوت عبادت میں غفلت محرومی شقاوت ہے۔ لیکن دنیوی مصائب محنت مشقت غربت تنگ دستی یہ قہر و عتاب نہیں یہ تو ہر نیک و بد کو ہو سکتی ہے۔ اس لیے دنیوی غربت و افلاس کو بدبختی کا نشان نہ سمجھنا چاہیئے۔ یہ مسئلہ لَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى۔ سے مستنبط ہوا کہ اس وعدۂ ربانی کے باوجود انبیا اولیا اور نیک لوگ اکثر غربت و عسرتِ زندگی میں رہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ دولت مندی اچھا ہونے کی نشانی نہیں۔ اس کی بہت مثالیں مشاہداتِ عالم میں موجود ہیں۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ انبیا کو بشر آدمی انسان بلکہ عاصی اور غاوی یعنی نافرمان اور گمراہ کہنا جائز ہے۔ اسی طرح نبی کو بڑا بھائی بشر کہنا بھی جائز لہٰذا ہمارے بڑوں نے جو نبی کریم کو اپنا بڑا بھائی یا بشر اور آدمی لکھا وہ بالکل درست ہے۔ بریلوی سنیوں کا یہ کہنا کہ انبیا کو بشر یا عاصی۔ غاوی کہنا منع ہے یہ عقیدہ غلط ہے قرآن کے خلاف ہے دیکھو اللہ نے قرآن میں آدم کو بشر بھی کہا اور وَعَصٰى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى بھی کہا اور بشر انسان ہی ہوتا ہے اسی طرح عَصٰى والا عاصی غَوٰى والا غاوی ہوتا ہے (وہابی چکڑالوی، نیچری) **جواب**۔ معاذ اللہ معاذ اللہ کسی مسلمان اُمتی کو جائز نہیں کہ کسی بھی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بشر آدمی یا انسان کہہ کر خطاب کرے یا جلسے تقریروں تحریروں میں بشر بشر کی رٹ لگاتا پھرے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو کبھی یا بشر یا انسان کہہ کر خطاب نہ فرمایا نہ اس کا قرآن مجید میں کہیں ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خلقتِ آدم کا ذکر فرماتے ہوئے بشریت کا ذکر صرف اصلیت بتلانے کے لیے فرمایا اور وہ بھی اُس وقت جب کہ آدم ابھی نبی نہ بنائے گئے تھے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ آدم کو بعد میں نبوت ملنے کی وجہ اور حکمت بھی یہ ہو سکتی ہے کہ نبی کو بشر نہ کہا جائے یہی وجہ ہے کہ نبوت کے بعد رب تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو بھی بشر نہ فرمایا اور عاصی یا غاوی کہنا تو اصطلاحاتِ عربیہ کے بھی خلاف ہے اور نحوی صرفی اعتبار سے بھی بدترین کفریہ گستاخی ہے۔ **اوّلاً**۔ اس لیے کہ فعل کے اطلاق سے اسم فاعل کا اطلاق ضروری نہیں ہوتا عَصٰى فعل ہے۔ عاصی اُس کا اسم فاعل ہے۔ اسی طرح غَوٰى فعل ہے۔ غاوی اُس کا اسم فاعل ہے۔ عَصٰى و غَوٰى کی وجہ سے عاصی و غاوی نہ کہا جائے گا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے فرمایا ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ۔ اس تَابَ فعل کی بنا پر۔ اللہ تعالیٰ کو تائب

نہیں کہا جا سکتا۔ حالانکہ تائب اسی تاب کا اسم فاعل ہے۔ اور یہ کہنا گستاخی ہوگی کہ اللہ تائب ہو گیا اسی طرح۔ قرآن مجید میں ہے کہ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ۔ تو اس فرمان کی بنا پر اللہ تعالیٰ کو علامہ کہنا جائز نہیں۔ دوم اس لیے کہ عصٰی وغوٰی کا معنیٰ ہے صرف ایک دفعہ لغزش کھائی اور ایک ہی دفعہ ناکام ہوئے۔ مگر عاصی وغاوی کا معنیٰ ہے۔ عادۃً بار بار نافرمانی کرنے والا یعنی عادی مجرم۔ اور بار بار ناکام ہونے والا۔ کیونکہ اسم فاعل استمرار کو چاہتا ہے اس لیے تینوں زمانوں پر محیط ہوتا ہے فعل کی طرح ایک زمانے سے مقید نہیں ہوتا۔ اس لیے تمہارے جن بیسں بڑوں نے یہ گستاخیاں لکھیں وہ سب ابلیسی شیطانی جہالت ہے تمہارے ہی ان بڑوں نے لکھا کہ نبی صرف بھائی ہوتا ہے نبی کی عزت بڑے بھائی سے زیادہ نہ کرو۔ (از تقویت الایمان) حالانکہ یہ عقیدہ کفریہ ہے یہ لوگ اپنا کفر بچانے کے لیے آیتیں تو بنا نہیں سکتے لیکن جھوٹی خوابیں اور جھوٹی حدیثیں خوب بنا لیتے ہیں۔ چنانچہ اپنے اس کفریہ عقیدے کو بچانے کے لیے دو حدیثیں بنالیں ملا بی بی عائشہ فرماتی ہیں کہ ہم مومنوں کی مائیں نہیں بلکہ ان پر ابدی حرام ہیں (از وہابی تفسیر کشاف) اس جھوٹی روایت سے حضرت صدیقہ کو منکرِ فرمانِ قرآن بنایا گیا کہ قرآن کہے مائیں ہیں مگر صدیقہ کہیں ہم مائیں نہیں۔ ابدی حرام تو بہن بھی ہوتی ہے ۲ ظالموں نے دوسری حدیث یہ بنالی ہے کہ نبی کریم نے صحابہ سے فرمایا کہ تم لوگ میرے صحابہ ہو مگر جو میرے بعد مسلمان ہوں گے وہ میرے بھائی ہیں۔ حالانکہ ابو داؤد شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّمَا اَنَا لَکُمْ بِمَنْزِلَۃِ الْوَالِدِ۔ ترجمہ۔ میں تم تمام تا قیامت امتوں کے لیے والد کے درجہ میں ہوں۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ فغوٰی یعنی آدم غوی ہو گئے۔ گمراہی اور غوایت ہم معنی ہے۔ غوایت ہدایت کا الٹ ہے جو بے ہدایت ہوا اسی کو غوی کہا جاتا ہے۔ رب تعالیٰ نے آدم کے لیے یہ الفاظ فرمائے حالانکہ اس طرح کے الفاظ تو عادی مجرم فاسق اور گناہوں میں مشغول کے لیے کہے جاتے ہیں تو ماننا پڑے گا کہ آدم کا یہ فعل عادی اور انہماک سے تھا۔ یا پھر اللہ کا یہ کہنا غلط ہوتا ہے۔ جواب۔ معترض کا یہ اعتراض جہالت پر مبنی ہے اس لیے کہ یہاں عصٰی کے بعد فغوٰی فرمایا گیا۔ فَ تعقیبیہ نے بتایا کہ عصٰی کے نتیجے میں غوٰی ہوا۔ اور عصٰی کا معنیٰ کسی امر کی مخالفت اور ترک ہے۔ امر وجوبی بھی ہوتا ہے استحبابی بھی اور جیسا عصٰی ہوگا ویسی ہی اس کے نتیجے میں غوایت ہوگی اگر عصٰی وجوبی امر کی ہو تو غوایت بھی سخت ہوگی جس کو انہماک بھی کہا جا سکتا ہے۔ اور اگر عصٰی استحبابی ہو تو غوایت نرم۔ اس کو انہماک نہیں کہا جا سکتا یہاں استحبابی امر سمجھ کر بھول ہوئی لہٰذا یہ انہماک نہیں بلکہ عارضی ناکامی ہوئی۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا اِھْبِطَا یہ صیغہ تثنیہ ہے یعنی دونوں اتر جاؤ پھر

فرمایا گیا جَمِیۡعًا اس میں تثنیہ جمع دونوں کا احتمال ہے پھر فرمایا گیا۔ یَاۡتِیَنَّکُمۡ یہ صاف جمع کی ضمیر ہے حالانکہ ظاہر ہے تثنیہ جمع نہیں ہو سکتا۔ اور جمع تثنیہ نہیں ہو سکتا تو اگر خطاب دو کو ہے تب کُمۡ ضمیر جمع کیوں فرمائی گئی اور اگر خطاب بہت سوں کو ہے تو اِھۡبِطَا تثنیہ کیوں فرمایا گیا۔ یا وہ غلط یا یہ۔ جواب۔ تفسیر کبیر نے اس کے دو جواب دیئے ہیں۔ ایک یہ کہ اِھۡبِطَا میں خطاب آدم اور ابلیس کو ہے یعنی بہکنے اور بہکانے والا دونوں اتر جاؤ اور یَاۡتِیَنَّکُمۡ میں خطاب ان دونوں کی باطنی ذریت کو ہے کہ آئندہ نسلِ انسانی و جناتی جوابِ دوم یہ کہ اِھۡبِطَا میں خطاب صرف آدم و حوا کو علیہما السّلام اور کُمۡ میں آئندہ دنیوی زندگی کا نقشہ و ماحول بتایا گیا کہ تم دو ہی نہ رہو گے بڑی بھاری نسل پیدا ہو گی جن کو سنبھالنا بڑا مشکل ہو جائے گا۔ ابھی ابلیس اور بڑا کچھ فساد مچائے گا تم دونوں اپنی نسل و اولاد کو نہ بچا سکو گے۔ اس کے لیے اس وقت کے تم سب کے پاس میری ہدایت آئے گی۔ شیطان سے وہ انسان ہی بچ سکے گا جو میری اس ہدایت کی پیروی کرے گا گویا کہ تثنیہ بول کر اصلِ ظاہر کو خطاب اور کُمۡ جمع بول کر نسلِ باطن کو خطاب تھا **چوتھا اعتراض** اس کی کیا وجہ کہ آدم علیہ السلام نے ایک بار ذرا سی لغزش کر لی تو رب تعالیٰ نے مشہور کر دی اور آپ کی نسل میں لاکھوں آدمی دن رات ہزاروں بڑے بڑے گناہ و کفریات کر لیتے ہیں مگر رب تعالیٰ پردہ پوشی فرماتا ہے **جواب**۔ اس کی تین وجہ ایک یہ کہ حضرت آدم کی خطا اگرچہ چھوٹی تھی مگر اس کا نتیجہ بہت بڑا۔ اور وسیع و سخت تھا کہ سارے عالم پر محیط ہو گیا تھا۔ دوم یہ کہ آدم علیہ السّلام کی خطا و غوٰی کو ظاہر کرنے میں حکمت ربانی تھی۔ کہ اس مشہوری سے آئندہ نسلِ انسانی کو انسانیت سکھانی بتانی تھی اور انسانوں کو بچانا خبردار کرنا تھا کہ تم سب بشر ہو اور یہ بشری کمزوریاں ہیں تم کمزور بھولے بیوقوف تمہارا ابدی دشمن انتہائی عیار اور قوت والا اس کی دشمنی اتنی سخت اور ہر وقت، اے نسلِ آدم اس وقت جنت سے نکلنا یا نکالا جانا تو اتنا نقصان دہ نہیں ہے لیکن اگر آئندہ شیطان نے تم کو ورغلایا وسوسایا اور تم نے اس کا کہنا مانا تو پھر جنت سے ابدی محرومی ہو گی ابھی تو جنت سے نکل کر زمین پر آئے ہو جہاں ہزار طرح کے عیش و آرام و انعام ہیں۔ لیکن اگر پھر محروم ہوئے تو سیدھا جہنم میں جاؤ گے۔ سوم یہ کہ آدم اور مقامِ آدم میں دیگر انسانوں کے مقابل بہت فرق ہے حضرتِ آدم مقربینِ بارگاہ و مسجودِ ملائکہ تھے اور مقام جنت کا تھا اُن کی معمولی خطا بھی بڑی حیثیت رکھتی تھی اس ایک خطا سے پورے عالمِ مخلوق میں کھلبلی مچ گئی تھی۔ کیونکہ وہ جوارِ الٰہی میں رہ کر کی گئی اس لیے اُن کی لغزش بڑی خطاءِ عظیم تھی دیگر نہ مُقرّب نہ مؤدّب نہ مقامِ جنت۔ زمین کے دارُ المحنت میں عمومی حیثیت سے گناہ و خطا کرتے ہیں۔ لہٰذا اُن سے درگزر اور درگزر کی وجہ سے پردہ پوشی ہوتی ہے۔ **پانچواں اعتراض**

یہاں فرمایا گیا عَصٰی آدَمُ۔ اور پہلے فرمایا گیا فَنَسِیَ آدَمُ۔ نسیان خطا ہے اور خطا میں گرفت نہیں ہوتی اور
عصیان عمد ہے اور عمد میں گرفت ہوتی ہے۔ دونوں آپس میں متضاد ہیں جب کہ واقعہ ایک ہی ہے
تو یہ تضاد بیانی کیوں؟ جواب۔ لفظِ عصیان خطا کا متضاد نہیں بلکہ مشترک ہے اس لیے عصیان بھی نسیان
سے ہوا۔ اور اکلِ شجر کے بعد جو کچھ ہوا وہ گرفت نہیں بلکہ نتیجہ اور اس کا اثر تھا جو خود بخود ہونا ہی تھا۔
عصیان مثل زہر ہے۔ یہاں تین لفظ ارشاد ہوئے ۱۔ فَنَسِیَ ۲۔ وَعَصٰی ۳۔ فَغَوٰی یہ آپس میں متضاد
نہیں بلکہ نسیان وجہِ فعل ہے عصیان فعل ہے اور غوایان اثر و نتیجۂ فعل ہے۔

تفسیر صوفیانہ

فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ وَعَصٰى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ثُمَّ
اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى۔ اس وسوسۂ نفسانی میں مبتلا ہو کر عقلیاتِ
بشری وہ کام کر لیتی ہیں جو نرا زہر ہے تو جس طرح زہر کھلانے کا نتیجہ موتِ بدنی ہے۔ اسی طرح
وسوسۂ ابلیسی نفسانی موتِ روحانی ہے کہ جب زہر باطنی کے شجر مکروہ سے کھا لیا تو شرافتِ عرفانی
کے سارے لباس اُتر گئے اور خیانتِ عیاری کی ساری برائیاں جو باطنِ نفسانی میں پوشیدہ تھیں
ظاہر ہو گئیں لیکن اس باطن میں نفسِ مطمئنہ اور ضمیرِ روشن کی ندامتیں وحیائیں اور ایمانی غیرتیں بھی
ہیں۔ جن کی وجہ سے بندہ پُرخلوص اپنی اس خطاءِ لغزشی پر شرمندگی اٹھاتا حیا کے پتے اپنے جسم
ناموسی پر لپیٹ کر توبہ کی عملی کیفیت سے پردہ پوشی کر لیتا ہے مگر نتیجۂ زہری عصیانِ بشری کی وجہ
سے پورا ہو کر رہتا ہے۔ عصیانِ بشری یہ ہے کہ بندہ وعدۂ قالوا بلیٰ کی محبتِ الٰہیہ کو بھول کر
طلبِ شہواتِ نفس میں مشغول ہو جائے اور فنا فی اللہ کے مقام صادقہ باقیہ کو چھوڑ کر شیطان کی جھوٹی
خلود و عزت کا متلاشی بنا رہے۔ واقعاتِ آدم کا نقشہ یہ بنا رہا ہے کہ اگر بندہ خود کو نفس و ابلیس
کے حوالے کر دے تو رجوع الی اللہ کا قرب میسر نہیں آتا۔ معرفت کے چار لباس ہیں پہلا عجز دوم مسکینیت
سوم التجا۔ چہارم توبہ جب بندہ ان لباسوں سے مزین ہو جاتا ہے تو ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ کے کرم و فضل
سے نوازا جاتا ہے فَتَابَ عَلَيْهِ کے جذباتِ عنایت کا رجوع ہوتا ہے وَهَدٰى کا قربِ ربانی
حاصل ہوتا ہے۔ آدم علیہ السلام نے تین سو سالہ توبہ میں چار دعائیں مانگیں پہلی دعا جنت میں۔ رَبَّنَا
ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ یہ دعا حضرت حوا نے
بھی مانگی۔ پھر دوسری دعا زمین پر آ کر۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ وَبِحَمْدِكَ عَمِلْتُ
سُوْٓءً وَّظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ اِنَّكَ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ۔ پھر تیسری دعا سو سال بعد یہ

عرض کی۔ سُبْحَانَکَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ عَمِلْتُ سُوْءً وَّظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَارْحَمْنِیْ وَاَنْتَ خَیْرُ الرَّاحِمِیْنَ۔ پھر سو سال بعد یہ چوتھی دعا عرض کی۔ اَللّٰهُمَّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ عَمِلْتُ سُوْءً وَّظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ۔ فاروقِ اعظم سے روایت کہ آقا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آدم علیہ السلام کی توبہ میں روتے دعائیں کرتے تین سو سال گزر گئے تو عرض کیا اے مولیٰ تعالیٰ اَسْئَلُکَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ اَنْ تَغْفِرَلِیْ۔ رب نے فرمایا اے آدم تم کو اس نام کا کیسے پتہ چلا۔ عرض کیا میرے مولیٰ جب میں زندہ ہوا تھا تب میں نے عرشِ اعظم پر لکھا دیکھا تھا۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اس وقت سے میں نے جان لیا کہ یہ نام والا تیرا حبیب ہے۔ کیونکہ اس کا نام تیرے نام کا مشفوع ہے رب نے فرمایا۔ صَدَقْتَ یَا اٰدَمُ اے آدم تم نے سچ کہا۔ اب میں نے تم کو بخش دیا۔ (از تفسیر روح البیان) کیا عجیب حکمت ہے کہ آدم علیہ السلام نے خطا جنت میں کی اُن کو مصیبت زمین پر پڑی اور نسلِ آدم برائیاں زمین پر کرتی ہے اُن کو سزا میں تحت الثریٰ کی جہنم میں بزرگوں نے فرمایا کہ ثواب بلندی ہے عتاب پستی ہے جنت سے پستی زمین ہے اور زمین سے پستی جہنم ہے۔ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِیْعًا بَعْضُکُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَلَا یَشْقٰی حکم اِلہام پہنچا کہ گلستانِ معرفت سے اتر جاؤ میدانِ عمل کی طرف خار دار مصائب میں تمام قلب و قالب عقل و فکر، ہوش و خرد روح و جسم نفس و نفسیات کے ساتھ ہر عمل میں عقل کی رہنمائی قلب کی توجہ فکر کی لگن اعضا کی کارکردگی جسم کی تندہی روح کی صفائی ضروری ہے مگر ہدایتِ مرشد کے بغیر ہر قدم بیکار ہے لہٰذا جب تمہارے پاس ہدایتِ ربّانی کا مرشد آجائے جو سراپا ہدایت ہو جس کی پیروی منزلِ بارگاہ ہو تو جو بندۂ راہِ سلوک تسلیم و رضا سے اُس کے اُسوۂ حسنہ کی اتباع کرتا ہے گا وہ بندۂ خوش نصیب اِس دنیوی راہِ فتور میں راہ حق سے کبھی نہ بھٹکیگا اور نہ انجام میں بدبخت نہ شقاوتِ حرمان کا گمراہ نہ حقیقۃً ہجران میں مبتلا نہ قربِ منزل میں محروم۔ دنیا میں شیطان مثل سانپ ہے۔ اعمالِ صالحہ مثلِ خزانہ ہیں، اور بندۂ مخلص خزانے کا متلاشی۔ خزانے کا سانپ متلاشی کا دشمن ہوتا ہے اسی لیے شیطان بھی دشمن جس نے شیطان کو مار بھگایا اسی نے خزانۂ اعمالِ صالحہ کو پالیا۔ اُس کے لیے کنوزِ ربّانی۔ اُسی کو ابدی اجتبائی ازلی اصطفائی وہی مجتبوی وہی مصطفوی نہ اُس کو ضلالتِ عصیان کی مذمت نہ شقاوتِ حرمان کی مذلت نہ گمراہی دنیوی چھو سکے نہ مصیبتِ اُخروی پہنچ سکے۔ ہدایت حقیقت میں وہ نور ہے جس سے اللہ تعالیٰ انبیاءِ کرام کے قلوب کو اور انبیا علیہم السلام اولیا علماء

کے قلوب کو اور اولیاء مرشدین قلوبِ مریدین کو منور فرماتے ہیں۔ نورِ عرفانی کی روشنی سے انسان اُس سچی راہ پر چلتا ہے جو حقیقت و دلتنگی سے بچا کر نکال لے جاتی ہے اسی لیے بندے کو حکم ہے کہ ہر وقت یہ دعا مانگتا رہے رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ یعنی اے ہمارے رحیم و کریم پروردگار ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو ہماری طاقت سے زیادہ ہو یہاں بوجھ سے مراد نفسانی خواہشات اور غلبۂ شہوات ہے کیونکہ نفسانی خواہش ذرہ بھر بھی برداشتِ بندگی سے باہر ہے وہ مثلِ چنگاری ہے شیطان تین طریقوں سے بندے کو گمراہی سے ورغلاتا ہے۔ بیوی کے ذریعہ اولاد اور ماں باپ کے ذریعے حسن بصری نے فرمایا جس نے اپنی بیوی کی ناجائز خواہشات والی فرمائشوں کی اطاعت کی وہ اوندھے منہ جہنم میں ڈالا جائے گا۔ روایت میں ہے کہ قربِ قیامت مرد اپنے ماں باپ اور اولاد کے ہاتھوں تباہیٔ دین دنیا میں گرے گا کہ وہ اِس کو مفلسی تنگ دستی کی عار دلائیں گے طعنہ بازی کریں گے مرد مجبور ہو کر اُن ذریعوں ٹھکانوں سے روزی کمائے گا جس سے اُس کی دینداری ختم ہو جائے گی اور وہ ہلاک ہو جائے گا روایت ہے کہ جب بندہ اللہ کے خوف سے لرزے اور اُس کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں تو اس کے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے خزاں میں درخت کے پتے اور ایسے بندے پر جہنم حرام کردی جاتی ہے شیطان کا دوسرا جال قوالی اور گانا بجانا ہے فی زمانہ لوگوں نے قوالی کو عبادت سے بھی زیادہ اہمیت دیدی ہے۔ حضرت جنید بغدادی کا قول ہے کہ جب تم کسی مرید کو سماع کا شوقین دیکھو تو سمجھ لو کہ یہ دین دنیا کا ناکارہ ہو چکا ہے۔ موجودہ قوالیوں سے پانچ خرابیاں ۱۔ مشابہتِ کفر ہے ۲۔ منافقت کی پیداوار ہے ۳۔ نمازوں سے غفلت ۴۔ شیطان کی خوشنودی ۵۔ نعت خوانی کی توہین و گستاخی آجکل قوالی ساز اور باجے ڈھول طبلے کا نام ہے لوگ عیاشی اور نفسی تماشوں کے لیے جمع ہوتے ہیں جس کا بدترین نقصان یہ ہوا کہ مریدین کا روحانی سلسلہ منازلِ ترقی بند ہو گیا۔ پیروں میں نفس کُشی کی بجائے نفس پرستی پیدا ہو گئی۔ گھروں کو مندر۔ مسجدوں کو کھنڈر خانقاہوں کو پھندے بنا دیا گیا ہے وقت ضائع لطفِ عبادت مفقود۔ ریاضت برباد۔ حماقت کا عروج بے پردگی کا فروغ۔ تلاوت سے دور نیک محفلوں سے نفور۔ (معاذ اللہ)

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ

اور وہ شخص جو بے توجہ ہوا میری عبادت سے تو بے شک اس کے لیے

اور جس نے میری یاد سے منہ پھیرا تو بے شک اُس کے لیے

مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

مصیبتوں والی زندگی ہے اور حشر میں لائیں گے ہم اُس کو قیامت کے دن

تنگ زندگانی ہے اور ہم اُسے قیامت کے دن اندھا

اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْۤ اَعْمٰى

اندھا کر کے بولے گا اے میرے رب کیوں محشر میں لایا تو مجھ کو اندھا

اُٹھائیں گے۔ کہیگا اے رب میرے مجھے تو نے کیوں اندھا اٹھایا

وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ كَذٰلِكَ

کر کے حالانکہ میں تھا دیکھنے والا۔ فرمائے گا جس طرح کہ آئیں

میں تو انکھیارا تھا۔ فرمائے گا یونہی تیرے پاس ہماری

اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ

تیرے پاس ہماری آیتیں تب تو نے بے پرواہی کی اُن سے بس اسی طرح

آیتیں آئی تھیں تو نے انہیں بھلا دیا۔ اور ایسے ہی

الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾ وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ

آج تو بھی بھلا دیا جائے گا۔ اور اسی طرح ہم جزا دیتے

آج تیری کوئی خبر نہ لے گا۔ اور ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں

مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِاٰيٰتِ

ہیں ہر اُس شخص کو جسنے بربادی کی اور نہ ایمان لایا اپنے رب کی

جو حد سے بڑھے اور اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہ

رَبِّهٖ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ

آیتوں پر اور البتہ آخرت کا عذاب زیادہ سخت اور

لائے اور بے شک آخرت کا عذاب سب سے سخت تر

وَاَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾

ہمیشہ باقی رہنے والا

اور سب سے دیر پا ہے

تعلقات ان آیت کا سابقہ آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں حضرت آدم کے جنت سے اُترتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی ہدایت آنے اور اتباع کرنے والوں کی کامیابی اور خوش بختی کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں ہدایت سے منہ موڑنے والوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں ذریت آدم کا جنت سے نکلنے کا ذکر ہوا اب اِن آیت میں ذریت آدم کا میدانِ محشر میں جانے کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں انسانوں کی آپس میں دشمنی ہونے کا ذکر ہوا اب اِن آیت میں انسانوں کا رب تعالیٰ سے دور ہونے اور دشمنی کرنے کا ذکر ہو رہا ہے اور اُس کے بُرے انجام کا ذکر ہے۔

شانِ نزول کتے ہیں ایک کافر اسود بن عبد العزیٰ تھا یہ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت مذاق کیا کرتا تھا۔ اور قبر و حشر کی زندگی کا منکر۔ یہ آیت اُس کے بارے میں نازل ہوئیں۔ اور معیشۃً سے مراد قبر کی تنگ زندگی اور دنیا کی ذلت آمیز زندگی ہے۔ یہ غریب بھی تھا اور بیماری سے کمزور بھی مگر کفر میں بڑا تنا ظر تھا (خزائن)

تفسیر نحوی وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى۔ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا۔ واؤ عاطفہ ہے عطف ہے مَنِ اتَّبَعَ پر یا واو سر جملہ مَنْ اسم موصول خبر یہ اعرض باب افعال کا ماضی مطلق بمعنی مستقبل کیونکہ آئندہ کا تذکرہ ہے مثبت معروف واحد مذکر غائب عرض سے مشتق ہے بمعنی منہ سامنے کرنا باب افعال میں آکر منہ پھیرنا کیونکہ عن جارہ زوالی

سے متعدی ہوا عَنْ حرفِ جر شی کی نفی کے لیے آتا ہے ذِکْرِ اسم مفرد مصدر جامد حاصل مصدر بمعنی تذکرہ یاد مراد ہے ایمان اور عبادت مضاف ہے یاءِ متکلم مضاف الیہ مرجع ہے اللہ تعالیٰ یہ مرکب اضافی مجرور ہوکر متعلق ہے اَعْرَضَ کا یہ فعل اپنے پوشیدہ ھُوَ ضمیر صیغہ فاعل اور متعلق سے ملکر جملہ فعلیہ ہوکر صلہ ہوا موصول صلہ ملکر شرط ہوئی فَ حرفِ جزا اِنَّ حرفِ مشبہ یہ اس کا علمی نام ہے کیونکہ حرف ہوکر عمل میں فعل کے مشابہ ہے اس کا معنوی نام حرفِ تحقیق ہے کیونکہ یقینِ حقیقی کا معنیٰ دیتا ہے لام جارّہ نفع کا ہٗ ضمیر کا مرجع مَنْ ہے یہ جار مجرور متعلق ہے ثَابِتٌ یا حَاصِلٌ پوشیدہ اسم فاعل کا وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہوکر خبر اِنَّ ہوئی مَعِیْشَۃً اسم مصدر میں آخر کی ۃ بھی مصدریہ ہے بمعنیٰ زندگی گزارنا یہاں حاصل مصدر بھی ہو سکتا ہے یعنی زندگی یا سامانِ زندگی یہ مذکر مؤنث واحد جمع کے لیے مستعمل ہے ضَنْکًا اسم مصدر صفت ہے مَعِیْشَۃً کی یا مشابہ مضاف ہے (اضافتِ بیانیہ) ایک قرأت میں ضَنْکٰی اسم مقصورہ ہے بمعنیٰ تنگ اور تکلیف دِہ زندگی مصیبت زدہ ہونا یا بمعنیٰ تنگی ترشی مصیبت والی زندگی یہ مرکب توصیفی یا مرکب اضافتِ بیانی اسم مؤخر ہے اِنَّ کا اِنَّ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہوکر معطوف علیہ واؤ عاطفہ نَحْشُرُ باب نصر کا فعل مضارع مثبت معروف جمع متکلم بمعنیٰ استقبل حَشْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ اکمل گھیر کر ایک جگہ لانا نَحْنُ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہٗ ضمیر منصوب متصل کا مرجع مَنْ ہے ذوالحال ہے یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یہ مرکب اضافی ظرفِ زمانی ہے اَعْمٰی اسم تفضیل واحد مذکر اَعْمَیْ تھا یؔ کا ماقبل مفتوح ہے لہٰذا الف مقصورہ سے بدلا گیا بمعنیٰ بہت زیادہ اور مکمل اندھا حال ہے ہٗ ضمیر کا دونوں مل کر مفعول بہٖ ہے نَحْشُرُ کا۔ ایک قرأت میں نَحْشُرْ ہے جزم سے کیونکہ عطف ہے فَاِنَّ لَہٗ کے جملہ جزائیہ پر وہ محلاً مجزوم تو یہ تابع عطفی بھی مجزوم مگر صحیح یہ ہے کہ جملے کا جزا محلی عطف پر اثرانداز نہیں ہوتا اس لیے یہ قرأت درست نہیں ہے نَحْشُرُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ جزائیہ ہوکر معطوف ہوا دونوں عطف مل کر جزا ہوئے شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔ قَالَ فعل با فاعل ھُوَ ضمیر صیغہ پوشیدہ کا مرجع مَنْ ہے یہ جملہ فعلیہ ہوکر قول ہوا رَبِّ دراصل یا رَبِّیْ تھا ترجمہ ہے "اے میرے رب" رَبِّ مرکب اضافی منادیٰ بِمَ لفظِ منفصلہ ہے لام جارّہ تعلیلیہ مَا اسم استفہامی بمعنیٰ اکس لیے (کیوں) یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے حَشَرْتَ۔ باب نصر کا ماضی مطلق مثبت معروف واحد مذکر حاضر ترجمہ ہے لایا تو مجھ کو اس کا فاعل ضمیر حاضر مذکر پوشیدہ اَنْتَ مرجع ہے رَبِّ نِیْ نون وقایہ (زائدہ اعراب یا حرکت بچانے والی) یؔ ضمیر واحد متکلم مفعول یا اوّل ہے اَعْمٰی مفعول بہٖ دوم یا حال ہے مفعول بہٖ اوّل کا واؤ حالیہ قَدْ کُنْتُ باب نصر کا فعل ناقصہ ماضی بعید بمعنیٰ قریب اَنَا ضمیر متکلم اس کا اسم پوشیدہ بَصِیْرًا اسم صفت مشبہ بروزنِ فَعِیْلٌ بمعنیٰ خوب دیکھنے والا۔ خبر ہے ناقصہ کی۔ قَدْ کُنْتُ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ فعلیہ ہوکر حال دوم ہے مفعول بہٖ متکلم نِیْ کا حَشَرْتَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوکر مقول ہوا قول کا دونوں مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ قَالَ کَذٰلِکَ اَتَتْکَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَھَا قَالَ ماضی معنًا مستقبل با فاعل جملہ فعلیہ ہوکر قول ہوا یہ قول ہے رب تعالیٰ کا یعنی رب نے فرمایا

گَذٰلِكَ لفظِ متصلہ ہے چار حرفوں سے متصل ہو کر ایک لفظ ہو گیا اسم اشارہ اس کی دو قسمیں ہیں لفظ تمثیلی ۲ لفظ تشبیہی تمثیل کا ترجمہ ہے جس طرح یا جیسے یہ شروع کلام میں آتا ہے اور تشبیہی کا ترجمہ ہے اِس طرح یا ایسے یا ایسے ہی یہ ہمیشہ دو کلاموں کے درمیان میں آتا ہے پہلے کلام کا نام مشبّہ بہ اور دوسرے مابعد کلام کا نام مشبّہ ہے یہاں اِن آیت میں تین جگہ یہ لفظ ارشاد ہوا ہے پہلا گذالِكَ تمثیلی ہے بمعنیٰ جس طرح اور دوسرے دونوں تشبیہی ہیں اِن میں کا دوسرا بمعنیٰ ایسے اور تیسرا بمعنیٰ ایسے ہی کیا جائے گا اَتَتْ ـ باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق بمعنیٰ بعید واحد مؤنث غائب اَتْیٌ سے مشتق ہے ترجمہ آنا۔ بِلْنا۔ كَ ضمیر مخاطب واحد مذکر منصوب متصل مفعول بہ اٰتینا مرکب اضافی فاعل ہے اَتَتْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ فَ عاطفہ تعقیبیہ نَسِیْتَ باب سَمِعَ کا ماضی مطلق بمعنیٰ ماضی بعید واحد واحد مذکر حاضر نَسْیٌ سے بنا ہے ترجمہ ہے بھولنا یہاں مراد ہے بے پرواہ ہو جانا اَنْتَ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل ہے . . مرجع مَنْ ہے ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب اس کا مرجع آیت جمع مؤنث سالم ہے کیونکہ غیر ذوی العقول اَشیاء جمع کے لیے واحد مؤنث غائب کی ضمیر آتی ہے مفعول بہ ہے نَسِیْتَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر عطف ہے اَتَتْ کے جملے پر دونوں عطف مل کر مشار الیہ گذالِكَ اپنے تمثیلی مشار الیہ سے مل کر معطوف علیہ ہوا اگلی عبارت کا وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى وَاوٗ عاطفہ بیانیہ یعنی جمع کے لیے عطف نہیں بلکہ صرف بیان وضاحت کے لیے اِس کا اُردو میں آسان فہم ترجمہ ہے "بس اسی طرح" گَذٰلِكَ اسم اشارہ تشبیہی اَلْيَوْمَ اسم مفرد معرفہ بِاللّام بمعنیٰ آج ظرفِ مقدم تُنْسٰى فعل مضارع مجہول واحد مذکر حاضر اس کا غائب فاعل اَنْتَ ضمیر صیغہ پوشیدہ ہے یہ سب جملہ فعلیہ بن کر مشار الیہ تشبیہی ہوا گذالِكَ سابق کا وہ دونوں مل کر معطوف علیہ واوٗ عاطفہ گذالِكَ اسم اشارہ تشبیہی۔ نَجْزِيْ باب ضرب کا مضارع معروف جمع متکلم فاعلِ پوشیدہ ضمیرِ صیغہ کا مرجع رب تعالیٰ۔ خیال رہے کہ واحد رب تعالیٰ کے لیے جمع متکلم ارشاد فرمانا تعظیماً نہیں ہو سکتا بلکہ محض فصاحتِ کلام کے لیے ہے مَنْ اسم موصول اَسْرَفَ بابِ اِفعال کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب اِس کا مصدر ہے اِسْرَافٌ بمعنیٰ ضائع کرنا برباد کرنا یعنی فضول خرچی وقت عمر اور مال کی۔ سَرْفٌ مادہ ہے ھُوَ پوشیدہ ضمیرِ صیغہ فاعل ہے یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واوٗ عاطفہ لَمْ يُؤْمِنْ باب افعال کا مضارع نفی جحد بلم بمعنیٰ ماضی مطلق۔ اِیْمَانٌ سے بنا ہے بمعنیٰ مومن بندہ بننا فاعل پوشیدہ ضمیر ہے بِ جارہ بمعنیٰ عَلٰی جارہ اٰیٰتِ رَبِّہٖ ڈبل مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے لَمْ یُؤْمِنْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے اَسْرَفَ کے جملے پر دونوں عطف مل کر صلہ ہوا مَنْ دونوں سے مل کر مفعول بہ ہے نَجْزِيْ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر مشار الیہ اسم اشارہ اپنے مشار الیہ سے مل کر جملہ تشبیہی ہو کر معطوف ہے پہلے گذالِكَ پر وہ عطف

ہے کَذٰلِکَ اَتَتْ پر سب مل کر مقولہ اول ہوا۔ واؤ حالیہ یا ہر جملہ یا زائدہ پہلا قول درست ہے لام گئے تاکیدی بمعنی البتہ یقیناً حقیقتاً عَذَابَ مضاف ہے اَلْاٰخِرَۃِ اسم فاعل واحد مؤنث باب نَصَرَ سے اُخْرٌ بمعنی الف سے مشتق ہے بمعنی بعد میں آنے والی چیز یا ساعت مراد ہے قیامت کے بعد جہنم کا زمانہ مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مبتدا ہے اَشَدُّ اسم تفضیل باب نَصَرَ سے شَدٌّ مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے واحد مذکر بمعنی بہت شدید سخت معطوف علیہ ہے واؤ عطف کی اَبْقٰی باب سَمِعَ یا ضَرَبَ کا اسم تفضیل واحد مذکر بَقِیٌّ سے مشتق ہے بمعنی بہت ہی زیادہ باقی رہنے والا مراد ہے ہمیشہ رہنے والا۔ اَشَدُّ اپنے پوشیدہ فاعل ھُوَ سے ملکر جملہ اسمیہ ہوا اور اَبْقٰی اپنے پوشیدہ فاعل سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہوا دونوں جگہ ضمیر ھُوَ کا مرجع عذاب ہے یہ دونوں عطف خبر مبتدا ہوئی مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ مقولہ دوم ہوا۔ قَالَ اپنے دونوں مقولوں سے ملکر جملہ فعلیہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا

خوش نصیب متبعین اہل ایمان کی شان و عزت تو وہ ہے جو بیان ہوئی۔ مگر جو بدنصیب میرے ذکر کی عبادت میری ہدایت کی تعلیم و اتباع کے مطابق نہ کرے گا اور میرے انبیاء کے لائے ہوئے کلام قانون دلائل قدرت معجزات سے منہ پھیرے گا۔ منکر ایمان ہو کر یا فاسق اعمال ہو کر۔ کفر میں مغرور ہو کر یا گناہوں میں مشہور ہو کر۔ مقتدی بن کر یا بیوقوف ہو کر تو ایسے سب نافرمانوں کے لیے تقدیر مبرم کا یہ اٹل فیصلہ ہے کہ اس کی دنیوی زندگی بے سکونی اور پریشانیوں الجھنوں والی ہو گی خواہ امیر اور لاکھوں کروڑوں دولتوں کا مالک ہو کر جئے یا غریب تنگ دست بھوکا ننگا رہ کر جئے۔ کسی کیفیت حالت میں سکون و اطمینان نہ ملے گا۔ امیر کی بے سکونی بھی چار وجہ سے غریب کی بے سکونی بھی چار وجہ سے (۱) امیر لوگ زیادہ کی حرص (۲) ہر چیز مل جانے کی لالچ (۳) دنیا سازی کی محنت (۴) دنیا پرستی کی مشقت کی وجہ سے ہر وقت بے سکونی میں رہتے ہیں۔ ہائے یہ بھی مل جائے وہ بھی مل جائے یہ بنا لوں وہ بنا لوں۔ مولانا رومیؒ نے فرمایا۔ ؎

اہلِ دنیا کافرانِ مطلق اند ❊ روز و شب در زَق زَق و در بک بک اند

غریب کی بے سکونی (۱) غربت (۲) اللہ تعالیٰ سے مایوسی (۳) اللہ رسول پر بھروسہ نہ ہونا (۴) اپنی غفلت سستی نحوست گناہ کی وجہ سے۔ امیر بھی دنیا پرست غریب بھی۔ غریب دنیا پرست امیروں کو دیکھ دیکھ کر ساری زندگی کڑھتا رہتا، سڑکوں گلیوں میں پھرے گا مگر رو کر آنسو بہا کر مسجد میں سجدہ ریز نہ ہو گا۔ امرا نئے نئے امیروں کو دیکھ کر کڑھتے رہتے ہیں نہ ادھر سکون نہ ادھر صبر نہ ادھر یادِ مولیٰ تعالیٰ

نہ اُدھر۔ دونوں طرف مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ کا مظاہرہ۔ اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی نے فرمایا ہے

دن عیش میں کھونا تجھے اور رات بھر سونا تجھے ؛ خوفِ خدا شرمِ نبی یہ بھی نہیں وہ نہیں

سکون تو ذکرِ الٰہی دامنِ مصطفائی میں ہی ملتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا مِنْہُ۔ مفسرین نے مَعِیْشَۃً ضَنْکًا کے تین معنی بیان فرمائے ہیں ۱۔ یا اس سے مراد بعدِ موت قبر کی برزخی زندگی ہے اور ضَنْکًا سے مراد کفار وفساق کا عذابِ قبر ہے۔ یہی تفسیر احادیث سے ثابت ہے کہ ابوسعید خدری۔ عبد اللہ ابن مسعود ابوہریرہ تینوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَعِیْشَۃً ضَنْکًا۔ قبر کا عذاب ہے قبر میں فساق وکفار مردوں کو تین طرح عذاب ہوتا ہے ۱۔ تنگیِ قبر کہ مردے کی پسلیاں پسلیوں میں گھس جائیں گی ۲۔ فرشتوں کی مار جس کی آواز بجز انسان وجنات سب حیوان سنتے ہیں ۳۔ ننانوے سانپ قبر میں ہر سانپ کے سات منہ کسی منہ سے ڈنگ کسی سے پھونک مثل آگ کسی سے دانت کا زخم کسی سے گوشت نوچنا کسی سے زہر بل پھونک کسی سے زہر کی دھار پھینکنا اس زہر میں اتنی سختی ہوگی کہ اگر زمین پر پھینکیں تو وہاں کبھی سبزہ نہ اُگے۔ کسی سے پھنکار کر دہشت زدہ کریں گے۔ دوسرا قول۔ مَعِیْشَۃً سے مراد دنیوی زندگی اور ضَنْکًا سے مراد حرص ہوس لالچ کی حرام کمائی خبیث دولت ہر وقت زیادہ کے انہماک میں پریشان رہے اور کم ہوجانے کے اندیشے میں گھلتا مرتا رہے ہر وہ زندگی جس میں عارضی خوشی کے بعد ابدی غم دکھ درد ہوں وہ بھی مَعِیْشَۃً ضَنْکًا ہے کہ حصول دولت میں نہ حرام وحلال کی پرواہ نہ ظلم وفریب سے بچے نہ وقت کی قدر نہ آخرت کی فکر ہے دینی گمراہی میں ساری زندگی گزار دے۔

بلھے یاروں نے کیا کیا کارِ نمایاں کر گئے ؛ پیدا ہوئے کھایا پیا نوکر ہوئے پھر مرگئے

تیسرا قول۔ مَعِیْشَۃً سے مراد جہنم کی زندگی کفار کی دائمی ضَنْکًا سے مراد کفار کے لیے جہنم کا عذاب دوزخ کے کانٹے زقوم یعنی تھوہر کا درخت اور پیپ لہو ان کی غذا خوراک اصل مَعِیْشَۃً آخرت کی ہی ہے اچھی ہو یا بری۔ فساق کی میعادی جہنم مَعِیْشَۃً ہے اور آگ کی جلن ضنک ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس سے مروی ہے کہ جس بندے کو رب تعالیٰ تھوڑا یا زیادہ مال دے وہ اس کے ذریعے تقویٰ نہ بنے صدقہ وخیرات زکوٰۃ نہ ادا کرے تو یہ بھی اُس کی مَعِیْشَۃً ضَنْکًا ہے بعض نے فرمایا مَعِیْشَۃً ضَنْکًا سے مراد قیامت سے پہلے کی تمام زندگی مراد ہے۔ یعنی دنیوی برزخی۔ قبری۔ مگر مومن متقی کو کسی بھی زندگی میں ضَنْکًا نہیں نہ دنیا میں نہ قبر حشر میں۔ مومن اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ کا لباس فاخرہ پہن کر صابر وشاکر و ذاکر ہو جاتا ہے تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ کی لذت پالیتا ہے۔ طالبِ آخرت ہو کر مسعود اور طالبِ مولیٰ ہو کر محمود بن جاتا ہے صبر کی ڈھال لے کر ہر مصیبتِ دنیوی میں کہتا ہے۔ ضَرْبُ الْحَبِیْبِ زَبِیْبٌ۔ ۵

(شعر) میرے مولا تیرے پتھر بھی اچھے ❊ غبارِ راہ اور کنکر بھی اچھے

تیرے رستے کے یہ کانٹے بھی پیارے ❊ قدومِ عشق کے چھالے بھی اچھے (از حکیم الامت بدایونی)

زندگی تین قسم کی ہے۔ کافر کی زندگی عِیْشَۃٍ مُظْلِمَۃٍ فاسق کی زندگی عِیْشَۃٍ ضَیِّقَۃٍ مومن متقی کی زندگی عِیْشَۃٍ طَیِّبَۃٍ۔ ھَنِیْئًا دَافِعًا۔ کافر کے اعمال وکسب حرام کمائی شقاوتِ قلبی دینی دنیوی ذلت فاسق کے اعمال وکسب حرام دولت گناہوں کی سہولت نیکی کرنے میں مشکلات غفلت نحوست اور ابوابِ خیر بند توفیقِ عبادت مفقود مولیٰ علی نے فرمایا فاسق کو تین تنگیاں ۱ حیاتِ ضیق ۲ عسرتِ قلبی ۳ دولت سے حرام کام لیکن مومن کو تین انعام ۱ حیاتِ دنیوی میں حلال پاکیزہ دولت ۲ فراخیٔ قبر کہ ستر گز تک کھلی ہو جاتی ہے اور جنت کی ہوائیں نورانی چاندنی کی ٹھنڈی روشنی۔ نَمْ کَنَوْمَۃِ الْعُرُوْسِ کی دل نواز مین کی نیند (رواہ الترمذی عن ابی ہریرۃ) ۳ میدانِ محشر میں عرش کا سایہ دامنِ مصطفیٰ کی ٹھنڈی ہوائیں۔ آنکھوں کی روشنی بینائی ابدی جنت (اَللّٰھُمَّ اُرْزُقْنَا مِنْہُ) مگر کفار کی یہ حالت کہ وَنَحْشُرُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَعْمٰی۔ اور ذکر سے اعراض آیت سے نسیان ایمان سے دور ہٹنے والے کفار کو ہم میدانِ محشر میں قبروں سے نکال کر اندھا کر کے جمع کریں گے بھگائیں گے۔ فُسّاق وبدکردار کو کمزور نظر شل نابینا بنا کر لایا جائے گا کہ گرتے پڑتے ٹٹولتے بھٹکتے نہ لاٹھی کا سہارا نہ ساتھی کا دلاسہ نہ کوئی ٹھوکروں سے بچانے والا نہ کوئی راستہ سمجھانے والا۔ دنیا کی کور چشمی وکمزور نظری میں تو ہزار سہارے بن جاتے مل جاتے ہیں مگر میدانِ محشر میں کسی کافر وفاسق کو کوئی سہارا میسر نہ آئے گا۔ یہ اندھاپے کی کیفیت محشر میں آنے وقت ہوگی بعد میں نظر ٹھیک ہو جائے گی۔ تمام اپنی ذلت آمیزی کو اپنی آنکھوں دیکھیں اعمال نامہ پڑھیں۔ جہنم کا دیدار کریں غرضیکہ کفار کا نابینا ہونا بھی عذاب اور بینا ہونا بھی عذاب ہوگا بعض نے فرمایا کہ کفار وفساق قیامت میں قلبی اندھے ہوں گے کہ وہاں بھی حق بات سمجھ نہ آئے گی بعض نے کہا کہ عقلی اندھے ہوں گے مگر پہلا قول درست ہے کہ آنکھوں کے اندھے ہوں گے۔ قرآن مجید میں کفار کی قیامت والی مختلف گیارہ کیفیات بیان فرمائی گئیں ۱ میدانِ محشر میں آتے وقت کفار کی پہلی حالت یہی ہوگی جو یہاں مذکور ہوئی۔ نَحْشُرُہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَعْمٰی ۲ اس کی وجہ فرمانے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے مَنْ کَانَ فِیْ ھٰذِہٖٓ اَعْمٰی فَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی۔ (سورۃ اسراء آیت ۷۲) ۳ اسی سورۃ اسراء آیت ۹۷ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے وَنَحْشُرُھُمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ عَلٰی وُجُوْھِھِمْ عُمْیًا وَّبُکْمًا وَّصُمًّا۔ یعنی ہم محشر میں لائیں گے کفار کو قیامت کے دن چہروں کے بل چلا کر اندھا بہرا گونگا کر کے۔ میدانِ محشر میں آنے والوں کی تیسری کیفیت

اسی طرح مذکور ہوئی۔ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ۔ (سورۃ ابراهیم آیت ۴۳) یعنی عام لوگوں کا حال ہیبت و دہشت سے یہ ہوگا کہ آنکھیں پھٹی اوپر کو بھی سر اٹھائے دل دھڑکائے سمتِ محشر بھاگے چلے جا رہے ہوں گے ۴۔ چوتھی اس طرح بیان ہوئی۔ لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ (سورۃ ق آیت ۲۲) یعنی۔ قیامت میں ہر کافر سے فرمایا جائے گا تو اسی دن سے غفلت میں تھا۔ سے اب ہم نے تجھ سے اندھاپے کا پردہ ہٹا دیا اب تجھ کو خوب نظر آرہا ہے اس آیت میں میدانِ محشر میں پہنچ جانے کا نقشہ بتایا گیا کہ آنے وقت اندھا تھا اب آنکھوں سے کورچشمی کا پردہ ہٹا دیا جائے گا۔ اور تیز نظر کا بینا ہو جائے گا کفار کی محشر میں پانچویں کیفیت وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا۔ اِقْرَاْ كِتَابَكَ (سورۃ اسریٰ آیت ۱۳ و ۱۴) قیامت میں نامۂ اعمال نکالیں گے جو اُس کے لیے کھلی کتاب ہوگا ہم اس سے کہیں گے کہ اپنے دنیوی کرتوت کی کتاب خود پڑھ لے ۶۔ قیامت میں کفار کی چھٹی کیفیت یہ ہوگی کہ ان کو یاد ہی نہ ہوگا دنیا میں کتنا رہے یعنی عقلیں بگڑ جائیں گی (طٰہٰ آیت ۱۰۳ ۱۰۴) ساتویں حالت یہ کہ کسی کو پہچان نہ سکیں گے دل گھبراہٹ و دہشت سے اُڑے ہوں گے ۸ آٹھویں حالت یہ کہ سب کو پہچانیں گے ۹ نویں کیفیت یہ کہ زبان گونگی کر دی جائے گی۔ وَنَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَاۤ اَيْدِيْهِمْ (سورۃ یٰسٓ آیت ۶۵) ۱۰ دسویں کیفیت زبانیں خوب بولیں گی۔ اور اقرار کریں گی کہ ہمارے پاس رسول آئے تھے ہم نے اُن کو جھٹلایا تھا ۱۱ گیارھویں۔ ایک وقت وہ ہوگا کہ نگاہیں اتنی تیز ہوں گی کہ میدانِ محشر میں کھڑے کھڑے جہنم کو دیکھ لیں گے جیسے گویا اُن کے قریب لائی گئی۔ (سورۃ کہف آیت ۱۰۰) غرضکہ یہ مختلف کیفیات ہیں مگر ہر کافر اپنے اندھاپن سے سخت گھبرائے گا اور قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْۤ اَعْمٰى گھبرا کر پکارے گا چیخے چلائے گا۔ اے میرے رب میں تو دنیا میں نظر والا تھا خوب فلمیں دیکھا کرتا تھا ناولیں پڑھا کرتا تھا۔ منبروں پر بیٹھ کر تصویریں وڈیو فوٹو بنوایا کرتا جائز بتایا کرتا۔ اور مریدوں شاگردوں ماننے والوں کے گھروں میں لگوایا کرتا تھا۔ غرضکہ ان ہی آنکھوں سے تیرے نبی قرآن شریعت کی خوب خوب مخالفت کیا کرتا تھا۔ اور زمین پر کفر شرک یا فسق و فجور میں دندناتا پھرتا تھا آج تو نے مجھ کو قبر سے اندھا کر کے محشر میں کیوں اٹھایا۔ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى۔ وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى۔ رب تعالیٰ فرمائے گا۔ الہام سے یا القاءِ قلبی سے یا

فرشتے کے ذریعے۔ اس اندھے کافر کو آواز آئیگی اور فاسق شب کور کو بتایا جائے گا کہ آج تیرے ساتھ میدانِ محشر میں وہی معاملہ ہو رہا ہے جو تو دنیا میں خود اپنے لیے کرتا تھا اسی دن کی بینائی ہدایت حمایت دینے کے لیے دنیا میں جب تیرے پاس ہماری آیتیں انبیا کتابوں اور اُمت کے علما کے ذریعے آتی تھیں تو اس وقت تو اپنی ضد اکڑ غرور دولت کے گھمنڈ کی وجہ سے اُن آیاتِ الٰہیہ قانونِ ربانیہ کو دیکھنے سے اندھا سننے سے بہرا اور پڑھنے سے گونگا بن جاتا تھا تم میں سے کوئی فاسق بنتا رہا کوئی کافر۔ ہماری دی ہوئی آنکھوں سے ہر شیطانی چیز کو دیکھتا تھا مگر ہمارے کلام کو نہ دیکھتا تھا۔ ابلیس کی مانتا تھا۔ انبیا کی نہ مانتا تھا۔ گانے پڑھتا تھا نماز و تلاوت نہ پڑھتا تھا۔ تجھے دولت دی تو نے فساد کیا تجھے حکومت دی تو نے ظلم کیا تجھے علم دیا تو نے گمراہی پھیلائی تجھے منبر و مصلہ دیا تو نے حرام کو حلال حلال کو حرام کیا نبی کی مخالفت سنتِ واجبہ کی پامالی کی نبی نے فرمایا توڑ تصویر حرام تو نے کہا جائز نبی نے فرمایا کالا خضاب حرام تو نے کہا حلال نبی نے فرمایا داڑھی چار انگل تک بڑھاؤ مونچھیں گھٹاؤ تو نے مخالفت کی نبی نے فرمایا اَبۡلِغُوۡا عُنِیَ تو نے کہا نہیں بلکہ دولت بنی۔ نبی نے تمام کھیلوں کو حرام فرمایا تو نے کھیلوں میں عمر گزاری نمبری نمازیں تلاوتیں۔ قاری بنا سب پیسوں کی خاطر حافظ بنا تراویح کی سودے بازی تو نے اپنے کسی عمل میں ہمیں تو یاد نہ کیا تجھے مؤذن نے مسجد کی طرف پکارا تو دکان کی طرف بھاگا۔ تجھے قرآن نے نمازِ جمعہ کی طرف بلایا مگر تو نے خود کو گاہکوں میں پھنسایا عبادت سے بھاگا تجارت میں اُلجھا۔ تو مذہب کا مسلمان مگر شکل کا مجوسی کہ داڑھی منڈائی مونچھیں بڑھائیں۔ لباس کا عیسائی۔ کردار کا یہودی تو نے دنیا میں ہمارے نبی کی سنتوں ہمارے کلام کی آیتوں شریعت کے قانون کو بھلایا اپنی موت قبر حشر۔ آخری انجام۔ جہنم کے عذاب اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ کے سوال قَالُوۡا بَلٰی کے جواب اپنے وعدوں ہماری وعیدوں کو بھلایا۔ وَکَذٰلِكَ الۡیَوۡمَ تُنۡسٰی۔ آج تو بھی بھلا دیا جائے گا۔ کہ روشنی چاہے گا اندھیرا ملے گا سہارا چاہے گا ٹھوکریں ملیں گی اُٹھنا چاہے گا گرنا پڑے گا۔ مہر چاہے گا قہر ملے گا، جھنجھیگا خاموشی ملے گی۔ آرام چاہے گا تکلیف ملے گی عزت چاہے گا ذلت ملے گی جزا چاہے گا سزا ملے گی دوست چاہے گا دشمن ملے گا۔ قوت چاہے گا بے بسی ملے گی طلب چاہے گا بے کسی ملے گی طاقت چاہے گا کمزوری ملے گی آج تو موت چاہے گا مگر مر نہ سکے گا۔ وَکَذٰلِكَ نَجۡزِیۡ مَنۡ اَسۡرَفَ۔ اور یہ ہمارا ازلی مُبرم فیصلہ ہے کہ ہم اسی طرح مَعِیۡشَۃً ضَنۡکًا کی دلسوز جگر دوز عبرت ناک خطرناک سزائی بدلہ دیتے ہیں ہر اُس شخص کو جس نے دنیا کی قیمتی زندگی فسق و فجور عیاشی خرمستی شہوت طلبی میں ضائع کی۔ وَلَمۡ یُؤۡمِنۡۢ بِاٰیٰتِ رَبِّہٖ۔ اور اُس شخص کو بھی جو کافر بن کر رہا اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہ لایا بلکہ مذاق بازی سے جھٹلایا۔ خیال رہے کہ ہر وہ کام جو نبی کی

مخالفت میں کیا جائے وہ عمر کی بربادی ہے مخالفت خواہ فرائض میں ہو یا واجبات میں سنن و نوافل میں ہو یا مستحبات میں، عادت میں ہو یا عبادت میں۔ عملیات میں ہو یا عقائد میں شکل و صورت میں ہو یا لباس میں تجارت میں ہو یا اشیاء کی خریداری میں اسراف عمر یا تو دنیوی عذاب ہے جو عارضی ہے توبہ سے ختم یا موت سے بند ہو جاتا ہے۔ یا عذاب قبر ہے جو نفخہ اول سے اٹھا لیا جاتا ہے لیکن وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى۔ اور البتہ قیامت کے بعد آخرت یعنی جہنم کا عذاب قبر و حشر کے عذاب سے اتنا بڑا اور سخت ہے کہ دنیا میں اس کی شدت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور اَبْقٰى بھی ایسا کہ کبھی ختم نہ ہو نہ کم پڑے ابد الآباد تک قائم و یکساں موجود۔ (اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہ) یا اللہ تو رحیم و کریم ہے مجھ کو بھی میری اولاد میرے تمام دوست احباب مسلمانوں کو عذاب سے بچانا۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں **پہلا فائدہ**۔ دنیا میں رب تعالیٰ نے ہر نیکی بدی کی علامات مقرر فرما دی ہیں۔ ان نشانیوں سے ہر بندہ اچھے برے انسان اور اچھی بری چیزوں کا پتہ چلا سکتا ہے اس لیے ہر وقت ہر مسلمان کو چاہیے کہ ان نشانیوں پر غور کرتا رہے اور نشانیوں سے بھی بچے کہ وہ برے نشانات اپنے اندر پیدا نہ ہوں اور ان نشانات والے لوگوں ان کی محفلوں کتابوں باتوں سے بچے دنیا میں رب تعالیٰ کی ناراضگی سب سے بڑی برائی ہے اور اللہ کی رضا سب سے بڑی اچھائی ہے رب تعالیٰ کی ناراضگی کی چار نشانیاں ہیں ۱ بندے کو عبادت سے غفلت سستی پیدا ہو ۲ حاضری مسجد کی توفیق نہ ملے ۳ نیکیوں میں رکاوٹیں پیدا ہوں ۴ گناہوں میں آسانیاں ملتی چلی جائیں تو سمجھ لو کہ یہ بندہ رب تعالیٰ کا مقہور و مغضوب ہے اس سے بچو اور اگر اپنے میں ہوں تو جلدی دور کرنے کی کوشش کرو توبہ استغفار کرو رو گڑ گڑاؤ۔ یا اللہ مجھ فقیر و بے کس کو بھی یہ ہمت عبادت فرما اور تا ابد اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل مجھ سے راضی ہو جا رب تعالیٰ کی خوشنودی کا سعادت کی تین نشانیاں ۱ جب تم دیکھو کہ بندے پر عبادت آسان ہے ۲ اور بندے پر گناہ مشکل ہیں کہ لوگ رات کو سوتے ہیں وہ مصلے پر روتا ہے لوگ دن بھر تجارت میں متحرک وہ عبادت میں متبرک تو سمجھ لو کہ اس سے رب تعالیٰ راضی ہے ۳ دنیا سے بے رغبتی ہونا بھی رب تعالیٰ کی رضا کی علامت ہے یہ فائدہ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا۔ فرمانے سے حاصل ہوا کہ دنیا سازی کی زندگی عیش ضنکا ہے اور دین سازی کی زندگی عیش طیب ہے۔ **دوسرا فائدہ**، بندے کے ہر کام و کلام میں دو چیزیں بتائی گئی ہیں ۱ دینی نیکی و بدی ۲ دنیوی نیکی و بدی جس طرح ہر نیکی کا دنیا میں فائدہ اور آخرت میں ثواب اس طرح ہر بدی کا دنیا میں نقصان اور آخرت میں عذاب نیکی کا دنیوی فائدہ رزق میں برکت چہرے پر رونق دل میں سکون بدی کا دنیوی نقصان۔ روزی میں بے برکتی چہرے پر نحوست۔ دل میں بے سکونی۔

نیکی کا اُخروی ثواب قبر میں کشادگی محشر میں روشنی پل صراط پر آسانی۔ برائی کا اُخروی عذاب قبر کی تنگی۔ محشر میں اندھا پن پل صراط پر ذلت مشقت۔ یہ فائدہ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰی کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ سب سے بڑی کم بختی اور برائی اسرافِ زندگی یعنی عمر ضائع برباد کرنا ہے۔ یہی دنیا پرستی ہے۔ ہر وہ کام جس کو بندہ ذوق وشوق اور اہتمام سے کرے وہی اُس کی یاد اور ذکر ہے اور کسی چیز کو قلبی گہرائیوں سے یاد کرنا اُسی میں مشغول رہنا یہی اُس کی پرستاری اور پوجا ہے جو انسان عبادت میں غفلت دنیا میں عُجلت عبادت میں سُستی تجارت میں چُستی کرتا ہے اُس نے گویا اللہ تعالیٰ اور اُس کی آیتوں کو بھلا دیا وہ دنیا پرست ہے یہ فائدہ فَنَسِیْتَهَا (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

اِن آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ دنیا کو بھلا دینا بہتر دین کو یاد رکھنا بہتر دین کو یاد رکھنے کا معنٰی ہے کہ قرآنِ مجید حفظ کرنا پورا یا بقدرِ ضرورت نماز روزے وضو غسل کے ضروری مسائل یاد کرنا اور یاد رکھنا یہی وہ حقیقی علم ہے جو حاصل کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے اکثر علما فرماتے ہیں کہ جو شخص قرآنِ مجید کو یاد کر کے پھر بھول جائے وہ قیامت میں اندھا اٹھایا جائے گا۔ وہ اسی آیت نَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰی اور فَنَسِیْتَهَا سے استنباط فرماتے ہیں (تفسیر صاوی۔ کبیر معانی۔ بیان) اس آیت سے یہ مسئلہ بھی مستنبط ہوا کہ ہر مسلمان پر نماز کے وہ الفاظ اور دعائیں وغیرہ جو نماز میں پڑھی جاتی ہیں وہ بالکل صحیح تلفظ اور مخارج کی ادائیگی کے ساتھ یاد کرنا فرضِ عین ہے۔ بعض مسلمان وتروں کی دعاءِ قنوت یاد کرنے میں کاہلی سُستی کرتے ہیں اور اُس کی جگہ سورۂ اخلاص۔ یا تین بار سُبْحَانَ اللہ۔ کہنے پر اکتفا کرتے ہیں وہ سخت گنہگار ہیں کیونکہ یہ اُن کی کاہلی سستی مَنْ اَعْرَضَ۔ کے زمرے میں شمار ہوگی۔ جب دنیوی کتابوں سکولوں کالجوں کلاسوں میں اتنی محنت کر لی جائے تو کیا اللہ تعالیٰ کی ذکر اذکار دعائیں یاد نہیں ہو سکتیں۔ اسی آیت کی دلیل سے کچھ علما نے فرمایا کہ لڑکیوں کو پورا قرآن حفظ نہ کراؤ۔ اس لیے پرایا دھن ہیں ان کو یاد رکھنا بڑا مشکل ہے۔ مرد حفاظ کے پاس جو ذرائع بقاءِ حفظ کے ہیں وہ عورتوں کو میسر نہیں مثلاً امامت تراویح شبینہ وغیرہ۔ اور یاد کر کے بھول جانے پر بڑی سخت وعید ہے۔ دوسرا مسئلہ۔ حرام طریقے سے دولت کمانا۔ مثلاً سود، رشوت جوا اور حرام اشیا کی فروخت یا اللہ تعالیٰ کے ممنوعہ اوقات میں تجارت کرنا اسی طرح چوری ڈکیتی فریب کاری، ملاوٹ سے دولت کمانا ہر مسلمان پر مطلقاً ہر حال میں حرام اور مَنْ اَعْرَضَ میں شامل۔ لیکن بعض ناجائز تجارتیں بعض حالات میں کفار پر بھی ممنوع ہیں مسلمان حکومت کفار پر بھی پابندی لگائیگی کہ اس طرح کے کاروبار عام مسلمانوں کے ساتھ نہیں کر سکتے۔ یہ مسئلہ معیشت گ

ضنکا کی ایک تفسیر سے مستنبط ہوا۔ تیسرا مسئلہ۔ اسراف اور فضول خرچی ظاہراً لفظاً تو بہت معمولی کام لگتا ہے مگر اس کی حرمت مسلمانوں کے لیے شدید ترین ہے یہ مسئلہ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ ہیں۔ کذٰلک کے تشبیہی اشارے سے مستنبط ہوا کہ دنیا کی مَعِيْشَةً ضَنْكًا اور میدانِ محشر کا عُمیاً بُکماً وَصُماً ہونا۔ اور اَلْيَوْمَ تُنْسٰى کا عذاب سب اسی اسرافِ زندگی کا وبال ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا کہ جو شخص میرے ذکر سے منہ پھیرے تو اس کے لیے تنگ زندگی ہے اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ غربت و تنگ دستی کی زندگی صرف کفار و فساق کے لیے ہے حالانکہ مشاہدہ بتا رہا ہے کہ نیک لوگ یہاں تک کہ انبیاء اولیا غربت و فاقہ کشی کی زندگی گزارتے ہیں اور اکثر کفار و فساق بڑی امیرانہ شاہانہ زندگی گزارتے ہیں۔ حدیث پاک میں ہے قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً اَلْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ يُبْتَلَى الرَّجُلُ عَلٰى حَسَبِ دِيْنِهٖ۔ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمام انسانوں میں سب سے سخت ابتلا انبیا علیہم السلام کا ہوتا ہے پھر درجہ بدرجہ دین کے حساب سے لوگ اس دنیا کی مصیبتوں میں مبتلا کئے جاتے ہیں (از بخاری ترمذی ابن ماجہ) یہ آیت روایت و مشاہدات کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔

جواب بالکل خلاف نہیں اس لیے کہ مَعِيْشَةً سے مراد غریبانہ اور تنگ دستی کی زندگی نہیں بلکہ نحوست بے برکتی بے سکونی کی زندگی ہے۔ امیری اور شاہانہ زندگی سے چند ساعتوں کی عیاشی و حکمرانی تو مل جاتی ہے مگر اطمینان و سکون نہیں ملتا۔ یہی فرق ہے حیاتِ ضیقہ اور حیاتِ طیبہ میں۔ حیاتِ ضیقہ کافر و فاسق کی مَعِيْشَةً ضَنْكًا ہے اور حیاتِ طیبہ انبیا اولیا علما صلحا زہدا شہدا کی معیشۃً ھنیئۃً ہے مومن کی تنگ دستی بھی ضنکا نہیں بنتی وہ ہر حال میں خوش و خرم پرسکون صابر و شاکر ہشاش بشاش رہتا ہے۔ مگر کفار و فساق دنیا پرستی اور گناہوں کی زندگی میں ہزار دولتوں کے باوجود بے سکون پریشان اور بیسیوں فکروں بیماریوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ ایک روایت میں مَعِيْشَةً ضَنْكًا سے مراد قبر کی زندگی اور ایک قول میں مَعِيْشَةً ضَنْكًا بھی جہنم کی زندگی ہے سب میں مطابقت اس طرح کہ مَعِيْشَةً ضَنْكًا دنیا سے شروع ہو کر جہنم کی ابدی زندگی تک ہے۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ كَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى۔ یعنی جب اندھے کافر پوچھیں گے کہ ہم دنیا میں تو اندھے نہ تھے یہاں ہم کو اندھا کیوں اٹھایا گیا تو جواب میں فرمایا جائے گا کہ اسی طرح جس طرح تم دنیا میں ہماری آیتوں سے اندھے رہے ان کو بھولے رہے بالکل اسی طرح آج

تم کو بھلا دیا گیا گویا کہ بھولنا بھلانا اندھا ہونا اور اندھا کیا جانا ہے۔ کیونکہ کَذَالِکَ اسم اشارہ تشبیہی ہے جس کا تقاضہ ہے کہ جو حالت دنیا میں تھی وہی حالت یہاں ہو حالانکہ دنیا میں یہ کفار آنکھوں کے اندھے نہ تھے جیسا کہ قَدْ کُنْتُ بَصِیْرًا سے واضح ہے دنیا میں کفار قلبی اندھے تھے تو مشابہت کی مطابقت کے لیے ضروری ہے کہ یہاں محشر میں بھی صرف قلب کے اندھے ہوں اور قلب کا اندھا ہونا نہ محسوس ہوتا ہے نہ تکلیف دہ تو پھر عذاب کیونکر ہوا کفار کو محشر میں کیوں محسوس ہوگا کہ وہ بول پڑیں گے۔ لِمَ حَشَرْتَنِیْ اَعْمٰی۔ قلبی اندھے تو وہ آج دنیا میں بھی ہیں یہاں ان کو محسوس نہیں ہوتا خلاصہ یہ کہ اگر یہاں اور وہاں قلبی اندھے تو کَذَالِکَ ٹھیک ہے مگر احساس میں فرق کیوں۔ اگر محشر میں بھی احساس نہیں تو ان کا یہ سوال کیوں اور گھبراہٹ کیوں اور پھر یہ قلبی اندھا ہونا جب محسوس نہیں تو تکلیف دہ نہیں نہ تکلیف دہ نہیں تو عذاب نہیں۔ اور اگر دنیا میں قلبی اعمٰی اور یہاں جسمی اَعْمٰی تو کَذَالِکَ کی تشبیہ غلط۔ **جواب**: اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں ہم نے یہ جواب عرض کیا ہے کہ کفار دنیا میں قلبی اندھے ہیں محشر میں جسمی آنکھ کے اندھے ہوں گے۔ اس فرق کے باوجود کَذَالِکَ کی تشبیہ درست ہے۔ اس لیے کہ تشبیہ اکیس ۲۱ قسم کی ہوتی ہے ۱ تشبیہ صُوری ۲ معنوی، ۳ حکمی، ۴ نوعی، ۵ جنسی، ۶ صنعی، ۷ کلی، ۸ جزئی، ۹ عارضی، ۱۰ دائمی، ۱۱ تشبیہ ظاہری، ۱۲ باطنی، ۱۳ حسی، ۱۴ غیر حسی، ۱۵ عملی، ۱۶ طبعی، ۱۷ کیفی، ۱۸ جسمی، ۱۹ اطلاعی، ۲۰ خصلتی، ۲۱ جزائی۔ یہاں جسمی کیفیت کی تشبیہ مراد نہیں بلکہ جزائی تشبیہ مراد ہے کہ اے کافر جس طرح تو نے دنیا میں آیت سے بے رغبتی کا عملی مظاہرہ کیا اُس کی جو جزا اور بدلہ ہونا چاہیئے تھا اسی طرح دیا جا رہا ہے۔ اور نسیان سے مراد حافظے و یادداشت سے اُتارنا نہیں بلکہ چھوڑنا مراد ہے اور کَذَالِکَ کی تشبیہ بھی اَعْمٰی سے نہیں بلکہ اُس کے دنیوی عمل سے ہے کہ کفار نے دنیا میں نفرت کر کے آیتوں کو چھوڑا تو محشر میں اندھا کر کے ان کو چھوڑ دیا گیا کہ بھٹکتے پھریں۔ دوسرا جواب امام رازی نے تفسیر کبیر میں یہ دیا کہ یہ تشبیہ کفار کی دنیوی جہالت سے ہے کہ کافر دنیا میں قلبی جاہل بن کر رہا۔ تو اُس کی سزا میں اس کو محشر میں بصری جاہل بنا دیا جائے گا۔ نیز دنیا میں قلبی اندھا پن بھی تکلیف دہ اور محسوس ہوتا ہے اس طرح کہ قلبی اندھے پن اور جہالت سے روح کو احساس تکلیف و عذاب ہوتا ہے۔ اور جسمی بصری اندھا پن اور جہالت سے بدن کو احساس و تکلیف ہوتی ہے۔ **تیسرا اعتراض**۔ یہاں ان آیت میں تین بار کَذَالِکَ فرمایا گیا۔ اَوَّلاً کَذَالِکَ اَتَتْکَ، پھر کَذَالِکَ الْیَوْمَ تُنْسٰی۔ پھر وَکَذَالِکَ نَجْزِیْ۔ اس کی کیا وجہ؟ ایک لفظ کو بار بار دُہرانا تو فصاحت کے خلاف ہے۔ **جواب** بلا وجہ دہرانا فصاحت کے خلاف ہے لیکن مختلف نوعیتوں اور کلام کے مختلف پہلوؤں کو واضح کرنے کے لیے کسی لفظ خاص کا بار بار بولنا عین فصاحت اور کلام کی خوب صورتی ہے اس لیے کہ اس

سے کلام مختصر اور بار لبط ہو جاتا ہے۔ اور یہی کلام کی فصاحت ہے کہ " اَلْکَلَامُ مَا قَلَّ وَدَلَّ" یعنی
قلیل کلام کثیر معانی پر محیط ہو جائے۔ معترض کو اعتراض سے پہلے فصاحت کی تعریف جاننی چاہیئے۔
یہاں آیت میں تین چیزوں کی وضاحت فرمانے کے لیے تین بار کَذٰلِکَ ارشاد فرما کر کلام کو خوبصورت اور
مختصر کر دیا گیا۔ اوّلاً مشبہ بہ کا ذکر و تعلق اس کو عربی میں تشبیہہ اِطلاقی کہتے ہیں اردو میں اس کا ترجمہ
ہوتا ہے جس طرح۔ پھر دوسری بار کَذٰلِکَ ارشاد فرمانا مشبہ کی وضاحت کے لیے ہے اس کا
اردو میں ترجمہ ہوتا ہے اسی طرح۔ پھر تیسری بار کَذٰلِکَ فرما کر تشبیہ کی وجہ بیان فرمائی گئی کہ اس
طرح بدلہ دیا جانا کسی ایک کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہ ہمارا ازلی ابدی اٹل و مبرم قانون ہے کہ اس قسم کے
ہر مجرم کو ہم اسی قسم کی سزا دیتے ہیں۔ اردو میں اس کَذٰلِکَ کا ترجمہ ہوتا ہے یہی۔ اب ان آیت کا معنیٰ یہ
ہوا کہ اے میدانِ محشر میں آنے والے اندھے کافر جس طرح تو نے دنیا میں نفرت سے ہماری آیتوں
کو چھوڑا اسی طرح ہم نے محشر میں نفرت سے تجھ کو چھوڑا اور یہی ہمارا قانونِ جزا ہے ثابت ہو گیا کہ تینوں
جگہ کَذٰلِکَ فرمانا عین درست اور تکمیلِ کلام ہے۔

تفسیر صوفیانہ

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ۔ تو اے عالم ناسوت میں نفس و ابلیس کے
بیچارے یوں تم ہی سے جس کسی نے بھی نفس امّارہ کے میلان و محبت میں آ کر عالم
سفلی کی طرف توجہ کرتے ہوئے خالق تعالیٰ کے ذکرِ لسان فکرِ قلب، کشفِ سر سے منہ پھیرا۔ فَاِنَّ لَهٗ
مَعِيْشَةً ضَنْكًا۔ تو بے شک یقیناً اس بدنصیب محرومِ ازلی کے لیے اسی عالم رنگ و بو میں غلبۂ
شہواتی شدتِ طغیانی اعمالِ صالحہ کی بے توفیقی کردار کی بجلی سے اندھیری زندگی ہے۔ اس لیے
کہ جنابِ حق سے اعراض کرنے والا نفسیات کے تھپیڑوں اور دنیوی لہروں کے طوفانِ بے تمیزی
کی گہرائیوں میں پھنس جاتا ہے صوفیا فرماتے ہیں کہ اہلِ نفس کو اس دنیا میں آٹھ وبال ہیں ۱ حرصِ مادیات
کی شدت ۲ اسی حرص میں مشغولیت و شغف کی لذت ۳ ہم جنس ہونے کی وجہ سے محبتِ دنیا کی
قوت ۴ اشتراک فی الظلمت ۵ کمینگی کی طرف میلان ۶ قناعت کا فقدان ۷ کثرت کی ہوس
اور جاہت ۸ چاہت میں انہماک عمر بھر یاد یہی اہلِ نفس کی مَعِيْشَةً ضَنْكًا ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا کہ
رب تعالیٰ کے ذکر سے اعراض صرف ظلم ہی ظلم ہے ایسے منحوس کا رزق لا متوقی پریشان کر دیا جاتا ہے
لیکن ذاکرِ رب اور متوجہ اِلی اللہ بندہ اہلِ یقین ہو کر متوکل باللہ اور مفقود سے مستغنی ہوتا ہے بخت
بدنصیب ہے وہ شخص جس نے اس حیاتِ دنیوی میں مَعِيْشَةً ضَنْكًا پائی کیونکہ یہی ہے وہ جس کے لیے
ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى۔ بسط و کشادگی اس قیامتِ صغریٰ میں ہم

اس کو نورِ معرفت اور دیدارِ حق سے اندھا کر دیں گے جو یہاں اندھا بنے گا وہ قیامت اصلیہ کبریٰ میں اندھا کر دیا جائے گا۔ اگرچہ استعدادِ اصلیہ کی زبان سے اپنے اندھے ہونے کا انکار کرتا رہے مگر ضمیرو شعور سے یہی چیخیں مارے گا۔ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْٓ اَعْمٰی وَقَدْ كُنْتُ بَصِیْرًا۔ اور کہیگا کہ اے میرے جسم و جان کے رب جَلَّ وَعَلٰی میں راہِ سلوک میں تو اندھا نہ تھا۔ مجھے قربِ منزل کیوں اندھا کر دیا گیا۔ حالانکہ یہ فسق جری اور عشق نفسی محبتِ سفلی دنیا سازی کی ابتلا لائے۔ کمینگی کی شکل اندھا پن ہی تو ہے۔ اسی وجہ سے جواب ملے گا۔ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَهَا وَكَذٰلِكَ الْیَوْمَ تُنْسٰی اے رذیلِ سفیہ تو نے آیاتِ بینات و انوارِ مشرقات کو بھلایا توجہ سے ہٹایا عقل سے گرایا نفرت سے چھوڑا بے رغبتی سے منہ موڑا تو آج تجھ کو بھی اس محشرِ نفسا نفسی کے یوم عدل و جزا میں تیری فطریاتِ کثیفہ عاداتِ ملعونہ میں بھٹکتے سسکتے چھوڑ دیا گیا۔ وَكَذٰلِكَ نَجْزِیْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ یُؤْمِنْ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ۔ حرمانِ رحمت و خسرانِ زحمت کا یہ فیصلۂ عتاب و عقاب کسی کے لیے خصوصی نہیں بلکہ ہر مسرف و باطل جس نے قیمتی عمر کھیل کود میں برباد کی اور دین و عمل میں کھیل ہی آگے رکھا۔ قلب و عقل کو مومن و عاملِ نہ بنایا یہی کور چشمی اس کی جزا اور اندھیر نگری اس کی سزا ہے لمحاتِ دنیا کی بربادی ضیاع ذلت و دُر کار ہوتی ہے یہ تو عبرت سامانیاں ہیں لیکن۔ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰی قربِ منزل کا آخری سہارا ٹوٹ جانا بڑا اشدید عذاب ہے کہ وہ ذلت و رسوائی ہمیشہ رہنے والی ہے مَعِیْشَةً ضَنْكًا کیفیتِ ظاہری ہے شدتِ اُخروی کیفیتِ باطنی ہے۔ عالم اسرار کی کیفیات اَشَدُّ وَاَبْقٰی میں صوفیا فرماتے ہیں کہ راہِ معرفت کی معیشتِ ضنکا اجسام پر وارد ہوتی ہے اور عذاب اشد ارواح پر طاری ہوتا ہے اجسام کو فنا ہے اس کی معیشۃً ضنکا بھی عارضی ارواح کو بقا ہے اس لیے اس کا عذاب بھی اَبقیٰ ہے جسم کمزور لہٰذا اس کی معیشۃِ ضنکا خفیف روح قوی لہٰذا اس کا عذاب اَشَدُّ (ابن عربی و روح البیان و عرائس البیان) اور جس نے منہ پھیرا میرے ذکرِ شعوری اور فکرِ عبوری سے تو قلب کو بدلِ حجاب کی عیشِ ضنک اور سدِ باب کی سزاءِ ضیق دیجائے گی اس لیے کہ ذکرِ الٰہی اور یادِ مصطفائی دلوں کی چابی ہے اس سے منہ پھیرنا سدِ بابِ قلبی ہے جس سے دل بند عقل تنگ صدر زنگ ہو جاتا ہے پس جو بندہ چاہتا ہے کہ عذابُ اللہ سے نجات اور ثوابُ اللہ سے ملاقات پائے تو اس مردِ راہ پر واجب ہے کہ اطاعتِ الٰہیہ میں شدائدِ دنیا پر صبر کرے اور معاصی نفس و شہوات و لذات سے دور بھاگے کیونکہ جنتِ مصائب و شدائد کے پردے میں ہے اور جہنم شہوتوں عیاشیو کے باغیچہ میں ہے ہر بندے کو ہمتِ مردانگی سے کوشش

بچنا چاہیئے کہ اسبابِ عذاب اور ابتلاءِ اعمیٰ سے بچتا رہے۔ در روح البیان) صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ یہ آیت اُن کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جو بد بخت ظاہراً انسان باطناً شیطان ہیں آدمیت کے پردے میں ابلیس ہیں۔ نفاست کے غلاف میں غلاظت ہیں طہارت کے لبادے میں نجاست ہیں اور اپنی ہر تقریر و تحریر تفسیر و تصنیف سے انبیاءُ اولیا کی شانِ مقدسہ میں گستاخی کمزوری و کمی کے پہلو نکالتے ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ نام کے مسلمان عالم و خطیب بنے پھرتے ہیں کام کے ضال جاہل و خبیث ہیں۔ نبی کو اپنے جیسا بشر اور محض قاصد سمجھتے ہیں حالانکہ اصل و حقیقی ذکر اللہ یادِ انبیا علیہم السلام ہے کہ ہر اُمتی پر وقت ہر کام ہر عمل میں اپنے نبی علیہ السلام کا نقشہ اپنے سامنے رکھے جس شخص نے جس زمانے میں بھی اپنے نبی علیہ السلام کو بھلایا وہی شخص مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ کے زمرے میں شامل کر دیا گیا۔ لہٰذا اے بندو ذکرِ الٰہی قائم کرنے کے لیے اَب صرف یادِ مصطفائی کا نقشہ قائم رکھنا لازم پکڑو اس طرح کہ اپنی عبادت تجارت عادت عیادت اُٹھنے بیٹھنے سونے جاگنے میں کام کلام میں نماز روزے میں ہر وقت خیال نبی کریم کا اور نقشہ اُسوۂ حسنہ کا پیشِ ذات رہے جو شخص ذکرِ مصطفیٰ سے ہٹا وہ ذکر اللہ سے دور ہوا۔ اور جو ذکر اللہ سے دور ہوا وہ ابلیس کے ذکر میں ملوث۔ ابلیس کے چار ذکر ہیں پہلا ذکرِ شیطانی بانسری کی آواز اور بانسری بجانا۔ دنیا میں سب سے پہلے بانسری ایجاد ہوئی اِس کا موجد ابلیس سب سے پہلے بانسری قابیل نے بجائی اور ابلیس نے سکھائی یہ باجہ آدم علیہ السلام اور اُن کے نیک عابد زاہد صحفِ آدم کی تلاوت کرنے والوں کی تلاوت میں خلل ڈالنے کے لیے بنایا گیا۔ دوسرا ذکرِ شیطانی تالیوں کی آواز تالیاں بجانا۔ یہ بھی شیطان کی ایجاد ہے، سب سے پہلے تالی نوح علیہ السلام کی کافرہ بیوی کنعان کی والدہ نے بجائی اور ابلیس نے سکھائی۔ تیسرا ذکرِ شیطانی منہ سے سیٹی بجانا ہے اِس کی موجد قومِ لوط ہے۔ اور سکھانے والے ابلیس۔ شیطان کا چوتھا ذکر گوز مارنا۔ اور اباسی میں آواز نکالنا گوز خود ابلیس مارتا ہے جب کہیں ذکرِ الٰہی سنتا ہے تو گوز مارتا ہوا وہاں سے بھاگ جاتا ہے اور جب کوئی اُباسی میں آواز نکالتا ہے تو شیطان خوش ہوتا ہے اِن چاروں آوازوں سے شریعت نے منع فرمایا ہے۔ حدیث پاک میں دو اور آوازوں سے بھی منع فرمایا گیا۔ ۱۔ نوحہ اور رونے پیٹنے کی آواز ہے ۲۔ گانے کی آواز سے اگرچہ بغیر لہجہ اور ترنم کے ہو۔ ذکر اللہ کی آواز بھی چار قسم کی ہے ۱۔ تلاوت کی آواز اگرچہ قرأت و تجوید اور ادا و مخرج کے ساتھ خوش الحانی سے ہو مگر گانے کی طرز پر قرآن مجید پڑھنا حرام ہے۔ ۲۔ نعت خوانی کی آواز بشرطیکہ نعتِ پاک شریعت کی حدود میں ہو اور رسیلے سازوں کے ساتھ نعت پڑھنا حرام اور گانے کے لہجے میں پڑھنا مکروہ و ممنوع۔

۳ اذان کی آواز۔ جہاں تک مومن متقی کی ذاتی آواز پہنچتی ہے وہاں تک کے شجر و حجر خوش ہو کر موذن کو دعائیں دیتے ہیں کل قیامت میں گواہی دیں گے۔ اسی لیے مسجد کے اندر اور بند کمرے میں اذان دینا منع ہے ۴ مبلغِ اسلام کی تبلیغِ احکام کی آواز۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن۔

اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ

تو کیا عبرت نہ دی ان لوگوں کو ان بہت سی بستیوں نے جن کو تباہ برباد کر دیا ہم نے ان سے پہلے

تو کیا انہیں اس سے راہ نہ ملی کہ ہم نے اس سے پہلے کتنی

الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ

زمانوں میں اُن بستیوں میں سے گزرتے ہیں یہ اُن لوگوں کے علاقوں میں بے شک

سنگتیں ہلاک کر دیں کہ یہ اُن کے بسنے کی جگہ چلتے پھرتے ہیں بے شک

فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿۱۲۸﴾ وَلَوْلَا

اُس میں نشانیاں ہیں اچھی عقل والوں کے لیے۔ اور اگر نہ

اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کو۔ اور اگر تمہارے رب کی

كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا

فیصلہ پہلے ہو چکا ہوتا تمہارے رب کی طرف سے تو البتہ یقیناً ہو جاتا عذاب ابھی واجب

ایک بات نہ گزر چکی ہوتی تو ضرور عذاب انہیں لپٹ جاتا

وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿۱۲۹﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا

اور (نہ ہو چکی ہوتی) مدت مقرر تو صبر کیجئے اُس پر جو

اور اگر نہ ہوتا ایک وعدہ ٹھہرایا ہوا۔ تو اُن کی باتوں پر صبر کرو

يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ

وہ کہتے پھرتے ہیں اور تسبیح پڑھتے رہئے اپنے رب کے حمد کی

اور اپنے رب کو سراہتے ہوئے اس کی پاکی بولو سورج

طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ

طلوع سورج سے پہلے (فجر) اور اس کے غروب سے پہلے (ظہر و عصر) اور

چمکنے سے پہلے اور اس کے ڈوبنے سے پہلے اور رات کی

اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ

رات کی گھڑیوں میں سے (عشاء و تہجد) اور دن کے کناروں پر آنے کے وقت (نماز مغرب)

گھڑیوں میں اس کی پاکی بولو اور دن کے کناروں پر

لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾

تاکہ تم خوش و خرم رہو

اس امید پر کہ تم راضی ہو

تعلقات

ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں حد سے بڑھنے والوں کے برے انجام کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں عذاب سے بچنے کا طریقہ بتایا جا رہا ہے کہ پچھلوں کے برے انجام سے عبرت پکڑو۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں گزشتہ کافر امتوں پر دنیوی عذاب والی تنگ زندگی کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں موجودہ کفار پر جلدی عذاب نہ آنے کی وجہ بیان ہو رہی ہے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں کفار کی ان باتوں کا ذکر ہوا جو قیامت میں عذاب سے اندھے ہونے کے بعد انتہائی عاجزی سے اللہ تعالیٰ سے کریں گے اور جواب پائیں گے۔ اب ان آیت میں کفار

کی دنیوی مغروری کی باتوں اور ان پر صبر کرنے کی تلقین فرمانے کا ذکر ہو رہا ہے۔

تفسیر نحوی اَفَلَمْ یَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ یَمْشُوْنَ فِیْ مَسٰكِنِهِمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰى وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى۔ اَ ہمزہ سوالیہ انکاری کے لیے فَ زائد لَمْ یَهْدِ باب ضَرَبَ کا فعل مضارع نفی جحد بَلَمْ بمعنیٰ ماضی مطلق واحد مذکر غائب هُدًى سے مشتق ہے بمعنیٰ راہ ملنا۔ سمجھ آنا۔ عبرت لینا عبرت ملنا یا دینا یہاں ہر معنیٰ درست ہے۔ یَهْدِیْ تھا لَمْ جازمہ کی وجہ سے آخر کی یٰ گر گئی ایک قرأت میں اَفَلَمْ نَهْدِ ہے جمع متکلم سے مرجع اللہ تعالیٰ لام جارہ تعدیہ نفع کا هُمْ ضمیر جمع کا مرجع مَنْ موصولہ جو جنس جمع ہے، اسی باطنی جمعیت کی وجہ سے هُمْ جمع ہے۔ یہ جار مجرور متعلق ہے لَمْ یَهْدِ کا كَمْ اسم مبنی غیر متمکن خبریہ ہے اسماءِ کنایات میں سے یہ کنایہ عددی ہے بمعنیٰ بہت ساری یہ ہمیشہ مضاف ہوتا ہے یہاں بھی مضاف ہے مگر اس کا مضاف الیہ قرون یا قرن ہے جو مَا بعد مِنَ الْقُرُوْنِ کے قرینے سے برائے تخفیف حذف کر دیا گیا چونکہ خبر اکثر ذاتی ہوتی ہے اس کے بعد فعل متکلم واحد یا جمع ہوتا ہے اور ماضی یا بمعنیٰ ماضی ہوتا ہے خیال رہے کہ کنایات کا معنیٰ پوشیدہ لفظ وہاں استعمال کیا جاتا ہے جہاں کوئی مبہم بات پوچھنے یا یاد دلانے کا مقصد ہو یہاں یاد دلایا جا رہا ہے دراصل تھا كَمْ قُرُوْنٍ۔ محذوف اضافت یا کوئی بھی محذوفہ چیز ترکیب میں شامل نہیں ہو سکتی۔ اس لیے ترکیب نحوی میں صرف كَمْ ممیز ہے۔ یہی فرق ہے پوشیدہ اور محذوفہ الفاظ میں۔ اَهْلَكْنَا باب افعال کا فعل ماضی مطلق جمع متکلم معروف اثبات اس کا فاعل ضمیر صیغہ نَحْنُ مستتر ہے قَبْلَهُمْ مرکب اضافی ظرف زمانی ہے مِنْ حرف جر تبعیضیہ اَلْقُرُوْن اسم جمع مذکر سالم معرّف باللام کی وجہ سے جمع کثرت ہے اس کا واحد ہے قرن بمعنیٰ بستی (رہائشی علاقہ) موصوف ہے یَمْشُوْنَ باب ضرب کا فعل مضارع مثبت معروف جمع مذکر غائب مَشْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ چلنا۔ پھرنا۔ گزرنا۔ سفر کرنا۔ یہاں مراد سفر کرنا ایک قرأت میں تَمْشُوْنَ جمع حاضر ہے اہل مکہ کو خطاب ہے یہاں مراد سفر کرتا فِیْ حرف جر ظرفیہ مکانیہ کے لیے مَسَاكِنْ اسم جمع مکسّر ہے مَسْكَنْ کی اسم ظرف ہے یہاں جامد ہے بمعنیٰ گھر سکونت کی جگہ مضاف الیہ مرجع قُرُوْن ہے مراد ہے بستی والے یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے یَمْشُوْنَ کا اس کا فاعل هُمْ پوشیدہ کا مرجع لَهُمْ والا مَنْ ہے یَمْشُوْنَ اپنے فاعل و متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ استفہامیہ ہو گیا۔ اِنَّ حرف تحقیق فِیْ ذٰلِكَ جار مجرور متعلق ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ اسم مفعول کا۔ اسم مفعول اپنے نائب فاعل مستتر ضمیر صیغہ هُوَ اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر اِنَّ کی خبر مقدم۔ لام گئے تاکیدیہ

آیٰتٍ اسم جمع مؤنث سالم بحالتِ نصب اس لیے جر آیا منصوب ہے اسمِ اِنَّ ہونے کی وجہ سے ہے۔ موصوف ہے اگلی عبارت کا۔ لام جارہ اُولِیْ اسم جمع جامد بمعنی جامد اس لیے کہ اس کا واحد تثنیہ نہیں ہوتا بحالتِ نصب وجر اُولِیْ ہوتا ہے اور بحالتِ رفع (پیش) اُولُو ہوتا ہے یہاں مجرور ہے ہمیشہ مضاف اسم ظاہر کی طرف ہوتا ہے اس کا مضاف الیہ ضمیر نہیں ہو سکتی جیسے کہ ذُوْ اسی تشبیہ کی بنا پر بعض لوگوں نے ذو کو اس کا واحد بتایا ہے مگر وہ غلط ہے اعراب میں بھی یہ ذُوْ کا مشابہ ہے مضاف ہے اَلنُّھٰی اسم جمع مکسر اسم مقصور اس کا واحد نُھْیَۃٌ نَھْیٌ سے مشتق اسم مبالغہ ہے بمعنی بہت منع کرنے والا بروزن فُعْلَۃٌ ظُلْمَۃٌ اب اسم جامد ہو کر بمعنی پاکیزہ عقل سلیم ہے۔ اسم مقصور کے تینوں اعراب تقدیری ہوتے ہیں یہاں بحالتِ جر ہے مضاف الیہ ہے اُولِیْ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے مُفِیْدٌ پوشیدہ اسم فاعل کا مفیدٌ پوشیدہ۔ اپنے پوشیدہ ضمیر صیغہ فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہوئی آیٰت کی یہ مرکب توصیفی اسمِ اِنَّ مؤخر سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا واؤ سر جملہ لَوْ حرفِ شرط۔ لَا حرفِ نفی مشبہ بلیس کَلِمَۃٌ اسم مفرد جامد آخر کی ۃ وحدت کی ہے بمعنی بات مراد ہے تقدیری نبصلہ سَبَقَتْ بابِ ضَرَبَ کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف واحد مؤنث غائب ھِیَ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل ہے مِنْ رَّبِّکَ مرکب اضافی جار مجرور متعلق ہے سَبَقَتْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر خبر ہوئی لَا مشبہ کی کَلِمَۃٌ معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَجَلٌ اسم مفرد جامد بمعنی مدت اس کی جمع مکسر ہے اٰجَالٌ مُسَمًّی اسم مفعول باب تفعیل سے واحد مذکر تَسْمُوْ یا تَسْمِیٌ سے مشتق ہے دراصل مُسَمَّیٌ تھا ماقبل مفتوح کی وجہ سے یٰ کو الف سے بدلا پھر پڑھنے میں آسانی کے لیے الف کو گرا دیا گیا اور یٰ کی تنوین منصوب علامت الف بن کر لوٹ آئی مُسَمًّی ہو گیا اس کا مصدر ہے تَسْمِیَۃٌ اور تَسْمِیْۃٌ بمعنی مقرر کرنا۔ نام رکھنا۔ یہاں پہلے معنی میں ہے۔ بحالتِ رفع ہے کیونکہ صفت ہے اَجَلٌ کی یہ مرکب توصیفی معطوف ہے کَلِمَۃٌ پر دونوں عطف مل کر لَا مشبہ کا اسم ہوا لَا اپنے اسم وخبر سے مل کر جملہ شبیہ ہو کر یا جملہ اسمیہ ہو کر شرط ہوئی لَکَانَ۔ لام کے تاکید یہ جزائیہ یہاں فَ جزائیہ نہیں آسکتی کیونکہ جزا ماضی مطلق ہے بغیر قَدْ۔ کَانَ فعل ناقصہ ھُوَ ضمیر صیغہ اس کا اسم ہے مرجع ہے وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَۃِ۔ لِزَامًا۔ اسم مصدر بابِ مُفَاعَلَۃٌ کا دوسرا مصدر بروزن فِعَالٌ یہاں یا بمعنی لَازِمٌ اسم فاعل یعنی ابھی لازم اور واجب ہو جانے والا یا بمعنی مَلْزَمٌ اسم ظرف واجب ہونے کا وقت یا جگہ یعنی اسی وقت یا اسی جہان میں لازم ہونے والا۔ ایک قول میں لِزَام مصدر نہیں بلکہ لَازِمٌ اسم فاعل کی جمع ہے جیسے قائم کی جمع قِوَام ہوتی ہے۔ ایک قول میں اسم آلہ ہے مبالغے کے لیے اگر مصدر ہے تو بروزن خِصَام ہے اگر اسم آلہ ہے تو بروزن حِزَام و رِکَاب بحالتِ نصب ہے کیونکہ خبر ہے کَانَ ناقصہ کی کَانَ

دونوں سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر جزا یہ شرط سے جملہ شرطیہ انشائیہ ہو گیا فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ ۔ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا وَمِنْ اٰنَآءِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ۔ فَ حرف زائدہ اِصْبِرْ باب ضرب کا فعل امر حاضر معروف واحد مذکر صَبْرٌ سے مشتق ہے لغوی ترجمہ ہے برداشت کرنا اصطلاح میں اپنی طبیعت کو جبراً کسی کام سے روکنا یہاں لغوی ترجمہ مراد ہے عَلٰى جارہ موقیت کا (اپنے معنٰی میں) مَا اسم موصول بحالتِ کسرہ مبنیات میں سے ہے يَقُوْلُوْنَ فعل مضارع با فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ مرجع ہے يُمْشُوْنَ کا فاعل اصل مگر یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا دونوں مل کر مجرور متعلق ہے اِصْبِرْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا بعض نحویوں کے نزدیک فَ تعلیلیہ یا سببیہ اور یہ جملہ اگلی تمام عبارت (تَرْضٰى تک) کے عطف سے مل کر مسبّب یا معلول ہے اَجَلٌ مُّسَمًّى کا وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ واؤ سیر جملہ، سَبِّحْ بابِ تفعیل کا امر حاضر معروف واحد مذکر اس کا مصدر ہے تَسْبِيْحٌ اَلسَّبْحُ سے بنا ہے لغوی ترجمہ ہے اتنا تیز چلنا کہ سوائے چلنے اور راستہ بنانے کے کچھ اور نہ سوجھے نہ کسی طرف دھیان جائے اسی معنٰی میں تیرنے کے لیے بھی بوجہ تیزی یہ لفظ استعمال کیا گیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد اور شانِ الٰہی ورد کرنے کے لیے بھی یہ لفظ باب تفعیل میں لا کر استعمال کیا گیا کیونکہ اصل تسبیحِ الٰہی یہی ہے کہ ایسا انہماک و مشغولیت ہو کہ کسی دوسری طرف دھیان نہ جائے۔ بِ جارہ تعدیہ کی حَمْدِ اسم مصدر حاصل مصدر جامد بمعنٰی ذات و صفات کی شان کا تذکرہ یا وِرد کرنا رَبِّكَ مرکب اضافی ہے حَمْدِ رَبِّكَ ڈبل مرکب ہے مجرور ہو کر متعلق ہے قَبْلَ اسم ظرف ہے ہمیشہ مضاف کبھی ظاہر کا کبھی پوشیدہ کا اگر ظاہر مضاف الیہ ہو تو یہ معرب ہوتا ہے اگر مضاف الیہ پوشیدہ ہو تو مبنی ہوتا ہے ضمہ پر کبھی ظرفِ زمانی ہوتا ہے کبھی مکانی کبھی رُتبی یہاں زمانی تقدم ہے طُلُوْعِ اسم مصدر ثلاثی مزید فیہ بر وزنِ فُعُوْلٌ قُعُوْدٌ، خُرُوْجٌ، جُهُوْلٌ وغیرہ یہ مصدر مضاف ہے اَلشَّمْسِ اسم مفرد مؤنث لفظی فاعلِ مضاف ہے الیہ مصدر مضاف اپنے فاعلِ مضاف الیہ سے مل کر شبہ جملہ ہو کر مضاف الیہ قَبْلَ کا یہ مرکب اضافی معطوف علیہ واؤ عاطفہ قَبْلَ غُرُوْبِهَا اسی ترکیبِ نحوی سے معطوف ہوا دونوں مل کر ظرف ہوا سَبِّحْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔ واؤ سیر جملہ مِنْ جارہ تبعیضیہ اٰنَآءِ اسم جمع مکسر منصرف اس کے واحد میں چھ قول ہیں ۱ اِنْيٌ ۲ اِنْوٌ ۳ اِنًا ۴ اَنًا ۵ اِنَاءٌ ۶ اَنٰى بمعنٰی وقت کا کچھ حصہ مضاف ہے اس کی اصل اَنَاءٌ ہے اَلَّيْلِ اسم مفرد جنس اس کی جمع لَيَالِيْ، اَلْيَال اس کی تصغیر ہے لُيَيْلَةٌ اسی لیے یہ لفظ مؤنث لفظی ہے یہ مضاف الیہ ہے اٰنَآءِ کا محلاً (پوشیدہ طور پر) یہ منصوب ہے کیونکہ ظرف مگر لفظاً (ظاہراً) مجرور ہے مِنْ حرف جر کی وجہ سے یہ جار مجرور محلاً معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ اَطْرَافَ اسم جمع مکسر منصرف

اس کا واحد ہے طرف بمعنی کنارہ اَلنَّھَارِ طرف کا لغوی معنی ہے انتہا اصطلاح ً ابتدا اور انتہا کو طرف کہتے ہیں اسم مفرد جنسی یعنی جمع کے لیے بھی آتا ہے بعض نے کہا کہ اس کی جمع اَنْھُرٌ ہے۔ لغتاً بمعنی روشن وقت مراد ہے نہار شرعی یعنی طلوع سے غروب شمس تک اطراف النھار غروب آفتاب کا وقت ہے یعنی مغرب (شام) مضاف، الیہ ہے یہ مرکب اضافی مِنْ اٰنَاءِ کے محل پر معطوف ہے اس لیے اطراف منصوب ہے ایک قرأت میں وَاَطْرَافَ النَّھَارِ ہے وہ لفظاً عطف مانتے ہیں دونوں عطف مل کر فَسَبِّحْ امر کا ظرف ہے۔ سَبِّحْ فعل امر اپنے پوشیدہ اَنْتَ ضمیر صیغہ فاعل اور ظرف سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ لَعَلَّکَ تَرْضٰی۔ لَعَلَّ حرف مشبہ بالفعل تعلیلیہ لام کَے کے معنی میں بمعنی تاکہ کَ ضمیر مذکر حاضر منصوب متصل اسم ہے لَعَلَّ کا تَرْضٰی باب سَمِعَ کا فعل مضارع مثبت معروف واحد مذکر حاضر ایک قرأت میں تُرْضٰی مجہول ہے اَنْتَ ضمیر صیغہ اس میں پوشیدہ اس کا فاعل ہے یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ انشائیہ حکم خبر لَعَلَّ۔ لَعَلَّ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معلول ہوا سَبِّحْ کا خیال رہے کہ لَعَلَّ اَصْلاً امید کے لیے ہوتا ہے۔ مگر کبھی تعلیل کبھی استفہام اور کبھی اندیشے کے معنے میں بھی آتا ہے مگر عمل میں سب جگہ ایک طرح ہے۔ ان آیت میں جتنے بھی واحد مذکر حاضر کے صیغے اور ضمیر۔ ہیں ان سب کا مرجع آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک ہے۔ مگر مراد تمام امت ہے اور نمازوں کا یہ قانون تا قیامت مقرر فرما دیا گیا۔

تفسیر عالمانہ

اَفَلَمْ یَھْدِ لَھُمْ کَمْ اَھْلَکْنَا قَبْلَھُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ یَمْشُوْنَ فِیْ مَسٰکِنِھِمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّھٰی وَلَوْلَا کَلِمَۃٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّکَ لَکَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّی۔ اے حبیب کریم کیا اب بھی ان کفارِ مکہ کو ہدایتِ عقلی فہمی نہ ملے گی۔ واقعۂ آدم و حوا سن لیا۔ انسانی۔ بشری کمزوریوں کو سمجھ لیا۔ ابلیس کی ابدی دشمنی کو جان لیا سابقہ امتوں کا ابلیسی راستوں پر چلنے کفر و شرک کرنے والے انجام ان کی اُجڑی بستیوں کا مشاہدہ شام و فلسطین کے آتے جاتے سفروں میں اپنی آنکھوں سے کر لیا کہ ان جیسے کتنے ہی گستاخ موذی صدیوں کو ہم نے چند لمحوں میں ہلاک کر ڈالا نہ کوئی بچ سکا نہ کوئی ان کو بچا سکے یہ موجودہ کفار ان ہلاک شدگان سابقہ کفار کی ویران بستیوں خراب مسکنوں ٹوٹے گھروں میں چلتے گزرتے ہوئے دیکھتے تاریخیں پڑھتے ہی ہیں سب واقعات کو جانتے ہوئے بھی عبرت کی ہدایت نہیں لیتے بے شک ان واقعات و حالات اور جغرافیائی مقامات میں تو تمام عقلِ سلیم طبعِ حلیم اور فہم کثیر والوں کے لیے بہت سی دنیوی اُخروی ایمانی عرفانی نشانیاں ہیں جو ہدایتِ حق میں واضح اور دلالتِ حق پر ظاہر ہیں۔ اور اے حبیبِ کریم اگر آپ کے رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ ہونے کا کلمہ اور وَمَا کَانَ

اللہ لیعذبھم وانت فیھم کا فیصلہ ازلیہ آپ کے پروردگار کی طرف سے پہلے نہ ہو چکا ہوتا تو ہی پہلی بدبخت قوموں والا عذاب اور وہی اَجَلِ مُسمّیٰ اِن پر بھی ابھی دنیا ہیں لازم و نازل وارد و صادر ہو جاتا اور حسبِ سابق آئندہ نسلوں کے لیے یہ بھی عبرت و حسرت کا سامان بن جانے کہ جس طرح یہ کفارِ مکہ اپنے سفروں ہیں آتے جاتے قومِ ثمود اور عاد۔ وقومِ لوط کی اُجڑی ویران بستیاں دیکھتے ہیں اور طوفانِ نوح وغرق فرعون کا واقعہ پڑھتے سنتے ہیں اسی طرح اگلے آئندہ لوگ ان کا بھی حال بربادی حالِ بلاکی دیکھنے تو یہ توبہ کرتے سورۂ انفال کی اِس آیت ۳۳ نے اِن کو یہ مہلت دلائی ہے محققین فرماتے ہیں کہ کفارِ مکہ کو یہ ڈھیل دینے کی تین حکمتیں ہیں ایک یہ کہ ان کو سوچنے سمجھنے توبہ کرنے کا وقت دینا ہے تاکہ وہ ایمان سے آئیں یہ انعام واکرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمتِ عالمین ہونے کی وجہ سے دوم حکمت یہ کہ اِن کی آئندہ نسلیں مومن ہوں گی یہ مہلت اور زندگی نسلیں پیدا کرنے کے لیے تھی سوم یہ کہ فرق رہے اُمتِ محبوب اور دیگر امتوں ہیں اور بھی بہت حکمتیں ہو سکتی ہیں۔ اور یہ فیصلہ ارواحِ انبیا ملائکہ مقربین علیہم السّلام کو عالمِ ازل ہیں بتا دیا گیا کتب وصحائف اور لوحِ محفوظ ہیں لکھ دیا گیا ہے تاکہ کسی مقرب بارگاہ سے مخفی نہ رہے۔

مفسرین کے مختلف اقوال

اَفَلَمۡ یَهۡدِ لَهُمۡ کے معنی ہیں تین قول ۱ اُجڑی بستیوں کو دیکھ کر ہدایت لینا ۲ ہدایت سے مراد ظاہری بیان اور عبرتِ ظاہری ۳ ہدایت دیا جانا ہدایت نصیب ہونا۔ یعنی کیا اللہ تعالیٰ یا رسولُ اللہ یا قرآن سے بھی اِن بدقسمتوں کو ہدایت نہیں ملتی۔ قرون ہیں مفسرین فرماتے ہیں کہ اگرچہ سات قوموں پر عذاب آئے ۱ قومِ نوح ۲ قومِ لوط ۳ قومِ عاد ۴ قومِ ثمود ۵ قومِ شعیب ۶ قومِ فرعون ۷ اصحابِ فیل۔ مگر یہاں مراد قومِ لوط و عاد و ثمود ہے۔ اس لیے کہ بستیوں کے اندر مع بستیوں کے صرف اِن تین قوموں پر عذاب آیا اور صرف اِن کی لٹی بستیوں کے نشانات کھنڈرات باقی رکھے گئے اس لیے کہ انہوں نے اپنی بستیوں پر ناز کیا تھا کہ ہم کو یہ مضبوط مکان عذابِ الٰہی سے بچالیں گے۔ پہلی قوم نوح اور پھر قومِ فرعون پر پانی سے عذاب آیا۔ قوم نوح کے پاس پانی چل کر آیا اور بہا کر لے گیا۔ اور قومِ فرعون خود چل کر پانی کے پاس آئی۔ قوم شعیب پر گرمی کا عذاب آیا وہ تہہ خانوں میں گھس گئے وہاں بھی گرمی لگی تو جنگل کی طرف بھاگے وہاں کالی بدلی آئی سب خوش ہو کر ایک درخت کے نیچے جمع ہو گئے کہ شاید ٹھنڈی بارش ہو گی مگر اس میں سے آگ برسی بجلی کڑکی اور سب جل بھن کر

ہلاک ہو گئے۔ وہاں فی دارِ ھم جثمین فرماتے سے مراد ان کی جائے پناہ جنگل کا درخت ہے اصحابِ فیل پر بھی ابابیل کا عذاب اُن کے علاقوں سے بہت دور جنگل میں آیا جو وادی محسّر عرفات و مزدلفہ کے درمیان ہے اُن کی اپنی بستی سے دور۔ یَمْشُوْنَ سے مراد ہے شام و فلسطین کی طرف سفر کرتے ہوئے اُن بستیوں کے اندر سے گزرنا اور اُن کے ٹوٹے پھوٹے اُجڑے ویران گلی محلّوں گھروں سڑکوں کمروں میں بکھرے سامانوں کو دیکھنا اُولِی النُّھٰی میں دو قول ہیں ۱؎ اس سے مراد کامل مکمل صحیح اچھی سچی مفید کار آمد عقلِ سلیم لفظ عقل ہر ایک کی ہر قسم کی عقل پر مستعمل ہے۔ مفید، غیر مفید، ناکارہ، کار آمد بچے جوان بوڑھے جانور حیوان کی اچھی بُری عقل پر۔ گویا کہ ہر نُہیٰ عقل ہے مگر ہر عقل نُہیٰ نہیں اِن دونوں میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے ۲؎ نُہیٰ سے مراد تقویٰ طہارت پاکیزگی ظاہری باطنی۔ وَرَع۔ اور اُولُوالعزم ہونا۔ کَلِمَۃٌ سَبَقَتْ سے مراد ازلی قدیمی تقدیرِ مبرم کا فیصلہ جس کا ذکر کتبِ سابقہ توریت و انجیل میں ہے کہ آخری اُمّتِ دعوت کو اُن کے نبی رحمۃ عالمین کی تا قیامت ان میں موجودگی کی وجہ سے دنیا میں عذابِ آسمانی سے ہلاک نہ کیا جائے گا یہ اکرام ہے مصطفیٰ پر خدا کا۔ اور رحمت ہے یہ اُمّتِ آخری پر۔ اسی کی یہاں قرآن مجید میں بھی صراحت فرمائی جا رہی ہے (تفسیر کبیر معانی بیان مظہری) اَجَلٌ مُّسَمًّی میں چار قول ہیں ۱؎ یہ عطف ہے لَکَانَ کے اسم پوشیدہ پر۔ یہی ہم نے تفسیر عالمانہ میں اختیار کیا ہے۔ یعنی البتہ ہو جاتا وہ عذاب اور مُسمّی مدت ابھی ابھی لازم و نافذ ۲؎ یہ عطف ہے کَلِمَۃٌ پر اور مراد ہے قیامت کا دن ۳؎ مراد ہے یوم بدر قتلِ کفار کا دن ۴؎ مراد ہے موت کا وقت کیونکہ صرف موت تک کفار کو آرام ہے مرتے ہی عذاب شروع اور اَجَلٌ مُّسَمًّی اُن کی دنیوی زندگی کی پوری مدت ہے۔ فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِھَا وَ مِنْ اٰنَآئِ الَّیْلِ فَسَبِّحْ وَ اَطْرَافَ النَّھَارِ لَعَلَّکَ تَرْضٰی۔ اے محبوبِ عالمین ابھی کچھ مدت اور صبر کیجئے۔ کسی عتاب عقاب جلال و سزا کی جلدی نہ فرمایئے یہ ہم جانتے ہیں کہ موجودہ کفارِ مکہ اپنی گستاخیوں ایذاؤں ضد غرور ہٹ دھرمیوں میں پچھلی تمام کافر اُمتوں سے بڑھ کر بد فطرت اور بدترین ہیں ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ آپ کو اپنے غریب بے کس بے بس مجبور۔ اور کفر کے ہاتھوں مظلوم صحابہ کی تکلیفیں اور برداشت سے باہر ایذائیں غمگین کئے ہوئے ہیں حالانکہ آپ اپنی قوتِ نبوت سے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ لیکن ابھی ان کی باتوں گستاخیوں بد تمیزیوں پر تحمل و صبر کیجئے اور صبر کا بہترین تسکین آمیز سکون بخش طریقہ یہ ہے کہ سَبِّحْ: ہمہ تن مشغول ہو کر اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھئے کبھی سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ کبھی رکوع کرتے ہوئے سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ کبھی سجدے میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کبھی قومہ میں سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ

کبھی تشہد میں اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ کے پیارے الفاظ۔ کبھی جلسہ میں اللہ اکبر کی دلکش تکرار بِحَمْدِ رَبِّکَ اے نورانی اداؤں والے محبوب تسبیح خوانی ایسی ہو کہ اپنے ربِّ جمیل کی حمد بھی ساتھ ساتھ ہوتی رہے قیام میں سورۂ فاتحہ سے قومہ میں سَمِعَ اللّٰہُ سے علما فرماتے ہیں کہ ہر عبادت میں تسبیح پہلے ہونی چاہیئے اور حمد بعد میں اس لیے کہ تسبیح پاکیزگی بیان کرنی ہے جو عیوبِ نقائص کی ذاتِ جلّ و تعالیٰ سے نفی کرنا ہے یہ پہلے ہونا چاہیئے کہ تمام کفریات کا ردِّ بلیغ ہے اور حمدِ الٰہی شان وصفات وقوت وکمال قدرت وجلال رحمت وجمال کا ثبوت و ایجاب بیان کرنا ہے۔ تسبیح ردِّ کفر ہے تحمید اقرارِ ایمان ہے۔ تسبیح وتحمید کا مکمل اور بہترین نقشہ اسلامی نماز ہے جس طرح درود شریف وہ مکمل جس میں صلوٰۃ بھی ہو سلام بھی ہو۔ اس لیے فقہاءِ اربعہ کے نزدیک درودِ ابراہیمی نماز کے علاوہ ممنوع ہے بعض فقہا نے صلوٰۃِ تُنْجِیْنَا میں وسلم پڑھنے کا حکم دیا جس کسی نے صلوٰۃِ تُنْجِیْنَا بغیر سلام کے بنایا وہ اَجْھَلْ تھا۔ اسی طرح ذکرِ الٰہی وہ مکمل جس میں تسبیح اور حمد دونوں ہوں یہی صوفیا کا ذکرِ نفی و اثبات ہے۔ اے محبوبِ کائنات یادِ الٰہی کا طریقہ یہ تسبیح و تحمید ہے جس کا دوسرا نام اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ ہے مگر اس کے اوقات روزانہ دن رات کے پانچ حصے ہیں۔ پہلا یہ کہ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ طلوعِ آفتاب سے پہلے یعنی نمازِ فجر دوسرا یہ کہ وَقَبْلَ غُرُوْبِھَا۔ سورج ڈوبنے سے پہلے یعنی نمازِ عصر ایک قول میں ظہر وعصر دونوں، کیونکہ دونوں ڈھلتے سورج میں غروب سے پہلے پہلے ہیں۔ تیسرا وقت وَمِنْ اٰنَاءِ الَّیْلِ۔ رات کے حصوں میں جو تین ہیں ا۔ سورج ڈوبتے ہی مغرب کی نماز، شفق ڈوبتے ہی نمازِ عشاء نمازِ عشاء کے پڑھتے ہی نمازِ وتر پھر سو کر جاگنے کے بعد نمازِ تہجد۔ جو آپ کے لیے فرض ہے اور آپ کی اُمت کے لیے تاقیامت نہایت شان و اہتمام والے نفل ہیں۔ فَسَبِّحْ اٰنَ رات کے اَوقات میں بہت ہی ذوق وشوق سے اپنے رب کی تسبیح پڑھیئے۔ اس لیے کہ یہ رات کے اوقات اللہ تعالیٰ کے لیے محبوب ہیں انبیا کے لیے موصول ہیں اولیا کے لیے مسرور ہیں۔ دنیا داروں کے لیے مجوب ہیں۔ خیال رہے کہ ان پانچ وقتوں میں پانچ نمازیں مقرر کرنے کی دو حکمتیں ہیں۔ ایک یہ کہ پہلا وقت غفلت کا ہے اس میں ابلیس کا وسوسہ اور نفسِ اَمّارہ کا تسلّط ہوتا ہے۔ اسی وقت میں غافلوں کو غفلت سلاتی ہے۔ عاشقوں کو عشقِ الٰہی جگاتا ہے اور عاقلوں کو ان کا قلب ابلیس ونفس سے لڑاتا ہے دوسرا وقت صنعت ومحنت مزدوری کا ہے۔ تیسرا مشغولیت کا چوتھا تھکاوٹ اور کھانے پینے آرام کا۔ پانچواں وقت نوم واستراحت کا انہی وقتوں میں سچے۔ جھوٹے۔ نیک وبد۔ غافل وعاقل کافر ومومن بندے کا امتحان ہوتا ہے۔ یعنی وقتِ فجر غفلت کا وقتِ ظہر کاروبار کا وقتِ عصر کاروبار سمیٹنے کی مشغولیت کا وقتِ مغرب تھکاوٹ کا وقتِ عشا استراحت کا۔ دوسری حکمت یہ کہ پانچ قوموں پر ان پانچ

وقتوں میں عذاب آیا۔ اس لیے اہلِ ایمان پر جلالِ قہر سے بچنے اور خوفِ الٰہی سے لرزتے کے لیے اِن پانچ وقتوں میں استغفار اور یادِ ربانی کی حمد و تسبیح والی پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ پہلا عذاب قومِ نوح پر ظہر کے وقت دوسرا قومِ لوط پر فجر کے وقت تیسرا عذاب قومِ عاد پر رات میں عشا کے وقت، چوتھا عذاب قومِ ثمود پر مغرب کے وقت پانچواں عذاب قومِ فرعون اور قومِ شعیب۔ اور اصحابِ فیل پر عصر کے وقت اسی وجہ سے اہلِ ایمان مسلمانوں پر اِن وقتوں میں نماز فرض کی گئی تاکہ بندہ بندگی کی عاجزی کرتا رہے اور بطشِ ربانی سے ڈرتا رہے۔ اور اے آقاءِ کائنات محبوبِ کُل لَعَلَّكَ تَرْضٰى۔ تاکہ تم دنیوی عزت و شان سے صحابہ کی فتوحات سے آئندہ نسلوں کی ایمانیات سے اُخروی انعامات سے اُمت کے درجات سے مظلوم صحابہ کے اعزازات سے نیکوں کے ثواب سے گناہگارانِ اُمت کی شفاعت سے خوب خوب راضی ہو جاؤ۔ صبر سیڑھی ہے بلندیِ درجات کی نماز منزل ہے راحت و سُرور کی صبر سے اذیت کا دُکھ اور نماز سے مصیبت کا غم دور ہوتا ہے۔ سکونِ قلبی ملتا ہے۔ ثوابِ حقیقیہ دیدارِ الٰہیہ ہے اور عذابِ حقیقیہ دیدار سے اندھا اور محروم کیا جاتا ہے۔ صبرِ حقیقیہ انتظارِ وعدہ ہے انتظار میں سکون کے لیے نماز ہے اور نماز کے لیے تسبیح و تحمید ہے صبر و نماز ہی ہر فتح مندی کی چابی اور کامرانی کے قدم ہیں کفارِ مکہ پانچ طرح سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاتے تھے ۱۔ غریب صحابہ کو مار پیٹ کر ۲۔ قرآن مجید کی تکذیب کر کے ۳۔ آپ کی نبوت کا انکار کر کے ۴۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر کاہن یا مسحور و مجنون کہہ کر ۵۔ ایمان اسلام و عبادت کو بُرا بھلا کہہ کر۔ اور اللہ تعالیٰ کی گستاخیاں کر کے۔ اصطلاحِ شریعت میں دن کے حصوں کو طَرَف کہا جاتا ہے اس کی جمع اطراف ہے یہ بھی تین ہیں اور رات کے حصوں کو اِنَاءَ کہا جاتا ہے اس کی جمع آنَاءَ ہے یہ بھی تین ہیں۔ اطرافِ یوم ۱۔ صبح ۲۔ دوپہر ۳۔ پچھلا پہر۔ فقہا فرماتے ہیں کہ پہلے پہر یعنی صبح کی تسبیح و تحمید نوافلِ چاشت و اشراق ہیں۔ دوپہر کی تسبیح و تحمید نمازِ ظہر۔ پچھلے پہر نمازِ عصر۔ رات کا پہلا اِنَاءَ مغرب دوسرا عشا تیسرا تہجد۔ غرضکہ دن کے اطراف میں پہلے نفل پھر دو طرفوں میں فرض۔ رات کے آنوں میں پہلے دو میں فرض آخری میں نفل۔

فائدے

اِن آیات سے مسلمانوں کو چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ**: ہر مسلمان کو چاہیے کہ عبادت کر کے بھی اللہ کا شکر کرے اس کا احسان مانے اور مزید عبادت کی ہمت و توفیق مانگتا رہے اسی لیے ہر نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھائی گئی کہ اس میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ کے بعد اللہ تعالیٰ سے مزید توفیق مانگتے رہنے کی دعا ہے کہ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور آئندہ تا عمر عبادت کی ہمت رغبت شوق و ذوق ملنے

کے لیے بھی ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ یہ فائدہ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ میں ب کو استعانت کی ماننے سے حاصل ہوا۔ یعنی تسبیح پڑھئے اپنے رب کی حمد سے مدد مانگتے ہوئے (مظہری) دوسرا فائدہ۔ افضل ذکر وہ ہے جو رات میں کیا جائے کیونکہ رات میں پانچ خصوصیات ہیں ۱۔ رات کو جاگنا نفس پر گراں ہے ۲۔ بدن پر مشقت زیادہ ہے اور مشقت کی عبادت و نفس کی مخالفت پر ثواب زیادہ ہے ۳۔ رات کی عبادت میں راحت روحانی ہے ۴۔ سکونِ قلبی ہے ۵۔ رات ذوقِ خاموشی ہے یہ فائدہ رات کا ذکر کرتے ہوئے آنَاءِ الَّيْلِ پہلے اور فَسَبِّحْ کا حکم بعد میں فرمانے سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ صحیح عقل صرف وہی ہے جو دین ایمان کو پہچانے دنیا سازی دنیا پرستی والی عقل خواہ کتنی ہی تیز طرار ہو صحیح عقل نہیں اس کو عقلِ عیار تو کہا جا سکتا ہے مگر سچی پکی عقلِ سلیم نہیں کہا جا سکتا یہ فائدہ لِّأُولِي النُّهَىٰ فرمانے سے حاصل ہوا۔ فرمایا جا رہا ہے کہ اُولِي النُّهٰى کے لیے عبرت کی نشانیاں ہیں اور نشانیاں سمجھنے والوں کو ہی فقط دین کی ہدایت و معرفت حاصل ہے۔

احکام القرآن

ان آیت کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ** فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ۔ کا یہ جملہ سورۂ توبہ کی آیت سیف سے منسوخ ہے یہ مسئلہ فَاصْبِرْ الخ سے پہلے اَجَلٌ مُّسَمًّى کے میعادی جملے سے مستنبط ہوا۔ یعنی اے حبیب الٰہی آپ حسب سابق صبر جاری رکھئے جب اَجَلِ مُسمّٰی آئیگی یہ فَاصْبِرْ کا حکم ختم کر دیا جائے گا۔ ناسخ منسوخ کا پوری تفصیلی بیان ہمارے فتاوی العطایا جلد دوم میں دیکھئے۔ **دوسرا مسئلہ**۔ تمام فقہاءِ کرام متفقہ اس آیت فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ سے۔ نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب مانتے ہیں۔ کیونکہ فرمایا گیا فَسَبِّحْ۔ اس سے پہلے فَاصْبِرْ ہے۔ اور قرآن مجید میں تقریباً ہر جگہ صبر کے ساتھ نماز ہی کا ذکر ہے تو اس قرآنی طرزِ بیانی سے ثابت ہوا کہ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ فَسَبِّحْ میں سَبِّحْ سے مراد نماز ہی ہے اگلے اوقات بھی نماز ہی کو ثابت کر رہے ہیں اور سَبِّحْ کو بِحَمْدِ سے مقید فرمایا گیا۔ اور مکمل حمد سورۂ فاتحہ میں ہے یہ مسئلہ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ سے مستنبط ہوا۔ کیونکہ فعل امر اور بِحَمْدِ کی ب نے وجوب ثابت کیا۔ **تیسرا مسئلہ**۔ حق اور سچ یہ ہے کہ زمین قطعاً یقیناً مکمل طور پر ساکن ہے ایک جگہ پڑی ہوئی ہے وہ سائنس دان پاگل اور اُن کے کہنے پر چلنے پردہ مسلمان جاہل ہیں جو زمین کو متحرک اور سیارہ کہتے ہیں یہ نظریہ جاہلانہ بیہودہ واحمقانہ ہے یہ مسئلہ یہاں قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا فرمانے اور قرآن مجید کی دیگر تقریباً چوبیس آیت اور بارہ احادیث مبارکہ سے مستنبط بلکہ ثابت اور بعض دلائل سے واضح ہے جن میں چاند سورج کے چلنے طلوع و غروب ہونے ڈھلنے اور چڑھنے اترنے

کا صراحتاً ذکر ہے اور زمین کے بالکل ساکت وجامد نہ چلنے نہ ہلنے کا ذکر ہے اور جو طلوع و غروب چڑھنا ڈھلنا ہے وہی چلنا پھرنا ہے زمین کے طلوع و غروب ہونے کا کسی آیت میں کسی طرح کا کوئی ذکر نہیں نہ اشارۃً نہ دلالۃً نہ عبارۃً نہ اقتضاءً۔ اگر زمین کو سیارہ مانا جائے تو دو خرابیاں لازم آئیں گی ۱۔ اگر زمین کو سیارہ مانا جائے اور چاند و سورج کو ساکن تو قرآن مجید احادیث پاک کے خلاف ہونے کے علاوہ خود سائنسی نظریات کے بھی خلاف ہے کہ تمام سائنسدان آسمانی فلکیات میں سات سیارے مانتے ہیں شمس قمر، زہرہ، عطارد، مشتری، مریخ، زحل۔ اور اگر شمس و قمر کو بھی سیارہ اور زمین کو بھی سیارہ مانا جائے تو دو صورتوں میں سے ایک ماننی پڑے گی یا تو ہر سیارے کی رفتار مخالف سمت ہے۔ اگر ایسا ہے تو اتنی تیزی سے دن رات بدلیں گے کہ دنیا تباہ ہو جائے اور یا مطابق سمت میں رفتار ہے تو پھر نہ کبھی کوئی طلوع ہو نہ غروب نہ رات ہو نہ دن یا ہمیشہ دن رہے گا یا ہمیشہ رات یہ وہ سوالات ہیں جہاں سب سائنس دان اور سائنس زدہ لوگ چُپ لگا جاتے ہیں۔ سکونِ زمین کے پورے دلائل ہمارے فتاویٰ جلد دوم و سوم میں دیکھئے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض۔** اس کی کیا وجہ کہ یہاں فرمایا گیا اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ حرفِ فَ سے اور یہی الفاظ سورۃ سجدہ آیت ۲۶ میں ارشاد ہوئے۔ اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا واؤ کے ساتھ اَفَ اور اَوَ کا یہ فرق کیوں۔ **جواب:** اس کی وجہ یہ کہ یہاں اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا اپنے سابقہ کلام اَشَدُّ وَاَبْقٰى سے متصل ہے کہ اس اَفَلَمْ يَهْدِ کے پورے کلام میں عذاب کی شدت بتائی جا رہی ہے اس طرح کہ پچھلی امتوں پر عذاب اَشَدُّ وَاَبْقٰى ہی آیا تھا۔ اس لیے حرفِ فَ ارشاد فرما کر پچھلے کلام کے اتصال کو واضح کیا گیا۔ لیکن سورۃ سجدہ میں اَوَلَمْ سے علیحدہ منفصل کلام ہے سابقہ سے متصل نہیں ہے لہٰذا وہاں اَوَلَمْ۔ واؤ کے ساتھ ارشاد ہوا۔ کیونکہ واؤ جمعیت کے لیے ہوتی ہے اور جمعیت غیر کو متقاضی اور غیریت سے کلام منفصل ہوتا ہے۔

دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا لَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ الخ۔ وہ کونسا کلمہ ہے جو سبقت لے گیا کہ اتنے سخت گستاخوں خبیثوں کو بھی دنیوی عذاب سے بچا گیا۔ **جواب۔** اس کے جواب میں چار قول ہیں ۱۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد سورۃ اعراف کی آیت ۱۵۶ کی یہ عبارت ہے وَرَحْمَتِىْ وَسِعَتْ كُلَّ شَىْءٍ اور حدیث پاک میں اس کی شرح کے یہ الفاظ کہ سَبَقَتْ رَحْمَتِىْ عَلٰى غَضَبِىْ مگر یہ قول کمزور ہے اس لیے کہ یہ آیت و حدیث تمام امتوں کے لیے ہے مکہ والوں سے خاص نہیں

جب کہ لَوْلَا كَلِمَةٌ خاص ہے صرف مکہ والوں سے ۲۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ہے یہ قول بھی کمزور ہے کیونکہ یہ بھی اولین و آخرین تمام جہانوں کے لیے ہے ۳۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد تقدیر ازلی کا فیصلہ ہے۔ لیکن یہاں پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ فیصلہ کیا ہے ۴۔ جمہور یعنی اکثر علماء نے فرمایا کہ اس سے مراد سورۃ انفال آیت ۳۳ میں ارشاد کردہ فیصلہ ازلیہ تقدیریہ ہے کہ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ اور یہی قول ہر طرح مضبوط صحیح ہے۔ **تیسرا اعتراض**۔ اس کی کیا وجہ کہ دن کی نمازوں میں تسبیح پہلے اور اوقاتِ نماز بعد میں بیان فرمائے گئے۔ لیکن رات کی نمازوں میں اوقات پہلے اور نماز کا ذکر یعنی تسبیح بعد میں ارشاد ہوا۔ یعنی اوّلاً فرمایا گیا۔ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ (الخ) ثانیاً فرمایا گیا۔ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ۔ **جواب**۔ رات کی خصوصی شان اور اہمیت ظاہر فرمانے کے لیے کہ دن کی نماز عقل و شریعت کی ہے اور رات کی نماز عشق و معرفت کی نماز ہے۔ اس لیے کہ رات کی عبادت میں ۶ چھ خصوصیات ہیں ۱۔ دلجمعی ۲۔ نسلی خاموشی ۳۔ اطمینانِ روحانی ۴۔ اطمینانِ ماحولی ۵۔ ابلیس کا منہ توڑنا ۶۔ نفسِ امارہ کو مروڑنا، دن میں ریا کا شائبہ ہو سکتا ہے مگر رات میں اخلاص کا یقین ہے رات کی نماز میں چار فضیلتیں ۱۔ پہلی یہ کہ اَخْلَصُ لِلْخُشُوْعِ ۲۔ دوم یہ کہ اَحْسَنُ لِلْخُضُوْعِ ۳۔ اَفْضَلُ لِلثَّوَابِ ۴۔ اَقْرَبُ لِلْمُحَافَظَتِ ۵۔ پنجم یہ کہ اَكْمَلُ لِلْاَدَاءِ۔ اس وجہ سے ان کے اوقات کا ذکر پہلے ہوا۔ **چوتھا اعتراض** یہاں اَطْرَافَ النَّهَارِ جمع فرمایا گیا۔ حالانکہ طَرَفَيِ النَّهَارِ تثنیہ فرمایا جاتا۔ کیونکہ طرف کا معنی کنارہ اور دن کے دو ہی کنارے ہوتے ہیں ۱۔ صبح ۲۔ شام **جواب** اس کا ایک جواب ہم نے تفسیر عالمانہ میں دیا کہ طرف کا معنی حصہ اور دن کے تین حصے ہوتے ہیں۔ ایک طرفِ اوّل سورج کے چڑھنے کا وقت دوم طرفِ میانی چڑھائی ختم تنزل شروع سوم طرفِ آخر غروبِ آفتاب حقیقی اس گنتی سے اطراف جمع فرمانا بالکل درست ہے دوسرا جواب یہ کہ بعض نحوی لوگ فارسی زبان کی طرح عربی میں بھی کم از کم جمع دو کو کہتے ہیں ان کا یہاں لحاظ کرتے ہوئے اطراف سے مراد دو کنارے ہیں یہ جواب تفسیر کبیر نے دیا مگر یہ متفق علیہ جواب نہیں کیونکہ اکثریتِ علماءِ عرب کی اس کو نہیں مانتے نیز قرآن مجید غیر معتبر قوانین کا کہیں لحاظ نہیں فرماتا۔

تفسیر صوفیانہ

اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى۔ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى۔ تجرباتِ عالم میں تفکراتِ

خلوت کرنے کے بعد بھی اگر کسی کو اُس کی عقل ہدایت نہ دے تو یہ اہلِ معرفت کے نزدیک انتہائی بدنصیبی ہے
مشاہداتِ عالم کے یہ اُتار چڑھاؤ۔ رنگ و بو۔ موت و حیات۔ بہار و خزاں۔ فنا و بقا کے یہ مناظر جو چشمِ
بینا سے ہر اہلِ نظر رات دن سوتے جاگتے چلتے پھرتے دیکھتا ہے ان میں صحیحُ العقل والوں کے لیے بے شمار
کثیر و کثیف نشاناتِ عبرت ہیں اگر بسطؔ کشاد و قبض و کساد کا فیصلۂ ازلیہ مُہلت نہ ہو چکا ہوتا تو لبادۂ
عیاری سجادۂ مکاری منافقات کی نیاری کو ابھی اِن ہی محافلِ رنگینیاں میں پھاڑ دیا جاتا اور عبرت کی
اجلِ مُسمّٰی نافذ کردی جاتی۔ مگر بتانا یہ ہے کہ بندے کی ہدایت۔ عبادت۔ ریاضت خود بندے کو ہی فائدہ
دینے والی ہیں کلماتِ قُدسیہ میں ہے کہ اے بندو جنو انسانو اگر تم رب تعالیٰ کی عبادت میں ساری عمر گزار
دو تو رب تعالیٰ کی ملکیات میں ایک ذرّے کا اضافہ نہیں کرسکتے اور اگر تم سب لوگ عبادت چھوڑ دو
تو رب تعالیٰ کا ذرہ بھر نقصان نہیں ہوتا۔ عقل کی ہدایت کسبی ہے کہ اس کے لیے توجّہ فکر محنت مشقت
اور جلوت کی عبادت خلوت کی ریاضت کرنی پڑتی ہے قلب کی ہدایت وہبی وعطائی ہے کہ رحمتِ الٰہیہ
بخششِ ربانیہ سے خود بخود مل جاتی ہے۔ عقل کی ہدایت سے شریعت کی علمیت حاصل ہوتی ہے اور قلب
کی ہدایت سے طریقت کی معرفت ملتی ہے۔ یہ استادی شاگردی۔ درس و تدریس۔ پیری مریدی بیعت
و اقتداء سب ہدایتِ عقل ہے اس طرح کہ عقل سے ہدایت۔ ہدایت سے عبادت۔ عبادت سے
ریاضت۔ ریاضت سے علم علم سے تقویٰ۔ تقوے سے طہارت۔ طہارت سے امامت۔ امامت سے
ولایت۔ ولایت سے فقاہت۔ فقاہت سے غوثیت۔ غوثیت سے قطبیت۔ قطبیت سے
محبوبیت محبوبیت سے اُولی النُّہیٰ کا مقامِ عروج ملتا ہے۔ کتاب ناصر المحبین میں ہے کہ رب تعالیٰ نے
عقل کے ہزار حصے کئے نو سو ننانوے آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا فرما دئے اور ایک حصے
کے چھوٹے بڑے ذرے تمام کائناتِ انسانیت کو درجہ بدرجہ عطا فرمائے۔ لَوْلَا كَلِمَةٌ اگر اُمّتِ مسلمہ کو
کلمہ طیبہ نہ ملتا تو اُمم سابقہ کی طرح اِن کے نافرمانوں پر بھی اجلِ مُسمّٰی کا عذاب لازم ہو جاتا پچھلی اُمتوں کو کلمہ
طیبہ نہ ملا ان کو صرف کلمہ توحید ملا۔ یعنی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ اُن کو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کی
حمد ملی مگر۔ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ کی نعت نہ ملی۔ لیکن اُمتِ مسلمہ کو
کلمہ طیبہ دیا گیا۔ کلمۂ توحید میں وحدتِ الٰہیہ کا ایک جُز ہے۔ کہ فقط لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مگر کلمۂ طیبہ
میں شفقتِ الٰہیہ کے دو جز ہیں کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کلمۂ توحید مُوحّد ہے مگر
کلمۂ طیبہ مشفوعہ ہے۔ پس عاقل کو چاہیئے کہ واجب و لازم جان کر تا عمر کلمۂ طیبہ سے جڑا رہے۔ کیونکہ
یہ کلمہ طیبہ عذابِ الٰہی کے لیے ڈھال ہے۔ غضبِ الٰہی کے لیے آڑ ہے قبولِ توبہ کے لیے دربار

ہے۔ یہ عُروۃِ وُثقیٰ ہے یہ جنت کی قیمت ہے اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی کا تحفہ ہے۔ اگر اس امت کو بھی لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ کے ساتھ۔ محمد رسولُ اللّٰہ کا وظیفہ اور ربُّ العالمین کے ساتھ رحمۃٌ للعالمین کا عقیدہ نہ ملتا تو لَکَانَ لِزَامًا۔ عذابِ محرومی نازل ہو جاتا۔ اور ایک آن کی گستاخی ایک بات کی بدتمیزی گوارہ نہ کی جاتی۔ لہٰذا اے عقل والو نصیحت لو قرآنِ کریم سے تقویٰ کرو قادرِ قدیم سے۔ ریاضت کرو عبادتِ حکیم کی اور اطاعت کرو رؤف رحیم کی۔ اگر یہ نہ ہو تو اشرفُ المخلوقات مثلِ جمادات ہے اگرچہ موجدِ مصنوعات و ایجادات ہو۔

حکایت تفسیر روح البیان میں بروایت حضرت جعفر طیار لکھا ہے کہ ایک دفعہ میں ایک جنگل میں آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ کہ مجھ کو سخت پیاس لگی میں نے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے پانی عطا فرمائیے۔ آقا نے فرمایا۔ اے جعفر اُس پہاڑی کے پاس جاؤ اُس کو میرا سلام کہنا اور اپنی پیاس بیان کر کے کہنا کہ اگر تیرے پاس پانی ہے تو مجھ کو پلا۔ میں نے جا کر اُسی طرح سلام و کلام پیش کیا تو پہاڑ سے فصیحُ اللسان جواب آیا کہ میرا بھی میرے نبی آقا حضور کو سلام عرض کرنا اور کہنا کہ جب سے میں نے وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ کی آیت سنی ہے خوفِ الٰہی سے ہر وقت کانپتا لرزتا رہتا ہوں کہ کہیں میں اُن پتھروں میں شامل نہ ہو جاؤں جو جہنم کا ایندھن ہیں۔ اِس خوف سے میرا سارا پانی خشک ہو گیا ہے۔ اللہ اکبر یہ ہے جمادات کا خوفِ الٰہی خشیتِ کبریائی۔ تو اگر انسان کو خوف و خشیت کی ہدایت زجرِ قرآنی سے عبرت اور عبادتِ ربانی سے رغبت نہ ہو تو وہ جمادات سے بدتر ہے۔ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا وَمِنْ اٰنَآئِ اللَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى۔ پس عارفِ شب زندہ دار۔ اہلِ نفوس کی زبانی لغویات پر صبر باللہ کرتا رہ کیونکہ اہلِ نفوس فیصلۂ الٰہیہ کے گھیرے میں ہیں قہرِ ذات کے اسیر ہیں و سَبِّحْ اور دور کرے اپنے آپ کو مجالسِ باطلہ و محافلِ شاطرہ سے اور صفاتِ ربوبیت سے قریب ہو جا تاکہ حمدِ حقیقی کا نتیجہ بر ظہورِ بقا ہو جائے آفتاب ذات کے حالِ فنا میں طلوع ہونے سے اور صفاتِ نفس کے حجاباتِ باطنی میں غروب ہونے سے پہلے ظہور کے وقت میں ہی۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ راہِ معرفت کی پہلی عبادت صبر ہے۔ دوسری عبادت فکر ہے تیسری عبادت شکر ہے۔ صبر نفی پر ہوتا ہے۔ فکر وجود پر اور شکر حصول پر۔ صبر قبلَ طلوع ہے۔ فکر قبلَ غروب ہے اور شکر اَطرافَ النَّھار ہے یہی راہِ معرفت ہے اور مقامِ قلب کی لیلِ اسرار کے مخفی وقتوں میں اُس وقت بھی اَحْکَمُ الْحَاکِمِین کی تسبیحاتِ ذات کو قائم فرما اور تزکیۂ روح کا ورد کر جب صفاتِ نفس کا غلبہ ہو۔ صفاتِ قلبیہ محو اور ماند ہونے لگیں۔ یہ اسرارِ خلوت کی تعلیم نفس کے دفاع اور قلب کے شجاعت کے لیے تریاق

کثیر ہیں۔ اور یوم الزار کے ان کناروں پر بھی ذکر و فکر کے نغمے سنا جب صفائی قلب کے تصفیہ کے لیے روحِ سیلانی کا اشراق ہو لَعَلَّكَ تَرْضٰى تاکہ اسے ہادیِ کاملین مرشدِ اکملین رہبرِ واصلین مربیِ ناقصین تجھ کو تجلیِ صفات کے کمال پر مقامِ رضا عطا فرما دیا جائے۔ اصطلاحِ صوفیا میں شریعت طریقت حقیقت معرفت کے تقاضوں پر عقل کو روکنا صبر ہے نہ روکنا بے صبری ہے صبر کی بھی چار قسمیں ہیں بے صبری کی بھی، صبر کی اقسام ۱ صبرِ حبس کہ نفس کے مصائب برداشت کرنا ۲ صبرِ شجاعت نفس و ابلیس سے جنگ کرنا ۳ صبرِ حب عبادت میں ذوق و شوق سے مشقت کرنا ۴ صبرِ کتمان خاموشی و تنہائی اختیار کرنا یہی عارفین کا صوم و اعتکاف ہے بے صبری کی اقسام ۱ جزع، شکوے شکایت ۲ فزع شور مچانا ۳ جبن (بزدلی) ۴ بذل و ضجر (ہمت ہار جانا) تسبیح ربانی مکذبینِ نفسانی کے مقابلے کے لیے مدد طلب کرنا ہے اور نمازِ شرعی عرفانی سے مصائب کی درد ناکی محرومی کی غمناکی کو ختم کرنا ہے، نمازِ مومن غم و آلام کی بیماری کا بہترین علاج ہے نماز با جماعت کی پابندی سے پانچ فائدے اور غفلت و سستی سے پانچ نقصان ۱ پابندیِ نماز سے فراخی و سکون ۲ عذابِ قبر کی معافی ۳ پابندیِ نماز سے یوم محشر نامۂ اعمال سیدھے ہاتھ میں دیا جائے گا ۴ پل صراط پر سے بجلی کی طرح گزر ہو گا ۵ پابندیِ نماز سے جنت میں داخلہ بغیر حساب ہو گا۔ نماز میں غفلت سے پانچ نقصان ۱ رزق میں بے برکتی ۲ چہرے پر نحوست کے آثار حالانکہ چہروں کی رونق صالحین کے نشانات ہیں ۳ غفلتِ نماز سے کوئی اچھا عمل بھی قبول و محمود نہ ہو گا ۴ عوام کے دلوں میں قابلِ نفرت ہو گا دینی وقار ختم ہو جاتا ہے ۵ غفلت سے نماز کو چھوڑنے والا بوقتِ موت پیاسا، نزع جان کنی سخت قبر کی تنگی، اندھیرا شدتِ غضبِ الٰہی کا ظہور نکیرین کے جوابات میں دشواری۔ اَلْعِيَاذُ بِاللّٰهِ تَعَالٰى۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا بِحَلَاوَةِ الصَّلٰوةِ وَتِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ وَبِحُضُوْرِ الْجَمَاعَاتِ عَلَى الدَّوَامِ۔ بلائیں مصیبتیں چار طریقوں سے رد ہوتی ہیں ۱ اخلاصِ قلبی سے دوم صلوٰۃِ بدنی سے سوم دعاءِ لسانی سے چہارم۔ عجزِ نفسانی سے روایت ہے حضرت قتادہ سے کہ دانیال نبی علیہ السلام نے فرمایا اگر قومِ نوح شریعتِ نوح کی نماز ظہر پڑھتی تو سیلاب نہ آتا۔ اگر قومِ عاد شریعتِ صالح کی نمازِ عصر پڑھتی تو ہوا کا طوفان نہ آتا اگر قومِ ثمود صلوٰۃِ صود ادا کرتی تو چنگھاڑ سے نہ مرتی اگر قومِ لوط شریعتِ ابراہیم کی نمازِ فجر ادا کرتی تو پتھروں سے رجم کا عذاب نہ آتا۔ اے اُمتِ مسلمہ تو کتنی خوش قسمت ہے کہ تجھ کو ان شریعتوں کی بھی نمازیں ملیں اور آقا حضور کی صلوٰۃِ معراجی نمازِ عشا اور صلوٰۃِ ملائکہ نمازِ وتر اور صلوٰۃِ لامکانی نمازِ تہجد کے نفل بھی ملے لہٰذا تجھ پر لازم ہے کہ کبھی بھی نماز دعا التجا اور توبہ الی اللہ سے غافل و تارک نہ ہو۔ (تفسیر روح البیان)

کلمہ طیبہ۔ یعنی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ باطن کو منور کرنے والا ہے۔ خیالات کو یکسو کرنے والا۔ لہٰذا اس کو خلوت و جلوت میں وِرد رکھنا مومن کی خصلت بدن کی زینت روح کی لذت ہے یہ رب تعالیٰ کا اُمتِ مصطفیٰ کے لیے خصوصی عطیہ ہے۔ جو لوگ اپنے چلوں وظیفوں ذکر اذکار میں دوسری جز مشفوع مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کو چھوڑ دیتے ہیں وہ گمراہ مردود و نامراد ہوتے ہیں۔ حکایت: بروایت حضرت عبدالرحمن بن زید۔ ایک بار عیسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی مولیٰ تعالیٰ مجھ کو امتِ محبوب کا کچھ حال بیان فرما۔ جواب آیا کہ میرے حبیب کی امت میں کچھ ایسے پیارے لوگ ہوں گے۔ جو انبیاءِ بنی اسرائیل کے مشابہ ہوں گے۔ وہ میری تھوڑی بخشش سے خوش ہو جائیں گے اور میں اُن کے تھوڑے عمل پر راضی ہوؤں گا۔ آج تک لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اتنا ورد جاری نہ ہوا۔ جتنا اُن کی زبان پر جاری ہوگا کسی امت کی گردنیں سجدوں میں اس قدر نہ جھکیں جس قدر اُن کی جھکیں گی اور کسی اُمت نے اپنے نبی سے اتنا عشق و ادب نہ کیا جتنا امتِ مسلمہ کرے گی۔ مومن کی تین خصوصیات ہیں ۱۔ اخلاقِ اعلیٰ ۲۔ ادب و احترام ۳۔ اتباعِ نبوت۔ خلق وہ عظیم ہے جو خُلقِ مصطفیٰ کا نمونہ ہو اور خُلقِ مصطفیٰ مجموعۂ قرآن ہے شکل وہ پیاری جو نقشۂ مصطفیٰ پر ہو۔ امام طریقت شیخ سہروردی فرماتے ہیں کہ اپنے چار اعضا کو چار مشتبہ اشیاء سے بچاؤ پیٹ کو مشتبہ غذا سے نظر کو محرمات سے جسم کو مشتبہ لباس سے اور زبان کو زیادہ بولنے سے فتوے کی اجازت کا انتظار مت کرو تقوٰئے قلبی کے عامل بن جاؤ کہ اس سے خشوع و خضوع پیدا ہوتا ہے خوفِ الٰہی کا جسمِ ظاہری پر اثر خضوع ہے اور قلبِ مومن پر اثر خشوع ہے۔ خضوع سے شوق اور خشوع سے اشتیاق پیدا ہوتا ہے۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ

اور نہ آنکھیں پھاڑ دیکھ اُس کی طرف کہ نفع دیا ہم نے جس کا

اور اے سننے والے اپنی آنکھیں نہ پھیلا اُس کی طرف جو ہم نے کافروں کے

أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا

گھرانوں کو اِن کفار کے دنیوی زندگی کے عیش و آرام کا

جوڑوں کو برتنے کے لیے دی ہے جیتی دنیا کی تازگی۔

لِنَفۡتِنَهُمۡ فِيۡهِ ؕ وَرِزۡقُ رَبِّكَ خَيۡرٌ وَّ

تاکہ مصیبت میں ڈالے رکھیں ہم ان کفار کو اس عیاشی کے ذریعے اور تیرے رب کا رزق سب کے لیے اچھا اور

کہ ہم انہیں اس کے سبب فتنے میں ڈالیں۔ اور تیرے رب کا رزق سب سے اچھا اور

اَبۡقٰى ﴿۱۳۱﴾ وَاۡمُرۡ اَهۡلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصۡطَبِرۡ

ہمیشہ باقی رہنے والا اور حکم کرتا رہ اپنے متعلقین کو نماز کا اور خود بھی قائم دائم رہ

سب سے دیرپا ہے۔ اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دے اور خود اس پر ثابت رہ

عَلَيۡهَا ؕ لَا نَسۡـَٔلُكَ رِزۡقًا ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُكَ ؕ وَ

اس پر نہیں مانگتے ہم تجھ سے کچھ نفع ہم ہی نفع دیتے ہیں تجھ کو اور

کچھ ہم تجھ سے روزی نہیں مانگتے ہم تجھے روزی دیں گے اور

الۡعَاقِبَةُ لِلتَّقۡوٰى ﴿۱۳۲﴾ وَقَالُوۡا لَوۡلَا يَاۡتِيۡنَا بِاٰيَةٍ

اچھا انجام تو فقط اہل تقویٰ کے لیے ہے اور کافر بولے کیوں نہیں وہ لے آتے ہمارے لیے کوئی آیت اپنے رب کے پاس سے

انجام کا بھلا پرہیزگاری کے لیے۔ اور کافر بولے یہ اپنے رب کے پاس سے

مِّنۡ رَّبِّهٖ ؕ اَوَلَمۡ تَاۡتِهِمۡ بَيِّنَةُ مَا فِى الصُّحُفِ

کیا نہیں آئی ان کے لیے اس کلام کی ظاہر روشن دلیل جو پہلے صحیفوں میں

کوئی نشانی کیوں نہیں لاتے۔ اور کیا انہیں اس کا بیان نہ آیا جو اگلے صحیفوں

الۡاُوۡلٰى ﴿۱۳۳﴾

تھی

میں ہے

تعلقات

ان آیات کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں کفار کی باتوں پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا۔ اب ان آیات میں کفار کی دولت امیری اور عیش پرستی سے مسلمانوں کو بے توجہ ہونے کی تلقین فرمائی جا رہی ہے گویا کہ پچھلی آیت میں دلتنگی سے روکا گیا اور اب ان آیات میں لالچ سے منع کیا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں کفار کی بری عادتوں کا ذکر اور مسلمانوں کو ان سے علیحدگی کے صبر کا حکم تھا اب ان آیت میں اہل ایمان کی اچھی عبادتوں کا ذکر اور اُن پر قائم رہنے کے صبر کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں کفار کی باتوں پر صبر کا حکم تھا یہاں ان کی کچھ باتوں کی تفصیل بیان ہوئی کہ کفار اس قسم کی بیہودہ و بیکار باتیں کرتے ہیں۔

شانِ نزول

حضرت ابو رافع سے روایت ہے کہ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ مہمان آئے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو ایک یہودی کے پاس کچھ آٹا اُدھار لینے کے لیے بھیجا کہ اگلے ماہ رجب میں واپس ادا کر دیے گے۔ مگر اس نے جواب دیا کہ کچھ گروی رکھو تو دوں گا۔ ابو رافع فرماتے ہیں کہ میں نے اسی طرح آکر سب کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا۔ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت رنج ہوا کہ دیکھو ان امیر لوگوں کی حرکتیں کہ میں جو زمین و آسمان کا امین ہوں مجھ پر یہ لوگ بھروسہ نہیں کرتے۔ ان بد بختوں کو اتنی دولت ملی ہے کہ مغرور ہو گئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں قیامت تک مسلمانوں کو ایک خاص نصیحت فرمائی گئی (از مظہری لباب النقول امام سیوطی)

تفسیر نحوی

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ واؤ سر جملہ لَا تَمُدَّنَّ۔ بابِ نصر کا فعل نہی با نون ثقیلہ واحد مذکر حاضر مَدٌّ مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے بمعنی کھینچنا پھیلانا لمبا کرنا۔ اسی مناسبت سے الفاظ کے ایک اعراب و حرکت کو مَدِ کبیر و صغیر یا الٰا اسفل سرخ و سیاہ کہتے ہیں یہ باب نصر میں اگر مراد ہوتا ہے بری چیزوں کو دیکھنا اور بابِ افعال میں آکر اچھی چیزوں کو دیکھنا مراد ہوتا ہے۔ اس کا فاعل اَنْتَ پوشیدہ ضمیر صیغہ ہے مرجع ہے عام مسلمان۔ عَيْنَيْكَ اسم تثنیہ دراصل عینین تھا آخر کی نون اضافت کی وجہ سے گر گئی عین اور بصر اسی طرح اُذن اور سمع میں فرق ہے کہ عین عضو بصر اس کی بینائی اور اُذن عضو اور سمع اس کی شنوائی کو کہتے ہیں کَ ضمیر واحد مذکر حاضر مجرور متصل مضاف الیہ مرجع وہی عام مسلمان غیر معین ہے یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے اِلٰی جارہ مَا موصولہ مَتَّعْنَا بابِ تفعیل کا ماضی مطلق مثبت معروف جمع متکلم

بمعنیٰ واحد متکلم ضمیرِ پوشیدہ کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے بِ جارہ تعدیہ کی ہ ضمیر کا مرجع ما موصولہ یہ جار مجرور متعلق ہے مَتَّعْنَا کا اس کا مصدر ہے تَمْتِیْعٌ مَتْعٌ سے بنا ہے بمعنیٰ متعدی بدو مفعول ہے محدود نفع یا محدود وقت تک نفع اور فائدہ لینا۔ اسی سے ہے مَتَاعٌ (دنیوی سامان) اور اسی سے مُتْعَۃٌ یعنی محدود وقت کا نکاح اَزْوَاجًا اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے زَوْجٌ بمعنیٰ ہم جنس ساتھی جن کو کسی طرح سے جوڑا جا سکے ہر جاندار حیوان انسان اور غیر جاندار ہم مثل اشیا کو زوج کہدیا جاتا ہے جاندار میں نر مادہ (مذکر مونث) کو زوج کہا جاتا انسانوں میں صرف خاوند بیوی کو زوج اور چونکہ ساتھی کے لیے دوسرا فرد لازمی ہے اس لیے یہ ہمیشہ مضاف ہوتا ہے اس کا مضاف الیہ اسم ظاہر بھی ہو سکتا ہے اسم ضمیر بھی جمع بھی واحد بھی تثنیہ بھی اگر مضاف الیہ اسم ظاہر یا ضمیر مذکر ہو تو زوج کا ترجمہ بیوی ہوگا اور اگر مونث ہو تو زوج بمعنیٰ خاوند ہوتا ہے اور اگر اضافتِ مثنیہ جمع ہو جیسے یہاں تو ترجمہ ہوگا خاوند بیوی یعنی پورا گھرانہ جوڑا جوڑا۔ یہ لفظ جنس ہے اس لیے مونث مذکر دونوں کے لیے مستعمل ہے لیکن کبھی کبھی مونث کے لیے زَوْجَۃٌ آتا ہے۔ دو مخالف نقیضوں (ضِدَّیْنِ) کے لیے بھی زَوْجٌ کا لفظ مستعمل ہے اس کا تثنیہ زَوْجَیْنِ ہے مگر کبھی یہ واحد تثنیہ معنوی بن جاتا ہے بمعنیٰ ایک جوڑا جس طرح لفظ قوم معنوی جمع ہے۔ یہ مفعول بہٖ ہے مِنْهُمْ جار مجرور متعلق ہے هُمْ کا مرجع يَمْشُوْنَ کا فاعل (کفارِ مکہ وغیرہ) مِنْ بیانیہ ہے نہ کہ تبعیضیہ زَهْرَةَ اسم مونث لفظی مفرد (واحد) ہے بمعنیٰ تر و تازہ۔ خوبصورت، پُر بہار۔ پھول کی کلی کو اسی معنیٰ میں زہرہ کہتے ہیں یہاں عیش و عشرت و آسائش مراد ہے مضاف ہے اَلْحَيٰوةِ حَيٰوةٌ مصدر ہے معتل ہے یہاں حاصل مصدر جامد ہے حیوٰۃ بمعنیٰ زندگی پانچ قوتوں کا نام ہے ۱۔ قوتِ فائدہ جیسے زندہ زمین ۲۔ قوتِ نامیہ (بڑھنے کی قوت جیسے اُگے ہوئے نباتات ۳۔ قوتِ احساس جیسے حیوانات ۴۔ قوتِ عقل ۵۔ قوتِ فہم حیاتِ انسان میں یہ ساری قوتیں موجود یہاں یہی زندگی مراد ہے اَلْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مرکب توصیفی مضاف الیہ ہے زہرۃ کا یہ مرکب اضافی مفعول بہٖ دوم ہے مَتَّعْنَا کا لام حرفِ تعلیل مکسورہ یہ دراصل حرفِ جر ہے مگر فعل مضارع پر داخل ہونے سے اَنْ ناصبہ کے درجہ میں آکر ناصبہ ہوگیا اگر یہ لام مضارع مثبت پر داخل ہو تو کبھی کبھی اَنْ ظاہر بھی ہو جاتا ہے کبھی پوشیدہ جیسے یہاں لیکن اگر مضارع منفی بِلَا پر داخل ہو تو ملا بست سے بچانے کے لیے اَنْ ناصبہ کا ظاہر ہونا ضروری ہے تاکہ لِلَّا نہ پڑھا جا سکے لہٰذا لِئَلَّا پڑھا جاتا ہے جو دراصل لِاَنْ لَا ہوتا ہے۔ نَفْتِنَ۔ بابِ ضَرَبَ کا مضارع مثبت معروف جمع متکلم مرجع اللہ تعالیٰ فَتْنٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ۔ آزمائش میں ڈالنا۔ آزمانا۔ مصیبت میں ڈالنا۔ یہاں سب معنیٰ بن سکتے ہیں یہ مضارع منصوب ہے

لامِ تعلیلیہ کی وجہ سے نَحْنُ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل ہے فِیْہِ فِیْ حرفِ جر بمعنی بٍ جارہ سببیہ ترجمہ ہے ذریعے ہٖ ضمیر واحد مذکر کا مرجع زَھْرَۃٌ ہے یہ جار مجرور متعلق ہے ہُمْ ضمیر مفعول بہٖ ہے نَفْتِنَ فعل اپنے ضمیر فاعل اپنے مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معلول ہوا مَتَّعْنَا کا سبب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا دونوں مجرور ہو کر متعلق ہے لَا تَمُدَّنَّ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا ہے اور یہ جملہ رِزْقُ رَبِّکَ ذیل مرکب اضافی مبتدا ہے خَیْرٌ اسم مصدر ہے اَجْوَفْ یائی مشترک تین معنی ہیں ۱۔ خیر بمعنی بھلائی نیکی نقیض ہے فسق کی ۲۔ خیر بمعنی مفید نقیض ہے شر کی ۳۔ خیر بمعنی آرام نقیض ہے ضرر بمعنی تکلیف کی خیر کی دو قسمیں ہیں ۱۔ خیر مطلق جو ہر ایک کے لیے اچھا ہو یہاں یہی مراد ہے ۲۔ خیر مقید و مشروط جو کسی کے لیے خیر کسی کے لیے شر یا ضرر ہو معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَبْقٰی باب ضَرَبَ کا اسم تفضیل واحد مذکر بَقِیَ سے مشتق ہے ترجمہ بہت زیادہ یعنی ہمیشہ باقی رہنے والا بحالتِ رفع تقدیری اعراب ہے کیونکہ اسم مقصور ہے۔ دراصل اَبْقَیُ تھا ی متحرک ماقبل مفتوح ہے لہٰذا ی کو الف سے بدل دیا گیا معطوف ہے دونوں عطف مل کر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ وَاْمُرْ اَھْلَکَ بِالصَّلٰوۃِ وَاصْطَبِرْ عَلَیْھَا لَا نَسْئَلُکَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُکَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلتَّقْوٰی۔ واؤ سر جملہ اُمُرْ دراصل اُؤْمُرْ ہے باب نَصَرَ کا فعل امر حاضر معروف واحد مذکر اس میں پوشیدہ اَنْتَ اس کا فاعل ہے اَمْرٌ سے مشتق ہے بمعنی حکم دینا اَھْلَ اسم مفرد جامد بمعنی تعلق رکھنے والے مراد ہے گھر کے افراد عام ہے ہر رشتے دار وغیرہ کو مضاف ہے کَ ضمیر حاضر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مفعول بہٖ ہے بِالصَّلٰوۃِ بٍ جارہ تعدیہ کی جار مجرور متعلق ہے اُمُرْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا واؤ ابتدائیہ زائدہ اِصْطَبِرْ باب افتعال کا امر حاضر معروف واحد مذکر اَنْتَ پوشیدہ فاعل ہے صَبْرٌ سے بنا ہے اس کا مصدر ہے اِصْطِبَارٌ دراصل اصتبر تھا ہم مخرج ہونے کی وجہ سے ت کو بدل دیا گیا عَلَیْھَا جار مجرور متعلق ہے اِصْطَبِرْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا لَا نَسْئَلُ۔ باب فتح کا فعل مضارع حال منفی جمع متکلم سُؤَالٌ سے مشتق ہے بمعنی مانگنا کَ ضمیر منصوب متصل اس کا مفعول بہٖ اوّل رِزْقًا اسم مفرد جامد اس کی جمع اَرْزَاقٌ۔ لغوی ترجمہ ہے نفع والی چیز اصطلاحًا ۱۔ روزی ۲۔ غذا ۳۔ حصہ ۴۔ ثواب یہاں پہلے معنی میں ہے مفعول بہٖ دوم ہے لَا نَسْئَلُ اپنے مستتر فاعل ضمیر صیغہ اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ نَحْنُ اسم ضمیر جمع متکلم مرفوع منفصل بحالتِ رفع ہے کیونکہ مبتدا ہے نَرْزُقُ باب نَصَرَ کا مضارع مثبت معروف با فاعل ضمیر صیغہ کَ ضمیر مفعول بہٖ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا واؤ سر جملہ اَلْعَاقِبَۃُ۔ اسم مفرد جامد بمعنی اچھا انجام۔ اصلًا اسم فاعل مؤنث ہے عَقَبٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے

بعد میں آنے والا مراد ہے انجام الف لام تعلیمی کی وجہ سے معنیٰ ہوا بڑا اچھا جیسے اس پہ الف لام عہد ہو تو مراد ہوتا ہے بڑا انجام قرآن مجید میں کل بتیس جگہ یہ لفظ آیا ہے جن میں چار جگہ الف لام کے ساتھ ہے بمعنیٰ اچھا انجام ایک قول میں اَلْعَاقِبَۃ مصدر مزید فیہ ہے اس کی جمع ہے عَوَاقِب اور جب اسم فاعل مستعمل ہو پھر صیغہ جمع ہو تو عاقبات لام جارہ نفع کا تقویٰ۔ اسم مقصور مصدر ثلاثی مزید فیہ اس کا مادہ وَقْیٌ ہے اول میں تَ عوض ہے آخر کی یٰ زائدہ اس یٰ کو الف سے بدل دیا تقویٰ ہو گیا بمعنیٰ ڈرنا اللہ تعالیٰ سے بچنا گناہوں سے بحالتِ کسرہ تقدیری کسرہ ہے اسم مقصور کے تینوں اعراب تقدیری ہوتے ہیں یہاں لفظِ اہل پوشیدہ ہے یعنی اَہلِ تقویٰ کے لیے اچھا انجام ہے یہ جار مجرور متعلق ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ اسم مفعول کا سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ وَقَالُوْا لَوْلَا یَاْتِیْنَا بِاٰیَۃٍ مِّنْ رَّبِّہٖ اَوَلَمْ تَاْتِہِمْ بَیِّنَۃُ مَا فِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی۔ قالو فعل ماضی با فاعل ھُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ کا مرجع وہی اہل مکہ کفار جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ لَوْلَا حرفِ متصلہ دو حرفوں سے مل کر بنا ہے ۱۔ لَوْ شرطیہ ۲۔ لا نافیہ مگر یہاں شرط کے لیے نہیں کیونکہ شروع کلام میں ہے اور ایک جملے پر داخل ہے ایسی صورت میں لَوْلَا چار معنیٰ کے لیے ۱۔ تعاز ہوتا ہے ۱۔ کسی کام پر ابھارنے آمادہ کرنے کے لیے ۲۔ عرض کرنے کے لیے ۳۔ جھڑکنے کے لیے ۴۔ جھٹلانے کے لیے یہاں اسی معنیٰ میں ہے کبھی کبھی ان میں شرطیت بھی شامل ہو جاتی ہے بہرصورت ترجمہ ہے کیوں نہیں۔ یَاْتِیْ باب ضرب مضارع واحد مذکر غائب ایک قرأت میں تَاْتِیْ واحد مذکر حاضر ہے دونوں صورتوں میں فاعل پوشیدہ کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں نَا ضمیر جمع متکلم ظرف ہے بمعنیٰ ہمارے پاس یا مفعول لہٗ ہے بمعنیٰ ہمارے لیے بِ حرف جر تعدیہ کا۔ آیت مجرور متعلقِ اول ہے مِنْ رَّبِّہٖ مرکب اضافی جار مجرور متعلقِ دوم ہے۔ لَوْلَا یَاْتِیْ سب سے مل کر جملہ انشائیہ ہو کر مقولہ ہوا دونوں مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ اَوَ ہمزہ سوالیہ واؤ عاطفہ نحوی لَمْ تَاْتِ بابِ ضرب کا مضارع نفی جحد بلم بمعنیٰ ماضی ہِمْ ضمیر ظرف ہے یا مفعول لہٗ بَیِّنَۃُ مضاف بمعنیٰ ظاہر ظہور ثانی مؤنث لفظی ہے مَا موصولہ فِیْ جارہ ظرفیہ مکانیہ اَلصُّحُفُ اسم جمع مکسر منصرف ایک قرأت میں الصُّحْفُ ہے اس کا واحد ہے صحیفہ مراد ہے مکتوبی وحی کلام اَلْاُوْلٰی اسم تفضیل مؤنث اس کا مذکر ہے اَوَّلُ الصُّحُفِ الْاُوْلٰی موصوف صفت ہیں مجرور ہو کر صلہ ہوا دونوں مل کر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی فاعل ہے لَمْ تَاْتِ کا جو اصل لَمْ تَاْتِیْ تھا لَمْ جازمہ نے آخر کی یٰ گرا دی۔ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ	وَلَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْکَ اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِہٖٓ اَزْوَاجًا

مِنۡهُمۡ زَهۡرَةَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا لِنَفۡتِنَهُمۡ فِيۡهِ وَرِزۡقُ رَبِّكَ خَيۡرٌ وَّاَبۡقٰى

اے مسلمان تو اپنی بشری کمزوری انسانی جبلت فطری مایوسی کی بنا پر غم افسوس حسرت والے اور نہ خواہش بھری نظریں کفار و دنیا پرستوں کے اس مال و دولت کی طرف پھاڑ پھاڑ کر مت دیکھ جس کا نفع دیا ہے ہم نے مختلف قسم کے چند کافروں یہودیوں عیسائیوں بت پرستوں وغیرہم کو صرف دنیا کی چند روزہ زندگی کی کھلتی بہاروں چڑھتی ہواؤں میں تاکہ ہم آزمائش کریں ان کی مال کے فتنے اور دولت کی رغبت زندگی کی چاہت سے۔ اور اُلجھے رہیں وہ دنیا سازی میں یہ دنیوی دولت تو کڑی آزمائش ہے جس میں بڑے بڑے کفار و فساق بھٹک کر بہے چلے جاتے ہیں۔ عالمِ اجسام کی یہ عزیں شہرتیں رب تعالیٰ کا رزق نہیں بلکہ فتنہ پرور مہلتیں اور آزمائشی ڈھیل ہے ان میں نہ بقا ہے نہ خیر یہ خیر و بقا کی فضلیت تو تیرے رب کریم کے رزق میں ہے اسی میں ہی خیر ہے اور وہ ہی ہمیشہ باقی رہنے والا ہے نہ اُس کو فنا نہ خرابی وہ حیاتِ دنیوی میں بھی شجرۂ طیبہ ہے۔ کہ بندۂ مومن اسی رزقِ الٰہی کے ذریعے آخرت کی خیر کثیر جمع کر لیتا ہے۔ اس طرح کہ رب تعالیٰ کا رزق مال کی شکل میں دنیا کے اندر اور اعمال کی شکل میں قبر و حشر میں بندے کے ساتھ ہی پھلتا پھولتا اور نفع بخشتا ہے۔ دنیوی دولت کفار و فساق کو ملی اور رزقُ ربک۔ اللہ والوں کو ملا۔ دونوں میں فرق بتا دیا گیا کہ رزق کو فنا نہیں شر نہیں۔ خیر و بقا ہے۔ دنیوی مال میں خیر نہیں بقا نہیں۔ فنا و شر ہے اس آیت کی چند اور بھی تفسیریں کی گئی ہیں مگر یہ باد لائل ہے۔ دلیل اول۔ اگرچہ یہاں صیغہ واحد مذکر حاضر ارشاد ہوا مگر خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں بلکہ لفظاً معناً یہ خطاب اور حکم ممانعت تاقیامت عام مسلمانوں کو ہے اس خطاب میں کمزور دل اور فطرتاً لالچی مسلمانوں کو التفاتِ دنیوی سے روکا گیا ہے۔ اس لیے کہ یہاں آیت کے سیاق و سباق میں آدم وحوا علیہما السّلام کے واقعہ سے تفہیم انسانی اور بشری کمزوریاں سمجھائی جا رہی ہیں کہ لالچ حرص خواہش دولت کسی دولت مند کو دیکھ کر رشک و حسد کرنا اور دنیوی دولت مند کو کامیابی و سچائی کی دلیل بنا لینا یہ عام انسانی کمزوری ہے۔ نبوت و رسالت کا مقام ان عیوب سے معصوم اور پاک ہے۔ دلیلِ دوم۔ انبیاءِ کرام علیہم السّلام کو ہمیشہ چھ چیزوں سے نفرت رہی ۱ دولت مندی سے ۲ بادشاہت سے ۳ دنیوی عیش و آرام سے ۴ مشغولیتِ دنیا ۵ اور دنیوی شہرت سے ۶ حصولِ جاہ و مرتبہ سے۔ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی قلبی مرضی سے اپنی زندگی پاک اتنی سادہ اور غریبانہ بنائی تھی کہ آپ دعا مانگا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ اَحۡيِنِيۡ مِسۡكِيۡنًا وَّاَمِتۡنِيۡ

مِسْكِيْنًا یا اللہ مجھ کو مسکین ہی زندہ رکھنا اور مسکینیت میں وفات دینا دلیلِ سوم۔ حدیث پاک میں ہے کہ رب تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عالَمِ ازل میں پوچھا کہ تم کو دنیا میں بادشاہ نبی بنایا جائے یا نبیِ عبد بنایا جائے تو آپ نے نبیِ عبد بننا پسند فرمایا۔ دلیلِ چہارم۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو بار بار صحابہ کرام کو دنیا اور دنیا کی دولت امیری رئیسی عیش وعشرت سے نفرت دلایا کرتے تھے غریبی فقیری کی شان بیان فرمایا کرتے تھے۔ ایک بار فرمایا کہ بندو اللہ تعالیٰ نہ تمہارے مال دیکھتا ہے نہ تمہاری شکلیں وہ تمہارے دل دیکھتا یعنی مال بنانے کوشش نہ کرو ظاہری فیشن پرستی سے سجنے سجانے کی ضرورت نہیں دلوں کو منور بناؤ کبھی فرماتے ہیں اَلدُّنْيَا جِيْفَةٌ وَّطَالِبُهَا كِلَابٌ یعنی دنیا مردار ہے اور اس کے طالب کتے ہیں۔ کبھی فرماتے کہ اے لوگو جو دنیا میں نظر رکھیگا پریشان رہے گا احساسِ غریبی میں گرفتار رہے گا مگر ملے گا وہی جو تقدیر میں ہوگا۔ کبھی فرماتے کہ میں دنیا میں نہیں اور دنیا مجھ میں نہیں۔ آپ ہی کا فرمانِ مقدس ہے۔ اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ۔ ان تمام باتوں آیتوں روایتوں سے ثابت ہو رہا ہے کہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تو پہلے ہی شانِ لَا تَمُدَّنَّ۔ بطریقۂ اکمل رکھتے تھے تو پھر نبی کریم کو ہی لَا تَمُدَّنَّ فرمانا تحصیلِ حاصل ہے جو واقعتاً محال ہے۔ اور محال بات کلام ربانی کے خلاف کیونکہ حکمتِ حکیم جل وعلا کے منافی ہے۔ کچھ لوگوں نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا کہ لَا تَمُدَّنَّ کا لفظاً خطاب اور حکم تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر معناً خطاب ان تمام نومسلم یا عام مسلمانوں کو ہے جن میں بشری کمزوریاں غالب ہیں (از تفسیر صاوی۔ روح المعانی) بعض نے لکھا کہ لَا تَمُدَّنَّ میں لفظاً معناً خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی ہے مگر اس امر میں بھی اور پورے قرآن مجید میں جہاں بھی کسی امر یا نہی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا گیا وہاں امر یا نہی کا انشا مراد نہیں ہوتا بلکہ استمرار امر یا نہی مقصود ہوتا ہے۔ یعنی اے نبی تم ایسا ہی کرتے رہو اسی طریقے اور عادتِ کریم پر قائم وثابت رہو تاکہ آپ کا یہ عمل شریف امت کے لیے تاقیامت عملی نمونہ اور تبلیغِ فعل ہو جائے تو اب لَا تَمُدَّنَّ کا معنیٰ یہ کہ آپ حسبِ سابق آئندہ بھی کبھی اپنی نگاہیں اور توجہِ تبغری دنیا داروں کی دولت پر نہ کیجئے تاکہ امت بھی آپ کی اسی سنتِ مؤکدہ کے وجوبی اسوۂ حسنہ پر چل کر دنیا واہلِ دنیا سے بے پرواہ رہے۔ حضرت حکیم الامت بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کی تفسیر اس طرح بیان فرمایا کرتے تھے کہ شانِ نزول کے اعتبار سے لَا تَمُدَّنَّ کا خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ اے محبوب غصے اور غضب وقہر کی نگاہ سے نہ دیکھئے ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔ ان بدبختوں کا یہ عیش وآرام

دولت وثروت۔ عزت وشہرت تو چند گھڑیوں کی ہے یہ تو زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ہے۔ اُترتی چھاؤں ڈھلتی چاندنی ہے کھلتے پھول چٹکتی کلیاں مسکراتے غنچے۔ لبھاتی بہاریں ہیں۔ ابھی چند ساعتوں بعد موت کی خزائیں چھا جائینگی۔ دولت کے پھول۔ عشرت کی کلیاں سب مرجھا جائیں گی۔ بقا تو رزق ربانی میں ہے خیر تو دولتِ ایمانی میں ہے جو سدا بہار ہے یہاں دنیا میں اُن کی اکڑ بھکڑ بیہودہ غرور پر غم وغصّہ رنج وافسوس کرنے کی ضرورت نہیں ان پر غم وغصہ قہر وغضب قبر وحشر میں اُتارا جائے گا۔ دنیا کے چمن خزاں سے مرجھائیں اور غافلوں کی عیاشیاں موت کے ایک جھٹکے سے ختم ہو جائیں مگر اے حبیب۔ رِزْقُ رَبِّكَ تجھ پر تیرے رب کے باغِ عطا کی بہاریں تیرے فیضِ تقسیم کے چشمے کائنات پر ہمیشہ جاری تیرے قصیدے دلِ فرش تک تیرے جھنڈے سرِ عرش تک میری حمد خوانی خیر ہے تیری نعت خوانی ابقٰی ہے وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ۔ اے محبوب آپ اپنے تمام اہل وعیال اور تینوں قسم کے اہل بیت ومتعلقینِ امت کو نماز کا حکم دیجئے آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت تین قسم کے ہیں ۱۔ اصل اہل بیت یعنی نو ازواج پاک چار صاحبزادیاں تین صاحبزادے ۲۔ داخلِ اہلبیت یعنی مولی علی حسن وحسین ۳۔ لاحق اہلِ بیت خاص خدام ومتبعین نبی پاک نے ایک مرتبہ سلمان فارسی کو اپنا اہلِ بیت فرمایا یہ لاحق ہوئے (از سبع سنابل) وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا۔ اور اس حکم دینے پر قائم رہئے یعنی دیتے ہی رہیئے۔ اس لیے کہ یہ تلقینِ نماز شرعی قانون بن دیا گیا ہے ہر مسلمان مرد عورت پر اپنے سات سالہ بیٹے بیٹی سے لے کر شادی شدہ بیٹے بیٹی واولاد کو نماز پڑھنے کا حکم دیتے رہنا فرض ہے یہ ابلیس کا مقابلہ ہے جب ابلیس ورغلانے سے نہ تھکتا ہے نہ شرماتا ہے نہ اکتاتا ہے تو مسلمان اپنی اولاد کو نماز سکھانے پڑھانے اور آمادہ کرنے کے لیے کیوں اکتائے شرمائے گھبرائے اور تھکے۔ تاکہ دل جمعی سے نماز پڑھنے کی عادت ہو جائے۔ اقامت واستقامت نماز کے سات فائدے پہلا یہ کہ نمازی بندے کے مطمحِ نظر معیارِ فکر اور قوت وقدر کو بدلتی ہے دوم یہ کہ نماز کی برکت سے بندہ حلال پر قانع حرام سے مانع۔ محنت ومشقت کے آنے پر صبر کرتا ہے۔ سوم یہ کہ نمازی بندہ لَا تَمُدَّنَّ۔ کا مظہرِ اتم ہو جاتا ہے اس کی نظروں میں دنیوی سازوسامان اور دنیا پرستوں کا عیش وعشرت کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ وہ اہلِ دنیا کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا چہارم یہ کہ۔ نماز سے تقویٰ ملتا ہے اور تقوے سے ادب۔ ادب سے ہدایتِ قُرب جس کا انجام بہت اچھا۔ پنجم یہ کہ نماز رحمت کی چابی اور رضا کا دروازہ ہے۔ بعض محققین نے لکھا کہ وَاصْطَبِرْ

کا معنی ہے کہ۔ اے نبی خود بھی نماز قائم رکھ۔ مگر یہ ترجمہ و معنی غلط اور گستاخی ہے کہ یہاں پھر تحصیلِ حاصل
کا اعتراض پڑ جاتا ہے۔ بھلا جو نبی بچپن۔ جوانی میں غاروں میں صحراؤں میں فرش پر عرش پر اللہ تعالیٰ کی عبادت
کرتے بھلا ان کو اب حکم دینے کی کیا ضرورت ہے۔ جس نے پیدا ہوتے ہی سجدہ کیا امت کو یاد کیا جس
کے سجدے نے فخرِ عبادت جس کی عبادت طرزِ کرامت جس کی کرامت نورِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم جس کی عبادت
سے غارِ حرا کے پتھروں نے خشیتِ الٰہی کا درس لیا جس کی تلاوت کے گواہ چاند و سورج جس کے
سجدوں کی شہادت حلیمہؓ کی بکریاں دیں۔ کیا وہ اب عبادتِ رحمانی نمازِ ربانی نیازِ عرفانی کو چھوڑ سکتا ہے
لہٰذا ماننا پڑے گا کہ وَأْمُرْ اور وَاصْطَبِرْ میں اگرچہ ظاہری خطاب کا اشارہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف
ہے مگر حکمِ شرعی صرف امت کے لیے ہے۔ اور اصْطَبِرْ سے مراد تلقینِ نماز کی پابندی ہے ششم یہ کہ
نماز کی پابندی بندے کو اہلِ دنیا سے بے رغبت مولیٰ تعالیٰ سے با رغبت اور دنیا سازی و پرستی
سے نفرت دلاتی ہے۔ ہفتم یہ کہ مومن سے حرص لالچ۔ دنیا طلبی رشک و حسد کی بیماریاں ختم کرتی
ہے لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا۔ اے بندے ہم تجھ سے کوئی رزق نہیں مانگتے نہ خود تیرا رزق۔ نہ کوئی شاہی
ٹیکس نہ خراج اِن عبادات سے ہمارا کوئی مفاد نہیں بندوں کا ہی فائدہ ہے نہ ہم بادشاہوں کی طرح
کسی رعایا سے ضرورت مند نہ ان سے کچھ لینے کے حاجت مند۔ نہ آقاؤں کی طرح غلاموں سے خدمت
تجارت کرانے مکاتبت لینے کے خواہش مند اے انسان ہم نے تو تمہارا رزق بھی تمہارے ذمہ
نہیں ڈالا نہ تمہارے اہل و عیال بال بچوں کا رزق تمہاری محنت مزدوری عقل و فکر صنعت و حرفت
تجارت کے بل بوتے پر چھوڑا وہ بھی ہم ہی دیتے ہیں اور اس طرح دیتے ہیں کہ دانا اندراں حیران بماند
بڑے بڑے ذی علم و عقل ہماری عطا پر حیران رہ جاتے ہیں۔ تمہارے رزق و ضروریات کی یہ ذمہ داری
ہم نے اپنے ذمۂ کرم پر اس لیے لی ہے تاکہ تم اپنی یہ تھوڑی قیمتی زندگی حصولِ رزق میں برباد نہ کردو
روز و شب دنیا کی ہوس اور زرق زرق و بک بک میں نہ خرچ کر دو۔ تمہارے ذمہ صرف جنتی بہاروں
کا ابدی نعمتوں کا حاصل کرنا ہے اس کے لیے عبادت اور عبادت کے لیے نماز نماز کے لیے طہارت
ظاہری باطنی اور طہارت کے لیے رزقِ حلال اگرچہ تھوڑا ہو اور جو وقت تمہارا عبادت سے بچے ذکرِ الٰہی
کے بعد ملے اس وقت تم محنتِ جانبازی صنعت سازی سے رزقِ حلال کے لیے دنیا میں چلو تو
ممانعت بھی نہیں یعنی زندگی کا اولین مقصد عبادت ہو۔ روزی کمانا مقصدِ ثانیہ ہو۔ مقصدِ حیات
نہ بنانا۔ ایسا نہ ہو کہ دکان سے فرصت تجارت سے فراغت نوکری سے رخصت ملی تو نماز پڑھی۔ غفلت
و سستی۔ مارے باندھے کی عبادت کرلی۔ اینٹھتے اٹھلاتے نے ابا سیاں بھرتے ریاضت پالی نہ ذوق نہ

شوق نہ الفت نہ محبت۔ سر کھلا ٹخنے ڈھکے بازو چڑھے۔ بھاگتے دوڑتے سجدے میں گرے رکوع میں جھکے فرض پڑھے اور مسجد و مصلے میں آئے آخر بھاگے اوّل سنتوں سے کترا گئے نفلوں سے گھبرا گئے دعا سے شرما گئے۔ بدن نماز میں دل دکان میں گویا یہ دکان ہی مربی ہے ملازمت ہی رازق ہے تجارت ہی روزی رسان ہے اور بھول گئے کہ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ہم ہی تجھ کو تیرا رزق دیتے بلکہ ہر ہر مخلوق کو اور ہر مربی کے اہل وعیال کو بھی ان کی شمار کی برابر والدہ کو دودھ دیا شیر خواروں کے برابر باپ کو روزی دی اولاد کے برابر۔ اُستاد کو شاگردوں کے برابر۔ پیر کو مریدانی لنگر خانے کے برابر بادشاہ کو رعایہ کے برابر اور اپنے محبوب محمد مصطفیٰ قاسم نعمت رحمۃ للعلمین کو علمین برابر کہ رب تعالیٰ کی طرف سے وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنٰی کی بشارت سنائی گئی نبی کی طرف سے اُوْتِيتُ مَفَاتِيحَ خَزَائِنِ الْأَرْضِ کی منادی کرائی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم رزق کے معطی ہیں۔ محبوب نے فرمایا اَنَا قَاسِمٌ میں رزق کا قاسم ہوں اے محبوب نَحْنُ نَرْزُقُكَ۔ ہم تم کو رزق دیتے ہیں تم ہماری مخلوق پر تقسیم کرتے ہو تا ابد یہ سلسلہ ہے۔ اے بندو اس کو نہ بھولنا یہ درسِ محبت سبقِ الفت۔ قانونِ پرورش طریقۂ تربیت ہی تقوے مومن ہے وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰی۔ اور دنیا و آخرت میں نیک انجام اچھا اختتام بالخیر خاتمہ تقوے اور اہلِ تقویٰ کا ہی ہوتا رہا اور ہوتا رہے گا۔ یہی آیتِ الٰہی ہیں معجزاتِ مصطفائی ہیں یہی شریعت ہے یہی طریقت اے مسلمانو اسی عمل و عقیدے پر تا عمر مضبوطی سے قائم و کاربند رہنا کسی بدبخت کافر، بدنصیب فاسق، اور بنی نضیر کے کسی مغرور دولت مند یہودی یا قبیلہ بنی قریظہ کے کسی بے مراد عیسائی رئیس یا نا قیامت کسی منکرِ معجزاتِ رسالت اور منکر اختیاراتِ نبوت گستاخ کے کہنے میں نہ آنا وہ تو ہزارہا معجزے دیکھنے کے باوجود کہتے ہی رہتے ہیں۔ وَقَالُوْا لَوْلَا يَأْتِيْنَا بِآيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ۔ اَوَلَمْ تَأْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْأُوْلٰی۔ کا فرلے یہ نبوت کا دعویٰ کرنے والے ہمارے پاس وہ نشانی آیت کیوں نہیں لاتے جو ہمارے مطالبوں کی ہے اپنے رب کے پاس سے تاکہ وہ بڑی آیت اُن کی نبوت کی دلیل اور ہماری خواہش بن جائے حالانکہ بچپن نبوت سے اب بڑھاپے تک بے شمار لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تقریباً چار ہزار پچاس معجزے اور آیاتِ نبوت دیکھیں تھیں آسمان کا چاند چرتا دیکھا زمین سے چشمہ ابلتا دیکھا۔ یہ معجزات دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کاہن کبھی شاعر کبھی کاذب کبھی ساحر کبھی مسحور کبھی مجنون کہتے رہے۔ ایک ہی معصوم ہستی کے متعلق اتنی متضاد باتیں کرنی تو خود کہنے والوں کی حماقت کی دلیل ہے مسحور بھی ساحر بھی مجنون بھی کاہن بھی ایک ہی وقت میں ایک ہی شخص نہیں ہو سکتا نیز ...

پر تو جادوگر کا جادو چل سکتا ہے مگر آسمان پر کسی کا جادو نہیں چل سکتا نہ کسی عام کافر کا نہ جھوٹی نبوت کا نہ جھوٹی خدائی کا نہ آنے والے دجال کا ان ضدی بیوقوفوں سے کوئی پوچھے۔ اَوَلَمۡ تَاۡتِهِمۡ کہ ان کے پاس وہ آئیں نہیں آئیں جن کا ذکر پہلے صحیفوں کتابوں توریت زبور انجیل میں لکھا ہے۔ ان میں کفار کے مطلوبہ معجزوں کے آنے کا ذکر بھی ہے اور ہمارے اس محبوب نبی کی شان و قرآن کی بشارتیں بھی لکھی ہیں۔ تم لوگ دن رات اُن کو پڑھتے سنتے ہو تو کیا تم نے یا تمہارے بڑوں نے اپنے اُن مطلوبہ معجزات کو پا کر ایمان قبول کیا تھا اور کیا اُن تمہاری پسندیدہ کتابوں میں لکھی ہوئی بشارتیں ہمارے اس نبی کی نبوت قرآن کی صداقت پر دلیل نہیں ہیں! قلب فہیم اور عقل سلیم والے کے لیے تو یہ گھر بلو دلیل بہت بڑی آیت و دلیل ہے۔ پہلے انبیاء کرام سے بھی تم اس طرح کہ غیر ضروری مطالبے ایمان لانے کی شرط پر کرتے رہے صالح علیہ السلام سے اونٹنی کا مطالبہ کیا۔ حضرت موسیٰ سے عصا ید بیضا اور من و سلویٰ پتھر سے چشموں کا مطالبہ کیا حضرت ہود سے چشموں نہروں باغوں کا مطالبہ کیا اور یہ سب مطالبے پورے کئے گئے مگر وہ کفار پھر بھی نہ ایمان لائے نہ بندہ بنے۔ اس لیے وہ ہلاک کر دیئے گئے۔ اب تم پھر اُسی قسم کے ہلاکت خیز مطالبے کر رہے ہو یہ سب تمہارے احمقانہ طفلانہ مطالبے بچگانہ باتیں ہیں۔ یہ اب اس لیے نہ مانتے جائیں گے کہ اب رحمۃ للعالمین کا زمانہ ہے اور کیا یہ بھی حیران کن معجزہ نہیں کہ ایک نبی اُمّی کی زبان سے قرآن مجید کے ذریعے وہ واقعات تم سن رہے ہو جو صُحُفِ اُولیٰ میں تم پڑھتے ہو کیا یہ آیت ربانی معجزات نبوت دلیل رسالت نہیں ہے کہ جس شخصیت نے تمہاری کتابوں کو دیکھا تک نہیں نہ کسی درسگاہ میں درس لیا نہ تم سے سنا نہ تمہارے کسی استاد سے جس کی پوری زندگی تمہارے سامنے گزری۔ وہ شخص تم کو وہ سب کچھ کھلا کھلا سنا رہا ہے جو تم اپنی ہی قوموں سے چھپاتے بدلتے رہتے ہو۔

مفسرین کے مختلف اقوال

اَزۡوَاجًا میں تین قول ہیں (۱) مختلف قسم کے کفار (۲) مختلف قسم کے اقوال (۳) مختلف قسم کے حالات۔ اَهۡلَكَ میں تین قول ہیں (۱) اصل اہل بیت مراد ہیں یعنی ازواج و اولاد (۲) داخل اہل بیت مراد ہیں۔ یعنی مربوب اور تعلق دار زیر تربیت و زیر پرورش۔ اسی لیے جب یہ آیت وَاۡمُرۡ اَهۡلَكَ نازل ہوئی تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم مولیٰ علی شیر خدا کو آٹھ ماہ یا ایک سال تک نمازوں کی تلقین فرماتے ہے اور فجر کی نماز کے لیے جگاتے رہے (۳) لاحقی اہل بیت مراد ہیں۔ یعنی متبع فرماں بردار قوم قبیلہ یہاں

آیت ۱۳۰ سے ۱۳۲ تک پانچ امر اور چار خبریں ارشاد ہوئیں۔ ان کے خطابی مرجع میں تین قول ہیں ۱۔ لفظاً بھی خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور معناً بھی ۲۔ لفظاً تو خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر معناً امت کو خطاب ہے ۳۔ لفظاً اور معناً صرف اُمّتِ مُسلمہ اور تا قیامت مسلمانوں کو ہی خطاب ہے اور یہ قانون ساز آیت ہیں۔ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا میں دو قول ہیں ۱۔ اس سے مراد دنیوی رونق چمک دمک ۲۔ یہ تشبیہی جملہ ہے اور کفار کی خوب صورت زندگی کو کلی سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح کلی کی تروتازگی چند دن کی ہوتی ہے اسی طرح کفار کے یہ ناز نخرے عیش و عشرت مال و دولت چند گھڑیوں کی ہے اور پھر جس طرح غنچہ کلی۔ اور کلی پھول پھر مرجھا کر کانٹا بن جاتا ہے اسی طرح اہلِ دنیا کافرین غافلین عاقبین کی زندگی و زندگی کی زیب و زینت بھی قابلِ زوال و فنا ہے لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ کے معنی میں دو قول ہیں ۱۔ ہم دنیا میں ان کو آزما رہے ہیں ۲۔ یہ دنیوی عیش و آرام ان کے لیے اس میں فتنہ و مصیبت ہے کہ یہی ہر چیز قبر و حشر میں عذاب بن کر سامنے آئیگی۔ لَا نَسْئَلُكَ میں دو قول ہیں ۱۔ ہم اپنے لیے تم سے کچھ رزق نہیں مانگتے جس طرح دنیا کے سلاطین رعایہ سے ٹیکس جزیہ و خراج کا مطالبہ کرتے ہیں یا آقا اپنے غلاموں سے خدمت و مکاتبت مانگتے ہیں ۲۔ ہم تمہارا رزق تم سے نہیں مانگتے۔ ہم خود ہی تمہارا رزقِ تقدیری تم کو دیتے ہیں دیتے رہیں گے۔ تم صرف اپنے نفع مفاد ترقی درجات اُخروی مقامات کے لیے اعمالِ صالحہ کرو وہ ہم نہ دیں گے۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ**۔ تمام عبادت میں اہم عبادت نماز ہے۔ یہ صرف عبادت ہی نہیں بلکہ ایمانی زندگی کا پورا نقشہ ہے اذان تکبیر لباس طہارت صفائی۔ والی زندگی کا لہجہ ہے۔ انسانی زندگی کو حیوانیت سے بچا کر ملکوتی زندگی بنا دیتی ہے۔ اسی لیے ہر والدین پر فرض ہے کہ اپنی سات سالہ اولاد کو نماز پڑھانے سکھائے اور تلقین کرے اور دس سالہ اولاد کو مار کر نماز پڑھائے۔ اسی دس سالہ عمر سے لڑکے لڑکی کا سونا جاگنا الگ کر دے خلوت پر نظر رکھے۔ دوستی سہیلیت کا دائرہ محدود کرے۔ یہ فائدہ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**۔ کسی مسلمان کو دنیا کی کسی چیز پر دل نہ لگانا چاہیئے یہ اپنی آخرت برباد کرنا ہے۔ کیونکہ دنیا کی ہزار سالہ عمر والی زندگی بھی چند لمحات کی مثل ہے۔ یہ فائدہ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔ کہ زَهْرَة کا معنی ہے کلی۔ اور تمام نباتات میں خوب صورت بھی کلی ہوتی ہے اور نازک بھی۔ اور اسی نازکیت کی وجہ سے جلدی فنا بھی **تیسرا فائدہ**۔ دنیا کی محبت انسان کو ہر طرح سے اندھا کر دیتی ہے۔ اور دنیا میں اندھا بنا کر چلنا

اعمال میں ناکام و امتحان میں فیل کر دیتا ہے یہ فائدہ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ فرمانے سے حاصل کہ فتنہ کبھی نفع نہیں دے سکتا۔

احکام القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ فطرتاً کسی کی چیز کو دیکھ کر انسان کی نظروبیت میں تین چیزیں آتی ہیں ۱ حسد ۲ رشک ۳ غبطہ۔ ان میں فرق یہ ہے کہ حسد کا معنی ہے کہ یہ چیز اس کے پاس نہ رہے مجھے مل جائے رشک یہ ہے کہ اسے یہ چیز یوں مل گئی نہ ملنی چاہیئے تھی۔ غبطہ یہ ہے کہ یہ چیز مجھے بھی مل جائے۔ قانونِ شریعت کے مطابق دنیوی اشیا اور دنیا داروں کی چیزوں میں یہ تینوں حسد رشک اور غبطہ حرام ہیں۔ لَا تَمُدَّنَّ میں اسی کا ذکر ہے مگر دینی چیزوں میں حسد حرام رشک ناجائز اور غبطہ جائز ہے۔ بلکہ نظروبیت کے علاوہ دینی امور پر غبطہ کرتے ہوئے اُس کے حصول کے لیے دعا مانگنا بالکل جائز و مستحسن ہے مثلاً یہ کہنا جائز ہے کہ یا اللہ مجھ کو حضرت عثمان غنیؓ جیسی دولت و سخاوت عطا فرما۔ یہ مسئلہ لَا تَمُدَّنَّ میں اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ کے ذکر سے مستنبط ہوا۔ اس لیے کہ کفار و فساق کی دولت زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ہے اور عثمان غنی کی دولت خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ہے۔ دوسرا مسئلہ۔ اولاد بھی والدین کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کڑا امتحان ہے۔ کامیاب والدین وہ ہیں جنہوں نے اپنی اولاد کو چلا پکا مسلمان بنا دیا جس کے لیے ضروری ہے کہ ماں باپ بچپن سے اپنی اولاد کو دینداری اسلامی تہذیب سکھانا شروع کر دیں تاکہ اسی عادت اور رنگ ڈھنگ میں اولاد پلے بڑھے۔ مثلاً استنجی کرنے کے بعد اسلامی آداب کعبہ معظمہ کی شناخت وضو کے طریقے نمازیوں والا لباس ٹوپی وغیرہ کی عادت ڈالیں۔ صحیح تلفظ پیاری قرأت کے ساتھ نماز و تلاوت سکھائیں۔ طریقۂ ادا کی مشق کرائیں۔ غرضکہ ہر نماز کے وقت وضو لوٹے مصلّے کی گہما گہمی سے ہر مسلمان کے گھر میں عید جیسی دھوم مچ جائے یہ مسئلہ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ تیسرا مسئلہ۔ بعض خطیب اور آئمہ مساجد دعا کو شروع کرتے وقت اولاً یہ کلمات پڑھتے ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ. وَالصَّلٰوةُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ۔ یہ ترتیب غلط ہے۔ یہ کلمات اس طرح پڑھنے چاہئیں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ. وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ یعنی حمد کے بعد صلوٰۃ ہو۔ پھر وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ہو یہ مسئلہ یہاں قرآنی ترتیب سے مستنبط ہوا۔ کہ رب تعالیٰ نے آیت نمبر ۱۳۰ میں وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ فرما کر حمدِ الٰہی کا ذکر پہلے کیا۔ پھر آیت نمبر ۱۳۲ میں اولاً شروع میں بِالصَّلٰوةِ فرمایا۔ پھر آخر میں وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى یعنی

لِلتَّقْوٰی فرمایا۔ شرعی زبان میں درود شریف کو بھی صلوٰۃ ہی کہتے ہیں نیز عاقبت کا معنی ہی آخری انجام ہے
تو اس کو آخر میں پڑھنا چاہیئے یہ ہی ادب ہے۔ یہ غلط ترتیب نہ معلوم کس احمق نے شروع کی تھی جو قرآن و حدیث
کے بھی خلاف ہے۔ اور ادبِ نبوت کے بھی۔ **چوتھا مسئلہ**۔ ان آیت سے اسلام کی صحیح اور سچی تعلیم
یہ ثابت ہوتی ہے کہ مسلمان صرف عبادت کے اوقات میں عبادت کریں۔ اُن کے علاوہ اوقات میں ہر طرح
کا دنیوی جائز کاروبار تجارت محنت مزدوری کریں رزقِ حلال کمانا بھی عبادت ہے یہ مسئلہ یہاں وَاْمُرْ
اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ۔ اور آیت نمبر ۱۳۰ میں بیان کردہ نماز کے پانچ اوقات ارشاد فرمانے سے مستنبط ہوا کہ
نہ ہر وقت نماز نہ ہر وقت دنیوی کام۔ اوقاتِ نماز کی یہ ترتیب ہی بتا رہی ہے کہ اے مسلمانو تم اپنی دنیا
کو بھی دین بنالو کہ ساری عمر یہ ہی دوڑ رہے کہ گھر سے مسجد مسجد سے دکان۔ دکان سے مسجد تاکہ تمہاری
ساری تجارتی محنت مزدوری۔ وضو اور نماز کے غلافوں میں لپٹی ہو۔ جب مسلمان دکاندار۔ کلمہ کلام پڑھتے
مسجد سے اُٹھ کر دکان میں جائے۔ باوضو سودا بیچے تو کب دل چاہے گا حرام بیچنے اور جھوٹ بولنے
اور ملاوٹ کرنے دھوکہ فریب دینے کو۔ یہ چور بازاری رشوت خوری ملاوٹ دوزی ذخیرہ اندوزی
تو بے نمازی ہی کرتے ہیں۔ اسی لیے وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ کا حکم ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں **پہلا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ۔ یعنی کفار فساق کے مال دولت کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ
دیکھو۔ حالانکہ آنکھ کا کسی چیز کی طرف اُٹھ جانا اس کو دیکھ لینا غیر اختیاری فعل ہے انسان کے بس کی بات
نہیں آتے جاتے اچانک بھی نظر پڑ جاتی ہے تو اس غیر اختیاری فعل پر یہ پابندی کیوں لگائی گئی **جواب**
یہ اعتراض تب پڑتا تھا جب کہ یہاں لَا تَنْظُرَنَّ یا لَا تُبْصِرَنَّ ہوتا۔ یہاں فرمایا گیا ہے لَا تَمُدَّنَّ
یعنی قلبی چاہت طبعی دلچسپی رشک و تمنا کی نگاہ سے آنکھیں پھاڑ کر نظریں گاڑھ کر اور احساس کمتری کا شکار
ہو کر مرعوب ہو کر کسی چیز کو دیکھنا اور دیکھتے ہی چلے جانا اس کو عربی میں مدّ العین کہتے ہیں انسان کے
اپنے بس میں عقلی فکری اختیار میں ہوتا ہے ایسی نگاہ پر ہی لَا تَمُدَّنَّ سے پابندی لگائی گئی ہے یہاں
غیر اختیاری یا اچٹتی نگاہ کا ذکر نہیں۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا۔ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا
لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا۔ یعنی اے مسلمان تو صرف نماز پر قائم رہ نیز ابس یہی کام ہے ہم تجھ سے تیرا
رزق نہیں لیتے بلکہ خود کھا خود ہی کھلا کیونکہ رزق دینا ہمارا کام ہے تجھے اس کے لیے پریشان ہونے
کی ضرورت نہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان کو تجارت محنت اور روزی کے لیے کام
دھندا کرنا منع ہے حالانکہ اس کے بغیر گزارہ نہیں نہ ایسا کوئی مشاہدہ ہے کہ کسی مسلمان کو مصلے پر

بیٹھے بیٹھے گھر کا خرچہ ملا ہو۔ جواب وَاصۡطَبِرۡ اور لَا نَسۡـَٔلُكَ کا معنی و تفسیر وہ نہیں ہے جو معترض نے سمجھی وَاصۡطَبِرۡ کا معنی یہ ہے کہ اپنے اہل کو نماز کا حکم کرتا رہ اور اس حکم کرنے پر قائم رہ اس کا معنی یہ نہیں کہ مسلمان ہر وقت نماز ہی پڑھتا رہے۔ اس سے پہلی آیت میں نماز کے پانچ وقت بیان کر دیئے گئے کہ نماز صرف ان اوقات میں پڑھو باقی وقت میں کاروبار کرو لَا نَسۡـَٔلُكَ سے دو باتیں سمجھائی ہیں ۱۔ یہ کہ تمہاری نمازوں عبادتوں سے اللہ تعالیٰ کو کوئی فائدہ نہیں جس طرح رعایہ کے کاروبار سے بادشاہ کو ٹیکس عُشر خراج اور جزیہ تحصول سے مفاد ہوتا ہے یا غلاموں کے کاموں سے آقا کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اس طرح کا کوئی فائدہ رب تعالیٰ کو بندوں سے نہیں۔ اللہ اپنے بندوں سے کچھ نہیں مانگتا عبادت سے خود بندوں کو ہی فائدہ ہے ۲۔ یہ کہ دنیوی کاروبار میں اتنا مشغول مت ہونا کہ آخرت و عبادت بھول جائے۔ تم کاروبار کو فقط ایک تدبیر و حیلہ سمجھنا اس کو اپنی تقدیر نہ سمجھ لینا۔ تقدیری رزق دینا ہمارا کام ہے اس لیے بھروسہ صرف ہم پر کرنا۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں پہلے فرمایا گیا۔ مَتَّعۡنَا بِهٖ یعنی ہم نے ان کو متاع اور سامان دیا پھر فرمایا نَحۡنُ نَرۡزُقُكَ۔ یعنی اے مسلمانو تم کو بھی ہم رزق دیتے ہیں۔ درمیان میں فرمایا گیا وَرِزۡقُ رَبِّكَ خَيۡرٌ وَّاَبۡقٰى۔ سوال یہ ہے کہ کفار کو متاع رب نے دیا اور جو چیز رب دے وہ رزق ہوتا ہے اور رزق کی شان ہے خَيۡرٌ وَّاَبۡقٰى۔ تو لازم آیا کہ متاعِ کفار۔ رزق ہے اور خَيۡرٌ وَّاَبۡقٰى ہے۔ تو مومن و کافر کے مال میں فرق کیا رہا۔ جواب۔ اللہ تعالیٰ جس شخص کو بھی دنیا میں دولت و عزت دیتا ہے اس کی تین کیفیتیں ہوتی ہیں ۱۔ وہ متاع ہے ۲۔ عارضی ہے ۳۔ امتحانِ ربانی ہے یہاں تک کہ دنیوی زندگی اور موت کا بھی یہی حال ہے خواہ کافر و فاسق کو دولت عزت شہرت ملے یا مومن متقی کو سب ہی متاعِ عارضی و امتحانِ اُخروی ہے لیکن مومن متقی اپنی عبادت ریاضت حلال ذریعوں صدقہ و خیرات سے اسی متاع کو رزق بنا لیتا ہے اور عارضی کو دائمی کر لیتا ہے اور لِنَفۡتِنَهُمۡ فِيۡهِ کو اَلۡعَاقِبَةُ لِلتَّقۡوٰى۔ بنالیتا ہے۔ مومن کی دولت و عزت کو رِزۡقُ رَبِّكَ کا پیارا لقب مل جاتا ہے اور خَيۡرٌ وَّاَبۡقٰى کی سند مل جاتی ہے۔ کافر کی حماقت اور فاسق کی غفلت کافر کے غرور فاسق کے فتور کی وجہ سے اس کی دولت و عزت آزمائشِ الٰہی میں ناکامی کی بنا پر متاعِ فانی ہی رہتی ہے۔ ایسی ہی نقصان دِہ آخرت تباہ کرنے والی دولت عزت سے بچنے بچانے کا حکم اور لَا تَمُدَّنَّ کی نہی وارد ہوئی۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ اَعۡلَمُ۔

تفسیر صوفیانہ

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيۡنَيۡكَ اِلٰى مَا مَتَّعۡنَا بِهٖۤ اَزۡوَاجًا مِّنۡهُمۡ زَهۡرَةَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۙ لِنَفۡتِنَهُمۡ فِيۡهِ

وَ رِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ۔ اے منزلِ مقصود کے سالکِ معرفت ، خار زارِ عشق کے راستے میں تلبِ ذوق اور قالبِ شوق سے چلنے والے طہورِ نفس کے میلان سے زخارفِ دنیوی کی طرف نفسانی چاہتوں نے اپنی عیونِ عقلیہ نظورِ فکریہ اور بصارتِ بدنیہ بصیرتِ سِرّیہ کو لمبا نہ کر کیونکہ یہ باغیچہ کھیت کھلیان تو بازیچۂ اطفالِ اہلِ دنیا ہے اور دنیا والوں کی ابتلاؤ آزمائش کی صورتیں ہیں ۔ تو فقط اپنے رب کے رزق کا متلاشی بن تیرے رب تعالیٰ کا رزق حقائقِ لاہوتیہ معارفِ اُخرویہ اور انوارِ وحدانیہ اسرارِ روحانیہ کا ایسا خزانہ ہے جو افضل و اَعلیٰ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ہے ۔ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ۔ اے بندۂ محبوب اِس دنیوی تمدنی عینی سے بچنے بچانے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ اپنے قواءِ روحانیہ اعضاءِ جسمانیہ تفکراتِ نفسانیہ کو نمازِ حضوری مراقبۂ رکوعی انقیادِ سجودی کا حکم عطا فرما اور پھر اِس حالتِ مجاہدہ کیفیاتِ مکاشفہ پر قائم رہ یہ جو کچھ تو نے کرنا ہے اپنے لیے کرنا ہے ہم تجھ سے جُہلتِ سفلیہ کا کوئی رزقِ مفاد کسبِ معاد نہیں مانگتے نہ تیرے کمالاتِ حَسَبیہ کا اور نہ تیرے مُدرکاتِ نفسیہ کا ہم خود تجھ کو جنتِ عُلویہ معارفِ روحانیہ اور حقائقِ قدسیہ کا رزقِ ابدی دیتے ہیں ۔ جاننا چاہئے کہ آخرتِ حمیدہ قُربتِ محمودیہ اور خلوصِ رحیدہ کے لیے وہی اعمال بہتر ہیں جو اَلْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى بننے کے لائق ہوں کیونکہ تقویٰ ہی انجامِ صالح ہے ۔ اور تقویٰ نام ہے اِس بات کا کہ بندہ ملابسِ بدنیہ صیغۂ نفسانیہ غلاظتِ شیطانیہ نجاستِ طغیانیہ سے خالی ہو جائے جس کو تقویٰ مل گیا وہی کامیاب و کامران ہو کر وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ کے زمرے میں شامل ہو گیا ۔ وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۔ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۔ قدرت کی ہزارہا نشانیاں دیکھنے کے باوجود اہلِ کدورت اپنی خواہشات مطالبات کی ہی تلقین کرتے ہیں ۔ فرما دے اے مرشدِ اسرارِ باطن کہ اے کدورتِ ذِهنیہ سِرّیہ والو کیا تمہارے پاس معرفتِ الٰہیہ کے وہ نشانات نہ آئے تھے جو صحفِ قلوب کے قرطاسِ عقول میں ظاہر ہوئے ۔ معارفِ یقینیہ اور لطافتِ علویہ کی روحانی تحریروں میں (عرائس البیان وابن عربی) حدیثِ پاک میں ارشاد ہے کہ دنیا سرسبز متاع ہے ، صورۃً حسین ہے ۔ لذۃً میٹھی ہے منظراً سرسبز ہے ۔ نظراً تعجب ہے ۔ عادتاً بے وفا ہے طبعاً دغا باز ہے فطرتاً زہرِ قاتل ہے ۔ خِلقتاً نقصان دہ ہے حقیقتاً فانی ہے اس لیے اس پر صرف بیوقوف حُمقا سُفہا ہی فریفتہ ہوتے ہیں ۔ امام حسن نے فرمایا اگر بے وقوف لوگ نہ ہوتے تو دنیا ویران ہوتی ۔ کیونکہ احمق لوگ ہی آخرت و عبادت سے غافل و بے پرواہ ہو کر دنیا سازی اور دنیا کو بنانے سجانے میں لگے رہتے ہیں عیسیٰ علیہ السلام

نے فرمایا کہ اے بندے تو دنیا کو اپنا رب نہ بنا ورنہ یہ دنیا تجھ کو اپنا بندہ اور پجاری بنا لیگی اور تو دنیا پرست بن جائیگا جس کا اولین نقصان یہ ہے کہ شہواتِ نفوس کا غلبہ ہوگا اور اس سے نورِ توفیق کی محرومی ملے گی اور یہ محرومی نَفْتِنَهُمْ فِيْهِ کی مردودی و ناکامی ہے۔ لہٰذا اے مسافرِ منزلِ معرفت لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ تو اپنی دونوں نگاہوں کو یعنی نگاہِ بصارتِ نظری اور نگاہِ بصیرتِ قلبی کو دنیا کی چمک دمک پر نہ بڑھا یہ حکم تو تا قیامت ہر بندۂ مخلص کو ہے مگر نبوت کی معرفت و ذریعے سے دیا گیا ہے اس لیے کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام تین چیزوں میں مخصوص الخلائق ہیں۔ اوّلاً رویتِ حق میں دوم توحید باللسان میں سوم ذکر بالقلب میں نبی علیہ السلام کی معرفت اور وسیلے سے ہی دیگر اہلِ ایمان کو یہ دولتیں میسر آتی ہیں۔ دنیا میں تَمُدَّنَّ یعنی اہلِ معرفت کے لیے شرک سِرّی و کفرِ باطنی ہے اور توحیدِ ایمانی میں شرک کی ملاوٹ ناگوار و مردود ہے۔ تَمُدَّنَّ یعنی سے رویتِ حق کی محرومی ہے صوفیا کے نزدیک شرک چار قسم کے ہیں ۱ دنیا میں حسرت شرکِ رویتِ حق ہے ۲ ذکرِ زبانی توحیدِ لسانی کا شرک ہے ۳ حسرتِ قلبی ذکرِ قلبی کا شرک ہے ۴ خواہشِ عقلی شرکِ فہمی ہے شرک کوئی بھی ہو مردود ہے۔ اور اہلِ شرک کبھی مقبول نہیں ہو سکتا۔ ازواج تین قسم کے ہیں ۱ ازواجِ اہلِ دنیا ۲ اہلِ آخرت ۳ ازواجِ اہلِ حق۔ اور ان تینوں کی تین منزلیں ازواجِ اہلِ دنیا کی پہلی منزل جہالت دوسری مردودیت تیسری مغضوبیت۔ ازواجِ اہلِ آخرت کی پہلی منزل عقلیت دوسری منزل مسعودیت تیسری مسروریت اہلِ حق کی پہلی منزل کاملیت دوسری محمودیت تیسری منصوریت۔ اہلِ دنیا کا پہلا قدم مغروریت میں اٹھتا ہے دوسرا ہلاکت میں تیسرا اور آخری ذلتِ عاقبت میں۔ اہلِ آخرت کا پہلا قدم ممنونیت میں اٹھتا ہے دوسرا سالکیت میں آخری جلیلیت میں اہلِ حق کا پہلا قدم ماموریت میں اٹھتا ہے دوسرا مالکیت میں تیسرا خلیلیت میں یہی آخری قدم انجامِ ابدی اور عاقبۂ ازلی ہے۔ اس لیے اے طالبِ سعادت راہِ محبت میں چلنے سے پہلے اپنی عینِ ظاہر و عینِ باطن کو عزتِ ابدی کے پانی سے اچھی طرح دھوے تاکہ تیری دونوں آنکھیں رویتِ دنیا کے میل اور غفلتِ آخرت کے کچیل سے پاکیزہ ہو کر جمالِ ربانی کو دیکھنے کے لیے جلالِ نورانی کے سرمہ کی مستحق ہو جائیں اس دنیا میں حضرتِ جلال کے دروازے اہلِ دارین کے لیے سدا کھلے ہیں۔ مَتَّعْنَا اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ اے لوگو ہم اس دنیاء دون میں ہر قسم کے بندے کو اس کے نصیب کا نفع دے رہے ہیں لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ تاکہ اپنی اپنی متاع میں مشغولیت سے یہیں پر ہر شخص کا امتحان ہو جائے کیونکہ اسی امتحان پر ابدی انجام کا دارومدار ہے امتحانِ ربانی کا پہلا پرچہ نماز ہے انسان اپنے جسم کا بادشاہ ہے اعضاءِ ظاہری اس کے اہلِ بیت ہیں اعضاءِ باطنی اس کا لشکر ہیں یہ سب رعایا ہے آخرت میں ان کے بارے میں بندے سے سوال ہوگا۔ پس عاقل پر واجب ہے کہ متاعِ فانی

کو رزق نہ سمجھے اور وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی کی تلاش میں لگا رہے۔ اے سالک راہ لاہوت ماضی کو بھول جا حال پر قناعت کر مستقبل کی فکر نہ کر۔ وَاصْطَبِرْ عَلَیْھَا پھر تا عمر اسی کیفیت قلبی پر قائم رہ کیونکہ صبر مقام مشاہدہ ہے۔ اصطبار مقام مجاہدہ ہے جو نفس پر ضرب شدید ہے اور قلب پر دائمی ذات بلا ہے جس کی عاقبت وانجام سکون ابدی ہے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے رَدِیْلًا کے لیے تسبیح مفید تر ہے اور نماز اَبْقٰی ہے پہلی نماز جسمانی ہے یعنی فرائض واجبات سنن نوافل۔ دوسری نماز قلبی ہے یعنی دائمی مراقبہ لازمی محاصرہ قائمی محاضرہ واجبی محاسبہ۔ تیسری نماز نفسی ہے۔ کہ نفس ذات کو خصائص بشریہ کے تنزل سے بچا کر صفات روحانیہ پر عروج کرانا تاکہ جہنم مادی سے خروج اور جنت اشرفیت کے حضور میں دخول ہو۔ چوتھی نماز صلوٰۃ اسرار ہے یعنی ماسوا اللہ سے بے توجہ ہو کر بحر مشاہدہ میں مستغرق ہو جانا۔ پانچویں نماز صلوٰۃ روح کہ بندہ فنا فی اللہ ہو کر باقی باللہ ہو جائے۔ یہ پانچ معرفت کی نمازیں ہیں۔ ان نماز کے لیے تین کپڑے ضروری ہیں ۱ علمُ الیقین کی ٹوپی ۲ حقُ الیقین کا کرتہ ۳ عینُ الیقین کا پاجامہ، نماز جسمانی کا مصلّٰہ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ دَآئِمُوْنَ ہے قلبی نماز کا مصلّٰہ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خَاشِعُوْنَ ہے نفسی نماز کا مصلّٰہ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ ہے۔ نماز اسرار کا وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ہے۔ نماز بصیرت کا مصلّٰہ نور فَاعْبُدِ اللہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ ہے۔ نماز روح کا مصلّٰہ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللہَ ہے یعنی قلب و قالب پر نقشۂ مصطفیٰ سجا دینا یہی مقام فنا ہے اسی مقام میں بندے کو معراج مومن نصیب ہوتی ہے۔ بندے کا فَنَا فِیْ نَفْسِہٖ ہونا بِقَا بِرَبِّہٖ کی منزل پا لینا ہے یہ نشانات اعظم بَیِّنَۃُ مَا فِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی۔ ہیں۔ جو ہر اہل مشاہدہ کے نفسی و نفسیات پر ظاہر و جلوہ افروز و غلبہ اندوز ہے۔ اے بندے تو ایسی پانچ نمازوں میں مشغول ہو جا۔ تاکہ وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی کا انعام یافتہ بن کر عیال حبیب کے زمرے میں شمار ہو جائے۔ نفس کی تردید کرتا رہ وہ تو ہزار نشانات عبرت علامات بصیرت دیکھ کر بھی۔ لَوْلَا یَاْتِیْنَا۔ کے فضول طعنے الاپتا ہے صورت نماز سیرت مصطفیٰ کا نقشہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مظہر صفات الٰہی ہیں اور قرآن و حدیث مظہر صفات مصطفیٰ ہیں۔ اسی لیے امّ المومنین عائشہ صدیقہ نے فرمایا کہ نبی کریم کا خلق عظیم قرآن ہے۔ عارفین کے مشرب میں ہر بندے کا اہل اس کا مزاج جسمانی ہے۔ مزاج کی سرشت کے مختلف اقسام ہیں کسی کی تخلیق میں مٹی کا غلبہ کسی تخلیق میں پانی کا کسی میں آگ کا کسی میں ہوا کا غلبہ جس بدن میں جس شی کا غلبہ ہوگا اسی طرح کی اس کی طبیعت ہوگی خاک میں غفلت آب میں رحلت نار میں نفرت باد میں نخوت ہوتی ہے۔ غفلت میں حیوانیت کا ظہور رحلت میں درندگی کا عروج نفرت میں شیطانیت کا فتور

نخوت میں نفسانیت کا شمول ہوتا ہے اگر جسمِ انسانی میں نورِ ربانی کی امانت نہ ہو تو وہ ہر طرح ظلمت کا ڈھیر ہے اگر نبوت کا سہارا نہ ہو تو انسان میں کبھی روحانی قوت نہ آسکے اس لیے کہ خلقتِ انسانی کا بڑا عنصر مٹی ہے اور مٹی میں آگ کی سرایت۔ شیطان آگ ہے انسان مٹی ہے جب آگ مٹی کا ملاپ ہوتا ہے تو مٹی ٹھیکری بن جاتی ہے یہ مٹی کی شیطانیت ہے نور میں گداز ہے۔ رب تعالیٰ نے مٹی کی اسی شیطانی سختی کو ختم کرنے کے لیے نورِ نبی اور انوارِ قرآن سے انسان میں گدازِ عشق پیدا فرمایا۔ جب مٹی کو عشق کا ہل چلا کر نرم کر دیا گیا تو شریعت طریقت حقیقت معرفت کے غنچے پھول پھل اور بیج نمودار ہوئے۔ غرضکہ اجسامِ انسانی میں نبوت کا ہی فیضان ہے۔ نبی کا وجود رب تعالیٰ کے مخفی لطف و عنایت کا عظیم خزانہ ہے جس طرح جب بارش برستی ہے تو ایک ہی سمت پر بہہ کر ندی نالے نہریں دریا میں بنائی چلی جاتی ہے اسی طرح فیوضاتِ ربانیہ صرف جانبِ مصطفیٰ بہہ کر تمام کائنات کو فیضیاب کرتے چلے جاتے ہیں۔

وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا

اور اگر کہیں ہم ہلاک کر دیتے ان کو کسی آسمانی عذاب کے ذریعے ان کے پہلے ہی تو محشر میں کہتے کہ

اور اگر ہم انہیں کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے رسول کے آنے سے پہلے تو ضرور کہتے

رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ

اے ہمارے رب کیوں نہیں بھیجا تو نے ہماری طرف کسی پیغمبر کو تاکہ ہم تب ہی اتباع کر لیتے

اے ہمارے رب تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیری آیتوں پر

اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿۱۳۴﴾ قُلْ

تیری آیتوں کی اس سے پہلے کہ ذلیل اور رسوا ہوتے ہم۔ فرما دیجئے

چلتے قبل اس کے ذلیل و رسوا ہوتے تم فرماؤ

كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ

کہ ہر شخص انتظار کر رہا ہے لہٰذا تم بھی انتظار کرو پھر عنقریب جانلو گے تم

سب راہ دیکھ رہے ہیں تو تم بھی راہ دیکھو تو اب جان جاؤ گے

مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ

کہ کون درست راہ پر تھا اور کس نے

کہ کون ہیں سیدھی راہ والے اور کس نے

اهْتَدٰى ﴿۱۳۵﴾

منزل پائی

ہدایت پائی۔

تعلقات اِن آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں کفار کا انبیاءِ کرام کو نہ ماننے اور قسم قسم کے اعتراض کرنے کا بیان ہوا۔ اب اِن آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ اگر ہم رسول نہ بھیجتے تب بھی ان کا یہ اعتراض ہوتا کہ اللہ تعالے نے سمجھانے والا ہادی تو بھیجا نہیں اور ہماری گمراہی پر عذاب دے دیا دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں مسلمانوں کو کفار کی تکالیف پر صبر کرنے کی ہدایت کی گئی اب اِن آیت میں کفار کو صبر اور انتظار کرنے کا کہا جا رہا ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں بتایا گیا کہ دنیا کی دولت کفار کو دی گئی ہے۔ اب اِن آیت میں فرمایا گیا ہے کہ ایمان اور ہدایت کی دولت مسلمانوں اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کو دی گئی ہے۔

شانِ نزول تفسیر خزائن العرفان میں فرمایا گیا کہ ایک دفعہ مشرکینِ مکہ نے آپس میں کہا کہ یہ مسلمانوں کا شور دغوغا اور نبی و قرآن و اسلام کی باتیں چند دن کی ہیں۔ جب یہ نبی وفات پا گئے تو سب کچھ فنا و ختم ہو جائے گا۔ اس لیے اے کفارِ مکہ تھوڑا انتظار کرو اِن پر مصائب تکالیف حوادث و آفات آنے دو پھر دیکھنا اِن مسلمانوں کی تباہی بربادی اور

مٹنے کا تماشہ۔ تب یہ آیت نازل ہوئیں جس میں فرمایا گیا کہ تم کیا کس کی بربادی کا انتظار کرو گے مسلمان خود تمہاری اس حقیقی اور پوری ھلاکت کا انتظار کر رہے ہیں جو تم پر آنے والی ہے۔

تفسیر نحوی

وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى

واؤ سیر جملہ لَوْ حرف حروف مجازات میں سے ہمیشہ دو جملوں پر داخل ہوتا ہے۔ ابتداءً۔ اَنَّا۔ اَنَّ حرف تحقیق مشبہ بالفعل نا ضمیر جمع متکلم اس کا اسم ہے اَهْلَكْنَا باب افعال کا فعل ماضی مطلق جمع متکلم فاعل ضمیر صیغہ کا مرجع اللہ تعالیٰ اس کا مصدر ہے اِهلاکٌ بمعنی فنا۔ تباہ کرنا۔ مار ڈالنا بِ حرفِ جر سببیہ بمعنی ذریعے عَذَاب اسم مفرد ثلاثی مزید فیہ کا مصدر ہے بروزنِ فَعَال یہ اثبات منفی مصادر میں سے ہے کہ ظاہراً مثبت باطناً کسی چیز کی نفی اور زوال یہاں حاصل مصدر جامد عَذَابٌ سے ہے بمعنی زندگی کی لذت ختم کر دینے والی سزا۔ یہاں دنیوی بربادی تباہی کی سزا مراد ہے یہ جار مجرور متعلق اوّل ہے مِنْ جارہ بیانیہ قَبْلِ اسم ظرفیہ زمانیہ مضاف نکرہ ہے ہٖ ضمیر کا مرجع آیت یا بَیِّنَةٌ ہے ایک قول میں مرجع وحی ہے یعنی رسول نبی اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی نے یہی قول پسند فرمایا اور یہ زیادہ درست ہے مضاف الیہ ہے یہ مرکبِ اضافی مجرور ہو کر متعلق دوم اَهْلَكْنَا اپنے فاعل مفعول اور دونوں متعلقوں سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر خبر ہے اَنَّ۔ لام کے تاکید یہ بمعنی ف جزائیہ ترجمہ ہے تو البتہ۔ قَالُوْا فعل با فاعل پوشیدہ جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ رَبَّنَا۔ اصل میں یَا رَبَّنَا اے ہمارے رب رَبَّنَا۔ مرکبِ اضافی منادیٰ ہوا یا ندائیہ پوشیدہ کا۔ لَوْلَا حرفِ تعریض شرطیہ یعنی عرض و فریاد التجا کرنے کے لیے یعنی عرض کو شرط میں لپیٹ کر کلام کرنا۔ اس کو تعریض شرطی کہتے ہیں اَرْسَلْتَ باب افعال کا ماضی مطلق واحد مذکر حاضر رَسْلٌ سے مشتق ہے بمعنی بھیجا یہ مادہ ہمیشہ بابِ افعال میں استعمال کیا جاتا ہے یہ بذاتِ خود بھی متعدی ہے افعال میں بھی فعل کو متعدی ہی بنایا جاتا ہے۔ قرآنِ مجید میں کسی دوسرے باب کا کوئی مشتق نہیں آتا۔ لفظِ رسول مبالغے کا صیغہ بھی اسی باب سے ہے اس کا مصدر ہے اِرْسَال اور رِسَالَةٌ۔ آخر کی تَ واحد مذکر حاضر کی ہے۔ خیال رہے کہ عربی میں حرفِ تَ تین طرح مستعمل ہے ۱ مکمل تَ اور ۲ ۃ ۳ تَ کا نشان (دو دندانہ) پہلی دو لفظ کے آخر میں ہوتی ہیں اور تیسری لفظ کے ابتدا یا درمیان میں اس کی تین قسمیں ۱ علامتِ مضارع ۲ افتعال کی مادے کی ف یا عین کلمہ اور پہلی مکمل تَ کی پانچ قسمیں ہیں ۱ واحد مذکر حاضر جیسے یہاں اور ہر ماضی میں ۲ واحد مؤنث غائب ۳ واحد مؤنث حاضر ۴ جمع مؤنث ۵ اصلی تَ مادے لام کلمہ کی

گول ۃ کی تین قسمیں ۱ تانیث کی ۲ مصدریہ ۳ وحدت۔ اِلَیۡنَا یہ جار مجرور متعلق ہے رَسُوۡلًا۔ باب افعال کا صیغہ مبالغہ بروزنِ فَعُوۡلٌ یہاں اسم جامد ہے بمعنٰی بھیجا ہوا صاحبِ شریعت نبی مفعول بہٖ اَرۡسَلۡتَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی۔ فَ حرفِ جزا۔ تعلیلیہ ہونے کی وجہ سے لام کے تعلیلیہ کی مثل اس میں بھی اَنۡ ناصبہ پوشیدہ ہوا نَتَّبِعَ۔ بابِ افتعال کا فعل مضارع تمنائی مثبت معروف۔ جمع متکلم بحالتِ نصب ہے اَنۡ پوشیدہ کی فَ کی وجہ سے اس کا مصدر ہے اِتِّبَاعٌ تَبِعٌ سے بنا ہے بمعنٰی پیروی فرمانبرداری کرنا اس کا فاعل ضمیر صیغہ نَحۡنُ پوشیدہ ہے اس کا مرجع کفار لوگ اٰیٰتِكَ مرکب اضافی مفعول بہٖ ہے۔ مِنۡ جارہ زائدہ۔ یہ اگلے کلام میں عموم اور تاکید پیدا کرتا ہے یعنی اول اور قبل ہونا معین نہیں ہے۔ قَبۡلِ اسم ظرفِ زمانی مضاف ہے اَنۡ حرف ناصبہ نَذِلَّ بابِ ضَرَبَ کا مضارع مثبت معروف جمع متکلم ذُلٌّ مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے بمعنٰی ذلیل۔ رسوا عاجز فرماں بردار ہونا نیچا ہونا یا کرنا یہاں پہلے معنی میں ہے لازم یعنی ذلیل ہونا ذلیل اپنے آپ کو سمجھنا ذِلٌّ کا معنٰی ہے قہر و غضب سے کسی کو نیچا کرنا اور ذُلٌّ پیش سے محبت و شفقت سے کسی کے لیے نیچے ہونا۔ اسی طرح خِزۡیٌ اور خَزَایَۃٌ میں یہ فرق ہے کہ خِزۡیٌ بمعنٰی مستحقِ رسوائی کو رسوائی پہنچنا اور خزایہ کسی کی حیا شرم میں خود اپنی رسوائی یعنی اپنا نقصان کر لینا۔ یہ فعل اپنے پوشیدہ ضمیر صیغہ نَحۡنُ فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ نَخۡزٰی باب سَمِعَ مضارع جمع متکلم خِزۡیٌ سے مشتق ہے بمعنٰی رسوا ہونا یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا۔ ذِلَّتٌ اور خِزۡی میں فرق یہ ہے کہ برائی کی سزا ذلت ہے اور برائی کی مشہوری خِزۡیٌ ہے یہ دونوں عطف مل کر مضاف الیہ قَبۡلِ کا دونوں مل کر مجرور متعلق ہے نَتَّبِعَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزا ہے لَوۡلَا۔ اَرۡسَلۡتَ کی دونوں مل کر جوابِ ندا (پوشیدہ) کا یَا ندا اپنے منادٰی اور جوابِ ندا سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ ہوا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا قُلۡ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوۡا فَسَتَعۡلَمُوۡنَ مَنۡ اَصۡحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِیِّ وَمَنِ اهۡتَدٰی۔ قُلۡ بابِ نَصَرَ کا فعل امر حاضر معروف مذکر خطاب ہے آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو قَوۡلٌ اجوف واوی سے مشتق ہے بمعنٰی کہنا بولنا۔ تعظیم کے لیے فرمانا کے معنی میں ہوتا ہے فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ كُلٌّ اسم کُلی تاکیدی لفظاً واحد اور معنًا جمع ہوتا ہے یہ واحد اور جمع مذکر اور مؤنث سب کے لیے مستعمل ہے یہاں واحد کے لیے آیا اس لیے کہ اس کے بعد مُتَرَبِّصٌ واحد ہے كُلٌّ کی دو قسمیں ہیں ۱ مجموعی بمعنٰی سب اعلیٰ حضرت نے اسی کو لیا ہے ۲ کُل افرادی بمعنٰی ہر ایک ہم نے یہ ہی ترجمہ کیا ہے اعلیٰ حضرت نے اس کو کُل مجموعی قرار دیا اور اس کا مضاف الیہ

معرفہ یا معرفہ کی ضمیر کو محذوف مانا ہے کہ دراصل کُلُّ الکفارِ یا کُلُّھُم تھا ہم نے اس کا مضاف الیہ انسان مانا ہے جو نکرہ ہے اس لیے کُل افرادی ہوا ہم نے کُلٌّ کے نکرہ اور مُتَرَبِّصٌ کے واحد نکرہ ہونے کا لحاظ کیا مگر اعلحضرت نے سابقہ کلام کی روش کا خیال رکھا کیونکہ سابقہ اور موجودہ کلام میں کفار ہی کا تذکرہ ہے یعنی جس طرح سب کافر کسی انتظار میں پھنسے ہوئے ہیں تم بھی انتظار میں عمر برباد کرتے رہو۔ ہمارے نزدیک ہر انسان نیک و بد اپنے اپنے انجام کے انتظار میں ہے۔ مگر اعلحضرت کا ترجمہ شاندار ہے کیونکہ انتظار میں شک صرف کفار کو ہے مومن کو اپنے اچھے انجام کا یقین کامل ہے۔ وَاللہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔ قرآنِ مجید میں کُلٌّ معرّف باللام نہیں ہے مگر ہو سکتا ہے جب کُل خود نکرہ ہو یا نکرے کی طرف ظاہراً مضاف ہو تو افرادی زیادہ مستعمل ہے لیکن اگر کُل خود معرّف باللام ہو یا معرفہ کی طرف مضاف ہو یا معرفہ کی ضمیر کی طرف تو کُلٌّ مجموعی ہوتا ہے۔ یہاں کُلٌّ نکرہ ہے اور مضاف الیہ محذوف ہے کیونکہ کُلٌّ نکرہ ہمیشہ مضاف ہوتا ہے کبھی مضاف الیہ پوشیدہ محذوف اور کبھی ظاہر جیسے کُلُّھُمْ وغیرہ یہ مبتدا ہے اس لیے مرفوع ہے۔ مُتَرَبِّصٌ باب تَفَعُّلٌ کا اسم فاعل واحد مذکر اس کا مصدر ہے تَرَبُّصٌ رَبْصٌ سے بنا ہے بمعنٰی امید یا شک والا انتظار کرنا۔ تَرَبُّصٌ اور انتظار میں فرق یہ ہے کہ تربص میں شک یا تردد ہوتا ہے مگر انتظار عام ہے ہر قسم کی آس لگانے کو اردو میں دونوں کا ترجمہ انتظار کرنا ہی کیا جاتا ہے۔ تربص کی دو قسمیں ہیں ۱۔ پچھلے حال کے ختم ہونے کا انتظار ۲۔ یا اگلی نئی حالت کی شروع ہونے کا انتظار۔ یہاں دوسری قسم مراد ہے۔ اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ ھُوَ ہے اور اس کا مرجع کل (افرادی) ہے اس لیے صیغہ اور اس کی مستتر ضمیر واحد ہے فَ سببیہ عاطفہ۔ تَرَبَّصُوْا باب تفعل کا امر حاضر معروف جمع مذکر آخر میں الف زائدہ فقط خوشنمائی کے لیے ہے اَنْتُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے یہ سب جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا فَ عاطفہ تعقیبیہ میں حرفِ تقریبی تَعْلَمُوْنَ باب سَمِعَ کا مضارع مستقبل مثبت معروف جمع مذکر حاضر اَنْتُمْ پوشیدہ اس کا فاعل مَنْ اسم موصول اَصْحٰبُ اسم جمع مکسر نسبتی اس کا واحد ہے صاحب بمعنٰی والا جیب یہ ضمیر کی طرف مضاف ہو تو معنٰی ہوتا ہے مالک یا ساتھی۔ ہمیشہ مضاف ہوتا ہے۔ الصِّرَاطِ اسم موصول معرّف باللام جامد ہے بمعنٰی راستہ موصوف ہے اَلسَّوِيِّ اسم مفرد مونث لفظی اس کی تصغیر ہوتی ہے سُوَیِّیٌ بمعنٰی سیدھا باب افتعال کے اسم فاعل مُسْتَوِی۔ سَوِیٌّ کا ترجمہ ہے صاف ۲۔ درمیانی ۳۔ برابر ۴۔ راستہ مکمل ۵۔ سیدھا ۶۔ درست یہ خود صفت مشبہ ہے بروزن فَعِیْلٌ۔ ایک قرأت میں مستوی ہے بمعنٰی بہت عمدہ عقل والا جس میں نہ افراط

ہو نہ تفریط (نہ زیادتی نہ کمی) اس کی جمع ہے اَسْوَاءُ صفت ہے اَلصِّرَاط کی یہ مرکب توصیفی مضاف الیہ ہے اَصْحٰبُ کا یہ مرکب اضافی صلہ ہوا مَنْ کا دونوں مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ مَنِ اسم موصول اِھْتَدٰی باب افتعال کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے اِھْتِدَاءٌ دراصل اِھْتِدَایٌ تھا ھَدَیٌ سے بنا ہے اسی سے ہِدَایَۃٌ بمعنی سیدھا راستہ پالینا یا منزل مقصود تک پہنچ جانا ھُوَ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر معطوف ہوا مفعول بہ ہے تَعْلَمُوْنَ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا تَرَبَّصُوْا کے جملے پر دونوں عطف مل کر مسبب ہوا کُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ مبتدا خبر کے جملے اسمیہ کا سبب اور مسبب مل کر مقولہ ہوا قُلْ کا دونوں مل کر جملہ قولیہ ہو کر مکمل ہوا۔ ان آیات کی مختلف قرأتیں ۱ مشہور قرأت نَذِلَّ شاذ قرأت نُذَلَّ فعل مجہول ہے ۲ مشہور نَخْزٰی ہے شاذ نُخْزٰی مجہول ہے ۳ مشہور مَنْ تَصُوْلُ ہے شاذ قرأت میں فَتَمَتَّعُوْا ہے ۴ مشہور اَلسَّوِیِّ ہے شاذ السُّوْءِ اور یا اَلسَّوَاءِ ہے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

تفسیر عالمانہ

وَلَوْ اَنَّآ اَھْلَکْنٰھُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِہٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰیٰتِکَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰی۔ اے محبوبِ عالمین ابتداءِ آفرینش سے ہمارے قانونِ عدل کا طریقہ یہی رہا کہ نہ ہم کسی کو غفلت میں عذاب دیتے ہیں نہ ہدایت پہنچائے بتلائے بغیر ہلاک کرتے ہیں بلکہ ہر طرح اپنے انبیا کے ذریعے وعظ نصیحت بشارت نذارت۔ کفر و ایمان کے احکام اچھے برے کی پہچان کراتے رہے اس لیے کتب و صحائف اور رسول و مرسل بھیجتے رہے بلکہ ہم نے عالم انسانیت کی ابتداہی نبوت و رسالت سے فرمائی اور اپنے خلیفۃ فی الارض پہلے بشر کو ان کی نسلی قوم کا نبی بنا دیا تھا تاکہ کوئی انسان بھی ہدایتِ حق۔ صفاتِ ربانی آیاتِ ایمانی سے بھولا بھٹکا نہ رہے۔ اگر ہمارا عدل کریمانہ کا یہ فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا اور کافروں منکروں کو ان کی خباثتِ کفر فساد فی الارض کی وجہ سے کسی نبی کے بھیجے بغیر، رشد و ہدایت کا راستہ سمجھائے بغیر ہی کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے۔ یا ان کفارِ مکہ کو آپ کی نبوت رسالت تبلیغِ قرآن کے بغیر ہی ہلاک کر دیتے۔ تو میدانِ محشر میں عدالتِ جبار یہ عدلیہ کے سامنے یہ تمام لوگ اپنے کفریہ شرکیہ عقیدوں پر قائم رہنے کا عذر پیش کرتے ہوئے ضرور کہتے کہ اے ہمارے رب کیوں نہ بھیجا تو نے دنیا میں ہمارے پاس اپنا کوئی رسول کسی اپنی کتابِ احکام کے ساتھ جو ہم کو تیری توحید بتاتا شریعت سکھاتا۔ آیات پڑھاتا۔ قانونِ ایمانی سناتا۔ راہِ ہدایت دکھاتا نیک و بد سمجھاتا ہم کو سچا پکا مومن بناتا۔ قبر و حشر کی ذلت سے جہنم سے چھڑاتا جنت میں پہنچاتا۔ تو ہم یقیناً اس

نبی رسول کے ذریعے، اس کے فرمانے سمجھانے سے صحیح بندے بن کر، تیری تمام آیتوں قانونوں کی دل وجان صدقِ لسان سے ہمہ تن پیروی کر لیتے اس سے پہلے پہلے کہ موت کے وقت ذلیل قبر میں حقیر اور آج محشر میں خوار ہوتے۔ یا ابدی جہنم کے عذابِ الیم میں مبتلا ہوتے۔ کفار کی اسی عذر خواہی کو توڑنے کے لیے ہم نے اُن کے پاس اپنے انبیا بھیجے پھر ساری کائنات کے لیے آپ کو ابدی رسول و مرسَل بنا کر بھیجدیا۔ یہ بات اور ہمارے رحم و کرم کا یہ انداز اور طریقہ بھی اِن کو سمجھا دو کہ دیکھو رب تعالیٰ نے مجھ کو رسول بنا کر کتاب دے کر تمہاری ہی بھلائی کے لیے بھیجا ہے۔ میں نے تم کو وہ تمام آیات سنا دیں جن کی تم کو ضرورت تھی اب ایمان نہ لانے کا عذر بہانہ تمہارے پاس باقی نہ رہا اِس دنیا میں نہ وہاں محشر میں لہٰذا قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى۔ اے حبیبِ مکرم نبیِّ محترم اِن معاندین سے فرما دیجئے کہ ہم جانتے ہیں کہ تم کس چیز کے مُتَرَبِّصْ و منتظر ہو تم سب انتظار کر رہے ہو کہ آپ نبی فوت ہوں تو اسلام و قرآن سے جان چھوٹے تم صحابہ کے ارتداد کے منتظر ہو ابو جہل کسی انتظار میں یہ کہتا پھر رہا ہے کہ اے نبوت کا دعویٰ کرنے والے از وجودِ تو جہانم زار زار از حیاتِ تو وجودم پاش پاش فَتَرَبَّصُوْا۔ تو پھر کرتے رہو انتظار کون کب مرے گا کس حال میں مرے گا فَسَتَعْلَمُوْنَ عنقریب جان لو گے پہچان لو گے۔ عالمِ نزع میں یا قبر میں یا قیامت میں کہ کون تھا شروع دن سے دنیا میں سیدھے سچے صاف راستے جنتی صراط پر اور کس نے گمراہی بدکاری کفر شرک خباثت شیطانیت کو چھوڑ کر اللہ رسول قرآن و حدیث شریعت طریقت آیت و بیّنات کی صراطِ سوی کی ہدایت پالی سب جان لو گے کہ کس کی باتیں مفید نصیحتیں پیاری تبلیغیں طراطِ سوی تھیں اور کن لوگوں کا رویہ ہدایت یافتہ تھا۔ ابھی تو ہم سے متنفر ہمارے دین سے بیزار ہو کبھی پچھتاؤ گے ہماری باتیں حسرت سے یاد کرو گے۔ اکثر مفسرین نے ان آیت کی تفسیر میں یہی فرمایا کہ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ سے صرف کفار مراد ہیں۔ اگلے دونوں جمع مذکر حاضر کے صیغے ۱۔ فَتَرَبَّصُوْا ۲۔ فَسَتَعْلَمُوْنَ بھی اسی تفسیر کی تائید فرما رہے ہیں مگر بعض فرماتے ہیں کہ كُلٌّ سے مراد تمام مومن و کافر ہیں یعنی ہم اور تم سب انتظار کرنے والے ہیں۔ ایک دوسرے کے انجامِ کار کا۔ یا قبلِ موت بذریعے جنگ و جہاد دولت قوت حکومت کے ظہور کا یا بعدِ موت ثواب و عذاب کا اور سچے پر کرامت عزت اور جھوٹے پر ذلت و اہانت کے ورود کا۔ یا ایک دوسرے کے مرنے کا اسے کافرو تم ہم سے بیزار ہم تم سے ناراض۔ تم صحابہ پر ناگہانی مصیبت کے آنے کے منتظر۔ ہم تمہاری اس مہلت و ڈھیل کے خاتمے کے منتظر جو خدا تعالیٰ کی طرف سے تم کو ملی ہے۔

کافر اس بات کے منتظر ہیں کہ مسلمان پھر ہمارے ساتھ مل جائیں اور مومن اس بات کے منتظر کہ آج نہیں تو کل تم میں سے ہی کثیر لوگ مومن بن جائیں گے اگر تم کفر میں پکے شرک میں ضدی ہو تو کرتے رہو انتظار۔

مفسرین کے مختلف اقوال

اَھْلَکْنٰھُمْ میں دو قول ۱؎ ھُمْ ضمیر سے مراد تمام کافر قومیں گذشتہ موجودہ بھی ۲؎ ھُمْ سے مراد صرف کفار مکہ ابوجہل وغیرہ بِعَذَابٍ کے معنی میں چار قول ہیں ۱؎ اس سے مراد جہنم کا عذاب ۲؎ محشر کی رسوائی ذلت ۳؎ وقت موت نزع کی سختی ملک الموت کا جھڑکنا ہیبت ناک شکل میں آنا ۴؎ جہادوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل کفار اور قید کی ذلت کا عذاب مگر یہ قول غلط ہے اس لیے کہ فرمایا گیا ہے اَھْلَکْنٰا مِنْ قَبْلِہٖ۔ یعنی نبی کے آنے سے پہلے ہلاک کر دیتے۔ حالانکہ جہادوں میں ہلاکت مِنْ بَعْدِہٖ ہے نیز فرمایا گیا لَوْ اَھْلَکْنٰا۔ اگر ہم ہلاک کر دیتے اور جہادوں میں ہلاکت تو واقع ہے وہاں اگر مگر نہیں آسکتا مِنْ قَبْلِہٖ میں چار قول ۱؎ ہر قوم میں اُس کے نبی بھیجنے سے پہلے ۲؎ کوئی کتابِ الٰہی آنے سے پہلے ۳؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے پہلے ۴؎ قرآنِ کریم کے آنے سے پہلے۔ پہلا قول مضبوط ہے۔ لَقَالُوْا۔ میں دو قول ہیں ۱؎ آخرت میں کہتے۔ یہ ہی قول درست ہے ۲؎ دنیا میں کہتے یہ قول غلط ہے اَھْلَکْنٰا کے خلاف ہے۔ ہلاکت سے پہلے کہنے کا ذکر نہیں بعد کا ذکر ہے اور ہلاکت کے بعد تو آخرت میں ہی کوئی بول سکتا ہے اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا میں دو قول ۱؎ کوئی نبی ۲؎ صاحبِ کتاب نبی مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ میں دو قول ۱؎ یہاں ذلت سے مراد قبر یا حشر کی ذلت ہے ۲؎ دنیوی ذلت مراد ہے یعنی فتوحاتِ اسلامیہ بلادِ اسلامیہ سے نکالا جانا۔ مال لوٹا جانا مالِ غنیمت بن جانا غریب الوطنی کی ذلت مگر یہ قول غلط ہے اس لیے کہ لَوْ اَھْلَکْنٰا میں ایک مفروضے کا ذکر ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو یہ کفار ایسا کہتے نہ ہلاک قبل ہوئے نہ ایسا کہیں گے۔ بلکہ اب تو کفار محشر میں کہیں گے۔ قَالُوْا بَلٰی قَدْ جَآءَنَا نَذِیْرٌ فَکَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰہُ مِنْ شَیْءٍ (از سورۃ ملک آیت ۹) یعنی جب ان کا حساب کتاب لیتے وقت پوچھا جائے گا کہ بتاؤ تمہارے پاس دنیا میں ہمارے انبیا نذیر و بشیر بن کر آئے تھے یا نہیں تو کوئی کافر انکار نہ کر سکے گا بلکہ اعترافاً سب کہیں گے کہ ہاں آئے تھے مگر ہم نے ان کو جھٹلا دیا تھا۔ لہٰذا صحیح قول یہی ہے کہ اَنْ نَّذِلَّ سے مراد اُخروی ذلت ہے جو موت سے شروع ہو کر قبر حشر اور ابدی جہنم تک ہے نَخْزٰی سے مراد جہنم کا عذاب یا حشر کے حساب کا شرمناک نتیجہ اور اعمال کی بربادی ہے۔ فَسَتَعْلَمُوْنَ میں دو قول

۱۔ عنقریب تم جان لو گے ۲۔ عنقریب پہچان لو گے یعنی علم بمعنی معرفت ۳۔ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِیِّ میں دو قول ۱۔ صحابہ کرام ۲۔ بچپن کے مومن جیسے کم عمر صحابہ یا تا قیامت خاندانی مسلمان جن پر کفر کا ایک لمحہ نہ گزرا مَنِ اھْتَدٰی میں دو قول ۱۔ نو مسلم لوگ صحابی یا بعد والے تا قیامت ۲۔ تحقیق و تفتیش اور جستجو کر کے کفر چھوڑ کر مسلمان ہونے والے لوگ ۳۔ بعض نے فرمایا کہ صراط سوی سے مراد ہے دینِ اسلام اور مَنِ اھْتَدٰی سے مراد ہے اس کو مان لینا۔

فائدے

ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں **پہلا فائدہ** اللہ تعالیٰ شک اور تردد و ریبیت سے پاک ہے۔ قرآن مجید میں جہاں کہیں شک والے الفاظ ہوتے ہیں وہاں یا تو نسبت بندوں کی طرف ہوتی ہے یا وہاں جھڑک مقصود ہوتی ہے یہ فائدہ مَنْ اَصْحٰبُ اور مَنِ اھْتَدٰی فرمانے سے حاصل ہوا۔ جو ظاہراً سوالیہ ہے مگر اصلاً جھڑک ہے۔ سوال ریبیت پیدا کرتا ہے مگر جھڑک ریبیت کو ختم کرتی ہے **دوسرا فائدہ** باطل کی حجت اور عذر تراشی کو پیشگی ختم کرنا بہت اچھا طریقہ اور حکمتِ حسنٰی ہے۔ یہ طریقہ علم کا اعلیٰ معیار ہے اور اس حکمت کا اظہار بھی حکمتِ بالغہ ہے۔ مناظرین مبلغین اور دنیوی فیصلے کرنے والے کے لیے نہایت مفید و ضروری یہ فائدہ وَلَوْ اَنَّا اَهْلَكْنٰهُمْ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے اپنی حکمت جاری بھی فرمائی اور ظاہر بھی۔ یہ سمجھانے کا بہترین طریقہ ہے۔ **تیسرا فائدہ** اللہ رسول کی بات ماننے سے دنیا جہاں اور آخرت کی عزت و مرتبہ ملتا ہے اور نہ ماننے سے دنیا قبر حشر کی ذلت ملتی ہے مسلمانوں کو ہر قول و عمل میں ہر وقت اتباعِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اہتمام سے خیال بھی رکھنا چاہیے اور تسلیم بھی کرنا چاہیے دنیا میں ہی اقرار و اتباع کرنا چاہیے اسی کا نام ایمان ہے یہ فائدہ نَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا کہ کفار یہی بات جو دنیا میں نہیں مانتے جب کہ ماننا مفید ہے کل قیامت میں اس حقیقت کو تسلیم کریں گے کہ اتباعِ رسول میں دنیا آخرت کی نجات و عزت ہے اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ آج دنیا میں ہی مکمل اتباع کر لیں۔

احکام القرآن

ان آیتِ کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں **پہلا مسئلہ** اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز لازم واجب نہیں یہ مسئلہ وَلَوْ اَنَّا اَهْلَكْنٰهُمْ فرمانے سے مستنبط ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو بغیر ارسالِ رسالت و نزولِ کتاب و احکام اور بغیر ہدایتِ نبی کے ہی بندوں کی نافرمانی پر ان کو ہلاک فرما دے تو یہ اس کا خالقیت مالکیت والا حق ہے کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں یہ محض اس کا کرم ہے کہ بڑے بڑے سرکشوں نافرمانوں کے پاس اپنے رسول کتاب

ہدایت بھیج کر ہزار ہا طریقوں سے سمجھاتا ہے عیش و آرام کے ساتھ ڈھیل دیتا ہے حالانکہ یہ مہلت دینا اُس پر واجب نہیں **دوسرا مسئلہ** ہر ذی عقل بندے پر اپنی عقلی فکری اور فطری جبلّی علم کی بنا پر توحیدِ باری تعالیٰ پر ایمان لانا واجب ہے اور کفر سے توبہ لازم خواہ کسی نبی کی تبلیغ پہنچے یا نہ پہنچے کتاب وشریعت کسی کو ملے یا نہ ملے۔ نبوت کا آنا محض رب تعالیٰ کا کرم ہے بندہ نوازی ہے یہ مسئلہ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ یہی امامِ اعظم کا حنفی مسلک ہے اور اسی آیت اور احادیثِ متعددہ سے استنباط ہے۔ امام شافعی اِس کے خلاف ہیں مگر اُن کے دلائل کمزور ہیں امام اعظم فرماتے ہیں کہ اس آیت کے اشارۃُ النص سے ثابت ہوتا ہے کہ مِنْ قَبْلِهٖ۔ ہلاک فرما دینا اُس کو لائق تھا کیونکہ وہ خالق ومالک ہے رسول وکتاب ملنا بندوں کا حق نہیں۔ اور جن کو رسول اللہ کی تبلیغ کتاب یا شریعت نہ ملی جیسے جنات یا اہلِ فطرت انسان۔ تو اُن کی حق تلفی نہ ہوئی دیکھو نبوت شروع ہوئی آدم علیہ السّلام سے جنات پہلے سے موجود آدم علیہ السّلام کے بعد بھی کوئی نبی جنات کی طرف مبعوث نہ ہوئے نہ کسی نبی کی امت میں جنات شامل حضرت سلیمان علیہ السّلام بھی صرف بادشاہ تھے جنّات کے نہ کہ نبی صرف آقاءِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم جن وانس کے نبی ہیں بلکہ تمام مخلوق کے لیکن تمام کافر جنات جہنم میں جائیں گے وہ اپنا یہ عذر پیش نہ کر سکیں گے۔ کیونکہ جنات ذی عقل ہیں۔ اُن کو اپنی عقلی فہم سے توحیدِ باری تعالیٰ کو سمجھنا اور اس پر ایمان لانا چاہیئے۔ یہی حکم اہلِ فطرت اور فاسقین کا ہے۔ کہ کوئی شخص قیامت میں اپنی بدکاری فسق وفجور کے عذر میں یہ کہنے کا حق نہیں رکھتا کہ مولیٰ مجھے دنیا میں کسی عالِم نے بتایا ہی نہ تھا اس لیے میں گناہ کرتا رہا۔ کفار کو بھی لَوْلَآ اَرْسَلْتَ کہنے کا حق نہیں ہے مگر محض رب تعالیٰ کے کرم نے اُن کی اس عذر خواہی کا اہتمام فرما دیا۔ **تیسرا مسئلہ** قانونِ شریعت کے مطابق فاسق فاجر اور کافر مشرک بدعقیدہ گمراہ کی اہانت اور ذلّت وخواری کرنا جائز بلکہ واجب ہے یہ جہاد فرمانا ذلّتِ کفر کے لیے ہی نہیں اسی طرح فاسق کی توہین بھی واجب ہے اس کا جو بھی طریقہ اختیار کیا جائے جائز ہے۔ مثلاً مُعلنِ فاسق کے پیچھے نماز نہ پڑھنا۔ اُس کو مصلّے سے ہٹا دینا یہ اُس کی ذلّت ہی ہے اگر وہ سمجھے اور آئندہ کے لیے عبرت وغیرت کرے اور یہ توہینِ فاسق واجب ولازم ہے احادیث وفقہ سے بھی ثابت۔ اِنعقادِ محشر کا سبب دیگر ہزاروں حکمتوں کے علاوہ تذلیلِ کفار بھی ہے یہ مسئلہ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰی سے مستنبط ہوا۔ غرضکہ عقائدِ ایمانی کے مخالف کی ذلّت بھی واجب ہے۔ اور عملی مخالف یعنی فاسق کی ذلّت کرنا بھی واجب ہے (ازفقہ)

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا

گیا۔ لَقَالُوا۔ یعنی اگر ہم ان کو ہلاک کر دیتے کسی عذاب سے انبیا بھیجنے تبلیغ و ہدایت پہنچانے سے پہلے تو کہتے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے ہلاک ہونے والا تو کچھ بول ہی نہیں سکتا جب کہ لَقَالُوا کا لام بتا رہا ہے کہ وہ فوراً یہ کہتے ہلاک ہوتے ہی۔ **جواب**۔ تفسیر کبیر نے یہ جواب دیا کہ۔ لَوْ اَهْلَكْنَا کا تعلق دنیوی زندگی سے ہے اور لَقَالُوا کا تعلق میدانِ محشر سے ہے۔ اس لیے کہ اُن کا مقولہ ہے۔ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى اور چونکہ ذلت و رسوائی ہلاک کے بعد قیامت میں ہی ہے اس لیے لَقَالُوا بھی قیامت کا ہی مراد ہے جواب درست ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ لَقَالُوا۔ کا لام اکثر نحاۃ کے نزدیک فوریت پر دلالت نہیں کرتا۔ صرف ایک امام کسائی نے یہ کہا ہے جو معتبر نہیں اور اگر اس قول کو ہی مانا جائے تب بھی اعتراض غلط ہے۔ کیونکہ احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ مرنے کے فوراً بعد جان جسم میں واپس آجاتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولینِ بدر کفار کی لاشوں سے اُس کنوئیں کے کنارے کھڑے ہو کر گفتگو فرمائی جس میں اُن کی لاشیں پڑی تھیں۔ لہٰذا یہ ہو سکتا ہے کہ لَقَالُوا کا تعلق قبر سے ہو۔ یا زمین پر پڑا ہوا مردہ رب سے کلام کرے مگر پاس کھڑے زندہ لوگوں کو سنائی نہ دے۔ منکر نکیر سے گفتگو کرنا تو مرنے کے چند لمحے بعد ثابت ہی ہے۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى۔ اَصْحَابِ صِرَاطِ سوی اور مَنِ اهْتَدٰى تو ایک ہی چیز ہے پھر یہ دونوں لفظ کیوں ارشاد ہوئے؟ **جواب**۔ مسائل الرازی میں اس کے تین جواب دیئے ہیں۔ اور تینوں کی بنیاد یہ ہے کہ معترض کا یہ کہنا غلط ہے کہ دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ ایک چیز نہیں بلکہ مختلف ہیں۔ ہاں البتہ اِن کے معنی میں تین قول ہیں اسی کو تین جواب سمجھ لیے جائیں۔ ۱۔ اصحاب الصراط السوی سے مراد ہیں صراط مستقیم پر چلنے والے نیک بخت اور مَنِ اهْتَدٰى سے مراد ہے منزلِ مقصود تک پہنچ جانے والے ۲۔ اصحابِ صراط سے مراد ہیں دنیا میں کامل مومن اور عامل متقی۔ اور مَنِ اهْتَدٰى سے مراد ہے آخرت میں کامیاب یعنی مُحْيِ الْحَقِّ فِي الدُّنْيَا اور فَائِزٌ فِي الْاٰخِرَةِ۔ ۳۔ وہی جو ہم نے تفسیر عالمانہ میں بیان کیا کہ شروع کے مومن اصحابِ صراط ہیں اور نومسلم مَنِ اهْتَدٰى ہیں۔ **تیسرا اعتراض**۔ کسی کی موت کا انتظار کرنا اخلاقاً بھی اور شرعاً بھی بری بات ہے تو یہاں كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ۔ کیوں فرمایا گیا کہ ہم نہ دونوں یعنی کفار مسلمانوں کی اور مسلمان یعنی صحابہ اور نبی کریم کفار کی موت کے منتظر ہیں۔ **جواب**۔ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ کی چند تفسیریں کی گئی وہ سب اقوال ہم نے تفسیر عالمانہ میں بیان کر دیئے۔ صحیح اور مدلل قول یہی ہے کہ كُلٌّ سے مراد صرف کفار ہیں۔ شانِ نزول سے بھی یہی ثابت اس قول میں تو اعتراض ہی نہیں پڑتا

لیکن دوسرے قول میں بھی یہ ضروری نہیں کہ مسلمان بھی کفار کی موت کے ہی منتظر ہوں۔ انتظار کی اور بھی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى۔ اصلاحِ شریعت میں ہلاکت نام ہے قتلِ جسمانی کا مگر اصطلاحِ طریقت میں نام ہے قتلِ روحانی کا جب بندے کے فعلی اقوال حرکات بند ہو جائیں تو وہ شرعی مردہ ہے۔ لیکن جب بندے کو توفیقِ خیر نہ ملے اور حجابِ ظلمت غشاوۂ غفلت سے انسدادِ فکرت طاری ہو جائے تو طریقت میں وہ بندہ مُردہ ہے۔ قلب بیروتی ہیں سے جو آوازِ لاہوتی نکلتی ہے وہ آیتِ الٰہیہ ہے جب قلب میں حرکت ہوتی ہے تو عقل کی فکر بیدار ہوتی ہے اور عقل کی بیداری سے ہی اعضاءِ ظاہر و باطنی کا سجدۂ شکر و ذکر قائم ہوتا ہے۔ ہر بندۂ ناسوتی کو اس قلبی آواز سے نوازا گیا ہے اسے راہِ معرفت کے مسافر اگر ہم صوتِ حادی کے بغیر بے توفیقی کے کسی عذاب سے ہلاکت غفلت میں ڈال دیتے تو وہ غافلینِ دنیا عذرِ غفلت میں کہتے کہ ہماری جلاءِ روح کے لیے فکرِ ضمیر کا کوئی ھادی و مرشد کیوں نہ بھیجا گیا تاکہ ہم اس ذلتِ دنیوی اور ظلمتِ اُخروی آنے سے پہلے ہی راہِ معرفت پر چل پڑتے اہلِ معرفت کے نزدیک تین چیزیں ہلاکت اور تین چیز نجات دیتی ہیں۔ ہلاکت کی پہلی چیز بخل دوم خواہشِ نفس کی پیروی سوم خود پسندی یعنی خودی میں ڈوب۔ مناجات کی پہلی چیز یہ کہ ظاہر و باطن میں خدا سے ڈرنا دوم یہ کہ غمی و خوشی میں انصاف کرنا سوم یہ کہ امیری و غریبی میں کفایت شعاری کرنا کسی کو دنیا میں ذلت یا خزیان ملنا اُس کی روحانی ہلاکت ہے قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى۔ فرما دے اے محبوبِ لاھوتی کہ اس دہرِ ناسوتی میں بجز اللہ رسول ہر شخص منتظر ہے کیونکہ جس نے حقیقتِ عاقبت کو جان لیا اُس کو انتظار کی حاجت نہیں انتظار وہی کرتا ہے جو بےخبر ہوتا ہے اللہ رسول سب کچھ جانتے ہیں باقی سب بےخبر ہیں اس لیے منتظر ہیں مگر کسی کا انتظار صبر ہے کسی کا کفر شیخ سہروردی فرماتے ہیں کہ ہر چیز کا ایک جوہر ہوتا ہے۔ انسان کا جوہر عقل ہے عقل کا جوہر فکر کا جوہر صبر اور صبر کا جوہر شکر ہے۔ شکر ہی وہ خنجر ہے جو نفس کو زیر کر سکتا ہے صبر سانس کی طرح بدن میں سرایت کرتا ہے۔ انتظار دو قسم کا ہے ۱ انتظارِ خیر ۲ انتظارِ شر مومن کا انتظار خیر ہے کہ وہ طالبِ کرامت ہے۔ کافر کا انتظار شر ہے کہ وہ طالبِ کراہت ہے

مومن عاقل ہے کہ صبرِ انتظار میں بھی فدا آگاہی کی طرف بڑھتا رہتا ہے۔ کافر غافل ہے کہ وہ خود آگاہی اور خودی کے جال میں پھنسا رہتا ہے۔ فَتَرَبَّصُوا۔ اے غافلینِ منزل انتظار کئے جاؤ۔ فَسَتَعْلَمُونَ بہت جلدی ظاہر کو جان لوگے باطن کو پہچان لوگے کہ کون ہیں صراطِ سَوِی کے ظاہر ایمان والے اور کون ہیں مَنِ اهْتَدٰی کے باطن عرفان والے کون سچے راستے کے سالکین ہیں اور کون وصلِ منزل کے عارفین ہیں۔ صبر کی بھی چار قسمیں ہیں اور صبر والے کی بھی ۱ صبر فی اللہ ۲ صبر لِلّٰہ ۳ صبر مع اللہ ۴ صبر عن اللہ صبر کرنے والے کی چار قسمیں ۱ صابر ۲ صبیر ۳ منصبر ۴ صَبّار۔ صبر فی اللہ والا صابر ہے صبر للہ والا صبیر ہے۔ صبر مع اللہ والا منصبر ہے۔ صبر عن اللہ والا صَبّار ہے۔ کربلا میں اسی صبر کا مظاہرہ تھا کرامت یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے مومن کو ایمان سے ایمان کو عقل سے عقل کو علم سے علم کو صبر سے صبر کو شکر سے مزین فرمایا۔ صبر صراطِ سَوِی ہے اور اس کا انجام مَنِ اهْتَدٰی ہے اور ہدایت کی منزل گہہ محبوب دامنِ مصطفیٰ ہے اس لیے کہ۔

راہ دان در راہ دین در راہ صبر — درحقیقت نیست جز خیر البشر

صوفیا فرماتے ہیں کہ جو لوگ ماسوا اللہ سے جدا ہو کر حیاتِ دنیوی کی منزلیں عبور کرتے ہیں وہی وصل الی اللہ کے مُهْتَدِین ہوتے ہیں روایت میں ہے عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ۔ فرمایا آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت میں تین قسم کے بندے باری تعالیٰ سے شکایت عرض کریں گے ۱ جن لوگوں کو کسی بھی نبی کی نبوت کا زمانہ نہ ملا۔ یہ عرض کریں گے یا مولیٰ ہم کو کسی نبی کی ہدایت نہیں پہنچی اگر ملتی تو ہم ضرور مومن بن جاتے ۲ بے عقل مجنون قسم کے لوگ جو کفار کی نقل کرتے رہے۔ یہ عرض کریں گے کہ مولیٰ اگر ہم کو عقل وخرد ملتی تو ہم ضرور اتباعِ نبوت وہدایت کرتے ۳ نابالغی میں کفار کے فوت شدہ بچے عرض کریں گے۔ یا مولیٰ اگر ہم بلوغت کی عمر پاتے تو ضرور انبیا علیہم السلام پر سچے دل سے ایمان لاتے ہمیں جنت سے کیوں محروم فرمایا گیا۔ ہمارا کیا قصور ان سب کی اس عرض پر رب تعالیٰ ان کو عالَمِ اَعراف سے نکال کر فرمائے گا کہ اچھا اب میری اطاعت میں داخل ہو جاؤ۔ تب ان میں سے اہلِ سعادت میدانِ اطاعت میں داخل ہو جائیں گے۔ لیکن اہلِ شقاوت غفلت یا انکار سے رُکے رہیں گے تو ان سے خطابِ ربانی ہوگا کہ تم تو اب بھی میرے حکم کے منکر ہو رہے ہو۔ اگر نبوت کا زمانہ پاتے یا ہوش وعقل بلوغت پاتے تو میرے انبیا سے کب صحیح رویہ رکھتے اور اتباع کر کے ایمان لاتے۔ اس فرمان وآزمائش کے بعد اہلِ سعادت کو جنت میں اور اہلِ شقاوت کو پھر واپس اَعراف میں بھیج دیا جائے گا (تفسیر روح البیان) ایک روایت کے مطابق

عالمِ اعراف میں نیک جنات اور تمام مرفوع القلم لوگ رکھے جائیں گے یعنی جن پر شریعت مثلاً ہے جیسے مجنون بے عقل۔ اصحابِ فطرت کفار۔ اور کفار کے نابالغ بچے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔

سورۃ طٰہٰ کے آٹھ رکوعوں کی مختصر تفسیر اور فضائل و عملیات و تعویذات پہلا رکوع

اس رکوع کی چوبیس آیت کا خلاصہ اس طرح ہے کہ فرمایا گیا اے محبوب آپ کی کثرتِ عبادت کو مدِنظر رکھتے ہوئے ہم فرماتے ہیں کہ ہم نے یہ قرآن آپ کو مشقت میں ڈالنے کے لیے نہ اتارا یہ قرآن مجید نصیحت ماننے اور خشیت (یعنی نرم قلبی) رکھنے والوں کے لیے عظیم تذکرہ ہے اس قدیم صفت کو اسی قدیم ذات نے نازل فرمایا ہے جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے ہم وہی رحمٰن ہیں جس نے عرش کو اپنا قرب بخشا۔ آسمانوں اور زمین میں اور زمین کے نیچے تک جو کچھ بھی ہے سب اسی رحمٰن کا ہے۔ اللہ رحمٰن سب کی ہر بات جانتا ہے خواہ کوئی دل میں بھید رکھے ہو یا بہت ہی آہستہ بولتا ہو اس کو سنانے بلانے کے لیے اونچا بولنا ضروری نہیں۔ ساری کائنات میں کہیں بھی کوئی بھی اللہ کے سوا معبود نہیں ہے بس اللہ تعالیٰ ہی حقیقی دائمی ابدی ازلی معبود ہے اس کے ہزاروں اچھے اور پاکیزہ ذومعنی نام ہیں۔ یہ تو آخری کتاب قرآنِ مجید ہے جو اپنے حبیب پر ہم نے نازل فرمائی۔ اس سے پہلے ایک پہلی کتاب توراۃ نازل فرمائی گئی جو حضرت موسیٰ پر اتری ان کی بات کچھ اس طرح ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ہمراہ مدین سے مصر واپس آ رہے تھے کہ راستے میں کوہِ طور کے پاس ان کو دور سے آگ دکھائی دی انہوں نے اپنی زوجہ صاحبہ کو وہیں ٹھہرایا کہ تھوڑی آگ لے آؤں یا کم از کم وہاں موجود لوگوں سے راستہ ہی معلوم کر لوں۔ جب موسیٰ قریب پہنچے تو دیکھا کہ ایک درخت سے روشنی نکل رہی ہے اس میں سے آواز آئی کہ اے موسیٰ میں تمہارا رب ہوں اپنی جوتیوں کو اتار دو کیونکہ میری تجلیات کی وجہ سے یہ وادی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مقدس ہو چکی ہے۔ اور میں نے اپنے بہت سے کاموں کے لیے تم کو چن لیا ہے بس تم اب میرے پیغامات سنو ؛ بے شک میں ہی تمہارا سچا معبود اللہ ہوں ؛ میری ہی عبادت کرتے رہو اور میری یاد کا بہترین طریقہ نماز ہے اس کو ہمیشہ قائم رکھنا ؛ یہ بات بھی یاد رکھنا کہ قیامت آنے والی ہے۔ اسے

موسیٰ میں چاہتا تو یہ بات چھپا لیتا تاکہ ہر شخص کو اُس کے اعمال کا بدلہ دیدیا جاتا مگر نہ چھپائی بلکہ قیامت کے حالات علامات واقعات اور آنے کا ذکر اپنے انبیا کے ذریعے سب ظاہر کر دیئے لہٰذا اب کوئی ایمان لائے یا نہ لائے تم اس کے اعلان سے باز نہ رہنا بلکہ قیامت کا اعلان کرتے ہی رہنا آپ کے بتانے سمجھانے کے بعد بھی اگر کوئی اپنی ہی نفسانی خواہشات کے پیچھے چلا تو وہ خود ہلاک ہوگا ہاں اے موسیٰ یہ تو بتاؤ کہ تمہارے اس داہنے ہاتھ میں کیا ہے آپ نے عرض کیا یہ میری لاٹھی ہے میں تھک جاؤں تو کھڑے کھڑے اس سے ٹیک لگا لیتا ہوں اور بکریاں چراتا تھا تو اس سے بکریوں کے لیے جنگلی درختوں کے پتے جھاڑتا تھا۔ اور اب بھی اس میں میری بہت سی ضروریات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ اس لاٹھی کو زمین پر ڈالو۔ جب آپ نے لاٹھی کو زمین پر رکھا تو وہ دوڑتا ہوا سانپ بن گئی۔ حضرت موسیٰ کچھ دہشت گھبراہٹ میں آئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کو پکڑ لو ڈرو مت۔ تمہارے پکڑنے کے بعد فوراً یہ اُسی پہلی حالت پر آجائے گی یہ ایک معجزۂ نبوت ہوا۔ اور اب ایسا کرو کہ اپنا یہی داہنا ہاتھ اپنی بائیں بغل میں کر لو پھر نکالو تو یہ سفید چمکتا ہوا نور کی طرح نکلے گا کسی بیماری کی طرح برا نہ لگے گا۔ یعنی بیماری والی سفیدی کا داغ نہ ہوگا۔ یہ دوسرا معجزۂ نبوت ہے۔ یہ معجزے اس لیے ہم نے تم کو دیئے ہیں تاکہ اپنی قدرت کے بڑے بڑے نشان تم کو دکھائیں اب تم فرعون کے پاس جاؤ۔ وہ بہت سرکش و خبیث ہو چکا ہے۔ **دوسرا رکوع**

حضرت موسیٰ نے عرض کیا اے اللہ اگر اتنے بڑے بدبخت مغرور سرکش کی سرکوبی کے لیے مجھ کو چنا گیا ہے تو میرے کریم رحیم رب میرا سینہ کشادہ فرما دے اور علم حکمت معرفت ہمت و جرأت پیدا فرما دے اور اس مشکل کام کو تو میرے لیے آسان فرما دے اور میری زبان کی وہ لکنت دور فرما دے جو بچپن شیر خوارگی میں آگ کا انگارہ منہ میں رکھنے کی وجہ سے پڑ گئی تھی۔ تاکہ وہ سب کفار میری باتوں کو سمجھ لیں لکنت کی بنا پر مذاق نہ اڑائیں اور میری چوتھی عرض و دعا یہ قبول فرما لے کہ میرے ہی اہل خاندان میں سے میرے بڑے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دے تاکہ میرے بھائی کی ہمراہی کی وجہ سے میری ڈھارس بندھی رہے اور میرے تبلیغی کام میں معاون رہے۔ اس کے شکر ئے میں ہم تیری بہت یاد مناتے رہیں گے اور بہت تسبیح پڑھیں گے۔ بے شک تو تو ہم کو ہر وقت دیکھ ہی رہا ہے۔ رب تعالیٰ نے ساری دعائیں قبول فرما لیں۔ اللہ تعالیٰ نے چار نصیحتیں فرمائیں جو موسیٰ علیہ السلام نے مانیں اب موسیٰ علیہ السلام نے یہ چار دعائیں عرض کیں جو رب تعالیٰ نے قبول فرمائیں اور فرمایا کہ یہ دعائیں قبول کرنا ہمارا تم پر دوسری دفعہ احسان ہے۔ پہلا احسان بچپن میں اُس وقت ہوا جب فرعون کے سپاہی

قتل کرتے کے لیے تجھ کو ڈھونڈتے پھرتے تھے ہم نے ہی دریا میں ڈالنے کا طریقہ تمہاری والدہ کو وحیِ الہام کے ذریعے سے بتایا تھا کہ کس طرح تابوت میں رکھا اور دریا میں بہا دیا دریا نے تابوت کو فرعون کے محل کے اندرونی نہر کے ساحل پر ڈالا اور اللہ کے دشمن اور خود حضرت موسیٰ کے جانی دشمن فرعون نے اس کو اٹھا کر اپنا بیٹا بنا لیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے موسیٰ علیہ السلام کی محبت فرعون اور آسیہ زوجۂ فرعون کے دل میں ڈال دی۔ یہ سب کاروائی اس لیے ہوئی کہ ہمارا نبی ہماری ہی پرورش میں رہے اور ڈیوٹی دشمن کی ہو ہم نے تو اپنے نبی کو کسی کافرہ دائی کا دودھ بھی پینے نہ دیا تاکہ والدہ بھی جدائی میں حلکان نہ ہو اُس کی بھی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اے موسیٰ تیری ہی بہن سے ہم نے یہ سب مخبری و پیغام رسانی کرا دی پھر ایک وقت وہ آیا جب تم جوان ہوئے تم نے ایک ظالم قبطی کو مکہ مار کر قتل کر دیا ہم نے اُن فکروں سے تم کو نجات دی اور تم مدین کی طرف بھاگ گئے وہاں تم کو کئی سال رکھ کر امتحانِ نبوت اور طرح طرح کی آزمائشوں سے مضبوط کیا گیا پھر خوب جانچنے کے بعد وہاں سے فیصلۂ الٰہیہ اور خدائی پروگرام کے مطابق تم واپس مصر آئے کیونکہ میں نے تم کو اپنے لیے بنایا۔ اب تم اور تمہارا بھائی میرے دیئے ہوئے معجزات کے ساتھ فرعون کے پاس جاؤ اور میری یاد میں کبھی بھی کمی نہ کرنا۔ اور اے موسیٰ تم جلال والے نبی ہو مگر تم دونوں ہمارے پیغامبر ہو اس لیے فرعون سے نرم انداز میں گفتگو کرنا تاکہ وہ بگڑ نہ بیٹھے اور اُس کو مزید سرکشی کا بہانہ نہ مل جائے بلکہ نصیحت پکڑے یا اللہ سے ڈرے۔ دونوں نے عرض کیا کہ ہم کو خدشہ ہے وہ فرعون ہماری بات سنے بغیر ہی ہم پر کوئی آفت نہ ڈھا دے یا ہم کو دربار میں ہی نہ آنے دے اور درباریوں سے شرارت کروائے کیا اُس وقت بھی ہم نرمی ہی کرتے رہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس بات کی تم فکر نہ کرو میں تمہارے ساتھ ہوں سب کچھ دیکھتا ہوں سنتا ہوں بے فکر ہو کر اُس کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ ہم دونوں تیرے رب تعالیٰ کے رسول ہیں تو بھی بندہ بن جا اس بات پر ایمان لے آ اور بنی اسرائیل پر ظلم نہ کر اُن کو ہمارے حوالے کر دے ہم معجزات لے کر آئے ہیں اگر تجھ کو ابھی ہماری نبوت پر یقین نہیں آتا تو معجزات دیکھ لے۔ سلامتی صرف اُسی کی ہے جس نے اللہ کے سچے راستے کو پکڑا اور ہم کو وحیِ الٰہی سے معلوم ہو گیا ہے کہ جو حق کو جھٹلائے اور منہ پھیرے اس پر ابدی عذاب ہے۔ فرعون بولا جب حضرت موسیٰ نے اُس کے بھرے دربار میں پہنچ کر رب تعالیٰ کے یہ سارے پیغامات پہنچائے کہ اے موسیٰ تم دونوں کا رب کون ہے۔ ان سب کا رب تو میں ہوں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہمارا رب تعالیٰ وہ ہے جس نے ساری مخلوق کو اچھی شکل و صورت دی اس کی حیثیت کا جسم دیا اور ہدایت دی فرعون بولا موسیٰ تمہاری باتیں تو بڑی دلچسپ ہیں کچھ پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں تو سناؤ۔ اور ان نصیحتوں کو چھوڑ دو

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا وہ قصے اور ان کا علم میرے رب کے پاس ہے میں وہ سنانے نہیں آیا۔ نہ میرا رب بھولے نہ بہکے۔ تو رب کیسے ہو سکتا ہے جو سب کچھ بھولا بیٹھا ہے۔ میرا رب ہی سب کا رب ہے اسی نے اپنی مخلوق کو پالنے کے لیے زمین کا گہوارہ بنایا اور تمہارے سفر و حضر کے لیے روزی غذا کھانے کے لیے راستے بنائے آسمان کی طرف سے بادل برسائے اُن کے ذریعے ہر جاندار کے لیے رزق پیدا کئے پس تم بھی کھاؤ اور اپنے جانوروں کو بھی کھلاؤ خود رب نہ بن بیٹھو۔ ان سب چیزوں میں عقل والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔ تیسرا رکوع۔ اس رکوع کی بائیس آیت میں فرمایا گیا کہ ہم نے تم کو یعنی انسانوں حیوانوں کو نباتات جمادات کو اسی مٹی سے پیدا کیا ہے اور اسی میں پھر لوٹا دیں گے۔ اس کے بعد قصہ موسیٰ علیہ السلام شروع ہے فرمایا گیا کہ بذریعہ موسیٰ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں معجزاتِ نبوت فرعون کو دکھائے گئے مگر اُس نے جھٹلایا انکار ہی کیا اور ان معجزات کو جادو سمجھا اور ملک بھر کے دیگر تمام تقریباً اسی ہزار جادوگر مقابلے کے لیے بلا لیے۔ اُس نے برملا خدشہ ظاہر کیا کہ موسیٰ (علیہ السلام) اپنے جادو کے زور سے ہم کو ملک و سلطنت سے نکالنا چاہتے ہیں۔ اور یہ بات ظاہر مشاہدے میں ہے کہ باطل دنیا پرست کو کرسی و سلطنت بڑی پیاری ہوتی ہے۔ اس مقابلے کے لیے جگہ اور دن مقرر ہو گیا تو اُس مقررہ دن میں سب جادوگر آ گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اُس بھرے مجمع میں نہایت شاندار تبلیغی وعظ فرمایا کہ اے فرعون و فرعونیو قبطیو جادوگرو تم پر افسوس اور ہلاکت ہے کہ تم اپنے خالق مالک رب تعالیٰ پر افترا باندھتے ہو ایسا نہ کرو ورنہ وہ مولیٰ تعالیٰ قادر و قیوم تم کو دائمی عذاب میں ہلاک فرما دے گا۔ جھوٹ بنانے افترا کرنے والا تو کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا نامراد ہی رہتا ہے اس تقریر سے متاثر ہو کر کچھ جادوگر مقابلہ کرنے سے ڈر گئے اور کچھ ڈٹے رہے انہوں نے سمجھایا کہ ساتھیو آج مقابلے سے مت ڈرو بلکہ خوب قوت سے مقابلے کرو کیونکہ آج جو جیتے گا وہ ساری عمر بلندی اور کامیابی والا ہو گا فرعون کی نظر میں محبوب و مقبول ہو گا۔ رہے یہ دو شخص تو یہ تو یہ دونوں موسیٰ و ہارون تو تم سب فرعون و فرعونیوں کو سلطنت و ملک سے نکال کر اور تمہارے اس فرعونی اچھے دین سے برباد کر دیں۔ لہٰذا اے ساتھیو گھبراؤ مت اپنے سارے داؤ پیچ جمع کرو اور مقابلہ کرو۔ اُدھر فرعون نے انعام و اکرام اور ڈرا دھمکا کر ان کو مقابلے پر مجبور کیا۔ تب آمادہ ہوئے اور سب بولے کہ اے موسیٰ ہم اپنا جادو پہلے ڈالیں یا تم پہلے ڈالو۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ تم ہی پہلے ڈالو دیکھیں تو کیا داؤ بازی کرتے ہو۔ انہوں نے جادو کیا تو ان کی تمام رسیاں بانس سامان سانپوں کی طرح چلتی نظر آنے لگیں۔ موسیٰ علیہ السلام کو بھی شکل سانپ ہی معلوم ہوئے تب موسیٰ

علیہ السلام فکر مند ہوئے کہ اب حق و باطل میں فرق کون کرے گا کس طرح ہوگا۔ آگے ارشاد ہے کہ ہم نے فرمایا اے موسیٰ فکر مند نہ ہو آج تم ہی غالب رہو گے اپنا عصا ڈالو وہ سب کھا جائے گا۔ یہ سانپ نہیں یہ تو جادو کا فریب ہے کبھی جادوگر بھی کامیاب ہوا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کا عصا اتنا بڑا سانپ بن گیا کہ وہ سب کچھ نگل گیا یہاں تک کہ لوگوں کی طرف لپکا تب سب لوگ فرعون بھی ڈر کر بھاگ پڑے اور جادوگر مومن بن کر سجدے میں گر پڑے اور بولے ہم موسیٰ و ہارون کے رب پر ایمان لائے اُدھر جب ہوش آیا اور فرعون کو پتہ لگا کہ سب جادوگر موسیٰ پر ایمان لے آئے ہیں تو بہت غصہ سے بھرا اور جادوگروں کو دربار میں بلا کر جھڑکا قتل کی دھمکی دی مکار و فریبی دھوکے باز کہا کہ تم درپردہ پہلے سے اسی کے ساتھی و شاگرد تھے۔ جادوگروں میں ایمانی قوت آچکی تھی بولے جو تو چاہے کرلے ہم تو اب مرتد نہ ہوں گے تیرا عذاب تو چند گھڑیوں کا ہوگا۔ ہمیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے پچھلے گناہ بھی بخش دے گا اور یہ جادو بھی جو تو نے جبراً ہم سے کرایا ہے۔ اب ہم جان گئے ہیں کہ رب تعالیٰ کے حضور جو شخص مجرم بن کر جائے گا اس کے لیے دائمی عذاب کی جہنم ہے وہاں نہ مردوں میں ہوگا نہ زندوں میں۔ اور جو مومن بن کر اچھے اعمال لے کر جائے گا وہ جنت میں اعلیٰ درجے نہریں باغات اور پاکیزگی کی جزا پائے گا

چوتھا رکوع۔ اس کی تیرہ آیات میں جادوگروں کے اُس مقابلے اور فرعون کی ذلت آمیز شکست کے بعد بیس سال تک فرعون کو ہر طرح سمجھایا جاتا رہا جب وہ پھر بھی اپنی کفریات پر ڈٹا رہا تب رب تعالیٰ سے موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اور ہجرت کا حکم ہوا۔ جس طرح کہ ہمیشہ انبیاء کرام کو ہجرت کرنے کا ذکر رات ہی میں بتایا جاتا ہے اسی طرح حضرت موسیٰ کو بھی رات میں ہجرت کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس رکوع میں آٹھ باتیں بیان فرمائیں پہلی یہ کہ تمام بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر رات میں بغیر مشہور کئے خفیہ طور پر مصر سے ہجرت کر جاؤ۔ دوم۔ دریا میں راستہ بنانے کا حکم سوم فرعون اور لشکر کا صبح کے وقت پیچھا کرنا چہارم۔ بنی اسرائیل کا دریا سے پار نکل جانا اور تمام فرعونیوں اور خود فرعون کا بھی ڈوب جانا۔ پنجم۔ فرعون کی گمراہ گری اور بے ہدایت ہونے کا ذکر ششم۔ موسیٰ اور فرعون کا یہ سارا واقعہ بیان کرنے کے بعد موجودہ تاقیامت بنی اسرائیل یہودیوں کو وہ احسانات یاد دلائے جا رہے ہیں جو اُن پر رب تعالیٰ نے اپنے انبیاء عظام علیہم السلام کے وسیلے سے کئے جو تقریباً تین تھے ۱۔ فرعون جیسے دشمن سے نجات ۲۔ طور پر بخشش و عزت کا وعدہ توریت دینے کا وعدہ ۳۔ من و سلویٰ کا نازل فرمانا۔ اور عام کھانے کے لیے دعوتِ عام۔ اب اگر پھر تم بڑے ہوئے پہلے بچھڑے کی پرستش کرنے کی طرح تو فرعون کی طرح تم پر بھی غضب آجائے گا۔ فرمایا گیا کہ جو بھی انسان میرے غضب میں آئے گا

وہ گر کر فنا ہو جائے گا۔ لیکن توبہ کر کے نیک کام کرنے والے کو بہت بخشش بھی دی جائے گی۔ ہفتم۔ پھر واقعۂ موسیٰ علیہ السلام شروع کیا گیا۔ کہ اتنے احسانات کے باوجود چند دنوں کے بعد موسیٰ علیہ السلام کے طور پر جانے اور قوم سے غیر حاضر ہوتے ہی قوم گمراہ ہو گئی رب تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو قوم کی گمراہی کی خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ اے موسیٰ تم جلدی کیوں جدا ہوئے سامری نے قوم کو گمراہ کر دیا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کے غضب ناک ہو کر واپس قوم میں آنے اور قوم کو جھڑکنے اور گمراہ ہونے کی وجہ دریافت کرنے اور باز پرس کرنے اور سب لوگوں کو سرزنش کرنے کا تذکرہ ہے اور ہشتم یہ کہ قوم نے اپنے گمراہ ہونے کی وجہ بتاتے ہوئے کیا جواب دیا اُس کا ذکر ہے۔ **پانچواں رکوع**۔ اس رکوع کی پندرہ آیت میں سات باتیں ذکر کی گئیں پہلی یہ کہ رب تعالیٰ نے حضرت ہٰرون کی تبلیغ کا ذکر فرمایا دوم حضرت ہٰرون کو قوم کا جواب بیان ہوا سوم یہ کہ حضرت موسیٰ نے ہٰرون علیہ السلام سے سخت لہجے اور سخت طریقے سے باز پرس کی حضرت ہٰرون نے اپنی مجبوری و براءت میں جو جواب دیا اُس کا ذکر ہے چہارم یہ کہ حضرت موسیٰ نے سامری کو سرزنش فرمائی اور اس کا فضول جواب سن کر آپ نے اس کے بُرے انجام کی پیش گوئی فرمائی کہ تجھ کو ایک بیماری لگ جائے گی اور تو لوگوں سے تا عمر یہ ہی کہتا رہے گا کہ مجھ کو ہاتھ نہ لگانا ورنہ میری بیماری زیادہ ہو جائے گی اور دوسرے کی بھی حالت خراب ہو گی۔ پنجم حضرت موسیٰ نے اس بچھڑے کا جو انجام کیا جس کو گمراہ قوم نے باطل معبود بنا لیا تھا۔ کہ دیکھو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہم اس بچھڑے کو ذبح کر کے جلاتے ہیں پھر ریزہ ریزہ ہونے کے بعد اس کو دریا میں بہا دیں گے۔ پھر آپ نے یہ کام ختم کر کے اللہ کی حمد بیان کی اور اُس کی سچی معبودیت کا ذکر فرمایا۔ ششم فرمایا گیا کہ اے محبوب ہم ہی آپ کو پہلوں کے قصے سناتے ہیں اور آپ کا اتنا بڑا علم اور یادداشت ہم نے آپ کو دیا ہے۔ پھر فرمایا گیا کہ جو بھی آپ کے علم اور فرمودات اور آپ کے اس عطائی ذکر سے منہ پھیرے گا۔ تو وہ کافر ہو کر اپنا پورا بوجھ اٹھائے گا تا ابد۔ یہ ہی قیامت میں اس کی بدبختی اور بُرا انجام ہے۔ ہفتم قیامت میں کفار کی تین حالتوں کا ذکر کیا گیا ۱ صور پھونکے جانے کا وقت ۲ مجرموں کے جمع ہونے کی حالت اور ان کی بگڑی صورتیں ۳ اُن کی آپس کی دنیا کے بارے میں گفتگو۔

چھٹا رکوع۔ اس کی گیارہ آیتوں میں تیرہ باتوں کا ذکر فرمایا گیا۔ پہلی یہ کہ قیامت کی چند نشانیاں ذکر کی گئیں ۱ ۲ پہاڑوں کی تباہی ۳ زمین کی ایک میدان چٹیل ہموار ہو جانے کی حالت ۴ مجرموں کافروں فاسقوں کی حالت زار پنجم شفاعت اور شفیع کا ذکر۔ ششم۔ اللہ تعالیٰ ہر ظاہر پوشیدہ کو جانتا ہے ہفتم۔ لوگوں کا علم اللہ تعالیٰ کی کسی شان و صفات کو نہیں جان سکتا۔ ہشتم یہ کہ قیامت

کے دن سب کے چہرے خوف وندامت اور صیبت وخشیت سے اُس کے روبرو جھک جائیں گے نہم۔ قیامت میں نامراد اور بامراد کا بیان۔ دہم۔ قرآن مجید کی عربی زبان اور اس میں وعدوعید کا تذکرہ اور عربی میں ہونے کی وجہ یازدہم۔ اللہ تعالیٰ کی حمد کا بیان دوازدہم۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید کے متعلق دو نصیحتیں ۱ یہ کہ قرآن مجید جلدی جلدی آگے آگے نہ پڑھا کریں ۲ اپنے علم کے زیادہ ہونے کی دعائیں مانگتے رہیں سیزدہم۔ حضرت آدم علیہ السلام کے جنتی وعدے اور اُس کے ٹوٹنے پر رب تعالیٰ کا فیصلہ کہ وہ جان بوجھ کر نہ توڑا گیا تھا وہ تو ایک بھول تھی۔ ساتواں رکوع۔ اس کی تیرہ آیتوں میں آٹھ باتیں بیان فرمائی گئیں۔ پہلی یہ کہ ملائکہ کو سجدۂ آدم کا حکم ملا تو سب ملائکہ نے سجدہ کیا شیطان ابلیس نے انکار کرتے ہوئے نہ کیا۔ دوم یہ کہ آدم علیہ السلام کو بتایا گیا تھا کہ شیطان تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے۔ کہیں وہ تم کو دھوکا فریب دے کر جنت سے نہ نکلوا دے اور تم کو دنیا کی مشقتیں اٹھانی پڑیں۔ سوم یہ کہ فرمایا گیا اے آدم جنت میں تم کو چار آرام میسر رہیں گے اور اُن آراموں کے لیے تم کو کوئی محنت مشقت دنیا کی طرح نہ کرنی پڑے گی ۱ تم دونوں خاوند بیوی جنت میں کبھی بھی بھوک محسوس نہ کرو گے ۲ نہ تم ننگے ہو گے ۳ نہ کبھی پیاس لگے ۴ نہ دھوپ اور گرمی لگے۔ چہارم یہ کہ فرمایا گیا شیطان نے حضرت آدم کو ظاہر ظہور آ کر وسوسہ دیا۔ اور بولا کہ کیا میں تم کو ایسا درخت نہ بتاؤں جس کو کھا کر تم جنت میں ہمیشہ رہو اور ایسی ابدی دائمی بادشاہت ملے کہ کبھی پرانی نہ ہو۔ پنجم یہ کہ آدم علیہ السلام ابلیس کے فریب میں آگئے اور اُس درخت کا پھل کھا لیا تو اُن کا جنتی لباس اُتر گیا اور وہ جنت کے پتے لپیٹ کر اپنا ستر ڈھانکنے لگے یہ سب مصیبت اس لیے ہوئی کہ آدم علیہ السلام نے وعدہ خلافی کر دی۔ ششم یہ کہ آدم علیہ السلام نے اپنی بھول چوک والی غلطی سے توبہ کی جو کئی سال بعد قبول ہو گئی اور آپ کو برگزیدہ بندوں میں چن لیا گیا۔ ہفتم یہ کہ آدم علیہ السلام کے جنت سے نکلنے کے وقت رب تعالیٰ کا آدم علیہ السلام سے چند باتیں فرمانا ۱ تم دونوں آدم وحوا علیہما السلام باقی چیزوں کو ساتھ لے کر ایک دم اتر جاؤ ۲ دنیا میں تم سب ایک دوسرے کے دشمن بنے رہو گے ۳ پھر میری ہدایت نبوت اور دین ومذہب کی شکل میں آئے گی ۴ میری ہدایت کا پیروکار نیک بندہ نہ گمراہ ہو گا نہ مشقت میں پڑے گا نہ بدبخت ونامراد ہو گا اور میری ہدایت سے منہ پھیرنے والا دنیا میں تنگ اور بری زندگی والا ہو گا آخرت میں آنکھوں سے اندھا ہو گا۔ قیامت میں ہر شخص کو دنیوی زندگی یاد ہو گی اسی لیے یہ کافر مجرم عرض کرے گا مولیٰ میں تو دنیا میں آنکھوں والا تھا اب کیوں اندھا ہوں

رب تعالیٰ کی طرف سے جواب کا ذکر ہے۔ ہشتم یہ کہ عبرت حاصل کرنے کے لیے پہلوں کی تاریخ جاننا چاہیے کہ اُن نافرمانوں کی ہلاکتیں کس طرح ہوتی رہیں۔ فرمایا گیا کہ نصیحت صرف عقل والے پکڑتے ہیں۔

آٹھواں رکوع۔ اس رکوع کی سات آیت میں سات باتیں ذکر ہوئیں۔ پہلی یہ کہ۔ کفار پر جلدی عذاب نہ آنے کی وجہ بیان ہوئی۔ دوم۔ آقائے کائنات حضورِ اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کو صبر کرنے کا ارشاد فرمایا جارہا ہے اور صبر کے لیے نماز کا ذکر ہے جس میں تسبیح بھی ہوتی ہے اور حمد باری تعالیٰ بھی اس جگہ چار نمازوں کا ذکر فرمایا گیا ۱ فجر ۲ عصر ۳ عشاء ۴ مغرب۔ سوم یہ کہ تاقیامت مسلمانوں کو کفار و فساق کے عیش و آرام اور دولت سے بے توجہ ہونے کا ذکر ہے۔ اور حکم دیا گیا کہ ان چیزوں سے منہ پھیر لو۔ یہ مال و دولت اُن کے لیے فتنہ ہیں۔ ہمیشہ باقی رہنے والا تو وہ رزقِ الٰہی ہے جو نبی کریم کی نسبت و تعلیم سے حاصل ہو۔ چہارم یہ کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ صرف خود ہی نیک اعمال نماز روزہ نہ کرے بلکہ اپنے گھر میں تمام رہنے والوں کو بھی پابندی کرائے۔ تمام زندگی رزق ڈھونڈنے میں برباد نہ کردے۔ یہ سب رزق تمہارے ہی لیے ہے ہم تم سے نہیں مانگتے پنجم یہ کہ فرمایا گیا آخرت کی کامیابی صرف تقوے سے ہے ششم یہ کہ کفار کے جھوٹے اور فضول مطالبوں کا رد فرمایا جارہا ہے کہ اب جب کہ ہم نے اپنے کرم و رحم سے اپنے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمادیا تو یہ طرح طرح کے ناجائز سوال و مطالبہ کررہے ہیں حالانکہ یہ نشانیاں کیا کم ہیں کہ پچھلی تمام کتابوں صحیفوں میں ہر نبی علیہ السلام کی زبان پر ہمارے اس محبوب نبی کی بشارتیں نعتیں تذکرے آج تک موجود ہیں جس کو یہ سب کافر جانتے ہیں ہفتم اگر ہم انبیاء کرام علیہم السلام کو نہ بھیجتے تو قیامت کی ذلت رسوائی اور عذاب کی سزا دیکھ کر یہی کہتے کہ اے اللہ تو نے ہمارے پاس اپنے رسول اور انبیاء کیوں نہ بھیجے کہ ہم اُن کی فوراً اتباع کرلیتے۔ ہفتم کفار مذاقاً کہا کرتے تھے کہ ہم اس نبی کے بتلائے ہوئے عذاب کا انتظار کررہے ہیں یہاں آخری آیت میں اُس کا جواب دیا گیا۔

سورۃ طٰہٰ کے عملیات

بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ جو شخص روزانہ سورہ طٰہٰ کا ورد کرے اول آخر گیارہ مرتبہ درود شفا شریف تو جادو کے نقصان و اثر سے محفوظ رہے گا۔ اور رزق کی تنگی نہ ہوگی۔ ۲ جس لڑکی کا نکاح نہ ہوتا ہو وہ اول آخر درود شریف روزانہ گیارہ دن تک بعد نمازِ فجر ۲۱ دفعہ سورۃ طٰہٰ تلاوت کرے شروع تو بعد نماز فجر کرے ختم جب چاہے ہو۔ انشاءاللہ تعالیٰ نیک صالح صحت مند

مرد سے شادی کے رشتے آنے لگے رہے ۳ اولاد کے لیے بھی اس طرح کرے تو ان شاء اللہ نیک اولاد کامل ٹھہرے گا۔ اگر پڑھ نہ سکے یا غلط پڑھتا ہے تو کسی نیک متقی عالم سے کسی پاکیزہ سبز ریشمی کپڑے پر لکھوا کر بمع زیر زبر خوشخط بالکل صحیح صحیح اس کو لپیٹ کر تعویذ کی طرح گلے میں ڈالے نکاح ہو جائے تب بھی گلے میں جب بچہ یا بچی پیدا ہو تو اس کے گلے میں ڈالدے رہے اگر کسی عامل کامل سے اس کا تعویذ لکھوا کر گلے میں پہنے تو ہر قسم کے جادو سے محفوظ رہے۔ اس سورۃ کے کل عدد بحساب ابجد ۳۹۹۲۸۳ اس کے تعویذ کا زائچہ حسب ذیل ہے۔ اور تعویذ کی چال خانہ ۱۲ میں ہے تعویذ یہ ہے۔

۷۸۶

۹۹۸۲۰	۹۹۸۲۳	۹۹۸۲۷	۹۹۸۱۳
۹۹۸۲۶	۹۹۸۱۴	۹۹۸۱۹	۹۹۸۲۴
۹۹۸۱۵	۹۹۸۲۹	۹۹۸۲۱	۹۹۸۱۸
۹۹۸۲۲	۹۹۸۱۷	۹۹۸۱۶	۹۹۸۲۸

سورۃ طٰہٰ کے فضائل

سنن دارمی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رب تعالیٰ نے آسمانوں و زمین کی تخلیق سے پہلے دو ہزار سال قبل سورہ طٰہٰ و سورۃ یٰسین کو تلاوت فرمایا جب ملائکہ نے یہ تلاوت سنی تو کہنے لگے کہ مبارک ہے وہ امت جس پر یہ نازل ہوں گی اور مبارک ہیں وہ سینے جن میں یہ سورتیں حفظ ہوں گی اور مبارک ہیں وہ زبانیں جو ان کو قرأت کریںگی حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام سورتیں قرآن مجید میں سے اٹھائی جائیں گی مگر سورۃ طٰہٰ و سورۃ یٰسٓ مومن سے نہیں لی جائینگی ان کی تلاوت جنت میں مومنین کی زبانوں پر ہوتی رہے گی۔ اس سورۃ مبارکہ کے فضائل میں ایک یہ بھی فضیلت بیان کی جاتی ہے کہ عمر فاروق جیسے متشدد اور سخت دل تندخو جابر انسان کو اسی سورۃ کی تلاوت نے رقت آمیز نرم دل بنایا اور ایمان بخشا یہ سورت ایمان فاروقی سے ایک ماہ پہلے نازل ہوئی تھی۔ اس سورت پاک میں چار چیزیں بہت اہتمام خاص سے ذکر فرمائی گئیں۔ ۱ چونکہ یہ زمانہ کفار مکہ کے ہر قسم کے ظلم کے عروج کا تھا جس سے صحابہ کرام ہر وقت فکرمند اور غمزدہ رہتے تھے اس لیے قرآن پاک کی ان آیات میں بار بار تسلی تشفی فرمائی جا رہی ہے۔ ۲ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تفصیلی واقعہ فرعون کے ظلم و قتل عام سرکشی فتنہ فساد اور بالآخر انجام کار موسیٰ علیہ السلام کے غلبے کا ذکر بھی اسی تسلی تشفی کے ضمن میں ہے کہ حضرت موسیٰ کو طفلگی بچپن جوانی اور آخر دم تک جو رب تعالیٰ فرعون سے محفوظ رکھ سکتا ہے وہ مولیٰ تعالیٰ اپنے نبی اور محبوب کے امتیوں کو

بھی غالب ہی رکھے گا۔ ۳۔ بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے اتنے انعام مگر اُن کی گمراہی اور کفرانِ نعمت بھی کتنی جلدی ظاہر ہوا۔ ۴۔ آدم علیہ السّلام اور ابلیس کا واقعہ بیان فرماکر تا قیامت مسلمانوں کی ایک بہت بڑی اصلاح فرمائی جارہی ہے کہ عاجزیِ آدم اختیار کرنا اصل ایمان اور قربِ الٰہی توفیقِ توبہ کا ذریعہ ہے مگر جرم اور اکڑبازی شیطان کا کام ہے۔ جس سے مردودیت وذلت ورسوائی دوریِ بارگاہ ہے اس سے بچنا چاہیئے۔ لغزش کرکے بھی اسی مولیٰ کی بارگاہ میں گرے رہو تو وہ رحیم وکریم ہے تفسیر خازن میں ہے بروایت حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کچھ سورتیں مجھ کو سابقہ کلاموں سے دی گئیں۔ جن میں سورۃِ بقرہ کا کچھ حصّہ مجھ کو توریت سے دیا گیا اور سورۃِ طٰہٰ اور طواسین (یعنی وہ تین سورتیں جن کے اوّل میں حروفِ مقطعات میں سے طٰسٓمٓ آتا ہے ۱۔ سورۃِ الشعرا ۲۔ سورۃ النمل اس کی ابتدا طٰسٓ۔ سے ہوتی ہے ۳۔ سورۃ القصص یہ تینوں سورتیں توریت شریف کی اُن تختیوں میں تھیں جو اُٹھالی گئیں تھیں) مجھ کو دی گئیں اور فواتح القرآن۔ اور سورۃِ بقرہ کی آخری آیت مجھ کو عرش کے نیچے دی گئیں شبِ معراج اور مفصل کی سورتیں خصوصی طور پر مجھ کو ہی عطا فرمائی گئیں کسی سابقہ نبی کو نہ ملیں۔ باقی سورۃ بقرہ عالمِ ازل میں مجھ کو دی گئی تمام مخلوق سے پہلے رب تعالیٰ نے نور کا ستون بنایا اور اس کا نام محمد رکھا تمام مخلوق اس نور کی شعاعوں سے پیدا ہوئی۔ وہ ستونِ نور میں ہوں۔ پھر رب تعالےٰ نے سورۃِ طٰہٰ کی تلاوت فرمائی اور پھر سورۃِ یٰسٓ کی تلاوت فرمائی۔ دارمی حاکم مستدرک۔ بیہقی عن معقل بن یسار عن ابن عباس اس روایت سے اقتضاءً واشارۃً ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام کائنات سے پہلے نبی بنادیئے گئے تھے اس لیئے کہ طٰہٰ میں بھی اوّلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بطریق ندا اسم مبارک ہے اور سورۃ یٰسٓ میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مقدس ہے تمام فقہاء علماء مشائخ فرماتے ہیں کہ لفظ طٰہٰ اور لفظ یٰسین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔ ننانوے اسماءِ مقدسہ میں شامل ہیں اور ندا کے ساتھ ہیں۔ یٰسین میں تو ظاہراً یا حرفِ ندا موجود ہے۔ طٰہٰ کو بھی ندائیہ کہا گیا ہے مگر ان اسما کے ترجمہ اور معنی مطلب اللہ رسول ہی جانتے ہیں۔ اور ندا اُس کو کی جاتی ہے جو موجود ہو۔ سورۃ طٰہٰ میں اسمِ اعظم بھی ہے آقاءِ دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین سورتوں میں اسمِ اعظم تلاش کرو ۱۔ بقرہ ۲۔ آلِ عمران ۳۔ طٰہٰ (از مستدرک حاکم طبرانی۔ ابن ماجہ عن ابی امامہؓ) سورۃ طٰہٰ میں ایک سو پینتیس آیات آٹھ رکوع ایک ہزار تین سو ایک کلمات (الفاظ) اور پانچ ہزار دو سو بیالیس حروف ہیں۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ

تمت بالخیر والعافیہ

اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ کا کرم عظیم ہے کہ آج بروز پیر مبارک چھ جمادی الثانی ۱۴۱۶ھ مطابق ۳۰ اکتوبر ۱۹۹۵ء بعد نماز ظہر تفسیر نعیمی پارہ سولہ بمدۃ تین سال دس ماہ میں مکمل تصنیف ہوئی۔ اس کی ابتدا یکم جنوری ۱۹۹۲ء مطابق تیس شعبان ۱۴۱۲ھ بروز اتوار ہوئی تھی۔ تفسیر نعیمی میں ہر آیت مبارکہ کی تفسیر میں گیارہ چیزیں لکھی جاتی ہیں ۱ عربی کلام ۲ ترجمہ محاورے کا ۳ اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی کا ترجمہ کنزالایمان ۴ تعلقات ۵ شانِ نزول ۶ تفسیر نحوی ۷ تفسیر عالمانہ ۸ فوائد آیت ۹ احکام القرآن فقہی مسائل ۱۰ اعتراضات جوابات ۱۱ تفسیر صوفیانہ تفسیر نعیمی کی تصنیف میں مندرجہ ذیل عربی کتب سے استفادہ کیا جاتا ہے ۱ تفسیر روح البیان ۲ تفسیر روح المعانی ۳ تفسیر صاوی ۴ تفسیر کبیر امام فخرالدین رازی ۵ تفسیر نیشاپوری ۶ تفسیر مظہری ۷ تفسیر جامع البیان ۸ تفسیر بیضاوی ۹ تفسیر مدارک ۱۰ تفسیر خازن ۱۱ تفسیر جلالین ۱۲ تفسیر ابن عباس ۱۳ تفسیر فتح القدیر ۱۴ تفسیر عرائس البیان ۱۵ تفسیر ابن عربی ۱۶ شرح جامی ۱۷ حیوٰۃ الحیوان ۱۸ عجائب المخلوقات ۱۹ الانصاف فی النحو ۲۰ ملاحسن ۲۱ حمداللہ ۲۲ میبذی۔

فہرست مضامین تفسیر نعیمی سپارہ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ سولہواں پارہ